



# हिन्दी घर

ہندی گھر

کलچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کنٹر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی अपनी मन-पसन्द किताबों के लिये हमें लिखें।

کلچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کنٹر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

## हमारी नई किताबें

महात्मा गाँधी की वसीयत

( हिन्दी और उर्दू में )

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने विद्वान : श्री मंजर अली साकता  
सके 225, कीमत दो रुपया

— : ० : —

## गाँधी बाबा

( बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब )

लेखिका—कुदसिया चौदी

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू  
मोटा काराज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें  
दाम दो रुपया

— : ० : —

पंडित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम दहाई रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

160 सके, दाम बारह आने

महात्मा गाँधी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत चार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुट्ठीगंज इलहबद

## हमاری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

( ہندی اور اردو میں )

لیکھک—گاندھی واد کے مانے جانے والے  
ویدوان : سرگیت شری منظر علی سوختہ  
صفحہ 225، قیمت دو روپیہ

— : ۰ : —

## گاندھی بابا

( بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب )

لیکھک—کدسیہ چوڈی

بھومیکا—پندت جواہر لال نہرو  
موٹا کاغذ، موٹا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں  
دাম دو روپیہ

— : ۰ : —

پندت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قران

275 صفحہ، دام دھائی روپیہ

ہندو مسلم ایکتا

100 صفحہ، دام بارہ آئے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

قیمت بارہ آئے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آئے

بنگال اور اُس سے سبق

قیمت دو آئے

ہندستانی کلچر سوسائٹی

145، مٹی گنج الہ آباد



# ساں ھاتھک ساھتی

سانسکرتک ساھتی

ھجرت موھممد اور ھسلام

لےکھ—پنڈت سندرلال، مূলے—تین روپے  
ھسلام کے پیغمبر کے سمبندھ میں ھارتیہ ماہااں میں ھس سے  
سندر کوئی دھری پستک نہی

ھجرت ھسا اور ھسائی ھرم

لےکھ—پنڈت سندرلال، مূলے—دھ روپے

مھاا جڑتھ اور ھسانی سنسکرتی

لےکھ—بشبرناث پاڈے، کرمات—دو روپے

یھودی ھرم اور سامی سنسکرتی

لےکھ—بشبرناث پاڈے، کرمات—دو روپے

پراچین مصل کی سمبھتا اور سنسکرتی

لےکھ—بشبرناث پاڈے، کرمات—دو روپے

سمر بابل اور اسوریہ کی اچین سنسکرتی

لےکھ—بشبرناث پاڈے، کرمات—دو روپے

پراچین یونانی سمبھتا اور سنسکرتی

لےکھ—بشبرناث پاڈے، کرمات—دو روپے

گंगा سے گومتی تک

( پراگتیھیل کھانی سمپھ )

لےکھ—شری مونیب رنجی، کرمات—دو روپے

اگ اور انسو

( ھاوون ساماجیک کھانی )

لےکھ—ااکٹر اھتر ھسن رایپوری، کرمات—دھ روپے

کوران اور ھرمیک ماتھد

لےکھ—مولانا ابولکلام اآزاد، کرمات—دھ روپے

ااھر

( پراگتیھیل کھانیاں کا سمپھ )

لےکھ—رھوپتی سھای کراک، کرمات—تین روپے

ملنے کا پتا ملنے کا پتا

ھضرت موھممد اور ھسلام

لےکھ—پنڈت سندرلال، مূলے—تین روپے  
ااسم کے پیغمبر کے سمبندھ میں ھاارتیہ ھاااں میں ااس سے  
سندر کوئی دھری پستک نہی

ھضرت ھسائی اور ھسائی ھرم

لےکھ—پنڈت سندرلال، مূলے—دھ روپے

مھاا جڑتھ اور ھسانی سنسکرتی

لےکھ—بشبرناث پاڈے، کرمات—دو روپے

یھودی ھرم اور سامی سنسکرتی

لےکھ—بشبرناث پاڈے، کرمات—دو روپے

پراچین مصر کی سمبھتا اور سنسکرتی

لےکھ—بشبرناث پاڈے، کرمات—دو روپے

سمیر بابل اور اسوریہ کی پراچین سنسکرتی

لےکھ—بشبرناث پاڈے، کرمات—دو روپے

پراچین یونانی سمبھتا اور سنسکرتی

لےکھ—بشبرناث پاڈے، کرمات—دو روپے

گنگا سے گومتی تک

( پراگتیھیل کھانی سمپھ )

لےکھ—شری مونیب رنجی، کرمات—دو روپے

اگ اور انسو

( ھاوون ساماجیک کھانی )

لےکھ—ااکٹر اھتر ھسن رائے پوری، کرمات—دھ روپے

قرآن اور ھارمک ماتھد

لےکھ—مولانا ابولکلام اآزاد، کرمات—دھ روپے

جھنکار

( پراگتیھیل کھانیاں کا سمپھ )

لےکھ—رھوپتی سھای کراک، کرمات—تین روپے

ھندستانی کلچر سوسائٹی ھندوستانی کلچر سوسائٹی

145 منی گنج، الھآباد 145 منی گنج، الھآباد



## हमारी राय

नय-नय रास्ते खुलने की आशा है, आकाश के दूसरे  
गोलों के साथ हमारा सम्बन्ध मानव उन्नति के मार्ग पर  
एक बहुत बड़ा सीमा चिन्ह है, मानव समाज की इससे  
बहुत बड़ी आर्थिक और नैतिक काया पलट हो सकती है,

एक खास मञ्चाङ्क की बात इस बनावनी चाँद के सम्बन्ध में यह हुई कि हीरोशिमा और नागासाकी के बमों द्वारा इन्सानी बरबादी से जिन लोगों के अतः करन (जमीरों) को चोट नहीं लगी थी, जो लाखों बन्दरों और सुअरों का हर साल अपने साइन्सी तजरबों के लिए तड़पा-तड़पा कर मारते रहते हैं, रूसी सैटिलाइट की एक कुतिया की मौत का खयाल करके ही उनके दिल पिघल गए और उनकी छतियों से दूध टपक पड़ा !

हम सोवियत रूस को, दुनिया को और दुनिया की जनता को इस नई ईजाद के लिए दिल से बधाई देते हैं.

**15-11-57**

—सुन्दरलाल

مبارک و تعالیٰ

نئے نئے راستے کھولنے کی آشا ہے۔ آنکھ کے دوسرے گوشوں کے ساتھ ہمارا سمیٹا ہوا آنٹی کے مارگ پر ایک بہت بڑا سہما چلو ہے۔ مٹاؤ سراج کی اس سے بہت بڑی آرتھک اور ٹھٹھک کا پاپاٹ ہو سکتی ہے۔

ایک خاص مذاق کی بات اس ہاوائی چاند کے سبب  
میں یہ ہوئی کہ ہوروشما اور فگا ساکی کے بموں دوران انسانی  
پرہادی سے جن لوگوں کے انتہ کرن (ضمیروں) کو چوٹ نہیں  
لگی تھی، جو انہیں ہلدیوں اور سرورں کو ہر سال اپنے سائنسی  
محبروں کے لئے تزیینا کر مارتے رہتے ہیں، روسی سٹیٹلائٹ کی  
ایک کھپا کی موت کا خیال کر کے ہی اُن کے دل بکھل گئے اور  
اُن کی چہانوں سے دودھ نپک پڑا۔

ہم سوویت روس کو، دنیا کو اور دنیا کی جگہاں کو اس نئی  
ایجاد کے اٹھ دے دیے ہیں۔

—سندھ لکھیں۔

**15. 11. 57**

میں یہ کہیں بھی اور عام جگہ کے لئے نہیں آدھک ہو کر ہے۔ وہ شہر شانتی کے قائم کرنے میں بھی امریکی راستہ کے مقابلے میں وہ کہیں آدھک سہاگ ہے۔ اس راستہ میں اور جتنی جی کے بٹائے ہوئے راستے میں سمجھنے ہی ہو سکتا ہے اور ہمارے اور دنیا دونوں کے لئے ہو کر ہو سکتا ہے۔ یہ ہمارے لئے اس سے سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ ہم 'راجنٹک'، 'نیکٹک'، 'آرتھک'، 'ایڈوگ' اور 'ساجک' سب معاملوں میں پہلے اپنے اندر نگاہ ڈالیں اور دیہ کی کروڑوں غریب جگہ' اس کی اوشکتوں اور اپنے آدرشوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنے آگے کا راستہ طے کریں اور وشولس کے ساتھ اس پر چلیں۔

### روس کا بناوटी چاؤد

پچھلے کچھ سماج سے دنیا بھر کے لوگوں کی نگاہیں سوشلیٹ روس کے دونوں سٹیلٹ کی طرف جا رہی ہیں جیہیں لوگ بناوٹی چاؤد بھی کہتے ہیں۔ دنیا بھر کے اخباروں میں جیتنی چرچا ان بناوٹی چاؤد کی ہوئی ہے اتنی ہی کبھی کبھی شاہد ہی کہی جاتی ہے کہ یہ کبھی کسی اور چیز کی ہوئی ہو۔ اس گھٹنا کے ضمن میں دو خاص نتیجے معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ دنیا کو بد سے بچانے اور شانتی قائم رکھنے میں اس سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ دنیا نے دیکھا کہ سائنسی آگے کی درجہ میں روس دوسرے سب دیشوں سے آگے نکل گیا۔ روس کی ایجاد نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ زمانہ جگہ کا زمانہ ہے اور سائنسی اور دماغی درجہ میں بھی کوئی سامراج وادی دیہ سامہوادی یا سماج وادی دیشوں سے آگے نہیں ہاڑی نہیں لے جا سکتا۔ دوسرے دیشوں کے اندرونی معاملوں میں ہر بار دخل دینے والے سامراج وادی دیشوں کے غلط منصوبوں کو یہی اس سے کافی دھکا پہنچا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طرح کے غلط منصوبے ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔ حال میں امریکہ اور انگلینڈ کی طرف سے جو خبر نکلی ہے کہ وہ پچاس اور چھوٹے بڑے راشٹروں کو اپنے ساتھ مل کر کمونسٹ دیشوں اور خاص کر روس کے خلاف ایک نیا سرچہ کھڑا کرنا چاہتے ہیں، وہ خاصی افسوسناک ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کے دونوں پردھان اگڑوں میں ایک دوسرے کو مقابلے کی گھانک اچھا ابھی مٹی نہیں ہے۔ یہ ہمیں وشولس ہے کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے اور پچھڑے ہوئے دیہ اس بات کو سمجھتے جا رہے ہیں اور سمجھیں گے کہ اس طرح کی گتوں میں شامل ہونا ان کے لئے کٹنا گھانک اور دنیا کے لئے کٹنا خطرناک ہے۔ کل مل کر ہمیں وشولس ہے کہ روس کی اس نئی ایجاد کا اثر جس کا بدہ، ودیا کے ساتھ یہی گہرا سببہ ہے—دنیا کی شانتی کے لئے اچھا ہی ہوگا۔

دوسرا بڑا نتیجہ روس کی اس نئی ایجاد کا یہ ہوگا کہ دنیا کی جگہ' اس کی 'آرتھک'، 'ایڈوگ'، 'ساجک'، 'نیکٹک'، 'آرتھک'، 'ایڈوگ' اور 'ساجک' سب معاملوں میں پہلے اپنے اندر نگاہ ڈالیں اور دیہ کی کروڑوں غریب جگہ' اس کی اوشکتوں اور اپنے آدرشوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنے آگے کا راستہ طے کریں اور وشولس کے ساتھ اس پر چلیں۔

### روس کا بناوٹی چاؤد

پچھلے کچھ سماج سے دنیا بھر کے لوگوں کی نگاہیں سوشلیٹ روس کے دونوں سٹیلٹ کی طرف جا رہی ہیں جیہیں لوگ بناوٹی چاؤد بھی کہتے ہیں۔ دنیا بھر کے اخباروں میں جیتنی چرچا ان بناوٹی چاؤد کی ہوئی ہے اتنی ہی کبھی کبھی شاہد ہی کہی جاتی ہے کہ یہ کبھی کسی اور چیز کی ہوئی ہو۔ اس گھٹنا کے ضمن میں دو خاص نتیجے معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ دنیا کو بد سے بچانے اور شانتی قائم رکھنے میں اس سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ دنیا نے دیکھا کہ سائنسی آگے کی درجہ میں روس دوسرے سب دیشوں سے آگے نکل گیا۔ روس کی ایجاد نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ زمانہ جگہ کا زمانہ ہے اور سائنسی اور دماغی درجہ میں بھی کوئی سامراج وادی دیہ سامہوادی یا سماج وادی دیشوں سے آگے نہیں ہاڑی نہیں لے جا سکتا۔ دوسرے دیشوں کے اندرونی معاملوں میں ہر بار دخل دینے والے سامراج وادی دیشوں کے غلط منصوبوں کو یہی اس سے کافی دھکا پہنچا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طرح کے غلط منصوبے ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔ حال میں امریکہ اور انگلینڈ کی طرف سے جو خبر نکلی ہے کہ وہ پچاس اور چھوٹے بڑے راشٹروں کو اپنے ساتھ مل کر کمونسٹ دیشوں اور خاص کر روس کے خلاف ایک نیا سرچہ کھڑا کرنا چاہتے ہیں، وہ خاصی افسوسناک ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کے دونوں پردھان اگڑوں میں ایک دوسرے کو مقابلے کی گھانک اچھا ابھی مٹی نہیں ہے۔ یہ ہمیں وشولس ہے کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے اور پچھڑے ہوئے دیہ اس بات کو سمجھتے جا رہے ہیں اور سمجھیں گے کہ اس طرح کی گتوں میں شامل ہونا ان کے لئے کٹنا گھانک اور دنیا کے لئے کٹنا خطرناک ہے۔ کل مل کر ہمیں وشولس ہے کہ روس کی اس نئی ایجاد کا اثر جس کا بدہ، ودیا کے ساتھ یہی گہرا سببہ ہے—دنیا کی شانتی کے لئے اچھا ہی ہوگا۔

دوسرا بڑا نتیجہ روس کی اس نئی ایجاد کا یہ ہوگا کہ دنیا کی جگہ' اس کی 'آرتھک'، 'ایڈوگ'، 'ساجک'، 'نیکٹک'، 'آرتھک'، 'ایڈوگ' اور 'ساجک' سب معاملوں میں پہلے اپنے اندر نگاہ ڈالیں اور دیہ کی کروڑوں غریب جگہ' اس کی اوشکتوں اور اپنے آدرشوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنے آگے کا راستہ طے کریں اور وشولس کے ساتھ اس پر چلیں۔

सका कर दिया. हाल में रूस से मदद के समझौते की खबरें छपी हैं. हमारी राय इस बारे में साफ है. सबसे पहले यह कि न हम यह चाहते हैं और न इसकी जरूरत मानते हैं कि भारत किसी भी दूसरे देश के सामने इस बात के लिए हाथ पसारें, या किसी-से-किसी रूप में करवा ले. दूसरे यह कि अगर किसी से मदद लेनी ही हो तो वह बजाय दान या नकद ऋण के केवल माल के आदान प्रदान के रूप में होनी चाहिए और वह भी अपनी हैसियत और अपनी बिसात देखकर. चीन की आर्थिक कठिनाइयाँ आज से दस बरस पहले हमारी आजकल की कठिनाइयाँ से कम नहीं थीं. पर चीन ने किसी साम्राज्यवादी देश के सामने हाथ नहीं पसारा. अपनी औद्योगिक (सनअती) उन्नति के लिए चीन ने केवल रूस से थोड़ी बहुत मदद ली है. और वह मदद भी, जहाँ तक हमें मालूम है' केवल इस रूप में थी कि तीन अरब अमरीकी डालर की कीमत का माल, मशीनें इत्यादि, जिसकी चीन को जरूरत थी और रूस दे सकता था, रूस चीन को पाँच बरस के अन्दर पाँच किस्तों में दे, और उतनी ही कीमत का माल, ऐसा जिसकी रूस को जरूरत है और चीन दे सकता है, कच्चा माल इत्यादि, चीन रूस को दस साल के अन्दर दस किस्तों में दे, और इस लेन देन में रूस का जो रुपया कुछ दिनों अटका रहे उसके लिए एक फ्रीसदी सालाना सूद के हिसाब से उतना ही अधिक माल चीन अपने यहाँ से रूस जाने वाले माल में बढ़ा दे, और बस. तीसरे हमारी साफ़ राय यह भी है कि इस तरह की अगर कोई मदद लेनी ही हो तो हमें साम्राज्यवादी देशों के बजाय जहाँ तक हो सके कम्युनिस्ट या गैर साम्राज्यवादी देशों की मदद का अधिक स्वागत करना चाहिए. इस निगाह से यदि रूस से भारत का इस तरह का समझौता हमें अमरीका या इंग्लैन्ड की मदद से बेनिजाफ़ कर सके तो उस दरजे तक हम उसे रानीमत समझते हैं.

### असली इलाज

लेकिन अन्त में हम फिर दुहरा देना चाहते हैं कि देश के जिन दुखों की ऊपर के ख़त में चरचा की गयी है उनका असली इलाज हमारा इन सब बातों में महात्मा गाँधी के बताए हुए रास्ते को ठीक-ठीक समझना और उस पर अमल करना ही हो सकता है. इंग्लैन्ड और अमरीका के पूँजीवादी रास्तों की नक़ल, जो हम इस समय कर रहे हैं, हमारे इन दुखों को और अधिक बढ़ा देगी. रूस और चीन का कम्युनिस्ट रास्ता भी एक रास्ता हो सकता है और है. अमेकी या अमरीकी रास्ते के मुकाबले में वह कहीं बेहतर और आम जनता के लिए कहीं अधिक हितकर है. विरव-शान्ति के क्रायम करने में भी अमरीकी रास्ते के मुकाबले

क़रा कर दिया. हाल में रूस से मदद के समझौते की खबरें छपी हैं. हमारी राय इस बारे में साफ़ है. सबसे पहले यह कि न हम यह चाहते हैं और न इसकी जरूरत मानते हैं कि भारत किसी भी दूसरे देश के सामने इस बात के लिए हाथ पसारें, या किसी-से-किसी रूप में करवा ले. दूसरे यह कि अगर किसी से मदद लेनी ही हो तो वह बजाय दान या नकद ऋण के केवल माल के आदान प्रदान के रूप में होनी चाहिए और वह भी अपनी हैसियत और अपनी बिसात देखकर. चीन की आर्थिक कठिनाइयाँ आज से दस बरस पहले हमारी आजकल की कठिनाइयाँ से कम नहीं थीं. पर चीन ने किसी साम्राज्यवादी देश के सामने हाथ नहीं पसारा. अपनी औद्योगिक (सनअती) उन्नति के लिए चीन ने केवल रूस से थोड़ी बहुत मदद ली है. और वह मदद भी, जहाँ तक हमें मालूम है' केवल इस रूप में थी कि तीन अरब अमरीकी डालर की कीमत का माल, मशीनें इत्यादि, जिसकी चीन को जरूरत थी और रूस दे सकता था, रूस चीन को पाँच बरस के अन्दर पाँच किस्तों में दे, और उतनी ही कीमत का माल, ऐसा जिसकी रूस को जरूरत है और चीन दे सकता है, कच्चा माल इत्यादि, चीन रूस को दस साल के अन्दर दस किस्तों में दे, और इस लेन देन में रूस का जो रुपया कुछ दिनों अटका रहे उसके लिए एक फ्रीसदी सालाना सूद के हिसाब से उतना ही अधिक माल चीन अपने यहाँ से रूस जाने वाले माल में बढ़ा दे, और बस. तीसरे हमारी साफ़ राय यह भी है कि इस तरह की अगर कोई मदद लेनी ही हो तो हमें साम्राज्यवादी देशों के बजाय जहाँ तक हो सके कम्युनिस्ट या गैर साम्राज्यवादी देशों की मदद का अधिक स्वागत करना चाहिए. इस निगाह से यदि रूस से भारत का इस तरह का समझौता हमें अमरीका या इंग्लैन्ड की मदद से बेनिजाफ़ कर सके तो उस दरजे तक हम उसे रानीमत समझते हैं.

### असली علاج

लेकिन अन्त में हम फिर दुहरा देना चाहते हैं कि देश के जिन दुखों की ऊपर के ख़त में चरचा की गयी है उनका असली इलाज हमारा इन सब बातों में महात्मा गाँधी के बताए हुए रास्ते को ठीक-ठीक समझना और उस पर अमल करना ही हो सकता है. इंग्लैन्ड और अमरीका के पूँजीवादी रास्तों की नक़ल, जो हम इस समय कर रहे हैं, हमारे इन दुखों को और अधिक बढ़ा देगी. रूस और चीन का कम्युनिस्ट रास्ता भी एक रास्ता हो सकता है और है. अमेकी या अमरीकी रास्ते के मुकाबले में वह कहीं बेहतर और आम जनता के लिए कहीं अधिक हितकर है. विरव-शान्ति के क्रायम करने में भी अमरीकी रास्ते के मुकाबले

तिजोरियों और बंकों में जमा है, सबकी सफलता का अन्दाजा उस हालत से करना चाहिये जिसमें देश के सब से नीचे के लोग, सब से गरीब लोग रहते हैं। पूँजीपति की अर्थनीति की कसौटी इसके ठीक उल्टी है। हमारे आजकल के शासक जैसे भी हो सके देश की कुल औद्योगिक (सनअती) उपज और देश का कुल धन बढ़ाने की चिन्ता में हैं। देश के लाखों और करोड़ों गरीबों, मजदूरों, किसानों और दस्तकारों को ऊपर उठाना उनके लिये इतने अधिक महत्व की और इतनी जल्दी की चीज नहीं है। यह रालत आर्थिक नीति ही हमारे इस समय के अधिकतर दुस्खों का कारण है। हमें पूरा विश्वास है कि अगर इस मामले में हम गांधी जी के बताए रास्ते पर चले होते या अब भी चले तो हमें बाहर के किसी देश से एक पैसा भी भिख या ऋज मँगाने की जरूरत नहीं है। इस बारे में गांधी जी के विचार और कम्युनिस्ट विचार, कई बातों में अलग अलग होते हुए भी, बहुत दूरजे तक मिलते हुए हैं। पर रोगा यही है कि हमारे आज की आर्थिक नीति न गांधी वादी है और न मार्क्सवादी। हमारी आजकल की आर्थिक नीति शुद्ध पूँजीवादी है, जो अन्त में साम्राज्यवाद की तरफ ले जाय बगैर नहीं रह सकती। अभी से जब कि प्रान्त प्रान्त में हमारे लाखों जुनकर भूखे मर रहे हैं और गांव गांव के कोल्हू पट पड़े हुए हैं, हमें अपनी मिलों के कपड़े और मिलों की चीनी बेचने के लिये देश के बाहर मन्डियों की तलाश रहती है। हम बार बार कह चुके हैं कि देश की जनता के हित में यह नीति रालत और बरबादकुन है।

अपनी इस रालत आर्थिक नीति के कारण दूसरे देशों के सामने हाथ पसारने ने हमारे अन्तर्राष्ट्रीय सम्बन्धों में भी पेचीदगियां पैदा कर दी हैं। श्री के० के० कृष्णमचारी ने अमरीका में और दूसरे साम्राज्यवादी देशों में जिस तरह की गिरी हुई बातें कहीं उन पर देश और पार्लिमेंट के अन्दर काफी ले दे मच चुकी है। श्री कृष्णमचारी ने भारत की अन्तर्राष्ट्रीय स्थिति को अमरीका में रालत चित्रित किया और अपने देश को लजाया इसमें कोई सन्देह नहीं हो सकता। "न्युयार्क टाइम्स" के सम्वाददाता ने श्री कृष्णमचारी की तरदीव की। जिस तरह तरदीव की है वह कृष्णमचारी को इस विषय में गुनहगार ठहराने के लिये काफी है। हमारे प्रधान मन्त्री का उनका बचाव इसलिये करना पड़ता है कि बदक्रिस्मती से प्रधान मन्त्री की राय में देश के बढ़ने के लिये बाहर से पैसा आना जरूरी है और श्री कृष्णमचारी ने जैसे भी बन पड़े पैसा लाने की कोशिश में कसर नहीं उठा रखी।

एक दूसरी पेचीदगी हमारी इस रालत चाल ने यह पैदा कर दी कि उसने हमें मवद देने वालों में रूस और अमरीका को फिर एकबार प्रतिस्पर्धी (रक्कीबों) के रूप में लाकर

लज्जोरियों और बंकों में जमा है, सबकी सफलता का अन्दाजा उस हालत से करना चाहिये जिसमें देश के सब से नीचे के लोग, सब से गरीब लोग रहते हैं। पूँजीपति की अर्थनीति की कसौटी इसके ठीक उल्टी है। हमारे आजकल के शासक जैसे भी हो सके देश की कुल औद्योगिक (सनअती) उपज और देश का कुल धन बढ़ाने की चिन्ता में हैं। देश के लाखों और करोड़ों गरीबों, मजदूरों, किसानों और दस्तकारों को ऊपर उठाना उनके लिये इतने अधिक महत्व की और इतनी जल्दी की चीज नहीं है। यह रालत आर्थिक नीति ही हमारे इस समय के अधिकतर दुस्खों का कारण है। हमें पूरा विश्वास है कि अगर इस मामले में हम गांधी जी के बताए रास्ते पर चले होते या अब भी चले तो हमें बाहर के किसी देश से एक पैसा भी भिख या ऋज मँगाने की जरूरत नहीं है। इस बारे में गांधी जी के विचार और कम्युनिस्ट विचार, कई बातों में अलग अलग होते हुए भी, बहुत दूरजे तक मिलते हुए हैं। पर रोगा यही है कि हमारे आज की आर्थिक नीति न गांधी वादी है और न मार्क्सवादी। हमारी आजकल की आर्थिक नीति शुद्ध पूँजीवादी है, जो अन्त में साम्राज्यवाद की तरफ ले जाय बगैर नहीं रह सकती। अभी से जब कि प्रान्त प्रान्त में हमारे लाखों जुनकर भूखे मर रहे हैं और गांव गांव के कोल्हू पट पड़े हुए हैं, हमें अपनी मिलों के कपड़े और मिलों की चीनी बेचने के लिये देश के बाहर मन्डियों की तलाश रहती है। हम बार बार कह चुके हैं कि देश की जनता के हित में यह नीति रालत और बरबादकुन है।

पहली इस غلط अर्थिक नीति के कारन दूसरे दिशों के सामने हाथ पसारने ने हमारे अन्तर्राष्ट्रीय सम्बन्धों में भी पेचीदगियां पैदा कर दी हैं। श्री के० के० कृष्णमचारी ने अमरीका में और दूसरे साम्राज्यवादी देशों में जिस तरह की गिरी हुई बातें कहीं उन पर देश और पार्लिमेंट के अन्दर काफी ले दे मच चुकी है। श्री कृष्णमचारी ने भारत की अन्तर्राष्ट्रीय स्थिति को अमरीका में रालत चित्रित किया और अपने देश को लजाया इसमें कोई सन्देह नहीं हो सकता। "न्युयार्क टाइम्स" के सम्वाददाता ने श्री कृष्णमचारी की तरदीव की। जिस तरह तरदीव की है वह कृष्णमचारी को इस विषय में गुनहगार ठहराने के लिये काफी है। हमारे प्रधान मन्त्री का उनका बचाव इसलिये करना पड़ता है कि बदक्रिस्मती से प्रधान मन्त्री की राय में देश के बढ़ने के लिये बाहर से पैसा आना जरूरी है और श्री कृष्णमचारी ने जैसे भी बन पड़े पैसा लाने की कोशिश में कसर नहीं उठा रखी।

एक दूसरी पेचीदगी हमारी इस रालत चाल ने यह पैदा कर दी कि उसने हमें मवद देने वालों में रूस और अमरीका को फिर एकबार प्रतिस्पर्धी (रक्कीबों) के रूप में लाकर



तरफ अन्दर की यह पिछ-वसीट और बरबादकुन शक्तियाँ दोनों के बीच से देस की नाब को सफलता पूर्वक खेकर लेजा सकने वाला आवामी हमें अभी दूसरा दिखाई नहीं देता, जवाहरलाल जी की देशभक्ति, सचाई और बहादुरी में भी किसी को सन्देह नहीं हो सकता.

### देश के दुखों का मूल कारण

देश के इस समय के उन दुखों का जिनकी ऊपर के खत में चर्चा है मूल कारण हमें यह दिखाई देता है के देश के और कांग्रेस के अनेक बड़े बड़े नेताओं को शायद कभी भी महात्मा गांधी के आर्थिक (माली), औद्योगिक (मनअती), और एक दर्जे तक नैतिक (इखलाकी) सिद्धान्तों में विश्वास नहीं हुआ. देश के इस समय के अधिकतर नेता अंगरेजी तालीम की उपज हैं, और अनेक अच्छाइयाँ रखते हुए भी और बरसों महात्मा गांधी के मजदूर रहते हुए भी, पच्छमी तालीम के गलत असर से ऊपर नहीं उठ सके.

### बाहर से पैसे की मदद और हमारी आर्थिक नीति

पिछले अगस्त के महीने में तोक्या के अन्दर हम एक दिन एक अमरीकी दोस्त से बातें कर रहे थे. हम उनसे कह रहे थे कि एशियाई देशों की इच्छा और उनके हित के विरुद्ध अमरीका का एशियाई देशों के उद्योग धन्धों में अपनी पूँजी लगाना और इस तरह उन देशों के अन्दर के मामलों में जबरदस्ती दखल देना बड़ी गलत चीज और आर्थिक साम्राज्यवाद (इकोनामिक इम्पीरियलिज्म) की जड़ है, इत्यादि. हमारे अमरीकी दोस्त ने तुरन्त उलट कर हमें जवाब दिया, उनके शब्द इमें अब तक याद हैं—  
“you cannot say that. Your own.....has been going on his knees requesting U. S. A. to invest money in India and promising them all sorts of concessions, no nationalisation or socialisation for fifty years and so forth.”

अर्थात्—“आप यह नहीं कह सकते. आपका अपना .....घुटनों के बल अमरीका से प्रार्थना करता रहा है कि अमरीका भारत में अपनी पूँजी लगावे, और इसके बदले में अमरीका से हर तरह की रिआयतों का वादा करता रहा है, जैसे यह कि भारत सरकार पचास साल तक ऐसे उद्योगों को जिनमें अमरीका की पूँजी लगी होगी राष्ट्र की या समाज की सम्पत्ति नहीं बनाएगी, इत्यादि.”

महात्मा गांधी का उलूल था और हमें विश्वास है कि वह सोलह आने ठीक था कि किसी भी देश की आर्थिक सफलता का अन्दाजा उन धनराशियों से नहीं करना चाहिये जो वहाँ के बड़े बड़े लोगों और अमीरों की

शक्ति अन्दर की यह पिछ-वसीट और बरबादकुन शक्तियाँ दोनों के बीच से देस की नाब को सफलता पूर्वक खेकर लेजा सकने वाला आवामी हमें अभी दूसरा दिखाई नहीं देता, जवाहरलाल जी की देशभक्ति, सचाई और बहादुरी में भी किसी को सन्देह नहीं हो सकता.

देश के दुखों का मूल कारण

देश के इस समय के उन दुखों का जिनकी ऊपर के खत में चर्चा है मूल कारण हमें यह दिखाई देता है के देश के और कांग्रेस के अनेक बड़े बड़े नेताओं को शायद कभी भी महात्मा गांधी के आर्थिक (माली), औद्योगिक (मनअती), और एक दर्जे तक नैतिक (इखलाकी) सिद्धान्तों में विश्वास नहीं हुआ. देश के इस समय के अधिकतर नेता अंगरेजी तालीम की उपज हैं, और अनेक अच्छाइयाँ रखते हुए भी और बरसों महात्मा गांधी के मजदूर रहते हुए भी, पच्छमी तालीम के गलत असर से ऊपर नहीं उठ सके.

बाहर से पैसे की मदद और हमारी आर्थिक नीति

पिछले अगस्त के महीने में तोक्या के अन्दर हम एक दिन एक अमरीकी दोस्त से बातें कर रहे थे. हम उनसे कह रहे थे कि एशियाई देशों की इच्छा और उनके हित के विरुद्ध अमरीका का एशियाई देशों के उद्योग धन्धों में अपनी पूँजी लगाना और इस तरह उन देशों के अन्दर के मामलों में जबरदस्ती दखल देना बड़ी गलत चीज और आर्थिक साम्राज्यवाद (इकोनामिक इम्पीरियलिज्म) की जड़ है, इत्यादि. हमारे अमरीकी दोस्त ने तुरन्त उलट कर हमें जवाब दिया, उनके शब्द इमें अब तक याद हैं—  
“You cannot say that. Your own.....has been going on his knees requesting U. S. A. to invest money in India and promising them all sorts of concessions, no nationalisation or socialisation for fifty years and so forth.”

अर्थात्—“आप यह नहीं कह सकते. आपका अपना .....घुटनों के बल अमरीका से प्रार्थना करता रहा है कि अमरीका भारत में अपनी पूँजी लगावे, और इसके बदले में अमरीका से हर तरह की रिआयतों का वादा करता रहा है, जैसे यह कि भारत सरकार पचास साल तक ऐसे उद्योगों को जिनमें अमरीका की पूँजी लगी होगी राष्ट्र की या समाज की सम्पत्ति नहीं बनाएगी, इत्यादि.”

महात्मा गांधी का उलूल था और हमें विश्वास है कि वह सोलह आने ठीक था कि किसी भी देश की आर्थिक सफलता का अन्दाजा उन धनराशियों से नहीं करना चाहिये जो वहाँ के बड़े बड़े लोगों और अमीरों की

## دیش کی پیچھے چسپاٹ شکتیاں

دوسری اور دیش میں ابھی تک اس طرح کے پیچھے چسپاٹنے والی شکتیوں کا بھی پورے خاتمہ نہیں ہوا ہے جو اگر قابو پا جائیں تو دیش کو مسائل میں پہنچانے میں مدد نہیں دے سکتیں۔ انہیں شکتیوں نے مہاتما گاندھی کی جان لی۔ پنجاب کے "ہندی رक्षा आन्दोलन" پر ہم اپنے خیال پر غور کر چکے ہیں۔ یہ غلط آندولن اور دیش کی شکتیوں کا کارنامہ ہے۔

حال میں پنجاب ہندی رक्षा आन्दोलन کے دو मुख्य कार्यकर्ता دہلی میں ہمارے ایک প্রতিष्ठित मित्र سے मिलने आए. हमारे मित्र ने उनसे इस आन्दोलन की निरर्थकता पर बातें की. इस पर वन दोनों में से एक ने बड़ी संजीवनी के साथ कहा—"मुख्य प्रश्न हमारे सामने हिन्दी का नहीं है, मुख्य प्रश्न जवाहरलाल और जवाहरलाल की सरकार को गिराना है." यह भी एक खुली बात है कि इस आन्दोलन में पंजाब भर के अन्दर और कहीं कहीं पंजाब से बाहर भी पंडित जवाहरलाल नेहरू को हिन्दुओं का विरोधी दर्शा कर जनता की नजरों में गिराने की काफ़ी कोशिश की गई है.

देश को पीछे चسपटने वाली और बरबादी के गड्डे में मिराने वाली ये शक्तियां जगह जगह और भी तरह तरह के रूप धारण करती रहती हैं.

पंजाब के इस राजत हिन्दी आन्दोलन से देश को और खासकर हिन्दी को कितना नुकसान पहुंचा है इसका कुछ अन्दाजा इस एक बात से लगाया जा सकता है कि हमारी पार्लिमेंट के अठ्ठासी मेम्बरों ने सरकार को यह नोटिस दे दिया है कि सन् 1990 से पहले हिन्दी को अंग्रेजी का स्थान देने की बात न की जावे. श्री राजगोपालाचारी जैसे अनेक नेताओं ने तो यह साफ कह दिया है कि अंग्रेजी की जगह हिन्दी को अगर कभी भी सरकारी अन्तर्देशीय भाषा बनाने की कोशिश की गई तो बलकान की तरह देश के टुकड़े टुकड़े हो जावेंगे. पंजाब के नादान हिन्दी प्रेमियों और उनके मददगारों ने राष्ट्र भाषा की हैसियत से हिन्दी को खत्म कर देने में अपनी तरफ से कोई कोशिश उठा नहीं रखी.

## पं० जवाहरलाल नेहरू और उनकी सरकार

इन नाजुक हालात में वर्तमान शासन के अन्दर अनेक दोषों के होते हुए भी—और वह दोष बड़े गहरे दोष हैं—हमें पंडित जवाहरलाल नेहरू का अस्तित्व और देश के शासन की बाग का उनके हाथों में होना बहुत ही घनीमत मानना होता है. कई बातों में हमारा धन्यवाद गहरा मतभेद है. पर एक तरफ नाजुक अन्तर्राष्ट्रीय स्थिति और दूसरी

## देष کی پیچھے چسپاٹ شکتیاں

دوسری اور دیش میں ابھی تک اس طرح کے پیچھے چسپاٹنے والی شکتیوں کا زور بھی ختم نہیں ہوا ہے جو اگر قابو پا جائیں تو دیش کو مسائل میں پہنچانے میں مدد نہیں دے سکتیں۔ انہیں شکتیوں نے مہاتما گاندھی کی جان لی۔ پنجاب کے "ہندی رक्षा आन्दोलन" پر ہم وچار پرکرت کر چکے ہیں۔ یہ غلط آندولن اور دیش کی شکتیوں کا کارنامہ ہے۔

حال میں پنجاب ہندی رक्षा आन्दोलन کے دو मुख्य कार्यकर्ता دہلی میں ہمارے ایک प्रतिष्ठित मित्र سے मिलने आए. हमारे मित्र ने उनसे इस आन्दोलन की निरर्थकता पर बातें की. इस पर वन दोनों में से एक ने बड़ी संजीवनी के साथ कहा—"मुख्य प्रश्न हमारे सामने हिन्दी का नहीं है, मुख्य प्रश्न जवाहरलाल और जवाहरलाल की सरकार को गिराना है." यह भी एक खुली बात है कि इस आन्दोलन में पंजाब भर के अन्दर और कहीं कहीं पंजाब سے बाहर بھی पंडित जवाहर लाल नेहरू को हिन्दुओं का विरोधी दर्शा कर जनता की नजरों में गिराने की काफ़ी कोशिश की गई है.

देश को पीछे चسपटने والी और बरबादी के गड्डे में मिराने वाली ये शक्तियां जगह जगह और भी तरह तरह के रूप धारण करती रहती हैं.

पंजाब के इस राजत आन्दोलन से देश को और खासकर हिन्दी को कितना नुकसान पहुंचा है इसका कुछ अन्दाजा इस एक बात से लगाया जा सकता है कि हमारी पार्लिमेंट के अठ्ठासी मेम्बरों ने सरकार को यह नोटिस दे दिया है कि सन् 1990 से पहले हिन्दी को अंग्रेजी का स्थान देने की बात न की जावे. श्री राजगोपालाचारी जैसे अनेक नेताओं ने तो यह साफ कह दिया है कि अंग्रेजी की जगह हिन्दी को अगर कभी भी सरकारी अन्तर्देशीय भाषा बनाने की कोशिश की गई तो बलकान की तरह देश के टुकड़े टुकड़े हो जावेंगे. पंजाब के नादान हिन्दी प्रेमियों और उनके मददगारों ने राष्ट्र भाषा की हैसियत से हिन्दी को खत्म कर देने में अपनी तरफ से कोई कोशिश उठा नहीं रखी.

## पं० जवाहर लाल नेहरू और उनकी सरकार

इन नाजुक हालात में वर्तमान शासन के अन्दर अनेक दोषों के होते हुए भी—और वह दोष बड़े गहरे दोष हैं—हमें पंडित जवाहरलाल नेहरू का अस्तित्व और देश के शासन की बाग का उनके हाथों में होना बहुत ही घनीमत मानना होता है. कई बातों में हमारा धन्यवाद गहरा मतभेद है. पर एक तरफ नाजुक अन्तर्राष्ट्रीय स्थिति और दूसरी



ہے، نہ کہ اس کا خیال کرنا اور اپنے دل پر غلبہ رکھنا۔  
(نور) (خانہ اور دل کو مہیا کرنا۔)

### دش کے دل کی آواز

جاہل ہے کپڑے کی ہر بات ہر آواز میں  
ٹیک نہیں کھی جا سکتی، کھی کھی اٹھتی  
(مٹا لگا) کی آواز بھی صاف ہے، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جن کے یہ خط  
نہیں کہ جن کے یہ دل کی آواز ہے، ایک وہی نہیں، ایک  
ہم یہ ہی یا اسی طرح کی باتیں آج لکھیں دیکھیں دیکھیں کی  
باتیں پر ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آواز اس سے  
دش کے دل کی آواز ہے۔

دہلی میں ہم نے بھارت سرکار کے ایک افسر اور  
لوہاری کو یہ خط پڑھ کر سنا، انہوں نے بڑے دھماکے  
سنا، ان کا چہرہ کچھ گھبرا گیا تھا، ہم نے سنا  
نہیں آگے یہ باتیں اچھی نہیں لگیں، ہم نے جھجکتے ہوئے  
کہا: "اگر باتوں میں کچھ سچائی تو آگے ہے،" انہوں نے  
بھارت اسی گھبراہٹ کے ساتھ جواب دیا: "جی نہیں! کچھ  
سچائی نہیں، پوری سچائی ہے، اس میں جو لکھا ہے وہ  
بالکل سچ ہے،" ہماری آن کی اس پر دور تک باتیں  
ہیں۔

انگریزوں کی ایک کہارت ہے: "جنتا کی آواز بھارت کی  
آواز ہوتی ہے،" اسی سے ملتی جلتی اردو کی ایک کہارت ہے:—  
"آواز خلق کو نواز خدا سچو،" اس میں کوئی شک  
نہیں کہ آواز کے خط کی باتوں میں ایک بہت بڑا انہی  
سچائی کا ہے۔

### اچ کی کانگریس

بھارتس پرس ہم نے اپنے لاجپت سنگھ سے کانگریس کی  
سہوا کی ہے اور کافی نوڈیک سے تلمذ ہو کر کی ہے، کانگریس  
کا دیکھ پر بہت بڑا احسان ہے، ہمارے دل میں اب بھی  
کانگریس کا بڑا آدر ہے، کانگریس اور کانگریس سرکار دونوں  
میں اس سے بھی کافی ایسے لوگ ہیں جن سے بڑھ کر آدمی  
دیکھ میں ملتا نہیں ہے، پر اس میں بھی سلبہ نہیں کہ  
کانگریس سنگھ آزادی ملنے کے بعد سے تیزی کے ساتھ نیچے کو  
جا رہی ہے، کانگریس لیڈروں، دعاوا سہاؤں اور پارلیمنٹ کے  
کانگریس ممبروں اور کانگریس ممبروں میں آج کافی تعداد  
ایسے لوگوں کی ہے جو دیکھ کی آزادی کے سکرم کے دنوں  
میں شاید نہیں دیکھائی بھی نہ دیتے تھے، ذکی مسٹر ایس  
میں جنہیں ہمارے جیسے لوگ پہچانتے بھی نہیں ہیں جو  
سنی 1947 کے بعد کانگریس نامہ میں اور آج کانگریس کے  
بڑے سے بڑے مشہوروں میں ان کی آواز سنی جاتی ہے۔

### آج کی کانگریس

بھارتس پرس ہم نے اپنے ناچی ڈنگ سے کانگریس  
کی سہوا کی ہے اور کافی نوڈیک سے تلمذ ہو کر کی ہے، کانگریس  
کا دیکھ پر بہت بڑا احسان ہے، ہمارے دل میں اب بھی  
کانگریس کا بڑا آدر ہے، کانگریس اور کانگریس سرکار دونوں  
میں اس سے بھی کافی ایسے لوگ ہیں جن سے بڑھ کر آدمی  
دیکھ میں ملتا نہیں ہے، پر اس میں بھی سلبہ نہیں کہ  
کانگریس سنگھ آزادی ملنے کے بعد سے تیزی کے ساتھ نیچے کو  
جا رہی ہے، کانگریس لیڈروں، دعاوا سہاؤں اور پارلیمنٹ کے  
کانگریس ممبروں اور کانگریس ممبروں میں آج کافی تعداد  
ایسے لوگوں کی ہے جو دیکھ کی آزادی کے سکرم کے دنوں  
میں شاید نہیں دیکھائی بھی نہ دیتے تھے، ذکی مسٹر ایس  
میں جنہیں ہمارے جیسے لوگ پہچانتے بھی نہیں ہیں جو  
سنی 1947 کے بعد کانگریس نامہ میں اور آج کانگریس کے  
بڑے سے بڑے مشہوروں میں ان کی آواز سنی جاتی ہے۔

کے चलانے کے پہلے اس کے لیے بنیاد مقرر کی جانی تھی۔ یا تو ہاشیہ، کاہیل، ماتر (تیرہویں) لاگ جیمسٹر بنانے کے، اور حکومت کا کر ہونا چاہیے تھا، نہ کہ اس قدر آزادی سے دی کی ہر شے اپنے فرائض (کوتوں) کو بول بٹھا اور ہر مانا جو چاہا ہو کر رہا ہے۔ کوئی ہر حال نہیں۔ فخر کی عجب و غریب حالت ہے۔ کسی کو کام کرنے سے مطلب نہیں۔ صبح خراشی (کل کھانا) اور غل بازی (پارٹی بازی) فرقہ بندی سے فرصت نہیں۔ نہ معلوم یہ حکومت اس طرح کب تک اور کیسے چلے گی۔ لوگوں کے دلوں میں تو 'فیلڈ پریم' عاجزی (نرنا) جیسی چیزیں رہیں گئی ہیں۔ نئی روشنی کے لوگ اور لڑکے صرف اسی دھن میں رہتے ہیں کہ کس طرح دوسرے کی آنکھوں میں دھول چھونکیں اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ حافظ! باغیچے ہلستان کی کچھ بھی قدر ہو یا نام ہو، اندرونی حالت کو بدتر ہی نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہلستان مغربی (پچھلی) چکاچوند میں آگیا ہے اور اس کا دلدادہ (پرمی) ہو گیا ہے جو نشان پر بندی اور ذوال (پان) کا ہے۔ ہمارے دیش میں بھی گر خالے جات بکثرت کھاتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے دستکاری کا ذوال اور پروگرام بڑھتی جا رہی ہے۔ ایکشن کا برا حال ہے۔ وہ دن بدن ایکسپنس (خرچہ) اور پوسٹ (ٹرنٹیک) سے ہو گئی ہے۔ زمانے کے بدلنے سے روش (کٹی) سے ہر چیز اور طور طریقہ میں بہتری کی صورت پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے پیسے نے زندگی الگ لٹخ (کڑی) کر دی۔ بازاروں میں جلد کوئی چیز ملتی نہیں۔ اس کا بدل پڑنے سے میں ان پر اور پڑنے دوکاندار جاتے نہیں اور ہوشیار لوگوں نے اپنی کمائی کی صورت نکال لی۔ چاہے تو یہ تھا کہ روش (چال) بالکل سادہ اور پاک ہو، دلوں میں نہی، ہمدردی، سدا کا بڑا پیدا ہو۔ نہ کہ ملہا اور طریقہ تعلیم، قاعدہ قانون، انجمن پیدا کرنے والے ہمارے لوگوں کو اور نئی چیزیں (نسل) کے آدھن کو گرا دیا۔ کیا یہی ہماری چلہ (چلی ہوئی) حکومت کا شیوا (طریقہ) ہے۔ ایسی ڈیمو کریسی سے تو غلطی بدرجہا بہتر تھی! خیر، کہاں تک کہا جارہے۔ اور آپ پر تو سب روشن ہے۔ میرا کہنا سچ کو چراغ دکھاتا ہے۔ لیکن صرف یہی ہے کہ آپ سے دا کا بوجھ کچھ ہلکا کرنے کو جی چاہا آتا ہے۔ پھر بھی سوچتا ہوں کہ جو کچھ ہو رہا ہے مالک (بشر) کی سوچ (اچھا) سے ہی ہے۔ اسی میں آگ چل کر ضرور کچھ فائدہ مقصود (اندھت) ہوگا۔ شکایت بیکار ہے خراب چیز کی طرف سے آنے والا تھا ہی بہتر

کے چلنے کے پہلے اس کے لیے بنیاد مقرر کی جانی تھی۔ یا تو ہاشیہ، کاہیل، ماتر (تیرہویں) لاگ جیمسٹر بنانے کے، اور حکومت کا کر ہونا چاہیے تھا، نہ کہ اس قدر آزادی سے دی کی ہر شے اپنے فرائض (کوتوں) کو بول بٹھا اور ہر مانا جو چاہا ہو کر رہا ہے۔ کوئی ہر حال نہیں۔ فخر کی عجب و غریب حالت ہے۔ کسی کو کام کرنے سے مطلب نہیں۔ صبح خراشی (کل کھانا) اور غل بازی (پارٹی بازی) فرقہ بندی سے فرصت نہیں۔ نہ معلوم یہ حکومت اس طرح کب تک اور کیسے چلے گی۔ لوگوں کے دلوں میں تو 'فیلڈ پریم' عاجزی (نرنا) جیسی چیزیں رہیں گئی ہیں۔ نئی روشنی کے لوگ اور لڑکے صرف اسی دھن میں رہتے ہیں کہ کس طرح دوسرے کی آنکھوں میں دھول چھونکیں اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ حافظ! باغیچے ہلستان کی کچھ بھی قدر ہو یا نام ہو، اندرونی حالت کو بدتر ہی نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہلستان مغربی (پچھلی) چکاچوند میں آگیا ہے اور اس کا دلدادہ (پرمی) ہو گیا ہے جو نشان پر بندی اور ذوال (پان) کا ہے۔ ہمارے دیش میں بھی گر خالے جات بکثرت کھاتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے دستکاری کا ذوال اور پروگرام بڑھتی جا رہی ہے۔ ایکشن کا برا حال ہے۔ وہ دن بدن ایکسپنس (خرچہ) اور پوسٹ (ٹرنٹیک) سے ہو گئی ہے۔ زمانے کے بدلنے سے روش (کٹی) سے ہر چیز اور طور طریقہ میں بہتری کی صورت پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے پیسے نے زندگی الگ لٹخ (کڑی) کر دی۔ بازاروں میں جلد کوئی چیز ملتی نہیں۔ اس کا بدل پڑنے سے میں ان پر اور پڑنے دوکاندار جاتے نہیں اور ہوشیار لوگوں نے اپنی کمائی کی صورت نکال لی۔ چاہے تو یہ تھا کہ روش (چال) بالکل سادہ اور پاک ہو، دلوں میں نہی، ہمدردی، سدا کا بڑا پیدا ہو۔ نہ کہ ملہا اور طریقہ تعلیم، قاعدہ قانون، انجمن پیدا کرنے والے ہمارے لوگوں کو اور نئی چیزیں (نسل) کے آدھن کو گرا دیا۔ کیا یہی ہماری چلہ (چلی ہوئی) حکومت کا شیوا (طریقہ) ہے۔ ایسی ڈیمو کریسی سے تو غلطی بدرجہا بہتر تھی! خیر، کہاں تک کہا جارہے۔ اور آپ پر تو سب روشن ہے۔ میرا کہنا سچ کو چراغ دکھاتا ہے۔ لیکن صرف یہی ہے کہ آپ سے دا کا بوجھ کچھ ہلکا کرنے کو جی چاہا آتا ہے۔ پھر بھی سوچتا ہوں کہ جو کچھ ہو رہا ہے مالک (بشر) کی سوچ (اچھا) سے ہی ہے۔ اسی میں آگ چل کر ضرور کچھ فائدہ مقصود (اندھت) ہوگا۔ شکایت بیکار ہے خراب چیز کی طرف سے آنے والا تھا ہی بہتر

# ہماری ہمارا

## دیش کی حالت پر ایک خط

دیش اور سرکار کے ایک سچے ہمت چٹک، نیک، ایماندار، समझदार، سیر جانبدار، اور تاجرہکار میتر کا ہمارے پاس ایک خط آیا ہے۔ "نیا ہند" کے بھی وہ شروع سے پریسی رہے ہیں۔ اس خط کا ایک حصہ انہوں کے شہدوں میں ہم لپیچہ نہ رہے ہیں۔ کتابوں کے اندر کے شہد ہمارے ہیں۔

"جسمانا کچھ ایسا خراب آگیا ہے کہ انسان خوبصورت ہوتا جا رہا ہے۔ سبوا بھاؤ اور پریم بھاؤ بالکل نیست ناپود ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر ایک اپنے کاروبار میں مہلگانی اور ٹیکس بڑھتے جا رہے ہیں جسکی وجہ سے زندگی وہال جان ہو گئی ہے۔ اگر کوئی ایمانداری، نیک نوعی سے رہنا چاہے تو ہزار مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بے ایمانی، رشوت خوری، دغا بازی اور جھوٹ کا بول بالا ہے۔ جس کی زمندار ہماری موجودہ حکومت اور کارکنوں کا گرا ہوا کھریڑ ہے۔ پبلک پر اس قدر ٹیکس لگا دیئے ہیں کہ جس کا اثر بے چاری متدل کلس پر پڑ رہا ہے اور وہ پسی جا رہی ہے، اور پونجی والے یا دھندا کرنے والے اپنی چالانی اور عیاری سے خوش اور مالا مال ہیں، اور بے ایمانی کا موقع مل رہا ہے۔ جو روپیہ حکومت اٹھا کر رہی ہے یا آمدنی بڑھا رہی ہے وہ بالکل بے ترتیبی اور بے ہودہ طور سے برباد ہو رہا ہے یا یہ کہ وہ چند چالاک اور غدار لوگوں کی جیبوں میں جا رہا ہے، یہ فرسٹ اور سیکنڈ فائبر پلین صرف لکھنی گورنر ہیں یا دنیا کی انہوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ جس قدر روپیہ خرچ ہو رہا ہے دنیا واقعی وہابی ہے اور کام بھی اس کے عوض ہوا ہے؟ لیکن نہ اس کی غرض کسی کو ہے؟ یہ سرحدوں کوں مول لے؟ جو ہو رہا ہے مولے دیر!

دیش اور سرکار کے ایک سچے ہمت چٹک، نیک، ایماندار، समझदार، سیر جانبدار، اور تاجرہکار میتر کا ہمارے پاس ایک خط آیا ہے۔ "نیا ہند" کے بھی وہ شروع سے پریسی رہے ہیں۔ اس خط کا ایک حصہ انہوں کے شہدوں میں ہم لپیچہ نہ رہے ہیں۔ کتابوں کے اندر کے شہد ہمارے ہیں۔

"جسمانا کچھ ایسا خراب ہو گیا ہے کہ انسان خود فرض ہوتا جا رہا ہے۔ سبوا بھاؤ اور پریم بھاؤ بالکل نیست ناپود ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر ایک اپنے کاروبار میں مہلگانی اور ٹیکس بڑھتے جا رہے ہیں جسکی وجہ سے زندگی وہال جان ہو گئی ہے۔ اگر کوئی ایمانداری، نیک نوعی سے رہنا چاہے تو ہزار مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بے ایمانی، رشوت خوری، دغا بازی اور جھوٹ کا بول بالا ہے۔ جس کی زمندار ہماری موجودہ حکومت اور کارکنوں کا گرا ہوا کھریڑ ہے۔ پبلک پر اس قدر ٹیکس لگا دیئے ہیں کہ جس کا اثر بے چاری متدل کلس پر پڑ رہا ہے اور وہ پسی جا رہی ہے، اور پونجی والے یا دھندا کرنے والے اپنی چالانی اور عیاری سے خوش اور مالا مال ہیں، اور بے ایمانی کا موقع مل رہا ہے۔ جو روپیہ حکومت اٹھا کر رہی ہے یا آمدنی بڑھا رہی ہے وہ بالکل بے ترتیبی اور بے ہودہ طور سے برباد ہو رہا ہے یا یہ کہ وہ چند چالاک اور غدار لوگوں کی جیبوں میں جا رہا ہے، یہ فرسٹ اور سیکنڈ فائبر پلین صرف لکھنی گورنر ہیں یا دنیا کی انہوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ جس قدر روپیہ خرچ ہو رہا ہے دنیا واقعی وہابی ہے اور کام بھی اس کے عوض ہوا ہے؟ لیکن نہ اس کی غرض کسی کو ہے؟ یہ سرحدوں کوں مول لے؟ جو ہو رہا ہے مولے دیر!

18 دھیسوں میں تکسیمی کر دیا گیا ہے تاکہ ماضی میں  
آسانی سے سمجھ میں آسکیں۔ ان جلدوں میں گاندھی  
جو کی زندگی کی فلسفہ، ان کے جیوں دشمن کی  
جہان کی ہیں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان سے ہمیں سبق ملتا  
ہے کہ جس راستے پر چل کر آج پہچم زندگی اور موت کا  
کھیل کھیل رہا ہے اس سے سندھان کو دوسرے بچایا جا  
سکتا ہے اور خود اس خودکشی سے دوسرے اپنے کو بچا سکتا  
ہے ۹

پہلی جلد کے پہلے دھیسے میں سراج، سماج واد اور  
واد کی چرچا ہے۔ دوسرے میں اس بات کی چرچا ہے کہ  
جو شرم کرے وہی کھالے کا حقدار ہے۔ تیسرے میں آرٹیک  
برابری کا سدھانت پیش کیا گیا ہے۔ چوتھے میں پودانشی  
امیروں کو بتایا گیا ہے کہ ان کی جائیداد ان کے پاس معض  
تھائی یا دھروہ کی شکل میں ہے، وہ اس کے مالک  
نہیں ہیں۔

دوسری جلد کے پہلے حصے میں مشیز اور ادیوگ واد  
کی چرچا ہے۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ زندگی میں  
مشیز کی مناسب جگہ کیا ہے۔ دوسرے میں سودیشی کی  
وہیچنا کی گئی ہے۔ تیسرے میں اہلادن کے سو روپ پر تحصیل  
میں بحث کی گئی ہے۔ چوتھے میں گلوب کے ادیوگ دھندوں  
کی مالک کے آرٹیک نظام میں مناسب جگہ انکی گئی ہے۔  
پانچویں میں تھادی کے بنیادی پہلو اور وکیندرت ادیوگ  
واد میں اس کی مہمیت کو دکھایا گیا ہے۔ چٹھویں میں  
دوسرے ہاتھ کے دھندوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتویں میں  
نشانوں کو کس تھلک سے کرنا چاہئے اس پر وچار  
کیا گیا ہے۔

تیسری جلد کے پہلے حصے میں کام اور ماضدوری  
کی چرچا ہے کہ کس طرح مزدور کی شون کو ختم کیا جا سکتا ہے؟  
دوسرے میں مزدوری کے در پر بحث کی گئی ہے کہ کم سے کم  
مزدوری کتنی ہونی چاہئے؟ اتنی کہ جس سے پوت بھرا جا  
سکے اور انسان انسان کی طرح رہ سکے۔ تیسرے میں کسانوں  
اور مزدوروں کے سنگٹھن پر پرکاش ڈالا گیا ہے۔ چوتھے میں  
احمد آباد کی مشہور ہونال پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کے نیٹا  
خود گاندھی جی ہی تھے۔ پانچویں میں وٹال اور پینٹنگ  
کی چرچا ہے۔ چٹھویں میں کسانوں اور زمینداروں کی چرچا ہے۔  
ساتویں میں ادیوگ دیواروں کو کس طرح شانتی سے سلجھایا  
جا سکتا ہے اس کے اصول سمجھائے گئے ہیں۔

چوتھی جلد کے پہلے حصے میں مہنت کے ساتھ ان جلدوں کا سامان  
کیا ہے۔ ہم نوچریں پینٹنگ ہاؤس کو لے آئی ہیں پرکاش  
کے لئے دھائی دیتے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ راج تپتی  
اور مزدوروں کی تحریک میں دلچسپی لے والے ہر کاربکر  
اور دھن بہت دیکھیں کہ ان جلدوں کا کمپوز اندھون کرنا  
چاہئے۔ چھٹی جلد میں بہت عمدہ ہے۔  
سوی۔ نا۔ پانتے۔

پہلی جلد کے پہلے حصے میں مشیز اور ادیوگ واد  
کی چرچا ہے۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ زندگی میں  
مشیز کی مناسب جگہ کیا ہے۔ دوسرے میں سودیشی کی  
وہیچنا کی گئی ہے۔ تیسرے میں اہلادن کے سو روپ پر تحصیل  
میں بحث کی گئی ہے۔ چوتھے میں گلوب کے ادیوگ دھندوں  
کی مالک کے آرٹیک نظام میں مناسب جگہ انکی گئی ہے۔  
پانچویں میں تھادی کے بنیادی پہلو اور وکیندرت ادیوگ  
واد میں اس کی مہمیت کو دکھایا گیا ہے۔ چٹھویں میں  
دوسرے ہاتھ کے دھندوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتویں میں  
نشانوں کو کس تھلک سے کرنا چاہئے اس پر وچار  
کیا گیا ہے۔

دوسری جلد کے پہلے حصے میں مشیز اور ادیوگ واد  
کی چرچا ہے۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ زندگی میں  
مشیز کی مناسب جگہ کیا ہے۔ دوسرے میں سودیشی کی  
وہیچنا کی گئی ہے۔ تیسرے میں اہلادن کے سو روپ پر تحصیل  
میں بحث کی گئی ہے۔ چوتھے میں گلوب کے ادیوگ دھندوں  
کی مالک کے آرٹیک نظام میں مناسب جگہ انکی گئی ہے۔  
پانچویں میں تھادی کے بنیادی پہلو اور وکیندرت ادیوگ  
واد میں اس کی مہمیت کو دکھایا گیا ہے۔ چٹھویں میں  
دوسرے ہاتھ کے دھندوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتویں میں  
نشانوں کو کس تھلک سے کرنا چاہئے اس پر وچار  
کیا گیا ہے۔

تیسری جلد کے پہلے حصے میں کام اور ماضدوری  
کی چرچا ہے کہ کس طرح مزدور کی شون کو ختم کیا جا سکتا ہے؟  
دوسرے میں مزدوری کے در پر بحث کی گئی ہے کہ کم سے کم  
مزدوری کتنی ہونی چاہئے؟ اتنی کہ جس سے پوت بھرا جا  
سکے اور انسان انسان کی طرح رہ سکے۔ تیسرے میں کسانوں  
اور مزدوروں کے سنگٹھن پر پرکاش ڈالا گیا ہے۔ چوتھے میں  
احمد آباد کی مشہور ہونال پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کے نیٹا  
خود گاندھی جی ہی تھے۔ پانچویں میں وٹال اور پینٹنگ  
کی چرچا ہے۔ چٹھویں میں کسانوں اور زمینداروں کی چرچا ہے۔  
ساتویں میں ادیوگ دیواروں کو کس طرح شانتی سے سلجھایا  
جا سکتا ہے اس کے اصول سمجھائے گئے ہیں۔

چوتھی جلد کے پہلے حصے میں مہنت کے ساتھ ان جلدوں کا سامان  
کیا ہے۔ ہم نوچریں پینٹنگ ہاؤس کو لے آئی ہیں پرکاش  
کے لئے دھائی دیتے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ راج تپتی  
اور مزدوروں کی تحریک میں دلچسپی لے والے ہر کاربکر  
اور دھن بہت دیکھیں کہ ان جلدوں کا کمپوز اندھون کرنا  
چاہئے۔ چھٹی جلد میں بہت عمدہ ہے۔  
سوی۔ نا۔ پانتے۔

پہلی جلد کے پہلے حصے میں مشیز اور ادیوگ واد  
کی چرچا ہے۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ زندگی میں  
مشیز کی مناسب جگہ کیا ہے۔ دوسرے میں سودیشی کی  
وہیچنا کی گئی ہے۔ تیسرے میں اہلادن کے سو روپ پر تحصیل  
میں بحث کی گئی ہے۔ چوتھے میں گلوب کے ادیوگ دھندوں  
کی مالک کے آرٹیک نظام میں مناسب جگہ انکی گئی ہے۔  
پانچویں میں تھادی کے بنیادی پہلو اور وکیندرت ادیوگ  
واد میں اس کی مہمیت کو دکھایا گیا ہے۔ چٹھویں میں  
دوسرے ہاتھ کے دھندوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتویں میں  
نشانوں کو کس تھلک سے کرنا چاہئے اس پر وچار  
کیا گیا ہے۔

# کتابیں



# کتابیں

## ECONOMIC AND INDUSTRIAL LIFE AND RELATIONS, VOLS. (i), (ii) AND (iii)

پنڈت جی کے آर्थیک (اقتصادی) اور औद्योगिक पहलुओं और कारखाने के मालिकों और मजदूरों के आपसी सम्बन्धों पर महात्मा गान्धी के लेखों, खतों, तक्रारों, उपदेशों और बातचीतों का संग्रह (मजमुआ). संग्रह-कार और सम्पादक—बी० बी० खेर; शायर करने वाले नवजीवन पब्लिशिंग हाउस अहमदाबाद; तीनों जिल्दों के दाम आठ रुपया.

महात्मा गान्धी न सिर्फ मुल्क के सियासी नेता थे बल्कि नई दुनियाओं पर दुनिया की तामीर करने की तालीम देने वाले भी थे. पच्छिम ने यूरोप और अमरीका के मुल्कों और रियासतों में इस दर्जे कारखाने बनाये और इन कारखानों की पैदावार को इस क्रूर यकजाई (केन्द्रित) कर दिया कि मुल्कों की दौलत चन्द पूँजीपतियों के हाथों में इकट्ठा हो गई और अमीरों और गरीबों के बीच की खाई इतनी गहरी और चौड़ी हो गई और वह नफरत और आपसी कशमकश से इतनी भर गई कि उसने पच्छिमी सभ्यता और तहजीब की बुनियादों को ही जड़ से खोखला कर दिया. अमीर बेहद अमीर हो गये और गरीब बेहद गरीब हो गये. गरीबों के पेट खाली हो गये और अमीरों की पेटियाँ भर गई. पच्छिम ने उसका एक ही हल निकाला और वह हिंसात्मक समाजवाद. गान्धी जी ने तजवीज की कि इस हल के नतीजे में हम दो खूफनाक जंग देख चुके हैं और तीसरी जंग की जिस पैमाने पर तैयारियाँ हो रही हैं उससे मर्च और मरीख दोनों ही खत्म हो जायेंगे. मर्च को ठीक करने के लिए गान्धी जी का नुसखा था—अहिंसात्मक शोसलीज्म. इसे कैसे दुनियाँ में क्रायम किया जाय, समाज को कैसे इस तरफ लाया जाय, बालब को कैसे त्याग में बदला जाय, नफरत के दरिया को कैसे सुखवत के सरचश्मे में बदला जाय, किन बुनियादों पर मजदूरों का संगठन किया जाय, अमीरों और गरीबों के फर्क को मिटाकर कैसे समाज में बराबरी के रुतबे को क्रायम किया जाय, उत्पादन का किस तरह बिकेन्द्रीकरण किया जाय और दुनिया की तहजीब को किस तरह हिंसा की बुनियादों से हटाकर अहिंसा की बुनियादों पर क्रायम किया जाय—इसकी तफसील आपको इन तीन जिल्दों के अखिर आठ खो सफों में देखने को मिलेगी. इन जिल्दों को

## ECONOMIC AND INDUSTRIAL LIFE AND RELATIONS, Vols. (i) (ii) AND (iii)

دندگی کے ارتھک (اقتصادی) اور اؤدیوگک پہلوؤں اور کارخانے کے مالکوں اور مزدوروں کے آپسی سمبندھوں پر مہاتما گاندھی کے لکھنوں، خطوں، تقریروں، اُپدیشوں اور بات چیتوں کا منگروہ (مجموعہ)۔ منگروہ کار اور سہادگ—بی۔ بی۔ خیر؛ شاعر؛ نابع کرنے والہ نوچھیں پبلشنگ ہاؤس احمدآباد؛ تینوں جلدوں کے دام آٹھ روپیہ۔

مہاتما گاندھی نہ صرف ملک کے سیاسی نیتا تھے بلکہ لائی بلوادوں پر دنیا کی تعمیر کرنے کی تعلیم دینے والے بھی تھے۔ پچھم نے یورپ اور امریکہ کے ملکوں اور ریاستوں میں اس درجہ کارخانے بنائے اور ان کارخانوں کی پیداوار کو اس قدر یکجائی (کیلدرت) کر دیا کہ ملکوں کی دولت چند یونجی ہتھوں کے ہاتھوں میں اکٹھا ہو گئی اور امیروں اور غریبوں کے بیچ کی ٹھائی اتنی گہری اور چوڑی ہو گئی اور وہ نفرت اور آپسی کشمکش سے اتنی بڑھ گئی کہ اُس نے پچھمی سمبندھ اور تہذیب کی بنیادوں کو ہی جڑ سے ٹھونک کر دیا۔ امیر بے حد امیر ہو گئے اور غریب بے حد غریب ہو گئے۔ غریبوں کے ہت خالی ہو گئے اور امیروں کی پوتھیاں بھر گئیں۔ پچھم نے اِس کا ایک ہی حل نکالا اور وہ ہلساتمک سماجवाद۔ گاندھی جی نے تجویز کی کہ اِس حال کے نتیجے میں ہم دو خوفناک جنگ دیکھ چکے ہیں اور تیسرے جنگ کی جس پیمانے پر تہاریاں ہو رہی ہیں اُس سے مرض اور مریض دونوں ہی ختم ہو جائیں گے۔ مرض کو تھیک کرنے کے لئے گاندھی جی کا نسخہ تھا—اِہلساتمک سوشلزم۔ اُسے کسے دنیا میں قائم کیا جائے، سماج کو کسے اِس طرف لایا جائے، لالچ کو کسے تھیاک مہن بدلایا جائے، نفرت کے دریا کو کسے محبت کے سرچشمہ میں بدلایا جائے، ان بلوادوں پر مزدوروں کا سنگتوں کیا جائے، امیروں اور غریبوں کے فرق کو مٹا کر کسے سماج میں برابری کے رتبہ کو قائم کیا جائے، آدمیان کا کسے طرح کیلدریزم کیا جائے اور دنیا کی تہذیب کو کس طرح ہلسا کر بلوادوں سے ہٹا کر اِہلسا کی بلوادوں پر قائم کیا جائے—اِس کی تفصیل آپ کو اِن تین جلدوں کے قریب آٹھ سو صفحوں میں دیکھنے کو ملے گی۔ اِن جلدوں کو

ان ٹوپیاؤں کے استعمال کا بھی عجیب حال ہوتا ہے۔ کوئی ان کو کسی کے خوف سے لگانا ہے تو کوئی ان کا ایہوگ ڈائی لوہ سے کرتا ہے۔ کوئی کسی پالیسی سے لگانا ہے تو کوئی ریاضی سے، لہذا سیاسی ٹوپیاں ایک شہ کی چیز ہو کر رہ گئی ہے اور 'اوشولس' کسی حال میں چہاں اُس پر لگ گئی ہے اس لئے اُس کی پوزیشن کسی حال میں صاف نہیں رہی۔

یہ ٹوپیاں اور جھنڈیاں پرچار تو اپنا ادھک رکھتی ہیں سماچار سے بھی ادھک، پرنٹر سر پر دھتے ہوئے بھی اگر عزت نہ پاسکیں تو 'اچرج'۔

لاکھوں منصفہ رنگ ہرنگ لہیل لگانے ہوئے ہیں اپنے سروں پر، لیکن ہماری نظر اور آنکھوں میں کتنے ہیں وہ سر نہ جو بے لہیل ہیں زیادہ آنرا اہیل ہیں۔

یہ ٹوپیاں اور جھنڈیاں پرچار تو اپنا ادھک رکھتی ہیں سماچار سے بھی ادھک، پرنٹر سر پر دھتے ہوئے بھی اگر عزت نہ پاسکیں تو 'اچرج'۔

لاکھوں منصفہ رنگ ہرنگ لہیل لگانے ہوئے ہیں اپنے سروں پر، لیکن ہماری نظر اور آنکھوں میں کتنے ہیں وہ سر نہ جو بے لہیل ہیں زیادہ آنرا اہیل ہیں۔

لاکھوں منصفہ رنگ ہرنگ لہیل لگانے ہوئے ہیں اپنے سروں پر، لیکن ہماری نظر اور آنکھوں میں کتنے ہیں وہ سر نہ جو بے لہیل ہیں زیادہ آنرا اہیل ہیں۔

700 PAGES,  
32 ILLUSTRATIONS  
3 COLOURED MAPS

## "CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 50.

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it

—Bharat Jyoti, Bombay,

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi



जब किसी पार्टी का पार्टी से और नीति का नीति से विरोध होता है तो उसका आप से लाजमी तौर पर विचार बदलता है—क्याल पलटता है. विचार और क्याल बदलता है तो मार्ग भी बदलता है और मार्क भी. ऐसे ही हालत में सर टोपियाँ बदलते हैं और टोपियाँ सर बदलती हैं. बाप टोपियाँ “फिट सिर” न मिलने के कारण उड़ती फिरती हैं इन्हा में का अटकी रह जाती है” स्मृतूल फ़िज़ा में.

جسپنسی! پارٹی کا پارٹی ہے اور ٹھٹکی کا ٹھٹکی ہے روزِ دہ ہوتا ہے  
 تو اُمکی اور سی لٹسی طرز پر دھار بدلتا ہے۔ خیال بدلتا ہے۔  
 دھار اور خیال بدلتا ہے تو مارگ بھی اور مارگ بھی۔ ایسی  
 ہی حالت میں سر توپیاں بدلتے ہیں اور توپیاں سر بدلتی  
 ہیں۔ بعض توپیاں ”نفس سر“ نہ ملنے کے کارن اُڑتی پڑتی  
 نہیں ہوا مہوں یا اُٹکی رہ جاتی ہیں سہ پہلِ نفا میں۔

ہنسیکشم کا भाव यह रखती हैं अपने बाप में.  
बलवार की काट यह रखती हैं अपनी चार में.  
मिदाल कत्तल में खून की नदियाँ यह बहाती हैं.  
अमन आराती में सुलोह के फरहरे यह उढ़ाती हैं.  
वरगाह की कलसी पर हिलाल का परचम यह लहराती हैं.  
बजरंगबलि की छतर पर हनुमान का निशान यह उढ़ाती हैं.  
शासन के भवन पर इठला इठला के यह चलती हैं.  
जनसंघ के संगठन से अखण्ड अखण्ड यह पुकारती हैं.  
इलित के मन मन से दमन दमन यह बिस्लाती हैं.  
सुख फौज के मोचे से नारा इंकलाब का यह लगाती हैं.  
एकता के संगम पे गङ्गा जमनी राग यह आलापती हैं.  
प्रेम के मन्दिर पे धार्मिक भाव यह जगाती हैं.  
पीपल के वरखत पे हिन्दू मुसलिम किसान यह कराती हैं.

यदि 'विरव शान्ति' के अन्दोलन इनके दम से चलते हैं तो 'विरव युद्ध' के हंगामों में मूड़े इनके लहराते हैं.

यह सब कुछ सही; इनकी तमाम रंगीनियाँ, दिक्-बसियाँ और खबसूरतियाँ अपनी जगह पर, लेकिन इस-तकलाल नहीं होता इनके मिजाज में. धैर्य नहीं होता इनके स्वाभाव में—हवा का रुख देखकर यह अपना रुख फेरती हैं और किष्का का रङ्ग भाँप कर यह अपना रंग बदलती हैं. किसनी तलबबन मिजाज होती हैं यह और कितनी हवा परसत !

मंड़ियों और टोपियों का एक दूसरे से ऐसा ही सम्बन्ध है जैसे हर रंग को रंग से निखरत, लेकिन जब हवा साब नहीं देती समय का तो हम देखते हैं रंग विरंग की टोपियाँ उड़ती फिरती हैं पवन में या जलती नजर आती हैं अग्नि में.

जैसे किसी राज का सिकका बाखू रहता है राज भर में, इसी प्रकार राज-रंग की टोपियाँ परछाई होती हैं राज-बलन की. जैसे किसी खोट के कारण या किसी नीति के अनुसार सिकका टकसाल बाहर हो जाता है, वैसे ही टोपियाँ भी यकायक उड़ जाती हैं सरो से और दूसरी आ बैठती हैं उनकी जगह.

टोपियाँ ठककन का काम भी देती हैं. इसलिये इनको सरपोरा भी कहा जा सकता है. सरपोरा बनकर यह बहुत से बड़े-बड़े वेवक फों की ऐब पोशी भी करती हैं और बहुत से शासकों को नई-नई आफतों से बचाती हैं उनके पाप हाँककर.

यह रंगीन सरपोरा कितने खूबसूरत ऐब पोरा होते हैं खबसुब. लेकिन इनके नीचे कितना गन्दा मादा परबेरिश पाता रहता है कभी-कभी. आखिर यह कि अन्दर ही अन्दर फूट-फूटते किसी भी बक बह फूड निकलता है और सारा भेद खुल जाता है बदबू फैलकर.

انتقام کا ہوا یہ رکھتی ہیں اپنے چاؤ میں .  
لہوار کی کٹ یہ رکھتی ہیں اپنی دھار میں .  
جدال قتال میں خون کی ندیاں یہ بہاتی ہیں .  
امن آشتی میں صامع کے پیربرہ یہ آڑتی ہیں .  
درگاہ کی کافی پر مقل کا پرچم یہ لہرائی ہیں .  
بجرتنگ ہلی کی چھتری پر ہنومان کا نشان یہ آڑتی ہیں .  
شابس کے ہون پر اٹھلا اٹھلا کے یہ چلتی ہیں .  
جن سنگ کے سنگتوں سے اٹھات اٹھات یہ دگرتی ہیں .  
دلت کے من من سے دمن دمن یہ چلتی ہیں .  
سرخ فوج کے مورچے سے نعرہ انقلاب کا یہ لگتی ہیں .  
اٹھتا کے ساکم یہ کنگا جملی راگ یہ اڑتی ہیں .  
پریم کے ملہر یہ دھارمک ہوا یہ جگاتی ہیں .  
پھول کے درخت یہ ہلندو مسلم فساد یہ کراتی ہیں .

ہدی 'دشو شانتی' کے آندولن ان کے دم سے چلتے ہیں .  
نو 'دشو بدھ' کے ہنگاموں میں جھانکے ان کے لہراتے ہیں .

یہ سب کچھ سہی! ان کی تمام رنگینیاں دلچسپیاں اور خوبصورتیاں اپنی جگہ پر، لیکن استقلال نہیں ہوتا ان کے مزاج میں . دھیرے نہیں ہوتا ان کے سربھاؤ میں—  
ہوا کا رخ دیکھ کر یہ اپنا رخ پھرتی ہیں اور فضا کا رنگ بھانپ کر یہ اپنا رنگ بدلتی ہیں . کئی تلون مزاج ہوتی ہیں یہ اور کئی ہوا پرست !

جھانکیوں اور ٹوپوں کا ایک دوسرے سے ایسا ہی سمبندھ ہے جیسے رنگ کو رنگ سے نسبت، لیکن جب ہوا سانس نہیں دیتی سہ کا تو ہم دیکھتے ہیں رنگ ہر رنگ کی ٹوپیاں اڑتی پھرتی ہیں دن میں یا چلتی نظر آتی ہیں آگن میں .

جیسے کسی راج کا سکھ چالو رہتا ہے راج بھر میں، اسی प्रकार راج رنگ کی ٹوپیاں پرچھائیں ہوتی ہیں راج چلن کی .  
جیسے کسی کھوک کے کا رن یا کسی نکلی کے انوسار سکھ کسلاں باہر ہو جاتا ہے ویسے ہی ٹوپیاں بھی یکایک اڑ جاتی ہیں سروں سے اور دوسری آ بیٹھتی ہیں ان کی جگہ .

ٹوپیاں تمکن کا کام بھی دیتی ہیں . اس لئے ان کو سرپوش بھی کہا جا سکتا ہے . سرپوش بن کر یہ بہت سے بڑے بڑے روضوں کی عیب پوشی کرتی ہیں اور بہت سے شاکسوں کو لٹی لٹی آفتوں سے بچاتی ہیں ان کے پاپ ڈھانک کر .

یہ رنگین سرپوش کتنے خوبصورت عیب پوش ہوتے ہیں سچ سچ . لیکن ان کے نیچے کتنا گندا مادہ پوروش پاتا رہتا ہے کبھی کبھی . آخر یہ کہ اندر ہی اندر پھولتے پھولتے کسی بھی وقت وہ پھوٹ نکلتا ہے اور سارا بھد نکل جاتا ہے بدبو پھیل کر .



مڈیاں بے پناہ ہوتی ہیں لہذا ان کا خیال رکھنا ہے  
اپنی ہر حرکت میں۔ اپنی ہر حرکت سے وہ اپنا मतलब प्रगट  
करती हैं और अपने रङ्ग से अपना संदेश देती हैं। इनके रंग  
में एलान होता है जंग का भी, पैगाम होता है अमन का भी,  
इनके साये में सहरीक होती है इनकलाब की, इनकी सरपर-  
स्ती में तकरीब होती है ब्यावत की, मूख के मारे इनके  
गह्वारे में पलते हैं और खून के घारे इनकी लहरों में रहते  
हैं। इनसानी खून से यह अपना कपड़ा रंगती हैं और खून का  
झरता इनका इनकलाब का न्याता देता है। इनकी मचलती  
लहरें हवा को अपना हमनवा बनाती हैं और फिजा पे आते  
जाते रङ्ग इनको अपना हमरङ्ग करते हैं।

मंडी के रङ्ग से शासन का रहोबदल हाता है। और  
दोपी की बदला बदली से नीति में तबदीली आती है (जैसी  
नीति वैसी दोपी) जब विचार बदलता और कयाल पज़دتता  
है तो उसका असर खोपड़ी पर पड़ता है। खोपड़ी से क्या  
क्या गुल खिलते और भेद निकलते हैं वह सब इन दोपियों  
का ही असर होता है, क्योंकि दोपियों को दिमारा से पका  
हुआ साधा तैयार मिलता है।

पार्टी की नीति का—मंडियाँ अपने ऊँचे स्थान से हुक्म  
बलाती और फरमान जारी करती हैं। सलाम करने वाले  
मुक मुक जाते हैं उनके सम्मुख, नमस्कार करने वाले  
कमान हो जाते हैं इनके सामने दरबार में।

अलम-बरदार उनकी बकावती का हलफ़ उठाते और  
प्रण (पहव) करते हैं इताअत गुजारी का—वह उन सब को  
अपनी सरपरस्ती में लेकर उनके पक्ष में अपनी राय  
जताती हैं।

मंडिया कभी हरकत करती हैं कभी साकित (खामोश)  
रहती हैं। जब हरकत करती हैं तो जैसे सॉप लहराते और  
बल खाते हैं। अपनी हरकत से वह हरकत लाती हैं समाज  
में और हवायें लाती हैं एहसास की अवाम में। जब खामोश  
रहती हैं तो जैसे फिजा खामोश, जब चलती हैं ता चलती  
ही चली जाती हैं पूरब से पच्छिम, फिर पलट कर दक्खिन  
से उत्तर तक, जब चुप रहती हैं तो पचा तक دم साध  
जाता है उनकी एक चुप पर, लेकिन इनकी चुप में भी मस-  
लहत होती है। वह अपनी चुप के बक़्के में बहुत कुछ काम  
कर लेती हैं चुपके चुपके।

सलामती कौंसिल में लहरा कर यह अमन शान्ति की  
नुमाइशगरी करती हैं मगर क्रान्ति से भी साजबाज रहती हैं।  
पीस कान.फ़ॉस में उड़ कर हवा अमन की यह बांधती  
हैं पीस-मेकर बनकर।

(UNO) यू.नो की फ़ौजे लेकर यह आगे आगे जाती हैं  
बीक-आफ़ दी आर्मी होकर, समाज-सभा की स्थापना करके  
आर्थना और धर्म के पाठ पढ़ाती हैं।

جہلتی پر زبانی ہوتی ہیں لیکن آواز دہکتی ہیں اپنی  
حرکت میں۔ اپنی حرکت سے وہ اپنا مطلب پرگٹ کرتی ہیں  
اور اپنے رنگ سے اپنا سندھیں دیتی ہیں۔ ان کے رنگ میں اعلان  
ہوتا ہے جنگ کا بھی، پیغام ہوتا ہے امن کا بھی، ان کے سایہ میں  
تکریب ہوتی ہے انقلاب کی، ان کی سرپرستی میں تقریب ہوتی  
ہے بغاوت کی، ہوک کے مارے ان کے گہواروں میں پلٹے ہیں اور  
خون کے دھارے ان کی لہروں میں رہتے ہیں۔ انسانی خون  
سے یہ اپنا کپڑا رنگتی ہیں اور خون کا کرتا ان کا انقلاب کو  
نہوتا دیتا ہے۔ ان کی مچلتی لہریں ہوا کو اپنا ہم نوا بلاتی  
ہیں اور فضا پہ آتے جاتے رنگ ان کو اپنا ہم رنگ کرتے  
ہیں۔

جہلتی کے رنگ سے شاسن کا رد و بدل ہوتا ہے۔ اور ٹوپی  
کی بدلا بدلی سے نہتی میں تبدیلی آتی ہے (جیسی نہتی  
وہی ٹوپی)۔ جب دچار بدلنا اور خیال پلٹنا ہے تو اس کا اثر  
خوپڑی پر پڑتا ہے۔ کہوپی سے کیا کیا گل کھاتے اور بھید نکلتے  
ہیں وہ سب ان ٹوپیوں کا ہی اثر ہوتا ہے۔ کہونکہ ٹوپیوں  
کو دماغ سے پکا ہوا مادہ تیار ملتا ہے۔

پارٹی کی نہتی کا—جہلتیاں اپنے اونچی اسٹھان سے حکم  
چلاتی اور فرمان جاری کرتی ہیں۔ سلم کرتے والے جھک  
جھک جاتے ہوں ان کے سامنے۔ ”نمسلک کرتے والے کمان  
ہو جاتے ہوں ان کے سامنے دربار میں۔“

علمہ داری ان کی وفاداری کا حلف اٹھاتے اور پرن (عہد)  
کرتے ہیں اطاعت گزاری کا—وہ ان سب کو اپنی سرپرستی  
میں لے کر ان کے پکھ میں اپنی رائے جتاتی ہیں۔

جہلتیاں کبھی حرکت کرتی ہیں کبھی ساکت (خاموش)  
رہتی ہیں۔ جب حرکت کرتی ہیں تو جیسے سانپ لہراتے  
اور بل کھاتے ہیں۔ اپنی حرکت سے وہ حرکت لاتی ہیں، سماج  
میں اور ہوائیں لاتی ہیں احساس کی عوام میں۔ جب  
خاموش رہتی ہیں تو جیسے فضا خاموش۔ جب چلتی ہیں  
تو چلتی ہی چلی جاتی ہوں یورپ سے پچھم تک اور پھر پلٹ  
کر دیکھیں سے اتر تک۔

جب چپ رہتی ہیں تو پکا تک دم ساڈھ جاتا ہے ان  
کی ایک چپ پر، لیکن ان کی چپ میں بھی مصلحت  
ہوتی ہے۔ وہ اپنی چپ کے وقت میں بہت کچھ کام کر لیتی  
ہیں چپکے چپکے۔

سلمتی کونسل میں لہرا کر یہ امن شانتی کی نمائندگی  
کرتی ہیں مگر کرائی سے بھی سازباز رہتی ہیں۔  
پیس کانفرنسوں میں آ کر ہوا امن کی یہ بانڈھتے ہیں—  
پیس میکر بن کر۔

(UNO) یو.نو کی فوجوں لے کر یہ آگے آگے جاتی ہیں  
جیٹ-آف-دی-آرمی ہو کر۔ سماج سبھا کی استھادنا کو  
کے پورٹھنا تباہی اور دھرم کے پاتھ پڑھانی ہیں۔

## ٹوپیاں اور مڈیاں

شری عبدالکظیم انصاری

دونوں ترجمان ہوتے ہیں اپنے اپنے لکھی اور ست کے ۔  
دونوں پیغام ہوتے ہیں اپنے اپنے سنگ اور من کے ۔  
ٹوپیاں جب سر پر ہوتی ہیں تو کچھ لیتی ہیں دماغ سے  
اور کچھ دیتی ہی ہیں دماغ کو ۔

ٹوپیاں جب سر پر ہوتی ہیں تو کچھ لیتی ہیں دماغ سے  
اور کچھ دیتی ہی ہیں دماغ کو ۔

دماغ اُن کے ہر ہاؤ سے بہت سی چیزیں سونٹکار کرتے ہیں  
اور ٹوپیاں کچھ پر ہاؤ اپنے بورتی ہی ہیں دماغ کے بہتر ۔  
ٹوپیاں پارٹی پر ہونے کا کام کرتی ہیں اپنے اوجھ استہاں سے ۔  
ٹوپیاں ٹھنڈیاں رکھتی ہیں اپنی اپنی طرز اور رنگت میں جسے  
جھنڈیاں کرائیاں رکھتی ہیں اپنی اپنی لہر اور حرکت  
میں ۔ رشہ رشہ رنگ اور رشہ رشہ قہنگ کی ٹوپیاں اور جھنڈیاں  
نشانہاں ہوتی ہیں جو اپنی اپنی سندھوں کی نمائندگی  
کرتی ہیں ۔ جن کے پلان اور پروگرام ویسے ہی الگ الگ  
ہوتے ہیں جسے چہوت چہوت کے استہاں الگ الگ ۔ ایک  
کے استہاں پر دوسرا نہیں جا سکتا ۔ دوسرے کی سہا  
تھسرا نہیں آ سکتا ۔ جو قومی سدھارکوں کے ”لفظی ایکٹا“  
کے مرکز (کیلنڈر) ہوتے ہیں وہی مول میں سیاسی چہوت  
کے سنگتہاں ہوتے ہیں ۔

جھنڈیاں پریم اور ایکٹا کا پیغام دیتی ہیں ملی جلی سہا  
میں ۔ نکلی ٹھنڈی اور شانت پریم ہوتی ہے اُن کی وہ شہل  
چہا اور پریم سدھار ظاہر میں نکلی اچھی ہوتی ہیں وہ پریم  
ہوری جھنڈیاں اور دیکھی اُن کی رنگتہاں ۔

یہ ایکٹا کا سنگتہاں رچاتی ہیں اور مول سلاپ کا سنگتہاں  
ہیں ۔ یہی اپنے فانی ہانے سے قومی جامعہ تیار کرتی ہیں ۔ لیکن  
قوم کا سدھارہ یہی ہیں بہورتی ہیں اور ایکٹا کا دامن یہی  
نوجاتی ہیں ۔ فرقہ واری کی آگ یہی ہیں بھگتی ہیں لیکن  
اپنے دامن سے ہوا دیگر آگ کو بھگتی ہی ہیں ۔ مخالف  
ہوا کی بھگت یہ روکتی ہیں لیکن ۔ یہی ہیں کرتی ہیں  
ہوا کا اور رخ یہی اُس کا یہی بہورتی ہیں ۔ یہ دی آگ پر  
پھونک مارتی ہیں لیکن سادی آگ پر خاک ہی یہ ۔ قاتلی  
ہوں ۔ سنگتہاں یہ بناتی اور بگارتی ہیں ۔ ملچل یہ سچاتی اور  
دیتی ہیں ۔ یہ شک چونکہ دورخی اُن کی پالیسی ہوتی ہے اور  
دو طرفہ اُن کا رخ ”آدھر کچھ تو آدھر کچھ“ یہی کچھ تو  
کچھ کچھ ۔

## अनेकता में एकता यानी कसरत में बहव

की बेसी मानी जाती है। शिव का विवाह गौरी काली से हुआ, गौरी का अर्थ है सफेद और काली का अर्थ है काली। गौरी प्रेम का, जाहिर करती है और काली नकरत का। इन दोनों की क्रिया और प्रतिक्रिया से ही सृष्टि का अन्त होता है। इस तरह भारत के पुराणों में इस विश्व के सारे फैलाव को कहानियों के रूप में समझाया गया है, ताकि कम समझ आदमी भी आसानी से समझ सके। इस ढंग से उसमें ऐसी बातें भी कह दी गई हैं जिन्हें ठीक ठीक समझने के लिये बड़ी व्याख्या की जरूरत है।

इसी तरह शरीर विद्या (फिजियोलोजी) का हाल है जिसमें वैद्यक विद्या (इल्मेतिब), इल्मे सेहत, दिन और रात का बनना, मौसमों का बनना, नसलों की पैदाइश, कफ, बात और पित्त सब अपनी अपनी जगह आ जाते हैं।

इसी तरह रोगों (पैथालोजी) का हाल है। रोग भी तीन तरह के होते हैं—शरीर के रोग, मन के रोग और जीवनी शक्ति के रोग। इसमें भी शक नहीं कि यह सब अलग अलग चीजें एक दूसरे में रली मिली हुई हैं। हम कह चुके हैं कि कुदरत में कोई ऐसी लकीरे या दीवारे हैं ही नहीं जो एक चीज को दूसरी चीज से या एक क्रिस्म की चीजों को दूसरी क्रिस्म की चीजों से अलग करती हों। हकीकत एक अथाह और बेपाया, बे किनार समन्दर है जिसमें हम सब बुल-बुलों की तरह बनते और बिगड़ते और फिर बनते और बिगड़ते रहते हैं। कड़े से कड़े रोग कूबने इरादे से, मन की अवस्थाओं से अच्छे किये जा सकते हैं और सूक्ष्म से सूक्ष्म मानसिक विचार जड़ औषधियों द्वारा बदले जा सकते हैं।

इनसाइक्लोपीडिया ब्रीटेनिका में प्राणीशास्त्र (जुआलोजी) पर निबन्ध इस सम्बन्ध में पढ़ने योग्य है। सब जगह वही तीन के जांके और वही अनेकता में एकता यानी कसरत में बहव।

## अनेकता में एकता यानी कसरत में बहव

की बेसी मानी जाती है। शिव का विवाह गौरी काली से हुआ, गौरी का अर्थ है सफेद और काली का अर्थ है काली। गौरी प्रेम का, जाहिर करती है और काली नकरत का। इन दोनों की क्रिया और प्रतिक्रिया से ही सृष्टि का अन्त होता है। इस तरह भारत के पुराणों में इस विश्व के सारे फैलाव को कहानियों के रूप में समझाया गया है, ताकि कम समझ आदमी भी आसानी से समझ सके। इस ढंग से उसमें ऐसी बातें भी कह दी गई हैं जिन्हें ठीक ठीक समझने के लिये बड़ी व्याख्या की जरूरत है।

इसी तरह शरीर विद्या (फिजियोलोजी) का हाल है जिसमें वैद्यक विद्या (इल्मेतिब), इल्मे सेहत, दिन और रात का बनना, मौसमों का बनना, नसलों की पैदाइश, कफ, बात और पित्त सब अपनी अपनी जगह आ जाते हैं।

इसी तरह रोगों (पैथालोजी) का हाल है। रोग भी तीन तरह के होते हैं—शरीर के रोग, मन के रोग और जीवनी शक्ति के रोग। इसमें भी शक नहीं कि यह सब अलग अलग चीजें एक दूसरे में रली मिली हुई हैं। हम कह चुके हैं कि कुदरत में कोई ऐसी लकीरे या दीवारे हैं ही नहीं जो एक चीज को दूसरी चीज से या एक क्रिस्म की चीजों को दूसरी क्रिस्म की चीजों से अलग करती हों। हकीकत एक अथाह और बेपाया, बे किनार समन्दर है जिसमें हम सब बुल-बुलों की तरह बनते और बिगड़ते और फिर बनते और बिगड़ते रहते हैं। कड़े से कड़े रोग कूबने इरादे से, मन की अवस्थाओं से अच्छे किये जा सकते हैं और सूक्ष्म से सूक्ष्म मानसिक विचार जड़ औषधियों द्वारा बदले जा सकते हैं।

इनसाइक्लोपीडिया ब्रीटेनिका में प्राणीशास्त्र (जुआलोजी) पर निबन्ध इस सम्बन्ध में पढ़ने योग्य है। सब जगह वही तीन के जांके और वही अनेकता में एकता यानी कसरत में बहव।

اور کاروبار شریک کہا جاتا ہے اور جنہیں 'سول اینڈ اسپرٹ' کے نام سے پکارا ہے۔ ان تینوں کا ایک دوسرے سے ناتا ایک الگ اور دوسرا ورثہ ہے۔

مذہب و دنیا یعنی اہلکاروں کے اندر ہم چت و دنیا (سائنس و روح) دین و دنیا (فلسفہ و روح) اور سماج (سائنس و روح) تینوں کو شامل کر سکتے ہیں۔ یہی تین اہلکار ہیں۔ انہیں دوں کا میل ہے۔ یہی مائیکرو، میٹر اور لائٹ اور پاور ہیں۔

اسی طرح چکر پورا کر کے ہم پھر انہیں اصولوں پر آجاتے ہیں۔ ہمارا گمان (علم) اور ہمارا انہیں (تجربہ) جتنا بڑھتا جاتا ہے اور ہماری اندر کی شکلیاں جتنی جتنی نکلتی جاتی ہیں انہیں انسانی جن چیزوں کو ہم دور اور نکما سمجھتے تھے، انہیں نزدیک اور کام کا سمجھنے لگتے ہیں۔ نجی سواروں اور خود غرضی کی نگاہ سے یہی چیزیں دنیاوی سکھ سیکھنے کو بڑھانے والی ثابت ہوتی ہیں اور تھاک اور حقیقی شائستگی کی نگاہ سے یہی چیزیں ہمیں سب کے ساتھ ہماری ایکٹائیٹڈ کر لوک سکھنے یعنی خدمت خلق میں زیادہ سے زیادہ مدد دینے والی بن جاتی ہیں۔

انہیں (تاریخ) میں تین چیزیں خاص ہوتی ہیں۔ ایک تھی وار حالات جسے کرائیو جی کہتے ہیں جس کا سبب کال یعنی سیم سے ہے۔ دوسرے یوگول یعنی جھوٹریلی جس کا سبب دیہی اور چکے سے ہے۔ تیسرے گھنٹوں کا بیان یعنی نریٹو جو انہیں کا مہیہ ایک ہے جس کا سبب کالی یعنی حرکت سے ہے۔ یہ تینوں بھی اسی شکتی کے گانے ہیں جو انہیں ہی سب کچھ کر سکتی ہے اور جس کے بنا نہیں کچھ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ انہیں انہیں میں ایشور الاء کو سرورشتومان، قادر مطلق یا 'آل مائٹی' کہا جاتا ہے۔

یہی ہم انہیں کو دھیان سے دیکھیں تو انہیں کے یہی تین روپ گوری، کالی اور شکتی کے روپ ہوں دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں کے ذریعہ دنیا کے سب پدارتھ، سب جاندار، سب راجے، سب نسلوں اور سبھی تارے پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں اور گر کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انہیں تینوں طاقتوں کو بڑھاؤ و شنو اور شو یا روہنہا سے پکارا گیا ہے۔ یہی تین نام تینوں گنوں راجے، ستو اور تمس کو ظاہر کرتے ہیں۔ بڑھانے، 'سرستی' سے ہوا جو گیان کی دیوی۔ مانی جاتی ہے، کونستہ کرم بنا تھان کے نشہاں ہے اور گیان بنا کرم کے خطرناک۔ وشنو کا دیوتا لکشمی سے ہوا جو دھن اور سکھ سیکھنے

یہی ہم انہیں کو دھیان سے دیکھیں تو انہیں کے یہی تین روپ گوری، کالی اور شکتی کے روپ ہوں دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں کے ذریعہ دنیا کے سب پدارتھ، سب جاندار، سب راجے، سب نسلوں اور سبھی تارے پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں اور گر کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انہیں تینوں طاقتوں کو بڑھاؤ و شنو اور شو یا روہنہا سے پکارا گیا ہے۔ یہی تین نام تینوں گنوں راجے، ستو اور تمس کو ظاہر کرتے ہیں۔ بڑھانے، 'سرستی' سے ہوا جو گیان کی دیوی۔ مانی جاتی ہے، کونستہ کرم بنا تھان کے نشہاں ہے اور گیان بنا کرم کے خطرناک۔ وشنو کا دیوتا لکشمی سے ہوا جو دھن اور سکھ سیکھنے

یہی ہم انہیں کو دھیان سے دیکھیں تو انہیں کے یہی تین روپ گوری، کالی اور شکتی کے روپ ہوں دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں کے ذریعہ دنیا کے سب پدارتھ، سب جاندار، سب راجے، سب نسلوں اور سبھی تارے پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں اور گر کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انہیں تینوں طاقتوں کو بڑھاؤ و شنو اور شو یا روہنہا سے پکارا گیا ہے۔ یہی تین نام تینوں گنوں راجے، ستو اور تمس کو ظاہر کرتے ہیں۔ بڑھانے، 'سرستی' سے ہوا جو گیان کی دیوی۔ مانی جاتی ہے، کونستہ کرم بنا تھان کے نشہاں ہے اور گیان بنا کرم کے خطرناک۔ وشنو کا دیوتا لکشمی سے ہوا جو دھن اور سکھ سیکھنے

یہی ہم انہیں کو دھیان سے دیکھیں تو انہیں کے یہی تین روپ گوری، کالی اور شکتی کے روپ ہوں دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں کے ذریعہ دنیا کے سب پدارتھ، سب جاندار، سب راجے، سب نسلوں اور سبھی تارے پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں اور گر کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انہیں تینوں طاقتوں کو بڑھاؤ و شنو اور شو یا روہنہا سے پکارا گیا ہے۔ یہی تین نام تینوں گنوں راجے، ستو اور تمس کو ظاہر کرتے ہیں۔ بڑھانے، 'سرستی' سے ہوا جو گیان کی دیوی۔ مانی جاتی ہے، کونستہ کرم بنا تھان کے نشہاں ہے اور گیان بنا کرم کے خطرناک۔ وشنو کا دیوتا لکشمی سے ہوا جو دھن اور سکھ سیکھنے

یہی ہم انہیں کو دھیان سے دیکھیں تو انہیں کے یہی تین روپ گوری، کالی اور شکتی کے روپ ہوں دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں کے ذریعہ دنیا کے سب پدارتھ، سب جاندار، سب راجے، سب نسلوں اور سبھی تارے پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں اور گر کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انہیں تینوں طاقتوں کو بڑھاؤ و شنو اور شو یا روہنہا سے پکارا گیا ہے۔ یہی تین نام تینوں گنوں راجے، ستو اور تمس کو ظاہر کرتے ہیں۔ بڑھانے، 'سرستی' سے ہوا جو گیان کی دیوی۔ مانی جاتی ہے، کونستہ کرم بنا تھان کے نشہاں ہے اور گیان بنا کرم کے خطرناک۔ وشنو کا دیوتا لکشمی سے ہوا جو دھن اور سکھ سیکھنے

یہی ہم انہیں کو دھیان سے دیکھیں تو انہیں کے یہی تین روپ گوری، کالی اور شکتی کے روپ ہوں دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں کے ذریعہ دنیا کے سب پدارتھ، سب جاندار، سب راجے، سب نسلوں اور سبھی تارے پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں اور گر کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انہیں تینوں طاقتوں کو بڑھاؤ و شنو اور شو یا روہنہا سے پکارا گیا ہے۔ یہی تین نام تینوں گنوں راجے، ستو اور تمس کو ظاہر کرتے ہیں۔ بڑھانے، 'سرستی' سے ہوا جو گیان کی دیوی۔ مانی جاتی ہے، کونستہ کرم بنا تھان کے نشہاں ہے اور گیان بنا کرم کے خطرناک۔ وشنو کا دیوتا لکشمی سے ہوا جو دھن اور سکھ سیکھنے

بھارت کے ”انہیس“ میں مائو انہیس کے خاص خاص  
 لوگوں کا ورثہ ہے۔

پروپین و دوار۔ ہر سن نے جسے 'ٹاپر'، انسٹیک اور  
 انٹیجینس' کہا ہے اسی کو ہمارے پرانے میں 'نفس'  
 و جس آرستو' کہا گیا ہے۔ دیوی بھاگوت میں اسے بڑے و ستار  
 کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ہم اُپر کہہ چکے ہیں کہ اُجکل کی سائنس کے انہماک  
قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر  
اُجکتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے مائسدانوں کا وشواس ہے۔  
ہو سکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو  
وہابیائی، پُرانِ پعلی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔  
اسی وجہاں تو انگریزی میں ایلیمیا سونڈی یا واٹیلٹی کہتے  
ہوں۔ اسی پُرانِ پاچان کو مائٹڈ فورس بھی کہا جاتا ہے۔  
یہی وہ اچھا شکتی، وہ قوتِ اُردی یعنی روحِ کل کی ظہور میں  
آگے کی وہ اچھا ہے جس کی بابت اینفیدوں میں کہا گیا ہے—  
”میں ایک ہوں اور بہت ہوجاؤں“۔ اسلام میں اسی  
کو اللہ کے منہ سے ”ہوجا“ کہنا بتایا گیا ہے۔ یہ وہ پاک اچھا  
شکتی، گہان شکتی، دہی شکتی یا سکہامپ شکتی کے ذریعہ  
کام کرتی ہے۔ یہی وشوکی کہیا شکتی ہے۔ قدرت کی ساری  
شکھیاں اسی کے اندر سمائی ہوئی ہوں اور اسی سے تلم کر رہی  
ہوں۔

معمولی نل سے نکلا ہوا پانی کا ذخارہ بہت بڑھ ہواؤ کے اندر نولاد کی چیز سے زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔ ہوا کا ایک وزبرست جھونکا اپنی حرکت کی تیزی کی وجہ سے سندر کے اوپر پانی کی الٹی مہار یا صحارا کے ریکسان میں دیتا کی مہار بن جاتا ہے۔ ٹھوس چیزیں نول ہو جاتی ہیں، نول گیس بن جاتی ہیں۔ گیسیں اور ادھک لطیف ہو کر ابھر بن جاتی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح آبی کی تیزی کو کم کرنے اور ہواؤ کو بڑھانے سے طرح طرح کی لہریں پیدا ہو جاتی ہیں جلیہیں سائنسدان 'ویوز' کہتے ہیں۔ انٹ میں جائز یہ سب گئی، حرکت اور لہریں، چاہے پلڈ کے اندر اور چاہے ہرسمانڈ کے اندر، اسی وشوانسا کی گئی ہے جو اپنی مایا (نولا) کے ذریعہ ایک سے اتھک معلوم ہونے لگتا ہے۔ اسی سے انکنت نام اور روپ پیدا ہوتے ہیں۔ آنا کے اسی اپنے چاروں طرف کے نریتہ کو پرائن میں شوکا قانتو نریتہ کہا گیا ہے۔

جو شہکی آنا اور غیر آنا میں نانا چورتی ہے اسی کو  
ہوگ ماشہ۔ میں 'چٹیل' اور مہارت اور پرائیں  
میں 'ڈام سنگلپ شہکی' کہا گیا ہے۔ اسی سے ماشہ  
کے وہ تین ہیر ہلتا میں چلتیں اکھیل شہر

ایک دوسرے کے ساتھ خلت ملت ہوئی تھی۔ اس لیے یہ ہے اور ہم شہدائے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب شریکِ نفا سے اور آتما کی نفا سے دونوں نگاہوں سے ایک دوسرے کا انگ ہیں اور ایک ہیں، یہ بھی ہو ایک اپنا انگ سادھے وجود بھی رکھتا ہے۔ اسی کا نام ایکنا میں انہیں یعنی وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت ہے۔

انجیل میں لکھا ہے:—”ابشریہ قانون کے अनुसार سب چیزیں ایک دوسرے کے وجود میں مل جاتی ہیں۔“ کل صاف ہے کیونکہ سب ایک ہی چہن کی کھلا سے پیدا ہوئی ہیں اور اسی ایک کھلا کے انگ ہیں۔ وہ سب جگہ، خاطر، خاطر، سرور، پاک، سرو، شکتیمان، روح کل، سب کو سب کے اندر ایک نگہ ہوئے ہے۔ یورپ کے مشہور سائنسدان ڈاکٹر ایلیکس کیرل نے اپنی پستک ”میں دی انہوں“ میں اس سچائی کو سائنس کے شعبوں اور سائنس کے طریقے سے بڑی سادگی کے ساتھ بیان کیا اور سمجھایا ہے۔

یہی کارن ہے کہ آدمی کے دل میں اس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اس پہلکا میں ایکنا کو دیکھ سکے۔ اسی لئے سائنس پرورتنی کی سب شکلیوں کو اپنے ادھکار میں لے کر کوششوں میں لگی رہتی ہے۔ اسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اسی ایکنا کو سائنس کے ترے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکنا کو سائنس کے ترے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

یہی کارن ہے کہ آدمی کے دل میں اس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اس پہلکا میں ایکنا کو دیکھ سکے۔ اسی لئے سائنس پرورتنی کی سب شکلیوں کو اپنے ادھکار میں لے کر کوششوں میں لگی رہتی ہے۔ اسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اسی ایکنا کو سائنس کے ترے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکنا کو سائنس کے ترے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

یہی کارن ہے کہ آدمی کے دل میں اس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اس پہلکا میں ایکنا کو دیکھ سکے۔ اسی لئے سائنس پرورتنی کی سب شکلیوں کو اپنے ادھکار میں لے کر کوششوں میں لگی رہتی ہے۔ اسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اسی ایکنا کو سائنس کے ترے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکنا کو سائنس کے ترے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

یہی کارن ہے کہ آدمی کے دل میں اس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اس پہلکا میں ایکنا کو دیکھ سکے۔ اسی لئے سائنس پرورتنی کی سب شکلیوں کو اپنے ادھکار میں لے کر کوششوں میں لگی رہتی ہے۔ اسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اسی ایکنا کو سائنس کے ترے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکنا کو سائنس کے ترے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

یہی کارن ہے کہ آدمی کے دل میں اس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اس پہلکا میں ایکنا کو دیکھ سکے۔ اسی لئے سائنس پرورتنی کی سب شکلیوں کو اپنے ادھکار میں لے کر کوششوں میں لگی رہتی ہے۔ اسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اسی ایکنا کو سائنس کے ترے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکنا کو سائنس کے ترے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

یہی کارن ہے کہ آدمی کے دل میں اس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اس پہلکا میں ایکنا کو دیکھ سکے۔ اسی لئے سائنس پرورتنی کی سب شکلیوں کو اپنے ادھکار میں لے کر کوششوں میں لگی رہتی ہے۔ اسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اسی ایکنا کو سائنس کے ترے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکنا کو سائنس کے ترے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

یہی کارن ہے کہ آدمی کے دل میں اس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اس پہلکا میں ایکنا کو دیکھ سکے۔ اسی لئے سائنس پرورتنی کی سب شکلیوں کو اپنے ادھکار میں لے کر کوششوں میں لگی رہتی ہے۔ اسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اسی ایکنا کو سائنس کے ترے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکنا کو سائنس کے ترے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

یہی کارن ہے کہ آدمی کے دل میں اس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اس پہلکا میں ایکنا کو دیکھ سکے۔ اسی لئے سائنس پرورتنی کی سب شکلیوں کو اپنے ادھکار میں لے کر کوششوں میں لگی رہتی ہے۔ اسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اسی ایکنا کو سائنس کے ترے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکنا کو سائنس کے ترے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔



भागवत में और योग वासिष्ठ में लिखा है कि—“सब चीजों, हर जगह, हर तरह से और हर समय मौजूद हैं।” योग भाष्य में लिखा है—“सब में सब की आत्मा है, सब में सब के सब गुण मौजूद हैं।” मराठूर साइन्सदाँ जीन्स लिखता है—“हर इलेक्ट्रान सारे विश्व भर में फैला हुआ है।” एक दूसरा साइन्सदाँ ड. ऐलेक्सस कैरल लिखता है—“मनुष्य का आपा सब जगह यानी सारे विश्व में फैला है।” योग वासिष्ठ में लिखा है—“अणु दुनियाओं में हैं और दुनियाएँ अणुओं में हैं।”

इस दुनियादी सचाई के हाते हुए भी हम चीजों को अलग अलग नाम दे लेते हैं, यह नाम हम हर चीज के किसी न किसी अलग गुण या उसकी किसी न किसी खास सिफ़त के कारण देकर अपना काम चलाते हैं। न्याय शास्त्र में, योग वासिष्ठ में और ब्रह्म सूत्रों में इस बात को बहुत अच्छी तरह खोल कर और विस्तार के साथ बयान किया गया है।

दुनिया के सब नाम रूप आदमी ने अपनी आसानी के लिये गढ़े हैं, इन नाम रूपों पर ही सब साइन्सों की बुनियादें हैं, नहीं तो कुदरत में सब एक है, सब रोशनीयों की किरनें एक दूसरे में मिली हुई हैं, शबनम (ओस) की बुँद के अन्दर आफ़ताब (सूर्य) मौजूद है और शबनम की बुँद आफ़ताब के घबकते हुए गोले के अन्दर मौजूद है मैं जब उत्तरी ध्रुव और दक्खिनी ध्रुव यानी कुतुब शुमाली और कुतुब जन्शी की बात करता हूँ तो वह मेरे मन के अन्दर हाते हैं और मेरा मन उनमें मौजूद होता है, यह अनन्त आकारा और उसके अन्दर अरबों खरबों और शंखों सितारों और सैयारों सब मेरी छाँटी सी आँख के अन्दर हैं और इन सब में भी सब का देखने वालों की आँखें मौजूद हैं, बेतार के रेडियों ने साबित कर दिया है कि सब आवाजें, सब जगह से उठन वाली सब जगह सुनी जा सकती हैं और सब जगह मौजूद हैं, जा सितारों और सैयारों एक दूसरे से कराँड़ों और अरबों मील की दूरी पर हैं उन सब पर रोशनी की किरनों के द्वारा बराबर एक दूसरे का अब्स पड़ता रहता है, हमारे शरीर के सब तन्तु हमारे खून के जरिए एक दूसरे से मिले रहते हैं, हर छोटे से छोटे पेटम की हर हरकत विश्व भर की अनगिनत हरकतों का नतीजा होती है और वह खुद अपने द्वारा अनगिनत हरकतों को जन्म देती है, हर मनुष्य अनगिनत पुरखों की ओलाव हाता है और उसी तरह अनगिनत मनुष्यों का पुरखा हाता है, यदि हम दुनिया के मनुष्यों के सब पिछले रिश्तों का पता लगा सकें तो हमें मालूम होगा कि हर मनुष्य दुनिया भर के बाकी सब मनुष्यों के साथ खून के रिश्ते से जुड़ा हुआ है, इनसान की सारी नसलें बराबर

بہاگت میں اور یوگ واسیشت میں لکھا ہے کہ—”سب چیزیں ہر جگہ ہر طرح سے اور ہر سبب موجود ہیں۔“ یوگ باہی میں لکھا ہے—”سب میں سب کی آتما ہے۔“ سب میں سب کے سب کی موجود ہیں۔“ مشہور سائنسدان جینس لکھتا ہے—”ہر الیکٹران سارے مشہور میں پھیلا ہوا ہے۔“ ایک دوسرا سائنسدان ڈی۔ ایلیکس کیرل لکھتا ہے—”انسانی جسم کا آپا سب جگہ یعنی ارض و مشہور میں پھیلا ہے۔“ یوگ واسیشت میں لکھا ہے—”انسانی دنیاؤں میں ہیں اور دنیاؤں انوں میں ہیں۔“

اس بنیادی سچائی کے ہوتے ہوئے بھی ہم چیزوں کو الگ الگ نام دے لیتے ہیں۔ یہ نام ہم ہر چیز کے کسی نہ کسی الگ کن یا اس کی کسی نہ کسی خاص صفت کے کارن دے کر اپنا کام چلاتے ہیں۔ نیاٹہ شاستر میں یوگ واسیشت میں اور برہم سوتروں میں اس بات کو بہت اچھی طرح قبول کر اور ستار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

دنیا کے سب نام روپ آدمی نے اپنی آسانی کے لئے گڑھے ہیں۔ ان نام روپوں پر ہی سب سائنسوں کی بنیادیں ہیں۔ نہیں تو قدرت میں سب ایک ہیں۔ سب روشنیوں کی کونیں ایک دوسرے میں ملی ہوئی ہیں۔ شبنم (اوس) کی بوند کے اندر آفتاب (سورج) موجود ہے اور شبنم کی بوند آفتاب کے دھمکتے ہوئے گولے کے اندر موجود ہے۔ میں جب اترو دھرو اور دکنی دھرو یعنی قطب شمالی اور قطب جنوبی کی بات کرتا ہوں تو وہ میرے من کے اندر ہوتے ہیں اور ہر اُن میں موجود ہوتا ہے۔ یہ انٹل آکھیں اور اُس کے اندر اربوں کھربوں اور ششکھوں ستاروں اور سہاروں سب مہری چوٹی میں اُنکے کے اندر ہوں اور اُن سب میں بھی سب کو دیکھنے والوں کی آنکھیں موجود ہیں۔ پتار کے رقبہ کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سب آوازیں، سب جگہ سے اُٹھنے والی، سب جگہ سنی جا سکتی ہیں اور سب جگہ موجود ہیں۔ جو ستاروں اور سہاروں ایک دوسرے سے کروڑوں اور اربوں میل کی دوری پر ہوں اُن سب پر روشنی کی کونوں کے دوارا برابر ایک دوسرے کا عکس پڑتا رہتا ہے۔ ہمارے شریروں کے سب نفلو ہمارے خوں کے ذریعے ایک دوسرے سے ملے رہتے ہیں۔ ہر چہوٹے سے چہوٹے ایٹم کی ہر حرکت رگو بہر کی انکنت حرکتوں کا نتیجہ ہوتی ہے اور وہ خود اپنے دوارا انکنت حرکتوں کو جنم دیتی۔ ہر مشیہ انکنت پرتکوں کی اولاد ہوتا ہے اور اُسی طرح انکنت مشیہ کا پڑنا ہوتا ہے۔ یہی ہم دنیا کے مشیہوں کے سب پچھلے رشتوں کا پتہ لگا سکیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہر مشیہ دنیا بہر کے باقی سب مشیہوں کے ساتھ خونی کے رشتے سے جڑا ہوا ہے۔ انسان کی ساری نسلوں برابر

بانی ساؤنڈ، روشنی یعنی لائٹ، گرمی یعنی ہیٹ، بجلی (ایلیکٹریسیٹی) اور طرح طرح کی گہنیں (ریڈ) اور ان سے سمبند رکھنے والی دہائیں آجاتی ہیں۔ آنت، مہن جا کر کن سب کا سمبند ودرت یعنی بجلی سے ہوتا جاتا ہے۔ آلو یعنی ایتھ کی باہت ابھی تک یورپ کے دواؤں میں ایک الگ وچار ہوں۔ کوئی ایسے ایک چھوٹی سی چھوٹی مادی یعنی ٹیوس چیز سمبندتے ہیں اور کوئی کھول ایک لہر (ویو) یا شکتی (انرجی) ہتاتے ہیں۔ ایسے ہی دو وچار روشنی کے بارے میں بھی رہ چکے ہیں۔ تیسرے حصے میں جیورنل شاکر ہے جسے انگریزی میں ایسٹرو ٹومی کہتے ہیں۔ اس تیسرے حصے میں بھی اوپر کے دونوں آکار ایک طرح سے مل جاتے ہیں۔ اس میں سب براہمنقوں یعنی آکھ کے گہوں، آنت سورپس، سکاروں، ساروں سورپہ جکوں، آسمانوں کا ہلکا، چکر کاٹا، ان کے آپس کے رشتے اور ایک دوسرے پر ان کے اثر، ہماری زمین کے رشتے والوں پر ان کے اثر، سب آ جاتے ہیں۔

اس نگاہ سے جوتھ کے دوہاک ہو گئے ہیں۔ ایک گہت یعنی معمولی ایسٹروٹومی اور دوسرا پھلت یعنی الیستروٹومی۔ انہیں دونوں کو نجم بھی کہتے ہیں۔ ان کا سمبند ہماری دھرتی کی بناوت، ہماری سمے کے دوہاکوں، ہمارے من کی حالتوں اور ہماری دھرتی کے اندر کی دھاتوں، ہمارے موسموں، ہمارے جوار بہاؤں، ہمارے سموم و طوفانوں جلدوں انگریزی میں Simooms and Typhoons کہتے ہیں، ہمارے زلزلوں، طرح طرح کے جواروں، ونسپٹوں اور انسانی قوموں کی پیدائشوں وغیرہ سے بھی ہاکل صاف ہے۔ اس پر ہمارے جوتھی پانچ سال، سات سال، بارہ سال، چھتیس سال، سو سال، بارہ سو سال، چھتیس سو سال، چار ہزار تین سو بیس سال وغیرہ کے یک ہما لیتے ہیں۔ ان سب کا سمبند ان اردوں گہوں دہائوں سے ہے ج جوتھ کا وشہتے ہے۔

یہ بات بھی صاف سمبند میں آسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں اور سب سائنسیں ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔ اگر ایٹموں سے دہائیں ہلی ہیں تو ہر ایتھ کے اندر سب دہائیں موجود ہیں۔ بڑے درخت میں بھیج اور بھیج میں دوسرا درخت موجود ہے۔ رے سے ہوا اور چھوٹے سے چھوٹا دونوں بے آنت ہیں۔ جگہ، سم اور حرکت یعنی ایسٹریس، قائم اور موطن سب درشتا یعنی آنا کے من کی حالتیں ہیں۔ ان سب کا استور سائیکس یعنی ہول ایک دوسرے کے سمبند سے ہے۔ دوربین کو اگر عم دھیان سے دیکھیں، چلتی ریل کو پاس سے گزرتے ہو کر اور پھر دور ہلے سے گزرتے ہو کر دیکھیں تو یہ بات صاف سمبند میں آجاتی ہے۔ ہم اپنے سپہیں اور گہری ٹھنڈ پر نگاہ ڈالیں تب بھی ہم اسے سمبندتے ہیں۔

یہ بات بھی صاف سمبند میں آسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں اور سب سائنسیں ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔ اگر ایٹموں سے دہائیں ہلی ہیں تو ہر ایتھ کے اندر سب دہائیں موجود ہیں۔ بڑے درخت میں بھیج اور بھیج میں دوسرا درخت موجود ہے۔ رے سے ہوا اور چھوٹے سے چھوٹا دونوں بے آنت ہیں۔ جگہ، سم اور حرکت یعنی ایسٹریس، قائم اور موطن سب درشتا یعنی آنا کے من کی حالتیں ہیں۔ ان سب کا استور سائیکس یعنی ہول ایک دوسرے کے سمبند سے ہے۔ دوربین کو اگر عم دھیان سے دیکھیں، چلتی ریل کو پاس سے گزرتے ہو کر اور پھر دور ہلے سے گزرتے ہو کر دیکھیں تو یہ بات صاف سمبند میں آجاتی ہے۔ ہم اپنے سپہیں اور گہری ٹھنڈ پر نگاہ ڈالیں تب بھی ہم اسے سمبندتے ہیں۔

یہ بات بھی صاف سمبند میں آسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں اور سب سائنسیں ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔ اگر ایٹموں سے دہائیں ہلی ہیں تو ہر ایتھ کے اندر سب دہائیں موجود ہیں۔ بڑے درخت میں بھیج اور بھیج میں دوسرا درخت موجود ہے۔ رے سے ہوا اور چھوٹے سے چھوٹا دونوں بے آنت ہیں۔ جگہ، سم اور حرکت یعنی ایسٹریس، قائم اور موطن سب درشتا یعنی آنا کے من کی حالتیں ہیں۔ ان سب کا استور سائیکس یعنی ہول ایک دوسرے کے سمبند سے ہے۔ دوربین کو اگر عم دھیان سے دیکھیں، چلتی ریل کو پاس سے گزرتے ہو کر اور پھر دور ہلے سے گزرتے ہو کر دیکھیں تو یہ بات صاف سمبند میں آجاتی ہے۔ ہم اپنے سپہیں اور گہری ٹھنڈ پر نگاہ ڈالیں تب بھی ہم اسے سمبندتے ہیں۔

یہ بات بھی صاف سمبند میں آسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں اور سب سائنسیں ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔ اگر ایٹموں سے دہائیں ہلی ہیں تو ہر ایتھ کے اندر سب دہائیں موجود ہیں۔ بڑے درخت میں بھیج اور بھیج میں دوسرا درخت موجود ہے۔ رے سے ہوا اور چھوٹے سے چھوٹا دونوں بے آنت ہیں۔ جگہ، سم اور حرکت یعنی ایسٹریس، قائم اور موطن سب درشتا یعنی آنا کے من کی حالتیں ہیں۔ ان سب کا استور سائیکس یعنی ہول ایک دوسرے کے سمبند سے ہے۔ دوربین کو اگر عم دھیان سے دیکھیں، چلتی ریل کو پاس سے گزرتے ہو کر اور پھر دور ہلے سے گزرتے ہو کر دیکھیں تو یہ بات صاف سمبند میں آجاتی ہے۔ ہم اپنے سپہیں اور گہری ٹھنڈ پر نگاہ ڈالیں تب بھی ہم اسے سمبندتے ہیں۔



یہ کہیں اس مانتی دلہہ اس آچٹن جگت کی نکلتی ہے  
 اگر ہم ذرا دیکھیں یہ دیکھیں تو ہمارے سب آدمی اور  
 عورتیں، لڑکے اور لڑکیاں، سب ایک دوسرے میں مل جاتے ہیں۔  
 مائیں سچے کے اندر نہ کوئی الگ نسل ہے اور نہ کوئی الگ  
 راشٹر یا قوم۔ سائنس بھی اس چیز کو مانتی ہے کہ انسان  
 کی سب نسلیں ایک دوسرے میں ملی ہوئی ہیں۔ سب  
 میں سب کا خون ہے۔ کوئی کسی سے جدا نہیں۔ آجکل کی  
 راجدھانی بھی اس چیز کو سمجھتی جا رہی ہے اور اسے جلدی  
 سے جلدی ساکھات کر لیتا چاغتی ہے کہ دنیا میں کوئی  
 الگ راشٹر نہیں، کوئی الگ قوم نہیں۔ سب سب میں ہیں  
 اور سب ایک ہیں۔ اسے سمجھ لیتا ہی اصلی بھروسے کے راستے  
 پر چلتا ہے۔ یہی ایشور الہ کو سمجھنے کا ذیلہ ہے۔

انگریزوں کوئی ٹیوٹیشنس نے لکھا ہے۔ ”ہر آدمی کے چہرے سے وجود کے دونوں طرف ایک اتہا گہرا سمندر ہے جس میں سے ایک طرف سے نکل کر وہ اُسی میں دوسری طرف جا ملتا ہے۔“ گیتا میں لکھا ہے۔ ”سب ہیوت یعنی پڑائی، شروع میں اونپکی یعنی غور ظاہر ملے ہوئے تھے“ بیچ میں یہ سب انگ الگ ویکٹ یعنی ظہور پذیر ہوئے اور آخر میں یہ سب اوپکت یعنی ایک دوسرے میں مل جاویں گے۔ ہم سب غیب (انگیت) سے آئے ہیں اور غیب ہی کی طرف جا رہے ہیں۔ ہماری یہ جو بیچ کی حالت ہے یہی ہماری ساری انسانی تاریخ ہے۔ سلسلہ میں اُسی کو اتہاس پوران کہتے ہیں۔ سب اتہاس پوران اُسی بیچ کی حالت کو بیان کرتے ہیں۔ اُس میں ہماری سرگ، یعنی خالق، ہمارا وکاپن یعنی ارتقا (اپوروشن)، اور بڑے یعنی قیامت (دبیرلوشن) سب آ جاتے ہیں۔ اُسی میں مہابھوتوں یعنی اہمیس اور جہو گرام یعنی سب جانداروں کا حال شامل ہے۔

ہربرٹ اسپنسر نے اس سچائی کو اپنی پستک ”دی نیچر ٹھیک فائلسی“ میں بڑی سادہ سادہ سے درشایا ہے۔ روسی ملت و دوسری مہتمم دولت و ممالک نے اپنی پستک ”دی سہرہرٹ قائم“ کی تین بڑی بڑی جلدوں میں اسے اور بھی ادھک سادہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ دونوں پستکیں اس معاملے میں بھارت کے انھیں پوراں کا ہی نہا روپ ہیں۔

و شو کے اس انتہاس کو اور ہماری ساری سائنسوں اور  
 ویدیاؤں کو تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک پنچ  
 بھوت، شستر جس میں آجکل کی سب کیمسٹری، فزکس  
 انزوں اور پروٹانوں کا حال، جنہیں تھو ٹران، پروٹان، ایٹامک ٹران  
 وغیرہ ناموں سے پکارا جاتا ہے، سب کیمسٹری، دھاتوں  
 نرل پدارت، ٹھوس پدارت سب اسی میں آجاتے ہیں۔  
 دوسرے بھوت شکتی، شستر، جس میں کچھ فزکس کچھ قائم  
 کیمکس شامل ہے۔ اس میں شکتی، انرجی، فورس، آواز

## अनेकता में एकता यानी कसरत में वहदत

डाक्टर भगवानदास

पिछले लेखों में हम आत्मा और अनात्मा की चरचा कर चुके हैं, और आत्मा यानी रूह को ही अस्त बजूद और अनात्मा यानी बाहर की सारी दुनिया को एक तरह से फरेब, माया या धोखा दिखा चुके हैं। हम यह भी बता चुके हैं कि आत्मा या रूह यानी अस्त बजूद एक ही है। उस एकता में अनेकता यानी वहदत में कसरत भी एक धोखा है, वही अल्लाह है, वही हम सब का "मैं" है, वही है, और कुछ है ही नहीं। इस लेख में हम यह दिखाना चाहते हैं कि इस दुनिया में अनात्मा की सारी साइन्सों, सब जड़ बिछाएँ, इस दिखाई देने वाले विश्व आलम जहूर से ही सम्बन्ध रखती हैं और इसी का इतिहास है।

उन साइन्सों में से एक एक के लिये हमें एक एक विषय यानी एक एक महदद दुनिया, परिमित सृष्टि गढ़ती पड़ती है। हमें कोई ऐसा मजमून लेना पड़ता है जिसका शुरू भी हो और आखीर भी, जबकि असल बजूद में कहीं कोई अलइदगी, कोई सिरा, कोई शुरू या कोई आखीर, है ही नहीं। सारा बजूद, सारा आस्तित्व, अस्त हकीकत एक बे-अन्त समन्दर है, एक दरियाए बेकिनार है जिसका न कोई ओर है और न कोई छोर। पर हमारे लिए इस दुनिया को समझने के सिवाय इस तरह के फरजी टुकड़े कर करके देखने के और कोई तरीका भी नहीं है।

मिसाल के तौर पर हमने अपना एक सौर्य जगत, एक निजामे शम्सी फर्ज कर रखा है। उसी के अन्दर हमारी धरती का यह गोला है, इनकी हमने एक एक इकाई बना रखी है, तब हम इनकी अलग अलग साइन्सों बना पाते हैं और उनमें अलग अलग खोज कर सकते हैं।

ऐसे ही मानव इतिहास को समझने के लिये हमें अलग अलग नसलें, जातियाँ और राष्ट्र यानी क्रौमें फर्ज कर लेनी पड़ती हैं। हर जाति या क्रौम का हम एक आरम्भ यानी आराज और एक अन्त यानी अंजाम मान लेते हैं। फिर इस तरह के एक ही फरजी राष्ट्र की आयु के भी हम अलग अलग फरजी टुकड़े कर लेते हैं और टुकड़ों को राष्ट्र के इतिहास के अलग अलग युग (अमाने) मान लेते हैं। वही हमारी दिमागी दौड़ के लिये अलग अलग मैदान हो जाते हैं।

## अनेकता में एकता यानी कसरत में वहदत

(डाक्टर भगवानदास)

पिछले लेखों में हम आत्मा और अनात्मा की चरचा कर चुके हैं, और आत्मा यानी रूह को ही अस्त बजूद और अनात्मा यानी बाहर की सारी दुनिया को एक तरह से फरेब, माया या धोखा दिखा चुके हैं। हम यह भी बता चुके हैं कि आत्मा या रूह यानी अस्त बजूद एक ही है। उस एकता में अनेकता यानी वहदत में कसरत भी एक धोखा है, वही अल्लाह है, वही हम सब का "मैं" है, वही है, और कुछ है ही नहीं। इस लेख में हम यह दिखाना चाहते हैं कि इस दुनिया में अनात्मा की सारी साइन्सों, सब जड़ बिछाएँ, इस दिखाई देने वाले विश्व आलम जहूर से ही सम्बन्ध रखती हैं और इसी का इतिहास है।

अन सान्सों में से एक एक के लिये हमें एक एक विषय यानी एक एक महदद दुनिया, परिमित सृष्टि गढ़ती पड़ती है। हमें कोई ऐसा मजमून लेना पड़ता है जिसका शुरू भी हो और आखीर भी, जबकि असल बजूद में कहीं कोई अलइदगी, कोई सिरा, कोई शुरू या कोई आखीर, है ही नहीं। सारा बजूद, सारा आस्तित्व, अस्त हकीकत एक बे-अन्त समन्दर है, एक दरियाए बेकिनार है जिसका न कोई ओर है और न कोई छोर। पर हमारे लिए इस दुनिया को समझने के सिवाय इस तरह के फरजी टुकड़े कर करके देखने के और कोई तरीका भी नहीं है।

मिसाल के तौर पर हमने अपना एक सौर्य जगत, एक निजामे शम्सी फर्ज कर रखा है। उसी के अन्दर हमारी धरती का यह गोला है, इनकी हमने एक एक इकाई बना रखी है, तब हम इनकी अलग अलग साइन्सों बना पाते हैं और उनमें अलग अलग खोज कर सकते हैं।

ऐसे ही मानव इतिहास को समझने के लिये हमें अलग अलग नसलें, जातियाँ और राष्ट्र यानी क्रौमें फर्ज कर लेनी पड़ती हैं। हर जाति या क्रौम का हम एक आरम्भ यानी आराज और एक अन्त यानी अंजाम मान लेते हैं। फिर इस तरह के एक ही फरजी राष्ट्र की आयु के भी हम अलग अलग फरजी टुकड़े कर लेते हैं और टुकड़ों को राष्ट्र के इतिहास के अलग अलग युग (अमाने) मान लेते हैं। वही हमारी दिमागी दौड़ के लिये अलग अलग मैदान हो जाते हैं।

اناجیل—بائبل ( انجیل کا بہت بڑا کتب )

سالیق—عشر—پرمی، آسار—لکھن ( اسرار کا بہت بڑا کتب ) نجات—موت

تاریق—خاندان

ہک—عشر

ما انجیل—مین کتب—”یہی باتیں ہم نے پہلی بار پڑھی ہیں“

یہ عشر پرمی تہ گیتا اور بائبل کو بھی پڑھ کر یہ معلوم کر کہ موت کا کون کیا ہے۔ اے محب انجیل کی کتابوں کا کھنڈن نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن میں بھی لکھا ہے ”یہی باتیں ہم نے پہلی بار پڑھی ہیں“

( 29 )

کرتے ہیں مساجد میں یہ اللہ کو بند،  
مذہب کو سمجھتے ہیں سماں سے وہ بلند،  
ہندو—مسلمان—یہ دونوں جاہل،  
لڑتے ہیں مذاہب پہ کبھی دانی نہ مند ؟

مساجد—( مسجد کا بہت بڑا کتب ) سماں—آکاش ( عشر سے مطالب ہے ) بلند—اونچا، جاہل—مردم، مذاہب—دھرم ( مذہب کا بہت بڑا کتب ) دانی نہ مند—مسجد اور مسلمان مسجدوں میں اللہ کو بند نہ کرتے ہیں—ہندو بلند کو انجیل سے بھی اونچا سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں ہی مردم ہیں۔ مسجد اور لوگ کہیں دھرم کے پیچھے لڑائی کرتے ہیں ؟

مسلمان مساجدوں میں اللہ کو بند کرتے ہیں۔  
ہندو مंदिर کو ईश्वर से भी ऊँचा समझते हैं۔ यह दोनों ही मूर्ख हैं। समझदार लोग कहीं धर्म के पीछे लड़ाई करते हैं ?

انجیل—بائبل ( انجیل کا بہت بڑا کتب )  
سالیق—عشر—پرمی، آسار—لکھن ( اسرار کا بہت بڑا کتب ) نجات—موت  
تاریق—خاندان  
ہک—عشر  
ما انجیل—مین کتب—”یہی باتیں ہم نے پہلی بار پڑھی ہیں“

یہ عشر پرمی تہ گیتا اور بائبل کو بھی پڑھ کر یہ معلوم کر کہ موت کا کون کیا ہے۔ اے محب انجیل کی کتابوں کا کھنڈن نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن میں بھی لکھا ہے ”یہی باتیں ہم نے پہلی بار پڑھی ہیں“

( 29 )

کرتے ہیں مساجد میں یہ اللہ کو بند،  
مذہب کو سمجھتے ہیں سماں سے وہ بلند،  
ہندو—مسلمان—یہ دونوں جاہل،  
لڑتے ہیں مذاہب پہ کبھی دانی نہ مند ؟

مساجد—( مسجد کا بہت بڑا کتب ) سماں—آکاش ( عشر سے مطالب ہے ) بلند—اونچا، جاہل—مردم، مذاہب—دھرم ( مذہب کا بہت بڑا کتب ) دانی نہ مند—مسجد اور مسلمان مسجدوں میں اللہ کو بند نہ کرتے ہیں—ہندو بلند کو انجیل سے بھی اونچا سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں ہی مردم ہیں۔ مسجد اور لوگ کہیں دھرم کے پیچھے لڑائی کرتے ہیں ؟

شاہی—بادشاہت  
بہار—شکافت  
ہر—ہر

گم—رہ  
نجات—بھڑکارا  
آغا—پریش

جب تک شراہ نہیں ہوتی، مڈلی اور مڑی بھڑکارا ہوتی ہے۔ جب تک ککری نہ ہو بادشاہی دنیا کے لیے موسیٰ ہوتا ہے۔ یہ 'مڈلی' ہم جب تک ہر کا نہ سمجھتے تب تک دنیا کی چٹائیوں اور دھڑ سے بھڑکارا نہیں مل سکتا۔

( 26 )

جس دل میں ہو اس دلداری کی یاد،  
ہوتی نہیں اس قلب کو جس نے داد،  
عقل ہے تو باغ اہل دہی سے سو کس،  
اس نفس کی یاری کا ہے انجام فساد۔

بوتے دلداری—پریتم (ہر) کلب—من، اتر۔  
ہر سے بداد—انہی کی انہی عقل—سمجھدار اہل دہی  
آکھل—سمندار اہل دہی—ہر کا سمن  
سے اہل سمن والے نرس—من  
انجام—نئی جا فساد—مگدا

جس دل میں ہر کی یاد نہیں ہے وہ انہی کے تو  
اے دہی نہیں ہوتا۔ اگر تو سمجھدار ہے تو ہر کو سمن  
اے سمجھدار انہی سے الگ رہ۔ اپنے من کی بات ماننے کا  
نکھتہ ہمیشہ چھوڑا ہی ہوتا ہے۔

( 27 )

اس جاتے اہد کے ہیں اہل رگ ہزار،  
جولجول ہے کھیں اور کھیں گے گوار،  
اس آلام سے اہل رگ سے بڑے گا وہی،  
رہے گا جو ہر وقت خدایاں دلداری۔

جاتے اہد—ہر گوار—باغ  
آلام—دنیا، اہل رگ—رہ (شکل کا ہر بھن)  
دلداری—پریتم (ہر)

اس ایک پریشور کے ہزار رنگ ہیں۔ کہیں وہ بھل ہے  
اور کہیں باغ جو آدمی ہمیشہ اہل رگ کا دھن دھن آہی کو اس  
روپوں کے سمن سے مٹی ملے گی۔

( 28 )

گیتا کو، اناجیل کو یہ سالیق پد،  
آسارے نجاتی سبب ہالک پد،  
تاریق نہ کر حق کی کتابوں کی 'مڈلی'  
کھڑاں میں "ما اناجیل مین کھلیق" پد،

نجات—چٹکارا

نرس—من

نرس—من

نجات—چٹکارا حق—اہل رگ آگاہی—پریتم  
جب تک شراہ نہیں ہوتی، مڈلی اور مڑی بھڑکارا  
ہوتی ہے۔ جب تک ککری نہ ہو بادشاہی دنیا کے لیے موسیٰ  
ہوتا ہے۔ یہ 'مڈلی' ہم جب تک ہر کا نہ سمجھتے تب تک  
دنیا کی چٹائیوں اور دھڑ سے بھڑکارا نہیں مل سکتا۔

( 26 )

جس دل میں ہو اس دلداری کی یاد،  
ہوتی نہیں اس قلب کو جس نے داد،  
عقل ہے تو باغ اہل دہی سے سو کس،  
اس نفس کی یاری کا ہے انجام فساد۔

بوتے دلداری—پریتم (ہر) کلب—من، اتر۔  
ہر سے بداد—انہی کی انہی عقل—سمجھدار اہل دہی  
آکھل—سمندار اہل دہی—ہر کا سمن  
سے اہل سمن والے نرس—من  
انجام—نئی جا فساد—مگدا

جس دل میں ہر کی یاد نہیں ہے وہ انہی کے تو  
اے دہی نہیں ہوتا۔ اگر تو سمجھدار ہے تو ہر کو سمن  
اے سمجھدار انہی سے الگ رہ۔ اپنے من کی بات ماننے کا  
نکھتہ ہمیشہ چھوڑا ہی ہوتا ہے۔

( 27 )

اس ذات اہل رگ ہزار،  
بھل ہے کہیں اور کہیں گے گوار،  
اس عالم اشکال سے چھوٹا وہی،  
رہے گا جو ہر وقت خدایاں دلداری۔

ذات اہل رگ ہزار—باغ عالم—دنیا اشکال—رہ  
( شکل کا ہر وچن ) دلداری—پریتم (ہر)  
اس ایک پریشور کے ہزار رنگ ہیں۔ کہیں وہ بھل ہے  
اور کہیں باغ جو آدمی ہمیشہ اہل رگ کا دھن دھن آہی کو اس  
روپوں کے سمن سے مٹی ملے گی۔

( 28 )

گیتا کو اناجیل کو، اے سالیق پد،  
آناجیل و سبب ہالک پد،  
تاریق نہ کر حق کی کتابوں کی 'مڈلی'  
کھڑاں میں "ما اناجیل مین کھلیق" پد،

## कबाइयाव मुहिब

आदिल—मूर्ख

गाफिल—बेखबर

बल्साह—ईश्वर की सौगंद

आकिल—योग्य

दीवाना—पागल

मैंने माना कि तू इस समय बड़ा विद्वान माना जाता है और तुझे विद्वानों के कपड़े पहनने का अधिकार है लेकिन अगर तुझे अपनी और खुदा की खबर नहीं है तो ईश्वर की सौगन्द तू विद्वान नहीं, पागल है।

( 23 )

हिन्दु-ओ-मुसलमानों में अगरचें दिल है,  
भाई का मगर भाई 'मुहिब' कातिल है,  
हो जाए अगर तफरिक्-ए-बहमी दूर,  
अक़बाम का इत्तिहाद क्या मुश्किल है ?

कातिल—इत्यादा तफरिक्-ए-बहमी—बेकार का मतभेद  
अक़बाम—जातियाँ (क्रोम का बहुवचन) इत्तिहाद

—एकता

अगरचें हिन्दु और मुसलमान दोनों के सीने में दिल है मगर फिर भी भाई भाई का खून बहा रहा है, अगर दोनों का बेकार का मत भेद दूर हो जाए तो इन दोनों जातियों का मिलना क्या मुश्किल है ?

( 24 )

है दोस्तीए अहले-बतन और पै शाक,  
लेकिन है बिरादर का बिरादर मुश्ताक,  
खोंपों से नहीं कम हैं 'मुहिब' वह इसाँ,  
जो हिन्दु-ओ-मुस्लिम में बढ़ाते हैं निफाक.

अहलेबतन—देशवासी

शाक—असहा

मुश्ताक—प्रेमी

निफाक—दुश्मनी

देशवासियों में आपस का प्रेम दूसरे लोग नहीं देख सकते, लेकिन भाई को भाई से प्यार तो होता ही है। ये 'मुहिब' वह लोग जो हिन्दुओं और मुसलमानों में फाड़ा बढ़ाते हैं खोंपों से कम नहीं हैं।

( 25 )

बे मै के हैं बेलुक्क यह मुरगी माही,  
बे फुक्क के इव्वारे जहाँ है शाही,  
दुनिया से गुमो बड़ा से न पायेंगे नजात,  
अब तक न इक्क से हो 'मुहिब' आगाही.

मै—शराब

मुरगी माही—मछली और (मुरगी का गारत)

फुक्क—कलीरी

इव्वारे—दुर्भाग्य

दिसम्बर 57'

## रुतबत मुहिब

जानल—मरुका, फाल—पे खर, वाले—मरुकी, सुगन्द—एकल—  
युक्ति, दीवाने—पागल.

मैंने माना कि तू इस समय बड़ा विद्वान माना जाता है और तुझे विद्वानों के कपड़े पहनने का अधिकार है लेकिन अगर तुझे अपनी और खुदा की खबर नहीं है तो ईश्वर की सौगन्द तू विद्वान नहीं, पागल है।

( 23 )

हलदो मुसलमानों में अगरचें दिल है,  
भैली का मकर भैली 'मुहिब' कातिल है,  
हो जावे अगर तफरिक्-ए-बहमी दूर,  
अक़बाम का इत्तिहाद क्या मुश्किल है ?

कातिल—हलदो मुसलमानों में अगरचें दिल है,  
भैली का मकर भैली 'मुहिब' कातिल है,  
हो जावे अगर तफरिक्-ए-बहमी दूर,  
अक़बाम का इत्तिहाद क्या मुश्किल है ?

अगरचें हिन्दु और मुसलमान दोनों के सीने में दिल है मगर फिर भी भाई भाई का खून बहा रहा है, अगर दोनों का बेकार का मत भेद दूर हो जाए तो इन दोनों जातियों का मिलना क्या मुश्किल है ?

( 24 )

है दोस्तीए अहले-बतन और पै शाक,  
लेकिन है बिरादर का बिरादर मुश्ताक,  
खोंपों से नहीं कम हैं 'मुहिब' वह इसाँ,  
जो हिन्दु-ओ-मुस्लिम में बढ़ाते हैं निफाक.

अहलेबतन—देशवासी

शाक—असहा

मुश्ताक—प्रेमी

निफाक—दुश्मनी

देशवासियों में आपस का प्रेम दूसरे लोग नहीं देख सकते, लेकिन भाई को भाई से प्यार तो होता ही है। ये 'मुहिब' वह लोग जो हिन्दुओं और मुसलमानों में फाड़ा बढ़ाते हैं खोंपों से कम नहीं हैं।

( 25 )

बे मै के हैं बेलुक्क यह मुरगी माही,  
बे फुक्क के इव्वारे जहाँ है शाही,  
दुनिया से गुमो बड़ा से न पायेंगे नजात,  
अब तक न इक्क से हो 'मुहिब' आगाही.

मै—शराब  
मुरगी माही—मछली और (मुरगी का गारत)  
फुक्क—कलीरी  
इव्वारे—दुर्भाग्य

( 279 )

दिसम्बर 57'

پہرہ درہم، خداوند جلیل، مہمان اہم، خلعت  
حضرت ابراہیم کا نام، ذات ربیعہ، دلیل، نبوت، ترکہ  
قلعہ، ہوا لہجہ۔

بدی تو ایہور کو دیکھنا چاہتا ہے تو ابراہیم کے بھائی اپنے  
کو سلسلہ کی ہر چھڑ میں سمجھ . اے 'محب' ہر آدمی خود  
ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایہور سے الٹا کر ہے . سورج کے  
دکھانے کے لئے سورج ہی تبدیل ہو سکتا ہے اسی طرح ایہور سے  
ایٹاکر ہونا سوچ سکتی ہے .

( 20 )

کہا کہ مولانا ہے عہدہ کی گل میں اُس کو  
 محراب میں یا فرش کی سل میں اُس کو  
 ہر ہاں نہ کر عمر جہاں گردی میں  
 گھر بیتہ کے دیکھ اپنے ہی دل میں اُس کو۔  
 عہدہ — میں مسماںوں کا تیرہم گل — مٹی  
 جہاں گردی — دنیا میں گھومنا ۔

ایبھور جسکے نہ کدے کی مٹی میں ملیگا نہ وہاں کی محراب  
میں اور نہ فرش کے پتھر سوں۔ دنیا میں گھوم کر عمر برباد  
نہ کرنا۔ (ایبھور کو اپنے دل ہی میں دیکھو۔)

( 21 )

کیا روح خدا قلب مظاهر میں ہے نیست ؟  
 کیا روح زن و مرد مظاهر میں ہے نیست ؟  
 دیکھ اپنے خیال کو چھکا کر گردن  
 باطن میں توہست اور ظاہر میں ہے نیست ۔

قلب میں، انتر، مظاہر، پرکھ، سترہن، زن و مرد —  
سترو پڑھی، مقابلہ — (قبر کا مہرچن)، نیست — نہیں ہے،  
باطن میں، انتر۔

کیا یہ بھوک کی آواز پر مکت و مستور کے اندر نہیں ہے ؟ وہ  
 اُسے ہی اُن کے اندر ہے جسے قبروں میں مسکینوں کی آوازیں  
 تو گردن جھکا کر بھوک کا دھماکا کر تو اسے دیکھے گا ۔ وہ دل کے  
 اندر ہے ، باہر نہیں نہیں ۔

( 22 )

مانا کہ تو اِس وقت کا ہمہ ہے  
 ہر مہین بھی فضیلت کا تیرے جامہ ہے  
 جاہل جو رہے خود سے خدا سے غافل  
 واللہ تو غافل نہیں دیکھنے سے ۔

عالمی ویدولن! ہر شہر پر، فطرتی یوگتا، جامہ پوشا ہے

## رہا دیا تو سہی

سہی 'سہی'

( 17 )

سب ایک ہیں ہندو-مسلمانوں کی،  
کرتی ہے الگ الگ دلوں کی تہی،  
ہر رنگ ہوا دھو کے جس خم میں ساک،  
وہ خم ہے محمدؐ کی 'سہی' بے رنگی۔

سہی—کالا ( یہاں متعلقہ پانی سے ہے ) خم—شراب کا  
شراپ کا مددگار

بے رنگی—(یہاں تاثراتِ نیرنگی سے ہے)

ہندو اور مسلمان دونوں ایک سے پانی ہیں۔ ان دونوں  
کو دلوں کی تہی الگ کرتی ہے۔ اے 'سہی' محمدؐ صاحب  
کی نہی پڑھتا ہر ایک پانی کو دھو دیتی ہے۔

( 18 )

باتیں ہیں وہی ہنر، وہی آدھار ہے،  
فائل ہے وہی اور وہی فائل ہے،  
ہندو-مسلمانوں پہ نہیں کچھ فرق،  
جو سناکیرے بھدات ہیں وہی کافر ہے۔

باتیں—خپا ہوا آدھار—خپا

فائل—کرنے والا فائل—شاکتیمان

سناکیرے—نیرنگی

سناکیرے بھدات—ہنر کی ایک روپا کو نہ ماننے  
والا۔

وہی ہنر خپا بھی ہے، خپا بھی ہے، وہی سب کچھ  
کرتا ہے اور وہی سرو شاکتیمان ہے۔ چاہے ہندو ہو چاہے  
مسلمان ابھور کی ایک روپا جو بھی نہ مانے گا وہ کافر کہا  
جائے گا۔

( 19 )

گر چاہتا ہے دید خداوندِ جلیل،  
دیکھ آپ کو ہر چیز میں مانندِ خلیل،  
تو ذات پہ اپنے ہے 'سہی' آپ دلیل،  
سورج کے دیکھنے کو ہے سورج قندیل۔

دسمبر '57

( 277 )

## رباعیاتِ سہی

سہی 'سہی'

( 17 )

سب ایک ہیں ہندو-مسلمانوں کی،  
کرتی ہے الگ الگ دلوں کی تہی،  
ہر رنگ ہوا دھو کے جس خم میں ساک،  
وہ خم ہے محمدؐ کی 'سہی' بے رنگی۔

سہی—کالا ( یہاں متعلقہ پانی سے ہے ) خم—شراب کا  
شراپ کا مددگار ( یہاں تاثراتِ نیرنگی سے ہے )۔  
ہندو اور مسلمان دونوں ایک سے پانی ہیں۔ ان دونوں  
کو دلوں کی تہی الگ کرتی ہے۔ اے 'سہی' محمدؐ صاحب  
کی نہی پڑھتا ہر ایک پانی کو دھو دیتی ہے۔

( 18 )

باتیں ہیں وہی ہنر، وہی آدھار ہے،  
فائل ہے وہی اور وہی فائل ہے،  
ہندو-مسلمانوں پہ نہیں کچھ فرق،  
جو سناکیرے بھدات ہیں وہی کافر ہے۔

باتیں—خپا ہوا آدھار—خپا فائل—کرنے والا فائل—شاکتیمان  
سناکیرے—نیرنگی ( یہاں تاثراتِ نیرنگی سے ہے )۔  
سناکیرے بھدات—ہنر کی ایک روپا کو نہ ماننے  
والا۔

وہی ابھور کہا بھی ہے، چپا بھی ہے، وہی سب کچھ  
کرتا ہے اور وہی سرو شاکتیمان ہے۔ چاہے ہندو ہو چاہے  
مسلمان ابھور کی ایک روپا جو بھی نہ مانے گا وہ کافر کہا  
جائے گا۔

( 19 )

اگر چاہتا ہے دید خداوندِ جلیل،  
دیکھ آپ کو ہر چیز میں مانندِ خلیل،  
تو ذات پہ اپنے ہے 'سہی' آپ دلیل،  
سورج کے دیکھنے کو ہے سورج قندیل۔

دسمبر '57

اسے پھر دے دو؛ کیونکہ جیلاکارک نے اسے آگ کی گڑھی  
برداشت کر کے تیار کیا ہے اور اس کا حارا پروردہ  
ہے۔"

—انوارک: ابوداؤد: ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا:—"ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ ملو،  
تو ایک دوسرے کے خلاف تمہارے سب بغض یعنی دہریوں  
تمہارے دلوں سے مٹ جاویں گے؛ ایک دوسرے کو ہدیے یعنی  
بھائی دیا کرو، اس سے تم میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت  
پڑھے گی، اور اس سے تمہارے دلوں کی گہری نفرتیں بھی مٹ  
جاویں گی۔"

—عطاء اللہ خاں، مسلمان، مسلمان۔

محمد صاحب نے کہا کہ:—"اپنی پارسائی (دھارمکنا) کا  
ٹرا سا بھی مظاہرہ (دکھانا) کرنا 'شرک' ہے، یعنی اللہ کے سوا  
دوسرے کی عبادت کرنے کے برابر ہے۔"

—عمر بن الخطاب، معاذ بن جبل سے، ابن ماجہ: بیہقی۔

—انوارک: ابوداؤد: ترمذی۔



## حضرت امیر کی خدمت میں

پیرامبر نے کہا کہ:—”تو میں سے کوئی ایمان والا نہیں ہے جب تک کہ اس نے اس مکتب کے درجہ جو میں نے ذکر کیا ہے اپنی شہریت پر قابو حاصل نہ کر لیا ہو۔“

—عبداللہ بن عمرو، تباری۔

پیرامبر نے کہا:—”وہ امیر! انسانوں کی تہذیب و انیسٹیوٹن سے بدکار کوئی انسانیت کا کام نہیں ہے، اپنی نیت پر قابو رکھنے سے بدکار کوئی تہذیب و انیسٹیوٹن نہیں ہے اور ان کے ساتھ ساتھ انسانیت کرنے سے بدکار کوئی تہذیب و انیسٹیوٹن کی بات نہیں ہے۔“

—امیر، تہذیب و انیسٹیوٹن۔

امیر نے کہا:—”رسول سے ایک آدمی کی چرچا کی گئی جو بہت عبادت کرتا تھا اور اسی میں لگا رہتا تھا، پھر رسول سے ایک ایسے آدمی کی چرچا کی گئی جو اپنے کو گناہ سے بچاتا رہتا تھا۔ اس پر رسول نے کہا:—”عبادت کرنے والا اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو گناہ سے اپنے کو بچاتا ہے۔“

—امیر، تہذیب و انیسٹیوٹن۔

حضرت امیر نے کہا کہ:—

”تمہارے خلیفہ امیر تمہارے باپ ہیں اور تمہارے جان مال کی رکھا کرتے ہیں؛ اللہ نے انہیں تمہارے ہاتھوں میں سونپا ہے جس کسی کے ہاتھوں میں اس کا بھائی ہو اسے چاہئے کہ اسے وہی کھانا کھائے جو خود کھاتا ہے اور وہی کپڑے پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ ان سے کوئی ایسا کام نہ لو جو ان کی طاقت سے باہر ہو اور اگر تو ان سے کوئی ایسا کام لو تو انہیں اس کام کے کرنے میں مدد دو۔“

—امیر بن ابی سہل، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی،

تہذیب و انیسٹیوٹن۔

حضرت امیر نے کہا:—”جب کسی تم میں سے کسی کا خلیفہ امیر ہو تو اس کے پاس کھانا لے کر آؤ، تو اگر تم اسے اپنے ساتھ لے کر کھانا نہ کھاؤ، تو تم اس کے لئے میں سے دو چار لے کر آؤ۔“

## حضرت امیر کی خدمت میں

پیرامبر نے کہا کہ:—”میں نے کوئی ایمان والا نہیں ہے جب تک کہ اس نے اس مکتب کے درجہ جو میں نے ذکر کیا ہے اپنی شہریت پر قابو حاصل نہ کر لیا ہو۔“

—عبداللہ بن عمرو، تباری۔

پیرامبر نے کہا:—”وہ امیر! انسانوں کی تہذیب و انیسٹیوٹن سے بدکار کوئی انسانیت کا کام نہیں ہے، اپنی نیت پر قابو رکھنے سے بدکار کوئی تہذیب و انیسٹیوٹن نہیں ہے اور ان کے ساتھ ساتھ انسانیت کرنے سے بدکار کوئی تہذیب و انیسٹیوٹن کی بات نہیں ہے۔“

—امیر، تہذیب و انیسٹیوٹن۔

امیر نے کہا:—”رسول سے ایک آدمی کی چرچا کی گئی جو بہت عبادت کرتا تھا اور اسی میں لگا رہتا تھا، پھر رسول سے ایک ایسے آدمی کی چرچا کی گئی جو اپنے کو گناہ سے بچاتا رہتا تھا۔ اس پر رسول نے کہا:—”عبادت کرنے والا اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو گناہ سے اپنے کو بچاتا ہے۔“

—امیر، تہذیب و انیسٹیوٹن۔

حضرت امیر نے کہا کہ:—

”تمہارے خلیفہ امیر تمہارے باپ ہیں اور تمہارے جان مال کی رکھا کرتے ہیں۔ اللہ نے انہیں تمہارے ہاتھوں میں سونپا ہے جس کسی کے ہاتھوں میں اس کا بھائی ہو اسے چاہئے کہ اسے وہی کھانا کھائے جو خود کھاتا ہے اور وہی کپڑے پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ ان سے کوئی ایسا کام نہ لو جو ان کی طاقت سے باہر ہو اور اگر تم ان سے کوئی ایسا کام لو تو انہیں اس کام کے کرنے میں مدد دو۔“

—امیر بن ابی سہل، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی،

حضرت امیر نے کہا:—”جب کسی تم میں سے کسی کا خلیفہ امیر ہو تو اس کے پاس کھانا لے کر آؤ، تو اگر تم اسے اپنے ساتھ لے کر کھانا نہ کھاؤ، تو تم اس کے لئے میں سے دو چار لے کر آؤ۔“

محمّد صاحب نے کہا کہ: ”ہر آدمی کو چاہئے کہ اپنے گھر میں گھسٹ وقت اپنی بیوی اور بچوں کو سلام کرے۔“

—انس، ترمذی.

انس کہتا ہے کہ:—

”محمّد صاحب جب کبھی بچوں کے پاس سے نکلتے تھے تو انہیں ’سلام‘ کرتے تھے۔“

—انس، بخاری: مسلم.

انس کہتا ہے کہ:—

”محمّد صاحب جب کبھی بچوں کے پاس سے نکلتے تھے تو انہیں ’سلام‘ کرتے تھے۔“

—انس، بخاری: مسلم.

انس کہتا ہے کہ:—

”محمّد صاحب جب کبھی بچوں کے پاس سے نکلتے تھے تو انہیں ’سلام‘ کرتے تھے۔“

—انس، بخاری: مسلم.

انس کہتا ہے کہ:—

—انس، ترمذی.

انس کہتا ہے کہ:—

—انس، ترمذی.

انس کہتا ہے کہ:—

—انس، ترمذی.

انس کہتا ہے کہ:—

—انس، ترمذی.

انس کہتا ہے کہ:—

—انس، بخاری: مسلم.

انس کہتا ہے کہ:—

—انس، بخاری: مسلم.

انس کہتا ہے کہ:—

—انس، بخاری: مسلم.

انس کہتا ہے کہ:—

—انس، ترمذی.

انس کہتا ہے کہ:—

—انس، ترمذی.

انس کہتا ہے کہ:—

—انس، ترمذی.

एक बड़े अरब पैगम्बर के पास आया और कहने लगा :—“मुझे कोई ऐसा काम बता दीजिये जिससे मैं जन्नत में जा सकूँ.” पैगम्बर ने जवाब दिया—“तुमने बात थोड़ी कही पर सबाल बहुत बढ़ा दिया. अगर कोई जानदार तुम्हारे पास है तो उन्हें आज्ञा दे दो, अगर कोई गुलाम तुम्हारे पास है तो उन्हें भी आज्ञा दी दे दो. तुम्हारा कोई नातेदार अगर तुम्हारे साथ बुराई करे तो तुम उससे प्यार करो; और अगर तुम यह न कर सको तो भूखों को खाना खिलाओ और प्यासों को पानी पिलाओ, और लोगों से नेक काम करने के लिये कहो और बुरे काम करने से उन्हें मना करो; अगर तुम यह भी न कर सको तो अपनी जबान बन्द रखो जब तक कि उससे कोई अच्छी बात न निकले.”

—बरा बिन आज़िब, बेहक़ी.

ایک بدو عرب پھنبر کے پاس آیا اور کہنے لگا:—”مجھے کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے میں جنت میں جا سکوں۔“  
پھنبر نے جواب دیا:—”تم نے ہات تھوڑی بھی پر سوال ہیئت پڑا کیا۔ اگر کوئی جاندار تمہارے پاس میں تو انہیں آزاد کر دو، اگر کوئی غلام تمہارے پاس میں تو انہیں بھی آزادی دے دو۔ تمہارا کوئی نایتی دار اگر تمہارے ساتھ ہوئی تیرے تو تم اسے پیار کرو، اور اگر تم یہ نہ کر سکو تو بھوکوں کو کھانا، کھلڑ اور پیالوں کو پانی پلاؤ، اور لوگوں سے تنہک نام کرنے کے کلمہ نہو اور دوسرے کلمہ کرنے سے انہیں منع کرو، اگر تم یہ بھی نہ کر سکو تو اپنی زبان بند رکھو جب تک کہ اُس سے کوئی اچھی بات نہ نکلے۔“

—ہر ابن عازبؓ بہیقی .

मुहम्मद साहब ने कहा कि :—

“क्रयामत के दिन सात तरह के आदमियों को अल्लाह अपने साध में ले लेगा, और उस दिन सिवाय अल्लाह के और किसी का साया काम न देगा: एक वह आदमी जो लोगों के ऊपर सगदार है और सबके साथ इन्साफ़ का बरताव करता है; दूसरे वह जवान आदमी जिसने अपनी जबानी को अल्लाह की खिदमत में बिताया हो; तीसरे वह आदमी जो जब भी दुआ माँगने की जगह से निकलता है तो जब तक फिर उसी जगह वापिस न आ जावे उसका दिल उसी जगह अटका रहता है; चौथे वह जो अल्लाह के लिये एक दूसरे में प्यार करते हैं; उसी के लिये मिलते हैं और उसी के लिये मलग हाते हैं; पाँचवे वह आदमी जो अल्लाह को याद करता रहता है और जब भी याद करता है तो उसकी आँखों से आँसू गिरते रहते हैं; छठे वह आदमी जिसके दिल को अगर कोई ऊँचे खानदान की और खूबसूरत औरत भाँ अपनी तरफ़ खिंचती है तो वह कहता है,—‘सचमुच, मैं अल्लाह से डरता हूँ,’ और सातवें वह आदमी जो खैरात देता है और उसे छिपाता है, यहाँ तक कि उसका बाँया हाथ जो कुछ देता है उसकी उसके बाँए हाथ तक को खबर नहीं होती.”

—अबु हुरैरह, बुख़ारी: मुसलिम.

مستند صاحب نے کہا کہ:—

”قیامت کے دن سات طارح کے آدمیوں کو اللہ اپنے ساتھ  
 میں لے اٹھا، اور اُس دن سوائے اللہ کے کسی کا سایہ کام نہ دے  
 گا۔ ایک وہ آدمی جو لوگوں کے اوپر سردار ہے اور سب کے  
 ساتھ انصاف کا برتاؤ کرتا ہے؛ دوسرے وہ جوان آدمی جس  
 نے اپنی جوانی کو اللہ کی خدمت میں ہٹا یا عورت دوسرے  
 وہ آدمی جو جب بھی دعا مانگنے کی جگہ سے نکلتا ہے تو  
 جب تک پھر اُسی جگہ واپس نہ آجائے اُس کا دل اُسی جگہ  
 اٹکا رہتا ہے؛ چوتھے وہ دو آدمی جو اللہ کے لئے ایک دوسرے سے  
 پیار کرتے ہیں“ اُس کے لئے ملتے ہیں اُسی کے لئے ایک ہوئے  
 ہیں“ پانچویں وہ آدمی جو اللہ کو یاد کرتا رہتا ہے اور جب  
 بھی یاد کرتا ہے تو اُمی اُنکھوں سے آنسو گرتے رہتے ہیں“ چھٹے  
 وہ آدمی جس کے دل کو اگر کوئی اونچے خاندان کی اور  
 خوبصورت عورت بھی اپنی طرف کھینچتی ہے تو وہ کہتا ہے—  
 ”سچ سچ“ میں اللہ سے قریب ہوں اور ساتویں وہ آدمی جو  
 خیرات دیتا ہے اور اُسے چھپتا ہے یہاں تک کہ اُس کا دایاں  
 ہاتھ جو نیچے دیتا ہے اُس کی اُس کے ہاتھوں تک کو خبر  
 نہیں ہوتی۔“

— ابو هريرة، بخاری: مسلم.

मुहम्मद साहब ने कहा कि :—“आदमियों में सब से ज़ियादह लायक वह है जो दूसरों का उनसे पहले सलाम करता है.”

—अबु उमामह, अबु दाऊद: तिरमिज़ी.

محمد صاحب نے کہا کہ:—”آدمیوں میں سب سے زیادہ لائق وہ ہے جو دوسروں کو اُن سے پہلے علم کرنا

— ابو امامه' عبداللہ: تمہنی .

## محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

ڈاکٹر میرزا ابوالفضل

محمد صاحب نے کہا:—

”کریامت کے دن ہر آدمی سے 'پانچ باتوں کی باہت سوال کیا جائیگا: اس کی زندگی کی باہت یہ کہ تو نے اپنی زندگی کیسے بسر کی؟ اس کی جوانی کی باہت یہ کہ تم جوان سے بڑھے کیسے ہو گئے؟ اس کی دولت کی باہت یہ کہ تم نے دولت کیسے کمائی اور یہ کہ وہ دولت کس کس کام میں خرچ کی؟ اور اس کے علم کی باہت یہ کہ تم نے اپنے علم کا کیا آپہرگ کیا۔“

—ابن مسعود، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا:—

”قیامت کے دن ہر آدمی سے پانچ باتوں کی باہت سوال کیا جائیگا: اس کی زندگی کی باہت یہ کہ تو نے اپنی زندگی کیسے بسر کی؟ اس کی جوانی کی باہت یہ کہ تم جوان سے بڑھے کیسے ہو گئے؟ اس کی دولت کی باہت یہ کہ تم نے دولت کیسے کمائی اور یہ کہ وہ دولت کس کس کام میں خرچ کی؟ اور اس کے علم کی باہت یہ کہ تم نے اپنے علم کا کیا آپہرگ کیا۔“

—ابن مسعود، ترمذی۔

ابو موسیٰ کہتا ہے کہ:—”میں اپنے دو بھائیوں کو لے کر رسول کے پاس گیا۔ میرے بھائیوں میں سے ایک نے کہا: ’اے اللہ کے رسول! اللہ نے جو ملک آپ کو حکومت کرنے کے لیے دیا ہے اس کے کسی حصے پر ہم دونوں کو گورنر مقرر کر دیجئے۔‘ دوسرے بھائی نے بھی یہی بات کہی۔ اس پر پیغمبر نے جواب دیا:—’اللہ کی قسم! میں کسی ایسے آدمی کو کہیں انسر مقرر نہیں کرتا جو خود مجھ سے مقرر کئے جانے کے لائق نہ ہو۔‘ یا جو انسر ہونے کی اچھا رکھتا ہے۔“

—ابن موسیٰ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔

ابو موسیٰ کہتا ہے:—”میں نے یہ دیکھا کہ جب کہیں پیغمبر کے سامنے کوئی ایسا معاملہ لایا گیا جس میں کسی نے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا ہو اور جسے نقصان پہنچا ہو وہ بدلتے لپٹا چاہتا ہو تو پیغمبر نے ہمیشہ یہی حکم دیا کہ معاف کر دو۔“

—انس، ابوداؤد، نسائی۔

ابن مسعود کہتا ہے:—”میں نے یہ دیکھا کہ جب کہیں پیغمبر کے سامنے کوئی ایسا معاملہ لایا گیا جس میں کسی نے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا ہو اور جسے نقصان پہنچا ہو وہ بدلتے لپٹا چاہتا ہو تو پیغمبر نے ہمیشہ یہی حکم دیا کہ معاف کر دو۔“

—انس، ابوداؤد، نسائی۔

—ابن مسعود، ترمذی۔

—ابن مسعود، ترمذی۔

بہار پر ہی آیا جاتا کرتے تھے۔ میرے دل پر چلتا-  
مشی جی کا، انکی سادگی اور سچریتا کا بہت  
اثر پڑا۔ حالانکہ میرے خیال ان سے نہیں ملتے تھے لیکن پھر بھی اس سے  
میرے دل کو آخر تک میرے اوپر ہمیشہ ان کی مہربانی ملی  
رہی۔

چلتا-مشی جی کو سوشل آندولن کے بدلتے ہوئے  
سلسلے کو روکنے کے لیے اٹھایا گیا تھا۔ خاص طور پر یونیورسٹی  
کے اندر ویدارتھوں پر گرم دل کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کا  
کام چلتا-مشی جی کے سپرد کیا گیا۔ چلتا-مشی جی بہت اچھے  
دکنا تھے۔ ان کی دلیلیں کی کثرت اس قدر تھی۔ ان کے پروپیگنڈا  
کا شری گروہی جہاں تک مجھے یاد ہے، اسٹورٹ کیریج  
ہورنگ-ہاؤس سے ہوا تھا، جو اب غالباً ہالینڈ ہال کے نام سے  
پرسہ ہے۔ ان کے پہلے گھر میں بھی موجود تھا۔ حال ٹھسا ٹھسا  
پہرا ہوا تھا۔ پروپیگنڈا بھی موجود تھا۔ چلتا-مشی جی نے  
سوشل اور ہائیڈکات کے خلاف بڑی ترک پڑی تقریر کی۔  
جس میں انہوں نے بول کر ختم کیا ویدارتھوں نے آوازیں  
لگائیں۔ ”سندر لال جی بھی بولیں“ دونوں طرف کے خیال  
ویدارتھوں نے سلم اور جب دوک لٹے کٹے تو کل لے گئے چار  
دوک چلتا-مشی جی کو ملے اور قریب چار سو ان کے خلاف  
چلتا-مشی جی نے پرم سے آکر مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہا—  
”بھائی!“ اس پہلی میٹنگ کا تجربہ اتنا مہنگا پڑا کہ پھر  
ہائیڈکات کے ورورہوں کو یونیورسٹی کے کسی ہوسٹل میں دوسری  
میٹنگ کرنے کا سامنا نہ ہوا۔

[ باقی اگلے نمبر میں ]

یونیورسٹی میں آیا جاتا کرتے تھے۔ میرے دل پر چلتا-  
مشی جی کا، ان کی سادگی اور سچریتا کا بہت  
اثر پڑا۔ حالانکہ میرے خیال ان سے نہیں ملتے تھے لیکن پھر بھی اس سے  
میرے دل کو آخر تک میرے اوپر ہمیشہ ان کی مہربانی ملی  
رہی۔

چلتا-مشی جی کو سوشل آندولن کے بدلتے ہوئے  
سلسلے کو روکنے کے لیے اٹھایا گیا تھا۔ خاص طور پر یونیورسٹی  
کے اندر ویدارتھوں پر گرم دل کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کا  
کام چلتا-مشی جی کے سپرد کیا گیا۔ چلتا-مشی جی بہت اچھے  
دکنا تھے۔ ان کی دلیلیں کی کثرت اس قدر تھی۔ ان کے پروپیگنڈا  
کا شری گروہی جہاں تک مجھے یاد ہے، اسٹورٹ کیریج  
ہورنگ-ہاؤس سے ہوا تھا، جو اب غالباً ہالینڈ ہال کے نام سے  
پرسہ ہے۔ ان کے پہلے گھر میں بھی موجود تھا۔ حال ٹھسا ٹھسا  
پہرا ہوا تھا۔ پروپیگنڈا بھی موجود تھا۔ چلتا-مشی جی نے  
سوشل اور ہائیڈکات کے خلاف بڑی ترک پڑی تقریر کی۔  
جس میں انہوں نے بول کر ختم کیا ویدارتھوں نے آوازیں  
لگائیں۔ ”سندر لال جی بھی بولیں“ دونوں طرف کے خیال  
ویدارتھوں نے سلم اور جب دوک لٹے کٹے تو کل لے گئے چار  
دوک چلتا-مشی جی کو ملے اور قریب چار سو ان کے خلاف  
چلتا-مشی جی نے پرم سے آکر مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہا—  
”بھائی!“ اس پہلی میٹنگ کا تجربہ اتنا مہنگا پڑا کہ پھر  
ہائیڈکات کے ورورہوں کو یونیورسٹی کے کسی ہوسٹل میں دوسری  
میٹنگ کرنے کا سامنا نہ ہوا۔

[ باقی اگلے نمبر میں ]

[ باقی صفحہ 264 کا ]

بہت سی باتیں کر کے وہی جو ہندوؤں کو بیداری لگاتی  
تھی۔ اپنی اس کربانی سے انہوں نے ہندوستان کی میلی-  
جھلی کھجور کی وہ شاندار کہانی لکھی کہ جس کی  
میں نے اس وقت کے زمانے میں بھی ہونی ہوئی ہو کتاب اور ہر قصہ میں  
ہر قلع اور محل میں ہر شہر اور ہر نظم میں ملتی ہے۔

[ انگریزی سے انشاد—وی۔ نا۔ پانڈے ]

[ باقی صفحہ 264 کا ]

بہت سی باتیں کر کے وہی جو ہندوؤں کو بیداری لگاتی  
تھی۔ اپنی اس کربانی سے انہوں نے ہندوستان کی میلی-  
جھلی کھجور کی وہ شاندار کہانی لکھی کہ جس کی  
میں نے اس وقت کے زمانے میں بھی ہونی ہوئی ہو کتاب اور ہر قصہ میں  
ہر قلع اور محل میں ہر شہر اور ہر نظم میں ملتی ہے۔

[ انگریزی سے انشاد—وی۔ نا۔ پانڈے ]

مجبور ہو کر چار لوٹ جاؤں تو الہ آباد میں آندوں  
لہذا یہ چاہئے کہ چارے پر چارہ ہوا۔  
پولیس کے سامنے اس نے اقرار نامہ دیا۔ سرکاری وکیل  
نے بھی صلح و مشورہ کیا مگر مجھے نکالنے کی کوئی قانونی  
صورت نہ نکلی۔ ضابطہ سے اب ہماری پارٹی کا آڈا 56  
چوک گنگا داس میں قائم ہو گیا۔

اسی ہیچ کچھ ایسے واقعات ہیں جن سے گرم دل  
کے ہندوستان کے نقشہ میں الہ آباد کی ایک خاص جگہ  
ہو گئی۔

جو بھڑگہ ہمن مدد اور صلح مشورہ دیا کرتے تھے ان کے  
خلاف سرکار نے قدم اٹھانا شروع کیا۔ سب سے پہلا حسلہ  
پہلے شروع کر دیا گیا۔ وہ سرکاری انسپریٹر اور  
ڈپٹی کلکٹری کے عہدے پر تھے۔ انھیں درخواست کر دیا گیا۔  
بابو شمشو بھوشن چٹرجی کا الہ آباد سے غازی پور تبادلہ کر دیا  
گیا۔ پہلے ہال کرشن ہسٹ کو کانسٹنٹ پاٹھ شالا کی مینیجنگ  
کمیٹی پر زور ڈال کر نوکری سے درخواست کرا دیا گیا اور  
انٹ میں کانسٹنٹ پاٹھ شالا کی مینیجنگ کمیٹی نے ذریعہ بابو  
رامانند چٹرجی کو پرنسپل کے پد سے استعفیٰ دینے کو مجبور  
کر دیا گیا۔ پرنسپل کے پد سے بابو رامانند نے الہ آباد  
میں ہی انڈین پریس سے 'پرواسی' نامک ہنگامہ ماسک پتر  
اور 'Modern Review' نامک انگریزی ماسک پتر نکالنا  
شروع کیا۔ بعد میں رامانند بابو کلکتہ چلے گئے اور اپنے دونوں  
پتر بھی کلکتہ سے چاکر نکالنے لگے۔

سر تاجبھادور سہو کو، جو اس وقت ڈاکٹر سہو تھے،  
میں سے بھد دیلی موہن ناتھ جی ہالاکے راہے ان کی مال-  
ویہ جی سے ملتی تھی۔ یہی کئی کئی ڈاکٹر سچیدا نند سلما اور منشی  
ابھرد شرن کی تھی۔

الہ آباد سے اس زمانے میں 'نہم سرکاری' ڈینک پابریز اور  
نرم دل کا ڈینک۔ 'انڈین پبل' نکلتے تھے۔ 'انڈین پبل' کا  
سمپادک کالی بابو کرتے تھے لنگو کالی بابو بھی نرم دل کے  
نہتاؤں کی نظروں میں آئے نرم نہ تھے جتنا کہ وہ امید  
کرتے تھے۔ چلتاچہ مالویہ جی، پہلے موتی لال جی اور  
دوسرے نرم دلی نہتاؤں نے مل کر 'نہتر' کا پرکاشن شروع کیا۔  
'انڈین پبل' بھی 'نہتر' میں ہی مل گیا تھا۔ 'نہتر' کے  
سمپادک میں مدد دینے اور گرم دل کے نو جوانوں سے سورجہ  
لہنے کے لئے سورجہ سی۔ رائی۔ چلتامنی کو الہ آباد بلایا گیا۔  
یہ نو پان نہیں رہا کہ چلتامنی جی اس سے کہاں رہتے تھے  
لیکن اتنا مجھے یاد ہے کہ وہ ساونو روئے میں 'نہتر' کے دفتر میں

پیشا جی کیا کیا کر رہے۔ مگر سب کچھ سوچنے کے بعد میں  
آخیری فیصلہ پر پہنچ گیا۔

واٹس چانسلسر نے پوچھا—“کیا فیصلہ کیا؟”

میں نے جواب دیا—“آپ کی صلاح نہ ماننے کا مجھے  
بڑا افسوس ہے۔ میری گستاخی ماف ہو، میں بہت بوجھ میں ہوں۔”

دوسرے دن میں واٹس چانسلسر کے حکم سے یونی-  
ورسٹی سے اलग کر دیا گیا۔ اس طرح میرے تعلیمی  
حیاتیوں کا انت  
ہو گیا۔

میرے یونیورسٹی اور ہندو بائیں ہاؤس سے نکلنے  
کے بعد ساتھیوں کے دل غم سے بھر گئے۔ تنہا نند چتر جی  
میرے ساتھ ہی آئے۔ ایل۔ بی۔ میں پڑھتے تھے۔ یونیورسٹی سے میرے  
نکلنے کے بعد انہوں نے ایک دن ہی یونیورسٹی میں رہنا  
گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے واٹس چانسلسر کو میرے ساتھ گئے  
گئے انہوں نے خلاف ایک سخت خط لکھا اور اس خط کے  
ساتھ ساتھ ایل۔ بی۔ کے درجہ سے اپنا استعفیٰ بھی  
بجھ دیا۔

ہندو بائیں ہاؤس سے نکلنے کے بعد میں دوستوں کے ساتھ  
مکان کی تلاش شروع کی۔ آگے-آگے ہم لوگ پھرتے تھے  
اور پچھلے-پچھلے تین-چار پولیس کے دروازے اور آگے-آگے  
سیپاہی۔ مکان مالک یہ کہہ کر اپنا مکان کرایے  
پر دینے کو راضی ہو جاتا تھا تو پولیس والے اسے بعد میں  
میں آتا تو دھمکتے تھے کہ وہ اپنی  
ہاؤس سے پھر جاتا تھا۔ کئی گھنٹے صرف کھڑے کئی خالی  
مکانوں کو دیکھا مگر پولیس کے قریب کے مارے بھی مکان  
مالک اپنے وعدے سے پھر گئے۔ آخر میں وہ رات مجھے نکالنے  
کے پہل بگلی پڑی۔

دوسرے دن کچھ اور دوست، جن سے پولیس والے پوری  
طرح واقف نہ تھے، مکان کی تلاش میں نکلے۔ آخر میں  
چوک گنگا داس میں 56 نمبر کا مکان کرایے پر لینے  
کا مجھے فیصلہ ہوا۔ 56 نمبر کا مکان کرائے پر لینے کا انہوں  
نے فیصلہ کیا۔ ہوشیار دوستوں نے جن میں ایک یا دو وہیل  
بھی تھے، مکان مالک سے یہ اقرارنامہ لےوا—“چاہے کبھی ہی  
آفت انسانی، آفت سلطانی اور آفت لاکھائی آئے سال پھر  
تک نہ کرایہ دار مکان خالی کرے گا اور نہ مکان مالک ہی  
کرایہ دار کو ہٹائے گا۔” جب اقرارنامہ لے لیا گیا اور مکان  
مالک نے اس پر دستخط ہو گئے تو ایک دوست نے میرے  
دستخط کے لئے میرے پاس آئے۔ فوراً ہی ہم لوگ  
اپنا سامان لے کر دیکھ مکان میں داخل ہو گئے۔ حسب  
معمول پولیس بھی ہمارے پیچھے پہنچی۔ مکان  
مالک سے اس نے زور دیا کہ وہ مجھے مکان سے الگ  
کرے۔ پولیس کا خیال تھا کہ اگر میں انہاں سے

پہلے ہی کیا خیال کریں گے۔ مگر سب کچھ سوچنے کے بعد  
میں آخری فیصلہ پر پہنچ گیا۔

واٹس چانسلسر نے پوچھا—“کیا فیصلہ کیا؟”

میں نے جواب دیا—“آپ کی صلاح نہ ماننے کا مجھے  
بڑا افسوس ہے۔ میری گستاخی ماف ہو، میں بہت بوجھ میں ہوں۔”

دوسرے دن میں واٹس چانسلسر کے حکم سے یونیورسٹی  
سے الگ کر دیا گیا۔ اس طرح میرے تعلیمی  
حیاتیوں کا انت  
ہو گیا۔

میرے یونیورسٹی اور ہندو بائیں ہاؤس سے نکلنے  
کے بعد ساتھیوں کے دل غم سے بھر گئے۔ تنہا نند چتر جی  
میرے ساتھ ہی آئے۔ ایل۔ بی۔ میں پڑھتے تھے۔ یونیورسٹی سے میرے  
نکلنے کے بعد انہوں نے ایک دن ہی یونیورسٹی میں رہنا  
گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے واٹس چانسلسر کو میرے ساتھ گئے  
گئے انہوں نے خلاف ایک سخت خط لکھا اور اس خط کے  
ساتھ ساتھ ایل۔ بی۔ کے درجہ سے اپنا استعفیٰ بھی  
بجھ دیا۔

ہندو بائیں ہاؤس سے نکلنے کے بعد میں دوستوں کے ساتھ  
مکان کی تلاش شروع کی۔ آگے-آگے ہم لوگ پھرتے تھے  
اور پچھلے-پچھلے تین-چار پولیس کے دروازے اور آگے-آگے  
سیپاہی۔ مکان مالک یہ کہہ کر اپنا مکان کرایے  
پر دینے کو راضی ہو جاتا تھا تو پولیس والے اسے بعد میں  
میں آتا تو دھمکتے تھے کہ وہ اپنی  
ہاؤس سے پھر جاتا تھا۔ کئی گھنٹے صرف کھڑے کئی خالی  
مکانوں کو دیکھا مگر پولیس کے قریب کے مارے بھی مکان  
مالک اپنے وعدے سے پھر گئے۔ آخر میں وہ رات مجھے نکالنے  
کے پہل بگلی پڑی۔

دوسرے دن کچھ اور دوست، جن سے پولیس والے پوری  
طرح واقف نہ تھے، مکان کی تلاش میں نکلے۔ آخر میں  
چوک گنگا داس میں 56 نمبر کا مکان کرایے پر لینے  
کا مجھے فیصلہ ہوا۔ 56 نمبر کا مکان کرائے پر لینے کا انہوں  
نے فیصلہ کیا۔ ہوشیار دوستوں نے جن میں ایک یا دو وہیل  
بھی تھے، مکان مالک سے یہ اقرارنامہ لےوا—“چاہے کبھی ہی  
آفت انسانی، آفت سلطانی اور آفت لاکھائی آئے سال پھر  
تک نہ کرایہ دار مکان خالی کرے گا اور نہ مکان مالک ہی  
کرایہ دار کو ہٹائے گا۔” جب اقرارنامہ لے لیا گیا اور مکان  
مالک نے اس پر دستخط ہو گئے تو ایک دوست نے میرے  
دستخط کے لئے میرے پاس آئے۔ فوراً ہی ہم لوگ  
اپنا سامان لے کر دیکھ مکان میں داخل ہو گئے۔ حسب  
معمول پولیس بھی ہمارے پیچھے پہنچی۔ مکان  
مالک سے اس نے زور دیا کہ وہ مجھے مکان سے الگ  
کرے۔ پولیس کا خیال تھا کہ اگر میں انہاں سے



بیلیئم ڈیوی جیسے لکھنؤ کی کتابیں انہیں نے دھلی سے پڑھیں۔  
 اٹلی آدی کے سولڈرانا سلگام کا انہیں بھی اُپڑا۔  
 ٹھیک اُس سے ایک چھوٹی سی گھٹا ہوئی جس نے منظر علی کی  
 زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ مہر سنگھ کالج کے پرنسپل جے۔ جی  
 جیننگز اُن دنوں ایم۔ اے کو انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔ جیننگز نے  
 منظر علی سے بھارت کے آئے دن کے دشکالوں اور ان کے کارروں پر  
 ایک نپلہ لکھنے کو کہا۔ جو کتابیں کورس میں پڑھائی  
 جاتی تھیں اُن میں اُن دشکالوں یا قحطوں کی وجہ  
 بارش کی کمی بتایا گیا تھا۔ لیکن نئی کتابیں پڑھ کر  
 منظر علی نے اُس کی وجہ اپنے نپلہ میں انگریزوں کی  
 شورش نڈی کو بتایا۔ پرنسپل جیننگز کو نپلہ پڑ کر غصہ  
 آگیا۔ انہوں نے منظر علی کو ڈانٹا تو انہوں نے اور سمجھا کر نپلہ  
 بدلنے کو کہا۔ منظر علی نے اپنی رائے نہ بدلی۔ اُس پر وہ  
 ایم۔ اے کلاس سے نکال دیئے گئے۔ سن 1908 میں انہوں نے  
 ایل۔ ایل۔ بی پلس کر لیا۔ اُس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ  
 منظر علی ہمارے دل میں جی۔ جان اور جوش حرور کے  
 ساتھ شامل ہو گئے۔

ویدارہدوں کے اندر کرم دل نے بڑے بڑے پڑھائے تو دیکھ  
 کر وہ پڑے۔ نئی سرکار چوٹی ہو گئی۔ یونیورسٹی نے وائس  
 چانسلر کے ساتھ مل کر انہوں نے ہم لوگوں کے حلف نامہ اٹھانے  
 کا فیصلہ کیا۔ میں ہی پڑھ پڑھ رہا تھا اُس لئے مہرے ہی حلف  
 نامے اٹھانے کی بات ہو گئی۔

سب سے پہلے مجھ پر ہندو ہورتنگ ہاؤس سے نکلنے کا  
 نوٹس بھیج دیا گیا۔ 1907ء میں ہندو ہورتنگ ہاؤس  
 دوپہا ہوا۔ دولت دہلی۔ ہندو ہورتنگ ہاؤس کے سرے  
 کو تھا۔ مہرا سامان ہورتنگ ہاؤس کے سرے کے باہر تو رہا  
 گیا۔ مہرے جی ہندو ہورتنگ ہاؤس نے تو ہندو ہورتنگ ہاؤس  
 مجھے ہوسٹل سے الگ کرتے ہوئے انہوں نے خود ہندو ہورتنگ  
 جینے ساہی یہ ہورتنگ ہاؤس ہے۔ یہ ہے۔ میں ہندو ہورتنگ  
 پڑھائی جاری رہوں۔ یونیورسٹی افسدہگروں نے پاس سے یہ  
 پروانہ آیا کہ مجھے ایل۔ ایل۔ بی۔ کلاس سے رستہ دیا گیا  
 جانا ہے۔ وائس چانسلر نے اور سے یہ بھی کہا تھا کہ جی  
 میں وعدہ کر لوں کہ امتحان ختم ہونے تک راج نہیں میں  
 میں کوئی بھاگ نہیں لوں گا تو مہرے نکالے جانے کا حکم رد کیا  
 جا سکتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اہی صورت میں ہندو ہورتنگ  
 ہاؤس سے بھی مجھے الگ کرنے کا حکم بھی واپس لے لیا  
 جائیگا۔ میں نے تھوڑی دیر تک سوچا۔ زندگی بھارت ملنا  
 کی تصویر مہرے سامنے آئی۔ اپنی زندگی کی سوز پر  
 میں بھڑکا تھا۔ مہرے اُس وقت کے فیصلے پر مہرے آگے کی  
 زندگی کا دائرو مدار تھا۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ مہرے بڑے

ویدارہدوں کے اندر کرم دل کے بدلتے ہوئے پرभाव کو  
 دیکھ کر یوں ہی کا سرکار بیکھنا ہوا۔ یونیورسٹی کے  
 وائس چانسلر کے ساتھ مل کر انہوں نے ہم لوگوں کے  
 حلف نامہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ میں ہی پڑھ پڑھ رہا تھا  
 اُس لئے مہرے ہی حلف نامے اٹھانے کی بات ہو گئی۔

سب سے پہلے مجھ پر ہندو ہورتنگ ہاؤس سے نکلنے کا  
 نوٹس بھیج دیا گیا۔ 1907ء میں ہندو ہورتنگ ہاؤس  
 دوپہا ہوا۔ دولت دہلی۔ ہندو ہورتنگ ہاؤس کے سرے  
 کو تھا۔ مہرا سامان ہورتنگ ہاؤس کے سرے کے باہر تو رہا  
 گیا۔ مہرے جی ہندو ہورتنگ ہاؤس نے تو ہندو ہورتنگ ہاؤس  
 مجھے ہوسٹل سے الگ کرتے ہوئے انہوں نے خود ہندو ہورتنگ  
 جینے ساہی یہ ہورتنگ ہاؤس ہے۔ یہ ہے۔ میں ہندو ہورتنگ  
 پڑھائی جاری رہوں۔ یونیورسٹی افسدہگروں نے پاس سے یہ  
 پروانہ آیا کہ مجھے ایل۔ ایل۔ بی۔ کلاس سے رستہ دیا گیا  
 جانا ہے۔ وائس چانسلر نے اور سے یہ بھی کہا تھا کہ جی  
 میں وعدہ کر لوں کہ امتحان ختم ہونے تک راج نہیں میں  
 میں کوئی بھاگ نہیں لوں گا تو مہرے نکالے جانے کا حکم رد کیا  
 جا سکتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اہی صورت میں ہندو ہورتنگ  
 ہاؤس سے بھی مجھے الگ کرنے کا حکم بھی واپس لے لیا  
 جائیگا۔ میں نے تھوڑی دیر تک سوچا۔ زندگی بھارت ملنا  
 کی تصویر مہرے سامنے آئی۔ اپنی زندگی کی سوز پر  
 میں بھڑکا تھا۔ مہرے اُس وقت کے فیصلے پر مہرے آگے کی  
 زندگی کا دائرو مدار تھا۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ مہرے بڑے

बैंगमंग के आन्दोलन का मंचर अली पर गहरा असर पड़ा. देश की आर्थिक और राजनैतिक कैफियत को उन्होंने समझना शुरू किया. दादाभाई नौरोजी, रमेश चन्द्र दत्त

ہلکے ہلکے کے آندولن کا مناظر علی پر گہرا اثر پڑا۔  
 دیہی کی لڑتک اور راج ٹیٹک کیفیت کو انہوں نے سمجھا  
 شروع کیا۔ دادا بھائی نوروجی، رہیں چلے دت

اور بڑا پدا ہو گیا اور انہوں نے دلی پریم ہو گیا۔ حالانکہ مہرے وچار ان سے نہیں ملتے تھے لیکن جب جب میں پوتا جاتا تھا پھر تو لکھنؤ کے یہاں تھا مگر پوجیہ گوکلی سے ملنے ضرور جاتا تھا۔ شری گوکلی کے ساتھ میرا یہ پریم سہلہ ان کی موت کے سمے لگ بھگ ہوا اور آج بھی میں انہیں پریم اور آدر سے یاد کرتا ہوں۔

گوکلی جی کی الہ آباد پاترا سے یہاں کی راجپوتک حالت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ نرم دلی نیٹاؤں نے بہر آپس میں صلاح کر کے 1907 میں ہی یو۔ پی۔ پولیٹیکل کانفرنس کا اجلاس یہاں کرنے کا فیصلہ کیا۔ موزی ہال میں پلڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں سمیلن ہوا۔ پارٹی کی ہدایت پر میں ہی اس کانفرنس میں درشک کی حیثیت سے شامل ہوا۔ مجھے موتی لال جی کے وہ فقرے یاد رہ گئے ہیں جو انہوں نے صدر کی حیثیت سے کہے تھے۔ ان کے لفظ ہیں:—

“For Indians to talk of Swaraja and of turning out the British is like a pygmy with a broom in his hand trying to fight the giant.”

یانی—“ہندوستانوں کے لیے سواراج کی اور انگریزوں کو نیکالنے کی بات کرنا ویسا ہی ہے جیسے کوئی ناچیخ آدمی بڑے بھاری جین سے کادھ لے کر لڑنے کی کوشش کرے۔”

موتی لال جی کے اس فقرے کو سن کر درشکوں نے اتنا ہر ملہ مچایا کہ معلوم ہوا کانفرنس ٹوٹ جائیگی، مگر بڑی کوششوں کے بعد لوگ خاموش ہوئے۔

موتی لال جی اس زمانے میں نرم دل واپس کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ انیسکار مہاجر ہامن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ مہاجر بسو دعوتی پہن کر اس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے ان کی دعوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں ٹوکا:—

“Major Basu! you appear to have got Swaraja.”

یانی—“مہاجر بسو، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تو سواراج مل گیا۔”

موتی لال جی اس زمانے میں نرم دل واپس کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ انیسکار مہاجر ہامن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ مہاجر بسو دعوتی پہن کر اس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے ان کی دعوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں ٹوکا:—

“Major Basu! You appear to have got Swaraja.”

یانی—“مہاجر بسو، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تو سواراج مل گیا۔”

یانی—“مہاجر بسو، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تو سواراج مل گیا۔”

یانی—“مہاجر بسو، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تو سواراج مل گیا۔”

یانی—“مہاجر بسو، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تو سواراج مل گیا۔”

یانی—“مہاجر بسو، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تو سواراج مل گیا۔”

یانی—“مہاجر بسو، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تو سواراج مل گیا۔”

یانی—“مہاجر بسو، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تو سواراج مل گیا۔”

یانی—“مہاجر بسو، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تو سواراج مل گیا۔”

## سن 1905 کا स्वदेशी आन्दोलन اور मेरा राजनैतिक जीवन

## سن 1905 کا دیشی آندولن اور میرا راجنیتک جیون

پंडित सुन्दरलाल

پنڈت سندر لال

مسلک کے سیاسی نکرشہ میں ایلاہاباد کی ایک خاص جگہ بن گئی۔ خودی رلم ہوس، مظہر پور ہم درگھٹا سے دو مہینہ پہلے الہ آباد آئے ان کے بعد راس بھاری ہوس، لرونڈ بابو کے بھائی ہاریدندر کمار گھوش، مرضی امبا پرساد، بہت سنگھ کے چچا سردار اچیت سنگھ اور لالہ ہر دیال آدی نیتا باری باری سے ایلاہاباد آئے۔ گپت سभाओं में उन्होंने हम लोगों से बातें कीं، कार्यक्रम बनाया और चलें گئے۔ ہم لوگوں سے باتیں کیں، کریہ کرم بنایا اور چلے گئے۔ ہم لوگوں کی یہ گہت سبھاؤں چوک گنگا داس کے 66 نمبر کے مکان میں ہوا کرتی تھیں۔ یہ مکان میلہ کراہہ پر لے لیا تھا۔ اُس زمانے کے چوک گنگا داس کے لڑکوں میں بڑی دیہی ہوتی اور نذرنا نہیں۔ ہماری میٹنگوں کے وقت وہ ایسا چونکس پھرہ بھٹھا دیتے کہ خفیہ پولس کی دھلی پرچہ لٹھوں تک نہ پھٹک پاتی۔

ایلاہاباد کی یہ کیفیت دیکھ کر نرم دلی نیتاओं کی پریشانی بڑھ گئی۔ مالवी جی نے سگریٹیں گولہ کو نستر دے کر الہ آباد بلایا۔ لال پال-ہل ( لالہ راجت رائے ) وہیں چندر پال اور لوکمانیہ ہال گنگا دھر تلک کی شری مورتی کو لوگ اسی نام سے پکارتے تھے ) کے ویکیاتیوں کے اثر کو دے کاٹنا چاہتے تھے۔ کنگو کپلے میدان میں شری گولہ کا ویکیاتی کرانے کی ہمت نہیں پڑی۔ پورے کسٹم پاتھ شالا کے حال میں شری گولہ کی میٹنگ ہوئی۔ قریب دو سو آدمی ویکیاتی سننے کے لئے موجود تھے۔ میں بھی کترہلوہی اُس میٹنگ میں چلا گیا۔ شری طرف اشارہ کر کے لڑکوں نے شکایت کی کہ اسی لڑکے نے الہ آباد میں آگ لگا رکھی ہے۔ گولہ نے مجھے اپنے پاس لایا اور مجھے اوعده لیا کہ میں دوسرے دن اُن سے ضرور ملوں۔ دوسرے دن ڈاکٹر سچدانند سنہا کے یہاں گولہ جی کی دعوت تھی۔ وہیں میں پہنچ گیا۔ اطلاع ہوئے پر شری گولہ نے مجھے وہیں بلوایا۔ مجھے دیکھتے ہی سب نے ایک ساتھ مہری شکایتیں شروع کر دیں۔ مگر گولہ جی بہت یرم سے مجھے ملے۔ مجھے انہیں نے کہا۔ ”میں تو تمہارے جیسے نوجوانوں کی تلخی میں ہوں۔ مجھے تو تمہارے جیسے ہی ہورگ چاہئیں۔“ شری گولہ سے مہری جو باتیں اُس اوسر پر ہوئیں اُس سے مہرے دل میں اُن کے اٹھ بے حد عزت

ایلاہاباد کی یہ کیفیت دیکھ کر نرم دلی نیتاؤں کی پریشانی بہت بڑھ گئی۔ ماویہ جی نے سگریٹ گولہ کو نستر دے کر الہ آباد بلایا۔ لال پال-ہل ( لالہ راجت رائے ) وہیں چندر پال اور لوکمانیہ ہال گنگا دھر تلک کی شری مورتی کو لوگ اسی نام سے پکارتے تھے ) کے ویکیاتیوں کے اثر کو دے کاٹنا چاہتے تھے۔ کنگو کپلے میدان میں شری گولہ کا ویکیاتی کرانے کی ہمت نہیں پڑی۔ پورے کسٹم پاتھ شالا کے حال میں شری گولہ کی میٹنگ ہوئی۔ قریب دو سو آدمی ویکیاتی سننے کے لئے موجود تھے۔ میں بھی کترہلوہی اُس میٹنگ میں چلا گیا۔ شری طرف اشارہ کر کے لڑکوں نے شکایت کی کہ اسی لڑکے نے الہ آباد میں آگ لگا رکھی ہے۔ گولہ نے مجھے اپنے پاس لایا اور مجھے اوعده لیا کہ میں دوسرے دن اُن سے ضرور ملوں۔ دوسرے دن ڈاکٹر سچدانند سنہا کے یہاں گولہ جی کی دعوت تھی۔ وہیں میں پہنچ گیا۔ اطلاع ہوئے پر شری گولہ نے مجھے وہیں بلوایا۔ مجھے دیکھتے ہی سب نے ایک ساتھ مہری شکایتیں شروع کر دیں۔ مگر گولہ جی بہت یرم سے مجھے ملے۔ مجھے انہیں نے کہا۔ ”میں تو تمہارے جیسے نوجوانوں کی تلخی میں ہوں۔ مجھے تو تمہارے جیسے ہی ہورگ چاہئیں۔“ شری گولہ سے مہری جو باتیں اُس اوسر پر ہوئیں اُس سے مہرے دل میں اُن کے اٹھ بے حد عزت

ایلاہاباد کی یہ کیفیت دیکھ کر نرم دلی نیتاؤں کی پریشانی بہت بڑھ گئی۔ ماویہ جی نے سگریٹ گولہ کو نستر دے کر الہ آباد بلایا۔ لال پال-ہل ( لالہ راجت رائے ) وہیں چندر پال اور لوکمانیہ ہال گنگا دھر تلک کی شری مورتی کو لوگ اسی نام سے پکارتے تھے ) کے ویکیاتیوں کے اثر کو دے کاٹنا چاہتے تھے۔ کنگو کپلے میدان میں شری گولہ کا ویکیاتی کرانے کی ہمت نہیں پڑی۔ پورے کسٹم پاتھ شالا کے حال میں شری گولہ کی میٹنگ ہوئی۔ قریب دو سو آدمی ویکیاتی سننے کے لئے موجود تھے۔ میں بھی کترہلوہی اُس میٹنگ میں چلا گیا۔ شری طرف اشارہ کر کے لڑکوں نے شکایت کی کہ اسی لڑکے نے الہ آباد میں آگ لگا رکھی ہے۔ گولہ نے مجھے اپنے پاس لایا اور مجھے اوعده لیا کہ میں دوسرے دن اُن سے ضرور ملوں۔ دوسرے دن ڈاکٹر سچدانند سنہا کے یہاں گولہ جی کی دعوت تھی۔ وہیں میں پہنچ گیا۔ اطلاع ہوئے پر شری گولہ نے مجھے وہیں بلوایا۔ مجھے دیکھتے ہی سب نے ایک ساتھ مہری شکایتیں شروع کر دیں۔ مگر گولہ جی بہت یرم سے مجھے ملے۔ مجھے انہیں نے کہا۔ ”میں تو تمہارے جیسے نوجوانوں کی تلخی میں ہوں۔ مجھے تو تمہارے جیسے ہی ہورگ چاہئیں۔“ شری گولہ سے مہری جو باتیں اُس اوسر پر ہوئیں اُس سے مہرے دل میں اُن کے اٹھ بے حد عزت

سیاسی پद्धت کے عیسے جڑی اور لاجبانی جڑ بن گئے تھے کہ جب 1857 کی پہلی آجادی کو جگ لڑی تو اس میں آجادی فوجوں نے مغل بادشاہ بہادر شاہ کو ہی اپنا قومی رہنما بنایا۔ حالانکہ مغل بادشاہ کے پاس نہ تو خزانہ ہی تھا اور نہ

نوج ہی ۔  
بھاشا ( زبان )، سائنس ( ادب )، وکیان ( سائنس )،  
درشن ( فلسفہ )، کلا ( آرٹ ) اور دھرم سمبندھی باتوں کے  
آدھار پر ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے صدیوں  
ایک ساتھ رہ کر ایک بھائی ( جذبہ )، ایک سے دوسرے میں  
اور ایک سے ملی جلی تہذیب اور تہذیب کو ترقی دی ۔ ایک  
سے مالی ( ارتھ ) تہذیب کی بنیاد پر انہوں نے ملی جلی  
شانداز ہندوستانی کلچر کا محفل کھڑا کیا۔ چاہے مغل بادشاہ کے ماتحت  
لوگوں کو دیکھا جائے یا کسی صوبے کے نیم آزاد صوبہ دار کے ماتحت  
رہنے والوں کو، یہ لوگ دھرمی ۔ نیتی میں سدا چار میں، مذہبی  
اصولوں میں، سیاست اور حکومت کی باتوں میں، کلا اور آرٹ  
میں تھا زندگی کے نقطہ نظر میں مراٹھوں، راجپوتوں، سکھوں  
اور جاتوں یا دوسرے ہندوستانیوں سے جدا نہ تھے ۔

پورے زمانے کا اثر ہم غور جانب داری سے اندھین کریں تو ہم  
سے نکلنے پر پہنچتے ہیں کہ مذہبی یک میں ہندو مسلمانوں  
کے آپسی سمبندھوں کے اتھاس میں ایسی کوئی بات نہیں  
نہیں ملتی جس سے ہمارے سے پہلے کے ہندوستان کے فرقہ  
واریانہ رنگ اور جھگڑے نساں کی چیزیں ہم ان میں نہیں  
سکھیں ! اس کے برخلاف اس زمانے کی تاریخ ( اتھاس ) سے  
یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبی یک کے مسمان شامک بنا ہند  
بھاؤ کے حکومت کرتے تھے ۔ وہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کے  
ساتھ ایک سا بھائی کرتے تھے ۔ حکومت کے معاملوں میں، آرٹ  
اور تہذیب کے معاملوں میں، ادب اور شاعری کے معاملوں میں  
وہ کوئی بھید بھاؤ نہیں کرتے تھے ۔ وہ ہندو کو، ہندو مذہب  
کو، ہندو دھرم میں اور اچار ۔ وچاروں کو، ہندو درشن اور  
ادھیان کو باہمی سے دیکھتے اور سمجھتے تھے اور اسی پر عمل  
کرنے کی کوشش کرتے تھے ۔ مسلمان بادشاہوں، سلطانوں اور  
صوبہ داروں کے اس رویے کو دیکھ کر ہندوستان کا عام مسلمان  
بھی ہندوستانیت کا دعویٰ دار بن گیا ۔ وہ ہندوستان کا دم بولنے لگا۔  
مسلم جنتا نے ہندو ریت رواجوں کو اپنا لیا ۔ دوسری طرف  
ہندوؤں کی برآچھوں اور سچی برداشت یاسوں شلکا اور وہنتا  
میں بھی ایک کوچ نکالنے کی زبردست خواہش نے محبت سے  
پڑھائے ہوئے مسلمانوں نے ہاتھ کو اسی محبت کے ساتھ قبل  
کیا ۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی کلچر سے ایسی  
[ باقی صفحہ 271 پر ]

میں ہمیں صرف کچھ شمس کی حکمت میں تہری بہت گھڑا یا زیادتی کی مثالیں ملتی ہیں۔ اور ان شمس کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ ان کی زیادتیوں کی وجہ سے کچھ اور ہی نہیں اور ان کا وار بھی تہرے سے لوگوں کو ہی پہنچا دیا۔

کئی ঘটناؤں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دھرمک مت بھد کا زیادہ اثر نہ تھا۔ مثال کے طور پر اگر عہدوں کی ہی بات لے لی جائے تو یہ صاف ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے یہاں ہندو اُنچے سے اُنچے عہدوں پر مقرر کئے جاتے تھے۔ بھوہ ہندوؤں کی صلاح کے مسلمان حاکم ایک قدم بھی نہ چلے تھے۔ اورنگزیب ایسے بادشاہ کے بڑے سے بڑے جنرل بھی راجپوت راجا تھے۔ محمود غزنوی نے خراسان جیتنے کے لئے اپنے جس جنرل کو بھیجا وہ فلک نام کا ایک ہر امن تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس سے کی آپسی لڑائی میں ہندو اور مسلمانوں کی الگ الگ مذہبی حیثیت سے کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔ مسلمان سلطانوں کے ہندو سفارتی اور ہندو راجاؤں کے مسلمان سفارتی اپنے ہی مذہب والوں سے لڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہیں میں اوسے ہندو اور مسلمانوں کے سمجھوتے سے بڑے بڑے ہیں، جہاں دونوں نے اپنے مالکوں کی طرف وفاداری کر اپنے ہی مذہب والوں کے ساتھ ہوئے لڑائی لڑی۔ ایسی ہی مثالیں ہیں کہ جہاں ہندوؤں کے ساتھ ہندوؤں نے دغا بازی کی ہے اور مسلمانوں نے مسلمانوں کے ساتھ۔ اصلی بات تو یہ ہے کہ اُس سے ذاتی احساسات کا ہی سب سے زیادہ اثر پڑتا تھا، نہ کی قوم، مذہب یا ملک کا۔ اُس زمانے کی وادائی کی پہاڑنا (جذبہ) صرف دو شہدوں میں ظاہر ہوتی ہے—’نمک حلال‘ اور ’نمک حرام‘۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمان حاکموں نے، چاہے وہ جہاں سے آئے ہوں، ہر اصل ہندوستان کو ہی اپنا گھر بنا لیا تھا۔ باہر فرغانہ سے آیا اور وہ بھی کبھی سمرقند لوٹنے کے لئے ملک میں رہیں۔ قسمت انہیں یہاں پہنچ لاتی اور ہندوستان کے باہر سے سارے ناتے رشتہ انہوں نے توڑ لئے۔ اُن کے اپنے وطن میں اُن کے خاندان کے انتہائی دشمن تھے جو موقع پاتے ہی اُن کا سب کچھ چھین لینے پر آمادہ تھے۔ ایسی حالت میں انہوں نے ہندوستان کی جلتا کی زندگی میں اپنے آپ کو ملا کر دیا۔ ہندوستان کی جلتا کی زندگی کے ساتھ انہوں نے ہندوئی دنگائی اور اُن کے ساتھ دنگ میں اپنے ساتھ ہی یہ توئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ مثل بادشاہ ہندوستان کی سماجی اور

ہمیں صرف کچھ شمس کی حکمت میں تہری بہت گھڑا یا زیادتی کی مثالیں ملتی ہیں۔ اور ان شمس کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ ان کی زیادتیوں کی وجہ سے کچھ اور ہی نہیں اور ان کا وار بھی تہرے سے لوگوں کو ہی پہنچا دیا۔

کئی گھنٹوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دھرمک مت بھد کا زیادہ اثر نہ تھا۔ مثال کے طور پر اگر عہدوں کی ہی بات لے لی جائے تو یہ صاف ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے یہاں ہندو اُنچے سے اُنچے عہدوں پر مقرر کئے جاتے تھے۔ بھوہ ہندوؤں کی صلاح کے مسلمان حاکم ایک قدم بھی نہ چلے تھے۔ اورنگزیب ایسے بادشاہ کے بڑے سے بڑے جنرل بھی راجپوت راجا تھے۔ محمود غزنوی نے خراسان جیتنے کے لئے اپنے جس جنرل کو بھیجا وہ فلک نام کا ایک ہر امن تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس سے کی آپسی لڑائی میں ہندو اور مسلمانوں کی الگ الگ مذہبی حیثیت سے کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔ مسلمان سلطانوں کے ہندو سفارتی اور ہندو راجاؤں کے مسلمان سفارتی اپنے ہی مذہب والوں سے لڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہیں میں اوسے ہندو اور مسلمانوں کے سمجھوتے سے بڑے بڑے ہیں، جہاں دونوں نے اپنے مالکوں کی طرف وفاداری کر اپنے ہی مذہب والوں کے ساتھ ہوئے لڑائی لڑی۔ ایسی ہی مثالیں ہیں کہ جہاں ہندوؤں کے ساتھ ہندوؤں نے دغا بازی کی ہے اور مسلمانوں نے مسلمانوں کے ساتھ۔ اصلی بات تو یہ ہے کہ اُس سے ذاتی احساسات کا ہی سب سے زیادہ اثر پڑتا تھا، نہ کی قوم، مذہب یا ملک کا۔ اُس زمانے کی وادائی کی پہاڑنا (جذبہ) صرف دو شہدوں میں ظاہر ہوتی ہے—’نمک حلال‘ اور ’نمک حرام‘۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمان حاکموں نے، چاہے وہ جہاں سے آئے ہوں، ہر اصل ہندوستان کو ہی اپنا گھر بنا لیا تھا۔ باہر فرغانہ سے آیا اور وہ بھی کبھی سمرقند لوٹنے کے لئے ملک میں رہیں۔ قسمت انہیں یہاں پہنچ لاتی اور ہندوستان کے باہر سے سارے ناتے رشتہ انہوں نے توڑ لئے۔ اُن کے اپنے وطن میں اُن کے خاندان کے انتہائی دشمن تھے جو موقع پاتے ہی اُن کا سب کچھ چھین لینے پر آمادہ تھے۔ ایسی حالت میں انہوں نے ہندوستان کی جلتا کی زندگی میں اپنے آپ کو ملا کر دیا۔ ہندوستان کی جلتا کی زندگی کے ساتھ انہوں نے ہندوئی دنگائی اور اُن کے ساتھ دنگ میں اپنے ساتھ ہی یہ توئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ مثل بادشاہ ہندوستان کی سماجی اور



رامायण کے مشہور لکھک گوتمامی تیلسیداک جی نے لکھا ہے—

جیت دے لیں تیت تو یو ۔

کاکر، پاہر، ٹیکری سب مے دے لیں تو یو ॥

ابلاہ کھوں نہی ہے ؟ وہ ہر جگہ ہے اور کھوں بھی نہیں ہے ! وہی مورت مے ہے اور وہی پوجاری مے ہی ہے ۔ وہی کٹر مے ہی ہے اور وہی اسلام مے ہی ہے ! وہی ہندوؤں مے ہی ہے اور وہی مسلمانوں مے ہی ہے ! انسان نے اپنی کم بختی کی وجہ سے دھڑکا ہوا پرہیزگار بن گیا ہے اسلئے وہ اپنے غرور میں یہ سمجھنے لگا ہے کہ اللہ یہاں ہے اور وہاں نہیں ہے، وہ اسلام مے ہے اور کٹر مے نہیں ہے ۔

ایسی بہت سی مثالیں آسانی سے دی جا سکتی ہیں کہ ہندستان میں اسلام نے ہندوؤں کی پوجا کے طریقوں سے بہت سی باتیں اپنے اندر شامل کر لی ہیں ۔ مثلاً، پرانا نام، پوجا، بھاس، ویدانت، فلسفہ سب اسلام میں شامل ہو گئے ۔ ہندو مذہب اور اسلام کے سنم کو ہی 'پریم دھرم' یا 'مذہب عشق' کے نام سے پکارا گیا ۔ یہاں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ ہندوؤں کی وہی یہ دونوں مذہب آسانی سے ایک دوسرے سے مل چل گئے ۔ کہہ، ٹانک، دادو، چیتن، نگارم، شاہ قلندر، بابا فرید، چشتی اور دوسرے صوفی سنتوں نے گناہی کے ساتھ ہندستان کی چلتا میں ایک ایسا دھرم پھیلا دینے کی کوشش کی جس میں ہندو مسلمانوں، دونوں کی مذہبی خوبیوں شامل تھیں ۔

مذہب یک کے دھرمک سائنس ( ادب ) سے، چاہے وہ مسلمانوں کا یا ہندوؤں کا، پڑھنے والا اس کے آزادانہ نقطہ نظر اور ادارہ دہشتی سے ضرور پرہیز کرے گا ۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اوپر سے دھرم، درجوں، درجوں اور کرم گنتوں اور پوجا کے اور پرستش کے باہری ڈھنگوں میں چاہے جو فرق ہوں، مذہبی زندگی کی بھرتی اور بنیادی سچائی دونوں میں ایک سی تھی ۔ اس لئے مذہب یک کے صوفی سنتوں نے ہندو دھرم اور اسلام کے باہری طریقوں کو اہمیت نہ دے کر ان کی بھرتی کی سادہ پر ہی زور دیا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے ہندو اور مسلمان دوستی اور محبت کے سانچے میں قتل گئے ۔ دونوں نے لئے ایک ہی ملک، ایک ہی راج، ایک ہی شہر، ایک ہی محلے اور ایک ہی گلی میں مکترا اور شانتی سے رہنا ممکن ہو سکا، دونوں مذہبی نصب کو کم کر کے میں گناہ ہوئے ۔ پورے ایک ہزار روہی کے مشترکہ ( ملت ) انہیں

آسانی کے مشہور لکھک گوتمامی تیلسیداک جی نے لکھا ہے —

جیت دے لیں تیت تو یو ۔

کاکر، پاہر، ٹیکری سب مے دے لیں تو یو ॥

ابلاہ کھوں نہی ہے ؟ وہ ہر جگہ ہے اور کھوں بھی نہیں ہے ! وہی مورت مے ہے اور وہی پوجاری مے ہی ہے ۔ وہی کٹر مے ہی ہے اور وہی اسلام مے ہی ہے ! وہی ہندوؤں مے ہی ہے اور وہی مسلمانوں مے ہی ہے ! انسان نے اپنی کم بختی کی وجہ سے دھڑکا ہوا پرہیزگار بن گیا ہے اسلئے وہ اپنے غرور میں یہ سمجھنے لگا ہے کہ اللہ یہاں ہے اور وہاں نہیں ہے، وہ اسلام مے ہے اور کٹر مے نہیں ہے ۔

ایسی بہت سی مثالیں آسانی سے دی جا سکتی ہیں کہ ہندستان میں اسلام نے ہندوؤں کی پوجا کے طریقوں سے بہت سی باتیں اپنے اندر شامل کر لی ہیں ۔ مثلاً، پرانا نام، پوجا، بھاس، ویدانت، فلسفہ سب اسلام میں شامل ہو گئے ۔ ہندو مذہب اور اسلام کے سنم کو ہی 'پریم دھرم' یا 'مذہب عشق' کے نام سے پکارا گیا ۔ یہاں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ ہندوؤں کی وہی یہ دونوں مذہب آسانی سے ایک دوسرے سے مل چل گئے ۔ کہہ، ٹانک، دادو، چیتن، نگارم، شاہ قلندر، بابا فرید، چشتی اور دوسرے صوفی سنتوں نے گناہی کے ساتھ ہندستان کی چلتا میں ایک ایسا دھرم پھیلا دینے کی کوشش کی جس میں ہندو مسلمانوں، دونوں کی مذہبی خوبیوں شامل تھیں ۔

مذہب یک کے دھرمک سائنس ( ادب ) سے، چاہے وہ مسلمانوں کا یا ہندوؤں کا، پڑھنے والا اس کے آزادانہ نقطہ نظر اور ادارہ دہشتی سے ضرور پرہیز کرے گا ۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اوپر سے دھرم، درجوں، درجوں اور کرم گنتوں اور پوجا کے اور پرستش کے باہری ڈھنگوں میں چاہے جو فرق ہوں، مذہبی زندگی کی بھرتی اور بنیادی سچائی دونوں میں ایک سی تھی ۔ اس لئے مذہب یک کے صوفی سنتوں نے ہندو دھرم اور اسلام کے باہری طریقوں کو اہمیت نہ دے کر ان کی بھرتی کی سادہ پر ہی زور دیا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے ہندو اور مسلمان دوستی اور محبت کے سانچے میں قتل گئے ۔ دونوں نے لئے ایک ہی ملک، ایک ہی راج، ایک ہی شہر، ایک ہی محلے اور ایک ہی گلی میں مکترا اور شانتی سے رہنا ممکن ہو سکا، دونوں مذہبی نصب کو کم کر کے میں گناہ ہوئے ۔ پورے ایک ہزار روہی کے مشترکہ ( ملت ) انہیں



انہوں نے قریب قریب سبھی مشہور ہندو گرتھوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ان کا نام 'پانچشدا'، 'پانچہارت'، 'امائن'، 'پراکون گیتا'، 'دھرم شاندر'، 'پراوی'، 'ہوگی'، 'ششک'، 'ہوگی'، 'سفر'، 'ویدانت'، 'شاکتو'، 'آرمی'، 'گرتھوں کے فارسی میں ترجمہ کا نام ہے۔

ان کے بعد کے لکھنؤ میں شیخ احمد فاروقی (1563-1624) جو کہ مجاہد الدین امہ، ثانی کے سہاں ہی مشہور ہے اور مرزا جان جاناں مظہر (1699ء) کے نام نہ جا سکتے ہیں۔ مظہر صاحب نے ہندوؤں کی مورتی پوجا کے بارے میں لکھا ہے:—

”مورتی پوجا—مسلمان صوفیوں کی دھواں اور سادہا یعنی  
’ذکر‘ کے سان ہی ہے۔ اسلام کے پہلے عرب کے باشندوں کے  
وہو اس سے اس مورتی پوجا کی کوئی سماعتا نہیں ہے۔ عرب  
کے باشندے سمجھتے تھے کہ مورتوں ہی میں خود شکتی اور اثر  
پھرا ہوا ہے۔ وہ بعض پرمانما کو پانے کا ذریعہ مانتے تھے  
جبکہ ہندوستان کے مورتی پوجک مورتوں کو اللہ تک پہنچنے کا  
صرف ایک ذریعہ مانتے تھے۔“

اتنا ہی نہ تھا۔ ایک اور مسلمان عالم اپنی چھان بین اور دلیلوں کے ذریعہ ہندو ادھارم اور فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہے تو دوسری اور اُس فلسفہ کو اپنی زندگی میں انار کو اُس کا ابھاس کرتے تھے۔ "گلشنِ راز" کے مشہور لیکچرر محمد حسن شبستاری (1317) نے بہت پرستی کے بارے میں لکھتے ہوئے یہ لفظ اُس کا میڈل اور اُس کی ہر اہری اِس طرح سمجھائی ہے:—

”مورنی اس دنیا میں صحبت اور ایکے کی تصویر پہنچ کر رک دی گئی ہے۔ زنا ر یا جڈو پہنچنے کا کیا مطلب ہے؟ چنڈو پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ جڈو پہنچنے والا نین طرح کی خدمتوں (سہوا) کا عہد لینا ہے۔ (1) اپنے ماں باپ اور خاندان کی خدمت (2) چلتا کی خدمت اور (3) اللہ کی خدمت۔ چنڈو کے لیون مانگے انہوں نین طرح کی سہواؤں کی یاد دلاتے ہیں۔ ’کمر‘ ہو چاہے ’دین‘ دونوں کا مقصد اللہ تک پہنچنا ہے۔ مورنی پوجا کہتی ہے کہ ایشور ایک ہے۔ اگر مسلمان یہ سمجھ لے کہ مورنی کیا ہے تو وہ یہ بھی سمجھ جائیگا کہ مورنی پوجا بھی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے؛ اور بدی مورنی پوجک جان لے کہ مورنی کیا ہے تو وہ ایشور کے راستے سے کہی نہ پائے گا۔ مورنی کے پوجاری لے مورنی کو صرف باہر سے دیکھا اسی لئے وہ ’کمر‘ ہو گیا اور مسلمان لے بھی مورنی کو صرف باہر سے دیکھا اسی لئے وہ ہی مورنی کے زاز (دھسپہ) کو نہ سمجھ سکا اور انصاف کی رو سے اپنے مذہب سے ہٹ گیا۔

## ہندوستان اور اسلام

ڈاکٹر سید محمد

اسلام کے دشمنوں نے جن میں خاص طور پر یورپ کے ایتھنس لیکھک ہیں، اسلام کو بدنام کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ انہوں نے اسلام کے خلاف ہر طرح کا جھوٹا پروچار کیا ہے۔ اس پروچار کا نتیجہ یہ ہے کہ غیر مسلم دنیا کو قریب قریب اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ اسلام کفر، ملابین، تعصب، مارکٹ اور قتل عام کا پروچار کرنے والا مذہب ہے۔ حالانکہ سچائی اس کے بالکل خلاف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مولویوں کا ایک طبقہ ایسا تھا جو اسلام کو سب سے اونچا مذہب ماننا تھا، لیکن ایسے مسلمانوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی جو سب مذہبوں میں سچائی، درندہ کی برابری کوشش کرتے رہتے تھے۔ ایسے مسلمانوں کی بھی کمی نہ تھی جو سب مذہبوں میں ایمانی سچائی کے درشن کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ سب مذہب مل جل کر رہیں۔ ایسے بھی پشمار مسلمان فقیر اور صوفی تھے جو اللہ کے راستے پر صرف سچائی کا ہی سہارا لے کر چلتے تھے۔ یہ فقیر اور صوفی کہتے تھے کہ الگ الگ مذہب اللہ تک پہنچانے کے محض الگ الگ راستے کی طرح ہیں جن کا مقصد ایک اسی اللہ تک پہنچنا ہے۔ ایسے بہت سے مسلمان درویش اور اداک تھے جو بلا کسی عین ہواؤ کے نڈوں اور مسلمانوں، امیروں اور غریبوں سب کو یومنا کے ایک ہی راستے پر، یعنی نیکی اور سچائی کے راستے پر چلنے کا اُپدیش دیتے تھے۔

یورپ والوں نے تو بہت بعد میں آزادی کے ساتھ مختلف دھرموں کی چھان بین کرنے کی دنیا جاری کی اور وہ ہیں صرف اُن گنہ لوگوں نے، لیکن مسلمانوں میں ایسے بہت سے عالم ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں میں خاص عقل کو لگوئی مان کر غور جانبداری (نہ پکشتا) کے ساتھ مختلف مذہبوں کے ایک سے بھائی اصولوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ان میں سب سے مشہور ودوان اور عالم اہوریکان الہیرونی تھے۔ انہوں نے گیارہویں صدی میں تفصیل کے ساتھ ہندو مذہب، عہد فلسفہ اور ہندو شاستروں پر لکھا ہے۔

ہندوستان کے منجملے زمانے میں جسے 'ہندو' کہا جاتا ہے، ہندوؤں کے دھرم کے ساتھ ساتھ وہ بھی سچائے کے لئے مسلمان ودوانوں نے بڑی محنت کی ہے۔

ہندوستان کے منجملے زمانے میں جسے 'ہندو' کہا جاتا ہے، ہندوؤں کے دھرم کے ساتھ ساتھ وہ بھی سچائے کے لئے مسلمان ودوانوں نے بڑی محنت کی ہے۔

ہندوستان کے منجملے زمانے میں جسے 'ہندو' کہا جاتا ہے، ہندوؤں کے دھرم کے ساتھ ساتھ وہ بھی سچائے کے لئے مسلمان ودوانوں نے بڑی محنت کی ہے۔

## عرب کی تاریخ اور اسلام

لیجئے آج تک 'گینز باؤکس' یا 'گارڈن آف دی ورلڈ' (Garden of the world) کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخی لکھنے والے سر ویلیام میور کے مکتوبات :-

"میسوپوٹامیا کا یہ کُل دو آدابِ سدا سے عرب بادشاہوں سے ہی آباو رہا ہے اور کالڈیا اور دیکشنی شام پر اسلئے عرب کے ہی حصے ہیں۔ اس پر دیہی میں رہنے والے قبیلے جن میں اُس سے پرانے مورتی پوجک تھے اور ان کے کم سے کم کلمے کے لئے عیسائی تھے عرب جاتی کے مضبوطی سے جڑے ہوئے آنگ تھے اور اس حدیث سے نئے عرب دھرم یعنی اسلام کے دائرے میں شامل تھے۔"

عرب کے یہ دونوں پرائٹ شام اور عراقی مدینوں سے پیچھے کی رومی حکومت اور پورب کی ایرانی شہنشاہیت کے ماتحت چلے آئے تھے۔ اسی پر دیہی میں اُن دونوں وصال بادشاہوں کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں۔ سن 527ء کے بعد سے اُن دونوں بادشاہتوں میں پورے سو برس تک لگاتار جنگ ہوئی رہی جن میں کبھی ایرانی وچھڑا پوری مہادیپ کے اندر تک اپنی سلطنت بڑھا لے جاتے تھے اور کبھی اسی سینا فرائٹ کے کنارے تک پہنچتی تھی۔ سرحد کے اُن پر دیہیوں کی قسمت بار بار بدلتی رہتی تھی۔ ٹوٹک اُس سے پورا شام اور عراق کا اُن پیچھے بھاگ روم کے ماتحت تھا اور باقی عراق ایران کے آدھوں۔ جب کہ دکن کے ریاستانی عرب قبیلوں نے محمد صاحب ہی کے وقت میں اپنا نانا مدینہ کی نئی قومی سرکار کے ساتھ جوڑ لیا تھا شام اور عراق کا زرخیز عرب علاقہ ویشیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں کی عرب پر جا غلامی کے دن کاٹ رہی تھی۔

یہی سیاسی کیفیت میں عرب کی نئی قومی سرکار کے لوگوں کی ویشیوں کی غلامی میں آہیں بھرتے ہوئے اُس عرب علاقہ کو غلامی سے چھڑا کر مدینہ کے ساتھ ملنے کی خواہش ایک قدرتی اور جائز خواہش تھی۔ لیکن اُس سے بھی زیادہ گہرے سبب تھے جنہوں نے ابوبکر اور اس کے سلاہکاروں کا عراق اور شام کی راجنوتی میں دخل دینے اور ایران اور شام کی زبردست اور تارکات پر بادشاہوں سے لوہا لینے پر مجبور کر دیا۔

[ باکی اگلے نمبروں میں ]

عرب کی تاریخ اور اسلام  
(Garden of the world) کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخی لکھنے والے سر ویلیام میور کے مکتوبات :-

"میسوپوٹامیا کا یہ کُل دو آدابِ سدا سے عرب بادشاہوں سے ہی آباو رہا ہے اور کالڈیا اور دیکشنی شام پر اسلئے عرب کے ہی حصے ہیں۔ اس پر دیہی میں رہنے والے قبیلے جن میں اُس سے پرانے مورتی پوجک تھے اور ان کے کم سے کم کلمے کے لئے عیسائی تھے عرب جاتی کے مضبوطی سے جڑے ہوئے آنگ تھے اور اس حدیث سے نئے عرب دھرم یعنی اسلام کے دائرے میں شامل تھے۔"

عرب کے یہ دونوں پرائٹ شام اور عراقی مدینوں سے پیچھے کی رومی حکومت اور پورب کی ایرانی شہنشاہیت کے ماتحت چلے آئے تھے۔ اسی پر دیہی میں اُن دونوں وصال بادشاہوں کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں۔ سن 527ء کے بعد سے اُن دونوں بادشاہتوں میں پورے سو برس تک لگاتار جنگ ہوئی رہی جن میں کبھی ایرانی وچھڑا پوری مہادیپ کے اندر تک اپنی سلطنت بڑھا لے جاتے تھے اور کبھی اسی سینا فرائٹ کے کنارے تک پہنچتی تھی۔ سرحد کے اُن پر دیہیوں کی قسمت بار بار بدلتی رہتی تھی۔ ٹوٹک اُس سے پورا شام اور عراق کا اُن پیچھے بھاگ روم کے ماتحت تھا اور باقی عراق ایران کے آدھوں۔ جب کہ دکن کے ریاستانی عرب قبیلوں نے محمد صاحب ہی کے وقت میں اپنا نانا مدینہ کی نئی قومی سرکار کے ساتھ جوڑ لیا تھا شام اور عراق کا زرخیز عرب علاقہ ویشیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں کی عرب پر جا غلامی کے دن کاٹ رہی تھی۔

یہی سیاسی کیفیت میں عرب کی نئی قومی سرکار کے لوگوں کی ویشیوں کی غلامی میں آہیں بھرتے ہوئے اُس عرب علاقہ کو غلامی سے چھڑا کر مدینہ کے ساتھ ملنے کی خواہش ایک قدرتی اور جائز خواہش تھی۔ لیکن اُس سے بھی زیادہ گہرے سبب تھے جنہوں نے ابوبکر اور اس کے سلاہکاروں کا عراق اور شام کی راجنوتی میں دخل دینے اور ایران اور شام کی زبردست اور تارکات پر بادشاہوں سے لوہا لینے پر مجبور کر دیا۔

[ باقی اگلے نمبروں میں ]

فیر سے موراخان کاایم کیا۔ پھر یہ کہ بارہ مہینے کے اندر راج ہر کے اندر راج ہر میں سے شانتی، امن اور دھوکا قائم ہو گئی۔ جن بلخین نے خود ادھینتا سوکار کو لی اہوہر لے آن کو معاف کر دیا۔

[ 6 ]

اب ہم عرب کے یوگول (جزائریہ) کی اور ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اگر عرب میں وہ سب علاقہ شامل کیا جاوے جو یوگولک لحاظ سے صاف صاف عرب کے جزیرے میں شامل ہے، جس میں عرب جاتی کے لوگ بستے ہیں اور جہاں عربی بھاشا بولی جاتی ہے، تو ابھی تک عرب کا ایک بہت بڑا اور زرخیز علاقہ مدینہ کی قریبی سرکار سے باہر اور ویشیوں کے قبضے میں تھا۔ اگر ہم عرب کی یوگولک سرحدیں مقرر کرنا چاہیں تو ایران کی کھازی سے لے کر ہند مہاساگر، لال سمندر، سوہر لہر تک قبیلوں اور کا سمندر سے اُس کے بعد اتر میں لہان پرورت سے ملا ہوا روم ساگر کا کنارہ اور اوپر چاکر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا وہ سلسلہ جو ایشیا کوچک سے شام کو الگ کرتا ہے اور دجلہ اور فرات نام کی بڑی ندیاں جو ان پرورتوں سے نکل کر ایک دوسرے کے برابر برابر بہتی ہوئی، گنگا اور جمنائی طرح ایک دوسرے میں مل کر ایران کی کھازی میں جا گرتی ہیں، یا دجلہ سے پررب کی وہ پہاڑیاں جو آجکل اترقی عربی کو اترقی عظمیٰ سے الگ کرتی ہیں، عرب کی قدرتی یوگولک سرحدیں ہیں۔ اِس کے سوائے عرب کی کوئی دوسری سرحدیں مقرر کی ہی نہیں جا سکتیں۔ ایران کی کھازی کے پچھم کے پردیش بصرہ کو بصرہ کے مہدان سے الگ کرنا جب کہ دونوں کے بیچ کوئی یوگولک رکنا نہیں ہے اور دونوں میں صدیوں سے ایک ہی قبیلوں کے لوگ آباد چلے آئے ہیں، یا شام کے ریگستان کو نزد کے ریگستان سے الگ سمجھنا قدرتی حد بندی کے اصولوں کے خلاف ایک پرائیوی ہو گی۔

دجلہ اور فرات کا دوآب 'میسوپوٹامیا' یا 'عراق' کے نام سے مشہور پرانے انہاس میں اُسی علاقے کو سرسبز یا بیابانہ (بابل) کہا گیا ہے۔ اُس کا ادھک دکنی بھاگ 'کالیڈیا' یا 'خلد' کہلاتا ہے۔ کالیڈیا کے اُتر میں بابل اور اسوریا کے بہت پرانے دیہے ہیں۔ دجلہ اور فرات کی نہروں کا ہزاروں برس پرانا سلسلہ اُس سے تک کھول اپنے اوشیشوں دوارا سلسار کے نرمیوں کا شمار دوں کوچکت کرتا رہا ہے۔ اتر میں شام (سوریا) سلسار کی سمیت کا لگ بھگ اندامی پرلچین اور اتنا ہی مشہور کھلدورہ چکا ہے۔ کالیڈیا کا پردیہ اپنے دائرے کو لہانے والے نظاروں اور سرسبزوں کے

دجلہ اور فرات کا دوآب، 'میسوپوٹامیا' یا 'عراق' کے نام سے مشہور پرانے انہاس میں اُسی علاقے کو سرسبز یا بیابانہ (بابل) کہا گیا ہے۔ اُس کا ادھک دکنی بھاگ 'کالیڈیا' یا 'خلد' کہلاتا ہے۔ کالیڈیا کے اُتر میں بابل اور اسوریا کے بہت پرانے دیہے ہیں۔ دجلہ اور فرات کی نہروں کا ہزاروں برس پرانا سلسلہ اُس سے تک کھول اپنے اوشیشوں دوارا سلسار کے نرمیوں کا شمار دوں کوچکت کرتا رہا ہے۔ اتر میں شام (سوریا) سلسار کی سمیت کا لگ بھگ اندامی پرلچین اور اتنا ہی مشہور کھلدورہ چکا ہے۔ کالیڈیا کا پردیہ اپنے دائرے کو لہانے والے نظاروں اور سرسبزوں کے

अरब ख़लीफ़ा की ओर मारे गए, बनी हनीफ़ा के जिन लोगों ने बराकत में हिस्सा न लिया था उनका एक प्रतिनिधि मण्डल अबुबक्र से मिलने मदीने गया। अबुबक्र ने उनके साथ प्रेम और इज्जत का बर्ताव किया। इन अरबों ने भी अब अरब ख़लीफ़ा की मातहत और इसलाम दोनों को क़बूल कर लिया। जिस तरह ख़ालिद ने उत्तर और मध्य अरब की बराकतों को शान्त किया उसी तरह दूसरी टोलियों ने दूसरे सेनापतियों के अधीन पूरब और दक्खिन के प्रान्तों में फिर से सुशासन कायम किया।

बहरैन प्रान्त के ईसाई सरदार मोञ्जेर ने मोहम्मद साहब के समय में इसलाम कबुल कर लिया था, मोञ्जेर के उत्तराधिकारी ने अबुबक के खिलाफ बगावत खड़ी कर दी और अपने को फिर से ईसाई जाहिर किया, बहरैन के मुसलमान रैजिमेण्ट अला ने उसे एक दिन शराब के नशे में चूर पाकर गिरफ्तार कर लिया और उस प्रान्त का अपने क़ाबू में कर लिया, होज़ैफ़ के मातहत एक सैन्यदल ने उमान प्रान्त में फिर से मुशासन कायम किया.

तिहामा में कुछ बड़े डाकुओं ने मौका पाकर अपनी पुरानी आदत के मुताबिक क्राफिलों को लूटना शुरू कर दिया और थोड़े दिनों के लिये उस इलाके में राह चलना नामुमकिन कर दिया. इनके एक सरदार कुजाब ने खलीफा के पास आकर यह कहकर कि मैं आस पास के बाणियों को शान्त करना चाहता हूँ, कुछ अस्त्र-शस्त्र हासिल कर लिये और फिर इन्हीं हथियारों की मदद से उस संकट के समय में तिजारती तथा दूसरे क्राफिलों की लूट मार जारी कर दी. अबुबक ने कुजाब को पकड़वा मंगाया और इस दगाबाजी की सजा में मदीने के क़बरिस्तान के पास ज़िन्दा जलवा दिया.

आम तौर पर अबुबक्र अपने फ़ैसलों में नरम दिल था और शरण में आये शत्रु के साथ उदारता का बर्ताव करता था। फ़ुजाअ की सज़ा की आर इशारा करते हुये अबुबक्र अपने अन्त के दिनों में अक़सर कहा करता था—“यह काम मेरी ज़िन्दगी के उन तीन कामों में से है जिनकी बाबत मैं सोचा करता हूँ कि अगर मैंने ये न किये होते तो अच्छा था。” लेकिन फ़ुजाअ की यह सज़ा दूसरों के लिये एक नसीहत हो गई। अरब की उस समय की हालत पर इसका डरावना असर पड़ा।

यमन में अबुबक्र ने एक ईरानी सरदार फीरोज को हाकिम मुकर्रर करके भेजा, वहाँ के कुछ अरबों ने फीरोज के खिलाफ बग़ावत की लेकिन बग़ावत शान्त कर दी गई। इसी प्रकार मुहाजिर और अकरमा ने हज़मौत के सूबे में

† Sir William Muir.

عرب خالد کی اور مارے گئے۔ مئی ۱۹۱۷ء کے جن لوگوں نے بغاوت میں حصہ لے لیا تھا اُن کا ایک پرتشدد مقتل ہو کر سے ملے مدینہ گیا۔ ابوہریرہ نے اُن کے ساتھ پیغمبرؐ اور عزت کا برتاؤ کیا۔ اُن عربوں نے بھی اب عرب خلیفہ کی ماتحتی اور اسلام دونوں کو قبول کر لیا۔ جس طرح خالد نے اتر اور مدینہ عرب کی بغاوتوں کو شانت کیا اُسی طرح دوسری ٹولہوں نے دوسرے سہلا پتھروں کے اُدھیں دور اور دہن کے پرائقوں میں پھر سے سرکامی قائم کیا۔

بھڑپن پرانت کے عیسائی سردار موزیر نے محمد صاحب کے سہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ موزیر کے اترادھیگاری نے ابوبکر کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی اور اپنے کو پھر سے عیسائی ظاہر کیا۔ بھڑپن کے مسلمان ریڈیٹنیت اللہ نے اُسے ایک دن شواب کے نشہ میں چور پا کر گرفتار کر لیا اور اُس پرانت کو اپنے قابو میں کر لیا۔ ہرزیف کے ماتحت ایک سینہء دل نے عومان پرانت میں پھر سے سر شاسن قائم کیا۔

تخصاً میں کچھ بدو قاذروں نے موقع پا کر اپنی پرانی عادت کے مطابق قافلوں کو لٹا شروع کر دیا اور تھوڑے دنوں کے لئے اُس پرانت میں راہ چلنا ناممکن کر دیا۔ اُن کے ایک سردار فوجاء نے خلیفہ کے پاس آ کر یہ کہہ کر کہ میں اُس پاس کے باغوں کو شانت کرنا چاہتا ہوں اچھے اسٹر شستر حاصل کر لئے اور یہ انہوں ہتھیاروں کی مدد سے اُس سنگت کے سمے میں تجارتی تھا دروسہ اُنہ قافلوں کی لوٹ مار جاری کر دی۔ ابوبکر نے فوجاء کو پکڑوا منگایا اور اِس دغا بازی کی سزا میں مدینہ کے قبرستان کے پاس زندہ جلوا دیا۔

عام طور پر ابو بکر اپنے فیصلوں میں نرم دل تھا اور شرم میں اٹھ شرم کے ساتھ اُدارنا کا ہوتا کر دیا تھا۔ فوج کے سزا کی اور اشارہ کرتے ہوئے ابو بکر اپنے انت کے دنوں میں اکثر کہا کرتا تھا۔ ”یہ کام میری زندگی کے اُن دن کاموں میں سے ہے جن کی بابت میں سوچتا ہوں کہ اگر میں نے یہ نہ کیے ہوتے تو اچھا تھا۔“ لیکن فوج کی یہ سزا دوسروں کے لئے ایک نصیحت ہو گئی۔ عرب کی اُس رسم کی حالت پر اِس کا اُدارنا اثر پڑا۔

یعن میں اوربکر نے ایک ایرانی سردار فہروز کو  
 ہاسک مقرر کر کے بھیجا۔ وہاں کے کچھ عربوں نے  
 فہروز کے خلاف بغاوت کی لیکن بغاوت شامت کر دی  
 گئی۔ اس پرکار متعجب اور اکرام نے حضرموت کے صوبہ میں

دنکار کر دیا۔ سزاہد اپنی سنا سہیت یاماما سبے کی آہر ہدی۔

یاماما کا سوا اررب کے ٹوک ہبب میں یوڈا سا پورب کی آہر ہدی۔ یہاں پر ہئی ہئی کا نام کا اک ہڈا ہساہ کھیلا آباہد تا۔ ہن لوگوں نے موہمد ساہب کے سہب میں ہدیہ کی سرکار کو اپنی سرکار مان لیا تا۔ لکین اب بے چالیس ہزار کی تاداد میں اپنے اک سرکار موسلما کے آہیہ ہراہت پر آماہا بے۔ موسلما کھل پہلے سے پیمانہ کی داوا کر رہا تا آہر ہئی ہئی کا آہیہ ہراہت لوگ اسے اپنا شاک مانے تے۔ موسلما ہئی ہئی کا آہیہ ہراہت لوگ اسے اپنا شاک مانے تے۔ موسلما ہئی ہئی کا آہیہ ہراہت لوگ اسے اپنا شاک مانے تے۔ موسلما ہئی ہئی کا آہیہ ہراہت لوگ اسے اپنا شاک مانے تے۔

سزاہد اپنی سنا کے ساہ موسلما سے آاکر مل گئی۔ ہاں میں باہ آہت ہئی آہر ان کے دل اس قدر مل گئے کہ یاماما کے پیمانہ نے ہراہت کی پیمانہ کے ساہ شادی کی۔ یاماما سبے کی آہیہ مالگجاری سزاہد کا سدا کے لیے دہی (مہر) میں دے دی گئی۔ چل روز کے ہدی اپنی زیادہ تر فوج موسلما کے سپرد کر کے سجاہ آہر ہی اور عرب کی سرحد کو ہر سے ہار کر آہرائی لوٹ گئی۔ اس کے ہدی اس کی کوئی خبر نہی ملی۔ البتہ بے اندیشی کے وقت میں کچھ دنوں تک ہر سے آہرائی گھر سوار اس کے نام پر یاماما اور اس کے اس پاس ہر سے بہت مال گداری وھول کرتے رہے۔

ابوبکر نے آہیہ اور شورہ ہل کے ماتحت ایک فوجی گہری موسلما و پراہت کرنے کے لیے ہر سے ہدی دی تھی۔ اس فوج نے موسلما کی وشال سنا سے ہر طرح ہار کھائی۔ رومی سارہوں کا سب سے زیادہ اثر یسی سنا پر تھا۔ یسی پر انہوں نے سب سے زیادہ دھن حربہ ہتیا اور اپنی فہمیت صرف کی تھی۔ خالد اب یاماما ہی اور ہوتا۔ آہر ہا۔ ایک مقام پر دونوں آہر ہی سناؤں میں بڑی گھمسان لڑائی ہئی۔ دونوں اور کے سناؤں نے خوب ویرنا کے جوہر دکھائے۔ آہر میں باہوں کو ہدیہ ہتیا ہوا۔ موسلما اپنے ہچے ہوئے آدمیوں ساہ ہدیہ ہت کر ایک باغ میں داخل ہوا اور اس کا دروازہ ہیت سے بند کر لیا۔ باغ کے باہر ایک آہنجی چہار دیواری تھی۔ خالد کی عرب سنا نے باغ کو گھر لیا۔ دروازہ کھل موسلما اور اس کے سب ساتھی مہدان میں کام آئے۔ یہ باغ مسلم آہاس میں "موت کے باغ" کے نام سے مشہور ہے۔ ہچے خالد کی اور دھی، لیکن ایک زخمیوں کے طور 360 ہچاجر، قریب 300 انصار اور قریب 500 دوسرے

انکار کر دیا۔ سجاہد اپنی سنا سہیت یاماما سبے کی آہر ہدی۔

یاماما صوبہ عرب کے ٹھیک بیچ میں ہوا سا پورب کی آہر ہے۔ یہاں پر ہئی ہئی کا نام کا ایک بڑا عیسائی قبیلہ آباد تھا۔ ان لوگوں نے محمد صاحب کے سے میں مدینہ کی سرکار کو اپنی سرکار مان لیا تھا۔ لیکن اب وہ چالیس ہزار کی تعداد میں اپنے ایک سرکار موسلما کے آہیہ ہراہت پر آمادہ تے۔ موسلما کچھ پہلے سے ہدیہ کی داوا کر رہا تھا اور ہئی ہئی کا آہیہ ہراہت لوگ اسے اپنا شاک مانے تے۔ ممکن ہے ایک وشواسی عیسائیوں کے دلوں میں اس سے یہ خیال پودا ہو رہا ہو کہ اگر عرب کے قدیم پت پرستوں میں ایک مہان پیمانہ پودا ہو سکتا ہے تو عیسائیوں میں کھوں نہوں ؟

سجاہد اپنی سنا کے ساہ موسلما سے آاکر مل گئی۔ ہاں میں باہ آہت ہئی آہر ان کے دل اس قدر مل گئے کہ یاماما کے پیمانہ نے ہراہت کی پیمانہ کے ساہ شادی کی۔ یاماما سبے کی آہیہ مالگجاری سزاہد کا سدا کے لیے دہی (مہر) میں دے دی گئی۔ چل روز کے ہدی اپنی زیادہ تر فوج موسلما کے سپرد کر کے سجاہ آہر ہی اور عرب کی سرحد کو ہر سے ہار کر آہرائی لوٹ گئی۔ اس کے ہدی اس کی کوئی خبر نہی ملی۔ البتہ بے اندیشی کے وقت میں کچھ دنوں تک ہر سے آہرائی گھر سوار اس کے نام پر یاماما اور اس کے اس پاس ہر سے بہت مال گداری وھول کرتے رہے۔

ابوبکر نے آہیہ اور شورہ ہل کے ماتحت ایک فوجی گہری موسلما و پراہت کرنے کے لیے ہر سے ہدی دی تھی۔ اس فوج نے موسلما کی وشال سنا سے ہر طرح ہار کھائی۔ رومی سارہوں کا سب سے زیادہ اثر یسی سنا پر تھا۔ یسی پر انہوں نے سب سے زیادہ دھن حربہ ہتیا اور اپنی فہمیت صرف کی تھی۔ خالد اب یاماما ہی اور ہوتا۔ آہر ہا۔ ایک مقام پر دونوں آہر ہی سناؤں میں بڑی گھمسان لڑائی ہئی۔ دونوں اور کے سناؤں نے خوب ویرنا کے جوہر دکھائے۔ آہر میں باہوں کو ہدیہ ہتیا ہوا۔ موسلما اپنے ہچے ہوئے آدمیوں ساہ ہدیہ ہت کر ایک باغ میں داخل ہوا اور اس کا دروازہ ہیت سے بند کر لیا۔ باغ کے باہر ایک آہنجی چہار دیواری تھی۔ خالد کی عرب سنا نے باغ کو گھر لیا۔ دروازہ کھل موسلما اور اس کے سب ساتھی مہدان میں کام آئے۔ یہ باغ مسلم آہاس میں "موت کے باغ" کے نام سے مشہور ہے۔ ہچے خالد کی اور دھی، لیکن ایک زخمیوں کے طور 360 ہچاجر، قریب 300 انصار اور قریب 500 دوسرے



## عرب کی کشتی، سبوتا اور اسلام

لکھاؤں میں کریش کی طرف سے لڑکر ایک بار موہممد ساہب کو پراسٹ کیا تھا اور جس نے موہممد ساہب کی موت سے بڑے ہی دنوں پہلے موت کی طرف سے تھوڑے ہی دنوں پہلے متعلق کی لڑائی میں رومن سپاہیوں کے ہاتھوں سے کوئی ہونے چاہتی تھی۔ خالد کو اس سے سب سے پہلے مدینہ سے اتر کر اور پھر مدینہ کے ایک نئے دعویدار طویلہ کو زہر کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

طویلہ بنی اسد نام کے باقی قبیلے کا سردار تھا۔ شام کی سرحد پر بنی راتفان نام کا ایک دوسرا پورا عیسائی قبیلہ تھا۔ بنی گطفان کا ایک سردار اٹینہ سات سو سپاہیوں کے ساتھ طویلہ سے جا ملا۔ ہواخان کی لڑائی میں خالد نے دونوں ہی قبیلوں کی مشترکہ فوج کو شکست دی۔ طویلہ نے اپنی بیوی سمیت ہواخان کے شام میں رومی حکومت کی سرحد کے لئے پناہ لی۔ اٹینہ نے دوسرے قبیلوں کے ساتھ خلیفہ کے پاس مدینہ بھیج دیا گیا۔ خلیفہ نے اٹینہ اور اس کے سب ساتھیوں کو معاف کر دیا اور انہیں آزاد کر دیا۔ طویلہ کو بھی معاف کر دیا گیا۔ اسے اطلاع بھیج دی گئی۔ اس کے دل پر اس کا اثر ہوا۔ اس نے فوراً شام سے عرب کو اسلام سوکار کر لیا اور اس کے بعد اہل عرب کے ساتھ عربوں کی لڑائیوں میں اس نے خوب دھڑلے کے ساتھ دھڑلے۔ بنی اسد اور بنی گطفان دونوں قبیلوں کے لوگوں نے ابوبکر کو محمد صاحب کا وارث اور اپنا حاکم مان لیا۔ خالد نے اس کے بعد ایک مہینہ ہواخان میں رہ کر اس پاس کے صوبوں میں پھر سے امن اور آسان بنایا۔ خالد نے اپنی جلدی فتح حاصل کرنے کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ جب کہ طویلہ، اٹینہ اور ان کے تھوڑے سے ساتھی رومی شام کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے، زیادہ تر عرب مدینہ کی نئی قومی سرکار کو اپنی سرکار سمجھتے تھے۔ ہاتھوں کی اور ابوبکر کی مہربانی نے ہی اس سے بہت بڑا کام دیا۔

خالد اب یزید کی اور مزا۔ اسی اور ایران کی کھڑی کے پاس بنی تميم نام کا ایک بہت بڑا عیسائی قبیلہ تھا جسکی ایک شاخیں اتر میں عراق کے اندر فرات ندی تک پہنچی ہوئی تھیں۔ اس قبیلے کی ایک شاخ کا نام بنی یزید تھا۔ بنی یزید کی ایک عیسائی بیوی سجادہ نے جو بہت دنوں سے اہل عرب میں رہتی تھی اس سے خود پیمبری کا دعوہ کیا اور کئی عیسائی قبیلوں سے ایک بہت بڑی سبھا لے کر مدینہ کو زہر کرنے کے لئے عرب کی سرحد میں داخل ہوئی۔ سرحد کے اس پار بنی یزید کے لوگوں نے سجادہ کا ساتھ دیا۔ لیکن بنی تميم کے زیادہ تر لوگوں نے سجادہ کا ساتھ دینے سے

خالد اب یزید کی اور مزا۔ اسی اور ایران کی کھڑی کے پاس بنی تميم نام کا ایک بہت بڑا عیسائی قبیلہ تھا جسکی ایک شاخیں اتر میں عراق کے اندر فرات ندی تک پہنچی ہوئی تھیں۔ اس قبیلے کی ایک شاخ کا نام بنی یزید تھا۔ بنی یزید کی ایک عیسائی بیوی سجادہ نے جو بہت دنوں سے اہل عرب میں رہتی تھی اس سے خود پیمبری کا دعوہ کیا اور کئی عیسائی قبیلوں سے ایک بہت بڑی سبھا لے کر مدینہ کو زہر کرنے کے لئے عرب کی سرحد میں داخل ہوئی۔ سرحد کے اس پار بنی یزید کے لوگوں نے سجادہ کا ساتھ دیا۔ لیکن بنی تميم کے زیادہ تر لوگوں نے سجادہ کا ساتھ دینے سے

خالد اب یزید کی اور مزا۔ اسی اور ایران کی کھڑی کے پاس بنی تميم نام کا ایک بہت بڑا عیسائی قبیلہ تھا جسکی ایک شاخیں اتر میں عراق کے اندر فرات ندی تک پہنچی ہوئی تھیں۔ اس قبیلے کی ایک شاخ کا نام بنی یزید تھا۔ بنی یزید کی ایک عیسائی بیوی سجادہ نے جو بہت دنوں سے اہل عرب میں رہتی تھی اس سے خود پیمبری کا دعوہ کیا اور کئی عیسائی قبیلوں سے ایک بہت بڑی سبھا لے کر مدینہ کو زہر کرنے کے لئے عرب کی سرحد میں داخل ہوئی۔ سرحد کے اس پار بنی یزید کے لوگوں نے سجادہ کا ساتھ دیا۔ لیکن بنی تميم کے زیادہ تر لوگوں نے سجادہ کا ساتھ دینے سے

خالد اب یزید کی اور مزا۔ اسی اور ایران کی کھڑی کے پاس بنی تميم نام کا ایک بہت بڑا عیسائی قبیلہ تھا جسکی ایک شاخیں اتر میں عراق کے اندر فرات ندی تک پہنچی ہوئی تھیں۔ اس قبیلے کی ایک شاخ کا نام بنی یزید تھا۔ بنی یزید کی ایک عیسائی بیوی سجادہ نے جو بہت دنوں سے اہل عرب میں رہتی تھی اس سے خود پیمبری کا دعوہ کیا اور کئی عیسائی قبیلوں سے ایک بہت بڑی سبھا لے کر مدینہ کو زہر کرنے کے لئے عرب کی سرحد میں داخل ہوئی۔ سرحد کے اس پار بنی یزید کے لوگوں نے سجادہ کا ساتھ دیا۔ لیکن بنی تميم کے زیادہ تر لوگوں نے سجادہ کا ساتھ دینے سے



آوساما کی فوج شام تک بڑی چلی گئی۔ رومی سنا  
پیچھے ہٹ چکی تھی۔ آوساما شام کی سرحد پر کے کچھ  
سرکھی عیسائی قبیلوں کو سزائیں دے کر جرمانے کے دہن  
اور بلخوں کے ضبط شدہ مال کے ساتھ دوسرے کے بعد مدینہ  
لوٹ آیا۔ شہر کی حفاظت کی فکر اب جانی رہی۔ ابوبکر نے  
پھر تھوڑی سی سیلا لے کر مدینہ پر حملہ کرنے والے باغیوں  
کو، جو خود کے میدان میں، پھر سے اٹھا ہوئے تھے، آخری  
شکست دی۔ اس کے بعد ابوبکر پھر کبھی مدینہ سے باہر  
جنگ کے لئے نہیں نکلا۔

اب سیکر مدینہ سے باہر کی بربادوں کو ختم کرنے  
کا مساعیہ باکی تھا۔ ابوبکر نے کول بکاوار عرب سرحدوں  
کو جما کیا اور جیتنی فوج جما کی جا سکی اسکی  
اچلگ اچلگ ٹوکڑیاں بناکر انھیں اچلگ اچلگ دیراؤں  
میں رونا کر دیا۔ ان سب بربادوں کو شانت کرکے  
عرب کو فیر سے اک راءری شاسن کے اذین لانے میں  
ابوبکر کو پرا اک سال لگ گیا۔ ان فوجیوں میں  
خالد بن ولید کے ماتحت بجا گیا۔ ان فوجیوں میں  
جو خالد ابن ولید کے ماتحت بھجوا گیا اس  
نے بغاوت کو دبا لے میں بہت تعریف کے قابل کام کیا۔ خالد کے  
چتر کو بیان کرتے ہوئے انہیں اسلحہ سرولہم مہور لکھا ہے۔

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے شروع کے دنوں  
میں ابوبکر اور عمر کے بعد سب سے اچھک مہان دینکی ولید  
کا بیٹا خالد تھا۔ اس بات کا سہرا سب سے اچھک اسی کے  
سر بالمدنا چاہئے کہ اسلام نے انکی جلدی اپنی حالت کو  
پھر سے مضبوط کر لیا اور اس کے بعد وہ انکی اچھک تیزی کے  
ساتھ پھلنا چلا گیا۔ خالد ایک جانباز سپاہی تھا۔ اس  
کی بہادری جانبازی کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن  
بہادری کے ساتھ ساتھ اس میں تھنڈے دل سے اور تونٹ  
نولے تک پہنچنے کی بھی قابلیت تھی۔

”جن جنگ کے میدانوں میں ایران کی بادشاہت اور  
شام کی رومی شہنشاہیت دونوں کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا  
انہیں خالد نے جو عملی ہوشیاری دکھائی، اس کے سبب اسے  
دنیا کے بڑے سے بڑے سپہ سالاروں میں گنا جاتا ہے۔  
بار بار لیکن ہمیشہ عجیب و غریب ہوشیاری اور جانبازی کے  
ساتھ اس نے ایسی مصیبتوں کے وقت پانسے پھینک دیا جن  
میں اگر وہ ہار جاتا تو اس کی ہار کا مطلب اسلام کا خاتمہ  
ہوتا۔“

خالد کی غیر معمولی بہادری کے سبب اسلام کے  
انہیں میں اسے، ”سيف الله“ یعنی ”اللہ کی تلوار“ کے نام سے  
پکارا جاتا ہے۔ یہ وہی خالد تھا جس نے اُحد کی

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے شروع کے دنوں  
میں ابوبکر اور عمر کے بعد سب سے اچھک مہان دینکی ولید  
کا بیٹا خالد تھا۔ اس بات کا سہرا سب سے اچھک اسی کے  
سر بالمدنا چاہئے کہ اسلام نے انکی جلدی اپنی حالت کو  
پھر سے مضبوط کر لیا اور اس کے بعد وہ انکی اچھک تیزی کے  
ساتھ پھلنا چلا گیا۔ خالد ایک جانباز سپاہی تھا۔ اس  
کی بہادری جانبازی کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن  
بہادری کے ساتھ ساتھ اس میں تھنڈے دل سے اور تونٹ  
نولے تک پہنچنے کی بھی قابلیت تھی۔

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے شروع کے دنوں  
میں ابوبکر اور عمر کے بعد سب سے اچھک مہان دینکی ولید  
کا بیٹا خالد تھا۔ اس بات کا سہرا سب سے اچھک اسی کے  
سر بالمدنا چاہئے کہ اسلام نے انکی جلدی اپنی حالت کو  
پھر سے مضبوط کر لیا اور اس کے بعد وہ انکی اچھک تیزی کے  
ساتھ پھلنا چلا گیا۔ خالد ایک جانباز سپاہی تھا۔ اس  
کی بہادری جانبازی کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن  
بہادری کے ساتھ ساتھ اس میں تھنڈے دل سے اور تونٹ  
نولے تک پہنچنے کی بھی قابلیت تھی۔

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے شروع کے دنوں  
میں ابوبکر اور عمر کے بعد سب سے اچھک مہان دینکی ولید  
کا بیٹا خالد تھا۔ اس بات کا سہرا سب سے اچھک اسی کے  
سر بالمدنا چاہئے کہ اسلام نے انکی جلدی اپنی حالت کو  
پھر سے مضبوط کر لیا اور اس کے بعد وہ انکی اچھک تیزی کے  
ساتھ پھلنا چلا گیا۔ خالد ایک جانباز سپاہی تھا۔ اس  
کی بہادری جانبازی کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن  
بہادری کے ساتھ ساتھ اس میں تھنڈے دل سے اور تونٹ  
نولے تک پہنچنے کی بھی قابلیت تھی۔

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے شروع کے دنوں  
میں ابوبکر اور عمر کے بعد سب سے اچھک مہان دینکی ولید  
کا بیٹا خالد تھا۔ اس بات کا سہرا سب سے اچھک اسی کے  
سر بالمدنا چاہئے کہ اسلام نے انکی جلدی اپنی حالت کو  
پھر سے مضبوط کر لیا اور اس کے بعد وہ انکی اچھک تیزی کے  
ساتھ پھلنا چلا گیا۔ خالد ایک جانباز سپاہی تھا۔ اس  
کی بہادری جانبازی کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن  
بہادری کے ساتھ ساتھ اس میں تھنڈے دل سے اور تونٹ  
نولے تک پہنچنے کی بھی قابلیت تھی۔

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے شروع کے دنوں  
میں ابوبکر اور عمر کے بعد سب سے اچھک مہان دینکی ولید  
کا بیٹا خالد تھا۔ اس بات کا سہرا سب سے اچھک اسی کے  
سر بالمدنا چاہئے کہ اسلام نے انکی جلدی اپنی حالت کو  
پھر سے مضبوط کر لیا اور اس کے بعد وہ انکی اچھک تیزی کے  
ساتھ پھلنا چلا گیا۔ خالد ایک جانباز سپاہی تھا۔ اس  
کی بہادری جانبازی کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن  
بہادری کے ساتھ ساتھ اس میں تھنڈے دل سے اور تونٹ  
نولے تک پہنچنے کی بھی قابلیت تھی۔

عربوں نے دھیرج کے ساتھ عمر کو جواب دیا۔

”یہی شہر کے چاروں طرف خونخوار بیڑیوں کے جھلنے کے جھلنے ہو رہے ہیں اور میں شہر کے اندر آگیا وہ کیا ہوں تب ہی سہلا جائیگی۔ میرے مالک (مصدق صاحب) کے ساتھ سے لے کر ہوا ایک اظہار بھی خالی نہیں جاسکتا۔“

مومنین نے دور اندیشی ابوبکر کی نگاہیں اس سلسلے اس بات کی آواز ہو رہی ہیں کہ ان تمام بگڑاوتوں کا اصل سبب سرکار کا کھانا ہے۔ سہلا گئی۔ ابوبکر کچھ دور تک پیدل آسما کے ساتھ ساتھ گیا۔ بدائی کے وقت ابوبکر نے آسما کو ان اظہار میں آدھ دیا۔

”دیکھنا بے وفائی سے خبردار رہنا، عدل اور انصاف (نمائندہ) کے راستے سے جہاں بھی جہاں نہ ہونا۔ کسی کو انگ بھگ کی سزا نہ دینا۔ نہ کسی ہاک، یا پورے یا عورت کو قتل کرنا۔ کھجور کے درختوں کو آگ نہ لگانا نہ انہوں کسی طرح کا نقصان پہنچانا، نہ کسی بے درخت کو کاٹنا جس سے آدمیوں یا جانوروں کو کھانا ملتا ہو۔ سوائے جہاں نروا کی ضرورت کہ کسی بھو پکشی یا اونٹ کو نہ مارنا۔ اس ملک کے لوگ جو کھانا تمہارے کھانے کے لئے اپنے ہونٹوں میں لائیں اے اللہ کا نام اے کو کھانا۔ سر سادہ اگر تمہاری مخالفت نہ کریں تو انہیں کسی طرح کی تکالیف نہ پہنچانا۔ اب اے کے نام پر آگے بڑھو۔ اے نیکو لوگوں اور وہاں سے تمہاری حفاظت کرے!“

آسما کے جانے کے بعد عرب کی جو حالت ہوئی اسے ایک اظہار کے لئے ان اظہار میں بیان کیا ہے۔

”عرب میں چاروں اور بگڑاوت ہونے لگی۔ لوگ اسلحہ جھونکے لگے۔ نہ کسی سرکار کے خلیفہ کے لئے اور نہ کسی سرکار کے لئے۔ نہ کسی سرکار کے خلاف عسائی اور یہودی گردن اٹھانے لگے۔ یہودی مسلمانوں کی حالت ایسی ہو گئی جیسے ہلا گئے۔ ان کی تعداد گھٹ رہی تھی اور ان کے دشمن بڑھ رہے تھے۔“

موقع پاکر کچھ ہفتوں نے نورا مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ سہلا آسما کے ساتھ روانہ ہو چکی تھی۔ ابوبکر نے ہر بالغ آدمی کو ہتھیار بلند کرنے کی حفاظت کے لئے سب کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ خود فوج کی کمانداری کی۔ لڑائی ہوئی۔ ہائی پراسٹ ہو کر تتر بتر ہو گئے۔ اس چھوٹی سی جہت کا عام عربوں کے دلوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس پلس کے قبیلوں سے خرچ مدینہ آئے۔

The Caliphate, its Rise, Decline and Fall, by William Muir, pp. 10-11.

## عرب کی کلچر، سبھیتا اور اسلام

میر تقی میر

[ 4 ]

بغداد کی پہلی خبر اتر میں شام کی سرحد پر کے ان صوبوں سے آئی جو محمد صاحب کے اسم میں بھی رومی سازشوں کا مرکز (کیلندر) رہ چکے تھے۔ دوسرے دھیرے دوسرے انہیں صوبوں سے بھی اسی طرح کی خبریں مدینہ پہنچنے لگیں۔ لیکن یہ سب بغاوتیں اتر، پور اور دکن کے صرف اُن پرانتوں میں ہوئیں جو روم یا ایران دونوں میں سے کسی کے ماتحت رہ چکے تھے۔ اُن بغاوتوں میں حصہ لہنے والے صرف یا تو کچھ عیسائی عرب قبیلے تھے یا وہ قبیلے تھے جو حال میں عیسائی سے مسلما ہوئے تھے۔ قدرتی طور پر انہیں میں رومی لوگوں کی سازشیں سب سے زیادہ کامیاب ہوسکتی تھیں۔ روم اور ایران کی سرحد سے ہی یہ سب بغاوتیں شروع ہوئیں۔ اُن بغاوتوں کا سب سے بڑا کھنڈر عرب کی سرحد سے بھی دور عراق کے اتر میں تھا جہاں سے سجاد نام کی ایک عیسائی استری نے نکل کر عرب پر دغاوا کیا اور محمد صاحب کے بعد خود پختہ ہوئے کا دعویٰ کیا۔

ایک بار معلوم ہوتا تھا کہ 23 برس کی ساری کوششیں بے کار گئیں۔

اسلام کے کوچ سے پہلے ہی اُس زمانے کے دوسرے سب سے بڑے عرب فہمکنہ عمر نے اتر ابوبکر کو اُن بغاوتوں کی افواہوں کی خبر دی۔ اُس نے اطلاع دی کہ ثنی اور سے مدینہ پر حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور یہ صلاح دی کہ سہنا کو شام جانے سے روک کر مدینہ کی حفاظت کے لئے رکھا جائے۔

ابوبکر کے نازک اور اُن ابھرتے کلدھوں پر اِس سہ بڑی بھری زبرداری تھی۔ کثول اُس کی سچائی، اُس کے دھڑج، اُس کے سانس، اُس کی دباوہارک بدھی اور اُن سب سے بڑے کر ایک اللہ اور اُس کے رسول محمد پر اُس کی بھری شرمہا نے اِس سنگت کے سچے اُس کا ساتھ دیا۔ اسلام اور ابوبکر نے اِس خاص قسم کی مدینہ، مکہ اور طائف جیسے خاص خاص عرب شہروں اور بیچ کے وہ سب عرب قبیلے جو سیاسی نقطہ نظر سے کبھی دوسروں کے ماتحت نہ ہونے تھے اپنے ایمان پر نئی قومی سرنگر کی اور اپنی وفاداری میں یکہ رہے۔

بغداد کی پہلی خبر اتر میں شام کی سرحد پر کے ان صوبوں سے آئی جو محمد صاحب کے اسم میں بھی رومی سازشوں کا مرکز (کیلندر) رہ چکے تھے۔ دوسرے دھیرے دوسرے انہیں صوبوں سے بھی اسی طرح کی خبریں مدینہ پہنچنے لگیں۔ لیکن یہ سب بغاوتیں اتر، پور اور دکن کے صرف اُن پرانتوں میں ہوئیں جو روم یا ایران دونوں میں سے کسی کے ماتحت رہ چکے تھے۔ اُن بغاوتوں میں حصہ لہنے والے صرف یا تو کچھ عیسائی عرب قبیلے تھے یا وہ قبیلے تھے جو حال میں عیسائی سے مسلما ہوئے تھے۔ قدرتی طور پر انہیں میں رومی لوگوں کی سازشیں سب سے زیادہ کامیاب ہوسکتی تھیں۔ روم اور ایران کی سرحد سے ہی یہ سب بغاوتیں شروع ہوئیں۔ اُن بغاوتوں کا سب سے بڑا کھنڈر عرب کی سرحد سے بھی دور عراق کے اتر میں تھا جہاں سے سجاد نام کی ایک عیسائی استری نے نکل کر عرب پر دغاوا کیا اور محمد صاحب کے بعد خود پختہ ہوئے کا دعویٰ کیا۔

ایک بار معلوم ہوتا تھا کہ 23 برس کی ساری کوششیں بے کار گئیں۔

اسلام کے کوچ سے پہلے ہی اُس زمانے کے دوسرے سب سے بڑے عرب فہمکنہ عمر نے اتر ابوبکر کو اُن بغاوتوں کی افواہوں کی خبر دی۔ اُس نے اطلاع دی کہ ثنی اور سے مدینہ پر حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور یہ صلاح دی کہ سہنا کو شام جانے سے روک کر مدینہ کی حفاظت کے لئے رکھا جائے۔

ابوبکر کے نازک اور اُن ابھرتے کلدھوں پر اِس سہ بڑی بھری زبرداری تھی۔ کثول اُس کی سچائی، اُس کے دھڑج، اُس کے سانس، اُس کی دباوہارک بدھی اور اُن سب سے بڑے کر ایک اللہ اور اُس کے رسول محمد پر اُس کی بھری شرمہا نے اِس سنگت کے سچے اُس کا ساتھ دیا۔ اسلام اور ابوبکر نے اِس خاص قسم کی مدینہ، مکہ اور طائف جیسے خاص خاص عرب شہروں اور بیچ کے وہ سب عرب قبیلے جو سیاسی نقطہ نظر سے کبھی دوسروں کے ماتحت نہ ہونے تھے اپنے ایمان پر نئی قومی سرنگر کی اور اپنی وفاداری میں یکہ رہے۔

## राजल

श्री सच्चादत्त 'नजीर' एम.ए.

कई इन्कलाब1 देखे, सुने कितने ही फसाने2 !  
मुझे क्या फरेब 3 देंगे तेरे बादे या बहाने !  
मेरे तजरबों ने आखिर किया राज आशकारा4,  
कि हैं जालसाजियों 5 के यह तमाम कारखाने.  
न वह बलबले6 हैं बाक्री, न बुलन्द हौसले7 हैं,  
उन्हें आखें डूँढ़ती हैं, जो गुच्चर गये जमाने,  
मेरी कमनखीबियों ने मेरी आस8 को न तोड़ा.  
मेरी खिन्दगी ने ठुकरा दिये मार्ग9 के बहाने.  
कहीं अब 10 बत के बरसे, कहीं मिस्त राव 11 गरजे,  
बने इन्कलाब आबर 12 मेरे इश्क 13 के तराने.  
मैं मिटा के चैन लूँगा तेरे नादरी चलन को,  
मैं लुटा ही के रहूँगा तेरे जौर 14 के खजाने.  
मुझे ! बर्क 15 देखना है ! तू जलाएगी कहाँ तक ?  
मैं नये-नये बनाता ही रहूँगा आशियाने 16.  
मेरी कोशिशों यही हैं कि बहार ऐसी आये,  
कि जहाँ से बुलबुलों की सुने गुल 17 नये तराने.  
मेरा इश्क एक मोअम्मा, 18 मेरी जीस्त 19 एक ओक़दा 20,  
जो है खीशकर 21 समझे, जो है दर्दमन्द, जाने  
तेरी बख़्श 22 में पलट कर मैं अब आऊँ या न आऊँ,  
न मुला सकेगी दुनिया मेरे दर्द के फसाने  
यह 'नजीर' ! रंज 23 कैसा ? वही फिर बना ले माला !  
कि फ़क़त समेटना हैं, जो बिखर गये हैं दाने.

1. क्रान्ति 2. कहानी 3. धोखा 4. भेद का खुल जाना 5. धोखेबाजियों 6. जोश 7. इरादे 8. चरम मोड़ 9. मृत्यु 10. बादल 11. बिजली 12. क्रान्ति लाने वाले 13. प्रेम 14. अत्याचार 15. बिजली 16. चोखले, घर 17. फूल 18. समस्या 19. जीवन 20. भेद 21. बुद्धिमान 22. सभा 23. दुख.

## ग़ज़ल

शरी सعادत 'नظير' एम.ए.

कौी अल्लब 1 दिक्क, सले कन्दे ही फसाने 2 !  
मज्हे क्या फरेब 3 दिलके तरे वन्दे या भाले !  
मेरे तजरबों ने आखिर किया राज आशकारा4,  
कि हैं जालसाजियों 5 के यह तमाम कारखाने.  
न वह बलबले6 हैं बाक्री, न बुलन्द हौसले7 हैं,  
उन्हें आखें डूँढ़ती हैं, जो गुच्चर गये जमाने,  
मेरी कमनखीबियों ने मेरी आस8 को न तोड़ा.  
मेरी खिन्दगी ने ठुकरा दिये मार्ग9 के बहाने.  
कहीं अब 10 बत के बरसे, कहीं मिस्त राव 11 गरजे,  
बने इन्कलाब आबर 12 मेरे इश्क 13 के तराने.  
मैं मिटा के चैन लूँगा तेरे नादरी चलन को,  
मैं लुटा ही के रहूँगा तेरे जौर 14 के खजाने.  
मुझे ! बर्क 15 देखना है ! तू जलाएगी कहाँ तक ?  
मैं नये-नये बनाता ही रहूँगा आशियाने 16.  
मेरी कोशिशों यही हैं कि बहार ऐसी आये,  
कि जहाँ से बुलबुलों की सुने गुल 17 नये तराने.  
मेरा इश्क एक मोअम्मा, 18 मेरी जीस्त 19 एक ओक़दा 20,  
जो है खीशकर 21 समझे, जो है दर्दमन्द, जाने  
तेरी बख़्श 22 में पलट कर मैं अब आऊँ या न आऊँ,  
न मुला सकेगी दुनिया मेरे दर्द के फसाने  
यह 'नजीर' ! रंज 23 कैसा ? वही फिर बना ले माला !  
कि फ़क़त समेटना हैं, जो बिखर गये हैं दाने.

1. क़रान्ती; 2. क़हानी; 3. धोखा; 4. भेद का खुल जाना; 5. धोखेबाजियाँ; 6. जोश; 7. इरादे; 8. चरम मोड़; 9. मृत्यु; 10. बादल; 11. बिजली; 12. क्रान्ति लाने वाले; 13. प्रेम; 14. अत्याचार; 15. बिजली; 16. चोखले; 17. फूल; 18. समस्या; 19. जीवन; 20. भेद; 21. बुद्धिमान; 22. सभा; 23. दुख.

کيا کيس سے	صفحہ	کيا کيس سے
1. راجا	...	1. غزل
—شری سادات 'نظیر' ایم. اے.	251	—شری سادات 'نظیر' ایم. اے.
2. اعراب کی کلتور، سببیتا اور اسلام	...	2. عرب سببیتا اور اسلام
—بیربمبھرناتھ پاڈے	252	—وشومبھر ناتھ پانتے
3. ہیندوستان اور اسلام	...	3. ہندستان اور اسلام
—ڈاکٹر سید محمد—انگریزی سے انوادک	260	—ڈاکٹر سید محمود—انگریزی سے انوادک
بی. نا. پاڈے	...	وی. نا. پانتے
4. سن 1905 کا سببیشی آندولن اور مہرا	...	4. سن 1905 کا سببیشی آندولن اور مہرا
راجنیتیک جیون	265	راجنیتیک جیون
—پندیت سندرلال	...	—پندیت سندرلال
5. محمد صاحب کی کچھ حدیثوں	...	5. محمد صاحب کی کچھ حدیثوں
—ڈاکٹر میرزا ابولفضل	272	—ڈاکٹر میرزا ابولفضل
—انوادک شری محمد رشی	...	—انوادک شری محمد رشی
6. رباعیات محمد	...	6. رباعیات محمد
—شری 'محمد'	277	—شری 'محمد'
7. انہما میں ایکتا یعنی کثرت میں وحدت	...	7. انہما میں ایکتا یعنی کثرت میں وحدت
—ڈاکٹر مہکوان داس	282	—ڈاکٹر مہکوان داس
8. ٹوپیاں اور جھنڈیاں	...	8. ٹوپیاں اور جھنڈیاں
—شری عبداللہ انصاری	290	—شری عبداللہ انصاری
9. کچھ کتاہیں	295	9. کچھ کتاہیں
10. ہماری راء	297	10. ہماری راء
—ہمارا کی راءت پر ایک خط—پندیت سندرلال.	...	—دیہی کی راءت پر ایک خط—پندیت سندرلال.

# ہندوستان کا نیا ہند

نمبر 6 نمبر جلد 24 جلد

دسمبر 1957 دسمبر

ہندوستان کی کلچر سوسائٹی ہندوستان کا کلچر  
145 مڈل کالج، الہ آباد  
145 مڈل کالج، الہ آباد

# **NAYA HIND**

*Monthly Journal of the Hindustani Culture Society*

## **Editorial Board**

**Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)**

**Mahatma Bhagwan Din**

**Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law**

**Pandit Sundarlal**

**Bishambhar Nath Pande**

## **Editor-in-Charge**

**Bishambhar Nath Pande**

## **Asst. Editor**

**Suresh Ramabhai**

## **Annual Subscription**

**Inland Rs. 6/-**

**Foreign Rs. 10/-**

**Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.**

Can be had from —

# **Manager, NAYA HIND**

**145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.**



# نیا جہان

اس نمبر کے خاص لیکھ اس نمبر کے رٹاس لکھ

عرب کی کلتور، سمبھتا اور اسلام

—بیربمبھرناتھ پانڈے

—وگومبھرناتھ پانڈے

ہندوستان اور اسلام

—ڈاکٹر سید مسعود

—ڈاکٹر سید مسعود

—انگریزی سے انتہائی

—پی۔ نا۔ پانڈے

—پی۔ نا۔ پانڈے

سن 1905 کا سبدرشی آندولن  
اور مہرا راجنیتک جیون

—پنڈت سندر لال

—پنڈت سندر لال

انہکھا میں ایکتا پعلی  
کثرت میں وحدت

—ڈاکٹر بھگوانداس

—ڈاکٹر بھگوانداس

ہماری راتھ

—پنڈت سندر لال

دیش کی حالیت پر ایک خطا

—پنڈت سندر لال

—پنڈت سندر لال

—پنڈت سندر لال

ہندوستان کی کلتور، سمبھتا اور اسلام



—پنڈت سندر لال

# دین و دھرم

کلیں ہر طرح کی کتابیں بیچنے  
کا بڑا مرکز—پاٹک ہندی، اردو،  
انگریزی کی سب سے زیادہ مان-پسند کتابوں  
کے لیے یہی جگہ ہے۔

## ہمیں یہ کتابیں

**مہاتما گاندھی کی وصیت**

(ہندی اور اردو میں)

لکھنا—گاندھی صاحب کے مانے جانے  
بیروان: 247 کی مندرجہ آگے ساکتا  
سکے 225، قیمت دو روپیہ

—:0:—

## گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

لکھنا—گاندھی صاحب کی

مضمون—پندرہ جواہر لال نہرو

مندر کاغذ، مندر ڈاڑھ، گندھ-سی رنگین تصویروں  
دو روپیہ

—:0:—

پندرہ جواہر لال نہرو کی لکھی کتابیں

**گیتا اور کورن**

275 سکے، دو روپیہ

**ہندو مسلم ایکتا**

100 سکے، دو روپیہ

**مہاتما گاندھی کے بلیڈان سے سبک**

قیمت چار روپیہ

**پنجاب میں کیا سکھانا ہے**

قیمت چار روپیہ

**بنگال اور اُس سے سبق**

قیمت چار روپیہ

**دین و دھرم کتب خانہ سوسائٹی**

145 مینسٹر روڈ

کلیں ہر طرح کی کتابیں  
کا ایک بڑا مرکز—پاٹک ہندی،  
اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں  
کے لیے یہی جگہ ہے۔

## ہماری نئی کتابیں

**مہاتما گاندھی کی وصیت**

(ہندی اور اردو میں)

لکھنا—گاندھی صاحب کے مانے جانے  
بیروان: 247 کی مندرجہ آگے ساکتا  
سکے 225، قیمت دو روپیہ

—:0:—

## گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

لکھنا—گاندھی صاحب کی

مضمون—پندرہ جواہر لال نہرو

مندر کاغذ، مندر ڈاڑھ، گندھ-سی رنگین تصویروں  
دو روپیہ

—:0:—

پندرہ جواہر لال نہرو کی لکھی کتابیں

**گیتا اور کورن**

275 سکے، دو روپیہ

**ہندو مسلم ایکتا**

100 سکے، دو روپیہ

**مہاتما گاندھی کے بلیڈان سے سبق**

قیمت چار روپیہ

**پنجاب میں کیا سکھانا ہے**

قیمت چار روپیہ

**بنگال اور اُس سے سبق**

قیمت چار روپیہ

**دین و دھرم کتب خانہ سوسائٹی**

145 مینسٹر روڈ

## ہندوستان میں اسلام

مؤلف—پروفیسر مندرلال، مضمون—تین روپے  
ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے ساتھ بھی  
کونکر کوئی دوسری کتاب نہیں

## ہندوستان میں اسلام اور عیسائی دھرم

مؤلف—پروفیسر مندرلال، مضمون—دو روپے

## مہاتما جراثی اور ایرانی سہکرتی

مؤلف—بیربھرنناٹھ پانڈے، قیمت—دو روپے

## یہودی دھرم اور سامی سہکرتی

مؤلف—بیربھرنناٹھ پانڈے، قیمت—دو روپے

## پراچین مصر کی سہکرتی اور سہکرتی

مؤلف—بیربھرنناٹھ پانڈے، قیمت—دو روپے

## سومر بابول اور اسوریہ کی پراچین سہکرتی

مؤلف—بیربھرنناٹھ پانڈے، قیمت—دو روپے

## پراچین یونانی سہکرتی اور سہکرتی

مؤلف—بیربھرنناٹھ پانڈے، قیمت—دو روپے

## گنگا سے گومتی تک

( پراگتیاتیاتی کہانیوں کا مجموعہ )

مؤلف—پرو فیسر مندرلال، قیمت—دو روپے

## آریہ اور آریہ

( آریہوں کے سماجی کہانیوں کا مجموعہ )

مؤلف—ڈاکٹر اگست ہوسن رائیپوری، قیمت—دو روپے

## کیراٹ اور دھرمی مہاتما

مؤلف—پروفیسر مندرلال، قیمت—دو روپے

## مہاتما

( پراگتیاتیاتی کہانیوں کا مجموعہ )

مؤلف—پروفیسر مندرلال، قیمت—دو روپے

میلانے کا پتہ

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 گولڈن، لکھنؤ

[illegible]

بھاشاؤں اور لہجوں سدا بدلتی رہی ہیں اور بدلتی  
 ہیں گی۔ ہندی بھاشا کے پیروں سے ہماری رنسر ہزار ہین  
 کہ وہ دیہی کی سب دوسری بھاشاؤں سے پریم  
 دھا کر اور اُن کی اتنی چاہ کر ہی راکٹر بھاشا ہندی کا  
 بچا بڑا کر سکتے ہیں۔ دوسری بھاشاؤں سے دہر بھی پیدا کر کے  
 ناپی نہیں کر سکتے۔ پنجاب کی جلتا اور پنجاب کے سب  
 بھی سیکوں سے ہماری پدا تھا ہے کہ وہ جس طرح بھی اور  
 تنگے جلدی ہو سکے اِس جھگڑے کو ختم کرنے اور سکھوں  
 لڈوں اور سب پنجاب نواسوں میں پریم اور میل ملاپ کو  
 رمانے، مقبوضا کرنے اور بٹانے رکھنے کا ہر طرح ہر تین کریں۔  
 سی میں اُن کا بیٹا ہے۔ اُس کے دھرمیت راستہ ہر بادی  
 ہے۔



کی مدد دے کر سریلیا پر حملہ کرنے کے لیے ہتھیار کیا گیا، روس نے ہتھیاروں کو آگاہ کر دیا، پھر سے وہی معاملہ دہرایا گیا۔ روس نے سریلیا کو مدد سے کر سہرا پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔ روس نے سریلیا میں دوسری امریکی پروپیگنڈا اس سہ ذریعہ پر ہے، روس نے سریلیا کو بھی چٹاؤنی دی۔ معاملہ اس سہ سے بھی پر اٹھا ہوا ہے۔ دنیا بھر کے لیے جس طرح کے خطرے کا مقام آج سہرا بنا ہوا ہے اسی طرح کے خطرے کے مقام ایک درجن اور چاروں طرف، خاص کر بھارت کے چاروں طرف، پہلے ہوئے ہیں۔ انہیں میں سے ایک مقام ہمارے ٹھیک اتر پچھلی سرحد پر بھی ہے۔ ان حالتوں میں آجکل کی کئی لڑائی ساری دنیا کو اپنے ہتھیاروں میں لپیٹ کر لے سکتی ہے۔ کسی کی بھی بھول، غلطی یا پرواہی سے کل کہل گیا ہو جارہے کوئی نہیں کہہ سکتا۔ ہمیں اپنے دیہی کی حالت اور سہرا کے اوپر دیہی واسیوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے درمیان بڑا کٹھن ہے۔ بڑے گروہ کی نئی آزادی کو خطرے میں ڈال دینے کا دوسرا کام نہیں دو سکتا اور وہ اس لیے کہ دیہی کی دو مقامی بھاشاؤں، پنجابی اور ہندی، میں سے سرکاری کٹھن ایک میں لے کر جارہے ہیں یا دوسری میں یا دونوں میں، یا اس لیے کہ بارہ گروہ کے اکثر ایک طرح لکھ جارہے ہیں دوسری طرح۔

ہم اپنے ہندی رکشا سہمی کے بھائیوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ انہیں اس غلط اور سہ کے آندوں سے انہیں نے سب سے ادھک نقصان راکشہ بھاشا ہندی کو پہنچایا ہے۔ ہم نے پچاس برس ہندی کی سدا کی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ بنگال کے اور خاص کر دکن کے اور خاص کر دکن کے وہ بھائی جو پہلے ہی ہمارے اس آندے میں اور ہمارے گروہ کے کارن ہندی سے کچھ بد کے بد کے رہتے تھے اور انگریزی کو اس کی آجکل کی جگہ سے ہٹانا ہمیں چاہتے تھے ان کی شکائیں پنجاب کے اس ہندی شکا آندوں سے بے چارہ بڑے گئے ہیں۔ یورپ اور دکن کے ہندی دوسری آندوں کو بے حد مل گیا ہے۔ ہندی شکا سہمی کے بھائیوں کے بھائی بھی خوب چھاپے جا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر پنجاب کے پنجابی بولنے والے ہندی پریمی ہتھیاری کو نہیں سہ سکتے تو اس طرح کے ہندی پریمیوں سے تمل اور تیلگو کے بھائی کی کیا آشا ہو سکتی ہے! ان کے کہنے میں بہت کچھ سچائی بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس میں ذرا بھی حلیہ نہیں کہ ہندی یہ ہندی شکا آندوں کی طرح کچھ دنوں اور چلتا رہا تو بھارت کی پارلیمنٹ کے اندر راکشہ بھاشا ہندی کو انگریزی کا امتیاز دیا جاسکتا ہوگی۔

ہم اپنے ہندی رکشا سہمی کے بھائیوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ انہیں اس غلط اور سہ کے آندوں سے انہیں نے سب سے ادھک نقصان راکشہ بھاشا ہندی کو پہنچایا ہے۔ ہم نے پچاس برس ہندی کی سدا کی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ بنگال کے اور خاص کر دکن کے اور خاص کر دکن کے وہ بھائی جو پہلے ہی ہمارے اس آندے میں اور ہمارے گروہ کے کارن ہندی سے کچھ بد کے بد کے رہتے تھے اور انگریزی کو اس کی آجکل کی جگہ سے ہٹانا ہمیں چاہتے تھے ان کی شکائیں پنجاب کے اس ہندی شکا آندوں سے بے چارہ بڑے گئے ہیں۔ یورپ اور دکن کے ہندی دوسری آندوں کو بے حد مل گیا ہے۔ ہندی شکا سہمی کے بھائیوں کے بھائی بھی خوب چھاپے جا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر پنجاب کے پنجابی بولنے والے ہندی پریمی ہتھیاری کو نہیں سہ سکتے تو اس طرح کے ہندی پریمیوں سے تمل اور تیلگو کے بھائی کی کیا آشا ہو سکتی ہے! ان کے کہنے میں بہت کچھ سچائی بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس میں ذرا بھی حلیہ نہیں کہ ہندی یہ ہندی شکا آندوں کی طرح کچھ دنوں اور چلتا رہا تو بھارت کی پارلیمنٹ کے اندر راکشہ بھاشا ہندی کو انگریزی کا امتیاز دیا جاسکتا ہوگی۔

ہم اپنے ہندی رکشا سہمی کے بھائیوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ انہیں اس غلط اور سہ کے آندوں سے انہیں نے سب سے ادھک نقصان راکشہ بھاشا ہندی کو پہنچایا ہے۔ ہم نے پچاس برس ہندی کی سدا کی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ بنگال کے اور خاص کر دکن کے اور خاص کر دکن کے وہ بھائی جو پہلے ہی ہمارے اس آندے میں اور ہمارے گروہ کے کارن ہندی سے کچھ بد کے بد کے رہتے تھے اور انگریزی کو اس کی آجکل کی جگہ سے ہٹانا ہمیں چاہتے تھے ان کی شکائیں پنجاب کے اس ہندی شکا آندوں سے بے چارہ بڑے گئے ہیں۔ یورپ اور دکن کے ہندی دوسری آندوں کو بے حد مل گیا ہے۔ ہندی شکا سہمی کے بھائیوں کے بھائی بھی خوب چھاپے جا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر پنجاب کے پنجابی بولنے والے ہندی پریمی ہتھیاری کو نہیں سہ سکتے تو اس طرح کے ہندی پریمیوں سے تمل اور تیلگو کے بھائی کی کیا آشا ہو سکتی ہے! ان کے کہنے میں بہت کچھ سچائی بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس میں ذرا بھی حلیہ نہیں کہ ہندی یہ ہندی شکا آندوں کی طرح کچھ دنوں اور چلتا رہا تو بھارت کی پارلیمنٹ کے اندر راکشہ بھاشا ہندی کو انگریزی کا امتیاز دیا جاسکتا ہوگی۔



اور کئی مملکتیں اپنی ہی زبان میں گانے بھی لکھتی ہیں۔ گانے لکھنے والے بھی سیکڑوں سے لاکھوں اور امریکی کی گلیوں میں گانے چارہ ہوں اور آج تک گانے جاتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی بھاشا پاک ہے نہ ناپاک۔ نہ سنسکرت عربی سے زیادہ پاک اور نہ عربی سنسکرت سے زیادہ پاک، اور نہ ان دونوں میں سے کوئی چھٹی، جاپانی، روسی، اطالوی، فرانسیسی یا دنیا کی کسی اور بھاشا سے پاک ہے۔ یا ہوں کہہ کہ دنیا کی سب بھاشاؤں ایک برابر پاک اور ایک برابر ناپاک ہوں۔ نہ کوئی بھاشا دیوتاؤں کی بھاشا ہے اور نہ کوئی بولی فرشتوں کی بولی ہے۔ بھاشاؤں اور بولیاں سب آدمیوں کی بولیاں ہیں۔ کم یا ادھک سب میں اچھی چیزیں ہیں مائیں کی اور بری چیزیں ہیں۔ بھاشا کوئی ایک مادہ نہیں ہے وچاروں کے آدان پر دان کا۔ بھاشا کوئی دیوی یا دیوتا نہیں۔ جو بھاشا جس سمے جہاں جس حالت میں ہمیں سب سے اچھا کام دے وہی اس سمے کے لئے سب سے آدمک اچھ ہے۔ اس طرح کے آدمک و شواہد یا مژگناہ لسی بھی دہش یا قوم کو صلہ دیتے ہیں، ان میں بہت ڈال ستھ ہیں، انہیں بہاد کر سکتے ہیں، پر ان کی آئندگی یا دکھ میں سہایک نہیں ہو سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کو کسی بھاشا میں اپنے دھرم گرنے والے کے کارن یا اس کے اپنی مائے بھاشا ہونے کے کارن اس سے وشدھ پریم یا دلچسپی کسی دوسری بھاشا سے دہش کا کارن نہیں ہونی چاہئے۔ اس طرح کی سب باتیں میں یہ اپنے دل پر جما ایٹا چاہئے کہ سب کی آئندگی اور سب کے ہالے میں ہی ہو ایک کا ہالے ہے۔

دنیا کی آئندہ راقیہ سٹیت س جہاں آدمی کھ بھی پاراچیت ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ دنیا اس وقت ایک بہت بڑے سٹیت میں سے نکل رہی ہے۔ جگہ جگہ وہ خطرناک مسالے جما ہو رہے ہیں۔ اور بہتکر استہیاں پیدا ہو رہی ہیں جو کسی سمے بھی کہیں بھی بھڑک کر ساری دنیا کی آزادی، خوشحالی اور اس کے وجود تک کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ کیوں ایک مثال کافی ہو گی۔ حال میں سیریا یعنی شام کی سرکار کو ہتھاروں کی ضرورت پڑی، انہوں نے امریکا سے ہتھیار خریدنا چاہا، امریکا نے بتوکی شرتے پش کر دی۔ سیریا نے روس سے بات کی، روس نے سیریا کے ہاتھ ہتھیار بےچنا مقرر کر لیا، ہتھیار خرید لیے گئے، امریکا نے سیریا کو دھمکی دی، امریکی جہازیں ہوا سیریا کے کلارے پر آدھکا، سیریا گھبراہا، اٹھ میں روسی جہازیں ہوا ہی پہنچا، امریکی منصوبہ کچھ دیر کے لئے ٹھٹھٹھ ہوئے۔ اب احوال کو مٹھیں

اور کئی مملکتیں اپنی ہی زبان میں گانے بھی لکھتی ہیں۔ گانے لکھنے والے بھی سیکڑوں سے لاکھوں اور امریکی کی گلیوں میں گانے چارہ ہوں اور آج تک گانے جاتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی بھاشا پاک ہے نہ ناپاک۔ نہ سنسکرت عربی سے زیادہ پاک اور نہ عربی سنسکرت سے زیادہ پاک، اور نہ ان دونوں میں سے کوئی چھٹی، جاپانی، روسی، اطالوی، فرانسیسی یا دنیا کی کسی اور بھاشا سے پاک ہے۔ یا ہوں کہہ کہ دنیا کی سب بھاشاؤں ایک برابر پاک اور ایک برابر ناپاک ہوں۔ نہ کوئی بھاشا دیوتاؤں کی بھاشا ہے اور نہ کوئی بولی فرشتوں کی بولی ہے۔ بھاشاؤں اور بولیاں سب آدمیوں کی بولیاں ہیں۔ کم یا ادھک سب میں اچھی چیزیں ہیں مائیں کی اور بری چیزیں ہیں۔ بھاشا کوئی ایک مادہ نہیں ہے وچاروں کے آدان پر دان کا۔ بھاشا کوئی دیوی یا دیوتا نہیں۔ جو بھاشا جس سمے جہاں جس حالت میں ہمیں سب سے اچھا کام دے وہی اس سمے کے لئے سب سے آدمک اچھ ہے۔ اس طرح کے آدمک و شواہد یا مژگناہ لسی بھی دہش یا قوم کو صلہ دیتے ہیں، ان میں بہت ڈال ستھ ہیں، انہیں بہاد کر سکتے ہیں، پر ان کی آئندگی یا دکھ میں سہایک نہیں ہو سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کو کسی بھاشا میں اپنے دھرم گرنے والے کے کارن یا اس کے اپنی مائے بھاشا ہونے کے کارن اس سے وشدھ پریم یا دلچسپی کسی دوسری بھاشا سے دہش کا کارن نہیں ہونی چاہئے۔ اس طرح کی سب باتیں میں یہ اپنے دل پر جما ایٹا چاہئے کہ سب کی آئندگی اور سب کے ہالے میں ہی ہو ایک کا ہالے ہے۔

دنیا کی آئندہ راقیہ سٹیت س جہاں آدمی کھ بھی پاراچیت ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ دنیا اس وقت ایک بہت بڑے سٹیت میں سے نکل رہی ہے۔ جگہ جگہ وہ خطرناک مسالے جما ہو رہے ہیں۔ اور بہتکر استہیاں پیدا ہو رہی ہیں جو کسی سمے بھی کہیں بھی بھڑک کر ساری دنیا کی آزادی، خوشحالی اور اس کے وجود تک کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ کیوں ایک مثال کافی ہو گی۔ حال میں سیریا یعنی شام کی سرکار کو ہتھاروں کی ضرورت پڑی، انہوں نے امریکا سے ہتھیار خریدنا چاہا، امریکا نے بتوکی شرتے پش کر دی۔ سیریا نے روس سے بات کی، روس نے سیریا کے ہاتھ ہتھیار بےچنا مقرر کر لیا، ہتھیار خرید لیے گئے، امریکا نے سیریا کو دھمکی دی، امریکی جہازیں ہوا سیریا کے کلارے پر آدھکا، سیریا گھبراہا، اٹھ میں روسی جہازیں ہوا ہی پہنچا، امریکی منصوبہ کچھ دیر کے لئے ٹھٹھٹھ ہوئے۔ اب احوال کو مٹھیں



بار دھو رانا پڑتا تھا اور سونے والوں کے آمانندہ پردہ-  
رانی سے حال بار بار گونج اٹھتا تھا، اسی طرح کا تجربہ ہمیں اور بھی اٹھک  
بار ہوا ہے اور ہمیں وشواس ہے کہ پنجاب کے اور بھی ہزاروں  
اور لاکھوں کو ہوا ہو گا۔ پنجابی ایک جہت بھاشا ہے اور بڑی  
سندر، پوری اور دھاندلہ بھاشا ہے۔

پنجاب میں آجکل ایک "ہندی رکشا سہیت" ہے۔ سنا  
ہے اسکی آواز سے کہا جاتا ہے اور پھار کیا جاتا  
ہے کہ ہندیوں کی بھاشا ہندی ہے۔ یہ کہنا بھی بدھت  
ہی رات اور ختارناک ہے۔ اگر ہندیوں کی بھاشا ہندی  
ہے تو یہ کسے کرنا پڑے گا کہ شری راج  
کوبالا آچاریہ ملدو کہہ جا سکتے ہوں یا نہیں اور سویم ملدو  
سہیا کے پچھلے صدر شری این۔ سی۔ چتر جی ملدو ہوں یا  
نہیں۔ کوئی پڑے سے برا ملدو پھمی مدراسی یا بنگالی یا  
گجراتی یا مہاراشٹری ہندی تو اپنی مادری بھاشا ماننے کو تیار  
نہیں ہوگا۔ وہ ہندی کو بھارت کی راج بھاشا یا راشٹر بھاشا  
ماننے کو تیار ہو سکتا ہے پر اپنی مادری بھاشا پورے گرو کے ساتھ  
اسی بھاشا کو کہہ گا جو وہ اپنی ماں بھائی کے ساتھ گھر میں  
بولتا ہے۔ بھاشائیں دھرموں کی نہیں ہوا کرتیں۔ بھاشائیں  
علاقوں اور دیہوں کی ہوتی ہیں۔

اس طرح کی غلط فہموں کی جڑ میں ایک خاص وجہ  
ہے کام کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھاشا پاک ہے اور کوئی  
اپاک۔ یہ وجہ بھی بہت غلط وجہ ہے۔ ہمارے ایک مگر  
جنہیں اردو سے کچھ ناراضگی ہے اور جو سنسکرت کے پڑے ہوت  
ہیں ایک بار ہم سے کہتے تھے کہ اردو سادہ اور خاص کر اردو  
شعری میں اشلول بہت ہوتی ہے۔ پر جب ہم نے اس  
وشہ میں سنسکرت سادہ کا انہیں حال بتایا تو وہ کچھ  
سوچنے لگے۔ آج سے چوں برس پہلے ہم ہی۔ اے میں سنسکرت  
پڑھتے تھے۔ مہادی کالیداس رچت کمار سمبھو پڑھتے پڑھتے  
چکھ چکھ وہ پرسنگ آجاتے تھے جہاں ہمارے مہاراشٹر  
پروفیسر شری رام چندر ہری ہرہکر کچھ چہوتے ہوتے اور کچھ  
مسکراتے ہوتے دناہندوں سے کہتے تھے: "اے آپ اپنے من  
ہی من میں پڑے لیجئے" شاید کوئی پتا اپنی بکری کے ساتھ  
اُن شلوکوں کو پڑھ کر اُن کا ارتہ نہیں کر سکتا۔ ہم مان لیا  
نہیں چاہتے پر اس سے بھی کہیں ادھک اشلول سادہ  
سنسکرت میں پورا پڑا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ سنسکرت میں  
وہ سادہ سادہ بھی ہے جو دنیا کے ارنچے سے ارنچے سادہ  
میں استہان پا سکتا ہے۔ عربی قرآن کی بھاشا ہے۔ ساتھ ہی  
عربی کے اندر محمد صاحب سے پہلے کی اور اُن کے بعد  
کی اشلول سے اشلول کو پتا نہیں بھی ملے گی۔ پنجابی  
وہ بھاشا ہے جس میں گردناتک لے آپے پریم پڑے

بار دھو رانا پڑتا تھا اور سونے والوں کے آمانندہ پردہ-  
رانی سے حال بار بار گونج اٹھتا تھا، اسی طرح کا تجربہ ہمیں اور بھی اٹھک  
بار ہوا ہے اور ہمیں وشواس ہے کہ پنجاب کے اور بھی ہزاروں  
اور لاکھوں کو ہوا ہو گا۔ پنجابی ایک جہت بھاشا ہے اور بڑی  
سندر، پوری اور دھاندلہ بھاشا ہے۔

پنجاب میں آجکل ایک "ہندی رکشا سہیت" ہے۔ سنا  
ہے اسکی آواز سے کہا جاتا ہے اور پھار کیا جاتا  
ہے کہ ہندیوں کی بھاشا ہندی ہے۔ یہ کہنا بھی بدھت  
ہی رات اور ختارناک ہے۔ اگر ہندیوں کی بھاشا ہندی  
ہے تو یہ کسے کرنا پڑے گا کہ شری راج  
کوبالا آچاریہ ملدو کہہ جا سکتے ہوں یا نہیں اور سویم ملدو  
سہیا کے پچھلے صدر شری این۔ سی۔ چتر جی ملدو ہوں یا  
نہیں۔ کوئی پڑے سے برا ملدو پھمی مدراسی یا بنگالی یا  
گجراتی یا مہاراشٹری ہندی تو اپنی مادری بھاشا ماننے کو تیار  
نہیں ہوگا۔ وہ ہندی کو بھارت کی راج بھاشا یا راشٹر بھاشا  
ماننے کو تیار ہو سکتا ہے پر اپنی مادری بھاشا پورے گرو کے ساتھ  
اسی بھاشا کو کہہ گا جو وہ اپنی ماں بھائی کے ساتھ گھر میں  
بولتا ہے۔ بھاشائیں دھرموں کی نہیں ہوا کرتیں۔ بھاشائیں  
علاقوں اور دیہوں کی ہوتی ہیں۔

اس طرح کی غلط فہموں کی جڑ میں ایک خاص وجہ  
ہے کام کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھاشا پاک ہے اور کوئی  
اپاک۔ یہ وجہ بھی بہت غلط وجہ ہے۔ ہمارے ایک مگر  
جنہیں اردو سے کچھ ناراضگی ہے اور جو سنسکرت کے پڑے ہوت  
ہیں ایک بار ہم سے کہتے تھے کہ اردو سادہ اور خاص کر اردو  
شعری میں اشلول بہت ہوتی ہے۔ پر جب ہم نے اس  
وشہ میں سنسکرت سادہ کا انہیں حال بتایا تو وہ کچھ  
سوچنے لگے۔ آج سے چوں برس پہلے ہم ہی۔ اے میں سنسکرت  
پڑھتے تھے۔ مہادی کالیداس رچت کمار سمبھو پڑھتے پڑھتے  
چکھ چکھ وہ پرسنگ آجاتے تھے جہاں ہمارے مہاراشٹر  
پروفیسر شری رام چندر ہری ہرہکر کچھ چہوتے ہوتے اور کچھ  
مسکراتے ہوتے دناہندوں سے کہتے تھے: "اے آپ اپنے من  
ہی من میں پڑے لیجئے" شاید کوئی پتا اپنی بکری کے ساتھ  
اُن شلوکوں کو پڑھ کر اُن کا ارتہ نہیں کر سکتا۔ ہم مان لیا  
نہیں چاہتے پر اس سے بھی کہیں ادھک اشلول سادہ  
سنسکرت میں پورا پڑا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ سنسکرت میں  
وہ سادہ سادہ بھی ہے جو دنیا کے ارنچے سے ارنچے سادہ  
میں استہان پا سکتا ہے۔ عربی قرآن کی بھاشا ہے۔ ساتھ ہی  
عربی کے اندر محمد صاحب سے پہلے کی اور اُن کے بعد  
کی اشلول سے اشلول کو پتا نہیں بھی ملے گی۔ پنجابی  
وہ بھاشا ہے جس میں گردناتک لے آپے پریم پڑے

एकदम यहाँ के सरकारी दफ्तरीय का काक हो. पर हम उस हिन्दी को नहीं समझ सकते जो अशुतसुर या जाललनगर में जन्म लेकर अपनी मां बहनों के साथ पंजाबी बोलता है और अपनी मातृभाषा हिन्दी बोलता है. मातृभाषा उस और केवल उस भाषा को कहते हैं जिसमें हमारी मां सब से पहले प्यार के साथ हमें तुलाना सिखाती है. हम यह कहे बिना नहीं रह सकते कि जो अपनी मातृ भाषा से प्रेम नहीं रखता उसका किसी भी दूसरी भाषा के साथ प्रेम टिकाऊ या विश्वास की चीज़ नहीं हो सकता. हरियाना जैसे इलाके के लोग जो सचमुच हिन्दी बोलते हैं अगर हिन्दी में ही अपनी तालीम और अपना दफ्तरी कारबार चाहते हैं तो उनकी बात समझ में आ सकती है.

यह कहना भी कि पंजाबी कोई भाषा नहीं, बल्कि केवल लड़ी बोली हिन्दी की ही एक डाइलेक्ट यानी 'उप भाषा' है, बिल्कुल गलत और बेमानी है। डाइलेक्ट वा उपभाषा की परिभाषा हम किसी भी कोष या भाषा विज्ञान की किसी भी प्रमाणिक पुस्तक में देख सकते हैं। भारत के विधान में देश की चौदह मुख्य भाषाएँ गिनाई गई हैं जिनमें से एक पंजाबी है। उप भाषाएँ भारत भर में डाई सी के लगभग हैं, जो आदमी पंजाब से कुछ भी परिचित हो वह जानता है कि पंजाबी की अपनी अनेक उपभाषाएँ हैं जो सब साफ़ साफ़ एक ही भाषा की अलग अलग शैलियाँ दिखाई देती हैं।

यह वलील कि पंजाबी का अपना कोई साहित्य नहीं और भी अधिक लचर वलील है, ग्रंथ साहस से बढ़कर ऊँचा और उपयोगी साहित्य और क्या हो सकता है ? और अगर अंगार रस की चीखें ही साहित्य मानी जाती हों तो “हीर रांम्भा” दुनिया के साहित्य में कम कीमत की चीज नहीं है, हमें मालूम है कि जरमनी के कई विश्व विद्यालयों में “हीर रांम्भा” ऊँची से ऊँची डिग्री के कोर्सों में पढ़ाया जाता था, और दुनिया के विश्वविद्यालयों में इसे आदर का स्थान मिला हुआ है,

आजादी से कुछ बरस पहले की बात है कि लाहौर के जेडला हाल में एक बहुत बड़ा कवि सम्मेलन और मुराधरा हो रहा था। हम भी मौजूद थे। अनेक कवियों ने हिन्दी में अपनी रचनाएँ पढ़कर सुनाई और अनेक शायरों ने वर्दू में अपनी नजमें सुनाईं। जेडला हाल आताओं से ठसाठस भरा हुआ था। वर्दू और हिन्दी दोनों तरह की कविताएँ कीकी पढ़ रही थीं, उनमें से कांइ भी सुनने वालों के दिलों कां खुभती हुईं माबूम नहीं होती थीं, इतने में अबेइ समर के एक मुसलमान कवि ने, जिनका तखल्लुसहमें आज तक बाद् है 'इरक इलाही' था, पंजाबी में अपनी कविता बंदी और सारा हाल कबूक ठा। एक एक शेर को उन्हें बार

ہی اس کے یہاں کے سرکاری ملازمین کا کام ہو۔ یہ ہم اس ہندو کو نہیں سمجھ سکتے جو امرتسر یا جالندھر میں جنم لے کر اپنی ماں بہنوں کے ساتھ پکھلی ہو گیا ہے اور اپنی ماتر بیاشا ہندی بناتا ہے۔ ماتر بیاشا اس اور کول اس بیاشا کو کہتے ہیں جس میں ہمدردی میں سب سے پہلے بیمار کے ساتھ ہمیں تعلق رکھتا ہے۔ ہم یہ کہتے کے ہاتھوں رکھتے ہیں کہ جو اپنی ماتر بیاشا سے پریم نہیں رکھتا اس کا کسی بھی دوسری بیاشا کے ساتھ پریم تعلق یا مشورہ کی چیز نہیں ہو سکتا۔ ہریانہ جیسے علاقے کے لوگ جو سچے ہندی ہوتے ہیں اگر ہندی میں ہی اپنی تعلیم اور اپنا دفتری کاروبار چاہتے ہیں تو ان کی ہمت سمجھ میں آسکتی ہے۔

یہ کہتا ہو کہ پنجابی کوئی بھاشا نہیں، بلکہ قبول کرے ہو لی  
 ہندی کی ہی ایک ذاتی لہجہ یعنی ”آپ بھاشا“ ہے، بالکل  
 غلط اور بے ایمانی ہے۔ ذاتی لہجہ یا آپ بھاشا کی کسی بھی  
 پورما، کسٹم میں دیکھ سکتے ہیں۔ بھارت کے دھندلے  
 دیہی کی چودہ مکھیہ بھاشا گلائی ”گٹھوں“ ہیں جن میں سے  
 ایک پنجابی ہے۔ آپ بھاشا میں بھارت ہر میں دھائی سو کے  
 لگ بھگ ہیں۔ جو آدمی پنجاب سے کچھ بھی پوچھتا ہو  
 وہ جانتا ہے کہ پنجابی کی اپنی ایک اپ بھاشاؤں میں جو  
 سب صاف صاف ایک ہی بھاشا کی الگ الگ شاخیں دھاتی  
 دیتی ہیں۔

یہ دلیل کہ پنجابی کا کوئی ایسا ساتھیہ نہیں اور یہی ادھک بچہ دلیل ہے۔ گرنٹھ صاحب سے پوچھ کر اونچیا اور اپنی ساتھیہ اور کیا ہو سکتا ہے ؟ اور اگر شنگار رس کی چھڑیں ہی ساتھیہ مانی جاتی ہیں تو ”مہر رانجھا“ دنیا کے ساتھیہ میں کم قیمت کی چیز نہیں ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جرمنی کے ٹکی و شو دہالوں میں ”مہر رانجھا“ اونچی سے اونچی قدر کی کوسوں میں پڑھایا جاتا تھا، اور آج بھی دنیا نے شو دہالوں میں اسے آذر کا استہان ملے ہوا ہے۔

آزادی سے لچھ برس پہلے کی بات ہے کہ لاہور کے بڑا ہال میں ایک بہت بڑا کبی سمن اور مشاعرہ ہو رہا تھا۔ ہم بھی موجود تھے۔ ایک کونہوں نے ہندی میں اپنی رچائیں پڑھ کر سناہن اور ایک شاعروں نے اردو میں اپنی نظمیں سناہن۔ بڑا ہال شورواؤں سے ٹھساٹس ہوا ہوا تھا۔ اردو اور ہندی دونوں طرح کی کونہاؤں پڑھکی پڑھی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی سلسلہ والوں کے دلوں کو چٹھتی ہئی معلوم نہہں، دینی لئی۔ انہی میں اندھو عمر کے ایک مسلمان کبی لے، جن کا نطص ہمیں آج تک یاد ہے "مشق الہول" تھا، پچاسی میں اپنی دیہانیں پڑھی اور سارا حال پوک آٹھا۔ ایک ایک شعر کو انہیں ہار

میں انکار نہیں کر سکتا کہ آریہ سماج کا اس  
دشمن کے خلاف بہت بڑا کام کیا گیا ہے۔ اس کے  
پرچار اور کام کی دہلی کو اب بھی ضرورت ہے۔  
ہمارے بھائی گنیش سنگھ  
کی ہدایت سے پنجاب کے اس ہندی آندولن کو  
چلا رہے ہیں، ہمارے پچاس برس سے  
وہیں ہیں۔ ان کی نئی اور سچائی کا  
ہمارے دل میں بہت بڑا اثر ہے۔

ہندو سماج کے رہنما بھائی پرمانند کے  
ساتھ برسوں ہمارا گہرا  
رہا ہے۔ بھائی ساور کر کے  
1907 میں اس سے ملے تھے۔  
وہ ان کے  
اور وہیں بھائی پرمانند کی آزادی کے  
دیکھ رہے تھے۔ راشنریہ سوسائٹی کے  
کے ساتھ ہمارے دل میں بہت بڑا اثر ہے۔  
ان دنوں کے آندولن میں مل کر کام کیا ہے۔  
ان دنوں کے آندولن میں قائد ہندو کے  
لکھنؤ سے چور چور کیا جانا ہمیں آج تک  
پریم اور درد کے ساتھ یاد ہے۔

جہاں تک سکھ دھرم کا تعلق ہے ہم نے  
کرتہ صاحب کو  
دھیان اور شوق کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہم  
ایک بار کہہ چکے ہیں  
اور ہمارے دل میں یہ شوق چھا ہوا ہے کہ  
ہندی پنجاب لے  
گورنمنٹ کی شکشا پر عمل کیا جاتا تو  
پنجاب میں ہندو  
مسلم ہندو سکھ یا کسی طرح کے  
بھائی پرمانند کے بھائی پرمانند کے  
ہو سکتا ہے۔ ہمارے بھائی پرمانند کے  
لگا ہے۔ ہمارے بھائی پرمانند کے  
ہمارے دل میں بہت بڑا اثر ہے۔  
دھرم، دل یا ساہیتر کے کوئی بھی  
بھائی پرمانند کے بھائی پرمانند کے  
کر دیہی میں پورے دل سے  
چاہتا ہے۔ دھرم، دل یا ساہیتر کے  
کی مسماہوں پر سوچنے اور انہیں  
جو آزادی سے پہلے کے دو سو برس  
تک ویدی شاک اپنے  
سوار کے لئے ہمیں سکھاتے پڑھاتے رہے۔

اس طرح کے جہازوں میں عام طور پر  
کچھ ڈھلوانی  
دونوں طرف کی ہوتی ہے۔ کچھ  
طرف ہوتا ہے۔ یہ بھی  
میں جو اس کے ساتھ  
میں ہوں گے ساتھ  
میں ہوں گے ساتھ  
میں ہوں گے ساتھ

اس طرح کے جہازوں میں عام طور پر  
کچھ ڈھلوانی  
دونوں طرف کی ہوتی ہے۔ کچھ  
طرف ہوتا ہے۔ یہ بھی  
میں جو اس کے ساتھ  
میں ہوں گے ساتھ  
میں ہوں گے ساتھ  
میں ہوں گے ساتھ

## हिन्दी और पंजाबी का झगड़ा

पंजाब में हिन्दी और पंजाबी का झगड़ा काफी ज़ोरों के साथ चल रहा है। आम तौर पर वहाँ के हिन्दू हिन्दी के तरफदार हैं और सिख पंजाबी के। इस तरह इस झगड़े ने हिन्दू मित्र वैमनस्य का रूप ले लिया है। मामला यहाँ तक बढ़ चुका है कि कहीं, कहीं शहरों में बानों बलों के जुलूम निकलते हैं जिनमें मित्रों के तरफ से "दोरी घानी जमना पार," और हिन्दुओं की तरफ से "कैरी उतरा है तैयार," के नारे तक बुजन्द किये जाते हैं। कहीं कहीं इससे भी अधिक शर्मनाक और दर्दनाक घटनाएँ हो चुकी हैं। जिन्हें इतिहास जितनी जल्दी जल्दी भूल जावे उतना ही अच्छा है। यदि हालत इसी तरह जारी रहा और वैमनस्य बढ़ता गया तो डर है कि देश के और अधिक दुर्गन्ध करने पड़ जावें और आवादी के तबादले। खून खराबा और तरह तरह के पापों के वही दृश्य फिर देखने पड़ें जहाँ सन् 47 में देखने पड़े थे। आजकल की अन्तर राष्ट्रीय स्थिति में देश इच्छत की, स्वाधीनता और सुरक्षा पर इनका कितना बुरा असर पड़ सकता है यह सोचने की चीज है। कुछ नकलें लोंगों की तरफ से मेल और समझौते की कांशिशें भी जारी हैं।

इन सारे घरेलू झगड़े में कुछ संस्थाओं और दलों के नाम खास तौर पर सामने आ रहे हैं, जैसे आर्य समाज, हिन्दू महासभा और जनसंघ, राष्ट्रीय स्वयं सेवक संघ, अकाली दल, कुछ असन्तुष्ट अथवा साम्प्रदायिक टांस्ट-कोण बाजे काग्रसी इत्यादि। खबर है कि कुछ विदेशी साम्राज्य प्रेमी भी कुछ देशों पूँजी पतियों की मारफत, हमारे इस घरेलू झगड़े में बिलबस्पी ले रहे हैं।

विचारों या आदर्शों का मतभेद एक अलग चीज है। रासत विचारों या रासत आदर्शों पर चलने की कांशिश कर के कौमें मिट भी सकती हैं और मिट चुकी हैं पर हम यह नहीं मानते कि देश का कोई भी दज या कोई भी व्यक्ति जान बूझकर देश में छूट डालने और बेवासियों को एक दूसरे से लड़ाने की कांशिश करेगा। आर्य समाज के साथ हमारा साठ बरस का गहरा सम्बन्ध है। बरसों हमने लाहौर के दयानन्द ऐंगलो वैदिक कालिज में शिक्षा पाई है। वहीं से हमने सन् 1905 में बी० ए० किया था। महात्मा ईश्वरराज के चरणों में बैठकर हम पढ़े हैं। लाला लाजपत राय के साथ हमारा घनिष्ठ सम्बन्ध रहा है स्वामी अज्ञानन्ध का भी हमें प्रेम प्राप्त रहा है। देश भक्ति और देश-सेवा के सबसे पहले पाठ हमने आर्य समाज ही की गाँव में पढ़े हैं। व्यक्तियों का तरह संस्थाओं और सोसाइटियों की भी हमारे हाँसी हैं, उनका भी जन्म, जबानी, बुढ़ापा और

## हिन्दी और पंजाबी का झगड़ा

पंजाब में हिन्दी और पंजाबी का झगड़ा काफी ज़ोरों के साथ चल रहा है। आम तौर पर वहाँ के हिन्दू हिन्दी के तरफदार हैं और सिख पंजाबी के। इस तरह इस झगड़े ने हिन्दू मित्र वैमनस्य का रूप ले लिया है। मामला यहाँ तक बढ़ चुका है कि कहीं, कहीं शहरों में बानों बलों के जुलूम निकलते हैं जिनमें मित्रों के तरफ से "दोरी घानी जमना पार," और हिन्दुओं की तरफ से "कैरी उतरा है तैयार," के नारे तक बुजन्द किये जाते हैं। कहीं कहीं इससे भी अधिक शर्मनाक और दर्दनाक घटनाएँ हो चुकी हैं। जिन्हें इतिहास जितनी जल्दी जल्दी भूल जावे उतना ही अच्छा है। यदि हालत इसी तरह जारी रहा और वैमनस्य बढ़ता गया तो डर है कि देश के और अधिक दुर्गन्ध करने पड़ जावें और आवादी के तबादले। खून खराबा और तरह तरह के पापों के वही दृश्य फिर देखने पड़ें जहाँ सन् 47 में देखने पड़े थे। आजकल की अन्तर राष्ट्रीय स्थिति में देश इच्छत की, स्वाधीनता और सुरक्षा पर इनका कितना बुरा असर पड़ सकता है यह सोचने की चीज है। कुछ नकलें लोंगों की तरफ से मेल और समझौते की कांशिशें भी जारी हैं।

इस सारे ग़रबाव ज़ग़रे में कुछ संस्थाओं और दलों के नाम खास तौर पर सामने आ रहे हैं, जैसे आर्य समाज, हिन्दू महासभा और जनसंघ, राष्ट्रीय स्वयं सेवक संघ, अकाली दल, कुछ असन्तुष्ट अथवा साम्प्रदायिक टांस्ट-कोण बाजे काग्रसी इत्यादि। खबर है कि कुछ विदेशी साम्राज्य प्रेमी भी कुछ देशों पूँजी पतियों की मारफत, हमारे इस घरेलू झगड़े में बिलबस्पी ले रहे हैं।

विचारों या आदर्शों का मतभेद एक अलग चीज है। रासत विचारों या रासत आदर्शों पर चलने की कांशिश कर के कौमें मिट भी सकती हैं और मिट चुकी हैं पर हम यह नहीं मानते कि देश का कोई भी दज या कोई भी व्यक्ति जान बूझकर देश में छूट डालने और बेवासियों को एक दूसरे से लड़ाने की कांशिश करेगा। आर्य समाज के साथ हमारा साठ बरस का गहरा सम्बन्ध है। बरसों हमने लाहौर के दयानन्द ऐंगलो वैदिक कालिज में शिक्षा पाई है। वहीं से हमने सन् 1905 में बी० ए० किया था। महात्मा ईश्वरराज के चरणों में बैठकर हम पढ़े हैं। लाला लाजपत राय के साथ हमारा घनिष्ठ सम्बन्ध रहा है स्वामी अज्ञानन्ध का भी हमें प्रेम प्राप्त रहा है। देश भक्ति और देश-सेवा के सबसे पहले पाठ हमने आर्य समाज ही की गाँव में पढ़े हैं। व्यक्तियों का तरह संस्थाओं और सोसाइटियों की भी हमारे हाँसी हैं, उनका भी जन्म, जबानी, बुढ़ापा और

رکس سیریا کے ہاتھ بیٹا شہر ہتھیار پہنچانے کے لئے تیار ہو گیا۔ ہتھیار روس سے خرید لئے گئے۔ اس پر امریکا نے طرح طرح سے اعتراض کیا۔ سیریا ایک آزاد دیہی ہے۔ اُس نے جو کچھ کیا اُس کا اُلٹے پورا ادھیکار تھا۔ کسی باہر کی طاقت کو اُس میں دخل دینے کا حق نہیں پہنچتا۔ پھر بھی امریکا کا چم تمبر نوجی جہازی بڑا سیریا کے کنارے پر اُدھمکار۔ سیریا کو خطرہ ہوا۔ بوجہ شرطیں سیریا کی سرکار کے سامنے پیش کی جانے لگیں۔ جیتنے سے سیریا نے فرار ہٹ کر کر دیا۔ راکس کو خبر لگی۔ سیریا کی اجازت سے ایک روسی بڑا ہی اُسی جگہ پہنچ گیا۔ ان ہتھیاروں کو لکھتے سمے معاملہ شاید یہیں پر اُٹکا ہوئے۔ یو این، او۔ میں بھی سیریا کے معاملہ پر بحث ہو رہی ہے۔ سیریا اس سمے دنیا کے نازک اسٹیشنوں میں سے ہے۔ پھر سیریا کے لوگ بہادر ہیں، دیہی بہت ہیں اور سچائی اور انصاف اُن کی طرف ہے۔ سارے عرب دیشوں اور عرب قوم کی اُن کے ساتھ ہمدردی ہے۔ اُنٹ میں اس معاملہ میں سیریا کا سر اُونچا رہے گا۔ اس میں ہمیں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

ہمارا اُنہو یہ ہے کہ دنیا کے سب دیہی اُنٹ میں سمجھ داری سے کام لیں گے اور دنیا، بریادی سے بچتی رہے گی۔ یہ ہنری اور دنیا کی چلتا لی ہارڈک اچھا ہی ہے۔ دتو ہمارے آدمیوں نے وردہ دب تھاں ہا سو جیائے یہ شاید کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اچھا سے اچھی اُٹا کرتے وئے بھی اور دل سے سب کا بھلا چاہتے وئے بھی ہمارے۔ اوسانوں کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

ہمیں پورا دتہ اُس ہے کی ہندی نے روٹس بائس روز لوک چین کی خلق روز جیٹا، ہا تا کی چاؤس روز جن سکے اور ایشیا اور امریکا کے اندر دیہی، جن سب کی اُنٹ پرہوی کی کل اُنٹ کے آئے سے ہیں اُنٹ ہوتی ہے۔ پوریم اور سچائی کے ساتھ ملکر کھڑے ہوں اور مل کر کڑے رہیں تو ساراج دان، بدہ دان اور پورچہ دان سے یہ کامے کامے ہوتے چھٹے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہمارے اس ایکٹ کے ساتھ ایٹم اور ہائڈروجن ہموں کے امبار پائی ہوتے ہوئے دلہائی ہیں کہ دنیا کا ہر شعبہ ہمارے اس ایکٹ پر ترہور ہے۔ یہی آج سمے کی سب سے بڑی مانگ ہے۔

3-10-57

—سندھ لال

—سندھ لال

8. 10 57

हाल में अरब देश सीरिया ने जिसे 'शाम' भी कहते हैं, कुछ हथियार खरीदना चाहा. सीरिया की सरकार ने अमरीका से बात की. अमरीकी सरकार ने हथियार बेचने के लिये बेजा और शरारत भरी शरतें लगाई. सीरिया की सरकार ने मानने से इंकार किया. उन्होंने रुस से बात की.

حال میں عرب دیش سہریا نے جیسے 'شام' بھی کہتے ہیں، کچھ ملک، خریدنا چاہا۔ سہریا کی سرکار نے امریکہ سے ہات کی۔ امریکی سرکار نے ہتھیار بیچنے کے لئے بیچنا اور شہریت دہری شہریوں لگانوں۔ سہریا کی سرکار نے ملکہ سے انکار کیا۔ انہوں نے روس سے ہات کی۔







# ہماری رائے

## ایشیا کے گلے میں فندا

لگभگ سارے संसार کی जनता, जिसमें पाँचों महा द्वीपों और सब देशों के लोग शामिल हैं, एक आवाज से यह मांग कर चुकी है, करती रही है और कर रही हैं कि न्युकलीयर और थर्मो न्युकलीयर हथियारों यानी पेटम और हाइड्रोजिन बमों के तजरबे बन्द किये जावें. दुनिया के सैकड़ों बड़े से बड़े साइन्सदाँ, जिनमें अमरीका के बड़े से बड़े साइन्सदाँ शामिल हैं, साफ साफ कह रहे हैं कि इन तजरबों से मानव जाति की तन्पुष्टी का बहुत सस्त नुकसान पहुँच रहा है, इनप्लुएन्सा और दूसरी इसी तरह की महामारियाँ जो आजकल जगह जगह फैल रही हैं इन तजरबों ही का नतीजा हैं, और अगर यह तजरबे कुछ दिनों और जारी रह गए तो इनका सबसे खतरनाक प्रभाव सारी मानवजाति का जननेन्द्रियाँ पर पड़ेगा, जिसके नतीजे की शकल में हो सकता है कि सैकड़ों बरस तक बहुत से इनसानी बच्चे अजीब अजीब शकलों के अजीब-मजीब और तरह-तरह के अंगों वाले, यहाँ तक कि आधे इनसान और आधे जानवर पैदा हो. फिर भी अमरीका, रूस और इंगलैण्ड तीनों की तरफ से हाइड्रोजिन बमों के नित नए तजरबे आए दिन हाते रहते हैं, जिनकी ख़बरें दुनिया भर के अख़बारों में छपती रहती हैं.

रूस के शासक बार बार यह कह चुके हैं कि अगर अमरीका और इंगलैण्ड इस तरह के तजरबे बन्द करवें तो रूस भी इन्हें फौरन बन्द करने को तैयार है. रूस. सरकार कीतरफ से यह प्रस्ताव भी यू० एन० २०० के सामने पेश है, पर अमरीका किसी तरह हामी भरने को तैयार नहीं. यू० एन० २०० या उसकी कमेटीयों के सामने जब कभी इस तरह के प्रस्ताव आते हैं अमरीका और इंगलैण्ड हजार तरह से अड़गे लगाकर उन्हें टालत रहते हैं, इस तरह के प्रस्ताव इस समय भी यू० एन० २०० के सामने पेश हैं.

## ایشیا کے گلے میں فندا

لگ بھگ سارے سلسلہ کی جگہ جس میں پانچوں مہادیہوں اور سب دیہوں کے لوگ شامل ہوں، ایک آواز سے یہ مانگ کر چکی ہے، کرتی رہی ہے اور کر رہی ہے کہ نیوکلیئر اور تھرمو نیوکلیئر ہتھیار یعنی ایٹم اور ہائڈروجن بموں کے تجربے بند کئے جائیں. دنیا کے سیکڑوں بڑے سے بڑے سائنسدانوں، جن میں امریکہ کے بڑے سے بڑے سائنسدان شامل ہیں، صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ ان تجربوں سے مانو جاتی کی قدرتی کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے، انفلونزا اور دوسری ایسی طرح کی مہاساریاں جو آجکل جگہ جگہ پھیل رہی ہیں ان تجربوں ہی کا نتیجہ ہے، اور اگر یہ تجربے کچھ دنوں اور جاری رہ گئے تو ان کا سب سے خطرناک پرہاؤ ساری مانو جاتی کی جانلیں پر بڑے کا جس کے نتیجے کی شکل میں ہو سکتا ہے کہ سوکڑوں برس تک بہت سے انسانی بچے عجیب عجیب شکلوں کے، عجیب عجیب اور طرح طرح کی انگوں والے، یہاں تک کہ آدمے انسان اور آدمے جانور پیدا ہوں۔ یہ بھی امریکہ، روس اور انگلینڈ تینوں کی طرف سے ہائڈروجن بموں کے نئے نئے تجربے آئے دن ہوتے رہتے ہیں.

روس کے شاہک بار بار یہ کہہ چکے ہیں کہ اگر امریکہ اور انگلینڈ اس طرح کے تجربے بند کر دیں تو روس بھی انہیں فوراً بند کرنے کو تیار ہے. روسی سرکاری طرف سے یہ پرستار بھی ہو. ان. اور کے سامنے پیش ہے. پر امریکہ کسی طرح حاسی کرنے کو تیار نہیں. ہو. ان. اور یا اس کی کمیٹیوں کے سامنے جب بھی اس طرح کے پرستار آتے ہیں امریکہ اور انگلینڈ ہزار طرح سے اڑتے لڑتے ہیں. ایسی طرح کے پرستار اس سے بھی ہو. ان. اور کے سامنے پیش ہیں.

—ब० ना० पांडे

**बि० ना० पांडे.**

[ बाकरी सफा 236 पर ]

—دی. نا. پانڈے .

اس کتاب کے ہندی ایڈیشن کی اوجنا ہم اکتوبر 57 کے  
نواہد میں کو چمکے ہیں۔ کتاب کی چھاپی صفائی بہت عمدہ ہے۔  
ہندی اور گجراتی کا جائزہ والہ اس کے لئے سردار بقول کی زندگی  
ار اُن کے مہان کاموں کے سمجھنے میں یہ انگریزی ایڈیشن مدد  
دے گا۔

—دی، نا، پانقم،

[بقی صفحہ 236 پر]



“आइभी को चाहिए कि अपने मन पर लट्ठी करे और उसे संयम से रखे. अपने दिल की आँख खोलना जरूरी है. अगर बाहरी आँखों में ईश्वर को देखने की ताकत होती तो जानवर भी ईश्वर को देख लेते.”

[ 16 ]

चौकें तो 'मुद्दिब' खाने परीशों से कभी,  
बाज्र भाएँ तो खूरेजी-ए-इन्साँ से कभी,  
सूफी की मए साफ़ जो बकले योरोप,  
हो बादा-परस्ती भी न शैतों से कभी !

सत्राबे परीशाँ—हुःस्वप्न, खूरेजी—खून बहाना,  
सूफी—वेदांती, मप साफ—साफ शराब (यहाँ तात्पर्य प्रेम  
से है), बादा परस्ती—शराब पीना (जो इस्लाम में पाप है),  
शैतान—ईश्वर का विरोधी फ़रिश्ता,

“ये ‘मुद्दिब,’ काश दुनिया के लोग इस (लड़ाई के) दुःस्वप्न से जाँकते और आदर्श का खून न बहाते। अगर यूरोप वाले सूफी के प्रेम का अनुभव करें तो उनकी कौन कहे शैतान तक से पाप न हो सके।”

”اُمی کو چاہئے کہ اپنے من پر حُضریٰ کرے اور اُسے ملزم رہے۔ اپنے دل کی آنکھ کھلنا ضروری ہے۔ اگر باہری آنکھوں میں ابھرنے کی دیکھنے کی طاقت ہوتی تو جانور بھی ابھرنے کو دیکھ لیتے۔“

(. 16 )

چو کہیں تو مسحب، خواب پریشاں سے کہی،  
ہاں اُنہیں تو خونریزیِ انساں سے کہی،  
صوفی کی مٹے صفا جو چمکے یورپ  
ہو ہادۂ پرستی بھی نہ شیطان سے کہی !

خواب پریہاں — دہی سوہن، خوں ریزی — خون بہانا  
 سوئی — وہدانتی، مٹے صاف — صاف شراب ( عہاں تاپ پر مٹے  
 وہم سے ہے ) ہادہ پوستی — شراب پیہا ( جو اسلام میں پاپ  
 ہے ) شیطان — آشور کا وردی، فرشتہ .

”اے مصعبؓ، کاش دنیا کے لوگ ایسے (پوائی ۷) دیکھی ہوئیں سے چوکتے اور آدمی کا خون نہ بہاتے۔ اگر ہرگز والے سوتی کے پتھر کا انہو کریں تو اُن کی کون کہہ شیطان نک سے اب نہ ہو سکے۔“

[सफ़ा 238 से आगे]

खुबैयां मस्तूर के 'डोली' तक इस रिसाले में शफिकु रहमान और कशमीरी लाल जाकिर भी दोरा-बदोरा हैं लेकिन मंजिलें अलग-अलग.

यह रिसाला उन लोगों के लिये तो एक नेमत साबित होगा जिनके पास न इतने पैसे हैं कि सारे रिसालों को खरीद कर पढ़ सकें और न इतना बक़ जो इनके तलाश करने में सर्वा हो.

राजलों का इन्तख़ाब अच्छा और नज़मों का यनीमत है, बेहतर होता कि शाहकार में इलमी और तक़ीदी मन्ज़ा-मीन भी शामिल किये जायें। फिराक़ साहब का आर्टिकल बलबत्ता कुछ इस क़िस्म का है, रिसाले की ज़पाई और साइज का हमारे एडिटर साहब ने, ख़ास क़याल रखा है, और क़ीमत के लिहाज़ से 144 सफ़हों का रिसाला सस्ता ही कहा जायेगा,

—مٹھائی . —مٹھنے ماری.

[ 238 ]

خدیجہؓ مستور کے قریبی تک ۔ اس رسالے میں شفیق الرحمان اور کشمیری لاداکر بھی درج ہوئے ہیں ۔ لیکن منزلوں الگ الگ ۔

یہ رسالہ اُن لوگوں کے لئے تو ایک نعمت ثابت ہوا جن کے پاس نہ اِنلے پیسے ہیں کہ سارے رسالوں کو خرید کر پڑھ سکیں اور نہ اُنکا وقت چھو اُن کے غرض کرنے میں صرف ہو ۔

فزیوں کا انتخاب اچھا اور نظموں کا غلیمت ہے ۔ بہتر ہوتا کہ شاعر کا مہن علمی اور تخلیقی مضامین بھی شامل کئے جاتے ۔  
 نرلیق صاحب کا آر ٹیکل ایک نچھ اِس قسم کا ہے ۔ رسالہ کی چھپائی اور رسائو کا ہمارے اکتوبر صاحب نے خاص خیال رکھا ہے ۔ اور قیمت کی لحاظ سے 144 صفحاتوں کا رسالہ مستثنیٰ نہا جائیگا ۔

”میری دینی صرف اسی الہ ہائی نہیں اپنا فائدہ اس میں  
 نہیں دیکھ رہے ہیں۔ نہ دھرمک دھرم ہوا کی آگ کسی کو جلا  
 سکتی ہے۔ کرتی چاہے جلد ہو جاتے چاہے مسلمان۔ دھرم کے  
 بدلنے سے دین نہیں بدلتے گا۔“

( 13 )

ہندو مسلمان میں تعصب جو نہیں  
 تو کونسا مذہب ہے نہیں ہرچ کہوں  
 یہ نام مسلم کا 'محب' ہوں  
 اور نام ہے ہندو کا یہاں گنگا دھن !

تصنيف: چهارمک بود بهاؤ کثرت ادعک هونا .

”اگر ہندو اور مسلمان میں پیہد بھاؤ نہ تو دھرموں کی  
 سنگھیا میں ادھک ہونے سے کوئی عرج نہیں ہے۔ ہمارے  
 پہلی تو مسلمان کا نام سید مل ہوتا ہے اور ہندو کا گنگا دھن۔“

( 14 )

انسان مہں کمال ھے دہوئی ھے بچپنا  
 جہول کر نہیں دانھی توحید خدا  
 جہول ھے بھی آرزو ھے مصعب وہ انسان  
 جو خلق کو اور حق کو سمجھتا ھے جدا !

کمال پورنتا، درئی، دو، ہوئے کی ماؤنا، حیدواں—(حیدواں)  
 پھر، دانہ، سجہ، توحید، ایک، ہوتا، ارزل، پست، کرا  
 ہوا، خلق، دنیا، حق، ایہور۔

”آدمی کی پورنٹا اُسی ہات میں ہے کہ وہ ابشور اور اُس کی سرشتی کو ایک ایک لے سمجھے۔ جانور کو پہلوں کے ایک ہونے کی سمجھ نہیں ہے۔ لیکن اُسے ’مضب‘ وہ آدمی تو جانوروں سے بھی برا ہے جو ابشور اور اُس کی دنیا کو ایک دوسرے سے ایک سمجھتا ہے۔“

( 15 )

کچھ نرس پہ لپے تو چٹا کی ہوئی  
کچھ جھم بھرتی تو وا کی ہوئی  
ایں آنکھوں میں گر نہر خدا میں ہوتا  
جھول کر یہی مہرمت خدا کا ہوتا !

نفسِ سمن، جفا، سختی، چشمِ بصیرت، دل کی آنکھ،  
واسطی، نورِ روزگاری، خدا، یوں، خدا کو دیکھنے والا، حیوان  
سجائیز، معرفت، ایشور کے پاس ہونا۔

لکھتے ہیں کہ کبھی باپ نے ہندو مسلمان  
کبھی انکا، کبھی اور ہے اور انکا اور !

تکلیف-مذہب-مذہب، مہدیا بھاشن

”دنیا میں مہدیا بھاشن کا بولچال ہے، یہ  
مہدیا بھاشن مہدیا پر کبھی بھی نہیں کرتے۔  
آخر یہ ہندو مسلمان  
کس بات پر لڑتے ہیں؟ کہا دونوں کے بھائی ایک  
ہیں؟“

(10)

ہندو-مسلمانوں کے نہیں دو ہیں، کبھی،  
دونوں میں ہے ایک شان خداوندی،  
جب ان کا وطن ایک ہے اور شکلوں ایک  
کھوں تقریباً دیں سے ہیں دونوں یہ جدا  
خداوندی—مہان ابھار، وطن—دھرم، تقریباً—

کبھی، دیں—(دین) دھرم۔  
”ہندو اور مسلمانوں کے خدا ایک نہیں ہیں۔  
دونوں میں ایک ہی ہیکو کی سہارا کے درشن ہوتے ہیں۔  
جب ہندو مسلمان دونوں کا دیہ اور ان کی شکلوں ایک  
ہی ہیں تو دیول دھرم ایک ہوتے سے یہ دونوں ایک ایک  
کھوں ہیں؟“

(11)

کھنے سے رکیوں کے ’مہدیا‘ ہیں مہدے،  
میل جائے گی کبھی ہندو ہندو میں پڑے،  
ہندو-مسلمانوں میں تناظر، کبھی ہے،  
ہیں مہدے دیہ کے یہ دونوں لڑے!

رکیوں—ہندو، ہندو ہندو—کبھی  
تناظر—نکارت، مہدے دیہ—ہندو مہدے

”یہ ’مہدیا‘ یہ (ہندو اور مسلمان) ہندو ہندو کے کھنے پر  
کھنے پر مہدے ہیں (اور آپس میں لڑتے ہیں) رکیوں اور مہدے  
پائے پر یہ ایک ہو جائیں گے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے  
سے نفرت کھوں ہے؟ دونوں ہی ہندو مہدے کے پتر ہیں۔“

(12)

کھنے سے مہدیا کے پیکار نہیں مہدے،  
کھنے سے مہدیا کے پیکار نہیں مہدے،  
ہندو ہو جائے یا مسلمان ہو جائے  
مہدے کے پیکار نہیں مہدے۔

کھنے—کھنے، مہدیا، مہدے (مہدے کا مہدے)،  
کھنے—کھنے، مہدے—کھنے، مہدے

نکارت 57

(234)

لڑتے ہیں یہ کس بات سے ہندو مسلم  
کہا ان کا خدا ہے اور ہے اور ان کا اور !

تکلیف—مہدیا، مہدے، مہدے۔

”دنیا میں مہدیا بھاشن کا بولچال ہے۔ اے مہدے  
لوگ مہدے پر کبھی بھی نہیں کرتے۔ آخر یہ ہندو مسلمان  
کس بات پر لڑتے ہیں؟ کہا دونوں کے بھائی ایک  
ہیں؟“

(10)

ہندو و مسلمان کے نہیں دو خدا  
دونوں میں ہے ایک شان خداوندی  
جب ان کا وطن ایک ہے اور شکلوں ایک  
کھوں تقریباً دیں سے ہیں دونوں یہ جدا  
خداوندی—مہان ابھار، وطن—دھرم، تقریباً—

کبھی، دیں—(دین) دھرم۔  
”ہندو اور مسلمانوں کے خدا ایک نہیں ہیں۔  
دونوں میں ایک ہی ہیکو کی سہارا کے درشن ہوتے ہیں۔  
جب ہندو مسلمان دونوں کا دیہ اور ان کی شکلوں ایک  
ہی ہیں تو دیول دھرم ایک ہوتے سے یہ دونوں ایک ایک  
کھوں ہیں؟“

(11)

کھنے سے رکیوں کے ’مہدیا‘ ہیں مہدے،  
میل جائے گی کبھی ہندو ہندو میں پڑے،  
ہندو-مسلمانوں میں تناظر، کبھی ہے،  
ہیں مہدے دیہ کے یہ دونوں لڑے!

رکیوں—ہندو، ہندو ہندو—کبھی  
تناظر—نکارت، مہدے دیہ—ہندو مہدے

”یہ ’مہدیا‘ یہ (ہندو اور مسلمان) ہندو ہندو کے کھنے پر  
کھنے پر مہدے ہیں (اور آپس میں لڑتے ہیں) رکیوں اور مہدے  
پائے پر یہ ایک ہو جائیں گے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے  
سے نفرت کھوں ہے؟ دونوں ہی ہندو مہدے کے پتر ہیں۔“

(12)

کھنے سے مہدیا کے پیکار نہیں مہدے،  
کھنے سے مہدیا کے پیکار نہیں مہدے،  
ہندو ہو جائے یا مسلمان ہو جائے  
مہدے کے پیکار نہیں مہدے۔

کھنے—کھنے، مہدیا، مہدے (مہدے کا مہدے)،  
کھنے—کھنے، مہدے—کھنے، مہدے

نکارت 57

تقلید کا دنیا میں مچا ہے کیا شور؟  
کرتی نہیں مذہب پہ، 'مذہب' ہم کچھ غور؟



”سंसार की प्रत्येक बिधा ईश्वर को हमसे छिपाती है. हम किताबों को पढ़ कर के (ईश्वर के बारे में) शंकाएँ करने लगते हैं. यह (किताबी) योग्यता तो हर अस्त अंधापन है. ऐ 'मुहिब' दुनिया के लिए जो रोशियारी है वह सबसे बड़ी नींद है।“

( 4 )

ہے کفر 'مُہیب' غیر ہر اسکو مانا،  
ہم نے تو بتوں کو بھی خدا ہی جانا،  
تشریح سے سफलत کا نئی جا یہ دھبا،  
موسى نے جو دیکھا بھی تو کیا پہچانا !

کفر—ادھارمکتہ، تشریح—ایمان،  
سफलत—بے پروائی، ہمت—مروتی

”موسى—ایک نئی، ہجرت موسى نے ईश्वर سے प्रार्थना कीची कि तुम्हे अपना मुख दिखा. ईश्वर ने उनके बहुत कहने सुनने पर अपना चेहरा तो नहीं सिर्फ जल्वा (दीप्ति) दिखाया. लेकिन हजरत موسى इसे भी देखने की ताब न ला सके. वे बेहोश हो गए और जिस तूर पहाड़ पर वे खड़े थे वह जल गया.“

”ऐ 'मुहिब' ईश्वर से किसी को अलग समझना अधार्मिकता है. हम तो मूर्तियों में भी ईश्वर को देखते हैं. ईश्वर के अपनाओं पर ध्यान न देने का फल यह हुआ कि मूसी ईश्वर को देखकर भी न पहचान सके.“

( 5 )

پہرے میں ہیں مخلوق کے وہ ذات خدا،  
پہرے نظر آئے یہ امکان ہے کیا،  
تشریح کا ہوتا جو 'مُہیب' کچھ بھی مذاق  
سننے نہ شجر سے لائرنائی موسی !

مخلوق—دُنیا، امکان—سمجھنا،  
تشریح—ادھارمکتہ، مذاق—

راجی—شجر—پتھر۔  
لائرنائی—ایشور کا دھسوا (حضرت کو ایک پتھر نے اشور کا دھسوا بنایا تھا)۔

”ایشور سنسار کے ہی پردے میں چھپا ہے۔ وہ بے پروہ (یعنی دنیا سے الگ) نہیں دکھائی دے سکتا۔ اے 'مُہیب' موسیٰ میں اگر اشور کی آپ ناموں کے لئے کچھ رچی ہوئی تو (ہر ایک چیز میں اشور کو نہ دیکھ کر) وہ پتھر کیوں ابھری لیتی۔“

( 6 )

وہ مجھ سے ملا اور جدا بھی ہے وہی،  
بلبل بھی ہے، گل بھی ہے، ہوا بھی ہے وہی،

## سزا دیا تا مہیہ

ہی 'مہیہ'

( 1 )

اللہ کہو، رام کہو، گاڈ کیرب، 2 :  
ہر نام اسی کا ہے "مہیہ" کر ن بجز  
ہندو-آ-مسلمان-آ-نسارا-آ-یہو  
سب کا ہے وہی ایک اسی مہیہ !

گاڈ-ہیہر ( )، رب-بہوان، بجز-آرہر،  
نسارا-ہیہر، اسی-سیہر،

"چاہے اسی اللہ کہو، چاہے رام کہو، چاہے گاڈ کہو چاہے رب- یہ سب اسی ایک ہیہر کے نام ہیں۔  
اے "مہیہ" تو اس بات میں آہر نہ کر۔ ہندو، مسلمان، عیسائی، یہودی سب کے دہر کے سہانت ایک ہی ہیں۔"

( 2 )

اللہ کہو، رام کہو، گاڈ کیرب، 2 :  
ہر نام اسی کا ہے "مہیہ" کر ن بجز  
ہندو-آ-مسلمان-آ-نسارا-آ-یہو  
سب کا ہے وہی ایک اسی مہیہ !

اللہ کہو، رام کہو، گاڈ کیرب، 2 :  
ہر نام اسی کا ہے "مہیہ" کر ن بجز  
ہندو-آ-مسلمان-آ-نسارا-آ-یہو  
سب کا ہے وہی ایک اسی مہیہ !

"یہ ہمارا دہر ہے کہ ہم شہر پر ہی بگڑنے لگتے ہیں۔ یہی شہر کے بڑے شہر پر ہی بگڑنے لگتے ہیں۔  
اے "مہیہ" جو لوگ "مہیہ" کے نام ہیں۔ اے "مہیہ" جو لوگ "مہیہ" کے نام ہیں۔ اے "مہیہ" جو لوگ "مہیہ" کے نام ہیں۔

( 3 )

اللہ کہو، رام کہو، گاڈ کیرب، 2 :  
ہر نام اسی کا ہے "مہیہ" کر ن بجز  
ہندو-آ-مسلمان-آ-نسارا-آ-یہو  
سب کا ہے وہی ایک اسی مہیہ !

اللہ کہو، رام کہو، گاڈ کیرب، 2 :  
ہر نام اسی کا ہے "مہیہ" کر ن بجز  
ہندو-آ-مسلمان-آ-نسارا-آ-یہو  
سب کا ہے وہی ایک اسی مہیہ !

## رباہیات مہیہ

ہی مہیہ

( 1 )

اللہ کہو، رام کہو، گاڈ کیرب، 2 :  
ہر نام اسی کا ہے "مہیہ" کر ن بجز  
ہندو-آ-مسلمان-آ-نسارا-آ-یہو  
سب کا ہے وہی ایک اسی مہیہ !

اللہ کہو، رام کہو، گاڈ کیرب، 2 :  
ہر نام اسی کا ہے "مہیہ" کر ن بجز  
ہندو-آ-مسلمان-آ-نسارا-آ-یہو  
سب کا ہے وہی ایک اسی مہیہ !

"چاہے اسی اللہ کہو، چاہے رام کہو، چاہے گاڈ کہو چاہے رب- یہ سب اسی ایک ہیہر کے نام ہیں۔  
اے "مہیہ" تو اس بات میں آہر نہ کر۔ ہندو، مسلمان، عیسائی، یہودی سب کے دہر کے سہانت ایک ہی ہیں۔"

( 2 )

اللہ کہو، رام کہو، گاڈ کیرب، 2 :  
ہر نام اسی کا ہے "مہیہ" کر ن بجز  
ہندو-آ-مسلمان-آ-نسارا-آ-یہو  
سب کا ہے وہی ایک اسی مہیہ !

اللہ کہو، رام کہو، گاڈ کیرب، 2 :  
ہر نام اسی کا ہے "مہیہ" کر ن بجز  
ہندو-آ-مسلمان-آ-نسارا-آ-یہو  
سب کا ہے وہی ایک اسی مہیہ !

"یہ ہمارا دہر ہے کہ ہم شہر پر ہی بگڑنے لگتے ہیں۔ یہی شہر کے بڑے شہر پر ہی بگڑنے لگتے ہیں۔  
اے "مہیہ" جو لوگ "مہیہ" کے نام ہیں۔ اے "مہیہ" جو لوگ "مہیہ" کے نام ہیں۔ اے "مہیہ" جو لوگ "مہیہ" کے نام ہیں۔

( 3 )

اللہ کہو، رام کہو، گاڈ کیرب، 2 :  
ہر نام اسی کا ہے "مہیہ" کر ن بجز  
ہندو-آ-مسلمان-آ-نسارا-آ-یہو  
سب کا ہے وہی ایک اسی مہیہ !

اللہ کہو، رام کہو، گاڈ کیرب، 2 :  
ہر نام اسی کا ہے "مہیہ" کر ن بجز  
ہندو-آ-مسلمان-آ-نسارا-آ-یہو  
سب کا ہے وہی ایک اسی مہیہ !

جاا گا۔ ہارکر میں اپنے ایک رشتہدار श्री गोविन्द प्रसाद के पास पहुँचा। वे हाइकोर्ट के एक अच्छे एडवोकेट थे और आज जहाँ एंग्लोबंगाली इंटरमिडिएट कॉलेज है, वहीं उनका बंगला था। हमने उनसे प्रार्थना की कि वे अपने बंगले के टेनिस लान पर लोकमान्य की सभा करने की इजाजत दे दें। गोविन्द प्रसाद जी तुरंत राजी हो गए। अब हमारे वत्साह का ठिकाना न रहा। हमने जलसे का नोटिस निकाला जिस पर मेरे, एन० एम० धरमा के और के० पी० मिश्र के दस्तखत थे। सारा इंतजाम हमें तीन चार घंटे के अंदर करना पड़ा। शाम को छै बजे लोकमान्य तिलक का उसी लान के ऊपर व्याख्यान हुआ। विषय था वर्तमान राजनैतिक स्थिति। सवाल था, सभा का सभापति किसे बनाया जाय? बड़े बड़े लोगों में सब इन्कार कर चुके थे। तब हमने एंग्लो बंगाली हाई स्कूल के हेडमास्टर बाबू नैपाल चन्द्र राय को पकड़ा। नैपाल बाबू बड़ी ही नेक तबियत और प्रगतिशील विचारों के आदमी थे। सभा में करीब दो हजार आदमी इकट्ठा हुए, लोकमान्य जोशीलें बक्ता नहीं थे लेकिन उनका एक एक शब्द दिल का गहराई से निकलता मालूम होता था। जलसे में एक सभा सा बँधा हुआ था। इलाहाबाद में लोकमान्य का वह पहला राजनैतिक व्याख्यान था। उसने सिर्फ इलाहाबाद के शहर में ही नहीं बल्कि सारे सूबे में एक नए राजनैतिक जीवन की दुनियाँ बाल दीं। अगले दिन पूरे पेज का हैडिंग देकर अखबारों ने छापा—“इलाहाबाद में नए विचारों का पैराम्बर।” ईंडियन पीपुल ने जो ‘लीडर’ से पहले उस बक्त इलाहाबाद से निकलता था, लिखा—“बड़ा ही उत्साह-पूर्ण व्याख्यान” इसके बाद तो व्याख्यानों का सिलसिला ही शुरू हो गया। मार्च 1907 में बाबू विपिन चन्द्र पाल इलाहाबाद आए। इलाहाबाद में उनके तीन व्याख्यान हुए। उनके व्याख्यानों के लिये स्टेनली रोड पर सत्याचरण बाबू इकील के बंगले का आवाता ठीक किया। हर व्याख्यान में करीब तीन-चार हजार लोगों की भीड़ हाती थी। अप्रैल सन् 1907 में लाला लाजपत राय इलाहाबाद आए। लोकमान्य तिलक की मीटिंग रामलीला ग्राउंड में न हो सकी थी इसके लिए रामलीला कमेटी के मेम्बर बहुत शरमिन्दा थे। सेक्रेटरी से उन्होंने स्टीफा ले लिया था और लाला जी की मीटिंग रामलीला ग्राउंड में करने का वादा कर लिया था। वहीं लाला जी का व्याख्यान हुआ। इस हजार ने ज्यादा आदमी उन्हें सुनने के लिए इकट्ठा हुए। जनता के जोश और उत्साह का कोई ठिकाना न था।

( बाक़ी अगले नम्बर में )

چھاگلی . ہار کر میں اپنے ایک رشتہدار श्री गोविन्द प्रसाद के पास पहुँचा . وہ ہائی کورٹ کے ایک اچھے ایڈووکیٹ تھے اور آج جہاں انٹرمیڈیٹ کالج ہے ، وہیں اُن کا بنگلہ تھا . ہم نے اُن سے پرا تھنا کی کہ وہ اپنے بنگلے کے ٹینس لائن پر لوکمانیہ کی سبھا کرنے کی اجازت دے دیں . گووند پرساد جی فرنٹ راضی ہو گئے . اب ہمارے اُتساہ کا ٹھکانہ بن رہا . ہم نے جلسے کا نوٹس نکالا جس پر میرے ، ایم . این . دھرماس کے اور کے . پی . میشر کے دستخط تھے . سارا انتظام تین چار گھنٹوں کے اندر کرنا پڑا . شام کو چھ بجے لوکمانیہ تلک کا آئی لائن کے اوپر دیکھایا ہوا . وشہ تھا ورناسمان راج نیتک اسٹوکی . سوال تھا ، سبھا کا سبھا پکی کوسہ بنایا جائے گا بڑے بڑے لوگوں میں سب اسکا کرچکے تھے . تب ہم نے انٹیکلو بنگالی ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر بابو نیپال چندر رام کو پکڑا . نیپال بابو بڑے ہی نیتک طبیعت اور پرگلی شہل وچاروں کے آدمی تھے . سبھا میں قریب دو ہزار آدمی اکٹھا ہوئے . لوکمانیہ جوشیلے وقتا نہیں تھے . لیکن اُن کا ایک ایک شہد دل کی گہرائی سے نکلتا معلوم ہوتا تھا . جلسہ میں ایک سانس سا بندھا ہوا تھا . الہ آباد میں لوکمانیہ کا وہ پہلا راج نیتک دیکھایا تھا . اُس نے نہ صرف الہ آباد کے شہر میں ہی نہیں بلکہ سارے صوبے میں ایک نئے راج نیتک جیوں کی بنیادیں ڈال دیں . اگلے دن پورے پیج کا ہیڈنگ دے کر اخباروں نے چھاپا— “الہ آباد میں نئے وچاروں کا ہفمبر” . “انڈین پیپل” نے جو “لوٹر” سے پہلے اُس وقت الہ آباد سے نکلتا تھا تھا— “بڑا ہی اُتساہ پورن دیکھایا .

اِس کے بعد تو دیکھایاؤں کا سلسلہ ہی شروع ہو گیا . مارچ 1907 میں بابو وین چندر پال الہ آباد آئے . الہ آباد میں اُن کے تین دیکھایاؤں ہوئے . اُن کے دیکھایاؤں کے لئے اسٹوڈنٹی روڈ پر سٹاچرن بابو وکیل کے بنگلے کا احاطہ ٹھک گیا . ہر دیکھایاؤں میں قریب تین چار ہزار لوگوں کی بھیڑ ہوتی تھی . اپریل سن 1907 میں لالہ لاجپت رائے الہ آباد آئے . لوکمانیہ تلک کی میٹنگ رام ایلا گراؤنڈ میں نہ ہو سکی تھی اِس کے لئے رام ایلا کمیٹی کے ممبر بہت شرمندہ تھے . سکرپٹری سے انہوں نے استعفیٰ لے لیا تھا اور لالہ جی کی میٹنگ رام ایلا گراؤنڈ میں کرنے کا وعدہ کر لیا تھا . وہیں لالہ جی کا دیکھایا ہوا . دس ہزار سے زیادہ آدمی انہیں سلسلے کے لئے اکٹھا ہوئے . چنکا کے ادیش اور اُتساہ کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا .

[ باقی اگلے نمبر میں ]

कलकत्ता कांग्रेस के समय पहली बार हमें तिलक महाराज से देर तक रुक बैठकर बातें करने का औभाग्य प्राप्त हुआ। वे उस समय श्री पदाराज जैन के यहाँ ठहरे हुये थे, हमने तिलक महाराज से कहा कि यू० पी० और खासकर इलाहाबाद में उनके व्याख्यान होने चाहियें, उन्होंने हमारी बात का समर्थन किया, वे चाहते थे कि यू० पी० के कोई नेता उन्हें बुलावें, बंगाल, पंजाब और महाराष्ट्र में उन दिनों गरम दल का जोर था, यू० पी०, बम्बई और मद्रास नरम दल के गढ़ थे, तिलक महाराज ने हमसे वादा किया कि कांग्रेस के दो तीन दिन बाद वे कलकत्ते से इलाहाबाद होते हुए पूना जायेंगे और अगर इलाहाबाद में उनके व्याख्यान का प्रबन्ध हो सका तो वे उसके लिये भी तैयार रहेंगे, उन्होंने यह भी वादा किया कि अपने इलाहाबाद पहुँचने की वे हमें पहले से सूचना दे देंगे।

जहाँ तक मुझे याद है जनवरी सन् 1907 की 6 तारीख थी, सुबह की किसी गाड़ी से तिलक महाराज इलाहाबाद पहुँचे, बहुत से विद्यार्थी और शहर के लोग उनके स्वागत के लिए स्टेशन पहुँचे, वे दारार्गज में अपने दामाद श्री साने के यहाँ ठहरे, स्टेशन पर ही हमने उनसे उनके व्याख्यान की बातें छेड़ी, उन्होंने कहा कि वे दो एक घंटे के बाद पंडित मदन मोहन मालवीय से मिलने के लिये उनके मकान पर पहुँचेंगे और वहाँ अगर तय हुआ तो व्याख्यान देंगे।

हम भी भारती भवन मालवीय जी के मकान पर पहुँच गए, वहाँ उस समय पंडित मदन मोहन मालवीय के अलावा कांग्रेस के कई बड़े बड़े नेता तिलक महाराज से मिलने के लिए जमा थे, हमने तिलक महाराज से उनके व्याख्यान की बर्चा की, वे खुशी से राखी थे, पर वहाँ बैठे हुए अधिकतर नेता उनके व्याख्यान के खिलाफ थे और चाहते थे कि अगर तिलक महाराज इलाहाबाद में बोलें ही तो "वैदिक साहित्य" पर बोलें, "राजनीति" पर नहीं, मैंने तिलक महाराज से पूछा कि अगर मैं और मेरे साथी विद्यार्थी उनके व्याख्यान का प्रबन्ध कर सकें तो वे व्याख्यान देंगे या नहीं, वे राखी हो गए, मैंने यह भी कहा कि इलाहाबाद की जनता आपको वैदिक साहित्य पर सुनना नहीं चाहती, "राजनीतिक स्थिति" पर सुनना चाहती है, तिलक महाराज ने स्वीकार कर लिया।

व्याख्यान कराने की जिम्मेदारी तो हमने अपने ऊपर ले ली, लेकिन सबसे बड़ी दिक्कत हमें जगह की पड़ी, जहाँ जाते नरम दल के नेताओं के दूत हमसे पहले पहुँच जाते और वहाँ से हमें इन्कार, हाँ जाता, हमने सोचा था कि रामलीला माउंड में सभा कर लें मगर उसके मैत्री को ऐसा सबक पड़ा दिया गया कि उसने साफ इन्कार कर दिया। हम सब की तबियतों में बेहद मायूसी

लगा, कांग्रेस के समे पहली बार हमें तिलक महाराज से देर तक बैठकर बातें करने का औभाग्य प्राप्त हुआ, वे उस समय श्री पदाराज जैन के यहाँ ठहरे हुये थे, हमने तिलक महाराज से कहा कि यू० पी० और खासकर इलाहाबाद में उनके व्याख्यान होने चाहियें, उन्होंने हमारी बात का समर्थन किया, वे चाहते थे कि यू० पी० के कोई नेता उन्हें बुलावें, बंगाल, पंजाब और महाराष्ट्र में उन दिनों गरम दल का जोर था, यू० पी०, बम्बई और मद्रास नरम दल के गढ़ थे, तिलक महाराज ने हमसे वादा किया कि कांग्रेस के दो तीन दिन बाद वे कलकत्ते से इलाहाबाद होते हुए पूना जायेंगे और अगर इलाहाबाद में उनके व्याख्यान का प्रबन्ध हो सका तो वे उसके लिये भी तैयार रहेंगे, उन्होंने यह भी वादा किया कि अपने इलाहाबाद पहुँचने की वे हमें पहले से सूचना दे देंगे।

जहाँ तक मुझे याद है जनवरी सन् 1907 की 6 तारीख थी, सुबह की किसी गाड़ी से तिलक महाराज इलाहाबाद पहुँचे, बहुत से विद्यार्थी और शहर के लोग उनके स्वागत के लिए स्टेशन पहुँचे, वे दारार्गज में अपने दामाद श्री साने के यहाँ ठहरे, स्टेशन पर ही हमने उनसे उनके व्याख्यान की बातें छेड़ी, उन्होंने कहा कि वे दो एक घंटे के बाद पंडित मदन मोहन मालवीय से मिलने के लिये उनके मकान पर पहुँचेंगे और वहाँ अगर तय हुआ तो व्याख्यान देंगे।

हम भी भारती भवन मालवीय जी के मकान पर पहुँच गए, वहाँ उस समय पंडित मदन मोहन मालवीय के अलावा कांग्रेस के कई बड़े बड़े नेता तिलक महाराज से मिलने के लिए जमा थे, हमने तिलक महाराज से उनके व्याख्यान की बर्चा की, वे खुशी से राखी थे, पर वहाँ बैठे हुए अधिकतर नेता उनके व्याख्यान के खिलाफ थे और चाहते थे कि अगर तिलक महाराज इलाहाबाद में बोलें ही तो "वैदिक साहित्य" पर बोलें, "राजनीति" पर नहीं, मैंने तिलक महाराज से पूछा कि अगर मैं और मेरे साथी विद्यार्थी उनके व्याख्यान का प्रबन्ध कर सकें तो वे व्याख्यान देंगे या नहीं, वे राखी हो गए, मैंने यह भी कहा कि इलाहाबाद की जनता आपको वैदिक साहित्य पर सुनना नहीं चाहती, "राजनीतिक स्थिति" पर सुनना चाहती है, तिलक महाराज ने स्वीकार कर लिया।

व्याख्यान कराने की जिम्मेदारी तो हमने अपने ऊपर ले ली, लेकिन सबसे बड़ी दिक्कत हमें जगह की पड़ी, जहाँ जाते नरम दल के नेताओं के दूत हमसे पहले पहुँच जाते और वहाँ से हमें इन्कार, हाँ जाता, हमने सोचा था कि रामलीला माउंड में सभा कर लें मगर उसके मैत्री को ऐसा सबक पड़ा दिया गया कि उसने साफ इन्कार कर दिया। हम सब की तबियतों में बेहद मायूसी

जाजिसमें 60 करोड़ रुपये सालाना का सिर्फ कपड़ा था देश के कारीगर भूखे मर रहे थे, देश गरीब होता जा रहा था, 'स्व-देशी' का मतलब था कि हम अपने देश के उद्योग-धंधों को फिर से चमकाएँ और अपने रोजमर्रा के इस्तेमाल में जहाँ तक हो सके, देश की बनी हुई चीजें ही काम में लाएँ. दूसरा था 'बायकाट' यानी यह कि हम अंग्रेजों के अन्याय के जवाब में इंग्लैण्ड के बने हुये हर तरह के माल का ख़ास तौर से बहिष्कार करें. इस 'बायकाट'में सरकारी नौकरियाँ और ख़िताब भी शामिल थे. तीसरा था 'राष्ट्रीय शिक्षा' यानी अंग्रेजों के बनाये स्कूलों और कालेजों को छोड़कर राष्ट्रीय ढंग की शिक्षा हासिल करें. इस सिलसिले में मुल्क भर में जगह-जगह नेशनल कालेज और स्कूल कायम किये गये. चौथा था 'स्वराज' यानी देश को आज़ाद करना. हमारी टोली के प्रसिद्ध राष्ट्र कवि पंडित माधव शुक्ल ने इस चौमुखी कार्यक्रम पर नीचे लिखी कविता लिखी:—

“जय-जय श्री तिलक देव ! भारत हितकारी !

स्वदेशी अथ बहिष्कार, राष्ट्रीय शिक्षा प्रसार,

हिन्द में स्वराज—चारि पन्थ के पुजारी !”

नरम दल के नेता लोकमान्य तिलक के नये चतुर्मुखी कार्यक्रम के खिलाफ थे. कांग्रेस के ज्यादातर पुराने नेता इसी नरम दल में थे. लेकिन देश भर में जनता के अन्दर गरम दल का असर तेज़ी के साथ बढ़ता जा रहा था.

अंग्रेज शासकों ने नये दल को दबाने और बंग भंग के मकसद को पूरा करने के लिये ज़ोरदार कोशिश की. ढाका के नवाब सलीमुल्ला खाँ को चौदह लाख रिश्त देकर मुसलिम लीग कायम कराई गई और वही साल लाहौर में हिन्दू सभा की स्थापना हुई. लाहौर के जिस जल्ले में हिन्दू सभा कायम हुई उसमें मैं भी इत्फाक से मौजूद था. मैं पंजाब यूनिवर्सिटी के कानवोकेशन में अपनी डिग्री लेने गया था.

दिसम्बर सन् 1906 में कलकत्ते में कांग्रेस का बाईसवाँ इजलास हुआ. मैं, धर्मा और दूसरे साथी कलकत्ते की कांग्रेस में भी बाल्टियरों की हैसियत से शामिल हुए. जनता का जोश हृद को पहुँच चुका था. सरकार की चालों का उल्टा असर हो रहा था. सलीमुल्ला खाँ और उनकी मुसलिम लीग के ज़बाब में उनके भाई अलीक़उल्ला खाँ ने कांग्रेस में खूब खुलकर हिस्सा लिया. गरम दल के सौभाग्य से दादा भाई नौरोजी, जो तीस साल के राजनीतिक तज़रबे के बाद वही साल इंग्लैण्ड से भारत आये थे, कांग्रेस के सभापति थे. दादा भाई नौरोजी ने सभापति के आसन से गरम दल वालों का खुलकर साथ दिया और कांग्रेस के मंच से इतिहास में पहली बार 'स्वराज' शब्द का उपयोग किया. गरम दल के सब प्रस्ताव थोड़े बहुत अदल बदल के साथ पास हो गये. देश में जोश बढ़ता चला गया.

था. जिस में 60 करोड़ रुपये सालाने का मुल्क कपड़ा था. देश के कारीगर भूखे मर रहे थे, देश गरीब होता जा रहा था, 'स्व-देशी' का मतलब था कि हम अपने देश के उद्योग-धंधों को फिर से चमकाएँ और अपने रोजमर्रा के इस्तेमाल में जहाँ तक हो सके, देश की बनी हुई चीजें ही काम में लाएँ. दूसरा था 'बायकाट' यानी यह कि हम अंग्रेजों के अन्याय के जवाब में इंग्लैण्ड के बने हुये हर तरह के माल का ख़ास तौर से बहिष्कार करें. इस 'बायकाट'में सरकारी नौकरियाँ और ख़िताब भी शामिल थे. तीसरा था 'राष्ट्रीय शिक्षा' यानी अंग्रेजों के बनाये स्कूलों और कालेजों को छोड़कर राष्ट्रीय ढंग की शिक्षा हासिल करें. इस सिलसिले में मुल्क भर में जगह-जगह नेशनल कालेज और स्कूल कायम किये गये. चौथा था 'स्वराज' यानी देश को आज़ाद करना. हमारी टोली के प्रसिद्ध राष्ट्र कवि पंडित माधव शुक्ल ने इस चौमुखी कार्यक्रम पर नीचे लिखी कविता लिखी:—

“जय-जय श्री तिलक देव ! भारत हितकारी !

स्वदेशी अथ बहिष्कार, राष्ट्रीय शिक्षा प्रसार,

हिन्द में स्वराज—चारि पन्थ के पुजारी !”

नरम दल के नेता लोकमान्य तिलक के नये चतुर्मुखी कार्यक्रम के खिलाफ थे. कांग्रेस के ज्यादातर पुराने नेता इसी नरम दल में थे. लेकिन देश भर में जनता के अन्दर गरम दल का असर तेज़ी के साथ बढ़ता जा रहा था.

अंग्रेजों शासकों ने नये दल को दबाने और बंग भंग के मकसद को पूरा करने के लिये ज़ोरदार कोशिश की. ढाका के नवाब सलीमुल्ला खाँ को चौदह लाख रिश्त देकर मुसलिम लीग कायम कराई गई और वही साल लाहौर में हिन्दू सभा की स्थापना हुई. लाहौर के जिस जल्ले में हिन्दू सभा कायम हुई उसमें मैं भी इत्फाक से मौजूद था. मैं पंजाब यूनिवर्सिटी के कानवोकेशन में अपनी डिग्री लेने गया था.

दिसम्बर सन् 1906 में कलकत्ते में कांग्रेस का बाईसवाँ इजलास हुआ. मैं, धर्मा और दूसरे साथी कलकत्ते की कांग्रेस में भी बाल्टियरों की हैसियत से शामिल हुए. जनता का जोश हृद को पहुँच चुका था. सरकार की चालों का उल्टा असर हो रहा था. सलीमुल्ला खाँ और उनकी मुसलिम लीग के ज़बाब में उनके भाई अलीक़उल्ला खाँ ने कांग्रेस में खूब खुलकर हिस्सा लिया. गरम दल के सौभाग्य से दादा भाई नौरोजी, जो तीस साल के राजनीतिक तज़रबे के बाद वही साल इंग्लैण्ड से भारत आये थे, कांग्रेस के सभापति थे. दादा भाई नौरोजी ने सभापति के आसन से गरम दल वालों का खुलकर साथ दिया और कांग्रेस के मंच से इतिहास में पहली बार 'स्वराज' शब्द का उपयोग किया. गरम दल के सब प्रस्ताव थोड़े बहुत अदल बदल के साथ पास हो गये. देश में जोश बढ़ता चला गया.

ہم چاہتے ہیں کہ ہلاہاباد کی ٹولی بھی ہمارے ساتھ مل کر کام کرے۔ میں سب سے نہیں ملوں گا۔ گت رہ کر ہی لڑوں گا اور تمہارے چ میں ملدیں۔ اسیک (قاعد) کا کام کروں گا۔ اس کے بعد چوتھیں برس ہمارے اور لڑوں گا اور پچھلے برس میں لڑیں۔ اس وقت اس کا کام کرتے رہے۔

اس حالت میں دسمبر سن 1905 میں بنارس میں کانگریس کا ہفتہ کیسواں अधिवेशन हुआ. श्री गोपाल कृष्ण गोखले সভापति थे. देश में काफी जोश था. हलाहाबाद से साथियों को लेकर मैं बनारस पहुँचा. हम लोग स्वयं सेवक की हैसियत से कांग्रेस में शामिल हुए थे. उस समय कांग्रेस की आजब कैफियत थी. उसके हर इजलास में सबसे पहला प्रस्ताव इंग्लैंड के बादशाह की तरफ वफादारी का होता था. उस साल भी सबसे पहले यही प्रस्ताव आया. पहली बार देश के कुछ नेताओं ने उसका विरोध किया. उनके अग्रुआ थे लोकमान्य तिलक और लाला लाजपत राय. मुझे लोकमान्य के यह लफ्ज आज तक یاد हैं:—

“We have been over loyal up to this time let us decrease our loyalty.”

लोकमान्य का समर्थन करते हुए लाला लाजपत राय ने कहा:—

“Let the prince go and tell his father that there is no welcome for him in the Indian heart.”

मैं नाम भूल गया लेकिन एक वक्ता के मुँह से ये शब्द अब तक याद हैं:—

“कांग्रेस अभी तक नाबालिग थी. उसे शासकों की देख-रेख की जरूरत थी, अब वह 21 साल की यात्री बालिग हो, चुकी. अब उसे अपना काम खुद सँभालना चाहिए.”

मगर फिर भी कांग्रेस में पुराने नेताओं का खोर था और वफादारी का प्रस्ताव किसी तरह पास हो ही गया.

उस समय देश में दो राजनीतिक दल साफ दिखाई देने लगे. एक जिसे एक्स्ट्रीमिस्ट, राष्ट्रीय, या गरम दल कहा जाता था, जिसके खास नेता तिलक महाराज, लाला लाजपत राय, श्री विपिन चन्द्र पाल और श्री अरविन्द घोष थे. और दूसरा जो माडरेट, लिबरल या नरम दल कहलाता था, जिसके मुख्य नेता सर कीरोणशाह मेहता, श्री दिनशा इंदुलजी बाबा, पंडित मदन मोहन मालवीय और श्री गोपाल कृष्ण गोखले थे. बनारस कांग्रेस के बाद भी बंग बंग के जवाब में तिलक महाराज ने चौमुखी प्रोग्राम देश के सामने रखा. इनमें पहला स्वदेशी है. देश के वयोग बच्चे उस समय बेहद दबे हुये थे. अरबों रुपये का माल योरोप से आता

ہماری ہیں۔ اہل آباد کی ٹولی بھی ہمارے ساتھ مل کر کام کرے۔ میں سب سے نہیں ملوں گا۔ گت رہ کر ہی لڑوں گا اور تمہارے چ میں ملدیں۔ اسیک (قاعد) کا کام کروں گا۔ اس کے بعد چوتھیں برس ہمارے اور لڑوں گا اور پچھلے برس میں لڑیں۔ اس وقت اس کا کام کرتے رہے۔

اس حالت میں دسمبر سن 1905 میں بنارس میں کانگریس کا ہفتہ کیسواں अधिवेशन हुआ. श्री गोपाल कृष्ण गोखले সভापति थे. देश में काफी जोश था. हलाहाबाद से साथियों को लेकर मैं बनारस पहुँचा. हम लोग स्वयं सेवक की हैसियत से कांग्रेस में शामिल हुए थे. उस समय कांग्रेस की आजब कैफियत थी. उसके हर इजलास में सबसे पहला प्रस्ताव इंग्लैंड के बादशाह की तरफ वफादारी का होता था. उस साल भी सबसे पहले यही प्रस्ताव आया. पहली बार देश के कुछ नेताओं ने उसका विरोध किया. उनके अग्रुआ थे लोकमान्य तिलक और लाला लाजपत राय. मुझे लोकमान्य के यह लफ्ज आज तक یاد हैं:—

“We have been over loyal up to this time, let us decrease our loyalty.”

लोकमान्य का समर्थन करते हुये लाला लाजपत राय ने कहा:—

“Let the prince go and tell his father that there is no welcome for him in the Indian heart.”

मैं नाम भूल गया लेकिन एक वक्ता के मुँह से ये शब्द अब तक याद

हैं:—

“कांग्रेस अभी तक नाबालिग थी. उसे शासकों की देख-रेख की जरूरत थी, अब वह 21 साल की यात्री बालिग हो, चुकी. अब उसे अपना काम खुद सँभालना चाहिए.”

मगर फिर भी कांग्रेस में पुराने नेताओं का खोर था और वफादारी का प्रस्ताव किसी तरह पास हो ही गया.

उस समय देश में दो राजनीतिक दल साफ दिखाई देने लगे. एक जिसे एक्स्ट्रीमिस्ट, राष्ट्रीय, या गरम दल कहा जाता था, जिसके खास नेता तिलक महाराज, लाला लाजपत राय, श्री विपिन चन्द्र पाल और श्री अरविन्द घोष थे. और दूसरा जो माडरेट, लिबरल या नरम दल कहलाता था, जिसके मुख्य नेता सर कीरोणशाह मेहता, श्री दिनशा इंदुलजी बाबा, पंडित मदन मोहन मालवीय और श्री गोपाल कृष्ण गोखले थे. बनारस कांग्रेस के बाद भी बंग बंग के जवाब में तिलक महाराज ने चौमुखी प्रोग्राम देश के सामने रखा. इनमें पहला स्वदेशी है. देश के वयोग बच्चे उस समय बेहद दबे हुये थे. अरबों रुपये का माल योरोप से आता





یہ نہیں کہ اس گرم منڈلی میں خالی نوجوان ہی ہوتے تھے۔ بڑے بڑے بھی آندھری آندھری مود کرتے اور ہمارے ساتھ پوری شہرہ آفاق رہتے تھے۔ ان بزرگوں میں مارگ پور اور پورانس کے مشہور سپہاگ بابو رامانند چتر جی، ہندی کے مشہور لکھک پنڈت ہال کرشن بہت، پہلی کلٹر اور مشہور ودوان پنڈت شری کرشن جی اور ان کے علاوہ گورنمنٹ کالج کے سائنس کے ادھیا پک بابو ششی پوریشتر چتر جی تھے۔ رامانند بابو کانسو باٹھ شالا کالج کے پرنسپل تھے۔ پنڈت ہال کرشن بہت اسی کالج میں سائنس اور ہندی کے پروفیسر تھے۔ پنڈت شری کرشن جی تھے تو ڈپٹی کلٹر اور سوگاری انسپر لیکن ان کے دل میں اپنے ملک کی آزادی کے لئے ایک قوت تھی۔ ششی بابو ان بزرگوں میں سے تھے جن کی قابلیت اور چتر نے انہیں لوگوں کی نظاروں میں بہت اونچا اٹھا دیا تھا۔ ششی بابو کو سائنس اور گیان چرچا کا بے حد شوق تھا۔ یہ بزرگ منڈلی اکثر ان کے یہاں اکٹھا ہوتی تھی۔ کبھی کبھی اس منڈلی میں اردو کے مشہور شاعر اکبر حسین اور پنڈت مدن موہن مالویہ بھی شامل ہوجاتے تھے۔

نوجوان دوستوں میں پنڈت بال کھنن بھٹ کے پتر مہادیو بھٹ اور ششی بابو کے سب سے بڑے بھتیہ تھا لند چڑ جی تھے۔ انہیں بہاری شل کو ہم سب پریم سے 'راشی' کہہ کر پکارتے تھے۔ بعد میں زمانہ نے یلکا کھایا، راشی کو مجبور ہو کر سوگاری نوکری کرنی پڑی۔ اپنی قابلیت کے لئے وہ رائے صاحب بھی بنے اور سگریٹسٹ میں ہلکا ڈنہارٹسٹ کے سگریٹسٹ کے بد سے ریٹائر ہوئے۔ ٹوکا رام کرپانہی کسٹرنٹ بورڈ کے اہلکار کے ادھیا پک تھے لیکن بعد میں انہیں اپنی ادھیا پکی سے اسکیٹی دینا پڑا۔ ٹوکا رام کو چور کر اور سبھی ساتھیوں کو موت لے اپنی گرد میں سدھک لیا تھا اور جب میں یہ لائیں لک رہا ہوں' مہری انکھوں کے سامنے ان دیہی پردیسی ساتھیوں کے چہرے گہم رہے ہیں۔

ایہ آباد میں ابھی ہماری ٹولی کو سنگت ہوئے دو مہینے بھی تھے ہوتے پائے تھے کہ بنگال میں ایک ایسی گھٹنا کہتی جس نے سارے ملک کی نگاہیں اپنی طرف کر لیں۔ 17 اکتوبر سن 1905 کو بنگال کے دو ٹکڑے کر دیے گئے۔ بنگال نے ایک آندھری کی شکل لے لی۔ بنگال کے دو ٹکڑے تو ہوئے مگر بنگ بنگ کے آندھری نے بچھڑے ہوئے دلوں کو ملا دیا۔

ایہ آباد میں ہم نوجوانوں کی ٹولی اکٹھا قدم اٹھانے کی تجویز کرتے لگی۔ ہم لوگوں نے فیصلہ کیا کہ 31 اکتوبر کو جمنا کے کنارے ہلوا کھا کر پہلا عام جلسہ کیا جائے۔ پنڈت ہال کرشن بہت کی

یہ نہیں کہ اس گرم منڈلی میں خالی نوجوان ہی ہوتے تھے۔ بڑے بڑے بھی آندھری آندھری مود کرتے اور ہمارے ساتھ پوری شہرہ آفاق رہتے تھے۔ ان بزرگوں میں مارگ پور اور پورانس کے مشہور سپہاگ بابو رامانند چتر جی، ہندی کے مشہور لکھک پنڈت ہال کرشن بہت، پہلی کلٹر اور مشہور ودوان پنڈت شری کرشن جی اور ان کے علاوہ گورنمنٹ کالج کے سائنس کے ادھیا پک بابو ششی پوریشتر چتر جی تھے۔ رامانند بابو کانسو باٹھ شالا کالج کے پرنسپل تھے۔ پنڈت ہال کرشن بہت اسی کالج میں سائنس اور ہندی کے پروفیسر تھے۔ پنڈت شری کرشن جی تھے تو ڈپٹی کلٹر اور سوگاری انسپر لیکن ان کے دل میں اپنے ملک کی آزادی کے لئے ایک قوت تھی۔ ششی بابو ان بزرگوں میں سے تھے جن کی قابلیت اور چتر نے انہیں لوگوں کی نظاروں میں بہت اونچا اٹھا دیا تھا۔ ششی بابو کو سائنس اور گیان چرچا کا بے حد شوق تھا۔ یہ بزرگ منڈلی اکثر ان کے یہاں اکٹھا ہوتی تھی۔ کبھی کبھی اس منڈلی میں اردو کے مشہور شاعر اکبر حسین اور پنڈت مدن موہن مالویہ بھی شامل ہوجاتے تھے۔

نوجوان دوستوں میں پنڈت بال کھنن بھٹ کے پتر مہادیو بھٹ اور ششی بابو کے سب سے بڑے بھتیہ تھا لند چڑ جی تھے۔ انہیں بہاری شل کو ہم سب پریم سے 'راشی' کہہ کر پکارتے تھے۔ بعد میں زمانہ نے یلکا کھایا، راشی کو مجبور ہو کر سوگاری نوکری کرنی پڑی۔ اپنی قابلیت کے لئے وہ رائے صاحب بھی بنے اور سگریٹسٹ میں ہلکا ڈنہارٹسٹ کے سگریٹسٹ کے بد سے ریٹائر ہوئے۔ ٹوکا رام کرپانہی کسٹرنٹ بورڈ کے اہلکار کے ادھیا پک تھے لیکن بعد میں انہیں اپنی ادھیا پکی سے اسکیٹی دینا پڑا۔ ٹوکا رام کو چور کر اور سبھی ساتھیوں کو موت لے اپنی گرد میں سدھک لیا تھا اور جب میں یہ لائیں لک رہا ہوں' مہری انکھوں کے سامنے ان دیہی پردیسی ساتھیوں کے چہرے گہم رہے ہیں۔

ایہ آباد میں ابھی ہماری ٹولی کو سنگت ہوئے دو مہینے بھی تھے ہوتے پائے تھے کہ بنگال میں ایک ایسی گھٹنا کہتی جس نے سارے ملک کی نگاہیں اپنی طرف کر لیں۔ 17 اکتوبر سن 1905 کو بنگال کے دو ٹکڑے کر دیے گئے۔ بنگال نے ایک آندھری کی شکل لے لی۔ بنگال کے دو ٹکڑے تو ہوئے مگر بنگ بنگ کے آندھری نے بچھڑے ہوئے دلوں کو ملا دیا۔

ایہ آباد میں ہم نوجوانوں کی ٹولی اکٹھا قدم اٹھانے کی تجویز کرتے لگی۔ ہم لوگوں نے فیصلہ کیا کہ 31 اکتوبر کو جمنا کے کنارے ہلوا کھا کر پہلا عام جلسہ کیا جائے۔ پنڈت ہال کرشن بہت کی

वह जमाना ही ऐसा था जब सियासत और बकालत एक ही तसवीर के दो पहलू थे। वन्ही को सजाह से मैंने इलाहाबाद पहुँचकर ला कालेज में नाम लिखाने का फैसला किया। इत्फाक से मेरे पिता जी का भी यही मशविरा पसंद आया। मगर एक दूसरे नुक़तेनज़र से। वह चाहते थे कि मैं मुंसिफ़ बनूँ क्योंकि उस ज़माने में मुंसिफ़ी से हाईकोर्ट का जज़ी तक एक खुला सीधा रास्ता था और मुंसिफ़ी के लिये बकालत पढ़ना जरूरी था। नतीजा यह हुआ कि सन् 1905 में यूनिवर्सिटी खुलने पर मैं इलाहाबाद पहुँच गया और हिन्दू बोर्डिंग हाउस में दाखिल हो गया।

सर मुन्दरलाल और उनके भाई पंडित कन्हैयालाल, जो बाद में हाईकोर्ट के जज बने, मेरे पिता जी के दोस्तों में से थे। पिता जी के हुक्म के मुताबिक इलाहाबाद पहुँचते ही मैं उनसे भी मिलने गया। उन्होंने मुझे सलाह दी कि मैं एम० ए० और लॉ दोनों में ही अपना नाम लिखा लूँ। चुनावों में एम० ए० में फ़िलासफी और एल-एल० बी० में मैंने अपना नाम लिखा लिया।

पंजाब में उस ज़माने में कालेजों और यूनिवर्सिटी के विद्यार्थी आम तौर पर पगड़ी बाँध कर लेते थे। बाद में पगड़ी की जगह टोपी ने ले ली और अब तो टोपी की जगह नंगा सर ही लोग पसंद करने लगे। मगर उस ज़माने में सर खुला रखना तहजीब के खिलाफ़ बात समझी जाती थी। मालवीय जी एक निराली किरम की पगड़ी बाँधते थे। वह तरीक़ा मुझे इतना पसंद आया कि लाहौर ही से मैंने मालवीय जी की तरह पगड़ी बाँधनी शुरू कर दी। इतनी अच्छी पगड़ी मैं बाँध लेता था कि मेरे साथी, मालवीय जी के बड़े पुत्र पंडित रमाकान्त मालवीय को भी मुझसे ईर्ष्या होती थी। किन्तु इस पगड़ी का यह असर पड़ा कि लोग मुझे निहायत नरम बिचारों का समझने लगे, लेकिन धीरे-धीरे लोगों की यह रालतफ़हमी दूर हो गई, और लोग यह जान गये कि मालवीय छाप पगड़ी के नीचे एक गरम सिर है।

यूनिवर्सिटी के विद्यार्थियों में गरम ख़याल के दो विद्यार्थियों की तरफ़ मेरी नज़र गई, एक बुरहानपुर के के० पी० भिन्न थे और दूसरे नागपुर निवासी एन० एम० धरमा। दोनों ही मेरे साथ एल-एल० बी० में पढ़ते थे। कुछ महीनों के बाद ही गरम बिचार के नौजवानों की मंडली काफ़ी ताक़त पकड़ने लगी और धीरे धीरे इलाहाबाद गरम दल का एक खास अङ्ग बन गया। नए साथियों में बाबू नित्यानन्द चटर्जी, महादेव भट्ट, रास बिशरी शुक्ल, टीका-राम त्रिपाठी और माधा शुक्ल थे। माधा शुक्ल बड़ी लय के साथ अपनी देश-प्रेम से भरी कविताएँ पढ़ते और नौजवानों के दिलों को अपनी छार कर लेते थे।

वे ज़माने ही आसता जब सिलास और वकालत एक ही तस्वीर के दो पहलू थे। अँगरेजों की सलाह से मैंने एल-एल० बी० में नाम लिखाने का फैसला किया। अन्तर्गत से मेरे पता की भी इसी तस्वीर से मिली। मगर एक दूसरे नुक़तेनज़र से। वह चाहते थे कि मैं मुंसिफ़ बनूँ क्योंकि उस ज़माने में मुंसिफ़ी से हाईकोर्ट का जज़ी तक एक खुला सीधा रास्ता था और मुंसिफ़ी के लिये बकालत पढ़ना जरूरी था। नतीजा यह हुआ कि सन् 1905 में यूनिवर्सिटी खुलने पर मैं इलाहाबाद पहुँच गया और हिन्दू बोर्डिंग हाउस में दाखिल हो गया।

सर सन्दर लाल और अं के भैय्या पंडित 'किया लाल' जो बाद में हाई कोर्ट के जज बने, मेरे पता की भी इसी तस्वीर से मिली। मगर एक दूसरे नुक़तेनज़र से। वह चाहते थे कि मैं मुंसिफ़ बनूँ क्योंकि उस ज़माने में मुंसिफ़ी से हाईकोर्ट का जज़ी तक एक खुला सीधा रास्ता था और मुंसिफ़ी के लिये बकालत पढ़ना जरूरी था। नतीजा यह हुआ कि सन् 1905 में यूनिवर्सिटी खुलने पर मैं इलाहाबाद पहुँच गया और हिन्दू बोर्डिंग हाउस में दाखिल हो गया।

पंजाब में उस ज़माने में कालेजों और यूनिवर्सिटी के विद्यार्थी आम तौर पर पगड़ी बाँध कर लेते थे। बाद में पगड़ी की जगह टोपी ने ले ली और अब तो टोपी की जगह नंगा सर ही लोग पसंद करने लगे। मगर उस ज़माने में सर खुला रखना तहजीब के खिलाफ़ बात समझी जाती थी। मालवीय जी एक निराली किरम की पगड़ी बाँधते थे। वह तरीक़ा मुझे इतना पसंद आया कि लाहौर ही से मैंने मालवीय जी की तरह पगड़ी बाँधनी शुरू कर दी। इतनी अच्छी पगड़ी मैं बाँध लेता था कि मेरे साथी, मालवीय जी के बड़े पुत्र पंडित रमाकान्त मालवीय को भी मुझसे ईर्ष्या होती थी। किन्तु इस पगड़ी का यह असर पड़ा कि लोग मुझे निहायत नरम बिचारों का समझने लगे, लेकिन धीरे-धीरे लोगों की यह रालतफ़हमी दूर हो गई, और लोग यह जान गये कि मालवीय छाप पगड़ी के नीचे एक गरम सिर है।

यूनिवर्सिटी के विद्यार्थियों में गरम ख़याल के दो विद्यार्थियों की तरफ़ मेरी नज़र गई, एक बुरहानपुर के के० पी० भिन्न थे और दूसरे नागपुर निवासी एन० एम० धरमा। दोनों ही मेरे साथ एल-एल० बी० में पढ़ते थे। कुछ महीनों के बाद ही गरम बिचार के नौजवानों की मंडली काफ़ी ताक़त पकड़ने लगी और धीरे धीरे इलाहाबाद गरम दल का एक खास अङ्ग बन गया। नए साथियों में बाबू नित्यानन्द चटर्जी, महादेव भट्ट, रास बिशरी शुक्ल, टीका-राम त्रिपाठी और माधा शुक्ल थे। माधा शुक्ल बड़ी लय के साथ अपनी देश-प्रेम से भरी कविताएँ पढ़ते और नौजवानों के दिलों को अपनी छार कर लेते थे।

سن 1905 کا स्वदेशی آন্দولن

اور میرا راج نیتک جیون

پنڈت سندرلال

سن 1905 کی بات ہے !

سی۔ ۴۰ بی۔ ۴۰ کالوج لاہور سے سی۔ ۴۰ پاس کرنے کے بعد میرے سامنے آگے کی پندار کا سوال تھا۔

لاہور میں لالا لاجپت راج کے ساتھ بہت ہی نزدیکی تعلقات پیدا ہو چکے تھے۔ ان کے قدموں کے پاس بیٹھ کر میں نے راج نیتک کے پہلے پائے پڑھے تھے۔ میں انہوں نے اپنے پتائی طرح پوجہ ماننا تھا اور انہوں مجھ سے بیٹھ سے بھی زیادہ محبت تھی۔ انہوں کی ہدایت کے مطابق سن 1904 میں بی۔ ۴۰ کے پورے جیلوں میں اکل پڑھنے کی سوا ساروچنگ جیون میں میرا پہلا قدم تھا۔

میرے سامنے سوال تھا کہ میں ام۔ ۴۰ پاس کر کے شمشک بنوں یا وکالت پاس کر کے راج نیتک میں گم آئی سے حصہ لوں۔ لالہ جی سے میں نے مشورہ کیا۔ ان کی رائے تھی کہ سیاسی زندگی کے لئے وکالت پڑھنا ہی ٹھیک ہے۔

[ پیلے صفحے سے آگے ]

افلاطون نے ایسور کو ایک بڑے گزرتک کے روپ میں ہی دیکھا تھا۔ یہی بات ویدانت اور ویدانتوں میں بھی گئی تھی۔ افلاطون کے سوتروں کی پہلی شکل بالکل بھارت کے 'شری پتر' سے ملتی ہے جس میں ایک اعلیٰ انسانی برہم چکر کے روپ میں دکھایا جاتا ہے اور اس کے اندر چار اور چھٹن ششہ دو ایک دوسرے کو لگاتے ہوئے تریکون کے روپ میں۔ یہ چکر کبھی کبھی ایک سانپ کی شکل میں بھی دکھایا جاتا ہے جس کا منہ خود اپنی دم کو کھالے کی کھش کر رہا ہے۔

یہی سلسلہ یعنی چکرت ہے۔ یہی مایا یعنی بھرم ہے۔

اس طرح یونانی گزرتک افلاطون دسوا آتما پرکرتی اور ان دونوں کے مائل سے پیدا ہونے والی ساری سرشتی کو سمجھ کرنا ہوا اپنی پستک کو پرارمہ کرتا ہے۔

سن 1905 کا سودیشی آندولن

اور میرا راج نیتک جیون

بلکت سندرلال

سن 1905 کی بات ہے !

سی۔ ۴۰ بی۔ ۴۰ کالوج لاہور سے سی۔ ۴۰ پاس کرنے کے بعد میرے سامنے آگے کی پندار کا سوال تھا۔

لاہور میں لالہ لاجپت راج کے ساتھ بہت ہی نزدیکی تعلقات پیدا ہو چکے تھے۔ ان کے قدموں کے پاس بیٹھ کر میں نے راج نیتک کے پہلے پائے پڑھے تھے۔ میں انہوں نے اپنے پتائی طرح پوجہ ماننا تھا اور انہوں مجھ سے بیٹھ سے بھی زیادہ محبت تھی۔ انہوں کی ہدایت کے مطابق سن 1904 میں بی۔ ۴۰ کے پورے جیلوں میں اکل پڑھنے کی سوا ساروچنگ جیون میں میرا پہلا قدم تھا۔

میرے سامنے سوال تھا کہ میں ام۔ ۴۰ پاس کر کے شمشک بنوں یا وکالت پاس کر کے راج نیتک میں گم آئی سے حصہ لوں۔ لالہ جی سے میں نے مشورہ کیا۔ ان کی رائے تھی کہ سیاسی زندگی کے لئے وکالت پڑھنا ہی ٹھیک ہے۔

[ پیلے صفحے سے آگے ]

افلاطون نے ایسور کو ایک بڑے گزرتک کے روپ میں ہی دیکھا تھا۔ یہی بات ویدانت اور ویدانتوں میں بھی گئی تھی۔ افلاطون کے سوتروں کی پہلی شکل بالکل بھارت کے 'شری پتر' سے ملتی ہے جس میں ایک اعلیٰ انسانی برہم چکر کے روپ میں دکھایا جاتا ہے اور اس کے اندر چار اور چھٹن ششہ دو ایک دوسرے کو لگاتے ہوئے تریکون کے روپ میں۔ یہ چکر کبھی کبھی ایک سانپ کی شکل میں بھی دکھایا جاتا ہے جس کا منہ خود اپنی دم کو کھالے کی کھش کر رہا ہے۔

یہی سلسلہ یعنی چکرت ہے۔ یہی مایا یعنی بھرم ہے۔

اس طرح یونانی گزرتک افلاطون دسوا آتما پرکرتی اور ان دونوں کے مائل سے پیدا ہونے والی ساری سرشتی کو سمجھ کرنا ہوا اپنی پستک کو پرارمہ کرتا ہے۔

جہاں ساری سائنس انہیں تھیں کے سہارے قائم ہیں۔

دیر، کال اور ہرکے انہی دین سے ساری دنیا سمجھی جا سکتی ہے، اس لیے گنیت سب سائنسوں کی جڑ ہے، اسی لیے اسل جہان کو संस्कृत में 'सम्यक्-ख्यातम्' कहा गया है، इसी से 'संख्या' बना है जिसका अर्थ गिनती है। इसी से मुख्य शास्त्र का नाम 'संख्य' पड़ा। जब गीता लिखी गई थी उस समय वेदान्त सांख्य में शामिल था।

सर जे० जीन्स अपनी पुस्तक 'दि मिस्टीरियस यूनीवर्स' के आखिर में लिखता है:—

"चेतन और जड़ यानी रूढ़ और माहा के बीच की पुरानी दुई (द्वैत) अब मिटती हुई मालूम होती है..... क्योंकि जिसे हम ठोस माहा कहते हैं वह अब चेतन की ही रचना और उसका ही एक जड़ मालूम होने लगा है। यह चेतन एक ऐसी कल्पना शक्ति और नियंत्रण शक्ति है जो उसी तरीके से सोचने की आदी है जिस तरीके को हम गणित का तरीका कहते हैं।"

जोड अपनी पुस्तक 'गाइड टु मार्बन थाट' में लिखता है:—

"यदि हम यह प्रश्न करें कि इस सारे ब्रह्म की असल हकीकत क्या हो सकती है तो इसके जबाब में सर जे० जीन्स की राय है, कि वह असल हकीकत एक बहुत बड़े गणितज्ञ (ईश्वर, का मस्तिष्क है, प्रोफेसर एडिंग्टन के अनुसार असल हकीकत एक सर्वव्यापक मस्तिष्क है, प्रोफेसर बाइटहेड के अनुसार असल हकीकत एक तरह की शारीरिक इकाई है जो एक व्यक्ति या मनुष्य सी है, और बर्गसन के अनुसार असल हकीकत जीवन की धारा या शक्ति है।"

वेदान्त के अद्वैतवाद यानी 'सांख्य' में यह सब सिद्धान्त समा जाते हैं। यारप का वैज्ञानिक विचार तरह-तरह से घूम फिर कर वेदान्त के ठीक बराबरे तक पहुँच जाता है लेकिन वहाँ जाकर रुक जाता है, अन्दर जाने की उसे अभी हिम्मत नहीं हो रही है जहाँ जाकर वह यह देख सके कि एक ही आत्मा विश्वात्मा यानी रूढ़कुल सबमें रमी हुई है और बड़ी सब है।

मशहूर यूनानी गणितज्ञ एक्लैडस ने अपनी रेखा गणित के सूत्रों में पहली शकल त्रिकोण को ही क्यों रेखा इसकी कोई खास बजह नहीं बताई जाती। इतिहासकारों का कहना है कि रेखागणित की बिधा मिस्र से यूनान गई थी जहाँ एक्लैडस ने अपनी किताब ईसा से तीन सौ बरस पहले लिखी। इतिहासकारों की यह भी राय है कि यह रेखा-गणित मिस्र में भारत से गया था। कुछ की यह भी राय है कि मिस्र के पहले राजकुल का कायम करने वाला 'मैनी' आर्थ जात के आदि-मनुष्यों में से था। इससे मालूम होता है कि एक्लैडस के दिमाग में गणित और दर्शन शास्त्र (फज़-सके) में गहरा सम्बन्ध था। पाइथागोरस और प्लेटो (अक्ला-तल) भी गणित और दर्शन शास्त्र को एक ही मानते थे।

दیکھ، کل اور حرکت انہیں دین سے ساری دنیا سمجھی جا سکتی ہے اسی لئے گنیت سب سائنسوں کی جڑ ہے۔ اسی لئے اصلی گوان کو سلسکرت میں 'سمیک-کھیانم' کہا گیا ہے۔ اسی سے 'سنگھا' بنا ہے جس کا لڑہ۔ گنتی ہے۔ اس سے سانکھہ شاستر کا نام 'سانکھہ' پڑا۔ جب کیتا لکھی گئی تھی اس سمہ ویدانت سانکھہ میں شامل تھا۔

سر جے جنس اپنی بے تک 'دی میسٹریس یونیورس' کے آخر میں لکھتا ہے:—

"چیتن اور جڑ یعنی روح اور مادہ کے بیچ کی پرانی دوئی (دویت) اب مٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے... کونہ جسہ ہم ٹھوس مادہ کہتے ہیں وہ اب چیتن کی ہی رچنا اور اس کا ہی ایک ظہور معلوم ہونے لگا ہے۔ یہ چیتن ایک ایسی ٹھنڈا شکتی اور ٹھنڈی شکتی ہے جو اسی طریقہ سے سوجنے کی عادی ہے جس طریقہ کو ہم گنوت کا طریقہ کہتے ہیں۔"

جڑ یعنی بے تک 'قدر تو مارن تھات' میں لکھا ہے:—

"پہلی ہم یہ پرشش کریں کہ اس سارے وجود کی اصل حقیقت کیا ہو سکتی ہے تو اس کے جواب میں سر جے۔ جینس کی رائے ہے کہ وہ اصل حقیقت ایک بہت بڑے گنوتکے (ایشر) کا مستحک ہے، پروفیسر ایڈنگٹن کے انوسار اصل حقیقت ایک سرور ویاپک مستحک ہے۔ پروفیسر رائٹ ہیڈ کے انوسار اصل حقیقت ایک طرح کی شاربک لکٹی ہے جو ایک ریختی املشیہ سی ہے، اور برگسن کے انوسار اصل حقیقت چوہن کی دھارا یا شکتی ہے۔"

ویدانت کے ادویت۔ واد یعنی 'سووم' میں یہ سب سدھانت سما جاتے ہیں۔ ہورپ کا دیکھانک وچار طرح طرح سے گھوم پڑ کر ویدانت کے ٹھیک دروازے تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن وہاں جا کر رک جاتا ہے، اندر جانے کی اسے ابھی ہمت نہیں ہو رہی ہے جہاں جائز وہ یہ دیکھ سکے کہ ایک ہی آتا وشو آتا یعنی روح ال سب میں رسی ہوئی ہے اور وہی سب ہے۔

مشہور یونانی گنوتکے اقلیدس نے پہلی دیکھا گوت کے سہروں میں پہلی شکل ٹریگون کو ہی دیکھ رکھا اس کی کوئی خاص وجہ نہیں بتائی جانی۔ انہا گروں کا کہنا ہے کہ دیکھا گوت لی ویدا مصر سے یونان گئی تھی جہاں اقلیدس نے اپنی کتاب اسی سے تین سو برس پہلے لکھی۔ انہا گروں کی یہ بھی رائے ہے کہ یہ دیکھا گوت مصر میں بھارت سے گیا تھا۔ کچھ کی یہ بھی رائے ہے کہ مصر کے پہلے راجہ نل کا قائم کرنے والا 'میلی' آریہ جانتی کے آدمی ملوں میں سے تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقلیدس کے داغ میں گنوت اور درشن شاستر (فلسفہ) میں گہرا سببہ تھا۔ پانچوا گروس اور پلٹو (اقلطون) ہی گنوت اور درشن شاستر کو ایک ہی مانتے تھے۔

اسل ہکریکٹ کول ایک ہے اور وہ 'نیریشکار' ہے 'نیریشوہ' ہے، 'پشانت' ہے، 'پور' ہے وہی 'آتما' ہے، وہی 'سب-سید' یاہی لود اپنا پماہ ہے، ساری دینیا اسکے اندر ہے، وہی 'نیرپکش' یاہی ےوسالوٹ ہے، اور سب 'ساپکش' یاہی 'رلےٹب' ہے۔ ہر فیر کر یہی آہسٹاइन کا سیدانت ہے اور یہی بیدانت کا اسول۔ یہی اسلی 'سیدانت' ہے، یہی پراچین 'پشانت' ہے، مسالیم سکیوں کے انوسار یہی بھدولولول ہے۔

آجکل کے بے-بے سانسدانوں کا بیان بیدانت کے اسولوں سے بھد مل جاتا ہے۔ مسال کے لیے سر جے۔ جونس کی 'دی مسٹریس یونیورس'، اور ڈاکٹر ایلکس کیرل کی 'مین دی انون' پدے یوگ کتاہے ہ۔ سر جے۔ جونس لکھتا ہے کہ:—“آجکل کی سانس دہی نئی پے پڑ رہی ہے کہ دینیا کی سب چیزوں کا بھد ایک اناہی اور اننت آتما کے من کے اندر ہے۔“ دینیا کی کھانوں کھت نہیں ہوتی، کول ہم انہیں کھت ہوتے ہوتے دیکھتے ہں۔ پلٹو (اطلاطوں) کھتا ہے کہ:—ہم دیکھتے ہں۔ اور 'ہو' کھتے ہں کہ لیکن سچائی یہ ہے کہ ہمیں کول، عوں ہی کھتا چاہے۔“ اور کے سب رائے سر جے۔ جونس کی کتب سے لکے گئے ہں۔

ڈاکٹر ایلکس کیرل نے لکھا ہے کہ:—“ہم ابھی تک ےسے سانس میں ڈوبے ہوئے ہں جسے بیدانت کی سانسوں نے پیدا کیا ہے۔ یہ سانس ہماری سانس کی رالٹی سے پیدا ہوا ہے۔ ہم اپنی اسلی آتما کو نہیں جان پائے اس لیے یہ دینیا پیدا ہوئی۔ آجکل کے شہروں نے شور و شر کے اندر ہی جو اپلی انتر آتما کی شانتی کو دیم رکھتے ہں، وہ طرح طرح کی دھاتی اور دوسری بیماریوں سے بچے رھتے ہں۔ جو آتما اہور کے اندر قوب جاتی ہے اسی کی روشنی کے سانس موت بھی مسکرا کر رہ جاتی ہے۔“

لیکن آجکل کی سانس ابھی یہ کھلم کو تھار نہیں ہے کہ وہ انندی اور اننت آتما، وہ ہماری سچائی آتما، ہماری انتر آتما، ایشور، وہی ایک آتما سب کے اندر ہے۔ اور وہی سب ہے۔ تومسی، ام برعماسی، ایلحق جیسی سچانہاں ابھی تک سانس کے سانس کے دائرے سے دور ہں۔ اسی لکے ابھی سانس کو اصلیت تک پہنچانے میں وقت پڑ رہی ہے۔

سے کا کورت انک کورت ہے جس میں جوڑ، باقی اور شہنہ (سفر) سب ہماری کھانہیں ہں۔ دیکھ کے کورت رکھا کورت ہے جس میں پائنت یلی نقطہ، 'لن'، سطح، کونتر کور، دائرہ، سانس سب دارشک کھانہیں ہں۔ ان میں سے کوئی کھن اصلی شکل میں دیکھی نہیں جاسکتی۔

آجکل کے بے-بے سانسدانوں کا بیان بیدانت کے اسولوں سے بھد مل جاتا ہے۔ مسال کے لیے سر جے۔ جونس کی 'دی مسٹریس یونیورس'، اور ڈاکٹر ایلکس کیرل کی 'مین دی انون' پدے یوگ کتاہے ہ۔ سر جے۔ جونس لکھتا ہے کہ:—“آجکل کی سانس دہی نئی پے پڑ رہی ہے کہ دینیا کی سب چیزوں کا بھد ایک اناہی اور اننت آتما کے من کے اندر ہے۔“ دینیا کی کھانوں کھت نہیں ہوتی، کول ہم انہیں کھت ہوتے ہوتے دیکھتے ہں۔ پلٹو (اطلاطوں) کھتا ہے کہ:—ہم دیکھتے ہں۔ اور 'ہو' کھتے ہں کہ لیکن سچائی یہ ہے کہ ہمیں کول، عوں ہی کھتا چاہے۔“ اور کے سب رائے سر جے۔ جونس کی کتب سے لکے گئے ہں۔

لیکن آجکل کی سانس ابھی یہ کھلم کو تھار نہیں ہے کہ وہ انندی اور اننت آتما، وہ ہماری سچائی آتما، ہماری انتر آتما، ایشور، وہی ایک آتما سب کے اندر ہے۔ اور وہی سب ہے۔ تومسی، ام برعماسی، ایلحق جیسی سچانہاں ابھی تک سانس کے سانس کے دائرے سے دور ہں۔ اسی لکے ابھی سانس کو اصلیت تک پہنچانے میں وقت پڑ رہی ہے۔

سے کا کورت انک کورت ہے جس میں جوڑ، باقی اور شہنہ (سفر) سب ہماری کھانہیں ہں۔ دیکھ کے کورت رکھا کورت ہے جس میں پائنت یلی نقطہ، 'لن'، سطح، کونتر کور، دائرہ، سانس سب دارشک کھانہیں ہں۔ ان میں سے کوئی کھن اصلی شکل میں دیکھی نہیں جاسکتی۔

اپنی عمر ہے۔ ہر ایک کا جنم ہے، ہر ایک کی موت ہے اور ہر ایک کا بیج کا زمانہ ہے اور یہ سب بھی دکھایا ہی دکھایا ہے کیونکہ ایک دوسرے سے علیحدگی اور پورے جن کی کلونا ہی انت میں دھوکا ہے، سنیا ہے، مایا ہے۔

پرکرتی یعنی قدرت کے دو پہلو ہیں۔ مول پرکرتی اور دیوی پرکرتی۔ مول پرکرتی مادہ ہے اور دیوی پرکرتی شکتی ہے۔ یہ شکتی براہر جنم، مرن عمل، و عمل کے روپ میں کام کرتی رہتی ہے۔ اس کا چلانے والا برہما کہا جاتا ہے۔ وہی وشو کی آتما ہے۔ جب ایک رجنا (خلفت) ختم ہو جاتی ہے تو اُس کی جگہ دوسری جنم لے لیتی ہے۔ ٹھیک جس طرح لکچم آدمی مرتے ہیں تو دوسرے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جو حالت چھوٹے سے چھوٹے کی ہے وہی حالت بڑے سے بڑے کی بھی ہے۔ جو چھوٹے سے چھوٹے پانچویں ہے وہی بڑے سے بڑے پوہانت میں بھی ہے۔ یہ سب سدا بدلتی ہوئی صورتیں آتما یعنی اصل وجود کا کیول ایک سہنا ہے۔

اٹا ہے کہ آئنسٹائن کی تھیوری آف ریلیٹیویٹی اور ویدانت آنت میں ایک دوسرے کے بہت ٹمٹ دکھائی دیں گے۔ آئنسٹائن کے سدھانت کے اوپر نہ نہ وچاروں کی چونکائیوں نکل رہی ہیں اُن سے یہ بات اور بھی صاف دکھائی دے جاتی ہے۔

واستو میں کوئی دو سمانانتروں کوئی نہیں سکتیں، ہیں ہی نہیں۔ سب چیزیں چکر لات رہی ہیں یا بیج کی چیزوں کی طرح حرکت کر رہی ہیں۔ دیہی گل اور سنسار سب ناتمان ہیں۔ سوشویتی یا پرلے میں جانر این سب کا آنت ہو جاتا ہے۔ یا شجوت گرت جو سب سے پکی سائنس گئی جاتی ہے، سب سے ادھک لپٹاؤں کے ادھار پر چل رہی ہے۔ بڑے سے بڑے سائنسدانوں میں مت بھد ہیں، بحثیں ہیں۔ آئنسٹائن کہی ہے کہ آدھے بڑے سے بڑے سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ، ایشور نام کی چیز کا وجود ہے، اور باقی آدھے بڑے سے بڑے سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ، ایشور کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اس پر ایک اور دواؤں جرت لکھا ہے کہ، ان دونوں کا مطلب ایک ہی ہے کیول شبدوں کا جھکڑا ہے۔ سروپم ہریک کہتا ہے کہ، ہم ہر سوموار، بدھ وار اور شکروار کو ایک سدھانت سے کام لیتے ہیں اور ہر منگل وار، وپر وار اور شکروار کو دوسرے سدھانت سے کام لیتے ہیں۔

آئنسٹائن کے سدھانت کے ویکھالک نترجے کچھ بھی نہیں، وہ سدھانت ویدانت کے بالکل ٹمٹ اور اُسی کے اندر شامل ہے۔ یہ سب جو کچھ ہم دیکھتے ہیں سائیکس ہے یعنی کیول ایک دوسرے کی مصلحت سے وجود رکھتا ہے۔

پراکرتی یا نی کوروت کے دو پہلو ہیں۔ مول پراکرتی اور دئی پراکرتی۔ مول پراکرتی مادہ ہے اور دئی پراکرتی شکتی ہے۔ یہ شکتی براہر جنم، مرن عمل، و عمل کے روپ میں کام کرتی رہتی ہے۔ اس کا چلانے والا برہما کہا جاتا ہے۔ وہی وشو کی آتما ہے۔ جب ایک رجنا (خلفت) ختم ہو جاتی ہے تو اُس کی جگہ دوسری جنم لے لیتی ہے۔ ٹھیک جس طرح لکچم آدمی مرتے ہیں تو دوسرے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جو حالت چھوٹے سے چھوٹے کی ہے وہی حالت بڑے سے بڑے کی بھی ہے۔ جو چھوٹے سے چھوٹے پانچویں ہے وہی بڑے سے بڑے پوہانت میں بھی ہے۔ یہ سب سدا بدلتی ہوئی صورتیں آتما یعنی اصل وجود کا کیول ایک سہنا ہے۔

اٹا ہے کہ آئنسٹائن کی تھیوری آف ریلیٹیویٹی اور ویدانت آنت میں ایک دوسرے کے بہت ٹمٹ دکھائی دیں گے۔ آئنسٹائن کے سدھانت کے اوپر نہ نہ وچاروں کی چونکائیوں نکل رہی ہیں اُن سے یہ بات اور بھی صاف دکھائی دے جاتی ہے۔

واستو میں کوئی دو سمانانتروں کوئی نہیں سکتیں، ہیں ہی نہیں۔ سب چیزیں چکر لات رہی ہیں یا بیج کی چیزوں کی طرح حرکت کر رہی ہیں۔ دیہی گل اور سنسار سب ناتمان ہیں۔ سوشویتی یا پرلے میں جانر این سب کا آنت ہو جاتا ہے۔ یا شجوت گرت جو سب سے پکی سائنس گئی جاتی ہے، سب سے ادھک لپٹاؤں کے ادھار پر چل رہی ہے۔ بڑے سے بڑے سائنسدانوں میں مت بھد ہیں، بحثیں ہیں۔ آئنسٹائن کہی ہے کہ آدھے بڑے سے بڑے سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ، ایشور نام کی چیز کا وجود ہے، اور باقی آدھے بڑے سے بڑے سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ، ایشور کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اس پر ایک اور دواؤں جرت لکھا ہے کہ، ان دونوں کا مطلب ایک ہی ہے کیول شبدوں کا جھکڑا ہے۔ سروپم ہریک کہتا ہے کہ، ہم ہر سوموار، بدھ وار اور شکروار کو ایک سدھانت سے کام لیتے ہیں اور ہر منگل وار، وپر وار اور شکروار کو دوسرے سدھانت سے کام لیتے ہیں۔

آئنسٹائن کے سدھانت کے ویکھالک نترجے کچھ بھی نہیں، وہ سدھانت ویدانت کے بالکل ٹمٹ اور اُسی کے اندر شامل ہے۔ یہ سب جو کچھ ہم دیکھتے ہیں سائیکس ہے یعنی کیول ایک دوسرے کی مصلحت سے وجود رکھتا ہے۔

آئنسٹائن کے سدھانت کے ویکھالک نترجے کچھ بھی نہیں، وہ سدھانت ویدانت کے بالکل ٹمٹ اور اُسی کے اندر شامل ہے۔ یہ سب جو کچھ ہم دیکھتے ہیں سائیکس ہے یعنی کیول ایک دوسرے کی مصلحت سے وجود رکھتا ہے۔







## آئیسٹاइन کا سیدھانت اور ویدانت

ڈاکٹر بھگوانداس

یہ دنیا کیا ہے ؟

آتما، رُہ یا نی 'میں' کیا ہے اور آتما یا نی  
ماہا یا نی یہ سب جو دیکھا دیتا ہے یہ کیا ہے، اور  
ان دونوں میں کیا سمبندھ ہے ؟ یہی سوال دُراں شاستر  
(فلسفہ) کا मुख्य سوال ہے اور یہی سوال تہی کے  
ساتھ آئیسٹاइन کا मुख्य سوال ہوتا جا رہا ہے۔

آتما اور آتما کے مہل کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو  
ہے جسے ہم دہا، کال، اور کریا، یا نی مہان، زمان  
اور ہرکات کھڑک بیان کرتے ہیں، اور دوسرا پہلو شاکتی  
کے رُپ میں دیکھا دیتا ہے، جسے ہم کریا، پرتیکریا اور  
کارہکار سبببھ یا نی امال، رے امال اور اسلالت  
اور ماسل کال ریشا کھ سکتے ہیں۔ دنیا میں ہمارے سارے  
انوسبببھ انہی میں آ جاتے ہیں۔

جب ہمیں چہڑیوں میں ایک دوسرے کے بعد ہوتی معلوم ہوتی  
ہیں تو کال (سم) کی کلہا پیدا ہوتی ہے۔ بہت سی چہڑیوں  
کے ایک ساتھ وجود سے دہش (جگہ) کی کلہا پیدا ہوتی ہے۔  
چہڑیوں کے اڈلے بدلے سے کریا (حرکت) کی کلہا پیدا ہوتی  
ہے۔ ان تہوں کال، دہش اور کریا کا ایک دوسرے کے ساتھ اثرات  
سمبندھ ہے۔

کال (سم) کے تین کرم ہیں بھوت، بوشیہ اور دونوں کو  
ملنے والا ریمان۔ دہش (جگہ) کے تین پاد (قدم) ہیں۔  
اوپر، نیچے اور دونوں کو ملنے والا بیچ۔ انہوں کو پچھلے، آگے  
اور ملنے والا 'بہاں' بھی کہہ سکتے ہیں۔ انہوں کے رُپ 'مہانی'  
چوڑائی اور گہرائی ہیں۔

کریا (ہرکات) کی تین دیشاؤں (تین سمت) ہیں۔ انہیں  
کو تین 'پرکار' بھی کہہ سکتے ہیں،—آگے، پیچھے اور گول  
بھڑ، دھڑے رادوں میں بڈنا، سیکھنا اور سوریلاپن۔ یا  
بھ شاکتی جو سب چیزوں کو مہکھ کی طرف سکیچتی ہے،  
بھ جو سب کو مہکھ سے دور کھکھتی ہے، اور بھ جا چیزوں  
کو گولاکار بھماتی ہے۔

یہ سب کیول لہنائیں ہیں، تصور ہیں، سب خام خیالی  
ہیں۔ ان کا رُپ جب بنتا ہے جب ان کے ساتھ کسی دوریہ  
کسی تہ کی طرح کے تہوں مائے کا سمبندھ ہوتا ہے۔ تب  
یہ سب کلہائیں خیالی زندگی کے تہوں میں جاتی ہیں۔

## آئیسٹاइन کا سیدھانت اور ویدانت

ڈاکٹر بھگوانداس

یہ دنیا کیا ہے ؟

آتما، روح یعنی 'میں' کیا ہوں اور ان آتما یعنی مادہ  
یعنی یہ سب جو دہائی دیتا ہے یہ کیا ہے، اور ان دونوں میں  
کیا سمبندھ ہے ؟ یہی سوال دُراں شاستر (فلسفہ) کا मुख्य  
سوال ہے اور یہی سوال تہی کے ساتھ سائنس کا मुख्य سوال ہوتا  
جا رہا ہے۔

آتما اور ان آتما کے مہل کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو  
جسم ہم دہش، کال، اور کریا، یعنی مہان، زمان اور حرکت کہہ  
کر ہم بیان کرتے ہیں، اور دوسرا پہلو شاکتی کے رُپ میں دہائی  
دیتا ہے، جسے ہم کریا، پرتی کریا اور کارہکار سمبندھ یعنی  
عمل، رد عمل اور عامت اور معاوی کا رشتہ کہہ سکتے ہیں۔ دنیا  
میں ہمارے سارے انوسبببھ انہیں میں آ جاتے ہیں۔

جب ہمیں چہڑیوں میں ایک دوسرے کے بعد ہوتی معلوم ہوتی  
ہیں تو کال (سم) کی کلہا پیدا ہوتی ہے۔ بہت سی چہڑیوں  
کے ایک ساتھ وجود سے دہش (جگہ) کی کلہا پیدا ہوتی ہے۔  
چہڑیوں کے اڈلے بدلے سے کریا (حرکت) کی کلہا پیدا ہوتی  
ہے۔ ان تہوں کال، دہش اور کریا کا ایک دوسرے کے ساتھ اثرات  
سمبندھ ہے۔

کال (سم) کے تین کرم ہیں بھوت، بوشیہ اور دونوں کو  
ملنے والا ریمان۔ دہش (جگہ) کے تین پاد (قدم) ہیں۔  
اوپر، نیچے اور دونوں کو ملنے والا بیچ۔ انہوں کو پچھلے، آگے  
اور ملنے والا 'بہاں' بھی کہہ سکتے ہیں۔ انہوں کے رُپ 'مہانی'  
چوڑائی اور گہرائی ہیں۔

کریا (حرکت) کی تین دیشاؤں (تین سمت) ہیں۔ انہیں  
کو تین 'پرکار' بھی کہہ سکتے ہیں،—آگے، پیچھے اور گول  
چکر دوسرے شہدوں میں بھڑنا، سکھنا اور سوریلاپن۔ یا  
بھ شاکتی جو سب چیزوں کو مہکھ کی طرف سکیچتی ہے،  
بھ جو سب کو مہکھ سے دور کھکھتی ہے، اور بھ جا چیزوں  
کو گولاکار بھماتی ہے۔

یہ سب کیول لہنائیں ہیں، تصور ہیں، سب خام خیالی  
ہیں۔ ان کا رُپ جب بنتا ہے جب ان کے ساتھ کسی دوریہ  
کسی تہ کی طرح کے تہوں مائے کا سمبندھ ہوتا ہے۔ تب  
یہ سب کلہائیں خیالی زندگی کے تہوں میں جاتی ہیں۔

صنعتی اور ایرانی اور وسط ایشیائی فنون کے ایک بہت ہی خوبصورت فن کے نئے تھلک کو جنم دیا گیا۔ ایرانی اور مذہبی ایشیائی فنون کے چتروں نے ہارتھ چتر گروں کے پس منظر کو ہارتھ چتر کے سنگر اندیشوں کو اپنی کلہا کی لڑائی سے اور زیادہ متوجہ کیا اور سنگر بنایا۔ دونوں 'ہندو اور مسلمان' کلاسیکوں نے اس نئی شہنائی کو یکساں اپنایا۔ اس سے کسی فنون کے فہم کو یہ کہہ سکتا ناممکن ہے کہ ایک فنون کا بنانے والا ہندو چترکار ہے یا مسلمان چترکار۔ جبکہ اس نئی فنون کے کینڈر یا مرکز قائم کیے گئے۔ راجپوتانہ کے راجپوت راجاؤں نے راجپوتوں اور مذہبی ہارتھ کے شاعروں نے اس نئی فنون کو بڑھاوا دیا۔ اس کے علاوہ مختلف صوبوں میں یہاں مغل صوبیدار رہتے تھے یا آزاد مسلمان راجاؤں نے اپنے اپنے درباروں میں اس فنون کو بڑھاوا دیا۔ ایک ایک صوبوں میں اور ایک ایک درباروں میں مقامی حالات کی وجہ سے پورا پورا فرق ان فنون کے فنکاروں کی فنون دکھائی دیتا ہے لیکن اصلی روح ایک ہی ہے۔ وہی سندرنا وہی چمک دمک 'وہی روحانی انداز' وہی دھواں—اس فنون کے لئے روحہ روپوں میں دکھائی دیتا ہے اور اس فنون کے ایک کو نام رکھتا ہے۔

سنگیت

### سنگیت کلا

کلا میں سنگیت کی ایک خاص جگہ ہے۔ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ مسلمان سنگیتکار اور گویئے جس سنگیت کا अभ्याس کرتے ہیں وہ بالکل ہندو کا ہی سنگیت ہے۔ یوں اثر اور بہارت کی سنگیت میں شہلی اور پوری فرق ہے یا ایک شہلی اور دوسری شہلی میں پورا بہت فرق ہے لیکن یہ اندر مذہب کی وجہ سے نہیں ہے۔ اسکی وجہ صرف مقامی ہے۔ عیندانیوں نے ہندو سنگیت کی بہارت حاصل کی اور نئے نئے ہاجوں، نئے نئے راگوں، نئی شہلیوں سے سنگیت کے دائرہ کو بڑھایا۔ ہندوؤں نے بھی ان نئے ہاجوں اور نئی راگ راگدوں کو اپنے دل سے منگوا۔ ہندو استادوں کے مسلم شاگرد اور مسلم استادوں کے ہندو شاگرد ایک نام ملتے تھے۔ استاد اور شاگردوں میں اگر آج ہم کوئی فرق نہ دیکھنا چاہیں تو توہ تھلا ناممکن ہے۔ سنگیت اور ناچ کی میں نہ بڑی کٹھالی کے بہانہ دونوں فنون کا میل جول دیکھ گیا۔

لیکن کلچری میل جول کا کوئی بیان اس سہم تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک ہم اس بات کو نہ جان لیں کہ مذہبی دائرہ میں ہندو مذہب نے اسلام پر کیا کیا اثرات قائم کیے۔ ہم آگے نہیں اس مذہبی میل جول کو اور اسلام پر ہندو دھرم کے اثر کو بیان کریں گے۔

[ انگریزی سے ترجمہ—شومہر نامہ پانچ ]

لیکن کلاسیک مینل جال کا کوئی بیان اس سہم تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک ہم اس بات کو نہ جان لیں کہ مذہبی دائرہ میں ہندو مذہب نے اسلام پر کیا کیا اثرات قائم کیے۔ ہم آگے نہیں اس مذہبی میل جول کو اور اسلام پر ہندو دھرم کے اثر کو بیان کریں گے۔

[ انگریزی سے ترجمہ—شومہر نامہ پانچ ]

ہوئے تھے، یہیں بلے تھے لو یہیں بزرگے ہوئے تھے۔  
 اُن کی رگ رگ میں ہندستانیت پیوستہ تھی  
 پھر اُن کی ناک پر ہندستان کا اثر نہیں نہ پڑتا۔ حالانکہ اُن کے  
 راستہ میں روزگاروں نہیں اور وہ چرتی کے ٹھیکر بھی نہ  
 تھے یہ بھی اُن کی چوہیلی اور ہتھوڑیوں نے اُن عمارتوں پر  
 ہندستان کی ناک کی صاف چھاپ چھوڑی ہے۔ اِس طرح اُس  
 زمانے کی مسلم عمارتوں پر ہندستانی کلچر کا گہرا اثر دکھائی  
 دیتا ہے۔ ہر تزیینی میں ہندو طرز و نمونہ لپکتے۔ یہ  
 زوردار لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو ہندستان میں  
 رکھ رکھتے جنوں جنوں دن بیتتے تھے۔ توں توں اُن کی ناک پر  
 ہندستانیت کا گہرا پست چڑھتا گیا۔“

### مضامین کی تعمیر و ترقی

مفلوں کی تعمیری نل کے متعلق یہاں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مفل نل کا نہار اکبر نے زمانے میں ہوا۔ اکبر نے اولیٰ درجہ کے ایک خاص ہندومتی آرٹ دو جنم دیا۔ شامبھیاں کا چھوڑا ایرانی آرٹ کی طرف تھا۔ لیکن شامبھیاں بھی انہر کے آرٹ ہی روح کو نہ بدل سکا۔ تعمیری نل کے جائے واپس کا بیان ہے کہ شامبھیاں کی عمارتوں کا پامری حصہ ایرانی طرز کا ہے لیکن عمارتوں کے بھتو حصے ہندومتی نل کے تھوس نمونے نظر آتے ہیں۔

اگر ہم اس اصل نو جان 'دس دلا کے' ہی ذریعہ کسی ملک یا قوم کی آتما کا پتہ چلتا ہے تو یہ ابدی بے کاف سچائی ہے کہ مسلمانوں کے زمانے کے بھارت کی نمبوری تک میں ایک ہی آتما اور ایک ہی ٹامچر کے درشن ماتم ہیں۔ پندرھویں صدی کے بعد سے ہندو یا مسلمانوں کی بلوائی ہرنی ایک ہی عمارت ایسی نہ ملے گی، چاہے وہ نلے ہو یا متدل، مندر ہو یا مسجد جس پر ملی جلی ہندستانی تل کی چھاپ نہ پڑی ہو۔ ایسی تل جسے مسلمان حکمرانوں کے ساتھ میں ہندو شاہی اور سنگتراشوں نے ترقی دی۔ پندرھویں صدی میں گواہ کے راجہ مان سنگھ کے ہڈوانہ ہوئے محل اس بھارتیہ مسلم تل کے سب سے پہلے نمونے ہیں۔ جس طرح مسلمان شاہیوں کے ہڈوانے ہوئے مقبروں، محلوں اور مسجدوں پر بھارتیہ ہندو تل کی چھاپ ہے اسی طرح ریندانوں کے دیشواں مندروں، ہندو راجاؤں اور سانڈوں کی سمانڈروں اور چھتریوں پر اور بھارت میں پیدلی ہوئی بے شمار ہندو عمرروں پر بھارتیہ مسلم تل کی یعنی ملی جلی بھارتیہ تل کی چھاپ ہے۔

## چتر ۵

چتر ٹا بھلی تصویر سازی کے دائرہ میں ہی اسی  
ملی چلی ٹا کے ہیں درشن ملتے ہیں ۔ قدم ہارتہ

## ہندوستان کی تعمیر اور اسلام

ہندوستان کے پورا تہذیب و ثقافت کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے والے کو اس کی عظمت کا اندازہ ہوگا۔

”جب ہندو اور مسلمان تہذیبوں کا موازنہ کیا جائے تو ہندو تہذیب کے بارے میں کچھ سیکھا جائے گا۔ ہندو تہذیب کو ظاہر کرنے والی ہندو عمارتوں میں پھل اور نقاشی کسی نہ کسی شکل میں مسلمان عمارتوں میں شامل کر لی گئی۔ اس طرح جو ہندو چھتھیں مسلمان عمارتوں میں لی گئیں ان کی تعداد بڑھ گئی۔ مسلمان آرٹ کے اوپر ہندو آرٹ کی بڑھتی ہوئی طرف سے تو ہندو اور اوپر دیکھائی دیتا ہے لیکن ہندوستانی مسلمان آرٹ پر ہندو کا کی دو باتوں نے سب میں زیادہ اثر ڈالا اور وہ دو باتیں ہیں—عمارتوں کی مضبوطی اور مضبوطی کے ساتھ ساتھ ان کا عظیم ہونا۔ دوسرے ملکوں میں مسلمان تہذیب کے کچھ دوسری خصوصیتیں ہیں۔ پورے ملک میں ہر جگہ اور سب سے پہلے پتھروں کے سبب (چوڑے) فرش پر یا گھروں کی دیواروں پر لگائے جاتے ہیں۔ ایران میں مکانوں کے فرش پر پتھر سے بنے دیواروں میں رنگیں ہوتی ہیں۔ اس میں مسلمان تہذیب کے لیے عجیب و غریب طرز پیدا ہوئے لیکن کسی بھی ملک میں مسلمان تہذیب کے میں عمارتوں کی مضبوطی اور خوبصورتی کا اس سے بہتر مثال نہیں ملے گا۔ جتنا ہندوستان میں ہے۔ یہ دونوں خصوصیتیں ہندوستان کی اپنی ہیں اور یہ ایسی خصوصیتیں ہیں جن کی تہذیب کے میں اور دوسری خصوصیتوں سے زیادہ اہمیت ہے۔“

ہندوستان کے ’پرنسپل یونی آریٹا جی ڈیوارلنگ‘ کے سابق ڈائریکٹر سر جان مارشل نے ’ہندو تہذیب‘ کے بارے میں لکھا ہے۔

”جب ہندو اور مسلمان تہذیبوں کا موازنہ کیا جائے تو ہندو تہذیب کے بارے میں کچھ سیکھا جائے گا۔ ہندو تہذیب کو ظاہر کرنے والی ہندو عمارتوں میں پھل اور نقاشی کسی نہ کسی شکل میں مسلمان عمارتوں میں شامل کر لی گئی۔ اس طرح جو ہندو چھتھیں مسلمان عمارتوں میں لی گئیں ان کی تعداد بڑھ گئی۔ مسلمان آرٹ کے اوپر ہندو آرٹ کی بڑھتی ہوئی طرف سے تو ہندو اور اوپر دیکھائی دیتا ہے لیکن ہندوستانی مسلمان آرٹ پر ہندو کا کی دو باتوں نے سب میں زیادہ اثر ڈالا اور وہ دو باتیں ہیں—عمارتوں کی مضبوطی اور مضبوطی کے ساتھ ساتھ ان کا عظیم ہونا۔ دوسرے ملکوں میں مسلمان تہذیب کے کچھ دوسری خصوصیتیں ہیں۔ پورے ملک میں ہر جگہ اور سب سے پہلے پتھروں کے سبب (چوڑے) فرش پر یا گھروں کی دیواروں پر لگائے جاتے ہیں۔ ایران میں مکانوں کے فرش پر پتھر سے بنے دیواروں میں رنگیں ہوتی ہیں۔ اس میں مسلمان تہذیب کے لیے عجیب و غریب طرز پیدا ہوئے لیکن کسی بھی ملک میں مسلمان تہذیب کے میں عمارتوں کی مضبوطی اور خوبصورتی کا اس سے بہتر مثال نہیں ملے گا۔ جتنا ہندوستان میں ہے۔ یہ دونوں خصوصیتیں ہندوستان کی اپنی ہیں اور یہ ایسی خصوصیتیں ہیں جن کی تہذیب کے میں اور دوسری خصوصیتوں سے زیادہ اہمیت ہے۔“

ہندوستان میں پہلی مسلمان عمارت سن 1191 میں تعمیر ہوئی۔ یہ ’قبرستان‘ نام کی ایک مسجد ہے جسے قطب الدین ایبک نے تعمیر کرایا۔ اس مسجد کے متعلق سر جان مارشل لکھتے ہیں:—

”اس مسجد کو چاہے دیکھیں چاہے نہ دیکھیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ہندو عمارت ہے۔ صرف پتھر کے پانچ محرابوں کو چھوڑ کر اس عمارت میں ایک ہی چوڑا ایسا نہیں ہے جس سے اس کا مسلمانی ہونا ظاہر ہوتا ہو۔“

قطب الدین کے دو سو برس بعد فرہرز شاہ تغلق کو بھی عمارتیں بنانے کا یہ جذبہ شوق ہوا۔ انہیں لکھنؤ کے ہائے ہوئے شہروں، قلعوں، محلوں، مسجدوں اور مقبروں کی ایک لمبی سیریسٹ پیش کرتے ہیں۔ تغلق زمانے کے فن تعمیر کے متعلق نہ جانتا تھا کہ اس پر سے ہندو اثر کم ہو گیا تھا۔

”جن سنگتراشوں اور معماروں نے ان تغلقی عمارتوں کو تعمیر کیا، وہ سب کے سب ہندوستان میں پیدا

ہندوستان میں پہلا مسلمان عمارت سن 1911 میں تعمیر ہوئی۔ یہ ’قبرستان‘ نام کا ایک مسجد ہے جسے قطب الدین ایبک نے تعمیر کرایا۔ اس مسجد کے متعلق سر جان مارشل لکھتے ہیں:—

”اس مسجد کو چاہے دیکھیں چاہے نہ دیکھیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ہندو عمارت ہے۔ صرف پتھر کے پانچ محرابوں کو چھوڑ کر اس عمارت میں ایک ہی چوڑا ایسا نہیں ہے جس سے اس کا مسلمانی ہونا ظاہر ہوتا ہو۔“

قطب الدین کے دو سو برس بعد فرہرز شاہ تغلق کو بھی عمارتیں بنانے کا یہ جذبہ شوق ہوا۔ انہیں لکھنؤ کے ہائے ہوئے شہروں، قلعوں، محلوں، مسجدوں اور مقبروں کی ایک لمبی سیریسٹ پیش کرتے ہیں۔ تغلق زمانے کے فن تعمیر کے متعلق نہ جانتا تھا کہ اس پر سے ہندو اثر کم ہو گیا تھا۔

”جن سنگتراشوں اور معماروں نے ان تغلقی عمارتوں کو تعمیر کیا، وہ سب کے سب ہندوستان میں پیدا

## مسلمان اور صوبائی زبانیں

یہاں اس کا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان کی دوسری صوبائی زبانوں کو ترقی دینے میں کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھی۔ پنجابی، غدی اور ہنگا کی ترقی کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمان نویس، امراؤں اور مسلمان مصنفوں اور شاعروں نے ان زبانوں کو ترقی دینے اور مالا مال کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ آج اگر ان زبانوں کو اپنی ترقی پر ناز ہے تو اس کے لئے ہندو اور مسلمان دونوں کو ہدائی دینی چاہئے۔ یہ بھی پہلے کی ضرورت نہیں کہ ہندو اور مسلمان دونوں کا طرز ادب اور طرز سخن یکساں تھا۔ لوگوں کے لئے یہ بتا سکتا ناممکن ہے کہ ایک نظم کسی مسلمان کی لکھی ہے یا ہندو کی۔ پنجابی اور ہنگا کے ہندو اور مسلمان لکھنے کا لکھنے کا طرز بالکل ایکسا ہے۔ اس میں کسی طرح کا فرق نہیں پایا جاتا۔ دوسروں میں کلچر کی ایک ہی دھارا دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ اگر ہندوستان کے مسلمان لکھنے اور شاعروں کی رجحانوں اور ایران، قری اور مصر کے شاعروں اور لکھنے کی رجحانوں کا مقابلہ کیا جائے تو صاف فرق نظر آئے گا۔ ہندوستان کے مسلمانوں اور باہر کے مسلمانوں کی کلچر، سوچنے کے طریقے اور لکھنے کے طرز میں بہت فرق ہے۔ انگریزوں کے آئے سے پہلے مختلف صوبوں کے رہنے والے مسلمانوں نے اپنے اپنے صوبوں کی زبانیں اپنی ہی تھیں۔ وہ انہیں میں بولتے تھے، انہیں میں لکھتے تھے اور انہیں میں سوچتے تھے۔

مسلم تصوفی کلا

## مسلم تاملی کلا

کلتوری یا سانسکرتک مہج-جوتج کی یہ دھارا سیکھ، پڑھان اور ابد تک ہو مہدود نہیں رہی۔ اسکا असर फलसफा, साइंस, और आर्ट पर भी पड़ा. गणित, ज्योतिष, भूगोल, दिकमत, धर्म शास्त्र वगैरह सभी बातों में एक दूसरी की अच्छी बातों का एक दूसरे से सीखा गया. लेकिन दोनों कलचरों का अजीमुरशान संगम आर्ट के बायरे में हुआ.

مسلمانوں نے ہندوستان میں آنے سے پہلے کلا کے دھارے میں ایک نئی طرح کی کلا یا نی آڈٹ کو جنم دیا تھا۔ لیکن جب وہ اس ملک میں آ کر بسے، انہوں نے ہندوستان کی کلا کی خاص خاص باتوں کو اپنی کلا میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ تیرہویں صدی سے لے کر انیسویں صدی تک مسلمانوں نے جو عمارتیں، نغمے اور مقبرے بنائے ان میں ایسی ایکٹا اور مہل چول کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ دونوں کلاؤں کا سنگ صاف چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

مسلمانوں نے ہندوستان میں آئے سے پہلے کلا کے دائرے میں ایک نئی طرح کی کلا یعنی آرٹ کو جنم دیا تھا۔ لیکن جب وہ اس ملک میں آ کر بسے، انہوں نے ہندوستان کی کلا کی خاص خاص باتوں کو اپنی کلا میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ تیرہویں صدی سے لے کر انیسویں صدی تک مسلمانوں نے جو عمارتیں، نغمے اور مقبرے بنائے ان میں ایسی ایکٹا اور مہل چول کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ دونوں کلاؤں کا سنگ صاف چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

## مسلمانان اور ہندوستان کی زبانیں

اگر ہم باہری باتوں کو چھوڑ کر 'ہندیب' تمدن اور کلتور (سلسلہ) پر غور کریں، تو ہم دیکھیں گے کہ یہاں ہی اسی طرح کا مہل ملاپ کا سنگم ہوا ہے۔ ذرا اس بات پر غور کیا جائے کہ سچی ہندوستانی کلتور کی تعمیر میں مسلمانوں نے کتنی قربانی کی ہے۔ زبان (پاشا) کی ہی مثال کو لیتے۔ کس قوم کے جذباتوں اور اس کے خیالوں کو ظاہر کرنے کا سب سے اہم ذریعہ زبان ہی ہے۔ اسلام کی پاک زبان عربی ہے۔ جو حملہ آور مسلمان سب سے پہلے سندھ میں آئے عربی ان کی مادری اور وطنی زبان تھی۔ حالانکہ بڑے اچھے لوگ عربی کی تعلیم لیتے تھے تاہم عربی ہندوستان کے ہر حصہ میں رائج ہو گئی۔ مدھیہ ایشیا = جو حملہ آور یہاں آئے ان کی مادری زبان ترکی تھی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے آغاز اور خاتمہ کے وقت تک سرکاری زبان فارسی تھی۔ آج ہندوستانی مسلمان ان قبائلی زبانوں میں سے ایک ہی زبان نہیں بولتے اور نہ حملہ آوروں نے ہی ہمارے ہوؤں پر ان زبانوں کو لدا۔

اس کے برعکس مسلمانوں نے ہندوستان کی سوائے زبانوں کو اپنا لیا اور اپنی भाषाओं کے شब्दों اور महावियों سے उन्हें سजाया और सँवारा۔ پँजाब کے مسلمان پँجاबी بولتے ہیں، بँगال کے مسلمان بँगالا بولتے ہیں، गुजरात کے مسلمان गुजराती और महाराष्ट्र के مسلمان मराठी बोलते हैं, सरख यह कि मुसलमान जिस सूबे में रहते हैं वसी सूबे की जुबान बोलते हैं. उस सूबे के हिन्दू और मुसलमान एक ही जुबान में अपने खयालातों का इखहार करते हैं. सिर्फ़ एक ही जुबान रह जाती है और वह है उर्दू. लेकिन उर्दू मुसلمانوں की जुबान है ही नहीं. वह हिन्दुस्तान से बाहर किसी भी मुसलिम मुल्क में नहीं बोली जाती. उसे कोई मुसलिम वजेता बाहर से यहाँ नहीं लाया. उर्दू हिन्दी भाषा की ही एक रूप है. उसके क्यादातर अलफाज, उसका व्याकरण सब यहीं से लिया गया. दर अस्त उर्दू का मूल रूप वह भाषा है जो दिल्ली के आस-पास बोली जाती है और जिसे खड़ी बोली कहते हैं. जब मुसलमान दिल्ली और उसके आस पाम के इलाके में बस गये तो वे भी खड़ी बोली ही बोलने लगे. वही बाद में अवधी ज़बान बन गई. हिन्दू और मुसलमान दोनों ने इसके अवध का बढ़ाया और सजाया. सब पूत्रा जाय हो अमेजी के प्रचार के पहले उर्दू हिन्दुस्तान की बोलचाल की ज़बान थी

اگر ہم باہری باتوں کو چھوڑ کر 'ہندیب' تمدن اور کلتور (سلسلہ) پر غور کریں، تو ہم دیکھیں گے کہ یہاں ہی اسی طرح کا مہل ملاپ کا سنگم ہوا ہے۔ ذرا اس بات پر غور کیا جائے کہ سچی ہندوستانی کلتور کی تعمیر میں مسلمانوں نے کتنی قربانی کی ہے۔ زبان (پاشا) کی ہی مثال کو لیتے۔ کس قوم کے جذباتوں اور اس کے خیالوں کو ظاہر کرنے کا سب سے اہم ذریعہ زبان ہی ہے۔ اسلام کی پاک زبان عربی ہے۔ جو حملہ آور مسلمان سب سے پہلے سندھ میں آئے عربی ان کی مادری اور وطنی زبان تھی۔ حالانکہ بڑے اچھے لوگ عربی کی تعلیم لیتے تھے تاہم عربی ہندوستان کے ہر حصہ میں رائج ہو گئی۔ مدھیہ ایشیا = جو حملہ آور یہاں آئے ان کی مادری زبان ترکی تھی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے آغاز اور خاتمہ کے وقت تک سرکاری زبان فارسی تھی۔ آج ہندوستانی مسلمان ان قبائلی زبانوں میں سے ایک ہی زبان نہیں بولتے اور نہ حملہ آوروں نے ہی ہمارے ہوؤں پر ان زبانوں کو لدا۔

اس کے برعکس مسلمانوں نے ہندوستان کی صوبائی زبانوں کو اپنا لیا اور اپنی بھاشاؤں کے شبدوں اور محاوروں سے انہیں سجایا اور سَوارا۔ پنجاب کے مسلمان پنجابی بولتے ہیں، بنگال کے مسلمان بنگالا بولتے ہیں، گجرات کے مسلمان گجراتی اور مہاراشٹر کے مسلمان مراٹھی بولتے ہیں۔ غرض یہ کہ مسلمان جس صوبے میں رہتے ہیں اس صوبے کی زبان بولتے ہیں۔ اس صوبے کے ہندو اور مسلمان ایک ہی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ صرف ایک ہی زبان رہ جاتی ہے اور وہ ہے اردو۔ لیکن اردو مسلمانوں کی زبان ہے ہی نہیں۔ وہ ہندوستان کے باہر کسی ملک میں نہیں بولی جاتی۔ اُسے کوئی مسلم وجیہا باہر سے یہاں نہیں لایا۔ اردو ہندی پاشا کا ہی ایک روپ ہے۔ اُس کے زیادہ تر الفاظ اُس کا دیارن سب یہیں سے لیا گیا۔ اصل اردو کا مول روپ وہ پاشا ہے جو دلی کے اُس پلس بولی جاتی ہے اور جسے بھڑی بولی کہتے ہیں۔ جب مسلمان دلی اور اُس کے آس پاس کے علاقے میں بس گئے تو وہ بھی بھڑی بولی ہی بولنے لگے۔ وہی بعد میں ادبی زبان بن گئی۔ ہندو اور مسلمان دونوں نے اُس کے ادب کو بڑھایا اور سجاایا۔ سچ بوجھا جائے تو انگریزوں کے پرچار کے پہلے اردو ہندوستان کی بول چال کی زبان تھی۔



دہندہ ملکوں کی دھن کے ساتھ ساتھ یہاں نہیں ڈالے گئے ہیں، مسلمانوں میں قاضی قرآن کی آیت پر یہ کر نکاح کرا دیتا ہے۔ چھوٹی عمر میں لڑکیوں کی شادی، دھوا دھاک کی رقص، عورتوں کے اوپر مردوں کا قطعی حق اور پردہ یہ سب باتیں ہندو اور مسلمانوں دونوں میں ایک سی ہیں۔

یہ مصحح ہے کہ مذہبی تیمار، ریت، آبولس اور روزہ دونوں کے الگ الگ ہیں لیکن ان کے ملانے کا عملک بہت کچھ ایک سا ہے۔ محرم اور دشہرہ ایک طرح سے ملایا جاتے تھے۔ شبہرات اور شہورائتری، رمضان اور نوائتری، دیوالی اور عید کے آئسو ایک ہی طرح سے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے مہلے، تیج اور تیدہ ہوتے تھے جن میں ہندو اور مسلمان دونوں مل جل کر حصہ لیتے تھے۔ ہزاروں مسلمان ہولی کو لکھتے تھے اور لاکھوں ہندو محرم مناتے تھے۔ مسلمانوں نے مولے کے بعد کے کرپا کرم میں بہت سے ہندو رواج اپنا لئے، جیسے لیجا، دسواں وغیرہ۔ اس کے علاوہ حاملہ عورت کا بیچ ماسا، ست ماسا، اور بچہ کی پیدائش کی چوٹ، بچہ کی ہیز چٹائی، سال گرہ، موندن، کن چہندن، ہندو مسلمان دونوں ایک ہی طرح سے مناتے تھے۔ ایسے رسم رواج جو خاص ہندو تھے جیسے سنی اور جوہر کا رواج، یہ بھی مسلمان عورتیں اپنے خاوند کے مرنے پر کرنے لگیں۔ انہی بطوریکہ محمد بن قنات اور عہن الملک کی لڑائی کا حال لکھا ہے، جس میں عہن الملک کے ہارنے پر اس کی بیگم نے جوہر ہوت کر کے اپنے کو زندہ جلا دیا تھا۔ 'جمہر ناسہ' میں لکھا ہے کہ بھٹنڈو کے صوبہ دار کاندین کی بیگم نے اپنے شوہر تیمور کے خلاف لڑائی میں جاتے سے جوہر ہوت کر کے اپنے کو جلا ڈالا تھا۔ امیر خسرو نے اس در لکھا تھا:—

”چوں زن ہندی کسے در عاشقی دیوانہ است“  
 سوخمن ہر شمع شوہر کار آرد پرانہ است“

## اجلاس اور پہنچاؤ

کسی بھی سماج کے اندرونی جذبات کی سب سے نمایاں مثال اُس سماج کے لوگوں کی ہشاک ہے۔ اِس نقطہ نظر سے اگر ہم دیکھیں تو ہمیں پتہ چلیگا کہ کس طرح ہندستان کے مسلمان نے عرب، ایران اور مدیہ ایشیائی ممالک کے لباس اور پوشاکیں کو چھوڑ کر ہندستان کے لباس اور پہناوے کو قبول کیا۔ عربی عمامہ، جھبہ، رفا، تہمد، نسیم، مدیہ ایشیا کا طاق، نیمہ، سوز، سب پہلی اُ کو فریب ہو گئے اور اُن کی جگہ ہندو بکڑ، چرا، کرنا، انکرکھا، پٹکا، قریٹھ، پا جانا اور جوتے لے لو۔



ایشیا کی جین اور دوسری مسلمان کرمیوں نے ہندوستان پر حملہ کر کے یہاں راج کریم کیا اور جین کی آبیلاؤں نے کربوب پانچ سو برس یہاں ہکومت کی آں سب کا آج یکہ تک نہیں چلتا۔ مسلمان حکمرانوں نے نہ تو اپنے قومی غرور کی پرواہ کی اور نہ اپنے خون کو پاک بلانہ رکھنے کی۔ انہوں نے ہندستان کے قومی سنگر میں اپنے آپ کو ملا دیا۔ مسلم حکومت کے زمانے میں جن قوموں، فرقوں، قبیلوں اور خاندانوں کی دھوم تھی آج نہ ان کا چرچا ہے اور نہ کوئی انہیں جانتا ہے۔ وہ سب دل دل کو ایک ہو گئے۔ یہ کام کوئی ایک دو دونوں میں نہیں ہوا، سب کو برسوں تک سامنا سناہو ہلے کا یہ نتیجہ ہے۔ اسی ملک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بس جانے کی خواہش، اسی شادی بیاہ، مذہب میں تبدیلی، اپنے وطن سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھنا، وغیرہ ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے مسلمان قومی لحاظ سے بالکل ہندستانی بن گئے۔ ہندو اور مسلمانوں کا مذہب بے شک، جدا جدا ہے مگر رنگ ایک ہے، روپ ایک ہے، شکل ایک ہے اور قوم ایک ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے ہندو باہیوں کی طرف اپنا سماجی انچام کاہم کیا۔ باہر کے مسلمانوں میں جات پات نہی مگر یہاں کے مسلمانوں نے ہندوؤں کی طرف اپنی آلاگ آلاگ بیرا دیریاں بنا لی ہیں۔ سبھیوں کا دتبا بیرا دیریاں کی طرف، سبھیوں کا پٹانوں کا کھاتریوں یا راجپوتوں کی طرف، سبھیوں کی طرف اور بونکر اور بگر پشہ والا کا شوریوں کی طرف سمجھا جان لگا۔ یہ فک نہ سیکر کام دھنبا اور دپتے پتے کی بکھڑ سے ہوا گئے بالک ہندوؤں کی طرف مسلمانوں کی یہ بیرا دیریاں پیدا نشی ہو گئیں۔ آرنچی ہاروری کے مسلمانوں میں ایک غرور پیدا ہو گیا۔

### کلیچری مہل جوں کا سنگم

ہر سماج کے سنگٹن میں آیرت کی ایک کراس جگہ ہے۔ اس ماملے میں آیرتوں، توروں اور ہندوؤں میں بہت فرق ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں نے آیرتوں اور توروں کے بریکے کو نہی برتا۔ مسلمان آیرتوں نے اپنی ہندو بھینوں کا ہی کلن اپنا یا۔ ساج سگار، پھناوا، گہنے اور زہر، ملکہ جلمہ اور روزمرہ کے ہرٹا کی آتوں میں انہوں نے ہندو بھینوں کا طریقہ ہرٹا شروع کیا۔ مسلمانوں کے شادی بیاہ بالکل ہندو کی ہی طرح ہونے لگے۔ نسبت، ہادی، مہادی، تیل، مانترا، برات، جلو، کلن وغیرہ کی رسموں مسلمانوں نے جنوں کی تھیں ہندوؤں سے لے لیں۔ شادی کی رسم میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں صرف ایک فرق رہ گیا اور وہ یہ کہ ہندوؤں میں ہوں کلن کے چاروں طرف دولہا اور دولہن

ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے ہندو بھائیوں کی طرح اپنا سماجی نظام قائم کیا۔ باہر کے مسلمانوں میں جات پات نہیں مگر یہاں کے مسلمانوں نے ہندوؤں کی طرح اپنی ایک ایک بیرا دیریاں بنا لی ہیں۔ سردوں کا رقبہ ہرسموں کی طرح، مغل اور پٹانوں کا پھیروں یا راجہوں کی طرح، شیخ بلیوں کی طرح اور بنگر اور دیگر پوشہ والوں کو شوروں کی طرح سمجھا جانے لگا۔ یہ فرق نہ صرف کام دھندوں اور روپیہ پیسے کی وجہ سے ہو گئے بلکہ ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کی یہ بیرا دیریاں پیدا نشی ہو گئیں۔ آرنچی ہاروری کے مسلمانوں میں ایک غرور پیدا ہو گیا۔

### الچیری مہل جوں کا سنگم

ہر سماج کے سنگٹن میں عورت کی ایک خاص جگہ ہے۔ اس ماملے میں عربوں، توروں اور ہندوؤں میں بہت فرق ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں نے عربوں اور توروں کے طریقہ کو نہیں ہرٹا۔ مسلمان عورتوں نے اپنی ہندو بھینوں کا ہی کلن اپنا یا۔ ساج سگار، پھناوا، گہنے اور زہر، ملکہ جلمہ اور روزمرہ کے ہرٹا کی آتوں میں انہوں نے ہندو بھینوں کا طریقہ ہرٹا شروع کیا۔ مسلمانوں کے شادی بیاہ بالکل ہندو کی ہی طرح ہونے لگے۔ نسبت، ہادی، مہادی، تیل، مانترا، برات، جلو، کلن وغیرہ کی رسموں مسلمانوں نے جنوں کی تھیں ہندوؤں سے لے لیں۔ شادی کی رسم میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں صرف ایک فرق رہ گیا اور وہ یہ کہ ہندوؤں میں ہوں کلن کے چاروں طرف دولہا اور دولہن

گاؤں کے سامنے سے تیزی کے ساتھ نکل گئے اور  
نہار سے گم ہو گئے۔

برف اب اور زیادہ تیزی کے ساتھ گिर رہا تھا۔  
اس برف میں سے ہی برفوں کے سوا کا جواں آتا تھا  
ماہم پڑتا تھا۔ یہ برف، یہ ہوا اور یہ جواں  
پشیم کی طرف سے لڑائی کے اس میدان سے آ رہا تھا  
جہاں پیرد نام کے گاؤں کے کڑی، آگور کی ٹھیکوں میں، یہی  
برف سوان کی کڑی کے اوپر جما ہوتا جا رہا تھا!

گوری ان کے ساتھ سے تیزی کے ساتھ نکل گئی اور نظر سے  
گم ہو گئی۔  
برف اب اور زیادہ تیزی کے ساتھ گر رہا تھا۔ اس برف  
میں سے ہی برفوں کے سوال کا جواب آتا ہوا معلوم پڑتا تھا۔  
یہ برف، یہ ہوا اور یہ جواں پشیم کی طرف سے لڑائی کے  
اس میدان سے آ رہا تھا جہاں پیرد نام کے گاؤں کے کڑی،  
آگور کی ٹھیکوں میں، یہی برف سوان کی کڑی کے اوپر جما  
ہوتا جا رہا تھا!

## ہندوستان کی کلتور اور اسلام

ڈاکٹر سہیل دھرم

مسلمانوں پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ چونکہ وہ حملہ  
اور دہشتوں کی حیثیت سے اس ملک میں آئے اس لئے وہ  
ملک کے لوگوں سے بائبل انگ تھک رہے۔ یہ بھی الزام لگایا  
جاتا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کے بیچ کوئی بات میل کی  
نہیں ہے اس لئے ملک کی بھائی بھائی کے ساتھ مسلمانوں کا  
کوئی سروکار نہیں ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے  
مسلمانوں اور باہر کے مسلمانوں میں سب باتیں ملتی جلتی  
اور میل کی ہیں اس لئے باہر کے مسلمانوں کے ساتھ یہاں کے  
مسلمانوں کی خوب نہیں ہو سکتی ہے۔ آپ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ  
کس معاملے میں آپس کیا روشنی ڈالتا ہے؟

### کروڑوں کی مٹاوت

یہ بات سبھی قبول کریں کہ ہندوستان کے لوگوں کو بھڑک  
کر قوم کے لیڈروں سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی  
بہد یا فرق نہیں ہے۔ دونوں کی جیسمانی بناوٹ، گٹن، رنگ،  
رہ، پہرا-موہرا بیکھل یکساں ہے۔ پورے ہندوستان میں ہندو  
تھیں، اور انہی کا آج ہندوستان میں کہاں پتا تک  
نہیں چلتا جین بھڑک کر جیوں نے ماحم دین کا سیم  
کی انہی میں سے سیم کے سیم پر ہمتا کیا یا یا جین  
بھڑک خانہ دین نے سیم پر سیموں تک ہمتا کی  
ہی، انکا آج نامویشان تک نہیں ملتا۔ راجنہوی،  
پروہی، مہل، اور افغانستان کے مہل (مہم)

یہ بات سبھی قبول کریں کہ ہندوستان کے لوگوں کو بھڑک  
کر قوم کے لیڈروں سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی  
بہد یا فرق نہیں ہے۔ دونوں کی جیسمانی بناوٹ، گٹن، رنگ،  
رہ، پہرا-موہرا بیکھل یکساں ہے۔ پورے ہندوستان میں ہندو  
تھیں، اور انہی کا آج ہندوستان میں کہاں پتا تک  
نہیں چلتا جین بھڑک کر جیوں نے ماحم دین کا سیم  
کی انہی میں سے سیم کے سیم پر ہمتا کیا یا یا جین  
بھڑک خانہ دین نے سیم پر سیموں تک ہمتا کی  
ہی، انکا آج نامویشان تک نہیں ملتا۔ راجنہوی،  
پروہی، مہل، اور افغانستان کے مہل (مہم)

افسوس ہو کر گئے اور ہیران ہو کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگے۔

انہوں نے ایک افسوس نے پوچھا:—”تو تمہارا بھائی کون ہے ؟“

راڈولف نے بے خبرانہ ہو کر جواب دیا:—”ستویان بھائی ! ہمارا بھائی ستویان !“ راڈولف کو اس بات پر افسوس ملا کہ اس نے کہا تھا کہ اس کی بہن نے اسے بتایا تھا کہ ستویان اس کا بھائی ہے۔

افسوس نے پھر ہیران ہو کر پوچھا:—”کون ستویان ؟“

کیا نے بڑی ہڈت کے ساتھ جواب دیا:—”بیتلے گاؤں کا رہنے والا ستویان !“

افسوس نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور پھر بڑے ہمارے ساتھ کھڑا ہوا۔

”کیا تو تمہارا بھائی چھوڑا ہوا ہے ؟“

بیتلے کاؤں نے بے خبرانہ ہو کر جواب دے دیا:—”ہاں، ہاں۔“

افسوس نے کہا:—”بیتلے ! وہ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔“

دوسرے افسوس نے بچوں سے کہا:—”لوگوں کو لوٹ جاؤ، نہیں جاؤ، تم یہاں سردی میں جم جاؤ گے۔“

یہ کہہ کر دونوں افسوس اپنے گھروں کو واپس لگاتے ہوئے باقی سواروں کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔

کیا اب چلا رہی تھی۔ راڈولف کو کے ٹپاٹپ ٹپاٹپ گھر رہے تھے۔ دونوں کے ہاتھ اور پیر سردی سے ٹھنڈے رہے تھے۔ ان کے گلے پر کپڑے پڑ گئے تھے۔ سامنے لوگوں کا راستہ متب دکھائی دے رہا تھا۔ پر اس پر اب کوئی آدمی یا آدمی زان تھا۔ سب اپنے اپنے گھر چلے گئے تھے۔ شام ہو گئی تھی۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اور زیادہ کٹتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ کھل دیوئے پر گھوڑوں کا وہ گروہ ایک کلمے ہادل کی طرح چلا جاتا تھا اور گم ہوتا تھا۔ تھنڈی ہوا کے ساتھ سواروں کے گلے کی آواز بھی بچوں کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ کیا اور راڈولف نے اب اپنے لوگوں کی طرف لوٹنا شروع کیا۔

رات ہوئی جا رہی تھی۔ دونوں نے اپنے اپنے ہاتھ اپنے گھروں میں چھپا رکھے تھے۔ دونوں دھیرے دھیرے روتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا یا کی ماؤں دروازے پر کھڑی ہوئی بھائی کی بات جوتی ہوئی۔

پہاڑی کے پیچھے کی طرف سے ایک اور گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی جس میں تین گھوڑے چلے ہوئے تھے۔

کیا نے پھر چلا کر پوچھا:—”جناب ! کیا فوج کے کھانے اور سپلائی کے پیچھے آ رہے ہیں ؟“

افسوس نے ایک اور حیران ہو کر لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ہاں، ہاں۔“

راڈولف نے گھبرائے ہوئے جواب دیا:—”ستویان بھائی ! ہمارا بھائی ستویان !“ راڈولف کو اس بات پر افسوس ملا کہ اس نے کہا تھا کہ اس کی بہن نے اسے بتایا تھا کہ ستویان اس کا بھائی ہے۔

افسوس نے پھر حیران ہو کر پوچھا:—”کون ستویان ؟“

کیا نے بڑی ہڈت کے ساتھ جواب دیا:—”بیتلے گاؤں کا رہنے والا ستویان !“

افسوس نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور پھر بڑے ہمارے ساتھ کھڑا ہوا۔

”کیا تو تمہارا بھائی چھوڑا ہوا ہے ؟“

بیتلے کاؤں نے بے خبرانہ ہو کر جواب دے دیا:—”ہاں، ہاں۔“

افسوس نے کہا:—”بیتلے ! وہ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔“

دوسرے افسوس نے بچوں سے کہا:—”لوگوں کو لوٹ جاؤ، نہیں جاؤ، تم یہاں سردی میں جم جاؤ گے۔“

یہ کہہ کر دونوں افسوس اپنے گھروں کو واپس لگاتے ہوئے باقی سواروں کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔

کیا اب چلا رہی تھی۔ راڈولف کو کے ٹپاٹپ ٹپاٹپ گھر رہے تھے۔ دونوں کے ہاتھ اور پیر سردی سے ٹھنڈے رہے تھے۔ ان کے گلے پر کپڑے پڑ گئے تھے۔ سامنے لوگوں کا راستہ متب دکھائی دے رہا تھا۔ پر اس پر اب کوئی آدمی یا آدمی زان تھا۔ سب اپنے اپنے گھر چلے گئے تھے۔ شام ہو گئی تھی۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اور زیادہ کٹتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ کھل دیوئے پر گھوڑوں کا وہ گروہ ایک کلمے ہادل کی طرح چلا جاتا تھا اور گم ہوتا تھا۔ تھنڈی ہوا کے ساتھ سواروں کے گلے کی آواز بھی بچوں کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ کیا اور راڈولف نے اب اپنے لوگوں کی طرف لوٹنا شروع کیا۔

رات ہوئی جا رہی تھی۔ دونوں نے اپنے اپنے ہاتھ اپنے گھروں میں چھپا رکھے تھے۔ دونوں دھیرے دھیرے روتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا یا کی ماؤں دروازے پر کھڑی ہوئی بھائی کی بات جوتی ہوئی۔

پہاڑی کے پیچھے کی طرف سے ایک اور گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی جس میں تین گھوڑے چلے ہوئے تھے۔

کیا نے پھر چلا کر پوچھا:—”جناب ! کیا فوج کے کھانے اور سپلائی کے پیچھے آ رہے ہیں ؟“

ہوئی تھی۔ دو سہائی انہیں موز پر آئے دکھائی دیئے۔ دونوں کے اوپر کافی برف جمع ہوا تھا۔ بچوں نے انہیں دیکھا۔ استویان اُن میں نہیں تھا۔

کینا نے اُن سہائیوں سے پوچھا:—”کیوں جی! کیا فوج اُدھر کر آ رہی ہے؟“

اُن میں سے ایک نے جواب دیا:—”اے لڑکی! ہمیں نہیں معلوم، تم کس کے انتظار میں ہو؟“

راڈولف نے جواب دیا:—”اپنے بھائی کے انتظار میں!“

سپاہی بکے ہوئے تھے۔ وہ آگے بڑھ گئے۔

کینا نے فیر دور تک دیکھنے کی کوشش کی۔ دونوں کو سرخی لگنے لگی۔ کینا لڑکھانے لگی۔ راڈولف کو کپکپی لگ گئی۔ پر ان کے استویان بھیا اُپے والے تھے، اُس لئے وہ دونوں بھیا کا انتظار کرتے رہے۔ انہیں یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ بھیا، کو اپنے ساتھ کھڑے نہ لے گئے تو وہاں انہیں ڈالٹھکی اور روٹھے گی۔

سامنے سے ایک گاڑی آئی۔ اُس میں دو مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں بھڑکی کھال کے سبب گرم کرکٹ پہنے ہوئے تھے۔ اُن کے سرور پر اونچائی گرم ٹوپیاں تھیں۔ گاڑی جب دونوں بچوں کے برابر میں آئی تو کینا گھروں کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

اُن نے گاڑی میں بیٹھے دو مسافروں سے پوچھا:—”جواب! کیا اُدھر سے کوئی فوج آ رہی ہے؟“

مسافروں میں سے ایک نے جواب دیا:—”پیاری لڑکی! ہمیں نہیں معلوم۔“ مسافر نے اپنی ٹوپیاں اونچا کر کے حذرانی کے ساتھ لڑکی کو دیکھا۔ لڑکی سردی سے لال اور نیلی ہو رہی تھی۔

گاڑی آگے بڑھی چلی گئی۔

دونوں بچے اُسی جگہ ڈٹے تھے۔ وہ کھلتے ہیٹ گئے۔ ٹھنڈی پہاڑی ہوا اور زیادہ تیز ہو گئی اور اُن کے چہروں پر اُپھڑے دیئے گئے۔ اُن کے کپڑے ہوا میں اڑنے لگے۔ برف بھی تیزی کے ساتھ گرنا رہا۔ لیکن دونوں بچے وہاں سے نہ ہٹے۔ ان کی آنکھیں سوک کے موز پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ انتظار میں تھے کہ کوئی اور آدمی اُدھر سے آنا ہوا دکھائی دے۔

یہاں تک کینا کا دل آشا سے اچھلنے لگا۔ کچھ گھنٹوں پہلے وہاں پر دیکھا گیا تھا کہ وہاں سے دو آدمی آ رہے تھے۔ سوار بہت سے تھے۔ کینا نے سوچا کہ وہاں سے آ رہے ہیں انہیں میں ہوں۔ وہ ٹھنڈی لگاتے اُن کی طرف دیکھتی رہی۔ سوار آگے بڑھے۔ اُن کے پیچھے دو آدمی آ رہے تھے۔ کینا نے ہاتھ اٹھا کر اُن انیسروں کی طرف اشارہ کر کے روتے ہوئے کہا:—”کہاں صاحب! کیا سوار بھا آ رہا ہے؟“

کینا نے اُن سہائیوں سے پوچھا:—”کیوں جی! کیا فوج اُدھر کر آ رہی ہے؟“

اُن میں سے ایک نے جواب دیا:—”اے لڑکی! ہمیں نہیں معلوم، تم کس کے انتظار میں ہو؟“

راڈولف نے جواب دیا:—”اپنے بھائی کے انتظار میں!“

سپاہی بکے ہوئے تھے۔ وہ آگے بڑھ گئے۔

کینا نے پھر دور تک دیکھنے کی کوشش کی۔ دونوں کو سردی لگنے لگی۔ کینا لڑکھانے لگی۔ راڈولف کو کپکپی لگ گئی۔ پر اُن کے استویان بھیا اُپے والے تھے، اُس لئے وہ دونوں بھیا کا انتظار کرتے رہے۔ انہیں یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ بھیا، کو اپنے ساتھ کھڑے نہ لے گئے تو وہاں انہیں ڈالٹھکی اور روٹھے گی۔

سامنے سے ایک گاڑی آئی۔ اُس میں دو مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں بھڑکی کھال کے سبب گرم کرکٹ پہنے ہوئے تھے۔ اُن کے سرور پر اونچائی گرم ٹوپیاں تھیں۔ گاڑی جب دونوں بچوں کے برابر میں آئی تو کینا گھروں کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

اُن نے گاڑی میں بیٹھے دو مسافروں سے پوچھا:—”جواب! کیا اُدھر سے کوئی فوج آ رہی ہے؟“

مسافروں میں سے ایک نے جواب دیا:—”پیاری لڑکی! ہمیں نہیں معلوم۔“ مسافر نے اپنی ٹوپیاں اونچا کر کے حذرانی کے ساتھ لڑکی کو دیکھا۔ لڑکی سردی سے لال اور نیلی ہو رہی تھی۔

گاڑی آگے بڑھی چلی گئی۔

دونوں بچے اُسی جگہ ڈٹے تھے۔ وہ کھلتے ہیٹ گئے۔ ٹھنڈی پہاڑی ہوا اور زیادہ تیز ہو گئی اور اُن کے چہروں پر اُپھڑے دیئے گئے۔ اُن کے کپڑے ہوا میں اڑنے لگے۔ برف بھی تیزی کے ساتھ گرنا رہا۔ لیکن دونوں بچے وہاں سے نہ ہٹے۔ ان کی آنکھیں سوک کے موز پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ انتظار میں تھے کہ کوئی اور آدمی اُدھر سے آنا ہوا دکھائی دے۔

یہاں تک کینا کا دل آشا سے اچھلنے لگا۔ کچھ گھنٹوں پہلے وہاں پر دیکھا گیا تھا کہ وہاں سے دو آدمی آ رہے تھے۔ سوار بہت سے تھے۔ کینا نے سوچا کہ وہاں سے آ رہے ہیں انہیں میں ہوں۔ وہ ٹھنڈی لگاتے اُن کی طرف دیکھتی رہی۔ سوار آگے بڑھے۔ اُن کے پیچھے دو آدمی آ رہے تھے۔ کینا نے ہاتھ اٹھا کر اُن انیسروں کی طرف اشارہ کر کے روتے ہوئے کہا:—”کہاں صاحب! کیا سوار بھا آ رہا ہے؟“

اس سے اس نے موم بلیوں، خریروں اور بڑے گیلے میں سے  
مورتیوں کے سامنے جلا-جلا کر رکھ دی۔ خرو-خرو وہ چل  
لہوئی۔

راستے میں وہ اپنے من ہی من میں بڑبڑاتی جاتی  
تھی:—“اچھا، اچھا، آج کا دن یہ ہے، کل بڑا دن ہے... ابھی بھی وقت  
ہے۔ اے پروردگار! میرا فرشتہ جیسا دل مجھ تک  
پہنچا دو۔ اے پروردگار! میرے مرنے والے دل کو  
خوشی عطا کر۔“

کینا دھڑکتی ہوئی چل کر آئی اور ماں سے کہنے لگی:—  
“ماں! گاؤں کے کھیتوں اور نوجوان لڑائی کے میدان سے لڑ  
آ رہی ہیں۔“

بڑی تہنیت کا کھٹا سا آواز آیا۔ اس نے ان کے دل  
سے جواب دیا:—“میرے دوسروں کے سہارے ہی لالہ  
کر رہے ہیں، بالکل جیسے وہ اور دوسری لڑائیوں میں اپنے  
موتوں سے ملنے جا رہی ہیں۔“

بالک راہوں نے بیچ میں دھڑک دھڑک کر کہا:—“ماں!  
میں بھی کینا بھننے کے ساتھ جاؤں گا۔“

دونوں بچے دھڑکتے ہوئے چلے گئے۔ ان کے پاؤں  
پر گھاس، بھوسہ اور کھیتوں کی بھٹی چھائی ہوئی تھی۔  
ان کے ہاتھوں میں چھڑاں تھیں۔

بڑی تہنیت اپنے دروازے کے باہر کھڑی ہوئی۔ اس کا انتظار  
کرنے لگی۔

پہاڑ کی طرف سے ٹنڈی سانس سانس کرتی ہوئی آ رہی تھی۔  
پہاڑوں کی چوٹیوں، چوٹیوں اور میدان سے برف  
سے برف آ رہی تھی۔ برف چلے آ رہی تھی، کالے کالے  
سڑک کے کنارے پر پڑ رہی تھی یا درختوں کی تنگی  
پر پڑ رہی تھی۔ برف کی تنگی شاخوں پر پڑ رہی تھی۔  
وہ سڑک اختتام گاہ تک جاتی تھی۔ سڑک پر جگمگ  
کرتے نوجوان لڑکے، بچے اور بڑے عورتوں کے چہرے  
تھے۔ ہر چہرے پر کسی نہ کسی کے انتظار میں تھا... سہمی  
تھی۔ گھر لوت رہے تھے۔ کوئی اکیلے اکیلے آ رہے تھے اور کوئی  
لڑکی کے گروہ میں، کینا اور رانی جو پہلے ایک گروہ کی طرف  
تھا، دوسری طرف، اور پھر دوسری طرف اور پھر آگے بڑھ  
گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ہی استوائی کو سب سے پہلے دیکھیں  
اور اس سے ملیں۔ انہیں دیکھنا تھا کہ وہ اسے فرشتہ ہی پہنچان  
ہیں گے۔ برف بڑا شہر ہو گیا تھا اور برف کے گرتے ہوئے  
ان کی آنکھوں کے سامنے ہر بار پردہ سا ڈال دیتے تھے۔

سڑک پہلے اوپر تو جاتی تھی اور پھر پہاڑی کے  
کمرے میں جاتی تھی۔ کینا اور رانی جو اس پہاڑی کی چوٹی  
پر پہنچ گئے۔ وہاں وہاں اور بھی زیادہ تیز اور کٹتی

اس سے اس نے موم بلیوں، خریروں اور بڑے گیلے میں سے  
مورتیوں کے سامنے جلا-جلا کر رکھ دیں۔ خوشی خوشی وہ  
چل لہوئی۔

راستے میں وہ اپنے من ہی من میں بڑبڑاتی جاتی تھی:  
—“اچھا، اچھا، آج کا دن یہ ہے، کل بڑا دن ہے... ابھی بھی وقت  
ہے۔ اے پروردگار! میرا فرشتہ جیسا دل مجھ تک  
پہنچا دو۔ اے پروردگار! میرے مرنے والے دل کو  
خوشی عطا کر۔“

کینا دھڑکتی ہوئی چل کر آئی اور ماں سے کہنے لگی:—  
“ماں! گاؤں کے کھیتوں اور نوجوان لڑائی کے میدان سے لڑ  
آ رہی ہیں۔“

بڑی تہنیت کا کھٹا سا آواز آیا۔ اس نے ان کے دل  
سے جواب دیا:—“میرے دوسروں کے سہارے ہی لالہ  
کر رہے ہیں، بالکل جیسے وہ اور دوسری لڑائیوں میں اپنے  
موتوں سے ملنے جا رہی ہیں۔“

بالک راہوں نے بیچ میں دھڑک دھڑک کر کہا:—“ماں!  
میں بھی کینا بھننے کے ساتھ جاؤں گا۔“

دونوں بچے دھڑکتے ہوئے چلے گئے۔ ان کے پاؤں  
پر گھاس، بھوسہ اور کھیتوں کی بھٹی چھائی ہوئی تھی۔  
ان کے ہاتھوں میں چھڑاں تھیں۔

بڑی تہنیت اپنے دروازے کے باہر کھڑی ہوئی۔ اس کا انتظار  
کرنے لگی۔

پہاڑ کی طرف سے ٹنڈی سانس سانس کرتی ہوئی آ رہی تھی۔  
پہاڑوں کی چوٹیوں، چوٹیوں اور میدان سے برف  
سے برف آ رہی تھی۔ برف چلے آ رہی تھی، کالے کالے  
سڑک کے کنارے پر پڑ رہی تھی یا درختوں کی تنگی  
پر پڑ رہی تھی۔ برف کی تنگی شاخوں پر پڑ رہی تھی۔  
وہ سڑک اختتام گاہ تک جاتی تھی۔ سڑک پر جگمگ  
کرتے نوجوان لڑکے، بچے اور بڑے عورتوں کے چہرے  
تھے۔ ہر چہرے پر کسی نہ کسی کے انتظار میں تھا... سہمی  
تھی۔ گھر لوت رہے تھے۔ کوئی اکیلے اکیلے آ رہے تھے اور کوئی  
لڑکی کے گروہ میں، کینا اور رانی جو پہلے ایک گروہ کی طرف  
تھا، دوسری طرف، اور پھر دوسری طرف اور پھر آگے بڑھ  
گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ہی استوائی کو سب سے پہلے دیکھیں  
اور اس سے ملیں۔ انہیں دیکھنا تھا کہ وہ اسے فرشتہ ہی پہنچان  
ہیں گے۔ برف بڑا شہر ہو گیا تھا اور برف کے گرتے ہوئے  
ان کی آنکھوں کے سامنے ہر بار پردہ سا ڈال دیتے تھے۔

سڑک پہلے اوپر تو جاتی تھی اور پھر پہاڑی کے  
کمرے میں جاتی تھی۔ کینا اور رانی جو اس پہاڑی کی چوٹی  
پر پہنچ گئے۔ وہاں وہاں اور بھی زیادہ تیز اور کٹتی

پر دیمتیر کو بھی استویان کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اس نے جواب دیا:—”شاید اسے وہاں کی طرف بھیجا گیا ہے۔“ اس کی چمکا دیکھ کر دیمتیر کو بھی دکھ ہوا۔ اس نے پھر کہا:—”شاید وہ کہیں سے کسی دوسرے راستے سے آتا ہوگا۔“ یہ کہہ کر دیمتیر اچھے سوچنے لگا۔

تسینا نے ٹنڈی سانس بھر کر کہا:—”ہے ईश्वर ! हे प्रभू ! मेरा लाल इस समय कहाँ होगा !“

وہاں سے وہ استویانکا کے گھر گئی۔ دروازے پر پہنچتے ہی اس کا دل کانپنے لگا۔ وہ سوچنے لگی شاید استویانکا سے اسے اپنے بیٹے کا کچھ سناچار مل سکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ استویانکا بچے دن کے تھوڑے نک گھر آجائے گا یا نہیں۔ وہ استویانکا سے کچھ خدشہ خدشہ سنا چاہتی تھی۔ پر استویانکا چپ رہی۔ کھول اس کی آنکھیں لال دکھائی دیں۔

[ 4 ]

आज सारे गाँव में चहल-पहल है. लड़ाई के मैदान से पहली पलटन वापिस आ रही है. गाँव वाले उसके स्वागत की तैयारियाँ कर रहे हैं. गली के बीच में तसेना के घर के पास एक दूसरे के आंमने सामने दो बस्त्रियाँ गाड़ी गई. उन दोनों के ऊपर मेहराब के तौर पर एक हरी शाख मोड़कर बाँध दी गई. इस तरह पलटन के स्वागत के लिए एक फाटक बना दिया गया. लोगों ने चीख के दरख्तों की खुशबूदार टहनियाँ पहाड़ों पर से लाकर दोनों बस्त्रियों और मेहराब के ऊपर लपेट दीं. पास के शहर पाञ्चरजिक से एक तख्ता लाकर उस मेहराब पर लटका दिया गया. तख्ते पर लिखा हुआ था:—बहादुर सिपाहियों ! स्वागत ! चारों तरफ तिरंगे राष्ट्रीय झन्डे लगा दिए गए.

त्रिजया पलटन आई और चली गई.

बेचारी माँ सोचने लगी:—

”हो सकता है कि मेरा बेटा पीछे आ रहा हो. शायद वह त्यौहार से ठीक एक दिन पहले पहुँचना चाहता है. उसे परदेस में बड़ा दिन बिताने की क्या जरूरत ! अभी तो सिपाही आ ही रहे हैं. एक-एक कर चले आ रहे हैं. शाम तक उसके आने के लिए काफी समय है. उसे मालूम है कि यहाँ घर पर इतने आदमी बेचैनी के साथ उसकी तरफ आँखें लगाए बैठे हैं.”

[ 5 ]

सुबह के वक्त बूढ़ी तसेना बहुत जल्दी गिरजा गई. स्तो-यान ने जो लेव उसके पास भेजा था उसे उसने मुना बाला.

اس پر دیمتیر کو بھی استویان کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اس نے جواب دیا:—”شاید اسے وہاں کی طرف بھیجا گیا ہے۔“ اس کی چمکا دیکھ کر دیمتیر کو بھی دکھ ہوا۔ اس نے پھر کہا:—”شاید وہ کہیں سے کسی دوسرے راستے سے آتا ہوگا۔“ یہ کہہ کر دیمتیر اچھے سوچنے لگا۔

تسینا نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا:—”ہے ईश्वर ! हे प्रभू ! मेरा लाल इस समय कहाँ होगा !“

وہاں سے وہ استویانکا کے گھر گئی۔ دروازے پر پہنچتے ہی اس کا دل کانپنے لگا۔ وہ سوچنے لگی شاید استویانکا سے اسے اپنے بیٹے کا کچھ سناچار مل سکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ استویانکا بچے دن کے تھوڑے نک گھر آجائے گا یا نہیں۔ وہ استویانکا سے کچھ خدشہ خدشہ سنا چاہتی تھی۔ پر استویانکا چپ رہی۔ کھول اس کی آنکھیں لال دکھائی دیں۔

[ 4 ]

آج سارے گاؤں میں چہل پہل ہے. لڑائی کے میدان سے پہلی پلٹن واپس آ رہی ہے. گاؤں والے اس کے स्वागत کی تैयारیاں کر رہے ہیں. گلی کے बीच میں तसेना के घर के पास एक दूसरे के आंमने सामने दो बस्त्रियाँ गाड़ी गई. उन दोनों के ऊपर मेहराब के तौर पर एक हरी शाख मोड़कर बाँध दी गई. इस तरह पलटन के स्वागत के लिए एक फाटक बना दिया गया. लोगों ने चीख के दरख्तों की खुशबूदार टहनियाँ पहाड़ों पर से लाकर दोनों बस्त्रियों और मेहराब के ऊपर लपेट दीं. पास के शहर पाञ्चरजिक से एक तख्ता लाकर उस मेहराब पर लटका दिया गया. तख्ते पर लिखा हुआ था:—बहादुर सिपाहियों ! स्वागत ! चारों तरफ तिरंगे राष्ट्रीय झन्डे लगा दिये गये.

वज्जी पलटन आई और चली गئی.

बेचारी माँ सोचने लगी:—

”हो सकता है कि मेरा बेटा पीछे आ रहा हो. शायद वह त्यौहार से ठीक एक दिन पहले पहुँचना चाहता है. उसे परदेस में बड़ा दिन बिताने की क्या जरूरत ! अभी तो सिपाही आ ही रहे हैं. एक-एक कर चले आ रहे हैं. शाम तक उसके आने के लिए काफी समय है. उसे मालूम है कि यहाँ घर पर इतने आदमी बेचैनी के साथ उसकी तरफ आँखें लगाए बैठे हैं.”

[ 5 ]

صبح کے وقت بوڑھی تسینا بہت جلدی گرجا گئی۔ استویان نے جو لوہو اس کے پاس بھیجا تھا اسے اس نے بیٹا بولا۔

فیر اسنے ون کئدیوں کو مسکاتر کرکے کھا :—  
”بہو ! ایک منٹ ٹھہرو۔“

یہ کھد کر وہ اپنے گھر دڑی ہوئی گئی اور ایک منٹ کے اندر ایک پیپا راکیا ہاتھ میں لیے ہوئے لوٹ آیا۔ اسنے سرکریا کے ون کئدی سیراکیوں سے کھا :—”بہو ! ٹھہرو، بڑا بڑا راکیا پی لو۔“ اسنے ان کئدیوں کو لیے جا رہا تھا اسنے مسکرا کر سب کو رکھنے کی ہزاکت دے دی۔ بکے ہوئے کئدی سیراکیوں نے راکیا پی اور تسنا کا بدت-بدت شکریا ادا کیا۔ راکیا پی کر ونکی سرکریا کھ کھ۔

سیراکیا کے سیراکی نے یہ دیکھ کر کہ وہ کچھ راکیا بچ گئی ہے بڑی خوشی کے ساتھ اسنے اپنے منہ میں ڈال لیا اور ہڑی من کو بہت بہت سلام دیا۔

تسنا نے فیر ہیران ہو کر کھا :—”یہ سب کسے ہے، سب ایک ہی کسے کے بکے ہیں.....یہ ایک دوسرے سے لڑتے کیوں ہیں؟.....“

اسکے دیکھتے-دیکھتے بھ لوگ چلے گئے۔

[ 3 ]

جنگ رک گئی۔ سولہ کی بات چیت شروع ہو گئی۔

بکے دن کا بھار نکلنے لگا۔ سیراکی لوگ کھڑی لے لے کر چلے گئے۔ بکے دن سے گئے ہوئے بہت سے سیراکی بھی لوٹ آئے۔ پر سیراکی ابھی نہیں آیا۔ نہ اسکا کوئی سیراکی آیا۔ ہڑی تسنا کو چٹا ہونے لگی۔ وہ کھالے لگی۔ اس کے دل میں بڑے بڑے خیال آئے۔.....دن گزرتے چلے گئے۔ تسنا کی آنکھیں برابر دروازے کی طرف اگی رہتیں۔ نہ جانے کب سیراکی آئے اور دروازہ کھلے۔

رنگل سیراکیاں لڑائی سے لڑ کر اس سے ملنے آیا۔ دن کا بھار بکے دن سے ملنے آیا۔ دنوں بھائی اسکا منہ لگی اس سے ملنے آئے۔ وہ آئے کو بکے لوگوں سے پوچھتی۔ پر سیراکی کی کسی سے کوئی خبر نہ ملے۔ ان سب نے بکے دن پہلے سیراکی کو دیکھا تھا۔ لیکن اس کے بعد کی انہوں خبر نہ تھی۔

ہڑی من کا دل کھالے لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ہار ہار اندھیرا آجاتا۔ وہ کھ کے اس پاس چکر کاتی اور ہار ہار سیراکی کو یاد کرتی۔

اس کی بوٹی کھالے دروازے سے قورق ہوئی آئی اور چل کر کھلے لگی۔ ”ہاں ! دیکھو جا جا لڑائی سے آئے !“

من فرمت اٹھی اور دیکھ کر یہاں گئی۔ دیکھ کر یہاں پہلے کر اس نے کہا :—”دیکھو ! سواکت ! سیراکی کو تم نے کہاں چھڑا ؟“



جس جا رہا تھا۔ تसेنا اس خط کو پڑھانے کے لیے دوڑ کر اسے اپنے پرومٹ کے پاس لے گئی۔

چٹھی یہ تھی:—

چٹھی یہ تھی:—

“مائی! میں یہ چٹھی تمہیں یہ بتانے کے لیے لکھ رہا ہوں کہ میں زندہ اور خبردار سے ہوں۔ ہم نے سروریا کے لوگوں کو ہرا دیا ہے۔ بلغاریہ زندہ باد! میں اچھی طرح ہوں۔ رنکل استوبانوں میں اچھی طرح سے ہے۔ چچا دیپتر بھی اچھی طرح سے ہیں اور اپنی ماں کو سلام پہنچاتے ہیں۔ سروریا کے لوگ ہمیشہ ایک ساتھ اپنی بلدیوں میں چہرتے ہیں۔ پر جب ہم خواب میں اُٹھ کر کہہ کر بڑھتے ہیں تو وہ تر جاتے ہیں۔ میں اپنا ہسٹر بلدیوں کے یہاں بھول آیا تھا، وہ وہاں سے منگا لینا۔ بچے اسے کہیں خواب نہ کر دیں۔ نل ہم تراکومان کی گھاٹیوں میں سے تیزی کے ساتھ نکل جائیں گے۔ میں جب گھر لوٹوں گا تو لینا کے لئے نئی شہر سے کوئی اچھی سی چیز لوٹاؤں گا۔ تمہارے خرچ کے اٹھ میں ایک لہو (بلغاریہ کا ایک سکہ) بھیج رہا ہوں۔ جب گھر آؤں گا تو رادل چو کو بتاؤں گا کہ ٹوپ کے گولے کس طرح آواز کرتے ہیں۔

”ہاں! میں یہ چٹھی تمہیں یہ بتانے کے لیے لکھ رہا ہوں کہ میں زندہ اور خبردار سے ہوں۔ ہم نے سروریا کے لوگوں کو ہرا دیا ہے۔ بلغاریہ زندہ باد! میں اچھی طرح ہوں۔ رنکل استوبانوں میں اچھی طرح سے ہے۔ چچا دیپتر بھی اچھی طرح سے ہیں اور اپنی ماں کو سلام پہنچاتے ہیں۔ سروریا کے لوگ ہمیشہ ایک ساتھ اپنی بلدیوں میں چہرتے ہیں۔ پر جب ہم خواب میں اُٹھ کر کہہ کر بڑھتے ہیں تو وہ تر جاتے ہیں۔ میں اپنا ہسٹر بلدیوں کے یہاں بھول آیا تھا، وہ وہاں سے منگا لینا۔ بچے اسے کہیں خواب نہ کر دیں۔ نل ہم تراکومان کی گھاٹیوں میں سے تیزی کے ساتھ نکل جائیں گے۔ میں جب گھر لوٹوں گا تو لینا کے لئے نئی شہر سے کوئی اچھی سی چیز لوٹاؤں گا۔ تمہارے خرچ کے اٹھ میں ایک لہو (بلغاریہ کا ایک سکہ) بھیج رہا ہوں۔ جب گھر آؤں گا تو رادل چو کو بتاؤں گا کہ ٹوپ کے گولے کس طرح آواز کرتے ہیں۔

استوبان دوہریو۔

“بڑے پیٹر کو میرا बहुत बहुत سلام کہنا۔ میں انہیں سروریا کی ایک بندوق بہت بہت سلام کہنا۔ میں انہیں سروریا کی ایک بندوق بہت بہت چاہتا تھا پر انتظام نہیں کر سکا۔ وہ لوگ بندوق تو بہت دور سے چلاتے ہیں پر ان کا نشانہ ٹھیک نہیں ہوتا۔ ماں! استوبان کا کو بھی میرا سلام کہنا۔”

تसेنا کا دھڑکنے والا دل ٹھیک ٹھیک چلا۔ اپنے بڑے ہاتھوں میں چٹھی لیے وہ استوبان کے گھر گئی۔ سب کو بڑی خوشی ہوئی۔ پر سب سے زیادہ خوشی رادل چو کو ہوئی۔ وہ خوش ہو کر یہ سچے لگا کہ مہرا بڑا بھلا ہے جب گھر لوٹے گا تو مجھے ایک نیا گانا سنھائیگا۔

تسینا کا دھڑکنے والا دل ٹھیک ٹھیک چلا۔ اپنے بڑے ہاتھوں میں چٹھی لیے وہ استوبان کے گھر گئی۔ سب کو بڑی خوشی ہوئی۔ پر سب سے زیادہ خوشی رادل چو کو ہوئی۔ وہ خوش ہو کر یہ سچے لگا کہ مہرا بڑا بھلا ہے جب گھر لوٹے گا تو مجھے ایک نیا گانا سنھائیگا۔

تسینا نے ان قیدیوں کی طرف دیکھ کر کہا:—”اے ایشور! کیا یہی سروریا کے لوگ ہیں؟ خاصہ اچھے آدمی ہیں..... ان بھاریوں کی مائیں کہاں ہونگی؟ کیا کہتی ہونگی؟..... انہیں کیا پتہ ان کے بچے کہاں ہیں؟“

تسینا نے ان قیدیوں کی طرف دیکھ کر کہا:—”اے ایشور! کیا یہی سروریا کے لوگ ہیں؟ خاصہ اچھے آدمی ہیں..... ان بھاریوں کی مائیں کہاں ہونگی؟ کیا کہتی ہونگی؟..... انہیں کیا پتہ ان کے بچے کہاں ہیں؟“

## ک्या وہ بار بار رہا ہے ؟

کپڑے بٹاپے، ان کے نیچے سے اس نے ایک بامبستی نکالی اور بار بار کے ڈوٹے سے بپاسناہر کے سامنے اس بستی کو جلا کر دھوا مائیگی شروع کی۔

ٹیک اس سے ڈراگومان کے میدان میں توپیں گولہ اگل رہی تھیں۔ نومبر 1885 کی چوتھی تاریخ تھی۔

[ 2 ]

بুڈیا تاسےنا نے اس رات کو ایک سपنا دےوا:—

एक बहुत बड़ा बादल है, और एक फौज उस बादल के अन्दर घुसी चली जा रही है. स्तोयान भी उसी फौज में है.

तसेना ने सपने ही के अन्दर डरकर कहा:—“ऐ माता मेरी ! ऐ प्रभु ईसा की माँ ! मेरा जी डरता है !”

बादल गरजा, आसमान में बिजली कड़की, धरती हिल गई—जंग की सी हालत मालूम हुई. उसी बादल में स्तोयान गुम हो गया. कहाँ चला गया ! अब क्या होगा !

माँ काँपकर जाग उठी. कांठरी में घुस आँधरा था. बाहर ठन्डी हवा सन-सन कर रही थी. लड़ाई का नक़शा माँ की आँखों के सामने से फिर रहा था.

माँ ने कहा:—“ऐ ईश्वर ! ऐ प्रभु ! ऐ ईसा मसीह ! उसको रक्षा करना.....प्रभु ईसा की माँ मेरी ! स्तोयान पर दया करना !”

उसके बाद सुबह तक बुडिया तसेना को सोद न आई. सुबह होते ही वह गाँव के सयाने बूढ़े पीटर के पास गई. उसने पीटर से पूछा — ‘चचा पीटर ! सपन में बादल दिखाई देने का क्या मतलब होता है ?’

पीटर ने जवाब दिया:—“बादल दो तरह के होते हैं. कुछ बादल वह होते हैं जो बरसते हैं और कुछ बादल वह होते हैं जो बारिश को इधर-उधर छिड़का देते हैं. तसेना ! तुमने सपने में किस तरह का बादल देखा था ?”

तसेना ने अपना सपना बयान कर दिया. बूढ़ा पीटर कुछ देर सांचता रहा. उसे याद नहीं आ रहा था कि उसकी पाथी में उस तरह के बादल का जिक्र है या नहीं. पर जब उसने तसेना के चेहरे पर डर और घबराहट देखी और यह देखा कि तसेना टिकाटका जगए उसका आर देव रही है, तो उसने तसेना पर दया करके कहा:—“तसेना ! फक्र मत करा, तुम्हारा सपना अच्छा सपना है. बादल का मतलब यहाँ सन्देश है. तुम्हें स्तोयान का बिड्डा मिलेगी.”

बुडिया का चेहरा चमक उठा.

दो दिन के बाद एक वालन्टियर ने जो स्तोयान का दास्त था, स्तोयान की माँ को स्तोयान की एक चिट्ठी लाकर दी. स्तोयान उस समय सरावया के कुछ युद्ध के कैदियों को

ब्रह्म आत्म. ان کے تھیں۔ اس نے ایک مہربانی نکالی اور بار بار کے ڈوٹے سے بپاسناہر کے سامنے اس بستی کو جلا کر دھوا مائیگی شروع کی۔

ٹیک اس سے ڈراگومان کے میدان میں توپیں گولہ اگل رہی تھیں۔ نومبر 1885 کی چوتھی تاریخ تھی۔

[ 2 ]

بروزہا تاسینا نے اس رات کو ایک سہنا دیکھا:—

ایک بہت بڑا بادل ہے، اور ایک فوج اس بادل کے اندر گھسی چلی جا رہی ہے۔ استویان بھی اسی فوج میں ہے۔

تسینا نے سونے ہی کے اندر تر کر کہا:—اے ماں مہری ! اے پرہو عیسیٰ کی ماں ! میرا جی ترنا ہے !

بادل گرجا، آسمان میں بجلی کر کی، دھڑنی هل گئی—جنگ کی سی حالت معلوم ہوئی۔ اسی بادل میں استویان گم ہو گیا۔ کہیں چلا گیا ! اب کیا ہو گا !

ماں کانپ کر جاگ اٹھی۔ کوٹھری میں گھپ اندھیرا تھا۔ باہر لٹکھڑی ہوا سن-سن کر رہی تھی۔ لڑائی کا نقشہ ماں کی آنکھوں کے سامنے سے پھر رہا تھا۔

ماں نے کہ:—“اے ایشور ! اے پرہو ! اے عیسیٰ مسیح ! اس کی رक्षा کر.....پرہو عیسیٰ ہی ماں مہری ! استویان پر دیا کرنا !”

اس کے بعد صبح تک بروزہا تسینا کو نول نہ آئی۔ صبح ہوتے ہی وہ گلوں کے سداے بوزے پوٹر کے پاس گئی۔ اس نے پوٹر سے پوچھا:—“چچا پوٹر ! سونے میں بادل دیکھانی دیکھ کا کیا مطلب ہوتا ہے ؟”

پوٹر نے جواب دیا:—“بادل دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ ادا رہتے ہیں دو ہرستہ ہیں اور کچھ بادل وہ ہوتے ہیں جو بارہ دو ادھر ادھر چھٹکا دیتے ہیں ! تسینا ! تم نے سونے میں کس طرح کا بادل دیکھا تھا ؟”

تسینا نے اپنا سہنا بیان کر دیا۔ بروزہا پوٹر کچھ دیر تک سوچتا رہا اُسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس کی پوٹھی میں اُس طرح کے بادل کا ذکر ہے یا نہیں۔ پر جب اُس نے تسینا کے چہرہ پر تر اور گھبراہٹ دیکھی اور یہ دیکھا کہ تسینا تکتی لگائے اس کی اور دیکھ رہی ہے، تو اس نے تسینا پر دیا کر کے کہا:—

“تسینا فکر مت کرو، تمہارا سہنا اچھا سہنا ہے۔ بادل کا مطلب یہاں سندیس سے ہے۔ تمہیں استویان کی چٹھی ملے گی۔”

بروزہا کا چہرہ چمک اٹھا۔ چھ دن کے بعد ایک والانتیئر نے جو استویان کا دوست تھا، استویان کی ماں کو استویان کی ایک چٹھی لے کر دی۔ استویان اس سے سرور کے کچھ خطے کے کہیں کو

انکے ساتھ ایک پلٹن بھی جو ہرمانلی سے آ رہی تھی۔ ہرمانلی میں وہ تھیں سے لڑنے گئی تھی۔ اب وہ صوفیا کے میدان پر جا رہی تھی جہاں اسے سردیا والوں سے لڑنا تھا۔

رنگدوٹوں کو دیکھ کر گاؤں والوں کی ہمت میں سے ایک نے کہا:—”وہ دیکھو، جارجی کا بھتا سوئیٹکو جا رہا ہے! سوئیٹکو! خدا حافظ!“

دوسرے نے کہا:—”وہ دیکھو، رنگل جا رہا ہے!“

تیسرے نے کہا:—”اور وہ ندلکا کا بیٹا آئیوں جا رہا ہے۔ آئیوں! دیکھو تمہاری ماں تیزی ہے!“

جلدی جلدی میں ہمت میں سے کچھ نے کچھ رنگدوٹوں کو پھول دیئے۔ گاؤں کے اوپر سے آنسو ٹپکتے جاتے تھے۔ شد آدھے منہ سے نکلنے سے اور آدھے اندر ہی اندر ٹھٹ کر رہ جاتے تھے۔ رنگدوٹ فوج کے ساتھ آگے بڑھتے جاتے تھے۔

انہوں نے ایک لڑکی کے چلا کر کہا:—”ماں! یہ دیکھو بھائی جا رہا ہے!“

آٹھ برس کے ایک لڑکے نے جو اسی لڑکی کے پاس کھڑا تھا اپنے ہاتھ رنگدوٹوں کی طرف بڑھا کر چلا کر کہا:—”استویان بھیا!“

ماں نے روتے روتے کہا:—”میرے بچے! میرے لال!“

کالی آنکھوں والا ایک سندر تندرست نوجوان قطار میں سے باہر نکل پڑا۔ اس نے اپنی ماں کا ہاتھ چومنا، اپنی بہن اور اپنے بھائی کا ہاتھ چومنا، ان سے لے کر کچھ پھول اس نے اپنی چھاتی میں لگائے۔ ایک اور نوجوان لڑکی نے بھی اسے کچھ پھول دیئے۔ انہیں اس نے اپنے کانوں پر رکھ لیا۔ پھر جلدی سے دور کر وہ قطار میں جا ملا اور سب کے ساتھ گنا ہوا چلا گیا۔

ماں نے دور سے چلا کر کہا:—”میرے لال! خدا حافظ!“

بہن نے قریب قریب ہمیشہ ہوتے ہوئے چہرے کر کہا:—”استویان!“

ان سب کی آوازیں گونج کر رہ گئیں۔ استویان بانی سپاہیوں کے اندر نظر سے اوجھل ہو گیا۔ رنگدوٹ کمرے کمرے میں دکھائی دینے بند ہو گئے۔

ان سب کی آوازیں گونج کر رہ گئیں۔ استویان بانی سپاہیوں کے اندر نظر سے اوجھل ہو گیا۔ رنگدوٹ کمرے کمرے میں دکھائی دینے بند ہو گئے۔

ماں کچھ دیر تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسی طرف دیکھتی رہی پر اب دیکھنے کو کچھ نہ تھا۔

نوجوان لڑکی نے اپنی جلدی کا دھاریدارلہ اپنے سر پر ڈال لیا۔

کھڑ لٹک کر استویان کی ماں دیکھتی رہی۔ اُس نے ایک پرانا ٹوٹا ہوا صندوق کھولا۔ اس میں سے کچھ قمیضیں اور

ماں نے دُور سے بھللا کر کہا:—”میرے لال! خدا حافظ!“

بھلن نے کڑیو-کڑیو بھہوشا ہوتے ہوئے چیخ کر کہا:—”ستویان!“

وہ سب کی آوازیں گونج کر رہ گئی۔ استویان بائیں سپاہیوں کے اندر نظر سے اوجھل ہو گیا۔ رنگدوٹ گھرے گھرے میں دکھائی دینے بند ہو گئے۔

ماں کچھ دیر تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسی طرف دیکھتی رہی پر اب دیکھنے کو کچھ نہ تھا۔

نوجوان لڑکی نے اپنی چوڑی کا چاریدار پٹلا اپنے سر پر ڈال لیا۔

وہ لٹک کر استویان کی ماں بٹھائی رہی۔ اس نے ایک پُرانا ٹوٹا ہوا صندوق کھولا۔ اس میں سے کچھ قمیضیں اور

کیا وہ گھبرا رہا ہے؟

## شرعی آئینوں و آزادی

[ 1 ]

سن 1885 کی بات ہے۔ نومبر کی چوتھی تاریخ تھی۔ جنگ جاری تھی۔ تترگوں کے میدان میں توپیں گواہ اُگل رہی تھیں۔

بلغاریہ کے دیکرین گلوں میں کہا چاہا ہوا تھا۔ چاروں طرف نئی تھی، ہانکی ہانکی بارہی ہو رہی تھی۔ گلوں کے چھوٹے، معلوم ہوتا تھا، دپے جا رہے ہیں۔ گلوں میں کیچڑ تھی۔ یہ بھی لوگ جگہ جگہ جمع تھے اور کچھ چمکا کے ساتھ ہاتھوں کر رہے تھے۔

گاؤں کے اندر دو چھوٹی چھوٹی سرائیں ایک دوسرے کے  
 آمنے سامنے تھیں۔ دونوں کے بیچ کی سڑک پر سے بھلوں کے  
 چھوڑے اور دیہاتی گھوڑے گزریاں فوجی رسد کے سامان سے ادھر  
 رہتی چوں چوں کرتی چلی جا رہی تھیں۔

انہوں چٹوڑوں اور گڑبوں کے بیچ بیچ سے نئے فوجی  
 منگورت جا رہے تھے۔ اُن میں سے کچھ لمبے لمبے فوجی اور کچھ  
 پہلے ہوئے تھے۔ کچھ ہڈی کی ہال کے کون پہلے ہوئے تھے۔  
 بہت سے اپنے مرے مرے کھانوں کی پھوڑیاں، ریتا کو لے کر اپنی  
 سردی دور کر رہے تھے۔ پٹوروں میں اونچے اونچے جوتے تھے۔  
 گندھیں پر بندھتوں رکھی تھیں جن نے نیچے کرتھیں لٹک  
 رہی تھیں۔ ہاندوئوں کے پیچھے والے درے سے تھیلے لٹک رہے  
 تھے۔ تھیلوں میں کٹی سامان تھا۔ سڑک پر گھٹلیں تھیں  
 کچڑ تھی۔ سردی کٹی تھی۔ بیچ بیچ میں اداہ بھی  
 پڑ رہے تھے۔ پڑ بھی یہ سب رنگورت ہلستے گاتے چلے جا  
 رہے تھے۔

ایک سرائے کے دروازے پر کچھ کسان، کچھ مسافر اور کچھ  
فرجی اسیر ہوتے ہوئے ان نو جوان رنگروٹوں کو دھیان سے  
دیکھ رہے تھے۔

ایک طرف گلاں کی کچھ عربوں، کچھ لوگوں اور کچھ بچے بھی کھڑے تھے۔ ان میں سے ادھک تر چیتھڑے ایستہ ہوئے سردی سے تھپہر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خون کی لالی جھلک دہی تھی۔

یہ لوگ اس اٹھ گھروے تھے کہ جو نوجوان رنگرورت اُن کے  
گھروں سے پہرنی ہو کر جا رہے تھے انہیں آخری بدنامی دیں ۔  
یہ سب رنگرورت موزنا جا رہے تھے ۔

یہ سب رنگوں کی صفوں پر جا رہے تھے۔

क्रौमी एकता को कायम किया था उसकी बुनियादे अभी काफी मजबूत न हो पाई थीं. सदियों की कमजोरियाँ एक पीढ़ी के अन्दर इतनी आसानी से नहीं मिट सकती. सदियों की पुरानी दुश्मनियाँ भी अभी कहीं कहीं दिलों में पड़ी सुलग रही थीं. जिन बद्ध कवीलों को सदियों से एक तरह की मनमानी करने का आदत पड़ गई थी, जो किसी मरकजी ताकत (केन्द्रीय शक्ति) के अधीन होकर रहना, या किसी को टैक्स देना जानते ही न थे, इन सब के दिलों में फायदेमन्द सामाजिक और राष्ट्रीय बन्धनों की कड़ अभी पूरी तरह न जमी थी. इसके अलावा इस तरह के खुदगार और मौकापरस्त लोगों की भी किसी देश या किसी जमाने में पूरी तरह कमी नहीं होती जो अपने चन्द-रोजा फायदों के लिए अपने देश के हितों के खिलाफ पैरों की साजिशों में मददगार हो सकें।

یہی اہمیت کو قائم کیا تھا اس کی بنیادیں ابھی کافی مضبوط نہ ہوئیں تھیں۔ صدیوں کی کمزوریاں ایک پیدہ کے اندر اتنی آسانی سے نہیں مٹ سکتیں۔ صدیوں کی پرانی دشمنیاں بھی ابھی ہڈیوں میں ڈالوں میں پڑی جاگ رہیں تھیں۔ جن بدهوں کو صدیوں سے ایک طرح کی من مانی کرنے کی عادت ہو گئی تھی، جو کسی مرکزی طاقت (کینڈریہ شکتی) کے دھون ہو کر رہنا، یا کسی کو ٹیکس دینا جانتے ہی نہ تھے، ان سب کے دلوں میں فائدہ مند سماجک اور راشتری باندھنوں کی قدر ابھی پوری طرح نہ جمی تھی۔ اس کے علاوہ اس طرح کے خودغرض اور موقع پرست لوگوں کی بھی کسی دیہ کی کسی زمانے میں پوری طرح کمی نہیں ہوتی جو اپنے چند روزانہ اندوں کے لئے اپنے دیہ کے ہتوں کے خلاف غوروں کی سازشوں میں مددگار ہو سکیں۔

[बाक्री अगले नम्बर में]

[بانی اگلے نمبر میں]

700 PAGES,  
32 ILLUSTRATIONS  
2 COLOURED MAPS

## "CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 50.

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic. the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by an instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

عراق کے ہندو سے عرب سب سے پہلی تک رومی سلطنت کے دھڑلے بنے ہوئے تھے۔ ان سب سے پہلے اسلام کا پرچار کرنے کے لیے محمد صاحب سیکڑوں پرچارک بھیج چکے تھے۔ روم کے عیسائی بادشاہوں کی نرمی میں اس سے مددنی آزادی کی گنجائش نہ تھی۔ روم کے اس سے کے اٹھ چاروں اور وہاں کی۔ پرچار کی حالت کا ذکر ہم ایک دوسری جگہ کریں گے۔ وہاں نے جن عربوں نے نیا دھرم قبول کیا انہیں رومی شاستوں نے موت کی سزا دیلی شروع کی۔ محمد صاحب کے پہلے پہلے پچاسوں پرچاروں کو انہوں نے قتل کر دیا۔ وہاں کے زیادہ تر عربوں میں اس سے نفرت تھی۔ رومی دھرم کے ساتھ پریم اور زیادہ بڑھا۔ بہت سے عرب قبیلوں نے جو عیسائی ایمانی تھے، بغضی اسلام قبول کر لیا اور رومی سامراج کی ادھیڑ چوڑی کو مدینہ کی نئی راشنریہ سرکار کے ساتھ اپنا سمبندھ جوڑ لیا۔ اس پرکار انہیں عیسائی عرب قبیلوں نے بھی روم سے اپنا تعلق توڑ کر مدینہ کی عرب سرکار کے ساتھ جوڑنا چاہا۔ مدینہ کی دوسری سرکار رومی شہنشاہوت کے بیچ یدہ انواربہ (قرمی) تھا۔ محمد صاحب کی سے میں یدہ چھڑ چکا تھا۔ ولسکو میں یہ یدہ عربوں کی دھارمک اور راجنیتک سوانہیت کا یدہ تھا اور اسے جھوٹ دھننے کے لئے عربوں میں راشنریہ ایکٹیٹی بھاؤنا بھی کافی پیدا ہو چکی تھی۔

موت سے کچھ دن پہلے محمد صاحب نے رومی سامراج کے مقابلے کے لئے شام کی سرحد پر نئی فوج بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ فوج مدینہ سے باہر میدان میں پہنچ چکی تھی۔ محمد صاحب اپنے ہاتھوں سے فوج کی کمانڈری کا جھنڈا لوجوان ہونامہ کے ہاتھوں میں سونپ چکے تھے۔ ننگر محمد صاحب کی موت کے کرن اس فوج کا جانا رک گیا تھا۔

حالیہ ہونے کے دوسرے دن ابوبکر نے پھر سے فوج کی کمانڈری کا جھنڈا ہونامہ کے ہاتھوں میں دے کر فوراً اتر کر اور بڑھنے کا حکم دیا۔

ادھر روم کے چالاک حاکموں نے بھی محمد صاحب کی موت سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ پورے عرب میں اور خاص کر ان عربوں میں جو اس سے پہلے روم یا ایران کے ماتحت رہ چکے تھے، مدینہ کی نئی سرکار کے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ چاروں اور سے بغاوتوں کی خبریں آئے لکن یہاں تک کہ ہضمری کے ٹٹی نے دعویدار کھڑے ہو گئے۔

23 برس کی کلہن تھیں اور قربانوں کے ذریعہ محمد صاحب نے الگ الگ قبیلوں کی جگہ جس

موت سے کچھ دن پہلے محمد صاحب نے رومی سلطنت کے دھڑلے بنے ہوئے تھے۔ ان سب سے پہلے اسلام کا پرچار کرنے کے لیے محمد صاحب سیکڑوں پرچارک بھیج چکے تھے۔ روم کے عیسائی بادشاہوں کی نرمی میں اس سے مددنی آزادی کی گنجائش نہ تھی۔ روم کے اس سے کے اٹھ چاروں اور وہاں کی۔ پرچار کی حالت کا ذکر ہم ایک دوسری جگہ کریں گے۔ وہاں نے جن عربوں نے نیا دھرم قبول کیا انہیں رومی شاستوں نے موت کی سزا دیلی شروع کی۔ محمد صاحب کے پہلے پہلے پچاسوں پرچاروں کو انہوں نے قتل کر دیا۔ وہاں کے زیادہ تر عربوں میں اس سے نفرت تھی۔ رومی دھرم کے ساتھ پریم اور زیادہ بڑھا۔ بہت سے عرب قبیلوں نے جو عیسائی ایمانی تھے، بغضی اسلام قبول کر لیا اور رومی سامراج کی ادھیڑ چوڑی کو مدینہ کی نئی راشنریہ سرکار کے ساتھ اپنا سمبندھ جوڑ لیا۔ اس پرکار انہیں عیسائی عرب قبیلوں نے بھی روم سے اپنا تعلق توڑ کر مدینہ کی عرب سرکار کے ساتھ جوڑنا چاہا۔ مدینہ کی دوسری سرکار رومی شہنشاہوت کے بیچ یدہ انواربہ (قرمی) تھا۔ محمد صاحب کی سے میں یدہ چھڑ چکا تھا۔ ولسکو میں یہ یدہ عربوں کی دھارمک اور راجنیتک سوانہیت کا یدہ تھا اور اسے جھوٹ دھننے کے لئے عربوں میں راشنریہ ایکٹیٹی بھاؤنا بھی کافی پیدا ہو چکی تھی۔

خلیفہ ہونے کے دوسرے ہی دن ابوبکر نے فیر سے فوج کی کمانداری کا ہونامہ کے ہاتھوں میں دے کر فوراً اتر کر اور بڑھنے کا حکم دیا۔

ادھر روم کے چالاک حاکموں نے بھی محمد صاحب کی موت سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ پورے عرب میں اور خاص کر ان عربوں میں جو اس سے پہلے روم یا ایران کے ماتحت رہ چکے تھے، مدینہ کی نئی سرکار کے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ چاروں اور سے بغاوتوں کی خبریں آئے لکن یہاں تک کہ ہضمری کے ٹٹی نے دعویدار کھڑے ہو گئے۔

23 برس کی کلہن تھیں اور قربانوں کے ذریعہ محمد صاحب نے الگ الگ قبیلوں کی جگہ جس

ابوبکرؓ کو محمدؐ صاحب کے سب سے پہلے شروع کے انہوں اور بہت بڑے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ محمدؐ صاحب کی پیروی بڑی عاشقہ کے وہ پتا تھے۔ اسلام قبول کرنے کے پہلے وہ عرب کے ایک بہت بڑے دھلی سوداگر تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنی ساری جائداد اسلام کے پرچار، مسلمانوں کی خدمت اور ان مسلمان غلاموں کو خرید کر آزاد کر دینے میں خرچ کر دی تھی جنہیں ان کے پرانا مذہب ماننے والے آقا ان کے مسلمان ہو جانے کے سبب سے نکلایا کرتے تھے۔ 15 اپنے بھائی، اپنی بیوی، اپنی بہن، اپنی دراندیشی، اپنی مائیت اور اپنے چلن کی بائوگی کے سبب ابوبکرؓ اپنے سب سے بڑے ساتھیوں کے آدر کے پاتر تھے۔ کچھ انہوں کے مطابق محمدؐ صاحب کے بعد عرب اور اسلام کے حق میں اس سے بہتر چٹا نہ ہو سکتا تھا۔

جس دن محمدؐ صاحب کا شہر دھرتی کو سپلا گیا اسی دن مدینہ کی عالی شان مسجد میں جو مسلمان جمع ہوئے انہیں نماز پڑھانے کے لئے ابوبکرؓ مقرر ہوئے۔ مسلمانوں کی جماعت کو نماز پڑھانا اسلام کے انہیں میں ہمیشہ رہنمائی کی نشانی سمجھی گئی ہے۔ نماز سے پہلے موجود لوگوں نے ایک آواز سے ابوبکرؓ کو 'خلیفہ' ماننا منظور کیا۔ ابوبکرؓ نے کہہ دیا کہ یہ سیدی سادی تقریر کی۔

”اے لوگو! میں تم سب سے بہتر آدمی نہیں ہوں، یہی آپ ہیں تمہارے اوپر حاکم ہوں۔ اگر میں بھائی کروں تو میری مدد کرنا اور اگر برائی کروں تو میری برائی بتا دینا۔ ہمیشہ سچ کے پیچھے چلنا یہی وفاداری ہے۔ جہوت سے بچنا کیونکہ اس میں دغا ہے۔ تم میں سے جو کمزور اور دیکھی ہے وہ اس وقت تک میرے لئے طاقتور ہوگا جب تک کہ میں اس کے دہروں کو دور نہ کر سکوں؛ اور تم وہ جو ہلوان اور ظالم ہے وہ اس وقت تک میرے لئے کمزور ہوگا جب تک کہ‘ بدی اللہ نے جانا تو‘ میں اس سے وہ سب نہ لے لوں جو اس نے انراچار دوارا دوسرے سے لیا ہے۔ اللہ کی راہ میں کوشش کرنا نہ جھوٹا نہ جو ظلم کرے گا اسے اللہ بھٹکے نیچا دکھائے گا۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی ہدایتوں کے مطابق چلوں تم بھی میرا حکم ماننا اور جہاں کہیں میں ان کی ہدایتوں پر عمل نہ کروں تم میرا حکم نہ ماننا۔ اب نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔“

ابوبکرؓ کی عمر اس وقت ساٹھ برس کی تھی۔

ابوبکرؓ کی عمر اس وقت ساٹھ برس کی تھی۔

15, Preaching of Islam, T. W. Arnold, p. 10.



کے پاس ہم سب کو لٹو کر جاتا ہے۔' अगर वे सब लोग इस्लाम कबूल कर लें तब उनसे वे तीनों छड़ियां मांगना जिनकी वे पूजा करते हैं. इनमें एक तमरिक की है जिस पर सकेद और पीली चित्तियां हैं. दूसरी बेत की तरह गिरहदार है और तीसरी आबनूम की तरह काली है. इन तीनों छड़ियों को बाहर मैदान में लाकर जला डालना."

अयाश लिखता है कि उसने पैगम्बर की आज्ञा का ठीक ठीक पालन किया. शान्ति और विनय के साथ अपने धर्म का प्रचार किया और कुछ दिनों में ही यमन के सब लोगों ने नया मजहब कबूल कर लिया.

शुरू के दिनों में अनेक प्रचारकों के नाकामयाब रहने, मुसीबतें भेजने और मारे जाने का भी जिक्र आता है, लेकिन जिस अधिक पाक और अधिक सरल धार्मिक बेशवास को और जिस ऊँचे सामाजिक संगठन को इस्लाम अरबों में पैदा किया उसकी कद्र लोगों के दिलों में बढ़ती चली गई. धीरे धीरे मोहम्मद साहब की चिन्तनी में ही क़रीब क़रीब सब अरब कबीलों ने नए मजहब को कबूल कर लिया. मदीने की बढ़ती हुई क़ौमी ताक़त और वमा के साथ साथ अलग अलग कबीलों की धीरे धीरे टूटती हुई इति ने भी इस्लाम के प्रचार में बहुत बड़ी मदद दी.

[ ५ ]

मोहम्मद साहब एक मामूली तरीब घर में पैदा हुए। अपनी मौत से पहले वे समूचे अरब के बादशाह थे. नकी बादशाहत संसार में एक अनोखी और नए ढङ्ग की दाशाहत थी. अरब में नए मजहब की उन्होंने बुनियाद रखी और अस्ताह के रसूल की उन्हें पदवी मिली. इस दाशाहत को न उन्होंने अपने पूर्वजों या बुजुर्गों से हासिल किया था और न इसे अपने खानदान में जारी रखने का उनका विचार था. उनका बेहान्त हाते ही लोगों को इस त की किक हुई कि मुसलमानों की रहनुमाई और अरब नई क़ौमी सरकार को चलाने के लिये अब क्या तज़ाम किया जाय? दूसरा रसूल खुदा ता काई हा न कता था लेकिन मदीने की गई. के लिये मोहम्मद साहब बारिस चुना जाना भी जरूरी था. कुछ सलाह-दाविर के बाद, जिसकी तफ़सील में जाना हमारे लिये हरी नहीं है, मदीने के खास खाम लोगों ने जमा होकर, नमें अनुसार और मुहाज़र दांना शामिल थे, एक राय अबूबक़ को मोहम्मद साहब का बारिस चुना और 'लीफ़तुर रसूल' यानी रसूल के खज़ीफ़ा (प्रतिनिधि) की ख़यत से अबूबक़ ने अरबों की इस नई क़ौमी ताक़त बाग़ होर अपने हाथों में ली.

के बिलों में सिकुड़ जाता है; اگر وہ سب لوگ احکام قبول کر لیں تو ان سے وہ بیلوں چوڑیاں مانگتا جن کی وہ پوجا کرتے ہیں. ان میں سے ایک تمربک کی ہے جس پر سکہ اور چھٹی چٹیاں ہیں. دوسری بیٹ کی طرح گردبار ہے اور تیسری آبنوس کی طرح کالی ہے. ان تینوں چھڑیوں کو باہر میدان میں لا کر جلا ڈالنا."

عیاض لکھتا ہے کہ اُس نے پیغمبر کی اکھاں کا ٹھیک پالن کیا. شائکی اور دھرم کے ساتھ اپنے دھرم کا پرچار کیا اور کچھ دنوں میں ہی یمن کے سب لوگوں نے نیا مذہب قبول کر لیا.

شروع کے دنوں میں انیک پرچاروں کے ناکامیاب رہنے، مصیبتیں چھوڑنے اور مارے جانے کا بھی ذکر آتا ہے، لیکن جس انہک پاک اور انہک سول دسارک وشواس کو اور جس اونچے سامراج سائیکون کو اسلام نے عربوں میں پیدا کیا اُس کی قدر لوگوں کے دلوں میں بڑھتی چلی گئی. دھرم-دھرم-دھرم صاحب کی زندگی میں ہی قریب قریب سب عرب قبیلوں نے نئے مذہب کو قبول کر لیا. مدینہ کی بڑھتی ہوئی قومی طاقت اور اسی کے ساتھ ساتھ انک انک قبیلوں کی دھرم-دھرم-دھرم ڈھنکی ڈھنکی سیکھی نے بھی اسلام کے پرچار میں بہت بڑی مدد دی.

[ 2 ]

محمد صاحب ایک معمولی غریب گھر میں پیدا ہوئے تھے. اپنی موت سے پہلے وہ سموچے عرب کے بادشاہ تھے. اُن کی بادشاہت سنسار میں ایک انوکھی اور نئے ڈھنگ کی بادشاہت تھی. عرب میں نئے مذہب کی انہوں نے بنیاد رکھی اور انہ کے رسول کی انہیں پدوی ملی. اِس بادشاہت کو نہ انہوں نے اپنے پرورجوں یا بزرگوں سے حاصل کیا تھا اور نہ اسے اپنے خاندان میں جاری رکھنے کا ہی اُن کا دچار تھا. اُن کا دیہانت ہے ہی لوگوں کو اِس بات کی فکر ہوئی کہ مسلمانوں کی رہنمائی اور عرب کی نئی قومی سرکار کو چلانے کے لئے آپ کیا استظام کیا جائے؟ دوسرا رسول خدا کو کوئی نہ ہو سکتا تھا لیکن مدینہ کی گدی کے لئے محمد صاحب کا وارث چنا جانا ہی ضروری تھا. کچھ صلاح مشورے کے بعد جس کی تفصیل میں جانا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے، مدینہ نے خاص خاص لوگوں نے جمع ہوکر، جن میں انصار اور محتاجر دونوں شامل تھے، ایک رائے سے ابوہریر کو محمد صاحب کا وارث چنا اور 'خليفة الرسول' یعنی رسول کے خلیفہ (پرندہ) کی حیثیت سے ابوہریر نے عربوں کی اِس نئی قومی طاقت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی.

کر لیا۔ موہممد ساہب نے اسے اپنے کنبیلے میں جا کر  
 پرچار کرنے کی ہدایت دی۔ طفیل کو شروع میں کچھ  
 نامیدی ہوئی۔ اس نے مدینہ واپس آ کر محمد صاحب سے  
 کہا—”بنو داس مٹتی ہیں، آپ انہیں بدعا دیجئے۔“ محمد  
 صاحب نے ابھر سے دعا کی—”اے اللہ! بنو داس کو سچا  
 راستہ دکھا۔“ انہوں نے طفیل کو دلاسا اور ہمت دلا کر دھیرج  
 وراثت سے اپنا کام جاری رکھنے کی صلاح دی۔ اس بار ایک  
 درمتر طفیل کے ساتھ تھا۔ ان لوگوں نے ایک ایک گھر چاکر شانتی  
 کے ساتھ نئے مذہب کا پرچار کیا۔ سن چہ ہجری تک بلو  
 داس قبیلے کے زیادہ تر لوگوں نے نئے مس کو مان لیا، اس کے  
 دو برس بعد پورے قبیلے نے اپنے پرانے بتوں کی پوجا کو  
 چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ طفیل نے اب لکڑی کے اس لٹے کو  
 جس کو اس قبیلے کے لوگ دیوتا سمجھ کر پوجا کرتے تھے  
 سب کی رضامندی سے آگ لگا دی۔ 14

یمن سب کے اسلام قبول کرنے کی کہانی اور  
 بھی دلچسپ ہے۔ ذہن سا دل لکھتا ہے کہ موہممد ساہب  
 نے آریا اہل عربی اہل اہل مہاجری نام کے ایک  
 شہس کے ہاتھ وہاں کے ہیمیار کنبیلے کے  
 پاس ایک خات بھجی جس میں اسلام  
 کی طرف ان کی توجہ دلائی اور  
 انہوں نے مذہب قبول کرنے کی دعوت دی۔ چلتے سے محمد  
 صاحب نے عیاشی سے کہا—

”جب تم پڑھو تو رات کو ان کے شہر میں داخل  
 نہ ہونا۔ صبح ہونے تک شہر کے باہر ہی ٹھہرنا۔ صبح اچھی  
 طرح نہا کر دو رکعت نماز پڑھنا اور اللہ سے دعا مانگنا کہ  
 تمہیں اپنے مشن میں کامیابی دے اور تمہاری حفاظت کرے۔  
 پھر اپنے اپنے علاقے میں خط ان کے دائرے میں دیا۔ وہ اسے  
 لے کر قرآن کی اٹھائیس صورت کی آیتیں انہیں پڑھ کر سنا۔  
 سب ختم کر چکے تو کہنا—”محمد نے اس پر وشواس  
 لیا ہے اور میں نے بھی وشواس کیا ہے، اللہ چاہے گا تو تم ان  
 ہی ہر شہر کا سامانہ کر سکو گے۔ اگر وہ کوئی بات کسی غیر  
 ہاں میں پوچھیں تو ان سے ترجمہ کرا لیتا اور ان سے کہا  
 میرے لئے ایک اللہ بس ہے۔ میں اسی کی بھیجی ہوئی  
 کتاب میں وشواس کرنا ہوں۔ مجھے انصاف کرنے کا حکم دیا  
 گیا ہے۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے دوسوں کا بل  
 ہمیں ملے گا اور تمہارے دوسوں کا نہیں۔ ہم میں اور تم میں  
 کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اللہ ہم سب کو ملے دے گا اور اسی

یمن سب کے اسلام قبول کرنے کی کہانی اور  
 بھی دلچسپ ہے۔ ذہن سا دل لکھتا ہے کہ موہممد ساہب  
 نے آریا اہل عربی اہل اہل مہاجری نام کے ایک  
 شہس کے ہاتھ وہاں کے ہیمیار کنبیلے کے  
 پاس ایک خات بھجی جس میں اسلام  
 کی طرف ان کی توجہ دلائی اور  
 انہوں نے مذہب قبول کرنے کی دعوت دی۔ چلتے سے محمد  
 صاحب نے عیاشی سے کہا—

”جب تم پڑھو تو رات کو ان کے شہر میں داخل  
 نہ ہونا۔ صبح ہونے تک شہر کے باہر ہی ٹھہرنا۔ صبح اچھی  
 طرح نہا کر دو رکعت نماز پڑھنا اور اللہ سے دعا مانگنا کہ  
 تمہیں اپنے مشن میں کامیابی دے اور تمہاری حفاظت کرے۔  
 پھر اپنے اپنے علاقے میں خط ان کے دائرے میں دیا۔ وہ اسے  
 لے کر قرآن کی اٹھائیس صورت کی آیتیں انہیں پڑھ کر سنا۔  
 سب ختم کر چکے تو کہنا—”محمد نے اس پر وشواس  
 لیا ہے اور میں نے بھی وشواس کیا ہے، اللہ چاہے گا تو تم ان  
 ہی ہر شہر کا سامانہ کر سکو گے۔ اگر وہ کوئی بات کسی غیر  
 ہاں میں پوچھیں تو ان سے ترجمہ کرا لیتا اور ان سے کہا  
 میرے لئے ایک اللہ بس ہے۔ میں اسی کی بھیجی ہوئی  
 کتاب میں وشواس کرنا ہوں۔ مجھے انصاف کرنے کا حکم دیا  
 گیا ہے۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے دوسوں کا بل  
 ہمیں ملے گا اور تمہارے دوسوں کا نہیں۔ ہم میں اور تم میں  
 کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اللہ ہم سب کو ملے دے گا اور اسی

وہی طرح کی کوششوں کی جاتی رہی جس طرح کہ اس سے پہلے محمد صاحب کی راج نہتک لڑنے کے دنوں میں کی گئی تھی۔ 11 لی. ڈی. آر. آرنلڈ نے اپنے اس دورے کے وقت میں انہی کہناؤں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک ہم نیچے نقل کرتے ہیں :-

جس طرح مکہ میں حضرت عمر ابن خطاب نے اسلام دھرم کو قبول کیا تھا اسی طرح کی کہانی مدینہ میں عمر ابن وہب کی ہے۔ کوریش نے محمد صاحب کو ہٹایا کہ اگر وہ سے عمر کا بیٹا کی لڑائی کے بارے میں بات چیت کرے گا تو اسے مار دیا جائے گا۔ اس لیے عمر نے ان سے بات چیت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد عمر نے مدینہ پہنچا۔ اسلام دھرم کے لوگوں کے بارے میں عمر کی معلومات صاحب سے دیر تک تکمیل میں رہی۔ شریعت کی عمر جو قریشوں کی طرف سے محمد صاحب کو قتل کرنے کا تھا اس بات چیت کے بعد اسلام کا قائل ہو گیا اور ان کا بیعت بن کر مدینہ سے آگیا۔

عرب کے مختلف قبیلوں کے جو نمائندے دوسرے کاموں کے لیے محمد صاحب سے ملنے مدینہ آئے تھے ان کے ساتھ محمد صاحب کا ہونا ایسا اچھا ہوتا تھا کہ ان کی شکایتوں کو وہ اندر سے سننے لگے اور اس طرح انصاف اور خوبصورتی کے ساتھ ان کے آپس میں جھگڑوں کا اہتمام کر دیتے تھے کہ محمد صاحب کا نام جلد ہی سارے عرب میں مشہور اور سرور پانے لگا اور ایک مہمان اور ادارہ شامک کی حیثیت سے ان کا بھی چاروں اور پہل گیا۔ 12

قبیلوں کے جو نمائندے محمد صاحب سے ملنے آئے تھے ان کے ہاتھ کے لئے ہونے والے جو لوگ موجود ہوتے تھے ان کے لئے انہی ایسے بیان عرب کے قافلے میں موجود ہوتے جن سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ کسی دوسرے کام کے لئے آئے تھے ان پر محمد صاحب کی ہمت چڑھنے کا ایسا اثر ہوتا تھا کہ وہ مسلمان ہو کر لوٹتے اور پھر خود اپنے قبیلوں میں جا کر اسلام کا پرچار کرتے تھے۔ 13

حذیبہ کی جنگ کے بعد جب عرب کے دکھائی ضواریں کے لوگ مدینہ آئے جاتے تھے یمن کے ان سے بدرجاس قبیلے کے کچھ لوگ محمد صاحب سے ملنے آئے۔ محمد صاحب سے پہلے ہی اس قبیلے کے کچھ لوگوں میں اپنی پرانی بت پرستی کے مخالف استہزیاء اور کسی ادھک سے بڑا ہوجی ہی۔ ان میں سے اب ایک طفیل نام کے آدمی نے اسلام قبول

11. The Preaching of Islam by T. W. Arnold, P. 33.

12. Life of Mohammed by sir William Muir, vol iv, pp. 107-8.

13. Sprenger, vol iii and Ibn Sad Section 118.

لوگوں کو بولنے سے کہہ دو کہ تم بھی اس اسلام کو قبول کرتے ہو؟ اگر وہ قبول کر لیں تو وہ سچے راستے پر ہیں اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کی مرضی! تمہارا کام صرف سمجھا دینا ہے اور بس۔ اللہ اپنے سب بندوں کے حال کو دیکھتا ہے۔“ 5

”ہم نے ہر کौم کے لیے واپسنا کی اہلگ اہلگ ویدیاں نیت کر دی ہیں جن پر اس قوم کے لوگ چلتے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ اس بارے میں چھوڑ نہ کریں۔ تم قبول انہیں اپنے رب کی اور بلاؤ، نیکو دیکھو تمہارا راستہ سیدھا ہے کثرت پر بھی اگر وہ تم سے چھوڑا کریں تو بہہ دو۔“ جو کچھ تم دیتے ہو اے اللہ اچھی طرح جانتا ہے۔“ 6

”دھرم کے معاملے میں کسی کے ساتھ کسی طرح کی بھی زبردستی نہیں ہونی چاہئے۔“ 7

”نیکو دیکھو ہم نے تمہیں گواہ کی طور پر بھیجا ہے تاکہ تم لوگوں کو خوشخبری دو اور آگاہ کرو، تاکہ اللہ میں اور اس کے رسول میں وشواس کریں“ اللہ کے کام میں سہائیتا دیں۔ اللہ کی عزت کریں اور صبح شام اس کی آپاسنا کریں۔“ 8

”نیکو دیکھو ہم نے تمہیں گواہ کے طور پر بھیجا ہے تاکہ تم لوگوں کو خوشخبری دو اور آگاہ کرو، تاکہ اللہ میں اور اس کے رسول میں وشواس کریں“ اللہ کے کام میں سہائیتا دیں۔ اللہ کی عزت کریں اور صبح شام اس کی آپاسنا کریں۔“ 8

”اے محمد نبیؐ میں کو چھوڑ کر باقی لوگوں میں تمہیں سدا وشواس گہانک بھی ملے گا۔ انہیں چھوڑ کر ان سے ہٹ جاؤ۔ نیکو دیکھو اللہ دوسروں پر احسان کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔“ 6

قرآن کی جو صورت سب سے آہر میں ائی اس میں لیا گیا ہے۔

”یہی مشرکوں میں سے کوئی تمہاری شریعت میں آنا چاہے تو اسے اپنی شریعت میں لے لو تاکہ وہ اللہ کے حکم کو سن سکے۔ اس کے بعد بھی یہی وہ اسلام قبول کرنا نامناسب نہ سمجھے۔ تم اسے اس نے استہان تک سوزشت پہنچا دو کیونکہ یہ لوگ بے چارے اکیٹائی ہیں۔“ 10

اسی طرح کی اور بہت سی آیتیں مقل کی جا سکتی ہیں۔ ”اسلام کا پرچار کرنے اور اہلگواہی کرنے کو اپنے دھرم میں لے کے لئے ہجرت کے بعد ٹھہر کر

لوگوں کو بولنے سے کہہ دو کہ تم بھی اس اسلام کو قبول کرتے ہو؟ اگر وہ قبول کر لیں تو وہ سچے راستے پر ہیں اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کی مرضی! تمہارا کام صرف سمجھا دینا ہے اور بس۔ اللہ اپنے سب بندوں کے حال کو دیکھتا ہے۔“ 5

”ہم نے ہر قوم کے لئے آپاسنا کی الگ الگ ویدیاں نیت کر دی ہیں جن پر اس قوم کے لوگ چلتے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ اس بارے میں چھوڑ نہ کریں۔ تم قبول انہیں اپنے رب کی اور بلاؤ، نیکو دیکھو تمہارا راستہ سیدھا ہے کثرت پر بھی اگر وہ تم سے چھوڑا کریں تو بہہ دو۔“ جو کچھ تم دیتے ہو اے اللہ اچھی طرح جانتا ہے۔“ 6

”دھرم کے معاملے میں کسی کے ساتھ کسی طرح کی بھی زبردستی نہیں ہونی چاہئے۔“ 7

”نیکو دیکھو ہم نے تمہیں گواہ کی طور پر بھیجا ہے تاکہ تم لوگوں کو خوشخبری دو اور آگاہ کرو، تاکہ اللہ میں اور اس کے رسول میں وشواس کریں“ اللہ کے کام میں سہائیتا دیں۔ اللہ کی عزت کریں اور صبح شام اس کی آپاسنا کریں۔“ 8

جو لوگ ایک بار اسلام قبول کر کے اس سے پرچار میں آئے ان کا صاف حکم ہے۔

”اے محمد نبیؐ میں کو چھوڑ کر باقی لوگوں میں تمہیں سدا وشواس گہانک بھی ملے گا۔ انہیں چھوڑ کر ان سے ہٹ جاؤ۔ نیکو دیکھو اللہ دوسروں پر احسان کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔“ 6

قرآن کی جو صورت سب سے آہر میں ائی اس میں لیا گیا ہے۔

”یہی مشرکوں میں سے کوئی تمہاری شریعت میں آنا چاہے تو اسے اپنی شریعت میں لے لو تاکہ وہ اللہ کے حکم کو سن سکے۔ اس کے بعد بھی یہی وہ اسلام قبول کرنا نامناسب نہ سمجھے۔ تم اسے اس نے استہان تک سوزشت پہنچا دو کیونکہ یہ لوگ بے چارے اکیٹائی ہیں۔“ 10

اسی طرح کی اور بہت سی آیتیں مقل کی جا سکتی ہیں۔ ”اسلام کا پرچار کرنے اور اہلگواہی کرنے کو اپنے دھرم میں لے کے لئے ہجرت کے بعد ٹھہر کر

5. کوران 3-19.

6. کوران 22-66, 67.

7. کوران 2-256.

8. کوران 48-8, 9.

9. کوران 5-13

10. کوران 8-6.

2. کوران 3-19.

6. کوران 22-66, 67.

7. کوران 2-256.

8. کوران 48-8, 9.

9. کوران 5-13.

10. کوران 8-6.

## عرب کی کلچر، سہیتا اور اسلام

بشیر نامہ پانڈے

[ 1 ]

اسلام کے پیغمبر محمد صاحب نے اسلام کے پرچار میں کون سے طریقہ استعمال کئے اور دوسروں کو اس کے متعلق کیا ہدایتیں دیں اس سلسلے میں قرآن کی کچھ آیتیں غور کرنے کے قابل ہیں۔

”اے پیغمبر لوگوں کو اپنے رب کی راہ میں بلاؤ تو عقلمندی کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے بلاؤ اور جب ان کے ساتھ بحث کرو تو اس طرح کرو کہ ان کے جی کو بہانہ“ 1

”اگر تم کچھ بوجھا بات تم سے کہیں تو اُسے صبر کے ساتھ برداشت کرو اور سوچنا کے ساتھ انگ ہٹ جاؤ۔“ 2

”پھر اگر لوگ تمہارے سمجھانے پر بھی تم سے ماہ مہر لیں تو ان کو تمہارا کام قبول صاف صاف سمجھا دینا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔“ 3

”لیکن اگر تمہارے سمجھانے پر بھی لوگ نہ مانیں تو ہم نے تمہیں ان کا سرفک شک بنا کر نہیں بھیجا ہے تمہارا کام قبول اتنا ہی ہے کہ تم ان تک ہمارا سادھر پہنچا دو اور بس۔“ 4

اوپر کی آیتوں اس سمے کی ہیں جب کہ محمد صاحب مکہ میں تھے اور انہیں اور ان کے انویہا کو اپنے دھارمک وچاروں کے سبب پر حد پاتناؤں بھونکی پڑیں تھیں۔ جس سمے مدینہ میں یورے عرب کے انویہ شاک کی حیثیت سے محمد صاحب کی طاقت اپنی چوٹی پر تھی اُس سمے بھی قرآن کی اس نصیحتی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

”اگر تم سے جیچڑا کریں تو ان سے کہہ دو کہ میں نے اور جو بھی میرا انویہا ہے اُس نے ایک اللہ کے سامنے مستک جھکا دیا ہے۔ یہی اسلام حید کا لڑتہ ہے۔ جن لوگوں کے پاس اس سے پہلے کے ایشوری گرنہ یا الہامی کتابیں موجود ہیں ان سے اور عرب کے انویہ

1. قرآن 16-125.

2. قرآن 10-73.

3. قرآن 16-28.

4. قرآن 42-48.

[ 1 ]

اسلام کے پیغمبر محمد صاحب نے اسلام کے پرچار میں کون سے طریقہ استعمال کئے اور دوسروں کو اس کے متعلق کیا ہدایتیں دیں اس سلسلے میں قرآن کی کچھ آیتیں غور کرنے کے قابل ہیں۔

”اے پیغمبر لوگوں کو اپنے رب کی راہ میں بلاؤ تو عقلمندی کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے بلاؤ اور جب ان کے ساتھ بحث کرو تو اس طرح کرو کہ ان کے جی کو بہانہ“ 1

”اگر تم کچھ بوجھا بات تم سے کہیں تو اُسے صبر کے ساتھ برداشت کرو اور سوچنا کے ساتھ انگ ہٹ جاؤ۔“ 2

”پھر اگر لوگ تمہارے سمجھانے پر بھی تم سے ماہ مہر لیں تو ان کو تمہارا کام قبول صاف صاف سمجھا دینا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔“ 3

”لیکن اگر تمہارے سمجھانے پر بھی لوگ نہ مانیں تو ہم نے تمہیں ان کا سرفک شک بنا کر نہیں بھیجا ہے تمہارا کام قبول اتنا ہی ہے کہ تم ان تک ہمارا سادھر پہنچا دو اور بس۔“ 4

اوپر کی آیتوں اس سمے کی ہیں جب کہ محمد صاحب مکہ میں تھے اور انہیں اور ان کے انویہا کو اپنے دھارمک وچاروں کے سبب پر حد پاتناؤں بھونکی پڑیں تھیں۔ جس سمے مدینہ میں یورے عرب کے انویہ شاک کی حیثیت سے محمد صاحب کی طاقت اپنی چوٹی پر تھی اُس سمے بھی قرآن کی اس نصیحتی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

”اگر تم سے جیچڑا کریں تو ان سے کہہ دو کہ میں نے اور جو بھی میرا انویہا ہے اُس نے ایک اللہ کے سامنے مستک جھکا دیا ہے۔ یہی اسلام حید کا لڑتہ ہے۔ جن لوگوں کے پاس اس سے پہلے کے ایشوری گرنہ یا الہامی کتابیں موجود ہیں ان سے اور عرب کے انویہ

1. قرآن 16-125.

2. قرآن 10-73.

3. قرآن 16-28.

4. قرآن 42-48.

کيا کيس سے

صفحہ نمبر

کيا کيس سے

1. **اسلام کی کلتور، سمنیتا اور اسلام** ... 193 ...  
—بیربمبیرناث پاڈے
  2. **کيا وہ کھر آ رہا ہے ؟** ... 201 ...  
—آبی آاڈبن باآوب
  3. **ہندوستان کی کلتور اور اسلام** ... 210 ...  
—ڈاکٹر سئبب مہمؤد
  4. **آاڈسٹائن کا سیدانٹ اور ویدانٹ** ... 218 ...  
—ڈاکٹر مہابانداس
  5. **سن 1905 کا سبدهی آاندولن** ... 223 ...  
—بہٹت سوندرلال
  6. **رباعیات مہب** ... 231 ...  
—آبی 'مؤہب'
  7. **کچھ کتاہیں** ... 237 ...
  8. **ہماری رائے—** ... 239 ...
- آہمیا کے گے مہن پلنڈا؛ ہندی اور پاجابی کا جکرا  
—پشیا کے گلے مہن . فندا؛ ہندی اور پجابی کا آکاا  
—بہٹت سوندرلال .

ہندوستان

نمبر 5

نمبر 5 نمبر 24 جلد 24 جلد

نمبر 1957

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 سڈیگٹ، ممبئی

145 سڈیگٹ، ممبئی



## **Editorial Board**

**Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)**

**Mahatma Bhagwan Din**

**Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law**

**Pandit Sundarlal**

**Bishambhar Nath Pande**

## **Editor-in-Charge**

**Bishambhar Nath Pande**

## **Asst. Editor**

**Suresh Ramabhai**

## **Annual Subscription**

**Inland Rs. 6/-**

**Foreign Rs. 10/-**

**Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.**

**Can be had from—**

**Manager, NAYA HIND**

**16, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD 3**

# نیچر

اس نمبر کے خاص لیکر      इस نمبر کے خاص लेख

عرب کی کھج، سپینا اور اسلام      عرب کی کھجور سمیت اور اسلام

—بیربمبھرناتھ پانڈے

—وہمیر ناکو پانڈے

ہندوستان کی کھجور اور اسلام

ہندوستان کی کھجور اور اسلام

—ڈاکٹر سید محمد

—ڈاکٹر سید محمد

آئسٹن کا سائنس اور ہدایت

آئسٹن کا سائنس اور ہدایت

—ڈاکٹر بھگوانداس

—ڈاکٹر بھگوانداس

سن 1905 کا سربوئی انمولی

سن 1905 کا سربوئی انمولی

—پنڈت سندرلال

—پنڈت سندرلال

# हिन्दी घर

ہندی گھر

कलचर पर हर तरह की किताबें मिलने का एक बड़ा केन्द्र—पाठक हिन्दी, उर्दू, अंग्रेज़ी की अपनी मन-पसन्द किताबों के लिये हमें लिखें।

हमारी नई किताबें

महात्मा गान्धी की वसीयत

(हिन्दी और उर्दू में)

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने

विद्वान : श्री मंजर अली सांस्ता

सके 225, कीमत दो रुपया

—:0:—

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

लेखिका—कृषिसिया जैदी

भूमिका—पण्डित जवाहरलाल नेहरू

मोटा काराज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें

दाम दो रुपया

—:0:—

पण्डित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम ढाई रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सके, दाम बारह आने

महात्मा गान्धी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत बार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुद्रोगंज इलाहाबाद

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کیندر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھی واد کے مانے جانے والے

ویدوان : شری منجر علی ساستا

صفحہ 225، قیمت دو روپیہ

—:0:—

گاندھی بابا

(بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب)

لکھک—کریسیا جیدی

بھومیکا—پنڈت جواہر لال نہرو

موتا کارا، موٹا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں

دوم دو روپیہ

—:0:—

پنڈت سندھ لال جی کی لکھی کتابیں

گیٹا اور قران

275 صفحہ، دام دھائی روپیہ

ہندو مسام ایکٹا

100 صفحہ، دام بارہ آئے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

قیمت بارہ آئے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آئے

بنگل اور اس سے سبق

قیمت دو آئے

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

145 مڈر گنج ایلہ آباد

## ہندوستان میں ہندو اور عیسائی

لکھناؤ—پروفیسر سید علی احمد، مولف—تین روپے  
ہندوستان کے ہندو اور عیسائی کے درمیان میں اس کے  
میں کئی کئی برسوں سے ایک نیا

## ہندوستان میں عیسائی اور عیسائی

لکھناؤ—پروفیسر سید علی احمد، مولف—تین روپے

## ہندوستان میں عیسائی اور عیسائی

لکھناؤ—پروفیسر سید علی احمد، مولف—تین روپے

## ہندوستان میں عیسائی اور عیسائی

لکھناؤ—پروفیسر سید علی احمد، مولف—تین روپے

## ہندوستان میں عیسائی اور عیسائی

لکھناؤ—پروفیسر سید علی احمد، مولف—تین روپے

## ہندوستان میں عیسائی اور عیسائی

لکھناؤ—پروفیسر سید علی احمد، مولف—تین روپے

## ہندوستان میں عیسائی اور عیسائی

لکھناؤ—پروفیسر سید علی احمد، مولف—تین روپے

## گंगा سے گومتی تک

(پراگشیلہ کہانی سंपھ)

لکھناؤ—پروفیسر سید علی احمد، مولف—تین روپے

## آگ اور آئس

(ماہی پرنے کی کہانی سंपھ)

لکھناؤ—پروفیسر سید علی احمد، مولف—تین روپے

## ہندوستان میں عیسائی اور عیسائی

لکھناؤ—پروفیسر سید علی احمد، مولف—تین روپے

## ہندوستان میں عیسائی اور عیسائی

(پراگشیلہ کہانی سंपھ)

لکھناؤ—پروفیسر سید علی احمد، مولف—تین روپے

مکتبہ سائنس و ادب

ہندوستان میں عیسائی اور عیسائی

145 سید علی احمد، مولف—تین روپے

“آج اتنا تو سہی قبول کرتے ہیں کہ اپنی پارلیمنٹ کے ممبر خود غرض اور ذمہ داری ہوتے ہیں۔ جس دل کا جو ممبر ہوتا ہے وہ اپنے ملک کے اُسی دل کو وٹ دیتا ہے کیونکہ پارلیمنٹ کے خیال سے وہ ایسا کرنے کے لئے مجبور ہے۔“

پارلیمنٹ ہندی حکومت کے طریقے کے لئے مرنے دم تک گاندھی جی کی یہ رائے رہی اور انہوں نے پیشین گوئی کی کہ اگر ہندوستان میں پارلیمنٹری راج قائم ہو گیا تو اس ملک کو پرہادی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

گاندھی جی کا دل اور دماغ دونوں غیر معمولی تھے۔ اُن کے سوچنے اور محسوس کرنے کے طریقے پر شمار اور پے انت تھے۔ دراصل وہ ایک شاعر یا کوی تھے لیکن ایسے کوی جن کی لکھا شاعری کی آواز چہرہ ہوتی۔ حرفوں میں نہیں دکھائی دیتی بلکہ لاکھوں اور کروڑوں محفلت کرنے والے انسانوں کی زندگی میں چھلکتی ہے۔ گاندھی جی ایک سچے فلسفہ تھے لیکن اُن کا دماغ خیالی دنیا کی فوری تصویریں نہیں کرتا۔ اُن کا دماغ انسانوں آدرشوں اور اُن کی خواہشوں کو ایک سانچے میں ڈالتا ہے۔ وہ ایک بہت بڑے کلاکار تھے لیکن رنگ یا سور کے کلاکار نہیں۔ وہ نغمہوں کے چہروں کو آشا اور امنوں کے رنگ سے چمکا دیتے تھے اور اُن کے سینوں اور دلوں میں مٹھ اور سربلے گیت چور دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سارا ہندوستان نظر کے ساتھ کہتا تھا کہ گاندھی جی کا ہر ایک حارے ملک کا ہر ایک ہے اور اُن کا یہی سارے ہندوستان کا یہی ہے۔

آئیے آج اس موقع پر ہم اپنے اپنے گریبانوں میں سُٹھ ڈال کر یہ جان-بین کریں کہ کھائی تک گاندھی جی کی تالیف پر ہم نے عمل کیا ہے یا کر رہے ہیں یا کر رہے ہیں۔ اس جواب پر ہی ہندوستان کی قسمت کا دارومدار ہے۔

گاندھی جی چھلکی۔

گاندھی جی چھلکی۔

2-10-57.

—وہمہر نامہ پانچہ۔

2. 10. 57

2. 10. 57

اِس کے لئے وہ چاہتا ہے کہ حکومت کی طاقت ایک جگہ  
جمع نہ ہو کہ چاروں طرف دور دور تک پھیل جائے۔ دہش  
کو ایسے چھوٹے چھوٹے حلقوں میں پھیل دیا جائے کہ چلتا ایسے  
جائے جیسے آدمی کو پورے ملکی چن سکے۔

یارِ اہماری حکومت میں نشاندگی کا قہونگ تو ہے جی  
 اِس سے بھی بڑے کُر چٹاؤ کا قہونگ ہے۔ چٹاؤ کا آچل کا  
 قہونگ چٹتا تو ہرباد کرتے والا ہے۔ اِس میں ہر طرح کی  
 پے ایمانی، دھوکا، تریب، جرم، زہدتی، انانائے فصول خوجی اور  
 دشمنی کا ایک سوتا کبل جانا ہے۔ اِن چٹاؤ نے دیہے کے دیہے  
 ہرباد کر دئے۔ اُن کی ہر انیاں دنوں دن ہڑکتی جا رہی  
 ہیں۔ گاندھی جی اِس کے سدھار کا نیچھہ لکھا تھنک بتاتے  
 تھے۔

(1) وٹروں کی جانفاری کو اور اُن کے چلن کو، اُن میں  
 نہیں بدی اور بیلے برے کے وچار کو اتنا اُونچا کر دیا جائے کہ  
 وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو وقت دیں جو ٹھک ہیں، تباہی ہوں،  
 دوسروں کی سیوا اور بھائی کرنے والے ہوں اور جن میں ایمانداری  
 سادگی اور تمنا ہو۔

(2) جنت میں انہی طاقت ہوا کہ وہ اپنے این نمائندوں سے

(3) جب چاہ انہیں بدل سکے گا ہی جلتا کر

حق ہو۔

پارلیمنٹری طریقہ میں چناؤ سے بھی بڑی اس کی دل  
بلدی ہے جسے پارٹی مسلم کہا جاتا ہے۔ دو پارٹیاں کا ہونا  
پارلیمنٹری حکومت میں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بلا یہ  
طریقہ چل نہیں سکتا۔ ان پارٹیوں کا یہ بنیادی حق ہوتا ہے  
کہ وہ ایک دوسرے کو گرانی مٹاتی رہیں۔ اس پارٹی، بازی  
سے دیں کہ جو دھکا پہنچتا ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا  
جا سکتا۔ پارٹی بازی دیں پھر میں ہل پھل کر لگوں لگوں  
اُرد لوئے۔ کوئے پھل جاتی ہے۔ ہر شخص کا یہ فرض ہو جاتا  
ہے کہ وہ انصاف غیر انصاف سچ جھوٹ ایمانداری پر ایمانی  
کا خیال نہ کرتے ہوئے اپنی پارٹی والے کو جتائے۔ اس لئے  
گندھی جی کو پچھلی طریقہ کی اس پارلیمنٹری حکومت سے  
سخت نفرت تھی۔ ’ہندو سراج‘ میں وہ لکھتے ہیں—

’انکھلتی نی اِس سے جو حالت ہے اُسے دیکھ کر تو سچ  
مچ دیا اُنی ہے اور میں تو ابھی سے ملنا ہوں کہ یہاں ہی اِسی  
حالت کہی ہے وہ ۔ جسے اُنہ پارلیمنٹ کی ماں کہتے ہیں وہ  
انکھلتی کی پارلیمنٹ تو ایک بانٹھ اور دیشا ہے ۔ یہ دونوں  
لفظ کڑے ہیں پر اِس پر پوری طرح لگو رہتے ہیں ۔

بھگت مہاشی ہیں۔ مہاشیوں کے ایک بڑے گروہ کا چھوٹا حصہ ہے۔ مہاشیوں کی حالت اور بھی بدتر ہے۔ اگر مہاشیوں کا خلیفہ ہمارے ملک میں بڑا ہو گا تو یہ دیہی بڑا دیہی ہو جائیگا۔ ممکن ہے مہاشیوں کے ایک گروہ کو لوگ کفر سمجھیں لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے لئے ہندوستان کے اندر ملوں کی تعداد بڑھانے کے بجائے یہ زیادہ اچھا ہے کہ ہم مانچیسٹر کا نمونہ استعمال کریں اور اپنا روپیہ مانچیسٹر بھیجیں۔ مانچیسٹر کا نمونہ استعمال کرنے سے ہم اپنا دھن نہشت کرتے ہیں لیکن ہندوستان کو مانچیسٹر بنانے سے ہمارا ایمان اور انسانیت نہشت ہو جائیگی۔“

یورپ کے صنعتی یا آর্থیک سنگٹن کا ڈاؤن ہونے کی بونیاہ پر کرایم دھما ہے اس کے خلاف ہندوستانی سبھا کا کونڈ (سرگرم) گروہ ہے۔ گاندھی جی کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی آرٹیک اور تعمیراتی بوجھ کراہوں کے اٹھانے دھندوں پر ہی قائم کرنی ہو گی ورنہ گروہ شہروں کے چنگل میں پھنس کر ہرباد ہوتے رہیں گے اور ہندوستان مالی نقطہ نظر سے کبھی پلپ نہ سکیگا۔

### گاندھی جی اور پارلیمنٹری راج

### گاندھی جی اور پارلیمنٹری راج

دنیا کے عام لوگوں میں پارلیمنٹری راج کی اتنی چاہ نہیں ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ راج عام چلنے کا راج سمجھا جاتا ہے۔ اس میں چلنے اس طرح راجا بنائی جاتی ہے کہ لاہوں آدمی اپنا ایک نمائندہ چلتے ہیں۔ سو پچھلے پچھلے نہ آئے جانتے ہیں اور نہ پہچانتے ہیں یہ وہ ان کا نمائندہ بنا جاتا ہے۔ چاہے چلنے کے بعد یہ نمائندہ ان کی بات ہی نہیں پوچھتا۔ وہ انہیں اصلی فائدہ ہی نہیں پہنچاتا کہ وہ نہ وہ تو سیکڑوں نمائندوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ اس طرح ایک راجا ہوتا کہ سیکڑوں راجا بن جاتے ہیں اور سیکڑوں کی شکل میں دس دس بادشاہ بن جاتے ہیں۔ چلنے بھجارتو وہی لوندی اور داسی ہلی رہتی ہے۔ راجہ کچ چلا۔ کا خرچہ پہلے سے سیکڑوں گنا ہوتا ہے۔ سرگرمی نوکروں کی گلی، نظروں اور ہتھ آناپ بڑھ جاتے ہیں۔ انسرو، سیکڑوں اور راشٹری کی شان شوکت کے افسر پرانے بادشاہوں کو بھی شرماتے ہیں اور یہ کہتا ہے 'چلنے کا راج'!

گاندھی جی بولی چلنے کو ٹھیک والے اس پارلیمنٹری حکومت کے ملایا چال کو جو بدل دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے کو سچا دیمو کریٹ یعنی سچا لوگ مانتے تھے کہ وہ چاہتے تھے کہ چلنے سچے سچے راجا بنے اور اپنا

گاندھی جی بولی چلنے کو ٹھیک والے اس پارلیمنٹری حکومت کے ملایا چال کو جو بدل دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے کو سچا دیمو کریٹ یعنی سچا لوگ مانتے تھے کہ وہ چاہتے تھے کہ چلنے سچے سچے راجا بنے اور اپنا

گاندھی جی بولی چلنے کو ٹھیک والے اس پارلیمنٹری حکومت کے ملایا چال کو جو بدل دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے کو سچا دیمو کریٹ یعنی سچا لوگ مانتے تھے کہ وہ چاہتے تھے کہ چلنے سچے سچے راجا بنے اور اپنا



करने के बजाय जबरदस्ती की और बनावटी एकता कायम करना है।"

गाँधी जी कहा करते थे अहिंसा कमजोर से कमजोर इंसान को भी फौलाद की सी ताकत दे देती है। उनकी अहिंसा के अचरज भरे नतीजे हमने हिन्दुस्तान में सत्याग्रह की लड़ाइयों में देखे। भारत की स्थिति बहुत कमजोर और पिछड़ी हुई समझी जाती थी। गाँधी जी ने उन्हें भी सत्याग्रह में शामिल होने की दावत दी। लोगों ने साचा गाँधी जो विप्लवों को नहीं समझ रहे, मगर उन्हें क्या पता था कि गाँधी जी के सामने आने वाले हिन्दुस्तान की सही तस्वीर है।

थोड़े ही दिनों के बाद नमक सत्याग्रह की लड़ाई में लोगों ने अचरज भरा नजारा देखा। हजारों स्त्रियाँ घरों की ममता छोड़कर आजादी की लड़ाई में कूद पड़ीं। जो स्त्रियाँ कभी चौके-चूल्हे से बाहर नहीं निकली थीं, जिन औरतों ने जनानखाने की बन्द रोशनी के बाहर कभी कदम नहीं रखा था, जो शायद ही कभी आम रास्तों पर चली हों, पुराने दकियानूसी रीत-रिवाजों में फँसा हुई औरतें, शर्मीली और लजीली औरतें, जो घूँघट हटाने की बात न सोच सकती थीं, पुरानी तहजीब पर एतकाद रखने वाली बुजुर्ग औरतें—सब की सब ताकत और हिम्मत बढ़ाकर जनता के समुन्वर में कूद पड़ीं। बेरुकी हाँते हुये भी जगह जगह उन्होंने सत्याग्रह कमेटियों की सवारत की। कमजोर होते हुये भी उन्होंने सत्याग्रहियों के जत्थों की कमानों की। उन्होंने पुलिस और उनकी लाठियों का सामना किया, धूप और बारिश में बैठकर पिकटिंग की, जेल के सीखचों के भीतर सजायें काटीं, और बाच मीकों पर मशीनगन की गोलियों का भी सामना किया। गाँव की औरतें हँसते हुये अपने स्त्राबिन्दों, बेटे और बेटियों को टीका लगाकर जेलखाने भेजतीं, सदियों की दबी और सताई हुई हिन्दुस्तानी नारी ने अपनी कुर्बानी और हिम्मत से सारी दुनिया को अचरज में डाल दिया। यह करिश्मा महान गाँधी जी की अहिंसा की बजह से हा पाया।

गाँधी जी स्त्री और गाँव के धन्धों के इसलिये हक में थे कि वे समझते थे कि कल कारखाने और मशीनें शोषण की जड़ हैं, गाँधी जी ने 'हिन्दु स्वराज' में लिखा है—

"मशीनों ने ही हिन्दुस्तान को कंगाल कर दिया, मैनचेस्टर की ही बजह से हिन्दुस्तान की कारीगरी क़रीब-क़रीब लोप हो चुकी है, मशीनों ने यूरोप को भी बरबाद करना शुरू कर दिया है, बरबादी इस समय अंग्रेजों के दरवाजे खटखटा रही है। आजकल की सभ्यता का खास

करने के बजाय जबरदस्ती की और बनावटी एकता कायम करना है।"

गान्धी जी का कहना है कि गान्धी जी ने हिन्दुस्तान को कंगाल कर दिया, मैनचेस्टर की ही बजह से हिन्दुस्तान की कारीगरी क़रीब-क़रीब लोप हो चुकी है, मशीनों ने यूरोप को भी बरबाद करना शुरू कर दिया है, बरबादी इस समय अंग्रेजों के दरवाजे खटखटा रही है। आजकल की सभ्यता का खास

करने के बजाय जबरदस्ती की और बनावटी एकता कायम करना है।"

गान्धी जी का कहना है कि गान्धी जी ने हिन्दुस्तान को कंगाल कर दिया, मैनचेस्टर की ही बजह से हिन्दुस्तान की कारीगरी क़रीब-क़रीब लोप हो चुकी है, मशीनों ने यूरोप को भी बरबाद करना शुरू कर दिया है, बरबादी इस समय अंग्रेजों के दरवाजे खटखटा रही है। आजकल की सभ्यता का खास

करने के बजाय जबरदस्ती की और बनावटी एकता कायम करना है।"

جب ایک ہی ہے اور یہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اور جب کبھی آپ سے میں یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنے دلوں سے چھوٹ چھوٹ کو نکال باہر کریں تو میں آپ سے یہی چاہتا ہوں۔ اس سے کم کچھ نہیں کہ آپ سمجھی انسانی قوم کی برابری اور بھائی بھائی میں شمول کریں۔ ایشور ایک ہے۔ وہی سب کا ایشور ہے اور میں سب سے کہتا ہوں کہ آپ اسے بھول جائے کہ ایک ایشور کے بچوں میں کوئی فرق ہو سکتا ہے۔“ (ہریجن 16 فروری، 1934)۔

آگے بڑھ کر گاندھی جی نے کہا—”جب ایسا پاک شدہ دن آئے گا تب مسلمانوں کے اوپر ہندو پانی اور مسلم پانی یا ہندو چائے اور مسلم چائے کی شرمناک آوازیں سنائی نہ دیں گی۔ تب اسکولوں اور کالجوں میں ہندو اور غیر ہندو کے الگ الگ پڑھنے کا انتظام نہ ہوگا۔ نہ الگ الگ برتن ہونگے تب نہ ذات پات کا یا فرقوں کے نام پر اسکول یا کالج کے نام ہونگے اور نہ مسلم، ہندو، جین سمجھنا انہوں کے نام کے اسکاٹل ہوں گے۔“ (کنسٹرکٹو پروگرام، صفحہ 4، دسمبر 18، 1941)۔

گجرات ویدیا پیٹھ میں تقریر کرتے ہوئے ایک بار گاندھی جی نے کہا تھا—

”میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے مکان کے چاروں طرف کچھ بھی ہو اور سب طرف کی کھینچیں کھینچ کر بند کر دی جائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے مکان کے چاروں طرف سب ملکوں کی کھینچیں کھلی ہوں اور پوری آزادی کے ساتھ بہتی رہیں لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی ہوا میرے پاؤں اکھاڑ دے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ پرانی کھینچ پر ہی ہم گزارا کرتے رہیں بلکہ ہم ایک ایسی نئی کھینچ کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں کہ جس کی جڑیں ملک کی تہذیب کی پرانی گہرائیوں میں ہوں اور جو ہمارے لب تک کے کھینچوں سے مالا مال ہو۔ ہم ان سب کھینچوں کے سماں اور ہول کے طوفانوں میں کہ جو ہندوستان میں ہمارے آ کر بس گئیں، چھلنے لے یہاں کی زندگی پر اثر ڈالے اور جن پر خود یہاں کی دھرتی کا اثر پڑا۔ قدرتی طور پر ہمارا یہ کھینچو میل جول اور سماں شادی تھنک کا ہوا جس میں ہر کھینچ کو مناسب جگہ ملے گی۔ یہ امریکی تھنک کا نہ ہو جس میں زیادہ تعداد والے لوگوں کا یا جن کا زور ہے ان کی کھینچ اور سب کھینچوں کو اپنے اندر مقبوض ہونے میں اور جہاں سماں یا میل کا مقصد سب راگ راگوں کو مل کر ایک مدھو مدھو راگ پیدا

کے ملنے ہیں۔ اور جب کبھی آپ سے میں یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنے دلوں سے چھوٹ چھوٹ کو نکال باہر کریں تو میں آپ سے یہی چاہتا ہوں۔ اس سے کم کچھ نہیں کہ آپ سمجھی انسانی قوم کی برابری اور بھائی بھائی میں شمول کریں۔ ایشور ایک ہے۔ وہی سب کا ایشور ہے اور میں سب سے کہتا ہوں کہ آپ اسے بھول جائے کہ ایک ایشور کے بچوں میں کوئی فرق ہو سکتا ہے۔“ (ہریجن 16 فروری، 1934)۔

آگے چل کر گاندھی جی نے کہا—”جب ایسا پاک شدہ دن آئے گا تب مسلمانوں کے اوپر ہندو پانی اور مسلم پانی یا ہندو چائے اور مسلم چائے کی شرمناک آوازیں سنائی نہ دیں گی۔ تب اسکولوں اور کالجوں میں ہندو اور غیر ہندو کے الگ الگ پڑھنے کا انتظام نہ ہوگا۔ نہ الگ الگ برتن ہونگے تب نہ ذات پات کا یا فرقوں کے نام پر اسکول یا کالج کے نام ہونگے اور نہ مسلم، ہندو، جین سمجھنا انہوں کے نام کے اسکاٹل ہوں گے۔“ (کنسٹرکٹو پروگرام، صفحہ 4، دسمبر 18، 1941)۔

گجرات ویدیا پیٹھ میں تقریر کرتے ہوئے ایک بار گاندھی جی نے کہا تھا—

”میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے مکان کے چاروں طرف کھینچیں کھینچ کر بند کر دی جائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے مکان کے چاروں طرف سب ملکوں کی کھینچیں کھلی ہوں اور پوری آزادی کے ساتھ بہتی رہیں لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی ہوا میرے پاؤں اکھاڑ دے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ پرانی کھینچ پر ہی ہم گزارا کرتے رہیں بلکہ ہم ایک ایسی نئی کھینچ کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں کہ جس کی جڑیں ملک کی تہذیب کی پرانی گہرائیوں میں ہوں اور جو ہمارے لب تک کے کھینچوں سے مالا مال ہو۔ ہم ان سب کھینچوں کے سماں اور ہول کے طوفانوں میں کہ جو ہندوستان میں ہمارے آ کر بس گئیں، چھلنے لے یہاں کی زندگی پر اثر ڈالے اور جن پر خود یہاں کی دھرتی کا اثر پڑا۔ قدرتی طور پر ہمارا یہ کھینچو میل جول اور سماں شادی تھنک کا ہوا جس میں ہر کھینچ کو مناسب جگہ ملے گی۔ یہ امریکی تھنک کا نہ ہو جس میں زیادہ تعداد والے لوگوں کا یا جن کا زور ہے ان کی کھینچ اور سب کھینچوں کو اپنے اندر مقبوض ہونے میں اور جہاں سماں یا میل کا مقصد سب راگ راگوں کو مل کر ایک مدھو مدھو راگ پیدا

रंग, जाति, या मजहब का कोई सवाल नहीं। हमें सबके साथ एकसा मोहब्बत का बर्ताव करना चाहिये। अपने सब कामों में सब की भलाई का भेद नज़र रखना चाहिये। हरिजन आन्दोलन का जिक्र करते हुये गान्धी जी ने सन् 1934 में कहा था :—“अपनी ढलती हुई जिन्दगी के दौर में मैं कोई ऐसा साम्प्रदायिक काम हाथ में नहीं ले सकता जिससे आम जनता को कोई नुकसान पहुँचे। हरिजनों की सेवा में भी मेरे दिल की गहराई में यह खादिश मौजूद है कि इससे सारी जनता और सब लोगों का भला हो। क्यों कि मैं यह नहीं मानता कि इन्सान की जिन्दगी कोई ऐसी अलग-अलग काठरियों में बन्द है जिनमें एक की दूसरे को हानि न लग सके या इन्सानी जिन्दगी के टुकड़े किये जा सकते हैं। इसके खिलाफ़ इन्सानी समाज का जीवन एक ऐसी समूची चीज़ है जिसके न अलग-अलग टुकड़े हैं और न टुकड़े किये जा सकते हैं। इसलिये जो चीज़ एक के सबे भले की है या हो सकती है वह जरूर सब के भले की होगी। यह कसौटी कभी धोखा नहीं दे सकती।

“मैंने अपनी जिन्दगी भर सबकी भलाई के इस उद्देश्य में विश्वास किया है। इसी लिये मैंने कभी भी कोई ऐसा काम, फिरके बाराणा या राष्ट्रीय, हाथ में नहीं लिया जो पूरी इन्सानी क़ौम के हित का नुकसान पहुँचाने वाला हो। जब मैंने यह अच्छी तरह देख लिया कि आजकल हिन्दुओं में जिस तरह की छुआ छूत बरती जाती है वह सिर्फ़ हिन्दुओं की आगे की तरफ़ी के रास्ते में ही रुकावट नहीं है बल्कि आम तौर पर सब लोगों की तरफ़ी के रास्ते में रुकावट है। सरसरी नज़र से देखने वाला भी यह अच्छी तरह देख सकता है कि इस छुआछूत ने न सिर्फ़ ऊँची जाति के हिन्दुओं को बल्कि हिन्दुस्तान में रहने वाले सब मजहबों के लोगों को मुसलमानों, ईसाइयों और दूसरों को भी उसी तरह जकड़ रखा है जिस तरह साँप किसी को अपनी छुंडलियों में जकड़ लेता है। छुआ छूत के इस पिशाच से युद्ध करने में मेरे दिल के अन्दर यह खादिश नहीं है कि सिर्फ़ हिन्दुओं हिन्दुओं में ही भाई चारा कायम हो जाय, मेरी दिली खादिश यह है कि इन्सान-इन्सान के बीच भाई चारा कायम हो जाय जिसमें हिन्दू, मुसलमान, ईसाई, पारसी, और यहूदी सब एक समान शामिल हों क्योंकि मुझे दुनिया के सब बड़े-बड़े मजहबों की बुनियादी सबाई में विश्वास है। मुझे विश्वास है कि ये सब मजहब ईश्वर के दिये हुये हैं, और मुझे विश्वास है कि ये सब मजहब उन लोगों के लिये जरूरी थे जिन्हें ये ईश्वर से मिले। मुझे इस बात का भी विश्वास है कि अगर हम सब अलग-अलग धर्म-मजहबों की किताबों को उन धर्मों के मानने वालों की निगाह से पढ़ें तो हमें पता चलेगा कि इन सब धर्मों की

कोई सवाल नहीं है। हमें सब के साथ एकसा मोहब्बत का बर्ताव करना चाहिये। अपने सब कामों में सब की भलाई का भेद नज़र रखना चाहिये। हरिजन आन्दोलन का जिक्र करते हुये गान्धी जी ने सन् 1934 में कहा था :—“अपनी ढलती हुई जिन्दगी के दौर में मैं कोई ऐसा साम्प्रदायिक काम हाथ में नहीं ले सकता जिससे आम जनता को कोई नुकसान पहुँचे। हरिजनों की सेवा में भी मेरे दिल की गहराई में यह खादिश मौजूद है कि इससे सारी जनता और सब लोगों का भला हो। क्यों कि मैं यह नहीं मानता कि इन्सान की जिन्दगी कोई ऐसी अलग-अलग काठरियों में बन्द है जिनमें एक की दूसरे को हानि न लग सके या इन्सानी जिन्दगी के टुकड़े किये जा सकते हैं। इसके खिलाफ़ इन्सानी समाज का जीवन एक ऐसी समूची चीज़ है जिसके न अलग-अलग टुकड़े हैं और न टुकड़े किये जा सकते हैं। इसलिये जो चीज़ एक के सबे भले की है या हो सकती है वह जरूर सब के भले की होगी। यह कसौटी कभी धोखा नहीं दे सकती।

मैंने अपनी जिन्दगी भर सबकी भलाई के इस उद्देश्य में विश्वास किया है। इसी लिये मैंने कभी भी कोई ऐसा काम, फिरके बाराणा या राष्ट्रीय, हाथ में नहीं लिया जो पूरी इन्सानी क़ौम के हित का नुकसान पहुँचाने वाला हो। जब मैंने यह अच्छी तरह देख लिया कि आजकल हिन्दुओं में जिस तरह की छुआ छूत बरती जाती है वह सिर्फ़ हिन्दुओं की आगे की तरफ़ी के रास्ते में ही रुकावट नहीं है बल्कि आम तौर पर सब लोगों की तरफ़ी के रास्ते में रुकावट है। सरसरी नज़र से देखने वाला भी यह अच्छी तरह देख सकता है कि इस छुआछूत ने न सिर्फ़ ऊँची जाति के हिन्दुओं को बल्कि हिन्दुस्तान में रहने वाले सब मजहबों के लोगों को मुसलमानों, ईसाइयों और दूसरों को भी उसी तरह जकड़ रखा है जिस तरह साँप किसी को अपनी छुंडलियों में जकड़ लेता है। छुआ छूत के इस पिशाच से युद्ध करने में मेरे दिल के अन्दर यह खादिश नहीं है कि सिर्फ़ हिन्दुओं हिन्दुओं में ही भाई चारा कायम हो जाय, मेरी दिली खादिश यह है कि इन्सान-इन्सान के बीच भाई चारा कायम हो जाय जिसमें हिन्दू, मुसलमान, ईसाई, पारसी, और यहूदी सब एक समान शामिल हों क्योंकि मुझे दुनिया के सब बड़े-बड़े मजहबों की बुनियादी सबाई में विश्वास है। मुझे विश्वास है कि ये सब मजहब ईश्वर के दिये हुये हैं, और मुझे विश्वास है कि ये सब मजहब उन लोगों के लिये जरूरी थे जिन्हें ये ईश्वर से मिले। मुझे इस बात का भी विश्वास है कि अगर हम सब अलग-अलग धर्म-मजहबों की किताबों को उन धर्मों के मानने वालों की निगाह से पढ़ें तो हमें पता चलेगा कि इन सब धर्मों की

کا خون بہا کر اگر ایوانی ملتی ہے تو ایسی کئی مسجدیں نہیں چاہیے۔  
ایسی لگے انہوں نے چھری چورا کے قتل عام کے بعد متواگرہ کی  
لڑائی بلد کو دی۔ دہ جٹوں بار انہوں نے لمحہ لمحہ ایوان اور  
فاقہ لگے اور رو رو کر ایشور سے دعاہیں مانگی۔

انسانی تاریخ میں شاد پہلی بار جماعت کی حیثیت سے  
 ہمیں یہ بتایا گیا کہ ہمارا کام دوسروں کو قتل کرنا نہیں ہے  
 بلکہ خود اپنے آپ کو بلوڈن کر دینا ہے اور پھر ہی آخر میں  
 ہم ناکامیاب ہونگے۔ گاندھی جی کا یہ کلکا شاندار پیغام تھا۔  
 کسی سیاسی مقصد کو حاصل کرنے کا یہ پیغام نہیں تھا بلکہ  
 انسانی قدم کی پھلائی کا بنیادی پیغام تھا۔ جس جنگ میں  
 سچائی کی کوئی جگہ نہ ہو اُس میں مرنا ماتو اپنی ہستی  
 کو مٹا دینا ہے۔ ہر ست اور اہنسا کی پدم میں کچھ بات  
 باقی رہ جاتی ہے۔ اُس میں ہمارے جانے پر بھی جیت ہوتی  
 ہے اور مر جانے پر بھی اُس جیتوں ملتا ہے۔

گلدھی جی کی سب سے بڑی خاصیت یہ تھی کہ وہ ایک بہت بڑے سیاست دان تھے، بہت بڑے ٹھکانے تھے، بہت بڑے سماج سدھارک تھے لیکن ان سب سے زیادہ وہ ایک بڑے انسان تھے۔ ہری سماج کے فائدے کے لئے کسی قربانی کا وہمان کرتے تو سب سے پہلے اپنے آپ پر عمل کر کے دیکھ لیتے۔ اگر کوئی نہیں ہوگا چاہتے تو سب سے پہلے اُس کی تکالیف خود برداشت کر کے دیکھ لیتے۔ ایسا سب کچھ تھا کہ کر آپ وہ دوسروں کو تھاک کرنے کا اپنی دیکھ دیتے۔

گاندھی جی ہر قدم پر اپنے آپ کو کسوٹی پر کستے تھے ۔  
 کھاتے میں، پہنے مٹھی، کسی سے بات کرنے میں، بحث کرنے  
 میں، کوئی بھی چھوٹا بڑا قدم اٹھاتے میں، ہر بات اور فقرہ  
 میں وہ ہر ابراہیم اندر ہی اندر دیکھتے رہتے تھے نہ کہیں وہ بے صبر  
 تو نہیں ہو رہے ہیں ؟ معافی کے اصول کو توڑ تو نہیں رہے  
 ہیں ؟ کوئی بات خوشی یا گھمبند کے اثر میں تو نہیں کر  
 رہے ہیں ؟ دوسرے کا حق تو نہیں چھین رہے ہیں ؟ ذاتی  
 کے لئے تو نہیں کھا رہے ہیں ؟ سچائی سے ہال ہر ابراہیم تو نہیں  
 ہٹ رہے ہیں ؟ دل کے اندر کہیں غصہ کی رمتی تو نہیں  
 ہے ؟ اہلسا کے اصول سے تو نہیں ڈگ رہے ہیں ؟ وغیرہ

گاندھی جی جو بھی کام کرتے آئیے تول کو دیکھ لیتے کہ وہ ساری انسانی قوم کے فائدے کے لئے ہے کہ نہیں! ہندوستان کی جنگا کے ذریعہ ہی وہ ساری انسانی قوم کی خدمت کرنے کی بات سوچتے۔ انہوں نے ایک اصل ہٹا لیا تھا کہ ساری انسانی قوموں کا ایک ہی خاندان ہے۔ دنیا کے سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ اس میں دھبی

अक्टूबर ७६

٥٧



## گاندھی جی کے جنم دن پر

## گاندھی جی کے جنم دن پر

دو اکتوبر سن 1957 کو سارے ہندوستان نے راجہ پیتا مہاتما گاندھی کے جنم دن کو منایا۔ انہیں ہم سے بچھڑے قریب قریب دس دس برس ہو رہے ہیں۔ ان دس برسوں میں ملک نے کتنے ہی اُتار چڑھاؤ دیئے۔ ہمارے امتحان کے کلمہ ہی موقع اُٹھ گیا۔ قدرتی تہا کہ ایسے موقعوں پر ہم گاندھی جی کی پاک عسلی کو یاد کرتے۔ یہ بھی یاد کرتے کہ ایسی پچھلے کیوں کو ساجھانے کے لئے گاندھی جی کیا کرتے تھے۔ 1917 سے 1947 تک ملک کی سیاست پر گاندھی جی کی زبردست چھاپ تھی۔ وہ جدھر ڈگ اُٹھتے تھے انہو سارا ہندوستان چلتا تھا۔ وہ ہمیں اندھیرے سے روشنی میں لائے۔ ہمیں کوئی راستہ سوجھ نہیں رہا تھا۔ انہوں نے ہمیں راستہ بتایا۔ آزادی حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ انہوں نے ہمیں اہلسا اور سٹیاگراہ کا ہتھیار دیا۔ وہ ہوائے تھے اور ملک محسوس کرنا تھا کہ وہ ملک کی بھانڈوں کو ہی پوہ کر رہے ہیں۔ مٹی سے انہوں نے پودہ پیدا کئے۔ وہ جہاں بیٹھتے تھے وہ جگہ مندر بن جاتی تھی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے ملک اُنکے ہنڈ کر کے اُس پر عمل کرتا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلی ہدایت ہمیں دی کہ ہم اپنے دل سے کر کے جذبے کو قطعی نکال دیں۔ اُن کی دوسری ہدایت تھی کہ انہانے کے سامنے سر جھکانا ہم بد کر دیں۔ اُن کی تیسری ہدایت تھی کہ جو کچھ سچ ہے اُس کا ہم آگہ کریں یعنی اُس پر ہم زور دیں۔ اُن کی چوتھی ہدایت تھی کہ اہلسا کو ہم اپنی زندگی میں ڈالیں۔ اپنے ہر کم کو اہلسا کی دوربین سے دیکھیں۔ اُن کی پانچویں ہدایت تھی کہ ہم ہرائی سے تو نفرت کریں لیکن ہرائی کرلے والے سے پرہیز کریں۔ اُن کی چھٹی ہدایت تھی کہ انسان کے ذریعہ انسان کے ہوش کے ہم سب دوراؤہ بد کریں۔ سیاستوں کی بھانڈا

دو اکتوبر سن 1957 کو سارے ہندوستان نے راجہ پیتا مہاتما گاندھی کے جنم دن کو منایا۔ انہیں ہم سے بچھڑے قریب قریب دس دس برس ہو رہے ہیں۔ ان دس برسوں میں ملک نے کتنے ہی اُتار چڑھاؤ دیئے۔ ہمارے امتحان کے کلمہ ہی موقع اُٹھ گیا۔ قدرتی تہا کہ ایسے موقعوں پر ہم گاندھی جی کی پاک عسلی کو یاد کرتے۔ یہ بھی یاد کرتے کہ ایسی پچھلے کیوں کو ساجھانے کے لئے گاندھی جی کیا کرتے تھے۔ 1917 سے 1947 تک ملک کی سیاست پر گاندھی جی کی زبردست چھاپ تھی۔ وہ جدھر ڈگ اُٹھتے تھے انہو سارا ہندوستان چلتا تھا۔ وہ ہمیں اندھیرے سے روشنی میں لائے۔ ہمیں کوئی راستہ سوجھ نہیں رہا تھا۔ انہوں نے ہمیں راستہ بتایا۔ آزادی حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ انہوں نے ہمیں اہلسا اور سٹیاگراہ کا ہتھیار دیا۔ وہ ہوائے تھے اور ملک محسوس کرنا تھا کہ وہ ملک کی بھانڈوں کو ہی پوہ کر رہے ہیں۔ مٹی سے انہوں نے پودہ پیدا کئے۔ وہ جہاں بیٹھتے تھے وہ جگہ مندر بن جاتی تھی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے ملک اُنکے ہنڈ کر کے اُس پر عمل کرتا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلی ہدایت ہمیں دی کہ ہم اپنے دل سے کر کے جذبے کو قطعی نکال دیں۔ اُن کی دوسری ہدایت تھی کہ انہانے کے سامنے سر جھکانا ہم بد کر دیں۔ اُن کی تیسری ہدایت تھی کہ جو کچھ سچ ہے اُس کا ہم آگہ کریں یعنی اُس پر ہم زور دیں۔ اُن کی چوتھی ہدایت تھی کہ اہلسا کو ہم اپنی زندگی میں ڈالیں۔ اپنے ہر کم کو اہلسا کی دوربین سے دیکھیں۔ اُن کی پانچویں ہدایت تھی کہ ہم ہرائی سے تو نفرت کریں لیکن ہرائی کرلے والے سے پرہیز کریں۔ اُن کی چھٹی ہدایت تھی کہ انسان کے ذریعہ انسان کے ہوش کے ہم سب دوراؤہ بد کریں۔ سیاستوں کی بھانڈا

پوری पुस्तक है खंडों और उनका आस अध्यायों में बांटी गई है. पहले खंड में भारतीय अर्थशास्त्र की पृष्ठ भूमि यानी पैसे मंत्र विद्या गया है. दूसरे खंड में अर्थशास्त्र के विषय को समझाया गया है. तीसरे खंड में इस्तेमाल और जरूरत के असूल को समझाया गया है. चौथे खंड में पैदावार की मुख्यलिक शक्तों को दिखाया गया है. पांचवें खंड में बदल-बदल के सिद्धान्त पर राशनी डाली गई है और छठे खंड में पैदावार के बटवारे को समझाया गया है. इसी खंड में समाजवादी ढांचा और आर्थिक बराबरी के असूलों पर बहस की गई है. पुस्तक को ईसावासी सिद्ध सर्वम्—उपनिषद् के श्लोक से शुरू किया गया है और सम्प्रतिदान से खत्म किया गया है. कीमती आंकड़ों के सहारे पुस्तक में दिये हुये असूल समझाये गये हैं.

नये नुक्त नजर से लिखी गई केला जी की यह पुस्तक हिन्दी अर्थशास्त्र की दिशा में एक तारीफ के लायक कदम है. हमें उम्मीद है और दूसरी जगहों में भी इसका नजुमा होगा.

—वि. ना. पांडे

پوری پستک چہ کھنڈوں اور انکھوں اندھاں میں ہائی گئی ہے۔ پہلے کھنڈ میں ہارتھ آرٹ شاکٹر کی پرعلم ہومی یعنی پس منظر دیا گیا ہے۔ دوسرے کھنڈ میں کرتہ شاکٹر کے وشم کو سمجھایا گیا ہے۔ تیسرے کھنڈ میں استعمال اور ضرورت کے اصول کو سمجھایا گیا ہے۔ چوتھے کھنڈ میں پیداوار کی مختلف شکلوں کو دہایا گیا ہے۔ پانچویں کھنڈ میں بدل بدل کے سدھانت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور چھٹے کھنڈ میں پیداوار کے بٹوارے کو سمجھایا گیا ہے۔ اسی کھنڈ میں سماج وادی قحانچہ اور آرٹھک برابری کے اصول پر بحث کی گئی ہے۔ پستک کو 'ایسا واسیہ مدیم سرور'—آلشد کے شلوک سے شروع کیا گیا ہے اور—ہوتی دان سے ختم کیا گیا ہے۔ قیمتی آنکڑوں کے سہارے پستک میں دیئے ہوئے اصول سمجھائے گئے ہیں۔

لئے نقطہ نظر سے اگلی گئی کیلا جی کی یہ پستک ہندی آرٹ شاکٹر کی دشا میں ایک تعریف کے لایق قدم ہے۔ ہمیں امید ہے اور دوسری زبانوں میں بھی اسکا ترجمہ ہو گا

—دی. نا. پالسدہ



٥٧

بھارتی جیل میں ایک بار گاندھی جی نے کہا—”رکھنا ہوا سائپ بھی کام کا۔“ پوچھنے پر کہ یہ کہاوت کسے چلی؟ باپو نے کہا—”ایک بھارتیہ کے یہاں سائپ نکلا۔ اسے مار دیا گیا۔ پوچھا گئے۔ اسے بھارتیہ کے بھائی چہرہ پر دم دیا۔ ایک آڑی ہوئی چہل لے کر کہیں سے موتیوں کا ہار لے آئی تھی“ اسے دیکھا۔ ہار سے سائپ اسے زیادہ قیمتی لگا۔ اس لئے ہار تو اس نے چہرہ پر ڈال دیا اور سائپ اٹھا لے گئے۔ اس طرح بھارتیہ کو سائپ سے ہار ملا۔“

سرکار نے کہا—”ہاپو! اس کا مرل دوسرا ہے۔“

ہاپو نے پوچھا—”کیا؟“

سرکار بولے:—”ایک بنیے کے یہاں سائپ نکلا۔ اسے مارنے والا کوئی ملکا نہ تھا اور بنیے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے اس نے سائپ کو پتیلی کے نیچے ڈھانک دیا۔ رات کو چور آئے۔ وہ ننھل سے پتیلی اٹھا لے لے تو سائپ نے کٹ لٹا اور چوری کرنے کے بجائے سرگ سدھار گئے۔“ (صفحہ 117)

14 جون 32ء۔ گرمی میں نیبو مہنگے ہو گئے۔ ہاپو بولے—”ہم نیبو کے بجائے املی لیں۔“

ولہ بھائی بولے—”املی کے پانی سے واپو بڑھکی اور ہڈیوں میں درد ہوگا!“

ہاپو بولے—”لیکن چمنا لال تو پیٹے ہیں؟“

ولہ بھائی—”چمنا لال کی ہڈیوں تک املی کو کھسکے گا۔ اسے نہیں۔“

ہاپو—”مگر ایک بار میں املی بہت کھائی ہے۔“

ولہ بھائی—”اس سمٹے آپ پتھر بھی دھم کر سکتے تھے۔ آج تو روزے ہیں۔“

ایک بار ہاپو نے یرودا جیل میں ناریل کی رسی کی کھات اپنے سونے کے لئے مارتائی۔ ولہ بھائی نواز کی کھات کے پکھی میں تھے۔ ہاپو نے کہا—”مجھے یاد ہے کہ ہمارے یہاں بچپن میں اس طرح کی ناریل کی رسی کی کھاتیں کھ میں آتی تھیں۔ موری ماں ان پر ادھرک چھلتی تھی۔“

ولہ بھائی—”اسی لئے تو کہتا ہوں کہ اس پر نواز لگاؤ۔“ رتن مٹی ہر ہڈیوں کی چمڑی چیل جاتی تھی۔“

گاندھی جی نے جب ہریجنن اوارڈ کے خلیاں بپواس کیا تو بھارتیہ کو ناسک جیل میں ہٹا دیا گیا۔ اس پر ہاپو نے کہا—”پنجڑا تو ہے پر پنجڑی آگیا۔“

سرکار کے پارلیمانی جیلوں کی جہانگی ایلنی لڑکی ملی ہوں کے نام لئے اس خط میں دیکھیں—”پتھر سے رواہ کے بارے میں ڈاکھیا بھائی (سرکار کے ہاتھ) کے جو

سرکار بولے—”ایک بنیے کے یہاں سائپ نکلا۔ اسے مارنے والا کوئی ملکا نہ تھا اور بنیے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے اس نے سائپ کو پتیلی کے نیچے ڈھانک دیا۔ رات کو چور آئے۔ وہ ننھل سے پتیلی اٹھا لے لے تو سائپ نے کٹ لٹا اور چوری کرنے کے بجائے سرگ سدھار گئے۔“ (صفحہ 117)

14 جون 32ء۔ گرمی میں نیبو مہنگے ہو گئے۔ ہاپو بولے—

”ہم نیبو کے بجائے املی لیں۔“

ولہ بھائی بولے—”املی کے پانی سے واپو بڑھکی اور ہڈیوں میں درد ہوگا!“

ہاپو بولے—”لیکن چمنا لال تو پیٹے ہیں؟“

ولہ بھائی—”چمنا لال کی ہڈیوں تک املی کو کھسکے گا۔ اسے نہیں۔“

ہاپو—”مگر ایک بار میں املی بہت کھائی ہے۔“

ولہ بھائی—”اس سمٹے آپ پتھر بھی دھم کر سکتے تھے۔ آج تو روزے ہیں۔“

ایک بار ہاپو نے یرودا جیل میں ناریل کی رسی کی کھات اپنے سونے کے لئے مارتائی۔ ولہ بھائی نواز کی کھات کے پکھی میں تھے۔ ہاپو نے کہا—

”مجھے یاد ہے کہ ہمارے یہاں بچپن میں اس طرح کی ناریل کی رسی کی کھاتیں کھ میں آتی تھیں۔ موری ماں ان پر ادھرک چھلتی تھی۔“

ولہ بھائی—”اسی لئے تو کہتا ہوں کہ اس پر نواز لگاؤ۔“ رتن مٹی ہر ہڈیوں کی چمڑی چیل جاتی تھی۔“

گاندھی جی نے جب ہریجنن اوارڈ کے خلیاں بپواس کیا تو بھارتیہ کو ناسک جیل میں ہٹا دیا گیا۔ اس پر ہاپو نے کہا—

”پنجڑا تو ہے پر پنجڑی آگیا۔“

سرکار کے پارلیمانی جیلوں کی جہانگی ایلنی لڑکی ملی ہوں کے نام لئے اس خط میں دیکھیں—

”پتھر سے رواہ کے بارے میں ڈاکھیا بھائی (سرکار کے ہاتھ) کے جو

57

سکھو کھادیوں سے کامیاب سکان ،  
جنسیت کے अधिकारों की गरजती हुई लहर बनकर बह  
रहा है !

सिपाही और सैनिकों की कम्पनियाँ उनके बाद दीगरे  
जा रही हैं !

आखिर में उन्हें बाद आता है कि उनकी भी मातृ-  
भूमि है !

यह क्या कम है कि अपने बस भर वे लड़े जनता की  
आजादी के लिये और अपने 'फौजी' नाम के लिये !

ईश्वर, उस्मीद और इतिहास तीनों दिव्यस्तानियों की  
तरफ़ थे !

पुस्तक की छपाई बरौरह अच्छी है. अंगरेजीदाँ हर  
देशभक्त से हमारी यह प्रार्थना है कि वह इस पुस्तक  
को जरूर पढ़े,

न जाने राम और उसके साथियों का अभियान

मूल रूसी जवान के लेखक एन० नसोव; मूलरूसी  
से अनुवादक श्री अर्जुन गोस्वामी; अनुवाद की भाषा के  
सम्पादक-डाक्टर महादेव साहा; प्रकाशक ईस्टर्न ट्रेडिंग  
कम्पनी, 64 ए धरमवल्ली स्ट्रीट, कलकत्ता-18, मोल  
तीन रुपया. छपाई, सफाई, जिल्द सब अच्छी.

बच्चों के साहित्य की यह रूसी पुस्तक रूस में बहुत  
नाम कमा चुकी है. सरल कहानी के रूप में लेखक ने  
विज्ञान के चमत्कारों को बड़ी दिलचस्पी से बच्चों को सम-  
झाने की कोशिश की है. एक बार हाथ में उठा लेने से  
बच्चे इसे पूरा पढ़कर ही छाड़ते हैं. प्रकाशक बधाई के  
हक्कदार हैं कि बच्चों के लिये ऐसी सरल वैज्ञानिक ईजादों  
की पुस्तक उन्होंने शायद की. रंगीन चित्रों से पुस्तक की  
उपयोगिता बेहद बढ़ गई है.

मानव जाति का उद्भव

मूल रूसी लेखक गगुरेव, अनुवादक और प्रकाशक  
वही ऊपर की पुस्तक के; क्रोमट एक रुपया बासठ नए पैसे.  
सफे 133; सचित्र; छपाई, सफाई अच्छी.

१३३ सफ़ों की इस किताब में विद्वान लेखक ने इस  
बात की छान-बीन की है कि इनसानी नस्ल का आराध  
क्या था ? पाँच करोड़ बरस पहले उसकी क्या शक्ल थी ?  
फिर दरजेशर उसने कैसे तरक्की की और आखिर में किस  
तरह बन्दर की योनि और जिस्म में तब्दील होते-होते कैसे  
वह इनसान बना. लेखक ने पुस्तक के सफ़ों में जो दावे  
पेश किये हैं उनका समझाने के लिये तस्वीरें भी दी हैं.  
दूसरे वैज्ञानिक मतों को पेश करके उनकी ताईद या मुखा-  
लिफत की है. डारविन और एंगल्स की राय की लेखक ने  
अस्वीकार है और नई खोजों के आधार पर उन्हीं रायों पर  
अपनी दलीलों को कायम किया है.

سکھوں اور سیکھوں کے ساتھ طوفانی !  
جنگل کے آدمیوں کی گرجتی ہوئی لہریں گریہ رہے !  
سیپاہی اور سیکھوں کی کہانیاں بکھرے دیگے جاگ رہی ہیں !  
آکھڑ میں انہیں پاؤں آنا ہے کہ انکی ہی مائیں بھوسی ہیں !  
یہ کیا کم ہے کہ اپنے بس بھر وہ لڑے  
جنگل کی آزادی کے لئے اور اپنے فوجی نام کے لئے !

پستک کی چھائی وغیرہ اچھی ہے ! ہر انگریزی دان  
دیکھ بھکت سے ہماری یہ پورتنما ہے کہ وہ اس پستک کو  
ضرور پڑھے .

نچا لے رام اور اس کے ساتھیوں کا ابھیان

مؤل روسی زبان کے لیکھک این. نسوؤ؛ مول روسی سے  
انوادک شری اردھیندو گوسوامی؛ انواد کی بھاشا کے سہادک  
ڈاکٹر مہادیو ساہا؛ پرکشک اسٹورن ڈیڈنگ کھلی، 64-A  
دھرم تلہ اسٹریٹ، کلکتہ-13؛ مول تین روپیہ، چھائی، صفائی  
جلد سب اچھی .

بچوں کے ساتھ کی یہ روسی پستک روس میں بہت  
نام کما چکی ہے . مول کہانی کے روپ میں لیکھک نے دیکھان  
کے چمٹکوں کو بڑے دلچسپ طریقے سے بچوں کو سمجھانے  
کی کوشش کی ہے . ایک بار ہاتھ میں اٹھا لے لے بچے اسے پوا  
پڑھکر ہی چھوڑتے ہیں . پرکشک بھاشائی کے حندار ہیں کہ  
بچوں کے لئے ایسی مول ویکھانک ایجادوں کی پستک انہوں  
نے شائع کی . رنگین چٹروں سے پستک کی آکھوگتا بے حد بڑھ  
گئی ہے .

مانو جانی کا آدھو

مؤل روسی لیکھک گ. گروریو؛ انوادک اور پرکشک  
وہی اوپر کی پستک کے؛ قیمت ایک روپیہ باسٹھ نئے پैसे .  
صفحہ 133؛ چھائی، صفائی اچھی .

133 صفحوں کی اس کتاب میں ودوان لیکھک نے اس  
بات کی چھان بین کی ہے کہ انسانی نسل کا آغاز کیا تھا  
پانچ کروڑ برس پہلے اس کی کیا شکل تھی پھر درجہوار اس نے  
آسی ترقی کی اور آکھڑ میں کس طرح بندر کی یونی اور  
جسم سے تبدیل ہوتے ہوئے کوسہ وہ انسان بنا . لیکھک نے  
پستک کے صفحوں میں جو دعویہ پیش کئے ہیں ان کو  
سمجھانے کے لئے تصویروں بھی دی ہیں . دھرم تلہ ویکھانک  
متوں کو پیش کر کے ان کی نااید یا مخالفت کی ہے . قانون  
اور لیکھکس کی رائے کو لیکھک نے سراہا ہے اور نئی کھوجوں کے

آدھار پر انہوں رائوں پر اپنی دلیلوں کو قلم کیا ہے .  
کہان دیکھان کے کھوجوں کے لئے پستک کئی دلچسپا ہے .

# کتابچہ کتابیں

The Revolt of Hindostan—लेखक अर्नेस्ट जोन्स. सम्पादक श्री स्नेहाशु कान्त आचार्य और श्री महा-  
देश प्रसाद साहा, प्रकाशक ईस्टर्न ट्रेडिङ्ग कम्पनी, 64, A  
धर्मतल्ला स्ट्रीट, कलकत्ता-13, कीमत तीन रुपया, पृष्ठ  
संख्या 55.

चार्टिस्टनेता अर्नेस्ट चार्ल्स जोन्स का मशहूर काव्य  
ग्रन्थ 'रिवोल्ट आफ हिन्दुस्तान' का यह हिन्दुस्तानी पद्यी-  
शान बड़े मौके से छाप कर प्रकाशित किया गया जबकि  
मुल्क सन 1853 की शताब्दी मना रहा था। कविता के  
साथ साथ जोन्स के सन 1807 के मुताल्लिक लेख भी  
पुस्तक के आखीर में दिये गये हैं। सम्पादक अपनी भूमिका  
में लिखते हैं:—"जबकि हिन्दुस्तान में देश भर में सन  
1857 की शताब्दी मनाई जा रही है वह याद करके खुशी  
होती है कि कम से कम एक अङ्कुरेज तो था जो 1857 के  
विद्रोह को न केवल मुनासिब और ठीक समझता था बल्कि  
उसे होके रहने वाली घटना मानता था।" जोन्स 26  
जनवरी 1859 को पैदा हुआ और 21 जनवरी 1869 को  
मरा। जोन्स ने ब्रिटिश शासक नीति की खबरदस्त मुखाल-  
फत की। उसके विद्रोही विचारों के सबब उसे 6 जून सन  
1848 को गिरफ्तार कर लिया गया और 9 जुलाई सन्  
1850 तक उसे जेल में रहना पड़ा। जिस काल कोठरी में  
उसे सनवाई में रखा गया वह 13 फुट लम्बी और सिर्फ  
6 फुट चौड़ी थी। इतनी खुली हुई थी कि बारिश का पानी  
और बस्फीले तूफानों के थपेड़े इधर में उधर निकल जाते  
थे। जोन्स की सेहत बेहद खराब हो गई। वहीं उस काल  
कोठरी में जोन्स ने 'द्वि न्यू वर्ल्ड' नाम की कविता लिखी  
जो बाद में सन 1857 में 'द्वि रिवोल्ट आफ हिन्दुस्तान  
आर न्यू वर्ल्ड' नाम से छपकर शायी हुई। जेल में लिखने  
का सामान नहीं था। जोन्स ने एक पुरानी किताब के हाशि-  
यों पर अपने खून से वह कविता लिखी। पूरी की पूरी  
न कम बेहद सुन्दर है। एक नमूना देखें:—

The Revolt of Hindostan लिपिक अर्नेस्ट  
जोन्स 'सम्राट् शही अलिपानशु का न्त अचार्य और शही  
महा देश प्रसाद साहा' प्रकाशक ईस्टर्न ट्रेडिङ्ग कम्पनी 'A 46'  
धर्मतल्ला स्ट्रीट, कलकत्ता 13, कीमत तीन रुपया, पृष्ठ  
संख्या 55.

चार्टिस्ट नेता अर्नेस्ट चार्ल्स जोन्स का मशहूर काव्य  
ग्रन्थ 'रिवोल्ट ऑफ हिन्दुस्तान' का यह हिन्दुस्तानी पद्यी-  
शान बड़े मौके से छाप कर प्रकाशित किया गया जबकि  
मुल्क सन 1853 की शताब्दी मना रहा था। कविता के  
साथ साथ जोन्स के सन 1807 के मुताल्लिक लेख भी  
पुस्तक के आखीर में दिये गये हैं। सम्पादक अपनी भूमिका  
में लिखते हैं:—"जबकि हिन्दुस्तान में देश भर में सन  
1857 की शताब्दी मनाई जा रही है वह याद करके खुशी  
होती है कि कम से कम एक अङ्कुरेज तो था जो 1857 के  
विद्रोह को न केवल मुनासिब और ठीक समझता था बल्कि  
उसे होके रहने वाली घटना मानता था।" जोन्स 26  
जनवरी 1859 को पैदा हुआ और 21 जनवरी 1869 को  
मरा। जोन्स ने ब्रिटिश शासक नीति की खबरदस्त मुखाल-  
फत की। उसके विद्रोही विचारों के सबब उसे 6 जून सन  
1848 को गिरफ्तार कर लिया गया और 9 जुलाई सन्  
1850 तक उसे जेल में रहना पड़ा। जिस काल कोठरी में  
उसे सनवाई में रखा गया वह 13 फुट लम्बी और सिर्फ  
6 फुट चौड़ी थी। इतनी खुली हुई थी कि बारिश का पानी  
और बस्फीले तूफानों के थपेड़े इधर में उधर निकल जाते  
थे। जोन्स की सेहत बेहद खराब हो गई। वहीं उस काल  
कोठरी में जोन्स ने 'द्वि न्यू वर्ल्ड' नाम की कविता लिखी  
जो बाद में सन 1857 में 'द्वि रिवोल्ट आफ हिन्दुस्तान  
आर न्यू वर्ल्ड' नाम से छपकर शायी हुई। जेल में लिखने  
का सामान नहीं था। जोन्स ने एक पुरानी किताब के हाशि-  
यों पर अपने खून से वह कविता लिखी। पूरी की पूरी  
न कम बेहद सुन्दर है। एक नमूना देखें:—

میں نہرسمنا، ہندو اور مسلمانان باہو، اپنے چوٹے-چوٹے تفرکوں کو بھل جاؤ اور مہمانہ جنگ میں ایک جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو جاؤ۔ جو بھی شخص اس قومی جنگ کی مخالفت کرے گا وہ خود اپنے سر پر کلہاڑی مارے گا اور خودکشی کا گناہ کرے گا۔"

اس نوٹ سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ دہش کی سیاسی تصویر اس سے بھی لوگوں کے سامنے اتنی صاف تھی کی جتنی آج ہے۔

دہش کے پورے کے دنوں میں انسانی فہمائوں میں آپس میں سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا اشارہ 'پیام آزادی' میں چھپی سمرات بہادر شاہ ظفر کی ایک نظم کے اس شعر سے ملتا ہے۔

"کافس میں ہے کیا فائدہ شور و غل ہے؛  
آہرو کرو کچھ رہائی کی باتیں۔"

### اخبار کے گامک پھانسی کے تختے پر

اوپر کے بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ 'پیام آزادی' ہلاک ہمارے کام سے پہلا راہرو پتر تھا۔ سر ولیم ہاورڈ نے لکھا ہے کہ "دلی پر قبضہ کرنے کے بعد 'پیام آزادی' نے سپہانک مرزا بہادر بخت کے بدن پر سر کی چابی مل کر انہیں پھانسی سے دی گئی۔" سر ہولمز کٹن اپنی پستک 'انڈین ایلڈ ہوم مینائرس' میں لکھتے ہیں کہ "انگریزوں کے دلی پر قبضہ کرنے کے بعد وہ سبھی لوگ پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے تھے جن کے گھروں میں 'پیام آزادی' کا کوئی نمبر ملتا تھا۔" دنیا کے اخباری انہاس میں شاید کسی بھی اخبار کے پائیکس کو پالٹک ہونے کے اپورہ کی ایسی ظالمانہ سزا نہ ملی ہو گی۔

میں نہ پھنسا۔ ہندو اور مسلمانان باہو، اپنے چوٹے-چوٹے تفرکوں کو بھل جاؤ اور مہمانہ جنگ میں ایک جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو جاؤ۔ جو بھی شخص اس قومی جنگ کی مخالفت کرے گا وہ خود اپنے سر پر کلہاڑی مارے گا اور خودکشی کا گناہ کرے گا۔"

اس نوٹ سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ دہش کی سیاسی تصویر اس سے بھی لوگوں کے سامنے اتنی صاف تھی کی جتنی آج ہے۔

دلی کے گھروں کے دنوں میں انسانی فہمائوں میں آپس میں سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا اشارہ 'پیام آزادی' میں چھپی سمرات بہادر شاہ ظفر کی ایک نظم کے اس شعر سے ملتا ہے۔

"فہس میں ہے کیا فائدہ شور و غل ہے؛  
آہرو کرو کچھ رہائی کی باتیں۔"

اخبار کے گامک پھانسی کے تختے پر

اوپر کے بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ 'پیام آزادی' ہلاک ہمارے کام سے پہلا راہرو پتر تھا۔ سر ولیم ہاورڈ نے لکھا ہے کہ "دلی پر قبضہ کرنے کے بعد 'پیام آزادی' نے سپہانک مرزا بہادر بخت کے بدن پر سر کی چابی مل کر انہیں پھانسی سے دی گئی۔" سر ہولمز کٹن اپنی پستک 'انڈین ایلڈ ہوم مینائرس' میں لکھتے ہیں کہ "انگریزوں کے دلی پر قبضہ کرنے کے بعد وہ سبھی لوگ پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے تھے جن کے گھروں میں 'پیام آزادی' کا کوئی نمبر ملتا تھا۔" دنیا کے اخباری انہاس میں شاید کسی بھی اخبار کے پائیکس کو پالٹک ہونے کے اپورہ کی ایسی ظالمانہ سزا نہ ملی ہو گی۔

## بھادورشاہ کا اعلان

'لندن ٹائمز' نے سر ویلیام رسل کو ہی سن 1956 ک جंगे आजादी की रिपोर्ट देने के लिए अपना खास संपादक بناकर यहाँ भेजा था. उन्होंने 'लندن टाइम्स' के सम्पादक जान डिलेन के नाम लखनऊ से अपने एक पत्र के साथ 'पयामे आजादी' में प्रकाशित सम्राट बहादुरशाह का एक ऐलान भी भेजा था जिसे पढ़कर इसमें जरा भी शुबहा नहीं रह जाता कि सन 57 का युद्ध भारत की स्वाधीनता का संग्राम था और 'पयामे आजादी' उस युद्ध का मुख पत्र था. वह ऐलान इस प्रकार है:—

'हिन्दुस्तान के हिन्दुओं और मुसलमानों' उठो ! भाइयों, उठो ! खुदा ने इनसान को जितनी बरकतें अता की हैं उनमें सब से कीमती बरकत आजादी की है. वह खालिम नाकस जिसने धोका दे दे कर हम से यह बरकत छीन ली है क्या हमेशा के लिए हमें उससे महकूम रख सकेगा ? क्या खुदा की मरजी के खिलाफ इस तरह का काम हमेशा जारी रह सकता है ? नहीं, कभी नहीं, फिरंगियों ने इतने जुल्म किये हैं कि उनके गुनाहों का प्याला लबरेज हो चुका है... खुदा अब नहीं चाहता कि तुम खामांश रहो क्योंकि उसने हिन्दुओं और मुसलमानों के दिलों में अंग्रेजों को अपने बतन से बाहर निकालने की खाहिश पैदा कर दी है और खुदा के फल से और तुम लोगों की बहादुरी से जल्द ही अंग्रेजों को इतनी कामिल शिकस्त मिलेगी कि हमारे इस मुल्क हिन्दुस्तान में उनका जरा भी निशान न रह जायगा. हमारी इस फौज में छोटे बड़े की कोई तमीज न होगी. सब के साथ बराबरी का बर्ताव किया जायगा. इस पाक जंग में शरीक होने वाले सब आपस में भाई-भाई हैं. उनमें छोटे-बड़े का कोई फर्क नहीं. मैं अपने तमाम हिन्दी भाइयों से दरखास्त करता हूँ कि वह खुदा के बताये हुए इस पाक फर्ज को पूरा करने के लिए मैदाने जंग में कूद पड़े."

जी० बी० मालेसन ने अपनी पुस्तक 'दि रेड पैन्फ्लेट' में 'पयामे आजादी' के एक सम्पादकीय नोट का जिक्र किया है जिसमें लिखा है कि "हिन्दू के बारिन्दों. अरसे से जिसका इन्तजार था आजादी की वह पाक वही आन पहुँची है.....हिन्दुस्तान के बारिन्दे अब तक धोके में आते रहे और अपनी ही तलवारों से अपने ही गले काटते रहे. अब हमें मुल्क फरोशी के इस गुनाह का कुफारा (प्रायश्चित्त) करना चाहिये. अंग्रेज अब भी अपनी पुरानी दगाबाजी से काम लेंगे. वे हिन्दुओं को मुसलमानों के खिलाफ और मुसलमानों को हिन्दुओं के खिलाफ उभारने की कोशिश करेंगे. लेकिन भाइयों, उनके जाल और फरेबों

"लندن 'ताइम्स' ने सर विलियम रسل को ही सन 1956 की एक आजादी की रिपोर्ट देने के लिए अपना खास संपादक बना कर भेजा था. उन्होंने 'लन्डन टाइम्स' के सम्पादक जान डिलेन के नाम लिखते हुए अपने एक पत्र के साथ 'पयामे आजादी' में प्रकाशित सम्राट बहादुरशाह का एक ऐलान भी भेजा था जिसे पढ़कर इसमें जरा भी शुबहा नहीं रह जाता कि सन 57 का युद्ध भारत की स्वाधीनता का संग्राम था और 'पयामे आजादी' उस युद्ध का मुख पत्र था. वह ऐलान इस प्रकार है:—

"هندستان کے ہندو اور مسلمانو! اٹھو ! بھائیو اٹھو ! خدا انسان کو جتنی برکتیں عطا کی ہیں ان میں سب سے بڑی برکت آزادی کی ہے. وہ ظالم ناکس جس نے دھوکا دیا کہ ہم سے یہ آزادی چھین لی ہے کیا ہمیشہ کے لئے ہمیں اس سے محروم رکھ سکیگا ؟ کیا خدا کی مرضی کے خلاف اس کا کام ہمیشہ جاری رہ سکتا ہے ؟ نہیں، کبھی نہیں! ہمیں نے اتنے ظلم کئے ہیں کہ ان کے گناہوں کا پیالہ لبریز ہو رہا ہے... خدا اب نہیں چاہتا کہ تم خاصہی رہو کیونکہ اس ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں میں انگریزوں کو اپنے وطن بامر نکالنے کی خواہش پیدا کر دی ہے اور خدا کے فضل اور لوگوں کی بہادری سے جلد ہی انگریزوں کو اتنی مکمل شکست ملے گی کہ ہمارے اس ملک ہندستان میں ان کا ذرا نشان نہ رہ جائیگا. ہماری اس فوج میں چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہ ہو گی. سب کے ساتھ برابری کا برتاؤ دیا جائیگا. ہر ایک جنگ میں شریک ہونے والے سب آپس میں بھائی بھائی ہوں. ان میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں. ہمیں ہندو بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ خدا کے ہاتھ سے اس پاک فرض کو پورا کرنے کے لئے میدان جنگ میں پڑیں."

جی. جی. مایسن نے اپنی ہسٹک 'دی ریڈ پنفلٹ' میں 'پام آزانو' کے ایک سیمپلری نوٹ کا ذکر کیا ہے جس میں اس نے "ہند کے بارہندے. عرصے سے جس کا انتظار تھا آزادی وہ پاک کھڑی آن پہنچی ہے...ہندستان کے بارہندے اب اس دھوکے میں آئے رہے اور اپنی تلواروں سے اپنے ہی گالے کاٹتے رہے. اب ہمیں ملک فروشی کے اس گناہ کا کفارہ 'پراشچیت' اچھلنے. انگریز اب بھی اپنی پرانی دغا بازی سے کام لیں گے. ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف اٹھانے کی کوشش کریں گے. لیکن بھائیو! ان کے جال و فریبوں



میدان میں تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب 'دی وار اینڈ کریمنی' میں انجیولسٹا کی بااثر شاہیہ کا رویہ نگاہ سے لکھا ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ 'ہندوستان میں راجہ کی ایک اخباروں کے نہ ہونے سے ان کے فساد اخباری بیانیوں کی جانچ کرتے ہوئے سر بلیوین نے لکھا ہے کہ 'بہت سے یورپی اور ایشیائی ممالکوں سے بااثر ہندوستان کے اس سائنس دان کے پاس پتہ تھا کہ وہ سبھی ممالکوں میں جو انہیں پورب کی کسی پر سہ ہندوستان کا مشہور اور بااثر اخبار نویس بنا سکتے تھے۔

تاریخی سلسلے کی یہ کڑیاں دھڑکیں تھیں جو یہ بتاتی ہیں کہ ہندوستان کے انجیولسٹا نے کون سا خاص کام اپنے ہاتھوں میں لیا، پر 'پہلا ہندوستان' کے ان نمبر برٹش سائنس ہال میں سن 1936 تک 'سورکشٹ' کے ان سے پتہ چلتا ہے کہ 'پہلا ہندوستان' کے پندرہ نمبر میں پہلی نمبر کی ایک کتاب کے متعلق انجیولسٹا کا ایک بیان چھپا تھا۔ انہیں انہیں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے اس سب سے پہلے اور سچے اخباری پتہ کا پرکاشن فروری سن 1857 کے قریب شروع ہوا تھا اور مرزا بدر بخشت کے دستخطی ہونے سے یہ چھپا کرنا تھا۔ یہی آج کل کے ممبروں میں بادشاہ کے حکم سے مرزا بدر بخشت اس پتہ کے 'سہادک' اور ہرکاشک تھے۔

'پہلا ہندوستان' کے نمبروں سے سن 1757 کے سوانحیتا خیرام پر لکھی انجیولسٹا کی پڑتی ہے۔ سن 1858 میں لندن سے لکھی گئی 'دی نیشنل آف دی انڈین ریویو' نامک کتاب میں 'پہلا ہندوستان' کا ایک تذکرہ دیا گیا ہے جس میں انجیولسٹا کی پلٹوں سے انجیولسٹا کی جگہ میں شامل ہونے کی اپیل کی گئی تھی۔ اس میں لکھا ہے:—

"ہندوستان، دہلی میں فرنگیوں کے ساتھ انجیولسٹا کی جگہ ہو رہی ہے۔ انجیولسٹا کی دہلی سے ہمارے انہیں جو پہلی شہادت دی ہے اس سے وہ اتنا گہرا گئے ہیں جتنا کسی دوسرے وقت وہ دہلی شہر میں سے بھی نہ گہرا گئے۔ یہ ہندوستان کی دہلی میں ان کے جمع ہو رہے ہیں۔ اسے موقع پر اگر آپ کہنا چاہیں تو یہ ہندوستان میں آ کر ڈھونڈ لیں۔ ہمارے کان اس طرح آپ کی اور لکے ہوئے ہیں جس طرح دروازوں کے کان موزوں کی آذان کی طرف لکے رہتے ہیں۔ ہم آپ کی قیوں کی آواز سننے کے لئے بے چین ہیں۔ ہماری آنکھیں آپ کی دہلی کی ہندوستان کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ فوراً آئے۔ ہمارا گھر آپ کا گھر ہے۔ ہمارے آپ کی آمد کے لئے ہم میں ہول نہیں آسکتے۔"

میدان میں تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب 'دی وار اینڈ کریمنی' میں انجیولسٹا کی بااثر شاہیہ کا رویہ نگاہ سے لکھا ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ 'ہندوستان میں راجہ کی ایک اخباروں کے نہ ہونے سے ان کے فساد اخباری بیانیوں کی جانچ کرتے ہوئے سر بلیوین نے لکھا ہے کہ 'بہت سے یورپی اور ایشیائی ممالکوں سے بااثر ہندوستان کے اس سائنس دان کے پاس پتہ تھا کہ وہ سبھی ممالکوں میں جو انہیں پورب کی کسی پر سہ ہندوستان کا مشہور اور بااثر اخبار نویس بنا سکتے تھے۔

انہوں نے اپنی کتاب 'دی وار اینڈ کریمنی' میں انجیولسٹا کی بااثر شاہیہ کا رویہ نگاہ سے لکھا ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ 'ہندوستان میں راجہ کی ایک اخباروں کے نہ ہونے سے ان کے فساد اخباری بیانیوں کی جانچ کرتے ہوئے سر بلیوین نے لکھا ہے کہ 'بہت سے یورپی اور ایشیائی ممالکوں سے بااثر ہندوستان کے اس سائنس دان کے پاس پتہ تھا کہ وہ سبھی ممالکوں میں جو انہیں پورب کی کسی پر سہ ہندوستان کا مشہور اور بااثر اخبار نویس بنا سکتے تھے۔

'پہلا ہندوستان' کے نمبروں سے سن 1857 کے سوانحیتا خیرام پر لکھی انجیولسٹا کی پڑتی ہے۔ سن 1858 میں لندن سے لکھی گئی 'دی نیشنل آف دی انڈین ریویو' نامک کتاب میں 'پہلا ہندوستان' کا ایک تذکرہ دیا گیا ہے جس میں انجیولسٹا کی پلٹوں سے انجیولسٹا کی جگہ میں شامل ہونے کی اپیل کی گئی تھی۔ اس میں لکھا ہے:—

"ہندوستان، دہلی میں فرنگیوں کے ساتھ انجیولسٹا کی جگہ ہو رہی ہے۔ انجیولسٹا کی دہلی سے ہمارے انہیں جو پہلی شہادت دی ہے اس سے وہ اتنا گہرا گئے ہیں جتنا کسی دوسرے وقت وہ دہلی شہر میں سے بھی نہ گہرا گئے۔ یہ ہندوستان کی دہلی میں ان کے جمع ہو رہے ہیں۔ اسے موقع پر اگر آپ کہنا چاہیں تو یہ ہندوستان میں آ کر ڈھونڈ لیں۔ ہمارے کان اس طرح آپ کی اور لکے ہوئے ہیں جس طرح دروازوں کے کان موزوں کی آذان کی طرف لکے رہتے ہیں۔ ہم آپ کی قیوں کی آواز سننے کے لئے بے چین ہیں۔ ہماری آنکھیں آپ کی دہلی کی ہندوستان کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ فوراً آئے۔ ہمارا گھر آپ کا گھر ہے۔ ہمارے آپ کی آمد کے لئے ہم میں ہول نہیں آسکتے۔"

سن ۱۷۵۷ سے لے کر سن ۱۹۳۰ تک भारत کے بھتن پرست اخباروں کی سرکشی کا इतिहास कमोवेश भारतीय राष्ट्रीयता की सरकشی का इतिहास समझा जा सकता है. इस लम्बे दौर में एक ओर भारतीय पत्रकारों को अगर रुपये पैसों की जरूरत दिक्कत का सामना करना पड़ा तो दूसरी ओर अर्थकर सरकारी दमन का भी. फिर भी जिस निडरता के साथ त्यागमय सेवाभाव लेकर भारतीय पत्रकारों ने नागरिक स्वाधीनता, विचारों की आजादी और राजनीतिक आजादी के भावों का प्रचार किया वह संसार की पत्रकार कला के इतिहास का एक शानदार अध्याय है देशव्यापी कोशिशों से आजादी का जो चमकदार भवन आज हम अपने देश में तामीर कर रहे हैं उसकी नींव में शहीदों के साथ-साथ पत्रकारों के भी अस्थिरंजर पड़े हुए हैं. سن ۱۹۰۴ से लेकर سن ۱۹३० ई० तक भारतीय अखबार नवीसी और बतन परस्ती दोनों का एक ही मतलब रहा है.

### ‘पयामे आजादी’

सच्चे अर्थ में जो सब से पहला राष्ट्रीय पत्र हमारे देश में प्रकाशित हुआ वह ‘पयामे आजादी’ था. यह फरवरी १८५७ से दिल्ली में छपना और शाये होना शुरू हुआ. यह नागरी और उर्दू दोनों लिपियों में लीथो पर छपा करता था. पर इसके प्रकाशन की कोई तैयारी नहीं थी. कभी सबेर छपता था तो कभी शाम को, कभी राज छपता था तो कभी एक दिन के अंतर पर. इस पत्र के प्रकाशन की योजना नाना साहब धुन्धपन्त के मंत्री और सलाहकार तथा सन् १८५७ की महान् क्रांति के संयोजक अजीमुल्ला ने बनाई थी. सितम्बर सन् १८५७ में मौसी से ‘पयामे आजादी’ का एक मराठी एडिशन भी प्रकाशित होने लगा था. उसकी केवल एक ही कापी ब्रिटिश म्यूजियम में मिलती है.

सन् १८५४ में अजीमुल्ला पेशवा नानासाहब के वकील की हैसियत से विलायत गये थे, पर उनका असली मकसद यूरोप के जनमत को भारतीय स्वाधीनता का समर्थक बनाना था और रूस तथा इटली से खास तौर पर जंगे इनकलाब के लिये हथियारों और सैनिकों की सहायता हासिल करना था. अपने इसी सफर में अजीमुल्ला ने यूरोपीय भाषाओं के कई अखबारों के जरिये भारतीय आजादी के सबाल को यूरोपीय जनता के सामने रखा था. गुलिबन इन्ही सफर में उन्होंने ‘पयामे आजादी’ के लिए प्रेस आवि का इन्तजाम भी किया था.

‘लन्डन टाइम्स’ के विशेष प्रतिनिधि सर विलियम हावर्ड रसल से अजीमुल्ला की भेंट कीमिया के लड़ाई के

سن 1857 سے لے کر سن 1930 تک भारत کے بھتن پرست اخباروں کی سرکشی کا इतिहास कमोवेश भारतीय राष्ट्रीयता की सरकشی का इतिहास समझा जा सकता है. इस लम्बे दौर में एक ओर भारतीय पत्रकारों को अगर रुपये पैसों की जरूरत दिक्कत का सामना करना पड़ा तो दूसरी ओर अर्थकर सरकारी दमन का भी. फिर भी जिस निडरता के साथ त्यागमय सेवाभाव लेकर भारतीय पत्रकारों ने नागरिक स्वाधीनता, विचारों की आजादी और राजनीतिक आजादी के भावों का प्रचार किया वह संसार की पत्रकार कला के इतिहास का एक शानदार अध्याय है देशव्यापी कोशिशों से आजादी का जो चमकदार भवन आज हम अपने देश में तामीर कर रहे हैं उसकी नींव में शहीदों के साथ-साथ पत्रकारों के भी अस्थिरंजर पड़े हुए हैं. سن ۱۹۰۴ से लेकर سن ۱۹३० ई० तक भारतीय अखबार नवीसी और बतन परस्ती दोनों का एक ही मतलब रहा है.

### ‘पयामे आजादी’

سچے اर्थ میں جو سب سے پہلا راشتریہ پتر ہمارے دیش میں پرکاشت ہوا وہ ‘پيام آزادی’ تھا . یہ فروری 1857 سے دلی میں چھپنا اور شائع ہونا ہوا . یہ ناگروی اور اردو دونوں ادو میں لکھو پر چھپا کرتا تھا . ہر اس کے پرکاشن کی کوئی ملہ شدہ تاریخیں نہ تھیں . کبھی سویرے چھپتا تھا تو کبھی شام کو، کبھی روز چھپتا تو کبھی ایک دن کے انتر پر . اس پتر کے پرکاشن کی بیچنا نانا صاحب دھند بھت کے منبری اور صاحبکار تھا سن 1857 کی مہاں کرانٹی کے سنہوجک عظیم اللہ نے بنائی تھی . ستمبر سن 1857 میں چانسی سے ‘پيام آزادی’ کا ایک مراٹھی ایڈیشن بھی پرکاشت ہوئے لکا تھا . لیکن اس کی کبول ایک ہی کاپی برٹش موزیم میں ملتی ہے .

سن 1854 میں عظیم اللہ پشوا نانا صاحب کے وکیل کی حیثیت سے ولایت گئے تھے . پر ان کا اصلی مقصد یورپ کے جن مت کو بھارتیہ سوادھینا کا سمرٹھک بنانا تھا اور روس تھا اٹلی سے خاص طور پر جنگ انتقام کے لئے فہتاروں اور سونگوں کی سپاہینا حاصل کرنا تھا . اپنے اسی سفر میں عظیم اللہ نے یورپی بھاشاؤں کے کئی اخباروں کے ذریعہ بھارتیہ آزادی کے سوال کو یورپی جملنا کے سامنے رکھا تھا . غالباً اسی سفر میں انہوں نے ‘پيام آزادی’ کے اٹھ پریس آدی کا انتظام بھی کیا تھا .

‘لندن ٹائمز’ کے رشیہ ہرٹیندھی سرولم ہاندرہ رمل سے عظیم اللہ کی بھینٹ کریمیا کے لڑائی کے

## شاہیہ آجرام بھادورشاہ کی یاد میں

ایک دین ایک فرنگی رنگین کی سوک پر جا رہا تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ بادشاہ کا مزار وہیں پر ہے۔ اسے اس نے ایک مٹی کا ٹیلہ سمجھ کر ”لوٹ“ کی ایک ٹھوکر جمانی۔ اس بوجھارے کو کیا معلوم تھا کہ ایک آزادی کا بھاری اس میں ہمیشہ کی نجات ہو رہا ہے۔

ہمارے ہر دین اعلیٰ نیتا جی سوभाष जब रंगून गये तब उस मजार की मिट्टी को उन्होंने अपने माथे पर लगाया और गद्दी बहादुरशाह की कृपा पर बिपटकर अक्रीदत (भक्ति) के आँसू चढ़ाये۔ बहुत देर तक वे आँसू बहाते रहे, हाँ, बहादुर हमेशा बहादुर की इज्जत करता है! भारत के हिन्दू मुसलमान भाइयों को बहादुरशाह की बहादुरी पर नाज (गर्व) होना चाहिये।

हिन्दू मुसलमान एकता जिन्दाबाद!

शाहीदे आजाम बहादुरशाह जिन्दाबाद!

## شہد اعظم بہادر شاہ کی یاد میں

ایک دن ایک فرنگی رنگین کی سوک پر جا رہا تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ بادشاہ کا مزار وہیں پر ہے۔ اسے اس نے ایک مٹی کا ٹیلہ سمجھ کر ”لوٹ“ کی ایک ٹھوکر جمانی۔ اس بوجھارے کو کیا معلوم تھا کہ ایک آزادی کا بھاری اس میں ہمیشہ کی نجات ہو رہا ہے۔

ہمارے ہر دلمیزب نیتا جی سوभाष जब रंगून गये तब उस मजार की मिट्टी को उन्होंने अपने माथे पर लगाया और गद्दी बहादुरशाह की कृपा पर बिपटकर अक्रीदत (भक्ति) के आँसू चढ़ाये۔ बहुत देर तक वे आँसू बहाते रहे, हाँ, बहादुर हमेशा बहादुर की इज्जत करता है! भारत के हिन्दू मुसलमान भाइयों को बहादुरशाह की बहादुरी पर नाज (गर्व) होना चाहिये।

ہندو مسلم ایکٹا زندہ باد!

شہد اعظم بہادرشاہ زندہ باد!

## ۱۸۵۷ کا دیشبکت اخبار 'پیام آزادی'

### 'پیام آزادی'

विश्वम्भरनाथ पांडे

भारत की आजादी की लड़ाई के लम्बे दौर में भारतीय समाचार पत्रों, खासकर देशी भाषाओं के समाचार पत्रों का सहयोग उतना ही शानदार है जितना कि उसके लिये आत्मबलि देने वाले शाहीदों का। आजादी के इतिहास के पन्नों में उनके सहयोग का जिक्र अकसर किया नहीं जाता। सच तो यह है कि आजादी की शानदार इमारत की नींव में शाहीदों के साथ अनेक शाहीद पत्रकारों की भी इड्डियाँ पड़ी हुई हैं। १८५७ के ऐसे एक बहादुर अखबार के बलिदान की अमर कहानी यहाँ दी जा रही है, जबकि अनेक शाहीदों की यादगारें जहाँ तहाँ खड़ी की जा रही हैं तब क्या इस साथी पत्रकार की कोई यादगार खड़ी नहीं की जा सकती?

## 1857 का دیشبکت اخبار 'پیام آزادی'

وشمیر نانہ پانڈے

بھارت کی آزادی کی لڑائی کے لمبے دور میں بھارتیہ سماچار پتروں، خاص کر دیشی بھاشاؤں کے سماچار پتروں کا سہوگ اتنا ہی شاندار ہے جتنا کہ اس کے لئے آتم بلی دینے والے سہودوں کا آزادی کے انہس کے پاد میں ان کے سہوگ کا ذکر انڈر کیا نہیں جانا۔ سچ تو یہ ہے کہ آزادی کی شاندار عمارت کی نڈو میں سہودوں کے ساتھ انیک شہید پتروں کی بھی ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں۔ 1857 کے ایسے ایک بھادر اڈیلر کے بلیدان کر امر کہانی یہاں دی جا رہی ہے۔ جب کہ انیک شہیدوں کی یادگاریں جہاں جہاں کھڑی کی جا رہی ہیں تب کیا اس ساہی پتروں کی کوئی یادگار کھڑی نہیں کی جا سکتی!

شاہ کے دھڑالوں سے سبھا بائیکاٹ ہے۔ بھادور شاہ نے چاروں طرف فرمان بھجوا دیا۔ وہ لوگ اپنے وطن کی عزت و آبرو بچانے کے لئے تلوار کی کھات پر چلنے کو بھی تیار تھے۔ چاہے جان ہی چلی جائے مگر ان نہیں۔ یہی ان کا اصول تھا۔ ان لوگوں کی جذبہ جہد سے ہی سپاہیوں کی آزادی کی لڑائی شروع ہو گئی! فرنگیوں کی نظر میں یہ "غیر" تھا "مہولہ" تھی! مگر آزادی کے متوالوں کے لئے یہ "جنگ آزادی" تھا۔ پہلا قدم تھا۔ اس نے ہندوستان کی توریخ کو اور بھی روشن کر دیا تھا! فرنگیوں کے ساتھ لڑائی ہونے لگی۔ لیکن ہوا کیا؟ "دھڑ" کا بھیدی لٹکا دیا "وہ" والی مثل سیج نکلی! بھادور شاہ کا سدھی الہی بخش فرنگیوں سے مل گیا۔ ان کی چالوں سے بھادور شاہ تنگ آچکا تھا اور آخر ہمایوں کے مقبرہ میں گرفتار کر لئے گئے۔

ان کی گرفتاری کے بعد ہندوستان نے بادشاہ کے ہاتھوں کو گولی مار دی۔ بادشاہ کے ہاتھوں کے سر ایک طشت میں رکھ کر ہندوستان بادشاہ کے سامنے لے گیا اور کہا—"بادشاہ سلامت کی خدمت میں کھلی کی اور سے یہ نذر پیش ہے!" اس ظالم نے قہقہے سرور پر سے اٹھوا ہٹا دیا! بادشاہ نے منہ بند کر کہا—"الحمد للہ!"

ان کی گرفتاری کے بعد ہندوستان نے بادشاہ کے ہاتھوں کو گولی مار دی۔ بادشاہ کے ہاتھوں کے سر ایک طشت میں رکھ کر ہندوستان بادشاہ کے سامنے لے گیا اور کہا—"بادشاہ سلامت کی خدمت میں کھلی کی اور سے یہ نذر پیش ہے!" اس ظالم نے قہقہے سرور پر سے اٹھوا ہٹا دیا! بادشاہ نے منہ بند کر کہا—"الحمد للہ!"

بادشاہ نے جواب دیا—

دہلی کے شہریوں نے کہا—

"دہلی میں ہم نہیں بھر بھر مانگو جان کی! پھر ڈنڈا ڈھکے شامگاہی ہندوستان کی! بادشاہ نے جواب دیا—

"گاہیوں میں بڑھائی جب تلک ایمان کی، تکتے لہندہ تلک بولے گی، تہہ ہندوستان کی!"

بادشاہ گریختار ہوا اور رینگنے لگا۔ وہاں وہاں پر جو کچھ بھی تھا وہاں سے باہر ہے۔ ان کی حالت پر پتھر بھی رہا۔ ان کو دانے دانے کے لئے ترسنا ہوا! ان کی حالت پر پتھر بھی رہا۔ ان کو دانے دانے کے لئے ترسنا ہوا! ان کی حالت پر پتھر بھی رہا۔ ان کو دانے دانے کے لئے ترسنا ہوا!

پس مرگ مہرہ مزار پر جو دیا کسو نے چل دیا

اے آہ دامن ہاں نے سر شام سے ہی بچھا دیا۔

مہرہ آنکھیں نہیں ایک پل، نہیں دل نے کہا

کہیں آئے کے چل

دل بے قرار ہے ان کو مجھے چمکی لے کے چکا دیا۔

پس مرگ مہرہ پہ لے "ظفر" پڑھے فاتحہ کہی ان کو

وہ جو لہنی قبر کا تھا لہلہا اے لہو لہو سے ملتا دیا۔

بہادر شاہ برائے نام بادشاہ تھے۔ اپنی خیمگی کی شروعات میں ہی وہ رنج و غم کے شکار ہو چکے تھے۔ اُن کے والد (پتا) بھی اُن سے ناراض تھے۔ وہ اپنے دوسرے فرزند (پتر) کو راجگی مینا چاہتے تھے۔ اِس لئے بہادر شاہ کو گھر سے الگ رکھا گیا۔ وہ "فن و حکمت" (کلاکار) کے کھڑے تھے۔ وہ عساکر اور کلاکاروں کے راگیدار تھے۔ بہادر شاہ کی شاہی میں نیچی مچھریوں کی جگہ دیہات کی مچھریاں تھیں۔

"میری آواز بند ہو جب تلک،  
بہ نجر میں نرے-ملاک کا،  
کھلی آواز تو نہ سہار رہی،  
کی وہ کھلا کا کی کھلا کا،  
میرے دل میں تھا کی کھلا کا،  
جو وہ دل پہ رنہ-ملاک ہے،  
بہ نجر کا گیا میرے سامنے،  
ن تو رنہ کا نہ ملاک کا۔"

بہادر شاہ کی بے بسی کے دنوں میں اُن کی بیگم خیمت محل میں رہتی تھیں۔ بیگم سیاست کی کئی ٹھیک ٹھیک سلجھائی تھی۔ اِس لئے انگریز اُن سے خبردار تھے۔ بیگم خیمت محل میں اپنے پیارے بادشاہ کے لئے اپنے عیش و آرام کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ بہادر شاہ کے ساتھ انقلاب میں کود پڑی اور جیل میں قید رہ کر آخری دم تک بہادر شاہ کے ساتھ مصروف رہیں۔

بہادر شاہ کا بیٹا جواں بخت تھا، جو انگریزوں کی بالباچی اور مکاری سے خوب واقف تھا۔ اِس لئے انگریز اُس سے جملہ تھے۔ اِس لئے اُسے ولی عہد مقرر کیا گیا۔ اُنہوں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے اُپدے کے دو چیرا تھے۔ ایک جواں بخت تھا اور دوسرا خیمت محل میں رہتا تھا۔ اُن کی زندگی نہ آسان تھی۔ وہ تھے برائے نام کے بادشاہ۔ اُن کو کوئی آزادی نہ دی گئی۔ انگریزوں کی یہ کرتوت بہادر شاہ کی خود داری کے لئے ایک چیلنج تھی۔ لارڈ ایبلن پروگروٹر جنرل ہوا اِس نے بادشاہ کو قید اور اُن کے جملہ دن میں نذر دینے کی جو رسم تھی اُسے بدل کر دیا۔ بادشاہ کی حالت بڑی دردناک تھی۔

بہادر شاہ کا بیٹا جواں بخت تھا، جو انگریزوں کی بالباچی اور مکاری سے خوب واقف تھا۔ اِس لئے انگریز اُس سے جملہ تھے۔ اِس لئے اُسے ولی عہد مقرر کیا گیا۔ اُنہوں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے اُپدے کے دو چیرا تھے۔ ایک جواں بخت تھا اور دوسرا خیمت محل میں رہتا تھا۔ اُن کی زندگی نہ آسان تھی۔ وہ تھے برائے نام کے بادشاہ۔ اُن کو کوئی آزادی نہ دی گئی۔ انگریزوں کی یہ کرتوت بہادر شاہ کی خود داری کے لئے ایک چیلنج تھی۔ لارڈ ایبلن پروگروٹر جنرل ہوا اِس نے بادشاہ کو قید اور اُن کے جملہ دن میں نذر دینے کی جو رسم تھی اُسے بدل کر دیا۔ بادشاہ کی حالت بڑی دردناک تھی۔

بھاگ کر اُٹھانے مصر لے گیا۔  
کیا صاف اِس قدر تنگ نہ پایا۔

اب تک فرنگیوں کا پیر، خوب جملہ چکا تھا۔ لکھنؤ کے نواب واجد علی شاہ کا نصرت چھین لیا گیا! کاشی کا ہک ٹوکرا گیا! اب ہمارے ہر سے جاگ اٹھا! صاحب کی پادشاهی باد ہو چکی تھی۔ وہ بہادر

بہادر شاہ برائے نام بادشاہ تھے۔ اپنی خیمگی کی شروعات میں ہی وہ رنج و غم کے شکار ہو چکے تھے۔ اُن کے والد (پتا) بھی اُن سے ناراض تھے۔ وہ اپنے دوسرے فرزند (پتر) کو راجگی مینا چاہتے تھے۔ اِس لئے بہادر شاہ کو گھر سے الگ رکھا گیا۔ وہ "فن و حکمت" (کلاکار) کے کھڑے تھے۔ وہ عساکر اور کلاکاروں کے راگیدار تھے۔ بہادر شاہ کی شاہی میں نیچی مچھریوں کی جگہ دیہات کی مچھریاں تھیں۔

"میری آواز بند ہو جب تلک،  
بہ نجر میں نرے-ملاک کا،  
کھلی آواز تو نہ سہار رہی،  
کی وہ کھلا کا کی کھلا کا،  
میرے دل میں تھا کی کھلا کا،  
جو وہ دل پہ رنہ-ملاک ہے،  
بہ نجر کا گیا میرے سامنے،  
ن تو رنہ کا نہ ملاک کا۔"

بہادر شاہ کی بے بسی کے دنوں میں اُن کی بیگم خیمت محل میں رہتی تھیں۔ بیگم سیاست کی کئی ٹھیک ٹھیک سلجھائی تھی۔ اِس لئے انگریز اُن سے خبردار تھے۔ بیگم خیمت محل میں اپنے پیارے بادشاہ کے لئے اپنے عیش و آرام کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ بہادر شاہ کے ساتھ انقلاب میں کود پڑی اور جیل میں قید رہ کر آخری دم تک بہادر شاہ کے ساتھ مصروف رہیں۔

بہادر شاہ کا بیٹا جواں بخت تھا، جو انگریزوں کی بالباچی اور مکاری سے خوب واقف تھا۔ اِس لئے انگریز اُس سے جملہ تھے۔ اِس لئے اُسے ولی عہد مقرر کیا گیا۔ اُنہوں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے اُپدے کے دو چیرا تھے۔ ایک جواں بخت تھا اور دوسرا خیمت محل میں رہتا تھا۔ اُن کی زندگی نہ آسان تھی۔ وہ تھے برائے نام کے بادشاہ۔ اُن کو کوئی آزادی نہ دی گئی۔ انگریزوں کی یہ کرتوت بہادر شاہ کی خود داری کے لئے ایک چیلنج تھی۔ لارڈ ایبلن پروگروٹر جنرل ہوا اِس نے بادشاہ کو قید اور اُن کے جملہ دن میں نذر دینے کی جو رسم تھی اُسے بدل کر دیا۔ بادشاہ کی حالت بڑی دردناک تھی۔

"اُڑا کر اُٹھانے مصر لے گیا۔  
کیا صاف اِس قدر تنگ نہ پایا۔

اب تک فرنگیوں کا پیر، خوب جملہ چکا تھا۔ لکھنؤ کے نواب واجد علی شاہ کا نصرت چھین لیا گیا! کاشی کا ہک ٹوکرا گیا! اب ہمارے ہر سے جاگ اٹھا! صاحب کی پادشاهی باد ہو چکی تھی۔ وہ بہادر

मैं कभी को पीठ का बोझ हूँ,  
मैं फुसक के दिल का गुबार हूँ,  
बो हँसी के दिन बों खुशी के दिन,  
गये 'हथरते' बाक़ी रह गयी,  
कभी बाइये आये-जाऊँ ना,  
भगर अब मैं उधका उतार हूँ."

अगर कोई सच्चा शायर शायराना-दिल लेके बहादुर शाह के मजार के पास टहलता हो तो वहाँ की सदैव हवा में यही आवाज सुनायी पड़ेगी ! मामूली शायर को अपनी हैसियत खूब मालूम है पर बहादुरशाह बादशाह थे, बाबर, अकबर और औरंगजेब के तक्त-मताज को रोशन करने वाले थे. उन जैसे बादशाह को मामूली इन्सान से ज्यादा तकलीफ़देह खिन्दगी बसर करनी पड़ी हो तो उसका अंदाज़ा आसानी से लगा सकते हैं—

आरागर भर न सके मेरे जिगर के नासूर,  
एक गर बंद किया दूसरा रोज़न निकला.

बहादुरशाह को 72 साल की उम्र में “राजगद्दी” मिली। वह भी कैसी ? अकबरशाह के जमाने में ही कम्पनी ने उनके हकीम-बूजुक (अधिकार) को छीन लिया, जिन का “समझौता” कम्पनी के हाकिमों ने बादशाह शाहजहाँ से किया था। अकबरशाह ने पैरवी के वास्ते राजा राम मोहन राय को बकौल बनाकर इंग्लिस्तान भेजा। वहीं राजा सादब का इन्त-काल हो गया, तो मामला ज्यों का त्यों रह गया। अकबर शाह की शिकस्त (हार) हो चुकी थी। अब अंग्रेजों ने और भी जल्म शुरू किये।

जब बहादुरशाह तख्त पर बैठे, तब भी फिरंगियों का बर्ही रवैया जारी रहा. स्वास मौकों पर जो तोहफे (भेंट) नज़र के तौर पर बादशाह को दिये जाते थे, मौकूफ (बन्द) हो चुके थे. जब चार्ल्स मेटकाफ रेजिडेन्ट हुआ, तो उसने सलाह, फोरनिश व मुजरा सब खत्म कर दिया. मुगल-सल्तनत के जवाब (अबनति) के दिन नज़दीक आ गये थे.

फिरिंगियों ने जो बरबरता की था उसे बहादुरशाह  
जैसे आजादी के मतवाले कैसे बर्दाश्त कर सकते थे ? उनकी  
कल क्यादा हो चुकी थी. जुदापे के हाल में भी उन्होंने  
हिम्मत न हारी.

## सुनिये तो सही—

यूँ ही तर्कित अपनी हविष पर लगी हुई,  
मकड़ी की जैसे तार मगल पर लगी हुई,  
आज़ाद करे हमें, बीबाद देखिये,  
रहती है आज बादे-कफ़ल पर लगी हुई.

میں ہوں گی پتہ کا پوچھ ہوں  
میں فلک کے دل کا شمار ہوں ۔  
وہ ہنسی کے دن وہ خوشی کے دن  
گلے حسرتیں باقی رہ گئی ۔  
کبھی بادؔ جامِ ناز تھا  
مگر اب میں اُس کا آثار ہوں ۔

اگر کوئی سچا شاعر شاعرانہ دل لے کے بہادر شاہ کے سوا  
کے پاس پہنچتا ہو تو وہاں کی سرد ہوا میں یہی آواز سنائی  
پڑے گی ! معمولی شاعر کو اپنی حیثیت خوب معلوم ہے پر بہادر  
شاہ بادشاہ تھے۔ بہادر اور اورنگزیب کے تخت و تاج کو روشن  
کرنے والے تھے، ان جیسے بادشاہ کو معمولی انسان سے بھی زیادہ  
تکلیف دہ زندگی بسر کرنا پڑی ہو، تو اس کا اندازہ آسانی سے  
لگا سکتے ہیں۔۔۔

چارہ گر بھر نہ سکے مہرے جگر کا فلسفہ  
ایک دم بدل گیا فوسرا روزن نکلا ۔

نہادر شاہ کو 72 سال کی عمر میں ”راجکسی“ ملی ۔ وہ بھی کسی ؟ اکبر کے زمانے میں ہی کہانی نے اُن حق و حقیق (اندھکار) کو چھوڑ لیا جن کا ”سمجھوتہ“ کہانی کے حاکموں نے بادشاہ شاہ عالم سے کیا تھا ۔ اکبرشاہ نے پوری کے واسطے راجا رام موہن رائے کو وکیل بنا کر انگلستان بھیجا ۔ وہیں راجہ صاحب کا انتقال ہو گیا تو معاملہ جیوں کا تھیں رہ گیا ۔ اکبر شاہ کی شکست ( ہار ) ہو چکی تھی ، اب انگریزوں نے اور بھی ظلم شروع کئے ۔

جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے، تب بھی فرنگیوں کا وہی رویہ جاری رہا۔ خاص موقع پر جو کھنڈہ (ہیڈنٹ) نذر کی طور پر بادشاہ کو دیا جاتے تھے، موقف (ہنڈ) ہو چکا تھے۔ جب چارلس میپکلف ریزیدنٹ تھا تو اُس نے مسلم، کھرنش و متعرا سب ختم کر دیا۔ مغل سلطنت کے زوال (کونٹی) کے دن نزدیک آگئے تھے۔

فرنگیوں نے جو ہرگز کی نہیں اُسے بہادر شاہ جیسے آزادی کے متوالہ کیسے برداشت کر سکتے تھے ؟ اُن کی عمر زیادہ ہو چکی نہیں ۔ بڑھاپے کے حال میں بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری ۔

پیشانی تو بھی

یو نہی طبیعت اپنی حس پر لگی ہوئی،  
مکڑی کی جیسے ناک مکس پر لگی ہوئی۔  
آؤں کب کرے ہمیں عہد دیکھے،  
وہی ہے آنکھ بان نفس پر لگی ہوئی۔

جہانم دیند میں مہی کھنسی کی رانی سے لے کر بھگت  
سید، راج گرو، سکھ گورو، آدی شہیدوں نے جنگ آزادی کا اعلان  
کیا۔ ہمارے سامنے شہیدوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب کا  
مقصد آزادی تھا !

بھادور شاہ بھی آزادی کے لیے کام آیا۔ وہ سستانتے  
میرالیکا کے آخیری چوراغ تھے۔ وہ بادشاہ ہوتے ہوئے بھی وطن پرستی  
(دیش بھکتی) کے شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں جوش  
تھا۔ جذباتی لہروں (ہیوانا کی ترنگوں) آمیز آہنی تھیں۔  
بھادور شاہ کے بارے میں جانتا ہر ایک کا فرض ہے۔

بھادور شاہ 'اردو' کے ایک اچھے شاعر تھے۔ انہوں نے  
"جفر" کے تخلص (نام) سے شہرہ شاعری کی۔ سب  
سے بڑا ہمارے ملک کی آزادی کو قیام رکھنے کے لیے  
انہوں نے جو قربانی کی تھی وہ ہمیشہ زندہ جاوید (سند کے لیے) رہے گی۔

بھادور شاہ کی شاعری میں گہرے جوش و خروش تھے اور  
جیندگی تھی، اصل میں ان کے زمانے تک اردو ادب (سائنس) کا رعبہ "عشق حقیقی"  
یا "مجازی" کے نام پر ہی سہی بہت کچھ گل و بلبل نکال ہی  
محدود (مست) تھا۔ دیگر (انہی) شاعروں کی طرح انہیں  
بھی "اردو شاعری" میں ردیف و قافیہ کی تلکی میں زیادہ مزا  
آتا تھا۔ انہوں نے "ظفر" کے نام سے بہت کچھ لکھا ہے۔ آزادی  
کے لئے انہیں جو تکلیفیں اٹھانی پڑیں سن کر پھر کا کلیجہ  
بھی دو ہونٹ اُٹسوا کر دیا۔

اب ان کا کلم سلیٹے—

"نہ پوچھ مجھ سے 'ظفر' تو میرا حقیقت حال،  
اگر کہو لگا ابھی تجھ کو میں رولا دوں گا۔"

ظفر نے اپنی حقیقت (واستحکات) کو ساف طور  
سے بیان کیا ہے۔ پھر بھی تواریخ (انہاس) نے بھی ان کی زندگی کی  
دردناک حالت پر آنسوئی ہونڈیں بہا دی ہیں—

"جو خزاں ہوئی وہ بہار ہو،  
جو آتر گیا وہ خسار ہو۔  
جو بکڑ گیا وہ نصیب ہو،  
جو آجڑ گیا وہ سنگار ہو۔  
میرا حال قابل دید ہے،  
کہ نہ آس ہے نہ امید ہے،  
میری ٹھٹ کے حسرتیں وہ گئیں،  
میں ان جسروں کا مزار ہو۔  
میں کہاں رہیں، میں کہاں ہوں،  
نہ یہ مجھ سے خوش نہ وہ مجھ سے خوش۔"



हम तो अपनी अजन्ताओं में मग्न हैं,  
तुम विलिप्ती गुबारें उड़ाते रहो.  
फिर न कहना जो यह "पेटमी शोबिदा,"  
खुद तुम्हारा नशेमन जलाने लगे.

ہم تو اپنی اجنٹوں میں مگن ہیں  
تم طعنی غبارے اڑاتے رہو  
پھر نہ کہنا جو یہ "پتلی شوبدا" 8  
خود تمہارا نشہمن 9 جلاتے لگے !

हम तो एक सुबह हैं, सुबहे अमनो अमां।  
अपना पैगाम है "रोशनी-रोशनी,"  
ऐ अंधेरो, उजाले में आजाओ अब,  
हिन्द के बामोदर १० जगमगाने लगे.

ہم تو ایک صبح ہیں صبح امن و امان  
اپنا پیغام ہے "روشنی-روشنی"  
اے اندھرو اچالے میں آجاؤ اب  
ہند کے بام و در 10 جگمگاتے لگے !

[नोट:—1857 के स्वतन्त्रता संग्राम के शताब्दी महोत्सव पर लाल किले में हुए मुशायरों में यह नज्म 16 अगस्त 1957 को पढ़ी गई.]

[نوٹ:—1857 کے سوتنتر استکرام کے شتادی مہو پر لال قلعے میں ہونے مشاعرے میں یہ نظم 16 اگست 1957 کو پڑھی گئی .]

## शहीदे आजम बहादुरशाह की याद में

श्री डी० राजन

जो बतन की आजादी या मजहब के लिये मर मिटता है वह शहीद है. आजादी के लिये कुरबानी की जरूरत है. ऐसे ही "वेश भक्त" हिन्दुस्तान की आजादी के लिये हजारों लाखों की तादाद में कुरबान हो चुके हैं. दरअसल हमारी आजादी की "अमर कहानी" शहीदों के खून से लिखी गयी है. कन्या कुमारी से हिमालय तक कई बतन-परस्त देश-भक्त भारत की आजादी की लड़ाई में कूद पड़े. कन्या कुमारी दक्खिन में है इसीलिये पहले उसका नाम लिया है कि दक्खिन में ही पहले पहल संतों के प्रेम-धर्म ने जन्म लिया और उत्तर तक फैला. शंकर, रामानुज, मध्वाचार्य वैष्णव और शैव-धर्म के संतों ने अपनी अमृत-बानी सुनाई. उत्तर में भी कई संत लोग पैदा हुए.

आजादी की लड़ाई में भी दक्खिन कभी पीछे नहीं रहा. कट्टबोम्बन, राजा देसिह, वीर चिदम्बरम, व० वे० सु० अय्यर, हैदर, टिप्पु, निरुप्पूट कुमरन जैसे शहीदों ने हमेशा के लिये आजादी की अमर ज्योति जलाई.

१. नूर = प्रकाश, २. निकहत = सुगन्ध, ३. बज्ज = सभा ४. रामए = दीप-मोमवत्ती, ५. गुलकिशों = फूल का खिलना, ६. मुस्तकिल = स्थाई, ७. मशराले = काम-काज, ८. शोबिदा = जादू का खेल, ९. नशेमन = चोसला, १०. बामोदर = कांठे और दरवाचे.

## शहीद اعظم بہادر شاہ کی یاد میں

شروی نی۔ راجن

جو وطن کی آزادی یا مذہب کے لئے مڑ مٹتا ہے وہ شہید ہے. آزادی کے لئے قربانی کی ضرورت ہے. ایسے ہی "دیش بھکت" هندستان کی آزادی کے لئے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں قربان ہو چکے ہیں. دراصل ہماری آزادی کی "اُمَر کہانی" شہیدوں کے خوں سے لکھی گئی ہے. کنیا کُماری سے شمالیہ تک کئی وطن پرست دیہی بھکت بھارت کی آزادی کی لڑائی میں کود پڑے. کنیا کُماری دکن میں ہے اسی لئے پہلے اُس کا نام لیا ہے کہ دکن میں ہی پہلے پہل ستنوں کے پریم دھرم نے جنم لیا اور اُنر تک شتکر، رامانج، مدھوا چاریہ دھشو اور شیو دھرم کے ستنوں نے اپنی اُمت ہائی سٹائی. اُنر میں بھی کئی سلت، لوگ پیدا ہوئے.

آزادی کی لڑائی میں ہی دکن بھی کبھی پیچھے نہیں رہا. نثرمن راجا ندے سنگھ ویر چیدمبرم و۔ و۔ اُپر، حیدر، ٹیپو، نرہیت کمزں جیسے شہیدوں نے ہمیشہ کے لئے آزادی کی اُمَر جیتی جلتی تھی.

1. نر = پرکاش, 2. نکہت = سونگندہ, 3. بزم = مہیا, 4. شمعیں = دیپ نمونہتی, 5. گل نھاں = پھول کا کھلنا, 6. مستقل = استعانتی, 7. مشطے = کلم کلم, 8. شہیدا = جانور کا پھل, 9. نشہمن = چوسلا, 10. بام و در = کاٹھ لہر دروازہ.

## چیراگوں کے سلسلے (انگریزوں سے خلیا)

## چیراگوں کے سلسلے (انگریزوں سے خطاب)

شری سلم مچلی شہری

شری سلم مچلی شہری

نور ۱-آمنکھتر کی خلیا جو کھرباں ہو،  
جینکو تو نے یہ سمجھا ٹیکانے لگو،  
فول بنکر بھی مسکرانے لگو،  
چاؤ بنکر بھی جگمگانے لگو۔

نور و نہت 2 کی خاطر چو قربان ہو،  
جن کو تم نے یہ سمجھا ٹیکانے لگو،  
پول بن کر وہی مسکرانے لگو—  
چاند بن کر وہی جگمگانے لگو !

بات اچھی سی ہے، میں دیوانہ جو ہوں،  
خیر، اب تم ذرا یہ بتاؤ مجھے،  
کیا کہو کہ اے جو بچے دیپ سے،  
ہم 3 کی نازہ شمعوں 4 جلائے لگو !

تم نے بھارت سے ناچ ظفر لے لیا،  
ہم کو بھارت لے گاندھی جواہر دیا،  
تم نے اس لعل قلعے میں شعلے بھرے،  
پرچم گل نشاں 5 ہم اڑائے لگو !

تو نے بھارت سے ناچ ظفر لے لیا،  
ہم کو بھارت نے گاندھی جواہر دیا،  
تو نے اس لعل قلعے میں شعلے بھرے،  
پرچم گل نشاں 5 ہم اڑائے لگو !

تم نے بھارت سے ناچ ظفر لے لیا،  
ہم کو بھارت نے گاندھی جواہر دیا،  
تم نے اس لعل قلعے میں شعلے بھرے،  
پرچم گل نشاں 5 ہم اڑائے لگو !

تو نے کلاسی کی رانی کا سر لے لیا،  
دش کی گود میں لایندو آگنیں !  
تو نے اس شہر دلی کو ویراں کیا،  
جنگوں ہر طرف ہم سجائے لگو !

تو نے کلاسی کی رانی کا سر لے لیا،  
دش کی گود میں لایندو آگنیں !  
تم نے اس شہر دلی کو ویراں کیا،  
جنگوں ہر طرف ہم سجائے لگو !

تو نے کلاسی کی رانی کا سر لے لیا،  
دش کی گود میں لایندو آگنیں !  
تو نے اس شہر دلی کو ویراں کیا،  
جنگوں ہر طرف ہم سجائے لگو !

تو نے کلاسی کی رانی کا سر لے لیا،  
دش کی گود میں لایندو آگنیں !  
تم نے اس شہر دلی کو ویراں کیا،  
جنگوں ہر طرف ہم سجائے لگو !

بات یہ ہے کہ ہم اہل ہندوستان،  
ایک آدرش رکھتے ہیں تہذیب کا،  
ہم تو اس دم بھی تم سے گلے ہی ملے،  
جب یہاں سے حضور ! آپ جانے لگو۔

بات یہ ہے کہ ہم اہل ہندوستان،  
ایک آدرش رکھتے ہیں تہذیب کا،  
ہم تو اس دم بھی تم سے گلے ہی ملے،  
جب یہاں سے حضور ! آپ جانے لگو۔

خیر، اتنا تو بتاؤ اے دوستو !  
آجکل کیا مشعل 7 ہیں، کیا حال ہے ؟  
کوئی کہتا تھا تم چھپ کے پردے میں رہے،  
سرحد مند پر گل کھلائے لگو !

خیر، اتنا تو بتاؤ اے دوستو !  
آجکل کیا مشعل 7 ہیں، کیا حال ہے ؟  
کوئی کہتا تھا تم چھپ کے پردے میں رہے،  
سرحد مند پر گل کھلائے لگو !

انسان کی زندگی نہیں تھی۔ قومیت تک تو کسی کو جینا نہیں پڑا۔ وچن کی مدت تو اس تک کہوں ؟

جہوں ہی میں اسی کو وہ سب ملنا چاہئے جو اُس کا حق اور حصہ ہے۔ پھر اُس میں دیری کہوں اور سکھ کہوں ہوں ؟

خالی وعدوں ہی وعدوں پر تو انسان جی نہیں سکتا اور نہ پروار ہی پال سکتا ہے۔

یہ کہیں سا انصاف اور انسانیت ہے کہ ایک پروار نے آدھار پر کھول ایک سیاسی تباہی اپنا جہوں بنائے۔ کیا ایک آٹھار پروار کو ایک اکٹھا کیا جائے والا ”تباہی“ ہوتا ہے آج کے راج کے آئندہ میں ؟

آخر یہ ہوئی وعدے کب تک اُڑان ہوتے رہیں گے اور کب تک جہوں وچن سبز باغ دکھاتے رہیں گے ؟

جن میں نہ آشاؤں کی کھلیں، نہ آزادی کے پیل پھولے۔

کھل کانٹے ہی کانٹے۔ لیکن اُس نے وہ کانٹے ہی کانٹے ہیں اپنے دامن میں آزادی کے لباس کی شوبھا بڑھانے کے لئے۔ اور اُسی لئے وہ ’خار وطن‘ ہیں اور وطن کے خار سے پدار ہوتا ہے ہر سچے دیہی بہکت کو۔

وچن کے چمن کے پھول بھی اِس کے سامنے آدھک سے آدھک ہیں اور رنگ رنگ کے۔

دیکھتے ہیں بڑے سندر، بڑے دل کش، بڑے ناز فریب۔ مگر نہ یوں نہ مہک۔

ابھتے ہیں رنگت۔ لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

انسان کی زندگی نہیں تھی۔ قومیت تک تو کسی کو جینا نہیں پڑا۔ وچن کی مدت تو اس تک کہوں ؟

جہوں ہی میں اسی کو وہ سب ملنا چاہئے جو اُس کا حق اور حصہ ہے۔ پھر اُس میں دیری کہوں اور سکھ کہوں ہوں ؟

خالی وعدوں ہی وعدوں پر تو انسان جی نہیں سکتا اور نہ پروار ہی پال سکتا ہے۔

یہ کہیں سا انصاف اور انسانیت ہے کہ ایک پروار نے آدھار پر کھول ایک سیاسی تباہی اپنا جہوں بنائے۔ کیا ایک آٹھار پروار کو ایک اکٹھا کیا جائے والا ”تباہی“ ہوتا ہے آج کے راج کے آئندہ میں ؟

آخر یہ ہوئی وعدے کب تک اُڑان ہوتے رہیں گے اور کب تک جہوں وچن سبز باغ دکھاتے رہیں گے ؟

جن میں نہ آشاؤں کی کھلیں، نہ آزادی کے پیل پھولے۔

کھل کانٹے ہی کانٹے۔ لیکن اُس نے وہ کانٹے ہی کانٹے ہیں اپنے دامن میں آزادی کے لباس کی شوبھا بڑھانے کے لئے۔ اور اُسی لئے وہ ’خار وطن‘ ہیں اور وطن کے خار سے پدار ہوتا ہے ہر سچے دیہی بہکت کو۔

وچن کے چمن کے پھول بھی اِس کے سامنے آدھک سے آدھک ہیں اور رنگ رنگ کے۔

دیکھتے ہیں بڑے سندر، بڑے دل کش، بڑے ناز فریب۔ مگر نہ یوں نہ مہک۔

ابھتے ہیں رنگت۔ لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟

لیکن وہ رنگت کب تک ؟



जिन्होंने गरीबों का हक मारकर अपने जीवन को  
बहार दी और अपने अर्थाई को मोटरकार दी.

جسٹیس نے اٹھا وادیں کے دلوں کو خاک کر کے اور اُن کی آفتابوں کی دیواریں گرا کر اُن پر قلم بھونک دیا۔  
جسٹیس نے عربیوں کا حق ملو کر لیتے جسوں کو بہار دی اور اپنے جسطی کو بہار کر دی۔

بھ شامیت پوراً جیون پاکر گولامی اور آجادی کا  
انتر سمکھ سکتی. آجادی کی کدر کیمت جان سکتی  
اور اپنا کتھ پھچان سکتی.

پر نیا جودا نیا جیون تو دے کی بات، آجادی  
کے متوالوں کو فاکوں کی نوبت تک پھنچا دیا  
گیا. کیتنی پورانی گولامی اور کیتنی پورانی  
جنتا کی کٹی پورانی لنگوٹی تک بیک گئی.

کیا یہی آجادی کا بربانان دن ساریب اور بےجوبان  
ہنسائی کے لیے ہے ؟

کیا یہی ہے جملہریک کا نیا دلیت بھمات  
کے لیے ؟

یہ ساریب دھلی وہ لوگ ہیں جو اپنوں کے بچنوں پر  
بھوسا کیے اور "سنگتہ کی سلی" جاتی پر رکھے بچوں  
سے بھاموڑا بٹے رہے ہیں اور تاکتے رہے ہیں آنے والے بچے  
دینوں کی اور.

لکین دن کیمت کے ماروں کا دھامی تو بھلو کی  
ہنکے بچے دینوں کو بھی راستے سے چورا لے گئے کئی چور.

اگر دن سے کچھ بچا جائے تو بھلو والا بھی جھوٹا ہو کر رہ  
جائے جب "اٹا ڈانٹہ کوٹوال کو چور".

یہی وہ ناماد اور تراش جلتا ہے کہ آزادی کے نام پر  
خوشحالی کے سہنے دیکھ دیکھ جس کی آنکھیں پھرا  
گئیں، دل بیتہ گئے. آٹاٹیں سر گئیں، حسرتوں کا خون ہو  
گیا—گودیل خالی ہو گئیں، جھولیاں سر کل گئیں. نکلیں  
لے اپنے عزیز پیاروں تک کی ہڈیاں دفن کر دیں یا خاک بنا  
کر آرا دیں.

آٹا ہی آٹا میں بے کار رہتے رہتے کتھ کلم کے ہاتھ شل پر  
گئے. کتھ جولانی دماغ تھس پر گئے. کتھ بھگائوں فٹا ہو  
گئیں اور اندر ہی اندر گھل گھل کر اپنے جھوٹے بھوسے—  
بھگائوں مول میں ودان ہوتی ہیں قدرت کی اور سے.  
کسی قومی راجہ کے لئے یہ وہ بھاری نقصان ہے جس کا بدل  
کہیں—لیکن اس مہان نقصان کو کیوں زندہ قابل، حق پسند  
اور انصاف پرور حکومتیں ہی سمجھتی ہیں—جھوٹ کی  
تھمت کیوں چھوڑی ہی جانتا ہے. اور ان کی لافندی پر اسی  
کا ماتم اور صدمہ بھی بچا !

نافندی، بے غوری اور بے پورائی کے کارن سمجھتا اور انہیں  
کے گھائوں کی ہمت اور سادھس کو بھی تھس پھونچاتی ہے  
اور ان کی کڑبہ شکلی پر اسی کا پرہیز پڑتا ہے. تہذیب  
کلچر کے اصول بھنڈار اور پراچین سنسکرتی کے انہک ایک  
چکر اور خولے دنیا کے سامنے آتے آتے رہ جاتے ہیں اور دنیا ان  
کے لئے سے معصوم ہو جاتی ہے. اچھی، ترقی پسند اور کوہان  
حکومتوں کا کرتوبہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی بھگائوں کی بھرتی کریں  
لیہ قومی گن گن کو سمان دیں.

ایک آدمی رسول کے پاس آیا اور پوچھا کہ: "میں اپنے ارنک کی لٹکوں کو ہاتھ دوں اور پھر اللہ پر توکل کروں (چھوڑ دوں) یا میں ارنک کو کھلا رکھ دوں اور اللہ پر چھوڑ دوں؟" یہی سوال ہے جواب دیا: "ارنک کی لٹکوں کو ہاتھ دو اور پھر اللہ پر چھوڑ دو۔"

—انس، فرمزی۔

محمد صاحب نے کہا کہ :— ”چچی آگهی یعنی چیتاوانی  
ہی دیں ہے۔“

—ابو هريرة، ترمذی، شمس الداری، مسلم، ابو داود، نسائی .

”محمد صاحب نے جھپٹے کہا:—”اے ابو ذر! خبردار رہو تمہارے اندر کمزوری آئے نہ پاور۔ میں جو اپنے لئے چاہتا ہوں وہی تمہارے لئے چاہتا ہوں۔ کبھی دو آدمیوں کے بیچ میں یہ فیصلہ نہ کرو کہ کون اچھا ہے اور کون برا۔ اور کبھی ہاتھوں کے مال پر قبضہ نہ کرو۔“

—اہوڏ؛ اہو دعوڏ، فساعی .

[ڈاکٹر میرزا ابوالفضل کی انگریزی کتاب سے ترجمہ۔  
—انوارک شری محبوب رضوی۔]

## زوجین اور جتن

شروی عبدالعلیم انصاری

آزادی حاصل کرنے وقت بچپن دینے والوں کا کرب وہ تھا اور راج کی کسی پر تانے سے بڑھنے والوں پر لازم تھا کہ غلطی سے رہائی اور آزادی کی پڑاوتی پر صدیوں کی ظلم جلتا کو آزادی کا نیا جہز پہنایا جاتا اور آزادی کے دیہک سے اُن نے اندھیرے گہروں میں اُجالا لیا جاتا۔ ظلم اور ترستی جلتا کو صبح شام کا پیغام دیا جاتا۔ لیا جہڑوں لیا پر اُن دیا جاتا۔ بے شک



## مُحَمَّدِ سَاہِب کے کُجھ اُپدیش

کر دوسرے کان سے نیکال دیا۔ اس آدمی نے دوبارہ ابوبکر کا ایمان  
ابوبکر نے پھر بھی کئی پروا نہ کی۔ اُس آدمی نے تیسری  
ابوبکر کا اُسی طرح ایمان کیا۔ اُس پر ابوبکر نے اُس کا  
طرح کے شہدوں میں جواب دیا۔ یہ دیکھ محمد صاحب  
گھڑے ہو گئے اور وہاں سے چلے آئے۔ اُس پر ابوبکر نے پوچھا—  
”اللہ کے رسول ! کہا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے ؟“ پھر  
جواب دیا—”نہیں ! لیکن جب اِس آدمی نے پہلے  
پارا ایمان کیا تھا تو ایک فرشتہ اُسے جہنم کے لئے آسمان سے  
اُتار دیا لیکن جب تم نے اُس کا اُسی طرح جواب دے دیا  
وہ فرشتہ چلا گیا اور اُس کی جگہ شیطان تمہارے پاس  
بیٹھا۔ اُس لئے جب تک شیطان یہاں بیٹھا ہے میں نہیں  
لو سکتا۔“

—ابن مسعود، ابوبکر، ابو داؤد۔

محمد صاحب نے کہا:—”قرآن پڑھو اور لوگوں کو پڑھاؤ۔  
بولنے سے پہلے میں کہوں ایک آدمی ہوں اور ایک دن تمہارے  
بچ سے اُٹھا لیا جائیگا۔“

—ابن مسعود، داریمی، دارقطنی۔

محمد صاحب نے کہا:—”قرآن میں پانچ طرح کی  
چیزیں آئی ہیں: ایک معروف یعنی وہ چیزیں جن کا کرنا  
جائز ہے، دوسرے منکر یعنی وہ چیزیں جن کا کرنا ناجائز  
ہے، تیسرے وہ چیزیں جو صاف اور صریح ہیں، چوتھے وہ چیزیں  
جو مشابہت یعنی تشبیہ (الکنار) کے روپ میں کہی گئی ہیں  
اور پانچویں وہ چیزیں جو کہانوں کی شکل میں ہیں۔ اِس  
لئے جن چیزوں کو جائز بتایا گیا ہے انہیں جائز مانو، جنہیں  
ناجائز بتایا گیا ہے اُن سے بچو، جو سیدھی صاف ہدایتیں  
ہیں اُن پر عمل کرو، جو تشبیہ یعنی الکنار کے طور پر کہی  
گئی ہیں انہیں ویسا ہی مانو، اور جو کہانیاں کہی گئی ہیں  
اُن سے سبق سیکھو۔“

—ابو ہریرہ، بیہقی۔

محمد صاحب نے کہا:—”سچم سچم اللہ اپنے لوگوں کے لئے  
ہر سو سال کے شروع میں ایک ایسا آدمی پیدا کر دیتا جو  
لوگوں کے دین کو تازہ کر دیتا۔“

—ابو ہریرہ، ابوداؤد۔

—ابو ہریرہ، ابوداؤد۔

میں خوک دے گا تو وہ برباد ہو جائیگا۔ اس کے بعد ایک زمانہ آئیگا جب کہ اس زمانے کے لوگوں میں سے اگر کوئی اس میں سے دسویں حصے پر بھی عمل کریگا تو وہ نجات پائیگا۔

—ابو ہریرہ، ترمذی۔

محمّد صاحب سے پوچھا گیا کہ: —”آدمیوں میں سب سے بڑھ کر آدمی کون ہے؟“ محمد صاحب نے جواب دیا: —”وہ آدمی جو دل کا صاف ہے اور زبان کا سچا۔“ پھر پوچھا گیا: —”زبان کا سچا کون ہے؟“ محمد صاحب نے جواب دیا: —”دل کا صاف وہ ہے جو پاک ہو، نیک ہو، پاپ نہ کرتا ہو، کوئی برائی نہ کرتا ہو اور کسی کے ساتھ نہ بغض (دشمنی) رکھتا ہو اور نہ کسی سے حسد (یرشہ) کرتا ہو۔“

—عبداللہ بن عمرو، ابن ماجہ، بیہقی۔

محمد صاحب نے کہا: —”آدمی کے لئے دوسرے سے مگناہتے رہنا اور مگناہ باندھنا کرنا کافی بڑا گناہ ہے۔“

—ابو عباس، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا: —”اللہ کی نظروں میں سب سے زیادہ نذرت الگوار آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ چھوٹا اور کمزور کرتا ہے۔“

—عائشہ، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی۔

محمد صاحب نے کہا: —”کوئی قوم جسے ایک بار عداوت مل گئی تھی اس وقت تک گمراہ نہیں ہوتی جب تک اس قوم کے لوگوں نے آپس میں چھوٹا شروع نہیں کر دیا۔“

—ابو امامہ، ترمذی، ابن ماجہ، احمد۔

محمد صاحب نے کہا: —”کوئی کلمہ جسے ایک بار عداوت مل گئی تھی اس وقت تک گمراہ نہیں ہوتی جب تک اس قوم کے لوگوں نے آپس میں چھوٹا شروع نہیں کر دیا۔“

—ابو امامہ، ترمذی، ابن ماجہ، احمد۔

ایک دن محمد صاحب اپنے صحابہوں (ساتھوں) کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی نے آگے کر بڑھ کر کچھ کہی۔ لیکن ابوبکر نے ایک کان سے سن

## محمد صاحب کے کچھ اُپدیش

ڈاکٹر موزا ابوالفضل

محمد صاحب نے کہا:—”اپنی نسل یا خاندان کے چمنڈ میں کوئی کسی کو بُرا نہ کہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور اسی طرح ایک دوسرے کے برابر ہو جس طرح ایک ماپ دوسرے ماپ کے برابر ہے اور تم میں سے کوئی بھی ماپ میں پورا نہیں ہے۔ کوئی کسی بات میں دوسرے سے بڑا نہیں ہے۔ سوائے اُن کے کہ جو نہی اور دھارمکا میں بڑے ہوتے ہیں۔ آدمی کے لئے گھمادی ہونا، شرم ہونا یا کلتجس ہونا بہت بڑی بات ہے۔“

—آکرنا بن امیر، احمد، بھتی۔

محمد صاحب نے کہا:—”اُن سب لوگوں کو جو نسل کا گھمڈ کرتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہ تھے اور وہ تھے، انہیں چاہئے کہ اِس طرح کا گھمڈ کرنا بند کر دیں۔ اِس طرح کا گھمڈ انہیں دوزخ کی آگ کے کولے بنا دیگا۔ اِس طرح کا گھمڈ کر کے اللہ کی نظروں میں وہ اُس کدو سے بھی زیادہ ذلیل ہونگے جو مِلے پر اپنی ناک رکھتا ہے۔ سچے سچ اِس طرح کا گھمڈ جہالت کے دنوں کے کی جگہ نہیں۔ اللہ نے اُن آسمان والے تمہارے لئے لاجپور کر دیا ہے۔ آدمی یا تو نیک اور ایمان والا ہوتا ہے اور یا بد اور گنہگار۔ سب آدمی آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنا ہوا تھا۔“

محمد صاحب نے کہا:—”اپنی نسل یا خاندان کے گھمڈ میں کوئی کسی کو بُرا نہ کہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور اسی طرح ایک دوسرے کے برابر ہو جس طرح ایک ماپ دوسرے ماپ کے برابر ہے اور تم میں سے کوئی بھی ماپ میں پورا نہیں ہے۔ کوئی کسی بات میں دوسرے سے بڑا نہیں ہے۔ سوائے اُن کے کہ جو نہی اور دھارمکا میں بڑے ہوتے ہیں۔ آدمی کے لئے گھمادی ہونا، شرم ہونا یا کلتجس ہونا بہت بڑی بات ہے۔“

—عقبہ بن عامر، احمد، بھتی۔

محمد صاحب نے کہا:—”اُن سب لوگوں کو جو نسل کا گھمڈ کرتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہ تھے اور وہ تھے، انہیں چاہئے کہ اِس طرح کا گھمڈ کرنا بند کر دیں۔ اِس طرح کا گھمڈ انہیں دوزخ کی آگ کے کولے بنا دیگا۔ اِس طرح کا گھمڈ کر کے اللہ کی نظروں میں وہ اُس کدو سے بھی زیادہ ذلیل ہونگے جو مِلے پر اپنی ناک رکھتا ہے۔ سچے سچ اِس طرح کا گھمڈ جہالت کے دنوں کے کی جگہ نہیں۔ اللہ نے اُن آسمان والے تمہارے لئے لاجپور کر دیا ہے۔ آدمی یا تو نیک اور ایمان والا ہوتا ہے اور یا بد اور گنہگار۔ سب آدمی آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنا ہوا تھا۔“

—ابو ہریرہ، ترمذی، ابوداؤد۔

محمد صاحب نے کہا:—”جو کوئی اپنے بھائی کا خطا بنا اُس کی اجازت کے پڑھتا ہے وہ دوزخ کی آگ میں پوتا ہے (اور اُسی میں پھینکا جائیگا)۔“

محمد صاحب نے کہا:—”جو کوئی اپنے بھائی کا خطا بنا اُس کی اجازت کے پڑھتا ہے وہ دوزخ کی آگ میں پوتا ہے (اور اُسی میں پھینکا جائیگا)۔“

—ابن عباس، ابو داؤد۔

محمد صاحب نے کہا:—”سچے سچ اُن آدمیوں کو جو آجکل تم ایک ایسے زمانے میں رہ رہے ہو جس میں جو کچھ کر کے تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔ اُس میں سے اگر کوئی دسویں حصہ

محمد صاحب نے کہا:—”سچے سچ اُن آدمیوں کو جو آجکل تم ایک ایسے زمانے میں رہ رہے ہو جس میں جو کچھ کر کے تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔ اُس میں سے اگر کوئی دسویں حصہ

یہ سب وہی بڑی-بڑی باتیں۔ رोजمری کے जीवन में भी इस तरह की छम्ती भावना गोठली के सितारों की तरह मिल-मिल करती रहती है. भारत में सदियों से सूफी पीरों के छुमार हिन्दू मुरीद रहे और अब भी हैं. मुगलिया बादशाहों ने कई वेदान्ती गुरू बनाये हैं और वारा शिवाह और अकबर बादशाह ने जो वेदान्त-इस्लाम का मौलिक और अत्यन्त महत्वपूर्ण समन्वय किया है, उसके असर शायद हम कुछ सदियों के बाद समझ सकेंगे जब उन जमानों और उन पुरुष श्रेष्ठों का खरा इतिहास खुलेगा और जनता के सामने बेबंदक पेश किया जायगा.

कलाओं के दायरे में वेदान्त-इस्लाम के तत्व एकमेक में घुल-मिलकर कुछ अजब खूबसूरती पैदा कर गये ! इनका असर हमारी जिन्दगी में ऐसा व्यापक हो गया है कि हिन्दू सङ्गीतकार सहज ही बोल बैठता है, 'जी, मैं तो हिन्दुस्तानी तरीके से गाता हूँ.' और उसे दिन भर भी भान नहीं होता कि वह किस अद्भुत संगम और समन्वय का प्रतीक बना हुआ है.

अफसोस है कि आज के स्थापत्य में इस असल और सुन्दर संगम-समन्वय की कोई झलक तक नजर नहीं आती. हमने जो सदियों के पुरुषार्थ से कमाया है, सो हमें इस तरह के न देना चाहिये. इससे हमारा ही नहीं, तमान दुनिया का भारी नुकसान होगा. हम भारतीयों को बका नाज होना चाहिये कि सारी दुनिया के देशों में एक भारत ही है जो सच्चे मानों में संगम देश रहा है; और आज के लड़ते-झगड़ते, मारते-काटते, जलाते-डुबाते संसार में संगम-राज्य बनने का अधिकार रखता है.

'उम्मत' शब्द अरबिस्तान से आया है मगर 'उम्मत' भारत में ही उगा और पनपा है. ये ही हमारा सच्चा, सना-तन और अमर विरासा (विरासत) है, हम भारतीयों को इसके लायक बनने की भरसक कोशिश करते रहना है, और इसे सुगुंथित रखकर इसके बढ़ाने और चढ़ाने में अपनी जान और जीवन लगा देना है.

अस्लाह करे ऐसा ही हो !

अस्लाह हमें सद्बुद्धि बखरो !

अस्लाह हमें मद्दद करे !

आमीन !

[मञ्जल प्रभात से]

یہ سب وہی بڑی بڑی باتیں۔ روزمرہ کے جیون میں بھی اس طرح کی آستی ہونا گوندولی کے ستاروں کی طرح چل مل کرتی رہتی ہے۔ بھارت میں صدیوں سے صوفی پیروں کے یہ شمار ہندو مرید رہے اور اب بھی ہیں۔ مغلیہ بادشاہوں نے کئی ویدانتی گرو بڑائے دیے اور دارا شکوہ اور اکبر بادشاہ نے جو ویدانت اسلام کا مولک اور انتہت مہتو پیر بن گئے، کہا ہے، اسکے اثر شاید ہم کچھ صدیوں کے بعد سمجھ سکیں گے۔ جب ان زمانوں اور ان پردھ شریشتوں کا کھرا ایتھاس کھلے گا اور جملہ کے سامنے یہ دھڑک بھی کہا جائیگا۔

گلوں کے دائرے میں ویدانت اسلام کے نئے اہم ایک میں کھل ملکر کچھ عجب خوبصورتی پیدا کر گئے ! انکا اثر ہماری زندگی میں ایسا دھپک-دھپک ہو گیا ہے کہ ہندو سنگھتکار سچ ہی بول بیٹھتا ہے، 'جی' میں تو ہندوستانی طریقے سے گانا ہوں، اور اُسے دن بھر یہی بھان نہیں ہوتا کہ وہ کس ادبیت سنگم اور سنگم کا پرتیک بنا ہوا ہے۔

افسوس ہے کہ آج کے استہانتیہ میں اس اصل اور سنگم سنگم کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ ہم نے جو صدیوں کے پردھارتوں سے کما یا ہے، سو ہمیں اس طرح پھلک نہ دینا چاہیے۔ اس سے ہمارا ہی نہیں تمام دنیا کا باری نقصان ہوگا۔ ہم بھارتیوں کو ہوا ناز ہونا چاہئے کہ ساری دنیا کے دیشوں میں ایک بھارت ہی ہے جو سچے سچے سچے سنگم دیہی رہا ہے اور آج کے لڑتے-جھگڑتے، مارتے-کاٹتے، جلاتے-نہاتے سنگم میں سنگم راجیہ ہلنے کا اد پکار رکھتا ہے۔

'امت' شبد عربستان سے آیا ہے مگر 'امت' بھارت میں ہی آگ اور پلپا ہے۔ یہی ہمارا سچا، سنان اور امر ورثہ (وراثت) ہے، ہم بھارتیوں کو اس کے لائق ہونے کی بھرپور کوشش کرتے رہنا ہے، اور اسے سرورکشت رکھ کر اسکے بڑھانے اور بڑھانے میں اپنے جان اور جیون لگا دینا ہے۔

اللہ کرے ایسا ہی ہو !

اللہ ہمیں سدیدھی بخشے !

اللہ ہمیں مدد کرے !

آمین !

[منگل پریمات سے]

157

## उम्मत

कुमारी रेहाना तैयबजी

ये लक्षण, 'उम्मत' कितना प्यारा लक्षण है ! आरबी लक्षण 'उम्मत' का मतलब है 'माँ' ; उम्मत यानी 'एक माँ-बाप के बच्चे' । इसलिये अल्लाह पाक को विश्व का परम पिता मानकर, इस्लामी जमात को उम्मत कहा गया है। लेकिन कोई बहरी नहीं कि उम्मत महज इस्लामियों की हो, जहाँ आपसी प्रेम, इमददी, सहकार और नेक साहिरा होती है, वहाँ 'उम्मत' होती ही है, देखा गया है कि निजी साधना में भी जैसे-जैसे दिल की सफाई और चरित्र-सुधार होने लगता है, वैसे-ही-वैसे प्रेम, क्षुरी और सभ्यता भी बढ़ने लगती है—बल्कि सफल साधना की पहली निशानी प्रेम और प्रसन्नता की बढ़ती ही होती है, जिस तरह से हम किसी इन्सान का बर्ताव देखकर उसकी साधना का खूबी फैसला सहज ही करते हैं, वही तरह किसी सभ्यता की का फैसला भी उसके नैतिक और आध्यात्मिक प्रभाव से होता है, जब हम दुनिया भर से शिकायतें सुनते हैं कि मरारिकी संस्कृति से स्वार्थ, हरफाई (स्पर्धा) और दुश्मनी, चालबाजी बढ़ती है, तो हमारे दिल में इस तहजीब के लिए एक नकार पैदा होना कुदरती ही है, ऐसी संस्कृति बुराई फैलाने वाली होती है, इसका सबूत आज सारी दुनिया के पीड़ित देश और दुखी प्रजायें दे रही हैं।

ऐसे आसुरी वातावरण में उम्मत भावना के सितारे कुछ अजब नूर से चमक उठते हैं, तीन-चार रोज़ से बरेली के मंदिर की दिल फड़का देने वाली बात जब से सुनी है मेरा दिल बारा-बारा बना हुआ है, एक मन्दिर, और एक मुस्लिम के हाथ से उसकी नींव डाली जाय, और सुना कि मूर्ति-साज भी मुस्लिम ही है जिसने तीन सौ रुपये मन्दिर को मेंट दिये हैं, रहमान साहब ने जो आर्थिक मदद दी, सो बेराक क्राबिले तारीफ है; मगर मन्दिरवालों और रहमान साहब ने जो दिली उम्मत की शानदार इबादतगाह खड़ी की है, उसमें हर भारतीय का ही क्या, हर इन्सान का दिल सिखे में झुक सकता है, जहाँ प्रेम है वहाँ खुदा है, जहाँ एका है वहाँ खुदा है !

बरेली का मन्दिर मुझे बड़ी-बड़ी की मस्जिद की याद दिलाता है, मैं बिलकुल बच्चा थी तब बाबाजान से शिकायतें सुनती रहती थी कि बड़ोदे में कोई जामा मस्जिद नहीं, एक टूटी मस्जिद भी सही, पर वह किसी के काम न आती थी, बाबाजान ने हमारे महाराज से शिक किया, महाराज ने बड़ी सद्गुणभूति से बाबाजान की बात सुनी, अपनी सहमति

## अम्त

कुमारी रेहाना तैयबजी

ये لفظ 'اُمت' کتنا پیارا لفظ ہے ! عربی لفظ 'اُم' کا مطلب ہے 'مادر' ؛ اُمت یعنی 'ایک ماں باپ کے بچے'، اَللّٰہُ اللّٰہُ پاک کو وحی کا پریم پکا ماں کر، اسلامی جماعت کو اُمت کہا گیا ہے، لیکن کئی ضروری نہیں کہ اُمت معنی اسلاموں کی ہو، جہاں آپسی پریم، ہمدردی، سہکار اور نیک خواہش ہوتی ہے، وہاں 'اُمت' ہوتی ہی ہے، دیکھا گیا ہے کہ نچلی سادھنا میں بھی جیسے جیسے دل کی صفائی اور چرتر سدھار ہونے لگتا ہے، ویسے ہی ویسے پریم، خوشی اور سہیٹا بھی بڑھنے لگتی ہے—بلکہ سہیل سادھنا کی پہلی نشانی پریم اور پرسنلٹا کی بڑھتی ہی ہوتی ہے، جس طرح سے ہم کسی انسان کا دوتاؤ دیکھ کر اسکی سادھنا کا فیصلہ سہج ہی کرتے ہیں، اُسی طرح کسی سہیٹا کی خوبی کا فیصلہ بھی اُمت نیتک اور ادھیاتمک پریاؤ سے ہوتا ہے، جب ہم دنیا پر سے شکایتیں سننے میں کہ مغربی سائنسگرٹی سے سوارتہ، حربائی (سہرڈھا) اور دشمنی، چالبازی بڑھتی ہے تو ہمارے دل میں اس تہذیب کے لئے ایک نفرت پیدا ہونا قدرتی ہی ہے، ایسی سائنسگرٹی برائی پھیلانے والی ہوتی ہے، اسکا ثبوت آج ساری دنیا کے پھوٹ دیہی اور دکھی پوجانیں دے رہی ہیں۔

ایسے آسوری واپاروں میں اُمت بھولنا کے ستارے کچھ عجیب نور سے چمک اُٹھتے ہیں، تین چار روز سے بریلی کے مندر کی دل ہڑکا دینے والی بات جب سے سنی ہے میرا دل باغ باغ بنا ہوا ہے، ایک مندر، اور ایک مسلم کے ہاتھ سے اسکی نیو قالی جائے، اور سفاک صورتی ساز بھی مسلم ہی ہے، جسامت تین سو پونے مندر کو بھینک دیتے ہیں، رحمان صاحب نے جو آرٹیک مدد دی، سو بڑھک قابل تعریف ہے، مگر مندر والوں اور رحمان صاحب نے جو دلی اُمت کی شاندار عبادت گاہ کھڑی کی ہے، اس میں ہر بھارتیہ کا ہی کیا، ہر انسان کا دل مجھے میں جھک سکتا ہے، جہاں پریم ہے وہاں خدا ہے، جہاں ایک ہے وہاں خدا ہے !

بریلی کا مندر مجھے بڑھنے کی مسجد کی یاد دلاتا ہے، میں بالکل بچہ تھی تب بابا جان سے شکایتوں سانی رہتی تھی کہ بڑھنے میں کوئی جامع مسجد نہیں، ایک نئی مسجد بھی سہی، پر وہ کسی کے کام نہ آتی تھی، بابا جان نے ہمارے مہاراج سے ذکر کیا، مہاراج نے بڑی سہولتوں سے بابا جان کی بات سنی، اپنی سہیلی

इसमें गेती १९ बल के रहेगी  
फूल तुलहन के खिल के रहेंगे  
फर्के मरातिब २० छठ जायेगा  
अलबे वह महफिल के रहेंगे

कस्ते खिषां जाती है 'नखीर' ! अब  
चाके गरीबों २१ सिल के रहेंगे !

१. उकड़े = समस्याएँ, २. हवाविस = दुर्घटनाएँ,  
३. मंसिल के होकर रहना = मंसिल पर पहुँच जाना,  
४. अजमते आदम = आदमी का महत्व, ५. मंसलि के  
आदस = आदमी के जीवन का लक्ष्य, ६. मुसतकविल =  
मविल्य, ७. गुँचे = कलियों, ८. अजम = संकल्य,  
९. कोह-शिकन = पहाड़ तोड़ने वाला, १०. कस = महल,  
११. जादह = काम का दङ्ग, १२. खिजों = पतझड़,  
१३. जोया = खोजी, १४. साहिल = किनारा, १५. खन्दाँ =  
हमले हुए, १६. मरहले = कठनाइयाँ, १७. ऐबों = महल  
१८. चारा = इलाज, १९. गेती = घरती, २०. फर्के  
मरातिब = इतने का फर्क यानी ऊँच-नीच, २१. चाके  
गरीबों = फटा हुआ गरीबों.

حسن میں گیتی 19 تمل ے رہے گی  
پھول دامن کے گل کے رہیں گے  
فرق مراتب 20 اٹھ جائے گا  
جلوس وہ محفل کے رہیں گے

فصل خزاں جاتی ہے 'نظیر' ! اب  
چاک گریہاں 21 مل کے رہیں گے !

1. عقدہ = سمسائیں, 2. حوادث = درگفتاویں, 3. منزل  
کے ہو کر رہنا = منزل پر پہنچ جانا, 4. عظمت آدم = آدمی  
کا مہر, 5. مسلک آدم = آدمی کے چہرے کا لہجہ, 6.  
مستقبل = ہوشیہ, 7. غلجے = کلیاں, 8. عزم = سٹکاپ, 9. کوہ  
شکن = پہاڑ توڑنے والا, 10. قصر = محل, 11. چادہ = کام کا  
دھنگ, 12. خزاں = پت چہر, 13. چربا = کورجی, 14.  
ساحل = کنارہ, 15. خنداں = ہلستے ہوئے, 16. مرحلے =  
کھیلانیاں, 17. ابواں = محل, 18. چارہ = علاج, 19. گیتی =  
دھرتی, 20. فرق مراتب = رتبہ کا فرق یعنی اولیٰ لیج لیج  
21. چاک گریہاں = پھٹا ہوا گریہاں .

700 PAGES,  
32 ILLUSTRATIONS  
2 COLOURED MAPS

## "CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic. the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sunderlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi



## राजस

श्री सच्चादत्त नजीर यम० प०

कब तक दुश्मन दिल के रहेंगे ?  
 हमसे वह आखिर मिलके रहेंगे  
 कब एकदम मुश्किल के रहेंगे ?  
 आखिर दिल दिल मिल के रहेंगे  
 लाख हवादिश २ राह में आयें  
 हम हाँके मंजिल ३ के रहेंगे  
 खिलने भी तुम तकरके डालो !  
 साथी साथी मिल के रहेंगे  
 अखमत ४ आदम ! मसलिके ५ आदम !!  
 तीर वह मुसतक्रबिल ३ के रहेंगे  
 गरम हवा के झोकों में भी  
 गुंथे ७ दिल के खिल के रहेंगे  
 अकमत ८ हमारा कोहशिकन ९ है  
 कल १० तुम्हारे दिल के रहेंगे  
 एक हो जावा ११, एक हो मंजिल  
 दिल भी फिर तो मिल के रहेंगे  
 लाख खिजों १२ आँखें दिखलाए  
 खिरी गुंथे खिल के रहेंगे  
 जुलम किये जा ! जौर किये जा !  
 हीसले कँचे दिल के रहेंगे  
 लाख थिरें तुफाने बला में  
 हम जोया १३ साहिल के रहेंगे  
 तय करेंगे खन्धों-खन्धों १५  
 मरहले १६ जो मुश्किल के रहेंगे  
 पलपला वह है आनबाला  
 आपके ऐवों १७ दिल के रहेंगे  
 रौर से १८ राम का न होगा  
 अकमत हरे सब दिल के रहेंगे

अक्टूबर १९४७

## ग़ज़ल

शरी सعادत نظر आप

कब तक دشمنی دل के रहेंगे ?  
 हम से वह آخر मिल के रहेंगे  
 कब عقد १ مشکل के रहेंगे ?  
 آخر दिल दिल मिल के रहेंगे  
 एक حوادث २ राह में आँखें  
 हम हो के मंजिल ३ के रहेंगे  
 जाने भी तुम तकरके डालो !  
 साथी साथी मिल के रहेंगे  
 عظمت ४ آدم ! مسلک ५ آدم !!  
 तीर वह मुसतक्रबिल ३ के रहेंगे  
 गरम हवा के झोकों में भी  
 गुंथे ७ दिल के खिल के रहेंगे  
 अकमत ८ हमारा कोहशिकन ९ है  
 कल १० तुम्हारे दिल के रहेंगे  
 एक हो जावा ११, एक हो मंजिल  
 दिल भी फिर तो मिल के रहेंगे  
 लाख खिजों १२ आँखें दिखलाए  
 खिरी गुंथे खिल के रहेंगे  
 जुलम किये जा ! जौर किये जा !  
 हीसले कँचे दिल के रहेंगे  
 लाख थिरें तुफाने बला में  
 हम जोया १३ साहिल के रहेंगे  
 तय करेंगे खन्धों-खन्धों १५  
 मरहले १६ जो मुश्किल के रहेंगे  
 पलपला वह है आनबाला  
 आपके ऐवों १७ दिल के रहेंगे  
 रौर से १८ राम का न होगा  
 अकमत हरे सब दिल के रहेंगे

( १५५ )

अक्टूबर १९४७

## گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقات

گاندھی جی نے سون لیا۔ اس وقت کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے مزاروں کے ساتھ کسی طرح کی بردستی کرنا ٹھیک نہ سمجھتے تھے۔ اگلے دن صبح او انہوں نے کچھ اشروم واسطوں سے کہا—”احمد آباد کے ہلکی بارے میں جانو، وہاں کوئی مکان یا جگہ دیکھو۔ ایسا اشروم ہم وہیں اٹھا کر لے جائیں گے اور وہاں کے رہنے والے جو کھانا اپنے ہاتھوں سے لا کر دینگے وہی ہم کھا لیں گے یا مزدوری کر کے پوسٹ پر لیں گے۔ جو ملے اُنیکا وہیں آکر ہم سے مل لیا۔“ جگہ تھوڑی دیر کے بعد لگی۔ اُن دعوادان مزاروں کے گاہوں تک یہ خبر پہنچی۔ ہو سکتا ہے انہوں نے آپس میں کچھ صلح کی ہو۔ وہ آ کر گاندھی جی سے ملے۔ انہوں نے اپنے دو دن پہلے کے سچھاؤ کی معافی مانگی۔ اشروم، اشروم واسطوں، اشروم پریموں اور اشروم میں آئے جانے والوں کے لئے چھت چھت چھت ہر گھ کے لئے مت کٹی۔ یہ تھا گاندھی جی اور اُن کے اشروم کا درجہ بدرجہ لیکن لائی تیزی کے ساتھ وکاس۔

## گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقات

گاندھی جی نے سون لیا۔ اس وقت کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے مزاروں کے ساتھ کسی طرح کی بردستی کرنا ٹھیک نہ سمجھتے تھے۔ اگلے دن صبح او انہوں نے کچھ اشروم واسطوں سے کہا—”احمد آباد کے ہلکی بارے میں جانو، وہاں کوئی مکان یا جگہ دیکھو۔ ایسا اشروم ہم وہیں اٹھا کر لے جائیں گے اور وہاں کے رہنے والے جو کھانا اپنے ہاتھوں سے لا کر دینگے وہی ہم کھا لیں گے یا مزدوری کر کے پوسٹ پر لیں گے۔ جو ملے اُنیکا وہیں آکر ہم سے مل لیا۔“ جگہ تھوڑی دیر کے بعد لگی۔ اُن دعوادان مزاروں کے گاہوں تک یہ خبر پہنچی۔ ہو سکتا ہے انہوں نے آپس میں کچھ صلح کی ہو۔ وہ آ کر گاندھی جی سے ملے۔ انہوں نے اپنے دو دن پہلے کے سچھاؤ کی معافی مانگی۔ اشروم، اشروم واسطوں، اشروم پریموں اور اشروم میں آئے جانے والوں کے لئے چھت چھت چھت ہر گھ کے لئے مت کٹی۔ یہ تھا گاندھی جی اور اُن کے اشروم کا درجہ بدرجہ لیکن لائی تیزی کے ساتھ وکاس۔

यह शब्द मैं याद से ही लिख रहा हूँ पर शायद ही एक दो शब्द का फल हो. उससे असल मतलब मैं फर्क बिलकुल नहीं पक सकता.

मैं इसे पढ़कर कुछ हैरान हुआ. गाँधीजी को पढ़कर सुनाया और पूछा यह क्या? उन्होंने तुरन्त जवाब दिया—“यह तुम्हारे लिये नहीं है. इसे रख दो. तुम आश्रमवासी बनो तो इसे न मानना. मैं कहाँ मानता हूँ? तुम इसे रहने दो. तुम अपने काम की बात करो.”

उनके यह फिकरे भी मैं याद से लिख रहा हूँ. मैं समझ गया कि गाँधीजी और उनका आश्रम दोनों अभा विकास की हालत में थे, अभी लिख रहे थे और रूप ले रहे थे.

रौलट एक्ट के खिलाफ सत्याग्रह शुरू हो जाने के बाद से गाँधी जी सारे देश के सामने देश के सब से बड़े और अनन्य नेता के रूप में आगए. मैंने और मेरे जैसे विचारों के बहुत से पुराने काम करने वालों ने अब देख लिया कि अपने नये तरीके से गाँधी जी ने जो जान, जो बेदारी, जो जोश और जो त्याग की भावना देश भर में पैदा कर दी थी वह हम अपने पुराने तरीकों से न कर पाये थे और न कर सकते थे. मेरा उनसे बार-बार जगह-जगह मिलना, साथ रहना और साथ सफ़र करना तेज़ी के साथ बढ़ता चला गया.

साबरमती (अहमदाबाद) आश्रम में बम्बई में और जगह-जगह उनसे मिलना हुआ. कभी-कभी कुछ फुटकर बातें जो याद में जमी रह गईं मैं यहाँ दे रहा हूँ.

यहाँ एक बात गाँधी जी से सुनी हुई लिख रहा हूँ.

साबरमती आश्रम कायम हो चुका था, पहले सत्याग्रह में उसकी बुनियाद पड़ी. वह सत्याग्रह आश्रम ही कहलाता था. कई हजार रुपये महीने का खर्च था. गाँधी जी के कुछ धनवान मित्रों में और प्रेमी जो सब या अधिकतर गुजराती थे आश्रम का खर्च चलाते थे. खाना बनाने वाले हिन्दू थे. इन धनवान मित्रों में से भी कोई-कोई और उनके घर वाले जब-तब आश्रम में आकर भोजन कर लेते थे. उन्हें ऐसा करने में बड़ी खुशी होती थी. थोड़े ही दिनों में एक मेहतर परिवार आश्रम में आकर ठहर गया और गाँधी जी के हुक्म से और सब की तरह रसोई में आने-जाने और सब के साथ खाने पीने लगा. बहुत से और हिन्दू मेहमान भी आश्रम में आने, रहने और बिना भेद भाव सब के साथ खाने-पीने लगे. आश्रम का खर्च चलाने वाले कुछ धनवान भाइयों के लिये यह नई बात थी. वह इसके आदी न थे. उन्हें और उनके घर वालों को आश्रम में खाने में संकोच होने लगा. उन्होंने गाँधी जी के पास आकर बड़ी नम्रता से यह सुझाया कि कम से कम उनकी खातिर आश्रम की रसोई को थोड़ा छोटी जात वालों और और हिन्दुओं से अलग रखा जाये.

ये शब्द मैं याद से ही लिख रहा हूँ. शायद ही एक दो शब्द का फल हो. उससे असल मतलब मैं फर्क बिलकुल नहीं पक सकता.

मैंने इसे पढ़कर कुछ हैरान हुआ. गाँधीजी को पढ़कर सुनाया और पूछा यह क्या? उन्होंने तुरन्त जवाब दिया—“यह तुम्हारे लिये नहीं है. इसे रख दो. तुम आश्रमवासी बनो तो इसे न मानना. मैं कहाँ मानता हूँ? तुम इसे रहने दो. तुम अपने काम की बात करो.”

उनके यह फिकरे भी मैं याद से लिख रहा हूँ. मैं समझ गया कि गाँधीजी और उनका आश्रम दोनों अभा विकास की हालत में थे, अभी लिख रहे थे और रूप ले रहे थे.

साबरमती (अहमदाबाद) आश्रम में बम्बई में और जगह-जगह उनसे मिलना हुआ. कभी-कभी कुछ फुटकर बातें जो याद में जमी रह गईं मैं यहाँ दे रहा हूँ.

यहाँ एक बात गाँधी जी से सुनी हुई लिख रहा हूँ.

मैं ही काट कर काफ़ी दुख और गुस्से के साथ जवाब दिया—“मैं तुम्हारी सभा का सदर नहीं बनूँगा, मैं अपनी मंजूरी वापस लेता हूँ ! तुम तो मेरे सत्याग्रह को बिलकुल ही नहीं समझे, अब जाओ, जो ठीक समझो करो, मैं सदर नहीं, यह मेरा सत्याग्रह नहीं है।”

मैं सुनकर चबरा गया और इसके से उनकी इस नाराजगी का कारण पूछा, उन्होंने फिर कहा—“मुझे कोई दूसरा प्रतिष्ठा पत्र नहीं चाहिये, मुझे पंडित मोतीलाल जी नहीं चाहिये, मुझे कोई बड़ा आदमी नहीं चाहिये, इलाहाबाद के अगर चार मेहतर मिलकर मेरे प्रतिष्ठा पत्र पर हस्ताक्षर कर देंगे और अपनी सत्याग्रह सभा बनायेंगे तो मैं उनका सदर बन जाऊँगा, तुम्हारी सभा का सदर बनना मुझे नागंजूर है, तुम तो सत्याग्रह को समझे ही नहीं।”

अब मैंने उनसे कहा—“आप नाराज न होइये, मेरी अपनी निजी राय भी यही थी जो आपकी है, कुछ और साथियों की राय वह थी जिस पर आप को इतना दुख हुआ, मैंने पहले से आप को अपना और दूसरों का यह फर्क बताना ठीक नहीं समझा, अब हम वही करेंगे जो आप चाहते हैं, आपके बिना सत्याग्रह कैसा ? आप ही रास्ता बतायें तो हम चल सकते हैं, दूसरा प्रतिष्ठा पत्र नहीं होगा, और कोई आप, चाहे न आए।”

गांधीजी ने थोड़ा सोचा, मेरी तरफ को बार-बार देखा एक दो और छोटी-मोटी बात हुई, उनका रास्ता ठसा हुआ फिर खुरा हाँकर कहा—“जाओ काम करो, मैं तुम्हारा सदर और तुम सिक्रेटरी।”

उसी दिन शाम को या अगले दिन मैं इलाहाबाद के लिये चल पड़ा, यू० पी० सत्याग्रह सभा का विधान छप गया, गांधीजी सदर, मैं और मंजूर अली सिक्रेटरी, मेम्बरों की फेहरिस्त शायद तीस के करीब रही होगी, जिसमें एक नाम जवाहरलाल जी का भी था।

[ 5 ]

मेरी उसी अहमदाबाद यात्रा की एक और छोटी सी घटना मुझे याद आ रही है।

शायद तीसरे पहर का वक़्त था, मैं गांधीजी के पास बैठा हुआ था, उनके सत्याग्रह आश्रम की नियमावली छप चुकी थी, छोटे साइज़ की पौंच सात सफे की छोटी सब पीच थी, एक कापी वही कहीं आस-पास पड़ी हुई थी, मेरी निगाह उस पर गई, मैं उसे पढ़ गया, उसमें एक नियम यह दिया हुआ था—“क्या आश्रम धर्म को बाधा न पहुँचे इस-लिये आश्रमवासी जब कभी आश्रम से बाहर जायेंगे तो केवल फल या दूध लाकर ही रहेंगे।”

मैं ही काट कर काफ़ी दुख और गुस्से के साथ जवाब दिया—“मैं तुम्हारी सभा का सदर नहीं बनूँगा, मैं अपनी मंजूरी वापस लेता हूँ ! तुम तो मेरे सत्याग्रह को बिलकुल ही नहीं समझे, अब जाओ, जो ठीक समझो करो, मैं सदर नहीं, यह मेरा सत्याग्रह नहीं है।”

मैं सुनकर चबरा गया और इसके से उनकी इस नाराजगी का कारण पूछा, उन्होंने फिर कहा—“मुझे कोई दूसरा प्रतिष्ठा पत्र नहीं चाहिये, मुझे पंडित मोतीलाल जी नहीं चाहिये, मुझे कोई बड़ा आदमी नहीं चाहिये, इलाहाबाद के अगर चार मेहतर मिलकर मेरे प्रतिष्ठा पत्र पर हस्ताक्षर कर देंगे और अपनी सत्याग्रह सभा बनायेंगे तो मैं उनका सदर बन जाऊँगा, तुम्हारी सभा का सदर बनना मुझे नागंजूर है, तुम तो सत्याग्रह को समझे ही नहीं।”

अब मैंने उनसे कहा—“आप नाराज न होइये, मेरी अपनी निजी राय भी यही थी जो आपकी है, कुछ और साथियों की राय वह थी जिस पर आप को इतना दुख हुआ, मैंने पहले से आप को अपना और दूसरों का यह फर्क बताना ठीक नहीं समझा, अब हम वही करेंगे जो आप चाहते हैं, आपके बिना सत्याग्रह कैसा ? आप ही रास्ता बतायें तो हम चल सकते हैं, दूसरा प्रतिष्ठा पत्र नहीं होगा, और कोई आप, चाहे न आए।”

गांधीजी ने थोड़ा सोचा, मेरी तरफ को बार-बार देखा एक दो और छोटी-मोटी बात हुई, उनका रास्ता ठसा हुआ फिर खुरा हाँकर कहा—“जाओ काम करो, मैं तुम्हारा सदर और तुम सिक्रेटरी।”

उसी दिन शाम को या अगले दिन मैं इलाहाबाद के लिये चल पड़ा, यू० पी० सत्याग्रह सभा का विधान छप गया, गांधीजी सदर, मैं और मंजूर अली सिक्रेटरी, मेम्बरों की फेहरिस्त शायद तीस के करीब रही होगी, जिसमें एक नाम जवाहरलाल जी का भी था।

[ 5 ]

मेरी उसी अहमदाबाद यात्रा की एक और छोटी सी घटना मुझे याद आ रही है।

शायद तीसरे पहर का वक़्त था, मैं गांधीजी के पास बैठा हुआ था, उनके सत्याग्रह आश्रम की नियमावली छप चुकी थी, छोटे साइज़ की पौंच सात सफे की छोटी सब पीच थी, एक कापी वही कहीं आस-पास पड़ी हुई थी, मेरी निगाह उस पर गई, मैं उसे पढ़ गया, उसमें एक नियम यह दिया हुआ था—“क्या आश्रम धर्म को बाधा न पहुँचे इस-लिये आश्रमवासी जब कभी आश्रम से बाहर जायेंगे तो केवल फल या दूध लाकर ही रहेंगे।”

جوں کر سیدھے جاکر اسی ڈالین میں ایک چارپائی پر چٹا لٹاؤ گئے۔ کسی نے اُن کے اشارے پر تہ کیا ہوا ایک بھٹہ لڑکا اُن کے سر اور منہ پر رکھ دیا۔ میں ڈرا دور بیٹھ کر دیکھتا رہا، چاہتا تھا وہ تھوڑا آرام کر لیں تو پاس بیٹھیں۔ ایک پل کے اندر انہوں نے میری طرف کو آنکھ پھری اور اشارے کو اُٹھایا۔ چارپائی کے پاس بلایا۔ میں پاس جاکر بیٹھ گیا۔ کہنے لگے—”سب حال سلاؤ۔“ میں جواب دیا—”ابھی آپ بہت تھکے ہیں ڈرا آرام کر لیجئے۔“ جواب ملا—”نہیں، شروع کر دو۔“

میں نے سارا حال کھ سنا دیا۔ کچھ پلنگت موتی لال اور دوسرے پرتگال پٹر کی بات ابھی نہیں کہی۔

اس کے بعد میں نے کہا—”آپ ہماری یو۔ پی۔ سٹیاگرہ سبھا کے صدر بننا منظور کیجئے۔“

انہوں نے جواب دیا—”مجھے بڑی خوشی سے منظور ہے۔ میں تمہاری سبھا کا صدر بن گیا۔ تم سرکاری ہو نہ؟“

میں نے کہا—”ہاں، میں اور مَنجُر اہلی دو سیکرٹری ہیں۔“

میں نے کہا—”ہاں، میں اور مَنجُر اہلی دو سیکرٹری ہیں۔“

اس سے کچھ پہلے گاندھی جی نے دیہی سے اُن لوگوں کے نام مانگے تھے جو اپنے آپ کو قانون توڑ کر جیل جانے کے لیے پشہار کرے۔ اس پر میں اور مَنجُر اہلی دونوں اپنے نام بھیج چکے تھے۔ یہ نام دیہی کے اخباروں میں چھپاتے جاتے تھے۔

گاندھی جی سے اُن کے صدر ہونے اور اپنے اور منظر علی کے سرکاری ہونے کی بات عام کرنے کے بعد میں نے اُن سے دوسرے پرتگال پٹر کی بات چیری۔ میں نے اُن سے کہا—”پلنگت موتی لال جی کو آپ کا پرتگال پٹر منظور نہیں۔ اُن کے لئے اور اُن جیسے چارواکوں کے لئے ہم نے ایک دوسرا پرتگال پٹر بنا لیا ہے۔“

یہاں میں نے انہیں دوسرا پرتگال پٹر پڑھ سنا دیا اور کہا—”یہ پلنگت موتی لال جی کو منظور ہے۔ ہم چاہتے ہیں وہ ہماری سبھا کے نائب صدر ہو جائیں اِس لئے ہم نے سوچا ہے کہ جو آدمی دونوں میں سے کسی ایک بھی پرتگال پٹر پر دستخط کر دے وہ ہماری سبھا کا ممبر بن سکے۔ موتی لال جی کے اُچالے سے جواہر لال جی کا اُنا اُساں ہو جائیگا اور یہ شاید ہم تین سرکاری ہو جائیں۔“

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

میں نے کہا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات سے

सरकार के विनाश सत्याग्रह शुरू करने से पहले लोग उपवास और प्रार्थनाओं के जरिये अपनी आत्माओं को शुद्ध करते। बड़ों-बड़ों का अन्दाजा यह था कि मुमकिन है बड़े-बड़े शाहों में आधी पक्षी इकताल हो जावे। पर यह एक इतिहासी घटना है कि उस दिन हिमालय से लेकर रासकुमारी तक दूर से दूर किसी गाँव में भी हल नहीं चला।

अहमदाबाद से खबर आते ही इलाहाबाद होम रूल लीग के दफ्तर में जिसका मैं एक मन्त्री था, मैंने कुछ मित्रों को जमा किया। एक यू. पी. सत्याग्रह सभा कायम हुई। गांधीजी को उसका सदर रखने की सज्जीश हुई। मैं और मंथरअली सोचता उसके सिक्रेटरी बने। अहमदाबाद जाकर गांधीजी को इसकी इत्तला देने, उनसे हिदायत लेने और सदर बनाने के लिये राजी करने का काम मुझे सौंपा गया।

इस बीच एक और छोटी सी घटना हुई। गांधीजी ने देश भर के सत्याग्रहियों के लिये एक प्रतिज्ञा पत्र निकाला था जो सब अखबारों में छप चुका था। यू० पी० सत्याग्रह सभा के मेम्बरों के लिये भी इस प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत करना जरूरी थे। हम में से कुछ लोग चाहते थे कि पंडित मोतीलाल नेहरू यू० पी० सत्याग्रह सभा के नायब सदर हों। पंडित मोतीलाल जी को गांधीजी का प्रतिज्ञा पत्र पसन्द न था। वह कानून तोड़ने और शांति के तैयार थे, पर अपनी जकेल दूसरे के हाथ में देने का पसन्द न करते थे। कुछ साथियों की सलाह से एक दूसरा प्रतिज्ञा पत्र लिखा गया जिसे पंडित मोतीलाल जी ने पसन्द कर लिया। वह उस पर दसखत करने को राजी हो गये। तब हुआ कि यू० पी० सत्याग्रह सभा का जो मेम्बर चाहे गांधीजी वाले प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत कर दे और जो चाहे इस नये प्रतिज्ञा पत्र पर, दोनों बराबर के मेम्बर समझे जायें। पर इस सबके लिये भी गांधीजी की सलाह और इजाजत जरूरी थी। यह इजाजत हासिल करना भी मेरे सुपुर्व हुआ।

गांधीजी से मिलने के लिये मैं अहमदाबाद पहुँचा। हाल ही में अहमदाबाद और बीरमगाम में बलब हो चुके थे। इन शख्सों के बहुत से घायल अहमदाबाद के किसी अस्पताल या अस्पतालों में पड़े हुए थे। जिस वक्त मैं आग्राम पहुँचा गांधीजी इन घायलों को देखने गये हुए थे। मैं बैठकर इन्तजार करने लगा।

थोड़ी देर बाद गांधीजी आए। मालूम होता था वेहद थके हुए हैं। पाँच लकड़वाले से पक रहे थे। मैंने नमस्कार किया। मुझे देखकर खुश हुए। पूछा कब आए ? मेरा जवाब

मरकर के खेत सिंकाई शुरू करते से पहले लोग अण्डों और प्रार्थनाओं के जरिये अपनी आत्माओं को शुद्ध करने का अन्दाजा यह था कि मुमकिन है बड़े-बड़े शाहों में आधी पक्षी इकताल हो जावे। पर यह एक इतिहासी घटना है कि उस दिन हिमालय से लेकर रासकुमारी तक दूर से दूर किसी गाँव में भी हल नहीं चला।

अहमदाबाद से खबर आते ही इलाहाबाद होम रूल लीग में जिसका मैं एक मन्त्री था, मैंने कुछ मित्रों को जमा किया। एक यू. पी. सत्याग्रह सभा कायम हुई। गांधीजी को उसका सदर रखने की सज्जीश हुई। मैं और मंथरअली सोचता उसके सिक्रेटरी बने। अहमदाबाद जाकर गांधीजी को इसकी इत्तला देने, उनसे हिदायत लेने और सदर बनाने के लिये राजी करने का काम मुझे सौंपा गया।

इस बीच एक और छोटी सी घटना हुई। गांधीजी ने देश भर के सत्याग्रहियों के लिये एक प्रतिज्ञा पत्र निकाला था जो सब अखबारों में छप चुका था। यू० पी० सत्याग्रह सभा के मेम्बरों के लिये भी इस प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत करना जरूरी थे। हम में से कुछ लोग चाहते थे कि पंडित मोतीलाल नेहरू यू० पी० सत्याग्रह सभा के नायब सदर हों। पंडित मोतीलाल जी को गांधीजी का प्रतिज्ञा पत्र पसन्द न था। वह कानून तोड़ने और शांति के तैयार थे, पर अपनी जकेल दूसरे के हाथ में देने का पसन्द न करते थे। कुछ साथियों की सलाह से एक दूसरा प्रतिज्ञा पत्र लिखा गया जिसे पंडित मोतीलाल जी ने पसन्द कर लिया। वह उस पर दसखत करने को राजी हो गये। तब हुआ कि यू० पी० सत्याग्रह सभा का जो मेम्बर चाहे गांधीजी वाले प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत कर दे और जो चाहे इस नये प्रतिज्ञा पत्र पर, दोनों बराबर के मेम्बर समझे जायें। पर इस सबके लिये भी गांधीजी की सलाह और इजाजत जरूरी थी। यह इजाजत हासिल करना भी मेरे सुपुर्व हुआ।

गांधीजी से मिलने के लिये मैं अहमदाबाद पहुँचा। हाल ही में अहमदाबाद और बीरमगाम में बलब हो चुके थे। इन शख्सों के बहुत से घायल अहमदाबाद के किसी अस्पताल या अस्पतालों में पड़े हुए थे। जिस वक्त मैं आग्राम पहुँचा गांधीजी इन घायलों को देखने गये हुए थे। मैं बैठकर इन्तजार करने लगा।

थोड़ी देर बाद गांधीजी आए। मालूम होता था वेहद थके हुए हैं। पाँच लकड़वाले से पक रहे थे। मैंने नमस्कार किया। मुझे देखकर खुश हुए। पूछा कब आए ? मेरा जवाब

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا اسے اس کتاب کے بارے میں  
 کراپ گئے اور آگرے جوائنٹ مجسٹریٹوں تک کو  
 پدنے کو دی گئی۔ اس کے اس کتاب کو دیکھنے اور اس میں  
 اپنا نام اور حال پدنے کا سہاگہ تھا۔ اب سوال تھا کہ اس طرح  
 کے اردوں کو انگریزی راج کی راہ کے دروں کو کس طرح  
 جانے، ذرائع اور تجربہ کار انیسویں کی ایک کمیٹی مقرر  
 ہوئی۔ اس نے ایک بہت بڑی رپورٹ اس بات کی تیار کی کہ  
 انگریزی راج کے خلاف کب کب کہاں کہاں اور کس کس طرح  
 ہمارے کے خیال پیدا ہوئے ہیں۔ اور کیا کیا کوششیں  
 ہوں۔ اس رپورٹ کے آدھار پر اور اس کمیٹی کی صلح کے  
 مطابق بڑے وقت کی کونسل میں دو نئے قانون پیش کئے گئے۔  
 یہ دونوں قانون رولٹ ایکٹ کہلاتے ہیں اور دیہ میں اس  
 سے 'کالے قانون' کے نام سے مشہور ہے۔ ان نئے قانونوں میں  
 دیہ کے چھوٹے سے چھوٹے پراس انیسویں کو وہ زبردست ادھکار  
 دے دیئے گئے جن کے دہم دیہ کے انٹر نرم یا گرم کسی  
 طرح کے راجگاہی آندولن کا چل سکتا بھی ناممکن تھا۔ نرم  
 ال کے دہم سے بڑے نہیں بھی انہوں دیکھ کر حیرانی، استغش  
 اور غصہ سے بھر گئے۔ لٹ صاحب کی کونسل کے اندر ان  
 قانونوں کے خلاف مائل، شریوٹاس شاستری اور مستور ایم۔ اے۔  
 جناح کی جو زوردار تقریریں ہوئیں وہ ایک بار سارے دیہ  
 میں گونج گئیں۔ قانون پاس ہو گئے۔ سارا دیہ غصہ اور  
 پچھلی سے بھر گیا۔ گاندھی جی کو سے چپ رہ سکتے تھے؟  
 ان کے لئے یہ بھوکاں کا دیا ہوا موقع تھا۔

اس گرمی گرمی کے شروع کے دنوں میں گاندھی جی  
 احمدآباد میں سخت بیمار پڑے ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ  
 ایک بار ان کے بچنے کی بھی آشا کم دکھائی دی گئی تھی۔ وہ  
 سکتا ہے کہ ان کی بیماری شدید کی کم اور سن کی ادھک  
 رہی ہو۔ وہ سکتا ہے ان کی آتما اندر سے کڑوہ پتہ کا دروازہ  
 کھلنے کے لئے بے چین رہی ہو۔ جو ہو، دیہ کے روگ کے  
 سامنے وہ اپنا روگ بھول گئے۔ احمدآباد سے ہی انہوں نے  
 نئے کالے قانونوں کے خلاف سٹہاگرہ کرنے یعنی کھلے طور پر  
 سرکار کا کوئی نہ کوئی قانون توڑنے اور اس کی سزا میں جیل  
 جانے کا پروگرام دیہ کے سامنے رکھا۔ دیہ بھر کے لئے ایک  
 سٹہاگرہ سبھا بنائی گئی جس کے گاندھی جی صدر تھے۔ گاندھی  
 جی نے خود ہمیں جاکر ضبط کتابیں کو کھلے عام بیچ کر  
 سٹہاگرہ شروع کیا۔ دیہ پر اس کا کتنا گہرا اثر ہوا اس کا  
 پتہ سے کسی کو گمان بھی نہ ہو سکتا تھا اور اب بھی اندازہ  
 لگ سکتا ہے کہ 6 اپریل 1919 کے لئے ہڑتال اعلان  
 ہو چکی تھی۔ گاندھی جی کا اس سے مقصد یہ تھا کہ



दोपहर को मैं तुम्हें बुलाऊंगा, तब तुमसे बातें होंगी।" मैंने उनकी आज्ञा मान ली।

दोपहर बाद उन्होंने मुझे ऊपर के एक कमरे में बुलाया। वह और मैं ही थे। फर्श पर बैठकर लगभग दो घंटे तक फिर बातें होती रहीं। वह सब बातें मुझे अब याद नहीं रहीं। इतना याद है कि गांधी जी को हिन्दुस्तान भर की एक-एक छावनी के बारे में यह जानकारी थी कि किसमें कितनी फौज है, कितनी दस्ती और कितनी अंगरेजी, और कितने हथियार हैं, और कहाँ कोई बराबत या आन्दोलन खड़ा हो जाने पर सरकार कितना मुकाबला कर सकती है। उन्होंने इन चीजों को अच्छी तरह पढ़ रखा था। फौजों के इधर से उधर आने जाने को भी वह ध्यान से पढ़ते सुनते रहते थे। मुझ पर यह भी असर पड़ा कि किसी एक जगह को अपने आन्दोलन के लिये या सत्याग्रह के लिये चुनते समय यह सब चीजें उनकी निगाह में रहती हैं। उस दिन की दो घंटे की बात-चीत से दो बातें मेरे दिल पर जम गईं। एक यह कि अंगरेज सरकार की हिंसा करने की शक्ति की जितनी अच्छी जानकारी गांधी जी का थी उतनी हमारे पुराने क्रान्तिकारी दल में किसी का न थी। दूसरी यह कि विदेशी हुकूमत से नफरत और मुक्त की आकांक्षी के लिये तड़प भी गांधीजी में किसी दूसरे से कम न थी। कुछ ऐसा भी लगा कि उनकी धर्म, पाप और अहिंसा की बातें केवल वक्त की जरूरत थीं और वह बड़ी मेहनत के साथ कोई नया रास्ता ढूँढ़ रहे थे या बना रहे थे।

मेरा दिल बदला, मैं गहरे सोच में पड़ गया। फिर भी अधिक न ठहरा। शाम की गांधी से मैं इलाहाबाद के लिये रवाना हो गया।

इस तरह मेरी गांधी जी की दूसरी मुलाकात खतम हुई।

[ 4 ]

पहली जंग के खतम होने से पहले-पहले देश में नई जान और नई लम्गें पैदा हो रही थीं। गांधी जी के छोटे-छोटे नये सत्रों भी बहुत सों का ध्यान अपनी तरफ खींच रहे थे। सरकार इन सब बातों को देख और समझ रही थी बदतों हुई बेचैनी और आजादी की प्यास को कुचलने की तरकीबें सोची जाने लगीं। देश भर के कुछ चुने हुए काम करने वालों या आजादी के प्रेमियों की एक फेहरिस्त तैयार करके हर एक का थोड़ा-थोड़ा हाल देते हुए अंगरेजों में एक छोटी सी किताब तैयार की और गुप्त रीति से उसे हिन्दुस्तान भर के सब अंगरेज अफसरों के हाथों में पहुँचाया गया। मुझे मालूम है कि बाज-बाज जिलों में जहाँ हिन्दुस्तानी

दोपहर को मैं तुम्हें बुलाऊंगा, तब तुमसे बातें होंगी।" मैंने उनकी आज्ञा मान ली।

दोपहर बाद उन्होंने मुझे ऊपर के एक कमरे में बुलाया। वह और मैं ही थे। फर्श पर बैठकर लगभग दो घंटे तक फिर बातें होती रहीं। वह सब बातें मुझे अब याद नहीं रहीं। इतना याद है कि गांधी जी को हिन्दुस्तान भर की एक-एक छावनी के बारे में यह जानकारी थी कि किसमें कितनी फौज है, कितनी दस्ती और कितनी अंगरेजी, और कितने हथियार हैं, और कहाँ कोई बराबत या आन्दोलन खड़ा हो जाने पर सरकार कितना मुकाबला कर सकती है। उन्होंने इन चीजों को अच्छी तरह पढ़ रखा था। फौजों के इधर से उधर आने जाने को भी वह ध्यान से पढ़ते सुनते रहते थे। मुझ पर यह भी असर पड़ा कि किसी एक जगह को अपने आन्दोलन के लिये या सत्याग्रह के लिये चुनते समय यह सब चीजें उनकी निगाह में रहती हैं। उस दिन की दो घंटे की बात-चीत से दो बातें मेरे दिल पर जम गईं। एक यह कि अंगरेज सरकार की हिंसा करने की शक्ति की जितनी अच्छी जानकारी गांधी जी का थी उतनी हमारे पुराने क्रान्तिकारी दल में किसी का न थी। दूसरी यह कि विदेशी हुकूमत से नफरत और मुक्त की आकांक्षी के लिये तड़प भी गांधीजी में किसी दूसरे से कम न थी। कुछ ऐसा भी लगा कि उनकी धर्म, पाप और अहिंसा की बातें केवल वक्त की जरूरत थीं और वह बड़ी मेहनत के साथ कोई नया रास्ता ढूँढ़ रहे थे या बना रहे थे।

मेरा दिल बदला, मैं गहरे सोच में पड़ गया। फिर भी अधिक न ठहरा। शाम की गांधी से मैं इलाहाबाद के लिये रवाना हो गया।

इस तरह मेरी गांधी जी की दूसरी मुलाकात खतम हुई।

[ 4 ]

पहली जंग के खतम होने से पहले-पहले देश में नई जान और नई लम्गें पैदा हो रही थीं। गांधी जी के छोटे-छोटे नये सत्रों भी बहुत सों का ध्यान अपनी तरफ खींच रहे थे। सरकार इन सब बातों को देख और समझ रही थी बदतों हुई बेचैनी और आजादी की प्यास को कुचलने की तरकीबें सोची जाने लगीं। देश भर के कुछ चुने हुए काम करने वालों या आजादी के प्रेमियों की एक फेहरिस्त तैयार करके हर एक का थोड़ा-थोड़ा हाल देते हुए अंगरेजों में एक छोटी सी किताब तैयार की और गुप्त रीति से उसे हिन्दुस्तान भर के सब अंगरेज अफसरों के हाथों में पहुँचाया गया। मुझे मालूम है कि बाज-बाज जिलों में जहाँ हिन्दुस्तानी

میں گجرات پہنچا۔ گاندھی جی اس سے مذاکرے کے لئے آئے تھے۔ میں ان سے وہیں ملنے کے لئے گیا۔ میری ان کی یہ دوسری ملاقات تھی۔

صبح کا وقت تھا۔ گاندھی جی اناتاہیہ کے حال کے ایک کمرے میں فرش کے اوپر ایک کرا بچھائے بیٹھے ہوئے تھے۔ آٹھ بجے تک کمرے والے ان کے دائیں بائیں اور سامنے تھے۔ ان میں سے دو کی یاد میرے اندر ابھی تک باقی ہے۔ ایک شکر لال دیواکر اور دوسرے وایہ بھائی پتول۔ گاندھی جی میں اور ان میں باتیں ہو رہی تھیں۔ کچھ گجراتی میں اور کچھ ہندوستانی میں ملی جلی۔ میلہ جاکر نسا کر کیا۔ گاندھی جی نے مجھے پہچان لیا۔ پوچھا کہ میں وہی ہوں نہ جو ان سے احمدآباد میں مل چکا تھا۔ میرے ہاں کمرے پر انہوں نے پریم کے ساتھ مجھے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ ان کی باتیں سلیے لگا۔ لگ بھگ دو گھنٹے باتیں ہوئی رہیں۔ میں گجراتی اور ہندوستانی دونوں سمجھ رہا تھا۔ مجھے اب ان باتوں کی تفصیل تو یاد نہیں رہی پر اتنا اچھی طرح یاد ہے کہ دو گھنٹے تک لگاتار گاندھی جی ان سب کام کرنے والوں کو طرح طرح سے بھی سمجھاتے رہے کہ دھرم پر قائم رہنا، پاپ نہیں کرنا، کسی کو مارنا نہیں، کسی کو دھم بھی نہیں پہنچانا، انہیں ان کے ساتھ ہی دل میں پریم رکھنا اور پریم کے ساتھ ہی ان سے برتاؤ وغیرہ وغیرہ۔ میں دھیان سے سنتا رہا۔ کبھی کبھی وہ بات کو صاف کرنے کے لئے کوئی چھوٹا سا سوال بھی کر لیا۔ ہر بات کا وہی جواب۔ انہیں اتنی اس بات کی چٹنا نہیں تھی کہ کسانوں کا اسیانہ دور ہو جتنی اس کی کہ کسی بھی سرکاری آدمی یا سرکاری نوکر کو ذرا سا بھی دھم نہ پہنچا ہو۔ تو میرے من میں گاندھی جی کی طرف سے پھر وہی بڑا اثر ہے جو ایک سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ دو تین گھنٹے کی باتیں سن کر اور اچھے سے سمجھ کر انہوں نے ساتھ ساتھ میں پھر ان کی طرف سے تراشا اور ایک طرح کی نفرت ہی جاگی۔ ہانے کا وقت آ رہا تھا۔ سب کھڑے ہو گئے۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ میلہ گاندھی جی سے کہا—”میں پہلے ہی آپ سے ملنے آیا تھا اور ان دنوں بعد پھر آیا ہوں۔ اب میں اسی درپہر کی گلی سے لوٹ جاؤں گا۔ صرف اتنا عرض کر دوں کہ میں آج ہی disappointed (نرالی) اور disgusted (بےزار) جا رہا ہوں جسنا پہلی بار۔“

گاندھی جی پھر مسکرائے۔ کچھ اور لوگ بھی دیکھ رہے تھے۔ مجھے کہ—”ابھی اور تھوڑا۔“ میلہ جواب دیا—”مجھے پھر سے کوئی ذمہ دہائی نہیں دینا۔“ گاندھی جی نے کہا—”انہی دنوں سے آئے ہو۔ میرے کہنے سے کچھ دیر اور تھوڑا جاؤ۔ تم بھی کہاں کہاں لو؟ میں بھی کہا لوں۔ پھر

میں گجرات پہنچا۔ گاندھی جی اس سے مذاکرے کے لئے آئے تھے۔ میں ان سے وہیں ملنے کے لئے گیا۔ میری ان کی یہ دوسری ملاقات تھی۔

صبح کا وقت تھا۔ گاندھی جی اناتاہیہ کے حال کے ایک کمرے میں فرش کے اوپر ایک کرا بچھائے بیٹھے ہوئے تھے۔ آٹھ بجے تک کمرے والے ان کے دائیں بائیں اور سامنے تھے۔ ان میں سے دو کی یاد میرے اندر ابھی تک باقی ہے۔ ایک شکر لال دیواکر اور دوسرے وایہ بھائی پتول۔ گاندھی جی میں اور ان میں باتیں ہو رہی تھیں۔ کچھ گجراتی میں اور کچھ ہندوستانی میں ملی جلی۔ میلہ جاکر نسا کر کیا۔ گاندھی جی نے مجھے پہچان لیا۔ پوچھا کہ میں وہی ہوں نہ جو ان سے احمدآباد میں مل چکا تھا۔ میرے ہاں کمرے پر انہوں نے پریم کے ساتھ مجھے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ ان کی باتیں سلیے لگا۔ لگ بھگ دو گھنٹے باتیں ہوئی رہیں۔ میں گجراتی اور ہندوستانی دونوں سمجھ رہا تھا۔ مجھے اب ان باتوں کی تفصیل تو یاد نہیں رہی پر اتنا اچھی طرح یاد ہے کہ دو گھنٹے تک لگاتار گاندھی جی ان سب کام کرنے والوں کو طرح طرح سے بھی سمجھاتے رہے کہ دھرم پر قائم رہنا، پاپ نہیں کرنا، کسی کو مارنا نہیں، کسی کو دھم بھی نہیں پہنچانا، انہیں ان کے ساتھ ہی دل میں پریم رکھنا اور پریم کے ساتھ ہی ان سے برتاؤ وغیرہ وغیرہ۔ میں دھیان سے سنتا رہا۔ کبھی کبھی وہ بات کو صاف کرنے کے لئے کوئی چھوٹا سا سوال بھی کر لیا۔ ہر بات کا وہی جواب۔ انہیں اتنی اس بات کی چٹنا نہیں تھی کہ کسانوں کا اسیانہ دور ہو جتنی اس کی کہ کسی بھی سرکاری آدمی یا سرکاری نوکر کو ذرا سا بھی دھم نہ پہنچا ہو۔ تو میرے من میں گاندھی جی کی طرف سے پھر وہی بڑا اثر ہے جو ایک سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ دو تین گھنٹے کی باتیں سن کر اور اچھے سے سمجھ کر انہوں نے ساتھ ساتھ میں پھر ان کی طرف سے تراشا اور ایک طرح کی نفرت ہی جاگی۔ ہانے کا وقت آ رہا تھا۔ سب کھڑے ہو گئے۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ میلہ گاندھی جی سے کہا—”میں پہلے ہی آپ سے ملنے آیا تھا اور ان دنوں بعد پھر آیا ہوں۔ اب میں اسی درپہر کی گلی سے لوٹ جاؤں گا۔ صرف اتنا عرض کر دوں کہ میں آج ہی disappointed (نرالی) اور disgusted (بےزار) جا رہا ہوں جسنا پہلی بار۔“

گاندھی جی پھر مسکرائے۔ کچھ اور لوگ بھی دیکھ رہے تھے۔ مجھے کہ—”ابھی اور تھوڑا۔“ میلہ جواب دیا—”مجھے پھر سے کوئی ذمہ دہائی نہیں دینا۔“ گاندھی جی نے کہا—”انہی دنوں سے آئے ہو۔ میرے کہنے سے کچھ دیر اور تھوڑا جاؤ۔ تم بھی کہاں کہاں لو؟ میں بھی کہا لوں۔ پھر

بہت سے میں نے اسے یہ بھی کہا—”میری آپ سے ایک ہی پُراپنا ہے، ایشور کے لئے آپ اور جو چاہے ’مکھنہ‘ ہندوستان کی راجدانی میں داخل نہ دیکھئے، نہیں تو آپ اس دیہی کو اور بلا دیکھئے۔“ وہ سن کر مسکرائے اور کہنے لگے—”اچھا ابھی تو اور پڑ بھی آؤگے۔“

میں نے—”دیکھیے—نمस्کار!“ کہہ کر بیٹھا لی۔ سٹیشن آیا۔ سولن کے لیے واپس چل دیا۔

میں راستے میں یہی سوچتا تھا کہ اتنا لمبا سفر اور اتنا خرچ

سولن پہونچکر میں نے اسی مضمون کے خط اپنے دوستوں کو

کچھ دنوں کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ گاندھی جی جب پہلے پہل دنوں افریقہ سے ہندوستان آئے تھے تب مسٹر کرکلی نے ’جیلوں گاندھی جی اپنے گرو کی طرح مانتے تھے‘ یہ وعدہ لے لیا تھا کہ وہ یہاں آنے کے ایک سال بعد تک اس دیہی کی حالت کو چپ چاپ بیٹھ کر دیکھینگے اور سمجھینگے اور کسی طرح کا کوئی عملی قدم کم سے کم اس سال تک نہیں اٹھائیں گے۔ میں جب گاندھی جی سے پہلی مرتبہ ملا تو یہ اسی ایک کے سال کے اندر کا دن تھا۔

[ 3 ]

پہلی ملاقات ہوئے لگ بھگ دو سال بیت چکے تھے۔ پہلا سہ ماہیہ ختم ہونے پر آ رہا تھا۔ جو ہزاروں ہندوستانی سہ ماہی ہورپ کے لڑائی کے میدانوں سے لوٹ لوٹ کر آ رہے تھے اور جو خبریں لڑائی کی دیہی ہر مہینے پہونچ رہی تھیں ان کی بدولت ایک نئی امنگ اور آزادی کی نئی لہر دیہی میں پھیلنے جا رہی تھی۔ میں پہار چھوڑ کر ایلہ آباد آ چکا تھا۔ ابھی آگے کے کام کے لئے دوستوں سے صلح ہی کر رہا تھا کہ ایلہ میں سنا کہ ان ہی مسٹر گاندھی نے چمپارن بہار میں وہاں کے قریب کسانوں پر تلہہ گوروں کے اٹھانے کے خلاف کچھ آندولن شروع کیا ہے۔ گاندھی جی کے اپنے پہلے تجربے سے مجھے اتنا جوش ہی نہ آسکا کہ پہار، جو ایلہ آباد سے بہت دور نہ تھا، جا کر ان کے آندولن کو دیکھوں۔

تھوڑے دن اور بیٹھے۔ سنا کہ کھجرات میں کھڑا ضلع کے کسانوں کی فصلوں خراب ہوگئی تھیں۔ سرکار ان سے زبردستی لگان وصول کر رہی تھی۔ اس اٹھانے کے خلاف گاندھی جی نے کھجرات میں ایک نیا آندولن کھڑا کیا ہے۔

نکلا تھا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی شاید پانچ چھ برس کی رہی ہوگی، ان کے آگے بڑھی تھی۔ مجھے جہاں تک یاد ہے گاندھی جی اس کے سر سے جوڑیوں میں بین بن کر پس رکھے ہوئے ہائی کے کپڑے پہنے ڈالے جاتے تھے۔ اسی سچ بھج کے ایک دو اور آدمی کمرے کے پاس سے آتے جاتے دکھائی دیئے۔ میں کمرے میں گھسا۔ معلوم کر کے کہ یہی مسٹر گاندھی ہیں کچھ اچنبھا سا لگا۔ انہوں نے ٹاٹ کا ایک ٹکڑا مہری طرف کر کے مجھے بٹھاتے کر لیا۔ میں بیٹھ گیا۔ باتیں شروع ہوئیں۔

میں نے اپنا اور حال کی دہش کی آزمائش کی کوششوں کا حال جو میں جانتا تھا سب انہوں سے تفصیل سے کہہ سنا۔ معلوم ہوتا تھا بڑے دھیان سے سن رہے ہیں اور جو جو میں کہتا ہوں سب پتہ جاتے ہیں۔ بھج بھج میں انہوں نے کئی سوال بھی کئے۔ اس بات چیت میں کئی گھنٹے لگے دوپہر سے شام ہوئے آئی۔ کہیں کہیں وہ آٹھ کر دوپہر کا کام بھی کرتے رہے۔ پر جب جب مہلت ان سے ان کی رائے پوچھی اور ان سے آگے کے لئے صلاح اپنا چاہا تو لگ بھگ ہر بات پر وہ کچھ ایسا ہی جواب دیتے تھے۔ ”میں تو راجنیتی نہیں سمجھتا۔ میں تو دھرم جانتا ہوں۔ سب کو اپنے دھرم پر رہنا چاہئے۔ اپنا دھرم پالنا چاہئے۔ پاپ تو نہیں کرنا چاہئے۔ کسی کو مارنا تو پاپ ہے۔“ وغیرہ وغیرہ۔ مہلت بار بار اور طرح طرح سے ان سے پوچھتا چاہا کہ آخر ہندوستان کو آزادی کیسے مل سکتی ہے۔ ہر بار وہ کوئی نہ کوئی ایسی طرح کا فقرہ دہرا دیتے تھے۔ مجھ پر یہ اثر ضرور پڑا کہ وہ مجھ میں اور مہری باتوں میں رس لے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں مجھ پر بار بار ایک الونکا سلپہ اور اپنا بین دکھائی دیتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا وہ چاہتے ہیں میں اور قریبوں اور ان سے باتیں کروں۔ ہر بار طرح طرح کی باتیں کرتے ہوئے ان نے وہی فقرہ سن کر۔ ”میں تو دھرم جانتا ہوں۔ پاپ تو نہیں کرنا چاہئے۔ سب کو اپنے دھرم پالنا چاہئے۔“ میں اکتا گیا۔ مہلت اس پوچھنے پر بھی کہ آخر دھرم ہے کیا چیز؟ وہ مہری تلی کا جواب نہ دے سکے۔ مجھ سے ایک طرح کی نفرت ہو گئی۔ میں سوچنے لگا کہ دھرم اور دھرم کے جن دھنوں کی مثالوں نے اس ملک کو برباد کیا ہے اور اسے غلامی کے یہ دن دکھائے ہیں وہی خیال اس آدمی کے اندر کھوکھلے ہو کر رہے ہوئے ہیں۔ مہلت میں مل کر لیا کہ شلم کی گڑی سے سولن لوت جایا جائے۔ آخر میں مہلت ان سے کہا کہ میں آج ہی سولن واپس جا رہا ہوں۔ مہلت ان سے یہ بھی عطف کہہ دیا کہ میں آپ سے disappointed اور disgusted یعنی نراہی ہو کر اور بغور ہو کر جا رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ مہلت انگریزی کے ہی یہی دونوں شہد اہلک کئے تھے۔ چلتے

کر کے سبکدوش کر سکتا تھا۔ کچھ برسوں کے تجربے نے بالکل صحیح طریقہ دکھا دیا تھا کہ یہ راستہ ٹھیک ہے۔ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستانوں کا نہ بڑے ہی پیدا کر دے، نہ جتنا میں جان بھونک سکتا تھا نہ انہیں آزادی کی لڑائی کے لئے تیار کر سکتا تھا اور نہ دیہی کو آزاد کر سکتا تھا۔ اس دل کے عام لوگوں میں ایک گہری نراشا چھائی ہوئی تھی۔

سن 1908 میں لکھنؤ میں تیلک کے جیل بھیجے جانے پر اس دل کو خواہش ہوئی کہ وہاں پہنچا جائے۔ سن 1910 میں اردن ہاؤس کے کلکٹر چھوڑ کے ہنگامہ سے دل کی ہمتیں اور پست ہو گئیں۔ اردن ہاؤس کے اس آخری دن میں کلکٹر میں ہی تھا اور کلی گھنٹے اُن کے ساتھ رہا۔ سن 1912 کے بعد دل کے بہت سے لوگ اِدھر اِدھر آسام کی سرحد پر یا ہمالیہ کی ترائی میں چھوڑ دیے کسی طرح دن رات وہ تھے جس گلی سے وہ چل رہے تھے وہ آگے ہندوستانی دیتی تھی اور دوسرا کوئی راستہ بھی مڑ کر آزادی کی منزل تک پہنچانے کا دکھائی نہ دیتا تھا۔

اس سلسلے میں سن 1912 سے 1916 تک کے دن مہینے سولن میں گئے۔ دل کے اندر گہری نراشا تھی۔ جاپان، روس، آئرلینڈ اور فرانس کے اِتناسوں کے خوب پلے لوٹے پر اپنے دیہی کی آزادی کا کوئی راستہ دکھائی نہ دیا۔

[ 2 ]

سُننے میں آیا کہ مسٹر گاندھی نام کے ایک سچے اسی سال ہندوستان آئے ہیں۔ دہلی، اُترپردیش میں وہ وہاں کے ہندوستانوں کے ادھیکاروں کے لئے لڑتے رہے ہیں اور گاندھی کے ساتھ لڑتے رہے ہیں۔ وہاں کی ہندوستانی جتن لے رہی ہیں کہ وہاں کے لوگ دبا دیے۔ قدرتی طور پر اُن سے ملنے کی خواہش دل میں پیدا ہوئی۔ اس اُمدد میں کہ اُن کی صلاح سے شاید اپنے دیہی کی آزادی کے لئے کوئی آگے کا راستہ سوچے۔

میں اکیلے سولن سے چلا۔ سیدھا احمد آباد پہنچا۔ یہاں تک تو معلوم ہوا کہ مسٹر گاندھی شہر کے باہر کسی چھوٹے سے پنڈے میں رہ رہے ہیں۔ میں وہاں پہنچا۔ مہری گاندھی جی کی یہ پہلی ملاقات تھی۔

مجھے اب تک یاد ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے کے اندر جس کا فرش بیچ بیچ میں اُٹھا ہوا تھا ٹاٹ کا ایک چھوٹا سا ٹوکرا بچھاؤ اس پر بٹا تھا۔ ایک چھوٹی سی مٹی کی گھڑیوں تک کی دھرتی ہاتھ ہوئے تھے۔ ہاتھی بن

سن 1908 میں لوکمانیہ تلک کے جیل بھیجے جانے پر اس دل کو خواہش ہوئی کہ وہاں پہنچا جائے۔ سن 1910 میں اردن ہاؤس کے کلکٹر چھوڑ کے ہنگامہ سے دل کی ہمتیں اور پست ہو گئیں۔ اردن ہاؤس کے اس آخری دن میں کلکٹر میں ہی تھا اور کلی گھنٹے اُن کے ساتھ رہا۔ سن 1912 کے بعد دل کے بہت سے لوگ اِدھر اِدھر آسام کی سرحد پر یا ہمالیہ کی ترائی میں چھوڑ دیے کسی طرح دن رات وہ تھے جس گلی سے وہ چل رہے تھے وہ آگے ہندوستانی دیتی تھی اور دوسرا کوئی راستہ بھی مڑ کر آزادی کی منزل تک پہنچانے کا دکھائی نہ دیتا تھا۔

اس سلسلے میں سن 1912 سے 1916 تک کے دن مہینے سولن میں گئے۔ دل کے اندر گہری نراشا تھی۔ جاپان، روس، آئرلینڈ اور فرانس کے اِتناسوں کے خوب پلے لوٹے پر اپنے دیہی کی آزادی کا کوئی راستہ دکھائی نہ دیا۔

[ 2 ]

میں اکیلے سولن سے چلا۔ سیدھا احمد آباد پہنچا۔ یہاں تک تو معلوم ہوا کہ مسٹر گاندھی شہر کے باہر کسی چھوٹے سے پنڈے میں رہ رہے ہیں۔ میں وہاں پہنچا۔ مہری گاندھی جی کی یہ پہلی ملاقات تھی۔

مجھے اب تک یاد ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے کے اندر جس کا فرش بیچ بیچ میں اُٹھا ہوا تھا ٹاٹ کا ایک چھوٹا سا ٹوکرا بچھاؤ اس پر بٹا تھا۔ ایک چھوٹی سی مٹی کی گھڑیوں تک کی دھرتی ہاتھ ہوئے تھے۔ ہاتھی بن

میں انگریز ہندوستانوں سے سبیل کر ہونے لگے ۔ اس آئندوں کا سب سے بڑا آڈا کئے تھا ۔ کئے کے اُس ناخوشگوار ہوا سے باہر نکلنے کے لئے انگریزوں نے دلی کو راجدھانی بنایا ۔ دلی میں بڑے شاندار جلسے کے ساتھ داخل ہوئے ہوئے جب انہوں نے مغلوں کے تھن سو برس کے رعب کو اپنے اوپر اڑھنا چاہا تو سن 1912 کے لڑق ہارڈنگ کے ہم نے پھر ایکدم انگریز قوم کی اُس ساری شان اور سارے مزے کو کھرا کر دیا ۔ سارے ہندستان میں ایک لہر سی دوز گئی کہ دلی کو راجدھانی بنانا انگریز سرکار کو اس نہیں آئیگا ۔ ہم اور پستوں کی راہ نے کچھ دیر کے لئے اپنا کچھ نہ کچھ چمٹکار دکھایا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

پر وہ چستکار چلدرز سے زیادہ نہ ٹھہر سکا۔ دلی ہم کے بعد  
 ہی سرکار نے جو چوطرفہ دمن شروع کیا اُس سے ملک میں  
 پھر ایک بار اندھاری چھا گئی، اور بڑھتی گئی۔ اُس کے  
 بعد بھی کچھ ہمت والہ لوگوں نے اندر ادھر اسی طرح کی  
 چنڑوں جاری رکھیں۔ پر پانچ سات برس کے تجربے سے اُس  
 دل کے دچاڑاں لوگوں نے دیکھ لیا کہ ان طریقوں سے اور جو  
 کچھ بھی ہم کر پائیں یا نہ کر پائیں انگریزی راج دیں سے  
 نہیں مٹایا جا سکتا۔ ایک ایک گھٹ ہتیا کا ٹھیک ٹھاک کرلے  
 میں بیس بیس اور تیس تیس آدمیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔  
 مچھلتا ہو بھی گئی تو پولیس کے سراغ لگانے پر قریب قریب  
 ناممکن تھا کہ اُن میں سے کوئی نہ کوئی پھوٹ نہ جاوے۔  
 بوسوں مقدمہ چلانے کے بعد ایک جان کے بدلہ بیس بیس اور  
 بیس تیس دیں بہکتوں سے زندگی بھر کے لئے ہاتھ دعو بیٹھنا  
 پڑتا تھا۔ جتنا میں جو لوگ اُن کے کام سے اندر اندر محدود  
 ہی رکھتے تھے وہ اُن سزاؤں کو دیکھ کر سہم جاتے تھے دیکھوں میں  
 ایک ایک قیدی پر کبھی کبھی اتنا خرچ ہو جاتا تھا جتنا  
 وصول نہ ہو پاتا تھا، پھر جو لوگ جان پر کھال کر قیدیوں  
 قاتل تھے انہوں میں رہتے پھسے یا ہتیاروں کے ہتھوڑے پر یا  
 اُن کے ٹھیک ٹھاک استعمال پر پھر وہ سر بھول ہوتی تھی کہ  
 جس سے دل پھٹ جاتے تھے۔ پولیس کو اگر پتہ چلتا تھا کہ  
 ایس دل کا کوئی آدمی فاس گولوں میں ٹھہرا تھا تو اُس گولوں  
 کے لوگوں پر وہ ماریں پڑتی تھیں کہ ایک ایک گولہ والا پولیس  
 کی چوٹی پر چاکر ناک دگرتا تھا اور سرکار کی وفاداری کی  
 قسمیں کھاتے لگتا تھا۔ دل کے مستحیدار لوگوں کو دیکھائی دے گیا  
 کہ جو انگریز قوم ایک جنگ میں اپنے ہزاروں آدمی قتل  
 کر سکتی ہے اور لاکھوں روپیہ گولہ بارود پر خرچ کر سکتی ہے وہ  
 اُکا دے آدمیوں کی سال دو سال کے اندر جانیں  
 گوا کر اور وہ بھی اپنی زبردست قیمت وصول



## गांधी जी के साथ पहली मुलाकातें

पंडित सुन्दरलाल

सन 1915 की बात है

मैं सोलन में था, हिन्दुस्तान की राजनीति में उस समय दो ही दल थे. एक नरम दल जो इंगलिस्तान के बादशाह की बफादारी की कसमें खाता था, अंगरेज सरकार के रहते अपने देश को शिक्षा प्रचार और समाज सुधार के जरिये ऊँचा ले जाना और मजबूत करना चाहता था, और दरखास्तों और अरजी परचों के जरिये अंगरेजों से राज-काज में छान्टे-मोटे अधिकार और नौकरियाँ लेकर अपने को सफल मानता था. कांग्रेस इसी दल के हाथों में थी. दूसरा गरम दल जो स्वदेशी, अंगरेजी माल के बायकाट, क्रीमी तालीम और 'स्वराज' की प्यास लोगों में पैदा करके बम और पिस्तौल के जरिये इधर-उधर अंगरेज हाकिमों की हत्या करके और खजानों बगैरा को लूटकर अंगरेजों का इस देश से निकाल देने की आशा करता था. इस दूसरे दल का जन्म बँगाल की तत्कालीन के साथ-साथ सन 1905 में हुआ था. इस दल में बहुत से जान-पर खेलने वाले नौजवान थे. उन्होंने अपनी समितियाँ बनाईं. कई अंगरेजों और उनके हिन्दुस्तानी मददगारों की जगह-जगह हत्याएँ कीं. खजानों और हथियारों के गोदामों पर डाके डाले. मालूम होता है अच्छी और बुरी सभी चीजें अपने-अपने समय पर और अपनी जगह कुछ न कुछ उपयोग रखती हैं. रायब अच्छे और बुरे का फरक भी अन्धेरे और उजाले के फरक की तरह मौके और महल का ही फरक है. मुझे अच्छी तरह याद है कि सन 1907 से पहले अंगरेजों का दबदबा और उनका घमण्ड कितना गहरा था और सारे देश पर किस तरह छाया हुआ था. बड़े से बड़े हिन्दुस्तानी के जिए पहले या दूसरे दर्जे के रेल के किसी ऐसे डिब्बे में घुसने की हिम्मत करना जिसमें कोई अंगरेज पहले से बैठा हो एक रौंद मामूली बात थी और कोई भी छोटे से छोटा अंगरेज ऐसे मौके पर किसी बड़े से बड़े हिन्दुस्तानी का खुले अपमान कर सकता था. सन 1907 के जुहीराम बांस के मुजफ्फरपुर बम ने इस हालत को माने जादू की तरह एक रात में बदल दिया. अंगरेज समझ गए कि वह कीड़ा फाट भी सकता है. हिन्दुस्तानियों को इधर से उधर तक निराशा की अचयारी घटा में आशा की एक किम्वी की कीमती हुई दिखलाई पड़ गई. रेल के डिब्बों

## गान्धेजी जी के ساتھ پہلی ملاقاتیں

پنڈت سندر لال

سن 1915 کی بات ہے

میں سولن میں تھا۔ ہندوستان کی راجنیتی میں اُس وقت دو ہی دُل تھے۔ ایک نرم دُل جو انگلستان کے بادشاہ کی وفاداری کی قسمیں کھاتا تھا؛ انگریز سرکار کے رہتے اپنے دیہی گوشہ نشین پرچار اور سماج سدھار کے ذریعہ اُونچا لیجانا اور مضبوط کرنا چاہتا تھا، اور درخواستوں اور عرضیہ درخواستوں کے ذریعہ انگریزوں سے راجکالچ میں چھوٹے موٹے اندھکار اور نوکریاں لیکر اپنے کو سہل ماننا تھا۔ کانگریس اُسی دُل کے ہاتھوں میں تھی۔ دوسرا گرم دُل جو سودیشی، انگریزی مال کے ہائیکالٹ، قومی تعلیم اور 'سوراج' کی پیاس لوگوں میں پیدا کر کے ہم اور پستول کے ذریعہ اُدھر اُدھر انگریز حاکموں کی ہتھاکر کے اور خزانوں وغیرہ کو لوٹ کر انگریزوں کو اِس دیہی سے نکال دینے کی آشا کرتا تھا۔ اِس دوسرے دُل کا جنم بنگال کی تقسیم کے ساتھ ساتھ سن 1905 میں ہوا تھا۔ اُس دُل میں بہت سے جان پر کھیلنے والے نوجوان تھے۔ اُنہوں نے اپنی سیمیں بنائیں۔ کئی انگریزوں اور اُن کے ہندوستانی مددگاروں کی جگہ جگہ ہتھاکوں کیں۔ خزانوں اور ہتھیاروں کے گوداموں پر قاذو قاذو۔ معلوم ہوتا ہے اچھی اور بری سبھی چیزیں اپنے اپنے سمے پر اور اپنی جگہ جگہ نہ کچھ اُڑھوگ رکھتی ہیں۔ شاید اچھے اور برے کا فرق ہی اندھیرے اور اُجالے کے فرق کی طرح موقع اور محل کا ہی فرق ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سن 1907 سے پہلے انگریزوں کا دبدبہ اور اُن کا گھمنڈ کتنا گہرا تھا اور سارے دیہی پر کس طرح چھایا ہوا تھا۔ بڑے سے بڑے ہندوستانی کے لئے پہلے یا دوسرے درجے کے ریل کے کسی ایسے ڈیل میں گھسے کی ہمت کرنا جس میں کوئی انگریز پہلے سے بیٹھا ہو ایک غیر معمولی بات تھی اور کوئی بھی چھوٹے سے چھوٹا انگریز ایسے موقع پر کسی بڑے سے بڑے ہندوستانی کا ٹیلے اُپمان کر سکتا تھا۔ سن 1907 کے خودی رام بوس کے مظہر پر ہم نے اِس حالت کو ماتو چاندو کی طرح ایک رات میں بدل دیا۔ انگریز سمجھ گئے کہ یہ کیڑا کٹ بھی سکتا ہے۔ ہتھاکوں کو اُدھر سے اُدھر تک ترلائی اندھیلوں گھلا میں آفا کی ایک بجلی سی کوندنی ہوئی دکھائی پڑ گئی۔ ریل کے ڈیلوں



اکتوبر 1957

کس سے	صفحہ	کس سے
1. گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقاتیں	...	...
—پंडित सुन्दरलाल	141	—پندت سندھ لال
2. غزل (کہتا)	...	...
—شہری سعادت نظر ایم۔ اے۔	154	...
3. امیت	...	...
—کمارتی ریدھانا تہیہجی	156	—کمارتی ریدھانا تہیہجی
4. محمد صاحب کے کچھ اُپدیش	...	...
—ڈاکٹر میراجا अबول کمال	159	—ڈاکٹر میراجا अबول کمال
5. رجن اور جتن	...	...
—شہری عبدالکلیم انصاری	162	—شہری عبدالکلیم انصاری
5. چیراگوں کے سلسلے (انگریزوں سے خطاب) کہتا	...	...
—شہری سلام مچھلی شہری	167	—شہری سلام مچھلی شہری
7. شہید اعظم بہادر شاہ کی یاد میں	...	...
—شہری فی۔ راجن	168	—شہری فی۔ راجن
8. 1857 کا دیش بہت اخبار 'پیام آزادی'	...	...
—ویربمبھرناتھ پاڈے	173	—ویربمبھرناتھ پاڈے
9. کچھ کتابیں—	...	...
10. ہمارے—	...	...
—گاندھی جی کے جنم دین پر—ویربمبھرناتھ پاڈے	184	—گاندھی جی کے جنم دین پر—ویربمبھرناتھ پاڈے

# نہیل

نمبر 4 نمبر 4 جلد 24 جلد

اکتوبر 1957 اکتوبر

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈلینج، بنگالہ

145 مڈلینج، بنگالہ

145 MIDDLE LANE, CALCUTTA 201

### **Editorial Board**

**Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)**

**Mahatma Bhagwan Din**

**Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law**

**Pandit Sundarlal**

**Bishambhar Nath Pande**

### **Editor-in-Charge**

**Bishambhar Nath Pande**

### **Asst. Editor**

**Suresh Ramabhai**

### **Annual Subscription**

**Inland Rs. 6/-**

**Foreign Rs. 10/-**

**Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.**

**Manager, NAYA HIND**

**145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD.**

# نیا حمنہ

اس نمبر کے خاص لکھنے کے لئے

1257

LIB

1257

1257

گاंधیजी के साथ पहली मुलाक़ातें

—पंडित सुन्दरलाल

گاंधی جی کے ساتھ پہلی ملاقاتیں

—پاڈت سندر لال

राहीदे आज़म बहादुरशाह की याद में

—श्री डी राजन

شہید اعظم بہادر شاہ کی یاد میں

—شری دی راجن

1857 का देश भक्त अखबार 'पथामे

आज़ादी'

1857 کا دیہی ہفت اخبار 'ہام

آزادی'

—विश्वम्भरनाथ पांडे

—وہر مہر ناٹھ پانڈے

हमारी राय—

—ہماری رائے

—गांधी जी के जनम दिन पर

—گاंधی جی کے جنم دن پر

—विश्वम्भरनाथ पांडे

—وہر مہر ناٹھ پانڈے

# ہندی घर

ہندی

کتابچہ پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا مرکز—پاٹک ہندی، اُردو، انگریزی کی اپنی من-پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

## ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

( ہندی اور اُردو میں )

لکھک—گاندھیباد کے مانے جانے  
بیڈوان : سبھو شری منجور اعلیٰ ساکوتا  
صفحہ 225، قیمت دو روپے

— : 0 : —

## گاندھی بابا

( بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب )

لکھکا—کرشنیا جی  
مضمک—پنڈت جواہرلال نہرو  
موٹا کاغذ، موٹا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں  
دوام دو روپے

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کورن

275 صفحہ، دوام دو روپے

ہندو مسلمان یکتہ

1991ء سے، دوام دو روپے  
مہاتما گاندھی کے بلیڈان سے سبک

قیمت دو روپے

پنڈت ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت دو روپے

مہاتما اور اس سے سبق

قیمت دو روپے

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈل سٹریٹ لاہور

ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا مرکز—پاٹک ہندی، اُردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

## ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

( ہندی اور اُردو میں )

لکھک—گاندھیباد کے مانے جانے  
بیڈوان : سبھو شری منجور اعلیٰ ساکوتا  
صفحہ 225، قیمت دو روپے

— : 0 : —

## گاندھی بابا

( بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب )

لکھکا—کرشنیا جی  
مضمک—پنڈت جواہرلال نہرو  
موٹا کاغذ، موٹا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں  
دوام دو روپے

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کورن

275 صفحہ، دوام دو روپے

ہندو مسلمان ایکتہ

100 صفحہ، دوام دو روپے

مہاتما گاندھی کے بلیڈان سے سبق

قیمت دو روپے

پنڈت ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت دو روپے

مہاتما اور اس سے سبق

قیمت دو روپے

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈل سٹریٹ لاہور



(2) ایشیا اور افریقا کی سرکاروں کو 100 ملین ڈالروں کی آئینہ دار جنرل اسمبلی کے سامنے یہ تجویز پیش کر کے کہ ان تاجروں کو بغیر کسی شرط کے بغیر کر کے ایک ایسے سمجھوتے کی طرف قدم اٹھایا جائے جس سے دنیا کی سب فوجیں عام طور پر ختم کی جا سکیں۔

(3) اس طرح کے تاجروں کی آگے کی سب تجویزوں میں جن میں آئینہ دار اسمبلی کی تجویز بھی شامل ہے منسلک کر دی جائے۔ پدمی شافیاں، پدمی آئینہ دار اور دوسرے دہائیوں کے فوجی اڈوں میں پدمی ہتھیار داخل کرنا یا پدمی سہولت (Task force units) داخل کرنا بند کر دے۔

ان دہائیوں کے پورا ہونے سے دنیا شانتی کو اور ریاستوں کی آزادی کو بہت بڑی مدد ملے گی۔ ان دہائیوں کو پورا کرنے کے لیے ایشیا اور افریقا کے سب دہائیوں کو مل کر پوری کوشش کرنی چاہیے تاکہ کسی دہائی کے راجہ کی آئینہ دار یا دھرم کی آئینہ دار نہ ہو یا دہائی میں کتنے ہی دہائیوں اور دہائیوں کے لوگ نہ رہتے ہوں۔ ایشیا اور افریقا کے باہر کے لوگوں کا ان میں سہولت حاصل کرنے کے لیے بھی ہم کوشش کریں گے۔

اگست سن 1957

—مندرلالت

2. ایشیا اور افریقا کی سرکاروں کو 100 ملین ڈالروں کی آئینہ دار جنرل اسمبلی کے سامنے یہ تجویز پیش کر کے کہ ان تاجروں کو بغیر کسی شرط کے بغیر کر کے ایک ایسے سمجھوتے کی طرف قدم اٹھایا جائے جس سے دنیا کی سب فوجیں عام طور پر ختم کی جا سکیں۔

3. اس طرح کے تاجروں کی آگے کی سب تجویزوں میں جن میں آئینہ دار اسمبلی کی تجویز بھی شامل ہے منسلک کر دی جائے۔ پدمی شافیاں، پدمی آئینہ دار اور دوسرے دہائیوں کے فوجی اڈوں میں پدمی ہتھیار داخل کرنا یا پدمی سہولت (Task Force Units) داخل کرنا بند کر دے۔

ان دہائیوں کے پورا ہونے سے دنیا شانتی کو اور ریاستوں کی آزادی کو بہت بڑی مدد ملے گی۔ ان دہائیوں کو پورا کرنے کے لیے ایشیا اور افریقا کے سب دہائیوں کو مل کر پوری کوشش کرنی چاہیے تاکہ کسی دہائی کے راجہ کی آئینہ دار یا دھرم کی آئینہ دار نہ ہو یا دہائی میں کتنے ہی دہائیوں اور دہائیوں کے لوگ نہ رہتے ہوں۔ ایشیا اور افریقا کے باہر کے لوگوں کا ان میں سہولت حاصل کرنے کے لیے بھی ہم کوشش کریں گے۔

—سندر لال

اگست سن 1957



یہاں پر میکس پر فوجی حملہ کامیاب نہیں ہوا اور یہی سبب  
فیر میں بھی پورے کے پورے میں انٹرنیشنل تہذیبیہ اور بھی  
کئی شکلوں میں بد رہا ہے۔

(۱) جاپانیوں کے قریبی ممالک اور ان کی تاریخی-  
میں پرانے ممالک کے خلاف آپس میں ٹاپوں کو جاپان  
سے مل کر دیا گیا ہے اور انہیں سنیوٹ راج امریکا  
کے لیے پیمانی بڑھا دیا گیا ہے۔

(۲) سنیوٹ راج امریکا نے جاپان اور عرب  
کے اندر کے ممالک میں جبرورستی دیکھ کر دینے کے لیے  
اپنا جڑا جہاز بھی لڑنا کے سمندر میں بھج دیا  
ہے اور اس کے لیے پیمانی سے لیس کر دیا ہے۔

(۳) تائیوان کا ٹاپو پیپلز ریپبلک آف چین  
کا ایک حصہ اور اس کے زیر کٹر ایک ٹوکھا ہے۔ فیر میں  
پیمانی میں "میٹوڈ" تائیوان بھج دیا گیا۔ وکی-  
کریا میں بھی لڑائی بڑھ کر سمندر کے خلاف پیمانی  
دیکھ کر دیا گیا ہے۔

بڑی-بڑی طاقتوں کی یوں نہیں پیمانی یوں کی طرح  
جا رہی ہے۔ جو فوجی حملہ فوجی حملہ کی صورتوں کے  
کے لیے کام کر رہے ہیں ان میں اب پیمانی بڑھ کر سامان جمع کیا  
جا رہا ہے اور یہ پیمانی بڑھ کر رہے ہیں۔ وکی-  
کریا میں بھی لڑائی بڑھ کر سمندر کے خلاف پیمانی  
دیکھ کر دیا گیا ہے۔

ایشیا اور افریقہ کے کسی بھی حصہ میں بھی  
کا قائم کیا جانا ایشیا اور افریقہ کے سارے حصے کے لیے  
خطرناک ہے۔

شانت مہا ساگر میں ساری ایشیائی اور افریقی  
کی لڑائی کے دوران میں اور اندرون میں کے تجربے جاری  
ہیں۔

ایشیائی شکلوں اپنے عقوبت سے بہت دور اپنے کو نقصان سے  
بچانے کے لیے شانت مہا ساگر میں یہ تجربے کر رہے ہیں۔  
ان تجربوں کا ذریعہ ایشیا اور افریقہ کے لوگوں پر ہو رہا ہے۔  
یہ تجربے اس لیے کر رہے ہیں کہ کورس لوگوں کو ایک ساتھ  
کے ختم کیا جا سکے۔ سنیوٹ راج امریکا اگلے سال اپنی کربلک  
ایٹلس (Eniwetok Atolls) میں ایک بڑے پیمانے پر  
اس طرح کے تجربے کر رہے ہیں۔

ان حالات میں ہم ایشیا اور افریقہ سے مانگ کرتے ہیں  
کہ :

1. ایشیائی شکلوں بنا کسی طرح کے ان تجربوں کو بند  
کریں۔

ایشیائی شکلوں کے خلاف پیمانی بڑھ کر سامان جمع کیا  
جا رہا ہے اور یہ پیمانی بڑھ کر رہے ہیں۔ وکی-  
کریا میں بھی لڑائی بڑھ کر سمندر کے خلاف پیمانی  
دیکھ کر دیا گیا ہے۔

(1) جاپانوں کے قریبی ممالک اور ان کی تاریخی-  
میں پرانے ممالک کے خلاف آپس میں ٹاپوں کو جاپان  
سے مل کر دیا گیا ہے اور انہیں سنیوٹ راج امریکا  
کے لیے پیمانی بڑھا دیا گیا ہے۔

(2) سنیوٹ راج امریکا نے جاپان اور عرب  
کے اندر کے ممالک میں جبرورستی دیکھ کر دینے کے لیے  
اپنا جڑا جہاز بھی لڑنا کے سمندر میں بھج دیا  
ہے اور اس کے لیے پیمانی سے لیس کر دیا ہے۔

(3) تائیوان کا ٹاپو پیپلز ریپبلک آف چین  
کا ایک حصہ اور اس کے زیر کٹر ایک ٹوکھا ہے۔ فیر میں  
پیمانی میں "میٹوڈ" تائیوان بھج دیا گیا۔ وکی-  
کریا میں بھی لڑائی بڑھ کر سمندر کے خلاف پیمانی  
دیکھ کر دیا گیا ہے۔

بڑی-بڑی طاقتوں کی یوں نہیں پیمانی یوں کی طرح  
جا رہی ہے۔ جو فوجی حملہ فوجی حملہ کی صورتوں کے  
کے لیے کام کر رہے ہیں ان میں اب پیمانی بڑھ کر سامان جمع کیا  
جا رہا ہے اور یہ پیمانی بڑھ کر رہے ہیں۔ وکی-  
کریا میں بھی لڑائی بڑھ کر سمندر کے خلاف پیمانی  
دیکھ کر دیا گیا ہے۔

ایشیا اور افریقہ کے کسی بھی حصہ میں بھی  
کا قائم کیا جانا ایشیا اور افریقہ کے سارے حصے کے لیے  
خطرناک ہے۔

شانت مہا ساگر میں ساری ایشیائی اور افریقی  
کی لڑائی کے دوران میں اور اندرون میں کے تجربے جاری  
ہیں۔

ایشیائی شکلوں اپنے عقوبت سے بہت دور اپنے کو نقصان سے  
بچانے کے لیے شانت مہا ساگر میں یہ تجربے کر رہے ہیں۔  
ان تجربوں کا ذریعہ ایشیا اور افریقہ کے لوگوں پر ہو رہا ہے۔  
یہ تجربے اس لیے کر رہے ہیں کہ کورس لوگوں کو ایک ساتھ  
کے ختم کیا جا سکے۔ سنیوٹ راج امریکا اگلے سال اپنی کربلک  
ایٹلس (Eniwetok Atolls) میں ایک بڑے پیمانے پر  
اس طرح کے تجربے کر رہے ہیں۔

ان حالات میں ہم ایشیا اور افریقہ سے مانگ کرتے ہیں  
کہ :

1. ایشیائی شکلوں بنا کسی طرح کے ان تجربوں کو بند  
کریں۔

بیچاروں سے بات چیت کے आधार پر کھ رہے ہیں۔ جاپانی لوگ ساہسی ہیں، نیک ہیں، بھادور ہیں، مہناتی ہیں، ہوشیار ہیں، پرمی ہیں اور کثرتیہیل ہیں۔ اس سب سارے ایشیا کی، افریقا کی اور دنیا کے سب سواتنننا پرمی اور نیا پرمی لوگوں کو ان کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جاپان بھوت جلد ہی اس طرح آزاد ہوگا اور ایشیا اور افریقہ کے دوسرے دیہوں کے ساتھ مل کر دنیا کے سب دیہوں اور سب لوگوں کی آزادی خوشحالی اور بھونگی کی پر سے قائم کرے میں بہت بڑا حصہ لےگا۔

وچاروں سے بات چیت کے اڈار پر کھ رہیں۔ جاپانی لوگ ساہسی ہیں، نیک ہیں، بھادور ہیں، مہناتی ہیں، ہوشیار ہیں، پرمی ہیں اور کثرتیہیل ہیں۔ اس سب سارے ایشیا کی افریقہ کے اور دنیا کے سب سواتنننا پرمی اور نیا پرمی لوگوں کو ان کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جاپان بھوت جلد ہی اس طرح آزاد ہوگا اور ایشیا اور افریقہ کے دوسرے دیہوں کے ساتھ مل کر دنیا کے سب دیہوں اور سب لوگوں کی آزادی خوشحالی اور بھونگی کی پر سے قائم کرے میں بہت بڑا حصہ لےگا۔

## ایشیا اور افریقہ کے پرتی ندھوں کا اعلان توکیو 16-8-57

اگست سن 1957 کے توکیو ورشو سمین میں ایشیا اور افریقہ کے جو نمائندے جمع ہوئے تھے انہوں نے مل کر نیچے لکھا اعلان شائع کیا۔

ہم ایشیا اور افریقہ کے دیہوں کے نمائندے جو اہم اور ہائڈروجن بم کے خلاف اور کڑیوں کو ختم کرنے کے پختہ میں تیسرے ورشو سمین کے موقع پر توکیو میں جمع ہوئے ہیں نیچے لکھا اعلان شائع کرتے ہیں۔

ایشیا اور افریقہ کی قومیں کی سبھتا بہت پراچین سبھتا ہے یہ قومیں اب سب کی آزادی اور ورشو شانتی کا ایک نیا یک لہ کی کوشش کر رہی ہے۔

1955 میں ایشیا اور افریقہ کی 29 سرکاروں کے نمائندے بائڈنگ کانفرنس میں جمع ہوئے تھے انہوں نے یہ پرستار پاس کیا تھا کہ اہم اور ہائڈروجن میں مہتمم کا ایک نیا جگہ اور ایک دیہ کے لوگوں کا دوسرے دیہ کے لوگوں پر راج کرنا بد لکھا جائے۔ ان دیہوں کی تیرہ ارب جگہ کا سبھتا اس پرستار پرستار تھا۔

حال میں ایشیا اور افریقہ کے دیہوں میں کچھ ایسی کھنڈیں ہیں جن سے اس اعلان کی آزادی اور شانتی خطرہ میں ہے۔

## ایشیا اور افریقہ کے پرتی ندھوں کا اعلان توکیو 16-8-57

اگست سن 1957 کے توکیو ورشو سمین میں ایشیا اور افریقہ کے جو نمائندے جمع ہوئے تھے انہوں نے مل کر نیچے لکھا اعلان شائع کیا۔

ہم ایشیا اور افریقہ کے دیہوں کے نمائندے جو اہم اور ہائڈروجن بم کے خلاف اور کڑیوں کو ختم کرنے کے پختہ میں تیسرے ورشو سمین کے موقع پر توکیو میں جمع ہوئے ہیں نیچے لکھا اعلان شائع کرتے ہیں۔

ایشیا اور افریقہ کی قومیں کی سبھتا بہت پراچین سبھتا ہے یہ قومیں اب سب کی آزادی اور ورشو شانتی کا ایک نیا یک لہ کی کوشش کر رہی ہے۔

1955 میں ایشیا اور افریقہ کی 29 سرکاروں کے نمائندے بائڈنگ کانفرنس میں جمع ہوئے تھے انہوں نے یہ پرستار پاس کیا تھا کہ اہم اور ہائڈروجن میں مہتمم کا ایک نیا جگہ اور ایک دیہ کے لوگوں کا دوسرے دیہ کے لوگوں پر راج کرنا بد لکھا جائے۔ ان دیہوں کی تیرہ ارب جگہ کا سبھتا اس پرستار پرستار تھا۔

حال میں ایشیا اور افریقہ کے دیہوں میں کچھ ایسی کھنڈیں ہیں جن سے اس اعلان کی آزادی اور شانتی خطرہ میں ہے۔

तीनों खास प्रस्तावों के पास हो जाने के बाद, सम्मेलन समाप्त होने से पहले, “अब और शिरोशिरा नहीं होने देंगे”—ना. का जापानी गाना पूरे बीस हजार आदमियों ने खड़े होकर बड़े जोश और एक आवाज के साथ गाया. गाते समय सब एक दूसरे की बांहों में बाँधे बैठकर खंजीरे की तरह बँधे हुए थे और गाने के स्वर के साथ-साथ सबके सब बाँध और बाँध को मुकते जाते थे. बिलकुल समन्दर की सी ध्वनि मधुर हाता थी. जनता की संकल्प शक्ति और जाश-वानों सामा को लौंघते हुए दिखाई दे रहे थे।

जापान की इस यात्रा में हमने जो खास चीजें देखीं उनमें से एक यह भी थी कि नागासाकी में ठीक उस जगह जिस जगह बारह वर्ष पहले बम गिराया गया था आज एक बड़ी सुन्दर और ऊँची पत्थर की मूर्ति बनी हुई है. मूर्ति शायद लगभग दस फुट ऊँचे खंबे-नुमा चबूतरे पर बैठे हुए आसन में है. एक पैर नीचे लटक रहा है. दूसरा पैर पालथी में है. बदन नंगा है. केवल एक छोटी सी धोती पत्थर ही में खुदी हुई कमर से लिपटी है. उस धोती का एक सिरा बाँध कंधे पर पड़ा है. दाहना हाथ ऊपर की तरफ उठा हुआ अंगूठे के पास की उँगली से आसमान की तरफ इशारा करता मालूम होता है. बाँयाँ हाथ सीधा फैला हुआ है. हथेली नीचे की तरफ है. हमने जापानी मित्रों से इसका मतलब पूछा. हमें बताया गया कि दाहना हाथ ईश्वर की तरफ इशारा करता है और बायाँ शान्ति की तरफ. कहा गया कि मूर्ति शान्ति के उस देवता की मूर्ति है जो ईश्वर से सब के सब और विश्व शान्ति के लिये प्रार्थना कर रहा है. मूर्ति को देखकर बिलकुल महात्मा गाँधी की याद आ-जाती है. माथे पर ठीक बीच में कुछ उभरा हुआ निशान है. हमने पूछा यह क्या है तो हमें बताया गया कि हिन्दुओं का तिलक.

जापान में एक “गाँधी पीस लीग” नाम की संस्था भी कायम है जिसके एक खास कार्यकर्ता देवदेव शौजुन मौबु हैं जो हमसे मिले थे.

जापान जाकर जापानी जाति के लिये आदर और जापानियों से प्रेम हमारे दिल में बहुत बढ़ा. जापानी एशियाई हैं. उनका रहन-सहन एशियाई है. उनका दिल एशियाई है. इसमें सन्देह नहीं पिछली दो तीन पीढ़ियों के अन्दर जापान अधिक से अधिक पच्छिमीयता वाली सभ्यता की तरफ बढ़ चला था. इसी कारण पूरब के दूसरे देशों से वह कुछ कट सा गया था. लेकिन इसमें भी शक नहीं कि जापान को अपनी इस गलती के लिये—और गलतियों हम सबसे होती हैं—काफी से कर्ष अधिक दण्ड सुगतना पड़ा है. जापान आज अन्याय पीड़ित है. जापान के अधिकतर विचारवान लोग अपनी गलती को भी अच्छी तरह महसूस कर रहे हैं. हम वह जापानी

दिलों खास प्रस्तावों के पास हो जाने के बाद, सम्मेलन समाप्त होने से पहले, “अब और शिरोशिरा नहीं होने देंगे”—ना. का जापानी गाना पूरे बीस हजार आदमियों ने खड़े होकर बड़े जोश और एक आवाज के साथ गाया. गाते समय सब एक दूसरे की बांहों में बाँधे बैठकर खंजीरे की तरह बँधे हुए थे और गाने के स्वर के साथ-साथ सबके सब बाँध और बाँध को मुकते जाते थे. बिलकुल समन्दर की सी ध्वनि मधुर हाता थी. जनता की संकल्प शक्ति और जाश-वानों सामा को लौंघते हुए दिखाई दे रहे थे।

जापान की इस यात्रा में हमने जो खास चीजें देखीं उनमें से एक यह भी थी कि नागासाकी में ठीक उस जगह जिस जगह बारह वर्ष पहले बम गिराया गया था आज एक बड़ी सुन्दर और ऊँची पत्थर की मूर्ति बनी हुई है. मूर्ति शायद लगभग दस फुट ऊँचे खंबे-नुमा चबूतरे पर बैठे हुए आसन में है. एक पैर नीचे लटक रहा है. दूसरा पैर पालथी में है. बदन नंगा है. केवल एक छोटी सी धोती पत्थर ही में खुदी हुई कमर से लिपटी है. उस धोती का एक सिरा बाँध कंधे पर पड़ा है. दाहना हाथ ऊपर की तरफ उठा हुआ अंगूठे के पास की उँगली से आसमान की तरफ इशारा करता मालूम होता है. बाँयाँ हाथ सीधा फैला हुआ है. हथेली नीचे की तरफ है. हमने जापानी मित्रों से इसका मतलब पूछा. हमें बताया गया कि दाहना हाथ ईश्वर की तरफ इशारा करता है और बायाँ शान्ति की तरफ. कहा गया कि मूर्ति शान्ति के उस देवता की मूर्ति है जो ईश्वर से सब के सब और विश्व शान्ति के लिये प्रार्थना कर रहा है. मूर्ति को देखकर बिलकुल महात्मा गाँधी की याद आ-जाती है. माथे पर ठीक बीच में कुछ उभरा हुआ निशान है. हमने पूछा यह क्या है तो हमें बताया गया कि हिन्दुओं का तिलक.

जापान में एक “गाँधी पीस लीग” नाम की संस्था भी कायम है जिसके एक खास कार्यकर्ता देवदेव शौजुन मौबु हैं जो हमसे मिले थे.

जापान जाकर जापानी जाति के लिये आदर और जापानियों से प्रेम हमारे दिल में बहुत बढ़ा. जापानी एशियाई हैं. उनका रहन-सहन एशियाई है. उनका दिल एशियाई है. इसमें सन्देह नहीं पिछली दो तीन पीढ़ियों के अन्दर जापान अधिक से अधिक पच्छिमीयता वाली सभ्यता की तरफ बढ़ चला था. इसी कारण पूरब के दूसरे देशों से वह कुछ कट सा गया था. लेकिन इसमें भी शक नहीं कि जापान को अपनी इस गलती के लिये—और गलतियों हम सबसे होती हैं—काफी से कर्ष अधिक दण्ड सुगतना पड़ा है. जापान आज अन्याय पीड़ित है. जापान के अधिकतर विचारवान लोग अपनी गलती को भी अच्छी तरह महसूस कर रहे हैं. हम वह जापानी



اس اہل میں لکھا ہے کہ ”دنیا کے سب لوگ اس بات کے لئے اُتسک ہیں کہ قوموں کے بیچ تناؤ کھٹے، دنیا کی فوجیں ختم ہوں اور ایٹم اور ہائڈروجن بم ختم ہوں۔“

اس کے لیے سب سے پہلی ضرورت اس بات کی بتائی گئی ہے کہ ”ایٹم اور ہائڈروجن بموں کے تجربے فوراً بند نہ جائیں۔“ کیونکہ تجربوں سے ایٹم اور ہائڈروجن ہتھیاروں کی دوز توڑ ہوتی جا رہی ہے، اور دنیا کے لوگوں کے ساتھ کو خطرہ بڑھا جا رہا ہے۔“

اس کے بعد اہل میں کہا گیا ہے کہ، جاپان کے لوگ ہار لین بموں کی بروہادی برداشت کر چکے ہیں، اس لئے سب مہادیہوں کے نمائندوں کے ساتھ مل کر ہم جن میں ہوروشما اور ناگا ساکی کے زخمی لوگ بھی شامل ہیں، سنگیت راشٹر سنگم سے اور دنیا کی سرکاروں سے یہ مانگ کرتے ہیں کہ:—

”امریکہ، انگلینڈ اور سوویت روس فوراً اور ہذا کسی شرط کے آپس میں یہ سمجھنا کریں کہ ایٹم اور ہائڈروجن بم کے تجربے بند کر دئے جائیں۔“

”اس طرح کا سمجھنا کرائے میں ہو، این۔ او۔ اپنی پوری طاقت لگا دے۔“

اور ”دنیا کی سرکاروں اس طرح کا سمجھنا کرائے کی ہر طرح سے کوشش کریں۔“

انت میں کہا گیا ہے کہ:—”اس طرح کا سمجھنا ہوجانے سے ایٹم اور ہائڈروجن بموں کا ہلانا، جمع کرنا اور کام میں لانا بھی بند ہو سکے گا اور عام طور پر فوجوں کے ختم کرنے کے لئے راستہ صاف ہو جائیگا۔“

اور ”اُن سب لوگوں کے نام پر جو دنیا کی شانتی اور سب کی خوش حالی چاہتے ہیں، یو۔ این۔ او۔ سے اور دنیا کی سرکاروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہماری آواز کی طرف دھیان دیں۔“

تیسرے دستکڑ میں ایٹم اور ہائڈروجن بم کو بند کرائے اور دنیا کی فوجوں کو ختم کرائے کے لئے دنیا کے سب لوگوں سے مل کر کام کرائے کی سفارش کی گئی ہے۔

اس پرستار میں کہا گیا ہے کہ ”یو۔ این۔ او۔ کی جنرل اسمبلی پر زور دالنے کے لیے اور تینوں ایٹمی دہشوں سے ان تجربوں کو بند کرائے کے لئے دنیا کے لوگوں کو تھکے لھے کلم کرنے چاہئے۔“

انف— ”اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں تاریخیں مقرر کر کے جلسہ و تقریر کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا شرط بند کیا جائے۔“

اس پرستار میں کہا گیا ہے کہ ”یو۔ این۔ او۔ کی جنرل اسمبلی پر زور دالنے کے لیے اور تینوں ایٹمی دہشوں سے ان تجربوں کو بند کرائے کے لئے دنیا کے لوگوں کو تھکے لھے کلم کرنے چاہئے۔“

انف— ”اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں تاریخیں مقرر کر کے جلسہ و تقریر کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا شرط بند کیا جائے۔“

انف— ”اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں تاریخیں مقرر کر کے جلسہ و تقریر کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا شرط بند کیا جائے۔“

انف— ”اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں تاریخیں مقرر کر کے جلسہ و تقریر کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا شرط بند کیا جائے۔“

انف— ”اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں تاریخیں مقرر کر کے جلسہ و تقریر کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا شرط بند کیا جائے۔“

انف— ”اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں تاریخیں مقرر کر کے جلسہ و تقریر کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا شرط بند کیا جائے۔“

انف— ”اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں تاریخیں مقرر کر کے جلسہ و تقریر کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا شرط بند کیا جائے۔“

انف— ”اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں تاریخیں مقرر کر کے جلسہ و تقریر کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا شرط بند کیا جائے۔“

انف— ”اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں تاریخیں مقرر کر کے جلسہ و تقریر کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا شرط بند کیا جائے۔“

انف— ”اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں تاریخیں مقرر کر کے جلسہ و تقریر کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا شرط بند کیا جائے۔“

انف— ”اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں تاریخیں مقرر کر کے جلسہ و تقریر کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا شرط بند کیا جائے۔“

توکیو سمیلن کے آخری فیصلے ہی دنیا کے لئے بہت ہی اہمک مہم کے تھے۔ 16 اگست 1957 کو کم سے کم بیس ہزار جنتا کی موجودگی میں سمیلن میں تین ہفتوں پرستو ایک رات سے پاس ہوئے۔ پرستو کے پاس ہونے کے لئے سمیلن جنتا کا جرح دیا گیا کی جنتی تھی۔

پہلا پرستو سمیلن کی طرف سے ایک اعلان کے طور پر تھا جسے 'تاریخ کا اعلان' کہا گیا۔ اس اعلان کے اندر سمیلن میں شامل ہونے والے سب دیشوں کے سب پرستی ندریں کا ایک ادھس 'ایمپی رڈ کی سب تریوں کو ختم کرنا' بتایا گیا ہے اور یہ مانگ کی گئی کہ:—

(1) "جو سرکارے اس طرح کے باموں کے تضرع کر رہی ہیں وہ آپس میں ایک اس طرح کا سمجھوتا کریں جس سے ایٹم اور ہائیڈروجن باموں کے تضرع فوراً اور بلا کسی شرط کے بند کر دیئے جائیں۔"

(2) "ایٹم اور ہائیڈروجن ہتھیاروں کا بنانا، جما کرنا اور کام میں لانا بالکل بند کر دیا جائے۔"

(3) "جین ریڈوں کے پاس اس طرح کے ہتھیار ہیں وہ کسی دوسرے دیشوں میں ان ہتھیاروں کو ہرگز داخل کرنے نہ پادیں۔"

(4) "آرام طور پر سب دیشوں کی فوجیں ختم کر دی جائیں اور اس کام پر اس طرح کی نگرانی رہے جس سے سب دیش منظور کر لیں، یہی اس طرح ساری فوجوں کا ختم کرنا بھی سمجھوتا نہیں ہے تو فی الحال کم سے کم سب دیش کی فوجوں کو کم کرنے کا سمجھوتا کر لیا جائے۔"

(5) "دوسرے دیشوں میں فوجی اہلکارے کاایم کرنے اور انہیں بڑھانے کے ہم خیلا کر لیں۔"

(6) "ہم اس بات کو سمجھتے ہیں کہ سب الگ-الگ فوجی دلوں اور اہلکاروں کو ایک ساتھ توڑ دینے سے، سب فوجی اہلکاروں کو ختم کر دینے سے اور سب دوسرے دیشوں سے اپنی-اپنی فوجوں کو ہٹا لینے سے ایٹمی یوڈ کا ختم کرنا کم ہو جائے گا۔"

اسکے بعد اس اعلان میں ایک ایسے اہلیہ کی مانگ کی گئی ہے جس سے ہیروشیما اور ناگاساکی کے رادیو کی آتماؤں کو شانتی ملے۔ اور "ہر طرح کے یوڈ کو ناجائز قرار دینا اور بند کرنا" آخری مقصد بتایا گیا ہے۔

دوسرا پرستو "ایٹمی ریڈوں کے نام ایک اپیل" کی شکل میں ہے۔

توکیو سمیلن کے آخری فیصلے ہی دنیا کے لئے بہت ہی اہمک مہم کے تھے۔ 16 اگست 1957 کو کم سے کم بیس ہزار جنتا کی موجودگی میں سمیلن میں تین ہفتوں پرستو ایک رات سے پاس ہوئے۔ پرستو کے پاس ہونے کے لئے سمیلن جنتا کا جرح دیا گیا کی جنتی تھی۔

پہلا پرستو سمیلن کی طرف سے ایک اعلان کے طور پر تھا جسے 'تاریخ کا اعلان' کہا گیا۔ اس اعلان کے اندر سمیلن میں شامل ہونے والے سب دیشوں کے سب پرستی ندریں کا ایک ادھس 'ایمپی رڈ کی سب تریوں کو ختم کرنا' بتایا گیا ہے اور یہ مانگ کی گئی کہ:—

(1) "جو سرکارے اس طرح کے باموں کے تضرع کر رہی ہیں وہ آپس میں ایک اس طرح کا سمجھوتا کریں جس سے ایٹم اور ہائیڈروجن باموں کے تضرع فوراً اور بلا کسی شرط کے بند کر دیئے جائیں۔"

(2) "ایٹم اور ہائیڈروجن ہتھیاروں کا بنانا، جمع کرنا اور کام میں لانا بالکل بند کر دیا جائے۔"

(3) "جین ریڈوں کے پاس اس طرح کے ہتھیار ہیں وہ کسی دوسرے دیشوں میں ان ہتھیاروں کو ہرگز داخل کرنے نہ پادیں۔"

(4) "عام طور پر سب دیشوں کی فوجیں ختم کر دی جائیں اور اس کام پر اس طرح کی نگرانی رہے جس سے سب دیش منظور کر لیں، یہی اس طرح ساری فوجوں کا ختم کرنا بھی سمجھوتا نہیں ہے تو فی الحال کم سے کم سب دیش کی فوجوں کو کم کرنے کا سمجھوتا کر لیا جائے۔"

( ) "دوسرے دیشوں میں فوجی اہلکارے قائم کرنے اور انہیں بڑھانے کے ہم خلاف ہیں۔"

(6) "ہم اس بات کو سمجھتے ہیں کہ سب الگ-الگ فوجی دلوں اور اہلکاروں کو ایک ساتھ توڑ دینے سے، سب فوجی اہلکارے کو ختم کر دینے سے اور سب دوسرے دیشوں سے اپنی فوجوں کو ہٹا لینے سے ایٹمی یوڈ کا خطرہ کم ہو جائے گا۔"

اس کے بعد اس اعلان میں ایک ایسے اہلیہ کی مانگ کی گئی ہے جس سے ہیروشیما اور ناگاساکی کے رادیو کی آتماؤں کو شانتی ملے۔ اور "ہر طرح کے یوڈ کو ناجائز قرار دینا اور بند کرنا" آخری مقصد بتایا گیا ہے۔

دوسرا پرستو "ایٹمی ریڈوں کے نام ایک اپیل" کی شکل میں ہے۔

ٹاپو کے مجاہدوں کے نمائندے بھی تھے۔ کل جاپانی نوما-  
ہندوں کی تباہی لگبھگ چار ہزار تھی۔

دس دن کے اجتماع میں پہلے اہل-اہلگ-بہلگ-بہلگ  
کے لوگوں کی اہلگ-اہلگ-بہلگ-بہلگ سہماہ، جیسے  
کے سہماہ، سہماہ-سہماہ کی سہماہ، بکلیوں کی سہماہ،  
دھڑکیوں کی سہماہ، سہماہ کی سہماہ، سہماہ کی سہماہ،  
سب نے اپنے-اپنے دھڑکیوں اور اپنے-اپنے دھڑکیوں سے  
اجتماع کے دھڑکیوں کا سہماہ کیا، اور اپنے-اپنے  
بہلگ لکھ کر سہماہ کے سامنے پیش کیے۔ ان  
سہماہ کے اندر اور سہماہ کے اندر بہت ہی دل  
کھول کر اور سہماہ کے ساتھ ہوئی جو دھڑکیوں کے قابل  
تھی۔

اجتماع کے سہماہ اور اس کے اندر راہیہ راج گجی  
پرہیز سے ہٹ کر کھول یہ ایک بات ہی بڑی اچھی تھی  
اور گھرا اور کھلے والی تھی کہ سہماہ کے اندر لگ  
دو سہماہ تک سب دھڑکیوں کے اچھے سے اچھے لوگ جن میں  
دھڑکیوں، سب سہماہ اور سب دھڑکیوں، گھر، کالہ، پتلے، پورے  
اور لال سب طرح کے لوگ شامل تھے۔ رات دن پورے پورے  
ساتھ ایک دوسرے سے ملنے جلنے ساتھ کھاتے پیتے کھل کر باتیں  
کرتے رہے۔ صاف دیکھائی دیتا تھا کہ یہ لوگ اپنے کو اس  
ہا اس دھڑکی کے ناگہ نہ سمجھ کر، دھڑکی کے ناگہ نہ سمجھ کر  
ہیں۔ سہماہ کے اندر اور اس کے چاروں اور کے دھڑکیوں میں  
ایک لٹی مافوق جہل لہتی ہوئی دھڑکی دھڑکی تھی۔ اپنے  
اپنے راہیہ کے الگ الگ دھڑکیوں میں تھے، الگ الگ  
بھڑکیوں میں تھے۔ لیکن ان سب کے اندر سے یہ صاف چمک  
رہا تھا کہ آخر میں سارا سہماہ سہماہ ایک دھڑکی ہے، اُسے ایک  
دھڑکی ہی کی طرح دھڑکی، اور اس کی دھڑکی ایک دھڑکی  
اُس کی اچھے ہی روح، ایک دھڑکی کی طرح دھڑکی کے لئے  
پرہیز ہے۔

اس سہماہ دنیا میں دو ہی خاص سنگتیں ایسے ہیں جن  
میں سب دھڑکیوں کے لوگ مل کر بیٹھتے ہیں اور سب کے ملے  
جلے ہٹ کی دھڑکیوں میں ہیں۔ ایک سنگت رات گھر سنگتیں  
یعنی یہ ہیں، اور دوسرے اس طرح ہے کہ شانتی سہماہ۔  
فرق یہ ہے کہ سنگت راہیہ سنگتیں میں ادھڑکیوں کے  
نمائندے ہوتے ہیں۔ ان کے ملنے میں ایک اور ہی بڑی  
بہت ہمارے، دھڑکیوں کی پابندی اور کچھ احتیاط اور سنگت  
قدرتی ہے۔ جب کہ اس طرح کے سہماہوں میں جتنا اور جن  
سہماہوں کے نمائندے ہوتے ہیں جن میں سہماہوں کے کسی  
پابندی نہیں ہوتی اور لوگ نہیں زیادہ دل کھول کر ملنے جلنے اور  
چلوں کا اُتان پر دان کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔



कर कई दरजन बड़े-बड़े और सैकड़ों छोटे-छोटे अड्डे हैं। ओकीनावा जैसे जापान के टापुओं पर तो अमरीका का पूरा कौजी क़बज़ा है। मन् 14 में हिरोशिमा और नागासाकी पर बम पड़ने के बाद जापान को अमरीका के साथ जो सन्धि करनी पड़ी थी उसमें छुटकाग पाने के लिये और अपने देश का फिर से पूरी तरह आजाद करने के लिये जापानी पूरी कोशिश कर रहे हैं। क्रूरता तौर पर जापान की इस समय की अन्तर राष्ट्रीय नीति भी पूरी तरह आजाद जापानी नीति नहीं समझी जा सकती।

लगभग तीन सप्ताह जापान में रहकर हमने वहाँ के अनेक नगरों जैसे तोक्यो, कामाकुरा, यांकोहामा आदि में और अनेक बड़े-बड़े जलसों में इन अमरीकी जकड़बन्दीयों के खिलाफ जापानी जनता और खासकर जापानी नौ-जवानों के असन्तोष और उनकी तड़प को अच्छी तरह देखा है। जापानी लोग बहुत धीर, गम्भीर, हृदय के मेहनती और बहादुर हैं। जाहिर है इन गुणों के सामने अमरीकी जकड़बन्दी और यह अन्तर राष्ट्रीय अन्याय बहुत देर तक नहीं ठहर सकते। सवाल केवल समय का है।

शायद इस परवशता ही के कारण सम्मेलन के अन्दर कुछ देशों के नुमाइन्दों के आने में भी दिक्कतें पेश आईं। खासकर नए चीन और रूस के नुमाइन्दों का हजाजत (बिज्ञा) मिलने में बड़ी कठिनाई हुई। एक बार तो ऐसा लगता था कि शायद इन देशों के नुमाइन्दे सम्मेलन में भाग न ले सकें। लेकिन फिर किसी तरह जूँ तूँ कर मामला हल हुआ। चीन और रूस के नुमाइन्दे समय पर भाग लेने के लिये सम्मेलन में पहुँच सके। मंगोलिया के नुमाइन्दे सम्मेलन समाप्त होने से ठीक एक दिन पहले पहुँचे। कुछ पूर्वीय योरप के देशों के नुमाइन्दे आखीर तक भी नहीं पहुँच सके।

फिर भी तोक्यो सम्मेलन खासा जबरदस्त और सार्व-देशिक सम्मेलन था। अमरीका, इंगलैन्ड, फ़्रान्स, पूर्व जर्मनी, पच्छिम जर्मनी, आस्ट्रीया, हालैन्ड, रूत, मंगोलिया, चीन, मिस्र, भारत, लांका, बरमा, आस्ट्रेलिया, न्यूजीलैन्ड, फ़िलिपाइन, इन्डोनेशिया, इन्डोचाइना, पेरु, पोलैन्ड, रोमेन्या, चीकोस्लोवाकिया, थाइलैन्ड, कोरिया, पुर्तगाल, वैनजुला आदि लगभग तीस देशों पृथ्वी के पाँचों महाद्वीपों और दुनिया भर की अनेक सार्वजनिक संस्थाओं और अन्तर राष्ट्रीय संगठनों के नुमाइन्दे सम्मेलन में शामिल थे। इन नुमाइन्दों में बौद्ध, शिन्ता, ईसाई, मुसलम, यहूदी, और हिन्दू सब धर्मों के मानने वाले, बड़े-बड़े इन्साफ़दारी और बाँझ महन्त, राजनैतिक नेता, प्राक्मेर, डाक्टर, वकील, लेखक, पत्रकार दुनिया की पार्लमेटों के मेम्बर मौजूद थे। जापान के नुमाइन्दों में हिरोशिमा और नागासाकी के घायल लोगों के नुमाइन्दे और बिकिनी

के कूँ दरजन बड़े-बड़े और सैकड़ों छोटे-छोटे अड्डे हैं। ओकीनावा जैसे जापान के टापुओं पर तो अमरीका का पूरा कौजी क़बज़ा है। मन् 14 में हिरोशिमा और नागासाकी पर बम पड़ने के बाद जापान को अमरीका के साथ जो सन्धि करनी पड़ी थी उसमें छुटकाग पाने के लिये और अपने देश का फिर से पूरी तरह आजाद करने के लिये जापानी पूरी कोशिश कर रहे हैं। क्रूरता तौर पर जापान की इस समय की अन्तर राष्ट्रीय नीति भी पूरी तरह आजाद जापानी नीति नहीं समझी जा सकती।

लगभग तीन सप्ताह जापान में रहकर हमने वहाँ के अनेक नगरों जैसे तोक्यो, कामाकुरा, यांकोहामा आदि में और अनेक बड़े-बड़े जलसों में इन अमरीकी जकड़बन्दीयों के खिलाफ जापानी जनता और खासकर जापानी नौ-जवानों के असन्तोष और उनकी तड़प को अच्छी तरह देखा है। जापानी लोग बहुत धीर, गम्भीर, हृदय के मेहनती और बहादुर हैं। जाहिर है इन गुणों के सामने अमरीकी जकड़बन्दी और यह अन्तर राष्ट्रीय अन्याय बहुत देर तक नहीं ठहर सकते। सवाल केवल समय का है।

शायद इस परवशता ही के कारण सम्मेलन के अन्दर कुछ देशों के नुमाइन्दों के आने में भी दिक्कतें पेश आईं। खासकर नए चीन और रूस के नुमाइन्दों का हजाजत (बिज्ञा) मिलने में बड़ी कठिनाई हुई। एक बार तो ऐसा लगता था कि शायद इन देशों के नुमाइन्दे सम्मेलन में भाग न ले सकें। लेकिन फिर किसी तरह जूँ तूँ कर मामला हल हुआ। चीन और रूस के नुमाइन्दे समय पर भाग लेने के लिये सम्मेलन में पहुँच सके। मंगोलिया के नुमाइन्दे सम्मेलन समाप्त होने से ठीक एक दिन पहले पहुँचे। कुछ पूर्वीय योरप के देशों के नुमाइन्दे आखीर तक भी नहीं पहुँच सके।

फिर भी तोक्यो सम्मेलन खासा जबरदस्त और सार्व-देशिक सम्मेलन था। अमरीका, इंगलैन्ड, फ़्रान्स, पूर्व जर्मनी, पच्छिम जर्मनी, आस्ट्रीया, हालैन्ड, रूत, मंगोलिया, चीन, मिस्र, भारत, लांका, बरमा, आस्ट्रेलिया, न्यूजीलैन्ड, फ़िलिपाइन, इन्डोनेशिया, इन्डोचाइना, पेरु, पोलैन्ड, रोमेन्या, चीकोस्लोवाकिया, थाइलैन्ड, कोरिया, पुर्तगाल, वैनजुला आदि लगभग तीस देशों पृथ्वी के पाँचों महाद्वीपों और दुनिया भर की अनेक सार्वजनिक संस्थाओं और अन्तर राष्ट्रीय संगठनों के नुमाइन्दे सम्मेलन में शामिल थे। इन नुमाइन्दों में बौद्ध, शिन्ता, ईसाई, मुसलम, यहूदी, और हिन्दू सब धर्मों के मानने वाले, बड़े-बड़े इन्साफ़दारी और बाँझ महन्त, राजनैतिक नेता, प्राक्मेर, डाक्टर, वकील, लेखक, पत्रकार दुनिया की पार्लमेटों के मेम्बर मौजूद थे। जापान के नुमाइन्दों में हिरोशिमा और नागासाकी के घायल लोगों के नुमाइन्दे और बिकिनी



## ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے خلیا تیسرا विश्व सम्मेलन

## ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے خلاف

تیسرا وشو سمیلن

ایٹم اور ہائیڈروجن بموں سے سب سے अधिक نुकسان अभी तक जापान को डठाना पड़ा है. क्रुदरती तौर पर जापान में एटम और हाईड्रोजन बम के खिला और 'फौजे कम करने के हक में एक जापान कौंसिल' है. इस कौंसिल की तरफ से जापान के अन्दर दो विश्व सम्मेलन पहले हो चुके हैं. तिसरा विश्व सम्मेलन तोक्यो 6 अगस्त सन् 1957 से 16 अगस्त सन् 1957 तक हुआ.

सम्मेलन की तैयारी के लिए 'तैयारी कमेटी' (प्रिपेरेटरी कमेटी) बनाई गई थी, जिनमें दुनिया के लगभग सा देशों के थाड़े-थाड़े आदमी शामिल थे और जिसकी बैठकें ता-क्यां में कई सप्ताह पहले से होती रहा. इंगलैन्ड अमरी-का, आस्ट्रेलिया, फ्रान्स, चीन, भारत, लाका, बरमा आदि अनेक देशों के लुमाइन्हे इस तैयारी कमेटी में शामिल थे.

तैयारी कमेटी के एक मेम्बर की हैसियत से हम भी 28 जुलाई को पहुँच गए थे.

जापान की जनता और वहाँ की सरकार दोनों एटम और हाईड्रोजन बम के तजरबों के सख्त खिलाफ हैं. वह दिल से चाहते हैं कि हर तरह के सर्वनाशक हथियारों का बनना और काम में लाया जाना कानून बन्द कर दिया जावे और इस तरह के बमों के जो डेर कुज्र देशों ने जमा कर रखे हैं उन्हें नष्ट कर दिया जावे. वह चाहते हैं कि दुनिया भर के देशों की फौजे धारे-धीरे, आपसी समझौते से, कम कर दी जावे ताकि अन्त में युद्ध की सम्भावना हो दुनिया में मिट जावे. इस काम के लिये जापान के प्रधान मन्त्रा और वहाँ की जनता के प्रतिनिधि दोनों दुनिया भर में घूम चुके हैं और भारत भी आ चुके हैं. दुनिया के देशों में शायद जापान ही अकेला देश है जिसके विधान की एक धारा में साफ-साफ शब्दों में युद्ध का विरोध किया गया है और यह लिख दिया है कि जापान की अन्तर्राष्ट्रीय नीति युद्ध विरोधी नीति होगी.

लेकिन जापान आज बुरी तरह अमरीका के फौजी शिकंजे में जकड़ा हुआ है. छांटे से जापान के अन्दर अमरीका की स्थल सेना, जल सेना और हवाई सेना के मिला-

अयम और हाइड्रोजन बमों से सब से अधिक نقصान अभी तक जापान को अठाना पड़ा है. قدرती तौर पर जापान में 'अयम और हाइड्रोजन बम के खिला और फौजों कम करने के हक में एक जापान कौंसिल' है. इस कौंसिल की तरफ से जापान के अन्दर दो वशु समिलन पहले हो चुके हैं. तिसरा वशु समिलन 6 अगस्त सन् 1957 से 16 अगस्त 1957 तक हुआ.

समिलन की तैयारी के लिये 'तैयारी कमेटी' (प्रिपेरेटरी कमेटी) बनाई गयी थी, जिसमें दुनिया के लगभग सब देशों के थाड़े-थाड़े आदमी शामिल थे और जिसकी बैठकें ता-क्यां में कई सप्ताह पहले से होती रहें. इंगलैन्ड अमरीका, आस्ट्रेलिया, फ्रान्स, चीन, भारत, लाका, बरमा आदि अनेक देशों के लुमाइन्हे इस तैयारी कमेटी में शामिल थे.

तैयारी कमेटी के एक मेम्बर की हैसियत से हम भी 28 जुलाई को तोक्यो पहुँच गئے थे.

जापान की जनता और वहाँ की सरकार दोनों एटम और हाइड्रोजन बम के तजरबों के सख्त खिलाफ हैं. वह दिल से चाहते हैं कि हर तरह के सर्वनाशक हथियारों का बनना और काम में लाया जाना कानून बन्द कर दिया जावे और इस तरह के बमों के जो डेर कुज्र देशों ने जमा कर रखे हैं उन्हें नष्ट कर दिया जावे. वह चाहते हैं कि दुनिया भर के देशों की फौजे धारे-धीरे, आपसी समझौते से, कम कर दी जावे ताकि अन्त में युद्ध की सम्भावना हो दुनिया में मिट जावे. इस काम के लिये जापान के प्रधान मन्त्रा और वहाँ की जनता के प्रतिनिधि दोनों दुनिया भर में घूम चुके हैं और भारत भी आ चुके हैं. दुनिया के देशों में शायद जापान ही अकेला देश है जिसके विधान की एक धारा में साफ-साफ शब्दों में युद्ध का विरोध किया गया है और यह लिख दिया है कि जापान की अन्तर्राष्ट्रीय नीति युद्ध विरोधी नीति होगी.

लेकिन जापान आज बुरी तरह अमरीका के फौजी शिकंजे में जकड़ा हुआ है. छांटे से जापान के अन्दर अमरीका की स्थल सेना, जल सेना और हवाई सेना के मिला-

آج تو میں اور میرے بہت سے ہندوستانی ساتھی بڑی خوشی کے ساتھ اس میں حصہ لیتا جا رہے ہیں۔

ڈیلیگٹ بھائیو! آج کا کام اس یوگ کا سب سے بڑا آধ্যاत्मिक کام ہے۔ ہم میں سے ہر ایک پوری بھلائی اور پورے ہر ایک کے ساتھ اپنے کو پورا کرے تو ہماری پہلک لڑی ہے۔

آج میں اور میرے بہت سے ہندوستانی ساتھی بڑی خوشی کے ساتھ اس میں حصہ لیتا جا رہے ہیں۔

ڈیلیگٹ بھائیو! آج کا کام اس یوگ کا سب سے بڑا آধ্যاत्मिक کام ہے۔ ہم میں سے ہر ایک پوری بھلائی اور پورے ہر ایک کے ساتھ اپنے کو پورا کرے تو ہماری پہلک لڑی ہے۔

700 PAGES,  
82 ILLUSTRATIONS  
2 COLOURED MAPS

## "CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

में सहयोग देने से साफ इन्कार कर दें, चाहे इस इन्कार के लिये उसे प्राण ही क्यों न देना पड़े. इसी तरह हर मजदूर का और हर काम करने वाले का, जो युद्ध के सामान के बनाने या लाने लेजाने में लगा हो, यह पवित्र कर्तव्य है कि यदि उसे इस बात का विश्वास हो गया है कि युद्ध बुरी चीज है तो इस तरह का काम करने से इन्कार करदे.

हम सब यह चाहते हैं कि अपने फैसलों पर अमल कराने के लिए हम कुछ असली क़दम बढ़ा सकें' मैं आप से कहना चाहता हूँ कि दुनिया के मजदूर ही दुनिया की सब सरकारों की आर्थिक और राजनीतिक नीति का असली रूप देने वाले हैं. वे यदि एक बार इस सच्चाई को समझ लें और अपनी शक्ति को जान जायें तो दुनिया की कोई ताकत मानव समाज को नए युद्ध की ओर नहीं ढकेल सकती.

जो सरकार या जो देश दुनिया की जनता की इस राय की परवाह न करते हुए इसके खिलाफ अमल करता रहे उसका आर्थिक, सामाजिक और अरुणत पड़े तो राज-नैतिक बहिष्कार यानी उसके साथ असहयोग भी एक ऐसा तरीका है जिसकी तरफ सब शान्ति प्रेमियों का गम्भीरता के साथ ध्यान देना चाहिये.

अन्त में हाइडोजन बमों के नित्य नए तजरबों को बन्द कराने के लिये मेरी प्रार्थना है कि इस इतने बड़े मामले में दुनिया की अन्तरात्मा को जानने के लिये हम सब को दूर तरह की कुरबानी के लिये तैयार रहना चाहिये. हम सब का यह पवित्र कर्तव्य है. इस लिये मैं फिर एक बार अमरीका के सत्याग्रहियों को प्रणाम करता हूँ. भारत में हम लोगों ने जब यह सुना कि क्रिस्मस टापुओं की तरफ एक सत्याग्रही जहाज भेजे जाने की तजवीज हो रही है, तो हम में से बहुत से जैसे मेरे मैथिलिस्ट वास्त डा० जे० सो० कुमारप्पा, मेरे वास्त डा० चौध राम गिडवानी, सुद में, और बहुत से लोग उस मत्थाग्रह में शामिल होने के लिये उत्सुक थे. अपने लिये तो मैं इस से अच्छा किसी मौत का अनुमान ही नहीं कर सकता कि दुनिया की शान्ति के लिये मैं प्राण दे सकूँ. मैंने कुछ अमरीकी वास्तों से पूछा था कि हम म से कुछ अमरीकी सत्याग्रहियों के साथ शामिल हो सकते हैं या नहीं. मुझसे कहा गया कि इससे अमरीकी सत्याग्रहियों की कठिनाइयाँ और बढ़ सकती हैं. मैं फिर जापान के, आस्ट्रेलिया के, अमरीका के और दुनिया के किसी भी हिस्से के वास्तों और साधियों से नज्वा के साथ अपील करता हूँ कि जहाँ कहीं भी और जहाँ कभी भी मिलकर इस तरह के काम करने का मौका

में सहयोग देने से साफ इन्कार कर दें, चाहे इस इन्कार के लिये उसे प्राण ही क्यों न देना पड़े. इसी तरह हर मजदूर का और हर काम करने वाले का, जो युद्ध के सामान के बनाने या लाने लेजाने में लगा हो, यह पवित्र कर्तव्य है कि यदि उसे इस बात का विश्वास हो गया है कि युद्ध बुरी चीज है तो इस तरह का काम करने से इन्कार करदे.

हम सब यह चाहते हैं कि अपने फैसलों पर अमल कराने के लिये हम कुछ असली क़दम बढ़ा सकें' मैं आप से कहना चाहता हूँ कि दुनिया के मजदूर ही दुनिया की सब सरकारों की आर्थिक और राजनीतिक नीति का असली रूप देने वाले हैं. वे यदि एक बार इस सच्चाई को समझ लें और अपनी शक्ति को जान जायें तो दुनिया की कोई ताकत मानव समाज को नए युद्ध की ओर नहीं ढकेल सकती.

जो सरकार या जो देश दुनिया की जनता की इस राय की परवाह न करते हुए इसके खिलाफ अमल करता रहे उसका आर्थिक, सामाजिक और अरुणत पड़े तो राज-नैतिक बहिष्कार यानी उसके साथ असहयोग भी एक ऐसा तरीका है जिसकी तरफ सब शान्ति प्रेमियों का गम्भीरता के साथ ध्यान देना चाहिये.

अन्त में हाइडोजन बमों के नित्य नए तजरबों को बन्द कराने के लिये मेरी प्रार्थना है कि इस इतने बड़े मामले में दुनिया की अन्तरात्मा को जानने के लिये हम सब को दूर तरह की कुरबानी के लिये तैयार रहना चाहिये. हम सब का यह पवित्र कर्तव्य है. इस लिये मैं फिर एक बार अमरीका के सत्याग्रहियों को प्रणाम करता हूँ. भारत में हम लोगों ने जब यह सुना कि क्रिस्मस टापुओं की तरफ एक सत्याग्रही जहाज भेजे जाने की तजवीज हो रही है, तो हम में से बहुत से जैसे मेरे मैथिलिस्ट वास्त डा० जे० सो० कुमारप्पा, मेरे वास्त डा० चौध राम गिडवानी, सुद में, और बहुत से लोग उस मत्थाग्रह में शामिल होने के लिये उत्सुक थे. अपने लिये तो मैं इस से अच्छा किसी मौत का अनुमान ही नहीं कर सकता कि दुनिया की शान्ति के लिये मैं प्राण दे सकूँ. मैंने कुछ अमरीकी वास्तों से पूछा था कि हम म से कुछ अमरीकी सत्याग्रहियों के साथ शामिल हो सकते हैं या नहीं. मुझसे कहा गया कि इससे अमरीकी सत्याग्रहियों की कठिनाइयाँ और बढ़ सकती हैं. मैं फिर जापान के, आस्ट्रेलिया के, अमरीका के और दुनिया के किसी भी हिस्से के वास्तों और साधियों से नज्वा के साथ अपील करता हूँ कि जहाँ कहीं भी और जहाँ कभी भी मिलकर इस तरह के काम करने का मौका

ریت دیرا میں ہے اور ہماری آجکال کی اذیتوں کی جگہ ہمارا یہی غما جھکاؤ ہے۔

آتم-سंयम یاںاںی اذیتوں کو قابو میں رکھنا اور اذیتوں کی کسی چیز کا اپنی نیجی سंपत्ति نہ سمجھنا یہ دونوں باتیں ہمارے سর্বोच्च آदर्श ہونے چاہیے۔ ہم ماننے ہیں کہ دنیا کے سب لوگ یہ ہی سہی رہ سکتے ہیں جب کہ ہر آدمی دوسروں کے لیے اذیت اور اپنے لیے کم چلتا کرے۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے دنیا کی سب سے اچھی چیزوں اور عام طور پر انہی کے سب سامان سماج کی سہی ہوئے چاہئے نہ کی دہی کی اس معاملے میں ہم کمونزم کے بہت نکتہ پہنچ جاتے ہیں اور ہمیں اس کا کرد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مہاتما گاندھی کی تعلیم میں سب سے اذیت کی چیز ”اھنسا“ ہے گاندھی جی کے اُتوسار ہر مرد اور ہر عورت کا یہ پوتر گروہ ہے کہ وہ ہر اذیت اور ہر برائی کا ذت کر مقابلہ کرے اور بدی اُتوسار ہو تو اس مقابلہ کرنے میں اپنے سرور کی بازی لگا دے۔ لیکن گاندھی جی کا اُتوسار ہے کہ یہ مقابلہ ”اھنسا“ ہونا چاہئے۔ اس طرح کے مقابلہ کرنے والے کو گاندھی جی ”سٹیا گری“ کہتے ہیں۔ سٹیا گری کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے دل کو سب کی طرف سے یہاں تک نہ برائی یا اذیت کرنے والوں کی طرف سے ہی پریم سے بھر لے اور پھر خود اپنے تھاک اور کشت سہنے کے ذریعے برائی یا اذیت کرنے والے کو ٹھیک راستہ پر لانے کی کوشش کرے۔

میں جانتا ہوں کہ یہ معاملہ کچھ نکتہ معلوم ہے ہر شریعتی اُتوساری نہر نے اس اس راستی کی تولنا تلواری دھار پر چلنے سے کی تھی۔ لیکن بھارت میں مہاتما گاندھی کے تھوت میں اسی راستہ پر ہل کر اپنے کو دنیا کی سب سے بڑی سامراج پریمی شکتی کے نہچے سے آزاد کیا۔

میں جانتا ہوں کہ یہ معاملہ کچھ نکتہ معلوم ہے ہر شریعتی اُتوساری نہر نے اس اس راستی کی تولنا تلواری دھار پر چلنے سے کی تھی۔ لیکن بھارت میں مہاتما گاندھی کے تھوت میں اسی راستہ پر ہل کر اپنے کو دنیا کی سب سے بڑی سامراج پریمی شکتی کے نہچے سے آزاد کیا۔

دنیا کے سب شانتی پریمیوں سے میری بینامی پُرائتھا ہے کہ وہ اھنسا اُتوسار ہر گز کے اس طریقہ کو اذیت سمجھتا ہے ساتھ ساتھ اور سمجھتا ہے کہ اُتوسار کریں اس راستہ کی اپنی ایک ایک نکتہ ہے اس کے لئے ایک خاص طرح کی تلواری کی اُتوسار ہوتی ہے ایک سادگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سادگی اور تلواری اُتوسار کی سادگی اور تلواری کے ہائل دوسری طرح کی ہوتی ہے۔

اس راستے کے اُتوسار ہر اُتوسار کے اُتوسار کا جسے اس بات کا اُتوسار ہو گیا ہو کہ اُتوسار اور اُتوسار ہر چیزیں ہوں، یہ پُرائتھا کرے کہ وہ اس طرح کے اُتوسار کے ہائل

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے دنیا کی سب سے اچھی چیزوں اور عام طور پر انہی کے سب سامان سماج کی سہی ہوئے چاہئے نہ کی دہی کی اس معاملے میں ہم کمونزم کے بہت نکتہ پہنچ جاتے ہیں اور ہمیں اس کا کرد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مہاتما گاندھی کی تعلیم میں سب سے اذیت کی چیز ”اھنسا“ ہے گاندھی جی کے اُتوسار ہر مرد اور ہر عورت کا یہ پوتر گروہ ہے کہ وہ ہر اذیت اور ہر برائی کا ذت کر مقابلہ کرے اور بدی اُتوسار ہو تو اس مقابلہ کرنے میں اپنے سرور کی بازی لگا دے۔ لیکن گاندھی جی کا اُتوسار ہے کہ یہ مقابلہ ”اھنسا“ ہونا چاہئے۔ اس طرح کے مقابلہ کرنے والے کو گاندھی جی ”سٹیا گری“ کہتے ہیں۔ سٹیا گری کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے دل کو سب کی طرف سے یہاں تک نہ برائی یا اذیت کرنے والوں کی طرف سے ہی پریم سے بھر لے اور پھر خود اپنے تھاک اور کشت سہنے کے ذریعے برائی یا اذیت کرنے والے کو ٹھیک راستہ پر لانے کی کوشش کرے۔

میں جانتا ہوں کہ یہ معاملہ کچھ نکتہ معلوم ہے ہر شریعتی اُتوساری نہر نے اس اس راستی کی تولنا تلواری دھار پر چلنے سے کی تھی۔ لیکن بھارت میں مہاتما گاندھی کے تھوت میں اسی راستہ پر ہل کر اپنے کو دنیا کی سب سے بڑی سامراج پریمی شکتی کے نہچے سے آزاد کیا۔

دنیا کے سب شانتی پریمیوں سے میری پُرائتھا ہے کہ وہ اھنسا اُتوسار ہر گز کے اس طریقہ کو اذیت سمجھتا ہے ساتھ ساتھ اور سمجھتا ہے کہ اُتوسار کریں اس راستہ کی اپنی ایک ایک نکتہ ہے اس کے لئے ایک خاص طرح کی تلواری کی اُتوسار ہوتی ہے ایک سادگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سادگی اور تلواری اُتوسار کی سادگی اور تلواری کے ہائل دوسری طرح کی ہوتی ہے۔

اس راستے کے اُتوسار ہر اُتوسار کے اُتوسار کا جسے اس بات کا اُتوسار ہو گیا ہو کہ اُتوسار اور اُتوسار ہر چیزیں ہوں، یہ پُرائتھا کرے کہ وہ اس طرح کے اُتوسار کے ہائل

اس راستے کے اُتوسار ہر اُتوسار کے اُتوسار کا جسے اس بات کا اُتوسار ہو گیا ہو کہ اُتوسار اور اُتوسار ہر چیزیں ہوں، یہ پُرائتھا کرے کہ وہ اس طرح کے اُتوسار کے ہائل

انہیں ایک سندیشا بھی بھیجتا ہے جس میں ہم سب نے پرونام کیا ہے اور اُن کا پورا پورا سمرتوں کرنے کا اُن سے کیا ہے۔ توس دہی تک میں اپنے گرد مہانتا لاندھی کے میں بیٹھا ہوں اور اُن کے نیتروں میں اپنے دہی کی لے ائمہ لڑیکا ہوں۔ اس لئے میں آپ سے اجازت چاہتا کہ میں آپ کے سامنے اُس راستہ کو پھر کروں جسے لاندھی جی کا بتایا ہوا شانتی کا راستہ سمجھتا ہوں اور یہی بتاؤں کہ ایتھ اور ہانڈروجن ہم کے سوال کے ساتھ اُس کا سمجھ رہے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ مہاتما گاندھی کی سب سے بڑی وشہشتا کی دھارمکتا تھی۔ دھرم میں انہوں کو ہا وشولس تھا۔ میں دھرم کا ماننے والا ہوں۔ میں ایشور میں وشواسی ہوں، یو کے بعد کے جہن میں وشواسی ہوں، ادھیاتمک، یعنی بانی زندگی کا ماننے والا ہوں اور روحانی ”کوملین“ یعنی یا ساوک کا بھی ماننے والا ہوں۔ لیکن ہم لوگ دنیا کے سب سے بڑے دھرم مذہبوں کی بنیادی ایکٹا کے ماننے والے ہیں۔ ہم ماننے ہیں کہ ان دھرم مذہبوں میں جو فرق ہیں، دھنکر غیر ضروری باتوں سے سمجندہ رکھتے ہیں۔ اس پر تھووی اس طرح کا جیون بٹانا چاہئے اس بارے میں سب دھرموں بنیادی شکشا ایک سی ہے۔ ہم ماننے ہیں کہ ہر جہنہ ی کے اندر لوگوں کو دھرم مذہب کے معاملے میں پوری ہی ہوئی چاہئے، جو جو چاہے مانے اور جس طرح چاہے ایشور اللہ کی پوجا ارادہ کرے۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی لہنا لے لے ہیں کہ اب سے آ گیا ہے جب کہ وشو شانتی کے ہت مانو سماج کو پریم کے ساتھ ایک دوسرے کو سمجھا بچھا اور نشہوشکتا کے ساتھ ایک دوسرے کو سمجھ کر، اس بات کو شہس کرنی چاہئے کہ سائو جاتی ایک ملے جملے بچے کے دھرم کی طرف قدم بڑھا سکوں جس دھرم کا ادھک جندہ اس بات کے ساتھ ہو کہ ہم سب کس طرح اپنی زندگی کر رہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح برتیں اور ہم جندہ اس بات کے ساتھ ہو کہ ہم سنسار کی آتھکی یا پرلوک ی کے بارے میں کیا مانتائیں رکھتے ہیں یا کس زندگی کے تہ ایشور اللہ کی پوجا ارادہ کرتے ہیں جو ہم سب کا مالک ہے۔ اس طرح کے دھرم میں ہم سب بڑے بڑے دھرموں کے نم کرنے والوں کا ایک برابر آدر کر سکیں گے اور دنیا کی سب ی بڑی دھرم پسندوں سے ایک لایہ آٹھا سکیں گے۔

دوسرے بات یہ ہے کہ مہاتما گاندھی کی شکشا کے  
بہت سے منشیہ کی زندگی کا ادرہ اپنی اندر میں پر قابو  
تسل کرنا ہونا چاہئے نہ کہ اندر میں کے سکھوں کی اور  
روزانہ آپ تل کی سچھٹا کا چھٹا ایں کے چھٹک وپرہٹ

سدر ساہو، ہیلیگٹ ساخیو اور میرے جاپانی भाइ-  
यो और बहनो !

میں اپنے ان جاپانی دوستوں کا آہاری ہوں جنہوں نے  
ہمیں اس سلسلہ دیش میں آنے کا اور ایٹم اور ہائڈروجن بم کے  
خلاف اور دنیا کے فوجوں کو کم کرنے کے پکھ میں اپنی  
کوششوں میں حصہ لہنے کا یہ موقعہ دیا، ان کی ان نہک  
کوششوں میں سارے ہارت و اسی پوری طرح ان کے ساتھ میں ۔

چند اور قیدیگٹ بھائیوں کے ساتھ میں ابھی ٹنگسائی  
اور ہڈو شما ہو کر آیا ہوں ۔ اس بھیلکر درمیتنا کو ہونے بارہ  
دیس ہمت چکے ۔ اٹلے دنوں کے بعد بھی جو کچھ میں نے اپنی  
آنکھوں سے دیکھا اُسے دیکھ کر مجھے اچرچ ہوتا ہے کہ کوئی  
بھی ماشیہ اس طرح کا کام کیسے کر سکا ۔ بے گناہ مائوں کی گرد  
میں بیٹھے ہوئے معصوم بچوں کو زندہ ہوں ڈالنا اور ہڈیوں  
اور پوزھوں کو ان کے بستروں کے اندر جلا کر خاک کر دینا اتنی  
بڑی دشمنی اور انڈا ہوا پاپ ہے جسے دنیا کی جلتا کو برداشت  
نہیں کرنا چاہئے اور مجھے آشا ہے کہ دنیا کی جنتا اسے آئندہ  
کبھی برداشت نہیں کرے گی ۔ اب اور ہیروشما نہیں  
ہونے دیں گے، یہ آواز آج مانو سماج کے ہر دے سے زوروں کے  
ساتھ نکل رہی ہے ۔ کوئی اب اس آواز کی آوہلنا نہیں  
کر سکتا ۔

بھارت و اسی یہ بھی مانتے ہیں کہ کسی بھی دہے یا  
راشٹر کو یہ ادھیکار نہیں ہے کہ وہ دنیا کے کسی بھی دوسرے  
دیش میں اپنے فوجی اڈے قائم کرے ۔ نئے نئے دیشوں  
میں ایٹم اور ہائڈروجن ہتھیاروں کو داخل کرنا تو بھارت  
واسوں کی نگاہ میں ایک اول درجے کا اندر راشٹریہ جرم  
ہے ۔ بھارت ان سب سلسلوں اور سمجھوتوں کے بھی خلاف ہے جو  
دنیا کو ایک دوسرے کے ورورہ دو جنگی اکاؤزوں میں بانٹ  
دیتے ہیں ۔ بھارت و اسی سب راشٹروں کے ملے دلمے ایک  
ایسے صلحنامے کے پکھ میں ہیں جس کے انوسار سب مل کر دنیا  
کی شانتی کو دائم رکھنے کا وچن دیں اور جس میں امریکہ اور  
روس دونوں شامل ہوں ۔ بھارت کسی طرح کا وعدہ نہیں چاہتا ۔  
بھارت سارے مانو سماج کو ایک کدب مانتا ہے اور دنیا کے  
سب لوگوں کی ایکٹا کا حامی ہے ۔

اس آدیش کو پورا کرنے کے لئے کیا کیا چاہئے اس  
پر اس سمین میں کئی بحثیں ہو چکی ہیں۔ ان بحثوں  
نے دوران میں کئی بار ان آبانوں کی بھی چرچا ہوئی ہے جو  
بھارت کے نیٹا مہاتما گاندھی نے ہمیں سکھائے ہیں۔ ہمارے  
بھائی امریکی دوست ہائڈروجن بم کے خلاف اس سے بھی وہ  
اپنے کام میں لا رہے ہیں جنہوں نے وہ ”گاندھین اپائنہ“ اور  
”اھلساسک اپائنہ“ کہتے ہیں۔ وہ سمین کے اس ملج سے



कर्म या फल के अन्वय हमें तीन तरह के काम मिलते हैं—स्वार्थ, परार्थ और परमार्थ यानी खुदशरीरजी, दूसरों का भला और केवल फर्ज समझकर सब का एकसाँ भला पहली तरह के काम ऐसे हैं जैसे करखा लेना, दूसरी तरह के काम ऐसे हैं जैसे दूसरे का करखा देना और तीसरी तरह के काम सब करजों से छुटकारा पाना, पाप और पुण्य दोनों बन्धन हैं, मोक्ष यानी निजात इन दोनों से आजाद हो जाना है। पाप करना, कोई बुराई करना ऐसा हाँ है जैसा करखा लेना जिसे हमें दण्ड या तकलीफ दी शक्ति में अदा करना होगा, नेकी करना, परोपकार करना ऐसा है जैसा किसी को करखा देना, वह हमें सुख के रूप में वापिस मिलेगा, और असली आजादी इन दोनों विचारों से ऊपर उठकर सब हिसाब चुकता यानी बेबाक कर देना है। यही हालत हमें कड़ी मेहनत के बाद गहरी मोठी नींद यानी 'निर्वाण' का हक्कार बना देती है।

यह सब चीजें तीन-तीन के रूप में चलती हैं, इनमें दो रूप एक दूसरे के खिलाफ मालूम होते हैं और तीसरा उन्हें जोड़ता है, जैसे इच्छा किसी चीज की जानकारी का और उसके साथ हमारे काम का दोनों को जाड़ती है, हमारे सारे शरीर की बनावट में यही तीन-तीन के जोड़े दिखाई देते हैं, हमारे हाथ पैर, हमारे दिल और विमारा दोनों में नाता जोड़ते हैं, यही आत्मा और रौर-आत्मा के नाते का हाल है।

अपने शरीर की बनावट को अगर हम इस प्रकार अच्छी तरह समझ सकें और शरीर और मन और आत्मा यानी रूह के सम्बन्ध को समझ सकें तो यह सारा भेद हम पर खल सकता है, इस भेद का ठीक-ठीक समझने का रास्ता बही है जिसे हिन्दू धर्म ग्रन्थों में "योग" मुसलिम धर्म ग्रन्थों में "सलूक" या "शरल" और ईसाई धर्म ग्रन्थों में "कम्यूनियन विद दि स्पिरिट" कहा गया है।

کرم یا فعل کے اندر ہمیں تین طرح کے کام ملتے ہیں—کھول سوارتہ، پرارتہ اور پرمارتہ یعنی خود غرضی، دوسروں کا بھلا، اور کھول فرض سمجھکر سب کا یکساں بھلا۔ پہلی طرح کے کام ایسے ہیں جیسے قرضہ لینا، دوسری طرح کے کام ایسے ہیں جیسے دوسرے کو قرضہ دینا، اور تیسری طرح کے کام سب قرضوں سے چھٹکارا پانا، پاپ اور پلئے دونوں باندھن ہیں، مہمیں یعنی نجات ان دونوں سے آزاد ہو جاتا ہے، پاپ کرنا، دینی برائی کرنا، بےگاہی ہے جیسا قرضہ لینا جسے ہمیں دند یا تکلیف کی شکل میں ادا کرنا ہوتا ہے، نہکی کرنا، پروکار کرنا ایسا ہے جیسا کسی کو قرضہ دینا، وہ ہمیں سکے کے روپ میں واپس ملے گا، اور اصلی آزادی ان دونوں وجاروں سے اُپر اُٹ کر سب حساب چمکا یعنی بھوتی کر دینا ہے، یہی حالت ہمیں فقی مصلحت کے بعد گہری مہمیں نہیں یعنی 'نروان' کا حقدار بنا دیتی ہے۔

یہ سب چیزیں تین تین کے روپ میں چلتی ہیں، ان میں دو روپ ایک دوسرے کے خلاف معلوم ہوتے ہیں اور تیسرا انہیں جوڑتا ہے، جیسے اچھا کسی چیز کی جانکاری کو اور اس کے ساتھ ہمارے کام کو دونوں کو جوڑتی ہے، ہمارے سارے شریرو کی ہلاوت میں یہی تین تین کے جوڑے دکھائی دیتے ہیں، ہمارے ہاتھ پیر، ہمارے دل اور دماغ دونوں میں ناتا جوڑتے ہیں، یہی آتما اور غیر-آتما کے ناتے کا حال ہے۔

اپنے شریرو کی ہلاوت کو اگر ہم اس پروکار اچھی طرح سمجھ سکیں اور شریرو اور من اور آتما یعنی روح کے سمبندھ کو سمجھ سکیں تو یہ سارا بھید ہم پر کھل سکتا ہے، اس بھید کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کا راستہ وہی ہے جسے ہندو دھرم گرنہتھوں میں "یوگ"، مسلم دھرم گرنہتھوں میں "سلوک" یا "شیل" اور عیسائی دھرم گرنہتھوں میں "کمیونین و دنی ایسپرٹ" کہا گیا ہے۔

महत्मा गाँधी के अनुसार शान्ति का रास्ता, और पेटम और हाईड्रोजन बम का सवाल  
पंडित सुन्दरलाल

مہاتما گاندھی کے انوسار شانتی کا راستہ اور ایٹم اور ہائڈروجن بم کا سوال  
پنڈت سندر لال

(बह भाषण जो 16 अगस्त सन 1957 को तोक्यो (जापान) में तीसरे विश्व सम्मेलन के सामने दिया गया)

( وہ پھاشن جو 16 اگست سن 1957 کو توکیو (جاپان) میں تیسرے ورشو سمیلن کے سامنے دیا گیا )

رہ-آتما کو وہ ابھی تک سچ سمجھتے ہوئے تھا وہ اب اسے جھوٹ اور کیوں دھوکا معلوم ہونے لگا ہے۔ جوانی میں جو چیزیں سنند اور آئندہ دینے والی اور چٹ کو موہتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں وہ بڑھاپے میں بد صورت، بد شکل اور تکلیف دہ معلوم ہونے لگی ہیں۔ ایک پرانا معاورہ ہے ”گیان رنج کو بڑھاتا ہے۔“ انگریزوں، سید ”وانز“ کے مرل معنی ہی ”فکین“ ہے۔ جو چیزیں اچھی لگتی تھیں وہ اب بری لگنے لگی ہیں۔ جو ٹھیک معلوم ہوتی تھیں وہ غلط معلوم ہونے لگی ہیں اور اگے چل کر اچھے اور برے ٹھیک اور غلط دونوں میں غلط معلوم ہونے لگتے ہیں۔ بقیہ اور پاپ یعنی خیر اور شر دونوں پاپ یعنی شر معلوم ہونے لگتے ہیں۔ سولے کی بڑھاپا ویسی ہی بڑھاپا میں جیسی لوہے کی۔ ایک پیڑھی کے لوگ پیدا ہوتے ہیں، بڑھتے ہیں اور تجربوں اور تکلیفوں کے اندر سے گذرتے ہوئے، انہیں عقل اور سمجھ آتی ہے۔ وہ پھر چل دیتے ہیں۔ دوسری پیڑھی ان کی جگہ لیتی ہے۔ اسی طرح کی غلطیوں، تجربوں اور تکلیفوں میں سے نکل کر اسے سمجھ آتی ہے۔ وہ بھی چل دیتی ہے۔ یہ چکر پراہر جاری رہتا ہے۔ ایک بیماری ختم ہو جاتی ہے، دوسری بیماریاں اس کی جگہ آ جاتی ہیں۔ ایک برائی مٹتی ہے، دوسری سر آ جاتی ہے۔ نیکی اور بدی، سکھ اور دکھ ہمیشہ ایک دوسرے کو کالتہ رہتے ہیں۔ انت میں دونوں ایک ساتھ ختم ہوتے ہیں۔ اس دوری کو آسا خود ہی پیدا کرتا ہے اور خود ہی ختم کرنا ہے۔ نیکی اور بدی دونوں چیزیں ہیں۔ دونوں ساتھ ساتھ ختم ہوتے ہیں۔ جب تک آدمی جاگتا رہتا ہے اور کام کرنا رہتا ہے تب تک اس آتما کے لئے جس کی آنکھیں کھل گئی ہیں نیکی یعنی نیکلام کرم کا راستہ ہی فرض یعنی کرتوبہ کا راستہ ہے۔ لیکن دھیرے دھیرے یہ بیداری بھی کم ہونے لگتی ہے۔ تھکا ہوا آتما پہ ”نروان“ کی نیند سونا چاہتا ہے۔ کچھ دیر کے لئے وہ کھن محنت اور آرام دہ آسیدہ دونوں سے تھک جاتا ہے۔ پاپ اور پلہ، سوارتھ اور پرماتھ دونوں کے چکر سے وہ نکلنا چاہتا ہے۔

اس طرح گوان کے اندر ہمیں تین طرح کی چیزیں ملتی ہیں—سستیہ، مہیا اور مایا یعنی جو چیزیں ہیں جو نہیں ہیں اور جن کا ہونا ایک دھوکا ہے۔ اچھا یعنی خواہش کے اندر تین صورتیں آ جاتی ہیں—راگ، دوش اور ویراگہ یعنی خاص چیزوں سے مہیا لگاؤ ہونا، خاص چیزوں سے نفرت ہونا اور سب چیزوں کی طرف سے پلاگ ہونا، نا کھو سے دوستی نا کھو سے ہر۔ انہیں تینوں کو کم، برونہ اور نیشکامیہ میں لپے سکتے ہیں۔ یہ ویراگہ یا نیشکامیہ ایک شانتی اور سکون کی حالت ہے۔

اس طرح گوان کے اندر ہمیں تین طرح کی چیزیں ملتی ہیں—سستیہ، مہیا اور مایا یعنی جو چیزیں ہیں جو نہیں ہیں اور جن کا ہونا ایک دھوکا ہے۔ اچھا یعنی خواہش کے اندر تین صورتیں آ جاتی ہیں—راگ، دوش اور ویراگہ یعنی خاص چیزوں سے مہیا لگاؤ ہونا، خاص چیزوں سے نفرت ہونا اور سب چیزوں کی طرف سے پلاگ ہونا، نا کھو سے دوستی نا کھو سے ہر۔ انہیں تینوں کو کم، برونہ اور نیشکامیہ میں لپے سکتے ہیں۔ یہ ویراگہ یا نیشکامیہ ایک شانتی اور سکون کی حالت ہے۔

कर्म, अपनी भलाई को सब की भलाई के लिये कुरबान कर देना, व्यक्ति की भलाई को कुटुम्ब की भलाई के लिये या समाज की भलाई के लिये कुरबान कर देना, यही यह "यज्ञ" है। भगवद्गीता में लिखा है:—"प्रजापति ने जब शुरू में दुनिया को बनाया तो "यज्ञ" के साथ बनाया और अपनी सारी प्रजा से कह दिया कि "यज्ञ" के द्वारा ही तुम बढ़ोगे और फलो फूलोगे....हमारा छोटा आपा हमारे बड़े और व्यापक आपे के लिये अपने को कुरबान करता है यही यज्ञ है"। यह बड़ा आपा ही असली सत्यम् सुन्दरम् और शिवम् है। इस दुनिया में जो कुछ हमें सबा, सुन्दर और अच्छा दिखाई देता है वह सब उसी का अक्स है।

सर्वात्मा या रुहे कुल के इन गुणों के मुक्राबले में रौर-आत्मा यानी प्रकृति या जड़ मादे में सत्व, तमस् और रजस्—यह तीन गुण पाये जाते हैं। सत्व चीजों का वह गुण है जिसके खरिये चीजें जानी जा सकती हैं। तमस् वह गुण है जिसके कारण उन्हें रखने की आत्मा को इच्छा होती है। रजस् वह गुण है जिसका सम्बन्ध चीजों की हरकत से है। अगर हम किसी भी ठोस चीज को ले लें तो यही तीनों बातें गुण, द्रव्य और कर्म शब्दों से प्रकट की जा सकती हैं। हम चीजों के गुणों से उन्हें जानते समझते हैं। उनके द्रव्य रूप के कारण उन्हें रखने की इच्छा करते हैं। और उनके कर्म रूप के कारण हम उनके साथ तरह-तरह के काम करते हैं। हमारे शरीर भी रौर-आत्मा यानी जड़ पदार्थ ही हैं। लेकिन अक्सर हम उन्हें ही अपना आपा समझ बैठते हैं यह ऐसा ही है। जैसे लोहे की किसी लाल तपती हुई गेंद की गरमी को हम उसकी लाली और और उसके लोहे से अलग करके नहीं देख सकते। पर हैं वह अलग-अलग चीजें और फिर भी एक।

हमारे जिस्म हमारे आत्मा के इतने निकट हैं कि अक्सर हम जिस्म के तीन गुणों यानी सत्व, तमस् और रजस् का आत्मा के गुण समझने और कहने लगते हैं। कभी-कभी हम इन तीन शब्दों से मतलब अपने मन की तीन हालतों से लेते हैं, और यूँ उसे आत्मा से जोड़ देते हैं। हम कहते हैं कि सात्विक आत्मा ज्ञानी, आरिफ, समझदार और नेक आदमी का ज्ञानवान, सुसंस्कृत, प्रकाशवान और नूरानी आत्मा है, जो चीजों को ठीक-ठीक समझता है। तामस् आत्मा उस आदमी का जो अपनी स्वाहिशों के क़ाबू में है आलस्य और प्रमाद भरा आत्मा है, जो दुनिया की चीजों को चिपटा हुआ हों। राजस् आत्मा क्रियाशील यानी बाअमल आदमी का आत्मा है जो सदा चंचल, बेचैन और काम में लगा रहता है।

आत्मा जब रौर-आत्मा की तरफ से हटने लगता है और उससे अपने से अलग कर देना चाहता है तब जिस

कर्म, اپنی بھائی کو سب کی بھائی کے لئے قربان کر دینا, [وہابی کی بھائی کو کتب کی بھائی کے لئے یا سماج کی بھائی کے لئے قربان کر دینا] یہی یہ 'یکہ' ہے۔ بھوک گیتا میں لکھا ہے:—"پرچا پتی نے جب شروع میں دنیا کو بنایا تو 'یکہ' کے ساتھ بنایا اور اپنی ساری پرچا سے کہہ دیا کہ 'یکہ' کے دوارا ہی تم بڑھو گے اور پھلو پھلو گے...ہمارا چھوٹا آپا ہمارے بڑے اور دیانیک آپے کے لئے اپنے کو قربان کرنا ہے یہی 'یکہ' ہے۔" وہ بڑا آپاہی اصلی سترم, سندرم اور شوم ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہمیں سچا, سندر اور اچھا دکھائی دیتا ہے وہ سب اسی کا عکس ہے۔

سور آتما یا روح کل کے ان گنوں کے مقابلے میں غور-آتما یعنی پروکرتی یا جز مادے میں ستو, تمس, اور رچس—یہ تین گن پائے جاتے ہیں۔ ستو چیزوں کا وہ گن ہے جس کے ذریعہ چیزیں جانی جا سکتی ہیں۔ تمس وہ گن ہے جس کے کارن انہوں رکھنے کی آنتہ کو اچھا ہوتی ہے۔ رچس وہ گن ہے جس کا سببہ چیزوں کی حرکت سے ہے۔ اگر ہم کسی بھی تیرس چیز کو لے لیں تو یہی تینوں باتیں گن, دروبہ, اور کرم شبدوں سے پرکٹ کی جا سکتی ہیں۔ ہم چیزوں کے گنوں سے انہوں جانتے سمجھتے ہیں۔ ان کے دروبہ روپ کے کارن انہوں رکھنے کی اچھا کرتے ہیں۔ اور ان کے کرم روپ کے کارن ہم ان کے ساتھ طارح طارح کے کام کرتے ہیں۔ ہمارے شریر بھی غور-آتما یعنی جز بدارتہ ہی ہیں۔ لیکن انڈر ہم انہیں ہی اپنا آپا سمجھ رہے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے لوہے کی کسی لال تھپی ہوئی گیند کی گرمی کو ہم اُس کی لالی اور اُس کے لوہے سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے۔ پر ہیں وہ الگ الگ چیزیں اور پھر بھی ایک۔

ہمارے جسم ہمارے آتما کے ایتھ نمک ہیں کہ انڈر ہم جسم کے تین گنوں یعنی ستو, تمس اور رچس کو آتما کے گن سمجھتے اور کہتے لکھتے ہیں۔ کبھی کبھی ہم ان تین شبدوں سے مطالب اپنے من کی تین حالتوں سے لیتے ہیں اور ہیں اُسے آتما سے جوڑ دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ساتوک آتما گھائی, عارف, سمجھدار اور نیک آدمی کا گھاتوان, سو سانسکرت, پرکاشوان اور نورانی آتما ہے, جو چیزوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھتا ہے۔ تامس آتما اُس آدمی کا جو اپنی خواہشوں کے قاور میں ہے آسید اور پرماںد بھرا آتما ہے, جو دنیا کی چیزوں کو چھٹا ہوا ہو۔ راجس آتما کرپا شریل یعنی باعدل آدمی کا آتما ہے جو سدا چنچل, پے چین اور کلم میں لگا رہتا ہے۔

آتما جب غور-آتما کی طرف سے ہلکے لکنا ہے اور اُسے اپنے سے الگ کر دینا چاہتا ہے تب جس

यही तीन यानां ज्ञान, इच्छा और क्रिया रूढ़ों या जीवों का एक दूसरे से अलग करते हैं। ऐसा अलग आत्मा 'पराग आत्मा' कहलाता है। पर जब इस आत्मा का इत्थ अन्दर को हो जाता है तब वह 'प्रत्याग आत्मा' हो जाता है। तब यह सब अलङ्घनी मिट जाती है। तब यही तीनों सूरतें एक व्यापक आत्मा यानी रूहेकुल के तीन गुणों—चित्त, आनन्द और सत्त यानी मारकत, कुदरत और बज्रदे हकीकती—में बदल जाती हैं। यह मारकत ही अजले कुल है। इन्हीं तीनों को सर्वज्ञता, सर्वशक्तिमत्ता और सर्व व्यापकता भी कहते हैं। शुद्ध आत्मा यानी रूहेकुल के इन्हीं तीन गुणों के नाम सत्यम, प्रियम और हितम, या शान्तम, सुन्दरम और शिवम भी हैं। असली बज्रदे यानी बज्रदे हकीकती केवल यही शुद्ध आत्मा या रूहेकुल है। वही देखने वाला है और वही देखने की चीज। वही जानने वाला है और वही जानने की चीज। उसी से सब राशन है जिस तरह यह दुनिया सूरज से। वह अपने को भी जानता है और और-आपे को भी। वह अपने जानने का भी जानता है। वही है और कुछ है ही नहीं। वह नित्य है और सब बदलता हुआ धोका है। इससे हमें कभी धोका नहीं हो सकता। वही आनन्द का भण्डार है, सुन्दरत का खजाना है, वही प्रेम है, वही अनन्त बरकत है, वही एक चाहने की चीज है। सब दिलों का वही एक प्रीतम है और जो कुछ प्यार के क्लबिल है केवल उसी का ही है। वह नित्य है, अनन्त है। वह नेकी का भण्डार है। वही यज्ञ यानी कुरबानी है। प्रेम और सेवा के जरिये अपने छोटे आपे को उस बड़े आपे के लिये, जो सब के अन्दर रमा हुआ है, कुरबान कर देना ही उसके दर्शन, दीवार, यानी आत्म दर्शन का तरीका है। इसी का नाम निःश्रेयस है यानी सब का भला है। अन्त में निःस्वार्थ कम, निष्काम

یہی تین یعنی گمان، اچھا اور بُرا یا جیوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتے ہیں۔ ایسا انگ آتما، پُراگ آتما، کھانا ہے۔ پر جب اِس آتما کا رخ اندر کو ہو جاتا ہے تب وہ پُرتیاگ آتما ہو جاتا ہے۔ تب یہ سب علیحدگی مٹ جاتی ہے۔ تب یہی تینوں صورتیں ایک واپاک آتما یعنی روح کل کے تین گنوں—چت، آنند اور ست یعنی معرفت، قدرت اور وجود حقیقی—میں بدل جاتی ہیں۔ یہ معرفت ہی عقل دل ہے۔ انہیں تینوں کو سروگیات، سرو شکھیتا اور سرو واپاکتا بھی کہتے ہیں۔ شدہ آتما یعنی روح کل کے انہیں تین گنوں کے نام ستویم، پریم اور ہم، یا شانت، سادرم اور شوم بھی ہیں۔ اصلی وجود یعنی وجود حقیقی کدول بھی شدہ آتما یا روح دل ہے۔ وہی دیکھنے والا ہے اور وہی دیکھنے کی چیز۔ وہی جاننے والا ہے اور وہی جاننے کی چیز۔ اُسی سے سب روشن ہے جس طرح یہ دنیا سورج سے۔ وہ اپنے کو بھی جانتا ہے اور غیر-آپے کو بھی۔ وہ اپنے جاننے کو بھی جانتا ہے۔ وہی ہے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ وہ نکتہ ہے اور سب بدلتا ہوا دھوکا ہے۔ اُس سے ہمیں کبھی دھوکا نہیں ہو سکتا۔ وہی آنند کا ہندار ہے، سادرتا کا خزانہ ہے، وہی پریم ہے، وہی اُملت ہرکت ہے، وہی ایک چاہنے کی چیز ہے۔ سب دلوں کا وہی ایک پریم ہے اور جو کچھ پیار کے قابل ہے کھول اُسی کے کارن۔ وہ نکتہ ہے، اُملت ہے۔ وہ نیکی کا ہندار ہے۔ وہی یکمہ یعنی قربانی ہے۔ پریم اور سہوا کے ذریعے اپنے چہرے آپے کو اُس پرے آپے کے لئے، جو سب کے اندر رہا ہوا ہے، قربان کر دینا ہی اُس کے درشن، دیدار یعنی اتم درشن کا طریقہ ہے۔ اُسی کا نام ہر تیس ہے یعنی سب کا ہوا ہے۔ اُمت میں نسوارتہ کرم، تھلم

## एक आत्मा के अलग-अलग रूप

डाक्टर भगवान दास

आत्मा एक और बेअन्त है. उसका कोई और छोर नहीं. उससे बाहर कुछ नहीं. उसी आत्मा को सर्वात्मा या रूहेकुल भी कह सकते हैं. लेकिन इस दुनिया में देखने समझने के लिए उसी एक का तीन अलग-अलग रूपों में देखा जा सकता है. एक आत्मा का व्यापक अव्यक्त रूप जो सब में रमा हुआ है. दूसरे अलग-अलग व्यक्त आत्मार्थ जिन्हें अलग-अलग आत्मा, जीव या रूह कहते हैं. और तीसरे हमारे यह अलग-अलग मन और शरीर. पहले यानी व्यापक अव्यक्त आत्मा के अन्दर सब व्यक्त आत्मा यानी अलग-अलग रूहें शामिल हैं. और हमारे अलग-अलग मन-शरीर ही इन अलग-अलग आत्मार्थों को एक दूसरे से अलग और व्यक्त यानी आहिर करते हैं.

इसकी एक मिसाल एक ही नदी के अन्दर अलग अलग बरतनों में एक ही पानी की शकलें बदल जाने से दी जाती है.

उस व्यापक अव्यक्त आत्मा की जानकारी का नाम 'मैटाफिजिक' यानी 'दर्शन शास्त्र' या 'फलसफा' है. अलग-अलग व्यक्त आत्मार्थों के बयान को 'साइकालॉजी' यानी 'मनोविज्ञान' कहते हैं. हमारे मन-शरीरों से सम्बन्ध रखने वाली साइन्सों को मामूली जड़विज्ञान या 'साइको फिजिक्स' कहा जाता है. दर्शन शास्त्र या फलसफे में हमें सब साइन्सों के बुनियादी असूल मिल जाते हैं.

जब आत्मा दैर-आत्मा यानी अपने से बाहर की चीजों की बात करता है तो तीन सूरतें पैदा होती हैं. पहली यह कि आत्मा दैर-आत्मा को अपने सामने रखकर उसकी जानकारी हासिल करता है. फिर चाहे उसके बजूद को सबा माने या झूठा. दूसरी यह कि आत्मा दैर-आत्मा के साथ कुछ न कुछ काम करता है. उसे अपने ऊपर आड़ना है जैसे आदमी कपड़े पहनता है, या उसे अपने अन्दर शांति कर लेता है जैसे आदमी खाना खाता है. उसके साथ अपना अपनापन जोड़ता है. या उसे उतार फेंकता है और अपने को उससे अलग कर लेता है. तीसरी यह कि जानने और काम करने के बीच में आत्मा दैर-आत्मा से अपने को जोड़ लेने की या उसे अपने अन्दर हजम कर लेने की या उसे फेंक देने की 'इच्छा' करता है. यह 'इच्छा' तीसरी सूरत है. यह इच्छा या सहिष्णु आत्मा की ही वृत्ति या हालत है.

## एक आत्मा के अलग-अलग रूप

डाक्टर भगवान दास

आत्मा एक और बेअन्त है. उस का कौनी और छोर नहीं. उस से बाहर कुछ नहीं. उसी आत्मा को सर्व आत्मा या रूह कुल भी कह सकते हैं. लेकिन इस दुनिया में देखने समझने के लिये उसी एक को तीन अलग अलग रूपों में देखा जा सकता है. एक आत्मा का व्यापक अव्यक्त रूप जो सब में रमा हुआ है. दूसरे अलग अलग व्यक्त आत्मार्थ जिन्हें अलग अलग आत्मा, जीव या रूह कहते हैं. और तीसरे हमारे यह अलग अलग मन और शरीर. पहले यानी व्यापक अव्यक्त आत्मा के अन्दर सब व्यक्त आत्मा यानी अलग अलग रूहें शामिल हैं. और हमारे अलग अलग मन-शरीर ही इन अलग अलग आत्मार्थों को एक दूसरे से अलग और व्यक्त यानी आहिर करते हैं.

इस की एक मिसाल एक ही नदी के अन्दर अलग अलग बरतनों में एक ही पानी की शकलें बदल जाने से दी जाती है.

उस व्यापक अव्यक्त आत्मा की जानकारी का नाम 'मैटाफिजिक' यानी 'दर्शन शास्त्र' या 'फलसफा' है. अलग अलग व्यक्त आत्मार्थों के बयान को 'साइकालॉजी' यानी 'मनोविज्ञान' कहते हैं. हमारे मन-शरीरों से सम्बन्ध रखने वाली साइन्सों को मामूली जड़विज्ञान या 'साइको फिजिक्स' कहा जाता है. दर्शन शास्त्र या फलसफे में हमें सब साइन्सों के बुनियादी असूल मिल जाते हैं.

जब आत्मा दैर-आत्मा यानी अपने से बाहर की चीजों की बात करता है तो तीन सूरतें पैदा होती हैं. पहली यह कि आत्मा दैर-आत्मा को अपने सामने रखकर उसकी जानकारी हासिल करता है. फिर चाहे उसके बजूद को सबा माने या झूठा. दूसरी यह कि आत्मा दैर-आत्मा के साथ कुछ न कुछ काम करता है. उसे अपने ऊपर आड़ना है जैसे आदमी कपड़े पहनता है, या उसे अपने अन्दर शांति कर लेता है जैसे आदमी खाना खाता है. उसके साथ अपना अपनापन जोड़ता है. या उसे उतार फेंकता है और अपने को उससे अलग कर लेता है. तीसरी यह कि जानने और काम करने के बीच में आत्मा दैर-आत्मा से अपने को जोड़ लेने की या उसे अपने अन्दर हजम कर लेने की या उसे फेंक देने की 'इच्छा' करता है. यह 'इच्छा' तीसरी सूरत है. यह इच्छा या सहिष्णु आत्मा की ही वृत्ति या हालत है.

कारण हुई. उस समय मेरी बहन की उम्र सिर्फ पाँच वर्ष की थी. कितनी प्यारी और दया-पात्र थी वह ! मैं अब उसे देख सकता हूँ. वे माँ को समझाकर रोने से चुप कर रहे थे, लेकिन वह बिना रुके हुए लगातार रो रही थी. शायद उसका रोना सुनकर इनका अन्तःकरण छिड़ता था, क्योंकि इन्होंने मेरी बहन का खा डाला था. यदि इनका अन्तःकरण छिड़ता था तो.....

मेरी बहन का मेरे भाई ने खा डाला ! मैं नहीं कह सकता कि यह बात मेरी माँ का मालूम था या नहीं.

माँ को जरूर मालूम हुआ होगा, लेकिन राते समय उसने कुछ कहा नहीं. शायद उसने इसे ठीक समझा हो. मुझे याद है कि जब मैं चार या पाँच वर्ष का था तो उस समय मेरे भाई ने मुझसे कहा था कि पुत्र के लिये माता-पिता के प्रति सब से बड़ा भक्ति का काम यह है कि जब वे बीमार पड़ें तो वह अपने माँस का एक टुकड़ा काटकर उसे पकाये और उन्हें खाने के लिए दे. और माँ ने यह नहीं कहा था कि यह ठीक नहीं है. यदि एक टुकड़ा खाया जा सकता है, तो वास्तव में पूरा भी खाया जा सकता है ! लेकिन अब मैं सोचता हूँ कि जिस ढंग से माँ रो रही थी उससे दूसरों के हृदय फटे जा रहे थे. अब उसे याद करने से भी मुझे दुःख हाता है. कितना अजीब है !

12

पिछले चार हजार वर्षों से मनुष्य एक दूसरे को खा रहे हैं और मैं आज ही यह जान सका कि मैं आजीवन उन्हीं में घुला-मिला रहा. मेरी बहन ठाक उसी समय मरी जब मेरे बड़े भाई घर-गृहस्थी का प्रबन्ध कर रहे थे. मुझे कैसे विश्वास हो सकता है कि हमें खिलाने के लिये उन्होंने गुप्त रूप से उसे हमारे खाने में नहीं मिला दिया ?

हां सकता है कि अनजाने में अपनी बहन को खा लिया ! और अब मेरी बारी आई है कि मैं खाया जाऊँ !

मेरी चार हजार वर्ष पुरानी मनुष्य-भक्षी वंश-परम्परा है. यद्यपि इसे मैं पहले नहीं समझ सका, लेकिन अब मैं इसे समझ रहा हूँ. वास्तविक मनुष्य पाना कठिन है !

13

शायद अब भी कुछ ऐसे बच्चे हैं जिन्होंने मनुष्य का माँस नहीं खाया है. उन बच्चों को बचाइये !

अप्रैल 1918

कान हूँ, अस् सम मरु भी की उम्र मरु पांच वरु की थी. कितनी प्यारी और दया-पात्र थी वह ! मैं अब उसे देख सकता हूँ. वे माँ को समझाकर रोने से चुप कर रहे थे, लेकिन वह बिना रुके लगातार रो रही थी. शायद उसका रोना सुनकर इनका अन्तःकरण छिड़ता था, क्योंकि इन्होंने मेरी बहन का खा डाला था. यदि इनका अन्तःकरण छिड़ता था तो.....

मरु भी की उम्र मरु पांच वरु की थी. कितनी प्यारी और दया-पात्र थी वह ! मैं अब उसे देख सकता हूँ. वे माँ को समझाकर रोने से चुप कर रहे थे, लेकिन वह बिना रुके लगातार रो रही थी. शायद उसका रोना सुनकर इनका अन्तःकरण छिड़ता था, क्योंकि इन्होंने मेरी बहन का खा डाला था. यदि इनका अन्तःकरण छिड़ता था तो.....

माँ को जरूर मालूम हुआ होगा, लेकिन राते समय उसने कुछ कहा नहीं. शायद उसने इसे ठीक समझा हो. मुझे याद है कि जब मैं चार या पाँच वर्ष का था तो उस समय मेरे भाई ने मुझसे कहा था कि पुत्र के लिये माता-पिता के प्रति सब से बड़ा भक्ति का काम यह है कि जब वे बीमार पड़ें तो वह अपने माँस का एक टुकड़ा काटकर उसे पकाये और उन्हें खाने के लिए दे. और माँ ने यह नहीं कहा था कि यह ठीक नहीं है. यदि एक टुकड़ा खाया जा सकता है, तो वास्तव में पूरा भी खाया जा सकता है ! लेकिन अब मैं सोचता हूँ कि जिस ढंग से माँ रो रही थी उससे दूसरों के हृदय फटे जा रहे थे. अब उसे याद करने से भी मुझे दुःख हाता है. कितना अजीब है !

12

पिछले चार हजार वर्षों से मनुष्य एक दूसरे को खा रहे हैं और मैं आज ही यह जान सका कि मैं आजीवन उन्हीं में घुला-मिला रहा. मेरी बहन ठाक उसी समय मरी जब मेरे बड़े भाई घर-गृहस्थी का प्रबन्ध कर रहे थे. मुझे कैसे विश्वास हो सकता है कि हमें खिलाने के लिये उन्होंने गुप्त रूप से उसे हमारे खाने में नहीं मिला दिया ?

हां सकता है कि अनजाने में अपनी बहन को खा लिया ! और अब मेरी बारी आई है कि मैं खाया जाऊँ !

मेरी चार हजार वर्ष पुरानी मनुष्य-भक्षी वंश-परम्परा है. यद्यपि इसे मैं पहले नहीं समझ सका, लेकिन अब मैं इसे समझ रहा हूँ. वास्तविक मनुष्य पाना कठिन है !

13

शायद अब भी कुछ ऐसे बच्चे हैं जिन्होंने मनुष्य का माँस नहीं खाया है. उन बच्चों को बचाइये !

अप्रैल 1918

तब उनका एक और तरीका भी मेरी समझ में आ गया. वे सिर्फ सुधार करने से ही इनकार नहीं करते बल्कि उनके साथ ही साथ उन्होंने अपनी तैयारी भी कर ला है. उन्होंने मेरे ऊपर 'पागल आदमी' की चिप्पी भी चिपका दी है. जब वे मुझे खा डालेंगे तो उसके बाद उनके कार्य का कोई कुपरिणाम न होगा. यही नहीं, वास्तव में लोग उनकी तरीक़ करेंगे. जब आसामियों ने यह कहा था कि उन्होंने एक बध्माश का मारकर खा डाला तो वे भी यही तरीक़ा अपना रहे थे. यह उनका पुराना राग है.

इस पर चैन लाओ-वू हम लोगों के पास बड़े गुस्से से आये. लेकिन वे मेरा मुंह कैसे बन्द कर सकते थे? मैं जालसाजी के इन सदस्यों के सामने अपने विचार रखने के लिये तुल गया. उनसे मैंने कहा कि 'आप लोगों का सुधार करना चाहिए! आप लोगों को हृदय के भीतर से सुधार करना चाहिए! आप लोगों का समझ लेना चाहिए कि मनुष्य-भक्षी मनुष्यों के लिये संसार में कोई स्थान नहीं होगा! अगर आप सुधार नहीं करते तो आप लोग खुद खा डाले जायेंगे! अगर आप बहुत-से बच्चों को भी पैदा करें तो भी वे सब के सब असली मनुष्यों के द्वारा उसी तरह नष्ट कर दिये जायेंगे जैसे शिकारियों द्वारा भेड़िये! आप सब कीड़ों को तरह नष्ट कर दिये जायेंगे!'

चैन लाओ-वू ने उन सब मनुष्यों को भगा दिया और मैं नहीं जानता कि मेरा भाई कहाँ गायब हो गया. चैन लाओ-वू ने मुझे समझाकर मेरे कमरे में वापस भेजा. पूरा कमरा अन्धकार में डूबा था. छत की सहतीर और धन्नियाँ काँपने लगीं. कुछ देर काँपने के बाद उनका लम्बाई, चौड़ाई और मोटाई बहुत अधिक बढ़ गई और वे सब मेरे ऊपर ढेर हो गईं.

वे बहुत ही ज्यादा भारी हैं, वे हिलाई-डुलाई भी नहीं जा सकतीं. वे लोग चाहते हैं कि मैं मर जाऊँ. लेकिन मैं जानना हूँ कि वास्तव में वे भारी नहीं हैं. इस लिये मैं उन्हें धक्का देकर हटा दूँगा. मेरा शरीर पसीने से तर हो गया है. लेकिन आप लोग मुझे चिल्लाने से नहीं रोक सकते, 'फौरन सुधार कीजिये! अपने हृदय के भीतर से सुधार कीजिये! आप लोगों का जानना चाहिये कि मनुष्य-भक्षी मनुष्यों के लिये संसार में कोई स्थान न रहेगा!'

11

सूरज नहीं चमक रहा है. द्वार कभी नहीं खलता. प्रति-दिन दो बार भोजन, अपनी खाने की दोनों छोटी-छोटी लकड़ियों को पकड़े हूँ. मैंने अपने भाई के बारे में सोचा और यह अनुभव किया कि मेरी बहन की मृत्यु इन्हीं के

तब ल' का एक और तरीक़ा भी मेरी समझ में आया. वे सिर्फ सुधार करने से ही इनकार नहीं करते बल्कि इसके साथ ही साथ उन्होंने अपनी तैयारी भी कर ली है. उन्होंने मेरे ऊपर 'पागल आदमी' की चिप्पी भी चिपका दी है. जब वे मुझे खा डालेंगे तो उसके बाद उनके कार्य का कोई कुपरिणाम न होगा. यही नहीं, वास्तव में लोग उनकी तरीक़ करेंगे. जब आसामियों ने यह कहा था कि उन्होंने एक बध्माश का मारकर खा डाला तो वे भी यही तरीक़ा अपना रहे थे. यह उनका पुराना राग है.

अस प्रचिन लाओ-वू हम लोगों के पास बड़े गुस्से से आये. लेकिन वे मेरा मुंह कैसे बन्द कर सकते थे? मैं जालसाजी के इन सदस्यों के सामने अपने विचार रखने के लिये तुल गया. उनसे मैंने कहा कि 'आप लोगों का सुधार करना चाहिए! आप लोगों को हृदय के भीतर से सुधार करना चाहिए! आप लोगों का समझ लेना चाहिए कि मनुष्य-भक्षी मनुष्यों के लिये संसार में कोई स्थान नहीं होगा! अगर आप सुधार नहीं करते तो आप लोग खुद खा डाले जायेंगे! अगर आप बहुत-से बच्चों को भी पैदा करें तो भी वे सब के सब असली मनुष्यों के द्वारा उसी तरह नष्ट कर दिये जायेंगे जैसे शिकारियों द्वारा भेड़िये! आप सब कीड़ों को तरह नष्ट कर दिये जायेंगे!'

चैन लाओ-वू ने उन सब मनुष्यों को भगा दिया और मैं नहीं जानता कि मेरा भाई कहाँ गायब हो गया. चैन लाओ-वू ने मुझे समझाकर मेरे कमरे में वापस भेजा. पूरा कमरा अन्धकार में डूबा था. छत की सहतीर और धन्नियाँ काँपने लगीं. कुछ देर काँपने के बाद उनका लम्बाई, चौड़ाई और मोटाई बहुत अधिक बढ़ गई और वे सब मेरे ऊपर ढेर हो गईं.

वे बहुत ही ज्यादा भारी हैं. वे हिलाई-डुलाई भी नहीं जा सकतीं. वे लोग चाहते हैं कि मैं मर जाऊँ. लेकिन मैं जानना हूँ कि वास्तव में वे भारी नहीं हैं. इस लिये मैं उन्हें धक्का देकर हटा दूँगा. मेरा शरीर पसीने से तर हो गया है. लेकिन आप लोग मुझे चिल्लाने से नहीं रोक सकते, 'फौरन सुधार कीजिये! अपने हृदय के भीतर से सुधार कीजिये! आप लोगों का जानना चाहिये कि मनुष्य-भक्षी मनुष्यों के लिये संसार में कोई स्थान न रहेगा!'

11

सूरज नहीं चमक रहा है. द्वार कभी नहीं खलता. प्रति-दिन दो बार भोजन, अपनी खाने की दोनों छोटी-छोटी लकड़ियों को पकड़े हूँ. मैंने अपने भाई के बारे में सोचा और यह अनुभव किया कि मेरी बहन की मृत्यु इन्हीं के



تک کی پیچھے دن انہوں نے وقف و لیج میں اُس منشیہ کو بچھا۔ پہلے سال جب ایک سارو دھندلک استہان پر ایک منشیہ کو برائے دند ملا تو تیرہ ق کے ایک روگی نے اُس مرے ہوئے ابرامی کے خون میں روٹی کا ٹکڑا ڈبو کر اِس آشا سے چٹا کہ اُس سے اُس کا روگ ٹھیک ہو جائیگا۔

‘میرے भाई, अगर वे सब मनुष्यों को खाना चाहते हैं तो आप उन्हें राक नहीं सकते, परन्तु आप भी उस जाल-साजी में क्या शामिल हुए हैं ? उनकी तरह के मनुष्य-भक्षी दानव कुछ भी करने में न चूकेंगे, वे मुझे भी खा सकते हैं, वे आपको भी खा सकते हैं, और उसी जालसाजी में वे एक-दूसरे को भी खा सकते हैं, लेकिन अगर वे घूम पड़ें और अचानक अपने कां खुधार लें’ तो हर-एक को शान्ति मिल जायगी, अगर ऐसी ही हालत रहे तो भी हम दोनों खासतौर से एक-दूसरे को स्नेह कर सकते हैं, मेरे भाई ! उनका साथ छोड़ दीजिये ! उनका स्नेहन कीजिये ! उनसे कहिये कि आप ऐसा नहीं कर सकते, मेरे भाई ! मुझे विश्वास है कि आप ‘नहीं’ कह सकते हैं, क्योंकि अभी पिछले दिन जब आसामियों ने आपसे लगान कम करने के लिये कहा था तो आपने ‘नहीं’ कह दिया था,

जब मैंने अपने भाई से इस प्रकार कहा तो पहले तो वे हल्के ढंग से मुस्कराये, लेकिन शीघ्र ही उनकी मुद्रा क्रूर हो गई, और जब मैंने जालसाजी के गुप्त मामलों का भंडा फोड़ दिया तो उनके मुँह का रंग बिल्कुल ही बदल गया, सामने के दरवाजे के बाहर मनुष्यों का एक झुण्ड खड़ा था, उसमें बड़े चाबो और उनका कुत्ता भी था, वे सब अपनी गर्दनें निकाल कर आगे बढ़ने लगे, मैं कुछ बेहरो को नहीं पहचान सका, वे ऐसे दिखाई दे रहे थे जैसे कि पर्व से ढँके हों, लेकिन दूसरे आदमी गम्भीर थे, उनके दाँव खुले हुए थे और वे अपनी मुस्कराहट छिपाने के लिये अपने हाँठ काट रहे थे, मैं सब का पहचान गया, वे सब उसी जालसाजी में शामिल थे, वे सब मनुष्य-भक्षी दानव थे, लेकिन इसके साथ-साथ मैं यह भी जान गया था कि उनके विचारों और उनकी भावनाओं में फर्क था, उनमें से कुछ का विचार था कि मनुष्य-भक्षण सदा से चलता आया है और वह ठीक भी है, इनके (बहुत कुछ ऐसे भी थे जिनका विचार था कि मनुष्य-भक्षण ठीक नहीं है, लेकिन फिर भी वे करते थे, उन्हें यह डर था कि कहीं उनका मत्डा फोड़ न हो जाय और इसी से वे मेरे कथनों पर क्षुब्ध थे, वे मुझे मुँह चिढ़ा रहे थे,

ऐसा प्रतीत होता है कि उसी समय मेरा भाई भी मुझसे क्षुब्ध हो गया और उसने जोर से विल्लाकर कहा, ‘चले जाओ ! पागल आदमी का देखने में क्या मजा आता है ?

‘मیرے بھائی, اگر وہ سب مनुشیوں کو کھانا چاہتے ہیں تو آپ انہیں روک نہیں سکتے, پرنتو آپ بھی اُس جال سازی میں کیوں شامل ہوئے ہیں ؟ اُن کی طرح کے منشیہ ہمیشہ دانو کچھ بھی کرنے میں نہ چوکینگے, وہ مجھے بھی کھا سکتے ہیں, وہ آپ کو بھی کھا سکتے ہیں, اور اُس جال سازی میں وہ ایک دوسرے کو بھی کھا سکتے ہیں, لیکن اگر وہ گھوم پڑیں اور اچانک اپنے کو سدھار لیں تو ہر ایک کو شانتی مل جائیگی, اگر ایسی ہی حالت رہے تو بھی ہم دونوں خاص طور سے ایک دوسرے کو سنبھال سکتے ہیں, میرے بھائی ! اُن کا ساتھ چھوڑ دیجئے ! اُن کا کہنن کھجئے ! اُن سے کہئے کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے, میرے بھائی ! مجھے وشواس ہے کہ آپ ‘نہیں’ کہہ سکتے ہیں, کیونکہ ابھی پیچھے دن جب آسامیوں نے آپ سے لگان کم کرنے کے ائے کہا تھا تو آپ نے ‘نہیں’ کہہ دیا تھا,

جب پہلے اپنے بھائی سے اِس پروکار کہا تو پہلے تو وہ دھندلک سے مسکرائے, لیکن شیکور ہی اُن کی مدرا کرور ہو گئی, اور جب مرنے جال سازی کے گہت معاملوں کا بھندا پھوڑ دیا تو اُن کے منہ کا رنگ بالکل ہی بدل گیا, سامنے کے دروازے کے باہر منشیہوں کا ایک جھنڈ کھڑا تھا, اُس میں بڑے چاؤ اور اُن کا کتا بھی تھا, وہ سب اپنی گردنیں نکال کر آگے بڑھے, ان میں کچھ چھوٹے چھوٹے کو نہیں پہچان سکا, وہ ایسے دکھائی دے رہے تھے جیسے کہ پردے سے ڈھکے ہوں, لیکن دوسرے آدمی گمبیر تھے, اُن کے دند کھلے ہوئے تھے اور وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کے ائے اپنے ہونٹ کاٹ رہے تھے, میں سب کو پہچان گیا, وہ سب اُسی جال سازی میں شامل تھے, وہ سب منشیہ ہمیشہ دانو تھے, لیکن اِس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی جان گیا کہ اُن کے وچاروں اور اُن کی بیادناؤں میں فرق تھا, اُن میں سے کچھ کا وچار تھا کہ منشیہ ہمیشہ سدا سے چلتا آیا ہے اور وہ ٹھیک بھی ہے, اِن کے دودھ کچھ ایسے بھی تھے جن کا وچار تھا کہ منشیہ ہمیشہ ٹھیک نہیں ہے, لیکن یہ بھی وہ کرتے تھے, انہیں یہ تر تھا کہ کہیں اُن کا بھندا پھوڑ نہ ہو جائے اور اِسی سے وہ میرے کہنوں پر چھیدتھے, وہ منشیہ منہ چڑھا رہے تھے,

ایسا پرتھت ہونا ہے کہ اُسی سے میرا بھائی بھی مجھ سے چھیدتے ہو گیا اور اُس نے زور سے چلا کر کہا, ‘چلے جاؤ ! پاگل آدمی کو دیکھنے میں کیا مزا آتا ہے !’

ایسا پرتھت ہونا ہے کہ اُسی سے میرا بھائی بھی مجھ سے چھیدتے ہو گیا اور اُس نے زور سے چلا کر کہا, ‘چلے جاؤ ! پاگل آدمی کو دیکھنے میں کیا مزا آتا ہے !’

अगर अपने उस स्थायी विचार से उन्हें छुटकारा मिल जाय तो वे आत्म-वशवास के साथ अपने कम-काज कर सकते हैं और शान्तिपूर्वक घूम-फर सकते हैं, खाना खा सकते हैं और सो सकते हैं, तब वे कितने अधिक सुख-चैन में होंगे ! अपनी आदतों में सुधार करने का मतलब होगा एक नई दुनिया में प्रवेश, एक वर्रे से गुजर कर आगे के एक नये दृश्य का दर्शन !

लेकिन पिता और पुत्र, भाई और बहन, पति और पत्नी, मित्र और शत्रु, अध्यापक और शिष्य और अजनबी — सभी आलसाची में हैं, एक-दूसरे को बढ़ावा दे रहे हैं, एक-दूसरे को शामिल कर रहे हैं, वे मर जाना पसन्द करेंगे, लेकिन सुधार का एक मामूली कदम नहीं उठायेंगे.

10

प्रातःकाल तकके मैं अपने भाई की खोज में निकला. वह हाल के द्वार के सामने खड़े थे और आकाश की ओर देख रहे थे. मैं उनके पीछे जा पहुँचा और रास्ता रोककर मैंने उनसे बड़ा सचचाई और शान्ति से कहा — 'भाई साहब, मुझे आपसे कुछ कहना है.'

'कह डालो,' जल्दी से घूमकर और अपना सिर हिलाते हुए उन्होंने उत्तर दिया.

'मुझे सिर्फ कुछ शब्द कहने हैं, परन्तु मेरे लिये उन्हें कहना कठिन हो रहा है. भाई साहब, मेरा विचार है कि शुरु में सब असमर्थ मनुष्य कुछ न कुछ मनुष्य-मन्त्री थे. बाद का उनके विचारों में अन्तर हो गया. उनमें से कुछ ने मनुष्यों का खाना छान्न दिया. अपनी नैतिक अवस्था को सुधारने की प्रबल प्रेरणा से वे मनुष्य बन गये, मेरा मतलब है, वास्तविक मनुष्य. उनमें से कुछ ने मनुष्यों का खाना जारी रक्खा. वे कीड़ों की तरह थे. उन्होंने मछली और बन्दरों की स्थिति से हाँकर विकास किया और आखिर में वे आदमी बन गये. उनमें से कुछ सुधारना चाहते ही न थे, और वे अब भी कीड़े हैं. मनुष्यों का खाने वाले मनुष्य मनुष्यों को न खाने वाले मनुष्यों की अपेक्षा कितनी अधिक लज्जा और घृणा के पात्र हैं. जितना अन्तर कीड़ों और बन्दरों में है उससे भी अधिक अन्तर इन दो कोटियों के मनुष्यों में है.

वह घटना बहुत पुराने युग की है जब बी-या ने चीह और चाउ को खिलाने के लिये अपने पुत्र का मांस पकाया था. इस बात की कल्पना कौन कर सकता था कि पान-हू के पृथ्वी और आकाश का अलग-अलग बाँटने के दिन से लेकर बी-या के पुत्र के समय तक मनुष्य मनुष्य को खाता रहा है ? बी-या के पुत्र के समय से लेकर सु-सु-लिंग के समय तक वे मनुष्य का खाते आये हैं. और सी-सु-लिंग के आगे भी उन्होंने मनुष्य को खाना जारी रक्खा है, यहां

अगर आपने उस स्थायी विचार से उन्हें छुटकारा मिल जाय तो वे आत्म-वशवास के साथ अपने कम-काज कर सकते हैं और शान्तिपूर्वक घूम-फर सकते हैं, खाना खा सकते हैं और सो सकते हैं, तब वे कितने अधिक सुख-चैन में होंगे ! अपनी आदतों में सुधार करने का मतलब होगा एक नई दुनिया में प्रवेश, एक वर्रे से गुजर कर आगे के एक नये दृश्य का दर्शन !

लेकिन पिता और पुत्र, भाई और बहन, पति और पत्नी, मित्र और शत्रु, अध्यापक और शिष्य और अजनबी — सभी आलसाची में हैं, एक-दूसरे को बढ़ावा दे रहे हैं, एक-दूसरे को शामिल कर रहे हैं, वे मर जाना पसन्द करेंगे, लेकिन सुधार का एक मामूली कदम नहीं उठायेंगे.

10

प्रातःकाल तकके मैं अपने भाई की खोज में निकला. वह हाल के द्वार के सामने खड़े थे और आकाश की ओर देख रहे थे. मैं उनके पीछे जा पहुँचा और रास्ता रोककर मैंने उनसे बड़ा सचचाई और शान्ति से कहा — 'भाई साहब, मुझे आपसे कुछ कहना है.'

'कह डालो,' जल्दी से घूमकर और अपना सिर हिलाते हुए उन्होंने उत्तर दिया.

'मुझे सिर्फ कुछ शब्द कहने हैं, परन्तु मेरे लिये उन्हें कहना कठिन हो रहा है. भाई साहब, मेरा विचार है कि शुरु में सब असमर्थ मनुष्य कुछ न कुछ मनुष्य-मन्त्री थे. बाद का उनके विचारों में अन्तर हो गया. उनमें से कुछ ने मनुष्यों का खाना छान्न दिया. अपनी नैतिक अवस्था को सुधारने की प्रबल प्रेरणा से वे मनुष्य बन गये, मेरा मतलब है, वास्तविक मनुष्य. उनमें से कुछ ने मनुष्यों का खाना जारी रक्खा. वे कीड़ों की तरह थे. उन्होंने मछली और बन्दरों की स्थिति से हाँकर विकास किया और आखिर में वे आदमी बन गये. उनमें से कुछ सुधारना चाहते ही न थे, और वे अब भी कीड़े हैं. मनुष्यों का खाने वाले मनुष्य मनुष्यों को न खाने वाले मनुष्यों की अपेक्षा कितनी अधिक लज्जा और घृणा के पात्र हैं. जितना अन्तर कीड़ों और बन्दरों में है उससे भी अधिक अन्तर इन दो कोटियों के मनुष्यों में है.

वह घटना बहुत पुराने युग की है जब बी-या ने चीह और चाउ को खिलाने के लिये अपने पुत्र का मांस पकाया था. इस बात की कल्पना कौन कर सकता था कि पान-हू के पृथ्वी और आकाश का अलग-अलग बाँटने के दिन से लेकर बी-या के पुत्र के समय तक मनुष्य मनुष्य को खाता रहा है ? बी-या के पुत्र के समय से लेकर सु-सु-लिंग के समय तक वे मनुष्य का खाते आये हैं. और सी-सु-लिंग के आगे भी उन्होंने मनुष्य को खाना जारी रक्खा है, यहां

نہیں تھی، میں نے اس سے پوچھا—'کیا مनुہی-مکھن ٹیک ہے؟' مسکراتے ہوئے ہی اس نے جواب دیا—'اس دور میں کوئی اکل تہہ نہیں ہے۔ یہ مکھن ٹیک کی ضرورت ہے؟' میں دوا محبت کیا کہ یہ بھی جال سازی میں شامل ہے۔ یہ مکھنوں کو اپنا چاہتا ہے۔ اس لئے میری محبت سو گئی ہو گئی۔

میں نے ہٹھ کرتے ہوئے سوال پوچھا—'کیا یہ ٹیک ہے؟'

وہ بولا—'ایسی چیزوں کے بارے میں پوچھنے سے کیا لڑے؟' مجھ آپ کو مزاح کرنا آتا ہے۔ آج موسم ہوا اچھا ہے۔

'موسم ہوا اچھا ہے۔ چند ماہ خراب چمکدار ہے۔' میں نے آپ سے ہٹھ کر کے پوچھا ہوں کہ 'کیا یہ ٹیک ہے؟'

میرے ہٹھ کرنے سے وہ ہڑبڑا گیا اور گنگنا کر کہا—

'نہیں ٹیک ہے۔ یہ دور مکھنوں کو کہیں کھاتے رہتے ہیں؟'

'سچ نہیں ہے! دلف و لہج میں انہوں نے یہی کیا اور سب پورانی کتابوں میں یہ مرقعہ ہونے اکثر میں صاف صاف ہے!'

اس کا ہوا بدل گیا اور اس کا منہ بد رنگ ہو گیا۔ انہوں نے کر دیکھتے ہوئے اس نے کہا—'ممکن ہے کہ یہ سچ ہو۔ ایسا ہشت سے ہوتا رہا ہے!'

'میں آپ کے ساتھ بحث کرنے نہیں چاہتا ہوں۔ آپ اس کا ذکر نہ کیجئے۔ اگر آپ ذکر کرتے ہیں تو غلطی کرتے ہیں!'

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا اور مہمے اس کی آواز کھڑ کر کہا۔ پرتو تبھی وہ غائب ہو گیا۔ چوٹی سے ایڑی نک میں ہاتھ پھیلتے ہوئے وہ میرے ہاتھ سے نہیں رہا ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ جس جال سازی میں شامل تھا۔ اس کے مانا پتا لے اس سے ایسا کرنے کے لئے کہا ہوا۔ اور مجھے ہے کہ کہیں اس نے اپنے لڑکوں کو بھی یہی شکشا نہ دی۔ اسی سے بچے بھی میری اور کرور درشتی سے دیکھتے ہیں۔

وہ مہمے اس سے پوچھا—'کیا مनुہی-مکھن ٹیک ہے؟' مسکراتے ہوئے ہی اس نے جواب دیا—'اس دور میں کوئی اکل تہہ نہیں ہے۔ یہ مکھن ٹیک کی ضرورت ہے؟' میں دوا محبت کیا کہ یہ بھی جال سازی میں شامل ہے۔ یہ مکھنوں کو اپنا چاہتا ہے۔ اس لئے میری محبت سو گئی ہو گئی۔

میں نے ہٹھ کرتے ہوئے سوال پوچھا—'کیا یہ ٹیک ہے؟'

وہ بولا—'ایسی چیزوں کے بارے میں پوچھنے سے کیا لڑے؟' مجھ آپ کو مزاح کرنا آتا ہے۔ آج موسم ہوا اچھا ہے۔

'موسم ہوا اچھا ہے۔ چند ماہ خراب چمکدار ہے۔' میں نے آپ سے ہٹھ کر کے پوچھا ہوں کہ 'کیا یہ ٹیک ہے؟'

میرے ہٹھ کرنے سے وہ ہڑبڑا گیا اور گنگنا کر کہا—

'نہیں ٹیک ہے۔ یہ دور مکھنوں کو کہیں کھاتے رہتے ہیں؟'

'سچ نہیں ہے! دلف و لہج میں انہوں نے یہی کیا اور سب پورانی کتابوں میں یہ مرقعہ ہونے اکثر میں صاف صاف ہے!'

اس کا ہوا بدل گیا اور اس کا منہ بد رنگ ہو گیا۔ انہوں نے کر دیکھتے ہوئے اس نے کہا—'ممکن ہے کہ یہ سچ ہو۔ ایسا ہشت سے ہوتا رہا ہے!'

'میں آپ کے ساتھ بحث کرنے نہیں چاہتا ہوں۔ آپ اس کا ذکر نہ کیجئے۔ اگر آپ ذکر کرتے ہیں تو غلطی کرتے ہیں!'

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا اور مہمے اس کی آواز کھڑ کر کہا۔ پرتو تبھی وہ غائب ہو گیا۔ چوٹی سے ایڑی نک میں ہاتھ پھیلتے ہوئے وہ میرے ہاتھ سے نہیں رہا ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ جس جال سازی میں شامل تھا۔ اس کے مانا پتا لے اس سے ایسا کرنے کے لئے کہا ہوا۔ اور مجھے ہے کہ کہیں اس نے اپنے لڑکوں کو بھی یہی شکشا نہ دی۔ اسی سے بچے بھی میری اور کرور درشتی سے دیکھتے ہیں۔

वे इस मतलब से जाल बिछा रहे हैं कि मैं खुद अपने को मार डालूँ, पिछले दिन के सड़क पर आदमियों के जमाव और अपने भाई के बर्ताव का मिलान करके ही मैं उनकी जालमाछा का लगभग 9/10 भाग समझ गया हूँ। अगर मैं अपनी कमर में बँधी हुई पेटी को खोल लूँ और उसे छत की किसी राहतीर में डाल कर फाँसी लगा लूँ तो इससे अधिक खुशी की दूसरी बात उनके लिये न होगी, मेरा खूब अच्छी तरह से दम घुट जायेगा, वे हत्यारे कहे जाने की बदनामी से भी बच जायेंगे और इसके साथ ही साथ उनके हृदय की इच्छा भी पूरी हो जायगी, सबकुछ वे खुशी के मारे नाचेंगे, इसके विरुद्ध, अगर मैं डर या चिन्ता से मर जाऊँ, तो मैं और अधिक दुबला हो जाऊँगा, लेकिन इसे भी वे स्वीकार कर लेंगे।

वे सिर्फ मरे हुए का माँस खा सकते हैं! जरा उदरिये— एक बार मैंने एक प्रकार के जानवर के बारे में पढ़ा था, उन 'लकड़बग्घा' कहते हैं, उसकी आँखें और पूरा शरीर देखने में बड़ा डरावना लगता था, वह अक्सर मरा माँस खाता था और बड़ी से बड़ी हड्डियाँ चबा कर निगल जाता था, उसके बारे में सोचने से ही मुझे डर लगता है, लकड़बग्घा भेड़िये का रितेदार होता है और भेड़िये कुत्ते का, पिछले दिन चाँचो के कुत्ते ने वही राग मेरी आँखों में देखा था, उसके दिमाग में भी वही विचार होगा, वह भी इन लोगों में मिला है और उसने भी अपना हिस्सा पक्का कर लिया है, वह बुद्धा आदमी अपनी आँखें बराबर फर्श पर जमाये था, लेकिन उससे मैं धाँखे में नहीं आया।

सबसे अधिक धिक्कार मुझे अपने भाई पर आता है, आखिर वह मनुष्य है, उसे डर क्यों नहीं लगता? मुझे खाने के लिये वह इस जालसाजी में क्यों शामिल हुआ? अभ्यास हो जाने से क्या उसका स्वभाव कठोर हो गया है? इसी से क्या वह इस काम में कोई बुरी बात नहीं देखता? या वह यह मानता है कि वह अपराध कर रहा है और जान बूझ कर भी वह अपने अन्तःकरण का आवाज के खिलाफ काम कर रहा है?

पहले तुम्हें और फिर सब मनुष्य भक्षी दानवों को मैं कोसता हूँ! पहले तुम्हें और फिर सब मनुष्य-भक्षी दानवों को मैं बदल दूँगा!

8

अब वे सारे विचार उन्हें साफ-साफ माखून हो जाने चाहिये.....

अचानक एक नौजवान आदमी मेरे पास आया, उसकी उम्र बीस वर्ष से ज्यादा न रही होगी, मैं उसका चेहरा अच्छी तरह से नहीं देख सका, लेकिन वह मुस्करा रहा था, उसने मुझे देखकर सिर हिलाया, उसकी मुस्कराहट असली

वे इस मतलब से जाल बिछा रहे हैं कि मैं खुद अपने को मार डालूँ, पिछले दिन के सड़क पर आदमियों के जमाव और अपने भाई के बर्ताव का मिलान करके ही मैं उनकी जालमाछा का लगभग 9/10 भाग समझ गया हूँ। अगर मैं अपनी कमर में बँधी हुई पेटी को खोल लूँ और उसे छत की किसी राहतीर में डाल कर फाँसी लगा लूँ तो इससे अधिक खुशी की दूसरी बात उनके लिये न होगी, मेरा खूब अच्छी तरह से दम घुट जायेगा, वे हत्यारे कहे जाने की बदनामी से भी बच जायेंगे और इसके साथ ही साथ उनके हृदय की इच्छा भी पूरी हो जायगी, सबकुछ वे खुशी के मारे नाचेंगे, इसके विरुद्ध, अगर मैं डर या चिन्ता से मर जाऊँ, तो मैं और अधिक दुबला हो जाऊँगा, लेकिन इसे भी वे स्वीकार कर लेंगे।

वे सिर्फ मरे हुए का माँस खा सकते हैं! जरा उदरिये—

एक बार मैंने एक प्रकार के जानवर के बारे में पढ़ा था, उन 'लकड़बग्घा' कहते हैं, उसकी आँखें और पूरा शरीर देखने में बड़ा डरावना लगता था, वह अक्सर मरा माँस खाता था और बड़ी से बड़ी हड्डियाँ चबा कर निगल जाता था, उसके बारे में सोचने से ही मुझे डर लगता है, लकड़बग्घा भेड़िये का रितेदार होता है और भेड़िये कुत्ते का, पिछले दिन चाँचो के कुत्ते ने वही राग मेरी आँखों में देखा था, उसके दिमाग में भी वही विचार होगा, वह भी इन लोगों में मिला है और उसने भी अपना हिस्सा पक्का कर लिया है, वह बुद्धा आदमी अपनी आँखें बराबर फर्श पर जमाये था, लेकिन उससे मैं धाँखे में नहीं आया।

सबसे अधिक धिक्कार मुझे अपने भाई पर आता है, आखिर वह मनुष्य है, उसे डर क्यों नहीं लगता? मुझे खाने के लिये वह इस जालसाजी में क्यों शामिल हुआ? अभ्यास हो जाने से क्या उसका स्वभाव कठोर हो गया है? इसी से क्या वह इस काम में कोई बुरी बात नहीं देखता? या वह यह मानता है कि वह अपराध कर रहा है और जान बूझ कर भी वह अपने अन्तःकरण का आवाज के खिलाफ काम कर रहा है?

पहले तुम्हें और फिर सब मनुष्य भक्षी दानवों को मैं कोसता हूँ! पहले तुम्हें और फिर सब मनुष्य-भक्षी दानवों को मैं बदल दूँगा!

8

अब वे सारे विचार उन्हें साफ-साफ माखून हो जाने चाहिये.....

अचानक एक नौजवान आदमी मेरे पास आया, उसकी उम्र बीस वर्ष से ज्यादा न रही होगी, मैं उसका चेहरा अच्छी तरह से नहीं देख सका, लेकिन वह मुस्करा रहा था, उसने मुझे देखकर सिर हिलाया, उसकी मुस्कराहट असली

جب میں اور آگے سواکتا ہوں تو اس نذیر پر پہنچتا ہوں کہ اگر یہ بڑھا آدمی چہرہ ہوس میں جلا لیں گے اور مچ مچ ایک دائرہ میں ہے تو یہی اتنا تم طے ہے کہ وہ منشیہ ہمیشہ کی منشیہ ہے۔ آجکل کے ڈاکٹروں کے پرکشیہ یہ پرکشیہ کی شہادتیں لے 'جڑی بوٹیوں پر' نامک جو منشیہ لکھا ہے اس میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ منشیہ کا مائیس نل کر لیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کیا وہ منشیہ ہمیشہ کی منشیہ ہونے سے انکار کر سکتا ہے؟

جہاں تک میرے بھائی کا سوال ہے، میں اس پر جیوتی ارب نہیں لگاتا ہوں۔ جب وہ مجھے پراچین کل کا انہاس پڑھاتے تھے تو انہوں نے خرچ کہا تھا کہ منشیہ اپنے پتروں کے بدلے میں ان پا سکتا تھا۔ اور ایک بار ایک دشت منشیہ نے بارے میں بتاتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ اس کی مائیس کر اے ایک ایسا نرم دشت دیتا تھا۔ اس کا تو مائیس کہا جاتا تھا چاہے وہ اور اس کی کھال کا کھیل ہلوانا چاہے تھا اس سمے میں بہت چہرہ تھا اور بہت دیر تک میرا دل دھونکا رہا اور پچھلے دن جب وہ ایک نامک گلوں کے آسمانوں نے منشیہ کے دل اور جگر کے ٹھانے جانے کی کھائی بھائی تو مجھے تک یہ اچرچ نہ ہوا۔ اس سمے میرا بھائی بنا کر کے موٹے گادار اپنا ہلا رہا تھا۔ اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے وچار اب بھی بالکل پہلے جیسے ہی کر رہے ہیں۔ بدی آپ 'پتر' دیکر بدلے میں کھانا' لے سکتے ہیں تو آپ بدلے میں کچھ ہی لے دے سکتے ہیں۔ آپ کسی کم بھی کھا سکتے ہیں۔ پہلے میں صرف ان کے بھاشن سن بھر لیتا تھا اور کسی بھی بات پر پوچھناچہ نہیں کرتا تھا۔ لیکن اب میں سمجھ گیا کہ مجھے بھاشن دیتے سمے ان نے ہونٹوں پر منشیہ کی چربی تو رکھی ہی رہتی تھی اس کے ساتھ ساتھ ان کا پورا دل بھی منشیہ کو کھانے کے وچاروں سے بھرا رہتا تھا۔

ہر جگہ آئینہرا، میں نہیں جانتا کہ اس سمے دن ہے یا رات۔ چاڑ کا کتا پیر ہونکنہ لگا ہے۔

شہر کی کوروتا، خروگوش کا قہوک پن، لومڑی کی مکاری...

میں ان کا طریقہ پہلی ہیانت سمجھ گیا ہوں۔ وہ مجھے ملنے نہیں مارتا چاہے ان کی ہمت نہیں ہے۔ وہ لکھنوں سے نرتے ہیں۔ اس لئے ان سب نے ملکر کٹ بند کی ہے اور

اچھا'۔ کیا وہ سوچتے تھے کہ میں یہ نہیں سمجھا کہ دوسرا ایسا دھارن کئے ہوئے وہ بدھا آدمی راستہ میں ایک جاد تھا۔ نبض دیکھنے کے بجائے وہ صرف یہ پتہ لگا چاہتا تھا کہ مارے جانے کے لئے میں کتنی موٹا ہوں اور نہیں۔ اور اس خاص کام کے لئے اسے ایک ٹکڑا ملیگا۔ لیکن میں تو نہیں۔ کہہ میں ان کی طرح منشیہ بھکشی نہیں ہوں تو ہی مجھ میں ان سے زیادہ ہمت ہے۔ میں نے اپنی دونوں مٹھیاں باندھ کر باہر نکال لیں اور انتظار کرنے لگا کہ دیکھیں اب آگے وہ کیا کرتا ہے۔ بدھا آدمی چپ چاپ ہوتا گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور بہت دیر تک موری نبض دیکھتا رہا۔ وہ بہت دیر تک چپ چاپ رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنی دالری آنکھیں کھولیں اور کہا—'طرح طرح کی باتیں نہ سوچا کرو۔ شانت رہو اور آگے دھڑن تک آرام کرو۔ اس سے تم بالکل اچھے ہو جاؤ گے'۔

'طرح طرح کی باتیں نہ سوچا کرو! شانت رہو اور آرام کرو'۔ آرام کرتے-کرتے جب میں پھر بڑا ہوا جاؤنگا تب میں ان کے لئے اسے زیادہ سامان ہو جاؤنگا۔ اس آرام سے میرا کیا لااب ہاگا؟ میں 'بےکول اچھا' کیسے ہو جاؤنگا؟ منشیہ کا یہ بھڑکنا جو دھڑن کا نیگل جانا چاہتا ہے، لیکن جہاں چاروں کی طرح سب بات کا جھبانے کا کوشش کرتا رہتا ہے اور جو سیدھے-سیدھے مارنے کی ہمت نہیں کرتا ہے—یہ تو مجھے ہنساتے-ہنساتے مار ڈالینگے۔ میں اپنے کو روک نہ سکا اور میری ہنسی پھٹ نکلی۔ میں پوری طرح سے خوش تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ موری ہنسی میں ہمت اور سچی ہارنا ہے۔ وہ بدھا آدمی اور میرے بھائی کا بکا ہو گئے۔ موری ہمت اور سچی ہارنا نے انہیں جیت لیا تھا۔

لیکن مجھ میں ہمت ہے! اس گارن وہ مجھے نکلنے کے لئے اور بھی ادھک آتسوک ہو جائیگا' کیونکہ مجھے نکلنے پر انہیں موری ہمت مل جائیگی۔ وہ بدھا آدمی دوڑ سے باہر چلا گیا۔ لیکن بہت دیر جانے کے پہلے ہی اس نے دھیمی آواز میں موری بھائی سے کہا—'جلدی لہنا ہے! میرے بھائی نے اپنے بھائی کی مارش کی موری آواز نہ دی۔ پھر بھی مجھے یہ جان کر اچھے نہیں ہوا۔ مجھے کھانے کی سٹش میں مہرا ہی بھائی ہے!

مہرا بھائی منشیہ بھکشی دانو ہے!

میں منشیہ بھکشی دانو کا بھائی ہوں!

چاہے میں خود ہی کھا ڈالا جاؤں، تو بھی میں ایک منشیہ

بھکشی دانو کا بھائی ہی کہوں گا!

میرا بھائی منشیہ-بھکشی دانو ہے!

میں منشیہ-بھکشی دانو کا بھائی ہوں!

چاہے میں خود ہی کھا ڈالا جاؤں، تو بھی میں ایک منشیہ-بھکشی دانو کا بھائی ہی کہوں گا!

نہیں کرتے۔ میں کہہ سکتا تھا کہ ان مشعوذوں کے وچار کیا ہیں، خاص طور پر اُس سے جب کہ وہ کسی کو لگانے کی تیاری کر رہے ہیں؟

اب پرنٹیک وسم کو سمجھنے کے پورے اُس کی جانچ پڑتال کر لینا ضروری ہے۔ بدنی صاف صاف نہیں تو بھی تھوڑا بہت تو مجھے پتا چلتا ہے کہ پراچین کال سے لیکر آج تک مشیہ انٹرہائٹ گئے ہیں۔ بڑے لگائے کے لئے میں ایک ایتھاس کی پستک دیکھ رہا تھا، لیکن اُس میں تھیں نہیں دی تھیں۔ ہر ایک ایتھاس پر صرف 'دان شیلنگا'، 'سداچایا'، 'تھنگکا' اور 'گن' کے لئے کچھ شہد لکھے تھے۔ میں ہر اہر کوڑوں بدل رہا تھا، لیکن مجھے نیند نہیں آئی۔ اُدھی رات تک میں پستک میں بڑی سادھانی کے ساتھ چھان بین کرتا رہا۔ تب کہیں میں یہ سمجھ پاتا کہ اُن شہدوں کے بیچ میں کیا لکھا تھا۔ پوری پستک میں صرف دو ہی شہد تھے 'منشیہ بھکشن'۔

پستک میں وہ سب شہد اور آسامیوں دورا کی گئی وہ ساری باتیں منہستی ہوئی اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھول رہی ہیں اور عجیب طرح سے مہری اور دیکھ رہی ہیں۔

میں بھی منشیہ ہوں۔ وہ مجھے نکل جانا چاہتے ہیں!

آج پرانے کال میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ یہی چھ لٹروں کے کھانا تھا۔ ترکاریوں کا ایک کٹورا اور اُبلتی ہوئی مچھلی کا ایک کٹورا۔ مچھلی کی آنکھیں سفید اور کڑی تھیں۔ منشیہ ہنسی اُس جن سہو کی بھانت ہی اُس کا منہ ہوتا تھا۔ میں نے کچھ لقمے کھا لئے۔ پرتو مجھے یہ پتہ نہ لگا کہ یہ چکنی چوڑی مچھلی ہے یا منشیہ۔ اُس لئے میں نے تم کو دی اور اُسے فرش پر اُگل دیا۔

میں نے کہا: 'وہ کرہا جا کر میرے بھائی سے کہہ دیجئے کہ میرا من بہت بڑی طرح سے اُپ کھا ہے اور میں باغ میں ٹھہلا چاہتا ہوں! لاؤ وہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ہنسنے لگا۔ کچھ سے بعد وہ واپس آئے اور انہوں نے دوا کر لیا۔

واستو میں میری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ وہ میرے ساتھ کیا کرتے جا رہے ہیں۔ لیکن میں یہ سمجھ گیا کہ وہ میرے اوپر رکھے گئے اپنے شہد کو قہیلا کر لے نہیں جا رہے ہیں۔ 'نسنہہ' میرے بھائی ایک بڑے آدمی کو بہتر لائے اور وہ دھوڑے دھوڑے میری اور بڑھا۔ وہ آدمی کہتا تھا کہ کہیں میں اُس کی آنکھوں کی گرد دھوئی نہ دیکھ لوں۔ اسی سے وہ اپنی آنکھوں کو فرش پر جھکا رہا۔ اُس نے مجھے اپنی آنکھوں کی گردوں سے دیکھا۔ میرے بھائی نے کہا: 'آج تم ہانکل نہیں معام' ہوتے ہو۔ میں نے کہا: 'ہاں'۔ اُس پر میرے بھائی نے کہا: 'ہم لوگوں نے قاکٹر ہو سے آج اکر تمہیں تھیک کرنے کے لئے کہا ہے! میں نے کہا: 'بہت

4

4

آج صبح: کال میں چوپ چاپ بیٹھا تھا، تभी 'چن لائیا-ب' نے کھانا بھجوا—ترکاریوں کا ایک کٹورا اور 'ب' کی مچھلی کا ایک کٹورا، مچھلی کی آنکھیں سفید اور کڑی تھیں، منشیہ ہنسی اُس جن سہو کی بھانت ہی اُس کا منہ ہوتا تھا۔ میں نے کچھ لقمے کھا لئے۔ پرتو مجھے یہ پتہ نہ لگا کہ یہ چکنی چوڑی مچھلی ہے یا منشیہ۔ اُس لئے میں نے تم کو دی اور اُسے فرش پر اُگل دیا۔

میں نے کہا—'لائی-ب، کپڑا جا کر میرے بائیں سے کھ دیاجی! ایک میرا من بہت بڑی طرح سے اُپ کھا ہے اور میں باغ میں ٹھہلنا چاہتا ہوں۔ لائی-ب نے کوئی جواب نہ دیا، وہ باہر نکل گیا۔ کچھ سے بعد وہ واپس آیا اور انہوں نے دوا کر لیا۔

واستو میں میری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ وہ میرے ساتھ کیا کرنے جا رہے ہیں۔ لیکن میں یہ سمجھ گیا کہ وہ میرے اوپر رکھے گئے اپنے شہد کو قہیلا کر لے نہیں جا رہے ہیں۔ 'نسنہہ' میرے بھائی ایک بڑے آدمی کو بہتر لائے اور وہ دھوڑے دھوڑے میری اور بڑھا۔ وہ آدمی کہتا تھا کہ کہیں میں اُس کی آنکھوں کی گرد دھوئی نہ دیکھ لوں۔ اسی سے وہ اپنی آنکھوں کو فرش پر جھکا رہا۔ اُس نے مجھے اپنی آنکھوں کی گردوں سے دیکھا۔ میرے بھائی نے کہا: 'آج تم ہانکل نہیں معام' ہوتے ہو۔ میں نے کہا: 'ہاں'۔ اُس پر میرے بھائی نے کہا: 'ہم لوگوں نے قاکٹر ہو سے آج اکر تمہیں تھیک کرنے کے لئے کہا ہے! میں نے کہا: 'بہت



इस पर विरूप मुख वाले मनुष्यों का बह मुण्ड दाँत खोलकर जोरों से हँसने लगा. तब चैन लाओ-वू मेरे. पास आये और मुझे खींचकर घर ले गये.

वे मुझे खींचकर घर ले गये. घर के मनुष्यों ने ऐसा हल अपनाया कि जैसे वे मुझे जानते ही न हों. उनके मुख के भाव वैसे ही थे जैसे कि दूसरे मनुष्यों के. जब मैं अपने पढ़ने-लिखने वाले कमरे में घुस गया तो उन्होंने द्वार पर ताला लगा दिया. ऐसा लग रहा था कि जैसे वे किसी मुर्दा अथवा बतख को कटघरे में बन्द कर रहे हों.

कुछ दिन हुए, तुल्फ विलेज नामक गाँव के आसामी यह कहने के लिये आये थे कि उनके छिले में अकाल पड़ा है. उन्होंने मेरे भाई को सूचना दी कि वहाँ गाँव वालों ने एक बड़े बदमाश को मार डाला और इसके बाद उनमें से कुछ एक ने उसे चौरकर उसका हृदय और जिगर निकाल लिया. उन्होंने उन टुकड़ों को तला और उन्हें खा डाला जिससे उनमें हिम्मत पैदा हो. मैं उनके बीच में ही बोल पड़ा. आसामियों और मेरे भाई ने घुरी तरह मेरी आर देखा. अब मेरी समझ में आया कि उन्होंने मेरी आर उसी प्रकार देखा था जिस प्रकार बाहर के मुण्ड ने.

जब मैं इसे सांचता हूँ तो चांटी से लेकर एड़ी तक सिंहर जाता हूँ.

वे उस मनुष्य के भीतरी अङ्ग खा गये. ता क्या वे मुझे न म्वाजायेंगे ?

उस स्त्री के कथन पर विचार कीजिये, 'जी चाहता है कि तुम्हें कई बार दाँतों से काट खाऊँ.' और इस कथन का उस हँसी अथवा विरूप मुख और खुले हुए दाँतों वाले मनुष्यों के उस मुण्ड तथा आसामियों द्वारा कही गई उस कहानी से मिलान कीजिये. सा. जाहिर है कि ये शब्द एक गुप्त सङ्केत थे. उनके शब्दों में जहर था, उनकी हँसी में कटारें थी. और उनके चमकते हुए सफेद दाँतों की कतारें प्रकट कर रही थीं कि वे मनुष्य-भक्षी दानव हैं.

अब, जैसा कि मैं सांचता हूँ, मैं कोई बदमाश नहीं हूँ. लेकिन मुझसे भी कुचिड का कुत्ता कुचल गया था. इस-लिये अब यह कहना कठिन है. ऐसा लगता है कि उनके दूसरी तरह के विचार हैं. उनकी मैं कल्पना तक नहीं कर सकता. इसके अलावा, जय कभी वे आप से नाराज होंगे तो आपको बदमाश समझने लगेंगे. मुझे वे बातें याद हैं जब मेरे बड़े भाई मुझे निबन्ध लिखना सिखाते थे. जब कभी भले से भले मनुष्य की भी मैं कटु आलोचना करता था तो मेरे भाई उसका अनुमोदन करते थे, और यदि मैं दुष्ट मनुष्यों को क्षमा कर देता था तो वे कहा करते थे कि, 'तुम बड़े भले लड़के हो जो सर्वसाधारण की तरह व्यवहार

इस पर डरोप मेरे वाले मनुष्यों का वह जेहन्त दान्त फूल कर डरों से हँसने लगा. तब जेहन्त डरोप मेरे पास आये और मुझे कपिच कर कहर ले गये.

वे मुझे कपिच कर कहर ले गये. कहर के मनुष्यों ने ऐसा रज अलापा कि जैसे वे मुझे जानते ही न हों. उन के मुख के भाव वैसे ही थे जैसे कि दूसरे मनुष्यों के. जब मैं अपने पढ़ने-लिखने वाले कमरे में घुस गया तो उन्होंने द्वार पर ताला लगा दिया. ऐसा लग रहा था कि जैसे वे किसी मुर्दा अथवा बतख को कटघरे में बन्द कर रहे हों.

कुछ दिन हुए, तुल्फ विलेज नामक गाँव के आसामी यह कहने के लिये आये थे कि उनके छिले में अकाल पड़ा है. उन्होंने मेरे भाई को सूचना दी कि वहाँ गाँव वालों ने एक बड़े बदमाश को मार डाला और इसके बाद उनमें से कुछ एक ने उसे चौरकर उसका हृदय और जिगर निकाल लिया. उन्होंने उन टुकड़ों को तला और उन्हें खा डाला जिससे उनमें हिम्मत पैदा हो. मैं उनके बीच में ही बोल पड़ा. आसामियों और मेरे भाई ने घुरी तरह मेरी आर देखा. अब मेरी समझ में आया कि उन्होंने मेरी आर उसी प्रकार देखा था जिस प्रकार बाहर के मुण्ड ने.

जब मैं इसे सांचता हूँ तो चांटी से लेकर एड़ी तक सिंहर जाता हूँ.

वे उस मनुष्य के भीतरी अङ्ग खा गये. ता क्या वे मुझे न म्वाजायेंगे ?

उस स्त्री के कथन पर विचार कीजिये, 'जी चाहता है कि तुम्हें कई बार दाँतों से काट खाऊँ.' और इस कथन का उस हँसी अथवा विरूप मुख और खुले हुए दाँतों वाले मनुष्यों के उस मुण्ड तथा आसामियों द्वारा कही गई उस कहानी से मिलान कीजिये. सा. जाहिर है कि ये शब्द एक गुप्त सङ्केत थे. उनके शब्दों में जहर था, उनकी हँसी में कटारें थी. और उनके चमकते हुए सफेद दाँतों की कतारें प्रकट कर रही थीं कि वे मनुष्य-भक्षी दानव हैं.

سات آدمی اور بھی تھے جو مہرے بارے میں پتا پھوسی کر رہے تھے۔ یہ تو دیکھ کر کہ کہیں میں انہیں دیکھ نہ لیں۔ سڑک کے سارے آدمی دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک خاص طور سے گور تھا۔ وہ مہرے مہری اور دیکھ کر منہ ہنسا کر ہنسا۔ میں چرتی سے لے کر اپنی ناک کاٹپ اٹھا۔ میں جانتا ہوں کہ انہوں نے پوری تباہی کر لی ہے۔

لیکن میں ڈرا نہیں۔ میں نے سڑک پر غمنا جاری رکھا۔ وہاں بچوں کا ایک جھنڈ تھا۔ وہ بھی مہرے بارے ہی میں باتیں کر رہا تھا۔ ان کے منہ کا ہنسا ویسا ہی تھا جیسا کہ بڑے چاؤ کا۔ ان کے منہ روپ تھے۔ میں سوچنے لگا، 'چوٹے بچوں سے میری کیا دشمنی ہے جس سے یہ بھی اس پرکڑ کے ہیں؟' ہر برس میں چلا آتا، 'تم لوگ مجھے بتاؤ؟' اس پر وہ سب ہلکے تھے۔

میں سوچنے لگا، 'بڑے چاؤ اور مضمہ میں کیا دشمنی ہے؟' مضمہ میں اور سڑک کے مضمہ میں کیا دشمنی ہے؟' سیوا کے اس کے کہ بیس برس پہلے مضمہ میں کچل کا کچل کچل گیا تھا اور اس سے کچل بہت چڑھ گئے تھے۔ گوکہ بڑا چاؤ انہیں نہیں جانتا تو بھی اس نے اس کے بارے میں سنا ہوگا اور اسی ایمان کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ اسی نے سڑک کے مضمہ کو مہرے شورو ہٹا دیا ہے۔ پرتو بچوں کے بارے میں کیا کہا جائے؟ اس سے تو وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ پورے مہری طرف انہیں ہنسا کر ہنسا کر گھورتے ہیں جیسے کہ وہ مجھ سے قرتے ہوں آہوا اسی سے میں قرتا ہوں۔ اسی سے مجھ سے حد اچرچ اور دیکھ رہا ہے۔

اب میں سمجھ گیا—ان کے ماتا-پیتا نے انہیں ایسا پرتاؤ کرنے کے لئے کیا ہے!

3

رات کو میں سو نہیں پاتا ہوں۔ کسی بات کو سمجھنے کے لئے پہلے اس پر چھان بین کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ وہ مضمہ—ان میں کچھ کو مسٹریت نے دند دینے میں کچھ جن سادھارن دوارا چانگے کہا چکے ہیں، کچھ کی باتیں سادھارن کوئی کے مضمہ کی گالیاں کہا چکی ہیں، کچھ کے ماتا پیتا سہاجدیں (رنگر دانوں) دوارا مار ڈالے گئے ہیں؛ لیکن انہی بڑی بڑی مضمہ کے ساتھ ہی یہ ایسے قرتا لے نہیں دیکھائی دیتے جیسے کہ کل دیکھائی دے رہے تھے—اور اس سے نہ تو یہ اٹھ کر رہے تھے۔

کل سڑک پر سب سے بڑا آدمی تو وہ اسٹری تھی۔ اس نے یہ کہتے ہوئے اپنے لڑکے کو چانگے مارا، 'چانگے مارا' تجھے کئی بار دانتوں سے کاٹ کھاؤں۔ تھی مہرے غصہ شانت ہوگا لیکن جب وہ یہ کہہ رہی تھی تب میری اور دیکھ رہی تھی۔

لیکن میں ڈرا نہیں۔ میں نے سڑک پر گھومنا جاری رکھا۔ وہاں بچوں کا ایک جھنڈ تھا۔ وہ بھی مہرے بارے ہی میں باتیں کر رہا تھا۔ ان کے منہ کا ہنسا ویسا ہی تھا جیسا کہ بڑے چاؤ کا۔ ان کے منہ روپ تھے۔ میں سوچنے لگا، 'چوٹے بچوں سے میری کیا دشمنی ہے جس سے یہ بھی اس پرکڑ کے ہیں؟' ہر برس میں چلا آتا، 'تم لوگ مجھے بتاؤ؟' اس پر وہ سب ہلکے تھے۔

میں سوچنے لگا، 'بڑے چاؤ اور مضمہ میں کیا دشمنی ہے؟' مضمہ میں اور سڑک کے مضمہ میں کیا دشمنی ہے؟' سیوا کے اس کے کہ بیس برس پہلے مضمہ میں کچل کا کچل کچل گیا تھا اور اس سے کچل بہت چڑھ گئے تھے۔ گوکہ بڑا چاؤ انہیں نہیں جانتا تو بھی اس نے اس کے بارے میں سنا ہوگا اور اسی ایمان کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ اسی نے سڑک کے مضمہ کو مہرے شورو ہٹا دیا ہے۔ پرتو بچوں کے بارے میں کیا کہا جائے؟ اس سے تو وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ پورے مہری طرف انہیں ہنسا کر ہنسا کر گھورتے ہیں جیسے کہ وہ مجھ سے قرتے ہوں آہوا اسی سے میں قرتا ہوں۔ اسی سے مجھ سے حد اچرچ اور دیکھ رہا ہے۔

اب میں سمجھ گیا—ان کے ماتا-پیتا نے انہیں ایسا پرتاؤ کرنے کے لئے کیا ہے!

اب میں سمجھ گیا—ان کے ماتا-پیتا نے انہیں ایسا پرتاؤ کرنے کے لئے کیا ہے!

3

رات کو میں سو نہیں پاتا ہوں۔ کسی بات کو سمجھنے کے لئے پہلے اس پر چھان بین کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ وہ مضمہ—ان میں کچھ کو مسٹریت نے دند دینے میں کچھ جن سادھارن دوارا چانگے کہا چکے ہیں، کچھ کی باتیں سادھارن کوئی کے مضمہ کی گالیاں کہا چکی ہیں، کچھ کے ماتا پیتا سہاجدیں (رنگر دانوں) دوارا مار ڈالے گئے ہیں؛ لیکن انہی بڑی بڑی مضمہ کے ساتھ ہی یہ ایسے قرتا لے نہیں دیکھائی دیتے جیسے کہ کل دیکھائی دے رہے تھے—اور اس سے نہ تو یہ اٹھ کر رہے تھے۔

کل سڑک پر سب سے بڑا آدمی تو وہ اسٹری تھی۔ اس نے یہ کہتے ہوئے اپنے لڑکے کو چانگے مارا، 'چانگے مارا' تجھے کئی بار دانتوں سے کاٹ کھاؤں۔ تھی مہرے غصہ شانت ہوگا لیکن جب وہ یہ کہہ رہی تھی تب میری اور دیکھ رہی تھی۔

दिया और आश्वासन देते हुए पुनः सूचित किया कि अब उसका भाई बिल्कुल ठीक हो गया है और इस समय दफ्तर के एक काम से बाहर गया है। इसके बाद वह झिल-झिलाकर हँस पड़ा और उसने मुझे अपने भाई की वह डायरी दिखाई जिसे वह भरने पागलपन में लिखा करता था। शायद यह डायरी मेरे मित्रों की रुचि का विषय बन सके। यह कहते हुए उसने मुझे वह डायरी दे दी।

मैं पढ़ने के लिये डायरी घर ले आया। मुझे उससे पता चला कि मेरे मित्र को 'परिपीडन-भ्रम' का रोग था। डायरी की भाषा में न स्पष्टता थी और न क्रम, स्थान-स्थान पर उसमें बेलगाम और बे सिर-पैर की बातें लिखी थीं। डायरी में कहीं पर भी तारीख न थी और न उसकी स्याही अथवा लेख ही एक से थे। इन बातों से मैं इस नतीजे पर पहुँचा कि यह एक सौंस में एक ही बार बैठकर नहीं लिखी गई थी। परन्तु फिर भी सम्पूर्ण डायरी में एक तुक, एक तथ्य, दिखाई देता है। इसीसे मैं उस डायरी की एक नक़ल तैयार कर रहा हूँ। इसे मैं विमारी रोगों के विशेषज्ञों के सामने रखना चाहता हूँ। डायरी में लिखे हुए मनुष्यों के नामों का ही मैंने बदला है, गोकि वे सभी नाम मेरे गाँव के मनुष्यों के ही थे जिन्हें बाहर की दुनिया का कोई भी मनुष्य नहीं जानता। इनके अलावा डायरी का एक शब्द भी मैंने नहीं बदला। इससे डायरी के शेष मूल में कोई अन्तर नहीं आया है। जहाँ-तक इसके शीर्षक का प्रश्न है, उसे स्वयं मेरे मित्र ने बीमारी से छुटकारा मिलने के बाद दिया है और उसे बदलने का कोई कारण नहीं दिखाई देता।

❀

❀

❀

2 अप्रैल

गणतन्त्र का सातवाँ वर्ष  
(अर्थात् 1918)

आज शाम का चन्द्रमा बड़ा चमकदार है। इस प्रकार का चन्द्रमा मैंने पिछले 20 वर्षों में नहीं देखा। आज इसे मैंने देखा और इससे मुझे एक अजीब ताजगी का अनुभव हुआ। तब मुझे ज्ञात हुआ कि मेरे बीसे हुए जीवन के तीस वर्षों से ज़्यादा का समय सिर्फ एक सपना रहा है। लेकिन मुझे बहुत ही दोशियार रहना चाहिए। नहीं तो—नहीं तो चाँदों के कुत्ते ने मेरी तरफ इस प्रकार क्यों देखा? और कई बार!

2

आज रात को चन्द्रमा नहीं निकल। मैं-जानता हूँ कि कुछ अनिष्ट होने वाला है। आज सबेरे बाहर जाते समय मैं बड़ा सावधान था। बड़े चाँदों की मुख-मुद्रा बड़ी अजीब थी। वह मुझसे डरा हुआ सा मालूम होता था, जैसे कि वह मेरी कुछ हानि करना चाहता हो। उसके अलावा छः—

या और आश्वासन देते हुए मुझे सूचित किया कि अब उसका भाई बिल्कुल ठीक हो गया है और इस समय दफ्तर के एक काम से बाहर गया है। इसके बाद वह झिल-झिलाकर हँस पड़ा और उसने मुझे अपने भाई की वह डायरी दिखाई जिसे वह भरने पागलपन में लिखा करता था। शायद यह डायरी मेरे मित्रों की रुचि का विषय बन सके। यह कहते हुए उसने मुझे वह डायरी दे दी।

मैं पढ़ने के लिये डायरी घर ले आया। मुझे उससे पता चला कि मेरे मित्र को 'परिपीडन-भ्रम' का रोग था। डायरी की भाषा में न स्पष्टता थी और न क्रम, स्थान-स्थान पर उसमें बेलगाम और बे सिर-पैर की बातें लिखी थीं। डायरी में कहीं पर भी तारीख न थी और न उसकी स्याही अथवा लेख ही एक से थे। इन बातों से मैं इस नतीजे पर पहुँचा कि यह एक सौंस में एक ही बार बैठकर नहीं लिखी गई थी। परन्तु फिर भी सम्पूर्ण डायरी में एक तुक, एक तथ्य, दिखाई देता है। इसीसे मैं उस डायरी की एक नक़ल तैयार कर रहा हूँ। इसे मैं विमारी रोगों के विशेषज्ञों के सामने रखना चाहता हूँ। डायरी में लिखे हुए मनुष्यों के नामों का ही मैंने बदला है, गोकि वे सभी नाम मेरे गाँव के मनुष्यों के ही थे जिन्हें बाहर की दुनिया का कोई भी मनुष्य नहीं जानता। इनके अलावा डायरी का एक शब्द भी मैंने नहीं बदला। इससे डायरी के शेष मूल में कोई अन्तर नहीं आया है। जहाँ-तक इसके शीर्षक का प्रश्न है, उसे स्वयं मेरे मित्र ने बीमारी से छुटकारा मिलने के बाद दिया है और उसे बदलने का कोई कारण नहीं दिखाई देता।

❀

❀

❀

2 अप्रैल

गणतन्त्र का सातवाँ वर्ष  
(अर्थात् 1918)

आज शाम का चन्द्रमा बड़ा चमकदार है। इस प्रकार का चन्द्रमा मैंने पिछले 20 वर्षों में नहीं देखा। आज इसे मैंने देखा और इससे मुझे एक अजीब ताजगी का अनुभव हुआ। तब मुझे ज्ञात हुआ कि मेरे बीसे हुए जीवन के तीस वर्षों से ज़्यादा का समय सिर्फ एक सपना रहा है। लेकिन मुझे बहुत ही दोशियार रहना चाहिए। नहीं तो—नहीं तो चाँदों के कुत्ते ने मेरी तरफ इस प्रकार क्यों देखा? और कई बार!

2

आज रात को चन्द्रमा नहीं निकल। मैं-जानता हूँ कि कुछ अनिष्ट होने वाला है। आज सबेरे बाहर जाते समय मैं बड़ा सावधान था। बड़े चाँदों की मुख-मुद्रा बड़ी अजीब थी। वह मुझसे डरा हुआ सा मालूम होता था, जैसे कि वह मेरी कुछ हानि करना चाहता हो। उसके अलावा छः—

”مگر اس بیچ میں کہاں تم؟“

کئی شہروں کے نام انہوں نے بتائے۔ کچھ اس طرح گویا بہت پہلے بولی کسی بات کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اور اس بیچ برابر کسی باز کی طرح سارے کمرے میں بفر ذرا ہی آواز آئے چکر کانتی رہیں۔

”وہ اوشاک کہاں سے ملی؟“

”میں نے ہی بنائی ہے۔ اپنے سارے کپڑے میں ہی بنائی ہیں۔“

یہ سوچکر مجھے اچھا لگ رہا تھا کہ وہ اوروں سے مختلف ہیں۔ لیکن اسوس بھی تھا کہ وہ بولتی بہت ہی کم تھیں۔ جب تک میں کچھ پوچھتا نہیں تھا تب تک عموماً وہ چپ ہی رہتی تھیں۔

اب وہ پھر آکر میرے پاس کوچ پر بیٹھ گئیں اور چپ چاپ، ایک دوسرے سے چپٹے ہم دونوں اسی طرح بیٹھے رہے۔ جب تک کہ نانا نانی لوگ نہیں آئے۔ وہ لوگ جب آئے تب ان میں سے موم اور دھوپ ہتی کی مہک آ رہی تھی اور ایک عجیب سی سنجیدگی اور مہاس تھی ان کے ہر تار میں۔

رات کا کھانا ہم لوگوں نے تھوہاروں کے دن کی طرح کھایا۔ ویسی ہی سنجیدگی کے ساتھ اور کھاتے وقت بہت ہی کم بولے اور اپنے دھیرے دھیرے گویا بہت ہی ہلکی فیلڈ کرتی سو یا رہا ہے جس کے جگ جانے کا تر ہے۔

—انوادک، شری سومنل پرکاش۔

”مگر اس بیچ میں کہاں تم؟“

کئی شہروں کے نام انہوں نے بتائے۔ کچھ اس طرح گویا بہت پہلے بولی کسی بات کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اور اس بیچ برابر کسی باز کی طرح سارے کمرے میں بفر ذرا ہی آواز آئے چکر کانتی رہیں۔

”وہ اوشاک کہاں سے ملی؟“

”میں نے ہی بنائی ہے۔ اپنے سارے کپڑے میں ہی بنائی ہیں۔“

یہ سوچکر مجھے اچھا لگ رہا تھا کہ وہ اوروں سے مختلف ہیں۔ لیکن اسوس بھی تھا کہ وہ بولتی بہت ہی کم تھیں۔ جب تک میں کچھ پوچھتا نہیں تھا تب تک عموماً وہ چپ ہی رہتی تھیں۔

اب وہ پھر آکر میرے پاس کوچ پر بیٹھ گئیں اور چپ چاپ، ایک دوسرے سے چپٹے ہم دونوں اسی طرح بیٹھے رہے۔ جب تک کہ نانا نانی لوگ نہیں آئے۔ وہ لوگ جب آئے تب ان میں سے موم اور دھوپ ہتی کی مہک آ رہی تھی اور ایک عجیب سی سنجیدگی اور مہاس تھی ان کے ہر تار میں۔

رات کا کھانا ہم لوگوں نے تھوہاروں کے دن کی طرح کھایا۔ ویسی ہی سنجیدگی کے ساتھ اور کھاتے وقت بہت ہی کم بولے اور اپنے دھیرے دھیرے گویا بہت ہی ہلکی فیلڈ کرتی سو یا رہا ہے جس کے جگ جانے کا تر ہے۔

—انوادک، شری سومنل پرکاش۔

## ایک پاگل آدمی کی ڈائری

شری لونی سن

دو ماہی تھے۔ یہاں ان کے نام بتانا ضروری نہیں ہیں۔ مثال اسمبل میں وہ دونوں میرے گھر سے دوست رہ چکے تھے۔ لیکن اندر بچپن بہت ورہیں سے ہم لوگ الگ الگ ہو گئے تھے۔ اس سے ان دونوں باتیں کے بارے میں علم والہ سچا رہا ہے۔ یہی برابر کم ہوتے گئے۔ لیکن کچھ دن پہلے اچانک مجھے خبر ملی کہ ان میں سے ایک بہت بیمار ہو گیا تھا۔ اس لئے جب میں اپنی جگہ پر واپس آیا تو شہسختیا انہیں دیکھنے گیا۔ وہاں بڑے بھائی نے میرا سواگت کیا اور یہ بتایا کہ اس کا چھوٹا بھائی بیمار تھا۔ اپنے گھر پر آنے کے لئے اس نے مجھے دھندلوا دیا۔

## ایک پاگل آدمی کی ڈائری

شری لونی سن

دو ماہی تھے۔ یہاں ان کے نام بتانا ضروری نہیں ہیں۔ مثال اسمبل میں وہ دونوں میرے گھر سے دوست رہ چکے تھے۔ لیکن اندر بچپن بہت ورہیں سے ہم لوگ الگ الگ ہو گئے تھے۔ اس سے ان دونوں باتیں کے بارے میں علم والہ سچا رہا ہے۔ یہی برابر کم ہوتے گئے۔ لیکن کچھ دن پہلے اچانک مجھے خبر ملی کہ ان میں سے ایک بہت بیمار ہو گیا تھا۔ اس لئے جب میں اپنی جگہ پر واپس آیا تو شہسختیا انہیں دیکھنے گیا۔ وہاں بڑے بھائی نے میرا سواگت کیا اور یہ بتایا کہ اس کا چھوٹا بھائی بیمار تھا۔ اپنے گھر پر آنے کے لئے اس نے مجھے دھندلوا دیا۔

और कुछ देर तक वह संजीवनी और कड़ाई के साथ मुझसे बातें करती रही; लेकिन उन्होंने जो कुछ कहा वह मेरी समझ में नहीं आया और वह उठ खड़ी हुई और अपनी ठाड़ी पर उँगलियाँ मारती हुई कमरे में टहलने लगी—उनकी घंटी भौंके कभी तन जाती, कभी ढीली पड़ जाती।

मेज पर जलती हुई मोमबत्ती पिघलती चली जा रही थी और शीशे में उसका अक्स जगमगा रहा था, फर्श पर काली-काली परछाइयाँ लांठ रही थीं, कोने में मूर्ति के आगे रोशनी जल रही थी और बर्तन से ढकी हुई खिड़कियों के शीशों पर चाँदनी ने चाँदी कर दी थी। माँ चारों तरफ इस तरह देख रही थीं गोया नज़्मी दीवारों या छत पर कुछ हँद रही हों।

“सोने का क्या वक्त है तेरा ?”

“थोड़ी देर और रहने दो मुझे यहाँ !”

“ओ हाँ, आज दिन में भी तो थोड़ा सो लिया है”, उन्हें याद आया।

“क्या तुम फिर चली जाना चाहती हो ?” मैं उनसे पूछ बैठा।

“कहाँ ?” वह चौंक सी पड़ी, और मेरा सिर ऊपर को उठाकर मेरी तरफ इतनी देर तक ताकती रही कि मेरी आँखों में आँसू आ गये।

“क्या बात है रे ?” उन्होंने पूछा।

“गरदन दुख रही है”।

विल भी दुख रहा था मेरा, क्योंकि यकायक मैं यह समझ गया था कि वह हमारे घर नहीं रहेंगी और फिर चली जायेंगी।

“अपने बाप-सा होता जा रहा है तू”, पायदान को ठोकर से एक तरफ को हटाते हुए वह बोलीं। “उनके बारे में कुछ बताया है तुम्हें—तेरों नानी ने ?”

“हाँ”।

“वह मैक्सिस को बहुत प्यार करती थीं—बहुत ही ज्यादा, और वह भी उन्हें प्यार करते थे—”

“मैं जानता हूँ”।

माँ मोमबत्ती की तरफ देखने लगी और उनकी भौंके सिकुड़ गईं। फिर उन्होंने उसे बुझा दिया और कहा—“अब ठीक है”।

सचमुच इससे हवा में ताजगी और उम्रगी आ गई, और काली-काली परछाइयाँ सायब हो गईं। लगभग-जगह फर्श पर तेज दूधिया रोशनी बिखर गई और खिड़की के शीशों पर सुनहरे दाने चमक उठे।

और कुछ देर तक वह संजीवनी और कड़ाई के साथ बातें करती रहीं; लेकिन उन्होंने जो कुछ कहा वह मेरी समझ में नहीं आया और वह उठ खड़ी हुई और अपनी ठाड़ी पर उँगलियाँ मारती हुई कमरे में टहलने लगी—उनकी घंटी भौंके कभी तन जाती, कभी ढीली पड़ जाती।

मेज पर जलती हुई मोमबत्ती पिघलती चली जा रही थी और शीशे में उसका अक्स जगमगा रहा था, फर्श पर काली-काली परछाइयाँ लांठ रही थीं, कोने में मूर्ति के आगे रोशनी जल रही थी और बर्तन से ढकी हुई खिड़कियों के शीशों पर चाँदनी ने चाँदी कर दी थी। माँ चारों तरफ इस तरह देख रही थीं गोया नज़्मी दीवारों या छत पर कुछ हँद रही हों।

“सोने का क्या वक्त है तेरा ?”

“थोड़ी देर और रहने दो मुझे यहाँ !”

“ओ हाँ, आज दिन में भी तो थोड़ा सो लिया है”, उन्हें याद आया।

“क्या तुम फिर चली जाना चाहती हो ?” मैं उनसे पूछ बैठा।

“कहाँ ?” वह चौंक सी पड़ी, और मेरा सिर ऊपर को उठाकर मेरी तरफ इतनी देर तक ताकती रही कि मेरी आँखों में आँसू आ गये।

“क्या बात है रे ?” उन्होंने पूछा।

“गरदन दुख रही है”।

विल भी दुख रहा था मेरा, क्योंकि यकायक मैं यह समझ गया था कि वह हमारे घर नहीं रहेंगी और फिर चली जायेंगी।

“अपने बाप-सा होता जा रहा है तू”, पायदान को ठोकर से एक तरफ को हटाते हुए वह बोलीं। “उनके बारे में कुछ बताया है तुम्हें—तेरों नानी ने ?”

“हाँ”।

“वह मैक्सिस को बहुत प्यार करती थीं—बहुत ही ज्यादा, और वह भी उन्हें प्यार करते थे—”

“मैं जानता हूँ”।

माँ मोमबत्ती की तरफ देखने लगी और उनकी भौंके सिकुड़ गईं। फिर उन्होंने उसे बुझा दिया और कहा—“अब ठीक है”।

सचमुच इससे हवा में ताजगी और उम्रगी आ गई, और काली-काली परछाइयाँ सायब हो गईं। लगभग-जगह फर्श पर तेज दूधिया रोशनी बिखर गई और खिड़की के शीशों पर सुनहरे दाने चमक उठे।

शाम को नाना जी और नानी अपनी मर्चा से उन्हा पोशाक पहनकर 'वेस्पर्स' की दुआ के लिये गिरजाघर चल दिए. नानाजी रंगसाजों के मुखिया की अपनी बर्दी में चमचमा रहे थे, जिसके ऊपर रोंयेदार ऊनी लबादा पड़ा हुआ था, और उनकी तोंद शान के साथ बाहर को निकली हुई थी. चुलबुलाहट के साथ उनकी तरफ आँखों का इशारा करके नानी मेरी माँ से बोलीं—“जरा देख तो बाबू जी को ! कितने शानदार लग रहे हैं न ?—छोटे से बकरे की तरह फुरतीले”. और माँ खिलखिला कर हँस पड़ी.

जब माँ के कमरे में उनके साथ मैं अकेला रह गया तब वह कोच के ऊपर पालथी मार कर बैठ गई और अपनी बगल को तरफ इशारा करती हुई बोलीं—“आ, यहाँ बैठ जा. अच्छा बता कैसा लगता है तुम्हें यहाँ ? अच्छा नहीं लगता, क्यों ?”

“कैसा लगता है तुम्हें यहाँ ?” कैसा सबाल था यह ! मैंने जवाब दिया—“मैं क्या जानूँ”.

“नाना जी पीटते हैं तुम्हें, क्यों ?”

“अब उतना नहीं पीटते !”

“ओह ?—अच्छा, अब तुम्हें अपनी सारी बातें सुना—जो कुछ कहना चाहता हो कह डाल—हाँ, तो ?”

नाना जी के बारे में मैं उनसे कुछ नहीं कहना चाहता था. इसलिये मैं उन्हें उस भले आदमी की बातें सुनाने लगा जो ऊपर की कांठरी में रहा करता था और जो किसी को भी अच्छा नहीं लगता था और नाना जी ने जिसे निकाल दिया था. पर मैं समझ गया कि यह बातें उन्हें अच्छी नहीं लग रही थी, क्योंकि वह बोलीं—“ठीक, और बातें सुना”.

उन तीन लड़कों की बात मैंने कही और जिस तरह उस कनल ने अपने अहाते से मुझे निकाल बाहर किया था, यह भी सुनाया. और यह सब सुनते-सुनते उन्होंने मुझे अपनी बाँटों में और भी कस लिया.

“यह क्या बहूदा बातें !” उनकी आँखें जल उठीं, और एक मिनट तक फर्श की तरफ वह चुपचाप ताकती रहीं.

“नाना जी क्यों बिगड़ रहे थे तुमसे ?” मैंने पूछा.

“क्योंकि मैंने शलती की है, उनके हिसाब से”.

“कि उस पच्चे को यहाँ नहीं लाई तुम—?”

वह गोया आसमान से गिरी—एकदम चौंक पड़ी, भौंहेँ सिंकुड़ गई और अपने हॉट काटने लगा. फिर क्रह-क्रहा मारकर हँस पड़ी और मुझे और भी कसकर चिपटा के बोलीं—“तू तो बड़ा शैतान है रे ! देख खबरदार, कभी किसी से नहीं कहना यह बात, समझा ? कभी मुँह से न निकले—वस, भूल ही जा कि कभी यह बात सुनी थी”.

शाम को नाना जी और नानी अपनी मर्चा से उन्हा पोशाक पहनकर 'वेस्पर्स' की दुआ के लिये गिरजाघर चल दिए. नानाजी रंगसाजों के मुखिया की अपनी बर्दी में चमचमा रहे थे, जिसके ऊपर रोंयेदार ऊनी लबादा पड़ा हुआ था, और उनकी तोंद शान के साथ बाहर को निकली हुई थी. चुलबुलाहट के साथ उनकी तरफ आँखों का इशारा करके नानी मेरी माँ से बोलीं—“जरा देख तो बाबू जी को ! कितने शानदार लग रहे हैं न ?—छोटे से बकरे की तरह फुरतीले”. और माँ खिलखिला कर हँस पड़ी.

जब माँ के कमरे में उनके साथ मैं अकेला रह गया तब वह कोच के ऊपर पालथी मार कर बैठ गई और अपनी बगल को तरफ इशारा करती हुई बोलीं—“आ, यहाँ बैठ जा. अच्छा बता कैसा लगता है तुम्हें यहाँ ? अच्छा नहीं लगता, क्यों ?”

“कैसा लगता है तुम्हें यहाँ ?” कैसा सबाल था यह ! मैंने जवाब दिया—“मैं क्या जानूँ”.

“नाना जी पीटते हैं तुम्हें, क्यों ?”

“अब उतना नहीं पीटते !”

“ओह ?—अच्छा, अब तुम्हें अपनी सारी बातें सुना—जो कुछ कहना चाहता हो कह डाल—हाँ, तो ?”

नाना जी के बारे में मैं उनसे कुछ नहीं कहना चाहता था. इसलिये मैं उन्हें उस भले आदमी की बातें सुनाने लगा जो ऊपर की कांठरी में रहा करता था और जो किसी को भी अच्छा नहीं लगता था और नाना जी ने जिसे निकाल दिया था. पर मैं समझ गया कि यह बातें उन्हें अच्छी नहीं लग रही थी, क्योंकि वह बोलीं—“ठीक, और बातें सुना”.

उन तीन लड़कों की बात मैंने कही और जिस तरह उस कनल ने अपने अहाते से मुझे निकाल बाहर किया था, यह भी सुनाया. और यह सब सुनते-सुनते उन्होंने मुझे अपनी बाँटों में और भी कस लिया.

“यह क्या बहूदा बातें !” उनकी आँखें जल उठीं, और एक मिनट तक फर्श की तरफ वह चुपचाप ताकती रहीं.

“नाना जी क्यों बिगड़ रहे थे तुमसे ?” मैंने पूछा.

“क्योंकि मैंने शलती की है, उनके हिसाब से”.

“कि उस पच्चे को यहाँ नहीं लाई तुम—?”

वह गोया आसमान से गिरी—एकदम चौंक पड़ी, भौंहेँ सिंकुड़ गई और अपने हॉट काटने लगा. फिर क्रह-क्रहा मारकर हँस पड़ी और मुझे और भी कसकर चिपटा के बोलीं—“तू तो बड़ा शैतान है रे ! देख खबरदार, कभी किसी से नहीं कहना यह बात, समझा ? कभी मुँह से न निकले—वस, भूल ही जा कि कभी यह बात सुनी थी”.

अब मैं अपने को रोक नहीं सका—मेरे आँसू किसी तरह भी नहीं रुक रहे थे—और मैं तन्दूर पर से नीचे कूद पड़ा और उनके पास दौड़ गया। मेरी आँखों से खुरी के आँसू बह रहे थे—यह देखकर कि इतनी अजीब और गहरी मोहब्बत के साथ नाना-नानी एक दूसरे से गुप्तगूँ कर रहे हैं और मेरे आँसू इसलिये भी बह रहे थे कि उनकी बातें सुनकर मुझे रंज हो रहा था, और इसलिए भी कि मेरी माँ आ गई थी और फिर आखिर में इसलिये भी कि उन्होंने मुझे—आँसुओं समेत लेकर अपनी छाती से लगा लिया, उन्होंने मुझे कसकर चिपटा लिया और मेरे साथ खुद भी रोने लगे।

बड़ी धीमी आवाज़ में बुबुदाते हुए से नाना जी मुझसे कहने लगे—“ता तू यहाँ था, शैतान की दुम ! ले, तेरी माँ फिर आ गई है और अब तो हमेशा तू उसी के पीछे लगा फिरेगा न, क्यों ? और बूढ़े खूबसूरत नाना जी अब जाँच भाँच में ! है न यही बात ? और नानी ने तो बिल्कुल चौपट ही कर दिया है तुझे...सो बह भी नहीं चाहिये अब—क्यों ? धत तेरे की !”

हमें हटाकर वह उठ खड़े हुए और ऊँची आवाज़ में गुस्से के साथ बोले—सबके सब छोड़ते जा रहे हैं हमें—सब मुँह फेरे ले रहे हैं हमारी तरफ से—ता फिर बुला लाओ उसे अब, देर क्यों करती हो ? जल्दी करो !”

नानी बावरचीखाने से चली गई, और नाना जी काने में जाकर सिर मुकाए खड़े हो गए।

“या खुदाय करीम !” उन्होंने बुबुदाना शुरू किया—“देख—तू तो हमारे दिल की सब जानता है !” और अपने सीने पर उन्होंने एक घूँसा मारा।

यह सब मुझे अच्छा नहीं लगा। असल में खुदा से दुआ करने का उनका तरीका ही मुझे बहुत बुरा लगता था, क्योंकि अपने बनाने वाले के आगे भी गोया वह अपने ही को बड़ा समझते थे।

जब माँ अन्दर आई तब उनकी लाल पोशाक से सारा बावरचीखाना रोशन हो गया, और जब वह मेज़ के आगे नाना जी और नानी के बीच में बैठ गई तब उनकी पोशाक की चौड़ी-चौड़ी ढीली बाँड़ें नाना जी और नानी जी के कन्धों पर लहराने लगीं, वह अहिस्ता-अहिस्ता संजीदगी के साथ कुछ सुनाने लगीं, और वे दोनों भी चुपचाप, बीच में दखल देने की कोशिश किए बग़ैर, इस तरह मेरी माँ की बात सुनने लगे गोया वही उनकी माँ है और वे उनके बच्चे !

जोश के सबब से मैं इतना थक गया था कि कोच पर बैठे-बैठे ही मुझे गहरी नींद आ गई।

अब मैं अपने को रोक नहीं सका—मेरे आँसू किसी तरह भी नहीं रुक रहे थे—और मैं तन्दूर पर से नीचे कूद पड़ा और उनके पास दौड़ गया। मेरी आँखों से खुरी के आँसू बह रहे थे—यह देखकर कि इतनी अजीब और गहरी मोहब्बत के साथ नाना-नानी एक दूसरे से गुप्तगूँ कर रहे हैं और मेरे आँसू इसलिये भी बह रहे थे कि उनकी बातें सुनकर मुझे रंज हो रहा था, और इसलिए भी कि मेरी माँ आ गई थी और फिर आखिर में इसलिये भी कि उन्होंने मुझे—आँसुओं समेत लेकर अपनी छाती से लगा लिया, उन्होंने मुझे कसकर चिपटा लिया और मेरे साथ खुद भी रोने लगे।

बड़ी धीमी आवाज़ में बुबुदाते हुए से नाना जी मुझसे कहने लगे—“ता तू यहाँ था, शैतान की दुम ! ले, तेरी माँ फिर आ गई है और अब तो हमेशा तू उसी के पीछे लगा फिरेगा न, क्यों ? और बूढ़े खूबसूरत नाना जी अब जाँच भाँच में ! है न यही बात ? और नानी ने तो बिल्कुल चौपट ही कर दिया है तुझे...सो बह भी नहीं चाहिये अब—क्यों ? धत तेरे की !”

हमें हटाकर वह उठ खड़े हुए और ऊँची आवाज़ में गुस्से के साथ बोले—सबके सब छोड़ते जा रहे हैं हमें—सब मुँह फेरे ले रहे हैं हमारी तरफ से—ता फिर बुला लाओ उसे अब, देर क्यों करती हो ? जल्दी करो !”

नानी बावरचीखाने से चली गई, और नाना जी काने में जाकर सिर मुकाए खड़े हो गए।

“या खुदाय करीम !” उन्होंने बुबुदाना शुरू किया—“देख—तू तो हमारे दिल की सब जानता है !” और अपने सीने पर उन्होंने एक घूँसा मारा।

यह सब मुझे अच्छा नहीं लगा। असल में खुदा से दुआ करने का उनका तरीका ही मुझे बहुत बुरा लगता था, क्योंकि अपने बनाने वाले के आगे भी गोया वह अपने ही को बड़ा समझते थे।

जब माँ अन्दर आई तब उनकी लाल पोशाक से सारा बावरचीखाना रोशन हो गया, और जब वह मेज़ के आगे नाना जी और नानी के बीच में बैठ गई तब उनकी पोशाक की चौड़ी-चौड़ी ढीली बाँड़ें नाना जी और नानी जी के कन्धों पर लहराने लगीं, वह अहिस्ता-अहिस्ता संजीदगी के साथ कुछ सुनाने लगीं, और वे दोनों भी चुपचाप, बीच में दखल देने की कोशिश किए बग़ैर, इस तरह मेरी माँ की बात सुनने लगे गोया वही उनकी माँ है और वे उनके बच्चे !

जोश के सबब से मैं इतना थक गया था कि कोच पर बैठे-बैठे ही मुझे गहरी नींद आ गई।



‘بابو جی’ ماف کر دو اسے ! ایسا مافی کے لیے، ماف کر دو اسے ! کیا اس طرح اسے چھوڑ دیں گے ؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ بڑے آدمیوں اور رئیسوں کے گھر ایسی باتیں نہیں ہوتیں ؟ جانتے ہو کہ عزتیں کبھی ہوتی ہیں ۔ دیکھو، ماف کر دو اسے اس بار ! غلطی کس سے نہیں ہوتی بابو جی ؟“

نانا جی نے دیوار کے سہارے اپنی پتلی ٹیک کر نانی کی طرف دیکھا ۔ اور پھر کڑی ہنسی ہنسنے لگا، رونا بھرا تھا اس ہنسی میں۔ وہ بیانیہ آواز سے کہنے لگا۔ ”اور ؟ پھر اس کے بعد ؟ کئی مہینے ایسی غلطی جو تم ماف نہ کر دو ؟ کہیں ؟ اگر تمہاری چل سب سے تو سبھی کو معافی مل جایا کرے..... دھت تیرے کی۔“

اور نانی نے آویڑ جھک کر، ان کے دونوں کندھے پکڑ کر وہ انہیں ہلانے لگے اور جلدی جلدی ہنسنے لگے۔ ”لیکن تم کبھی انہیں نہ دیکھو نہ بالکل تیرے میں پھر لٹکانے دیتے ہیں ہم لوگ، پھر بھی اس پڑھانے میں سزا ہی سزا پھکنی پڑ رہی ہے ! نہ ذرا بھی چدن مل پاتا ہے نہ سہ... اور نہ کبھی ملے گا اب... اور اس کے علاوہ... دیکھ لیتا تم... مرنے کے پہلے بھیک مانگنے کی نوبت آئیگی۔“

نانی نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور انکی بگال میں بٹری-بٹری دھیرے-دھیرے ڈالنے لگی۔ ”اے، جی: جی: ! تو بھی ماف کرنے سے بچنا ہے تو ؟ اچھا مان لو، اس بھیک مانگنے کی ہی نوبت آگئی ! تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑیگا تب، تم گھر میں بیٹھے رہا کرنا اور میں بھیک مانگ لیا کرونگی۔ ہمارا گھر تب بھی بھرا پورا دھیکا، اس کی فکر تم بالکل چھوڑ دو !“

وہ اچانک قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور بکری کی طرح اپنا سر ہلانے لگے ۔ اور پھر انہوں نے نانی کی گردن پکڑ کر انہیں اپنے سہلے سے اٹھا لیا، بالکل ذرا سے اور سترے سترے سے گھر لے آئے وہ نانی کی بٹری میں !

”اے، کبھی نادان ہو تم۔“ وہ بول اٹھے، ”کتنی بھولی بھالی ! بس، اب تمہیں تو ایک مہری رہ گئی ہو ! تم سمجھتی نہیں ہو نہ کچھ، اسی لئے کسی بھی بات کی گہراہمت نہیں ہوتی تمہیں ۔ لیکن پیچھے تو پھر کر دیکھو ذرا۔ اور سوچو تو، کہ کتنی محنت کی ہے تم نے اور میں نے ان کے لئے۔“

”اے، کبھی نادان ہو تم۔“ وہ بول اٹھے، ”کتنی بھولی بھالی ! بس، اب تمہیں تو ایک مہری رہ گئی ہو ! تم سمجھتی نہیں ہو نہ کچھ، اسی لئے کسی بھی بات کی گہراہمت نہیں ہوتی تمہیں ۔ لیکن پیچھے تو پھر کر دیکھو ذرا۔ اور سوچو تو، کہ کتنی محنت کی ہے تم نے اور میں نے ان کے لئے۔“

”اے، کبھی نادان ہو تم۔“ وہ بول اٹھے، ”کتنی بھولی بھالی ! بس، اب تمہیں تو ایک مہری رہ گئی ہو ! تم سمجھتی نہیں ہو نہ کچھ، اسی لئے کسی بھی بات کی گہراہمت نہیں ہوتی تمہیں ۔ لیکن پیچھے تو پھر کر دیکھو ذرا۔ اور سوچو تو، کہ کتنی محنت کی ہے تم نے اور میں نے ان کے لئے۔“

”اے، کبھی نادان ہو تم۔“ وہ بول اٹھے، ”کتنی بھولی بھالی ! بس، اب تمہیں تو ایک مہری رہ گئی ہو ! تم سمجھتی نہیں ہو نہ کچھ، اسی لئے کسی بھی بات کی گہراہمت نہیں ہوتی تمہیں ۔ لیکن پیچھے تو پھر کر دیکھو ذرا۔ اور سوچو تو، کہ کتنی محنت کی ہے تم نے اور میں نے ان کے لئے۔“

”اے، کبھی نادان ہو تم۔“ وہ بول اٹھے، ”کتنی بھولی بھالی ! بس، اب تمہیں تو ایک مہری رہ گئی ہو ! تم سمجھتی نہیں ہو نہ کچھ، اسی لئے کسی بھی بات کی گہراہمت نہیں ہوتی تمہیں ۔ لیکن پیچھے تو پھر کر دیکھو ذرا۔ اور سوچو تو، کہ کتنی محنت کی ہے تم نے اور میں نے ان کے لئے۔“

”اے، کبھی نادان ہو تم۔“ وہ بول اٹھے، ”کتنی بھولی بھالی ! بس، اب تمہیں تو ایک مہری رہ گئی ہو ! تم سمجھتی نہیں ہو نہ کچھ، اسی لئے کسی بھی بات کی گہراہمت نہیں ہوتی تمہیں ۔ لیکن پیچھے تو پھر کر دیکھو ذرا۔ اور سوچو تو، کہ کتنی محنت کی ہے تم نے اور میں نے ان کے لئے۔“

आँख ही आँख और कान ही कान हैं. मेरे सीने के अन्दर न जाने कैसा होने लगा और मेरी बड़ी जबरदस्त ख़ाहिश हुई कि चीख उठूँ.

“लेकसी तू जा यहाँ से!” नाना जी ने हवाई के साथ मुझसे कहा।

“क्यों?” मेरी माँ ने मुझे फिर अपनी तरफ खींचते हुए उनसे पूछा. “नहीं, तू यहाँ से नहीं जाएगा. मैं मना कर रही हूँ.” और किसी गुलाबी बादल की तरह उठकर मेरी माँ धीरे-धीरे नाना जी के पीछे जा खड़ी हुई.

“जरा सुनो तो बाबू जी—”

नाना जी उनकी तरफ मुड़कर चीख उठे—

“चुप रह.”

“अपनी ज़बान को काबू में रखिये, बाबू जी.” सजी-दगी से माँ ने जवाब दिया.

नानी कोच पर से उठ खड़ी हुई और अपनी डँगली दिखाते हुए उन्होंने माँ को देखा—“यह क्या वारवारा?”

और नाना भी बुझबुझाते हुए बैठ गए—“अच्छा ठैरो तो जरा! मैं यह जानना चाहता हूँ कि किसने—? क्यों? कौन था वह?... कैसे हुआ यह सब?”

और अचानक ऐसी आवाज़ में, जो उनकी नहीं मालूम पड़ती थी, वह गरज उठे—“मेरा मुँह काला कर दिया तूने वारका!”

“भाग यहाँ से!” नानी मुझसे बोलीं, और मैं बाव-रचीखाने में जा छुपा. ऐसा लग रहा था गोया मेरा दम घुटा जा रहा है. तन्दूरी चूल्हे के ऊपर मैं जा चढ़ा, और बहुत देर तक वहाँ बैठा-बैठा उन लोगों की बात-चीत सुनता रहा, जो बीच के दीवार के बावजूद सुनाई पड़ रही थी. या तो वे सब के सब एक साथ बोलने लगते थे, और या बड़ी देर तक बिल्कुल चुप रहते, गोया सो गये हों. उन लोगों की बातचीत का मज़मून था कोई बच्चा, जो हाल ही में मेरी माँ के पैदा हुआ था और किसी के यहाँ छाड़ दिया गया था. लेकिन मैं यह नहीं समझ सका कि नाना जी की नाराज़ी किस बात पर थी—उनसे बग़ैर पूछे बच्चा पैदा किया गया इस पर या इसलिये कि वह उस बच्चे को नाना जी के यहाँ नहीं लाई.

बाद को वह बाव-रचीखाने में चले आए. उनके बाल बिखरे हुए थे, चेहरा नीला सा पड़ रहा था, और बेहद थके दिखाई दे रहे थे. उनके पीछे नानी भी आ पहुँचीं, अपने गालों पर बहते हुए आँसुओं का कुरते से पोंछती हुई. नाना जी एक बेंच पर ऊपर पैर करके बैठ गए और अपने हाथ भी उसी पर टेककर कांपते कांपते अपने पीले पड़े हुए हाथों को काटने लगे. और नानी उनके आगे घुटनों के बल मुक गईं और मुझ के साथ लेकिन जोर देकर बोलीं—

انہم ہی انہم اور کُن ہی کُن ہیں. میرے سینے کے اندر نہ جانے کیسا ہونے لگا اور میری زبردست خواہش ہوئی کہ چیخ اٹوں.

“لےکسی، تو جا یہاں سے!” نانا جی نے ہوائی کے ساتھ مجھ سے کہا!

“کیوں?” میری ماں نے مجھے پھر اپنی طرف کھینچتے ہوئے اُن سے پوچھا. “نہیں، تو یاں سے نہیں جائیگا. میں منع کر رہی ہوں.” اور کسی گلابی بادل کی طرح اُٹھ کر میری ماں دھورے دھورے نانا جی کے پیچھے جا کھڑی ہوئیں.

“ذرا سہ تو باہر جی—”

“نانا جی اُن کی طرف مڑ کر چیخ اُٹے—

“چپ رہ.”

“اپنی زبان کو قابو میں رکھو، باہو جی.” سنجیدگی سے

ماں نے جواب دیا.

نانی کوچ پر سے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنی انگلی دکھاتے ہوئے انہوں نے ماں کو ٹپکا—“یہ کیا، واروارا?”

اور نانا بھی بددلتے ہوئے بولے گئے—“اچھا ٹھہرو تو ذرا! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کس نے—? کیوں? کون تھا وہ?... کیسے ہوا یہ سب?”

اور اچانک ایسی آواز میں، جو اُن کی نہیں معلوم پڑتی

تھی، وہ گرج اُٹے. “میرا منہ کالا کر دیا تُو نے، وارکا!”

“بھاگ یہاں سے!” نانی مجھ سے بولیں، اور میں باورچی

خانے میں جا چھپا. ایسا لگ رہا تھا گویا میرا دم گھٹا جا رہا

ہے. تندروی چولہے کے اوپر میں جا چڑھا، اور بہت دیر تک

وہاں بیٹھا بیٹھا اُن لوگوں کی بات چیت سناتا رہا، جو بیچ

کی دیوار کے باوجود سنائی پڑ رہی تھی. یا تو وہ سب کے

سب ایک ساتھ بولتے لگتے تھے، اور یا بڑی دیر تک بالکل چپ

رہتے، گویا سو گئے ہوں. اُن لوگوں کی بات چیت کا مضمون تھا

کڑی بچہ، جو حال ہی میں میری ماں کے پیدا ہوا تھا اور

کسی کے یہاں چھوڑ دیا گیا تھا. لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ

نانا جی کی ناراضی کس بات پر تھی—اُن سے بغیر پوچھے بچہ

پیدا کیا گیا اِس پر یا اِس لئے کہ وہ اُس بچے کو نانا جی کے

یہاں نہیں لائیں.

بعد کو وہ باورچی خانے میں چلے آئے، اُن کے بال ہمارے

ہونٹ تھے، چہرہ نرالا سا پڑ رہا تھا اور پھر تھکے ہوئے دکھائی

دے رہے تھے. اُن کے پیچھے پیچھے نانی بھی آ پہنچتی، اپنے

گالوں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کو کرتے سے پونچھتی ہوئی. نانا

جی ایک بیلیچ پر اُپر پیر کر کے بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ بھی

اُسی پر ٹیک کر کڑھتے کڑھتے اپنے بولے پڑے ہوئے ہونٹوں کو کلاتے

لگے. اور نانی اُن کے آگے گھٹنوں کے بل جھک

گئیں. اور سکون کے ساتھ لیکن زور دیکر بولیں—

اُتار کر وہ دھلیز کے ادھر پہنچتی جاتی تھیں اور حقارت سے اپنے لال لال ہونٹ سکرڑے لگاتار بولتی تھیں چلی جا رہی تھیں۔ ”بولتا کیوں نہیں ہے تو؟ خوشی نہیں ہوئی تجھے میرے آنے کی؟“ ”کیسی گندی ہے یہ قمیض...“

پھر انہوں نے بطخ کی چربی سے میرے کان ملنے شروع کئے جس سے مجھے تکلیف ہونے لگی، لیکن جتنی بڑیا خوشبو لعل رہی تھی اُن کے کپڑوں سے اُس وقت کہ تکلیف جتنی ہو رہی تھی اُس سے کم معلوم ہوئی۔

میں اُن آنکھوں کی طرف تکتا ہوا اُن سے چپتا ہی چلا جا رہا تھا۔ خوف کے سبب میرے منہ سے آواز نہیں نکل پا رہی تھی، اور اُن کے انداز کے ساتھ ساتھ پیچ پیچ میں نائی کی دھبہ بھری آواز میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ ”اُتلی من مانی کرتے لگا ہے یہ... ذرا کسی کی نہیں سنا۔ اپنے نانا نک سے نہیں توتا، ذرا ہی... اوواریا! واریا!“

”کیوں پتے پتے کر رہی ہو ماں، چپ بھی رہو۔ اس طرح بک-بک کر کے کیا کر لوگی؟“

سبھی چڑھیں ماں کے سامنے بڑی لگنے لگی تھیں، رھم کے کاہل اور بڑی! میں خود بھی بڑا سا لگنے لگا تھا، نانا جی کی طرح بڑا۔

اپنے غٹنوں سے مجھے چپٹا کر میرے بالوں پر اپنا گرم-گرم، भारی ہاتھ فیرتی ہوئی وہ بولی—”کسی کچے آدمی کی دیکھ-بھال میں رکھنے کی ضرورت ہے اسے۔ اور اب سکول بھی وہ جانا چاہیے... کچھ سیکھنا چاہتا ہے کہ نہیں؟ کون رہے؟“

”میں تو سب سیکھ چکا، جو جاننا تھا۔“

”اور بھی بڑا-بڑا سیکھنا باقی ہے رہے!... ارے! کتنی طاقت آگئی ہے تجھے میں!“ اور میرے ساتھ کھیل کود کر رہے وہ اپنی تیز مٹھی آواز میں دل کھول کر غلغلہ لگیں۔

اسی وقت نانا جی اندر داخل ہوئے۔ اُن کا چہرہ ابکم سفید پڑ گیا تھا، آنکھیں لال ہو رہی تھیں، اور غصہ کے مارے وہ کانپ رہے تھے۔ میری ماں نے اُنہیں دیکھتے ہی مجھے دور ہٹا دیا اور کُچی آواز میں ان سے پوچھا—”تو پھر کیا طے کیا اپنے بابو جی؟“

نانا جی کچکی کے پاس کھڑے ہو کر اپنی ڈنگلیوں کے ناخنوں سے شیشہ پر جمی برف کھرچنے لگے، اور بڑی دیر تک کچھ نہیں بولے۔ حالت بہت ہی نازک اور تکلیف دہ تھی اور، جیسا کہ ایسے سالکوں-موتوں پر میرے ساتھ ہمیشہ ہوتا تھا، مجھے لگ رہا تھا گویا میرے جسم پر مٹن

پہر انہوں نے بطخ کی چربی سے میرے کان ملنے شروع کئے جس سے مجھے تکلیف ہونے لگی۔ لیکن اتنی بڑیا خوشبو لعل رہی تھی اُن کے کپڑوں سے اُس وقت کہ تکلیف جتنی ہو رہی تھی اُس سے کم معلوم ہوئی۔

میں اُن آنکھوں کی طرف تکتا ہوا اُن سے چپتا ہی چلا جا رہا تھا۔ خوف کے سبب میرے منہ سے آواز نہیں نکل پا رہی تھی، اور اُن کے انداز کے ساتھ ساتھ پیچ پیچ میں نائی کی دھبہ بھری آواز میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ ”اُتلی من مانی کرتے لگا ہے یہ... ذرا کسی کی نہیں سنا۔ اپنے نانا نک سے نہیں توتا، ذرا ہی... اوواریا! واریا!“

”کیوں پتے پتے کر رہی ہو ماں، چپ بھی رہو۔ اس طرح بک-بک کر کے کیا کر لوگی؟“

سبھی چڑھیں ماں کے سامنے بڑی لگنے لگی تھیں، رھم کے کاہل اور بڑی! میں خود بھی بڑا سا لگنے لگا تھا، نانا جی کی طرح بڑا۔

اپنے گھٹنوں سے مجھے چپٹا کر میرے بالوں پر اپنا گرم گرم ہاتھ فیرتی ہوئی وہ بولی—”کسی کچے آدمی کی دیکھ-بھال میں رکھنے کی ضرورت ہے اسے۔ اور اب سکول بھی وہ جانا چاہیے... کچھ سیکھنا چاہتا ہے کہ نہیں؟ کون رہے؟“

”میں تو سب سیکھ چکا، جو جاننا تھا۔“

”اور بھی بڑا-بڑا سیکھنا باقی ہے رہے!... ارے! کتنی طاقت آگئی ہے تجھے میں!“ اور میرے ساتھ کھیل کود کر رہے وہ اپنی تیز مٹھی آواز میں دل کھول کر غلغلہ لگیں۔

اسی وقت نانا جی اندر داخل ہوئے۔ اُن کا چہرہ ابکم سفید پڑ گیا تھا، آنکھیں لال ہو رہی تھیں، اور غصہ کے مارے وہ کانپ رہے تھے۔ میری ماں نے اُنہیں دیکھتے ہی مجھے دور ہٹا دیا اور کُچی آواز میں ان سے پوچھا—”تو پھر کیا طے کیا اپنے بابو جی؟“

نانا جی کچکی کے پاس کھڑے ہو کر اپنی ڈنگلیوں کے ناخنوں سے شیشہ پر جمی برف کھرچنے لگے، اور بڑی دیر تک کچھ نہیں بولے۔ حالت بہت ہی نازک اور تکلیف دہ تھی اور، جیسا کہ ایسے سالکوں-موتوں پر میرے ساتھ ہمیشہ ہوتا تھا، مجھے لگ رہا تھا گویا میرے جسم پر مٹن

मुझे यकीन नहीं आया, और अगर पादरी साहब ही हों तो वह किसी किराएदार के ही यहाँ आए होंगे.

“चल-चल!” कोचबान ने घोड़ों को हाँका, और उनकी पीठ पर कोड़ा फटकते हुए मौज के साथ फिर सीटी बजाने लगा.

घोड़े मैदान को चीरते हुए दौड़ चले, और मैं खड़ा था। उनकी तरफ ताकता रहा, फिर मैंने फाटक बन्द कर दिया. सुने पड़े बाबरचीखाने में घुसते ही सबसे पहली आवाज मैंने अपनी माँ की सुनी. पास वाले कमरे में अपनी ज़ारदार आवाज में वह कह रही थीं—“ता अब चाहते क्या हैं आप? मेरी जान लेंगे?”

अपनी ऊपरी पोशाक बदले बग़ैर ही मैं पिंजड़ों को पटक-पटकाकर दौड़ा हुआ बाहर के बरामदे में आया और नाना जी से टकरा गया. उन्होंने मेरी गर्दन दबाव ली और अपनी खूँखार सी आँखें मेरे चेहरे पर गाड़ दीं, और बड़ी मुश्किल से एक घूँट सा सटक कर भारी गले से बाले—

“तेरी माँ फिर आ गई है.....जा उसके पास..... ठैरा.....!” उन्होंने इतनी ज़ोर से मुझे झुकभोर डाला कि मैं मुश्किल से गिरते-गिरते बचा और भीतर के दरवाजे तक लुढ़कता चला गया. “चला जा.....! जा.....!”

मैं दरवाजे से जा टकराया, जिस पर ऊन और मोमजामा चढ़ा हुआ था, लेकिन खटका गिराने में मुझे काफी देर लग गई क्योंकि मेरा हाथ सर्दी से ठिठुरकर बिल्कुल सुन्न हो गया था और धबड़ाहट के मारे काँप रहा था. जब आख़िर में मैं धीरे से अन्दर घुसा तो बिल्कुल ख़ौफज़दा और अचभे से भरा हुआ देहलीज़ पर ही रुक गया.

“यह आ गया!” मेरी माँ बोल उठी, “परमात्मा, कितना बड़ा हो गया है यह! क्यों, मुझे पहचानता नहीं है?...यह कैसे कपड़े पहनाए है इसे माँ?...और देखो तो, इसके कान बिल्कुल सफ़ेद पड़े जा रहे हैं! बतख की बरबी तो लाखों माँ, ज़रा जल्दी से.”

कमरे के बीचोंबीच खड़ी वह मेरे ऊपर झुककर मेरी ऊपरी पोशाक उतारने लगी और मुझे इस तरह उलट पलट कर देखने लगी गोथा मैं कोई ग़व्व हूँ. उनके लम्बे चौड़े बदन पर एक गरम, मुलायम, खूबसूरत पोशाक थी, सर्दों के पूरे लबावे से बड़ी; और कंधे से लेकर कमर तक उस पर काले काले बदन तिरछी क्रतार में ढँके हुए थे. पहले कभी मैंने वैसी कोई पोशाक नहीं देखी थी.

उनका चेहरा पहले से छोटा लग रहा था और आँखें पहले से ज्यादा बड़ी और धँसी हुई थीं; पर उनके बालों का सुनहरापन और भी गहरा हो उठा था. मेरे कपड़े उतार-

मुझे यकीन नहीं आया. और अगर पादरी साहब ही हों तो वह किसी किराएदार के ही यहाँ आए होंगे.

“चल चल!” कोचबान ने घोड़ों को हाँका, और उनकी पीठ पर कोड़ा फटकते हुए मौज के साथ फिर सीटी बजाने लगा.

घोड़े मैदान को चीरते हुए दौड़ चले, और मैं खड़ा हुआ. उनकी तरफ ताकता रहा, फिर मैंने फाटक बन्द कर दिया. सुने पड़े बाबरचीखाने में घुसते ही सबसे पहली आवाज मैंने अपनी माँ की सुनी. पास वाले कमरे में अपनी ज़ारदार आवाज में वह कह रही थीं—“ता अब चाहते क्या हैं आप? मेरी जान लेंगे?”

अपनी ऊपरी पोशाक बदले बग़ैर ही मैं पिंजड़ों को पटक-पटकाकर दौड़ा हुआ बाहर के बरामदे में आया और नाना जी से टकरा गया. उन्होंने मेरी गर्दन दबाव ली और अपनी खूँखार सी आँखें मेरे चेहरे पर गाड़ दीं, और बड़ी मुश्किल से एक घूँट सा सटक कर भारी गले से बाले—

“तेरी माँ फिर आ गई है.....जा उसके पास..... ठैरा.....!” उन्होंने इतनी ज़ोर से मुझे झुकभोर डाला कि मैं मुश्किल से गिरते-गिरते बचा और भीतर के दरवाजे तक लुढ़कता चला गया. “चला जा.....! जा.....!”

मैं दरवाजे से जा टकराया, जिस पर ऊन और मोमजामा चढ़ा हुआ था, लेकिन खटका गिराने में मुझे काफी देर लग गई क्योंकि मेरा हाथ सर्दी से ठिठुरकर बिल्कुल सुन्न हो गया था और धबड़ाहट के मारे काँप रहा था. जब आख़िर में मैं धीरे से अन्दर घुसा तो बिल्कुल ख़ौफज़दा और अचभे से भरा हुआ देहलीज़ पर ही रुक गया.

“यह आ गया!” मेरी माँ बोल उठी, “परमात्मा, कितना बड़ा हो गया है यह! क्यों, मुझे पहचानता नहीं है?...यह कैसे कपड़े पहनाए है इसे माँ?...और देखो तो, इसके कान बिल्कुल सफ़ेद पड़े जा रहे हैं! बतख की बरबी तो लाखों माँ, ज़रा जल्दी से.”

कमरे के बीचोंबीच खड़ी वह मेरे ऊपर झुककर मेरी ऊपरी पोशाक उतारने लगी और मुझे इस तरह उलट पलट कर देखने लगी गोथा मैं कोई ग़व्व हूँ. उनके लम्बे चौड़े बदन पर एक गरम, मुलायम, खूबसूरत पोशाक थी, सर्दों के पूरे लबावे से बड़ी; और कंधे से लेकर कमर तक उस पर काले काले बदन तिरछी क्रतार में ढँके हुए थे. पहले कभी मैंने वैसी कोई पोशाक नहीं देखी थी.

उनका चेहरा पहले से छोटा लग रहा था और आँखें पहले से ज्यादा बड़ी और धँसी हुई थीं; पर उनके बालों का सुनहरापन और भी गहरा हो उठा था. मेरे कपड़े उतार-

## मेरी माँ

श्री गोर्की

एक रोज सनीचर के दिन बहुत सबेरे मैं पेत्रोवना के सन्धी के खेत में बलबल पकड़ने के लिये जा घुसा। वहाँ मैं बहुत देर तक रहा, क्योंकि वे इतनी तेज थीं कि मेरे जाल में फँसती ही नहीं थीं। उनकी खूबसूरती ने मुझे बुरी तरह से लुभा लिया था। चाँदी से चमकते जमे हुए बर्फ पर वह फुदकती फिरती, और बर्फ से ढकी हुई झाड़ियों की ढालों पर उड़कर जा बैठती थीं और बर्फ का दूधिया घुरादा सा चारों तरफ झड़ उठता था। यह सब मुझे इतना लुभावना लग रहा था कि मैं अपनी नाकामयाबी की परेशानी भूल गया। यों भी मैं शिकार के फन में उस्ताद नहीं था, क्योंकि दरअसल अपना शिकार पाने से ज्यादा मुझे उसके पीछे लगे फिरने में मजा आता था और सब से ज्यादा मजा चिड़ियों के तौर तरीके जानने और उनके बारे में सोचने समझने में मिलता था। बर्फ से ढके हुए एक खेत के किनारे अकेले बैठे बैठे, उस बर्फीले दिन के गहरे सन्नाटे में, चिड़ियों की चहचहाहट सुनने में मैं मस्त था कि किसी गाड़ी की बन्टियों की टुनटुनाहट मुझे दूर पर हलकी सी सुनाई दी, किसी पपीहे के दिलसाज गीत की तरह।

बर्फ पर बैठा बैठा मैं अकड़ सा गया था और मुझे लगा कि मेरे कान बर्फ के मारे जम से गये हैं। इसलिये जाल और पिंजड़ों को बटोरकर मैं दीवार पर चढ़ बाग़ाचे में कूद पड़ा और घर आ पहुँचा।

सड़क की तरफ का फाटक खुला पड़ा था और एक बहुत बड़ा, लम्बा चौड़ा आदमी मौज से सीटी बजाता, एक बड़ी सी बन्द गाड़ी में जुते हुए पसीने से तरबतर तीन घोड़ों की रास पकड़कर अहाते से बाहर लिये जा रहा था। मेरा दिल उछलने लगा।

“कैसे लेकर आए ये तुम ?”

उसने मेरी तरफ मुड़कर अपनी बाँहों के नीचे से मुझे देखा और कोचवान की गद्दी पर चढ़कर जवाब दिया—  
“पादरी साहब को।”

॥ बचपन में ही वालिद के इन्तकाल हो जाने के बाद गोर्की अपनी वालिद के साथ नाना नानी के पास रहने लगा था। उसके नाना रंगरेज थे और बड़े अच्छे मिजाज के थे। गोर्की की माँ कुछ दिन ही वहाँ रहकर कहीं बाहर चली गई और गोर्की अपनी प्यारी नानी के साथे में रहकर पलने लगा।

## मेरी माँ

शरी गोरकी

एक रोज सनीचर के दिन बहुत सबेरे मैं पेत्रोवना के सन्धी के खेत में बलबल पकड़ने के लिये जा घुसा। वहाँ मैं बहुत देर तक रहा, क्योंकि वे इतनी तेज थीं कि मेरे जाल में फँसती ही नहीं थीं। उनकी खूबसूरती ने मुझे बुरी तरह से लुभा लिया था। चाँदी से चमकते जमे हुए बर्फ पर वह फुदकती फिरती, और बर्फ से ढकी हुई झाड़ियों की ढालों पर उड़कर जा बैठती थीं और बर्फ का दूधिया घुरादा सा चारों तरफ झड़ उठता था। यह सब मुझे इतना लुभावना लग रहा था कि मैं अपनी नाकामयाबी की परेशानी भूल गया। यों भी मैं शिकार के फन में उस्ताद नहीं था, क्योंकि दरअसल अपना शिकार पाने से ज्यादा मुझे उसके पीछे लगे फिरने में मजा आता था और सब से ज्यादा मजा चिड़ियों के तौर तरीके जानने और उनके बारे में सोचने समझने में मिलता था। बर्फ से ढके हुए एक खेत के किनारे अकेले बैठे बैठे, उस बर्फीले दिन के गहरे सन्नाटे में, चिड़ियों की चहचहाहट सुनने में मैं मस्त था कि किसी गाड़ी की बन्टियों की टुनटुनाहट मुझे दूर पर हलकी सी सुनाई दी, किसी पपीहे के दिलसाज गीत की तरह।

बर्फ पर बैठे बैठे मैं अकड़ सा गया था और मुझे लगा कि मेरे कान बर्फ के मारे जम से गये हैं। इसलिये जाल और पिंजड़ों को बटोरकर मैं दीवार पर चढ़ बाग़ाचे में कूद पड़ा और घर आ पहुँचा।

सड़क की तरफ का फाटक खुला पड़ा था और एक बहुत बड़ा, लम्बा चौड़ा आदमी मौज से सीटी बजाता, एक बड़ी सी बन्द गाड़ी में जुते हुए पसीने से तरबतर तीन घोड़ों की रास पकड़कर अहाते से बाहर लिये जा रहा था। मेरा दिल उछलने लगा।

“कैसे लेकर आते थे तुम ?”

उसने मेरी तरफ मुड़कर अपनी बाँहों के नीचे से मुझे देखा और कोचवान की गद्दी पर चढ़कर जवाब दिया—  
“पादरी साहब को।”

॥ बचपन में ही वालिद के इन्तकाल हो जाने के बाद गोर्की अपनी वालिद के साथ नाना नानी के पास रहने लगा था। उसके नाना रंगरेज थे और बड़े अच्छे मिजाज के थे। गोर्की की माँ कुछ दिन ही वहाँ रहकर कहीं बाहर चली गई और गोर्की अपनी प्यारी नानी के साथे में रहकर पलने लगा।

के तौर पर इंगलैन्ड में जौ ऐडवर्ड छटे के नाम पर हुकूमत करता था उसने हुकूम दे दिया कि तमाम अंग्रेजी कौम प्रोटेस्टेंट मजहब को माने और सारा इंगलिस्तान प्रोटेस्टेंट हो गया। इसके बाद मल्का मेरी तख्त पर बैठी और गोया किसी ने जादू कर दिया। फौरन तमाम इंगलिस्तान के लोग फिर से रोमन कैथोलिक हो गये। मल्का मरी और पहिया फिर घूम गया। सारा इंगलिस्तान अब ऐंगेलोकन मजहब का मानने वाला हो गया। आजकल हम इस बात के सुनने के बहुत आदी हो गये हैं कि राज्य या बादशाह रिआया के मजहब में कोई दखल नहीं देता, लेकिन हिटलर और उसके वारिस आजकल भी दुनिया को इस तरह की आजादी देने को तैयार नहीं हैं। सोलहवीं और सत्तरहवीं सदी में दुनिया के हर मुल्क के अन्दर राज को इससे गहरा तात्त्विक होता था कि रिआया किस मजहब को मानती है, लेकिन हिन्दुस्तान में मुगल बादशाहों ने अपनी रिआया के मजहबी विश्वास में दखल नहीं दिया और इस मामले में रिआया को आजाद छोड़ दिया या और इस बात में मुगल बादशाह अपने जमाने के लिहाज से अपनी एक अलग मिसाल थे। सोलहवीं सदी ईसवी में एक दूसरे के बाद इंगलैन्ड के कई बादशाहों ने एक्ट्स आफ सुपरीमेसी और एक्ट्स आफ यूनिफारमिटी नाम के कानून पास करके जबरदस्ती यह हुकूम दे दिया कि इंगलैन्ड के लाखों रोमन कैथोलिक अपने मजहब को छोड़कर अपने गिरजों में बादशाह के मजहब यानी प्रोटेस्टेंट मजहब की लिखी हुई दुआएँ भी पढ़ा करें और हर मजहबी बात में सब से बड़े पुरोहित पोप के बजाय प्रोटेस्टेंट बादशाही हुकूम मानें। इस शाही फरमान के न मानने पर हजारों रोमन कैथोलिक पादरियों को कड़ी सजाएँ दी गईं। इस तरह सन 1562 ईसवी में इंगलैन्ड में राज की तरफ से उन्तालीस मजहबी उसूलों की एक फेहरिस्त कानून की शकल में पास कर दी गई और उनमें से हर उसूल का मानना मुल्क के हर एक आदमी का कानूनी फर्ज बना दिया गया। यह बात भी याद रखनी चाहिये कि उस वक्त तक इंगलैन्ड के मुखतलिफ जिलों में पचास फीसदी से लेकर नब्बे फीसदी तक आबादी रोमन कैथोलिक थी। इन सब को जबरदस्ती अपना मजहब छोड़कर उस वक्त के बादशाह का मजहब मानना पड़ा। मुगल बादशाहों ने कभी इस तरह के कोई कानून जारी नहीं किये। और अपनी रिआया की बहुत बड़ी तादाद को, जो गैर मुसलिम थी, मजहब के मामले में पूरी तरह आजाद रखा। मुसलमानों के लिये भी किसी मुगल बादशाह ने या तो इससाम छोड़कर दूसरा मजहब अख्तियार करने वालों को कभी कोई सजा दे दी या उबादा से उबादा यह हुकूम दे दिया कि आम रहन सहन में मुसलमान एक खास ऊपरी तरीके की पाबन्दी करें, मसलन यह कि लोग शराब न पय बरौरा।

के तौर पर अंग्लिकन मजहब में जो अतिरिक्त चर्च के नाम पर हुकूमत करता था उसने हुकूम दे दिया कि तमाम अंग्रेजी कौम प्रोटेस्टेंट मजहब को माने और सारा इंगलिस्तान प्रोटेस्टेंट हो गया। इसके बाद मल्का मेरी तख्त पर बैठी और गोया किसी ने जादू कर दिया। फौरन तमाम इंगलिस्तान के लोग फिर से रोमन कैथोलिक हो गये। मल्का मरी और पहिया फिर घूम गया। सारा इंगलिस्तान अब ऐंगेलोकन मजहब का मानने वाला हो गया। आजकल हम इस बात के सुनने के बहुत आदी हो गये हैं कि राज्य या बादशाह रिआया के मजहब में कोई दखल नहीं देता, लेकिन हिटलर और उसके वारिस आजकल भी दुनिया को इस तरह की आजादी देने को तैयार नहीं हैं। सोलहवीं और सत्तरहवीं सदी में दुनिया के हर मुल्क के अन्दर राज को इससे गहरा तात्त्विक होता था कि रिआया किस मजहब को मानती है, लेकिन हिन्दुस्तान में मुगल बादशाहों ने अपनी रिआया के मजहबी विश्वास में दखल नहीं दिया और इस मामले में रिआया को आजाद छोड़ दिया या और इस बात में मुगल बादशाह अपने जमाने के लिहाज से अपनी एक अलग मिसाल थे। सोलहवीं सदी ईसवी में एक दूसरे के बाद इंगलैन्ड के कई बादशाहों ने एक्ट्स आफ सुपरीमेसी और एक्ट्स आफ यूनिफारमिटी नाम के कानून पास करके जबरदस्ती यह हुकूम दे दिया कि इंगलैन्ड के लाखों रोमन कैथोलिक अपने मजहब को छोड़कर अपने गिरजों में बादशाह के मजहब यानी प्रोटेस्टेंट मजहब की लिखी हुई दुआएँ भी पढ़ा करें और हर मजहबी बात में सब से बड़े पुरोहित पोप के बजाय प्रोटेस्टेंट बादशाही हुकूम मानें। इस शाही फरमान के न मानने पर हजारों रोमन कैथोलिक पादरियों को कड़ी सजाएँ दी गईं। इस तरह सन 1562 ईसवी में इंगलैन्ड में राज की तरफ से उन्तालीस मजहबी उसूलों की एक फेहरिस्त कानून की शकल में पास कर दी गई और उनमें से हर उसूल का मानना मुल्क के हर एक आदमी का कानूनी फर्ज बना दिया गया। यह बात भी याद रखनी चाहिये कि उस वक्त तक इंगलैन्ड के मुखतलिफ जिलों में पचास फीसदी से लेकर नब्बे फीसदी तक आबादी रोमन कैथोलिक थी। इन सब को जबरदस्ती अपना मजहब छोड़कर उस वक्त के बादशाह का मजहब मानना पड़ा। मुगल बादशाहों ने कभी इस तरह के कोई कानून जारी नहीं किये। और अपनी रिआया की बहुत बड़ी तादाद को, जो गैर मुसलिम थी, मजहब के मामले में पूरी तरह आजाद रखा। मुसलमानों के लिये भी किसी मुगल बादशाह ने या तो इससाम छोड़कर दूसरा मजहब अख्तियार करने वालों को कभी कोई सजा दे दी या उबादा से उबादा यह हुकूम दे दिया कि आम रहन सहन में मुसलमान एक खास ऊपरी तरीके की पाबन्दी करें, मसलन यह कि लोग शराब न पय बरौरा।

کو ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ اس وقت وہ خود دلہا پر مہن سب سے بڑا حاکم تھا۔ اپنے کو خلیفہ کا نائب ماننے سے کچھ دنوں تک یہاں کے بادشاہوں کا کام ضرور چل گیا لیکن اس سے اس بات کا کوئی قاعدہ نہ بن پایا کہ ایک بادشاہ کے بعد تخت کا حقدار کون اور کیسے ہو۔ اس بارے میں نہ کوئی قانون تھا اور نہ بڑے بادشاہوں کے عمل سے کوئی مدد مل سکتی تھی۔ قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ قریب درپرب بادشاہوں کے مرنے کے وقت تخت کے لئے خاصی گرما گرمی اور بھاگ دوڑ دکھائی دیتی ہے۔ جس وقت باہر موت نے بستر پر پڑا ہوا تھا اس کا وزیراعظم اس فکر اور سارہن میں لگا ہوا تھا کہ ہماری کو کسی طرح تخت سے الگ کیا جائے۔ ہماری کی موت اتنی اچانک ہوئی اور ہندوستان میں مغلوں کی حالت اس وقت اتنی نازک تھی کہ اس وقت تخت کے لئے زیادہ جھگڑا نہ ہو پایا۔ اگر کی موت کے بعد جہانگیر تخت پر بیٹھا لیکن جہانگیر کے سب سے بڑے بیٹے خسرو نے اپنے باپ کے اس حق کے خلاف ہاتھ پور مارے۔ جہانگیر کی حکومت کے آخری دنوں میں تخت کے لئے طرح طرح کی بدی سازشیں ہوئیں۔ جہانگیر کے مرنے کے وقت شاہ جہاں داں میں تھا اس لئے شاہ جہاں کے لئے تخت کو ہار رکھنے کی بات سے بدقسمت ہلائی کو چلا گیا۔ شاہ جہاں کے پہنچنے سے ابھی مار ڈالا گیا اور تخت کے دوسرے دعویداروں کے خون میں سے اپنا راستہ بنا کر شاہ جہاں کے تخت پر بیٹھا۔ اورنگزیب نے شاہ جہاں سے بدلہ چکایا۔ اس نے شاہ جہاں کو قید کر کے شاہ جہاں کی زندگی میں شاہ جہاں کے نام پر نہیں بلکہ خود اپنے نام پر بادشاہت کرنی شروع کی۔ اس سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے کے بارے میں مسلمانوں میں جو عام دھال تھا اسی سے ملتا جلتا مغلوں کا عمل تھا۔ یہ بات نہیں ہی کہ ایک بادشاہ کے بعد دوسرے کو گدی ملنے کا کوئی مانا ہوا قانون یا رواج رہا ہو اور کسی نے زبردستی بغاوت کر کے تہرا ہو بلکہ جو نتیجہ ہوتا تھا وہ ایک معمولی چیز تھی اور اس لئے ہوتا تھا کہ اس معاملے میں کوئی خاص قانون پہلے سے نہیں تھا۔

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ مغل بادشاہوں نے رعایا کو اپنی مرضی کے مطابق آزاد زندگی بسر کرنے کی ہمت بڑی آزادی دے رکھی تھی۔ اس میں بادشاہ کوئی دخل نہ دیتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں وہ بادشاہ بھی جو بالکل خود مختار تھے اور وہ بھی جن کے یہاں پارلیمنٹ بنی ہوئی تھی، دونوں اپنی اپنی رعایا کو صاف صاف یہ حکم دیتے تھے کہ رعایا اس خاص قسم کے مذہبی عقودوں (وشواہوں) کو مانے اور اس کے خلاف کسی دوسرے عقودوں کو نہ مانے۔ مثال

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ مغل بادشاہوں نے رعایا کو اپنی مرضی کے مطابق آزاد زندگی بسر کرنے کی ہمت بڑی آزادی دے رکھی تھی۔ اس میں بادشاہ کوئی دخل نہ دیتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں وہ بادشاہ بھی جو بالکل خود مختار تھے اور وہ بھی جن کے یہاں پارلیمنٹ بنی ہوئی تھی، دونوں اپنی اپنی رعایا کو صاف صاف یہ حکم دیتے تھے کہ رعایا اس خاص قسم کے مذہبی عقودوں (وشواہوں) کو مانے اور اس کے خلاف کسی دوسرے عقودوں کو نہ مانے۔ مثال



ہندوستان سے کام کر رہا ہے، لیکن اسلام سے کچھ بھی نہیں کر رہا ہے۔ اس کا وہ خود فیصلہ کرتا تھا۔ مغل بادشاہوں میں ایک ایسی شخصیت تھی جس میں اسلام کے تئیں اور ہندوؤں کے تئیں ایک ہی رویہ تھا۔ اس نے ہندوؤں کو اپنی مملکت کے لیے ایک بہت بڑا میدان چھوڑ دیا تھا۔

لیکن اس بارے میں ایک بات یاد رکھنی چاہیے۔ وہی باتوں میں مغل بادشاہ کے اختیار پر بھی اثر تھا۔ اگر کوئی بادشاہ ان حدود سے بڑھ جائے گا تو اس کا فیصلہ کر لیتا تھا تو اس کے طور طریقوں میں پارلیمنٹ یا اسمبلی یا کونسل جیسی کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جو بادشاہ کو ایسا کرنے سے روک سکے۔ بادشاہ کی کسی پالیسی کے ساتھ اس کی ناراضگی ظاہر کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ وہ طریقہ ان دنوں ہمیشہ ٹھوک طریقہ مانا جاتا تھا۔ مغل اس زمانے میں انگریزوں کے بادشاہ کے خلاف اس طرح کی بغاوت ایک مذہبی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں یہ بات نہیں تھی۔ اس کے علاوہ شروع شروع کے مسلمانوں میں بادشاہ کے بارے میں کوئی ایسا قاعدہ نہیں تھا کہ کسی بادشاہ کے بعد کسی اور کو ملے۔ شروع کے مسلمان بادشاہوں نے اپنے عمل میں بھی اس طرح کا کوئی قاعدہ نہیں مانا۔ یہ صحیح ہے کہ شیعوں نے اس طرح کا دعویٰ کیا تھا اور اسی وجہ سے شیعوں اور سنیوں میں فرق پڑ گیا۔ صدر میں خلیفہ ہی مسلمانوں کا حاکم ہوتا تھا۔ خلیفہ کو مسلمان اپنے میں سے چنتے تھے۔ شیعوں کو چہرے کو قرآن یا حدیث میں کسی نے بھی بیٹھے کو باپ کی گدی پر بیٹھنے کے حق یا اصول کو نہیں مانا۔ یہاں تک کہ بادشاہت کے زمانے میں مسلمانوں میں کوئی خاص قانون ایک کے بعد دوسرے کے گدی پر بیٹھنے کا نہیں تھا۔ اسلام کے مطابق کسی انسان کا ذاتی حق اسلام نہیں مانا۔ اسلام کے مطابق بادشاہت کسی کی ذاتی ملکوت نہیں ہوتی اور نہ کسی کی ہوتی ہو سکتی ہے۔ قدرتی طور پر تعزیت کا کون حقدار ہے اور کون نہیں؟ اس پر نہ کسی قانون کی ضرورت تھی اور نہ کوئی قانون مانا جاسکتا تھا۔ ہندوستان میں شروع کے مسلمان بادشاہوں نے اس مشکل کام کو اس طرح حل کیا کہ انہوں نے کم سے کم کہنے کے لئے اپنے کو خودمختار بادشاہ نہیں مانا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے کسی ذاتی حق سے بادشاہت نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس دوسرے بیٹھے ہوئے مسلم بادشاہ کے مقرر کردہ افسر یا نائب کی حیثیت سے کم کر رہے ہیں جو اپنے کو خلیفہ کہتا ہے۔ باہر اور اس کے بعد کے بادشاہوں نے اس لئے اس پرانی فریضہ رسم

حیثیت سے کم کر رہا ہے، لیکن اسلام اس سے کہا چاہتا ہے اس کا وہ خود فیصلہ کرتا تھا۔ مغل بادشاہوں میں ایک ایسی شخصیت تھی جس میں اسلام کے تئیں اور ہندوؤں کے تئیں ایک ہی رویہ تھا۔ اس نے ہندوؤں کو اپنی مملکت کے لیے ایک بہت بڑا میدان چھوڑ دیا تھا۔

لیکن اس بارے میں ایک بات یاد رکھنی چاہیے۔ وہی باتوں میں مغل بادشاہ کے اختیار پر بھی اثر تھا۔ اگر کوئی بادشاہ ان حدود سے بڑھ جائے گا تو اس کا فیصلہ کر لیتا تھا تو اس کے طور طریقوں میں پارلیمنٹ یا اسمبلی یا کونسل جیسی کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جو بادشاہ کو ایسا کرنے سے روک سکے۔ بادشاہ کی کسی پالیسی کے ساتھ اس کی ناراضگی ظاہر کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ وہ طریقہ ان دنوں ہمیشہ ٹھوک طریقہ مانا جاتا تھا۔ مغل اس زمانے میں انگریزوں کے بادشاہ کے خلاف اس طرح کی بغاوت ایک مذہبی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں یہ بات نہیں تھی۔ اس کے علاوہ شروع شروع کے مسلمانوں میں بادشاہ کے بارے میں کوئی ایسا قاعدہ نہیں تھا کہ کسی بادشاہ کے بعد کسی اور کو ملے۔ شروع کے مسلمان بادشاہوں نے اپنے عمل میں بھی اس طرح کا کوئی قاعدہ نہیں مانا۔ یہ صحیح ہے کہ شیعوں نے اس طرح کا دعویٰ کیا تھا اور اسی وجہ سے شیعوں اور سنیوں میں فرق پڑ گیا۔ صدر میں خلیفہ ہی مسلمانوں کا حاکم ہوتا تھا۔ خلیفہ کو مسلمان اپنے میں سے چنتے تھے۔ شیعوں کو چہرے کو قرآن یا حدیث میں کسی نے بھی بیٹھے کو باپ کی گدی پر بیٹھنے کے حق یا اصول کو نہیں مانا۔ یہاں تک کہ بادشاہت کے زمانے میں مسلمانوں میں کوئی خاص قانون ایک کے بعد دوسرے کے گدی پر بیٹھنے کا نہیں تھا۔ اسلام کے مطابق کسی انسان کا ذاتی حق اسلام نہیں مانا۔ اسلام کے مطابق بادشاہت کسی کی ذاتی ملکوت نہیں ہوتی اور نہ کسی کی ہوتی ہو سکتی ہے۔ قدرتی طور پر تعزیت کا کون حقدار ہے اور کون نہیں؟ اس پر نہ کسی قانون کی ضرورت تھی اور نہ کوئی قانون مانا جاسکتا تھا۔ ہندوستان میں شروع کے مسلمان بادشاہوں نے اس مشکل کام کو اس طرح حل کیا کہ انہوں نے کم سے کم کہنے کے لئے اپنے کو خودمختار بادشاہ نہیں مانا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے کسی ذاتی حق سے بادشاہت نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس دوسرے بیٹھے ہوئے مسلم بادشاہ کے مقرر کردہ افسر یا نائب کی حیثیت سے کم کر رہے ہیں جو اپنے کو خلیفہ کہتا ہے۔ باہر اور اس کے بعد کے بادشاہوں نے اس لئے اس پرانی فریضہ رسم

باتیں مہیں میل بادشاہ اسلام کے ایجنٹوں کی طرح بھی کام کرتے تھے۔ یہاں ایک اصول کی بات ہے۔ میل بادشاہ اور سب سے زیادہ اور کمزور اسلام کے ایجنٹ سے زیادہ اور کچھ نہ تھے۔ اندر اس بات کے کہلے میں فخر کرتا تھا کہ میری فتوحات سے اسلام کے اصول دور دور تک پھیلے ہیں اور اسلام کے پیغمبر کا حکم اُن ملعوں تک پہنچتا ہے جہاں پہلے کبھی پیغمبر کا نام ہی نہیں سنا گیا تھا۔

جہانگیر اور شاہجہاں دونوں اپنے کو سچے دین کے  
بشک منانے تھے اور دین کے حائز حق کا خیال رکھتے تھے۔  
اورنگزیب کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ نہ صرف  
مسلمانوں بلکہ کم سے کم باہر کے رہن سہن میں غیر مسلمانوں  
میں بھی مسلم رہن سہن کو بڑھایا جائے۔ ستم ہی اورنگزیب  
کو بھی اس معاملے میں عیسائیوں کے ساتھ یہ رعایت کرنی  
پڑی تھی۔ انہیں شراب پینے کی اجازت دے گئی تھی جب  
کہ باقی تمام رعایا کے لئے شراب پینا قانوناً منع تھا۔ لیکن  
اسلامی حکومت کے وہ اصول جو خاص کر قرآن پر نہیں بلکہ  
بعد کے مسلم بادشاہوں کے رواجوں اور اہل ان کے غیر مسلم  
بادشاہوں کی رعایتوں پر ڈھال لئے گئے تھے آسانی سے ہندوستان  
میں نہ چل سکتے تھے۔ ایک سوال یہ تھا کہ ہندوستان دارالاسلام  
ہے، یا دارالکفر۔ دارالاسلام کے معاملے میں مسلمانوں کا گور اور  
دارالکفر کے معاملے میں مسلمانوں کے حملے کی جگہ۔ اس  
طرح کے سوڈے سادے معاملے میں بھی اورنگزیب جیسے بادشاہ  
کے لئے بھی ان مسلم رواجوں کو جو ہندوستان کے باہر چلتے تھے  
ہندوستان میں جاری کرنا ناممکن تھا۔ اس سے پہلے کے ہندوستان  
کے مسلم بادشاہوں نے کبھی کبھی مسلم شرع یا مسلم رواج کے  
خلاف عمل کرنے کی بھی ہمت نہ کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ  
اسلام کے ہندوستان آئے کے شروع کے دنوں میں ہی یہ بات  
سمجھ لی گئی تھی کہ تمام ہندوستان کو اسلام کا اپنا ناممکن  
ہے۔ یہ معاملہ یہیں پر رہ گیا اور اس کی بجائے ہندوستان  
کے اندر اسلامی قانون اور اسلامی رواج میں کافی تبدیلیاں کرنی  
پڑیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اصول بالکل ختم ہو  
گیا کہ ہندوستان میں یہاں کے مسلمان بادشاہ مذہب اسلام کے  
متبع اپجائت بن کر حکومت کریں۔

اب ہم پر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ منہلوں کی حکومت کا قہقہہ کیا تھا۔ منہلوں کی حکومت یعنی شخصی حکومت یعنی ایک آدمی کی حکومت تو نہیں ہی لیکن وہ ایک حد کے اندر ہی شخصی حکومت تھی۔ بادشاہ عام طور پر بہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں اسلام کے ایک ایوان کی

لیا تھا۔ سدھولسدر راج کا خاص حالیم ہوتا تھا۔ شاہد مغلک ہر میں سے زیادہ جاننے والا سمجھا جاتا تھا اور مغلک ہی کے لیے یہ حق صدر کو دے رکھا تھا۔ صرف اکبر نے یہ حق اپنے ہاتھ میں لیا تھا کہ جب کہیں عام لوگ اس رائے نہ ملتی تھی تو بادشاہ عادل کی حیثیت سے خود ان میں سے جس رائے کو ٹھیک سمجھتے اسی پر عمل کرتے۔ لیکن اس اعلان پر بھی اکبر اس وقت تک عمل نہ کر سکا جب تک اس نے اپنے پرانے صدر الصد کو نکال کر اس کی جگہ دوسرا صدر مقرر نہ کر لیا۔ عبداللہی کو نکال کر اس کی جگہ صدر جہاں کو مقرر کیا گیا۔ علمائوں کے فتوے کا اعلان بھی تب تک نہیں ہو سکا جب تک کہ صدر الصد نے خاص کر دستخط نہیں کر دیا۔ یہ ایک عجیب صورت تھی۔ صدر الصد جب تک صدر الصد رہتا تھا تب تک صرف اسے ہی یہ حق اعلان کرنے کا تھا کہ شرع کا حکم کیا ہے۔ لیکن بادشاہ صدر کو مقرر اور برخاست کر سکتا تھا۔ وہ بادشاہ کے ماتحت نہ تھا بلکہ بادشاہ اسے نکال سکتا تھا۔ اورنگزیب کے ماتحت اور بادشاہ کی بہت اچھی مثال دیکھنے کو ملی۔ صدر الصد نے شاہجہاں کے زندہ رہتے ہوئے اورنگزیب کو بادشاہ قرار دینے سے انکار کر دیا۔ اورنگزیب کو اسے برخاست کر کے دوسرا صدر مقرر کرنا پڑا۔ اس دوسرے صدر نے پہلے ہی سے یہ رائے ظاہر کر دی تھی کہ چونکہ شاہجہاں قید میں ہوئے کی وجہ سے کم کرنے کے قابل نہیں اس لئے اس کے زندہ رہتے ہوئے بھی اورنگزیب کے نام کا خطبہ پڑھا جا سکتا ہے۔ اس طرح مغل بادشاہوں کے لئے اپنے کسی کام کو ٹھیک ثابت کرنے کے لئے یہ لڑائی نہ وہ کوئی نہ کوئی ایسا عالم دعوت دہیں جو صدر الصد بن کر بادشاہ کے کام کو جائز قرار دے سکے۔ اورنگزیب کے زمانے میں ایک اور طرح سے یہ چمک گیا کہ شرع کے معاملے میں بادشاہ کس طرح دوسرے کے ماتحت تھا۔ کچھ انسر اس کام کے لئے مقرر تھے کچھ تھے جو رعایا کو اجازت دیتے تھے کہ وہ اگر بادشاہ کے خلاف کوئی نالہ کرنا چاہیں تو کر سکیں۔ یہ انسر وقت شروع کہلاتے تھے۔ یہ مقدمے بادشاہ کے خلاف اس طرح کے ذاتی معاملوں میں دائر تھے جاسکتے تھے جس طرح کہ انگریزی قانون میں پریذیڈنٹ آف رائٹ کے ماتحت دائر کیا جاتا تھا۔ اورنگزیب ہی حکومت کی پالیسی سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ کوئی اس کے مطابق ملک کے راج گاہ میں داخل دے سکتا تھا۔

مغل سلطنت مذہبی سلطنت تو نہیں تھی۔ لیکن کئی

مغل سلطنت مذہبی سلطنت تو نہیں تھی، لیکن کئی

جان بھڑا دینے کے بجائے اسے کراچی کے پاس دھکم کے لیے بھج دیا۔ اورنگزب کا جمانا مسلمانوں کے پورے خاں کا جمانا تھا اور اورنگزب خوری سے مسلمانوں کے کسے کے آگے سر کھکا دیتا تھا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ منہل راج مذہبی راج تھا۔ منہل راج سے پہلے کے پہلے شروع زمانے کے مسام بادشہوں کا عمل چاہے کبسا ہی رہا ہو مغلوں کی حکومت اسلامی یا مذہبی نہیں کہی جا سکتی۔ مذہبی حکومت کا مطلب یہ ہے کہ حکومت یعنی سرکار پروہتوں، پادریوں یا ملاؤں کے ماتحت ہو۔ اسلام نے عیسائی چرچ کی طرح کبھی مسلم ملاؤں کا اجتماع نہیں کھڑا کیا۔ اسلام میں کبھی بھی کوئی خاص پروہت یعنی مذہبی رسمیں ادا کرنے والی کوئی خاص جماعت نہیں رہی۔ مذہبی طور پر اسلام میں کبھی بھی کوئی خاص چھوٹے بڑے پروہت یا پادری نہیں ہوئے۔ اس لئے مضمون میں مذہبی حکومت مسام راج میں ہو ہی نہیں سکتی تھی جب کہ کسی کو کسی وقت بھی شرع کا ایک ایسا مطلب بتا دینے کا حق نہیں تھا جس میں غلطی نہ ہو سکے۔ مسلمانوں میں خلیفہ ہوئے ہوں۔ کبھی کبھی ایک ساتھ ایک سے زیادہ بھی خلیفہ ہوئے ہوں۔ لیکن خلیفہ ان مغلوں میں مسلمانوں کا روحانی حاکم نہیں ہوتا تھا جن مغلوں میں ابھی تک پوپا کھیتولک عیسائیوں کا روحانی حاکم ہے۔ جس طرح پوپ کو عیسائی دھرم کے معاملوں میں اس طرح کے حکم جاری کرنے کا حق ہے جن کا ماننا ہر عیسائی کا فرض ہے اس طرح خلیفہ کو بھی عام مسلمانوں کے لئے حکم جاری کرنے کا حق حاصل نہیں ہوا۔ اسلام ابھی تک مذہبی معاملوں میں صرف ایک ہی چیز کو سند مانتا ہے اور وہ ہے رسول کی حدیثوں اور صحابہ کی زندگی کے واقعوں کی روشنی میں قرآن کا حکم۔ اس میں صرف ایک تبدیلی مان لی گئی تھی۔ وہ یہ کہ تمام مسلم دنیا مل کر جس چیز کو جائز کہہ دے وہ جائز ہے۔

جب کہ سب جگہ اسلام کی صورت یہ تھی تو ہندوستان میں اور خاص کر منہل ہندوستان میں تو یہ اور بھی زیادہ ضروری تھی۔ اس ملک میں ہندوستان کی آبادی کے ایک بہت بڑے حصے کے ساتھ اسلام کو شرع سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جس ملک میں آبادی کے اتنے بڑے حصے کو بڑے بڑے معاملوں میں ان کے اپنے قانون کے ماتحت چھوڑ دیا گیا تھا وہاں اسلام کی کوئی مذہبی حکومت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس معاملے میں اورنگزب نے بھی کوئی تبدیلی کرنے کی کوشش نہیں کی۔

لیکن ایک بات ایسی تھی کہ جس میں منہل راج نے ایک مذہبی راہ کے اختیار کو بہت درجہ تک مان

جان بھڑا دینے کے بجائے اسے قافی کے پاس حکم کے لئے بھیج دیا۔ اورنگزب کا زمانہ مسلمانوں کے پورے زور کا زمانہ تھا اور اورنگزب خوشی سے مسلمانوں کے فیصلے کے آگے سر کھکا دیتا تھا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ منہل راج مذہبی راج تھا۔ منہل راج سے پہلے کے پہلے شروع زمانے کے مسام بادشہوں کا عمل چاہے کبسا ہی رہا ہو مغلوں کی حکومت اسلامی یا مذہبی نہیں کہی جا سکتی۔ مذہبی حکومت کا مطلب یہ ہے کہ حکومت یعنی سرکار پروہتوں، پادریوں یا ملاؤں کے ماتحت ہو۔ اسلام نے عیسائی چرچ کی طرح کبھی مسلم ملاؤں کا اجتماع نہیں کھڑا کیا۔ اسلام میں کبھی بھی کوئی خاص پروہت یعنی مذہبی رسمیں ادا کرنے والی کوئی خاص جماعت نہیں رہی۔ مذہبی طور پر اسلام میں کبھی بھی کوئی خاص چھوٹے بڑے پروہت یا پادری نہیں ہوئے۔ اس لئے مضمون میں مذہبی حکومت مسام راج میں ہو ہی نہیں سکتی تھی جب کہ کسی کو کسی وقت بھی شرع کا ایک ایسا مطلب بتا دینے کا حق نہیں تھا جس میں غلطی نہ ہو سکے۔ مسلمانوں میں خلیفہ ہوئے ہوں۔ کبھی کبھی ایک ساتھ ایک سے زیادہ بھی خلیفہ ہوئے ہوں۔ لیکن خلیفہ ان مغلوں میں مسلمانوں کا روحانی حاکم نہیں ہوتا تھا جن مغلوں میں ابھی تک پوپا کھیتولک عیسائیوں کا روحانی حاکم ہے۔ جس طرح پوپ کو عیسائی دھرم کے معاملوں میں اس طرح کے حکم جاری کرنے کا حق ہے جن کا ماننا ہر عیسائی کا فرض ہے اس طرح خلیفہ کو بھی عام مسلمانوں کے لئے حکم جاری کرنے کا حق حاصل نہیں ہوا۔ اسلام ابھی تک مذہبی معاملوں میں صرف ایک ہی چیز کو سند مانتا ہے اور وہ ہے رسول کی حدیثوں اور صحابہ کی زندگی کے واقعوں کی روشنی میں قرآن کا حکم۔ اس میں صرف ایک تبدیلی مان لی گئی تھی۔ وہ یہ کہ تمام مسلم دنیا مل کر جس چیز کو جائز کہہ دے وہ جائز ہے۔

جب کہ سب جگہ اسلام کی صورت یہ تھی تو ہندوستان میں اور خاص کر منہل ہندوستان میں تو یہ اور بھی زیادہ ضروری تھی۔ اس ملک میں ہندوستان کی آبادی کے ایک بہت بڑے حصے کے ساتھ اسلام کو شرع سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جس ملک میں آبادی کے اتنے بڑے حصے کو بڑے بڑے معاملوں میں ان کے اپنے قانون کے ماتحت چھوڑ دیا گیا تھا وہاں اسلام کی کوئی مذہبی حکومت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس معاملے میں اورنگزب نے بھی کوئی تبدیلی کرنے کی کوشش نہیں کی۔

لیکن ایک بات ایسی تھی کہ جس میں منہل راج نے ایک مذہبی راہ کے اختیار کو بہت درجہ تک مان

کیا جاتا تھا کہ جو مسلمان مذہبی جرم کرے گا یعنی اپنے کسی مذہبی فرض کو پورا نہیں کرے گا اُس پر خاص حالتوں میں شرع کے مطابق مقدمہ نہیں چلایا جائیگا۔ اتنا پڑتا ہے کہ مثل بادشاہوں نے اِس معاملے میں لوگوں کو کافی رعایت دے دی تھی۔ بعض لوگ سمجھتے ہوں کہ اِس کی پہل انہوں نے کی تھی لیکن یہ غلط ہے۔ انہوں نے پہلے علاؤالدین اور محمد تغلق اِس طرح کا آزاد تختہ اختیار کر چکے تھے۔ انہوں نے خود اپنے سلطان عادل یا امام عادل ہونے کا جو فرمان علمائوں کو جمع کر کے اُن سے جاری کرایا تھا جس کے مطابق علمائوں کی ایک دوسرے کے خلاف دو رائیوں میں کسی ایک کو ٹھیک اعلان کر دینے کا انہوں کو حق مل گیا تھا، جیسے یورپ والے غلطی سے "انگائے بلایتی ڈگری" یعنی "بادشاہ کی معصومیت کا فرمان" کہتے ہوں، وہ ہی اصل میں مسلم شرع کو بدلنے والی چیز نہیں تھی بلکہ ایک بڑے درجے تک مسلمانوں کو تسلی دینے والی چیز تھی۔ علاؤ الدین نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ "میں شرع کا قانون نہیں بناتا اور اِس لئے جو میرا دل کہتا ہے وہی کرتا ہوں۔" اِس کے خلاف انہوں نے یہی کہنا تھا کہ "میں شرع کو بدلتا ہوں۔ صرف شرع کے جائزہ والے مختلف عالموں کی دو الگ الگ رائے ایک دوسرے کے خلاف موجود ہوں ان میں سے میں کسی ایک رائے کو چن لیتا ہوں۔" اِس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاں تک اصول کی بات ہے انہوں نے یہی شرع کو بدلنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ عدل میں اُس نے شرع کے کچھ حکموں کی پروا نہیں کی اور اُس کا عمل کسی بات میں شرع کے خلاف رہا۔

اورنگزیب نے شرع کے بدلنے کے اِس حق سے بالکل ہی غافل رہا۔ بار بار دیکھتے ہیں اُن کے کہ اورنگزیب نہ صرف دیوانی اور فرجداروں کے معاملے میں ہی شرع کے عالموں کی رائے لیتا تھا بلکہ سرکاری نوکری کے معاملے، تجارت اور ہدیہ کے فائدے قانون بنانے میں بھی وہ اندر شرع کا حکم دیکھتا تھا۔ احمد آباد میں کچھ لوگوں نے نار ہوانے کا کام اپنے ہی ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ اورنگزیب نے عالموں سے صلاح کو اِس اجازت کو توڑ دیا اور سب کو نار ہوانے اور بیچنے کی اجازت دے دی۔ ایک مرتبہ اورنگزیب نے غلہ وغیرہ کا نرخ باندھ دیا چاہا لیکن جیسے ہی اُسے معلوم ہوا کہ ایسا شرع کے خلاف ہے اُس نے اپنی کوشش بند کر دی۔ اُسے کسی کے مسلمان ہونے پر خوشی ہوتی تھی لیکن پھر بھی ایک مرتبہ جب کسی آدمی نے جسے قتل کے معاملے میں موت کی سزا دی گئی تھی، مسلمان ہو جانے اور جان بخشوانے کی خواہش ظاہر کی تو اورنگزیب نے اُس کی

اورنگزیب نے شرع کے بدلنے کے اِس حق سے بالکل ہی غافل رہا۔ بار بار دیکھتے ہیں اُن کے کہ اورنگزیب نہ صرف دیوانی اور فرجداروں کے معاملے میں ہی شرع کے عالموں کی رائے لیتا تھا بلکہ سرکاری نوکری کے معاملے، تجارت اور ہدیہ کے فائدے قانون بنانے میں بھی وہ اندر شرع کا حکم دیکھتا تھا۔ احمد آباد میں کچھ لوگوں نے نار ہوانے کا کام اپنے ہی ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ اورنگزیب نے عالموں سے صلاح کو اِس اجازت کو توڑ دیا اور سب کو نار ہوانے اور بیچنے کی اجازت دے دی۔ ایک مرتبہ اورنگزیب نے غلہ وغیرہ کا نرخ باندھ دیا چاہا لیکن جیسے ہی اُسے معلوم ہوا کہ ایسا شرع کے خلاف ہے اُس نے اپنی کوشش بند کر دی۔ اُسے کسی کے مسلمان ہونے پر خوشی ہوتی تھی لیکن پھر بھی ایک مرتبہ جب کسی آدمی نے جسے قتل کے معاملے میں موت کی سزا دی گئی تھی، مسلمان ہو جانے اور جان بخشوانے کی خواہش ظاہر کی تو اورنگزیب نے اُس کی

اور تھا لیکن اس کے بنانے میں مغل راج کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ ان یورپ والوں کو کوئی مغل قانون نہیں ملے کیونکہ مغلوں نے کبھی نئے قانون بنائے ہی نہیں۔ یہ وہ قانون تھے جو اس زمانے میں اتنے زیادہ تھے کہ اورنگزیب نے، جو خود بڑا عالم تھا، یہ محسوس کیا کہ مسلم شرع کی پیروی میں سے راستہ ملنا بھی کبھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اورنگزیب نے شرع کے قانون کو بہت سے ترمیمیں کر لیں۔ اس کام میں اورنگزیب نے بادشاہ کی حیثیت سے اپنا کوئی اختیار نہیں جتایا۔ ”فقہ عالمگیری“ نام کی کتاب تیار کرائی گئی۔ بہت سے عالموں نے مل کر اسے تیار کیا۔ کتاب کے نام کے ساتھ عالمگیری کے نام سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس میں کوئی عالمگیری کا حکم شامل ہے۔ ہر بات جو کتاب میں کہی گئی ہے اس کے لئے کتاب لکھنے والے عالموں نے شرع کی کسی نہ کسی پوائنٹ پر حوالہ دیا ہے۔

مغل زمانے میں ہی ہندو دھرم شاستر کی بھی کئی سلسرت کتابیں تیار کرائی گئیں؛ لیکن ان میں بھی کسی بادشاہ کے حکم سے کوئی بات نہیں لکھی گئی۔ مثلاً ’رگھونندن‘ مگر مشر، کرسنک اور بہت سے چھوٹے موٹے یلذتوں نے دھرم شاستر کے الگ الگ حصوں پر مبحث کی، ان دونوں نے ہمیشہ پورے شاستروں سے ہی لے کر اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ کہیں کہیں انہیں ضرور کیا ہے کہ جہاں انہیں پرانی کتابوں میں طبع طرح کی ایک دوسرے کے خلاف رائے ملی ہیں وہاں انہوں نے انہیں میں سے کسی ایک رائے کو لے کر اپنا ایک نیا راستہ بنایا ہے۔ اس معاملے میں ہندوؤں کو ایک اور رعایت تھی جو مسلمانوں کو نہیں تھی۔ ہندوؤں کی اپنی کچھ باتیں تھیں جو پنجائیں کہلاتی تھیں۔ دھرم شاستر کا مطلب معلوم کرنے میں جہاں دقت ہوتی تھی یہ پنجائیں اس پر آخری فیصلہ دیتی تھیں۔ عام مغل زمانے میں کسی مغل بادشاہ کی طرف سے ان پنجائیوں کے رنگ روپ، ان کے پنجوں یا اُن کے کلم کے قدامت کو بدلنا یا اس میں دخل دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔

نوجوانی کا قانون یعنی جرمن کی سوا دیلہ قانون اسلامی قانون تھا۔ معمولی طور پر رعایا اور راج اور رعایا کے تعلق اسلامی قانون سے چلتے تھے۔ ان کے لئے مغل راج کی مذہبی پالیسی دو بدل کر ایک خاص نئی تبدیلی کی تھی۔ لیکن جو تبدیلیاں ان کے لئے تھیں وہ بھی اصل میں ملک کے امن آسان سے ہی واسطہ رکھتی تھیں۔ ایسے موقعوں پر عام طور سے راج کی طرف سے یہ اعلان کر دیا جاتا تھا کہ کچھ قاعدے قانون کو ترمیم دینے پر بھی سرکار، خاص کر، غیر مسلم مسیحیوں پر مقدمہ نہیں چلے گا۔ کبھی کبھی یہ اعلان



इस वजह से कुछ मराठुर योरोपियन मुसाफिरों ने यह  
- अजीब बात कह डाली है कि मुसालों के जमाने में कोई  
लिखा हुआ कानून था ही नहीं. लिख हुआ कानून तो

اِس وجہ سے کچھ مشہور یورپین مسانروں نے یہ عجیب بات کہہ ڈالی ہے کہ مغربوں کے زمانے میں کوئی لکھا ہوا قانون تھا ہی نہیں۔ لکھا ہوا قانون تو



کچھ ہوتا ہے وہ خدا کے ہی حکم سے ہوتا ہے۔ ان باتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مغل بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ معمولی انسان سے کچھ بھی اونچا رتبہ رکھتے تھے اور نہ ان چیزوں سے انہیں کوئی مذہبی یا دینی رتبہ حاصل ہوتا تھا۔ اُس زمانے کے یورپ کے بہت سے بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ اُن کی تخت نشینی کے وقت اُن کے سر پر پوتر تیل کی مالش کئے جانے سے اُن کو خاص مذہبی رتبہ حاصل ہو جاتا تھا جو عام انسانوں کو حاصل نہیں تھا۔ اِس بارے میں مغل بادشاہوں کا جو خیال تھا اور یورپ کے (Divine Right) خدائی حق ماننے والے بادشاہوں کا جو خیال تھا اُن دونوں کا فرق سترھویں صدی کے انگلستان کی تاریخ کو دیکھنے سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے۔ جب جیمس اول نے راج کے لئے اپنے حق کو خدا کا دیا حق بتایا تو یہ ایک مذہبی اصول پیدا ہو گیا کہ بادشاہ کی اسی چیز کی کسی کو مخالفت نہیں کرنی چاہئے اور سب کو بادشاہ کا حکم چپ چاپ مان لینا چاہئے۔ بادشاہ سے بغاوت کرنا صرف ایک قانونی جرم ہی نہیں رہا بلکہ ایک مذہبی گناہ بھی سمجھا گیا جس کو براہِ یقین یا آخرت میں پکٹنا پڑے گا۔ اِسی سے انگلینڈ کے انقلاب کے بعد ایسے پادری ہوتا ہو گئے تھے جنہوں نے ولیم اور مری کی ولاداری کی قسم کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اُن میں اُس زمانے کے انگلستان کے کچھ بڑے سے بڑے پادری بھی شامل تھے۔ انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جیمس دوم جو سمنڈر پار چلا گیا تھا، اُن کا قانونی بادشاہ ہے۔ انہوں میں سے کچھ لوگوں نے مل کر ہالینڈ سے ولیم کو بلا بیوہ) تھا تاہم جیمس دوم انگلستان کو کیتھولک ہذا ڈالنے کی کوشش نہ کر سکے۔ شاہی مرقبہ نے بارے میں اِس طرح کا خیال مغل زمانے کے ہندوستان میں موجود نہ تھا۔ جب سلیم نے اپنے باپ اکبر کے خلاف بغاوت کی تو کسی قاضی نے اُس کے خلاف فتویٰ نہیں دیا اور نہ جب خرم نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تو کسی قاضی نے اُسے گناہگار ٹھہرایا۔ البتہ یہ سچ ہے کہ اورنگزیب نے گدی پر بیٹھنے کے وقت صدرالصدر نے اس کے نام کو پڑھنے اور اُس کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کرنے سے انکار کر دیا تھا، اِس لئے کہ اورنگزیب کا باپ شاہجہاں اُس وقت زندہ تھا۔ مگر اُس مثال سے مثال ناپ کے دعویٰ یا خدائی ہونے کا اصول ثابت نہیں ہوتا۔ اکبر کے زمانے میں بھی جب اُس کے سوا بے بھائی حکوم نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اکبر نے کوئی خدائی دعویٰ نہیں کیا بلکہ باپ کی سلطنت کو وراثت میں لانے کے لئے صرف اپنی فوجی طاقت پر ہی بھروسہ کیا تھا۔ اِس طرح جہاں نہیں خدائی حق کا ذکر شاہی طابقت یا

کچھ ہوتا ہے وہ خدا کے ہی حکم سے ہوتا ہے۔ ان باتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مغل بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ معمولی انسان سے کچھ بھی اونچا رتبہ رکھتے تھے اور نہ ان چیزوں سے انہیں کوئی مذہبی یا دینی رتبہ حاصل ہوتا تھا۔ اُس زمانے کے یورپ کے بہت سے بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ اُن کی تخت نشینی کے وقت اُن کے سر پر پوتر تیل کی مالش کئے جانے سے اُن کو خاص مذہبی رتبہ حاصل ہو جاتا تھا جو عام انسانوں کو حاصل نہیں تھا۔ اِس بارے میں مغل بادشاہوں کا جو خیال تھا اور یورپ کے (Divine Right) خدائی حق ماننے والے بادشاہوں کا جو خیال تھا اُن دونوں کا فرق سترھویں صدی کے انگلستان کی تاریخ کو دیکھنے سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے۔ جب جیمس اول نے راج کے لئے اپنے حق کو خدا کا دیا حق بتایا تو یہ ایک مذہبی اصول پیدا ہو گیا کہ بادشاہ کی اسی چیز کی کسی کو مخالفت نہیں کرنی چاہئے اور سب کو بادشاہ کا حکم چپ چاپ مان لینا چاہئے۔ بادشاہ سے بغاوت کرنا صرف ایک قانونی جرم ہی نہیں رہا بلکہ ایک مذہبی گناہ بھی سمجھا گیا جس کو براہِ یقین یا آخرت میں پکٹنا پڑے گا۔ اِسی سے انگلینڈ کے انقلاب کے بعد ایسے پادری ہوتا ہو گئے تھے جنہوں نے ولیم اور مری کی ولاداری کی قسم کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اُن میں اُس زمانے کے انگلستان کے کچھ بڑے سے بڑے پادری بھی شامل تھے۔ انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جیمس دوم جو سمنڈر پار چلا گیا تھا، اُن کا قانونی بادشاہ ہے۔ انہوں میں سے کچھ لوگوں نے مل کر ہالینڈ سے ولیم کو بلا بیوہ) تھا تاہم جیمس دوم انگلستان کو کیتھولک ہذا ڈالنے کی کوشش نہ کر سکے۔ شاہی مرقبہ نے بارے میں اِس طرح کا خیال مغل زمانے کے ہندوستان میں موجود نہ تھا۔ جب سلیم نے اپنے باپ اکبر کے خلاف بغاوت کی تو کسی قاضی نے اُس کے خلاف فتویٰ نہیں دیا اور نہ جب خرم نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تو کسی قاضی نے اُسے گناہگار ٹھہرایا۔ البتہ یہ سچ ہے کہ اورنگزیب نے گدی پر بیٹھنے کے وقت صدرالصدر نے اس کے نام کو پڑھنے اور اُس کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کرنے سے انکار کر دیا تھا، اِس لئے کہ اورنگزیب کا باپ شاہجہاں اُس وقت زندہ تھا۔ مگر اُس مثال سے مثال ناپ کے دعویٰ یا خدائی ہونے کا اصول ثابت نہیں ہوتا۔ اکبر کے زمانے میں بھی جب اُس کے سوا بے بھائی حکوم نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اکبر نے کوئی خدائی دعویٰ نہیں کیا بلکہ باپ کی سلطنت کو وراثت میں لانے کے لئے صرف اپنی فوجی طاقت پر ہی بھروسہ کیا تھا۔ اِس طرح جہاں نہیں خدائی حق کا ذکر شاہی طابقت یا

## ہندوستان میں مغول حکومت کا قہنگ

پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔

ہندوستان میں مغول بادشاہوں کی سبھشی پالیسی پر اتنی گرم بحث ہوئی تھی کہ مغلوں کے حکومت کرنے کے طریقے کے بارے میں لوگوں کو بہت کم جانکاری ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مغلوں کی حکومت بالکل ایک ایشیائی بالمشاعی تھی اور کوئی کہتا ہے کہ وہ ایک اسلامی یعنی مذہبی حکومت تھی۔ یہاں تک دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہندوستان کا راج مغلوں کی خدائی دین تھی اور کچھ لوگ مغل بادشاہوں کو اللہ کے مقرر کردہ ہوتے کہتے ہیں، یعنی یہ کہ خود اللہ نے انہیں اس ملک پر حکومت کرنے کا حکم دیا تھا۔ بدقسمتی سے ان نظریوں پر پہنچنے سے پہلے لوگوں نے ان اصلی کتابوں اور دستاویزوں کو اچھی طرح نہیں دیکھا جو ہمارے پاس ہندوستان میں مغل حکومت کے بارے میں اس وقت موجود ہیں۔ شروع کے عرب فاتحین ہائے والوں کے نانہنی مسئلوں اور دوسرے مابوں میں مسلمان بادشاہوں کے کاموں، یا ہندوستان کے باہر کے لیکھوں کی بڑی-بڑی لفظی بھرتوں سے یہاں کی مغول حکومت کا ٹیک-ٹیک روپ سمجھنے میں ہمیں کافی مدد نہیں ملتی۔ ہاں، ان باتوں کو دھیان میں رکھ کر ہم اپنی تحقیقات آگے بڑھا سکتے ہیں۔

مغل بادشاہوں کے کچھ انہاس لکھنے والوں اور کچھ حال کے لیکھوں نے بعض مغل بادشاہوں کی بابت یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے بادشاہت کا حق دیا تھا۔ پہلے ہم اسی دعوے پر غور کر لیتا چاہتے ہیں۔ ابور اور اُس کے بعد کے بادشاہوں کو اُس زمانے کے تاریخ نگارنے والوں اور خاص کر شاہی انہاس لکھوں نے انڈر خدا کا خلیفہ یا نائب کہہ کر بیان کیا ہے۔ جب جہانگیر کے برقم خسرو نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تھی تو جہانگیر نے خود اپنی دائری (توک جہانگیری) میں دعویٰ کیا تھا کہ اُس نے ہندوستان کا شہنشاہ بنا لیا ہے۔ شاہجہاں نے گولکنڈہ کے عادل شاہ کے نام اپنے ایک خط میں اپنے کو "نائب" (خدا کا سایہ) لکھا ہے۔ اورنگ زیب نے اپنے کو دنیا میں خدا کا وکیل لکھا ہے۔

یہ سب دعوے ثابت کرتے ہیں کہ مغل بادشاہ مانتے تھے کہ انہیں راج کرنے کا حق ظاہرہ دیکھنے میں خدا سے ملا ہوا ہے۔ لیکن جب ہم ذرا غور سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان بادشاہوں کے یہ سب دعوے صرف اس عام اسلامی یقین کو دہراتے ہیں کہ دنیا میں جو

## ہندوستان میں مغل حکومت کا قہنگ

پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔

ہندوستان میں مغل بادشاہوں کی مذہبی پالیسی پر اتنی گرم بحث ہوئی تھی کہ مغلوں کے حکومت کرنے کے طریقے کے بارے میں لوگوں کو بہت کم جانکاری ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مغلوں کی حکومت بالکل ایک ایشیائی بالمشاعی تھی اور کوئی کہتا ہے کہ وہ ایک اسلامی یعنی مذہبی حکومت تھی۔ یہاں تک دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہندوستان کا راج مغلوں کی خدائی دین تھی اور کچھ لوگ مغل بادشاہوں کو اللہ کے مقرر کردہ ہوتے کہتے ہیں، یعنی یہ کہ خود اللہ نے انہیں اس ملک پر حکومت کرنے کا حکم دیا تھا۔ بدقسمتی سے ان نظریوں پر پہنچنے سے پہلے لوگوں نے ان اصلی کتابوں اور دستاویزوں کو اچھی طرح نہیں دیکھا جو ہمارے پاس ہندوستان میں مغل حکومت کے بارے میں اس وقت موجود ہیں۔ شروع کے عرب فاتحین ہائے والوں کے نانہنی مسئلوں اور دوسرے مابوں میں مسلمان بادشاہوں کے کاموں، یا ہندوستان کے باہر کے لیکھوں کی بڑی-بڑی لفظی بھرتوں سے یہاں کی مغول حکومت کا ٹیک-ٹیک روپ سمجھنے میں ہمیں کافی مدد نہیں ملتی۔ ہاں، ان باتوں کو دھیان میں رکھ کر ہم اپنی تحقیقات آگے بڑھا سکتے ہیں۔

مغل بادشاہوں کے کچھ انہاس لکھنے والوں اور کچھ حال کے لیکھوں نے بعض مغل بادشاہوں کی بابت یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے بادشاہت کا حق دیا تھا۔ پہلے ہم اسی دعوے پر غور کر لیتا چاہتے ہیں۔ ابور اور اُس کے بعد کے بادشاہوں کو اُس زمانے کے تاریخ نگارنے والوں اور خاص کر شاہی انہاس لکھوں نے انڈر خدا کا خلیفہ یا نائب کہہ کر بیان کیا ہے۔ جب جہانگیر کے برقم خسرو نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تھی تو جہانگیر نے خود اپنی دائری (توک جہانگیری) میں دعویٰ کیا تھا کہ اُس نے ہندوستان کا شہنشاہ بنا لیا ہے۔ شاہجہاں نے گولکنڈہ کے عادل شاہ کے نام اپنے ایک خط میں اپنے کو "نائب" (خدا کا سایہ) لکھا ہے۔ اورنگ زیب نے اپنے کو دنیا میں خدا کا وکیل لکھا ہے۔

یہ سب دعوے ثابت کرتے ہیں کہ مغل بادشاہ مانتے تھے کہ انہیں راج کرنے کا حق ظاہرہ دیکھنے میں خدا سے ملا ہوا ہے۔ لیکن جب ہم ذرا غور سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان بادشاہوں کے یہ سب دعوے صرف اس عام اسلامی یقین کو دہراتے ہیں کہ دنیا میں جو

## ستمبر 1957 ستمبر

<u>کتاب کس سے</u>	<u>صفحہ</u>	<u>سفر</u>	<u>کتاب کس سے</u>
1. ہندوستان میں مغول حکومت کا ڈھنگ —پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔	89	...	1. ہندوستان میں مغول حکومت کا ڈھنگ —پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
2. میری ماں —شری گوری—انوار اک شری سومنل پرکاش	100	...	2. میری ماں —شری گوری—انوار اک شری سومنل پرکاش
3. ایک پاکل آدمی کی قادی —شری لہئی سن	108	...	3. ایک پاکل آدمی کی قادی —شری لہئی سن
4. ایک آتما کے الگ الگ روپ —ڈاکٹر باغبان داس	121	...	4. ایک آتما کے الگ الگ روپ —ڈاکٹر باغبان داس
5. مہاتما گاندھی کے अनुसार شانتی کا راستہ اور ایتم پेटم اور ہائیڈروجن بم کا سوال —پدیت سندرلال	126	...	5. مہاتما گاندھی کے अनुसार شانتی کا راستہ اور ایتم پेटم اور ہائیڈروجن بم کا سوال —پدیت سندرلال
6. ہماری راہ— پेटم اور ہائیڈروجن بم کے سلسلہ کیسرا عیشا اور افریقہ کے پرہیزدہیں کا اعلان تو 16.8.57— پدیت سندرلال	131	...	6. ہماری راہ— پेटم اور ہائیڈروجن بم کے سلسلہ کیسرا عیشا اور افریقہ کے پرہیزدہیں کا اعلان تو 16.8.57— پدیت سندرلال

नया हिन्द

ہندوستان

نمبر 3 نمبر 24 جلد 24 جلد



ستمبر 1957 سیتمبر

ہندوستانی کلچر سوسائٹی کولچر سوسائٹی

145 مڈلنگز، دہلی

145، مڈلنگز، دہلی

### **Editorial Board**

Dr. Tara Chand M.

Mahatma Bhagwan

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., B.A., LL.B.

Pandit Sunderlal

Bhambhar Nath Panda

### **Editor-in-Charge**

Bhambhar Nath Panda

### **Asst. Editor**

Bhambhar Nath Panda

### **Annual Subscription**

India Rs. 5-

Foreign Rs. 10-

Single Copy Rs. 1/- only or 25 P.

# نیا چہرہ

اس نمبر کے خاص لیکھ اس نمبر کے خاص لیکھ

ہندوستان میں مغل حکومت کا بھگت کا بھگت

—پروفیسر جی. راما راما—

ایک آتما کے ایک ایک روپ

—ڈاکٹر جگدھار داس

مہاتما گاندھی کے انوسار شانتی

کا راستہ، اور پتہ اور ہائیڈرو-

جن کم کا سوال

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

پتہ اور ہائیڈرو-

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

—پروفیسر جگدھار داس

# ہندی घर

کتابخانہ پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کेंدر—ہاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی اپنی من-پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

## ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

( ہندی اور اردو میں )

لکھک—گاندھیباد کے مانے جانے

بیڈوان : 225، قیمت دو روپے

— : 0 : —

## گاندھی بابا

( بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب )

لکھک—گاندھی بابا جی

مضمک—پنڈت جواہر لال نہرو

موتا کاغذ، موٹا ڈاٹ، بہت سی رنگین تصویریں

دوم دو روپے

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کوران

275 صفحے، دو روپے

ہندو مسلم یکتہ

100 صفحے، دو روپے

مہاتما گاندھی کے بلیڈان سے سبق

قیمت دو روپے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت دو روپے

بنگال اور اس سے سبق

قیمت دو روپے

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 میڈونج ہاؤس

ہندی

ہر طرح کی کتابیں ملنے کا بڑا کیندر—ہاٹک ہندی، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لیے لکھیں۔

## ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

( ہندی اور اردو میں )

لکھک—گاندھی باد کے مانے جانے

بیڈوان : 225، قیمت دو روپے

— : 0 : —

## گاندھی بابا

( بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب )

لکھک—گاندھی بابا جی

مضمک—پنڈت جواہر لال نہرو

موتا کاغذ، موٹا ڈاٹ، بہت سی رنگین تصویریں

دوم دو روپے

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کوران

275 صفحے، دو روپے

ہندو مسلم ایکتہ

100 صفحے، دو روپے

مہاتما گاندھی کے بلیڈان سے سبق

قیمت دو روپے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت دو روپے

بنگال اور اس سے سبق

قیمت دو روپے

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 میڈونج ہاؤس



1997, 1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 26

100-443887-100

SECRET

संस्कृत-विभाग-प्रमुख-पद-परिचय-पत्रिका

लेखक—**महाशय श्री**      प्रीत्युक्त—**श्री इन्दया**

श्रीमद-विष्णुसहाय पंडित, श्रीमत्-श्री इय्या

संज्ञा—विषयपरमाणु यत् । अविमल—हो वप्या

1980

निष्कर्ष—**अभिमत—** नो रूपाया

(प्रमाणित साक्ष्य के अभाव में)

**और पानि**

\_\_\_\_\_

227

4493

مجلس

1. *Journal of the American Medical Association*, 1990; 263: 1033-1036.

1997, 1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 26

(b) (5) DPP, (b) (5) ACP

— *Journal of the American Medical Association*

[illegible]

1944-1945

**Abstract**

CONFIDENTIAL

—



انہیں کبھی سب سے بے پروا کوئی ہے جو اپنا کد دیکھا دیکھا کر پैसे مانگتے پھرتے ہیں اور کبھی کبھی کچھ ادھک پا جاتے ہیں تو شہر آب پی کر یا کسی اور برائی میں پھنس کر اپنا دم بھگتے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ ان سب سے اوپر اُن کو دلی کے لوگوں فریبوں کی حالت سے بھی ہم واقف ہیں پر اس سے زیادہ کہنے کو لب حل نہیں آتا۔

شاہسکوں، شاہی دنیا کے अधिकतर شاہسکوں کی ایک بہت بڑی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ انہیں خاص ملکوں کے ذریعے سے ہی دنیا کو دیکھنا مل سکتا ہے۔ اُن کے کان دوسروں کے کان ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں دوسروں کی آنکھیں۔ اُن کو خبریں دینے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے ہاتھ ان کے مالک کے پاس ہوتے ہیں۔ جیسے وہ چاہتے ہیں اُن کی طرح کی خبریں وہ انہیں دلاتے ہیں۔ جسے وہ چاہتے ہیں اُن کی طرح ان کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہم دنگ وہ گئے جب کہ دلی کے ایک بہت بڑے شاکس نے ہم سے بات کرتے ہوئے کہا کہ—”لوگ خواہ مضواہ غلط کہتے ہیں کہ دیہی میں بیکاری ہے۔ کہیں بیکاری نہیں ہے۔“ ایک اور صاحب نے رائے ظاہر کی کہ—”دیہی کے نیکو گریہواتوں کی ضرورت نہیں ہے، دیہی کو ضرورت ہے انجینئرس کی اور وہ بھی بیکار نہیں رہ سکتے۔“ یہ بتانے کا اُن پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا کہ دیہی کے ایک انجینئرنگ سے کامیاب پاس ہوئے کافی نوجوانوں ہر سوں ایک دفتر سے دوسرے دفتر عرصہ پہلے لیکر گھومتے پھرتے ہیں۔ ہر شہر چار کی بابت تو عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ دیہی میں جو کچھ ہر شہر چار ہے وہ ہمیں انگریزی حکومت سے روکتا ہے اور اُن چھ صحت ہر سوں کے اندر کافی کم ہوا ہے اور دوسرے دیہیوں سے ہمارے دیہی میں ہر شہر اب بھی بہت کم ہے! اُن باتوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ نیکو اور چلتا کے بیچ، شاہسکوں اور شاہسکوں کے بیچ کھائی اور بدقسمتی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

—سندھ لال

—سندھ لال

हुटी हमारे मित्र के साथ लगी हुई थी इसी तरह वही जीप की ओर से एक मोटर और एक मोटर बराबर ही भी बिगुटीवही जगह लगी हुई थी. और अधिक दूरे जाने पर हमारी बाइकों से ऑसू टपक पड़े. अधिक पूछताछ करने पर मालूम हुआ कि पारलिमेंट के और भी बहुत से मेम्बर इसी तरह के असरों से दूबे हुए हैं. उन पर खर्च करने वाले अपने खर्च का पूरा बदला चुका लेने में कोई कसर छोटा नहीं रखते. इन पंक्तिओं के लिखते समय भी हमारा दिल खून के ऑसू बहा रहा है. हमें नहीं मालूम कि पारलिमेंट के मेम्बरों में इस तरह के भाइयों का अल्पमत है या बहुमत. पर हम समझते हैं कि इस बात में किसी को भी किसी तरह का कोई शक नहीं हो सकता कि हमारी आजकल की पारलिमेंटों और धारा समाजों में मुराकिल से दस क्रीसवी मेम्बर ऐसे होंगे जो सचमुच पारलिमेंटों के या धारा समा के कामों में, तजवीजों और बिलों में कोई सच्ची, और समझदारी की दिलचस्पी रखते हों. शासन पर और देश भर में छोटे बड़े सरकारी कर्मचारियों पर जो इसका बुरा असर पड़ता है वह कहीं भी थोड़ी सी आँख खोलकर देखा जा सकता है. देश भर में जिस तरह की बेजा बखल अन्दाजी, तरह तरह के सरकारी कामों में होती रहती है उसकी कहानियाँ दिल्ली से कलकत्ते, दिल्ली से बम्बई, या दिल्ली से मद्रास के किसी भी रेल के सफ़र में अनेक सुनने का मिल सकती हैं. सुनने की इच्छा रखने वाले को इसके लिये दिल्ली से बाहर जाने की भी जरूरत नहीं है.

ऊँचे से ऊँचे नेताओं और सरकारी लोगों पर भी इसका असर पड़े बरौर नहीं रह सकता. चुनावों के लिये नाम जदगी के तरीके, नामजदगी की कसौटियाँ और चुनावों के ढंग लगभग सब सवाचार की दृष्टि से पतन की हद को पहुँच चुके हैं. गाड़ी चल रही है, जिस तरह भी चल सके और जब तक चल सके.

दिल्ली में पिछले साल पीलिया (Jaundice) को बचा के फैलने की जो दुर्घटना हुई और अभी तक जारी है वह केवल अन्दर के गहरे रोग का केवल एक ऊपरी लक्षण है. इस बीमारी का फैलना इन हालात में किसी को कोई अजीब बात मालूम नहीं होनी चाहिये. दिल्ली भारत की राजधानी है. बड़े से बड़े शासकों और नेताओं का यहाँ सदा अमचट रहता है. यहाँ बड़े-बड़े महलों जैसे बंगले हैं जहाँ दिन बड़ी-बड़ी दाकतें होती हैं. इसी दिल्ली में लगभग दस हज़ार इनसान गली-गली भीख माँगते फिरते हैं. इनमें से लगभग आठ हज़ार कढ़ाके की सर्दी में बीबड़ों में लिपटे हुए या बिना बीबड़ों के खुले आसमान के नीचे फहरियों पर सोते हैं या किसी तरह रात बिताते हैं.

हमारी मंत्र के साथ लगी हुटी थी इसी तरह वही जीप की ओर से एक मोटर और एक मोटर बराबर ही भी बिगुटीवही जगह लगी हुई थी. और अधिक दूरे जाने पर हमारी बाइकों से ऑसू टपक पड़े. अधिक पूछताछ करने पर मालूम हुआ कि पारलिमेंट के और भी बहुत से मेम्बर इसी तरह के असरों से दूबे हुए हैं. उन पर खर्च करने वाले अपने खर्च का पूरा बदला चुका लेने में कोई कसर छोटा नहीं रखते. इन पंक्तिओं के लिखते समय भी हमारा दिल खून के ऑसू बहा रहा है. हमें नहीं मालूम कि पारलिमेंट के मेम्बरों में इस तरह के भाइयों का अल्पमत है या बहुमत. पर हम समझते हैं कि इस बात में किसी को भी किसी तरह का कोई शक नहीं हो सकता कि हमारी आजकल की पारलिमेंटों और धारा समाजों में मुराकिल से दस क्रीसवी मेम्बर ऐसे होंगे जो सचमुच पारलिमेंटों के या धारा समा के कामों में, तजवीजों और बिलों में कोई सच्ची, और समझदारी की दिलचस्पी रखते हों. शासन पर और देश भर में छोटे बड़े सरकारी कर्मचारियों पर जो इसका बुरा असर पड़ता है वह कहीं भी थोड़ी सी आँख खोलकर देखा जा सकता है. देश भर में जिस तरह की बेजा बखल अन्दाजी, तरह तरह के सरकारी कामों में होती रहती है उसकी कहानियाँ दिल्ली से कलकत्ते, दिल्ली से बम्बई, या दिल्ली से मद्रास के किसी भी रेल के सफ़र में अनेक सुनने का मिल सकती हैं. सुनने की इच्छा रखने वाले को इसके लिये दिल्ली से बाहर जाने की भी जरूरत नहीं है.

औरों से आँचे लैलाओं और सरकारी लुकों पर भी इस का अरु परे नफर लैला रहे सका. जलाओं के लैला लमरुदगी के लैला लमरुदगी की कसौटियाँ और जलाओं के लैला लक लैला लक सडआचार की दुरुदगी से पतन की हद को पहुँच चुके हैं. गाड़ी चल रही है, जिस तरह भी चल सके और जब तक चल सके.

दली से पछले साल पीलिया (Jaundice) की दली से पीलिया की जो दुर्घटना हुई और अभी तक जारी है वह केवल अन्दर के गहरे रोग का केवल एक ऊपरी लक्षण है. इस बीमारी का फैलना इन हालात में किसी को कोई अजीब बात मालूम नहीं होनी चाहिये. दिल्ली भारत की राजधानी है. बड़े से बड़े शासकों और नेताओं का यहाँ सदा अमचट रहता है. यहाँ बड़े-बड़े महलों जैसे बंगले हैं जहाँ दिन बड़ी-बड़ी दाकतें होती हैं. इसी दिल्ली में लगभग दस हज़ार इनसान गली-गली भीख माँगते फिरते हैं. इनमें से लगभग आठ हज़ार कढ़ाके की सर्दी में बीबड़ों में लिपटे हुए या बिना बीबड़ों के खुले आसमान के नीचे फहरियों पर सोते हैं या किसी तरह रात बिताते हैं.

پارٹی سے सम्बन्ध रखने वाले बहुत से मेम्बरो' को अक्सर ऐसे विषयों पर भी जिनका देश के भले या बुरे के साथ गहरा सम्बन्ध होता है अपनी अन्तर आत्मा की आवाज के खिलाफ भरे सदन में हाथ उठाना पड़ता है. इसका क्रूरती और लाजमी नतीजा यह है कि हमारी आजकल की पार्लिमेंटों या धारा सभाओं के अधिकांश मेम्बर इस बात पर सोचना भी बन्द कर देते हैं कि किस तजवीज या किस बिल से देश का क्या फायदा या क्या नुकसान होगा. वह मजबूर होकर अपनी मेम्बरी से दूसरी ही तरह के फायदे उठाने में लग जाते हैं.

इस तरह के मेम्बरों की हालत कुछ-कुछ उस जज की सी हालत होती है जो उस जवान माँ को जिसने किसी पबरदस्त दुख और निराशा की हालत में अपने तीन बरस के बच्चे का गला घोट कर मार डाला और फिर उस पर रोना और सिर पीटना शुरू किया. इसलिये फौसी की सजा देनी पड़ती है क्योंकि कानून की दफा, कानून का ज्ञान और कानूनी गवाहियाँ जज के लिये और कोई रास्ता ही नहीं छोड़ती. अक्सर पढ़े लिखे जज तो इसे अपनी "बिगुटी" अपना "फर्ज" समझ कर भी इस तरह के फैसले देते हैं.

आज हमारे सदाचार के गिरावट की यह हालत है कि देश के उत्तर से दक्खिन तक और पूरब से पच्छिम तक सैकड़ों शिक्षा संस्थाएँ ऐसी हैं जिनमें अध्यापकों से एक सौ बीस रुपये तनखाह लेकर दो सौ की रसीद पर वसूलत करने पड़ते हैं. हमें बड़ी हार्दिक वेदना के साथ कहना पड़ता है कि जिस तरह इस तरह की शिक्षा संस्थाओं में इस तरह के अध्यापकों से शिक्षा लेने वाले बालकों से यह आशा करना कि उनका चरित्र कभी भी जीवन में कैदा हो सकेगा, लगभग वैसा ही है, जैसा बबूल बोकर उससे आम की आशा करना. ठीक उसी तरह पारलिमेंट के या धारा सभाओं के जिन मेम्बरों को पारटी भक्ति के कारण अपनी अन्तर आत्मा की आवाज के खिलाफ हाथ उठाना पड़ जाता है उनसे यह आशा करना कि वह उन जिम्मेवारी की कुरसियों पर बैठ कर देश को सचमुच कैदा हो जा सकेंगे या करोड़ों जनता का सच्चा भला कर सकेंगे उतना ही गलत है.

इस दुर्दशाक हालत का असर देश की इन पारलिमेंटों और धारा सभाओं में साफ़ दिखाई देता है. दिल्ली में हम एक दिन अचानक अपने एक पुराने मित्र पारलिमेंट के एक मेम्बर के घर पहुँच गए. हमने वहाँ एक नौजवान को टाइप करते हुए देखा जिसे हम पहले से जानते थे. हम कुछ हैरान हुए. पूछने पर मालूम हुआ कि वह अब भी देश के उसी मशहूर पूँजीपति का नौकर था और उसी से वेतन पाया था जिससे कभी पहले पाया करता था. अब उसकी

पारٹی سے सम्بندہ رکھنے والے بہت سے ممبروں کو اکثر ایسے دعوے پر بھی جن کا دیہے کے بچے یا بڑے کے ساتھ گہرا सम्बन्ध होता ہے اپنی انٹر آتما کی آواز کے خلاف بڑے سदन میں ہاتھ اٹھانا پڑتا ہے. اس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہماری آجکل کی پارلیمنٹوں یا دھارا سبھاؤں کے اڈھکاں ہی ممبر اس بات پر سوچنا بھی بلد کر دیتے ہیں کہ کس تجویز یا کس بل سے دیہے کا کیا فائدہ یا کیا نقصان ہوگا. وہ مجبور ہو کر اپنی ممبری سے دوسری ہی طرح کے فائدے اٹھانے میں لگ جاتے ہیں.

اس طرح کے ممبروں کی حالت کچھ کچھ اس جج کی سی حالت ہوتی ہے جو اس جوان ملى کو جس نے کسی زبردست دہ اور نریشا کی حالت میں اپنے تین برس کے بچے کا گلا گھوت کر مار ڈالا اور پھر اس پر رونا اور سر پیٹنا شروع کیا. اس لئے پھانسی کی سزا دی گئی ہوتی ہے کیونکہ قانون کی ذمہ داری قانون کا ضابطہ اور قانونی گواہیاں جج کے لئے اور کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑتی. اکثر بڑے لکھ جج تو اسے اپنی "بگٹی" اپنا "فرض" سمجھ کر بھی اس طرح کے فیصلے دیتے ہیں.

آج ہمارے سداچار کے گراوٹ کی یہ حالت ہے کہ دیہے کے اتر سے دکن تک اور یورپ سے پچھم تک سینکڑوں شکشا سانسٹھائیں ایسی ہیں جنہوں اڈھیاپکوں کو ایک سو بیس روپے تانخواہ لیکر دو سو کی رسید پر دستخط کرتے پڑتے ہیں. ہمیں بڑی ہاردیک ویدنا کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح اس طرح کے شکشا سانسٹھاؤں میں اس طرح کے اڈھیاپکوں سے شکشا لینے والے بچوں سے یہ آشا کرنا کہ ان کا چرتر کبھی بھی جیون میں اُونچا ہو سیکے گا، لگ بھگ ویسا ہی ہے، جیسا ہوں ہو کر اس سے ام کی آشا کرنا. ٹھیک اسی طرح پارلیمنٹ کے یا دھارا سبھاؤں کے جن ممبروں کو پارتی بھکتی کے کارن اپنے انٹر آتما کی آواز کے خلاف ہاتھ اٹھانا پڑ جاتا ہے ان سے یہ آشا کرنا کہ وہ ان زمہ داری کی کرسدوں پر بیٹھ کر دیہے کو سچ سچ اُونچا لیجا سکیں گے یا کروڑوں جنتا کا سچا بھلا کر سکیں گے اُنکا ہی غلط ہے.

اس دردناک حالت کا اثر دیہے کی ان پارلیمنٹوں اور دھارا سبھاؤں میں صاف دکھائی دیتا ہے. دلی میں ہم ایک دن اچانک اپنے ایک پرانے مٹر پارلیمنٹ کے ایک ممبر کے گھر پہنچ گئے. ہم نے وہاں ایک نوجوان کو ٹائپ کرتے ہوئے دیکھا جسے ہم پہلے سے جانتے تھے. ہم کچھ حیران ہوئے. پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اب بھی دیہے کے اسی مشہور پولیٹی بی کا نوکر تھا اور اسی سے وہیں پاتا تھا جس سے کبھی پہلے پاتا کرتا تھا. اب اس کی

پارٹی شاسن کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ  
دہ میں ایک سے ادھک راجہ تک پارٹیوں میں اور دوسری  
یہ کہ یہیں کی ساری حکومت کسی ایک پارٹی کے ہاتھوں  
میں ہو۔ اس طرح کی راجہ کی پارٹیوں عام طور پر کسی ایک  
لکھ یا ادھ سے سامنے رہ کر بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً اس  
دہ میں کی کانگریس پارٹی شروع میں کہول "شانیت اور ویدہ  
آپاہیوں دہارا سوراج پر اپنی" کے ادھ سے ملی۔ بھارت کے جو  
نہماری اس ادھ سے سہمت تھے وہ کانگریس تھے ممبر بن  
گئے۔ دہ کے ویدیشی شاسن سے آزاد ہو جانے کے بعد اس ادھ  
میں ٹھہرا سا فرق آیا۔ کانگریس کا ادھ اب دہ میں کھان  
کری راج (Welfare State) قائم کرنا یا اس کے بعد سماج  
وادی تعانیچے (Socialistic pattern) پر راج قائم  
کرنا ٹھہرایا گیا۔ کانگریس نے سب سے پہلے اور خاص خاص  
وہوں پر بھی ایک مت سے یا بھومت سے ٹھہراؤ دیا۔  
اس بچ دہ میں کی سب سے بڑی پارٹی ہونے کے کارن حکومت  
کی ہاگ کانگریس پارٹی کے ہاتھوں میں آئی۔ پارلیمنٹ کے  
سامنے یا کسی دھارا سہا کے سامنے کوئی ایسا سوال آیا یا کوئی  
ایسا ہاں دھیں ہوا جس کا کانگریس کے اس سے تک کے  
نہماری ادھ سے کوئی خاص سہمت نہیں تھا۔ کوئی ممبر  
اس خاص سوال پر ادھر یا ادھر وچن دیکر کانگریس کا ممبر  
نہیں ہوا تھا۔ اب وہ سوال یا وہ ہاں بحث کے لئے کانگریس  
پارٹی کی بیٹیک میں سامنے آیا۔ کانگریس کے پردھان لیڈروں  
کی رائے یا ہائی کمانڈ کی رائے ایک طرف دہائی دی۔ اس  
پر بھی جب پارٹی کی بیٹیک میں ووٹ لئے گئے تو ممبروں  
انڈوت رائے سے لیڈروں کی رائے کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ اس  
کے بعد ان سب لیڈروں کے لئے جن کی رائے بھومت سے نہیں ملتی  
تھیں ضروری سمجھا جاتا ہے کہ وہ بھومت کے ساتھ ہی ووٹ  
دیں چاہے وہ کتنا بھی ان کی انسانی آواز کے خلاف نہ ہو۔  
اگر ہم اس بات کا بھی دھان رکھیں کہ بھومت میں کم یا ادھک  
کچھ نہ کچھ لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جنہوں نے خاص  
خاص لیڈروں کے جایا بیجا اثر میں آکر پارٹی میٹنگ میں ووٹ  
دیا ہو تو یہ بات بھی دعوے سے نہیں کہی جاسکتی کہ سچ  
سچ پارٹی کا سچا بھومت اسی اور تھا جس اور اہمیتوں کے  
ہاتھ آئے۔ یا کہنا پارٹیوں کے ادھار پر شاسن کی آہ دن کی  
کہتا ہے۔

پارٹی شاسن کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ  
دہ میں ایک سے ادھک راجہ تک پارٹیوں میں اور دوسری  
یہ کہ یہیں کی ساری حکومت کسی ایک پارٹی کے ہاتھوں  
میں ہو۔ اس طرح کی راجہ کی پارٹیوں عام طور پر کسی ایک  
لکھ یا ادھ سے سامنے رہ کر بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً اس  
دہ میں کی کانگریس پارٹی شروع میں کہول "شانیت اور ویدہ  
آپاہیوں دہارا سوراج پر اپنی" کے ادھ سے ملی۔ بھارت کے جو  
نہماری اس ادھ سے سہمت تھے وہ کانگریس تھے ممبر بن  
گئے۔ دہ کے ویدیشی شاسن سے آزاد ہو جانے کے بعد اس ادھ  
میں ٹھہرا سا فرق آیا۔ کانگریس کا ادھ اب دہ میں کھان  
کری راج (Welfare State) قائم کرنا یا اس کے بعد سماج  
وادی تعانیچے (Socialistic pattern) پر راج قائم  
کرنا ٹھہرایا گیا۔ کانگریس نے سب سے پہلے اور خاص خاص  
وہوں پر بھی ایک مت سے یا بھومت سے ٹھہراؤ دیا۔  
اس بچ دہ میں کی سب سے بڑی پارٹی ہونے کے کارن حکومت  
کی ہاگ کانگریس پارٹی کے ہاتھوں میں آئی۔ پارلیمنٹ کے  
سامنے یا کسی دھارا سہا کے سامنے کوئی ایسا سوال آیا یا کوئی  
ایسا ہاں دھیں ہوا جس کا کانگریس کے اس سے تک کے  
نہماری ادھ سے کوئی خاص سہمت نہیں تھا۔ کوئی ممبر  
اس خاص سوال پر ادھر یا ادھر وچن دیکر کانگریس کا ممبر  
نہیں ہوا تھا۔ اب وہ سوال یا وہ ہاں بحث کے لئے کانگریس  
پارٹی کی بیٹیک میں سامنے آیا۔ کانگریس کے پردھان لیڈروں  
کی رائے یا ہائی کمانڈ کی رائے ایک طرف دہائی دی۔ اس  
پر بھی جب پارٹی کی بیٹیک میں ووٹ لئے گئے تو ممبروں  
انڈوت رائے سے لیڈروں کی رائے کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ اس  
کے بعد ان سب لیڈروں کے لئے جن کی رائے بھومت سے نہیں ملتی  
تھیں ضروری سمجھا جاتا ہے کہ وہ بھومت کے ساتھ ہی ووٹ  
دیں چاہے وہ کتنا بھی ان کی انسانی آواز کے خلاف نہ ہو۔  
اگر ہم اس بات کا بھی دھان رکھیں کہ بھومت میں کم یا ادھک  
کچھ نہ کچھ لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جنہوں نے خاص  
خاص لیڈروں کے جایا بیجا اثر میں آکر پارٹی میٹنگ میں ووٹ  
دیا ہو تو یہ بات بھی دعوے سے نہیں کہی جاسکتی کہ سچ  
سچ پارٹی کا سچا بھومت اسی اور تھا جس اور اہمیتوں کے  
ہاتھ آئے۔ یا کہنا پارٹیوں کے ادھار پر شاسن کی آہ دن کی  
کہتا ہے۔

اس ایک معاملے میں جو حال اس پارٹی کا ہے جس کے  
ہاتھوں میں شاسن کی ہاگ ہے لگ بھگ وہی حال  
دوسری پارٹیوں یا اور دوسری پارٹیوں کا ہے۔ پارٹی  
شاسن کا یہ ایک خاص اور آچاگر پہلو ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا  
ہے کہ ہر پارلیمنٹ اور ہر دھارا سہا کے اندر کسی بھی

اس ایک معاملے میں جو حال اس پارٹی کا ہے جس کے  
ہاتھوں میں شاسن کی ہاگ ہے لگ بھگ وہی حال  
دوسری پارٹیوں یا اور دوسری پارٹیوں کا ہے۔ پارٹی  
شاسن کا یہ ایک خاص اور آچاگر پہلو ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا  
ہے کہ ہر پارلیمنٹ اور ہر دھارا سہا کے اندر کسی بھی



पार्टियों के आधार पर शासन व्यवस्था दूसरे किसी देश के लिये कदां तक हितकर साबित हुई है या नहीं या उस समय हितकर है या नहीं इस सवाल में हम अभी नहीं ज्ञान चाहते. हम केवल अपने देश की आजकल की व्यवस्था को ही जरा और पास से देखना चाहते हैं.

اب ہم ذرا اپنی آجکل کی شاسن ویسٹیا کی طرف ایک نگاہ ڈالیں۔ ہمارے آجکل کے ادمکٹر راجکاجی نیتا انگریزوں کی دی ہوئی شکشا پائے ہوئے اور انگریزی وچاروں میں سے ملے ہوئے تھے۔ قدرتی طور پر وہ انگریزی شاسن پدمتی کے دلدادہ تھے۔ اپنے دیہ میں اچھی سے اچھی نہت کے ساتھ بھی وہ اُسی کی نقل کر سکتے تھے۔ یہی انہوں نے کیا—وہی پارلیمنٹری طرز، وہی دو سدن، وہی چناؤ کے قنگ، انگلیڈ کے بادشاہ کی جگہ بھارت کا رشا پدمتی، گورنروں اور لفٹننٹ گورنروں کا وہی سلسلہ، پارلیمنٹ اور دھا سپھاؤں کے اندر وہی سرکاری دل (Treasury Benches) اور دروہی دل (Opposition) اور وہی دھواں دھار تقریروں۔ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمارے سولنٹر دلوں اور دروہی دلوں کے درمیان سے بڑے بڑے نہت بھی ایمانداری کے ساتھ ماتھے اور کہتے ہیں کہ شاسن چاہے کسی بھی دل کے ہاتھوں میں ہو اچھے شاسن کے لئے اچھے اور زبردست دروہی دلوں کا ہونا ضروری ہے۔ بنا ایک الگ اور کم یا ادھک ایک دوسرے کے پرتی اسپرہی راجکاجی دلوں کے وہ شاسن کی کاہنا بھی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ہم میں سے بہت سے روس اور چین جیسے دیہوں کی بابت یہ سن کر کہ وہاں الگ الگ راجکاجی پارٹیاں نہیں ہوں، یا اگر ہیں تو ایک دوسرے کے دروہی یا پرتی اسپرہی نہیں ہیں، کھیراں رہ جاتے ہیں اور یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس طرح کے کسی بھی دیہ کی حکومت اچھی اور جنت کے لئے ہتھ حکومت کیسے ہو سکتی ہے۔

پارٹیوں کے اُتار پر شامیں۔ ویسٹا دوسرے کسی دیہی کے لئے کہاں تک ہتھکڑیاں ہوئی ہے یا نہیں یا اس سے ہتھکڑیاں یا لہوں اس سوال میں ہم ابھی نہیں پوچھا چاہتے۔ ہم کہہ رہے ہیں کہ آجکل کی ویسٹا کو ہی ذرا اور پلس سے دیکھنا چاہئے۔

## آج کل کی سرکاری

دنیا کے آج کل ایک ایک زمانے میں ایک ایک چیز کا خاص زور ہوتا ہے۔ اسی کے انوسار کوئی زمانہ دھرم پر دھان سجھا جاتا ہے، کوئی سلسلہ پر دھان، کوئی ارتہ پر دھان، انسانی یہی کہی ایک ہی سہ میں ایک ایک دیشوں میں ایک لک چیزوں کا زور ہوتا ہے۔ آج کل لک لک ہیک ساری دنیا میں راجنیتی کا بول بالا ہے۔ اس لئے اس لک کو راجنیتی پر دھان لک کہا جا سکتا ہے۔ دھرم، سداچار، ارتہ، سلسلہ، کلا اور ساہتیہ سب کو آج ہم अधिकतर राजनीति ही की निगाह سے देखते हैं۔ राजनीति आज हमारे सारे मानव जीवन पर छाई हुई है। इसीलिये राजनीतिक नेता और कार्यकर्ता ही सब जगह आज दुनिया के नेता माने जाते हैं۔

کہا جاتا ہے کہ مانوہ इतिहास के शुरू में मनुष्य और पशुओं में बहुत कम अन्तर था۔ धीरे धीरे मनुष्य ने अपने मस्तिष्क के सहारे उन्नति करना शुरू किया۔ कुटुम्ब बना۔ समाज बना۔ छोटे छोटे गिरोह बने۔ उन गिरोहों में प्रबन्ध और संचालन के लिये सरदार होने लगे۔ धीरे धीरे राजा बने، सम्राट बने، और राजा और प्रजा का अन्तर पैदा हुआ۔

دنیا کے سکڑوں میں پدائی جانے والی سماج शास्त्र की अधिकतर किताबें मनुष्य की सबसे पहले की जंगली हालत से शुरू होती हैं۔ राजनीति की अधिकतर किताबें राजाओं और सम्राटों के युग से शुरू होती हैं۔

आज کل अकसर कहा जाता है कि राजाओं या सम्राटों यांनी बादशाहों या सहनशाहों का जमाना बड़े अन्धकार का जमाना था۔ उसी से गुलामी का रिवाज चला, राजा और प्रजा, मालिक और गुलाम का अन्तर पैदा हुआ, समार में ऊँच नीच की बात आई, दूसरों को चूस कर थोड़े से बड़ा बनने वालों और लाखों और करोड़ों बलित, नादार चुसने वालों में दुनिया बंट गई, इत्यादि।

यह भी कहा जाता है कि जिसे आज कल डेमोक्रेसी, जमहुरियत, प्रजातन्त्र, जनतन्त्र या लोकशाही कहा जाता है उसने जनम लेकर दुनिया और दुनिया की जनता को मुसीबत के उस गड्ढे में से निकाला। इस तरह की अधिकतर बातों में सचाई का एक अंश तो होता ही है, फिर चाहे वह रुपये में छे आने हो या बस आने। इस तरह के जनतन्त्र की सबसे बड़ी मिसालें आज संयुक्त राज अमरीका और इंग्लैन्ड की ही जाती हैं। भारत का आज कल का विधान भी, यूँ तो कहीं से कुछ और कहीं से कुछ लेकर तैयार किया गया है, पर अधिकतर प्रजातन्त्र या जनतन्त्र की इसी कल्पना पर डला हुआ है।

## آج کل کی سرکاری

دنیا کے اندر ایک ایک زمانے میں ایک ایک چیز کا خاص زور ہوتا ہے۔ اسی کے انوسار کوئی زمانہ دھرم پر دھان سجھا جاتا ہے، کوئی سلسلہ پر دھان، کوئی ارتہ پر دھان، انسانی یہی کہی ایک ہی سہ میں ایک ایک دیشوں میں ایک لک چیزوں کا زور ہوتا ہے۔ آج کل لک لک ہیک ساری دنیا میں راجنیتی کا بول بالا ہے۔ اس لئے اس لک کو راجنیتی پر دھان لک کہا جا سکتا ہے۔ دھرم، سداچار، ارتہ، سلسلہ، کلا اور ساہتیہ سب کو آج ہم अधिकतर राजनीति ही की निगाह से देखते हैं। राजनीति आज हमारे सारे मानव जीवन पर छाई हुई है। इसीलिये राजनीतिक नेता और कार्यकर्ता ही सब जगह आज दुनिया के नेता माने जाते हैं۔

کہا جاتا ہے کہ مانوہ انہاس کے شروع میں منہہ اور پشوں میں بہت کم اتر تھا۔ دھرم دھرم منہہ لے اپنے مستشک کے سہارے اُتے کرنا شروع کیا۔ نقدب بلا۔ سماج بلا۔ چوٹہ چوٹہ کرورہ بلے۔ اُن کرورہوں میں پرندہ اور سنجالی کے لئے سردار ہونے لگے۔ دھرم دھرم راجا بنے، سمراٹ بنے، اور راجا اور پرچا کا اتر پیدا ہوا۔

دنیا کے اسکولوں میں پڑتائی جانے والی سماج شاستر کی ادھنتر کتابیں منہہ کی سب سے پہلے کی جنگلی حالت سے شروع ہوتی ہیں۔ راجنیتی کی ادھک تو کتابیں راجاؤں اور سمراٹوں کے یک سے شروع ہوتی ہیں۔

آج کل اکثر کہا جاتا ہے کہ راجاؤں یا سمراٹوں یعنی بادشاہوں یا شہنشاہوں کا زمانہ بڑے اندھکار کا زمانہ تھا۔ اسی سے ظلمی کا رواج چلا، راجا اور پرچا، مالک اور ظلم کا اتر پیدا ہوا، سماج میں ارنچ نیچ کی بات آئی۔ دوسروں کو چوس کر ٹورے سے بڑا بنے والوں اور لاہوں اور کروروں دلت، نادار چیلے والوں میں دنیا بٹ گئی، انہادی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جیسے آج کل ڈیمو کریسی، جمہوریت پرچا تنتر، جن تنتر یا لوک شامی کہا جاتا ہے اُس نے جلم لیکر دنیا اور دنیا کی چلنا کو مصیبت کے اُس گڈھ میں سے نکالا۔ اِس طرح کی ادھنتر باتوں میں سچائی کا ایک اُلہ تو ہوتا ہی ہے، پر چاہے وہ روپے میں چھ آئے ہو یا دس آئے۔ اِس طرح کے جن تنتر کی سب سے بڑی مثالیں آج صلیکت راج امریکہ اور انگلینڈ کی دی جاتی ہیں۔ بھارت کا آج کل کا دھان بھی، یوں تو کہیں سے کچھ اور کہیں سے کچھ لیکر تیار کیا گیا ہے، پر ادھنتر پرچا تنتر یا جن تنتر کی اِسی کھٹا پر کھٹا ہوا ہے۔



امریکا یا انگلینڈ بنا دینے کے ہی چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف ریڈیوں کے ساتھ اپنے سہولتوں میں ہم شامی اور اٹلسا کے اُس راستے پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں جو رشتہ پتا مہاتما گاندھی نے ہمارے سامنے رکھا تھا۔ کبھی کبھی تو ہم لگ بھگ انہیں کے شبہوں میں انہیں کے ہاؤس کو پرکٹ بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہ ہے آجکل کے بھارت کا دورِ خابینہ۔

اس دورِ رخی چال کے چلنے میں سب سے بڑی بھول ہم یہ کر رہے ہیں کہ ہم ایک ایسے بنیادی اصول کو بھول جاتے ہیں کہ جو جز اور جہتیں یعنی بے جان اور جاندار دونوں طرح کی سرشتی 'میں صاف کلم کرنا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ کوئی بھی پرسپر درودھی شکایاں جب ایک ساتھ مودان میں جڑے دیں جاتی ہیں تو وہ دونوں ایک دوسرے کو کٹ کر اپنے کو نشٹ کر دیتی ہیں۔ ایک ہی دیہ کی شامیں نہتی میں ہلسا اور اٹلسا کو ساتھ ساتھ چلائے گی یہ کوشش دیہ کو اندر سے اور باہر سے دونوں طرف سے بے حد کھوکھلا کرتی جا رہی ہے۔ اگر بھارت ایک بار اس بات کو سمجھ لے اور یکے لڑائے کے ساتھ دیہ کے اندر کی دیہیتا کو اپنی پرائی کلچر سے ملا کر چلے اپنی آؤدیوٹک اور آرٹیک آکانشاؤں یعنی صنعتی اور مالی روگراموں کو اپنے ٹیکٹ اور روحانی اصولوں کے ساتھ ملا کر چلے اور پنڈرنا اور سچائی کے ساتھ 'پیسٹل کوایگزسٹینس' یعنی شامی پرووک سب کے ساتھ مل کر رہنے کے اُن اٹلساتک اصولوں اور آدرہوں پر خود عمل کرنے لگے جنہیں وہ دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے، تو اس میں کوئی سندیہ نہیں کہ دنیا کی آجکل کی ٹائملائنوں پر بھارت اُسے ویسی ہی اُپر وچلے دلا سکتا ہے جیسی وچلے راشٹر پتانے ہمیں اپنے آزادی کے سلگرام میں دلائی ہے۔

اسی بھاؤ اور اسی آشا کے ساتھ ہم اپنے دیہ بھانہوں اور اپنی سرکار سے بے ایدل کر رہے ہیں۔ ہمیں وہاں ہے کہ اگر ہم سب ملکر سٹیم کی آوشوکتا کو سمجھیں اور اُس پر عمل کریں تو ہم امریکا اور یورپ کے نقلچی اور اُن کے دست نگر بنے رہنے کے بجائے اُن کو راہ دکھانے والے اور انہیں نجات دلانے والے بن سکتے ہیں۔ آج ہم صحت صاف اُن کے نقلچی اور دست نگر بنے ہوئے ہیں۔

—سندرلال

—سندرلال

لے کین سوال یہ ہے کہ اس معاملے میں پہل کون کرے اور  
کے، اور کسے کرے؟

میری راہ میں اس سوال کا جواب سیدھا اور صاف ہے۔  
جواب یہ ہے کہ یہ پہل بھارت ہی کر سکتا ہے اور اسے ہی کرنی  
چاہئے۔ بھارت ہی کو سب سے پہلے اپنے سب ہتیار ہینک دیئے  
واہٹیں اور اپنی سب فوجیں برخاست کر دینی چاہئیں۔  
بھارت ہی اس پر ترنت اور پوری طرح عمل کر کے دیا  
سکتا ہے۔

اس کے کارن بھی صاف ہیں اور بھارت کے پرچم اور حال  
کے انہاس کے پلوں پر مؤء اکثروں میں لکے ہوئے ہیں۔  
پرچمیں سم میں اشوک نے دنیا کو ایک نیا راستہ ایسے بڑے  
پیمانے پر دکھایا کہ جس سے اس سمے اسی کی ساری نویت  
بلوادیں مل گئیں۔ اشوک کے اس کارنامے نے ہی مہاتما گاندھی  
کے آگن کے لئے زمیں تیار کی جس نے ان کے اصولوں، ان کے  
طریقوں، ان کے امنسانک اُپایوں اور ان کی آزادی کی لڑائی  
اور اس کی انتم وجہ کو ممکن بنا دیا۔

پر کٹینا یہ ہے کہ بھارت کی پرانی مچھلی اور  
رہانی تھجیہ کے ساتھ یورپ کی دنیا اور ماہا پرستی  
کے بھنکر ٹکراو نے بھارت کے راٹریہ جیون میں ایک عجیب دورخی اور دو  
دنی پیدا کر دی ہے۔ اس دورندہ یا دو رخہ پن نے جب تک مہاتما  
گاندھی جیوت رہے ان کے سوتلرتا سکرام میں برابر طرح طرح  
کی روکاوٹیں ڈالیں جن سے ان کے امنسانک مشن کو کافی  
نقصان پہونچا اور وہ جیسا چاہئے تھا کامیاب نہ ہو سکا۔ ان  
کے سوتے ہی ہمارے اس دوررخہ پن نے دیہی کی لگ بھگ  
ساری شکتی کو پچھمی راہوں پر ڈال دیا۔ مگر پھر بھی ہماری  
یہ غلط روی اور کمزوری نے زمانے کے اس رخ حالات اور ان  
شروتوں کو نہ بدل سکی جنہوں نے مہاتما گاندھی کو جنم دیا  
تھا اور نہ دنیا کی ان شکتیوں کو نشٹ کر سکی جن کی مدد  
سے مہاتما گاندھی بھارت کو اپنے وھنگ سے آزادی دلائے میں  
کامیاب ہو سکے۔

اس دوربھا یا دوررخہ پن کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے  
ہمیں ایکبار اپنے دیہی کے اندر کی حالت اور اپنے دیہی  
سمبندھوں دونوں کو پوری طرح سمجھنا ہوگا اور دونوں کا مقابلہ  
کر کے دیکھا ہوگا۔ ان دونوں کا مقابلہ کرنے سے پتہ چلیگا کہ  
ایک طرف تو دیہی کے اندر کے پروگرام پر بندھ اور دیوستھا  
میں اور دیہی کو آگے بڑھانے کی یوجناؤں میں میں ہم اپنے آپ  
کو بالکل پچھمی وچاروں اور پچھمی طریقوں کے حوالہ کر رکھا  
ہے اور دیہی کے پرہندہ اور فوجوں کے سلتین دونوں میں ہم  
نے جنہوں کے وہی آدرش اپنے سامنے رکھے ہیں جو امریکہ  
اور یورپ کے سامنے رہے ہیں یہاں تک کہ ہم اپنے دیہی کو

एक ओर सोवियत रूस की राजनीति और उसकी पालिसी में जो अवरदस्त उलट फेर हुए हैं उन्होंने और दूसरी ओर भारत की अहिंसात्मक तटस्थता यानी सौर जानिबदारी और इसके साथ भारत के 'पंचशील' के उसूल ने जो विश्व शान्ति और विश्व मैत्री की बुनियाद हो सकता है, इन दोनों ने मिलकर पूरी कामयाबी के साथ दुनिया की नैतिक तराजू के पलड़े को शान्ति की तरफ मुका दिया है, सारी दुनिया अब शान्ति के हक में आवाज उँची कर रही है, दुनिया को इससे जो शक्ति मिली है और जो अबसर मिला है उससे यदि ठीक ठीक और सच्चाई के साथ फायदा उठाया जा सके तो मानव इतिहास में एक नया पन्ना पलटा जा सकता है जिसके लिये सारी मानव जाति इस समय भुकी ओर घ्रासी है.

یہ بات بھی قدرتی اور لازمی ہے کہ اس شانتی بدھ کا سب سے خاص مقصد اور آخری منزل وہ تعربک ہو جو آج 'تس آرما مہلت' کے روپ میں چل رہی ہے یعنی بدھ دنیا کی سب قوموں کے سب ہتکار لمے لینے جاویں اور دنیا کی سب فوجوں پر خاست کر دی جاویں۔ اس شانتی آندوان کی اصلی اور آخری حیثیت ہار انہوں فوجوں اور ہتکاروں کے کم یا ختم ہو جانے کے سوال پر ٹہر رہی ہے۔ اسی ایک سوال پر یہ بھی ٹہر رہی ہے کہ مانو جاتی کا جہوں ختم ہوگا یا مانو انہاس میں ایک ایسے نئے یک اور نئی سہیتا کا ادبے ہوگا جو اب تک کے سب یکوں اور سب سہیتاؤں سے کہیں ادھک شاندار ہوگی۔ آجکل دنیا کے سامنے جتنی سمسٹانیں ہیں ان سب کے حل کی کسوٹی بھی تس آرما مہلت ہی ہے۔ اگر ایک ہار یہ سوال ٹھہک ٹھہک حل ہو جائے تو ہائی کے وہ سب سوال دھورے دھورے اپنے آپ شانتی اور سمجھوتے کے ساتھ حل ہو جائیں گے جو آج مانو جاتی کو ایک زبردست بھول بھلائی میں ڈالے ہوئے ہیں اور جن کا حل آسانی سے کسی کو سوچ نہیں رہا ہے۔ پچھلے پچاس برس کے اندر جیسے جیسے ہٹس کے نئے نئے ہتکار اور طریقے نکلتے گئے ویسے ہی آدمی کے اندر سچی مانو اور انسانیت بھی زوروں کے ساتھ پیدا ہوتی گئی۔ یہ مانو ہی شانتی آندوان میں راشٹروں کے ایک دوسرے کو ادھک اچھی طرح سمجھنے کی لچھا میں اور پوری یا ادھوری ہتکار ہادی میں اپنے کو پرکھ کر رہی ہے۔

ایک اور سوویت روس کی راجدھانی اور اُس کی پالیسی  
میں جو زبردست آنت پھوڑا ہوا ہے انہوں نے اور دوسری اور  
بھارت کی اہلسامک، تسہیلا یعنی غیر جانب داری اور اُس  
کے ساتھ بھارت کے 'پنچشول' کے اصول نے جو رشو شانتی اور  
رشو مہتری کی بھواد ہو سکتا ہے، ان دونوں نے مل کر یورپی  
کامیابی کے ساتھ دنیا کی ٹھیک قرار دے پلڑے کو شانتی کی  
طرف جھکا دیا ہے۔ ساری دنیا اب شانتی کے حق میں آواز  
اُٹھتی کر رہی ہے۔ دنیا کو اس سے جو شکی ملی ہے اور جو  
اوسر ملے اُس سے بدی توہیک ٹھیک اور سچائی کے ساتھ  
فہم ہے، اُنہی جا سمے تو مانو انہاس میں ایک نہا پلٹا پلٹا جا  
سکتا ہے جس کے لئے ساری مانتو جاتی اِس سمے ہوئی اور  
پہنسی ہے۔

# ہماری شانتی

## شانتي युद्ध

## شانتي يدہ

انگریزی میں ایک مشہور کہادت ہے کہ آدمی کے جہوں اور اس کے طرح طرح کے معاملوں میں بھی کبھی اس طرح کی ایک زوردار لہرائی ہے جس سے اگر اسی سمہ پورا پورا فائدہ اٹھا لیا جائے تو آدمی کی قسمت جاگ جاتی ہے اور اگر آدمی اس سمہ چوک جائے تو لہر کے ایک بار چڑھ کر اُنر جانے کے بعد سوائے بربادی اور بچکانہ کے اور کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔ یہاں تک کہ اس بربادی سے پہر پناہ ملنا بھی ممکن ہو جاتا ہے۔ آج دنیا میں ٹھیک اسی طرح کی ایک لہرائی ہوئی ہے۔ مائٹ جاتی کا سب سے اشدک پہلا اسی میں ہے کہ اس لہر سے وہ پورا پورا فائدہ اٹھا لے اور اُسے پیچھے ہٹ جانے کا موقع نہ دے۔

یہ لہر دنیا کا وہ زبردست آندولن ہے جسے شانتی آندولن، امن تحریک یا پیس موومنٹ کہا جاتا ہے۔ کوئی کوئی اسے "پیس-وار" یا "پیس-سٹریٹ" بھی کہتے ہیں۔ یہ لہر دنیا کا وہ زبردست آندولن ہے جسے شانتی آندولن، امن تحریک یا پیس موومنٹ کہا جاتا ہے۔ کوئی کوئی اسے "پیس-وار" یا "پیس-سٹریٹ" بھی کہتے ہیں۔ یہ لہر دنیا کا وہ زبردست آندولن ہے جسے شانتی آندولن، امن تحریک یا پیس موومنٹ کہا جاتا ہے۔ کوئی کوئی اسے "پیس-وار" یا "پیس-سٹریٹ" بھی کہتے ہیں۔

یہ لہر دنیا کا وہ زبردست آندولن ہے جسے شانتی آندولن، امن تحریک یا پیس موومنٹ کہا جاتا ہے۔ کوئی کوئی اسے "پیس-وار" یا "پیس-سٹریٹ" بھی کہتے ہیں۔ یہ لہر دنیا کا وہ زبردست آندولن ہے جسے شانتی آندولن، امن تحریک یا پیس موومنٹ کہا جاتا ہے۔ کوئی کوئی اسے "پیس-وار" یا "پیس-سٹریٹ" بھی کہتے ہیں۔

یہ لہر دنیا کا وہ زبردست آندولن ہے جسے شانتی آندولن، امن تحریک یا پیس موومنٹ کہا جاتا ہے۔ کوئی کوئی اسے "پیس-وار" یا "پیس-سٹریٹ" بھی کہتے ہیں۔ یہ لہر دنیا کا وہ زبردست آندولن ہے جسے شانتی آندولن، امن تحریک یا پیس موومنٹ کہا جاتا ہے۔ کوئی کوئی اسے "پیس-وار" یا "پیس-سٹریٹ" بھی کہتے ہیں۔

یہ لہر دنیا کا وہ زبردست آندولن ہے جسے شانتی آندولن، امن تحریک یا پیس موومنٹ کہا جاتا ہے۔ کوئی کوئی اسے "پیس-وار" یا "پیس-سٹریٹ" بھی کہتے ہیں۔ یہ لہر دنیا کا وہ زبردست آندولن ہے جسے شانتی آندولن، امن تحریک یا پیس موومنٹ کہا جاتا ہے۔ کوئی کوئی اسے "پیس-وار" یا "پیس-سٹریٹ" بھی کہتے ہیں۔

یہ لہر دنیا کا وہ زبردست آندولن ہے جسے شانتی آندولن، امن تحریک یا پیس موومنٹ کہا جاتا ہے۔ کوئی کوئی اسے "پیس-وار" یا "پیس-سٹریٹ" بھی کہتے ہیں۔ یہ لہر دنیا کا وہ زبردست آندولن ہے جسے شانتی آندولن، امن تحریک یا پیس موومنٹ کہا جاتا ہے۔ کوئی کوئی اسے "پیس-وار" یا "پیس-سٹریٹ" بھی کہتے ہیں۔

बहादुरी को सराहते हुए अपनी पिछली दुरमनी को भुला दिया. इस दोस्ती से सिखों में फिर कुछ हौसला बढा और वह अंग्रेजी क्राज में भरती होने लगे जहाँ वे अपनी सिख निशानियों को जैसे के तैसा ही कायम रख सकते थे. लेकिन और सब बातों में सिखों में कोई जीवन नहीं रह गया था. उनमें न तो धार्मिक जीवन था और न कौमी जीवन. वह उन्हीं पुराने देवताओं को पूजने लगे थे और वही पुरानी और लचर रस्में अदा करते थे जिनमें से उन्हें निकालने के लिये उनके गुरुओं ने निहायत बहादुरी से कोशिश की थी. सिखों की तालीम और पाँच निशानियाँ सिर्फ बराए नाम बूझ गई. आजकल की संघ सभा सिखों को फिर पुराने ठीक रास्ते पर लाने की कोशिश कर रही है.

بہادری کو سراہتے ہوئے اپنی پچھلی دُرمانی کو بھولا دیا۔ اس دوستی سے سکھوں میں بھر کچھ حوصلہ بڑھا اور وہ انگریزی فوج میں بھرتی ہوئے لکہ جہاں وہ اپنی سکھ نشانیوں کو جیسا کہ تیساریں قائم رکھ سکتے تھے۔ لیکن اور سب باتوں میں سکھوں میں کوئی جہوں نہیں رہ گیا تھا۔ اُن میں نہ تو دھارمک جہوں تھا اور نہ قومی جہوں۔ وہ انہیں پرانے دیوتاؤں کو پوجتے لکہ تھے اور وہی پرانی اور لچر رستمیں ادا کرتے تھے جن میں سے انہیں نکالنے کے لئے اُن کے گروں نے نہایت بہادری سے کوشش کی تھی۔ سکھوں کی تعلیم اور اور پانچ نشانیوں صرف برائے نام رہ گئیں۔ آجکل کی سبھا سکھوں کو پھر پرانے ٹھیک راستے پر لانے کی کوشش کر رہی ہے۔

700 PAGES,  
32 ILLUSTRATIONS  
2 COLOURED MAPS

## "CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madra.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of man and matter...brings to the light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi





رکھا۔ 8۔ عیسائی گرجوں کے کھلے ہوئے تو انہیں لوگوں کو دیکھ جاتے تھے جو یہودیوں سے عیسائی ہوتے تھے اور جن کا ختنہ ہوتا تھا۔

اسی طرح جب پرانے سکھ جن کو کرو گوند سکھ نے خود دیکھا دی تھی، شہید ہوئے اور ان کی اولاد جھڑپلی (پردیس) میں رہنے کے لئے مجبور ہو گئی اور سنگتوں ہلا سرکاروں کے رہ گئیں تو وہ پرانے رسم رواجوں اور وشواسوں میں ڈھل گئیں۔ جو لوگ چھوٹی قوموں میں سے آئے تھے ان سے اور ان لوگوں سے فرق ہونے لگا جو اونچے ذاتوں سے آئے تھے۔ دیکھا لہئے کے بعد بھی کچھ کو تو صرف دروازہ پر ہی جکھ ملتی تھی اور دوسروں کو مندر کے اندر داخل ہونے کا حکم ہوتا تھا۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو اُس مصیبت کے زمانے میں کپے طور پر سکھ ہونے کا اقرار کرنے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔ ان کو اجازت دی گئی کہ وہ سکھ دھرم کی اوپری نشانہوں کے بغیر ہی کام چلائیں اور ایسے آدمیوں کو 'سہجداروں' کہا گیا۔ ان دنوں جب لہئے کبھی رکھنا مرت کو بلاتا تھا کوئی آدمی ان کے اُس نہیں بدلتا پر اعتراض کرنے کا خیال دل میں نہیں لانا تھا جو سہجداروں نے اختیار کر رکھا تھا۔ ان کو سکھ دھرم پر پورا اعتقاد تھا مگر وہ اُس کے لئے مرنے کو تیار نہ تھے۔ جن سہجداروں نے یہ رعایتی طریقہ اختیار کر رکھا تھا وہ اعلیٰ سکھوں کی برابری کا دعوہ نہیں کرتے تھے۔ یہ اپنے جلاوطن بیانیوں کی اسپرٹ اور ان کی ظاہری شکل کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اور ہر طرح ان کی مدد کیا کرتے تھے۔

اس طرح سکھ اسپرٹ اور ہارز زندگی خالصہ کی صورت میں اُس وقت بھی قائم رکھا گیا جب کہ قصبوں اور شہروں میں پابندیاں ڈھیلی ہو گئیں تھیں۔ سردارتن سکھ کے اکہ ہوئے "پلیہ پرکاش" میں لکھا ہے کہ مصیبت کے زمانے کے بعد بھی جس میں ہو کر وہ گذر چکے تھے لڑنے والے سکھوں کے دلوں میں پرانی بہارنہ اب بھی صاف صاف اور مستعدی سے موجود تھی۔ وہ اب بھی دورتی پوجا سے دور رہتے ہیں اور نئے طریقے پر شادی کرتے اور بلیت کی حکمت سب سے بڑھ کر مانتے ہیں۔ جو سوچواؤ (نچوہڑوں) ان کی سنگت یا پلچایت میں ملے ہوتی ہیں ان پر عمل کرتے ہیں۔ جیلو، اوتار، ذات-پات یا چوہا چھوٹ کو نہیں مانتے اور آزادی سے ان لوگوں کو واپس لے لیتے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے۔ بہت سے مشہور سکھوں نے ایسی مسلمان عورتوں سے شادی کی جنہوں نے سکھ دھرم کو اپنا لیا تھا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں—اٹرب سکھ جو چلدر تھال کا رہنے والا برعین تھا، مسخت سکھ بلیج گڈہ کا کھتری تھا۔

یہ بھی بلدا کے سرحد فتح کرنے پر کچھ مسلمانوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا (دیکھا دستورالہذا) مصائب باز مسخت)۔

اس طرح سکھ اسپرٹ اور ہارز زندگی خالصہ کی صورت میں اُس وقت بھی قائم رکھا گیا جب کہ قصبوں اور شہروں میں پابندیاں ڈھیلی ہو گئیں تھیں۔ سردارتن سکھ کے اکہ ہوئے "پلیہ پرکاش" میں لکھا ہے کہ مصیبت کے زمانے کے بعد بھی جس میں ہو کر وہ گذر چکے تھے لڑنے والے سکھوں کے دلوں میں پرانی بہارنہ اب بھی صاف صاف اور مستعدی سے موجود تھی۔ وہ اب بھی دورتی پوجا سے دور رہتے ہیں اور نئے طریقے پر شادی کرتے اور بلیت کی حکمت سب سے بڑھ کر مانتے ہیں۔ جو سوچواؤ (نچوہڑوں) ان کی سنگت یا پلچایت میں ملے ہوتی ہیں ان پر عمل کرتے ہیں۔ جیلو، اوتار، ذات-پات یا چوہا چھوٹ کو نہیں مانتے اور آزادی سے ان لوگوں کو واپس لے لیتے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے۔ بہت سے مشہور سکھوں نے ایسی مسلمان عورتوں سے شادی کی جنہوں نے سکھ دھرم کو اپنا لیا تھا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں—اٹرب سکھ جو چلدر تھال کا رہنے والا برعین تھا، مسخت سکھ بلیج گڈہ کا کھتری تھا۔ یہ بھی بلدا کے سرحد فتح کرنے پر کچھ مسلمانوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا (دیکھا دستورالہذا) مصائب باز مسخت)۔



گورو گوبند سنگھ نے بالکل صاف صاف کہا ہے کہ سب دوسروں میں سے ہمدردی اور محبت رکھتے ہیں ایسا نہ کریں کہ اپنے پیار کو دوسروں کے ساتھ ملا کر گھر پر کر دیں۔ سب اپنی بسموں کو چاروں فرقوں کے لوگوں سے الگ ہی رکھیں گے۔ وہ سب سے مناسب ہوتا کریں گے لیکن اُن کا وشواس اور زندگی کے کام کا عمل سب سے الگ رکھیں گے۔ 2 سب اپنے اہل کو بہت دنوں تک ہر طرف رکھے رہے اور ہندو اور مسلمان دونوں کے میل سے بہت فائدہ اٹھاتے رہے اور اپنی ترقی کو دونوں طرف کے غلط اثر سے بچاتے رہے۔ لیکن جب سکھوں کو مغل حکومت سے لڑنا پڑا تو اُن کی وہ بوڑھا کم ہونے لگی۔ گورو گوبند سنگھ محبت کے بھنڈار ہونے کے سبب سے اپنے دشمنوں کے دلوں میں بھی محبت پیدا کر سکے۔ اور تکیہ کا ایک سپہ سالار سید بیگ گورو سے جنگ کرنے آیا لیکن اُن سے ملاقات ہونے پر اُسے افسوس ہوا اور شرم سے لوٹ کر اُس نے عہد کر لیا کہ ظلم کی مدد کے لئے میں کبھی جنگ نہ کروں گا۔ بدھو شاہ نے بھی خاں اور غنی خاں مسلمان ہی تھے جنہوں نے بہت نازک وقت پر گورو کی مدد کی تھی۔ سکھوں سے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی نفرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں سکھ دھرم کی بڑھتی ہوئی اور مسلمانوں کا سکھوں میں شامل ہونا کم ہوتا گیا۔ پہلے تک کہ جب بعد کے مثل بادشاہوں کی سختیاں بابا بندا کے ہندو اور سکھوں کے خلاف بڑھ گئیں تو سکھوں میں دیکھا صرف ہندو تک ہی محدود ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ دھرم نے جو تھا خیال پیدا کیا تھا اُس میں پرانے ہندو خیال بھی شامل ہونے لگے۔

یہی حال عیسائی دھرم کا بھی ہوا تھا۔ شروع میں جب زیادہ تر یہودیوں میں سے بھی عیسائی ہلتے تھے تو نئے عیسائیوں کے ساتھ پرانے یہودی طریقے پر ہوتا تھا۔ اُس طریقے میں اندر کے حلقے کے مریدوں اور باہر والے مریدوں میں فرق سمجھا جاتا تھا۔ اندر کے حلقے کے مریدوں کا ختم ہوا کرنا تھا اور وہ یہودی رسم ادا کیا کرتے تھے، گرجے کے سب سے اندر کے حصے تک جانے کا حقدار ہوتے تھے اور باہر کے حلقے کے مریدوں کو جو اُن رسموں کی پابندی نہ کرتے تھے صرف ’ہمدرد‘ سمجھا جاتا تھا۔ اُن کو صوف گرجے کے دروازے پر ہی پوجا کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ عیسائیوں اور غیر یہودیوں میں بھی فرق

یہی حال عیسائی دھرم کا بھی ہوا تھا۔ شروع میں جب زیادہ تر یہودیوں میں سے بھی عیسائی ہلتے تھے تو نئے عیسائیوں کے ساتھ پرانے یہودی طریقے پر ہوتا تھا۔ اُس طریقے میں اندر کے حلقے کے مریدوں اور باہر والے مریدوں میں فرق سمجھا جاتا تھا۔

اندر کے حلقے کے مریدوں کا ختم ہوا کرنا تھا اور وہ یہودی رسم ادا کیا کرتے تھے، گرجے کے سب سے اندر کے حصے تک جانے کا حقدار ہوتے تھے اور باہر کے حلقے کے مریدوں کو جو اُن رسموں کی پابندی نہ کرتے تھے صرف ’ہمدرد‘ سمجھا جاتا تھا۔ اُن کو صوف گرجے کے دروازے پر ہی پوجا کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ عیسائیوں اور غیر یہودیوں میں بھی فرق

یہی حال عیسائی دھرم کا بھی ہوا تھا۔ شروع میں جب زیادہ تر یہودیوں میں سے بھی عیسائی ہلتے تھے تو نئے عیسائیوں کے ساتھ پرانے یہودی طریقے پر ہوتا تھا۔ اُس طریقے میں اندر کے حلقے کے مریدوں اور باہر والے مریدوں میں فرق سمجھا جاتا تھا۔

اندر کے حلقے کے مریدوں کا ختم ہوا کرنا تھا اور وہ یہودی رسم ادا کیا کرتے تھے، گرجے کے سب سے اندر کے حصے تک جانے کا حقدار ہوتے تھے اور باہر کے حلقے کے مریدوں کو جو اُن رسموں کی پابندی نہ کرتے تھے صرف ’ہمدرد‘ سمجھا جاتا تھا۔ اُن کو صوف گرجے کے دروازے پر ہی پوجا کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ عیسائیوں اور غیر یہودیوں میں بھی فرق

”نہ میں تمہارے کو ہج کرنے جاؤں اور نہ ہندوؤں کے تہوں میں پوجا کرتے۔“

”میں صرف اُس ایک کی ہندگی کروں گا کسی دوسرے کی نہیں۔“

”میں نہ مورتیوں کو پوجوں گا اور نہ نماز پڑھوں گا۔“

”میں اپنے دل کو سیکہ اُس کے کلموں میں لگاؤں گا جو سب سے اعلیٰ ہے۔“

”ہم نہ ہندو ہیں اور نہ مسلمان۔“

”ہم نے اپنے تان اور اپنی جانوں کو اللہ کے نام قربان کر دیا ہے۔“ — مہاراجا، دہلیستان کا لکھنؤ کے خزانے اور ساتویں گوروؤں کے زمانے میں پناہ آیا تھا، وہ سیکھوں کی بات لکھتا ہے —

”گورو نانک کے سیکھ مورتی پوجا کو بھرا کہتے ہیں۔ انکا خیال ہے کہ سب گورو گورو نانک کے ہی آواتار ہیں۔ وہ ہندو مانتوں کو نہیں پڑھتے اور نہ ہندو مانتوں کی کوئی خاص عزت کرتے ہیں۔ وہ ہندو آواتاروں کو نہیں مانتے اور نہ سیکھ ہی پڑھتے ہیں جو ہندوؤں کی رائے میں دیوتاؤں کی زبان ہے۔“

سیکھوں کو ہندو شاستروں میں لکھے ہوئے ریت رواج پر یقین نہیں اور نہ وہ کھانے پینے میں چھوٹے چھوٹے کی پابندیوں کے قائل ہیں۔ ایک عالم ہندو پرنسپل مل نے جب یہ دیکھا کہ اُس کا لڑکا اسلام کی طرف جھکا ہے تو اُس نے اُس سے کہا تھا — ”تم کو مسلمان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اگر تم کھانے پینے کی آزادی چاہتے ہو تو اچھا ہو کہ تم سیکھ ہو جاؤ۔“

گورو کے لنگرخانے میں اور براہیروں کے لئے سب کو ایک ساتھ بیٹھا کر کھانا کھانے کے سوائے سب اپنے گوروؤں میں کسی طرح کی کوئی بڑی رسم ادا نہیں کرتے۔ اِس لئے آپس میں جھگڑے کی کوئی وجہ نہیں پیدا ہوتی اور نہ اُن میں الگ الگ فرقہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ امرتسر کے گوروؤں میں مذہبی پوجا صرف یہ ہوتی ہے کہ رات دن اکلے پائے گرنے صاحب کا جاری رکھا جاتا ہے۔ صرف آدمی رات کے قریب ایک دو گھنٹے بند رکھتا ہے۔ باقی تمام وقت راگی لوگ گرنے صاحب کے شہد ہوتے ہیں۔ کسی طرح کی کوئی لچر بازی یا بھٹ مباحثہ وہاں نہیں ہوتا اور اِس لئے کوئی حسد آپس میں پیدا نہیں ہوتی۔ سیکھوں کا یہ سادہ اور خوبصورت رواج 250 برس پہلے موجان رائے بقاہ رائے نے دیکھا تھا۔ اُس نے 1667 عیسوی میں اپنی کتاب ”خس التاریخ“ میں لکھا ہے —

”ان کے لئے صرف پوجا کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے گوروں کے پائے پھیلنے کو مانتے سروں میں ساڑ اور بالوں کے ساتھ ملے گئے ہیں۔“

”نہ میں تمہارے کو ہج کرنے جاؤں اور نہ ہندوؤں کے تہوں میں پوجا کرتے۔“

”میں صرف اُس ایک کی ہندگی کروں گا کسی دوسرے کی نہیں۔“

”میں نہ مورتیوں کو پوجوں گا اور نہ نماز پڑھوں گا۔“

”میں اپنے دل کو سیکہ اُس کے کلموں میں لگاؤں گا جو سب سے اعلیٰ ہے۔“

”ہم نہ ہندو ہیں اور نہ مسلمان۔“

”ہم نے اپنے تان اور اپنی جانوں کو اللہ کے نام قربان کر دیا ہے۔“ — مہاراجا، دہلیستان کا لکھنؤ کے خزانے میں پناہ آیا تھا، وہ سیکھوں کی بات لکھتا ہے —

”گورو نانک کے سیکھ مورتی پوجا کو بھرا کہتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ سب گورو گورو نانک کے ہی آواتار ہیں۔ وہ ہندو مانتوں کو نہیں پڑھتے اور نہ ہندو مانتوں کی کوئی خاص عزت کرتے ہیں۔ وہ ہندو آواتاروں کو نہیں مانتے اور نہ سیکھ ہی پڑھتے ہیں جو ہندوؤں کی رائے میں دیوتاؤں کی زبان ہے۔“

سیکھوں کو ہندو شاستروں میں لکھے ہوئے ریت رواج پر یقین نہیں اور نہ وہ کھانے پینے میں چھوٹے چھوٹے کی پابندیوں کے قائل ہیں۔ ایک عالم ہندو پرنسپل مل نے جب یہ دیکھا کہ اُس کا لڑکا اسلام کی طرف جھکا ہے تو اُس نے اُس سے کہا تھا — ”تم کو مسلمان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اگر تم کھانے پینے کی آزادی چاہتے ہو تو اچھا ہو کہ تم سیکھ ہو جاؤ۔“

گورو کے لنگرخانے میں اور براہیروں کے لئے سب کو ایک ساتھ بیٹھا کر کھانا کھانے کے سوائے سب اپنے گوروؤں میں کسی طرح کی کوئی بڑی رسم ادا نہیں کرتے۔ اِس لئے آپس میں جھگڑے کی کوئی وجہ نہیں پیدا ہوتی اور نہ اُن میں الگ الگ فرقہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ امرتسر کے گوروؤں میں مذہبی پوجا صرف یہ ہوتی ہے کہ رات دن اکلے پائے گرنے صاحب کا جاری رکھا جاتا ہے۔ صرف آدمی رات کے قریب ایک دو گھنٹے بند رکھتا ہے۔ باقی تمام وقت راگی لوگ گرنے صاحب کے شہد ہوتے ہیں۔ کسی طرح کی کوئی لچر بازی یا بھٹ مباحثہ وہاں نہیں ہوتا اور اِس لئے کوئی حسد آپس میں پیدا نہیں ہوتی۔ سیکھوں کا یہ سادہ اور خوبصورت رواج 250 برس پہلے موجان رائے بقاہ رائے نے دیکھا تھا۔ اُس نے 1667 عیسوی میں اپنی کتاب ”خس التاریخ“ میں لکھا ہے —

”ان کے لئے صرف پوجا کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے گوروں کے پائے پھیلنے کو مانتے سروں میں ساڑ اور بالوں کے ساتھ ملے گئے ہیں۔“

بھیلا کسی فرقے کے سب کو اپنے مذہب میں شامل کر لیا۔ علاوہ اور ہی ایسے طریقے تھے جن سے ہم دھرم کی اس بھڑائی کو قائم رکھا جاتا تھا۔ ”مگروں کا لنگر“ جس میں بالخصوص چھوٹے بچے سب کو کھانا ملتا تھا، اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ وہ تمام راکھوں جو فرقہ اور مذہب کے تعصب کی وجہ سے قائم تھیں دور ہو جائیں اور سب برابر ہو جائیں۔ اس لئے یہ قاعدہ رکھا گیا تھا کہ جو بھی کھانا کھائے، اُسے چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان، سب کو ایک پائیک میں بیکٹ کر ایک ساتھ کھانا ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر اور راجہ صاحب ہوں تو کو بھی، جب وہ گرو امرداس سے ملاقات کرنے گئے تھے، اُسی طرح سب کے ساتھ بیکٹ کر کھانا کھانا پڑا تھا۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ مسلمان اور بچے ذات کے ہندو سب دیکھ رہے تھے۔ میں جیسے اونچی ذات والا، گرو ارجن دیتا ہے 1 گرو صاحب میں ان لوگوں کی ساکھیاں بھی شامل کی ہیں۔ ان میں کئی صاحب مسلمان چلائے تھے، فرید ایک مسلمان فقیر، بھیکوں ایک مسلم عالم، ساہیو فائی نام دیو چھوٹے، درو داس مرجی، مردانہ مسلمان، مردہ اور بہت سے دوسرے مسلمان راگی شامل ہیں۔ یہ بات اور بھی صاف ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم لوگ اُس پورے گرو صاحب کو جس میں یہ سب راگ ساکھیاں وغیرہ شامل ہیں ایشوری یا الہامی سمجھتے ہیں اور اُس کی پرحد عزت کرتے ہیں۔

لیکن باتوں کا اثر اُس زمانے کے سکھوں کی عدالتوں اور رسم رواجوں پر برابر دکھائی پڑتا ہے۔ ہم لوگ ہندو اور مسلمانوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے تھے اور مذہبی طور پر اپنے کو ان میں سے کسی فرقے میں شامل نہیں کرتے تھے۔ گرو نانک کا پہلا قول جب انہوں نے پرچار شروع کیا تھا یہ تھا کہ ”نا کوئی ہندو نا مسلمان“ اور جب اُن کا چولا چھوٹا تو ہندو مسلمان دونوں اُن کو اپنا بتاتے تھے۔ گرو ارجن نے اپنی کتاب میں نہایت دلہری سے صاف صاف کہا ہے—

”میں نہ ہندو ورت رکھتا ہوں اور نہ دھن کے روزے۔“

”میں صرف اُس کی عبادت کرتا ہوں، وہی مہری آخری پناہ ہے۔“

”میں نے ہندو اور ترک دونوں سے ناتا توڑ لیا ہے۔“

”میں صرف ایک مالک کو مانتا ہوں جو اللہ ہے۔“

1 ”ساری ملکیت ایک ساتھ بالخصوص برہن یا اشرم کے لنگر خانے میں داخل ہو کر ایک پائیک میں بیکٹتی تھی اور سمجھا جاتا تھا کہ سب ایک برابر صاف اور پاک ہیں۔“—سوربہ پرنس، راس 1—صفحہ 30۔

ان باتوں کا असर उस जमाने के सिखों को अदालतों और رسم रिवाजों पर बराबर दिखाई पड़ता है. सिख लोग हिन्दुओं और मुसलमानों को एक ही निगाह से देखते थे और मज़हबी तौर पर अपने को इनमें से किसी फरीक में शामिल नहीं करते थे. गुरु नानक का पहला कौल जब उन्होंने प्रचार शुरू किया था यह था कि ”ना कोई हिन्दू न मुसलमान और जब उनका बोला छुटा तो हिन्दू मुसलमान दोनों उनको अपना बताते थे. गुरु अर्जुन ने अपनी किताब में निहायत विलेरी से साफ-साफ कहा है—

”मैं न हिन्दू व्रत रखता हूँ और न रमजान के रोजे.“

”मैं सिर्फ उसकी इबादत करता हूँ, वही मेरी आखिरी पनाह है.“

”मैंने हिन्दू और तुर्क दोनों से नाता तोड़ लिया है.“

”मैं सिर्फ एक مالिक को मानता हूँ जो अल्लाह है.“

1. ”सारी संगत एक साथ बिला लिहाज बरन या आश्रम के संगरखाने में दाखिल होकर एक पंगत में बैठती थी और समझा जाता था कि सब एक बराबर साफ और पाक हैं“—सूर्य प्रकाश रास 1—बाब 20

سجّان—جو کہ پہلے ایک ڈاکو تھا مگر گرونانک فی  
نصیحت سے سکھ ہوا اور اُن کے دھرم کا اُس نے پزیر کیا؛  
ایک نواب کا لڑکا جس کو ڈاکے بھائی یا دے جالندھر دو آب  
میں سکھ بنایا تھا؛ وزیر خاں—اکبر کا ایک نائب وزیر تھا اور  
خفیہ طور پر گرو ارجن دیو کی تعلیم پر عمل کرتا تھا؛ بدھن  
شاہ—گرو نانک کا بڑا بھرت تھا اور آخر میں گرو گروند کے  
ہمالے میں سکھ ہو کر ہی مرا؛ بی بی گلدن—لاہور کے  
قلی کی لڑکی تھی اور اُس کو گرو گروند نے سکھ دھرم کی  
تعلیم دی تھی؛ سیفاباں ریاست—پتیاہ کے رہنے والے شفیق  
الدین کو گرو تیغ بہادر نے عین اپنی گرفتاری سے پہلے سکھ  
بنایا تھا؛ سید شاہ کو بھائی نند لال نے سکھ بنایا؛ ایک  
مسلمان نقہر ابراہیم نے سب سے پہلے اپنے کو گرو گروند سکھ کے  
روپر سکھ دھرم اختیار کرنے کے لئے پیش کیا تھا۔ گرو نے اُس کا  
نام اجمہر سکھ رکھا اور سکھوں کو ایک حکم جاری کیا کہ  
”اگر کوئی مسلمان اذان ہو یا اعلیٰ سچائی سے خاصہ دھرم  
ماننا چاہتا ہو تو مناسب ہے کہ اُس کو دیکھا دی جائے اور  
سلکت میں شامل کر لیا جائے۔“

بہت سے ناموں میں سے جنہوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا  
یہ صرف چند نام ہیں۔ ان نام سکھوں کی حالت جانچ کرنے  
پر جو گرو نانک اور اُن کے بعد سلکت میں شامل ہوئے تھے  
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پتھان، سید اور شیعہ جن کو معلوم  
شکست دے دی تھی سکھ مذہب کو زیادہ پسند کرتے تھے  
جب کہ مغزور مغل اُن لوگوں کا دھرم اختیار کرنا اپنی توہین  
سمجھتے تھے جن کو انہوں نے جنگ میں شکست دی تھی۔  
جہانگیر کو گرو ارجن نے خلافت جیسا کہ جہانگیر نے خود  
”ننگ جہانگیری“ میں لکھا ہے سب سے بڑی شکایت یہ تھی  
کہ ”بہت سے سودھے سادھے ہندو ہی نہیں بلکہ بہت سے بدو و عرف  
مسلمان بھی گرو ارجن کی دیکھا اور طریقوں سے موہت ہو جاتے  
ہیں۔“ گرو نے بہت سے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا دی تھی جو  
نوجھی ذاتوں کے تھے۔ مثلاً رام داس جو مچھی تھے۔ گرو گروند  
سکھ نے پیہل (سکھ بدلے) کا دروازہ سب کے لئے ہر اور کھول دیا  
تھا۔ یہاں تک کہ مہتروں کو بھی دیکھا دی تھی اور انہیں اُن  
کے مضبوط وشولس کے لئے ’مذہبی‘ کہا جاتا تھا۔ اُن مذہبوں کو  
بعض وقت وزن دیکھتے تھے کہیں ہنس، اِس کی وجہ یہ ہو سکتی  
ہے کہ اُن میں سے بہت سے لوگ ’رائگر‘ ذات کے مسلمان تھے۔  
اِن لوگوں نے گرو تیغ بہادر کی بلی ہوئی تھی تو نکال لئے میں  
نہایت چوڑمزدی سے کام لیا تھا۔ اِس پر اُن کو گرو گروند سکھ  
نے ’تھپتھپ کے پتھر‘ کہہ کر پکڑا تھا۔



## सिख मजहब का दरमियानी रास्ता

प्राकैसर तेजासिंह एम० ए०

सिख धर्म उस वक़्त तक सिर्फ एक मजहबी आन्दोलन था जब तक कि दुनियावी ताक़त की हविस का उस पर असर न हुआ था. गुरु के सिख गुरुओं ने ज़ालिम हाकिमों से लड़ाई शुरू लड़ी थी मगर वह किसी लोभ में न आये थे. छठे सिख गुरु ने जितनी लड़ाइयाँ लड़ीं उन सब में फतह पाई और दसवें गुरु साहब ने भी ज्यादातर लड़ाइयों में फतह पाई थी. मगर उन लड़ाइयों में जीतने पर भी उन्होंने एक इंच ज़मीन पर भी क़ब्ज़ा नहीं किया. जो कुछ ज़मीन उनके पास थी उसको उन्होंने या तो नज़द रुपया देकर खरीदा था या उनके चेलों ने उन्हें नज़र दी थी.

सिख गुरुओं के पास जब ऐशो आराम के सारे सामान मौजूद थे तब भी उन्होंने अपना रहन सहन सादा ही बनाये रखा. जिन रागियों की साखियाँ ग्रंथ साहब में जमा की गई हैं उन्होंने हमेशा औसत दर्जे के रहन सहन के तरीके को ही सराहा है. इसे वे राजयोग कहा करते थे—ऐसा योग जो त्याग और भोग दोनों के बीच का रास्ता है. यह कहना ठीक नहीं है कि पाँचवें या छठे सिख गुरु के ज़माने से सिख धर्म का मेआर गिर गया और गुरुओं को सच्चा बादशाह और उनकी गद्दी को तख़्त और सिखों की संगत को दरबार कहा जाने लगा. लेकिन गुरु गुरुओं और खासकर उन रागियों की तहरीरों से जिनकी साखियाँ दूसरे गुरु के वक़्त से ही लिखी जाने लगी थीं यह साफ़ मालूम होता है कि इस तरह के लफ़्ज़ बाद में नहीं चले बल्कि गुरु से ही काम में आते रहे हैं. एशिया में फ़कीर महात्माओं का दर्जा बादशाहों से बड़ा माना जाता रहा है और उनकी शान में इसी तरह की पदबियाँ काम में लाई जाती रही हैं.

सिख धर्म में तब्दीली बाद में जरूर हुई लेकिन यह तब्दीली उस वक़्त से ही नज़र आती है जब आखिरी गुरु साहब पंजाब से चले गये थे और दक्खिन में जाकर उन्होंने शरीर त्याग दिया था. गुरु के जिन 'बुने हुए भक्तों' ने गुरु गोबिन्दसिंह से सबक पाया था और जिनकी मौजूदगी से आम सिक्खों में सच्चाई की भावना कायम रह सकी थी उनको गुरु के शरीर त्यागने के बाद कमन्धोरों की हिफाज़त करने के लिये अपनी जिन्दगी बचाना और ज़ालिमों से लड़ना पड़ गया और उन्हें आम लोगों से दूर चला जाना पड़ा. उस वक़्त आम-सिक्खों को या तो अपनी क्रिस्मत पर भरोसा करना पड़ा या उन पुराने पेशेवर गुरुओं से सबक लेना पड़ा जिन को अब रुपया लेकर अपने पुराने पेशे को

## सिख मजहब का दरमियानी रास्ता

प्रोफ़ेसर लुचिया साहू. ایم. اے.

सिख धर्म उस वक़्त तक सिर्फ एक मजहबी आन्दोलन था जब तक कि दुनियावी ताक़त की हविस का उस पर असर न हुआ था. गुरु के सिख गुरुओं ने ज़ालिम हाकिमों से लड़ाई शुरू लड़ी थी मगर वह किसी लोभ में न आये थे. छठे सिख गुरु ने जितनी लड़ाइयाँ लड़ीं उन सब में फतह पाई और दसवें गुरु साहब ने भी ज्यादातर लड़ाइयों में फतह पाई थी. मगर उन लड़ाइयों में जीतने पर भी उन्होंने एक इंच ज़मीन पर भी क़ब्ज़ा नहीं किया. जो कुछ ज़मीन उनके पास थी उसको उन्होंने या तो नज़द रुपया देकर खरीदा था या उनके चेलों ने उन्हें नज़र दी थी.

सिख धर्म में तब्दीली बाद में जरूर हुई लेकिन यह तब्दीली उस वक़्त से ही नज़र आती है जब आखिरी गुरु साहब पंजाब से चले गये थे और दक्खिन में जाकर उन्होंने शरीर त्याग दिया था. गुरु के जिन 'बुने हुए भक्तों' ने गुरु गोबिन्दसिंह से सबक पाया था और जिनकी मौजूदगी से आम सिक्खों में सच्चाई की भावना कायम रह सकी थी उनको गुरु के शरीर त्यागने के बाद कमन्धोरों की हिफाज़त करने के लिये अपनी जिन्दगी बचाना और ज़ालिमों से लड़ना पड़ गया और उन्हें आम लोगों से दूर चला जाना पड़ा. उस वक़्त आम-सिक्खों को या तो अपनी क्रिस्मत पर भरोसा करना पड़ा या उन पुराने पेशेवर गुरुओं से सबक लेना पड़ा जिन को अब रुपया लेकर अपने पुराने पेशे को

सिख धर्म में तब्दीली बाद में जरूर हुनी लेकिन यह तब्दीली उस वक़्त से ही नज़र आती है जब आखिरी गुरु साहब पंजाब से चले गये थे और दक्खिन में जाकर उन्होंने शरीर त्याग दिया था. गुरु के जिन 'बुने हुए भक्तों' ने गुरु गोबिन्दसिंह से सबक पाया था और जिनकी मौजूदगी से आम सिक्खों में सच्चाई की भावना कायम रह सकी थी उनको गुरु के शरीर त्यागने के बाद कमन्धोरों की हिफाज़त करने के लिये अपनी जिन्दगी बचाना और ज़ालिमों से लड़ना पड़ गया और उन्हें आम लोगों से दूर चला जाना पड़ा. उस वक़्त आम-सिक्खों को या तो अपनी क्रिस्मत पर भरोसा करना पड़ा या उन पुराने पेशेवर गुरुओं से सबक लेना पड़ा जिन को अब रुपया लेकर अपने पुराने पेशे को



मुसलमानों की दोस्ताना मजहदी बहस बराबर चलती रहती थी.

مسلمانوں کی دوستانہ مذہبی بحث ہرگز چلتی رہتی تھی۔

1. Islamic Culture Vol. 1, No. 2 pp. 190-191.
2. کنز العمال-جلد اول (جلد 1، صفحہ 440) (محدثین) فتح البلدان
3. Ibn Batuta (H. A. R. Gibb) p. 295
4. Burton's Pilgrimage to Al-Madinah, Vol. 11, p. 174.
5. AS. Soc. Vols. iii and iv
6. Balazuri, p. 489.
7. The Caliphate its Rise, Decline and Fall, by Sir W. Muir, pp. 354-355.
8. Islamic Culture, Vol. I, No. 2. p. 205
9. Ajaib al Hind (ed. P. A. Von Der Lith), p. 155.
10. Abid, p. 481.
11. Voyage du Merchant Sulayman (Paris), p. 119.
12. Ibn Hauqal (de Goeje) p. 232.
13. Ahsan ut-Taqasim, p. 482.
14. Voyage du Merchant Sulayman (Paris), p. 119.
15. Muruj-uz-Zahab (Paris), Vol I. pp. 253-54.
16. Ajaib al-Hind, pp. 2-3
17. Voyage du Merchand Arfb (Frrand), p. 139.
18. Ajaib al-Hind, p. 147.
19. Fihrist pp. 345-349.

700 PAGES,  
32 ILLUSTRATIONS  
2 COLOURED MAPS

## "CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madra.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the lighty mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi



پجاری تھے اور انکے تعداد میں عرب، سواح، عالم، تاریخ دان اور جغرافیہ دان بھارت میں آ کر کہاں کے اس لامحدود خزانے سے دان حاصل کرتے تھے۔ ہارون الرشید کے وزیر بہوایمی نے ایک عام کو اس بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ ہندستان میں رائج مختلف مذہبوں اور ممالک کی جڑی بوٹیوں کے بارے میں اپنی تفصیلی رپورٹ پیش کرے۔ ابن ان-منظوم کا کہنا ہے: کہ اُس نے بتاریخ 349 ہجری کی انکسری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اس رپورٹ کی ایک نقل دیکھی ہے۔ ابن ان-منظوم نے مطابق اس رپورٹ میں ہلمہ رائے کی راجدھانی مہانگر کے دیو مندروں اور ملتان اور بھارت کے مختلف مذہبوں اور مذہبی کتابوں کا بھی بیان کیا۔ ابن ان-منظوم نے پوری کذب کا خاصہ بھی دیا ہے۔ جن مذہبی کتابوں کا اس میں بیان ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں—مہاکالیا، آدیت پکتیا، چلندر پکتیا، وکرانتیا (جس کے ہر وکر زنجیر پہنتے تھے) گنگا یاتریا، راج پتریا اور ایک اور فرقہ جس کے حامی امہ ہال دیکھتے تھے، شراب سے پرہیز کرتے تھے اور عورتوں کی صحبت سے بچتے تھے۔“ 19

ہندوستان کے مغربی ساحل پر جگہ جگہ ہندو مسلمانوں کی جس طرح کی ملی جلی آبادیاں اُس وقت بس گئیں تھیں اور جس طرح دونوں ایک دوسرے کے مذہب کی کہانی اور مذہبی گہراڑیوں میں داخلہ پانے کی کوشش کر رہے تھے، ان کا یہ شوق آپس کے گہرے تعاقب اور ہل چل سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔

ہندوستان کے مغربی ساحل پر جگہ جگہ ہندو مسلمانوں کی جس طرح کی ملی جلی آبادیاں اُس وقت بس گئیں تھیں اور جس طرح دونوں ایک دوسرے کے مذہب کی کہانی اور مذہبی گہراڑیوں میں داخلہ پانے کی کوشش کر رہے تھے، ان کا یہ شوق آپس کے گہرے تعاقب اور ہل چل سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔

ہندوستان کے مغربی ساحل پر جگہ جگہ ہندو مسلمانوں کی جس طرح کی ملی جلی آبادیاں اُس وقت بس گئیں تھیں اور جس طرح دونوں ایک دوسرے کے مذہب کی کہانی اور مذہبی گہراڑیوں میں داخلہ پانے کی کوشش کر رہے تھے، ان کا یہ شوق آپس کے گہرے تعاقب اور ہل چل سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔

ہندوستان کے مغربی ساحل پر جگہ جگہ ہندو مسلمانوں کی جس طرح کی ملی جلی آبادیاں اُس وقت بس گئیں تھیں اور جس طرح دونوں ایک دوسرے کے مذہب کی کہانی اور مذہبی گہراڑیوں میں داخلہ پانے کی کوشش کر رہے تھے، ان کا یہ شوق آپس کے گہرے تعاقب اور ہل چل سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔

اس وقت کے ایک راجہ کے باپت لکھا ہے کہ اُس نے خلیفہ ہارون الرشید کو خط لکھ کر کسی ایسے مسلم عالم کو بھیجنے کی درخواست کی جو راجہ کے ہندو پلڈنوں سے مذہبی بحث کر سکے۔ اسی واقعہ کا ایک دوسرا بیان یہ ہے کہ راجہ نے مسلمان عالم کو اس لئے بلایا تاکہ وہ ایک بہت اچھے بودہ عالم سے مذہبی بحث مباحثہ کر سکے۔ یہ صحیح بھی ہو سکتا ہے۔ پھر حال وہ مسلم عالم بھارت آیا، لیکن اُس بودہ عالم کے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ کئی دن تک بحث ہوئی رہی۔ مسلم عالم قرآن اور حدیث کو آخری سند کہہ کر پیش کرنا تھا جب کہ بودہ عالم قرآن اور حدیث دونوں سے انکار کرنا تھا۔ اُس کے بعد بحث خدا کے وجود پر شروع ہو گئی اور بودہ جواب دے لگا اور اُس ہار کی شرم سے بچنے کے لئے کہہ میں ایک دن اُس مسلمان عالم کو زہر دے کر مروا ڈالا۔ لیکن اُس انسوسٹاک رائج سے یہ مذہبی بحث رکی نہیں اور اُس زمانے کے واقعات میں ان کی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو

## ہندو مسلمانوں کا تعلق...

اگرچہ اس میں بڑا۔ مٹل کے طور پر مسعودی لکھتا ہے۔  
”کھمبات کا راجہ مسلمانوں اور دوسرے مذہبی پیروکاروں  
کے ساتھ جو اس کے دربار میں آتے تھے، مذہبی خیالات کا تبادلہ  
کرتا تھا۔ 15

اسی طرح سے بزرگ بن شہریار لکھتا ہے کہ اور کے راجہ  
مہرزگ نے جس کی حکومت اونچے اور نیچے کے کشمیر کے بیچ  
میں تھی، منصوبہ کے راجہ کو لکھا کہ وہ کسی ایسے آدمی کو  
بھجے جو ہندی زبان میں اسلام کے اصولوں کو سمجھا سکے۔  
منصور کے بادشاہ نے عبداللہ نامی ایک قابل شخص کو جو  
تین برس تک منصور کے ساتھ رہا تھا اور بھجوا دیا۔ اس  
نے قرآن کا ہندی میں ترجمہ کر کے روز راجہ کو سنانا شروع کیا۔  
راجہ پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ 16 اس طرح کے اثر پڑنے اس  
وقت قدرتی تھے۔ اس کے بعد مسلم ملکوں میں ہندوؤں کی  
آمدرفت شروع ہوئی اور دونوں کے بیچ کے سماجی تعلقات اور  
زیادہ گہرے اور دلچسپ ہوتے گئے۔ سلیمان لکھتا ہے۔

عراق کے بادشاہ سہراف میں بہت سے عابدو رہتے ہیں اور  
جب کوئی عرب سوداگر ان کی دعوت کرتا ہے تو ان کی  
تعداد سو تک پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے ہر شخص کا کہنا  
انگ انگ رگایوں میں پڑا جاتا ہے کیونکہ ایک ہی رگای  
میں کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کھاتا۔ 17 انہیں  
ہندوؤں کے مطابق بزرگ بن شہریار لکھتا ہے۔

”یہ لوگ بول چال کی عربی اس صفائی سے اور جلد جلد  
بولتے ہیں کہ ہمارے عالم فضل سواری دنگ اور حیران رہ  
جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں عام طور پر سندھی، گجراتی اور  
ملکانی ہیں جو عرصہ قدیم سے ہمارے ملکوں کے ساتھ تجارت  
کرتے آ رہے ہیں۔“ 18

اس تجارتی رشتے سے ہندوستان مسلم ملکوں کے گہرے مہل  
جول میں آیا اور اسلامی دنیا پر اپنے گہانے سائنس، روحانی  
تعلقات اور مذہب کا اثر ڈال پایا۔ عرب اور ایرانی سوداگر  
ہندوستان سے تجارتی مال کے ساتھ ساتھ صلہ اور سائنس کے گہرے  
بھی لے جاتے تھے۔

دوسری طرف عباسی خلیفوں کے دربار کی انسانی رحمدلی  
اور مذہبی برداشت سے متاثر ہو کر ہندو پختہ بڑی تعداد میں  
ہندوؤں میں جمع ہوئے لکھ خلیفہ کے دربار میں تعظیم اور ویدک  
کے سب سے اعلیٰ عہدوں پر ہندو پختہ ہی سرفراز تھے۔  
مسلمانوں کے دلوں میں ہندوستان کے گہانے کی بھارتی گہرائی  
کی تہا لہے کی گہائی، بھارتی اور سرچشمہ شہل بھارت کو  
چاند کا گہرا اثر پیدا ہوا۔ عرب کے عالم گہانے کے سچے

اس نے اسلام کے بارے میں اپنی واقفیت لوگوں کو بتائی۔ اس نے بتایا کہ مسلمانوں کا خلیفہ نہایت مافی زدگی بسر کرتا ہے اور غرور اسے چھو تک نہیں گیا۔ شہر یار لکھتا ہے—”یہی وجہ ہے کہ ہندو مسلمانوں سے اتنی محبت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اتنی ہمدردی رکھتے ہیں۔“ 10 سلیمان سوداگر لکھتا ہے—”راجہ بلہر کی طرح راجہ کچر بھی عربوں کی جانب دوستانہ برتاؤ رکھتا ہے۔“ 11

اگست 951ء میں ہندوستان آیا تھا۔ اس کے جغرافیہ کی کتاب میں ہندوستان کا بیان ہے۔ اگست 951ء میں سب سے پہلے ہندوستان کے ایک صوبے سندھ کا نقشہ تیار کیا۔ اگست 951ء کے وقت تک خاص خاص شہروں میں ہندو مسلم تجارت کے مرکز قائم ہو چکے تھے۔ ایک مسلم مصنف نے مطابق ان مرکزوں میں ہندو اور مسلمانوں کے سماجی رشتے کے نقشے کی شکل میں ملے جاتے رسم رواج اور برتاؤ ملتے جارہے تھے۔ اس ہوکل لکھتا ہے—”مہتان میں ہندو اور مسلمان ایک ہی سی پوشاک پہنتے ہیں اور ایک ہی نقشے کے بال سلواتے ہیں۔ منصورہ اور ملتان اور اس پاس کے شہروں میں دونوں یکساں عربی اور سندھی زبان بولتے ہیں۔“ 12 بسہری لکھتا ہے کہ—”سندھ میں عربی، فارسی اور سندھی تھیں یکساں سمجھی جاتی ہیں۔“ 13 اگست 951ء اور ابن ہوکل لکھتے ہیں کہ ہندو علاقوں میں مسلمان جگہ جگہ بس گئے تھے اور انہوں نے عبادت کے لئے مسجدیں تعمیر کر لی تھیں۔ سلیمان سوداگر سنکھ کے بارے میں لکھتا ہے کہ—”سنکھ میں مختلف مذاہب کے پیروکار بستے ہیں اور سنکھ کا راجہ ان مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے اپنے مذہب کو پھیلانے کی اجازت دیتا ہے۔“ 14

یہ ظاہر ہے کہ تجارت کے مرکز تہذیبی ردوبدل کے بھی مرکز تھے۔ اس میں خاص شہر خوردار، ماحوزا، منصورہ اور جلدی وغیرہ تھے۔ جو مسلمان ان شہروں میں بس گئے تھے وہ قوم کے عرب تھے۔ وہ بہاریوں میں اس درجے مل جل گئے تھے کہ کچھ ہندوؤں بعد ان کا پہچانا جاتا ہی ناممکن ہو گیا۔

ان کے طور طریقے، خیالات بالکل ہندوؤں جیسے ہو گئے۔ ان لوگوں کی ایک الگ ہی جماعت بن گئی جو تمام جنوبی بھارت میں پھیل گئی۔ ان میں سے ایک جماعت علی کو شو کا اولاد سمجھ کر پوجا کرتی تھی۔

تجارتی رشتے کے ساتھ جن جن تہذیبی لہجوں میں بڑھاپے میں تھیں، انہوں نے عربوں میں ایک دوسرے کو جانتے سمجھتے اور ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے کے مذہب کی زبانہ واقفیت حاصل کرنے کا

اگرچہ واضح ہے کہ تجارت کے مرکز تہذیبی ردوبدل کے بھی مرکز تھے۔ اس میں خاص شہر خوردار، ماحوزا، منصورہ اور جلدی وغیرہ تھے۔ جو مسلمان ان شہروں میں بس گئے تھے وہ قوم کے عرب تھے۔ وہ بہاریوں میں اس درجے مل جل گئے تھے کہ کچھ ہندوؤں بعد ان کا پہچانا جاتا ہی ناممکن ہو گیا۔

ان کے تیر تیرے، کھالوات بیکول ہندوؤں جیسے ہو گئے۔ ان لوگوں کی ایک الگ ہی جماعت بن گئی جو تمام جنوبی بھارت میں پھیل گئی۔ ان میں سے ایک جماعت علی کو شو کا اولاد سمجھ کر پوجا کرتی تھی۔

تجارتی رشتے کے ساتھ انہوں نے عربوں میں ایک دوسرے کو جانتے سمجھتے اور ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے کے مذہب کی زبانہ واقفیت حاصل کرنے کا

موہنات کا .کایم ہو گیا جس میں خلیفہ تک نے  
مذہب میں مادیوں کو گرائے یا کلام کو پھیلنے کی اجازت  
نہیں دی۔

آرمین تارخیاں سر ویلیام سٹور افسوس کے ساتھ  
لیکھتا ہے :—

”یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عرب .فاتحہ جو  
دہشتا ماتوہت .کیموں کے ساتھ برتتے تھے وہ ہندوستان  
میں جا کر بیکھل بکھل گیا .مندیروں کو جیوں کا تھو  
مہ .فوج بھوک دیا گیا اور بھوت-پرستی کی کوئی مناہی  
نہیں کی گئی .جیسا کہ وین نے لکھا ہے ’ہندوستان کی  
لڑائی مہادی جی جی یا جہاد نہیں رہ گئی کیونکہ  
وہاں مذہبی تبدیلی کا سوال ہو نہیں سکتا تھا . سلسلہ میں  
اللہ کی پرستش کے ساتھ ساتھ بتوں کی پرستش کی بھی آزادی  
ہو گئی..... اور اس طرح باوجود اسلامی حکومت کے بھارت  
ایک بت پرست ملک بنا رہا گیا۔“ 7

جرمن آلیس وان کمر لکھتا ہے—

سینہ میں ابول .کاسم کی حکومت میں اور اسکے  
باد بھی براہمنوں کی بکھت اور شان جیوں کی تھو .کایم  
رہی . جیوں کی مالگوشاری بھی 3 .کیسوی جیوں کی تھو  
جاری رکھی گئی . ہندوؤں کو بھلی بکھت تھی کہ وہ من  
مانے مندیروں بنوائے ، مسلمانوں کے ساتھ تیار کرتے  
اور بکھت ہو کر اپنی بکھت کے لیے جو کچھ مونا سب  
سمانے کرتے۔“ 8

اس پر آسانی سے پتہ چل سکتا ہے کہ  
ان حالات کے اندر دونوں گروہ ایک دوسرے کی طرف  
بکھت تھے نہ کہ نرمل ہو گئے ہوں اور دونوں میں  
تھو .کایم ہو گیا . لہذا سینہ ہی بکھت ایسا  
سوا نہیں تھا جہاں دونوں گروہوں کے بیچ  
دوستانہ سماجی بکھت تھا . بھارت کے تمام  
ساحل کے مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل جل کر  
کے ساتھ رہ رہے تھے . مسلم سپاہیوں کے مطابق  
مسلمانوں اور  
بھارتی بکھتوں میں بکھت بکھت چلا رہا تھا . بزرگ بن  
شہر یار نہیں صدی کے بھارت کے بکھت بکھت کے بارے  
میں اپنے خاص تجربوں کے بل پر لکھتا ہے—”بکھت یا بکھتوں کا گروہ  
سکھل کا رہنے والا ہے . انہیں مسلمانوں سے بکھت اور مسلمانوں  
کی جانب بکھت بکھت نہیں .“ 9 ان بکھتوں نے اسلام کے  
بارے میں واقفیت حاصل کرنے کے لیے اپنا ایک نمائندہ عرب  
بکھت . بکھت خلیفہ عمر کے وقت میں عرب پہنچا . واپس  
لوٹتے ہوئے مکران میں اس کا انتقال ہو گیا . لیکن اس  
کا ایک ساتھی صحیح سلامت سکھل پہنچا اور وہاں

”یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عرب فاتح جو روہ مانتھ  
قوموں کے ساتھ برتتے تھے وہ ہندوستان میں جا کر بالکل اٹ گیا .  
مادیوں کو جیوں کا تھو محفوظ چھوڑ دیا گیا اور بت پرستی  
کی کوئی مہادی نہیں کی گئی . جیسا کہ وین نے لکھا ہے  
'ہندوستان کی لڑائی مذہبی جنگ یا جہاد نہیں رہ گئی کیونکہ  
وہاں مذہبی تبدیلی کا سوال ہو نہیں سکتا تھا . سلسلہ میں  
اللہ کی پرستش کے ساتھ ساتھ بتوں کی پرستش کی بھی آزادی  
ہو گئی..... اور اس طرح باوجود اسلامی حکومت کے بھارت  
ایک بت پرست ملک بنا رہا گیا۔“ 7

آرمین تارخیاں سر ویلیام سٹور افسوس کے ساتھ لکھتا ہے—

”یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عرب فاتح جو روہ مانتھ  
قوموں کے ساتھ برتتے تھے وہ ہندوستان میں جا کر بالکل اٹ گیا .  
مادیوں کو جیوں کا تھو محفوظ چھوڑ دیا گیا اور بت پرستی  
کی کوئی مہادی نہیں کی گئی . جیسا کہ وین نے لکھا ہے  
'ہندوستان کی لڑائی مذہبی جنگ یا جہاد نہیں رہ گئی کیونکہ  
وہاں مذہبی تبدیلی کا سوال ہو نہیں سکتا تھا . سلسلہ میں  
اللہ کی پرستش کے ساتھ ساتھ بتوں کی پرستش کی بھی آزادی  
ہو گئی..... اور اس طرح باوجود اسلامی حکومت کے بھارت  
ایک بت پرست ملک بنا رہا گیا۔“ 7

جرمن عالم وان کریم لکھتا ہے—

سلسلہ میں ابولقاسم کی حکومت میں اور اس کے بعد بھی  
بکھتوں کی عزت اور شان جیوں کی تھو قائم رہی . زمین  
کی مالگوشاری بھی 3 فیصد جیوں کی تھو جاری رکھی گئی .  
ہندوؤں کو بھلی اجازت تھی کہ وہ من مانے مندیروں بنوائے  
مسلمانوں کے ساتھ تجارت کریں اور بکھت ہو کر اپنی بکھت  
کے لیے جو کچھ مناسب سمجھیں کریں۔“ 8

اس پر آسانی سے اعتبار کیا جا سکتا ہے کہ ان حالات کے  
اندہ دونوں گروہ ایک دوسرے کی طرف بکھت تھے نہ کہ  
نرمل ہو گئے ہوں کہ اور دونوں میں تھو .کایم ہو گیا .  
لہذا سینہ ہی بکھت ایسا سوا نہیں تھا جہاں دونوں گروہوں  
کے بیچ دوستانہ سماجی بکھت تھا . بھارت کے تمام  
ساحل کے مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل جل کر  
کے ساتھ رہ رہے تھے . مسلم سپاہیوں کے مطابق  
مسلمانوں اور  
بھارتی بکھتوں میں بکھت بکھت چلا رہا تھا . بزرگ بن  
شہر یار نہیں صدی کے بھارت کے بکھت بکھت کے بارے  
میں اپنے خاص تجربوں کے بل پر لکھتا ہے—”بکھت یا بکھتوں کا گروہ  
سکھل کا رہنے والا ہے . انہیں مسلمانوں سے بکھت اور مسلمانوں  
کی جانب بکھت بکھت نہیں .“ 9 ان بکھتوں نے اسلام کے  
بارے میں واقفیت حاصل کرنے کے لیے اپنا ایک نمائندہ عرب  
بکھت . بکھت خلیفہ عمر کے وقت میں عرب پہنچا . واپس  
لوٹتے ہوئے مکران میں اس کا انتقال ہو گیا . لیکن اس  
کا ایک ساتھی صحیح سلامت سکھل پہنچا اور وہاں

باسموت اور تفسیل سے لکھا ہے اور جسکا باد کے مسننوں نے بھی سناد کے تیر پر ہوا دیا ہے۔ ان کے علاوہ ابن رستاق (903 عیسوی) ابو رزاف (913 عیسوی) لساخوری (951 عیسوی) مسعودی (945 عیسوی) مطاہر ابن طاہر (959 عیسوی) ابن بطوطہ (918 عیسوی) حمد اللہ مصطفیٰ اور بعد کے دوسرے مسلم تاریخ دانوں نے اس وقت کے ہندستان کے بارے میں نہایت قیمتی تاریخی، تجارتی، جغرافیائی اور سماجی جانکاری کی باتیں اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔

عربوں یا عربی تہذیب نے یونانی اور भारतीय آثار تہذیب سے ہی بڑھ پایا۔ عرب عیسائی تہذیب کی بیرونی شکل حالانکہ سیمٹک اور ایرانی تھی لیکن اس کا سائنسی اور روحانی گہاں اس کی ویدک اور اس کی فلسفی پر گہرا ہارتی اور بعد میں یونانی اثر پڑا۔ اس کے عربی تہذیب میں ہارتی روح طاہر ہو رہی تھی۔ سندھ کی فتح کے بعد ہارت کی مالی دولت کے ساتھ ساتھ ہارت کی روحانی دولت بھی خلیفہ کے دربار میں پہنچی۔ ہارتی یونیورسٹیوں میں تفسیر میں ضرور مسلم طالب علم رہے ہوں گے۔ کاشمیر اس زمانے میں تہذیب کا خاص مرکز تھا جہاں ایرانی بودھ طلبہ تعلیم حاصل کرتے آئے کرتے تھے۔ عباسی تہذیب کو خلیفہ کے ہرمی (بودھ) وزیروں نے جو عظمت اور شان دی وہ بلاشبہ بے مثال ہے۔ قانون اور انصاف کے وزیروں کی حیثیت سے اور تہذیب کے روشنی کے مہلار کی حیثیت سے کوئی بھی ایرانی یا عرب شاعری خاندان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ ہرمی اس وقت بودھ مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور انہیں کی کوشش سے عربوں اور ہارتوں میں گہرا تہذیبی رشتہ قائم ہوا تھا۔ انہیں کی کوشش سے اسلامی تہذیب نے دل کھول کر ہارتی تہذیب کی دین کو دونوں ہاتھوں سے قبول کیا۔

جب مسلمانوں نے سن 707 عیسوی میں سندھ فتح کیا تو انہوں نے دیکھا کہ سبک بودھوں اور براہمن حکمرانوں میں بٹا ہوا ہے اور براہمن دھرم دھرم بودھوں کو بچانے جا رہے ہیں۔ براہمنوں اور عربوں کی جنگ میں بودھوں نے عربوں کا ساتھ دیا اور اس طرح سے عربوں کی سندھ فتح کو آسان بنا دیا۔ سندھ فتح کرنے کے بعد ابو القاسم نے اعلان کیا کہ ”ہارت کے باشندے بھی ایک خدا کی پرستہ کرتے ہیں اور ان کے مندر بھی عیسائی کے گرجوں پرستہ کے ستاروں اور ماگوں کے آئینوں کی طرح ہیں اور اسی طرح سے یہ لوگ اہل کتاب ہیں جس طرح سے عیسائی اور بودھ“ 6 حندہ وجہ کے بعد سے ہی عربوں اور ہارتوں میں ایک ایسی مقبوضہ

عربی یا عربی تہذیب نے یونانی اور भारतीय آریہ تہذیب سے ہی وجود پایا۔ عرب عیسائی تہذیب کی بیرونی شکل حالانکہ سیمٹک اور ایرانی تھی لیکن اس کا سائنسی اور روحانی گہاں اس کی ویدک اور اس کی فلسفی پر گہرا ہارتی اور بعد میں یونانی اثر پڑا۔ اس کے عربی تہذیب میں ہارتی روح طاہر ہو رہی تھی۔ سندھ کی فتح کے بعد ہارت کی مالی دولت کے ساتھ ساتھ ہارت کی روحانی دولت بھی خلیفہ کے دربار میں پہنچی۔ ہارتی یونیورسٹیوں میں تفسیر میں ضرور مسلم طالب علم رہے ہوں گے۔ کاشمیر اس زمانے میں تہذیب کا خاص مرکز تھا جہاں ایرانی بودھ طلبہ تعلیم حاصل کرتے آئے کرتے تھے۔ عباسی تہذیب کو خلیفہ کے ہرمی (بودھ) وزیروں نے جو عظمت اور شان دی وہ بلاشبہ بے مثال ہے۔ قانون اور انصاف کے وزیروں کی حیثیت سے اور تہذیب کے روشنی کے مہلار کی حیثیت سے کوئی بھی ایرانی یا عرب شاعری خاندان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ ہرمی اس وقت بودھ مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور انہیں کی کوشش سے عربوں اور ہارتوں میں گہرا تہذیبی رشتہ قائم ہوا تھا۔ انہیں کی کوشش سے اسلامی تہذیب نے دل کھول کر ہارتی تہذیب کی دین کو دونوں ہاتھوں سے قبول کیا۔

جب مسلمانوں نے سن 707 عیسوی میں سندھ فتح کیا تو انہوں نے دیکھا کہ سبک بودھوں اور براہمن حکمرانوں میں بٹا ہوا ہے اور براہمن دھرم دھرم بودھوں کو بچانے جا رہے ہیں۔ براہمنوں اور عربوں کی جنگ میں بودھوں نے عربوں کا ساتھ دیا اور اس طرح سے عربوں کی سندھ فتح کو آسان بنا دیا۔ سندھ فتح کرنے کے بعد ابو القاسم نے اعلان کیا کہ ”ہارت کے باشندے بھی ایک خدا کی پرستہ کرتے ہیں اور ان کے مندر بھی عیسائی کے گرجوں پرستہ کے ستاروں اور ماگوں کے آئینوں کی طرح ہیں اور اسی طرح سے یہ لوگ اہل کتاب ہیں جس طرح سے عیسائی اور بودھ“ 6 حندہ وجہ کے بعد سے ہی عربوں اور ہارتوں میں ایک ایسی مقبوضہ

جب مسلمانوں نے سن 707 عیسوی میں سندھ فتح کیا تو انہوں نے دیکھا کہ سبک بودھوں اور براہمن حکمرانوں میں بٹا ہوا ہے اور براہمن دھرم دھرم بودھوں کو بچانے جا رہے ہیں۔ براہمنوں اور عربوں کی جنگ میں بودھوں نے عربوں کا ساتھ دیا اور اس طرح سے عربوں کی سندھ فتح کو آسان بنا دیا۔ سندھ فتح کرنے کے بعد ابو القاسم نے اعلان کیا کہ ”ہارت کے باشندے بھی ایک خدا کی پرستہ کرتے ہیں اور ان کے مندر بھی عیسائی کے گرجوں پرستہ کے ستاروں اور ماگوں کے آئینوں کی طرح ہیں اور اسی طرح سے یہ لوگ اہل کتاب ہیں جس طرح سے عیسائی اور بودھ“ 6 حندہ وجہ کے بعد سے ہی عربوں اور ہارتوں میں ایک ایسی مقبوضہ

نشان قدم ایک ارنچے کالہ پتھر پر نقش ہے۔ یہ نشان پتھر پر اتنے اندر دھنس گیا ہے کہ اب تک جہوں کا تھیں قائم ہے۔ یہ نشان سرا آٹھ فٹ لمبا ہے۔ 8  
اس سجائی کو ثابت کرنے کے لئے کہ ہندستان سب ملکوں کا  
سرتاج ہے اس طرح کی دلیلوں آخری نمونہ کی طرح پوہی  
کی جاتی تھیں۔ ان باتوں سے مسلمان ہندستان کے اور زیادہ  
قرب آتے آتے اور آئے (ایڈا پاک ملک سمجھ کر اس سے صحبت  
کرنے لگتے تھے۔ لوگ اس وقت تک روایتیں نہیں گہرا کرتے  
جب تک کہ اس کے پوچھنے کوئی خاص وجہ نہ ہو۔

اِسی طرح ہندو بھی مسلمانوں کے کعبہ کو اپنا ہی دھرم مندر سمجھتے تھے۔ ایک زمانے میں کعبہ، عرب اور عرب کے اُس پاس کے رہنے والے سبھی دھرم مذہب والوں کا ایک پاک مرکز تھا۔ نیچے کے واقعہ کو ناممکن ماننے والے بھی یہیں اُس سے حدیث میں نہیں آنا چاہئے۔ برقی لکھا ہے۔

”ہندو پلڈت اِس بات کو زور کے ساتھ کہتے ہیں کہ مکہ میں شو اور پاروتی ’کوتیشور‘ اور ’کوتیشوری‘ کی شکل میں جلوہ افروز ہیں... کچھ مصنفین کا کہنا ہے کہ حضرت محمد کے وقت مکہ کے دیوبی دیوتوں میں لکڑی میں بنی ہوئی کوتیشور اور کوتیشوری کے بت تھے جنہیں علی نے پیغمبر کے گداہوں پر چڑھ کر نیچے کرا دیا تھا۔ 4

دل فرقت لکھا ہے —

”ہمارے کہتے ہیں کہ مکہ یا ’موشیش‘ یا ’موش‘ استہان‘  
میں جو کالا پتھر ہا ’سنگ اسود‘ ہے وہ ’موشیشور‘  
پتھر کہلاتا ہے۔ اوتار کا نشان ہے۔ پتھر اور پارتی اوتار کے  
اپنے پتھروں کی پوجا سے خوش ہو کر موشیشور کی شکل میں مکہ  
میں چلے گئے ہوتے تھے۔ 5

ہندو مسلمان سپاہوں اور مصنفوں نے بھارت کی اس  
وقت کی حالت کو اپنے گزشتوں میں درج کیا ہے۔ سلسلہ کے  
انہاس پر پہلا گزشتہ 'چھپتہ نامہ' ہے، جو ہندوئی شکل میں  
عربی میں لکھا گیا۔ وہ مسلم تاریخ دانوں کی ہندستان پر  
پر پنی تاریخی کتاب ہے۔ 'چھپتہ نامہ' کے بعد ابن خلدون  
بہت نے سن 815 عیسوی میں ہندستان کے جغرافیہ پر ایک  
کتاب لکھی۔ ایک دوسری کتاب ابوالہد نے سن 916 عیسوی  
میں لکھی جس میں ملیمان سوداگر کی بھارت اور چین کی  
سپاہوں کا حال درج ہے۔ اس میں ہندستان کی مذہبی اور  
سماجی حالتوں پر بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی  
ہے۔ اس زمانے کا ایک دوسرا تاریخ دان ابوالہد البلیخی  
(984 عیسوی) ہے جس نے ہندستان کی تاریخ پر بہت



اگرچہ سیدھاگروں کا ایک جتھا سنگھ دیپ میں 'آدم کی چوٹی' کا سفر کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ کرنٹانور کے بندرگاہ میں راجہ چیرومن پیرومل نے ان سوداگروں کا استقبال کیا۔ سوداگروں نے پیغمبر محمد کے ذریعہ چاند کے ٹکڑے لے کر جانے کی کہانی راجہ کو سنائی۔ راجہ نے اسلام قبول کر لیا اور چپ چاپ ان سوداگروں کے ساتھ مدینہ کا سفر کیا۔ واپس لوٹتے ہوئے راستہ میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ مرنے وقت چیرومن نے مسلمانوں کو شاہی فرمان کے ذریعہ مسجدیں بنوانے کی اجازت دے دی۔ اُسی کے مطابق سلاہار میں کئی چکن مسجدیں بنائی گئیں۔ بلجری بھی سن 842 عیسوی کے قریب پچھلی اتر بھارت کے ایک راجہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ سلانا ہے۔ 2 بزرگ بن شہریار اور سوداگر سلیمان جو نویں صدی میں ہندستان آئے تھے لکھتے ہیں کہ ہندستان کے راجاؤں کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف بے حد اچھا خیال موجود تھا۔

پتا نہیں کہسے مسلمانوں کے دلوں میں یہ پتہ بھرتا کر رہا ہے کہ انسانی قوم کے پہلے پیغمبر اور پہلے انسان حضرت آدم پرشت سے نکالے جانے کے بعد ہندوستان میں سکھ دیپ میں آکر اترے۔ ہندستان میں جو خوشبودار پھول اور جڑی بوٹی پھرتی ہیں وہ حضرت آدم ہی پرشت کے 'دبغ ارم' سے پہلے آئے تھے جس پر پتھر پر حضرت آدم اترے۔ اُس پر ان کے قدموں کا نشان آج تک موجود ہے۔ اسی پتھر کے نشان کو سنگھ کے ہندو بھکوان ہندو کے نشان قدم سے سج کر پوجتے ہیں۔ بعد کے مسلم لکھکوں نے دوسرے لکھکوں کے مقابلے میں بھارت کی عظمت پر اس ہلا پر اور زیادہ زور دیا ہے کہ حضرت آدم انسانی قوم کے پہلے پیغمبر تھے اور اللہ نے اپنا حکم سب سے پہلے انہیں کو سنایا اور آدم چونکہ اُس وقت ہندستان میں تھے اس لئے ہندستان ہی کو سب سے پہلے حکم خدا سننے کا فخر ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ شاید اسی لئے اسلام کے پیغمبر نے فرمایا ہے—”میں ہندستان سے پہلے آئی ہوئی اللہ کے وجود کی بھٹی بھٹی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔“ عام مسلمانوں کے لئے ہندستان کی سرزمین کی پاکیزگی کی یہ آخری اور زبردست دلیل ہے۔ اِس طرح کی روایتیں کہیں شروع ہوئیں اِس کی میں وجہ نہیں پہنچ سکا لیکن یہ بھی یہ بھارت کے مسلمانوں کے علم اعتبار کا جو بنی ہوئی ہیں۔ پڑھ لکھ اور مسجددار لوگ بھی ان روایتوں کو لفظ بہ لفظ سچ مانتے ہیں۔

ابن بطوطہ (1377 عیسوی) نے بھی حضرت آدم کے پاک نشان قدم کی زیارت کی تھی۔ اِس نشان کو دیکھ کر اُس نے لکھا ہے—”حضرت آدم کا یہ پاک

پتا نہیں کہسے مسلمانوں کے دلوں میں یہ پتہ بھرتا کر رہا ہے کہ انسانی قوم کے پہلے پیغمبر اور پہلے انسان حضرت آدم پرشت سے نکالے جانے کے بعد ہندوستان میں سکھ دیپ میں آکر اترے۔ ہندستان میں جو خوشبودار پھول اور جڑی بوٹی پھرتی ہیں وہ حضرت آدم ہی پرشت کے 'دبغ ارم' سے پہلے آئے تھے جس پر پتھر پر حضرت آدم اترے۔ اُس پر ان کے قدموں کا نشان آج تک موجود ہے۔ اسی پتھر کے نشان کو سنگھ کے ہندو بھکوان ہندو کے نشان قدم سے سج کر پوجتے ہیں۔ بعد کے مسلم لکھکوں نے دوسرے لکھکوں کے مقابلے میں بھارت کی عظمت پر اس ہلا پر اور زیادہ زور دیا ہے کہ حضرت آدم انسانی قوم کے پہلے پیغمبر تھے اور اللہ نے اپنا حکم سب سے پہلے انہیں کو سنایا اور آدم چونکہ اُس وقت ہندستان میں تھے اس لئے ہندستان ہی کو سب سے پہلے حکم خدا سننے کا فخر ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ شاید اسی لئے اسلام کے پیغمبر نے فرمایا ہے—”میں ہندستان سے پہلے آئی ہوئی اللہ کے وجود کی بھٹی بھٹی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔“ عام مسلمانوں کے لئے ہندستان کی سرزمین کی پاکیزگی کی یہ آخری اور زبردست دلیل ہے۔ اِس طرح کی روایتیں کہیں شروع ہوئیں اِس کی میں وجہ نہیں پہنچ سکا لیکن یہ بھی یہ بھارت کے مسلمانوں کے علم اعتبار کا جو بنی ہوئی ہیں۔ پڑھ لکھ اور مسجددار لوگ بھی ان روایتوں کو لفظ بہ لفظ سچ مانتے ہیں۔

ابن بطوطہ (1377 عیسوی) نے بھی حضرت آدم کے پاک نشان قدم کی زیارت کی تھی۔ اِس نشان کو دیکھ کر اُس نے لکھا ہے—”حضرت آدم کا یہ پاک



خویشامیوں سے خوشنظر ہیں۔“ لیکن ہندوستان کے بارے میں سہی سہی جانکاری حاصل کرنے کی پہلی کوشش شاید خلیفہ عثمان کے زمانے میں کی گئی۔ عثمان نے 624 اور 664 عیسوی کے بیچ حکوم بن جہانہ کو مقرر کیا کہ وہ پتہ لاکر ہندوستان کے بارے میں صحیح صحیح خبریں خلیفہ کو دے۔ جہانہ نے ہندوستان آکر پہلے کے بارے میں ایک رپورٹ (Thaghar-al Hind) تیار کر کے خلیفہ کی خدمت میں پیش کی۔ اس بات کے بھی بہت سے ثبوت ملتے ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کے شروعات میں ایران سے لے کر ہندوستان کے صوبوں کے ساتھ عرب سوداگروں کا تجارتی رشتہ قائم تھا اور وہ جاڑوں اور مدوروں سے واقف تھے۔ چونکہ ہندوستان کے ان حصوں پر ایک وقت ایرانیوں کی حکومت تھی اس لیے ان حصوں کے ہندوستانی قبیلوں اور ایرانیوں کے بیچ قریبی رشتہ رہا ہوگا۔ جب ایران نے اسلام قبول کیا تو تجارتی رشتے کے ساتھ ساتھ یہ نزدیکی اور زیادہ بڑھی ہوئی۔ ایک بات ہمیں اور دھیان میں رکھنی چاہئے کہ ایک زمانے میں خراسان، ترکستان اور ایران میں بودہ مذہب پھیل چکا تھا اور بودہ مذہب کے پیرو اعرابی، موصل اور شام کی سرحد تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان ملکوں کے باشندوں نے حالانکہ بودہ مذہب کی جگہ اسلام قبول کر لیا تھا پھر بھی ان کے دلوں میں ہندوستان کے لئے ایک محبت اور عزت کا خیال ضرور رہا ہوگا۔

جبکہ آپس کے تعلقات بہت تیز تھے تب بھی مسلمان ہندوستان کو دنیا کا سب سے زیادہ تہذیب یافتہ ملک سمجھ کر اس کی بے حد قدر اور عزت کرنے لگے تھے۔ ثبوت کے طور پر ہندوستان کی تعریف میں اسلام کے پیغمبر اور ان کے مشہور پیروکاروں کی روایتیں لفظ بہ لفظ پیش کی جاتی تھیں۔ اس طرح کی روایتوں کی سچائی پر توہڑا بہت مت بھد ہو سکتا ہے لیکن یہ بات دعوے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ شروع زمانے کے اسلام کے ادب میں ہندوستان کی بے حد تعریف بڑی بڑی ہے۔

اس وقت کے عرب سوداگروں نے گجرات کے بلہر راجاؤں اور ملہار کے سامروی راجاؤں کو اپنی طرف بے حد مہربانی اور دوستی سے بھرا ہوا پایا۔ سندھ کے کنارے کنارے انہیں اپنی بستیاں ہمالے اور مسجدیں بنوانے کی اجازت تھی۔ ان مسلمانوں نے ہندو لوگوں سے ہی شادی کی جن کی ملی جلی اولادیں ملہار میں ’مہلا‘ اور کوکن میں ’مٹھا‘ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اگر ہم ملہار کے راجہ چندرمن پورمل کے اسلام قبول کرنے کی عام فہم روایت ’ان لوگوں تو ہندوستان کی مسلم نو آبادیوں کا وقت پیغمبر کی زندگی کے ہی قریب ماننا پڑے گا۔ روایت یہ ہے کہ

جس وقت کے عرب سوداگروں نے گجرات کے بلہر راجاؤں اور ملہار کے سامروی راجاؤں کو اپنی طرف بے حد مہربانی اور دوستی سے بھرا ہوا پایا۔ سندھ کے کنارے کنارے انہیں اپنی بستیاں ہمالے اور مسجدیں بنوانے کی اجازت تھی۔ ان مسلمانوں نے ہندو لوگوں سے ہی شادی کی جن کی ملی جلی اولادیں ملہار میں ’مہلا‘ اور کوکن میں ’مٹھا‘ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اگر ہم ملہار کے راجہ چندرمن پورمل کے اسلام قبول کرنے کی عام فہم روایت ’ان لوگوں تو ہندوستان کی مسلم نو آبادیوں کا وقت پیغمبر کی زندگی کے ہی قریب ماننا پڑے گا۔ روایت یہ ہے کہ

جس وقت کے عرب سوداگروں نے گجرات کے بلہر راجاؤں اور ملہار کے سامروی راجاؤں کو اپنی طرف بے حد مہربانی اور دوستی سے بھرا ہوا پایا۔ سندھ کے کنارے کنارے انہیں اپنی بستیاں ہمالے اور مسجدیں بنوانے کی اجازت تھی۔ ان مسلمانوں نے ہندو لوگوں سے ہی شادی کی جن کی ملی جلی اولادیں ملہار میں ’مہلا‘ اور کوکن میں ’مٹھا‘ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اگر ہم ملہار کے راجہ چندرمن پورمل کے اسلام قبول کرنے کی عام فہم روایت ’ان لوگوں تو ہندوستان کی مسلم نو آبادیوں کا وقت پیغمبر کی زندگی کے ہی قریب ماننا پڑے گا۔ روایت یہ ہے کہ

جس وقت کے عرب سوداگروں نے گجرات کے بلہر راجاؤں اور ملہار کے سامروی راجاؤں کو اپنی طرف بے حد مہربانی اور دوستی سے بھرا ہوا پایا۔ سندھ کے کنارے کنارے انہیں اپنی بستیاں ہمالے اور مسجدیں بنوانے کی اجازت تھی۔ ان مسلمانوں نے ہندو لوگوں سے ہی شادی کی جن کی ملی جلی اولادیں ملہار میں ’مہلا‘ اور کوکن میں ’مٹھا‘ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اگر ہم ملہار کے راجہ چندرمن پورمل کے اسلام قبول کرنے کی عام فہم روایت ’ان لوگوں تو ہندوستان کی مسلم نو آبادیوں کا وقت پیغمبر کی زندگی کے ہی قریب ماننا پڑے گا۔ روایت یہ ہے کہ

تورکوں کا ہندوستان میں آنا ایک اتنا ہی عجیب و غریب قدرتی واقعہ ہے جتنا طوفانوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ سے ماحرانا! ترکوں نے آکر ہندستان کو اُس کی جڑوں تک ہلایا اور لوگوں کو جو کچھ وہ کر لیں اس کے لئے جگا کر تیار اور ہاتھ کر دیا۔ یہ بدلاؤ اپنے آپ میں فائدہ مند یا نقصان دہ ہے اس کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بدلاؤ نے بھارت کی سماجی بنیادوں کو ہی بدل دیا۔ آریہوں کے حملہ نے بھارت کی سماجی زندگی کو جس طرح جو سے ہل دیا تھا ترکوں کا حملہ اُس سے تھوڑا ہی کچھ کم رہا۔ لیکن طوفان کے بعد سکون لڑی ہے۔ زلزلہ کے بعد دوبارہ تعمیر ضروری ہے۔ جب زلزلوں کا مہل ہوتا ہے تو درجنوں صدیوں کی دھاراؤں گرجتے ہوئے ٹکراتی ہیں لیکن جلد ہی وہ خاموش ہو کر دل مل کر ایک دھارا میں بہنے لگ جاتی ہیں۔ الہ آباد کے بعد گنگا جمنی کی دھارا میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اسی طرح ہندو اور مسلمان آپس میں ٹکرا کر ایک انسانی سنگم میں ملے تھے اور پھر اُن کی تہذیبوں دل مل کر بھارتی تہذیب کی اثرات دھارا بن کر بہنے لگی تھیں کہ جس نے صلیب اور حروف، کاریگری اور سائنس، ادب اور شاعری، مصوری اور بہت تراشی، مسیحی مودائوں کو سرحدیں اور ہرا ہرا کر دیا تھا۔ آج ہم پھر ایک بار زلزلہ طاریوں کے ذریعہ تہذیب کی اُس اثرات دھارا کے ٹکڑے ٹکڑے کر لے کر، جمنی کی دھارا کو گنگا کی دھارا سے الگ کر کے شرمناک کوشش کر رہے ہیں۔

بھارت میں ترکوں کے حملہ کے تین سو برس پہلے سے مسلمانوں میں بھارت کی عظیم تہذیب اور اُس کے سائنس کے لامحدود ذخیرے کو سمجھنے اور اُس کی طرف عزت کا اظہار کرنے کی لگاتار کوشش ہو رہی تھی۔ بھارت اور عرب کے بیچ بہت پرانے زمانے سے تجارتی تعلقات چلے آ رہے تھے لیکن موجودہ تعلقات کا سرا ہم اُسی وقت سے جوڑ سکتے ہیں جب عربوں نے اپنے مشرقی حکومت میں تہذیب کے نئے نئے مرکز قائم کئے۔ خلیفہ عمر کے زمانے تک اسلامی دنیا کو ہندستان کے بارے میں سچی جانکاری تھی۔ ہندستان کے سمندری کناروں کے بارے میں عرب اور ایرانی ملاحوں کو تھوڑی بہت واقفیت تھی اور وہ ہندستان کی تجارتی دولت کی تعریف کے گیت گاتا کرتے تھے۔ جب خلیفہ عمر نے ایک عرب ملاح سے ہندستان کے بارے میں پوچھا تو وہ تعریف کے پل ہاتھ لگا کر—”ہندستان کے دریا، موتیوں سے بھرے ہیں اور اُس کے پہاڑوں میں ہیرے جواہرات کی پتلیں ہیں اور اُس کے پتھر پوسہ

تورکوں کا ہندوستان میں آنا ایک اتنا ہی عجیب و غریب قدرتی واقعہ ہے جتنا طوفانوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ سے ماحرانا! ترکوں نے آکر ہندستان کو اُس کی جڑوں تک ہلایا اور لوگوں کو جو کچھ وہ کر لیں اس کے لئے جگا کر تیار اور ہاتھ کر دیا۔ یہ بدلاؤ اپنے آپ میں فائدہ مند یا نقصان دہ ہے اس کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بدلاؤ نے بھارت کی سماجی بنیادوں کو ہی بدل دیا۔ آریہوں کے حملہ نے بھارت کی سماجی زندگی کو جس طرح جو سے ہل دیا تھا ترکوں کا حملہ اُس سے تھوڑا ہی کچھ کم رہا۔ لیکن طوفان کے بعد سکون لڑی ہے۔ زلزلہ کے بعد دوبارہ تعمیر ضروری ہے۔ جب زلزلوں کا مہل ہوتا ہے تو درجنوں صدیوں کی دھاراؤں گرجتے ہوئے ٹکراتی ہیں لیکن جلد ہی وہ خاموش ہو کر دل مل کر ایک دھارا میں بہنے لگ جاتی ہیں۔ الہ آباد کے بعد گنگا جمنی کی دھارا میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اسی طرح ہندو اور مسلمان آپس میں ٹکرا کر ایک انسانی سنگم میں ملے تھے اور پھر اُن کی تہذیبوں دل مل کر بھارتی تہذیب کی اثرات دھارا بن کر بہنے لگی تھیں کہ جس نے صلیب اور حروف، کاریگری اور سائنس، ادب اور شاعری، مصوری اور بہت تراشی، مسیحی مودائوں کو سرحدیں اور ہرا ہرا کر دیا تھا۔ آج ہم پھر ایک بار زلزلہ طاریوں کے ذریعہ تہذیب کی اُس اثرات دھارا کے ٹکڑے ٹکڑے کر لے کر، جمنی کی دھارا کو گنگا کی دھارا سے الگ کر کے شرمناک کوشش کر رہے ہیں۔

بھارت میں ترکوں کے حملہ کے تین سو برس پہلے سے مسلمانوں میں بھارت کی عظیم تہذیب اور اُس کے سائنس کے لامحدود ذخیرے کو سمجھنے اور اُس کی طرف عزت کا اظہار کرنے کی لگاتار کوشش ہو رہی تھی۔ بھارت اور عرب کے بیچ بہت پرانے زمانے سے تجارتی تعلقات چلے آ رہے تھے لیکن موجودہ تعلقات کا سرا ہم اُسی وقت سے جوڑ سکتے ہیں جب عربوں نے اپنے مشرقی حکومت میں تہذیب کے نئے نئے مرکز قائم کئے۔ خلیفہ عمر کے زمانے تک اسلامی دنیا کو ہندستان کے بارے میں سچی جانکاری تھی۔ ہندستان کے سمندری کناروں کے بارے میں عرب اور ایرانی ملاحوں کو تھوڑی بہت واقفیت تھی اور وہ ہندستان کی تجارتی دولت کی تعریف کے گیت گاتا کرتے تھے۔ جب خلیفہ عمر نے ایک عرب ملاح سے ہندستان کے بارے میں پوچھا تو وہ تعریف کے پل ہاتھ لگا کر—”ہندستان کے دریا، موتیوں سے بھرے ہیں اور اُس کے پہاڑوں میں ہیرے جواہرات کی پتلیں ہیں اور اُس کے پتھر پوسہ

## ہندو-مسلمانوں کے تہذیبی میل-جول کی شुरुآات

ڈاکٹر لطفی دھرتی ایم۔ اے۔ بی۔ اے۔ فیل

مسلمانان ہندو کے پنجاب آئے کے ایک صدی بعد ہی ہندو اور مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی پہلی بارہیل میلی-جولی بولی کے شکل میں پڑی۔ ہندی اور فارسی نے مل کر اردو بولی کو جنم دیا۔ ملی جلی بولی کی پیدائش اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت تک ہندو اور مسلمانوں میں ایک ملا جلا باہمی خیال ہماری سماجی، سیاسی اور مذہبی زندگی کے ہر میدان میں گہرائی کے ساتھ پیدا ہو رہا تھا۔ اس ملے جلے خیال نے تہذیبی اور فکری گہری چھاپ ہماری کارپوری ہمارے ادب اور ہمارے مذہب کے اوپر چھوڑی ہے۔

بھارت کے اس تہذیبی ایکٹا کے کھج سے بہرہ ہونے مطالعہ کی آپ تک بہت تھوڑی سی کوشش کی گئی ہے۔ اس بارے میں جو چند کتابیں چھپ چکی ہیں ان میں مولوی سید سلیمان ندوی کی 'عرب اور ہند کے تعلقات' ڈاکٹر تی۔ آر۔ بھٹاکر کی 'The Slow Progress of Islam in India' ڈاکٹر تاراچند کی 'The Influence of Islam on Indian Culture' اور ایک یورپی آلیم کی کتاب 'Scriptorum Arabum de Rebus Indicis loci et Opuscula Inedita' بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ پچھلے سیکڑوں برس میں انسانی بہتری کے پوجاری کئی مسلمان سائنس دانوں اور عالموں نے ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کے ملے سے جو الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں ان کے مصحبت سے بہرہ ہونے حل کھولنے میں بہت سا غور خرچ کیا ہے۔ ہندوستانی عالموں کے ذریعہ ان کی نیک کوششوں کو جتنی اہمیت دی جاتی چاہئے اتنی اہمیت نہیں دی گئی۔ اہمیت دینا تو دور رہا دونوں فریقوں کے عالم غیر ناراضی اور جھوٹی دلیاں کے ذریعہ ملی جلی بھارتی تہذیب کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے اور ہندو اور مسلمانوں کے دلوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی خراب اور بڑی کوششیں کر رہے ہیں۔ ہندو اور مسلمانوں نے سیکڑوں برس تک جس ہندوستانی تہذیب کو اپنا وسیع بنایا ہے انہوں نے نام لیا آج شرمناک طریقوں سے اس کی تصحیلات آڑے میں مشغول ہیں۔

## ہندو مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی شروعات

ڈاکٹر لطیف دھرتی ایم۔ اے۔ تی۔ فل۔

مسلمانان ہندو کے پنجاب آئے کے ایک صدی بعد ہی ہندو اور مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی پہلی بارہیل میلی-جولی بولی کے شکل میں پڑی۔ ہندی اور فارسی نے مل کر اردو بولی کو جنم دیا۔ ملی جلی بولی کی پیدائش اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت تک ہندو اور مسلمانوں میں ایک ملا جلا باہمی خیال ہماری سماجی، سیاسی اور مذہبی زندگی کے ہر میدان میں گہرائی کے ساتھ پیدا ہو رہا تھا۔ اس ملے جلے خیال نے تہذیبی اور فکری گہری چھاپ ہماری کارپوری ہمارے ادب اور ہمارے مذہب کے اوپر چھوڑی ہے۔

بھارت کے اس تہذیبی ایکٹا کے کھج سے بہرہ ہونے مطالعہ کی آپ تک بہت تھوڑی سی کوشش کی گئی ہے۔ اس بارے میں جو چند کتابیں چھپ چکی ہیں ان میں مولوی سید سلیمان ندوی کی 'عرب اور ہند کے تعلقات' ڈاکٹر تی۔ آر۔ بھٹاکر کی 'The Slow Progress of Islam in India' ڈاکٹر تاراچند کی 'The Influence of Islam on Indian Culture' اور ایک یورپی آلیم کی کتاب 'Scriptorum Arabum de Rebus Indicis loci et Opuscula Inedita' بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ پچھلے سیکڑوں برس میں انسانی بہتری کے پوجاری کئی مسلمان سائنس دانوں اور عالموں نے ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کے ملے سے جو الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں ان کے مصحبت سے بہرہ ہونے حل کھولنے میں بہت سا غور خرچ کیا ہے۔ ہندوستانی عالموں کے ذریعہ ان کی نیک کوششوں کو جتنی اہمیت دی جاتی چاہئے اتنی اہمیت نہیں دی گئی۔ اہمیت دینا تو دور رہا دونوں فریقوں کے عالم غیر ناراضی اور جھوٹی دلیاں کے ذریعہ ملی جلی بھارتی تہذیب کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے اور ہندو اور مسلمانوں کے دلوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی خراب اور بڑی کوششیں کر رہے ہیں۔ ہندو اور مسلمانوں نے سیکڑوں برس تک جس ہندوستانی تہذیب کو اپنا وسیع بنایا ہے انہوں نے نام لیا آج شرمناک طریقوں سے اس کی تصحیلات آڑے میں مشغول ہیں۔

اب رہنمائی نہ ملے گی۔ آج کا انسان جن نکتہ نہ تجربوں سے گذر رہا ہے ان کی بنا پر اسے کہنا پڑتا ہے :

کتنے شکست ایسے ہیں ان میں جو ہشک ہیں مول میں !

کتنے شہرمانا ایسے ہیں اوپر سے جو پائی ہیں پتھر سے !

کتنے پریم دھاری ہنسکاری ہیں اور کتنے کرمجاری اٹھاجاری ہیں !

اخلاقی طور پر اٹھائے اور اٹھاجار سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن گنگا جل سے دھو کر، دوئی کی بو من سے نکال کر اور پھولوں کا بھلے دل میں رکھ کر، اپنا ٹیٹک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب انسانوں کی دنیا بسم کی تو ایسے لوگ اس دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے۔

انسانی طور پر اٹھائے اور اٹھاجار سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن گنگا جل سے دھو کر، دوئی کی بو من سے نکال کر اور پھولوں کا بھلے دل میں رکھ کر، اپنا ٹیٹک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب انسانوں کی دنیا بسم کی تو ایسے لوگ اس دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے۔

انسانی طور پر اٹھائے اور اٹھاجار سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن گنگا جل سے دھو کر، دوئی کی بو من سے نکال کر اور پھولوں کا بھلے دل میں رکھ کر، اپنا ٹیٹک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب انسانوں کی دنیا بسم کی تو ایسے لوگ اس دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے۔

انسانی طور پر اٹھائے اور اٹھاجار سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن گنگا جل سے دھو کر، دوئی کی بو من سے نکال کر اور پھولوں کا بھلے دل میں رکھ کر، اپنا ٹیٹک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب انسانوں کی دنیا بسم کی تو ایسے لوگ اس دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے۔

انسانی طور پر اٹھائے اور اٹھاجار سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن گنگا جل سے دھو کر، دوئی کی بو من سے نکال کر اور پھولوں کا بھلے دل میں رکھ کر، اپنا ٹیٹک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب انسانوں کی دنیا بسم کی تو ایسے لوگ اس دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے۔

انسانی طور پر اٹھائے اور اٹھاجار سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن گنگا جل سے دھو کر، دوئی کی بو من سے نکال کر اور پھولوں کا بھلے دل میں رکھ کر، اپنا ٹیٹک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب انسانوں کی دنیا بسم کی تو ایسے لوگ اس دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے۔

انسانی طور پر اٹھائے اور اٹھاجار سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن گنگا جل سے دھو کر، دوئی کی بو من سے نکال کر اور پھولوں کا بھلے دل میں رکھ کر، اپنا ٹیٹک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب انسانوں کی دنیا بسم کی تو ایسے لوگ اس دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے۔

انسانی طور پر اٹھائے اور اٹھاجار سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن گنگا جل سے دھو کر، دوئی کی بو من سے نکال کر اور پھولوں کا بھلے دل میں رکھ کر، اپنا ٹیٹک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب انسانوں کی دنیا بسم کی تو ایسے لوگ اس دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے۔

انسانی طور پر اٹھائے اور اٹھاجار سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن گنگا جل سے دھو کر، دوئی کی بو من سے نکال کر اور پھولوں کا بھلے دل میں رکھ کر، اپنا ٹیٹک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب انسانوں کی دنیا بسم کی تو ایسے لوگ اس دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے۔

انسانی طور پر اٹھائے اور اٹھاجار سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن گنگا جل سے دھو کر، دوئی کی بو من سے نکال کر اور پھولوں کا بھلے دل میں رکھ کر، اپنا ٹیٹک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب انسانوں کی دنیا بسم کی تو ایسے لوگ اس دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے۔

انسانی طور پر اٹھائے اور اٹھاجار سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن گنگا جل سے دھو کر، دوئی کی بو من سے نکال کر اور پھولوں کا بھلے دل میں رکھ کر، اپنا ٹیٹک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب انسانوں کی دنیا بسم کی تو ایسے لوگ اس دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے۔

کبھی بھی جات یا نام کا ہو، کبھی بھی مےس یا مہد کا ہو، دُشمن سے अपनी دیکھاقت میں دہری کےवल गफलत का ही नवीजा होती है. पर कुछ डर और सहम का भी कारण होता है. सहमे रहने से शत्रु साहस पाता है. शत्रु या दुश्मन को कभी हकीर न समझना चाहिये. सॉप का बच्चा सॉप ही कहलाता है. नाग की औलाद नाग ही होती है आखिर.

सामाजिक राजनीति की तरह "नागिक नीति" में भी बदले का भाव होता है जिसकी मुदत बारह बरस तक कही जाती है. लेकिन राजनीतिक नाग का बदला शताब्दियों तक चलता है और चलता ही रहता है. वह तो सिरक एक से बदला लेता है और यह नसलों तक जहर उगलता रहता है साम्प्रदायिकता का; अपने दुश्मन को पकड़ने या क्रैद करने के लिये नागों के पास हड्डियों की गिरहबन्द रस्सियाँ होती हैं. और बलिदान का पद देने के लिये जहर का जाम तैयार रहता है. इन कालों के पास केवल मीठी छुरी होती है मगर जहर की बुन्नी !

महात्मा गाँधी पर हमला करने वाला कौन था ? वह एक नाग ही तो था जिसने उनको डसा.

मगर दुनिया उसे दूसरे नाम से जानती है. दुनिया की नजरों में वह इन्सान ही था जिसने इन्सान की जान ली.

अब भी कितने ऐसे हिंसक हैं जो तुमायशी रूप और लिबास में अहिंसक हैं मगर उनको उपदेश देने का बड़ा शौक है. न देखें बड़ा न देखें मौका, न देखें विद्वान न देखें सभ्य, बदसमीजी शुरू कर देते हैं.

अपना सुधार और निर्माण करने से पहले दूसरे के घरों की ताक भाँक. बड़ी हद तक बेहूदा जसारत है. सेवा और सुधार के काम में तमीज और तहजीब पहली चीज है. पहले अपना मन साफ करें और अपना दामन धोवें. पहले अपनी अन्तर आत्मा को जवाब दे लें फिर आगे बढ़ें.

मानते हैं हम कि प्रेम इन्सानियत का सन्देश है. और एकता का केन्द्र ही सही मुकाम है इन्सानियत का. लेकिन इसी मुकाम पर प्रेम और एकता का गला काटा जाता है और इन्सानियत का खून किया जाता है. कितना दुख होता है यह कहते कि इसी प्रेमिक और अहिंसक वातावरण में कितने बेगुनाह शूट किये गए, कितनों को जहर दिया गया, कितने साक्षियों का शिकार हुए और कितनों को "डोअ आफ डेथ" दिया गया. यह वह सच्चाइयाँ हैं जिनसे कोई इनकार नहीं कर सकता और जिनको तारीख ने समेट कर अपने दामन में महफूज कर रखा है.

आज शिक्षक और उपदेशक इतने ही सस्ते शब्द हो गए हैं जैसे लीडर और नेता के शब्द इलके और बेबचन हो गए हैं. इनके अर्थ तक अब पलट गए हैं. रहबर

किसी भी जगह या नाम का हो, किसी भी ब्रेस या भेद का हो, दशमि से अपनी حفاظत में दिवरी कीवल غفلत का ही نتیجه होती है. पर कच्चे قدر और सभ का भी कर्न होता है. सभे रहमे से शत्रु साहस पा ता है. शत्रु या دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے. سانپ کا بچہ سانپ ہی کہلانا ہے. ناگ کی اولاد ناگ ہی ہوتی ہے آخر.

ساماچک راجلپتی کی طرح "ناگک نہتی" میں بھی بدلے کا بھاؤ ہوتا ہے جس کی مدت بارہ برس تک کہی جاتی ہے. لیکن راجلپتک ناگ کا بدلہ شتاہدیوں تک چلتا ہے اور چلتا ہی رہتا ہے. وہ تو صرف ایک سے بدلہ لیتا ہے اور یہ نسلوں تک زہر اگلتا رہتا ہے سپردایکتا کا; اپنے دشمن کو پکڑنے یا قہد کرنے کے لئے دناگوں کے پاس ہڈیوں کی گرہ بند رسیاں ہوتی ہیں. اور بلیدان کا پد دینے کے لئے زہر کا جام تیار رہتا ہے. ان کالوں کے پاس کیول مہتی چہرتی ہوتی ہے مگر زہر کی بجھی ! مہاتما گاندھی پر حملہ کرنے والا کون تھا؟ وہ ایک ناگ ہی تو تھا جس نے اُن کو قسا.

مگر دنیا اُسے دوسرے نام سے جانتی ہے. دنیا کی نظروں میں وہ انسان ہی تھا جس نے انسان کی جان لی. اب بھی کتنے ایسے ہنسک ہیں جو نمائی روپ اور لباس میں اہنسک ہیں مگر اُن کو اپدیش دینے کا بڑا شوق ہے. نہ دیکھیں بڑا نہ دیکھیں موقع نہ دیکھیں ودوان نہ دیکھیں سببہ بدتھوی شروع کر دیتے ہیں.

اپنا سدھار اور نرمان کرنے سے پہلے دوسروں کے گوروں کی ناگ چھانک بڑی حد تک بیہودہ جسارت ہے. سیوا اور سدھار کے کام میں تمیز اور تہذیب پہلی چیز ہے. پہلے اپنا من صاف کریں اور اپنا دامن دھوئیں. پہلے اپنی انتر آتما کو جواب دے لیں پھر آگے بڑھیں.

مانتے ہیں ہم کہ پریم انسانیت کا سندیہی ہے. اور ایمتا کا کہندر ہی صحیح مقام ہے انسانیت کا. لیکن اسی مقام پر پریم اور ایمتا کا کلا کاٹا جاتا ہے اور انسانیت کا خوں کیا جاتا ہے. کتنا دم ہوتا ہے یہ کہتے کہ اسی پریمک اور اہنسک وائرون میں کتنے بے گناہ شوت کئے گئے کتنوں کو زہر دیا گیا کتنے سازشوں کا شکار ہوئے اور کتنوں کو "قرز آف قہت" دیا گیا. یہ وہ سچائیاں ہیں جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور جن کو تاریخ نے سمیت کر اپنے دامن میں محفوظ کر رکھا ہے.

آج ششک اور اپدیشک اُتے ہی سستہ شد ہو گئے ہیں جیسے لیڈر اور نہتا کے شد ہلکے اور بے وزن ہو گئے ہیں. ان کے ارتہ تک اب پلٹ گئے ہیں. رہبر

घात में लगी रहती हैं. घात और काट का असर सर्प की सन्तान को विरसे में मिलता है.

नाग के सम्बन्ध में हमने "गुण गान" के शब्दों के बारे में कुछ खोज की है. इस खोज के अनुसार हम "गान" के मानी नाग के लेते हैं. गान को उल्टा करके देखो तो मालूम होगा कि गान ही से नाग ने जन्म लिया है. इसी तरह "गुण" से नाग का अर्थ निकलता है. वह नग ही तो है जो नाग के मणि से निकल कर राज के ताज को जगमगाता और शोभा देता है—कहने को तो यह एक कीड़ा है मगर मणि का हीरा है.

भारत में नाग और नागिन देवी देवता माने जाते हैं. इनमें राजा भी होता है जिसको "वासुकी" कहते हैं.

आजकल विश्व मित्रता के कारण देश और अन्तर देश भाई-भाई का नारा बुलन्द है. इसी राजनीतिक नीति के अनुसार अमेरिका और भारत में भी बहनापा शुरू हो गया है. मगर यह नाता हमको खटकता है. अमेरिका का "मिल्क पावडर" भारती नागिन के स्वभाव और मिजाज को अनुकूल नहीं पड़ेगा, क्योंकि वह हमेशा से शुद्ध दूध के आदी रहे हैं. यह बात अच्छी तरह अनुभव में आ चुकी है कि सियासी भाई एतबारी भाई नहीं होते, इसलिये कि सियासत खुद एतबारी चीज नहीं.

यूँ तो साँपों की सैकड़ों किस्में हैं लेकिन भारत में इनकी दो जातें खास हैं—धार्मिक और राजनैतिक.

धार्मिक अदिसक होते हैं और राजनैतिक हिसक.

आजकल राजनीतिक काले अधिक उबल पड़े हैं देश के भाग-भाग में, बस्ती-बस्ती और गाँव-गाँव में. यही काले प्यादा कटीले और जियादा-जहरीले होते हैं.

यह बात یاد रखने की है कि धार्मिक नाग अदिसक ही नहीं रहता सदा. उस भी लेता है अचानक. मगर उसका दोष नहीं. वह तो उसकी فितरत है.

नाग जब डसता है तो हिसक कहलाता है और जब हँसता है तो अदिसक होता है. उस समय वह कितना सुन्दर और प्रेमी मालूम होता है! उसका डसना जितना खतरनाक है, उसका हँसना भी खतरे से खाली नहीं. वह हँसते-हँसते जान लेता है और खेलते-खेलते जाम पी जाता है किसी के भी प्राण का, उसपर भरोसा रात. भरोसे की चीज तो मनुष्य भी नहीं; वह तो फिर आखिर कीड़ा है.

मनुष्य भी डसता है अवश्य, पर सर्प और मनुष्य के डसने डसने में अन्तर है. भाव भाव में अन्तर है.

सर्प डसता है अपनी जात बाहर किसी भी प्राणी को, और मनुष्य डसता है अपनी ही जात को, यानी आदमी आदमी को. यही इसकी वह विशेषता है जिसके कारण इसने बربरता को जीता है और विजय प्राप्त की है دैवानों की. खू. खसलत पर.

کھات میں لگی رہتی ہیں۔ کھات اور کاٹ کا اثر سرب کی سلتان کو ورتہ میں ملتا ہے .

ناگ کے سلسلہ میں ہم نے "گن گن" کے شبدوں کے بارے میں کچھ کھوج کی ہے . اس کھوج کے انوسار ہم "گن" کے معنی ناگ کے لیتے ہیں . گن کو الٹا کر کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ گن ہی سے ناگ نے جنم لیا ہے . اسی طرح "گن" سے نگ کا ارت نکلتا ہے . وہ نگ ہی تو ہے جو ناگ کے من سے نکل کر راج کے تاج کو چمکانا اور شوبھا دینا ہے—کلمے کو تو یہ ایک کھڑا ہے مگر من کا ہیرو ہے .

بھارت میں ناگ اور ناگن دیوی دیوتا مانے جاتے ہیں . ان میں راجا بھی ہوتا ہے جس کو "واسکی" کہتے ہیں .

اچکل وشمترتا کے کارن دھ اور انتر دیہی بھٹی بھائی کا نعرہ بلند ہے . اسی راجنیتک نیکی کے انوسار امریکہ اور بھارت میں بھی بھناپا شروع ہو گیا ہے . مگر یہ نانا ہم کو کھٹکتا ہے . امریکہ کا "ملک پوڈر" بھارتی ناگن کے سپاؤ اور مزاج کو انوکول نہیں پڑیگا . کیونکہ وہ ہمیشہ سے شدہ دودھ کے عادی رہے ہیں . یہ بات اچھی طرح انوبہ میں آچکی ہے کہ سیاسی بھائی اعتباری بھائی نہیں ہوتے . اس لئے کہ سیاست خود اعتباری چیز نہیں .

یوں تو ہالہوں کی سینکڑوں قسمیں ہیں لیکن بھارت میں ان کی دو جاہیں خاص ہیں—دھارمک اور راجنیتک .

دھارمک امنسک ہوتے ہیں اور راجنیتک امنسک .

اچکل راجنیتک کالمہ امنسک اہل پڑے ہیں دیہ کے بھاگ بھاگ میں . بستی بستی اور گلوں گلوں میں . یہی کالمہ زیادہ کلمے اور زیادہ زہریلے ہوتے ہیں .

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دھارمک ناگ امنسک ہی نہیں رہتا سدا . تس بھی لیتا ہے اچانک . مگر اس کا دھش نہیں . وہ تو اس کی فطرت ہے .

ناگ جب ڈسنا ہے تو امنسک کہلاتا ہے اور جب امنسک ہے تو امنسک ہوتا ہے . اس سمہ وہ کتنا سندر اور پرسی معلوم ہوتا ہے! اس کا ڈسنا چلتا خطرناک ہے اس کا امنسک بھی خطرے سے خالی نہیں . وہ امنسک امنسے جان لیتا ہے اور کھلتے کھلتے جام پی جاتا ہے کسی کے بھی پیران کا . اس پر ہرورسہ غلام . ہرورسہ کی چیز تو منشیہ ہی نہیں . وہ تو پیر آخر کھڑا ہے .

منشیہ بھی ڈسنا ہے ارشہہ پر سرب اور منشیہ کے تسلمے تسلمے میں انتر کے . بھاو بھاو میں انتر ہے .

سرب تسنا ہے اپنی جات باہر کسی بھی پرائی کو . اور منشیہ تسنا ہے اپنی ہی جات کو . یعنی آدمی آدمی کو . یہی اس کی وہ وشمترتا ہے جس کے کارن اس نے بربرتا کو جیتا ہے اور وجہ پراپت کی ہے حیوانوں کی خو خصلت پر .



## آسٹین میں سائپ

ہائی عبدالکظیم انصاری آرٹسٹ

جیسے دشمن میں جگمگ—رنگ میں بگمگ—مندی میں پاؤں—یہ  
کےवल سیاحت کی بات کہ آسٹین میں سائپ۔

سیاحت ہمیشہ سےوا اور پرم کا دم भरती रहती है।  
कितनी सुन्दर होती हैं उसकी भावनाएं और कितने लुभावने  
होते हैं उसके प्रेम भाषण सियाली स्टेज पर।

जैसे किसी पक्कर हावस के फिल्मी परदे पर मूड़ी  
मुहब्बत के बनावटी अदाकार !

जैसे समाज सुधार के नाटक और प्रेम प्यार के मूटे  
किरदार !

सफेद आस्टीन की लम्बी गुफा में रहने वाला सर्प राज-  
नीति की बीन पर प्रेम की रागिनी से कितना आनन्द लेता है  
और गोल कुन्डल पर बैठा पहरा देता है। केवल उसके फुंकार  
की इशारा और विष का भय मनमानी कराने के लिये काफी  
होता है। इनसानियत के साथ प्रेम और हमदर्दी के कारण  
हमारी यह शुभ कामना कभी-कभी दिल से निकले बिना  
नहीं रहती कि उस आस्टीन का फिटक देना ही उचित है।

जैसे धन के ढेर पर सॉप नाथ लहराते हैं, इसी तरह  
राज्य के संघ पर नाग नाथ पहरा देते हैं। राज्य का भन्डार  
केवल धन का ही नहीं होता। उसका भन्डार भिन्न भिन्न  
प्रकार का होता है। यह कहना अनुचित नहीं कि आज के  
समय जबकि नए-नए टैक्सों की भरमार है, भूमि का कण-  
कण भन्डार है और मनुष्य का अंश-अंश धन है राज्य के  
निकट।

जान की रक्षा सब से अधिक अकलमन्दी की बात है  
और शत्रु की मित्रता बड़ी नादानी !

एक शत्रु को चिथावा दिन मुहलत देने से एक के दो  
होते हैं, और दो के चार। अब भी कितने रंग चिरग के सर्प  
छुपे हुए हैं, मतभेद के सूरानों में, साम्प्रदायिकता के रागों  
में, और राजनीति के पिटारों में। इनकी जवान का बारीक  
और लहरदार करेन्ट पेटम से कम नहीं, इसलिये कि जान  
लेना दोनों का मकसद है।

एक नागिन सैकड़ों अन्धे देती है, उन अन्धों से सैकड़ों  
बच्चे निकालती है। उनसे कितनी नसलें बनती हैं। कितनी  
पीढ़ियां चलती हैं जो रेंगती फिरती हैं धरती के ऊपर भी और  
भीतर भी और फुंकारती रहती हैं इफर उधर, जिससे वातावरण  
बहरीला होता है—कितने ही आफिल और लापरवाह लोग  
खरों के घेरे में आ जाते हैं। सॉपों की रस्सी के गले में बंध जाते  
हैं। नई नसलें उनको अपनी निगरानी में रखते हुए अपनी-अपनी

## आस्टीन में सानप

हائی عبدالکظیم انصاری آرٹسٹ

جیسے دشمن میں جگمگ—رنگ میں بگمگ—مندی میں  
پاؤں—یہ سیاحت کی بات کہ آسٹین میں سائپ۔

سیاحت ہمیشہ سےوا اور پرم کا دم भरती रहती है।  
कितनी सुन्दर होती हैं उसकी भावनाएं और कितने लुभावने  
होते हैं उसके प्रेम भाषण सियाली स्टेज पर।

जैसे किसी पक्कर हावस के फिल्मी परदे पर मूड़ी  
मुहब्बत के बनावटी अदाकार !

सफेद आस्टीन की लम्बी गुफा में रहने वाला सर्प राज-  
नीति की बीन पर प्रेम की रागिनी से कितना आनन्द लेता है  
और गोल कुन्डल पर बैठा पहरा देता है। केवल उसके फुंकार  
की इशारा और विष का भय मनमानी कराने के लिये काफी  
होता है। इनसानियत के साथ प्रेम और हमदर्दी के कारण  
हमारी यह शुभ कामना कभी-कभी दिल से निकले बिना  
नहीं रहती कि उस आस्टीन का फिटक देना ही उचित है।

जैसे धन के ढेर पर सॉप नाथ लहराते हैं, इसी तरह  
राज्य के संघ पर नाग नाथ पहरा देते हैं। राज्य का भन्डार  
केवल धन का ही नहीं होता। उसका भन्डार भिन्न भिन्न  
प्रकार का होता है। यह कहना अनुचित नहीं कि आज के  
समय जबकि नए-नए टैक्सों की भरमार है, भूमि का कण-  
कण भन्डार है और मनुष्य का अंश-अंश धन है राज्य के  
निकट।

जान की रक्षा सब से अधिक अकलमन्दी की बात है  
और शत्रु की मित्रता बड़ी नादानी !

एक शत्रु को चिथावा दिन मुहलत देने से एक के दो  
होते हैं, और दो के चार। अब भी कितने रंग चिरग के सर्प  
छुपे हुए हैं, मतभेद के सूरानों में, साम्प्रदायिकता के रागों  
में, और राजनीति के पिटारों में। इनकी जवान का बारीक  
और लहरदार करेन्ट पेटम से कम नहीं, इसलिये कि जान  
लेना दोनों का मकसद है।

एक नागिन सैकड़ों अन्धे देती है, उन अन्धों से सैकड़ों  
बच्चे निकालती है। उनसे कितनी नसलें बनती हैं। कितनी  
पीढ़ियां चलती हैं जो रेंगती फिरती हैं धरती के ऊपर भी और  
भीतर भी और फुंकारती रहती हैं इफर उधर, जिससे वातावरण  
बहरीला होता है—कितने ही आफिल और लापरवाह लोग  
खरों के घेरे में आ जाते हैं। सॉपों की रस्सी के गले में बंध जाते  
हैं। नई नसलें उनको अपनी निगरानी में रखते हुए अपनी-अपनी



ہرات کی وادی میں 'تاخیکو' کی کافی بڑی آبادی ہے۔ تاخیکو ملک کے بہت پرانے باشندے ہیں اور انہوں نے بعد انہیں کی آبادی سب سے زیادہ ہے۔ آجکل یہ زیادہ تر افغانستان کے شمال میں رہتے ہیں خاص کر ہرات صوبہ میں جہاں وہ کل آبادی کے 34 فیصدی ہیں؛ کل صوبہ (28.8 فیصدی) 'کانکان' بدخشان صوبہ (46 فیصدی) مروجہ شریف صوبہ میں (23.7 فیصدی)۔ وہ ہندوکش، گوربند، پلجورہ، نیچرک، نورستان اور کپور کی پہاڑیوں میں بھی رہتے ہیں۔

تاخیکو مہنتکش آدمی ہیں۔ لیکن وہ بڑا وادی کے کسان ہیں اور زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر کام کرتے ہیں۔ یہ لوگ چھوٹے کھیتے ہیں اور بہت فریبی میں رہتے ہیں۔ سوکھی یا تازہ مالدی ہی ان کی خوراک ہے۔ بہت سے گڑوں میں حور کا دلیا جس میں گھاس بھی ملی رہتی ہے، بہت ذائقہ سے کھایا جاتا ہے۔ ہر وہ اور بالخصوص کی کھالوں میں اور ان کے جنوب میں بھی کسانوں کو لکڑی کے ٹکڑوں سے زمین چھوٹے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

کسان افغانستان کی آبادی کے 70 فیصدی ہیں، لیکن ان کو صرف دو تہائی ہیکٹر زمین فی شخص ملتی ہے۔

کھیتی کی جانے والی زمین کا رقبہ 15,00,000 ہے، جس میں سے 9,00,000 بڑے زمینداروں کے پاس ہے، باقی مغللوں کے پاس ہے۔ 60 فیصدی کسانوں کے پاس یا تو کوئی زمین نہیں ہے اور کسی کے پاس ہے بھی تو بہت کم۔

کھیتی 'کھیتی' نامی علاقوں میں، جو کہ شمالی افغانستان میں ہیں، ہزاروں ہیکٹر، جن میں کہ ساجدار لوگ کام کرتے ہیں انہیں غلہ کا در نواں گٹھا ملتا ہے۔ یہ لوگ اپنا نواں حصہ یا اچھی فصل ہونے پر پانچواں حصہ پالے کے لئے شب و روز کام کرتے ہیں، کدالیوں سے زمین کھودتے ہیں۔ اس طرح کے قانونوں سے کھیتی کی ترقی نہیں ہو سکتی۔

افغانستان کی زندگی اسی طرح چلتی رہتی ہے لیکن خالصہ بدوشوں کے تہذیبوں میں پرانا امن ہی قائم ہے۔ ہر ٹمہ اپریل کے مہینے میں گوالے اور ان کے جانوروں کے جھنڈ اپنے سفر کے لئے روانہ ہوتے ہیں، جیسا کہ صدیوں سے کرتے آئے ہیں۔ ہر بسنت کو یہ چاندھ اور محنت کش قافلہ شمال کی جانب کوچ کرنا ہے، جب کہ خزاں آئے واپس اپنے پہلے کی جگہ پر آتی ہے۔

ہرات کی وادی میں 'تاخیکو' کی کافی بڑی آبادی ہے۔ تاخیکو ملک کے بہت پرانے باشندے ہیں اور انہوں نے بعد انہیں کی آبادی سب سے زیادہ ہے۔ آجکل یہ زیادہ تر افغانستان کے شمال میں رہتے ہیں خاص کر ہرات صوبہ میں جہاں وہ کل آبادی کے 34 فیصدی ہیں؛ کل صوبہ (28.8 فیصدی) 'کانکان' بدخشان صوبہ (46 فیصدی) مروجہ شریف صوبہ میں (23.7 فیصدی)۔ وہ ہندوکش، گوربند، پلجورہ، نیچرک، نورستان اور کپور کی پہاڑیوں میں بھی رہتے ہیں۔

تاخیکو مہنتکش آدمی ہیں۔ لیکن وہ بڑا وادی کے کسان ہیں اور زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر کام کرتے ہیں۔ یہ لوگ چھوٹے کھیتے ہیں اور بہت فریبی میں رہتے ہیں۔ سوکھی یا تازہ مالدی ہی ان کی خوراک ہے۔ بہت سے گڑوں میں حور کا دلیا جس میں گھاس بھی ملی رہتی ہے، بہت ذائقہ سے کھایا جاتا ہے۔ ہر وہ اور بالخصوص کی کھالوں میں اور ان کے جنوب میں بھی کسانوں کو لکڑی کے ٹکڑوں سے زمین چھوٹے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

کسان افغانستان کی آبادی کے 70 فیصدی ہیں، لیکن ان کو صرف دو تہائی ہیکٹر زمین فی شخص ملتی ہے۔

کھیتی کی جانے والی زمین کا رقبہ 15,00,000 ہے، جس میں سے 9,00,000 بڑے زمینداروں کے پاس ہے، باقی مغللوں کے پاس ہے۔ 60 فیصدی کسانوں کے پاس یا تو کوئی زمین نہیں ہے اور کسی کے پاس ہے بھی تو بہت کم۔

کھیتی 'کھیتی' نامی علاقوں میں، جو کہ شمالی افغانستان میں ہیں، ہزاروں ہیکٹر، جن میں کہ ساجدار لوگ کام کرتے ہیں انہیں غلہ کا در نواں گٹھا ملتا ہے۔ یہ لوگ اپنا نواں حصہ یا اچھی فصل ہونے پر پانچواں حصہ پالے کے لئے شب و روز کام کرتے ہیں، کدالیوں سے زمین کھودتے ہیں۔ اس طرح کے قانونوں سے کھیتی کی ترقی نہیں ہو سکتی۔

افغانستان کی زندگی اسی طرح چلتی رہتی ہے لیکن خالصہ بدوشوں کے تہذیبوں میں پرانا امن ہی قائم ہے۔ ہر ٹمہ اپریل کے مہینے میں گوالے اور ان کے جانوروں کے جھنڈ اپنے سفر کے لئے روانہ ہوتے ہیں، جیسا کہ صدیوں سے کرتے آئے ہیں۔ ہر بسنت کو یہ چاندھ اور محنت کش قافلہ شمال کی جانب کوچ کرنا ہے، جب کہ خزاں آئے واپس اپنے پہلے کی جگہ پر آتی ہے۔

مشرقی افغانستان کے علاقوں نے اپنے خاص قسم کے جغرافیائی شکل کو قائم رکھا ہے۔ سرکاری جہازیں، خاص کر غذائی اور فرائضی فرقوں کا قبضہ ہمارے ارد گرد ہے۔ ان میں امریکی اور جاپانیوں کا زور بڑھ رہا ہے۔ یہ جہازیں اب خاندانہ پیشی چہرے کو سنبھالنے والی زمین پر آباد ہو رہی ہیں۔ قبیلوں کے ارنچے خاندان تمام زمین پر قبضہ کر لیتے ہیں اور قبضے کے سردار بن جاتے ہیں۔ یہ ارنچا طبقہ دھرم دھرم بڑھتا جا رہا ہے۔ اس سے قبیلے والوں کو نقصان ہے۔ یہ سردار خان ان گزریوں سے ارن خرید لیتے ہیں جنہیں انہوں نے اُدھار دیکر کھسار بنا دیا ہے۔ یہ خان سرکار کے لئے ٹیکس بھی وصول کرتے ہیں۔

قندھار سے فوج تک کا سفر گرمیوں کے دنوں میں برداشت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ گرمی بہت سخت پڑتی ہے۔ مگر بسمل کی شروعات میں یہ طلعہ بہت خوشنما ہو جاتے ہیں۔ گرمیوں کے نزدیک گرمیوں کے ملک گھائی کو یہ سڑک پار کرتی ہے۔ 'دلرام' نامی جگہ کے پاس سے باقوہ نامی ریگستان شروع ہوتا ہے۔ اُدھر اب خانہ بدوشوں کے تہو بھی ہو گئے ہیں۔

فوج نامی صوبائی دارالسلطنت، جس کو پہلے قندھار کہتے تھے، پہلے ایک تہذیبی مرکز تھا۔ اس کے جنوب میں رستم کا شہر شہر سمروں ہے۔ پرانے زمانے میں یہ حصہ سہستان کے نام سے مشہور تھا، یہاں بہت سی سانچائی کی لہریں تھیں اور یہاں کی کھیتی باڑی بڑھی چڑھی تھی۔ اس کا سب سے زیادہ عروج یونانیوں کے وقت میں ہوا تھا۔

لیکن منگولوں نے سب کچھ برباد کر دیا۔ آخری حملہ تیمور لنگ کے ذریعہ کیا گیا، جس نے ہلند دریا کے سب پشتوں اور سب سانچائی کی نہروں کو برباد کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریگستان سہستان کو پار کر تمام علاقہ میں پھیل گیا اور آج فوج کی حالت اُرد گرد قابل رحم ہے۔

فوج سے شمال کی طرف جاتے ہوئے ہم کالہ نہروں (خانہ بدوشوں) کے علاقہ کو چہرے کر ان فلوں میں داخل ہوتے ہیں جہاں پشتو نامی افغانی زبان بہت کم سن پڑتی ہے۔

ہم ایک پہاڑی سڑک پر چل کر شمالی افغانستان چلے جاتے ہیں، جہاں ہم ہرات کی رزخیز گھاٹی میں رکتے ہیں۔ افغانستان کا چوتھا نمبر کا شہر ہرات اسی گھاٹی کے ٹھیک وسط میں ہے، جو لمبائی میں 120 کلومیٹر اور چوڑائی میں 30 کلومیٹر ہے۔

ہرات کی پرانی شان چلی گئی ہے۔ شہر کی آبادی آج 25,000 آدمیوں سے زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ ایک پختہ روایت ہے کہ منگولوں کے حملہ کے پہلے ہرات کی آبادی دس لاکھ تھی۔

ہم ایک پہاڑی سڑک پر چل کر شمالی افغانستان چلے جاتے ہیں، جہاں ہم ہرات کی رزخیز گھاٹی میں رکتے ہیں۔ افغانستان کا چوتھا نمبر کا شہر ہرات اسی گھاٹی کے ٹھیک وسط میں ہے، جو لمبائی میں 120 کلومیٹر اور چوڑائی میں 30 کلومیٹر ہے۔

ہرات کی پرانی شان چلی گئی ہے۔ شہر کی آبادی آج 25,000 آدمیوں سے زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ ایک پختہ روایت ہے کہ منگولوں کے حملہ کے پہلے ہرات کی آبادی دس لاکھ تھی۔

فوج نامی صوبائی دارالسلطنت، جس کو پہلے قندھار کہتے تھے، پہلے ایک تہذیبی مرکز تھا۔ اس کے جنوب میں رستم کا شہر شہر سمروں ہے۔ پرانے زمانے میں یہ حصہ سہستان کے نام سے مشہور تھا، یہاں بہت سی سانچائی کی لہریں تھیں اور یہاں کی کھیتی باڑی بڑھی چڑھی تھی۔ اس کا سب سے زیادہ عروج یونانیوں کے وقت میں ہوا تھا۔

لیکن منگولوں نے سب کچھ برباد کر دیا۔ آخری حملہ تیمور لنگ کے ذریعہ کیا گیا، جس نے ہلند دریا کے سب پشتوں اور سب سانچائی کی نہروں کو برباد کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریگستان سہستان کو پار کر تمام علاقہ میں پھیل گیا اور آج فوج کی حالت اُرد گرد قابل رحم ہے۔

فوج سے شمال کی طرف جاتے ہوئے ہم کالہ نہروں (خانہ بدوشوں) کے علاقہ کو چہرے کر ان فلوں میں داخل ہوتے ہیں جہاں پشتو نامی افغانی زبان بہت کم سن پڑتی ہے۔

ہم ایک پہاڑی سڑک پر چل کر شمالی افغانستان چلے جاتے ہیں، جہاں ہم ہرات کی رزخیز گھاٹی میں رکتے ہیں۔ افغانستان کا چوتھا نمبر کا شہر ہرات اسی گھاٹی کے ٹھیک وسط میں ہے، جو لمبائی میں 120 کلومیٹر اور چوڑائی میں 30 کلومیٹر ہے۔

ہرات کی پرانی شان چلی گئی ہے۔ شہر کی آبادی آج 25,000 آدمیوں سے زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ ایک پختہ روایت ہے کہ منگولوں کے حملہ کے پہلے ہرات کی آبادی دس لاکھ تھی۔

دنیا میں ऐसा कोई मुल्क नहीं है जहाँकि अफ़ग़ानि-  
स्तान की तरह बाशिन्दों की खाना बंदोश खिन्दी में  
बदलाव हुए हों, तमाम साल भर जानवरों के मुन्ड के  
मुन्ड चरते रहते हैं और मुल्क की चौथी आबादी हमेशा  
चरागाह ही ढूँढने में मशगूल रहती है, गर्मी के मोसम की  
गरमी जून के चरागाहों को सुखा देती है, जिससे हजारों  
अफ़ग़ान शुमाल से जून और मरारिक से मरारिक तक हर  
साल चरागाहों की तलाश में भटकते रहने पर मजबूर होते  
हैं, भेड़ों, बकरों, और ऊँटों के बड़े-बड़े मुन्ड सबको में भरे  
रहते हैं और उनके साथ उनका स्याह तम्बू और सीधा सादा  
सामान भी रहता है, अपने 'खानों' और बड़े-बूढ़ों की  
देख-रेख में यह क्राफिले हमेशा चलते फिरते रहते हैं.

जब खिन्दा आती है तो यह क्राफिले अपने जाड़ों की  
चरागाहों की तरफ वापस चले जाते हैं, हरेक कबीले और  
फिरके के अपने खास रास्ते हैं, और उन लोगों की खराबी  
होती है जो दूसरे कबीलों के चरागाहों को छीनने की  
कोशिश करते हैं, अच्छे चरागाहों की कमी के सबब से कई  
खिलों में इस तरह के हथियार बन्द झगड़े होते रहते हैं  
जहाँ पर हमलावरों के खिलाफ हथियारों का इस्तेमाल किया  
जाता है.

यह खानाबंदोश धीरे-धीरे घूमते हैं—कस्बों में उन,  
बमका और फर बेचते हैं और बदले में रुई का कपड़ा,  
बारूद, कारतूस और राइफल खरीदते हैं.

ज्यादातर लोग हथियार रखते हैं, खिन्दी उनके लिये  
आराम की चीज नहीं है और वे हमेशा चौकन्ने रहते हैं,  
उनकी मुश्किलत में उनकी बहादुर अफ़ग़ान औरतें, माँ  
और बच्चे भी उनका साथ देते हैं, अपने शहर की बहनों की  
तरह गाँव की अफ़ग़ानी औरतें अपनी खानाबंदोशी में  
पर्व का इस्तेमाल नहीं करती.

अफ़ग़ान एक खूबसूरत और मेहनतकश क्रौम है, वे  
लम्बे मसबूत पट्टों वाले, नपे तुले सिडौल कद के और  
धुँधराले बालों वाले होते हैं.

अफ़ग़ान अपनी आजादी की मोहब्बत के लिये मशहूर  
हैं, बूढ़े अपनी लकी गई पुरानी लकड़ियों को बयान करने  
के लिये हमेशा तैयार रहते हैं.

अफ़ग़ानिस्तान ने बरतानिया से तीन सवाइयों लकी.  
1838-42 की जंग में अंग्रेजी 'कौञ्ज' हारी, दूसरी  
लकड़ी 1878-80 में हुई, इस जंग के नतीजे की शकल है  
अफ़ग़ानिस्तान बरतानिया के पूरे कब्जे में, नहीं तो मातेइली  
में तो आ ही गया, सन 1919 में लकी गई तीसरी  
जंग से, जिसमें अफ़ग़ानिस्तान के साथ सोवियत रूस की  
'कौञ्ज' भी थी, अफ़ग़ानिस्तान को आजादी मिज गई.

फला में ऐसा कोई मुल्क नहीं है जहाँकि  
की तरह बाशिन्दों की खाना बंदोश खिन्दी में  
बदलाव हुए हों, तमाम साल भर जानवरों के मुन्ड के  
मुन्ड चरते रहते हैं और मुल्क की चौथी आबादी हमेशा  
चरागाह ही ढूँढने में मशगूल रहती है, गर्मी के मोसम की  
गरमी जून के चरागाहों को सुखा देती है, जिससे हजारों  
अफ़ग़ान शुमाल से जून और मरारिक से मरारिक तक हर  
साल चरागाहों की तलाश में भटकते रहने पर मजबूर होते  
हैं, भेड़ों, बकरों, और ऊँटों के बड़े-बड़े मुन्ड सबको में भरे  
रहते हैं और उनके साथ उनका स्याह तम्बू और सीधा सादा  
सामान भी रहता है, अपने 'खानों' और बड़े-बूढ़ों की  
देख-रेख में यह क्राफिले हमेशा चलते फिरते रहते हैं.

जब खिन्दा आती है तो यह क्राफिले अपने जाड़ों की  
चरागाहों की तरफ वापस चले जाते हैं, हरेक कबीले और  
फिरके के अपने खास रास्ते हैं, और उन लोगों की खराबी  
होती है जो दूसरे कबीलों के चरागाहों को छीनने की  
कोशिश करते हैं, अच्छे चरागाहों की कमी के सबब से कई  
खिलों में इस तरह के हथियार बन्द झगड़े होते रहते हैं  
जहाँ पर हमलावरों के खिलाफ हथियारों का इस्तेमाल किया  
जाता है.

यह खानाबंदोश धीरे-धीरे घूमते हैं—कस्बों में उन,  
बमका और फर बेचते हैं और बदले में रुई का कपड़ा,  
बारूद, कारतूस और राइफल खरीदते हैं.

ज्यादातर लोग हथियार रखते हैं, खिन्दी उनके लिये  
आराम की चीज नहीं है और वे हमेशा चौकन्ने रहते हैं,  
उनकी मुश्किलत में उनकी बहादुर अफ़ग़ान औरतें, माँ  
और बच्चे भी उनका साथ देते हैं, अपने शहर की बहनों की  
तरह गाँव की अफ़ग़ानी औरतें अपनी खानाबंदोशी में  
पर्व का इस्तेमाल नहीं करती.

अफ़ग़ान एक खूबसूरत और मेहनतकश क्रौम है, वे  
लम्बे मसबूत पट्टों वाले, नपे तुले सिडौल कद के और  
धुँधराले बालों वाले होते हैं.

अफ़ग़ान अपनी आजादी की मोहब्बत के लिये मशहूर  
हैं, बूढ़े अपनी लकी गई पुरानी लकड़ियों को बयान करने  
के लिये हमेशा तैयार रहते हैं.

अफ़ग़ानिस्तान ने बरतानिया से तीन सवाइयों लकी.  
1838-42 की जंग में अंग्रेजी 'कौञ्ज' हारी, दूसरी  
लकड़ी 1878-80 में हुई, इस जंग के नतीजे की शकल है  
अफ़ग़ानिस्तान बरतानिया के पूरे कब्जे में, नहीं तो मातेइली  
में तो आ ही गया, सन 1919 में लकी गई तीसरी  
जंग से, जिसमें अफ़ग़ानिस्तान के साथ सोवियत रूस की  
'कौञ्ज' भी थी, अफ़ग़ानिस्तान को आजादी मिज गई.

موتی پہلے چنگیز خان کے قریب اور بعد کر اس پر حملوں کے قریب برباد کر دیا گیا تھا۔ اس چونک سے کمزور ہو کر شہر کا ذوالقلم ہو چکا ہے، اس کی پرانی چمک دمک کے آخری نشان بچے گوتی ہوئی شاندار قبریں اور ایک بڑا قلعہ ہی رہ گئے ہیں۔

غزنی صوبہ میں افغان قوم کا 16, 25,000 آبائی والا غلانی فرقہ رہتا ہے۔ وزارت تجارت تک سارا غزنی کا بھارت انہیں جانوروں سے بچا ہے، جن کا پیشہ زراعت اور گردنہ اٹھانے کرنا ہے، مگر وہاں مٹی کی بہت کمی ہے اور غلانیوں میں سے ایک حصہ ہر سال خانہ بدوشی کے لئے بھارت کی طرف نکل جاتا ہے۔ اور بھی چلوں کی ایک اور بڑی پٹائی ہوئی گھائی میں ملک کا پرانا دارالسلطنت قندھار ہے۔ یہاں کی حرارت سدا چاروں میں بھی پانی جملے کی حرارت سے زیادہ نہیں ہوتی۔ قندھار چلوں اور چلوں - مغربی افغانستان کا ایک بڑا تجارتی مرکز ہے۔ کابل جانے والی سڑکوں اور ہرات کو بھارت سے ملانے والے راستوں کا یہی یہ مرکز ہے۔

قندھار اور فاریز سرحدوں پر جن کے زرخیز نخلستان ہولند،  
آئرلینڈ اور نرا-روڈ کی گھاٹیوں میں ہیں، 14,40,000  
آہستی والے درودی فرقے کے ہیں۔ جو کہ ملک کے حکومت کرنے  
والے افغان فرقوں میں سے سب سے زبردست ہیں۔ اسی فرقہ  
میں سے حکومت کرنے والوں اور اُنہی عہدوں کے سرکاری کام  
کرنے والوں کو چھانڈا جاتا ہے۔

فونی سے قندھار جانے والی سڑک سے گزرنے پر ہم کسانوں کو اپنے چہرے سے ٹیٹوں کو اپنے لکڑی کے ہالوں سے جوتے یا پتھر اور لکڑی کی کدالیں سے ٹھونکتے دیکھ سکتے ہیں۔ سارے جنوبی افغانستان کی (ہزارہ جات کی پہاڑی قبیلوں کو چھوڑ کر) کھیتی سلجھائی کے اوپر ماحول ہے، مگر سلجھائی بڑے ہی پرانے طریقوں سے ہوتی ہے، دے پرانے ہاندہ جنوبوں نے یہاں سلجھائی سے بڑے بڑے زرخیز نطھستان بنا دیئے تھے، اب نہیں رہے۔ قلم ہاندہ ہلٹے بھی نہیں جا رہے ہیں۔ آریزا اور اپراکشا کے تھریٹن مشہور مشہور ہیں۔ آج کلندہ ہی وہاں نظر آتے ہیں، پرانی بستیوں کے ٹھنڈے دیوار سے بچے جا رہے ہیں۔

قندھار سے فوج جانے والی سڑک پر ہندوؤں کے ہجوم  
جھلٹ چڑتے ہیں۔ کالی ہکڑی اور قندھار کے لوگوں نے گندے  
انہیں چڑایا کرتے ہیں۔

ملک کی مالی زندگی میں جانوروں کا پالا جانا بھی خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ بہت سا کچا سامان چھوڑا جاتا ہے اور کرائے درآمد کے لئے بیٹھا ہوتا ہے۔

افغانستان جا تیریاں آس تیر پر انور کی ترک پار  
جاتی ہیں، جب کہ ملوکوں کے شمال میں مقیم ملک کے ہائی  
حصہ میں، افغان شمار میں کم و بڑے ہی ہیں۔

افغانی چار خاص حصوں میں بٹے ہیں—شمالی، غزنی،  
کابل اور کرشمہ۔ ان میں سے بھی ہر شاخ کئی فرقوں  
خاندانوں اور بڑے یا چھوٹے قبیلوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔  
مغربی کردہ کے خاندانی قبیلوں کا حکومتی انتظام پشتیلی  
'خان' نامی انسر کرتے ہیں۔ لیکن مشرقی کابلانی کردہ میں  
آج بھی بڑے بڑوں کے پانچابی کردہ چاہیں 'چرک' کہا جاتا  
ہے قبیلوں کی تنظیم کرتے ہیں۔

افغانستان ایک شاہی خودمختار ملک ہے۔ یہاں کا شاہ  
جو ساتھ ہی ساتھ تمام فوجی دستوں کا کمانڈر-ان-چیف بھی  
ہے، یہاں کا سب سے اونچا حاکم ہے۔ یہاں کی پارلیمنٹ میں  
دو چیمبر، ایک حکومتی مجلس جس کے نمائندے رعایا چنتا  
ہے اور ایک سلیٹ ہوتا ہے جس کے ممبر خاندانی اموروں  
اور سرداروں میں سے شاہ کی رائے کے مطابق چنے جاتے ہیں۔

قانون کے ذریعہ پارلیمنٹ کو ہل پھل کرنے و پاس کرنے  
کی آزادی ہے۔ اس کے ذریعہ سرکاری قانون بھی بنائے جاتے  
ہیں اور صلحناموں کو منظور کرنے کا حق بھی اسی کو ہے۔  
دوسرے لفظوں میں پارلیمنٹ کو قانون بنا کر وزیروں کو ان کے  
مطابق حکومت کے لئے زستار بنانا ہے۔ پر اصلیت میں قانونی  
مجلس میں ایسے قاعدے بھی ہیں، جنہوں نے پارلیمنٹ کی  
طاقتوں کو محدود کر دیا ہے جیسے کہ قانون میں یہ بھی ہے  
کہ حکومتی نمائندوں کی مجلس کے فیصلے سرکاری پالیسی یا  
اسلام کے خلاف نہیں ہونے چاہئے۔ پارلیمنٹ سرکار کے وزیر  
عظیم اعتماد کی تحویز نہیں پاس کر سکتی اور نہ وزیروں کی  
مجلس کے اسٹیج کی ہی مانگ کر سکتی ہے۔ تمام وزیر وزیر  
آہ نام کی رائے سے شاہ کے ذریعہ قائم کئے یا نکالے جاتے ہیں۔

اس وقت ظاہرہ طور پر افغانستان نے بھارتی حد کے آزاد  
قبیلوں کی حفاظتی پالیسی کو چھوڑ دیا ہے۔ ان قبیلوں کے  
کچھ سرداروں کا یہ اعتقاد ہے کہ برطانیہ نے افغانستان کو ان کے  
خلاف کرنے کے لئے کچھ مالی رعایتیں دی ہیں جن میں افغان  
مال کے بھارت سے ہو کر گذرنے دیئے کی منظوری اور اس ملک  
سے زیادہ تجارت کرنے کی منظوری ہی شامل ہے۔

اگر یہاں پر دیکھا جائے کہ افغانستان کی زیادہ تر درآمد  
بھارتی حد کے اندر سے ہی ہوتی ہے تو رائے مذکور درست معلوم  
دیتی ہے۔

کابل سے جنوب کی طرف مرکز کچھ گھنٹوں کے سفر کے  
بعد غزنی نامی صوبہ کے غزنی نامی مرکز میں ہی پہونچتے  
ہیں۔ محدود غائبی کے وقت میں غزنی ہی ملک کا  
دارالسلطنت تھا۔ اس کی شہرت کی شروعات دسویں صدی  
میں ہی ہو گئی تھی، جب کہ وہ جنوبی مشرقی ایران کی  
جہلمت کا مرکز تھا۔



جنوب کی طرف بڑھ کر سوا جنوبی علاقے کے حصے سے ملتا ہوا ہے جس میں افغانی پہاڑی باشندوں کی جاتی 'مٹل'، 'جاک'، 'دیر'، 'خیل'، 'روہی' وغیرہ جاتیں بستی ہیں۔ ان پہاڑی گروں میں بڑی غریبی ہے۔ یہاں کی مٹی کی تول سونے کے برابر ہے، کیونکہ لوگ اسے ہاتھ اور سر میں بھر کر اور رک کر اونچے پہاڑوں میں اپنے گھریلوں تک لے گئے ہیں۔ اپنے اس انوکھ معیشت سے یہی لوگوں کی گذر نہیں ہوتی اور قبیلے کے قبیلے خوراک حاصل کرنے کے لئے بھارت کی طرف چل پڑتے ہیں۔

مشرقی اور جنوبی صوبہ ان جلتکو افغان جاتوں کے رہنے کے علاقے ہیں جو کہ کوہ سلیمان سے ادر چلی آئی ہیں۔ شمال اور مغرب کی طرف بڑھ کر ان جاتوں نے باہری حملہ آوروں کے راستے کو روک دیا اور پہلی افغان ریاست کی بنیاد ڈالی۔ جنوبی حد کے پار بھی کئی ضلع ہیں جو کہ افغانوں سے آباد ہیں۔ یہ قبیلے جو کہ اپنے ملک سے آگ کر دیئے گئے ہیں 'آزاد قبیلوں کے علاقے' نامی اپنی خاص زمین میں رہتے ہیں۔ ایک صدی سے وہ انگریزوں کے ذریعہ جوتے جالے کی کوششوں کا مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ کلمہ ہی چھوٹے چھوٹے فوجی دستے ان کو دہانے کے لئے بھیجے جا چکے ہیں؛ چندے لائے جا چکے ہیں اور ان کے سرداروں کو رشوت دیکر پورے لیلے کی کوششیں بھی ہوئی ہیں، پر ان کے حفاظتی مورچہ کو کبھی نہیں توڑا جا سکا۔

افغانستان میں آئے والے مسافر یہاں کی جاتوں اور باشندوں میں پہلی بدانتظامی کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ یہ اس ملک کی جغرافیائی حالت کا ہی نتیجہ نہیں ہے، جس نے کہ پچھلے دنوں میں کئی طرح کی جاتوں کے لئے راستہ بنایا۔ اس کا سبب انچھ حد تک برطانوی نوآبادیتی پالیسی بھی ہے، جس نے اس ملک کی حدوں کو بھی قائم کیا۔ برطانیہ افغانستان کو ایک بفر (روکاری) ریاست بنانے پر تیار ہوا تھا۔ اس طرح اس کی حدوں میں ایسے ضلع بھی ہیں جہاں ترکمانی، ازبک و تازی جاتیں رہتی ہیں، جب کہ جنوب میں 40 لاکھ سے زیادہ (41,78,500) افغانی رعایا اپنے ملک سے الگ کر کے ہندوستان اور بلوچستان میں ملے دی گئی ہے۔ یہ حصہ آزاد قبیلوں کا اور بفر، پوشاور، کھات، ڈیرہ اسماعیل خیل اور بھارتی وزارت کے شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں ہے۔

افغانستان میں رہنے والی خاص جاتیں افغان (44,84,562)، تازی (21,06,000)، ازبک (8,02,000) اور ہزارہ (8,67,000) ہیں۔ باقی رعایا ترکمانوں اور دوسری غیر جاتوں جیسے نورستان، طہلی، نرز کوہ، جمہودی، تھوری، بلوچی، عرب، ہندستانی، ترکی، پھچی، کھانی، کرد اور پشپاک لوگوں سے بنی ہے۔

جنوب کی طرف بڑھ کر سوا جنوبی علاقے کے حصے سے ملتا ہوا ہے جس میں افغانی پہاڑی باشندوں کی جاتی 'مٹل'، 'جاک'، 'دیر'، 'خیل'، 'روہی' وغیرہ جاتیں بستی ہیں۔ ان پہاڑی گروں میں بڑی غریبی ہے۔ یہاں کی مٹی کی تول سونے کے برابر ہے، کیونکہ لوگ اسے ہاتھ اور سر میں بھر کر اور رک کر اونچے پہاڑوں میں اپنے گھریلوں تک لے گئے ہیں۔ اپنے اس انوکھ معیشت سے یہی لوگوں کی گذر نہیں ہوتی اور قبیلے کے قبیلے خوراک حاصل کرنے کے لئے بھارت کی طرف چل پڑتے ہیں۔

مشرقی اور جنوبی صوبہ ان جلتکو افغان جاتوں کے رہنے کے علاقے ہیں جو کہ کوہ سلیمان سے ادر چلی آئی ہیں۔ شمال اور مغرب کی طرف بڑھ کر ان جاتوں نے باہری حملہ آوروں کے راستے کو روک دیا اور پہلی افغان ریاست کی بنیاد ڈالی۔ جنوبی حد کے پار بھی کئی ضلع ہیں جو کہ افغانوں سے آباد ہیں۔ یہ قبیلے جو کہ اپنے ملک سے آگ کر دیئے گئے ہیں 'آزاد قبیلوں کے علاقے' نامی اپنی خاص زمین میں رہتے ہیں۔ ایک صدی سے وہ انگریزوں کے ذریعہ جوتے جالے کی کوششوں کا مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ کلمہ ہی چھوٹے چھوٹے فوجی دستے ان کو دہانے کے لئے بھیجے جا چکے ہیں؛ چندے لائے جا چکے ہیں اور ان کے سرداروں کو رشوت دیکر پورے لیلے کی کوششیں بھی ہوئی ہیں، پر ان کے حفاظتی مورچہ کو کبھی نہیں توڑا جا سکا۔

افغانستان میں آئے والے مسافر یہاں کی جاتوں اور باشندوں میں پہلی بدانتظامی کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ یہ اس ملک کی جغرافیائی حالت کا ہی نتیجہ نہیں ہے، جس نے کہ پچھلے دنوں میں کئی طرح کی جاتوں کے لئے راستہ بنایا۔ اس کا سبب انچھ حد تک برطانوی نوآبادیتی پالیسی بھی ہے، جس نے اس ملک کی حدوں کو بھی قائم کیا۔ برطانیہ افغانستان کو ایک بفر (روکاری) ریاست بنانے پر تیار ہوا تھا۔ اس طرح اس کی حدوں میں ایسے ضلع بھی ہیں جہاں ترکمانی، ازبک و تازی جاتیں رہتی ہیں، جب کہ جنوب میں 40 لاکھ سے زیادہ (41,78,500) افغانی رعایا اپنے ملک سے الگ کر کے ہندوستان اور بلوچستان میں ملے دی گئی ہے۔ یہ حصہ آزاد قبیلوں کا اور بفر، پوشاور، کھات، ڈیرہ اسماعیل خیل اور بھارتی وزارت کے شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں ہے۔

افغانستان میں رہنے والی خاص جاتیں افغان (44,84,562)، تازی (21,06,000)، ازبک (8,02,000) اور ہزارہ (8,67,000) ہیں۔ باقی رعایا ترکمانوں اور دوسری غیر جاتوں جیسے نورستان، طہلی، نرز کوہ، جمہودی، تھوری، بلوچی، عرب، ہندستانی، ترکی، پھچی، کھانی، کرد اور پشپاک لوگوں سے بنی ہے۔

ہندوکش کا بڑا پھاڑ سلع کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ شمالی اور جنوبی، جن میں کہ جغرافیائی اور آبادی سے تعلق رکھنے والا فرق ہے۔ ملک کے سب سے بڑے زرعتی نظمستان شمالی افغانستان میں ہی ہیں، جہاں دو جہوں جاتوں اور فرقہ آباد ہیں۔ یہی حصہ جنوبی افغانستان کو خوراک دیتا ہے جو کہ چٹائی اور افغان جاتیوں سے بسی اوسر زمین ہے۔

سب سے اونچے کوہستان شمال۔ مشرق میں ہیں، جہاں کہ سلع کی سطح سے تین یا چار ہزار میٹر تک کی اونچائی کے بہت سے درے ہیں۔ ہندوکش کوہ ابابا کے نام سے آگے پھل کر آمو دریا اور سندھ کے بیچ کے میدان میں پانی بائیں والے کا کام کرتا ہے۔ وسطی افغانستان 'ہزار جت' نام کے سخت پہاڑی حصے سے بنا و گہرا ہے۔ مغرب کی طرف کوہ ابابا کی پہاڑی تین سلسلوں میں ملت جاتی ہے جو کہ دھیرے دھیرے لغو، ہلند اور پاکستان کی چٹائی اور ہوادار زمین میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

افغانی جاتیوں کی پیدائشی جگہ بھارت سلیمان پہاڑوں کے اُس پار ہے۔ بلوچستان چٹائی کے پہاڑوں کے جنوب میں ہے۔

یہ پہاڑی سلسلے ملک کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، گو کہ حال ہی میں ہلی سڑکوں نے الگ الگ صوبوں کو ایک دھامے میں باندھنے میں مدد دی ہے۔ لیکن حاکمیت میں سدھار نہیں ہوا ہے۔ شمالی اور جنوبی حصوں کو ملانے والی ایک خاص کڑی خانہ بدوش افغان جاتوں ہیں، جو کہ ہر سال ملک کو پار کرتی ہیں اور جنوب سے شمال ہرات، مہمانہ اور کٹاکھان۔ بدخشاں کے صوبوں کی طرف جاتی ہیں۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملا ہوا ہے۔ اس صوبہ کا وسطا جلال آباد کا میدان ہے، یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت گہلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

افغانی صوبہ بھارتی سرحد سے ملتا ہوا ہے۔ اس صوبے کا وسط جلال آباد کا میدان ہے، یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت گہلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملتا ہوا ہے۔ اس صوبے کا وسط جلال آباد کا میدان ہے، یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت گہلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

افغانی جاتیوں کی پیدائشی جگہ بھارت سلیمان پہاڑوں کے اُس پار ہے۔ بلوچستان چٹائی کے پہاڑوں کے جنوب میں ہے۔

یہ پہاڑی سلسلے ملک کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، گو کہ حال ہی میں ہلی سڑکوں نے الگ الگ صوبوں کو ایک دھامے میں باندھنے میں مدد دی ہے۔ لیکن حاکمیت میں سدھار نہیں ہوا ہے۔ شمالی اور جنوبی حصوں کو ملانے والی ایک خاص کڑی خانہ بدوش افغان جاتوں ہیں، جو کہ ہر سال ملک کو پار کرتی ہیں اور جنوب سے شمال ہرات، مہمانہ اور کٹاکھان۔ بدخشاں کے صوبوں کی طرف جاتی ہیں۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملا ہوا ہے۔ اس صوبہ کا وسطا جلال آباد کا میدان ہے، یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت گہلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملتا ہوا ہے۔ اس صوبے کا وسط جلال آباد کا میدان ہے، یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت گہلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملتا ہوا ہے۔ اس صوبے کا وسط جلال آباد کا میدان ہے، یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت گہلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملتا ہوا ہے۔ اس صوبے کا وسط جلال آباد کا میدان ہے، یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت گہلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔



## ہمارا پڑوسی افغانستان

پروفیسر کجلباشا خاں

افغانستان ایشیا کے ایک درمیان اُس جگہ پر آباد ہے جہاں کہ بڑی بڑی پہاڑیوں مل کر ہندستان کی طرف ایک سلسلہ بن کر مڑ جاتی ہیں۔

افغانستان گھاتوں اور کسانوں کا ملک ہے۔ آج بھی یہاں کی کھیتی-کھیتی چوہاڑے جنماتا کھانا-بندھا ہے۔

افغانستان کا رقبہ 6,55,000 مربع (ورگ) کلومیٹر ہے اور اس کی آبادی 95,00,000 سے زیادہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کا شمار شمال مشرق کی طرف کچھ تلگ حد لگے ہوئے افغانستان کے شمال میں سویت روس کا ترکمانستان، ازبک اور تاجک جمہوریات، مغرب میں ایران اور جنوب و جنوب مشرق میں بھارت اور بلوچستان میں ہے۔

موجودہ افغانستان کے سکھوں سے پہلے جو کہ انہارین صدی میں کہا گیا، یہ ملک نئی حصوں میں منقسم تھا جس کی تواریخ مختلف تھی۔ اُس کی جغرافیائی حالت نے اُس سارے علاقہ کو وسطی مشرق سے دور دراز مشرق کو ملنے والے مرکز کا رتبہ دیکر دنیا کی خاص شاہراہوں میں خاص جگہ دے دی ہے۔ ایک وقت تھا جبکہ یورپ اور ایشیا سے بڑی بڑی فوجیں اور آبادیوں نے اُس ملک کے اندر سے گزر کر ہندستان میں قدم رکھا۔ افغانستان میں پارسی، ہون، اور سک جاتیوں کا آگے، مہسودوں کے سکندر اعظم نے بھی اُس ملک کو فتح کیا۔ چنگیز خاں کے گزرنے کے بعد، تیمور لنگ کی فوجیں اور اسلام قائم کرنے والی عرب فوجوں نے بھی اُس دہش پر وقتاً فوقتاً قبضہ کیا۔ مشرق سے لیکر مغرب تک اور شمال سے لیکر جنوب تک بستیاں ہلتی اور برباد ہوتی رہیں۔ کوئی بھی ایسا حملہ نہیں ہوا جس کے نتیجے کے باعث یہاں بڑے آبادیوں کی کوئی نئی بستی آباد نہ ہوئی ہو۔ یہاں سے بڑی بڑی سلطنتوں کے عروج کے ساتھ ساتھ دور شروع ہوا اور یہیں سے وہ خوال کے تواریخی نشان سے بن کر غائب بھی ہو گئے۔

اپنی زمین کے 4/5 حصے کے پہاڑوں سے گھراے ہوئے کے سبب افغانستان ایک پہاڑی ملک ہے۔ اُس لگے یہاں کی رعایا کا بڑا حصہ بڑی یا چھوٹی کھیتوں میں، ندیوں کے کنارے یا شمال و شمال-مغرب کے تنگ سرحدی مہدائیوں میں قیام کرتا تھا۔

## ہمارا پڑوسی افغانستان

پروفیسر کجلباشا خاں

افغانستان ایشیا کے ایک درمیان اُس جگہ پر آباد ہے جہاں کہ بڑی بڑی پہاڑیوں مل کر ہندستان کی طرف ایک سلسلہ بن کر مڑ جاتی ہیں۔

افغانستان گھاتوں اور کسانوں کا ملک ہے۔ آج بھی یہاں کی کھیتی-کھیتی چوہاڑے جنماتا کھانا-بندھا ہے۔

افغانستان کا رقبہ 6,55,000 مربع (ورگ) کلومیٹر ہے اور اُس کی آبادی 95,00,000 سے زیادہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کا شمار شمال مشرق کی طرف کچھ تلگ حد لگے ہوئے افغانستان کے شمال میں سویت روس کا ترکمانستان، ازبک اور تاجک جمہوریات، مغرب میں ایران اور جنوب و جنوب مشرق میں بھارت اور بلوچستان میں ہے۔

موجودہ افغانستان کے سکھوں سے پہلے جو کہ انہارین صدی میں کہا گیا، یہ ملک نئی حصوں میں منقسم تھا جس کی تواریخ مختلف تھی۔ اُس کی جغرافیائی حالت نے اُس سارے علاقہ کو وسطی مشرق سے دور دراز مشرق کو ملنے والے مرکز کا رتبہ دیکر دنیا کی خاص شاہراہوں میں خاص جگہ دے دی ہے۔ ایک وقت تھا جبکہ یورپ اور ایشیا سے بڑی بڑی فوجیں اور آبادیوں نے اُس ملک کے اندر سے گزر کر ہندستان میں قدم رکھا۔ افغانستان میں پارسی، ہون، اور سک جاتیوں کا آگے، مہسودوں کے سکندر اعظم نے بھی اُس ملک کو فتح کیا۔ چنگیز خاں کے گزرنے کے بعد، تیمور لنگ کی فوجیں اور اسلام قائم کرنے والی عرب فوجوں نے بھی اُس دہش پر وقتاً فوقتاً قبضہ کیا۔ مشرق سے لیکر مغرب تک اور شمال سے لیکر جنوب تک بستیاں ہلتی اور برباد ہوتی رہیں۔ کوئی بھی ایسا حملہ نہیں ہوا جس کے نتیجے کے باعث یہاں بڑے آبادیوں کی کوئی نئی بستی آباد نہ ہوئی ہو۔ یہاں سے بڑی بڑی سلطنتوں کے عروج کے ساتھ ساتھ دور شروع ہوا اور یہیں سے وہ خوال کے تواریخی نشان سے بن کر غائب بھی ہو گئے۔

اپنی زمین کے 4/5 حصے کے پہاڑوں سے گھراے ہوئے کے سبب افغانستان ایک پہاڑی ملک ہے۔ اُس لگے یہاں کی رعایا کا بڑا حصہ بڑی یا چھوٹی کھیتوں میں، ندیوں کے کنارے یا شمال و شمال-مغرب کے تنگ سرحدی مہدائیوں میں قیام کرتا تھا۔

اگست 1957 اگست

کس سے	صفحہ	کس سے
1. ہمارا پڑوسی افغانستان —پروفیسر قزلباش خاں	... 47 ...	1. ہمارا پڑوسی افغانستان —پروفیسر قزلباش خاں
2. آسٹین میں ساٹپ —مہر عبدول ہلیم انصاری آرٹسٹ	... 55 ...	2. آسٹین میں ساٹپ —پروفیسر قزلباش خاں
3. ہندو مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی شروعات —ڈاکٹر لاتیف دفتری ایم۔ اے۔ بی۔ اے۔ فیل۔	... 59 ...	3. ہندو مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی شروعات —ڈاکٹر لاتیف دفتری ایم۔ اے۔ بی۔ اے۔ فیل۔
4. سیخ مزارعہ کا درمیانی راستہ —پروفیسر تاجا سنگھ ایم۔ اے۔	... 70 ...	4. سیخ مزارعہ کا درمیانی راستہ —پروفیسر تاجا سنگھ ایم۔ اے۔
5. ہماری رائے —ہماری رائے	... 72 ...	5. ہماری رائے —ہماری رائے
6. ہمارا خیال —ہماری رائے	... 74 ...	6. ہمارا خیال —ہماری رائے



نمبر 2 نمبر 24 جلد 24 جلد

اگست 1957

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈلنگز، کراچی

145 مڈلنگز، کراچی

### **Editorial Board**

**Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)**

**Mahatma Bhagwan Din**

**Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law**

**Pandit Sundarlal**

**Bishambhar Nath Pande**

### **Editor-in-Charge**

**Bishambhar Nath Pande**

### **Asst. Editor**

**Suresh Ramabhai**

### **Annual Subscription**

**Inland Rs. 6/-**

**Foreign Rs. 10/-**

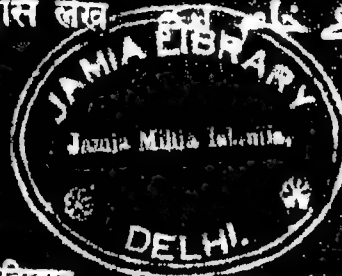
**Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.**

**and from**

**—, NAYA HIND**

# نیاجمند

اس نمبر کے خاص نسخہ  
 इस نمبر کے खास نسخہ



3 AUG 1957  
 ہمارا پڑوسی پاکستان  
 —پروفیسر نورالحق خاں  
 —پروفیسر نورالحق خاں  
 —پروفیسر نورالحق خاں

—پروفیسر نورالحق خاں  
 —پروفیسر نورالحق خاں  
 —پروفیسر نورالحق خاں

—پروفیسر نورالحق خاں  
 —پروفیسر نورالحق خاں  
 —پروفیسر نورالحق خاں

—پروفیسر نورالحق خاں  
 —پروفیسر نورالحق خاں  
 —پروفیسر نورالحق خاں

—پروفیسر نورالحق خاں  
 —پروفیسر نورالحق خاں  
 —پروفیسر نورالحق خاں

# हिन्दी घर

ہندی گھر

کलچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کیندر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی अपनी मन-पसन्द किताबों के लिखे हमें लिखें।

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کیندر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی अपनी मन-پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

## हमारी नई किताबें

महात्मा गान्धी की वसीयत

( हिन्दी और उर्दू में )

लेखक—गान्धीबाद के माने जाने  
विद्वान : श्री मंजर अली सारुता  
सके 225, कीमत दो रुपया

—: 0 :—

## गान्धी बाबा

( बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब )

लेखिका—कुवसिया जैदी

भूमिका—पण्डित जवाहरलाल नेहरू

मोटा काराज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें  
दाम दो रुपया

—: 0 :—

पण्डित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम दहाई रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सके, दाम बारह आने

महात्मा गान्धी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत चार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुद्रोगंज इलाहाबाद

## हमاری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

( ہندی اور اردو میں )

لیکھک—گاندھی دین کے مانے جانے والے  
ویدوان : سورگیشہ شری منظر علی سوختہ  
صفحہ 225، قیمت دو روپیہ

—: 0 :—

## گاندھی بابا

( بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب )

لیکھک—کوسیدہ زیدی

بھومیکا—پنڈت جواہر لال نہرو

موتا کاغذ، موٹا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں  
دوام دو روپیہ

—: 0 :—

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قران

275 صفحہ، دایم تھانی روپیہ

ہندکو مسام ایکتا

100 صفحہ، دایم بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

قیمت بارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

قیمت دو آنے

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

14، شہر گنج اہلیاد

# सांस्कृतिक साहित्य

सान्स्कृतिक साहित्य

## हजरत मोहम्मद और इसलाम

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया  
इसलाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से  
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

## हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

## महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

## यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

## प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

## सुमेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

## प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

## गंगा से गोमती तक

( प्रगतिशील कहानी संग्रह )

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

## आग और आँसू

( भावपूने सामाजिक कहानियाँ )

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

## कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

## भंकार

( प्रगतिशील कविताओं का संग्रह )

लेखक—रघुपति सहाय किराक, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता

## हजरत मोहम्मद और इसलाम

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया  
इसलाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से  
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

## हजरत عيسى اور عيسائى دھرم

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

## مہاتما زرتشت اور ایرانی سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

## یهودی دھرم اور سامی سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

## پراچین مصر کی سبھیتا اور سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

## سمیر، بابل اور اسوریائی پراچین سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

## پراچین یونانی سبھیتا اور سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

## گنگا سے گوमती तक

( प्रगतिशील कहानी संग्रह )

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

## آگ اور آنسو

( भावपूने सामाजिक कहानियाँ )

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

## قرآن اور دھارمک मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

## جھنکار

( प्रगतिशील कविताओं का संग्रह )

लेखक—रघुपति सहाय किराक, कीमत—तीन रुपया

ہندوستانی کلچر سوسائٹی ہندوستانی کلتچر سوسائٹی

145 मुद्दीगंज, इलाहाबाद 14 مئی گنج، الہ آباد



لو اپنے اہلکار کو بھول کر گئیں تو میں کسی بھی حالت میں  
میں نہیں گئی گا کہ وہاں کے لئے میں جہت نہیں۔ اسی وجہ سے  
اکابر کو ہی باوجود چھاننی کے سن اس کام کی ضرورت ہو سکتی  
ہے۔ یہاں ساری کا افسردہ حال ہے۔ یہاں خون جگر ہے۔

**22. 6. 57**

—सुरेश रामभाई

مسوہی دلم جہائی

22 a 57

# "CHINA TODAY"

**700 PAGES,  
82 ILLUSTRATIONS  
3 COLOURED MAPS**

**PRICE****Rs. 7.80**

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment. —National Herald, Lucknow.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known  
—Leader, Allahabad.

**—Leader, Allahabad:**

Encyclopaedia...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bomber

## —Blitz, Bombay

**A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.**

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs. —Indian Express, Madras

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matters... brings to the light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

**-VIA DASH**

जैसे बच्चों के काम करके उनको सही अंदाज मिले सके ? वह तो अपनी कायरता का, अपनी निर्बलता का, अपनी लाचारी का ही प्रतीक होगा। वीर पुरुषों की औलाद अगर हमारे जैसी डरपोक व कायर निकली तो फिर औलाद कहलाने के अपने दावे को ही खो बैठेगी।

लेकिन नहीं, हमें हिम्मत नहीं हारनी है। ज़मीन की मालकियत मिटाने का काम उतना मुश्किल नहीं है जितना कि भास होता है। ज़मीन की मालकियत की दीवारें ढह रही हैं, जो बाक़ी हैं वे भी हिल रही हैं। एक-दो नहीं, दस-बीस नहीं, सौ-सबासी नहीं—ढाई हज़ार गाँवों में ज़मीन की मालकियत मिट चुकी है ! मिट चुकी है !! मिट चुकी है !!! हमेशा के लिये ख़त्म। पुराने ज़माने की एक सत्यता रह गई है, उन गाँवों में उसका कोई अस्तित्व नहीं बचा। तो जो बात ढाई हज़ार गाँवों में हो सकती है, वह देश के कुल के कुल सारे पाँच लाख गाँवों में क्यों नहीं हो सकती ? क्या उन ढाई हज़ार गाँवों के लोग देवता या फ़रिश्ते हैं और बाक़ी के उनसे गये बीते हैं ?

नहीं, नहीं, कमी केवल अपने पुरुषार्थ की है, बल्कि हम कहेंगे कि कमी अपनी भ्रष्टा की है। जो भ्रष्टा हमारे पूर्वजों को अग्नेयों की हुकूमत मिटाने में थी, वह हमको ज़मीन की मालकियत मिटाने में अभी तक नहीं आई है। भ्रष्टा कोई पर्व नहीं है जो इधर-उधर बोले। भ्रष्टा दीवार की तरह है जो या तो गिरी है या खड़ी है। या तो है या नहीं है। अपना दिल टटोल कर हम देखें कि हम कहाँ हैं, वह भ्रष्टा हम में कितनी है, है भी कि नहीं ?

जहाँ हमारे अन्दर वह भ्रष्टा आई, ज़मीन की मालकियत मिटाने की आवश्यकता और अनिवार्यता पर यकीन आया कि देखते देखते वह मालकियत टूट कर चकनाचूर हो जायेगी। जिस तरह सदियों का अंधेरा एक छोट-सा चिराग़ क्षण भर में ख़त्म कर देता है, उसी तरह सदियों की ज़मीन का व्यक्तिगत स्वामित्व एक दिन में, निश्चित घड़ी पर ख़त्म हो सकता है। फिर यह तीसरी चीज़ नहीं जो अनहोनी हो। संतो ने कहा है "सबै भूमि गोपाल की"। पिछले दो-ढाई सौ साल में हम इस पाठ का भूल से गये थे। इसे फिर से याद कर उस पर अब अमल कर डालना है। देखते देखते वह मालकियत मिट जायेगी और अपने मुरबी बुजुर्गों का हम सच्ची अंदाजलि अर्पित कर सकेंगे।

यही है सत्तावन माई की असली पूजा करने की विधि। सत्तावन के छः महीने पूरे हो रहे हैं, छः ही बचे हैं। 'बीती आदि बिसार दे, आगे की सुधिले'—अभी कुछ नहीं बिगड़ा है, अब भी सब चीज़ संभल सकती है। हम अब बेत जायें और अब थिलकर—अपने आदि-मेद, माया-मेद, पद्म-मेद

जहाँ हमारे कर्म के कर्म के अन्तिम श्रद्धांजलि हमें सौं के ? वे तो अपनी कर्मों का 'अपनी निर्बलता' अपनी लाचारी का ही प्रतीक होंगे। वीर पुरुषों की औलाद अगर हमारे जैसी डरपोक व कायर निकली तो फिर औलाद कहलाने के अपने दावे को ही खो बैठेगी।

लेकिन नहीं, हमें हिम्मत नहीं हारनी है। ज़मीन की मालकियत मिटाने का काम उतना मुश्किल नहीं है जितना कि भास होता है। ज़मीन की मालकियत की दीवारें ढह रही हैं, जो बाक़ी हैं वे भी हिल रही हैं। एक-दो नहीं, दस-बीस नहीं, सौ-सबासी नहीं—ढाई हज़ार गाँवों में ज़मीन की मालकियत मिट चुकी है ! मिट चुकी है !! मिट चुकी है !!! हमेशा के लिये ख़त्म। पुराने ज़माने की एक सत्यता रह गई है, उन गाँवों में उसका कोई अस्तित्व नहीं बचा। तो जो बात ढाई हज़ार गाँवों में हो सकती है, वह देश के कुल के कुल सारे पाँच लाख गाँवों में क्यों नहीं हो सकती ? क्या उन ढाई हज़ार गाँवों के लोग देवता या फ़रिश्ते हैं और बाक़ी के उनसे गये बीते हैं ?

नहीं, नहीं, कमी केवल अपने पुरुषार्थ की है, बल्कि हम कहेंगे कि कमी अपनी भ्रष्टा की है। जो भ्रष्टा हमारे पूर्वजों को अग्नेयों की हुकूमत मिटाने में थी, वह हमको ज़मीन की मालकियत मिटाने में अभी तक नहीं आई है। भ्रष्टा कोई पर्व नहीं है जो इधर-उधर बोले। भ्रष्टा दीवार की तरह है जो या तो गिरी है या खड़ी है। या तो है या नहीं है। अपना दिल टटोल कर हम देखें कि हम कहाँ हैं, वह भ्रष्टा हम में कितनी है, है भी कि नहीं ?

जहाँ हमारे अन्दर वह भ्रष्टा आई, ज़मीन की मालकियत मिटाने की आवश्यकता और अनिवार्यता पर यकीन आया कि देखते देखते वह मालकियत टूट कर चकनाचूर हो जायेगी। जिस तरह सदियों का अंधेरा एक छोट-सा चिराग़ क्षण भर में ख़त्म कर देता है, उसी तरह सदियों की ज़मीन का व्यक्तिगत स्वामित्व एक दिन में, निश्चित घड़ी पर ख़त्म हो सकता है। फिर यह तीसरी चीज़ नहीं जो अनहोनी हो। संतो ने कहा है "सबै भूमि गोपाल की"। पिछले दो-ढाई सौ साल में हम इस पाठ का भूल से गये थे। इसे फिर से याद कर उस पर अब अमल कर डालना है। देखते देखते वह मालकियत मिट जायेगी और अपने मुरबी बुजुर्गों का हम सच्ची अंदाजलि अर्पित कर सकेंगे।

यही है सत्तावन माई की असली पूजा करने की विधि। सत्तावन के छः महीने पूरे हो रहे हैं, छः ही बचे हैं। 'बीती आदि बिसार दे, आगे की सुधिले'—अभी कुछ नहीं बिगड़ा है, अब भी सब चीज़ संभल सकती है। हम अब बेत जायें और अब थिलकर—अपने आदि-मेद, माया-मेद, पद्म-मेद

چہرہ کر گئیں گئیں میں پہنچا۔ تھی ساج بولن ہو کر اور  
 ہر انسان میں ہی آتم شکنی فکر الہی کی کیا دیکھی، کیا  
 ساج، دوستوں کے دل میں۔

سوال ہے کہ یہ ہو کیسے؟ بہت ہی نکلیں سوال ہے کہ  
 گوں گوں کس طرح ہلوں اور خودمختار بنے۔ ذرا دھیان  
 پروردگار کریں کہ تو سچ پتہ چلیگا کہ دیس بھر میں گوں  
 گوں کے اندر جس چیز نے ہم کو تسلیج اور نیرویہ ہلا دیا  
 ہے، جس نے گوں ہم میں نہ آتم سمان بچا ہے نہ سپردیگا  
 جس کی وجہ سے ہم نے آتم وشراس اور ماتوں کو اٹھا کر ماتو  
 طاق پر رک دیا ہے، وہ ہے دھرتی کا ویکتی گت سوامتو یا نجی  
 مالکیت۔ ویکتی گت سوامتو کے اھنگار سے بھوسامی بھر مانا کی  
 اپنے ہاتھ سے سہوا کرنا انداز ہی نہیں، آدھرم سمجھتا ہے۔  
 دوسری طرف ویکتی گت سوامتو کے پورن اہیاڑ میں، بھوس ہین  
 مزدوروں کی بھو سہوا نش ہوان اور جز بن گئی ہے۔ اور جب  
 تک زمین کی یہ نجی ملکیت قائم رہتی ہے، جب تک زمین  
 کی خرید بکری چلتی ہے، جب تک دھرتی مانا کی پکورت  
 آپاسا کل اولاد نہیں کرتی، تب تک کیسا سرلجیہ، کیسی  
 سواندھیتا اور کیسی شردھا نہلی !!!

اِس واسطے ستاروں مائی کی پوجا کے لئے سب سے پہلی ضرورت اِس بات کی ہے کہ دھرتی مانا ویکتی گت سوامتو کے بلندھنوں سے مکت ہوئی چاہئے۔ اُس کی خرید بکری سدا سرودا کے لئے بلندھنی چاہئے۔ اُس کا انصاف سے اور ایک رائے سے گلوں گلوں میں پھر سے ہنوارہ ہونا چاہئے دیہی میں نہ کوئی بیومی ہین رہ نہ بیومی سوامی۔ سب بیومی پتر ہلیں۔ پتر ہین کو ملنا کی پتیا شکتی سہوا کریں اور پدم سے ایک نموسرے کا سپہرگ لیں۔ اگر ہم ایسا نہ کرے، ادھر ادھر کی بیسوں ہانڈیں کریں، سفکڑوں کا ربہ کرم رچیں، دیانہمان جہاویں، پھول مالانہیں، اِسماڑکوں کو پہنڈانہیں تو اس کا کرنی اثر نہ ہمارے جہوں پر پڑےگا، نہ سماج پر پڑےگا اور نہ اُن پونڈر آناؤں کو سنتوش ہی ہوگا۔ اِن چھوٹ پت کاموں میں اپنی طاقت نہ خرچ کر ہم کو اپنی پوری طاقت بلہادی اور پہلا کام کرنے میں لگانی چاہئے۔

ظاہر ہوتا ہے کہ کام مشکل ہے، دور دور سے دیکھنے میں ناممکن بھی لگتا ہے۔ لیکن کیا انگریزی راج کو نکال باہر کر دینا بھی کوئی آسان کام تھا؟ جس انگریزی پرچمناں دیکھ کر ہی ہم لوگ ہنگامہ مچاتے ہوئے تھے، اُس کا سامنا اُنہو پرچمناں کیوں نہیں کیا تھا؟ دیر آسان کام کے لئے نہیں، مشکل کام کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ تو جن دہروں نے انگریزی راج سے منکس کی، جیسا مشکل کام اُنہوں نے کیا، ہم کبھی یہوں مالا مال ہوا کرتے ہیں؟

## سत्تاवन مائی کی پوجا کیسے ہو ؟

پیدھلی دس مئی سے دہرا بھر میں، خاصکر دھندلی भाषा भाषीوں کے، سن 1857 کے اپنے پرات: स्मरणीय राहीवों, बीरों और योद्धाओं के प्रति अष्टांजलि की घूम मची है. राहों में तो इस कार्यक्रम को मनाने के लिये सभायें होती हैं, जुलूस निकलते हैं, स्मारकों पर फूल-मालायें चढ़ायी जाती हैं. लेकिन दूर देहात में इस अष्टांजलि ने सत्तावन माई की पूजा का नाम लिया है. आजकल देहातों में चैचक की यानी बेबी माई का जोर वैसे ही है, माई की पूजा होती है. इसी तरह दशहरे पर काली माई की और दूसरे मौकों पर दूसरी माईयों की पूजा होती है. तो सत्तावन रावाब्दि समारोह भी माई बनकर सामने आ रहा है. मगर इस पूजा का अभी कोई ठोस शकल नहीं निकल पाई है. पर धीरे-धीरे वह शकल निकल भी आयेगी. क्या शकल निकलेगी, कोई नहीं कह सकता—पर उसकी दिशा क्या हो, इस सम्बन्ध में कुछ सुझाव यहाँ पर नम्रतापूर्वक पेश किये जा रहे हैं.

अपने जुजुगों को अष्टांजलि अर्पित करना हर किसी का धर्म है. वह पूजा सचमुच अपने समाधान और सन्तोष के लिये होती है. फिर, जब हमारे जैसे देश में, जो आत्मा को शरीर, मन और बुद्धि से अलग मानता हो, इस पूजा का प्रयोजन अपने हित के लिये ही है, न कि दिवंगत पूज्य आत्माओं के लिये. और कौन नहीं जानता कि आत्मा की शान्ति सद्गुण के विकास में, सद्भावना के निर्माण में है. इसलिये सच्ची अष्टांजलि वही है जिससे पूजा करने वाले आवसी वा समाज के अन्दर सद्गुण या सद्भावना जाग जाये. अगर ऐसा नहीं होता तो सारी पूजा बाहरी आडम्बर बन जायेगी और डकोसला साबित होगी. सत्तावन माई की पूजा इस दृष्टि को ध्यान में रखकर ही होनी चाहिये.

आहिर है कि सन सत्तावन में जो बीड़ा उठाया गया वह था स्वाधीनता के लिये. किस की स्वाधीनता ? देश भर की—देश भर के गांव गांव में रहने वाले हर बच्चे की. अंग्रेजी सरकार उसमें सबसे बड़ी बाधा थी, इसलिये उसको हटाना पहला जरूरी काम समझा गया. इसी कामना ने स्वराज्य का नाम लिया. 1857 में हमारी बीर आत्माओं ने जो बीज बोया, 1947 में उसमें फल आया और देश को स्वराज्य मिला. देश स्वाधीन हुआ. लेकिन कहने की जरूरत नहीं कि इस स्वाधीनता का अर्थ केवल यही है कि शक्ति व शासन का पारसल लंदन से छुड़ाकर दिल्ली ले आया गया. देश का निर्वाण, संचालन, संयोजन आदि सब कुछ दिल्ली से होता है. गांव वहीं के वहीं हैं. इस तरह देश जरूर स्वाधीन है, पर गांव पराधीन है. सत्तावन माई की वही पूजा, मार्क कही जायेगी जो इस पराधीनता को मिटाये—यानी शक्ति व शासन के पारसल को दिल्ली से

## सत्तावन मائی کی پوجا کیسے ہو ؟

پیدھلی دس مئی سے دہرا بھر میں، خاصکر دھندلی भाषा भाषीوں کے، سن 1857 کے اپنے پرات: स्मरणीय राहीवों, बीरों और योद्धाओं के प्रति अष्टांजलि की घूम मची है. राहों में तो इस कार्यक्रम को मनाने के लिये सभायें होती हैं, जुलूस निकलते हैं, स्मारकों पर फूल-मालायें चढ़ायी जाती हैं. लेकिन दूर देहात में इस अष्टांजलि ने सत्तावन माई की पूजा का नाम लिया है. आजकल देहातों में चैचक की यानी बेबी माई का जोर वैसे ही है, माई की पूजा होती है. इसी तरह दशहरे पर काली माई की और दूसरे मौकों पर दूसरी माईयों की पूजा होती है. तो सत्तावन रावाब्दि समारोह भी माई बनकर सामने आ रहा है. मगर इस पूजा का अभी कोई ठोस शकल नहीं निकल पाई है. पर धीरे-धीरे वह शकल निकल भी आयेगी. क्या शकल निकलेगी, कोई नहीं कह सकता—पर उसकी दिशा क्या हो, इस सम्बन्ध में कुछ सुझाव यहाँ पर नम्रतापूर्वक पेश किये जा रहे हैं.

अपने जुजुगों को अष्टांजलि अर्पित करना हर किसी का धर्म है. वह पूजा सचमुच अपने समाधान और सन्तोष के लिये होती है. फिर, जब हमारे जैसे देश में, जो आत्मा को शरीर, मन और बुद्धि से अलग मानता हो, इस पूजा का प्रयोजन अपने हित के लिये ही है, न कि दिवंगत पूज्य आत्माओं के लिये. और कौन नहीं जानता कि आत्मा की शान्ति सद्गुण के विकास में, सद्भावना के निर्माण में है. इसलिये सच्ची अष्टांजलि वही है जिससे पूजा करने वाले आवसी वा समाज के अन्दर सद्गुण या सद्भावना जाग जाये. अगर ऐसा नहीं होता तो सारी पूजा बाहरी आडम्बर बन जायेगी और डकोसला साबित होगी. सत्तावन माई की पूजा इस दृष्टि को ध्यान में रखकर ही होनी चाहिये.

आहिर है कि सन सत्तावन में जो बीड़ा उठाया गया वह था स्वाधीनता के लिये. किस की स्वाधीनता ? देश भर की—देश भर के गांव गांव में रहने वाले हर बच्चे की. अंग्रेजी सरकार उसमें सबसे बड़ी बाधा थी, इसलिये उसको हटाना पहला जरूरी काम समझा गया. इसी कामना ने स्वराज्य का नाम लिया. 1857 में हमारी बीर आत्माओं ने जो बीज बोया, 1947 में उसमें फल आया और देश को स्वराज्य मिला. देश स्वाधीन हुआ. लेकिन कहने की जरूरत नहीं कि इस स्वाधीनता का अर्थ केवल यही है कि शक्ति व शासन का पारसल लंदन से छुड़ाकर दिल्ली ले आया गया. देश का निर्वाण, संचालन, संयोजन आदि सब कुछ दिल्ली से होता है. गांव वहीं के वहीं हैं. इस तरह देश जरूर स्वाधीन है, पर गांव पराधीन है. सत्तावन माई की वही पूजा, मार्क कही जायेगी जो इस पराधीनता को मिटाये—यानी शक्ति व शासन के पारसल को दिल्ली से

# ہماری ہمارا

## ہندوستان کی دولت بڑی ہے !

پچھلے پانچ برسوں میں پہلی پانچ سالہ یوجنا کے جاریے ہندوستان کی آسامیوں میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوا ہے۔ ماحیروں کا خیال ہے کہ ہر فرد پانچ سے آٹھ ملک کی مالی ترقی کو ظاہر کرتا ہے۔ ماحر ظاہر جب کوئی بات کرتا ہے تو ملک کہہ اس کی سچائی سے انکار کر سکتا ہے ؟ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکریٹری آچاریہ اگر وال بھی اس سچائی سے انکار نہیں کرتے لیکن وہ کہتے ہیں کہ دولت کے اس اضافے سے ملک کے امیروں کی تحریکیں اور زیادہ بڑی ہیں۔ وہ بڑے درجہ کے ساتھ کہتے ہیں کہ ”امیر زیادہ امیر ہوتے جا رہے ہیں اور غریب دنوں میں زیادہ غریب ہوتے جا رہے ہیں۔ امیروں اور غریبوں کا یہ فرق دنوں دن بڑھتا جا رہا ہے۔“ اگر اسی رفتار سے یہ فرق بڑھتا گیا تو ملک میں سماج وادی سماج کیسے قائم ہوگا ؟ ایک اور جب کہ اُنہیں بڑھا ہے دوسری اور لوگوں کی خریداری کی طاقت دنوں دن گھٹتی جا رہی ہے۔ دوسری پانچ سالہ یوجنا کو پورا کرنے کے لئے اور زیادہ دھن کی ضرورت ہے۔ اس دھن کا ایک بڑا حصہ ٹیکسوں سے ہی اٹھا کرنا پڑے گا۔ ماحر کہتے ہیں کہ جنگ کو خوشحال بنانے کے لئے یہ ٹیکس ضروری ہیں۔ اور جنگ ان ٹیکسوں کے بوجھ سے دن بدن زندگی کے بنیادی اسباب سے بھی محروم کرتی جا رہی ہے۔

## ہندوستان کی دولت بڑی ہے !

پچھلے پانچ برسوں میں پہلی پانچ سالہ یوجنا کے جاریے ہندوستان کی آمدنی میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوا ہے۔ ماحیروں کا خیال ہے کہ ہر فرد پانچ سے آٹھ ملک کی مالی ترقی کو ظاہر کرتا ہے۔ ماحر ظاہر جب کوئی بات کرتا ہے تو ملک کہہ اس کی سچائی سے انکار کر سکتا ہے ؟ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکریٹری آچاریہ اگر وال بھی اس سچائی سے انکار نہیں کرتے لیکن وہ کہتے ہیں کہ دولت کے اس اضافے سے ملک کے امیروں کی تحریکیں اور زیادہ بڑی ہیں۔ وہ بڑے درجہ کے ساتھ کہتے ہیں کہ ”امیر زیادہ امیر ہوتے جا رہے ہیں اور غریب دنوں میں زیادہ غریب ہوتے جا رہے ہیں۔ امیروں اور غریبوں کا یہ فرق دنوں دن بڑھتا جا رہا ہے۔“ اگر اسی رفتار سے یہ فرق بڑھتا گیا تو ملک میں سماج وادی سماج کیسے قائم ہوگا ؟ ایک اور جب کہ اُنہیں بڑھا ہے دوسری اور لوگوں کی خریداری کی طاقت دنوں دن گھٹتی جا رہی ہے۔ دوسری پانچ سالہ یوجنا کو پورا کرنے کے لئے اور زیادہ دھن کی ضرورت ہے۔ اس دھن کا ایک بڑا حصہ ٹیکسوں سے ہی اٹھا کرنا پڑے گا۔ ماحر کہتے ہیں کہ جنگ کو خوشحال بنانے کے لئے یہ ٹیکس ضروری ہیں۔ اور جنگ ان ٹیکسوں کے بوجھ سے دن بدن زندگی کے بنیادی اسباب سے بھی محروم کرتی جا رہی ہے۔

ہمیں تسلی ہے کہ اس مسئلے پر وہ لوگ بھی اب سنجیدہ طور پر غور کرتے ہیں جنہیں جو اس دردناک کیفیت کے لئے مستعد ہیں۔

—بی. نا. پانچ

—بی. نا. پانچ

ایک دوسری ہوگی۔ ان کا خیال ہو گا ! تمہیں ہمارے  
عہدوں سے پیار ہو گا ! ذرا سوچو تو سہی۔ سماج کے یہ شمار چھو  
جن کی مائیں بہنیں توپ توپ کر پرانے رہی ہیں جن  
کے بچے روٹی کے تڑوں کے نہ ملنے پر سیدھے سڑک چلے جاتے  
ہیں تو سوچو ! اگر سماج کو اٹھانے کے کام میں اسے چھٹن سے  
کر ڈالنے میں اگر کشت آویں، چیلوں کی ہوا کھاتی پڑے، اگر  
تمہیں پھانسی کا تر بھی دکھایا جاوے تو اتنا یاد رکھو، ہمارے  
سماج کے ہزاروں لاکھوں کو اس ترک سے بچانے کے کام میں اگر  
تم سہایک ہو سکو تو تم جیتنا سے ہو، اٹھ چکے ہو !

ایسی کھڑائی میں یاد کرو، راشٹر پتا مہاتما گاندھی کو،  
کے اُس سچے بھائی کو، غریب ہندوستانیوں کے اُس سچے وکیل  
کو، اپنے اُم دل سے توہیں کا مقابلہ کرنا لے اُس فقیر کو۔ ان  
کا راستہ تمہارا راستہ رہے، اُن کا پریم ہوا دل تمہارا دل ہو تو تم  
لجٹے ہو۔

آج کا سماج جس میں ابھی شوشن ہے، دھن ہے، فریبی  
ہے، اُس میں پسند والے، اُس کو بیکانہ والے یہ شمار ساتھ ہو اُٹھو !  
اُس اٹھ کے ہمارا کام آج اُٹھنا ہے، ہمارا کام آج انسانیت کی  
استہلاک کرنا ہے، پر اُس کا راستہ کیا ہو ؟ اُس کا راستہ یہی ہے  
کہ سماج کو اُٹھانے دو، تھیکیداروں کو، اجارے داروں کو سماج کی  
اجاریداری سے الگ کرو، اپنے پریم اور بلعدان کے سہارے الگ  
کرو ! کہیں ؟ اُس لئے کی اب تم یہی سوچ سکتے کا مادہ رکھتے  
ہو، اور پہلے بھی تم میں مادہ تھا، پر اُس سمنے اُس پر پردہ  
تھا ! پردہ ہٹا دو، لمبی نیند سے جاگ اُٹھو، اور اُٹھ کر ایک  
کلمہ کرو ! پیسہ کی غلی اور چھینا چھیتی سے انسان کو محنت کرو۔  
شوشن کا محنت کے شوشن کا راستہ بند کرو، دُچار کی آزادی  
دو ! یہی پن کام ہے ! سماج کی کوریٹا کو مٹا دو !  
اُٹھو ! محنت کا لہجہ اسے اُٹھانے دو جس کی محنت ہے  
جس کا جسم ہے، جس کی محنت ہے !

آج کا سماج جس میں ابھی شوشن ہے، دھن ہے، فریبی  
ہے، اُس میں پسند والے، اُس کو بیکانہ والے یہ شمار ساتھ ہو اُٹھو !  
اُس اٹھ کے ہمارا کام آج اُٹھنا ہے، ہمارا کام آج انسانیت کی  
استہلاک کرنا ہے، پر اُس کا راستہ کیا ہو ؟ اُس کا راستہ یہی ہے  
کہ سماج کو اُٹھانے دو، تھیکیداروں کو، اجارے داروں کو سماج کی  
اجاریداری سے الگ کرو، اپنے پریم اور بلعدان کے سہارے الگ  
کرو ! کہیں ؟ اُس لئے کی اب تم یہی سوچ سکتے کا مادہ رکھتے  
ہو، اور پہلے بھی تم میں مادہ تھا، پر اُس سمنے اُس پر پردہ  
تھا ! پردہ ہٹا دو، لمبی نیند سے جاگ اُٹھو، اور اُٹھ کر ایک  
کلمہ کرو ! پیسہ کی غلی اور چھینا چھیتی سے انسان کو محنت کرو۔  
شوشن کا محنت کے شوشن کا راستہ بند کرو، دُچار کی آزادی  
دو ! یہی پن کام ہے ! سماج کی کوریٹا کو مٹا دو !  
اُٹھو ! محنت کا لہجہ اسے اُٹھانے دو جس کی محنت ہے  
جس کا جسم ہے، جس کی محنت ہے !

آج کا سماج جس میں ابھی شوشن ہے، دھن ہے، فریبی  
ہے، اُس میں پسند والے، اُس کو بیکانہ والے یہ شمار ساتھ ہو اُٹھو !  
اُس اٹھ کے ہمارا کام آج اُٹھنا ہے، ہمارا کام آج انسانیت کی  
استہلاک کرنا ہے، پر اُس کا راستہ کیا ہو ؟ اُس کا راستہ یہی ہے  
کہ سماج کو اُٹھانے دو، تھیکیداروں کو، اجارے داروں کو سماج کی  
اجاریداری سے الگ کرو، اپنے پریم اور بلعدان کے سہارے الگ  
کرو ! کہیں ؟ اُس لئے کی اب تم یہی سوچ سکتے کا مادہ رکھتے  
ہو، اور پہلے بھی تم میں مادہ تھا، پر اُس سمنے اُس پر پردہ  
تھا ! پردہ ہٹا دو، لمبی نیند سے جاگ اُٹھو، اور اُٹھ کر ایک  
کلمہ کرو ! پیسہ کی غلی اور چھینا چھیتی سے انسان کو محنت کرو۔  
شوشن کا محنت کے شوشن کا راستہ بند کرو، دُچار کی آزادی  
دو ! یہی پن کام ہے ! سماج کی کوریٹا کو مٹا دو !  
اُٹھو ! محنت کا لہجہ اسے اُٹھانے دو جس کی محنت ہے  
جس کا جسم ہے، جس کی محنت ہے !

آج کا سماج جس میں ابھی شوشن ہے، دھن ہے، فریبی  
ہے، اُس میں پسند والے، اُس کو بیکانہ والے یہ شمار ساتھ ہو اُٹھو !  
اُس اٹھ کے ہمارا کام آج اُٹھنا ہے، ہمارا کام آج انسانیت کی  
استہلاک کرنا ہے، پر اُس کا راستہ کیا ہو ؟ اُس کا راستہ یہی ہے  
کہ سماج کو اُٹھانے دو، تھیکیداروں کو، اجارے داروں کو سماج کی  
اجاریداری سے الگ کرو، اپنے پریم اور بلعدان کے سہارے الگ  
کرو ! کہیں ؟ اُس لئے کی اب تم یہی سوچ سکتے کا مادہ رکھتے  
ہو، اور پہلے بھی تم میں مادہ تھا، پر اُس سمنے اُس پر پردہ  
تھا ! پردہ ہٹا دو، لمبی نیند سے جاگ اُٹھو، اور اُٹھ کر ایک  
کلمہ کرو ! پیسہ کی غلی اور چھینا چھیتی سے انسان کو محنت کرو۔  
شوشن کا محنت کے شوشن کا راستہ بند کرو، دُچار کی آزادی  
دو ! یہی پن کام ہے ! سماج کی کوریٹا کو مٹا دو !  
اُٹھو ! محنت کا لہجہ اسے اُٹھانے دو جس کی محنت ہے  
جس کا جسم ہے، جس کی محنت ہے !

آج کا سماج جس میں ابھی شوشن ہے، دھن ہے، فریبی  
ہے، اُس میں پسند والے، اُس کو بیکانہ والے یہ شمار ساتھ ہو اُٹھو !  
اُس اٹھ کے ہمارا کام آج اُٹھنا ہے، ہمارا کام آج انسانیت کی  
استہلاک کرنا ہے، پر اُس کا راستہ کیا ہو ؟ اُس کا راستہ یہی ہے  
کہ سماج کو اُٹھانے دو، تھیکیداروں کو، اجارے داروں کو سماج کی  
اجاریداری سے الگ کرو، اپنے پریم اور بلعدان کے سہارے الگ  
کرو ! کہیں ؟ اُس لئے کی اب تم یہی سوچ سکتے کا مادہ رکھتے  
ہو، اور پہلے بھی تم میں مادہ تھا، پر اُس سمنے اُس پر پردہ  
تھا ! پردہ ہٹا دو، لمبی نیند سے جاگ اُٹھو، اور اُٹھ کر ایک  
کلمہ کرو ! پیسہ کی غلی اور چھینا چھیتی سے انسان کو محنت کرو۔  
شوشن کا محنت کے شوشن کا راستہ بند کرو، دُچار کی آزادی  
دو ! یہی پن کام ہے ! سماج کی کوریٹا کو مٹا دو !  
اُٹھو ! محنت کا لہجہ اسے اُٹھانے دو جس کی محنت ہے  
جس کا جسم ہے، جس کی محنت ہے !







وٹو ! موٹے موٹے گدوں پر، کھدے کے پیچھونوں پر، پنکوں کی  
 ڈبلی ہوا کے نیچے، لڑکیوں کی دھڑکتی ہوا کے نیچے،  
 کڑی توڑ دھنکھیر ! بیللیوں کے مالک ! بیک کے رکھک،  
 وٹو ! انجان کا ماٹھ مہنگا کرنے کے لیے نہیں ! اسلئے  
 یہی نہیں کہ سڑے پور کاٹکے میں گریبوں کی بکریاں کے  
 ساتھ بیکھاؤ کرو ! اسلئے یہی نہیں کہ پور بازاری اور روٹیوں کا  
 دھڑ جمع کرو ! پر اس لئے انہو کہ تمہیں سماج کی اگوائی کرنی  
 ہے، شوشن کی، خون چوسنے کی کا سے آزاد ہونا ہے اور سب  
 کو آزاد کرنا ہے ! انسان اور سماج ایک دوسرے کے  
 ہیں۔ انسان کو آزادی دو ! انسان کو روٹی ملے دو ! آگے روٹی  
 ہاتھ دے، وہ تو خود روٹی پیدا کرنا ہے۔ پھر آگے تم کہا  
 روٹی ہاتھ دے ! آگے ممکن دو ! کیونکہ وہ خود ممکن بناتا ہے۔  
 یہ سب ہونے دو ! سماج اپنے آپ بڑھے گا۔ انہو ! انسان کی آزادی  
 کے نام پر سماج میں پھٹی ہوئی ان خندقوں اور کھالوں کو  
 پھٹ دو ! شوشن کے شیشے ٹاکو ! آج پھٹکرنا بند کرو ! کمزوروں  
 کو کٹا رنگ دو ! انہو ! تمہارا سماج بدل رہا ہے، انسان اور آج  
 کا دھرم، مذہب، شواہس بدل رہا ہے ! اس بدلتے ہوئے انسان  
 و شواہس اور سماج سب کا ساتھ دو ! اپنی مانسک فطرت کے  
 مقابلے کے لئے دماغ کے روشن دان کھول دو ! ہر تم محسوس  
 کر دو کہ سڑک پر بڑے بڑے لوگوں کی کراہٹ، ہیبت میں ہلکتا  
 پیس کی روٹی کی مانگ ! پر ایک کو آٹھا کر دوسرے کو نہ  
 گراؤ—سب کا دھرم ہے آٹھا ! انہو ! اس و شواہس کے ساتھ  
 انہو کہ انسان کو آٹھا ہے ! اس لئے آٹھا ہے کہ وہ پین کی  
 سہما لگے چکا ہے، وہ آٹھ ہٹتا کرے پر آٹھ ہے ! آج ! پر کہا تم  
 چاہتے ہو کہ بھڑوں کو آدھیں دھلے سے خون کی تریبی  
 نہیں ہونی ! انہیں خون کی ہی چاہ ہونی ہے ! تو شرم کرو !  
 تم انسان ہو ! بڑے بڑے نہیں ! اپنی سہیلا اور سنسکرتی پر آج  
 بہت گرد کرتے ہو ! تم دھرم دیا دھرم کے پرچارک ہو ! اس بھڑ  
 پین سے آزاد ہوؤ ! شوشن کا جائے اٹل پھٹکو ! انہو ! سب کو  
 آٹھا دو ! آٹھا سب کا ادھیکار ہے۔

جوتلو انہو ! تمہارا یہ سب سے بڑا کم ہے ! تم تو موشی  
 کے کھنڈ ہو ! انہو ! ہر دھن کی فحش ہے تم پر ! دھڑوں  
 کی آموں کو سن کر انہو ! پرسی کی ماری میں کی جڑی کو  
 سن کر انہو ! انہو ! انسانیت کو یہی شرم دھلے والی دھن ہے  
 جانے والی ماری میں ہوا کی فحش کی خاطر انہو ! انہو ! شوشن  
 کی چکی کے پائوں سے پس دھ سماج کو آگے بڑھا کر شوشن  
 بہت کر دیا کہ تم پر ہے ! آؤ انہو ! کھدے سے فٹو ! اہل  
 میں پہچو ! آؤ، فطرت کو سونپنا مت کرو !

کھانے وٹو ! تمہارا یہ سب سے بڑا کام ہے ! تم تو  
 سڑک کے سڑے ہو ! وٹو ! ہر دھن کی لاج ہے تم پر !  
 کھانے والوں کی لاج کو سن کر وٹو، بکریوں کی ماری میں کی  
 کھانے سن کر وٹو ! وٹو ! انسانیت کو یہی شرم دھنے والی  
 دھن ہے کھانے والی ماری میں ہوا کی فحش کی خاطر وٹو !  
 وٹو ! شوشن کی بکری کے پائوں سے پس رہے سماج کو  
 آگے بڑھا کر شوشن سونپ کر دینے کا کام تم پر  
 ہے، آؤ وٹو ! جوتلو مت دے ! ہمارے مت دے ! آؤ،  
 انسانیت کو سونپنا مت کرو !

اب پٹان نے اسے بتایا کہ "میری گریں پر تلوار کا ایک  
انہ مارو۔ ہاتھ لے کہا۔" "اچھا" اور تلوار چھائی کر کے اسکی  
لوہیوں پر دھرتے سے ماری۔ اس پر بگو کو پٹان نے کہا۔ "بھئی"  
تم تو بالکل اتنی معلوم ہوتے ہو۔ قتل کرنا ایک ڈرا سی بات  
ہے، وہ بھی تم نہیں جانتے!"  
پٹان نے تلوار پھینک دی اور کہا۔ "بھئی" میری تیزی  
انکھوں سے خون تو بہا دیا۔ خون بہانے سے تیرے باپ کی بات  
پوری ہو گئی۔"

وٹو !

ایک اہلندی بھائی بھائی

وٹو ! وٹو ! اسلیئے کہ بہت سو چکے ہو ! پر  
سوچنا، اور وٹنا تو نیت کا کام ہے ! نہیں، میں تمہاری  
پستنا کو جگانا چاہتا ہوں، میں تمہیں ککشمور دینا چاہتا  
ہوں ! وٹو ! تو جاگتے ہو تو سو رہے ہو ! یہ نیند نہیں  
تندرہ ہے۔ یہ جب آدھی پر جا جاتی ہے، تو آدھی سو جاتا ہے، اور پھر سناج  
ہی سو جاتا ہے۔

آج وٹنے کی بےلا ہے، بلیوان کی بڑی ہے۔ وٹو !  
پوچا کا سامان باندھ لو ! پر سامان نہیں، باندھنا نہیں،  
پوچا بھی نہیں—یہ سب پورا ہو چکا ! آج سامان  
باندھو نہیں، آسکو بھیر دو !  
باندھنے کی بھی اوشکتا نہیں، سب کو پالے دو ! پوچا کی  
تھالی کو آج باندھ نہیں، وہاں جانے دو، جہاں ہو کر کی  
چھٹاٹھ ہے لچارگی کا ماتم ہے، موت کا تالونچ ہے !

وٹو ! پوچا کرو انسان کی، بھئی دےوتا ہے، نرنا راہن ہے  
وہی راج ہے، وہی ہائے واہ ہے، مزدوروں کے سلسار کا، مصمص  
کی دنیا کے لیکن چھٹی مصلوں اور آقاہوں کا بڑے بڑے دھن کے  
دھنوں کا !

وٹو ! کارخانے کی بھینسی کے پورے میں دم توڑ کر مر  
جانے والے مزدور وٹو ! جیتے کی دھڑکی میں پسینہ میں لہو  
پست ہو کر کسان وٹو ! مصمص کی چٹان سے لڑنے والے بھڑکن  
کے پھارے وٹو ! اوہ ! تم سوئے ہو کب ! ہاں تم سوئے نہیں، پر یہ  
بھی تم ہارے ہو، تم پڑ گئے، تم دوتے نہیں، چوٹوں کی مار سے  
پھل ہو کر قندار میں ہو گئے !

لیئے ہاتھ کے پاس پہنچا اور بولا—“لو، ماریں تمہیں اس سے۔” سید جی نے ہاتھ کے مارے دونوں ہاتھوں سے آگے مڑے اور دھڑکے دینے لگے۔

پتھان کے سامنے بڑھانے پر جب سید جی کے ہاتھ پھانسی پر آئے، تو پتھان نے ان سے ماریں مانگی اور کہا—“ہاں، تو میری جان کا مالک ہے، تو جیسی ماریں گارہے ہو۔ اتنی دیر سے چل کر جس کام کے لیے آئے ہو، وہ تو پورا کر۔”

اب سید جی کی سمجھ میں آیا کہ دراصل مسئلہ اتنا ہے۔ سید جی سوچ میں پڑ گئے کہ کیا جواب دیں؟ اگر انکار کرتے ہیں، تو خیر نہیں، اور منظور کرتے ہیں، تو قتل کا گناہ ہوتا ہے۔ کہہ لے۔ “اچھا بھائی، کچھ ٹھہر کر تمہیں ماروں گا، کیونکہ میں نہیں جانتا، تم ہو کون؟ تمہارے گھر پر چل کر پہلے تمہارے بھائی سے پوچھ لوں، پھر ماروں گا۔”

بھائی کا نام سن کر ہی پتھان نے کہا—“اُس دشمن کا مورخہ سامنے نام نہ لو۔ ہاں، اگر گھر پر چل کر مارنا چاہتے ہو، تو چلو، وہیں سہی۔”

دونوں گھر آئے۔ سید جی نے کہا—“بھائی، میں تمہیں تب ماروں گا جب کہ تم اپنے بھائی سے میل کر لے، ورنہ سب نہیں کہہ سکتے کہ سید جی نے تمہارے بھائی کے چکرے کے سبب مار ڈالا۔ تمہارے بھائی سے بھی لوگ بھی کہہ سکتے کہ آپسی چکرے کے سبب اپنے سہیلوں کو بھائی کو بلوا کر اُس سے ملے بھائی کو مروا ڈالا۔ جو تو میری بات نہیں مانتے تو پھر تو ہی مجھے مار ڈالو۔”

ہاتھ کر پتھان اپنے بھائی سے جا کر ملے۔ دونوں میں صلح ہو گئی۔ آخر میں چوتھے بھائی نے سید جی سے کہا کہ اب تو مجھے مار ڈال، ناکہ مورخہ باپ کی بات بھی پوری ہو جائے۔“ پتھان نے پہلے دن تو یہ بہانہ بنایا کہ آج صلح کا دن ہے، اس لئے میرا مارنا ٹھیک نہیں۔ دوسرے دن سید جی نے کہا—“بھائی، میرے بھائی سے مل کر آیا تو بھی میری جان بچھڑی۔”

چوتھے بھائی نے کہا—“یہ نہیں ہو سکتا۔ تم میری جان بچھڑ کر مجھے لالچ دے رہا ہو؟ یہ کس لئے نہیں معلوم کہ تمہارے آئے ہی میں تمہیں مارنے کو دوڑا تھا؟ یہ ہو نہیں سکتا کہ تم میرا خون نہ کرو۔ میں اپنے باپ کی بات کو کسی طرح لالچ نہ دوں گا۔”

وہ کسی طرح بھی نہیں مانتا اور خنجر ہاتھ کے ہاتھ میں دھکے کر، گردن چھکا کر آگے بڑھا۔ ہاتھ نے اُس کی انگلی میں خنجر کی نوک لٹائی۔ وہ ہنسنے لگا—“یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ ہاتھ نے ہنس کر کہا—“تمہیں قتل کرنا ہے۔“ اُس نے کہا—“تم بھی بڑے عجیب آدمی ہو۔“ اُس پر ہاتھ بولا—“پھر مجھے ہاتھ میں تو یہ سب لٹکے ہوئے چھوڑنا چاہئے نہیں۔“

پتھان کے سامنے بڑھانے پر جب سید جی کے ہاتھ پھانسی پر آئے، تو پتھان نے ان سے ماریں مانگی اور کہا—“ہاں، تو میری جان کا مالک ہے، تو جیسی ماریں گارہے ہو۔ اتنی دیر سے چل کر جس کام کے لیے آئے ہو، وہ تو پورا کر۔”

اب سید جی کی سمجھ میں آیا کہ دراصل مسئلہ اتنا ہے۔ سید جی سوچ میں پڑ گئے کہ کیا جواب دیں؟ اگر انکار کرتے ہیں، تو خیر نہیں، اور منظور کرتے ہیں، تو قتل کا گناہ ہوتا ہے۔ کہہ لے۔ “اچھا بھائی، کچھ ٹھہر کر تمہیں ماروں گا، کیونکہ میں نہیں جانتا، تم ہو کون؟ تمہارے گھر پر چل کر پہلے تمہارے بھائی سے پوچھ لوں، پھر ماروں گا۔”

بھائی کا نام سن کر ہی پتھان نے کہا—“اُس دشمن کا مورخہ سامنے نام نہ لو۔ ہاں، اگر گھر پر چل کر مارنا چاہتے ہو، تو چلو، وہیں سہی۔”

دونوں گھر آئے۔ سید جی نے کہا—“بھائی، میں تمہیں تب ماروں گا جب کہ تم اپنے بھائی سے میل کر لے، ورنہ سب نہیں کہہ سکتے کہ سید جی نے تمہارے بھائی کے چکرے کے سبب مار ڈالا۔ تمہارے بھائی سے بھی لوگ بھی کہہ سکتے کہ آپسی چکرے کے سبب اپنے سہیلوں کو بھائی کو بلوا کر اُس سے ملے بھائی کو مروا ڈالا۔ جو تو میری بات نہیں مانتے تو پھر تو ہی مجھے مار ڈالو۔”

ہاتھ کر پتھان اپنے بھائی سے جا کر ملے۔ دونوں میں صلح ہو گئی۔ آخر میں چوتھے بھائی نے سید جی سے کہا کہ اب تو مجھے مار ڈال، ناکہ مورخہ باپ کی بات بھی پوری ہو جائے۔“ پتھان نے پہلے دن تو یہ بہانہ بنایا کہ آج صلح کا دن ہے، اس لئے میرا مارنا ٹھیک نہیں۔ دوسرے دن سید جی نے کہا—“بھائی، میرے بھائی سے مل کر آیا تو بھی میری جان بچھڑی۔”

چوتھے بھائی نے کہا—“یہ نہیں ہو سکتا۔ تم میری جان بچھڑ کر مجھے لالچ دے رہا ہو؟ یہ کس لئے نہیں معلوم کہ تمہارے آئے ہی میں تمہیں مارنے کو دوڑا تھا؟ یہ ہو نہیں سکتا کہ تم میرا خون نہ کرو۔ میں اپنے باپ کی بات کو کسی طرح لالچ نہ دوں گا۔”

وہ کسی طرح بھی نہیں مانتا اور خنجر ہاتھ کے ہاتھ میں دھکے کر، گردن چھکا کر آگے بڑھا۔ ہاتھ نے اُس کی انگلی میں خنجر کی نوک لٹائی۔ وہ ہنسنے لگا—“یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ ہاتھ نے ہنس کر کہا—“تمہیں قتل کرنا ہے۔“ اُس نے کہا—“تم بھی بڑے عجیب آدمی ہو۔“ اُس پر ہاتھ بولا—“پھر مجھے ہاتھ میں تو یہ سب لٹکے ہوئے چھوڑنا چاہئے نہیں۔“

وہ کسی طرح بھی نہیں مانتا اور خنجر ہاتھ کے ہاتھ میں دھکے کر، گردن چھکا کر آگے بڑھا۔ ہاتھ نے اُس کی انگلی میں خنجر کی نوک لٹائی۔ وہ ہنسنے لگا—“یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ ہاتھ نے ہنس کر کہا—“تمہیں قتل کرنا ہے۔“ اُس نے کہا—“تم بھی بڑے عجیب آدمی ہو۔“ اُس پر ہاتھ بولا—“پھر مجھے ہاتھ میں تو یہ سب لٹکے ہوئے چھوڑنا چاہئے نہیں۔“

पठान बोला—“भाई, और तो कोई बात नहीं, सिवाय इसके कि तुम्हें उसके हमले का खतरा है।”

सेठ जी ने कहा—“हाँ, और कोई बात नहीं।”

पठान बोला—“फिर तुम बेधड़क मेरे साथ चलो। किसी बात की फिक्र मत करो। खरा भी न बबराओ, वह अगर मेरा एक मेहमान मार डाले तो मैं उसके दो मेहमान मार डालूँगा। तुम चलो, देखें अगर वह तुम्हारा बाल भी बीका करे।”

उसने सेठ जी को लाख समझाया कि उन्हें अपने बारे में डरने की कतई जरूरत नहीं, पर उनकी समझ में कुछ नहीं आया। पठान ने उनकी बड़ी मन्नत खुशामद की, मगर सब बेकार। सेठ जी वहाँ से दूर जाकर ऐसी जगह ढूँढ़े कि उसके जालिम भाई को उसका पता न चले। लोटा, बोर और चादर भी गँवाई, पर जान बची लाखों पाये।

पठान के छोटे भाई ने लोटा-डोर के साथ एक चादर भी पाई, जिसमें एक गाँठ लगी थी। उसने उसे खोला, तो उसमें से उसके बाप का खत निकला, जिसमें सेठ जी को लिखा था कि आप आकर मेरे छोटे लड़के को मार अपने भाई के खून का बदला लें। था वह सपना। खत पढ़कर बहुत सोच विचार में पड़ गया। आखिर तै किया कि वह अपने बाप की बात पूरी करके ही दम लेगा। उसने सोचा, सेठ घर असल मुझे मार ही डालने को आया था। लेकिन वह तो मेरे बाप का बुलाया हुआ आया था और मैंने उल्टा उसे ही मार डाला हाँता! बड़ा राखव होता। खैर, अब भी कुछ नहीं बिगड़ा है। सेठ जी को तलाश कर क्रौरन उनके हाथों क़त्ल हो जाना चाहिये। वह तो बदला लेने आवें और मैं जान सुराऊँ, यह पठान के लड़के को शोभा नहीं देता।

पठान सेठ जी का पता लगाने में रात भर हैरान होता रहा। सुबह होते-होते वह ठीक जगह पर पहुँच गया। सेठ जी उस वक़्त जंगल गये थे। वह भी वधर ही गया। सेठ जी वधर से लौट ही रहे थे कि सामने पठान का भाई आता हुआ दिखाई दिया। उसे देखते ही सेठ जी सरपट भागे तो वह भी उनके पीछे खंजर हाथ में लिये यह कहता हुआ भागा कि “प्यारे भाई, तुम्हें क़सम है, भाग मत, मुझे मार डाल और मेरे बाप की बात पूरी कर।” मगर जनाब, वहाँ होरा किसे, कौन सुने और कौन समझे? पठान हाथ में खंजर लिये चीखता ही रहा। उसने सोचा, वे निकल न जायें, वरना उसके बाप की बात अधूरी रह जायगी। वह और तेजी से उनके पीछे भागने लगा। न वह झाँई देखता और न खन्धक़। भागते-भागते सेठ जी के पैर थक गये थे और सौंस फूल रही थी। आखिर बेचारे गिर ही तो पड़े। उनके गिरते ही पठान खंजर हाथ में

पठान बोला—“भैया, और तो कोई बात नहीं, सिवाय इसके कि तुम्हें उसके हमले का खतरा है।”

सेठ जी ने कहा—“हाँ, और कोई बात नहीं।”

पठान बोला—“फिर तुम बेधड़क मेरे साथ चलो। किसी बात की फिक्र मत करो। खरा भी न बबराओ, वह अगर मेरा एक मेहमान मार डाले तो मैं उसके दो मेहमान मार डालूँगा। तुम चलो, देखें अगर वह तुम्हारा बाल भी बीका करे।”

उसने सेठ जी को लाख समझाया कि उन्हें अपने बारे में डरने की कतई जरूरत नहीं, पर उनकी समझ में कुछ नहीं आया। पठान ने उनकी बड़ी मन्नत खुशामद की, मगर सब बेकार। सेठ जी वहाँ से दूर जाकर ऐसी जगह ढूँढ़े कि उसके जालिम भाई को उसका पता न चले। लोटा, बोर और चादर भी गँवाई, पर जान बची लाखों पाये।

पठान के छोटे भाई ने लोटा-डोर के साथ एक चादर भी पाई, जिसमें एक गाँठ लगी थी। उसने उसे खोला, तो उसमें से उसके बाप का खत निकला, जिसमें सेठ जी को लिखा था कि आप आकर मेरे छोटे लड़के को मार अपने भाई के खून का बदला लें। था वह सपना। खत पढ़कर बहुत सोच विचार में पड़ गया। आखिर तै किया कि वह अपने बाप की बात पूरी करके ही दम लेगा। उसने सोचा, सेठ घर असल मुझे मार ही डालने को आया था। लेकिन वह तो मेरे बाप का बुलाया हुआ आया था और मैंने उल्टा उसे ही मार डाला हाँता! बड़ा राखव होता। खैर, अब भी कुछ नहीं बिगड़ा है। सेठ जी को तलाश कर क्रौरन उनके हाथों क़त्ल हो जाना चाहिये। वह तो बदला लेने आवें और मैं जान सुराऊँ, यह पठान के लड़के को शोभा नहीं देता।

पठान सेठ जी का पता लगाने में रात भर हैरान होता रहा। सुबह होते-होते वह ठीक जगह पर पहुँच गया। सेठ जी उस वक़्त जंगल गये थे। वह भी वधर ही गया। सेठ जी वधर से लौट ही रहे थे कि सामने पठान का भाई आता हुआ दिखाई दिया। उसे देखते ही सेठ जी सरपट भागे तो वह भी उनके पीछे खंजर हाथ में लिये यह कहता हुआ भागा कि “प्यारे भाई, तुम्हें क़सम है, भाग मत, मुझे मार डाल और मेरे बाप की बात पूरी कर।” मगर जनाब, वहाँ होरा किसे, कौन सुने और कौन समझे? पठान हाथ में खंजर लिये चीखता ही रहा। उसने सोचा, वे निकल न जायें, वरना उसके बाप की बात अधूरी रह जायगी। वह और तेजी से उनके पीछे भागने लगा। न वह झाँई देखता और न खन्धक़। भागते-भागते सेठ जी के पैर थक गये थे और सौंस फूल रही थी। आखिर बेचारे गिर ही तो पड़े। उनके गिरते ही पठान खंजर हाथ में



نہیں۔" اسی رات یہاں نے جا کر چپ چاپ بلبلے کے ہاتھی کو مار ڈالا۔ لوٹ کر یہاں نے سیتھ جی کو یہ خوشخبری سنائی۔ پھر کہا— "اب اُن قریداروں کا بھی نام ہٹاؤ جنہوں نے اس کے ورغلانے سے تمہارا رویہ مار لیا ہے۔"

”ہائے بھائی ! ہائے“..... کہتے ہوئے بلیا پچھانو کہا کر گرا اور ٹوٹ کر گر ہوا کہ ”یہ تم نے کیا کیا ؟ یہاں گھبرایا کہ ماجرا کیا ہے ؟ اس نے کہا۔ ”بھئی“ بہت کیا ہے؟ میں نے اگر تمہارے بھائی کو مار کر ہرا کیا، تو تم میرے بھائی کو مار ڈالو۔ چلو“ قصہ ختم۔ اب رونے دھونے سے کیا حاصل ؟“ یہ کہہ کر اس نے سیتھ جی کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ ”چلو میرے گھر اپنے بھائی کے خوں کا بدلا لینے۔“

میتھ جی نے سرچا، غلیمت یہی ہے کہ اُس کو رخصت کیا جائے۔ انہوں نے اُسے کچھ روپیہ نقد دے کر رخصت کیا اور سرچا کہ چلو! آنت لٹی۔ باہان لے چلے۔ چلے کہا کہ ”میں اپنے باپ اور بھائی سے ملکر بدلا لینے کے لئے تم کو خیر دیتا۔“

یتھان کو گھر چھوڑے۔ سال بھر ہو گیا تھا۔ اِس لئے اُس کے باپ نے سمجھا کہ شاید مر کھپ گیا ہوگا۔ اُسے پھر گھر لوٹا دینے کو ہتھے کو خوشی ہوئی۔ یتھان نے بلیٹھ کے پہلے کا سارا قصہ اپنے باپ سے کہہ سلیا۔ اُس کے باپ نے کہا—”یتھان کی بات تمہیں جانی چاہیئے۔“ اور دونوں بدالہ کے لئے راضی ہو گئے۔ خود اُس کے بھائی نے کہا کہ ”مجھے خوشی سے جان دنیا منظور ہے۔“

پتھان نے باپ لے ایک چھٹی سیدھی جی کو آکر بدلہ لینے کے لئے لکھا۔ اُس میں اپنے لڑکے کے ساتھ کی کٹھی اُس کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ دوسرا بدلتا حاضر ہے، جب خوشی ہو، آکر اُسے اپنے بھائی کے خون کے بدلہ میں مار ڈالو۔

باپ، بیٹوں نے مہینوں انتظار کیا، مگر نہ تو سوتہ جی آئے  
 اور نہ ان کا کوئی جواب ہی آیا۔ مہینوں تک انہوں نے اپنے  
 کئی عالم دوک دیکھے اور یہ مان لیا کہ چھوٹا بیٹا اب مرے والا ہے  
 لیکن سلام جی کی کچھ خبر نہ آئی۔ آخر کو سب نالامہد  
 ہو گئے۔

تھوڑے دن میں پٹان ہاتھوں کا ہانپ کر گیا۔ جانتادان کی  
ہانک پر دونوں ہاتھوں میں بڑا جھوکا ہوا۔ کھر کا بھی بٹلرا  
ہو گیا۔ آدھا چھوٹے پٹائی کو ملے اور آدھا بڑے کو۔ بیچ آنکھ  
میں چربی کی ارد لائی کھول کر اس سرے سے اس سرے تک  
وہیں پر کھینچی کھر کو ہانک دی گئی۔ یہی نے دو ہاتھوں کی  
حد بتائی تھی۔ اگر ایک دوسرے کی سرحد میں قدم رکھ دے  
تو ہنس جنگ لے







## खून का बदला !

मिरजा अजीमबेग चुराताई

सन 1761 की पानीपत की लड़ाई के बाद यू० पी० में रुहेलों का जोर हुआ। वे 'गंगोत्री से गंग' इलाक़े के मालिक हो गये। रुहेलों की हकूमत सरदारों के हाथ में थी, जिनका मुखिया था हाफिज रहमत खाँ। हाफिज रहमत खाँ एक जगजू और अच्छे हाकिम थे। वे अपने हिन्दू वज्जीर की मदद से मस्जिद में बैठकर हकूमत का सारा काम करते थे। दिखाया भी उनसे खुश था।

जब अवध के नवाब और रुहेलों में अनबन हो गई, तब रहमत खाँ ने अवध के नवाब को जंग के लिये ललकारा और जुरी तरह हथपाया। तब नवाब ने अंग्रेजों की मदद ली। अंग्रेजों और रहमत में वैसे तो सुलह थी; मगर अंग्रेजों ने रुहेलों का बदला हुआ जोर तोड़ने का यह अच्छा मौक़ा देख सुलह को बालाए तारक रख दिया। उन्हें डर था कि अकेले अवध के नवाब को फुरसत के बख़्त यह आसानी से भून स्थायेंगे। लिहाज़ा अवध के नवाब से रुपया लेकर वे उसकी तरफ़ से मगर अपने मतलब के लिये, लड़ने आ गये।

अवध और अंग्रेजों की फ़ौजें रुहेलों की तरफ़ बढ़ीं। धर से हाफिज रहमत भी अपने रुहेला सरदारों को लेकर बढ़ा। दजोड़ा के मैदान में दोनों तरफ़ की फ़ौजों में घमासान जग हुई। उस जग में रुहेले बड़ी बहादुरी से लड़े और जीत गये; मगर दुरमन का पीछा करने के बदले वे उनके कैम्प लूटने लगे, और रहमत खाँ उन्हें रोकते ही रह गये। अंग्रेजी फ़ौज, जो खेतों में छुप गई थी, लौटी और जमा होकर फ़ौरन रुहेलों पर दूट पड़ी। फाँसा उलट पड़ा। जीत के बदले रुहेलों की हार हुई। हाफिज रहमत खाँ मैदान से न हटे और बड़ी बहादुरी से लड़कर कट मरे।

रुहेलों की तरफ़ से लड़ने वालों में दो पठान भाई भी आये थे, जिनमें से एक तो लड़ते-लड़ते मारा गया और दूसरा घायल होकर मैदान में अधमरा पड़ा था। असल में यह तीन भाई थे। इनका बाप जिन्दा था। उसने एक भाई को रोककर और दो भाइयों को लड़ने के लिये भेज दिया था।

रात का बख़्त था। गीदड़ और कुत्ते मैदान में लाशों को खा रहे थे और घायल खाँ साहब पड़े-पड़े अपने को गीदड़ों से बचा रहे थे। मगर गीदड़ बड़े चालाक थे। उन्हें नोच-नोचकर भागते थे। इस तरह सुबह हो गई और गीदड़ बदस्तूर खाँ साहब को नोचते रहे। क़रीब था कि उनका

## खून का बदला !

मर्रा एظیم بیگ چغتائی

سن 1761 کی ہائی پست کی لڑائی کے بعد یو۔ پی۔ میں روہیلوں کا زور ہوا۔ وہ 'گنگوٹری سے گنگ' علاقے کے مالک ہو گئے۔ روہیلوں کی حکومت سرداروں کے ہاتھ میں تھی، جن کا مکھیا تھا حافظ رحمت خاں۔ حافظ رحمت خاں ایک جنگجو اور اچھے حاکم تھے۔ وہ اپنے ہندو وزیر کی مدد سے مسجد میں بیٹھ کر حکمت کا سارا کام کرتے تھے۔ رعایا بھی ان سے خرس تھی۔

جب اودھ کے نواب اور روہیلوں میں ان بن ہو گئی، تب رحمت خاں نے اودھ کے نواب کو جنگ کے لئے الکار اور ہری طرح ہراہا۔ تب نواب نے انگریزوں کی مدد لی۔ انگریزوں اور رحمت میں دوسرے تو صلح تھی؛ مگر انگریزوں نے روہیلوں کا ہوتا ہوا زور توڑنے کا یہ اچھا موقع دیکھ صلح کو ہلاک طاق رکھ دیا۔ انہیں خبر تھا کہ اودھ کے نواب کو فرصت کے وقت یہ آسانی سے بھون کھاؤں گے۔ لہذا اودھ کے نواب سے روپیہ لے کر وہ اُس فی طرف سے مگر اپنے مطلب کے لئے لڑے آ گئے۔

اودھ اور انگریزوں کی فوجوں روہیلوں کی طرف بڑھیں۔ ادمر سے حافظ رحمت بھی اپنے روہیل سرداروں کو لے کر بڑھا۔ دجوزا کے میدان میں دونوں طرف کی فوجوں میں کھاسان جنگ ہوئی۔ اُس جنگ میں روہیلے بھی بہادری سے لڑے اور جیت گئے؛ مگر دشمن کا پیچھا کرنے کے بدلہ وہ ان کے کیسپ لڑتے لگے، اور رحمت خاں انہیں روکتے ہی رہ گئے۔ انگریزوں فوج، جو کھیتوں میں چھپ گئی تھی، لڑی اور جمع ہو کر فوراً روہیلوں پر ٹوٹ پڑی۔ پانسہ انت ہوا۔ جیت کے بدلہ روہیلوں کی ہار ہوئی۔ حافظ رحمت خاں میدان سے نہ ہٹے اور بڑی بہادری سے لڑ کر کٹ مرے۔

روہیلوں کی طرف سے لڑنے والوں میں دو پٹھان بھائی بھی آئے تھے، جن میں سے ایک تو لڑتے لڑتے مارا گیا اور دوسرا کھاتل ہو کر لڑائی کے میدان میں ادمر مرا پڑا تھا۔ اصل میں یہ تین بھائی تھے۔ ان کا باپ زندہ تھا۔ اُس نے ایک بھائی کو روک کر اور دو بھائیوں کو لڑنے کے لئے بھیج دیا تھا۔

رات کا وقت تھا۔ گیدڑ اور کتے میدان میں لاشوں کو کھا رہے تھے۔ اور کھاتل خاں صاحب بڑے بڑے اپنے کوندوں سے بچا رہے تھے۔ مگر گیدڑ بڑے چالاک تھے۔ انہیں نوچ نوچ کر بھاگتے تھے۔ اِس طرح صبح ہو گئی اور گیدڑ بدستور خاں صاحب کو نوچتے رہے۔ قریب تھا کہ ان کا

## आफ़ताबों के सिलसिले

श्री सलाम मछलीराहरी

जमीं पर अगर देवता कुछ न होते  
तो इंसान शायद परीशों ही रहता,  
नजारे तो होते, बहारें तो होतीं,  
मगर गुलशने फिक्र बीरों ही रहता,  
इक्रीकत का मफहूम बाचे न होता  
अगर दिलनशी कल्पनायें न होतीं,  
कोई खास मंजर निखर ही न पाता  
जो उसके लिये कुछ फिजायें न होतीं,  
इक्रीकत की इन जूकियों में  
इसी ख़ाब अब मुस्कुराने लगे हैं,  
बच्चों ने जो दीप रोशन किए थे  
वही दीप फिर जगमगाने लगे हैं,  
कला और संगीत के दीप फिर से  
मुकद्दम फिजाओं में जलने लगे हैं,  
अब अहंदाहिर कि "दाफिज" के घरबत वै  
"भीरा" के नरमे मचलने लगे हैं,  
मुबारिक कि बादीये गंगोजमन में  
कला को नई खिन्दगी मिल रही है,  
मुबारिक कि फिर "तूतीये हिन्दुसरो"  
के अफ़का की रौशनी मिल रही है,  
नई रौशनी में नये तज महलों,  
अजन्ताओं का जन्म होने लगा है,  
हमारे कला मन्दिरों से करीब आ  
रुठा हुआ धर्म होने लगा है,  
मिली है खयाबार ताबीर जिसकी  
वही ख़ाब पहले भी देखा गया था,  
मुबारिक बनन की सहर कह रही है  
कि यह आफ़ताबों का एक सिलसिला था.

नोट :- यह नवम 19 मई 1957 का इवाराये निजामिया, दिल्ली में चौम ख़ुसरो के मुबारिक मौक़े पर पढ़ी गई.

नोट :- ये نظم 19 मई 1957 को इवाराये निजामिया, दिल्ली में चौम ख़ुसरो के मुबारिक मौक़े पर पढ़ी गई.

## आफ़ताबों के सिलसिले

श्री सलाम मछलीराहरी

मैं पर अगर दीवना कुछ न हूँ  
तो इंसान शायद परीश ही रहता  
नज़ारे तो होंगे, बहारें तो होंगी  
मगर क्लेश फ़کر ویران ही रहता  
حقیقت کا مفہوم واضح نہ ہوتا  
اگر دلنشین کالپنائیں نہ ہوتیں  
کوئی خاص منظر نہر ہی نہ پاتا  
جو اس کے لئے کچھ فضا ہی نہ ہوتیں  
حقیقت کی ان ہر نفساں مازلوں میں  
حسوں خواب اب مسکرائے لگے ہیں  
بزرگوں نے جو دیپ روشن کئے تھے  
وہی دیپ پھر جھکائے لگے ہیں  
نہ اور سنگیت کے دیپ پھر سے  
قدم نہلائوں میں جلائے لگے ہیں  
وہ عہد حاضر کے "حافظ" کے پرہیز  
"ہوا" کے نغمے مچلائے لگے ہیں  
مبارک کے وادئی گنگ و چمن میں  
نہ کوئی زندگی مل رہی ہے  
مبارک کے ہر "طوطی ہند خسرو"  
کے انکار کی روشنی مل رہی ہے  
نئی روشنی میں نئے تاج مکتوبوں  
اجلائوں کا جنم ہونے لگا ہے  
ہمارے لا مندروں سے قریب آج  
رہتا ہوا دھرم ہونے لگا ہے  
میں ہے ضیاء تہذیب جس کی  
وہی خواب پہلے بھی دیکھا گیا تھا

مبارک وطن کی سحر کہہ رہی ہے  
کہ یہ آفتابوں کا ایک سلسلہ تھا

۱. مصلح، ۲. چمکدار، ۳. پہلے کی، ۴. بالہاری، ۵. ایک प्रकार کا باج، ۶. کاری، ۷. چمکدار، ۸. فل ۹. پرभाव.

کہا کہ میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ برا رہے تھے۔ مگر تھوڑی دیر میں وہ سمجھ کی باتیں کرنے لگے۔ ہر ایک کو دوسرا ہی اور آخری رخصت لی۔

.....جب صبح میں نے انہیں رستہ پر پڑے دیکھا تو وہ مرنے ہوئے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ ان کے چہرے پر خاموشی تھی۔ ان کی پیشانی پر لب بھی وہی شان موجود تھی، لیکن وہ شخصیت کہیں تھی، صرف ایک بے جان خول باقی رہ گیا تھا۔

ان کا انتقال 80 برس کی عمر میں ہوا۔ ان کے ساتھ ایک نسل کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہندوستان کی جنگ آزادی خوب یاد تھی، جسے ہمارے انگریز تاریخ دان سن 1857 عیسوی کا عہد کہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں، پیادوں، بزرگوں اور ہموطنوں کو بودردی سے نکل دیکھا۔ ہر روز بھاگتے والوں کی لاشوں کھنڈروں اور گڑوں میں پڑی ملتی تھیں اور ہر روز وہ ایک قطار میں کھڑے کئے جاتے اور ان کے سر کاٹ لگے جاتے۔ انہوں نے عورتوں کو بے پردہ ہونے ہوئے، بچوں کو کھلے جاتے اور ہزاروں کو ہڈیوں میں دیکھا تھا۔ انہوں نے بادشاہ کو گرفتار ہوتے ہوئے اور ملک سے نکالے جاتے دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے شہزادے ذبح کئے گئے اور ان کے سر دلی دواڑے پر لٹکائے گئے، جو اب بھی خونی دواڑے کے نام سے مشہور ہے، انہوں نے اپنے وطن اور اپنے شہر پر انگریزوں کو قابض ہوتے دیکھا۔ ان کے ہاتھوں انہوں نے ہندوستان کی تہذیب اور اس کی عظمت کو خاک میں ملنے دیکھا تھا۔

پھر کیا تعجب کہ انگریزوں کے لئے ان کے دل میں نفرت تھی اور اس قدر کہ ہم بھی انکی نفرت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اپنے سب سے بڑے ہتھیار کو، جب انہوں نے انگریزی پڑھنا شروع کیا، گھر سے نکال دیا اور ان کو اپنے چچا کے گھر پناہ لہلی پڑی، تاکہ وہ اپنا پڑھنا جاری رکھ سکیں۔ انگریزوں کی ہر چیز کے ساتھ اس قدر نفرت غالباً ان کے بڑے ہوئے تعصب کی بنا پر تھی۔ لیکن آج ہم اس کو سمجھ سکتے ہیں اور پسند کرتے ہیں ان کے ہاتھوں کی نسل ایسی تھی جو غالباً نہ انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور نہ محبت ہی کرتے تھے۔ وہ انگریزوں کے درمیان کام کرتے تھے، کیونکہ انگریز ان کو محض دست دہتے تھے۔ لیکن اب یہاں نے پورا چکر لے لیا ہے۔ آج ہمارا ملک آزاد ہے۔ یہ ایسی آزادی ہے جو پہلے نہیں حاصل ہو سکتی تھی، جس کا اندازہ بھی ہمارے بزرگ نہ کر سکتے تھے۔

ان کا انتقال 80 برس کی عمر میں ہوا۔ ان کے ساتھ ایک نسل کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہندوستان کی جنگ آزادی خوب یاد تھی، جسے ہمارے انگریز تاریخ دان سن 1857 عیسوی کا عہد کہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں، پیادوں، بزرگوں اور ہموطنوں کو بودردی سے نکل دیکھا۔ ہر روز بھاگتے والوں کی لاشوں کھنڈروں اور گڑوں میں پڑی ملتی تھیں اور ہر روز وہ ایک قطار میں کھڑے کئے جاتے اور ان کے سر کاٹ لگے جاتے۔ انہوں نے عورتوں کو بے پردہ ہونے ہوئے، بچوں کو کھلے جاتے اور ہزاروں کو ہڈیوں میں دیکھا تھا۔ انہوں نے بادشاہ کو گرفتار ہوتے ہوئے اور ملک سے نکالے جاتے دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے شہزادے ذبح کئے گئے اور ان کے سر دلی دواڑے پر لٹکائے گئے، جو اب بھی خونی دواڑے کے نام سے مشہور ہے، انہوں نے اپنے وطن اور اپنے شہر پر انگریزوں کو قابض ہوتے دیکھا۔ ان کے ہاتھوں انہوں نے ہندوستان کی تہذیب اور اس کی عظمت کو خاک میں ملنے دیکھا تھا۔

پھر کیا تعجب کہ انگریزوں کے لئے ان کے دل میں نفرت تھی اور اس قدر کہ ہم بھی انکی نفرت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اپنے سب سے بڑے ہتھیار کو، جب انہوں نے انگریزی پڑھنا شروع کیا، گھر سے نکال دیا اور ان کو اپنے چچا کے گھر پناہ لہلی پڑی، تاکہ وہ اپنا پڑھنا جاری رکھ سکیں۔ انگریزوں کی ہر چیز کے ساتھ اس قدر نفرت غالباً ان کے بڑے ہوئے تعصب کی بنا پر تھی۔ لیکن آج ہم اس کو سمجھ سکتے ہیں اور پسند کرتے ہیں ان کے ہاتھوں کی نسل ایسی تھی جو غالباً نہ انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور نہ محبت ہی کرتے تھے۔ وہ انگریزوں کے درمیان کام کرتے تھے، کیونکہ انگریز ان کو محض دست دہتے تھے۔ لیکن اب یہاں نے پورا چکر لے لیا ہے۔ آج ہمارا ملک آزاد ہے۔ یہ ایسی آزادی ہے جو پہلے نہیں حاصل ہو سکتی تھی، جس کا اندازہ بھی ہمارے بزرگ نہ کر سکتے تھے۔

پھر کیا تعجب کہ انگریزوں کے لئے ان کے دل میں نفرت تھی اور اس قدر کہ ہم بھی انکی نفرت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اپنے سب سے بڑے ہتھیار کو، جب انہوں نے انگریزی پڑھنا شروع کیا، گھر سے نکال دیا اور ان کو اپنے چچا کے گھر پناہ لہلی پڑی، تاکہ وہ اپنا پڑھنا جاری رکھ سکیں۔ انگریزوں کی ہر چیز کے ساتھ اس قدر نفرت غالباً ان کے بڑے ہوئے تعصب کی بنا پر تھی۔ لیکن آج ہم اس کو سمجھ سکتے ہیں اور پسند کرتے ہیں ان کے ہاتھوں کی نسل ایسی تھی جو غالباً نہ انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور نہ محبت ہی کرتے تھے۔ وہ انگریزوں کے درمیان کام کرتے تھے، کیونکہ انگریز ان کو محض دست دہتے تھے۔ لیکن اب یہاں نے پورا چکر لے لیا ہے۔ آج ہمارا ملک آزاد ہے۔ یہ ایسی آزادی ہے جو پہلے نہیں حاصل ہو سکتی تھی، جس کا اندازہ بھی ہمارے بزرگ نہ کر سکتے تھے۔

उनके प्यारों को दिखाते हैं। दादा अब्बा का बूढ़ा और कमजोर जिस्म सिसकियों से काँप रहा है।

लोग क्रम में किट्टी डाल रहे हैं। दादा अब्बा अपने काँपते हुए हाथों में थाड़ी सी मिट्टी उठाते हैं। कदर बोली को क्रम के करीब ले जाते हैं। आँखों से दो क्रतरे आँसू के उस ताजा मिट्टी पर गिर पड़ते हैं जो वे हाथों में लिये हुए हैं। वे बेबसी से हाथों की मिट्टी क्रम में गिरा देते हैं और चेहरा ढक लेते हैं।

❀

❀

❀

बेटे की मौत के तीन बरस बाद दादा और जिन्दा रहे, हालाँकि वे जिन्दगी से थककर आजिज हो गये थे। वे अक्सर राते थे, लेकिन उनका ख़ात्मा बहुत ख़ामोशी से हुआ। उन पर एक मर्तबा फ़ालिज गिर ही चुका था। एक मर्तबा और गिरा। उनका दाहिना हाथ और दाहिना पाँव पहले ही बेकार था, अबकी बार बाँए हाथ और पैर पर असर हुआ।

मरने से कुछ पहले वे बहुत बिड़बिड़े हो गये थे और हर तीमारदार को उनकी ख़रगी का सामना करना पड़ता था। सिर्फ़ एक बूढ़ी मामा उनको चुप करा सकती थी और उनकी तबियत के मुआफ़िक़ काम कर सकती थी। दादा अब्बा अपने लड़के के मरने के बाद ज़नानख़ाने में पहुँचा दिये गये थे। यह मामा भी अपनी जवानी के ज़माने से हमारे ही यहाँ मुलाजिम थी और लोग कहते थे कि वह दादा की दास्ता थी। इनसे एक लड़का भी हुआ था, जो बचपन में ही मर गया था। वही दादा की रोक थाम कर सकती थी, क्योंकि न तो वह उनकी बातों की परवाह करती और न उनके मिजाज की। यह देखकर तकलीफ़ होती कि वह अपने बूढ़े मालिक से कितनी बेपरवाही से पेश आती है। दादा अपनी कमजोर आवाज़ में कुछ कहते, लेकिन वह न सुनती। अगर कोई उसे कहता कि सुनो देखो क्या माँग रहे हैं, तो वह जवाब देती:—

“उनकी यही आवत है। उनको किसी चीज़ की ज़रूरत नहीं। वे सिर्फ़ मुझे परेशान करते हैं”... लेकिन किसी का कुछ बस न चलता क्योंकि वही उन्हें ख़ामोश कर सकती थी। फिर इसमें शक़ नहीं कि अब वह सब बोझ महसूस कर रहे थे।

वह रात में शान्ति के साथ गुज़र गये। उनकी जुवान आख़िरी वक्त तक उनके क़ाबू में रही और मौत से कुछ पहले उन्होंने सबको दुआएँ दीं और अपने तमाम प्यारों को, जो वहाँ नहीं थे या मर गये थे, याद किया।

मौत से कुछ ही पहले वह राफ़लत में थे और कुछ-बढ़बढ़ाते थे। एक मर्तबा उन्होंने किसी को मुआतिब किया, जो अर्खा हुआ मर चुका था और उससे बुलन्द आराज़ में

अन के प्यारों को दिखाते हैं। दादा अब्बा का बूढ़ा और कमजोर जिस्म सिसकियों से काँप रहा है।

लोग क्रम में मिट्टी डाल रहे हैं। दादा अब्बा अपने काँपते हुए हाथों में थाड़ी सी मिट्टी उठाते हैं। कदर बोली को क्रम के करीब ले जाते हैं। आँखों से दो क्रतरे आँसू के उस ताजा मिट्टी पर गिर पड़ते हैं जो वे हाथों में लिये हुए हैं। वे बेबसी से हाथों की मिट्टी क्रम में गिरा देते हैं और चेहरा ढक लेते हैं।

❀

❀

❀

बिता की मौत के तीन बरस बाद दादा और जिन्दा रहे, हालाँकि वे जिन्दगी से थककर आजिज हो गये थे। वे अक्सर राते थे, लेकिन उनका ख़ात्मा बहुत ख़ामोशी से हुआ। उन पर एक मर्तबा फ़ालिज गिर ही चुका था। एक मर्तबा और गिरा। उनका दाहिना हाथ और दाहिना पाँव पहले ही बेकार था, अबकी बार बाँए हाथ और पैर पर असर हुआ।

मरने से कुछ पहले वे बहुत बिड़बिड़े हो गये थे और हर तीमारदार को उनकी ख़रगी का सामना करना पड़ता था। सिर्फ़ एक बूढ़ी मामा उनको चुप करा सकती थी और उनकी तबियत के मुआफ़िक़ काम कर सकती थी। दादा अब्बा अपने लड़के के मरने के बाद ज़नानख़ाने में पहुँचा दिये गये थे। यह मामा भी अपनी जवानी के ज़माने से हमारे ही यहाँ मुलाजिम थी और लोग कहते थे कि वह दादा की दास्ता थी। इनसे एक लड़का भी हुआ था, जो बचपन में ही मर गया था। वही दादा की रोक थाम कर सकती थी, क्योंकि न तो वह उनकी बातों की परवाह करती और न उनके मिजाज की। यह देखकर तकलीफ़ होती कि वह अपने बूढ़े मालिक से कितनी बेपरवाही से पेश आती है। दादा अपनी कमजोर आवाज़ में कुछ कहते, लेकिन वह न सुनती। अगर कोई उसे कहता कि सुनो देखो क्या माँग रहे हैं, तो वह जवाब देती:—

“उनकी यही आवत है। उनको किसी चीज़ की ज़रूरत नहीं। वे सिर्फ़ मुझे परेशान करते हैं”... लेकिन किसी का कुछ बस न चलता क्योंकि वही उन्हें ख़ामोश कर सकती थी। फिर इसमें शक़ नहीं कि अब वह सब बोझ महसूस कर रहे थे।

वह रात में शान्ति के साथ गुज़र गये। उनकी जुवान आख़िरी वक्त तक उनके क़ाबू में रही और मौत से कुछ पहले उन्होंने सबको दुआएँ दीं और अपने तमाम प्यारों को, जो वहाँ नहीं थे या मर गये थे, याद किया।

मौत से कुछ ही पहले वह राफ़लत में थे और कुछ-बढ़बढ़ाते थे। एक मर्तबा उन्होंने किसी को मुआतिब किया, जो अर्खा हुआ मर चुका था और उससे बुलन्द आराज़ में

وہ 70 برس کے تھے جب میرے والد، جو ان کے چچے کے ہوتے، بیمار ہوئے۔ ہر طرح کا علاج کیا گیا۔ تمام ڈاکٹروں اور حکیموں نے جواب دے دیا۔ بہت سے مولویوں نے اپنے عقلی کسے لڑائے اور اپنے تجربہ کے مطابق جادو ٹوٹے اور اسباب وغیرہ کا علاج کیا؛ مگر ان کی حالت خراب ہوتی گئی۔

شروع شروع میں تو والد دادا ابا کے ساتھ مکان کے مردانے حصے میں ہی رہتے تھے؛ کیونکہ اسی میں سہولیت تھی۔ دوسرے پرانے زمانے کے لوگ زمانہ خانہ میں زیادہ دیر تک پسند نہ کرتے تھے۔ دادا کے صوفی اور فقیر دوست آتے اور دعائیں مانگتے۔ مگر ان کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ تب وہ مکان کے اندر پہنچا دیئے گئے؛ تاکہ ان کی تیمارداری اچھی طرح ہو سکے۔ دادا پر فالج کر چکا تھا اور وہ ہر دوسرے تیسرے اپنے بچے کو دیکھنے ایک چھوٹی سی چارپائی پر چار آدمیوں کی مدد سے لائے جاتے اور کچھ گھنٹے گزر جانے کے بعد وہ اسی طرح باہر لے جائے جاتے۔

والد کی حالت اب اور خراب ہو گئی، تو تازہ ہوا کے خاطر انہیں کوٹھے پر لے جایا گیا۔ دادا ابا نے دیکھا کہ ان کی حالت مایوس کرنے والی ہے اور وہ جب انہیں دیکھنے کے لئے کوٹھے پر لائے گئے تو زینہ کی فنکی کی وجہ سے بڑی دقت ہوئی۔ یہ دیکھ کر کہ ان کے لئے لے جانے میں کتنی دقت ہو رہی ہے؛ وہ بھونک کر رو پڑے۔ میں نے انہیں زندگی میں پہلے پہل روئے دیکھا۔ وہ ایک بے بس اور ہرزے آدمی کے خاموش اور درد سے بھرے آنسو تھے۔ انہوں نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن سب سمجھ گئے کہ وہ بہت مایوس ہیں۔

آخر ایک دن والد کا انتقال ہو گیا۔ مجھے یاد ہے داد اپنے پلنگ پر پڑے روئے تھے۔ میرے سامنے اُس وقت کی ان کی تصویر ہے۔ وہ زار زار رو رہے ہیں۔ ان کی سسکیوں سے پلنگ ہل رہا ہے۔ یہ ایک بوڑھے آدمی کی سسکیاں ہیں جو محسوس کرتا ہے کہ اُس کی ہستی اب دنیا میں صرف ایک شہر کی مدد ہے۔

مجھے یاد ہے کہ پھر وہ جنازہ کے پیچھے پیچھے ایک قبری میں قبرستان لے جائے گئے۔ ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔ جیسے سماں اُٹھنے اور زندگی کے فنا ہونے کی شکایت کرتے۔ اپنی اس بے چارگی پر روئے کہ بچے کے جنازہ کو کدھا ہوئے دے سکے تھے۔ موت قبر میں اُڑی جا رہی ہے۔ کھردی ہوئی مٹی کے قعر پر دادا ابا قبری میں بٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ قبر کے اندر نہیں دیکھ سکتے؛ کیونکہ ان کے اگے آدمیوں کی ہڈیاں ہیں۔

پھر چھٹی ہے۔ موت قبر میں ہے۔ کھار قبری کو قبر ایک لڑکے ہیں۔ لڑکے مرحوم والد کا چہرہ اُخوی بار

وہ 70 برس کے تھے جب میرے والد، جو ان کے چچے کے ہوتے، بیمار ہوئے۔ ہر طرح کا علاج کیا گیا۔ تمام ڈاکٹروں اور حکیموں نے جواب دے دیا۔ بہت سے مولویوں نے اپنے عقلی کسے لڑائے اور اپنے تجربہ کے مطابق جادو ٹوٹے اور اسباب وغیرہ کا علاج کیا؛ مگر ان کی حالت خراب ہوتی گئی۔

شروع شروع میں تو والد دادا ابا کے ساتھ مکان کے مردانے حصے میں ہی رہتے تھے؛ کیونکہ اسی میں سہولیت تھی۔ دوسرے پرانے زمانے کے لوگ زمانہ خانہ میں زیادہ دیر تک پسند نہ کرتے تھے۔ دادا کے صوفی اور فقیر دوست آتے اور دعائیں مانگتے۔ مگر ان کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ تب وہ مکان کے اندر پہنچا دیئے گئے؛ تاکہ ان کی تیمارداری اچھی طرح ہو سکے۔ دادا پر فالج کر چکا تھا اور وہ ہر دوسرے تیسرے اپنے بچے کو دیکھنے ایک چھوٹی سی چارپائی پر چار آدمیوں کی مدد سے لائے جاتے اور کچھ گھنٹے گزر جانے کے بعد وہ اسی طرح باہر لے جائے جاتے۔

والد کی حالت اب اور خراب ہو گئی، تو تازہ ہوا کے خاطر انہیں کوٹھے پر لے جایا گیا۔ دادا ابا نے دیکھا کہ ان کی حالت مایوس کرنے والی ہے اور وہ جب انہیں دیکھنے کے لئے کوٹھے پر لائے گئے تو زینہ کی فنکی کی وجہ سے بڑی دقت ہوئی۔ یہ دیکھ کر کہ ان کے لئے لے جانے میں کتنی دقت ہو رہی ہے؛ وہ بھونک کر رو پڑے۔ میں نے انہیں زندگی میں پہلے پہل روئے دیکھا۔ وہ ایک بے بس اور ہرزے آدمی کے خاموش اور درد سے بھرے آنسو تھے۔ انہوں نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن سب سمجھ گئے کہ وہ بہت مایوس ہیں۔

آخر ایک دن والد کا انتقال ہو گیا۔ مجھے یاد ہے داد اپنے پلنگ پر پڑے روئے تھے۔ میرے سامنے اُس وقت کی ان کی تصویر ہے۔ وہ زار زار رو رہے ہیں۔ ان کی سسکیوں سے پلنگ ہل رہا ہے۔ یہ ایک بوڑھے آدمی کی سسکیاں ہیں جو محسوس کرتا ہے کہ اُس کی ہستی اب دنیا میں صرف ایک شہر کی مدد ہے۔

مجھے یاد ہے کہ پھر وہ جنازہ کے پیچھے پیچھے ایک قبری میں قبرستان لے جائے گئے۔ ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔ جیسے سماں اُٹھنے اور زندگی کے فنا ہونے کی شکایت کرتے۔ اپنی اس بے چارگی پر روئے کہ بچے کے جنازہ کو کدھا ہوئے دے سکے تھے۔ موت قبر میں اُڑی جا رہی ہے۔ کھردی ہوئی مٹی کے قعر پر دادا ابا قبری میں بٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ قبر کے اندر نہیں دیکھ سکتے؛ کیونکہ ان کے اگے آدمیوں کی ہڈیاں ہیں۔

پھر چھٹی ہے۔ موت قبر میں ہے۔ کھار قبری کو قبر ایک لڑکے ہیں۔ لڑکے مرحوم والد کا چہرہ اُخوی بار

لاता۔ اس درمیان میں دادا ابّا ہمارا سبق پڑھاتے یا حرف کہاتے، اور جب ہم سے کوئی سبق پوچھتا تو ہم سب تر جاتے، کیونکہ دادا ابّا کو غصہ آجانا اور وہ بگڑے لگتے، حالانکہ عام طور پر وہ مہربان رہتے۔

ایک مرتبہ میں اور کچھ میرے بڑے بھائیوں نے بڑی چچی کا ایک رویہ چرا لیا۔ دراصل رویہ لڑھک گیا تھا اور ہم نے چوہم سے اُسے اُٹھا لیا تھا۔ ہم نے اُس کو جاکر بیٹا لیا اور اُس کے چونسٹہ پیسے کر لئے۔ ہم نے دو پیسے کے بسکٹ اور مٹھائی خریدی۔ اُس زمانے میں چوہوں کاغذ کی سسکی ملتی تھی، اور باقی پیسوں کو پوشیدہ جگہ پر رکھ دیا۔ لیکن کسی نے ان کو دیکھ لیا۔ اب تو ہم سب بہت دڑے کہ کہیں دادا کو اِس کا پتہ نہ چل جائے۔ لیکن جس بات سے دتر تھ وہی ہوئی۔ دادا ابّا کو بے حد غصہ آیا اور اُنہیں لے کہا کہ میں تم سب کو مار ڈالوں گا۔ اُنہوں نے اپنی تلوار کے نکالنے کا حکم دیا، جو ایک بڑے لکڑی کے صندوق میں بند رہتی تھی۔ یہ صندوق ایک استعماری کوٹھری میں رکھا ہوا تھا، جس کے اندر جانے کے لئے لائنوں کی ضرورت پڑتی تھی؛ تب اُنہوں نے میرے بڑے بھائیوں کو بلایا اور اُن کی آنکھوں کے سامنے تلوار چمکائی۔ دونوں نے پاجامے میں پیدھاب کر دیا اور خوف کے مارے اُن کا رنگ آرز کیا۔ شاید میرے کمرے کے خیال سے اُنہوں نے مجھ کو تلوار سے نہیں ڈھمکایا، لیکن اُن کی آواز ہی میرے حواس آرا دینے کے لئے کیا کم تھی۔ ہم سب نے وعدہ کیا کہ آئندہ چوری نہ کریں گے اور اچھے لڑکوں کی طرح رہیں گے۔

مگر جب ہم چائے کے لئے کمرے کی طرح دادا ابّا کے چاروں طرف بیٹھ رہے، تو ہم کو کوئی خوف نہیں ہوا تھا، وہ عام طور سے مزے مزے کی باتوں کرتے، محبت سے پدھ آتے اور کہانیاں سناتے۔ جب چائے تیار ہو جاتی، تو اُس کو وہ چھلی کی چھوٹی پٹالوں میں ڈالتے۔ یہ چھلی کے پٹالے آجکل کی پٹالوں کی طرح نہ تھے۔ یہ بہت خوبصورت اصلی چھلی کے تھے۔ اُن میں دسک نہ تھا۔ اُن کا پلندا ننگ اور منہ چوڑا تھا، چائے در سے مہکتی تھی انڈر پے صبری میں ہم اپنے ہونٹ ملا لیتے تھے۔ ہم کو چائے چھوٹے چھوٹے پٹالے ہونٹ دیتے جاتے، جن کو ہم چائے میں ڈبو کر چمچتے سے کھاتے۔ چائے ایسی مزیدار ہوتی تھی کہ اُس کے بعد کبھی ایسی مزیدار چائے ہی نہیں اور نہ میں اِس کا مزہ کبھی چکھ سکوں گا۔

دادا کی بوند اور باتیں میرے یاد ہیں۔ یہ یاد ایک - اچھے ماضی کی ہے، جسے زندگی کے بوجھ نے بھٹک کر دیا۔

مگر جب ہم چائے کے لئے کمرے کی طرح دادا ابّا کے چاروں طرف بیٹھ رہے، تو ہم کو کوئی خوف نہیں ہوا تھا، وہ عام طور سے مزے مزے کی باتوں کرتے، محبت سے پدھ آتے اور کہانیاں سناتے۔ جب چائے تیار ہو جاتی، تو اُس کو وہ چھلی کی چھوٹی پٹالوں میں ڈالتے۔ یہ چھلی کے پٹالے آجکل کی پٹالوں کی طرح نہ تھے۔ یہ بہت خوبصورت اصلی چھلی کے تھے۔ اُن میں دسک نہ تھا۔ اُن کا پلندا ننگ اور منہ چوڑا تھا، چائے در سے مہکتی تھی انڈر پے صبری میں ہم اپنے ہونٹ ملا لیتے تھے۔ ہم کو چائے چھوٹے چھوٹے پٹالے ہونٹ دیتے جاتے، جن کو ہم چائے میں ڈبو کر چمچتے سے کھاتے۔ چائے ایسی مزیدار ہوتی تھی کہ اُس کے بعد کبھی ایسی مزیدار چائے ہی نہیں اور نہ میں اِس کا مزہ کبھی چکھ سکوں گا۔

دادا کی چند اور باتیں مجھے یاد ہیں۔ یہ یاد ایک اچھے معذذب آدمی کی ہے، جسے زندگی کے بوجھ نے ختم کر دیا۔

دادا کی چند اور باتیں مجھے یاد ہیں۔ یہ یاد ایک اچھے معذذب آدمی کی ہے، جسے زندگی کے بوجھ نے ختم کر دیا۔

یا پھر انہیں سے بدھ بھائی تھی۔ کس کو بھی گندہ کر دیتا پھر اپنی ڈنگلی کو گندہ میں تر کر کے سٹھتا، مگر لوگ اسے پاگل نہ سمجھتے۔ ان کے خیال میں وہ ایک مجذوب تھا۔

دادا کے پاس پھر بھی فکریر آیا کرتے تھے۔ لیکن وہ کبھی ایک دو تو تھے نہیں۔ چنانچہ میں بہت سے فارائف تھا۔

دادا کی سب سے زیادہ دلپسند چیز ان کی مزیدار دواہیاں تھیں۔ یہ دواہیاں وہ ہم لوگوں کو ہانتہ تھے۔ چاہے کے ساتھ وہ انہیں ہانتہ تھے۔ سب لوگوں میں جو مہرہ بھائی ہوتے تھے، میں ہی سب سے چھوٹا تھا اور مجھے سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ اس لئے سب لڑکے مجھ کو دادا ابا کے پاس چورن لینے کے لئے بھیجتے۔ میں پندرہویں کے پاس چلا جاتا اور کہتا—”دادا ابا، مجھے ذرا سا چورن دے دیجئے۔“

وہ محبت سے مسکراتے اور اپنے پرانے نوکر کو جو برسوں سے ان کی خدمت میں رہا کرتا تھا پکارتے—”غفور، اس بوتل کو الٹا کر نکال لا۔“

غفور جو اپنے سواسی کی طرح خود بھی ہوشیار ہو گیا تھا پھر اٹھ کر الٹا کر نکال کر دوسری بوتل لے آیا۔

”یہ نہیں، دوسری بوتل جو میں نے تم سے کہا تھا“ دادا ابا نے کہا۔ ”یہ دوسری بوتل جو میں نے تم سے کہا تھا۔“

”یہ دوسری بوتل جو میں نے تم سے کہا تھا۔“

”بس اب نہیں، یہ زیادہ نہیں کھایا جاتا۔“

”بس اب نہیں، یہ زیادہ نہیں کھایا جاتا۔“

”بس اب نہیں، یہ زیادہ نہیں کھایا جاتا۔“



मजबूत कहना चाहिये, यह वे लोग हैं जिन पर स्थानियत का एक ऐसा दौरा आता है, जिसके कारन उन पर एक खास रंग छा जाता है, वे दुनिया से मुँह मोड़ लेते हैं, कहा जाता है कि दुनिया का कारखाना सूफियों की बदीलत चल रहा है, हर सूफी का एक खास हल्का असर होता है, यह लोग बेपरवाज फकीर होते हैं और सूफियाना जिन्दगी बसर करते हैं, कोई उनके रुतबे को नहीं जानता; लेकिन वह अपने असर वाले हल्के की देख भाल करते हैं, हम मामूली लोग उनको नहीं जान सकते, सिर्फ ऊँचे दर्जे के सूफी उनको पहचान सकते हैं.

बहुत से ऐसे लोग हमारे घर आया करते थे, हालाँकि दादा कोई सूफी नहीं थे, अलबत्ता वह सूफियों और फकीरों की कदर बहुत किया करते थे, मगर उनके सूफी दोस्त सब के सब कीमिया बनाने में बहुत दिलचस्पी लेते थे, वह अजीबो गरीब जड़ी बूटियों के नायाब लुस्त्रे रखते थे और साँपों बरोरह के बारे में उनको बड़ी जानकारी थी, मेरे दादा भी साँपों के बारे में बहुत कुछ जानते थे और उन्हें हाथ से पकड़ लेते थे.

बाबा और दूसरी तरह के फकीर भी हमारे घर आया करते थे, उनमें एक चालीस बरस की उम्र का अंधा था, वह 'अंधा हाफिज' के नाम से मशहूर था, वह हमेशा नंगा और गन्दगी में लुथड़ा हुआ रहता, उसकी ढाढ़ी की तरह सर और जिस्म के बाल भी उलझे रहते, वह हमेशा हाथ में एक बड़ी लाठी लिये रहता और हमारे घर पर आम तौर पर रात को डोली में बैठकर आता, वह शायद ही कभी सोता और सारी रात, चाहे जागा हो या गर्मी, इधर उधर घूमा करता था, लोग उसे बहुत पटुँचा हुआ फकीर समझते, असली मजबूब ! उनके कथाल में उसे इल्ममौब भी हासिल था, वह बहुत बचपने से मजबूब हो गया था और कहा जाता है कि उसने बहुत सी करामातें भी दिखाई थीं, वह कभी कोई ज़बानी बात न कहता, उसकी गुप्तगू सदा उलझी हुई होती थी, जब लोग उससे अपने मुसतक़-बिल की बात पूछते या कोई खास मुश्किल मामला समझना चाहते तो सवाल को अपने दिमाग में लेकर हाफिज जी के पास बैठ जाते और अक्सर उसकी उलझी हुई बात चीत और इशारों में अपने सवाल का जवाब पा लेते.

जंगे अजीम के जमाने में अंधे हाफिज पर गुस्से और राजब की हालत तारी रहती और वह अपना डन्डा जमीन पर बार बार पटकता, जब तक वह घर में रहता किसी फिक्र में इधर उधर घूमता फिरता और एक चढ़ी भर भी दम न लेता, लोग कहते कि वह जंग का सब हाल जानता है कि इस वक्त कहाँ लड़ाई हो रही है, कौन जीत रहा है और कौन हार रहा है, मैं कभी नहीं भूल सकता कि वह अपनी ही गन्दगी में लुथड़ा हुआ फर्श पर पड़ा रहता

مجبور کہا چاہئے . یہ وہ لوگ ہیں جن پر روحانیت کا ایک ایسا دورہ آتا ہے جس کے اثرات ان پر ایک خاص رنگ چھا جاتا ہے . وہ دنیا سے ملے موز لیتے ہیں . کہا جاتا ہے کہ دنیا کا کارخانہ صرفوں کی بدولت چل رہا ہے . ہر صوفی کا ایک خاص حلقہ اثر ہوتا ہے . یہ لوگ بے غرض فقیر ہوتے ہیں اور صوفیانہ زندگی بسر کرتے ہیں . کوئی ان کے رتبہ کو نہیں جانتا؛ لیکن وہ اپنے اثر والے حلقہ کی دیکھ بھال کرتے ہیں . ہم معمولی لوگ ان کو نہیں جان سکتے . صرف اونچے درجے کے صوفی ان کو پہچان سکتے ہیں .

بہت سے ایسے لوگ ہمارے گھر آیا کرتے تھے، حالانکہ دادا کوئی صوفی نہیں تھے . اہمیت وہ صوفیوں اور فقیروں کی قدر بہت کیا کرتے تھے مگر ان کے صوفی دوست سب کے سب تمباکھ ہالے میں بہت دلچسپی لیتے تھے . وہ عجیب و غریب جڑی بوٹیوں کے ٹائپ نسخے رکھتے تھے اور سانپوں وغیرہ کے بارے میں ان کو بڑی جانکاری تھی . میرے دادا بھی سانپوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے اور انہیں ہاتھ سے پکڑ لیتے تھے .

بعض اور دوسری طرح کے فقیر بھی ہمارے گھر آیا کرتے تھے . ان میں ایک چالیس برس کی عمر کا اندھا تھا . وہ اندھا حافظ کے نام سے مشہور تھا . وہ ہمیشہ ننگا اور گندگی میں لپڑا ہوا رہتا، اُس کی داڑھی کی طرح سر اور جسم کے بال بھی الجھ رہتے . وہ ہمیشہ ہاتھ میں ایک بڑی لاٹھی لٹے رہتا اور ہمارے گھر پر عام طور پر رات کو قدرتی میں بیٹھ کر آتا . وہ شاید ہی کبھی سوتا اور ساری رات چائے چاڑا ہو یا گرمی، 'دھڑ دھڑ' گھوما کرتا تھا . لوگ اُسے بہت پرہیزگار و فقیر سمجھتے . اُسی سے مجذب ! اُن کے خیال میں اُسے علم غیب بھی حاصل تھا . وہ بہت بچپن سے مجذب ہو گیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اُس نے بہت سی کوائفیں بھی دیکھ لی تھیں . وہ کبھی کوئی زبانی بات نہ کہتا . اُس کی گفتگو سداً اُچھی ہوئی ہوئی تھی . جب لوگ اُس سے اپنے مستقبل کی بات پوچھتے یا کوئی خاص مسئلہ معاملہ سمجھنا چاہتے تو سوال کو اپنے ذہن میں لے کر حافظ جی کے پاس بیٹھ جاتے اور اکثر اُس کی اُچھی ہوئی بات چیت اور اشاروں میں اپنے سوال کا جواب پا لیتے .

جنگ نظام کے زمانے میں اندھے حافظ پر غصہ اور غصہ کی حالت طاری رہتی اور وہ اپنا قندار زمین پر بار بار پٹکتا . جب تک وہ گھر میں رہتا کسی فکر میں 'دھڑ دھڑ' گھومتا پڑتا اور ایک گھڑی بھر بھی دم نہ لیتا . لوگ نہ کہ وہ جنگ کا سبب حال جانتا ہے کہ اس وقت کہاں لڑائی ہو رہی ہے، کون جیت رہا ہے اور کون ہار رہا ہے . میں کبھی نہیں بھول سکتا کہ وہ اپنی ہی گندگی میں لپڑا ہوا فرش پر پڑا رہتا

میں کبھی کامیابی نہیں دے، بلکہ بھلائی میں سے میرے مالوں کو ہٹا دیا تھا کہ میرے دادا کے چچے کے پاس سے۔ ایک مرتبہ کامیابی ہو گئی تھی۔ کسی فقیر نے انہیں ایک شیشی میں کوئی چیز دی تھی، جس کے ذریعہ انہوں نے ایک قلعے کے پاس سے گزرتے ہوئے میں بدل دیا تھا اور جس سے میری ماں کے لئے سونے کی بالیاں بنا لی گئی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو صندوق میں بند کر کے رکھ دیا۔ لیکن ان کے دوست قلندر شاہ سڑکی کو جب یہ معلوم ہوا کہ میرے دادا کے ہاتھ کو ہٹا لیا گیا ہے، تو انہوں نے اس کو ہر بات کرنے کا حکم دیا کہ کوئی اس سے آدمی لالچی ہو جانا ہے اور اس کا دل خدا اور صوفیوں کی طرف سے بھر جانا ہے۔ میری ماں کو، جو اس وقت بہت جوانی میں تھی، اس نایاب چیز کے ہر بات ہوجانے کا ہوا دیکھ کر، جو قلعے کے پاس سے بدل دیتی تھی—لیکن میرے دادا جو ایک صوفی بزرگ تھے اور قلندر شاہ سے صحبت کرتے تھے، آپس کے تعلقات کو بگاڑنا نہ چاہتے تھے اور انہوں نے قلندر شاہ کی دل شکنی کے تر سے دولت کی کتنی کو ہر بات کر دیا۔ دوستی کے خاطر کون اپنی دولت کے ایک حصہ کی بھی قربانی کر لیا کرتے؟ اور پھر آجکل؟

میرے اپنے دادا کے ایک دوست خوب یاد ہیں۔ ان کا نام نادرشاہ تھا۔ وہ فقیر تھے۔ وہ ایک کالا کنبہ لپٹے رہا کرتے تھے۔ وہ بڑے تھے مگر شاندار۔ جب کبھی ہم ان کی موجودگی میں گھر سے باہر نکلتے، تو وہ ہمارے سر پر ہاتھ پھیرتے اور ہم کو آشرwad اور دعا دیتے۔ وہ دادا کے سب سے زیادہ گہرے دوست تھے۔ ان کی خاطر دادا اب بہت کچھ کر دیتے۔ جب کبھی کسی پریشانی میں پھنسے ہوئے تو فوراً نادرشاہ کو بلا لیتے۔ انہوں نے مجھ کو کچھ تعویذ دیئے تھے، جو دس گیارہ برس کی عمر میں چاندی کے خول میں ملے ہوئے میرے گھر میں پڑے ہوئے تھے۔

دادا کے ایک اور کیمیا گر دوست تھے۔ لیکن میں ان سے گہرا تعلق نہیں رکھتا تھا۔ کوئی وہ میرے دوبارہ ختمہ کا تر دلا دھکتے تھے۔ حالانکہ یہ سب مذاق ہی مذاق تھا، لیکن میں سہم جانا تھا۔ ایک دن انہوں نے میرا کفن کٹا دیا۔ وہ ایک لڑکے کی کہانی سن رہے تھے، جس نے اپنے باپ کے دوست کی طرف سے پیرا دیا ہوئی تھی۔ ان بزرگ نے اس وقت تو کچھ نہ کہا، لیکن ایک دن لڑکے کو بلایا اور اس کے کفن میں کچھ کلمے کے بہانے سے جھک کر اس کے کفن کی لو کٹ لی۔ انہوں نے واقعہ بتاتے بتاتے میرا کفن بھی کٹ کھایا۔ میں سوچتا ہوں کہ کہیں میں نے تو کبھی جاننے ہوئے ان کی طرف سے پیرا دیا نہیں دیا تھا۔

اسی طرح اگر بہت سے لوگ اکثر میرے دادا سے ملنے آیا کرتے تھے—بہت سے گھبر اور پاگل قسم کے لوگ۔ لیکن ان کو پاگل کہنا حماقت ہوئی۔ ان کو

میں کبھی کبھی نہیں ہوتی، ایک ماں سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے دادا، جو میرے دادا کے چچے کے پاس سے، ایک مرتبہ کامیابی ہو گئے تھے۔ کسی فقیر نے انہیں ایک شیشی میں کوئی چیز دی تھی، جس کے ذریعہ انہوں نے ایک قلعے کے پاس سے گزرتے ہوئے میں بدل دیا تھا اور جس سے میری ماں کے لئے سونے کی بالیاں بنا لی گئی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو صندوق میں بند کر کے رکھ دیا۔ لیکن ان کے دوست قلندر شاہ سڑکی کو جب یہ معلوم ہوا کہ میرے دادا کے ہاتھ کو ہٹا لیا گیا ہے، تو انہوں نے اس کو ہر بات کرنے کا حکم دیا کہ کوئی اس سے آدمی لالچی ہو جانا ہے اور اس کا دل خدا اور صوفیوں کی طرف سے بھر جانا ہے۔ میری ماں کو، جو اس وقت بہت جوانی میں تھی، اس نایاب چیز کے ہر بات ہوجانے کا ہوا دیکھ کر، جو قلعے کے پاس سے بدل دیتی تھی—لیکن میرے دادا جو ایک صوفی بزرگ تھے اور قلندر شاہ سے صحبت کرتے تھے، آپس کے تعلقات کو بگاڑنا نہ چاہتے تھے اور انہوں نے قلندر شاہ کی دل شکنی کے تر سے دولت کی کتنی کو ہر بات کر دیا۔ دوستی کے خاطر کون اپنی دولت کے ایک حصہ کی بھی قربانی کر لیا کرتے؟ اور پھر آجکل؟

میرے اپنے دادا کے ایک دوست خوب یاد ہیں۔ ان کا نام نادرشاہ تھا۔ وہ فقیر تھے۔ وہ ایک کالا کنبہ لپٹے رہا کرتے تھے۔ وہ بڑے تھے مگر شاندار۔ جب کبھی ہم ان کی موجودگی میں گھر سے باہر نکلتے، تو وہ ہمارے سر پر ہاتھ پھیرتے اور ہم کو آشرwad اور دعا دیتے۔ وہ دادا کے سب سے زیادہ گہرے دوست تھے۔ ان کی خاطر دادا اب بہت کچھ کر دیتے۔ جب کبھی کسی پریشانی میں پھنسے ہوئے تو فوراً نادرشاہ کو بلا لیتے۔ انہوں نے مجھ کو کچھ تعویذ دیئے تھے، جو دس گیارہ برس کی عمر میں چاندی کے خول میں ملے ہوئے میرے گھر میں پڑے ہوئے تھے۔

دادا کے ایک اور کیمیا گر دوست تھے۔ لیکن میں ان سے گہرا تعلق نہیں رکھتا تھا۔ کوئی وہ میرے دوبارہ ختمہ کا تر دلا دھکتے تھے۔ حالانکہ یہ سب مذاق ہی مذاق تھا، لیکن میں سہم جانا تھا۔ ایک دن انہوں نے میرا کفن کٹا دیا۔ وہ ایک لڑکے کی کہانی سن رہے تھے، جس نے اپنے باپ کے دوست کی طرف سے پیرا دیا ہوئی تھی۔ ان بزرگ نے اس وقت تو کچھ نہ کہا، لیکن ایک دن لڑکے کو بلایا اور اس کے کفن میں کچھ کلمے کے بہانے سے جھک کر اس کے کفن کی لو کٹ لی۔ انہوں نے واقعہ بتاتے بتاتے میرا کفن بھی کٹ کھایا۔ میں سوچتا ہوں کہ کہیں میں نے تو کبھی جاننے ہوئے ان کی طرف سے پیرا دیا نہیں دیا تھا۔

اسی طرح اگر بہت سے لوگ اکثر میرے دادا سے ملنے آیا کرتے تھے—بہت سے گھبر اور پاگل قسم کے لوگ۔ لیکن ان کو پاگل کہنا حماقت ہوئی۔ ان کو

بالوں کے لکڑھے تھے۔ وہ اس بھنگی سے کٹے हुए ہوتے تھے کہ ان کا کٹنا ایک تلوار کی تیز باڈ کی طرح مالا مالا ہوتا تھا۔ وہ ایک تارکاتر فوجی کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ وہ ایک سیدہ میں چلتے تھے اور ان کی ہاتھ رنگ کی کاہار ٹوپی ان کے سر پر آویڑی رہتی تھی۔ ان کی نیگاہیں اور آواز میں بڑا رعب اور دہشت تھا۔

گرمیوں کے زمانے میں وہ ہمیشہ تلواریں کا انگریز پہنتے تھے، جو اس طرح بنا ہوتا تھا کہ ایک طرف کا سیلہ کھلا رہتا تھا۔ (اس زمانے میں نیچے دوسرا کھولا پہنتے تھے)۔ جس میں عام طور پر سیاہ زمیں پر سفید سادے پھول بنے ہوتے تھے۔ وہ چست مہری کا چوہدار پاجامہ پہنتے، پیروں میں دھندلے شیشے رنگ کا جوتا ہوتا، جس پر سفید کلم کا ایک پھول بنا ہوتا اور جس کی نوک اوپر کوڑی ہوتی۔ اس پر جب وہ انگریز پہن کر کھڑے ہوتے، تو پھر شاندار معلوم ہوتے، یہی کہیں جازوں میں وہ سادہ ہاتھ تھے، جس کے پیچ بہت کسے ہوتے تھے اور ان کی ایک ہونٹ کو ڈھک لیتے تھے۔ اس سے وہ چست تو بہت معلوم ہوتے، لیکن خونخوار سے ہو جاتے۔

وہ زمانہ ان کے زمانے میں سوائے کلم کے بہت کم آتے تھے۔ وہ اپنی چائے خود بنایا کرتے تھے۔ جب کہیں وہ گھر میں آتے، تو اپنے آلے کی خود دیکھ کے بے زور سے کہتے، "تاکہ عورتوں میں ان کی نہ پہنچ جائیں۔ ان کی آواز سننے ہی بالغ لڑکیوں، بھرتوں اور دوسری بیویاں اپنے قریب سے بھاگ جاتیں۔ ان کی چال میں تو رعنائی ہمیشہ سے تھی، یہاں تک کہ 76 برس کی عمر میں ان پر لڑکھائیاں گرا، اس کے بعد سے وہ ہرادر ہسٹری پر پڑے رہے۔ یا تو کسی سے باتیں کیا کرتے یا اکیلے غم کھاتے کرتے، لیکن ان کی نگاہوں اور آواز میں اب بھی وہی رعب داب تھا۔ ان کے شوق، کیمیا، مچھلی کا شکار، پرانے چیلے کے برتنوں کا بھنڈار جمع کرنا، دوائیں تیار کرنا وغیرہ تھے۔ ہر طرح کے نقیر اور صرفی ان کے پاس آیا کرتے تھے اور کھیلوں ان سے ناہب جڑی ہرٹوں کے متعلق باتیں کیا کرتے۔ مکمل کا مردانہ حصہ پودوں سے بھرا ہوا تھا اور ان میں چھوٹے بڑے عجیب عجیب پتوں کے کتے دار پودے تھے، جو ایک کیمیاگر کے سار اور سامان کا حصہ ہوتے تھے۔ انہوں میں بہت سے پتے، ہر قسم کی دوائیں، خشک جڑی بوٹیاں اور ہڈیاں ہوتے تھے۔

دادا ابراہیم اپنے بستر پر پڑے پڑے بھی تجربہ کیا کرتے اور ہمیشہ نئے نسخے کی تلاش میں رہتے، روز شام کو نوکر جامع مسجد جایا کرتا اور نئی بوٹیاں لاتا۔ لیکن جہاں تک مچھلی یاد ہے، ان کو سونا بلانے

دادا ابراہیم اپنے بستر پر پڑے پڑے بھی تجربہ کیا کرتے اور ہمیشہ نئے نسخے کی تلاش میں رہتے، روز شام کو نوکر جامع مسجد جایا کرتا اور نئی بوٹیاں لاتا۔ لیکن جہاں تک مچھلی یاد ہے، ان کو سونا بلانے

دادا ابراہیم اپنے بستر پر پڑے پڑے بھی تجربہ کیا کرتے اور ہمیشہ نئے نسخے کی تلاش میں رہتے، روز شام کو نوکر جامع مسجد جایا کرتا اور نئی بوٹیاں لاتا۔ لیکن جہاں تک مچھلی یاد ہے، ان کو سونا بلانے

دادا ابراہیم اپنے بستر پر پڑے پڑے بھی تجربہ کیا کرتے اور ہمیشہ نئے نسخے کی تلاش میں رہتے، روز شام کو نوکر جامع مسجد جایا کرتا اور نئی بوٹیاں لاتا۔ لیکن جہاں تک مچھلی یاد ہے، ان کو سونا بلانے

میرے بچپن کی سب سے بڑی بات جیتی جاگتی تصویر میرے دادا کی یاد ہے۔ وہ ایک بڑی بڑی عمر کے بزرگ تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو اب قریب قریب ناپاب ہیں۔ برطانوی سامراج کے دور دورے اور آمدنی اور خرچ کے یونٹوں کی طرح کے لوگ اب بہت کم نظر آتے ہیں۔ کبھی کبھی دہلی یا لکھنؤ جیسے شہر کی کسی تنگ گلی میں ہمیں ایسے دیکھنے والے لوگ دیکھائی دے جاتے ہیں۔ وہ اپنے آس پاس کی چیز سے ملے مرز لگتے ہیں اور مغربی تہذیب اور خیال کو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ بڑے بڑے ہیں۔ ان کے چہرے پر شاید ان کو خود جھینپ معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے کو کچھ بہتے ہوئے زمانے سے محسوس کرتے ہیں۔ غالباً وہ تہذیب کے اس نئے دور کو پسند نہیں کرتے جو ان پر لا دیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اپنا سر اٹھاتا رکھتے ہیں، شاید یہ سچ کر کہ وہ بھی کبھی کچھ تھے اور ان کی آنکھوں نے بھی بہت کچھ دیکھا ہے۔ انہوں نے ابھی اپنے لباس کو انہیں چھوڑا ہے اور اب بھی ملل کا انگریز اور پرانے طرز کے سرخ رنگ کے جوتے پہنے نظر آتے ہیں۔ ان کی ڈاڑھیں ہلی ہلی اور چڑھی ہوئی ہوتی ہیں، یا بڑی شان سے سنیوں پر گرمی دیتی ہیں۔ ان کی ڈاڑھیں موادوں کی ان ڈاڑھوں سے جدا ہوتی ہیں، جو گندی اور الجھی ہوئی ہوتی ہیں اور جن میں کوئی خوبصورتی اور شان نہیں ہوتی۔ پرانے شریفوں کی ڈاڑھیں میں ایک شان ہوتی تھی۔ وہ پہنے رکھتے تھے، ان میں تھل لگا کر ٹنکی سے سنوارتے تھے اور بیچ سے مانگ نکالتے تھے۔ دہلی میں وہ بڑی دیواری گول کا مدار ٹوپیاں پہنتے اور لکھنؤ میں سفید چکن کی چھوٹی چھوٹی ٹوپیاں، جو ان کے سر پر ہتھکڑیوں سے بڑی صفائی سے رہتی رہتیں۔

لکھنؤ والوں کی آمدت اور ترقی کے بارے میں کچھ جانا پنا پایا جاتا تھا۔ ان کی بال ڈال میں ایک جانا لوتہ ہوتا تھا، جیسا پورانے زمانے کی موہنجودادو تھائیوں میں پایا جاتا تھا۔ جب وہ سالام کرتے، تو ان کی پتلی کمر بال کھینچا جاتا تھا، ان کے ہاتھوں کی سی بڑا آجاتی تھی۔ اسی ادا آجاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اوپر گردن کے خم اور نیچے ہاتھوں کی ادا کو ملا کر وہ ہوا میں ایک بڑا بڑا ہوتا تھا۔ اس کے برعکس دہلی کے لوگوں میں مردانگی زیادہ ہے۔ میں یہاں کے پرانے شریفوں کا ذکر کر رہا ہوں

میرے دادا کا کھد ہے، فوڈ وہ بڑا تھا۔ وہ بڑے بڑے ڈیل کے تھے اور ان کی رعیت دار، شخصیت تھی۔ ان کی دکانی سفید تھی اور بیچ میں سے اندر ادھر چڑھی دیتی تھی۔ ان کا سر کنگھ تھا، مگر چاروں طرف سفید اور نرم

میرے بچپن کی سب سے بڑی بات جیتی جاگتی تصویر میرے دادا کی یاد ہے۔ وہ ایک بڑی بڑی عمر کے بزرگ تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو اب قریب قریب ناپاب ہیں۔ برطانوی سامراج کے دور دورے اور آمدنی اور خرچ کے یونٹوں کی طرح کے لوگ اب بہت کم نظر آتے ہیں۔ کبھی کبھی دہلی یا لکھنؤ جیسے شہر کی کسی تنگ گلی میں ہمیں ایسے دیکھنے والے لوگ دیکھائی دے جاتے ہیں۔ وہ اپنے آس پاس کی چیز سے ملے مرز لگتے ہیں اور مغربی تہذیب اور خیال کو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ بڑے بڑے ہیں۔ ان کے چہرے پر شاید ان کو خود جھینپ معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے کو کچھ بہتے ہوئے زمانے سے محسوس کرتے ہیں۔ غالباً وہ تہذیب کے اس نئے دور کو پسند نہیں کرتے جو ان پر لا دیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اپنا سر اٹھاتا رکھتے ہیں، شاید یہ سچ کر کہ وہ بھی کبھی کچھ تھے اور ان کی آنکھوں نے بھی بہت کچھ دیکھا ہے۔ انہوں نے ابھی اپنے لباس کو انہیں چھوڑا ہے اور اب بھی ملل کا انگریز اور پرانے طرز کے سرخ رنگ کے جوتے پہنے نظر آتے ہیں۔ ان کی ڈاڑھیں ہلی ہلی اور چڑھی ہوئی ہوتی ہیں، یا بڑی شان سے سنیوں پر گرمی دیتی ہیں۔ ان کی ڈاڑھیں موادوں کی ان ڈاڑھوں سے جدا ہوتی ہیں، جو گندی اور الجھی ہوئی ہوتی ہیں اور جن میں کوئی خوبصورتی اور شان نہیں ہوتی۔ پرانے شریفوں کی ڈاڑھیں میں ایک شان ہوتی تھی۔ وہ پہنے رکھتے تھے، ان میں تھل لگا کر ٹنکی سے سنوارتے تھے اور بیچ سے مانگ نکالتے تھے۔ دہلی میں وہ بڑی دیواری گول کا مدار ٹوپیاں پہنتے اور لکھنؤ میں سفید چکن کی چھوٹی چھوٹی ٹوپیاں، جو ان کے سر پر ہتھکڑیوں سے بڑی صفائی سے رہتی رہتیں۔

لکھنؤ والوں کی آمدت اور ترقی کے بارے میں کچھ جانا پنا پایا جاتا تھا۔ ان کی بال ڈال میں ایک جانا لوتہ ہوتا تھا، جیسا پورانے زمانے کی موہنجودادو تھائیوں میں پایا جاتا تھا۔ جب وہ سالام کرتے، تو ان کی پتلی کمر بال کھینچا جاتا تھا، ان کے ہاتھوں کی سی بڑا آجاتی تھی۔ اسی ادا آجاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اوپر گردن کے خم اور نیچے ہاتھوں کی ادا کو ملا کر وہ ہوا میں ایک بڑا بڑا ہوتا تھا۔ اس کے برعکس دہلی کے لوگوں میں مردانگی زیادہ ہے۔ میں یہاں کے پرانے شریفوں کا ذکر کر رہا ہوں

## مرے دادا اب

[سن 1857 کے زمانے کے لوگوں کا ایک خاکہ]

پروفیسر احمد علی ایم اے

جیندگی ایک دریا کی طرح بہتی ہے اور اس کے بہاؤ کو کسی نہیں روک سکتا۔ جب ہم زندگی کے ایک خاص دور سے لڑتے ہیں، تو اس کے بہاؤ کو دیکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ ہم خود اس کی دو میں بہتے ہوئے ہیں، اس کے بہاؤ میں ہمارے ہونے والے کچھ چلے جاتے ہیں اور ہم کو زندگی کا یہ بہاؤ محسوس نہ نہیں ہوتا۔ درخت ہوا میں جھومتے ہیں۔ ان کی اچھی مٹھی پرچہ لٹاواں سطح پر اپنا دھڑکنا ڈالتی ہیں اور ان کے پتے پتے ہونے لگتی ہیں۔ ان کی جڑوں کی سطح پر ہماری مثال ہی انہیں تھوڑی سی پرچہ لٹاویں کی طرح ہے۔ مگر دریا بہتا جاتا ہے، ہماری پرچہ لٹاویں سے پرواہ اور ان کے تاج کی طرف بغیر رخ نہ۔

کبھی-کبھی ہمیں یہ خیال آتا ہے کہ ہم کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں، لیکن جب توفان سر سے گزر جاتا ہے، تب ہم اپنی نذر اس پر جما سکتے ہیں۔ اسی وقت ہم خیالوں سے آزاد ہو کر اس کی تھیلی جانچ کر سکتے ہیں۔

زندگی ایک جھوٹا درخت ہے، جس کی تصویر کوئی بدلا نہیں آتا۔ ہم تو صرف اس کی زندگی ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ اس کے لہاؤ نے تاج سے لطف اٹھا لیا ہے۔

گذر جانے کے بعد ہی ہم چیزوں کی کلیڈا اور ان کی جانچ کر سکتے ہیں ان کی خوبصورتی کو جان سکتے ہیں۔ اس کی زبردست گہرائی کو محسوس کر سکتے ہیں۔

زنداشت میں طوفان کو یاد نہیں رہتا۔ راجنیتک پہل پتیل کا نشان تک نہیں ہوتا اور ہم پر آجکل جو گذر رہی ہے، اس کی یاد ہم سے بہت دور ہوتی ہے۔ کھانے کمانے کے لئے لہجہ، انسانیت کا شاندار جیون سکرام اور اپنی حالت کی بہتری اور حق کے لئے جنگ ہماری یاداشت سے سب بہت دور ہوتے ہیں۔ یاد دل کے سارے زخموں کو بھر دیتی ہے، سب مت بہت مت جاتے ہیں کیونکہ یاد جو تھکے ہوئے دلوں کو لڑائی سے کر سکتی ہے، انصاف کو عزیز ہے۔



## इफ़लास

डाक्टर असर मीनाई

कल सरे राह<sup>१</sup> जमाने ने तमारा देखा,  
एक इन्सान को फ़ाक़ों से तड़पता देखा.  
पेट तलवार की मानिन्द खिंचा भीठ तलक,  
ऐसी तस्वीर कि था लज्जा<sup>२</sup> बरअन्वाम<sup>३</sup> फ़लक<sup>४</sup>.  
खिन्दगी कर्ब<sup>५</sup> से दम तोड़ रही थी ऐसे,  
राहे उलक<sup>६</sup> त<sup>७</sup> में तड़पता हुआ बिस्मिल<sup>८</sup> जैसे.  
ऐसी तस्वीर का हर शक़्स तमाराई था,  
मरता इन्सान भी खिन्दों का मगर भाई था.  
मौत का था ये तक्काजा<sup>९</sup> कि रगे जाँ न रहे,  
बहरी<sup>१०</sup> ताने हुए तलवार कि इन्साँ न रहे.  
बहरे इन्बाद<sup>११</sup> कोई दस्ते हमैयत<sup>१२</sup> न बदा,  
और बिस्मिल का उधर खात्मा बिल्खैर<sup>१३</sup> हुआ.  
मेरे दिल पर बह असर था कि जुबों थी ख़ामोश,  
मुजमहिल<sup>१४</sup> हो गए आजा<sup>१५</sup> कि रहा कोई न होश.  
कितने मुफलिस<sup>१६</sup> यों ही रोखाना गुजर जाते हैं,  
यानी इफ़लास<sup>१७</sup> से बेमौत ही मर जाते हैं.  
कशमकशहाए<sup>१८</sup> जुनूँ चाहिये जीने के लिये,  
एक तूफ़ान है दरकार<sup>१९</sup> सफ़ीने<sup>२०</sup> के लिये.  
बो जुनूँ खेज़िये<sup>२१</sup> पैहम<sup>२२</sup> जो सलासिल<sup>२३</sup> तोड़े,  
मौजे तूफ़ान है जो सीनए सादिल<sup>२४</sup> तोड़े.  
अन्नल बेदार<sup>२५</sup> है इन्सान समझदार है आज  
अपने बस में है 'असर' ऐसी तबाही का इलाज

## अफ़्लास

डाक्टर अरमिदाई

کل سر راه زمانے نے تماشا دیکھا  
ایک انسان کو فاقوں سے توپتا دیکھا.  
پہٹ تلوار کی مانند کھینچا پیٹہ تلک  
ایسی تصویر کہ تھا لڑکا ہر اندام تلک.  
زندگی کرب سے دم توڑ رہی تھی ایسے  
راہ اذیت میں توپتا ہوا بے مل جسے.  
ایسی تصویر کا ہر شخص تماشا بنی ہوا  
موتا انسان بھی زندگیوں کا مگر بھائی تھا.  
موت کا تھا یہ تقاضا کہ رگ چاں نہ رہے  
وحشی تانے ہوا تلوار، انسان نہ رہے.  
بہر آمداد کوئی دست حمایت نہ پڑے  
اور بے مل کا ادھر خاتمہ بالخیر ہوا.  
مہرے دل پر وہ اثر تھا کہ وہاں تھی خاموشی  
مہمکھل ہو گئے اُنہ کہ بھا کوئی نہ ہوئی.  
کنہے مہلاس بونہی روزانے گذر جاتے ہیں  
یعنی اُفلاس سے بے موت ہی مر جاتے ہیں.  
کشمکشہائے جلوں چاہئے جیتنے کے لئے  
ایک طرفان ہے درکار سفیلے کے لئے.  
وہ جاوں خیزئی بہم جو سلسل تہرے  
موج طوفان ہے جو سینے ساحل تہرے.  
مفل بیدار ہے انسان سمجھدار ہے آج  
اپنے بس میں ہے 'اثر' ایسی تباہی کا علاج

१—माणों में, २—थरिया हुआ, ३—आकाश, ४—बेचैनी, ५—प्रेम, ६—घायल, ७—तगावा, ८—प्राण की नस,  
९—जङ्गली, १०—सहायता के लिये, ११—सहायता का हाथ, १२—सूट्यु, १३—ढीले, १४—अंग, १५—निर्धन,  
१६—निर्धनता, १७—खींच तान, १८—आवश्यकता, १९—बेड़ा, २०—पागलपन, २१—लगातार, २२—बँधन, २३—तोड़  
२४—जामत.

یہ وہ پڑھ موم بھی جس پر سن 1857 کی آزادی  
نے کائنات کا سرچن ہوا۔ ایک ہوجہ کی کوئی اس کی تصویر  
کہ پہنچتا ہوا کہتا ہے:—

بہا اکالہ روم دےوا ما باڈے،  
بپتا کے باڈل گدگد بولے!  
دھوا کے ندیا اگم جلا پنیوا،  
جولم کے دھوا سن سن دھولے!

اور تب یہ گرام کوئی ساہس بتور نہ پیشینگوئی کرتا  
ہے کہ:—

اب تو نہ تھا نہ پہچانہ بدیسیا،  
'رام نام ست' اب ندیا میں ہولے!

آج جب ہم سن 1857 کی آزادی کی لڑائی کا  
سالہا جشن، شتاہدی سماروہ، منا رہے ہیں تو وہ پیشینگوئی  
کتنی سچ بنی ہوئی ہے۔

[اس لہجہ کے کہنے میں ہمیں بھائی پرکش چلند جی  
گہٹ شری بھائی لال چٹوال، سرو، سریش سنگھ، شری وچلہ  
شریمنی سوشل دیوی آدی سے انمول سہايتا ملی—لوہک]

اب تو نہ تھا نہ پہچانہ بدیسیا،  
'رام نام ست' اب ندیا میں ہولے!

آج جب ہم سن 1857 کی آزادی کی لڑائی کا  
سالہا جشن، شتاہدی سماروہ، منا رہے ہیں تو وہ پیشینگوئی  
کتنی سچ بنی ہوئی ہے۔

[اس لہجہ کے کہنے میں ہمیں بھائی پرکش چلند جی  
گہٹ شری بھائی لال چٹوال، سرو، سریش سنگھ، شری وچلہ  
شریمنی سوشل دیوی آدی سے انمول سہايتا ملی—لوہک]

[اس لہجہ کے کہنے میں ہمیں بھائی پرکش چلند جی  
گہٹ شری بھائی لال چٹوال، سرو، سریش سنگھ، شری وچلہ  
شریمنی سوشل دیوی آدی سے انمول سہايتا ملی—لوہک]

## غلامی کے ساتھ مانوتا کی مہرتا

شری عبدالعلیم انصاری

آزادی آگئی۔ آزادی آنے کے معنی غلامی چلی گئی۔  
لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غلامی کے ساتھ مانوتا بھی گئی۔ کیا  
غلامی ایسی ہی اچھی چیز تھی کہ مانوتا جیسی شدہ اور سندر  
چیز کو وہ اپنے ساتھ لے جائے یا مانوتا خود اس کے ساتھ ہو گئی  
کہول اس کی اچھائی کے کارن—ہرگی اس میں ضرور کوئی  
خوبی اور اچھائی، ورنہ مانوتا کو تو آزادی کا ہی ساتھ دینا  
چاہئے تھا۔ ہلا مانوتا کے آزادی کیسی سوتی سوتی اور پرورق  
سی ہے! کتنا بھانک پن ہے اس کے واندن میں!

مانوتا نے اپنے اثر سے غلامی کو انسانیت کے قاب میں ڈھالا  
تھا۔ تہذیب کا جامہ پہنایا تھا۔ جب غلامی مانوتا کے رنگ  
روپ میں اچھی طرح ڈھل گئی تو اس نے اس سے دوستی  
گاتھی۔ اس کی دوستی بھی دو سو برس پرانی اور تاریخی  
دوستی تھی۔ اس پرانی دوستی کے ناتے یہ اس کے ساتھ ہو  
لی۔ دوستی کا حق بھی ادا کیا اور مشرقی رواداروں کو بھی  
نبھایا۔ ہم ایسا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے مگر یہ ایک نئے  
پرکار کا انوہو جو ہم کو ہوا ہے اس کی ہلا پر کوئی شک اور  
شکا کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے اب۔

## غلامی کے ساتھ مانوتا کی مہرتا

شری عبدالعلیم انصاری

آزادی آگئی۔ آزادی آنے کے معنی غلامی چلی گئی۔  
لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غلامی کے ساتھ مانوتا بھی گئی۔ کیا  
غلامی ایسی ہی اچھی چیز تھی کہ مانوتا جیسی شدہ اور سندر  
چیز کو وہ اپنے ساتھ لے جائے یا مانوتا خود اس کے ساتھ ہو گئی  
کہول اس کی اچھائی کے کارن—ہرگی اس میں ضرور کوئی  
خوبی اور اچھائی، ورنہ مانوتا کو تو آزادی کا ہی ساتھ دینا  
چاہئے تھا۔ ہلا مانوتا کے آزادی کیسی سوتی سوتی اور پرورق  
سی ہے! کتنا بھانک پن ہے اس کے واندن میں!

مانوتا نے اپنے اثر سے غلامی کو انسانیت کے قاب میں ڈھالا  
تھا۔ تہذیب کا جامہ پہنایا تھا۔ جب غلامی مانوتا کے رنگ  
روپ میں اچھی طرح ڈھل گئی تو اس نے اس سے دوستی  
گاتھی۔ اس کی دوستی بھی دو سو برس پرانی اور تاریخی  
دوستی تھی۔ اس پرانی دوستی کے ناتے یہ اس کے ساتھ ہو  
لی۔ دوستی کا حق بھی ادا کیا اور مشرقی رواداروں کو بھی  
نبھایا۔ ہم ایسا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے مگر یہ ایک نئے  
پرکار کا انوہو جو ہم کو ہوا ہے اس کی ہلا پر کوئی شک اور  
شکا کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے اب۔



ہو گئے کنگال ہو بیہوشی تو رہے رجوا میں؛ ٹھیک ۔

سونا کے تھالی چھوڑ کر چھوڑا چھوڑا رہا میں؛

تھوڑے کے تھوڑے کے تھوڑے کٹول مچل ہو ۔ ویدسی تو رہے ...

بھارت کے لوگ آج دانا بنا تو رہے ہیں؛

لندن کے کنگا آراویں مچا مال ہو ۔ ویدسی تو رہے ۔

ایسی آگ کی صورت میں سن 57 کی تحریک شروع ہوئی۔ اسے دبانے کے لئے کمپنی کی سرکار نے جو ظلم اور انہی کی اس سے تحریک تو دب گئی، ہندوستان میں کے دل میں تو یہ تو بیٹھ گیا لیکن پھر دور نہ ہو سکی ۔ رسراج کی کہتے ہیں :—

غیر غلام عمار اُنہوں میں سکاروں میں سکرے جگ جانی؛

کہتے انہی انہی کی کہتے سب ہندی پرچاہ پٹے میں پٹے ماسی ۔

دیش کی اس سہ کی حالت پر سنگالین کوئی 'پریم دھن' لکھتے ہیں :—

بھاگو بھاگو اب کل پڑا ہے بھاری؛  
بھارت پر گھمرو گھمراہت کی گاری ۔  
سب گئے ہنچ وپار انہیں سو بھائی؛  
ادیم پور دھن نسی دینے بلانے ابھائی ۔  
اب بچی بچتی بھتی ہو کسک لگی؛  
چار ہوں دس لگی ہے مہنگی کی آگی ۔  
سائنہ چلائیں سب پرچا بھتی بھکاری؛  
بھاگو بھاگو اب کل پڑا ہے بھاری ۔

بھاگو بھاگو اب کل پڑا ہے بھاری؛  
بھارت پر گھمرو گھمراہت کی گاری ۔  
سب گئے ہنچ وپار انہیں سو بھائی؛  
ادیم پور دھن نسی دینے بلانے ابھائی ۔  
اب بچی بچتی بھتی ہو کسک لگی؛  
چار ہوں دس لگی ہے مہنگی کی آگی ۔  
سائنہ چلائیں سب پرچا بھتی بھکاری؛  
بھاگو بھاگو اب کل پڑا ہے بھاری ۔

آگرےزی راج میں بھارت کی دردنا کی ایک دوسری جھانکی بھارتیوں کے شہدوں میں دیکھیں :—

کل کے کلبل چھان سوں چالے اُنہ کے لوگ؛  
نت نت دھن سو گھمراہت ہے بازہت میں دھن سوگ ۔  
مارکھن ملل بنا چلت کچھو نہیں کام؛  
پردیسی جھٹھن کے مانہو بہتہ ظلم ۔  
وسٹر کانچ کفن قلم چتر کھولے آدی؛  
اوت سب پردیس سوں نت میں جھان لانی ۔

اُس زمانے کے بلگالی دیہی بھکت بھگتہ کوانتی کے محض لیکچر اور تقریروں کے ذریعہ دیہی کی حالت سدھارنے پر اعتقاد رکھتے تھے ۔ ان پر بھتی کسمے ہونے پر تپ ناراین مشر کہتے ہیں :—

سب سے لیتے جات آگرےزی،  
ہم کہتے 'لکچر' کے توج۔  
شم بن باتیں کا کرتی ہیں،  
کہوں لیکن گلچیں کرتی ہیں ۔  
اپلو کام اپنے ہی ہاتھ بھال ہوئی؛  
پردیشن پردھرمی نے آٹا نہیں کوئی ۔

سب سے لیتے جات آگرےزی،  
ہم کہوں 'لکچر' کے توج ۔  
شم بن باتیں کا کرتی ہیں،  
کہوں لیکن گلچیں کرتی ہیں ۔  
اپلو کام اپنے ہی ہاتھ بھال ہوئی؛  
پردیشن پردھرمی نے آٹا نہیں کوئی ۔

“جیس مچھلی اور پیرز کے ساتھ ساتھ اس بات کی ہدایت کر رہا ہے وہ سچ ہے۔ وہ ہمارا سب سے چتر شہر ثابت ہوا۔ بچھلے ایک برس سے اُس نے مدینہ بھارت اور مدینہ پر دیکھی میں تھکے مچا رکھا ہے۔ وہ ہمارے فوجی پڑاؤں کی روند ڈالتا ہے، خواتین کو لبت لبتا ہے اور ہماری مہکزیلوں کو خالی کر دیتا ہے۔ اُس نے فوجیں جمع کیں اور کھڑی ہوں، لڑائیوں کی میں اور ہماری ہوں، تپیں حاصل کی ہوں اور انہیں کھو پا ہے۔ اُس کے فوجی کچھ ایلے تیز ہوتے ہیں جیسے بجلی کوندہ جاتے۔ اُنہوں وہ تیس تیس اور چالیس چالیس میل کے حساب سے کوچ کرتا ہے، کبھی فرما کے اس پار اور کبھی اُس پار۔ ہماری درجوں فوجوں کے کبھی وہ بچے سے نکل جاتا ہے، کبھی پیچھے سے اور کبھی دائیں سے اور کبھی بائیں سے، کبھی کھڑیوں سے اور کبھی دلدلوں سے۔ ہماری اُٹم لاف فوج اُسے پکڑنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ ہاتھ نہیں آتا۔“

ظاہر ہے ایسا ادھت ویر کریں کے لئے پڑنا کا سروت ہیں جانا۔ لیکن افسوس ہے اب تک ہمیں سوائے ایک کوہا کے تانیا سے سہولت کوئی سکاڑن کوہا نہیں ملی۔ کوئی نے جو کانہور کا نواسی ہے، بھارت واسیوں سے تانیا کی پکار عرض کی ہے۔ کوئی کے شہدوں میں تانیا کہتے ہیں کہ ایک کمان، ایک چھنڈا، ایک حکیمہ اتوشاسن کا پانن کرنے سے ہی دیہی کا آدمار ہو سکتا ہے۔ ہم دیہی کا مانن بچالے کے لئے اپنی جتنوں کو گنوالے کے لئے تیار رہیں تبھی وہ پیشوں کا ستکار ہوگا اور تبھی سچی شانتی یا امن قائم ہوگا۔ گیت کے بول ہیں :-

سارو ویرو، تانیا کی پکار ہو !

ایکے نسلو ہو رام،

ایکے کملا ہو رام،

ایکے حکمو ہو رام،

تہہ دیسوا کے ہوئی آدمار ہو !

جائے پرنوا ہو رام،

بچے دیسوا کے ملو ہو رام،

تہہ چھائی ملو ہو رام،

تہہ ہوئی فرنگیا ستار ہو !

سُنو باری، تانیا کی پکار ہو !  
 ایکے نیشنوا ہو رام،  
 ایکے کمنوا ہو رام،  
 ایکے دھکموا ہو رام،  
 تہہ دیسوا کے ہوئے اڈار ہو !  
 جاتے پرنوا ہو رام،  
 بچے دیسوا کے مانوا ہو، رام،  
 تہہ چھائی کمنوا ہو رام،  
 تہہ ہوئے فرنگیا ستار ہو !

سن 1757 کی پلاسی کی لڑائی کے بعد 1857 تک ईस्ट इंडिया कंपनी की आर्थिक या इकतसादी नीति ने सारे देश को कङ्काल बना दिया था. आये दिन भुखमरी और मौत सर पर नाच रही थी. सन 1765 में जब से दीवानी के अधिकार कंपनी को मिले थे उसकी लगान नीति ने अनगिनत किसानों को खेत छोड़कर भाग जाने पर मजबूर कर दिया था. उद्योग-धन्धे नष्ट हो रहे थे और क्रूर सर पर मंडरा रहा था. देश की इस आर्थिक स्थिति की तस्वीर खींचते हुए एक कवि कहता है :-

سن 1757 کی پلاسی کی لڑائی کے بعد 1857 تک ایسٹ اینڈیا کمپنی کی اُرتھک یا اقتصادی نیٹی نے سارے دیہ کو کنگال بنا دیا تھا۔ اُنہ دن بھمری اور موت سر پر ناچ رہی تھی۔ سن 1765 میں جب سے دیوانی کے ادھیکار کمپنی کو ملے تھے اُس کی لگان نیٹی نے انگلت کسانوں کو کھیت چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اُدیوگ دھندے نشٹ ہو رہے تھے اور قحط سر پر منڈرا رہا تھا۔ دیہی کی اِس اُرتھک لکھتی کی تصریر کھینچتے ہوئے ایک کوئی کہتا ہے :-

مध्य भारत پر انگریزوں نے جب فیر سے قبضہ کیا اور نئیجے میں دیہی واسیس کو ظام سہلہ پڑے، اسے مالوہ لوک گیتوں میں ایک 'آفٹ' اور 'کالی بدلی' کہہ کر یاد کیا گیا ہے :—

دیس پر آفٹ بھگتی ہو،  
دیس پر آفٹ بھگتی ہو،  
دوبی فیرگی راج،  
بادلی کالی بھگتی ہو۔

آبادی کی جگہ میں جب اپنی طاقت کو کافی نہیں سمجھا گیا تو دیوی دیوتاؤں کی مدد کے لئے بھی دعا مانگی گئی۔ اس طرح کی ایک مثال ہمیں مدھیہ پردیش کے کوی کے بول میں ملتی ہے۔ بابو کنور سنگھ کے پروتساحن سے جہانور کے گوند راجہ شکر شاہ اور ان کے چھوٹے بھائی شکر شاہ کے گوند پڑے۔ کوی ان کی کلمہ پڑھنے کے لئے کالی مائی سے پوچھتا کہ ان کو دے کہ شکر شاہ کا ایک ایک سہاوی ایسا طاقتور بن جائے کہ ان کے دشمنوں کا مقہ بلن کر سکے۔ بول کے شبد ہیں :—

تو ہے شتر وناشن مائی !  
کر شتر سہار مہیا !  
شکر شاہ ہے داس تیارا  
داس کا رخلے مان مہیا !  
آج فیرگی بچنے نہ پائے  
گھ کر میں تلوار مہیا !  
شکر کا ایک ایک لہڑیہ  
کر تو اسے ہزار مہیا !  
مائی کالی کا بنے راجچنڈی  
بہ رخیر کی پھر مہیا !  
اب دہری کا کام نہیں ہے  
بھارت کرے پکار مہیا !  
بھنکر آرت گھار مہیا  
اب تو اسے بھتار مہیا !

کالیکا نے کڑی کی پکار سنی یا نہیں لیکن بلیدان کی دہری نے شکر شاہ کی پکار سنی۔ جہانور کے پیر کے میدان میں شکر شاہ اور ان کا پتر اور سیکڑوں دیہی بھکت سیکر ٹپ کے ساتھ ہاتھتار آرا دئے گئے۔ جن لوگوں نے اس نظارہ کو دیکھا ہے وہ سوچ کر کہیں کہیں شکر شاہ اور ان کے ساتھی جب ٹپ کے ساتھ سے آئے تھے تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

اقتباس لکھک سر جان کے کے انوسار تاتیا تاتیا کے سکرول کے قابل سے قابل مسکراہٹوں میں سے تھے۔ آزادی کی لڑائی شروع ہونے سے لیکر اپنی پچاسی کے دن تک، یعنی 18 اپریل سن 1859 تک تاتیا بھارتی اور بھارتیہ انگریز حکومت سے مزاحمت کرتے رہے۔ 17 جنوری سن 1859 کو لندن وائس نے لکھا تھا :—

مذہبہ بھارت پر انگریزوں نے جب پھر سے قبضہ کیا اور نئیجے میں دیہی واسیس کو ظام سہلہ پڑے، اسے مالوہ لوک گیتوں میں ایک 'آفٹ' اور 'کالی بدلی' کہہ کر یاد کیا گیا ہے :—

دیس پر آفٹ بھگتی ہو،  
دیس پر آفٹ بھگتی ہو،  
دوبی فیرگی راج،  
بادلی کالی بھگتی ہو۔

آزادی کی جنگ میں جب اپنی طاقت کو کافی نہیں سمجھا گیا تو دیوی دیوتاؤں کی مدد کے لئے بھی دعا مانگی گئی۔ اس طرح کی ایک مثال ہمیں مدھیہ پردیش کے کوی کے بول میں ملتی ہے۔ بابو کنور سنگھ کے پروتساحن سے جہانور کے گوند راجہ شکر شاہ اور ان کے چھوٹے بھائی شکر شاہ کے گوند پڑے۔ کوی ان کی کلمہ پڑھنے کے لئے کالی مائی سے پوچھتا کہ ان کو دے کہ شکر شاہ کا ایک ایک سہاوی ایسا طاقتور بن جائے کہ ان کے دشمنوں کا مقہ بلن کر سکے۔ بول کے شبد ہیں :—

تو ہے شتر وناشن مائی !  
کر شتر سہار مہیا !  
شکر شاہ ہے داس تیارا  
داس کا رخی لہ مان مہیا !  
آج فیرگی بچنے نہ پائے  
گھ کر میں تلوار مہیا !  
شکر کا ایک ایک لہڑیہ  
کر تو اسے ہزار مہیا !  
مائی کالی کا بنے راجچنڈی  
بہ رخیر کی پھر مہیا !  
اب دہری کا کام نہیں ہے  
بھارت کرے پکار مہیا !  
بھنکر آرت گھار مہیا  
اب تو اسے بھتار مہیا !

کالیکا نے کوی کی پکار سنی یا نہیں لیکن بلیدان کی دہری نے شکر شاہ کی پکار سنی۔ جہانور کے پیر کے میدان میں شکر شاہ اور ان کا پتر اور سیکڑوں دیہی بھکت سیکر ٹپ کے ساتھ ہاتھتار آرا دئے گئے۔ جن لوگوں نے اس نظارہ کو دیکھا ہے وہ سوچ کر کہیں کہیں شکر شاہ اور ان کے ساتھی جب ٹپ کے ساتھ سے آئے تھے تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

اقتباس لکھک سر جان کے کے انوسار تاتیا تاتیا کے سکرول کے قابل سے قابل مسکراہٹوں میں سے تھے۔ آزادی کی لڑائی شروع ہونے سے لیکر اپنی پچاسی کے دن تک، یعنی 18 اپریل سن 1859 تک تاتیا بھارتی اور بھارتیہ انگریز حکومت سے مزاحمت کرتے رہے۔ 17 جنوری سن 1859 کو لندن وائس نے لکھا تھا :—

راجستان میں سن 1857 کی آزادی کی تھریک کے لئے آڑا جاگیر کے تھاکر خوشحال سنگھ نے اس خطہ میں ہولی کے موقع پر آڑا تھاکر کے بھگن کی پرانی دھن اب بھی سنائی دیتی ہے :-

ٹول باجے، ٹالہ باجے، مہلو باجے باکیو، -  
 ارجٹ نے آو مارنے درواجے ناکیو،  
 جئے آڈو،  
 ہے آو جئے آڈو، آڈو مٹکوں میں باو آو،  
 جئے آڈو،

25 اگست سن 1857 کو پرانپورا اور ڈیسا کی ہندوستانی فوجوں نے بغاوت کردی اور آڑا سے ہو کر کوچ شروع کیا۔ ان فوجوں نے خوشحال سنگھ کو اپنا لیٹا اور کمانڈر بنایا۔ جودھپور کے راجا نے پولیٹیکل ایجنٹ، سر ہنری لایٹنس، کو فوجی مدد بھیجا دیہی بہت تھکانیداروں اورپ میں گولر، آلتھولس، لہیا اور بھولیا اور سامنتوں میں میوا کے سلوسیر و روپ نگر کے سامنتوں نے خوشحال سنگھ کا ساتھ دیا۔ جودھپور کا پولیٹیکل ایجنٹ کھٹن مہشن فوج لیکر آڑا گیا لیکن مارا گیا۔ انگریزی سہانا نے آڑا پر پھر دھاوا بولا لیکن خوشحال سنگھ کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ دشمن کے دو ہزار سونک نام آئے۔ انگریزوں کی اس ہار نے آڑا کو سن 57 کے آزاد ہندستان کے نقشہ میں چمکا دیا۔ احمد، نصیراباد، نمج اور مٹو کی چہانوں کی ہندوستانی فوجوں نے آزادی کا پگل بجا کر آڑا کی طرف کوچ کیا۔ لیکن ان فوجوں کے پہونچنے کے پہلے ہی تیسری ہار نے زبردست حملہ میں سہاراجے جودھپور کی مدد سے آڑا کی پرانی گدھی دھول میں ملا دی گئی۔ خوشحال سنگھ نے جنگوں میں پہونچ کر چہا مار لڑائی کا طریقہ اختیار کیا۔ کوٹھاربا کے راجا جودھ سنگھ نے خوشحال سنگھ کا پورا ساتھ دیا۔ راجستان کے ننگاں چارن کوہوں نے خوشحال سنگھ کی کھرتی کو گلوں گاڑیں میں پہونچا دیا۔ انہوں کا ایک دھوا

راجستان میں سن 1857 کی آزادی کی تحریک کے لئے آڑا جاگیر کے تھاکر خوشحال سنگھ نے اس خطہ میں ہولی کے موقع پر آڑا تھاکر کے بھگن کی پرانی دھن اب بھی سنائی دیتی ہے :-

ٹھول باجے، ٹھالی باجے، بھلو باجے ہانکھو،  
 اجٹ نے آو مارنے درواجے نا کھو،  
 جودھپور آڈو،  
 ہے آو جودھپور آڈو، آڈو سنگھ میں چارو آو،  
 جودھپور آڈو،

25 اگست سن 1857 کو پرانپورا اور ڈیسا کی ہندوستانی فوجوں نے بغاوت کردی اور آڑا سے ہو کر کوچ شروع کیا۔ ان فوجوں نے خوشحال سنگھ کو اپنا لیٹا اور کمانڈر بنایا۔ جودھپور کے راجا نے پولیٹیکل ایجنٹ، سر ہنری لایٹنس، کو فوجی مدد بھیجا دیہی بہت تھکانیداروں اورپ میں گولر، آلتھولس، لہیا اور بھولیا اور سامنتوں میں میوا کے سلوسیر و روپ نگر کے سامنتوں نے خوشحال سنگھ کا ساتھ دیا۔ جودھپور کا پولیٹیکل ایجنٹ کھٹن مہشن فوج لیکر آڑا گیا لیکن مارا گیا۔ انگریزی سہانا نے آڑا پر پھر دھاوا بولا لیکن خوشحال سنگھ کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ دشمن کے دو ہزار سونک نام آئے۔ انگریزوں کی اس ہار نے آڑا کو سن 57 کے آزاد ہندستان کے نقشہ میں چمکا دیا۔ احمد، نصیراباد، نمج اور مٹو کی چہانوں کی ہندوستانی فوجوں نے آزادی کا پگل بجا کر آڑا کی طرف کوچ کیا۔ لیکن ان فوجوں کے پہونچنے کے پہلے ہی تیسری ہار نے زبردست حملہ میں سہاراجے جودھپور کی مدد سے آڑا کی پرانی گدھی دھول میں ملا دی گئی۔ خوشحال سنگھ نے جنگوں میں پہونچ کر چہا مار لڑائی کا طریقہ اختیار کیا۔ کوٹھاربا کے راجا جودھ سنگھ نے خوشحال سنگھ کا پورا ساتھ دیا۔ راجستان کے ننگاں چارن کوہوں نے خوشحال سنگھ کی کھرتی کو گلوں گاڑیں میں پہونچا دیا۔ انہوں کا ایک دھوا

پھر دن آریاں رنگہ، ندیہ پور پوگو نام،  
 آڈو ٹھوسال، ل، گورے گلوں گم،

خوشحال سنگھ کے ساتھ ساتھ جودھ سنگھ کی بھی تعریف راجستانی کڑیوں نے لائی۔ باتکی کا ایک چہیتہ سلیں :-

مارے دوبہ اجٹ کھن مرو دھر روکھو،  
 پھر پوجاں چھوں آو، چور انگریجی دیو،  
 منکراں بیج پھر تو، سپر سلوسیر آو،  
 مرونا رارس منوں، کھن ٹرکر کے واپو،  
 پلتیا دیو دوجی دسا، سکا سرب ہی پلتیا،  
 کم دھج کھو سال چانہا ملک، راور جودھپور رکھا،

خوشحال سنگھ کے ساتھ ساتھ جودھپور کی بھی تاریک راجستانی کبھیوں نے گارے۔ بانگی کا ایک چہیتہ سلیں :-

مارے دیو ارجٹ کھن مہشر رو کیو،  
 فیر فوجاں بھو، اور اور اگریجا دیو،  
 مگراں بیج فیرتو، سہر سلوسیر آو،  
 سبھاں راورت سو، کھن نراکار کے باو،  
 پلٹیا دیو دوجی دسا، سگا سرب ہی پلٹیا،  
 کم دھج کھو سال چانہا ملک، راور جودھپور رکھا،

سگرے سیریلیوں کو پہا جلیبی، اپنے بھاڑے گڑبانہی،  
 ارے مائسی والی رانی، کھ لکھی مرادانی،  
 کھ سیرلیا باغے فیرنگی ہڈےڈو ملے نہی پانی،  
 ارے مائسی والی رانی، کھ لکھی مرادانی۔

اس زمانے کے ایسی طرح کے ایک گیت کے بول پر شریماتی  
 سوبدرا کمار کی چوہان نے اپنی مشہور کویتا لکھی ہے :—

بھگوان ہل اٹھ راج و نشن نے بھرتی تانی تھی،  
 بڑے بھارت میں بھی آئی یہ سے نئی چرائی تھی،  
 گئی 'وئی آزادی کی قیمت سب نے پہچانی تھی،  
 دور فرنگی کو کرنے کی سب نے من میں لپائی تھی،  
 چمک اٹھی سن ستاروں میں وہ تلوار پرانی تھی،  
 بادیلے ہر دلوں کے مکہ ہم نے سلی کہانی تھی،  
 خوب لڑی مردانی وہ تو جہانسی والی رانی تھی !  
 اسی کویتا کے وزن پر ایک دوسرے آہونک کوئی لے کر

لکھ پر ایک ترانہ لکھا :—  
 ہستی کر تھی چھڑی راگنی آزادی کا گانا تھا،  
 بھارت کے کونے کونے میں ہوتا بھی ترانا تھا،  
 ادھر کھڑی تھی لکشمی بائی اور پیشوا نانا تھا،  
 ادھر بھاری دیر بالکرا کھڑا ہوا مستانا تھا،  
 اسی برسوں کی ہڈی میں جاگا جوش پرانا تھا،  
 سب کرتے تھے کٹر دیر سنگ بھی بڑا دیر مردانا تھا۔

اسی کویتا کے وزن پر ایک دوسرے آہونک کوئی لے کر  
 لکھ پر ایک ترانہ لکھا :—  
 ہستی کر تھی چھڑی راگنی آزادی کا گانا تھا،  
 بھارت کے کونے کونے میں ہوتا بھی ترانا تھا،  
 ادھر کھڑی تھی لکشمی بائی اور پیشوا نانا تھا،  
 ادھر بھاری دیر بالکرا کھڑا ہوا مستانا تھا،  
 اسی برسوں کی ہڈی میں جاگا جوش پرانا تھا،  
 سب کرتے تھے کٹر دیر سنگ بھی بڑا دیر مردانا تھا۔

1857 کے کچھ برس پہلے راجستھان کی ابدی یا  
 ساہتیہک دنیا میں بھڑی کے مہاکوی سورجمل مہاسن  
 سورج کی طرح چمک رہے تھے۔ انہوں نے راجستھان کے راجاؤں، سرداروں،  
 سرداروں اور جاگیرداروں کا جگانے کے لیے اپنی مہاکوی  
 کتاب 'بیر ساتسہ' کی رचना کی۔ سن 1856 میں  
 انہوں نے ایک خط میں لکھا :— "مہارو  
 بچن راج یاد رکھو گا کہ جی اب کے اچھے رہے تو  
 ہ' کا گایا ہی پورے کرسی۔ جی کا ٹاکر کوئی نہ  
 رہسی۔ سب ہ' ساہی ہو جاسی۔ تیسوں دیرنہسی  
 بچارے تو کایو کوئی کے بھی نہیں، پرنکو  
 اپنا آجہو دن ہوئے تو چارے اور راجہ جسو  
 سوئے ہمارے ہوئے تو ہرائی ترو کے لکھی  
 چارے، تھیں تھری میں بہت جان ہسی۔"

'بیر ساتسہ' میں انہوں نے بکلیک ہوکر راجاؤں سے  
 کہا :—

ہک ہکی گینا ہکری، بھلے کول ساہاب،  
 سہاں آلاس ہس میں، بکج ہماہی آہا۔

یانی تومنے تو بیدیشیوں کی فرماہرہاری کو  
 ہی سب کچھ مان لیا۔ آجادی کا اپنا راستا  
 بھولکر ان کے بتائے ہوئے راستے کو ہی اپنا  
 راستا سمجھ لیا۔ ارے بھو شریو ! تومنے  
 آلاس اور ہسہ آراسم میں ہی اپنی  
 بھل کو ہی !

ارے جہانسی والی رانی، خوب لڑی مردانی۔  
 چہرے موزجہ ہماہ پورنگی، دھونڈے ملے ناہیں پانی،  
 ارے جہانسی والی رانی، خوب لڑی مردانی۔  
 اس زمانے کے ایسی طرح کے ایک گیت کے بول پر شریماتی  
 سوبدرا کمار کی چوہان نے اپنی مشہور کویتا لکھی ہے :—  
 بھگوان ہل اٹھ راج و نشن نے بھرتی تانی تھی،  
 بڑے بھارت میں بھی آئی یہ سے نئی چرائی تھی،  
 گئی 'وئی آزادی کی قیمت سب نے پہچانی تھی،  
 دور فرنگی کو کرنے کی سب نے من میں لپائی تھی،  
 چمک اٹھی سن ستاروں میں وہ تلوار پرانی تھی،  
 بادیلے ہر دلوں کے مکہ ہم نے سلی کہانی تھی،  
 خوب لڑی مردانی وہ تو جہانسی والی رانی تھی !  
 اسی کویتا کے وزن پر ایک دوسرے آہونک کوئی لے کر

لکھ پر ایک ترانہ لکھا :—  
 ہستی کر تھی چھڑی راگنی آزادی کا گانا تھا،  
 بھارت کے کونے کونے میں ہوتا بھی ترانا تھا،  
 ادھر کھڑی تھی لکشمی بائی اور پیشوا نانا تھا،  
 ادھر بھاری دیر بالکرا کھڑا ہوا مستانا تھا،  
 اسی برسوں کی ہڈی میں جاگا جوش پرانا تھا،  
 سب کرتے تھے کٹر دیر سنگ بھی بڑا دیر مردانا تھا۔

1857 کے کچھ برس پہلے راجستھان کی ابدی یا  
 ساہتیہک دنیا میں بھڑی کے مہاکوی سورجمل مہاسن  
 سورج کی طرح چمک رہے تھے۔ انہوں نے راجستھان کے راجاؤں، سرداروں،  
 سرداروں، اور جاگیرداروں کو جگانے کے لیے اپنی مشہور کتاب  
 'بیر ساتسہ' کی رचना کی۔ سن 1856 میں انہوں نے ایک خط میں  
 لکھا :— "مہارو بچن راج یاد رکھو گا کہ جی اب کے اچھے رہے تو  
 ہ' کا گایا ہی پورے کرسی۔ جی کا ٹاکر کوئی نہ رہسی۔ سب  
 ہ' ساہی ہو جاسی۔ تیسوں دیرنہسی بچارے تو کایو کوئی کے بھی  
 نہیں، پرنکو اپنا آجہو دن ہوئے تو چارے اور راجہ جسو سوئے  
 ہمارے ہوئے تو ہرائی ترو کے لکھی چارے، تھیں تھری میں بہت  
 جان ہسی۔"

'بیر ساتسہ' میں انہوں نے بکلیک ہوکر راجاؤں سے  
 کہا :—

ہک ہکی گینا ہکری، بھلے کول ساہاب،  
 سہاں آلاس ہس میں، بکج ہماہی آہا۔

یانی تومنے تو بیدیشیوں کی فرماہرہاری کو ہی سب کچھ  
 مان لیا۔ آجادی کا اپنا راستہ بھولکر ان کے بتائے ہوئے  
 راستے کو ہی اپنا راستہ سمجھ لیا۔ ارے بھو شریو ! تومنے  
 آلاس اور ہسہ آراسم میں ہی اپنی بھل کو ہی !

करते हैं. उनके बिहार पहुँचने पर एक के बाद एक मराठूर अंगरेज कमान्डरों के मातहत अङ्गरेजी सेनायें उन्हें हराने के लिये भेजी जाती हैं. कप्तान इनवर, मेजर आयर, मेजर मिलमैन, कर्नल डेम्स, लार्ड मार्क, जनरल लगरैड, जनरल डगलस, और जनरल लीमैड—सब को जिल्लत के साथ हारकर पीछे हटना पड़ा. इनमें से एक मोरचे का जिक्र करते हुये एक अंगरेज कमान्डर खुद लिखता है—“हम मैदान छोड़कर भागे. कुँअर सिंह पंछ से बराबर हमला करते रहे. हमारी जिल्लत की कोई हद नहीं रही, हमारी विपत्ता का वारापार न रहा. हममें से किसी में शर्म तक बाक़ी न रही. जिधर जिसका सींग समाया वह उधर भागा. बाहिर है ऐसा रणवाँकुरा बहादुर वीर कवियों का ध्यान अपनी तरफ खींचता. भोजपुरी में दर्जनों कविताएँ हैं जो कुँअर सिंह पर लिखी गई हैं. कवि रोखावत के बोल देखें:—

जानत सकल बहान बाबू कुँअरसिंह मरदान को,  
बोखावत कहत बहान जेहि बिधि लख्यो फिरंग से.

चरबी के कारतूस का जिक्र करते हुये कुँअर सिंह अपने भाई अमर सिंह से आ कुछ कहते हैं वह एक दूसरे कवि के बोल में देखें:—

लिखि लिखि पतिया के मेखलन, कुँअरसिंह,  
ए छल अमर सिंह, अमर सिंह भाय हो राम !  
चमका के टोडवा दाँत से हो काटे कि,  
छतरी के धरम नसाय हो राम !!  
बाबू कुँअरसिंह ओ भाई अमरसिंह,  
दोनों अपने हैं भाय हो राम !  
पतिया के कारन से बाबू कुँअरसिंह,  
फिरंगी से रेव बचाव हो राम !!

बाबू कुँअरसिंह की तरह महारानी लक्ष्मीबाई भी पिछली एक सदी से आजादी के दीवानों के लिये उम्मीदों का सरचरमा साबित हुई हैं. रानी लक्ष्मीबाई ने मैदाने जङ्ग में आठ आठ अंगरेजी सेनाओं का बहादुरी के साथ मुकाबला किया. एक तरफ मराठूर अंगरेज जनरल और दूसरी तरफ बाईस बरस की रानी ! मगर उसने वह बहादुरी दिखाई कि बड़े से बड़े अंगरेज सूरमा के दाँत खट्टे कर दिये. आखिर में ग्वाल्थर के मैदान में रानी लड़ते लड़ते खेन रही मौत की देवी ने रानी के गले में कयमाला डाली. भारत की विविध भाषाओं के कवियों का रानी ने अपनी ओर खींचा है. बुंदेलखंड के गाँव-गाँव में चारणों और हरबोलों ने रानी की कीर्ति गाथा गई है. इनमें से एक गीत की लाइनें ये हैं:—

खर लखी मरदानी, अरे माँदी वाली रानी,  
हरजन हरजन तोपें लगाव दई, गोला बरसाए आसमानी,  
अरे माँदी वाली रानी, खर लखी मरदानी.

करते हैं. उन के बेहार पहुँचने पर एक के बाद एक मराठूर अंगरेज कमान्डरों के मातहत अङ्गरेजी सेनायें उन्हें हराने के लिये भेजी जाती हैं. कप्तान इनवर, मेजर आयर, मेजर मिलमैन, कर्नल डेम्स, लार्ड मार्क, जनरल लगरैड, जनरल डगलस, और जनरल लीमैड—सब को जिल्लत के साथ हारकर पीछे हटना पड़ा. इनमें से एक मोरचे का जिक्र करते हुये एक अंगरेज कमान्डर खुद लिखता है—“हम मैदान छोड़कर भागे. कुँअर सिंह पंछ से बराबर हमला करते रहे. हमारी जिल्लत की कोई हद नहीं रही, हमारी विपत्ता का वारापार न रहा. हममें से किसी में शर्म तक बाक़ी न रही. जिधर जिसका सींग समाया वह उधर भागा. बाहिर है ऐसा रणवाँकुरा बहादुर वीर कवियों का ध्यान अपनी तरफ खींचता. भोजपुरी में दर्जनों कविताएँ हैं जो कुँअर सिंह पर लिखी गई हैं. कवि रोखावत के बोल देखें:—

जानत सकल बहान बाबू कुँअरसिंह मरदान को,  
बोखावत कहत बहान जेहि बिधि लख्यो फिरंग से.

चरबी के कारतूस का जिक्र करते हुये कुँअर सिंह अपने भाई अमर सिंह से आ कुछ कहते हैं वह एक दूसरे कवि के बोल में देखें:—

ले लख पतिया के मेखलन, कुँअरसिंह,  
ए छल अमर सिंह, अमर सिंह भाय हो राम !  
चमका के टोडवा दाँत से हो काटे कि,  
छतरी के धरम नसाय हो राम !!  
बाबू कुँअरसिंह ओ भाई अमरसिंह,  
दोनों अपने हैं भाय हो राम !  
पतिया के कारन से बाबू कुँअरसिंह,  
फिरंगी से रेव बचाव हो राम !!

बाबू कुँअरसिंह की तरह महारानी लक्ष्मीबाई भी पिछली एक सदी से आजादी के दीवानों के लिये उम्मीदों का सरचरमा साबित हुई हैं. रानी लक्ष्मीबाई ने मैदाने जङ्ग में आठ आठ अंगरेजी सेनाओं का बहादुरी के साथ मुकाबला किया. एक तरफ मराठूर अंगरेज जनरल और दूसरी तरफ बाईस बरस की रानी ! मगर उसने वह बहादुरी दिखाई कि बड़े से बड़े अंगरेज सूरमा के दाँत खट्टे कर दिये. आखिर में ग्वाल्थर के मैदान में रानी लड़ते लड़ते खेन रही मौत की देवी ने रानी के गले में कयमाला डाली. भारत की विविध भाषाओं के कवियों का रानी ने अपनी ओर खींचा है. बुंदेलखंड के गाँव-गाँव में चारणों और हरबोलों ने रानी की कीर्ति गाथा गई है. इनमें से एक गीत की लाइनें ये हैं:—

खर लखी मरदानी, अरे माँदी वाली रानी,  
हरजन हरजन तोपें लगाव दई, गोला बरसाए आसमानी,  
अरे माँदी वाली रानी, खर लखी मरदानी.

موت سے تمہارے پتا کو بڑا رنج ہوگا۔“ لال پرتاپ نے جواب دیا —  
 ”چاچا! جی میں اپنے پتا کو جانتا ہوں۔ میرے مرے پر نہیں بلکہ  
 میرے لڑتے چلنے پر اُنہیں دکھ ہوگا۔ آپ مرنے میں پڑ کر مجھے  
 فرض ادا کرنے سے نہ روکوں۔“ یہ کہہ کر وہ بہادر نوجوان تلوار لے کر  
 دشمنوں پر ٹوٹ پڑا اور لڑتے لڑتے دیر گئی پائی۔ چاندی کی  
 اس مشہور لڑائی کا بہانہ اُس کے ساتھ کے جن کو پراگ نے  
 اپنے اس چھند میں کیا ہے:—

شہرمان لال پرتاپ چاندی میں چریو رندھیو ہے  
 ہاتھ بستم ہاتھ کے سنگ میں سپاہی دیر ہے !  
 پابو حکم جب لال کو، نہاوی مٹی ہے کل کو،  
 لیلو چھو جس گہر کے دیہو سمورچا پھوڑ کے !  
 بچھو لٹاری ڈال ہے، کر میں گہو کروال ہے،  
 لیلو طلعہ تک کے ہرچی چہرلی کل ہے !  
 مادیو بڑو رندھیو ہے، پھرے کوسریا چدر ہے،  
 مارو مرور میدان میں مرکزی نہ مورچا دیر ہے !  
 گورے جھکے چھو اور سے، دھارو کریں بہو جزر سے،  
 توڑیں جنگلیں چھتیں اری اٹکنا سر کوٹگیں !  
 مہرو پویو پرتاپ کو آر کہن ہورن تاب کو،  
 ایسے پرتابی لال ہے پونگو جو ہورن کل ہے !  
 ہوشن بسٹھے ہنس کو چھوٹا دھو مائوہنس کو،  
 حکمی دھو ہلومنت کو چھارو سدا شری کنت کو !  
 سو چلی گیو سر دھام کو کری گوی چک نام کو،  
 ہرداولی یہ چھند ہے کوئی پراگ کرت یرہندہ ہے !

سن 1857 کے स्वाधीनता संग्राम کے महारथियों में  
 जगदीशपुर के 80 बरस के बाबू कुँअर सिंह का नाम हमेशा  
 इज्जत से लिया जायगा. जिस समय दानापुर की हिन्दु-  
 स्थानी सेना जगदीशपुर पहुँची बूढ़े कुँअर सिंह ने फौरन  
 अपने महल से निकल कर इस सेना की कमान शिथ में ले  
 ली. उस दिन से लेकर 26 अप्रैल सन् 1858 तक, यानी  
 अपनी शानदार मौत के दिन तक, कुँअर सिंह एक क्रतुहयाब  
 सेनापति के रूप में उम इनकलाब की जङ्ग में हिस्सा लेते  
 हुये दिखाई देते हैं. शाहाबाद, आरा, आजमगढ़, गाजीपुर  
 विजय करते हुये कुँअर सिंह रीवाँ की सरहद तक पहुँच  
 जाते हैं. उन्हीं इस विजय-यात्रा से बनारस में बैठा हुआ  
 लार्ड कैनिंग धवरा जाता है. जबलपुर के राजा शंकरशाह  
 कुँअरसिंह का पैगाम मिलते ही मैदान में उतर आते हैं.  
 रीवाँ से कुँअर सिंह कालपी पहुँचते हैं. वहाँ तात्या टोपे,  
 लक्ष्मी बाई, राव साहब, नाना साहब से उनकी मुलाकात  
 होती है. कालपी से कुँअर सिंह लखनऊ आते हैं. बेगम  
 हजरत महल से मुलाकात करते हैं और तब वापस आरा  
 पहुँचते हैं. सैकड़ों मील के इस अजीब खूब में आंगरेजी फौजों  
 की हिम्मत नहीं पड़ती कि वे कुँअर सिंह से मोरचा लें. कुँअर  
 सिंह वापस बिहार पहुँच कर दोबारा जगदीशपुर पर कब्जा

سن 1857 کے سوانہیلتا سنگرام کے مہارثیوں میں جگدیش  
 پور کے اسی برس کے بہادر کلاہر سنگ کا نام ہمیشہ عزت سے لیا  
 جائیگا. جس سٹہ داناپور کی ہندستانی سہنا جگدیش پور  
 پہونچی ہوئے کلاہر سنگ نے فوراً اپنے محل سے نکل کر اُس سہنا  
 کی کمان ہاتھ میں لے لی. اُس دن سے لیکر 26 اپریل سن  
 1858 تک، یعنی اپنی شاندار موت کے دن تک کلاہر سنگ ایک  
 فتوحات سہنابی کے روپ میں اُس انقلاب کی جنگ میں  
 حصہ لیتے ہوئے دہائی دیتے ہیں. شاہانہ، آرا، اعظم گڑھ،  
 فازی پور وچکے کرنے ہوئے کلاہر سنگ ریواں کی سرحد تک پہنچ جاتے  
 ہیں. اُن کی اس وچکے پاترا سے بنارس میں بیٹھا عوا لال کینگ  
 گہرا جاتا ہے. جبپور کے راجہ شکر شاہ کلاہر سنگ کا ہجوم  
 ملنے ہی میدان میں اُتر آتے ہیں. ریواں کے کلاہر سنگ کا بھی  
 پہونچتے ہیں. وہاں تاتیاتری، لکشمی بائی، راو صاحب  
 ناتا صاحب سے اُن کی ملاقات ہوتی ہے. کالپی سے کلاہر سنگ  
 لکھنؤ آتے ہیں. بیگم حضرت محل سے ملاقات کرتے ہیں اور تب  
 واپس آرا پہونچتے ہیں. سیکڑوں میل کے اس جنگی کوچ میں  
 انگریزوں کی ہمت نہیں بڑھتی کہ یہ کلاہر سنگ سے مورچہ  
 لیں. کلاہر سنگ واپس بہار پہونچکر دوبارہ جگدیش پور پر قبضہ



نظموں اور چھندوں میں سے اٹھارہ سو ستارہ

راجا بہانو میں گونڈہ کے دیوی بکس مہاراج رہے،  
 اسی چار چوراسی کوس مان جاگو تڈکا باج رہے !  
 گونڈا سے باتی گئی جھانسی، جھانسی کے راجا رام !  
 ساتھ ہمارا دیجے راجا، ہمرے راج ماں چور !  
 کہیں کہیں کا چلوں سانڑیا، کہیں کہیں چلتے ہاتھی !  
 دیس دیس ار گڑوں گڑوں میں، راجا لکھ دیجی باتی !  
 یکدم سے دھارون پھرتیچ گیا ماتو یکون ہے،  
 گونڈا مہر سے جھانسی مازل تین ہے !

گوئذا سہر سے یاتن چائے نگو، تمہیں کٹائے رہے،  
تمک اوپر تمو گزبکے تمو تمو چائے رہے !  
چائے فوج اہلی ماں پہونچی مار مار قند پائے رہے،  
ہکا ہکا ایک ایک من کا گولا سانچا مانہی قہرائے رہے !

فوج کے مان سنا کہ توپ کے پوریا،  
داگہ توپ دبو اس گرچہ پہلے جہاز را نیا!  
ہجارتوں گوارا پی تم چلائے ہوا دیا،  
انکے پیر کئے ندم ہوا راجا دھن دھن توری مہا!

یہ گ چلے بلانت صاحب راجا سے پارت پیا،  
 پیا پور پور کا امبا ہاتھ !

سن ۱۶۷۷ء کے اقصائے میں کلا کا نکر کی بھی ایک خاص جگہ ہے۔ جس وقت آزادی کی جنگ چل رہی تھی کلا کا نکر کی حکومت راجا ہونیٹ سنگھ کے ہاتھوں میں تھی۔ اردن کے نواب کے یہاں اُن کا خاص مان دان تھا۔ ایک اور وہ انگریزوں کے ہمہ شہر اور ہیوم حضرت محل کے وفادار جاگیردار لوہن دوسری اور انہوں نے ۱۷۳۳ء اسہانہ انگریز عورتوں اور بچوں کو اپنے محل میں شہن دیکر انہوں سرکشت الہ آباد بھجوا دیا۔ ہیوم حضرت محل نے راجا ہونیٹ سنگھ کے سپرد کیا کہ جب انگریزوں فرج صاحبانور سے لکھنؤ کی اور بڑھ تو راجا ہونیٹ سنگھ امرتسی کی فرجوں کے ساتھ ملکر اُس سے مورچا لیں۔

راجا مہاراجت سنگھ کے جیتھے دن 26 برس کے لال پرتاپ سنگھ کلا کلہری کی دینا کے سہما ہتی تھے۔ راجا نے اپنے بیٹے کو سورج کے آئہہ روالہ کیا۔ اپنی جوان بیوی اور آئہہ ہرس کے ہتھے کو چادر کر پرتاپ سنگھ چلے۔ اُن کو اُنیلے جانے دیکھ کر اُن کے چاچا مادھو سنگھ ہی اُن کے ساتھ ہو لائے۔ ساہانپور میں چاندا لاسک ہقام پور انگریزی فوج کے ساتھ اُن کی کھسان لرائی ہوئی۔ اُس لرائی کا اُس زمانہ کے ایک کو، نے اُن لفظوں میں ذکر کیا ہے :—

‘کلائنکر کے مسدود رہے’  
‘چند دنوں کے لئے ہانسوا رہے’

انگریزی فوج کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ حالت بگڑتی  
 دیکھ کر چاچا نے کہا: ”بیٹا! میں دشمنوں کی ہار  
 کو روکتا ہوں تم % لڑکر واپس چلے جاؤ۔ تمہاری

जै हैं फूट फूट सी तमाम तोप तोड़वालों,  
फुटि जैहैं क्राविल कमाल कौज बाना ते.  
टूटे जैहें देश को दिमाग, जोर छूटे जैहें,  
लूटे जैहें लाखन को माल तोप खाना ते.  
भौन कवि कइत खोदाय को खबर करी,  
पीछे पड़तावगे खराब खून खाना ते,  
बैरिन की बनिता सिखावती एकान्त कन्त,  
कीजिए न रात्रि बेनीमाधव बक्स राना ते.

अंगरेज औरतें अपने पतियों को एकान्त में समझाती हैं कि—“साजन ! बेनीमाधो बक्स राना से लड़ाई न छेड़िये !”

बेरुआगढ़ संडीला के नजदीक एक जागीर थी. गुलाब सिंह उसके दीवान थे. 1857 के इनकलाब के शुरू होते ही गुलाब सिंह नाना साहब से जा मिले कानपुर में उन्होंने नाना साथ अंगरेजों से लड़ाई लड़ी. फिर अपनी फौज के साथ गुलाब सिंह ने लखनऊ में अंगरेजी फौज से मोरचा लिया. फिरंगी उनके खून के प्यासे बन गये. एक दिन जब वे अपनी गद्दी में लौटे तो अंगरेजी सेना ने उन्हें रातों रात आ घेरा. गुलाब सिंह ऐसे लड़े कि अंगरेजी फौज को पीछे हटना पड़ा. उनके उस युद्ध को एक कवि ने अपनी जानदार कविता में बयान करते हुये कहा है :—

गुलाब सिंह ऐसे लड़े,  
जैसे लंका में लड़े हनुमान !

शिकस्त खाई हुई अंगरेजी फौज फिर मोरचा-बन्दी करके बेरुआगढ़ आती है. अंगरेजी फौज का कमानदार गुलाब सिंह से बातें करना चाहता है. वह गुलाब सिंह को मिलने की दावत देता है. इस घटना पर एक कवि के बोल हैं —

राजा गुलाब सिंह रहिया तोरी हेरूँ,  
एक बार दरश दिखावा रे !  
अपनी गद्दी से यह बोले गुलाब सिंह,  
सुन रे साहब मोरी बात रे !  
पैदल भी मारे, सवार भी मारे,  
मारी तोरी फौज बेहिसाव रे !  
बाँके गुलाब सिंह रहिया तोरी हेरूँ,  
एक बार दरश दिखावा रे !

घमासान मोरचे के बाद रात के आँधेरे में अपने एक बहादुर पासी साथी कल्याण को लेकर गुलाब सिंह ने गद्दी छोड़ दी. बेरुआगढ़ के पीछे बाँस का घना धन था. वहीं से गुलाब सिंह जो गायब हुये तो फिर उनका पता नहीं चला.

राना बेनीमाधव सिंह और गुलाब सिंह की तरह गोंडा के राजा देवी बक्स सिंह भी इतनी बहादुरी के साथ अंगरेजी सेनाओं से लड़े कि उन्होंने अपनी वीरता से जन-मन का मोह लिया. उनकी तारीफ करते हुए एक समकालीन कवि कहता है :—

जुनी मीन भेरत भेरत सी तमाम तोप तोड़वालों,  
कुत जुनी मीन काल फुज बाना ते.  
कुत जुनी है दिवस को दिमाग, जोर छूटे जुनी है,  
लुटे जुनी है लाखन को माल तोप खाना ते.  
भौन कवी कइत खोदाय की खबर करूँ,  
पीछे पड़तावगे खराब खून खाना ते.  
भौन की बनिता सिखावती एकान्त कन्त,  
कीजिए न रात्रि बेनीमाधव बक्स राना ते !  
अंगरेजी औरतें अपने पतियों को एकान्त में समझाती हैं कि—“साजन ! बेनीमाधो बक्स राना से लड़ाई न छेड़िये !”

बेरुआगढ़ संडीला के नजदीक एक जागीर थी. गुलाब सिंह उसके दीवान थे. 1857 के अंग्ल के शुरू होते ही गुलाब सिंह नाना साहब से जा मिले कानपुर में उन्होंने नाना साथ अंगरेजों से लड़ाई लड़ी. फिर अपनी फौज के साथ गुलाब सिंह ने लखनऊ में अंगरेजी फौज से मोरचा लिया. फिरंगी उनके खून के प्यासे बन गये. एक दिन जब वे अपनी गद्दी में लौटे तो अंगरेजी सेना ने उन्हें रातों रात आ घेरा. गुलाब सिंह ऐसे लड़े कि अंगरेजी फौज को पीछे हटना पड़ा. उनके उस युद्ध को एक कवि ने अपनी जानदार कविता में बयान करते हुये कहा है :—

गुलाब सिंह ऐसे लड़े,  
जैसे लंका में लड़े हनुमान !

शिकस्त खाई हुई अंगरेजी फौज फिर मोरचा-बन्दी करके बेरुआगढ़ आती है. अंगरेजी फौज का कमानदार गुलाब सिंह से बातें करना चाहता है. वह गुलाब सिंह को मिलने की दावत देता है. इस घटना पर एक कवि के बोल हैं :—

राजा गुलाब सिंह रहिया तोरी हेरूँ,  
एक बार दरश दिखावा रे !  
अपनी गद्दी से यह बोले गुलाब सिंह,  
सुन रे साहब मोरी बात रे !  
पैदल भी मारे, सवार भी मारे,  
मारी तोरी फौज बेहिसाव रे !  
बाँके गुलाब सिंह रहिया तोरी हेरूँ,  
एक बार दरश दिखावा रे !

घमासान मोरचे के बाद रात के आँधेरे में अपने एक बहादुर पासी साथी कल्याण को लेकर गुलाब सिंह ने गद्दी छोड़ दी. बेरुआगढ़ के पीछे बाँस का घना धन था. वहीं से गुलाब सिंह जो गायब हुये तो फिर उनका पता नहीं चला.

राना बेनीमाधव सिंह और गुलाब सिंह की तरह गोंडा के राजा देवी बक्स सिंह भी इतनी बहादुरी के साथ अंगरेजी सेनाओं से लड़े कि उन्होंने अपनी वीरता से जन-मन का मोह लिया. उनकी तारीफ करते हुए एक समकालीन कवि कहता है :—

نہیں اور انہوں سے سب بڑا رہا ہے۔

راوی پرتی کے ہمدردوں کی لڑائی ایک دوسرا کی بجزنگ برہم پرتی رانا کی تعریف میں کرتا ہے :-

ہمیت کو حاکم ہمارے میں دیکھ آو  
کہن کے مقابلہ انگریز ہو سکا ہے !  
جاگو تہج تہکون تہت بھٹی منڈل میں  
ہرے انوک سے نہ لگت ٹھکانا ہے !  
کہہ بجزنگ پوس ہاں اوتس بھٹو  
کہنی ہانت سنل بلانا ہے !  
لہک نہ قرانا چہین لہنیو تہکھانا  
بہر ہاندھے پور ہانا پوسرانا ہرمانا ہے !

بیسواڑہ کے اس دیر رانا پیتی مادھو سنگ کی شور دیرتا کی تعریف کرتے ہوئے ایک دوسرا کی جوالا رائے کہتا ہے :-

چلڈیکا کے چیلے پوس لڑتے ہیں اکیلے کوچ  
اپا لہنا گھوڑی گولا کہوب ہی بجاو ہے  
ملرے جرنہل او کلڈیل کو کید کینو  
ملرے کہان گولا ہانت ہی چڑھایو ہے !  
راجن ہوں راجا مہاراجہ پیتی مادھو بکس  
لڑی ہے لڑائی انگریز چڑھایو ہے !  
کہت کی جولا رائے راجن کو کلم کینو  
دنا ان پائی گولا کہوب ہی بجاو ہے !

اودھ کے کوہوں کی ہائی، ایسا معلوم ہوتا ہے، مانو رانا پیتی مادھو سنگ کی تعریف کرتے ہوئے تھکتی نہیں۔ سرکان کیمبل کی فوجوں نے لہنؤ پر قبضہ کر لیا تھا۔ بدیم حضرت محل نے آکر رانا کے یہاں شون لی۔ اپنی ملکہ بہارانی کو رانا اگر شون نہ دیکھ تو دوسرا کون دینا؟ سرکان نے رانا کی بہادری کی تعریف کرتے ہوئے ان سے ہتھیار ڈالنے کو کہا۔ یہ بھی وعدہ کیا کہ رانا کو ان کی سب چاکر لوٹا دی جائیگی مگر آزادی کے اس دیوانے نے برٹش کمانڈر-ان-چیف کے اس پیغام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ ایک چوڑا دوی رانا لا کن لگن کرتے ہوئے کہتا ہے :-

رانا بہادر سپہی اودھ ما، دھرم مچائی مہرہ رام رہ !  
لہم لہم چٹھیا لات لے بھوجین، ان ملو رانا بھائی رہ !  
جانی کھلت لندن سے منگادوں اودھ ما صوبا بنائی رہ !  
جواب سوال لکھا رانا نے، ہم سے نہ کرو چکرائی رہ !  
جب تک پرنس وہیں بن بھتر، تم کن کہو بھائی رہ !

بیسواڑہ کے مشہور کوہی بہن، جن کا ذکر مہا کوہی تیرا، نے اپنے ایک لکھ 'بھونو کوہی' میں کیا ہے 1857 میں 32 برس کے تھے۔ رانا پیتی مادھو بکس کے رہے۔ انہیں اور قدرتاوں میں سے تھے۔ رانا کی شور دیرتا کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

نظروں اور جہازوں میں سن اٹھارہ سو چالیس

رائے پرتی فتح کے ہمدردوں کی لڑائی ایک دوسرا کی بجزنگ برہم پرتی رانا کی تعریف میں کرتا ہے :-

ہمیت کو حاکم ہمارے میں دیکھ آو  
کہن کے مقابلہ انگریز ہو سکا ہے !  
جاگو تہج تہکون تہت بھٹی منڈل میں  
ہرے انوک سے نہ لگت ٹھکانا ہے !  
کہہ بجزنگ پوس ہاں اوتس بھٹو  
کہنی ہانت سنل بلانا ہے !  
لہک نہ قرانا چہین لہنیو تہکھانا  
بہر ہاندھے پور ہانا پوسرانا ہرمانا ہے !

بیسواڑہ کے اس دیر رانا پیتی مادھو سنگ کی شور دیرتا کی تعریف کرتے ہوئے ایک دوسرا کی جوالا رائے کہتا ہے :-

چلڈیکا کے چیلے پوس لڑتے ہیں اکیلے کوچ  
اپا لہنا گھوڑی گولا کہوب ہی بجاو ہے  
ملرے جرنہل او کلڈیل کو کید کینو  
ملرے کہان گولا ہانت ہی چڑھایو ہے !  
راجن ہوں راجا مہاراجہ پیتی مادھو بکس  
لڑی ہے لڑائی انگریز چڑھایو ہے !  
کہت کی جولا رائے راجن کو کلم کینو  
دنا ان پائی گولا کہوب ہی بجاو ہے !

اودھ کے کوہوں کی ہائی، ایسا معلوم ہوتا ہے، مانو رانا پیتی مادھو سنگ کی تعریف کرتے ہوئے تھکتی نہیں۔ سرکان کیمبل کی فوجوں نے لہنؤ پر قبضہ کر لیا تھا۔ بدیم حضرت محل نے آکر رانا کے یہاں شون لی۔ اپنی ملکہ بہارانی کو رانا اگر شون نہ دیکھ تو دوسرا کون دینا؟ سرکان نے رانا کی بہادری کی تعریف کرتے ہوئے ان سے ہتھیار ڈالنے کو کہا۔ یہ بھی وعدہ کیا کہ رانا کو ان کی سب چاکر لوٹا دی جائیگی مگر آزادی کے اس دیوانے نے برٹش کمانڈر-ان-چیف کے اس پیغام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ ایک چوڑا دوی رانا لا کن لگن کرتے ہوئے کہتا ہے :-

رانا بہادر سپہی اودھ ما، دھرم مچائی مہرہ رام رہ !  
لہم لہم چٹھیا لات لے بھوجین، ان ملو رانا بھائی رہ !  
جانی کھلت لندن سے منگادوں اودھ ما صوبا بنائی رہ !  
جواب سوال لکھا رانا نے، ہم سے نہ کرو چکرائی رہ !  
جب تک پرنس وہیں بن بھتر، تم کن کہو بھائی رہ !

بیسواڑہ کے مشہور کوہی بہن، جن کا ذکر مہا کوہی تیرا، نے اپنے ایک لکھ 'بھونو کوہی' میں کیا ہے 1857 میں 32 برس کے تھے۔ رانا پیتی مادھو بکس کے رہے۔ انہیں اور قدرتاوں میں سے تھے۔ رانا کی شور دیرتا کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

اس سحرناک جوشموسیتسم کے باد اٹھلے بھتن کی  
جو کفایت دے اسے بیان کرتے ہوئے داتا کہتے ہیں:—

جہاں کے حال پہ اب آسمان روتا ہے؛  
ہر ایک فیرا کے مرنے میں مکان روتا ہے؛  
بہرے بھپ گول اٹھلے بھمن، بھمن سے چلے؛  
گاریب بھو کے اپنا بھتن، بھتن سے چلے؛  
مکرامے بھمن جو بھڑا تو راہ بھی نہ ملی؛  
یہ بھڑا تھا کہ بھڑا کی پناہ بھی نہ ملی؛

دہلی کے بھرنے کو بیان کرتے ہوئے ہجرت داتا کی  
آواز کی نغمہ ہے:—

یہ وہ جگہ ہے جہاں بھکسی بھی نہ جائے؛  
یہ وہ جگہ ہے جہاں بھکس کے مرنے کا ہے؛  
کہاں تک آہ لکھیں اس کا حال بھرنے؛  
لکھیں کہاں تک اس آسمان کی چلنی؛  
کسی کو قید بھتن سے نہیں ہے آزادی؛  
تہ داغ داغ ہے ہر دل ہر ایک بھرنے؛

بھڑا جوشموسیتسم کے بھرنے کی بھڑا سے شاعروں  
نے 1857ء پر بھرنے جوشموسیتسم کا بھڑا کیا ہے۔ ہمنے تو  
سحر نغمہ کے طور پر بھڑا یہ بھڑا ہے۔

( 2 )

جس طرح دہلی کی بھرنے نے اردو کے مشہور شاعروں کے  
دلوں میں ایک درد اور بھڑا پیدا کی دہلی میں بھرنے  
کی بھڑا کے بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی  
بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی  
بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی  
بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی

بھرنے اور بھڑا کے ان بھڑا کا سب سے بھڑا بھڑا  
بھڑا میں ملتا ہے۔ رانا بھڑا بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی  
بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی  
بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی

بھرنے اور بھڑا کے ان بھڑا کا سب سے بھڑا بھڑا

بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی  
بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی  
بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی  
بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی  
بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی بھڑا کی

نہوں اور چہل قدمی میں تھی اٹھارہ سو سالوں

دلی شہر کی اہمیت اور شاعرانہ محفل پر حسرت انگیز  
ہونے والی کہتے ہیں :—

دिल्ली شہر کی ادبیات اور شاعرانہ محفل پر حسرت انگیز  
ہونے والی کہتے ہیں :—

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا نہارا دلی؛  
ہم کو ملے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز !  
شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی بارو؛  
یاد کر کر کے اے جی نہ کرنا ہرگز !  
غالب و شیخ و نادر و آزاد و ذوق؛  
اب دہائے گاہے شکلیں نہ زمانہ ہرگز !  
ہزم ماتم تو نہیں ہزم سخن ہے حالی؛  
ہاں مناسب نہیں رو رو کے رولنا ہرگز !

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا نہارا دلی؛  
ہم کو ملے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز !  
شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی بارو؛  
یاد کر کر کے اے جی نہ کرنا ہرگز !  
غالب و شیخ و نادر و آزاد و ذوق؛  
اب دہائے گاہے شکلیں نہ زمانہ ہرگز !  
ہزم ماتم تو نہیں ہزم سخن ہے حالی؛  
ہاں مناسب نہیں رو رو کے رولنا ہرگز !

داغ اور 1857

داغ اور 1867

مہاکবি داتا، جو سن 1857 میں کل چوبیس برس کے  
نوجوان تھے اور جنہوں نے دلی کا ہڈا ہٹا دیا تھا اور جن  
کے دیکھتے دیکھتے دلی ایک اجڑا دیار بنا دی گئی، دلی سے ہر  
کر کہتے ہیں :—

مہاکবি داتا، جو سن 1857 میں کل چوبیس برس کے  
نوجوان تھے اور جنہوں نے دلی کا ہڈا ہٹا دیا تھا اور جن  
کے دیکھتے دیکھتے دلی ایک اجڑا دیار بنا دی گئی، دلی سے ہر  
کر کہتے ہیں :—

فلک زمیں ملائکہ جناب تھی دلی؛  
بہشت و خلد میں بھی انتھاپ تھی دلی !  
جواب کاہ کو تھی لاجواب تھی دلی؛  
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلی !  
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا؛  
یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہان کا دل تھا !

فلک زمیں ملائکہ جناب تھی دلی؛  
بہشت و خلد میں بھی انتھاپ تھی دلی !  
جواب کاہ کو تھی لاجواب تھی دلی؛  
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلی !  
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا؛  
یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہان کا دل تھا !

مگر دلی جب اجڑا دیا بن گئی تو داغ فرماتے ہیں :—

مگر دلی جب اجڑا دیا بن گئی تو داغ فرماتے ہیں :—

خدا پرستی کے بدلے جفا پرستی ہے؛  
جو مال مست تھے اب اُنکو غلام مستی ہے !  
بجائے ابرکرم مغلسی پرستی ہے؛  
بتنگ جینے سے ہوں یسی ننگدستی ہے !

خدا پرستی کے بدلے جفا پرستی ہے؛  
جو مال مست تھے اب اُنکو غلام مستی ہے !  
بجائے ابرکرم مغلسی پرستی ہے؛  
بتنگ جینے سے ہوں یسی ننگدستی ہے !

اس مغلسی کے لئے فک پر الزام مجھے داغ فرماتے  
ہیں :—

اس مغلسی کے لئے فک پر الزام مجھے داغ فرماتے  
ہیں :—

فلک نے قہر و غضب ناک کر ڈالا؛  
تمام پردہ ناموس خاک کر ڈالا !  
ہکام ایک جہاں کو ہلاک کر ڈالا؛  
غرض کہ لاکھ لاکھ اس نے خاک کر ڈالا !

فلک نے قہر و غضب ناک کر ڈالا؛  
تمام پردہ ناموس خاک کر ڈالا !  
ہکام ایک جہاں کو ہلاک کر ڈالا؛  
غرض کہ لاکھ لاکھ اس نے خاک کر ڈالا !

اس سب کیفیت کے لئے ستمگر کے ظلم و ستم کو حسرت کے  
ساتھ بیان کرتے ہوئے داغ کہتے ہیں :—

اس سب کیفیت کے لئے ستمگر کے ظلم و ستم کو حسرت کے  
ساتھ بیان کرتے ہوئے داغ کہتے ہیں :—

کھلا زور ستمگر نے پاں لے کے بدلے؛  
پلا خون جگر پدچوان کے بدلے !  
نصیب دار ہوئی ہے نشان کے بدلے؛  
ملا نہ گور گڑھا بھی مکن کے بدلے !  
زبان توغ سے پرشہی ہے داد خواہوں کی؛  
رسن ہے طوق ہے گردن ہے پے گلاموں کی !

کھلا زور ستمگر نے پاں لے کے بدلے؛  
پلا خون جگر پدچوان کے بدلے !  
نصیب دار ہوئی ہے نشان کے بدلے؛  
ملا نہ گور گڑھا بھی مکن کے بدلے !  
زبان توغ سے پرشہی ہے داد خواہوں کی؛  
رسن ہے طوق ہے گردن ہے پے گلاموں کی !

چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے؛  
سر ہٹا ہے نہوتہ زنداں کا !  
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک؛  
تشتہ خوں ہے ہر مسلمانی کا !  
کوئی واں سے نہ آئے یاں تک؛  
آدسی واں نہ جائے یاں کا !  
میں نے مانا کہ مل گئے ہر کیا؛  
وہی دونا تن و دل و جاں کا !  
گاہ جل کر کیا کیئے شہرہ؛  
سوزش داغ ہائے پنہاں کا !  
گاہ روکر کہا کیئے ہلیم؛  
ماچرا دیدہ ہائے گریاں کا !

چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے؛  
سر ہٹا ہے نہوتہ زنداں کا !  
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک؛  
تشتہ خوں ہے ہر مسلمانی کا !  
کوئی واں سے نہ آئے یاں تک؛  
آدسی واں نہ جائے یاں کا !  
میں نے مانا کہ مل گئے ہر کیا؛  
وہی دونا تن و دل و جاں کا !  
گاہ جل کر کیا کیئے شہرہ؛  
سوزش داغ ہائے پنہاں کا !  
گاہ روکر کہا کیئے ہلیم؛  
ماچرا دیدہ ہائے گریاں کا !

دिल्ली के कत्ले आम पर हसरत का इजहार करते हुये  
गालिब ने लिखा है :—

एक अहले दर्द ने सुनसान जो देखा क्रफस;  
यूँ कहा आती नहीं क्याँ अब सदाये अन्दलीब !  
बालों पर दो चार दिखला कर कहा सय्याद ने;  
ये निशानी रह गई है अब बजाये अन्दलीब !

हाली और 1857

गालिब के शागिर्द मौलाना अस्ताफ हुसेन हाली, जो  
पहले 'शैफता' की शागिर्दी में थे और 1857 में 21 बरस  
के थे, दिल्ली को मरहूम या खग्रीय का खिताब देकर शायरों  
से कहते हैं :—

जितने रमने थे तेरे हो गए वीरों ऐ इश्क;  
आके वीरानों में अब घर न बसाना हरगिज !  
कूब सब कर गये दिल्ली से तेरे कद्ररानास;  
कद्र यों आके अब अपनी न गँवाना हरगिज !  
तजकिरा दिलिए मरहूम का ऐ दोस्त न छेड़;  
न सुना जायगा हमसे ये फिसाना हरगिज !  
दास्तों गुल की खिजाँ में न सुनाए बुलबुल;  
हँसते हँसते हमें जालिम न कलाना हरगिज !

आबादियाँ गिराकर दिल्ली को वीराना बना दिया गया.  
कला और अदब की नायाब यादगारें धूल में मिला दी गईं.  
इस कैफियत का चरमदीव हाल बयान करते हुये हाली  
लिखते हैं :—

लेके दाया आएगा सीने पे बहुत ऐ सय्याद;  
देख इस शहर के खँडहर में न जाना हरगिज !  
चप्पे चप्पे पे हैं यों गौहरे यक्ता तहे खाक;  
बपन होगा कहीं इतना न खजाना हरगिज !  
बो तो भले थे हमें हम भी उन्हें भल गये;  
ऐसा बदला है न बदलेगा जमाना हरगिज !  
जिसको पुरुषों के हवादिश से अछूता समझें;  
नखर आता नहीं कोई भी घराना हरगिज !

الی کے قتل عام پر حسرت کا اظہار کرتے ہوئے غالب نے لکھا

ایک اہل درد نے سلسان جو دیکھا قفس;  
یوں کہا اتنی نہیں کیوں اب صدائے اندلیب !  
بال و پر دو چار دکھلا کر کہا صیان نے;  
یہ نشانی رہ گئی ہے اب بجائے اندلیب !

اور 1857

الب کے شاگرد مولانا الطاف حسین حالی، جو پہلے 'شہفہ'  
گردی میں تھے اور 1857 میں 21 برس کے تھے، دلی کو  
یا سرورگاہ کا خطاب دے کر شاعروں سے کہتے ہیں :—

جتنے رمنے تھے ترے ہو گئے ویراں اے عشق;  
آ کے ویراں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز !  
کوچ سب کر گئے دلی سے ترے قدرشلس;  
قدر یاں آ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز !  
تذکرہ دلتی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ;  
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز !  
داستان گل کی خزاں میں نہ سنائے بلبل;  
ہلستے ہلستے ہمیں ظالم نہ روانا ہرگز !

بادیاں گرا کر دلی کو ویرانہ بنا دیا گیا۔ کلا اور ادب کی  
یادگاریں دھول میں ملا دی گئیں۔ اس کیفیت کا چشم  
ال بیان کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں :—

لے کے داغ آنوگا سینہ پہ بہت اے صیاد;  
دیکھ اِس شہر کے کھنڈر میں نہ جانا ہرگز !  
چھت چھت پہ ہیں یاں گھرہر یکتا قہ خاک;  
دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز !  
وہ تو بولے تھے ہمیں ہم ہی انہیں بول گئے;  
ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانہ ہرگز !  
جسکو دشمنوں کے حوادث سے اچھوتا سمجھیں;  
نظر آتا نہیں کوئی بھی گوانا ہرگز !

نظمیں اور چہکنوں میں من آثارہ جو ستاروں

نہی نہیں تھا۔ انہیں نے بڑی حسرت کے ساتھ اپنے داخلہ نام کی ہتھیلی کو دیکھ کر کہا :—

پھول لایا ہے مالی ڈالی میں؛  
کچھ لکھیں ہیں دست خالی میں !

اپنے مہمان مغل پرورجوں کے بڑین کا احساس بہادر شاہ کے دل میں تھا۔ وہ اپنے کو مغل سلطنت کی ایک ٹوٹی ہوئی قبر کی طرح مانتے تھے۔ اس خیال کو ظاہر کرتے ہوئے ظفر نے کہا ہے :—

وہ جو ٹوٹی قبر کا تھا نشان اُسے ٹھوکروں سے مٹا دیا !  
ایک جگہ دلی کی آزادی اور برہادی چتر کا کھینچتے ہوئے انہیں نے کہا ہے :—

پس مرگ میرے مزار پر جو دیا کسو نے چل دیا؛  
اُسے آہ دامن باد نے سو شام ہی سے بجھا دیا !

کئی حسرت ہے اُس کلام میں ! 1857 کے واقعات پر بہادر شاہ کی نظموں سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ اپنے پروردہ حقیقت حال کے بارے میں وہ خرد کہتے ہیں :—

نہ پوچھ مجھ سے 'ظفر' مہروی تو حقیقت حال؛  
اگر کہونگا ابھی تجھ کو میں رادوں کا !

لیکن دل کے درد سے کہنی یہ نہ سمجھ کہ اُن میں بہادری کی کسی ہو گئی تھی۔ وہ دشمن کی سنگدلی کے متعلق کہتے ہیں :—

پھر نا تجھ سے شکایت ہے ستم کی پر جا؛  
کیونکہ اُس سے جو آگاہ وفا سے کچھ ہو !  
سو رہے یا نہ رہے جان بچے یا نہ بچے؛  
مہم نہ موزینگہ اوی توخ جفا سے لچھ ہو !

سن 1857 میں دہلی کی جو کیفیت تھی اُس پر شہنشاہ کے کچھ شعر یہ ہیں :—

آج دہلی میں جو اُس کی عجب سہر ہو گئی؛  
فلور چلتے چلتے رہی خبر ہو گئی !  
کعبہ کے سمت ہم نے لیا مہم بے شمار؛  
ہر گشتہ گشت اپنی سوئے دیر ہو گئی !  
ہیگانی کا دل کے کئے کیا ہے عشق میں؛  
جب جان بھی نہ اپنی رہی غیر ہو گئی !  
عاشق کو جب دکھائی فرنگی پسر لے توہا؛  
پا ہا نہ کچھ وہ کہلے بس نہر ہو گئی !  
زنجیر تیر گئی مہروی رحمت سے کہا 'ظفر'؛  
جلدی الگ وہ 'چوم' کے جو پیر ہو گئی !

فالب اور 1857

آج دہلی میں جو اُس کی عجب سہر ہو گئی؛  
فلور چلتے چلتے رہی خبر ہو گئی !  
کعبہ کے سمت ہم نے لیا مہم بے شمار؛  
ہر گشتہ گشت اپنی سوئے دیر ہو گئی !  
ہیگانی کا دل کے کئے کیا ہے عشق میں؛  
جب جان بھی نہ اپنی رہی غیر ہو گئی !  
عاشق کو جب دکھائی فرنگی پسر لے توہا؛  
پا ہا نہ کچھ وہ کہلے بس نہر ہو گئی !  
زنجیر تیر گئی مہروی رحمت سے کہا 'ظفر'؛  
جلدی الگ وہ 'چوم' کے جو پیر ہو گئی !

دلی میں خاص طور پر مسلمانوں کے اوپر جو ظلم قاتلہ گئے اُن کا ذکر اب شاعروں کے سرتاج فالب سے سنیں جو سن 1857 میں یورپ سے واپس آئے تھے :—



کفلس میں ہے کیا فائدہ شیر و غل سے؟  
لہرو کرو کچھ رعائی کی باتیں  
ظفر اب زمانہ برا آگیا ہے  
جدھر دیکھو وہیں وں برائی کی باتیں!

فوج کے کمانداروں نے جب ایک دوسرے پر تہمتیں مڑھلی  
شروع کیں تو انہوں نے نصیحت دیکر ہرے شہنشاہ نے کہا: —

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر؛  
رہے دیکھتے اوروں کے موب و ہنر!  
پڑی آپنی بُراہیوں پہ جو نچر؛  
تو ننگا میں کوئی برا نہ رہا!  
'ظفر' آدمی اُس کو نہ جانے گا!  
وہ کس ہی ہو صاحب فہم و ذکا!  
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی؛  
چہ طہش میں خوف خدا نہ رہا!

14 ستمبر 1857 کے بعد دہلی کی जनता पर इतने  
सितम ढाये गये कि बहादुरशाह का कवि हृदय भी राम से  
चाक चाक हो गया. मुसलमानों को तो खास तौर पर खोज  
खोजकर सूली पर लटकाया जाता. एक नफ़्म में शहन्शाह  
ने उसे यूँ बयान किया है:—

गई यकबयक जो हवा पलट, नहिं दिल को अपने करार है;  
कहूँ राम सितम का मैं क्या बया, मेरा सीना राम से फिगार है.  
ये रियाया हिन्द तबाह हुई, कहाँ क्या न इनपे जफ़ा हुई;  
जिसे देखा हाकिमे बज़त ने, कहा ये भी क़ाबिले दार है!  
कहाँ ऐसा भी है सितम सुना, कि वी फाँसी लाखों को बेगुनाह,  
बले कलमा गोयाँ के तर्क से, अभी दिल में उनके गुबार है!

जंगे आजादी के सबसे बड़े नेता की हैसियत से  
शहन्शाह बहादुरशाह को आजादी की सबसे भारी कीमत  
बुकानी पड़ी. शहन्शाह के 24 बेटे और पोते क़त्ल कर दिये  
गये और उनके सर खूनी दरवाजे पर लटका दिये गये. उन  
सब वर्दनाक घटनाओं पर अपने दिल की कैफियत शहन्शाह  
ने यूँ बयान किया है:—

रिन्द हूँ मैं या जादिव हूँ, या सूत्री हूँ या मैकरा हूँ;  
आलिम हूँ या जाहिल हूँ, या मोमिन हूँ या तरसा हूँ!  
कैसा रंज व कैसी राहत, किसकी शादी किसका राम;  
ये भी नहीं मालूम मुझे, मैं जीता हूँ या मरता हूँ!

शहन्शाह बहादुरशाह, उनकी चहेती बेगम जीनत  
महल और युवराज जवाँबख्त को कैद करके रंगून भेज  
दिया गया. वहाँ बेहद गरीबी में शहन्शाह को अपने आखरी  
दिन काटने पड़े. रंगून में उनकी 83वाँ सालगिरह के दिन  
एक माली तोहफ़े के तौर पर फूलों की डाली सजा  
कर लाया, शहन्शाह के पास इनाम देने के लिये कुछ

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر؛  
رہے دیکھتے اوروں کے موب و ہنر!  
پڑی آپنی بُراہیوں پہ جو نچر؛  
تو ننگا میں کوئی برا نہ رہا!  
'ظفر' آدمی اُس کو نہ جانے گا!  
وہ کس ہی ہو صاحب فہم و ذکا!  
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی؛  
چہ طہش میں خوف خدا نہ رہا!

فوج کے کمانداروں نے جب ایک دوسرے پر تہمتیں مڑھلی  
شروع کیں تو انہوں نے نصیحت دیکر ہرے شہنشاہ نے کہا: —

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر؛  
رہے دیکھتے اوروں کے موب و ہنر!  
پڑی آپنی بُراہیوں پہ جو نچر؛  
تو ننگا میں کوئی برا نہ رہا!  
'ظفر' آدمی اُس کو نہ جانے گا!  
وہ کس ہی ہو صاحب فہم و ذکا!  
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی؛  
چہ طہش میں خوف خدا نہ رہا!

14 ستمبر 1857 کے بعد دہلی کی जनता पर इतने  
सितम ढाये गये कि बहादुरशाह का कवि हृदय भी राम से  
चाक चाक हो गया. मुसलमानों को तो खास तौर पर खोज  
खोजकर सूली पर लटकाया जाता. एक नफ़्म में शहन्शाह  
ने उसे यूँ बयान किया है:—

गई यकबयक जो हवा पलट, नहिं दिल को अपने करार है;  
कहूँ राम सितम का मैं क्या बया, मेरा सीना राम से फिगार है.  
ये रियाया हिन्द तबाह हुई, कहाँ क्या न इनपे जफ़ा हुई;  
जिसे देखा हाकिमे बज़त ने, कहा ये भी क़ाबिले दार है!  
कहाँ ऐसा भी है सितम सुना, कि वी फाँसी लाखों को बेगुनाह,  
बले कलमा गोयाँ के तर्क से, अभी दिल में उनके गुबार है!

जंगل آزادی کے سب سے بڑے نیتا کی حیثیت سے شہنشاہ  
بہادرشاہ کو سب سے بھاری آزادی کی قیمت چکانی پڑی.  
شہنشاہ کے 24 بیٹے اور پوتے قتل کر دیئے گئے اور اُن کے سرخونی  
دروازے پر لٹکا دیئے گئے. اُن سب دردناک کھلاؤں پر اپنے دل  
کی کیفیت شہنشاہ نے یہ بیان کیا ہے:—

رند ہوں میں یا زاهد ہوں، یا صوفی ہوں یا سہی ہوں؛  
عالم ہوں یا جاہل ہوں، یا مومن ہوں یا ترسا ہوں!  
کیسا دلچ و کیسی راحت، کس کی شادی کس کا غم؛  
یہ بھی نہیں معلوم مجھے، میں جیتا ہوں یا مرنا ہوں!

شہنشاہ بہادرشاہ، اُن کی چھٹی بیگم زیبت محل اور  
ہراج چولی بخت کو قید کر کے رنگون بھیج دیا گیا. وہاں بے حد  
غریبی میں شہنشاہ کو اپنے آخری دن کاٹنے پڑے. رنگون میں اُن  
کی 83 ویں سالگرہ کے دن ایک مالی تحفہ کے طور پر ۱۵ روپوں  
کی قالی سجایا گیا. شہنشاہ کے پاس انعام دینے کے لئے کچھ

نہیں اور چاندنی میں سن اٹھارہ سو ستاون

کھا کھا کرے ہے عاشقِ ناکام پر ستم؛  
خوفِ خدا کچھ اُس بت خودکام کو نہیں !  
رندوں پہ طمانہ زن ہے عیب و اعطائے "ظفر"؛  
کوئی کسی کے جاننا انجام کو نہیں !

جنگ آزادی میں شامل ہونے کے لیے جب شاہنشاہ ظفر نے اپنا دعوت نامہ دیہی راجوں کے پاس بھیجا تو بھگتوں کے راجہ نے اسے ہٹا دیا۔ اس پر شاہنشاہ نے لکھا :—

کھا خط تیرے تیرے تم نے تو قاصد سے لکھ لکھ ہی !  
مناسب تھا کہ پھر اور حقیقت تک قلم سنبھال !

چھیل کے راجہ نے تو شاہنشاہ کا خط لے جانے والے قاصد کو ہی گولی سے آڑا دیا۔ اس پر ظفر کا ایک شعر ہے :—

تھوڑا نشان جو ہم نے قاصد کا اُس شہر میں؛  
کچھ پائے سر کے ڈمکے اور کچھ بدن کے ڈمکے !

انگریزوں نے دلی کے قلع کا محاصرہ جاری کر دیا تھا۔ بقرتوں کے تہوار کے دن جامعہ مسجد میں معزز شہریوں کی قربانی کی گئی۔ اس پر شاہنشاہ نے لکھا :—

مبارکباد ہم دیتے ہوں اُن کو عید قربان کی؛  
گلے پر رکھ کے خنجر جبکہ وہ تکبیر پڑھتے ہیں !

اپنے پیارے پوتے کے قتل پر شاہنشاہ نے حسرت کے ساتھ لکھا :—

ایک وہ کہا بلکہ اُس سے روز لاکھوں بے گناہ؛  
قتل ہوتے ہیں تیرے اے ارودا جو ہاتھ سے !  
یہ نہیں رنگ حنا چہرے جاتے جود روز میں؛  
حشر تک چہرے کا عاشق کا نہ لہو ہاتھ سے !

دلی کے پٹن کے بعد بے گناہوں کے قتل کا جو سلسلہ چلا اُس پر شاہنشاہ ظفر نے لکھا :—

جہاں میں سب کو عبرت ہو گئی اُس دن سے اے قاتل؛  
سرمے بازار تو نے لاشہ مقتول کھینچا ہے !  
ہزاروں بے گناہوں کو ستمگر عشق میں تو نے؛  
یہاں سولی پہ بے دستور پے معمول کھینچا ہے !

دلی میں آزادی کی جنگ چلانے کے لئے ایک جنگی کونسل بنا دی گئی تھی جس کے صدر خود شاہنشاہ تھے۔ کونسل کے ممبران آپس میں ایک دوسرے کی برائی کرتے اور ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے۔ اس پر انہیں لعنت ملتی کرتے ہوئے شاہنشاہ نے لکھا :—

نہیں تمکو زیبا برائی کی باتیں؛  
بھلوں کو میں لازم بھائی کی باتیں !  
غضب ہے کہ دل میں تو رکھ کرورت؛  
کرو ملو یہ ہم سے صفائی کی باتیں !

نہیں اور چاندنی میں سن اٹھارہ سو ستاون

کھا کھا کرے ہے عاشقِ ناکام پر ستم؛  
خوفِ خدا کچھ اُس بت خودکام کو نہیں !  
رندوں پہ طمانہ زن ہے عیب و اعطائے "ظفر"؛  
کوئی کسی کے جاننا انجام کو نہیں !

جنگ آزادی میں شامل ہونے کے لیے جب شاہنشاہ ظفر نے اپنا دعوت نامہ دیہی راجوں کے پاس بھجوا دیا تو بھگتوں کے راجہ نے اسے ہٹا دیا۔ اس پر شاہنشاہ نے لکھا :—

کھا خط تیرے تیرے تم نے تو قاصد سے لکھ لکھ ہی !  
مناسب تھا کہ پھر اور حقیقت تک قلم سنبھال !

چھیل کے راجہ نے تو شاہنشاہ کا خط لے جانے والے قاصد کو ہی گولی سے آڑا دیا۔ اس پر ظفر کا ایک شعر ہے :—

تھوڑا نشان جو ہم نے قاصد کا اُس شہر میں؛  
کچھ پائے سر کے ڈمکے اور کچھ بدن کے ڈمکے !

انگریزوں نے دلی کے قلع کا محاصرہ جاری کر دیا تھا۔ بقرتوں کے تہوار کے دن جامعہ مسجد میں معزز شہریوں کی قربانی کی گئی۔ اس پر شاہنشاہ نے لکھا :—

مبارکباد ہم دیتے ہوں اُن کو عید قربان کی؛  
گلے پر رکھ کے خنجر جبکہ وہ تکبیر پڑھتے ہیں !

اپنے پیارے پوتے کے قتل پر شاہنشاہ نے حسرت کے ساتھ لکھا :—

ایک وہ کہا بلکہ اُس سے روز لاکھوں بے گناہ؛  
قتل ہوتے ہیں تیرے اے ارودا جو ہاتھ سے !  
یہ نہیں رنگ حنا چہرے جاتے جود روز میں؛  
حشر تک چہرے کا عاشق کا نہ لہو ہاتھ سے !

دلی کے پٹن کے بعد بے گناہوں کے قتل کا جو سلسلہ چلا اُس پر شاہنشاہ ظفر نے لکھا :—

جہاں میں سب کو عبرت ہو گئی اُس دن سے اے قاتل؛  
سرمے بازار تو نے لاشہ مقتول کھینچا ہے !  
ہزاروں بے گناہوں کو ستمگر عشق میں تو نے؛  
یہاں سولی پہ بے دستور پے معمول کھینچا ہے !

دلی میں آزادی کی جنگ چلانے کے لئے ایک جنگی کونسل بنا دی گئی تھی جس کے صدر خود شاہنشاہ تھے۔ کونسل کے ممبران آپس میں ایک دوسرے کی برائی کرتے اور ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے۔ اس پر انہیں لعنت ملتی کرتے ہوئے شاہنشاہ نے لکھا :—

نہیں تمکو زیبا برائی کی باتیں؛  
بھلوں کو میں لازم بھائی کی باتیں !  
غضب ہے کہ دل میں تو رکھ کرورت؛  
کرو ملو یہ ہم سے صفائی کی باتیں !

نہیں اور چاندنی میں سن اٹھارہ سو ستاون

کھا کھا کرے ہے عاشقِ ناکام پر ستم؛  
خوفِ خدا کچھ اُس بت خودکام کو نہیں !  
رندوں پہ طمانہ زن ہے عیب و اعطائے "ظفر"؛  
کوئی کسی کے جاننا انجام کو نہیں !

جنگ آزادی میں شامل ہونے کے لیے جب شاہنشاہ ظفر نے اپنا دعوت نامہ دیہی راجوں کے پاس بھجوا دیا تو بھگتوں کے راجہ نے اسے ہٹا دیا۔ اس پر شاہنشاہ نے لکھا :—

کھا خط تیرے تیرے تم نے تو قاصد سے لکھ لکھ ہی !  
مناسب تھا کہ پھر اور حقیقت تک قلم سنبھال !

چھیل کے راجہ نے تو شاہنشاہ کا خط لے جانے والے قاصد کو ہی گولی سے آڑا دیا۔ اس پر ظفر کا ایک شعر ہے :—

تھوڑا نشان جو ہم نے قاصد کا اُس شہر میں؛  
کچھ پائے سر کے ڈمکے اور کچھ بدن کے ڈمکے !

انگریزوں نے دلی کے قلع کا محاصرہ جاری کر دیا تھا۔ بقرتوں کے تہوار کے دن جامعہ مسجد میں معزز شہریوں کی قربانی کی گئی۔ اس پر شاہنشاہ نے لکھا :—

مبارکباد ہم دیتے ہوں اُن کو عید قربان کی؛  
گلے پر رکھ کے خنجر جبکہ وہ تکبیر پڑھتے ہیں !

اپنے پیارے پوتے کے قتل پر شاہنشاہ نے حسرت کے ساتھ لکھا :—

ایک وہ کہا بلکہ اُس سے روز لاکھوں بے گناہ؛  
قتل ہوتے ہیں تیرے اے ارودا جو ہاتھ سے !  
یہ نہیں رنگ حنا چہرے جاتے جود روز میں؛  
حشر تک چہرے کا عاشق کا نہ لہو ہاتھ سے !

دلی کے پٹن کے بعد بے گناہوں کے قتل کا جو سلسلہ چلا اُس پر شاہنشاہ ظفر نے لکھا :—

جہاں میں سب کو عبرت ہو گئی اُس دن سے اے قاتل؛  
سرمے بازار تو نے لاشہ مقتول کھینچا ہے !  
ہزاروں بے گناہوں کو ستمگر عشق میں تو نے؛  
یہاں سولی پہ بے دستور پے معمول کھینچا ہے !

دلی میں آزادی کی جنگ چلانے کے لئے ایک جنگی کونسل بنا دی گئی تھی جس کے صدر خود شاہنشاہ تھے۔ کونسل کے ممبران آپس میں ایک دوسرے کی برائی کرتے اور ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے۔ اس پر انہیں لعنت ملتی کرتے ہوئے شاہنشاہ نے لکھا :—

نہیں تمکو زیبا برائی کی باتیں؛  
بھلوں کو میں لازم بھائی کی باتیں !  
غضب ہے کہ دل میں تو رکھ کرورت؛  
کرو ملو یہ ہم سے صفائی کی باتیں !

کو ایک درجہ تک گھٹا دیا تھا۔ گورنر جنرل کیلنگ اس بھی سہی شان کو بھی ختم کرنے کی سازشوں میں لگا ہوا تھا۔ دلی کے ارد گرد کے شہنشاہوں بھی بہادر شاہ کی کوئی رائے نہ لی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ قلعہ کے باہر قلعہ کے سپاہیوں کے لئے بہادر شاہ کو جسے نقشہ کے مطابق نئی بیڑیں تعمیر کروا پسند تھا، انگریز ریڈیڈینٹ نے انہیں اس طرح تعمیر نہ کرنے دیا۔ بہادر شاہ سے کون کس وقت ملاقات کرے اس میں بھی ریڈیڈینٹ دخل دہلے کی جرات کرتا تھا۔ اپنی اس وقت کی دلی کیفیت کو بہادر شاہ نے ایک نظم میں یوں بیان کیا ہے:—

دیا بنانے نہ مجھکو مکان مکان کے قریب؛  
ہسائے لوگ انہوں نے جہاں تہاں کے قریب !  
نکلے ہر دھن مو سے ہیں اس قدر شعلے؛  
پھٹکتا کوئی نہیں تھوڑے تھوڑے جلی کے قریب !  
فلک کے نیچے فلک اور اک تھا بن جائے؛  
جو پہلے درد جگر ہوا آسمان کے قریب !  
کہہ ہے تو کہ پھٹکتا نہیں یہاں کوئی؛  
کھڑا تھا کہن ترے آج آستان کے قریب !  
وہ ہوں میں طائر انہی نفس کہ تھرائے؛  
جو اُنہ برق کہی ہوئے آسمان کے قریب !  
قدس سے چہرہ کے جب ہم اسیر آئے صیاد؛  
چمن میں پہنچے تو دن آگے خزاں کے قریب !

جس سامنے نانادھندپنت اور عظیم اللہ خان نے شہنشاہ سے آزادی کی جنگ میں شرکت کرنے کے لئے کہا تو بہادر شاہ نے اپنی رضامندی نیچے لکھی نظم میں ظاہر کی:—

جس ندا کرنے کو حاضر ہیں کہو تم جس دم؛  
ہم ہیں جس کام کے موجود ہیں اس کام کے وقت !  
گرجہ زندان ہی دست ہوں مانند کد؛  
وقت کے اپنے ہیں چشمہ مگر جام کے وقت !

اس بیچ گورنر جنرل کے رویہ اور ریڈیڈینٹ کے برتاؤ سے بہادر شاہ کا دل، فرنگیوں کی طرف، رہا سہا بھی ٹوٹ گیا۔ اپنی اس بھاؤنا کو بہادر شاہ نے ان سطروں میں ادا کیا ہے:—

کہیں کیا ان باتوں سے اے 'ظفر' ہم حال دل اپنا؛  
پہلاڑ ہیں نہیں اک بات اللہ کی قسم سنتے !  
نہ کرتا لوح کے طرفاں کا کوئی ذکر بھی ہرگز؛  
اگر مردم ہمارا ماجرائے چشم نہ سنتے !  
نہ لیتے نام الفت کا کہی الفت کے چونکدے؛  
جو میرا صبر سنتے او ترے ظلم و ستم سلیقے !

بہادر شاہ کا دل ذلت سے تپ اٹھا، شہنشاہ کی دلی کیفیت ان شعروں میں غور کریں:—

جوں فیدا کرنے کو ہاخیر ہیں کدو تو جس دم؛  
ہم ہیں جس کام کے، मौजूد ہیں اس کام سے بک !  
گرچہ رینانے تہی دست ہیں مانیند گدا؛  
بک کے اپنے ہیں جمنشود مگر جام کے بک !

اس میں گورنر جنرل کے رویے اور ریڈیڈینٹ کے برتاؤ سے بہادر شاہ کا دل، فرنگیوں کی طرف، رہا سہا بھی ٹوٹ گیا۔ اپنی اس بھاؤنا کو بہادر شاہ نے ان سطروں میں ادا کیا ہے:—

کہہ کیا ان باتوں سے اے 'ظفر' ہم حال دل اپنا؛  
پہلاڑ ہیں نہیں اک بات اللہ کی قسم سنتے !  
نہ کرتا لوح کے طرفاں کا کوئی ذکر بھی ہرگز؛  
اگر مردم ہمارا ماجرائے چشم نہ سنتے !  
نہ لیتے نام الفت کا کہی الفت کے چونکدے؛  
جو میرا صبر سنتے او ترے ظلم و ستم سلیقے !

بہادر شاہ کا دل ذلت سے تپ اٹھا، شہنشاہ کی دلی کیفیت ان شعروں میں غور کریں:—

نہجوں اور خندوں میں

سن بٹارہسوں سٹاوان

ویشوہرناث پانڈے

نظموں اور چھندوں میں  
سن اتھارہ سو ستاون

وہوہر ناتھ پانڈے

سن 1857 کی تاریخ کو کس نام سے پکارا جاتا ہے— اس پر اتفاق رائے نہیں ہے۔ کوئی اسے 'بھارت' کے نام سے پکارتا ہے تو کوئی 'جنگ آزادی' کے نام سے؛ لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ فرنگی حکومت کو ملک سے ختم کرنے کی وہ ایک شاندار کوشش تھی۔ سربازی خرمیوں، فوجی افسروں کی جہیزوں، انہاسکاروں کی کتابوں، سیلابیوں کے روزناموں، کپڑوں کے دھبے افسروں کی بادشاہتوں، گورنر جنرل کے اعلانوں، پارلیمنٹ کی بحثوں، ٹیکٹوں کے اعلانوں اور شاہی فرمانوں میں 1857 کی ایک سرسری جھانک ملتی ہے۔ سن 1857 کی کرائنٹ کاری تحریک ملک کی خودداری کی بھاؤناؤں، روحانی تقویوں، امیدوں اور مایوسوں، کامیابیوں اور ناکامیوں، ہاروں اور جیتوں پر تیز روشنی ڈالتی ہے۔ ملک کی حریت سے ہماری خودیوں اور ہماری کمزوریوں کو یہ سن 57 کی تحریک نمایاں کر دیتی ہے۔ انہاسکاروں کی طرح اس زمانے کے ہمارے شاعروں اور نگاروں کے کہوں نے بھی ہماری آزادی اور ہماری بربادی کی، ہماری امنگوں اور ہماری ہمت کی پرچھائی اور پر درد تصویر کھینچی ہے۔

انیسویں صدی اردو کے مشہور شاعروں کی میں بھی جانی ہے۔ دلی کے آخری بادشاہ بہادر شاہ خود ایک اچھے درجے کے شاعر تھے، وہ 'ظفر' کے نام سے شاعری کرتے تھے۔ 'غالب'، 'داغ'، 'حالی'— سب وہ دربار کے مشہور شاعر تھے۔ ان میں ذوق کا انتقال تو 1857 کے پہلے ہو گیا تھا لیکن غالب، داغ اور حالی 1857 میں موجود تھے۔ 1857 پر ان کی ہر درد نظمیں ہمیں اب تک ملتی ہیں۔ دلی کی طرح ہمارے راجاؤں کے دربار بھی کہوں کو اپنے دل سے بڑھاوا دیتے تھے۔ ان کہوں نے 1857 کے نیتلوں کی کپڑی کھائی اپنے پرچوں چھندوں میں بیان کی ہے۔ اُنہ سوادھینا سنگرام کی شہادت کے موقع پر ہم اپنے اس زمانے کے شاعروں اور کہوں کے کلموں اور چھندوں میں ہلوان اور تباہ کے اس ادبیت نظارے کے روشن کریں۔

1857 کے واقعے پر خود بہادر شاہ 'ظفر' کے کلموں سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ بھنگ اور قہوڑی کے رویہ نے منزل شہنشاہ کے نام اور دربار کی شان

سن 1857 کی تاریخ کو کس نام سے پکارا جائے— اس پر اتفاق رائے نہیں ہے۔ کوئی اسے 'بھارت' کے نام سے پکارتا ہے تو کوئی 'جنگ آزادی' کے نام سے؛ لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ فرنگی حکومت کو ملک سے ختم کرنے کی وہ ایک شاندار کوشش تھی۔ سربازی خرمیوں، فوجی افسروں کی جہیزوں، انہاسکاروں کی کتابوں، سیلابیوں کے روزناموں، کپڑوں کے دھبے افسروں کی بادشاہتوں، گورنر جنرل کے اعلانوں، پارلیمنٹ کی بحثوں، ٹیکٹوں کے اعلانوں اور شاہی فرمانوں میں 1857 کی ایک سرسری جھانک ملتی ہے۔ سن 1857 کی کرائنٹ کاری تحریک ملک کی خودداری کی بھاؤناؤں، روحانی تقویوں، امیدوں اور مایوسوں، کامیابیوں اور ناکامیوں، ہاروں اور جیتوں پر تیز روشنی ڈالتی ہے۔ ملک کی حریت سے ہماری خودیوں اور ہماری کمزوریوں کو یہ سن 57 کی تحریک نمایاں کر دیتی ہے۔ انہاسکاروں کی طرح اس زمانے کے ہمارے شاعروں اور نگاروں کے کہوں نے بھی ہماری آزادی اور ہماری بربادی کی، ہماری امنگوں اور ہماری ہمت کی پرچھائی اور پر درد تصویر کھینچی ہے۔

انیسویں صدی اردو کے مشہور شاعروں کی میں بھی جانی ہے۔ دلی کے آخری بادشاہ بہادر شاہ خود ایک اچھے درجے کے شاعر تھے، وہ 'ظفر' کے نام سے شاعری کرتے تھے۔ 'غالب'، 'داغ'، 'حالی'— سب وہ دربار کے مشہور شاعر تھے۔ ان میں ذوق کا انتقال تو 1857 کے پہلے ہو گیا تھا لیکن غالب، داغ اور حالی 1857 میں موجود تھے۔ 1857 پر ان کی ہر درد نظمیں ہمیں اب تک ملتی ہیں۔ دلی کی طرح ہمارے راجاؤں کے دربار بھی کہوں کو اپنے دل سے بڑھاوا دیتے تھے۔ ان کہوں نے 1857 کے نیتلوں کی کپڑی کھائی اپنے پرچوں چھندوں میں بیان کی ہے۔ اُنہ سوادھینا سنگرام کی شہادت کے موقع پر ہم اپنے اس زمانے کے شاعروں اور کہوں کے کلموں اور چھندوں میں ہلوان اور تباہ کے اس ادبیت نظارے کے روشن کریں۔

1857 کے واقعے پر خود بہادر شاہ 'ظفر' کے کلموں سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ بھنگ اور قہوڑی کے رویہ نے منزل شہنشاہ کے نام اور دربار کی شان

8702

جولائی 1957 جولائی

کتاب کیس سے	صفحہ	کتاب کیس سے
1. نرہوں اور بندوقوں میں سب بٹارہ سب سچا بن	1	1. نظمیں اور چہلوں میں سن اٹھارہ سو ستائیس
—ویربھنرناٹھ پاڈے	...	—ویربھنر ناٹھ پاڈے
2. گولامی کے ساتھ مانوہتا کی میٹریتا	19	2. نظمیں کے ساتھ مانوہتا کی میٹریتا
—شی بندوقل ہلالیہ بھنکاری	...	—شہری عبدالکلام انصاری
3. ہفلااس (کویتا)	20	3. افلاس (کویتا)
—ڈاکٹر بھنر مینا	...	—ڈاکٹر انور مہتائی
4. میرے دادا بھنر !	21	4. میرے دادا اب !
—پروفیسر بھنر علی ایم. ایم.	...	—پروفیسر احمد علی ایم. ایم.
5. بھنرناٹھوں کے سلسلے (کویتا)	31	5. آندھوں کے سلسلے (کویتا)
—شی سلالام بھنرناٹھ	...	—شہری سلم مچھلی شہری
6. بھنر کا بھنر (کھانی)	32	6. بھنر کا بھنر ! (بھانی)
—بھنرناٹھ بھنر بھنر	...	—مرزا عظیم بیگ بھنرناٹھ
7. بھنر !	38	7. بھنر !
—بھنر بھنر بھنر	...	—بھنر بھنر بھنر
8. بھنرناٹھ	42	8. بھنرناٹھ
بھنرناٹھ کی بھنرناٹھ ہے—بھنرناٹھ؛		بھنرناٹھ کی بھنرناٹھ ہے—بھنرناٹھ؛
بھنرناٹھ کی بھنرناٹھ ہے—بھنرناٹھ؛		بھنرناٹھ کی بھنرناٹھ ہے—بھنرناٹھ؛

ہندوستانی کلچر سوسائٹی  
145، سٹی گنج، لاہور

# NAYA HIND

*Monthly Journal of the Hindustani Culture Society*

## Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundar Lal

Bishambhar Nath Pande

## Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

## Asst. Editor

Suresh Ramabhai

## Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.

Can be had from —

# Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.



# نیا حصہ : ۵

اس نمبر کے خاص لیکھ اس نمبر کے خاص لیکھ

4

نظموں اور چہانوں میں سن اٹھارہ سو ستاون  
نظموں اور چہانوں میں سن اٹھارہ سو ستاون

—ویرنمبرناथ پاڈے

—ویرنمبرناث پاڈے

میرے دادا ابا !

میرے دادا ابا !

—پروفیسر احمد علی ایم۔ اے۔ ایم۔ اے۔

آکناواں کے سلسلے (کبیتا)

آکناواں کے سلسلے (کبیتا)

—شری سلاام مہلاشاہری

—شری سلاام مہلاشاہری

خون کا بدلہ (کہانی)

خون کا بدلہ (کہانی)

—میرزا عظیم بیگ چغتائی

—میرزا عظیم بیگ چغتائی





1

2

3

نہی کتاب

نہی کتاب

## گंगा سے گومتی تک

## گنگا سے گومتی تک

....."موجیہ کی کہانیوں کی विशेषیت ان کی سہولت بھی ہے، مامولی پڑا لیتا آدمی انہیں کسی کی مدد کے سمجھ سکتا ہے۔ سرناتا کے ساتھ باپا میں بڑی اور جیندا دلی اس طرح ہے جس طرح اچھے پائے کے لکھنوں میں ملتی ہے۔

ان کہانیوں میں ہنس بھی ہے، کڑوا بھی ہے۔ کھڑے ہنسے ہنسے پتے میں بن پڑے، تو کھڑے پڑے-پڑے آپ دُ:خ سے مستبیت رہ جائیں گے۔ موجیہ کی کہانیاں ہمارے کامل باطن کو جگاتی ہیں، ہم انہیں انسان بناتے ہیں۔"

— ڈاکٹر رام بھلا رام

....."وہ (موجیہ) ماگ سا کرنا چاہتے ہیں، سماج کو سمجھانا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ کلا کو کامیابی چاہتے ہیں اور ایسی نیکوئی کی ڈار کرتی چلی جاپ۔" "وہ کہانیاں جگہ جگہ ہمارا دھیان سماج میں ہونے والے انصاف اور انصاف کے لیے لڑنے والے ہیں۔" "سماج کی کہانیاں میں ایک سیدھی انصاف ہے، جو انہیں لگتی ہے۔"

— جینےند کمار

سماجی ہندی کے سبھی بڑے لکھنوں نے "گंगा سے گومتی" کو سراہا ہے۔

"گंगा سے گومتی تک" میں 150 صفحے ہیں، تیرنگا مندر کھر، بدلیا جیلڈ، دام کےवल دو روپيا۔ جلدی آرڈر مینجیے۔

— مینجر نیا ہیلڈ

میلنے کا پتا—

مینجر 'نیا ہیلڈ' 145، مٹھیگنج، ایلہ آباد۔

....."موجیہ کی کہانوں کی خصوصیت ان کی سہولت ہے۔ معمولی پڑھا لکھا آدمی انہیں بلا کسی کی مدد کے سمجھ سکتا ہے۔ سرناتا کے ساتھ باپا میں بڑی اور جیندا دلی اس طرح ہے جس طرح اچھے پائے کے لکھنوں میں ملتی ہے۔

ان کہانوں میں ہنس بھی ہے، کڑوا بھی ہے۔ کھڑے ہنسے ہنسے پتے میں بن پڑے، تو کھڑے پڑے-پڑے آپ دُ:خ سے مستبیت رہ جائیں گے۔ موجیہ کی کہانیاں ہمارے کامل باطن کو جگاتی ہیں، ہم انہیں انسان بناتے ہیں۔"

— ڈاکٹر رام بھلا رام

....."وہ (موجیہ) ماگ سا کرنا چاہتے ہیں، سماج کو سمجھانا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ کلا کو کامیابی چاہتے ہیں اور ایسی نیکوئی کی ڈار کرتی چلی جاپ۔" "وہ کہانیاں جگہ جگہ ہمارا دھیان سماج میں ہونے والے انصاف اور انصاف کے لیے لڑنے والے ہیں۔" "سماج کی کہانیاں میں ایک سیدھی انصاف ہے، جو انہیں لگتی ہے۔"

— جینےند کمار

سماجی ہندی کے سبھی بڑے لکھنوں نے "گंगा سے گومتی" کو سراہا ہے۔

"گंगा سے گومتی تک" میں 150 صفحے ہیں، تیرنگا مندر کھر، بدلیا جیلڈ، دام کےवल دو روپيا۔ جلدی آرڈر مینجیے۔

— مینجر نیا ہیلڈ

میلنے کا پتا—

مینجر 'نیا ہیلڈ' 145، مٹھی گنج، ایلہ آباد۔

**कमसद—**

- (1) एक ऐसी हिन्दुस्तानी कलचर का बढाना, फैलाना और प्रचार करना जिसमें सब हिन्दुस्तानी शामिल हों.
- (2) एकता फैलाने के लिये किताबों, अखबारों, रिसालों और का छापना.
- (3) पढाई घरों, किताब घरों, सभाओं, कानफरेन्सों, लेक्चरों से सब धर्मों, जातों, बिरादरियों और फिर्कों में आपस का मेल बढाना.

—: 6 :—

सोसाइटी के प्रेसीडेन्ट—मि० अब्दुल मजीद ख्वाजा;  
 हाइस प्रेसीडेन्ट—डा० भगवानदास और डा० अब्दुल  
 क. गवरनिंग बोर्ड के प्रेसीडेन्ट—डा० भगवानदास;  
 सेक्रेटरी—पं० सुन्दरलाल.

**गवरनिंग बाडी के और मेम्बर—**

डा० सैयद महमूद, डा० ताराचन्द, मौलवी सैयद  
लमान नदवी, मि० मंजर अली सोलता, श्री बी० जी०  
र, पं० बिराम्भर नाथ, महात्मा भगवानदीन, सेठ पूनम  
रांका, क्राजी मोहम्मद अब्दुन राफार और श्री आम  
पालीवा .

मेम्बरी के क्रायदों के लिये लिखिये—

सुन्दरलाल

सेक्रेटरी, हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी,  
145, मुट्ठीगंज, इलाहाबाद.

नोट—सोसाइटी के नए क्रायदे के अनुसार मेम्बरी को फ्रीस सिर्फ एक रुपया कर दी गई है. "नया हिन्द" के जो ग्राहक मेम्बर बनना चाहें उनको सिर्फ ३ रुपया नन्दा देने पर ही मेम्बर बना लिया जायेगा. अलग से मेम्बरी की फ्रीस देने वाले सोसाइटी की निकली हुई कोई किताब जो एक रुपया दाम की होगी मुफ्त ले सकेंगे या अगर दाम की किताबें लेने पर एक बार एक रुपया कम ले सकेंगे.



- (1) ایک ایسی سندسگنی کلچر کا بھانا، پہلانا اور پرچار کرنا جس میں سب سندسگنی شامل ہوں۔  
(2) ایک نیا پہلانے کے لئے کتابیں، اخباروں، رسائل، پھرہ کا چھاپنا۔  
(3) پڑھائی گھروں، کتاب گھروں، سبھاؤں، کانفرنسوں، لکچروں سے سب گھروں، چائیں، برادریوں اور فرقوں میں آپس کا میل بھانا۔

—:0:—

سوسائٹی کے پریسیڈینٹ — مسٹر عبدالعجید خواجہ؛  
وائس پریسیڈینٹ — ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبدالحق۔  
گورننگ باڈی کے پریسیڈینٹ — ڈاکٹر بھگوان داس؛  
سکرٹری — پلانت سدرال۔

گورننگ باقی کے اور ممبر —

ڏاکٽر سید مصدود، ڏاکٽر تارا چلند، مهلوی سید  
 سلیمان ندوی، مسٽر منظر علي، سید خدیوہ شری بی. جی  
 انور، بلقیث بهمن ناز، مہنا بہگوان دین، سیتھ پونم  
 چلند، انکا قاسمی، مصدود عبدالغفار، آرد شری اوم پرکاش  
 مہموال.

ممبروں کے قواعدوں کے لئے لکھئے۔

سند، لال

سکرپٹس، ہمدستانی کلچر سوجانقی،  
145، مٹی، گلج، الہ آباد۔

نہایت سوسائٹی کے نئے قاعدے کے انوسار ممبری کی  
فیس صرف ایک روپیہ کر دی گئی ہے۔ ”نہا ہند“ کے  
جو گھک ممبر بننا چاہیں اُن کو صرف چھ روپیہ چندہ  
دینا پڑے گا۔ ممبر بننا آسان ہو گا۔ الگ سے ممبری کی  
فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو  
ایک روپیہ دام کی ہرکی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام  
کی کتابیں لے لے پر ایک بار ایک روپیہ کم کوا سکتے ہیں۔

THE UNIVERSITY OF CHICAGO

## فہرست ماہانہ ملے والی سچے اور کتابیں

नोट—यह विचारें सिर्फ हिन्दी में हैं.

پہلے ایک نیا اور ایک پرانی ملک

क्र.सं.	विषय	लेखक	पृष्ठ	वर्ग	प्रकाशक	नाम लेखक
1.	रोर जो शापरी	श्री अयोध्या प्रसाद गोबिलीय	8	0	0	श्री अयोध्या प्रसाद गोबिलीय
2.	रोर जो सुजान	"	8	0	0	"
3.	गहरे पानी पैठ	"	2	8	0	"
4.	हमारे आराध्य	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	3	0	0	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी
5.	संस्मरण	"	3	0	0	"
6.	दो हजार वर्ष पुरानी कथागिरी	श्री जगदीशचन्द्र जैन	3	0	0	श्री जगदीशचन्द्र जैन
7.	ज्ञान गंगा	श्री नारायण साव जैन	6	0	0	श्री नारायण साव जैन
8.	बैबल बिन्दू	श्री सान्ति प्रिय द्विवेदी	2	0	0	श्री सान्ति प्रिय द्विवेदी
9.	बैबल प्रदीप	सान्ति प्रिय. ए.	2	0	0	सान्ति प्रिय. ए.
10.	आकाश के तारे बरसी के फूल	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रसाद	2	0	0	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रसाद
11.	सुक्ति दूत	श्री बरिन्द्र कुमार जैन एम. ए.	5	0	0	श्री बरिन्द्र कुमार जैन एम. ए.
12.	मिलन बामिनी	श्री बरचन	4	0	0	श्री बरचन
13.	रजत हरिण	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2	8	0	डाक्टर रामकुमार वर्मा
14.	मेरे बापू	श्री तन्मय मुखारिया	2	8	0	श्री तन्मय मुखारिया
15.	विरह बीच की ओर	पंडित सुन्दरलाल मगधानदास केला	3	0	0	पंडित सुन्दरलाल मगधानदास केला
16.	आर्यभट्ट अथवा	श्री मगधानदास केला	5	0	0	श्री मगधानदास केला
17.	आर्यभट्ट शास्त्र	"	3	0	0	"
18.	आर्यभट्ट शास्त्र	"	2	4	0	"
19.	आर्यभट्ट और उनका काल	"	2	8	0	"
20.	आर्यभट्ट स्वाधीनता आन्दोलन	"	1	4	0	"
21.	सर्वोच्च अथवा व्यवस्था	"	1	8	0	"
22.	हमारी आदिम जातियाँ	श्री मगधानदास केला और श्री अश्विनी मिश्र	3	8	0	श्री मगधानदास केला और श्री अश्विनी मिश्र
23.	अथवा शास्त्र अथवा शास्त्री	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गंगाधर प्रसाद, अश्विनी मिश्र, मगधानदास केला	2	0	0	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गंगाधर प्रसाद, अश्विनी मिश्र, मगधानदास केला
24.	आर्यभट्ट शिक्षा	मगधानदास केला और दयाशंकर दुबे	1	8	0	मगधानदास केला और दयाशंकर दुबे
25.	आर्यभट्ट अथवा शास्त्र	श्री दयाशंकर दुबे	1	8	0	श्री दयाशंकर दुबे
26.	आर्यभट्ट	मगधानदास	3	0	0	मगधानदास
27.	आर्यभट्ट की शिक्षा	"	1	0	0	"
28.	आर्यभट्ट	"	0	8	0	"
29.	आर्यभट्ट	"	1	0	0	"

1990-1991

THE UNIVERSITY OF CHICAGO

1990年12月15日

1990

सम्पादक—श्री रघुपति सहाय 'किराक'

سہانک—ہدی ولہویتی سہالہ 'فراق'

पिछले पन्द्रह बरस से आज तक की उर्दू की चुनौ हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़ कर आप को मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह खयाली दुनिया को छोड़ कर वास्तविकी की सचाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है। आज की उर्दू शायरी गुल व बुलबुल और वस्ल व किराक तक ही सीमित नहीं है, अब आप को उर्दू कविता में किसानों और मजदूरों के दिलों की धड़कनें सुनाई देंगी। तुलसी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप ऐसी आवाज सुनेंगे जो आपके दिल की गहराइयों को छुएगी।

“इन कविताओं में अन्तराष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों मूलकें मिलती हैं.....सजीव तथा साकार .....वास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उर्दू साहित्य के आधुनिक दौर में अद्वितीय...”

23-2-'52 —रोजाना 'लोकवाणी' जयपुर

“जहां तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्च स्तर की हैं।”

6. 3. '52 —‘विशाल भारत’ कलकत्ता

“शंकार में प्रकाशित 72 उर्दू की कविताएं आज ही के युग की समस्याओं से ओत प्रोत हैं।”

17-2-'52 —‘नव भारत टाइम्स’ दिल्ली

“हिन्दी के पाठक स्नेह और चाव से इस संग्रह का आनन्द लेंगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है।”

13-1-'52 —‘अमृत पत्रिका’ इलाहाबाद

“हम उन की (कविताओं की) शक्ति, ताजगी और स्रव के क्रायल हैं वह एक नए युग का सन्देश देती हैं...भाषा अधिकतर सरल और बामहावरा है। कहीं कहीं तो ठेठ हिन्दी है।”

8-5-'52 —‘जीवन साहित्य’ दिल्ली

“शंकार की रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिलकुल बोल चाल के निकट है।” —‘नया समाज’ कलकत्ता

नागरी लिखावट में ऐसा भरपूर उर्दू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला। सुन्दर जिल्द, बढ़िया काराज, उम्दा कव्चाई, दाम सिकर तीन रुपया। इस किताबों की एक साथ खरीदारी पर पचास की सदी कमीशन।

किताब का पता—  
‘नया हिन्दू’ 145, सुदीर्गज, इलाहाबाद.

جھنگر پندرہ برس سے آج تک کی اردو کی چلی ہوئی کویاں کا یہ سنگمہ پومکر ایکو معلوم ہوگا کہ اردو کویاں نے کس طرح خیاالی دنیا کو چھوڑ کر زندگی کی سچائیوں سے اپنا نانا جوڑ لیا ہے۔ آج کی اردو شاعری گل و بلبل اور وصل و فراق تک ہی سمیت نہیں ہے۔ اب آپ کو اردو کویاں میں دسانوں اور سؤدروں کے دلوں کی دھڑکنوں سنانی دینگی۔ فلاسی، انھائے اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف آپ ایک ایسی آواز سینگے جو آپ کے دل کی لہروں کو چھوئے گی۔

”ان کویاں میں نعر و اشگری تنہا و اشگری نہیں چھلکے سنی ہیں...سچو تنہا ساکار ہیں... واستہ میں هلندی سلسار میں یہ پریاس انوکھا ہے اور اچو سامتہ کے آدمک دور میں آندہ ہے...”

23-2-'52 —‘روزانہ’ لوک وائی’ جہ پور

”جہاں تک بھاو کا سبندہ ہے کویاں آج اسکر کی ہیں۔“

6-3-'52 —‘وہال بھارت’ کلکتہ

”جھنگر میں پومکر 72 اردو کی کویاں آج ہی کے یک کی سمساوں سے اوت پروت ہیں۔“

17-2-'52 —‘نو بھارت ٹائیس’ دلی

”جھنگر کے ہائیک اسٹم اور چاو سے اس سنگمہ کا آندہ ایکم اور ان سے پریا کرہی کویاں یہ نہتہ ہے۔“

13-1-'52 —‘اسوت پتریکا’ الہ آباد

”ہم ان کی (کویاں کی) شکتی، تازگی اور سکر کے لائل ہیں۔ وہ ایک نئے یک کا سندیہ دیتی ہیں... لیکھا ایکم کر سول اور ہاسعارہ ہے۔ کہوں کہوں نو لیکو هلندی ہے۔“

8-5-'52 —‘جہوں سامتہ’ دلی

”جھنگر کی دچاوں میں یک کی پکر ہے اور بھاا بائل بول چال کے لکت ہے۔“ —‘لہا ساچ’ کلکتہ

تازگی لیکوٹ میں لیکو پومکر اردو کویاں سنگمہ کی لک نہیں لکے۔ سنگمہ چلد، پومکا لکے۔ صندہ لیکو۔ ہائیک تہی پومکا۔ ہئی کتاوں کی لیک ساہ لیکو۔ لیکو لیکو لیکو۔

—‘نیا جلد’ 145، سوڈیگج، الہ آباد.



## مہاتما گاندھی کی کسبیت

لکھک—شری منظر علی سوختہ

اپن دھرم سے کچھ کہتے ہیں مہاتما گاندھی نے گروہوں کو لوگ جھوٹا ملکہ میں بدل دینے کے لئے اپنی جہیز لکھی تھی۔ یہ دھرم کے نام اُنکی آخری وصیت ہے اور بھی دیا کہنا گاندھی جی کے پرم بھکتا شری منظر علی سوختہ نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھنے اور اہلانے والے بھی کے لئے لکھے لوگوں میں سے ایک ہیں۔

گاندھی واد کو سمجھنے کے لئے اسکا پڑھنا بہت ضروری ہے۔ 225 صفحہ کی سندر جلد بلدی کتاب کی قیمت صرف دو روپے۔

## اھنساتمک انقلاب کا راستہ

لکھک—شری منظر علی سوختہ

اس چھوٹی سی کتاب کو پڑھ کر آپ کو پتہ چلے گا مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح ان کے راستے پر چل کر اھنساتمک انقلاب سے دھرم میں انقلاب لایا جاسکتا ہے۔

پہلیس پائے کی کتاب، دس سیرک چار پائے۔

## آج کے شہید

لکھک—شری منظر علی سوختہ

ان بھادروں کی کہانیاں جنہوں نے بیرونی طاقتوں کی کڑی فٹ کی آگ میں ہنسنا نہیں دیا۔ ان کے لئے دھرم کی بھی قربانی کی اور اُسے بھولنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔

## مسلم دینش بھکت

لکھک—شری منظر علی سوختہ

ان مسلمان بھکتوں کی کہانیاں جنہوں نے اپنی جان قربان کر دی اور دھرم کو بھولنے کی کوشش نہ کی۔ ان کے لئے دھرم کی بھی قربانی کی اور اُسے بھولنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔

## مہاتما گاندھی کی وصیت

لکھک—شری منظر علی سوختہ

اپن دھرم سے کچھ کہتے ہیں مہاتما گاندھی نے گروہوں کو لوگ جھوٹا ملکہ میں بدل دینے کے لئے اپنی جہیز لکھی تھی۔ یہ دھرم کے نام اُنکی آخری وصیت ہے اور بھی دیا کہنا گاندھی جی کے پرم بھکتا شری منظر علی سوختہ نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھنے اور اہلانے والے بھی کے لئے لکھے لوگوں میں سے ایک ہیں۔

گاندھی واد کو سمجھنے کے لئے اسکا پڑھنا بہت ضروری ہے۔ 225 صفحہ کی سندر جلد بلدی کتاب کی قیمت صرف دو روپے۔

## اھنساتمک انقلاب کا راستہ

لکھک—شری منظر علی سوختہ

اس چھوٹی سی کتاب کو پڑھ کر آپ کو پتہ چلے گا مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح ان کے راستے پر چل کر اھنساتمک انقلاب سے دھرم میں انقلاب لایا جاسکتا ہے۔

پہلیس پائے کی کتاب، دس سیرک چار پائے۔

## آج کے شہید

لکھک—شری منظر علی سوختہ

ان بھادروں کی کہانیاں جنہوں نے بیرونی طاقتوں کی کڑی فٹ کی آگ میں ہنسنا نہیں دیا۔ ان کے لئے دھرم کی بھی قربانی کی اور اُسے بھولنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔

## مسلم دینش بھکت

لکھک—شری منظر علی سوختہ

ان مسلمان بھکتوں کی کہانیاں جنہوں نے اپنی جان قربان کر دی اور دھرم کو بھولنے کی کوشش نہ کی۔ ان کے لئے دھرم کی بھی قربانی کی اور اُسے بھولنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔

## गांधी बाबा

लेखक—कुदसिया जैदी

दो शब्द—जवाहरलाल नेहरू

यह अनमोल किताब जन्म से बलिदान तक की गांधी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी। हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माएं अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं। इस तरह की कहानियां आमतौर पर कीर राजाओं और उनके मुदरों की कहानियां होती हैं। बेगम कुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधी जी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी भाषा में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के में उतरता चला जाता है। हिन्दी में गांधीजी के ऊपरों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है। इसमें कहानी स भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी। इंडियन जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में है—

“उन्होंने (कुदसिया जैदी ने) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है, वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझतीं। उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्त्व की और प्यारी चीज है...मुझे खुशी है कि यह किताब लिखी गई है।”  
टे काराज पर, मोटे टाइप में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, पर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफ्ती की मजबूत-दाम केवल दो रुपये.

## भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिंदू और हिन्दुस्तानी की तकरार पर एक बे लाज किताब में आपको मिलेगी। राष्ट्र भाषा के सबाल एपी रखने वाले हर आई-बहन को इस किताब के तयवा होगा—सोचने की राहें सुझाई, जानअरी इ तरह तरह की तंग नफरियां मिटेंगी।  
आप सो सके की सुन्दर किताब, दाम केद रुपया  
—

निजर, 'नया हिन्द'

145 सुगम, इकाया

## गान्धी बाबा

लेखक—कुदसिया जैदी

दो शब्द—जवाहर लाल नेहरू

यह अनमोल किताब जन्म से बलिदान तक की गांधी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी। हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माएं अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं। इस तरह की कहानियां आमतौर पर कीर राजाओं और उनके मुदरों की कहानियां होती हैं। बेगम कुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधी जी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी भाषा में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के में उतरता चला जाता है। हिन्दी में गांधीजी के ऊपरों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है। इसमें कहानी स भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी। इंडियन जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में है—

“उन्होंने (कुदसिया जैदी ने) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है, वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझतीं। उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्त्व की और प्यारी चीज है...मुझे खुशी है कि यह किताब लिखी गई है।”  
टे काराज पर, मोटे टाइप में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, पर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफ्ती की मजबूत-दाम केवल दो रुपये.

मोटे टाइप पर, मोटे टाइप में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, पर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफ्ती की मजबूत-दाम केवल दो रुपये.

## भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिंदू और हिन्दुस्तानी की तकरार पर एक बे लाज किताब में आपको मिलेगी। राष्ट्र भाषा के सबाल एपी रखने वाले हर आई-बहन को इस किताब के तयवा होगा—सोचने की राहें सुझाई, जानअरी इ तरह तरह की तंग नफरियां मिटेंगी।  
आप सो सके की सुन्दर किताब, दाम केद रुपया  
—

निजर, 'नया हिन्द'

145 सुगम, इकाया

# 

## 

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق  
 کی باتیں ہیں۔ گیتا کا تفسیر، گیتا کے ایک ایک باب کا  
 اور گیتا کا تفسیر، گیتا کے ایک ایک باب کا  
 اور گیتا کا تفسیر، گیتا کے ایک ایک باب کا

جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں وہ ان کے لیے  
 جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں وہ ان کے لیے  
 جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں وہ ان کے لیے

## 

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق  
 اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق

جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں وہ ان کے لیے

## 

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق  
 اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق

جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں وہ ان کے لیے

## 

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق  
 اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق

## 

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق  
 اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق

جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں وہ ان کے لیے

جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں وہ ان کے لیے

# 

## 

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق  
 اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق

جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں وہ ان کے لیے  
 جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں وہ ان کے لیے

## 

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق  
 اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق

## 

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق  
 اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق

## 

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق  
 اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق

## 

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق  
 اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے متعلق

جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں وہ ان کے لیے

## ہندوستانی کلتور سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے پچاسواں دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔

ڈاک یا ریل سب سے ہر حال میں گاہک کے ہاتھ میں ہوگا۔

## بھارت کا ویڈیو

پورا ہندی انٹرویو

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاگو ہوا۔ 'بھارت میں انگریزی کی' کے لکھنے والے ہندوستانی مولا انگریزی سے انٹرویو۔

ہر بھارتی کا فرض ہے کہ جس بھارت کے اندر وہ بھارت کا شہر اس کے لیے ہے اسے اچھی طرح سمجھے۔ بھارت کے ہر گھر میں اس کی کاپی رکھنی چاہیے۔

آسان ہندوستانی، اہل انگریزی، اور ہندوستانی کے لیے چار سو روپے کی بکسٹروں کی قیمت صرف ساڑھے ساڑھے روپے۔

## فرقہ بندی پر باؤ

مترجم—شری شریکرشن داس

اس بکسٹرو میں سن 1921 سے سن 1948 تک ہندوستانی کے سوال پر جو کچھ کہا گیا ہے اسے سمجھنا چاہیے۔

بھارت کے آزادی ہونے پر یہ بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہندوستانی اس کے لیے نقصان کو سمجھے اور اس کے لیے اندر سے صاف کرے۔

بکسٹرو چاند، اچھا لکھا، دو سو روپے۔ قیمت دو روپے۔

## ونوبہ کا سندیوش

لکھنے والے—سورب رامسارے

ایک شہر—مہاتما بھگواندین

ونوبہ کی بھارتی بکسٹرو میں آج سارا بھارت میں لکھا گیا ہے۔ اس کی بکسٹرو میں آج سارا بھارت میں لکھا گیا ہے۔

پہلا ایڈیشن ہائیڈرو نیٹکس گیا۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ 25، دام کے لیے دو روپے۔

پتہ—

پتہ، 'نیا ہند' 145، مڈل سٹریٹ، اسلام آباد۔

## بھارت کا ویڈیو

پچاس روپے سے پچاسواں دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔

ڈاک یا ریل سب سے ہر حال میں گاہک کے ہاتھ میں ہوگا۔

## فرقہ بندی پر باؤ

مترجم—شری شریکرشن داس

اس بکسٹرو میں سن 1921 سے سن 1948 تک ہندوستانی کے سوال پر جو کچھ کہا گیا ہے اسے سمجھنا چاہیے۔

بھارت کے آزادی ہونے پر یہ بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہندوستانی اس کے لیے نقصان کو سمجھے اور اس کے لیے اندر سے صاف کرے۔

بکسٹرو چاند، اچھا لکھا، دو سو روپے۔ قیمت دو روپے۔

## ونوبہ کا سندیوش

لکھنے والے—سورب رامسارے

ونوبہ کی بھارتی بکسٹرو میں آج سارا بھارت میں لکھا گیا ہے۔ اس کی بکسٹرو میں آج سارا بھارت میں لکھا گیا ہے۔

پہلا ایڈیشن ہائیڈرو نیٹکس گیا۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ 25، دام کے لیے دو روپے۔

پتہ—

پتہ، 'نیا ہند' 145، مڈل سٹریٹ، اسلام آباد۔

میں میں مائل تھا، وہ گالی دینے کے بے انداز میں بات کر رہے تھے۔۔۔۔۔ کبھی دھڑکنے کے بجائے کسی ایسی بات کہہ سکتا ہے؟۔۔۔۔۔ جب میں میٹنگ میں، تب تک ٹھیک۔ اگر کل کے روز میں۔۔۔۔۔ میٹنگی ہو جائے تو 'اٹا شاہ' اور 'کوسی نوزلہ' اور 'اٹا'۔۔۔۔۔ دیکھو میں یہ آتا ہے کہ وہ تمام لوگ چٹھیں پارتی لے میرا دیں، پارتی سے لڑنے کے لئے ایک ہو گئے ہیں۔"

لکھنؤ نے ایک تار بابو کا چترن بڑا سندر کیا ہے۔۔۔۔۔ دھڑکنے میں اس نے یہ شدت لکھنؤ پر اتار دیتے۔ اپنی اپنی زندگی میں اس نے لکھ جاتے تھے سندیہ لکھ تھے، خوشی کے سندیہ اور غم کے سندیہ، کٹلی ہر دوسروں کے درد اور دوسروں کی خوشی کی خبر اس نے سب سے پہلے سنی تھی۔ اپنے کام کے سلسلے میں اس نے لکھ جاتے کہ سب سے تار کے ان چھوٹے سندیہوں کے لئے یہ دھڑکنے دیتا، چھوڑ دیتا تھا، اس کا کام تو بس اتنا تھا کہ دھڑکنے کو بکھرے اور مشین کی طرح اپنی کو لکھنؤ پر اتار دے۔"

ساروجنک کام کرنے والے اپنی صحت کی پرواہ نہیں کرتے۔۔۔۔۔ لکھنؤ کے لئے بڑے کام کی نصیحت ہے۔ کچھ چاکن اپنے لئے کو لکھتا ہے۔ "میرے بھائی اب تم اپنی صحت کی فکر کرو۔" لکھنؤ اپنی طاقت کو خرچ نہ کرو کیونکہ صحت کی بھاری قیمت پارتی کو چٹکی پڑتی ہے۔"

خودکشی کے بارے میں لکھا ہے۔ "پستول کو رست ہو کبھی اس کی ہمت کسی سے نہ کہنا۔ چھوٹے جب لکھنؤ لکھتے ہو آئے، تب اپنی جیلہ کی کا سیکو۔"

پستل ایک اور سندر نصیحت کام کرنے والوں کو دیتی ہے۔ "ہم لوگ کبھی کبھی اپنی شکلیوں کو ہری طرح برباد ہیں، جس کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ اب میں اس کام سے سیکھ گیا ہوں کہ یہ بھرتا کی اتنی لکھنؤ نہیں ہے۔" ناقابلیت اور غیر ذمہ داری کی۔ اب میں سیکھ گیا کہ مجھے اپنی تندرستی کے بارے میں اتنی لکھنؤی ہر تار سے نہ تھا۔"

پتھر اصولی لکھنؤ کے ہر چٹن شیل پاتھک کو یہ آپدیس پوچھنا چاہئے۔ "اللہ کی زبان سہل اور معارف دار ہے۔" لکھنؤی ہی عہدہ ہے۔

لکھنؤ نے ایک تار بابو کا چترن بڑا سندر کیا ہے۔۔۔۔۔ دھڑکنے میں اس نے یہ شدت لکھنؤ پر اتار دیتے۔ اپنی اپنی زندگی میں اس نے لکھ جاتے تھے سندیہ لکھ تھے، خوشی کے سندیہ اور غم کے سندیہ، کٹلی ہر دوسروں کے درد اور دوسروں کی خوشی کی خبر اس نے سب سے پہلے سنی تھی۔ اپنے کام کے سلسلے میں اس نے لکھ جاتے کہ سب سے تار کے ان چھوٹے سندیہوں کے لئے یہ دھڑکنے دیتا، چھوڑ دیتا تھا، اس کا کام تو بس اتنا تھا کہ دھڑکنے کو بکھرے اور مشین کی طرح اپنی کو لکھنؤ پر اتار دے۔"

ساروجنک کام کرنے والے اپنی صحت کی پرواہ نہیں کرتے۔۔۔۔۔ لکھنؤ کے لئے بڑے کام کی نصیحت ہے۔ کچھ چاکن اپنے لئے کو لکھتا ہے۔ "میرے بھائی اب تم اپنی صحت کی فکر کرو۔" لکھنؤ اپنی طاقت کو خرچ نہ کرو کیونکہ صحت کی بھاری قیمت پارتی کو چٹکی پڑتی ہے۔"

خودکشی کے بارے میں لکھا ہے۔ "پستول کو رست ہو کبھی اس کی ہمت کسی سے نہ کہنا۔ چھوٹے جب لکھنؤ لکھتے ہو آئے، تب اپنی جیلہ کی کا سیکو۔"

پستل ایک اور سندر نصیحت کام کرنے والوں کو دیتی ہے۔ "ہم لوگ کبھی کبھی اپنی شکلیوں کو ہری طرح برباد ہیں، جس کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ اب میں اس کام سے سیکھ گیا ہوں کہ یہ بھرتا کی اتنی لکھنؤ نہیں ہے۔" ناقابلیت اور غیر ذمہ داری کی۔ اب میں سیکھ گیا کہ مجھے اپنی تندرستی کے بارے میں اتنی لکھنؤی ہر تار سے نہ تھا۔"

پتھر اصولی لکھنؤ کے ہر چٹن شیل پاتھک کو یہ آپدیس پوچھنا چاہئے۔ "اللہ کی زبان سہل اور معارف دار ہے۔" لکھنؤی ہی عہدہ ہے۔





100



کامیابیات انہیں اپنے ترقی میں کمر کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

آخر میں ایک عرض اور یہی ہے۔ سائنس والے محض دماغی کام کرتے ہیں اور انہیں جیسمانی کام سے بڑا کام نہیں ملتا۔ شاید یہ ماننے والے ہیں کہ جیسمانی کام کرنے والے انسان ان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ گھبراہٹ سے بھرپور ہوئے۔ یہ خیال غلط ہے۔ سائنس والوں کو اپنی دینا یا تعلیم تو لگانی ہوگی مگر سائنس کا مول پیسہ میں کرنے کے معنی ہیں اسے چند لوگوں کے ہاتھ میں سونپ کر دنیا کی نئے نئے فیصدی آبادی کو اس سے محروم رکھنا۔ یہ ناانسانی ہے۔ اگر سائنس والے کی آہ سرکار کے خلاف جاتی ہے تو عام آدمی کی آہ سائنس والوں کے خلاف جاتی ہے۔ عوام سے ان کا تعلق توڑتا ہے۔ مجبور ہو کر انہیں سرکار کا منہ دیکھنا پڑتا ہے جو منمائی شرطوں پر انہیں رکھتی ہے۔ ہمارے ہندوستان کے سائنس والوں کو تو اس طرف خاص طور سے دھیان دینا چاہیے۔

29. 11. '54

—مہریش رامبانی

## راجکمار کی امیت اور سنتی-نیم

نیم کا پتر ہم بڑی تسلی اور خوشی کے ساتھ  
آپ کا پتر پڑھ رہے ہیں۔ ہمیں یہ کہ دینا کہ پتر کی  
ریپورٹ کے کارن یہ رات فہمی پیدا ہوئی۔

23. 12. 54

سندھ لال  
نئی دہلی

20 دسمبر، 1954

پری مہریش،

راجکمار کی امیت اور 'نیا ہند' کے نومبر  
میں 'امریکا میں میسٹر محمد علی اور  
راجکمار کی امیت اور' لکھ کی اور راجکمار کی  
کا خیال غلط نہیں پیدا ہوئی۔  
23. 12. '54  
سندھ لال  
نئی دہلی  
20 دسمبر سن 1954  
پری مہریش

آپ کا  
جہانند شرمہ  
پرنسپل آسٹریٹ

واقعات انہیں اپنے طرز میں فرق کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

آخر میں ایک عرض اور یہی ہے۔ سائنس والے محض دماغی کام کرتے ہیں اور انہیں جیسمانی کام سے بڑا کام نہیں ملتا۔ شاید یہ ماننے والے ہیں کہ جیسمانی کام کرنے والے انسان ان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ گھبراہٹ سے بھرپور ہوئے۔ یہ خیال غلط ہے۔ سائنس والوں کو اپنی دینا یا تعلیم تو لگانی ہوگی مگر سائنس کا مول پیسہ میں کرنے کے معنی ہیں اسے چند لوگوں کے ہاتھ میں سونپ کر دنیا کی نئے نئے فیصدی آبادی کو اس سے محروم رکھنا۔ یہ ناانسانی ہے۔ اگر سائنس والے کی آہ سرکار کے خلاف جاتی ہے تو عام آدمی کی آہ سائنس والوں کے خلاف جاتی ہے۔ عوام سے ان کا تعلق توڑتا ہے۔ مجبور ہو کر انہیں سرکار کا منہ دیکھنا پڑتا ہے جو منمائی شرطوں پر انہیں رکھتی ہے۔ ہمارے ہندوستان کے سائنس والوں کو تو اس طرف خاص طور سے دھیان دینا چاہیے۔

—سندھ لال رامبانی

29. 11. '54

## راجکمار کی امیت اور سنتی-نیم

نیم کا پتر ہم بڑی تسلی اور خوشی کے ساتھ  
آپ کا پتر پڑھ رہے ہیں۔ ہمیں یہ کہ دینا کہ پتر کی  
ریپورٹ کے کارن یہ رات فہمی پیدا ہوئی۔

سندھ لال

23. 12. '54

نئی دہلی

20 دسمبر سن 1954

پری مہریش

راجکمار کی امیت اور 'نیا ہند' کے نومبر  
میں 'امریکا میں میسٹر محمد علی اور  
راجکمار کی امیت اور' لکھ کی اور راجکمار کی  
کا خیال غلط نہیں پیدا ہوئی۔  
23. 12. '54  
سندھ لال  
نئی دہلی  
20 دسمبر سن 1954  
پری مہریش

آپ کا  
جہانند شرمہ  
پرنسپل آسٹریٹ



کیا جا رہا ہو۔ وہ اتنی حد کو پہنچ گئی کہ کسی بھی آپریشن میں ایٹمی ہتھیاروں کو استعمال کرنا ہی ناممکن ہو گیا۔ اور ایک ممبر پروٹیسٹر آئنسٹائن کو یہاں تک اشارہ کرنا پڑا کہ امریکن سیکورٹی کمیٹی (Internal Security Committee) یا اس طرح کی دوسری کمیٹی کے سامنے کسی بھی دماغدار آدمی کو بیان دینے سے انکار کر دینا چاہیے۔

بڑا بڑا پہلے جس یونیورسٹی میں پروفیسر آئنسٹائن پڑھتے تھے وہاں کی سائنس انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر رابرٹ اوپنہائمر تھے۔ ان کی سہولتوں سے خوش ہو کر امریکن سرکار نے انہیں ایٹامک انرجی کمیشن (Atomic Energy Commission) کا رکن مقرر کیا۔ لیکن جب ہائیڈروجن بم بنا تو ان سے سلاہ لی گئی کہ اس کے استعمال کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے اس کے استعمال کے خلاف رائے دی اور کہا کہ وہ بہت ہی خطرناک و تباہ کن ہے۔ ان کی یہ رائے امریکی سرکار کو پسند نہیں آئی اور اس نے انہیں کمیشن کے مشیر پر سے ہٹا دیا۔ لیکن آج بڑے بڑے فوجی جنرل اور سائنس دان ڈاکٹر اوپنہائمر کی رائے سے امتناع کرتے ہیں۔ انگریز کے سرنام انسٹر کپتان لڈل ہارٹ (Capt. Liddle Hart) کا کہنا ہے کہ ہائیڈروجن بم کے بعد ”مکمل لڑائی“ اور ”جیت“ لفظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر اب کوئی ”لڑائی جیتے“ کے خواب دیکھتا ہے یا اس طرح کی بات کرتا ہے تو ”مہل سے بدتر بات کرتا ہے۔ اس سے اس کے اپنے ملک کو اور کل انسانی قوم کو خطرہ ہے۔“ حال ہی میں جاپان کے نزدیک جو ہائیڈروجن بم کا تجربہ کیا گیا اس سے نوویا ہند تک کے لوگ تر گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح کے تجربوں سے ہماری جان و مال کو اندیشہ ہے۔

ہائیڈروجن بم سے کبھی بڑا خطرناک چیز یہ ہے کہ ہائیڈروجن بم کے بارے میں سائنس والوں کو رائے دینے کا سہارا نہ دیا جائے یا سبھی رائے دینے پر ان کے خیالات کاربائی کی جائے۔ امریکا میں فیکٹریز اور امریکن سائنس دانوں کے نام کی جو جماعت ہے اس نے پروپیگنڈا کمیشن ہارورڈ کو لکھا ہے کہ کسی وفادار سائنس دان کو دلی رائے ظاہر کرنے پر نکال باہر کر دینا اپنی قوم کے لئے خطرناک ہے۔ امریکہ میں سائنس دانوں کو کہاں تک دبا دیا جا رہا ہے اس کا پتہ اس سال سے ملتا ہے جو پروٹیسٹر انس پالنگ نے اپنے دوستوں کو دی۔ انہوں نے کہا ہے کہ ”آپ اس بات کی احتیاط رکھیں کہ آپ کوئی زیادہ اونچے یا بہترین ہوج نہ کر لیں۔ امریکہ میں مسٹر آرڈن لائی مور کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس سے بھی میں بات ظاہر ہوتی ہے۔ پروٹیسٹر لائی مور کے

تھوڑا عرصہ پہلے جس یونیورسٹی میں پروٹیسٹر آئنسٹائن پڑھتے تھے وہاں کی سائنس انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر رابرٹ اوپنہائمر تھے۔ ان کی سہولتوں سے خوش ہو کر امریکی سرکار نے انہیں ایٹامک انرجی کمیشن (Atomic Energy Commission) کا رکن مقرر کیا۔ لیکن جب ہائیڈروجن بم بنا تو ان سے سلاہ لی گئی کہ اس کے استعمال کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے اس کے استعمال کے خلاف رائے دی اور کہا کہ وہ بہت ہی خطرناک و تباہ کن ہے۔ ان کی یہ رائے امریکی سرکار کو پسند نہیں آئی اور اس نے انہیں کمیشن کے مشیر پر سے ہٹا دیا۔ لیکن آج بڑے بڑے فوجی جنرل اور سائنس دان ڈاکٹر اوپنہائمر کی رائے سے امتناع کرتے ہیں۔ انگریز کے سرنام انسٹر کپتان لڈل ہارٹ (Capt. Liddle Hart) کا کہنا ہے کہ ہائیڈروجن بم کے بعد ”مکمل لڑائی“ اور ”جیت“ لفظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر اب کوئی ”لڑائی جیتے“ کے خواب دیکھتا ہے یا اس طرح کی بات کرتا ہے تو ”مہل سے بدتر بات کرتا ہے۔ اس سے اس کے اپنے ملک کو اور کل انسانی قوم کو خطرہ ہے۔“ حال ہی میں جاپان کے نزدیک جو ہائیڈروجن بم کا تجربہ کیا گیا اس سے نوویا ہند تک کے لوگ تر گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح کے تجربوں سے ہماری جان و مال کو اندیشہ ہے۔

ہائیڈروجن بم سے کبھی بڑا خطرناک چیز یہ ہے کہ ہائیڈروجن بم کے بارے میں سائنس والوں کو رائے دینے کا موقع نہ دیا جائے یا سچی رائے دینے پر ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ امریکہ میں فیکٹریز اور امریکن سائنس دانوں کے نام کی جو جماعت ہے اس نے پروپیگنڈا کمیشن ہارورڈ کو لکھا ہے کہ کسی وفادار سائنس دان کو دلی رائے ظاہر کرنے پر نکال باہر کر دینا اپنی قوم کے لئے خطرناک ہے۔ امریکہ میں سائنس دانوں کو کہاں تک دبا دیا جا رہا ہے اس کا پتہ اس سال سے ملتا ہے جو پروٹیسٹر انس پالنگ نے اپنے دوستوں کو دی۔ انہوں نے کہا ہے کہ ”آپ اس بات کی احتیاط رکھیں کہ آپ کوئی زیادہ اونچے یا بہترین ہوج نہ کر لیں۔ امریکہ میں مسٹر آرڈن لائی مور کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس سے بھی میں بات ظاہر ہوتی ہے۔ پروٹیسٹر لائی مور کے

ہائیڈروجن بم سے کبھی بڑا خطرناک چیز یہ ہے کہ ہائیڈروجن بم کے بارے میں سائنس والوں کو رائے دینے کا موقع نہ دیا جائے یا سچی رائے دینے پر ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ امریکہ میں فیکٹریز اور امریکن سائنس دانوں کے نام کی جو جماعت ہے اس نے پروپیگنڈا کمیشن ہارورڈ کو لکھا ہے کہ کسی وفادار سائنس دان کو دلی رائے ظاہر کرنے پر نکال باہر کر دینا اپنی قوم کے لئے خطرناک ہے۔ امریکہ میں سائنس دانوں کو کہاں تک دبا دیا جا رہا ہے اس کا پتہ اس سال سے ملتا ہے جو پروٹیسٹر انس پالنگ نے اپنے دوستوں کو دی۔ انہوں نے کہا ہے کہ ”آپ اس بات کی احتیاط رکھیں کہ آپ کوئی زیادہ اونچے یا بہترین ہوج نہ کر لیں۔ امریکہ میں مسٹر آرڈن لائی مور کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس سے بھی میں بات ظاہر ہوتی ہے۔ پروٹیسٹر لائی مور کے

## ایک ویکٹریک کی آواز !

آئنسٹائن آج ویکٹریک یا سائنس کی دنیا میں سب سے زیادہ مشہور شخصیات میں سے ہیں۔ اور وہ کچھ ویکٹریک ہی نہیں بلکہ ایک اعلیٰ اور نوجوان والی شخصیت ہیں۔ حال ہی میں ایک اخبار فریمن نے ان سے ملاقات کی اور پوچھا کہ سائنس والوں یا دوسرے دستدار لوگوں کے ساتھ امریکہ میں کس طرح پیش کیا جا رہا ہے اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟ پروفیسر آئنسٹائن چپ رہے اور پھر کہا کہ "اگر مجھے پھر سے جوانی حاصل ہو تب میں اپنی روزی کمانے کے لئے ویکٹریک یا ڈیجر یا پروفیسر ہونا پسند نہیں کروں گا بلکہ ایک مزدور ہونا چاہوں گا تاہم آجکل کی حالت میں چٹکی بھی تھوڑی بہت آزادی حاصل ہے اس کا انویور کر سکتوں۔"

ان چند اظہاروں سے پروفیسر آئنسٹائن کے دل کا درد صاف صاف پتا چلتا ہے۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ آج کی دنیا میں اور خاص کر امریکہ میں وہ خیالی و نامی آزادی حاصل نہیں ہے جس کی انہیں امید تھی یا جس کی کسی شریف آدمی کو امید ہونی چاہئے۔ آج سے قریب بیس برس پہلے پروفیسر آئنسٹائن اپنی جام بھی جرمی سے امریکہ آئے تھے۔ جب ملٹر کا جرمی میں ہل ہوا اور کسی بڑی بڑی کا وہاں رہنا ناممکن ہو گیا تب انہوں نے اپنا ملک چھوڑا تھا اور امریکہ کی پوسٹن یونیورسٹی میں آکر بسے تھے۔

کسی خوشی کی بات ہے کہ آج دنیا کے کسی حصہ میں آزادی نہیں مل رہی ہے کسی کی فوج دوسرے ملک کے خلاف مارچ نہیں کر رہی ہے۔ لیکن کسی بدقسمتی ہے کہ آج دنیا میں جتنا بڑا بڑا دھماکا ہے اتنا شاید تاریخ کے کسی زمانہ میں نہیں تھا۔ امریکہ اور روس میں بیگمونی کی کڑواہٹ سے ہر طرح کی دولت موجد ہے لیکن وہاں کی آبادیاں ایک دوسرے سے بہت قریبی ہیں اور دونوں کی سرکاری ایک دوسرے کے خلاف پوجا کرتی ہیں کہ ایک کی وجہ سے دوسرے کو خطرہ ہے۔ اس طرح سارا یورپ، امریکہ اور انہیں و پچھلی ایشیا پر قبضہ کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں آج آزاد خیالی منور ہوئی نہیں گئی ہے اور ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ وہاں کی حکومت کی جو چپ چاپ جا رہا ہے یا "مچھا" تاجدار نہیں کرنا تو اس کا مطلب یہی رہتا ہے کہ وہاں جو جملہ ایسی آدمی کے ساتھ امریکہ کے سائنس دانوں کو خاص طور سے جوتا رہا ہے۔ ان سے طرح طرح کی مطالبات کی جاتی ہے اور کس طرح کی جاتی ہے مانو کسی چور یا ڈاکو سے جواب طلب

کسی خرابی کی بات ہے کہ آج دنیا کے کسی حصہ میں آزادی نہیں مل رہی ہے کسی کی فوج دوسرے ملک کے خلاف مارچ نہیں کر رہی ہے۔ لیکن کسی بدقسمتی ہے کہ آج دنیا میں جتنا بڑا بڑا دھماکا ہے اتنا شاید تاریخ کے کسی زمانہ میں نہیں تھا۔ امریکہ اور روس میں بیگمونی کی کڑواہٹ سے ہر طرح کی دولت موجد ہے لیکن وہاں کی آبادیاں ایک دوسرے سے بہت قریبی ہیں اور دونوں کی سرکاری ایک دوسرے کے خلاف پوجا کرتی ہیں کہ ایک کی وجہ سے دوسرے کو خطرہ ہے۔ اس طرح سارا یورپ، امریکہ اور انہیں و پچھلی ایشیا پر قبضہ کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں آج آزاد خیالی منور ہوئی نہیں گئی ہے اور ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ وہاں کی حکومت کی جو چپ چاپ جا رہا ہے یا "مچھا" تاجدار نہیں کرنا تو اس کا مطلب یہی رہتا ہے کہ وہاں جو جملہ ایسی آدمی کے ساتھ امریکہ کے سائنس دانوں کو خاص طور سے جوتا رہا ہے۔ ان سے طرح طرح کی مطالبات کی جاتی ہے اور کس طرح کی جاتی ہے مانو کسی چور یا ڈاکو سے جواب طلب

کسی خوشی کی بات ہے کہ آج دنیا کے کسی حصہ میں آزادی نہیں مل رہی ہے کسی کی فوج دوسرے ملک کے خلاف مارچ نہیں کر رہی ہے۔ لیکن کسی بدقسمتی ہے کہ آج دنیا میں جتنا بڑا بڑا دھماکا ہے اتنا شاید تاریخ کے کسی زمانہ میں نہیں تھا۔ امریکہ اور روس میں بیگمونی کی کڑواہٹ سے ہر طرح کی دولت موجد ہے لیکن وہاں کی آبادیاں ایک دوسرے سے بہت قریبی ہیں اور دونوں کی سرکاری ایک دوسرے کے خلاف پوجا کرتی ہیں کہ ایک کی وجہ سے دوسرے کو خطرہ ہے۔ اس طرح سارا یورپ، امریکہ اور انہیں و پچھلی ایشیا پر قبضہ کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں آج آزاد خیالی منور ہوئی نہیں گئی ہے اور ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ وہاں کی حکومت کی جو چپ چاپ جا رہا ہے یا "مچھا" تاجدار نہیں کرنا تو اس کا مطلب یہی رہتا ہے کہ وہاں جو جملہ ایسی آدمی کے ساتھ امریکہ کے سائنس دانوں کو خاص طور سے جوتا رہا ہے۔ ان سے طرح طرح کی مطالبات کی جاتی ہے اور کس طرح کی جاتی ہے مانو کسی چور یا ڈاکو سے جواب طلب

کسی خوشی کی بات ہے کہ آج دنیا کے کسی حصہ میں آزادی نہیں مل رہی ہے کسی کی فوج دوسرے ملک کے خلاف مارچ نہیں کر رہی ہے۔ لیکن کسی بدقسمتی ہے کہ آج دنیا میں جتنا بڑا بڑا دھماکا ہے اتنا شاید تاریخ کے کسی زمانہ میں نہیں تھا۔ امریکہ اور روس میں بیگمونی کی کڑواہٹ سے ہر طرح کی دولت موجد ہے لیکن وہاں کی آبادیاں ایک دوسرے سے بہت قریبی ہیں اور دونوں کی سرکاری ایک دوسرے کے خلاف پوجا کرتی ہیں کہ ایک کی وجہ سے دوسرے کو خطرہ ہے۔ اس طرح سارا یورپ، امریکہ اور انہیں و پچھلی ایشیا پر قبضہ کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں آج آزاد خیالی منور ہوئی نہیں گئی ہے اور ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ وہاں کی حکومت کی جو چپ چاپ جا رہا ہے یا "مچھا" تاجدار نہیں کرنا تو اس کا مطلب یہی رہتا ہے کہ وہاں جو جملہ ایسی آدمی کے ساتھ امریکہ کے سائنس دانوں کو خاص طور سے جوتا رہا ہے۔ ان سے طرح طرح کی مطالبات کی جاتی ہے اور کس طرح کی جاتی ہے مانو کسی چور یا ڈاکو سے جواب طلب

बापनी मिलों की बनी चीनी दूसरे अपने से ज्यादा पिछड़े हुए देशों में बेचकर वैसे कमाने के नापाक साम्राजी प्रलोभन की भी हमें जितना चाहिये.

(3) चाय के बागीचे जल्दी से जल्दी विदेशियों के हाथों से ले लेना हम भारत सरकार का कर्तव्य समझते हैं. हम इन्टर लोहिया से सहमत हैं कि अगर मुआवजे के रूप में या किसी रूप में कुछ धन देना भी पड़ जाये तो कोई हर्ज नहीं. हमें यह भी मालूम है कि अंग्रेजों का जितना धन इन चाय के बागीचों में लगा है वह सब भारत ही से बल्कि भारत की छूट से कमाया हुआ धन है. हम उन पुराने जहाजों को छेड़ना नहीं चाहते. पर इस गरीब देश से इस तरह धन का बहना और उसकी गरीब जनता के साथ यह बदसलूकी अब बन्द होनी चाहिये.

इस धन्दे को आगे के लिये चलाने के दो ही ढंग हो सकते हैं. एक तो हर किसान अपनी छोटी सी निजी जमीन पर चाय के पीछे अच्छी तरह लगा सकता है और बिलकुल बरेखु ढंग से चाय तैयार करके बाजार में बेच सकता है. दूसरे आजकल की सूरत में यह सारा धन्दा इस तरह की कलेक्टिव फार्मिंग यानी मुशतरका खेती की शकल में बड़ी सुन्दरता से चल सकता है जिसका नमूना हमने रूस के कलेक्टिव फार्मों में अच्छी तरह देखा है. जो लोग फार्म में काम करें वही उसके मालिक, वही उसका सारा प्रबन्ध करने वाले और वही मुनाफे के हकदार. सरकार का काम केवल उनकी जरूरत के अनुसार उनके कहने पर उनकी मदद कर देना है. यही रास्ता है जिस पर धीरे धीरे हमें अपने बहुत से धन्दों को ले जाना है.

सरकार नाम की चीज़ का दुनिया से ख़तम होना

दुनिया की अधिकतर सरकारें आज इस कोशिश में हैं कि अधिक से अधिक धन्दे, अधिक से अधिक व्यापार और अधिक से अधिक शक्ति उनके हाथों में रहे. यह ढंग जनता के लिये बहुत ख़तरनाक ढंग है. जिस तरह पैसे की शक्ति कहीं भी एक जगह जमा होने के बजाय सब आदमियों में बराबर की बंटी रहे इसी में दुनिया का भला है, वैसे ही दूसरी सब शक्तियां भी ज्यादा से ज्यादा लोगों में बंटी रहें वही अच्छा है. जिन खास सूरतों में किसी शक्ति का एक जगह जमा होना जरूरी होता है वह भी, जैसा हमने ऊपर कहा है, पंचायती ढंग से जनता के हाथों में ही रहनी चाहिये. सरकार सबसे अच्छी वही है जिसके हाथों में सबसे कम अधिकार हों, यानी जिसे सबसे कम शासन करना पड़े. जनता को ताक़तवर बनाने का यही तरीका है. जिस आदर्श की सरफ़ दुनिया को जाना है वह सरकारों की ताक़त को बढ़ाना नहीं है, उसे धीरे धीरे कम करके सरकार नाम की चीज़ को दुनिया से ख़तम करना है.

15. 12. '54

—सुन्दरलाल

अपनी मूलों की बनी जहली दूसरे अपने से ज्यादा पिछड़े हुए देशों में बेचकर वैसे कमाने के नापाक साम्राजी प्रलोभन को भी हमें छेड़ना चाहिये.

(3) चाय के बागीचे जल्दी से जल्दी विदेशियों के हाथों से ले लेना हम भारत सरकार का कर्तव्य समझते हैं. हम इन्टर लोहिया से सहमत हैं कि अगर मुआवजे के रूप में या किसी रूप में कुछ धन देना भी पड़ जाये तो कोई हर्ज नहीं. हमें यह भी मालूम है कि अंग्रेजों का जितना धन इन चाय के बागीचों में लगा है वह सब भारत ही से बल्कि भारत की छूट से कमाया हुआ धन है. हम उन पुराने जहाजों को छेड़ना नहीं चाहते. पर इस गरीब देश से इस तरह धन का बहना और उसकी गरीब जनता के साथ यह बदसलूकी अब बन्द होनी चाहिये.

इस धन्दे को आगे के लिये चलाने के दो ही ढंग हो सकते हैं. एक तो हर किसान अपनी छोटी सी निजी जमीन पर चाय के पीछे अच्छी तरह लगा सकता है और बिलकुल बरेखु ढंग से चाय तैयार करके बाजार में बेच सकता है. दूसरे आजकल की सूरत में यह सारा धन्दा इस तरह की कलेक्टिव फार्मिंग यानी मुशतरका खेती की शकल में बड़ी सुन्दरता से चल सकता है जिसका नमूना हमने रूस के कलेक्टिव फार्मों में अच्छी तरह देखा है. जो लोग फार्म में काम करें वही उसके मालिक, वही उसका सारा प्रबन्ध करने वाले और वही मुनाफे के हकदार. सरकार का काम केवल उनकी जरूरत के अनुसार उनके कहने पर उनकी मदद कर देना है. यही रास्ता है जिस पर धीरे धीरे हमें अपने बहुत से धन्दों को ले जाना है.

सरकार नाम की चीज़ का दुनिया से ख़तम होना

दुनिया की अधिकतर सरकारें आज इस कोशिश में हैं कि अधिक से अधिक धन्दे, अधिक से अधिक व्यापार और अधिक से अधिक शक्ति उनके हाथों में रहे. यह ढंग जनता के लिये बहुत ख़तरनाक ढंग है. जिस तरह पैसे की शक्ति कहीं भी एक जगह जमा होने के बजाय सब आदमियों में बराबर की बंटी रहे इसी में दुनिया का भला है, वैसे ही दूसरी सब शक्तियां भी ज्यादा से ज्यादा लोगों में बंटी रहें वही अच्छा है. जिन खास सूरतों में किसी शक्ति का एक जगह जमा होना जरूरी होता है वह भी, जैसा हमने ऊपर कहा है, पंचायती ढंग से जनता के हाथों में ही रहनी चाहिये. सरकार सबसे अच्छी वही है जिसके हाथों में सबसे कम अधिकार हों, यानी जिसे सबसे कम शासन करना पड़े. जनता को ताक़तवर बनाने का यही तरीका है. जिस आदर्श की सरफ़ दुनिया को जाना है वह सरकारों की ताक़त को बढ़ाना नहीं है, उसे धीरे धीरे कम करके सरकार नाम की चीज़ को दुनिया से ख़तम करना है.

15. 12. '54

—सुन्दरलाल



میں ہمہراہ اس طرح کی درجنوں کی سپلائی کی جیسی ابھی 10 دسمبر کو مہینہ پرانے کی ٹیوٹن چکی کھان میں مالوں یا مہنگیوں کی سپلائی کے کان ہو چکی تھیں جس میں کہا جاتا ہے پوسٹ پر گناہ مزدوروں کی ملت میں جان گئی۔ کونٹے کے دھندے کو چلنے کے دو ہی تھنگ ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ دیس کی سرکار اسے چلے دے اور یا جو ادھک اچھا ہے کہ پنچائتی تھنگ سے جتنے آدمی اینجیہوں اور مہروں سے لیکر معمولی مزدور تک اس میں کام کرتے ہوں ان سب کی ہی وہ منسوب ہو، انہیں کا سارا پرولڈ ہو اور وہی اس کے منافع کے حقدار ہوں۔ یہی تھنگ اصلی تھنگ ہے۔ اسی میں دیس اور جلتا کا اصلی بگاڑ ہے۔ جب تک سرکار اس طرح کے دھندے کو چلے دے تب تک یہ منسوب ہے کہ چین کی طرح کھان کا سارا انتظام کرے والی کمپنی میں آدھ آدمی سرکار کے ہوں اور آدھ کھان میں کم کرنے والوں کے چمے ہوئے لٹائے۔

(2) چینی تیار کرنے کا دھندا ان دھندوں میں سے ہے جنہیں ہم گاؤں گاؤں میں پھیلے ہوئے دھندوں سے جانتے ہیں۔ جو لوگ ہمارے گاؤں کی زندگی سے واقف ہیں انہیں معلوم ہے کہ چینی کی ملوں نے ہمارے گاؤں گاؤں کے کوہلوں کے بیٹاپار کو کس طرح برباد کر دیا اور لاکھوں آدمیوں کو بیکار کر دیا۔ سینکڑوں پچھلی ڈاکٹروں تک کی رائے ہے کہ آدمی کی تندرستی کے لئے ہاتھ کی بائی ہوئی چینی مل کی بنی چینی سے کہیں اچھی ہوتی ہے۔ ہم نے لندن شہر کے اندر اس طرح کے رستورن دیکھے ہیں جن میں تندرستی کے خیال سے مل کی چینی کھان میں نہیں لائی جاتی اور اس کی جگہ گڑ، ہاتھ کی چینی اور راب تک کھانے کے لئے دی جاتی ہے۔ راب اور گڑ مل کی سہولت چینی کے مقابلے میں کتنی ادھک مفید چیزیں ہیں اس پر کافی امریکی ڈاکٹروں کی کتابیں بازار میں پڑھنے کو مل سکتی ہیں۔ لیکن ہم اوپر کہ چکے ہیں کہ سائنسی اندہ وشواس گھارے اندہ وشواسوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ چینی کی ملوں نے ہمارے لاکھوں گاؤں والوں کے ایک ماتر پوشاک آغار ان سے چھین لیا اور کتا پیدا کرنے والے لاکھوں کسانوں کو مل مالکوں کا آشوت اور غلام بنا ڈالا۔ کتا پیدا کرنے والے کسانوں کی آجکل کی مصیبتوں پر کتابیں بھی جاسکتی ہیں۔ چینی کی ملوں اور ہسپتوں کی (۱) کی ملوں دونوں اکثر ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ ہمارے آجکل کے نظام اور ان کے تلفواہ دار سائنس دانوں کی فہم میں کہیں ہم لیں تو ان کو جانتا ہے کہ ہر دہائی کی چیزیں کھلتے ہیں۔ ہمارے یہ ملک رائے ہے کہ چینی بنانے کا کام گاؤں گاؤں میں کوہلوں اور چیمپوں کے ذریعہ ہی ہونا چاہیے۔

کے لئے کغذ کا پر بندہ کرے۔ انہوں نے پوچھا کیا اِلہاباد میں کغذ نہیں ملتا؟ ہم نے جواب دیا۔ ملتا ہے لیکن مل کا بنا ہوا، میں ہاتھ کے بنے کغذ کا پر بندہ کر لے آیا ہوں۔ گالشی جی نے جواب دیا۔ ”کغذ تو اس میں ہی بننا چاہئے۔ کاپریا یہاں کپتہ کغذ ہاتھ سے بناتے ہیں۔ میں اُسے برا نہیں کہتا۔ یہ یاد نہ مل سے ہی بننا چاہئے۔ تم مل ہی کا کغذ اپنی کتاب میں لگو۔“ تھوڑی سی اور بات چیت کے بعد ہم اُن کی بات سمجھ گئے اور ”ہمارت میں انگریزی راج“ میں مل کا ہی کغذ لگایا گیا۔

یہ نام نے کہاں ایک مڈال دی ہے۔ ہاتھ سے جتنا گنڈ بن سکے اور جتنا اچھا بن سکے گاندھی جی اسے پسند کرتے تھے۔ پو گنڈ کی خام مانگ یا عام ضرورت وہ ملوں سے ہی پورا کرنا چاہتے تھے۔ چین میں ہی گنڈ کی بڑی بڑی ملیں ہم نے دیکھیں، سرکاری ہی اور غیر سرکاری ہی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ نئے چین میں ہاتھ کا گنڈ اتنا ادھک اور اتنا اچھا بنتا اور کھپتا ہے کہ شاید اس کا دسواں حصہ بھی بھارت میں نہیں بنتا۔ شنگھائی کے بازار میں چھٹی لکھنے کے گنڈ کے پتہ اندھتر اور پرتیبا سے پرتیبا ہم نے ہاتھ کے گنڈ کے ہی دیکھے۔ انہوں نے اپنی گھبراہ آدیوگوں کی ایک نمائش میں بھی بڑھیا سے بڑھیا اور طرح طرح کے ہاتھ کے ہتھ گنڈوں کے اظہار ہمیں دکھائے۔ گاندھی جی مل کے دھندے اور ہاتھ کے دھندے دونوں میں ایک سمتوں یعنی سمجھداری کا بیانیہ رکھنا چاہتے تھے۔ خاص کر کپالے اور کپڑے سے سمجھد رکھنے والے سب ضروری دھندے وہ اندھتر گھبراہ قہنگ سے ہی چلانا چاہتے تھے۔ ہمارے آج کل کے شاسکوں کے اس کے خلاف چلنے کی کوششوں کا نتیجہ ہمیں اپنے گھبراہ دھندوں کی ہربادی اور کروڑوں آدمیوں کی بڑھتی ہوئی ہیکاری اور فافہ کشی کی صورت میں صاف دکھائی دے رہا ہے۔

گاندھی جی کی زندگی میں اُن کے تڑستی کے اُھول کے  
 ناکام بولے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی تڑستی ایسا فرض  
 پورا نہ بھی کرے۔ نہ اُس سے اُھول نہیں بدل جاتا۔ رہا  
 دنوہا جی کا سمبھتی دان وہ کیوں ایک دلوں کو بدلنے کی  
 کوشش ہے۔ وہ اُس سے دہش کو بدلنے کا دعویٰ نہیں کرتے۔

کولے، چینی اور چائے کے دھندوں پر ہماری رائے

(1) کونے کی کوران کا دھندا بڑا نازک اور خطرناک دھندا ہے۔ یہ ایک دو آدمیوں کے بس کی چیز نہیں ہے۔ اسے بہت سے لوگ مل کر ہی چلا سکتے ہیں۔ پونجی بانیوں کی نجی دیکھ ریکھ میں یہ دھندا چلایا جائے گا تو اس



हमारी किताब "भारत में अंग्रेजी राज" का दूसरा एडिशन 30 हजार जिल्दों का छप रहा था. पहला एडिशन चार हजार जिल्दों का पहले निकल चुका था. पहले एडिशन में जिल्द खूबदूर की थी लेकिन कागज मिल का. दूसरे एडिशन के लिये हमने सोचा कि कागज भी हाथ का लगाया जाये. हम कागज का प्रयत्न करने के लिये बर्बाद प्युंछे, गांधी जी से बात पीछे हुई. उन्होंने पूछा कैसे आप ? हमने बताया कि भारत में अंग्रेजी राज की तीस हजार जिल्दों

سائنس کی ترقی کی ہلارے دل میں دوسروں سے کم قدر نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ سائنس دن دینی رات چوگلی ترقی کرے، ہمیں چاند اور تاروں تک آڑا کر لے جاوے اور سائے وشو کو ایک کونے میں، سمجھنے میں اور اُس پر قابو حاصل کرنے میں ہمیں مدد دے۔ پر آسمان میں اُڑتے ہوئے بھی ہم زمین سے ایسا سمہرک توڑنا نہیں چاہتے۔ سائنس کی ترقی کے لٹے ہزاروں راستے کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن ہم اُسے اُس راستہ پر چلتے دیکھنا نہیں چاہتے جس پر وہ آدمی کے جانوروں آدمی کے قتل کے ہتھیاروں کا اٹھار لگا دے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ سائنس آدمی کی سوانہوارک سوتھرتا اُس کی اتم لورہرتا پر کرتی کے ساتھ اُس کے سمہرک اور اُس کی قدرتی شکنوں کو برباد کر کے آگے بڑھے۔ ہم سائنس کو آدمی کا ظم بنا کر رکھنا چاہتے ہیں، آدمی کو سائنس کا ظم بنانے دینا نہیں چاہتے۔ ہمیں انسپس سے چسپہ اور بہت سے معاملوں میں اُسی طرح اِس معاملے میں بھی ملک کے بڑھ گھے لوگ گاندھی جی کو تھیک نہیں سمجھ پاتے۔ گاندھی جی کہی بھی ہو طرح کی مملوں اور مشینوں کے خلف نہیں تھے۔ وہ مملوں اور مشینوں کی پابست ہمارے بڑھ گھے لوگوں کے آئندہ وشوئس کو توڑنا چاہتے تھے۔ یہ سائنسی آئندہ وشوئس دھارمک آئندہ وشوئس سے بھی زیادہ خطرناک ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ اِس مسئلہ میں گاندھی جی کے رجاروں کا ہمیں کافی اُپسہو ہے۔

مقامی کتب "بھارت میں انگریزی رائج" کا دوسرا ایڈیشن 30 ہزار جلدوں کا چھپ چکا تھا۔ پہلا ایڈیشن چار ہزار جلدوں کا پہلے نکل چکا تھا۔ پہلے ایڈیشن میں جلد بکھر گئی تھی لیکن تھلڈ مل کا دوسرا ایڈیشن کے لئے ہم نے سوچا کہ کھڈی جی نام کا کتابا جاری ہے۔ ہم کھڈی کا پورا ایڈیشن کے لئے دیکھا پھرتے ہیں۔ کھڈی جی سے بات چیت ہوئی۔ انہوں نے دیکھا کہ آٹھ؟ ہم نے جواب دیا "بھارت میں انگریزی رائج" کی کس ہزار جلدوں

گاندھیजी کا یہ سب لوگوں کو جن کے پاس کبھی بڑی زمینیں، زمینیں یا کارخانے یہ ان سب چیزوں کا "ٹرسٹی" بنانے کے لیے تھا۔ وہ یہ کہ ان کے پاس زمینیں یا کارخانے ہوں تو یہ وہ ان کا مالک کہے جاتے تھے؟ چاہے وہ مالک مادہ تھے تو یہ ان کی جگہ کو ٹرسٹی مالک نہیں ہوتا۔ اصل مالک جنوں میں بالغ ہو جانے یا حالات بدل جانے سے حق ہے کہ اپنی چیز ٹرسٹی سے واپس لے لے اور خود اس کا انتظام کرے۔ گاندھی جی کے اس اصول کے مطابق زمیندار کو یا مل مالک کہلائے والے کو معاوضہ دینے چاہئے کہ کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ٹرسٹی کی حیثیت سے اسے زیادہ سے زیادہ یہ حق تھا کہ جب تک چیز اس کے ٹرسٹی میں یعنی اس کے سپرد تھی تب تک اس کے منافع میں سے اپنی ضرورت کے مطابق لے لے۔ باقی اس کا یہ بھی فرض ہے کہ جب اصل مالک چاہے اور حالت اجازت دیں تو وہ چیز بلا ہمارے یا کم کئے اصل مالک کے سپرد کر دیں۔

گاندھی جی نے جس سے ٹرسٹی کا اصول دینے کے سلسلے رکھا تھا اس سے دیکھ کر جتنا ویدھی شاسکوں کے خلاف آزادی کی لڑائی میں لگی ہوئی تھی۔ اس لڑائی کے ختم ہونے کے بعد جتنا کو پورا حق تھا اور یہ کہ اپنی چیز ٹرسٹی سے واپس لے کر جس طرح ٹھیک سمجھے اس کا انتظام کرے۔ زمینداروں سے زمینوں کے لینے میں یا بڑے بڑے آدمیوں پر قبضہ کرنے میں ہمیں جو معاوضے کی یا دوسری دقتیں پڑ رہی ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دہش کے نیرتوں نے گاندھی جی کے ٹرسٹی کے اصول کو نہیں سمجھا یا نہیں مانا۔ کہ ٹرسٹی کہلائے والے دیکھیں لے اپنے ہونے کے حالات میں سے ہی اس اصول کو زیادہ اچھی طرح سمجھا اور اس پر عمل کیا ہے۔ اسی لئے وہ اپنے اپنے ہونے کی جگہ کے دکھوں کو زیادہ آسانی سے دور کر سکے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

### شکئی کا ہزارا

اس کے علاوہ ہم ان باتوں میں پیسے کی شکئی ہو، یا راج کی شکئی، یا مال پیدا کرنے کی شکئی کسی کو بھی تھوڑے سے ہاتھوں میں جمع کر دینے کے حق میں نہیں ہیں۔ بڑے بڑے کل کارخانوں کا یعنی انڈسٹریلزمین کا خطہ ایک حد سے بڑھ کر ہمیں اسی گڑھ میں لاکر پٹک دیتا ہے۔ اگر دنیا کی کوریوں اور لوہوں جتنا کو چسٹے سے پہچانا ہے اور انہیں سچ سچ آزاد اور خوشحال دیکھنا ہے تو ہمیں ان سب طرح کی شکئیوں کو زیادہ سے زیادہ دور تک پیلا دینا پڑے گا۔

### میں نے اور گھروں و دھندوں پر گاندھی جی

یہ سب مال ہمیں بڑے بڑے کل کارخانوں اور گھروں اور دیگر چیزوں کے سوال کی طرف لے آتا ہے۔ دہش کے اندر بڑے بڑے لوگوں اور ہمارے اندر شاسکوں

گاندھیजी نے جس সময় ٹرسٹی کا اصول دینا کے سامنے رکھا تھا اس সময় دہش کی جنیتا ویدھی شاسکوں کے خلاف آزادی کی لڑائی میں لگی ہوئی تھی۔ اس لڑائی کے ختم ہونے کے بعد جتنا کو پورا حق تھا اور یہ کہ اپنی چیز ٹرسٹی سے واپس لے کر جس طرح ٹھیک سمجھے اس کا انتظام کرے۔ زمینداروں سے زمینوں کے لینے میں یا بڑے بڑے آدمیوں پر قبضہ کرنے میں ہمیں جو معاوضے کی یا دوسری دقتیں پڑ رہی ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دہش کے نیرتوں نے گاندھی جی کے ٹرسٹی کے اصول کو نہیں سمجھا یا نہیں مانا۔ کہ ٹرسٹی کہلائے والے دیکھیں لے اپنے ہونے کے حالات میں سے ہی اس اصول کو زیادہ اچھی طرح سمجھا اور اس پر عمل کیا ہے۔ اسی لئے وہ اپنے اپنے ہونے کی جگہ کے دکھوں کو زیادہ آسانی سے دور کر سکے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

### شکئی کا بدکار

اس کے علاوہ ہم ان باتوں میں پیسے کی شکئی ہو، یا راج کی شکئی، یا مال پیدا کرنے کی شکئی کسی کو بھی تھوڑے سے ہاتھوں میں جمع کر دینے کے حق میں نہیں ہیں۔ بڑے بڑے کل کارخانوں کا یعنی انڈسٹریلزمین کا خطہ ایک حد سے بڑھ کر ہمیں اسی گڑھ میں لاکر پٹک دیتا ہے۔ اگر دنیا کی کوریوں اور لوہوں جتنا کو چسٹے سے پہچانا ہے اور انہیں سچ سچ آزاد اور خوشحال دیکھنا ہے تو ہمیں ان سب طرح کی شکئیوں کو زیادہ سے زیادہ دور تک پیلا دینا پڑے گا۔

### گاندھیजी اور مہاتما جی پر گاندھیजी

یہ سب مال ہمیں بڑے بڑے کل کارخانوں اور گھروں اور دیگر چیزوں کے سوال کی طرف لے آتا ہے۔ دہش کے اندر بڑے بڑے لوگوں اور ہمارے اندر شاسکوں



کے ہمایوں سے جاگروک، سچے اور تھائی مزدوروں میں سے ہیں۔ ہمارے کونلے کی کھدائوں، چینی کے کارخانوں اور چائے کے باغیچوں کی جو حالت انہوں نے بتائی ہے اس پر ہمیں سنجیدگی سے بچار کرنا چاہئے۔ جو بات ڈاکٹر لہو نے راجپنک پارٹیوں کی بابت کہی ہے وہی ہماری آج کل کی سرکار کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ ہمارے ملک کا بہت بڑا حصہ مل ماعوں کی جیبوں سے آتا ہے۔ سرکار کا کسی نہ کسی درجہ تک ان مل مالوں کے اثر میں رہنا اس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ ہے۔ ثبوت ہمیں قدم قدم پر ملتے رہتے ہیں۔ دیہی کے ہاتھ کے کرگوں کی طرف سرکار کا جو بنیادی رخ ہے وہ اسی اثر کا نتیجہ ہے۔ حال میں بینک ملازموں کے ایوارڈ کا بدلا جانا ہی اسی کا ایک نمونہ ہے۔ ڈاکٹر لہو چاہتے ہیں کہ ہماری راجپنک پارٹیاں عام جنتا کے پیسے سے چلیں، پونجی پتوں کے پیسوں سے نہیں۔ ہم ان سے پوری طرح سہمت ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری ساری حکومت عام جنتا کی گڑی کٹائی کے پیسوں سے چلے، پونجی پتوں کے منافعوں کی حصہ رسانی سے نہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم پونجی پتوں کو من چاہے منافع کمانے کے لئے اور آدھک آزاد کر دیں اور غریب جنتا پر بوجھ اور بڑھادیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اپنی حکومت کا سارا تھانچا اپنی ساری راجپنک اور آرٹھک دیوستھا کو اس طرح بدلیں کہ ہماری حکومت اور ساری ملکی زندگی جنتا کے ہاتھوں میں اور اسی کے اثر میں ہو۔

کونلے، چینی اور چائے کے دھندے ۔

کونلے، چینی اور چائے کے دھندے

ہماری کونلے کی کھدائوں میں مزدوروں کی جو گت ہوئی ہے اور چینی کے کارخانوں میں گنا پیدا کرنے والے ساریب کسانوں کے ساتھ جو بڑا سلوک ہوتا ہے، جس میں مل مالوں کے اور حکومت کے دونوں کے نمائندے شامل رہتے ہیں، اس کی تفصیل میں ہم یہاں جانا نہیں چاہتے۔

آسام کے چائے کے باغیچوں کی حالت ہم نے وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ وہاں مزدوروں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہ کسی سہیہ دہش میں جانوروں کے ساتھ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نے وہاں کے مزدوروں کے کوارٹروں میں کورہ کے بڑے ہونے روگیاں کو درجہ مزدور عورتیں اور بچوں کے ساتھ ایک ہی کونہری میں رکھ دیکھا ہے جب ہم نے وہاں کے ہنگامی ڈاکٹر سے اس کی شکایت کی تو اس نے ہمارے اعتراض کو ٹھیک مانتے ہوئے بھی اپنی مجبوری ظاہر کی۔ آسام کے چائے کے باغیچوں میں جائز یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ بھارت کا راج انگریزوں کے ہاتھوں سے نکل کر ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں آگیا ہے۔

آسام کے چائے کے باغیچوں کی حالت ہم نے وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ وہاں مزدوروں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہ کسی سہیہ دہش میں جانوروں کے ساتھ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نے وہاں کے مزدوروں کے کوارٹروں میں کورہ کے بڑے ہونے روگیاں کو درجہ مزدور عورتیں اور بچوں کے ساتھ ایک ہی کونہری میں رکھ دیکھا ہے جب ہم نے وہاں کے ہنگامی ڈاکٹر سے اس کی شکایت کی تو اس نے ہمارے اعتراض کو ٹھیک مانتے ہوئے بھی اپنی مجبوری ظاہر کی۔ آسام کے چائے کے باغیچوں میں جائز یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ بھارت کا راج انگریزوں کے ہاتھوں سے نکل کر ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں آگیا ہے۔

آسام کے چائے کے باغیچوں کی حالت ہم نے وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ وہاں مزدوروں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہ کسی سہیہ دہش میں جانوروں کے ساتھ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نے وہاں کے مزدوروں کے کوارٹروں میں کورہ کے بڑے ہونے روگیاں کو درجہ مزدور عورتیں اور بچوں کے ساتھ ایک ہی کونہری میں رکھ دیکھا ہے جب ہم نے وہاں کے ہنگامی ڈاکٹر سے اس کی شکایت کی تو اس نے ہمارے اعتراض کو ٹھیک مانتے ہوئے بھی اپنی مجبوری ظاہر کی۔ آسام کے چائے کے باغیچوں میں جائز یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ بھارت کا راج انگریزوں کے ہاتھوں سے نکل کر ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں آگیا ہے۔



ڈاکٹر رام मनोहर لohiya نے کہا کہ بڑی دولت کوئلے کی کھدائی کا ہے، ہمارے کوئلے کی کھدائی سے لگبگ ساڑھے تین کروڑ ٹن کوئلہ ہر سال پیدا ہوتا ہے، جس پر لگبگ بڑی کمزور کروڑ روپے کا سالانہ کھدائی کے مالیکوں کو منافع ہوتا ہے۔

پای کے باقیوں کا خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر لohiya نے بتایا کہ ہمارے देश کے پای کے زمین-بویارڈ باقیوں کے مالیک ابھی تک अभिषे हैं، بڑی انका इन्तظام करते हैं، देश में हर साल लगभग 75 लाख मनु पाय पैदा होती है, इन बाकीوں में कुल पूंजी लगभग तीस करोड़ रुपया लगी हुई है, और इस पूंजी पर मुनाफा हर साल लगभग सौ करोड़ यानी एक अरब रुपये होता है, इस मुनाफे का बहुत बड़ा हिस्सा हर साल इंग्लिस्तान चला जाता है, मुलाखियों और दूसरे लोगों के रखने में जो तरफदारियाँ और कुरियायतें की जाती हैं वह अलग.

इस सब हालत का इलाज यह यह बताते हैं कि यह सब धंधे 'नेशनलाइज' कर लिये जायें, नेशनलाइज करने के मानी हैं 'कौमियाना' यानी यह कि इन सब क्खानों, कारखानों और बाकीों पर कौम (राष्ट्र) का यानी देश की सरकार का कब्जा हो जाये और सरकार ही उन्हें चलावे.

डॉक्टर लohiya ने यह भी कहा कि नेशनलाइज करने में सबसे बड़ी क्काबट मुआवजे का सवाल है और बड़ी बड़ी रकमें मुआवजे में देकर नेशनलाइज करना बेमानी है.

डॉक्टर लohiya की राय है कि इनमें से जो जो बड़े विदेशियों के हाथों में हैं उनके हिस्से सरकार को खुले बाजार में खरीद लेने चाहिये, या "कुछ मुनासिब मुआवजा" देकर भी इन धंधों को विदेशियों के हाथों से ले लेना चाहिये. बाकी धंधों की बाबत उनकी राय है कि जिन थोड़े से बीच के तबके के लोगों की रोखी पर नेशनलाइज करने से असर पड़े उनको थोड़ा बहुत मुआवजा दिया जाये, औरों को मुआवजा देने की जरूरत नहीं है.

डॉक्टर लohiya ने यह भी कहा कि हम समाजवाद के जिस आवर्षों की तरफ बढ़ना चाहते हैं उस तक गांधी जी के इस्तीफा के उखल या बिरोधा जी के सम्पत्तिदान के उखल से हम कमी नहीं पहुँच सकते. डॉक्टर लohiya का कहना है कि गांधी जी भी इस्तीफा के सज्जे में जाकर रहे. डॉक्टर लohiya की राय में इस्तीफा और सम्पत्तिदान से वह आवर्षे नतीजे पैदा होते हैं जिनसे सोवियत खरीक को कायदे की जगह मुकसान होता है.

### देश की राजनीति पर पूंजीपतियों का कब्जा

डॉक्टर राम मनोहर लohiya की किसी राय से हम सहमत हैं या न हैं इसमें खिद नहीं कि डॉक्टर लohiya देश

का एक बड़ा पैदावार है, जो कि हमें बहुत ही जल्दी ही एक बड़ा पैदावार बनाने में सहायता करेगा. हमें एक बड़ा पैदावार बनाने में सहायता करेगा. हमें एक बड़ा पैदावार बनाने में सहायता करेगा.

हमारे देश में एक बड़ा पैदावार बनाने में सहायता करेगा. हमें एक बड़ा पैदावार बनाने में सहायता करेगा. हमें एक बड़ा पैदावार बनाने में सहायता करेगा.

इस सब हालत का علاج वह बताते हैं कि यह सब धंधे 'नेशनलाइज' कर लिये जायें, नेशनलाइज करने के मानी हैं 'कौमियाना' यानी यह कि इन सब क्खानों, कारखानों और बाकीों पर कौम (राष्ट्र) का यानी देश की सरकार का कब्जा हो जाये और सरकार ही उन्हें चलावे.

डॉक्टर लohiya ने यह भी कहा कि नेशनलाइज करने में सबसे बड़ी क्काबट मुआवजे का सवाल है और बड़ी बड़ी रकमें मुआवजे में देकर नेशनलाइज करना बेमानी है.

डॉक्टर लohiya की राय है कि इनमें से जो जो बड़े विदेशियों के हाथों में हैं उनके हिस्से सरकार को खुले बाजार में खरीद लेने चाहिये, या "कुछ मुनासिब मुआवजा" देकर भी इन धंधों को विदेशियों के हाथों से ले लेना चाहिये. बाकी धंधों की बाबत उनकी राय है कि जिन थोड़े से बीच के तबके के लोगों की रोखी पर नेशनलाइज करने से असर पड़े उनको थोड़ा बहुत मुआवजा दिया जाये, औरों को मुआवजा देने की जरूरत नहीं है.

डॉक्टर लohiya ने यह भी कहा कि हम समाजवाद के जिस आवर्षों की तरफ बढ़ना चाहते हैं उस तक गांधी जी के इस्तीफा के उखल या बिरोधा जी के सम्पत्तिदान के उखल से हम कमी नहीं पहुँच सकते. डॉक्टर लohiya का कहना है कि गांधी जी भी इस्तीफा के सज्जे में जाकर रहे. डॉक्टर लohiya की राय में इस्तीफा और सम्पत्तिदान से वह आवर्षे नतीजे पैदा होते हैं जिनसे सोवियत खरीक को कायदे की जगह मुकसान होता है.

### देश की राजनीति पर पूंजीपतियों का कब्जा

डॉक्टर राम मनोहर लohiya की किसी राय से हम सहमत हैं या न हैं इसमें खिद नहीं कि डॉक्टर लohiya देश

# 

### 

सोशलिस्ट पार्टी के मंसूख नेवा डाक्टर राम मनोहर लोहिया ने 10 दिसम्बर सन 1954 को हैदराबाद (दकन) में एक भाशन दिया जिसकी कुछ बातें अखबारों में छपी हैं और बहुत काम की हैं. उन्होंने कहा कि हमारे देश की राजनीतिक पार्टियां पूंजीपतियों के पैसों से चलती हैं. उन्होंने लोगों से एक ऐसी राजनीतिक पार्टी बनाने की अपील की जो आम जनता के पैसों से चल सके. सोशलिस्ट पार्टी की बाबत उन्होंने कहा कि बाकी दुनिया भर की सोशलिस्ट पार्टियां अपने मेम्बरों के चन्दे से या आम जनता के पैसों से काम करती हैं, लेकिन भारत में सोशलिस्ट पार्टी के चन्दे के लिये पैसा "नीचे के लोगों से जमा नहीं किया जाता बल्कि ऊपर से नीचे वालों में बांटा जाता है." उन्होंने यह भी कहा कि भारत में कोयले की खदानों, चीनी के कारखानों और बाघ के बागीचों के मालिक हर साल इतने बड़े बड़े मुनाफे कमा रहे हैं कि वह बड़ी आसानी से राजनीतिक पार्टियों और ट्रेड यूनियनों को चन्द लास रुपये सालाना दे सकते हैं ताकि उनके बाकी मुनाफों पर आंच न आने पाए. डाक्टर लोहिया ने बताया कि चीनी के मिल मालिकों का मुनाफा मोटे तौर पर पन्द्रह करोड़ रुपये सालाना है. वो सारा रुप भारत सरकार ने यह तय किया था कि गन्ने और चीनी दोनों के दाम घटा दिये जावें. गन्ने के दाम घटा दिये गए पर चीनी के दाम न घटाए गए. नतीजा यह हुआ कि मिल मालिकों का मुनाफा और बढ़ गया, गन्ना पैदा करने वाले किसानों को पहले से भी कम पैसे मिले और चीनी वाले वाली जनता को हर सेर चीनी पीछे एक आना साव अधिक देना पड़ा. इस पर किसानों में आन्दोलन हुआ. सरकार ने एक कमेटी बैठाई. फसला हुआ कि मिल मालिकों के मुनाफे में से एक हिस्सा गन्ना पैदा करने वाले किसानों को दिया जाय. पर इसके बाद भी मिल मालिकों के सन 1952-53 के मुनाफे में से किसानों को कुछ नहीं मिला. सन 1953-54 के मुनाफे का हिसाब लगाना अभी बाकी है.

### 

सोशलिस्ट पार्टी के मंसूख डाक्टर राम मनोहर लोहिया ने 10 दिसम्बर सन 1954 को हैदराबाद (दकन) में एक भाशन दिया जिसकी कुछ बातें अखबारों में छपी हैं और बहुत काम की हैं. उन्होंने कहा कि हमारे देश की राजनीतिक पार्टियां पूंजीपतियों के पैसों से चलती हैं. उन्होंने लोगों से एक ऐसी राजनीतिक पार्टी बनाने की अपील की जो आम जनता के पैसों से चल सके. सोशलिस्ट पार्टी की बाबत उन्होंने कहा कि बाकी दुनिया भर की सोशलिस्ट पार्टियां अपने मेम्बरों के चन्दे से या आम जनता के पैसों से काम करती हैं, लेकिन भारत में सोशलिस्ट पार्टी के चन्दे के लिये पैसा "नीचे के लोगों से जमा नहीं किया जाता बल्कि ऊपर से नीचे वालों में बांटा जाता है." उन्होंने यह भी कहा कि भारत में कोयले की खदानों, चीनी के कारखानों और बाघ के बागीचों के मालिक हर साल इतने बड़े बड़े मुनाफे कमा रहे हैं कि वह बड़ी आसानी से राजनीतिक पार्टियों और ट्रेड यूनियनों को चन्द लास रुपये सालाना दे सकते हैं ताकि उनके बाकी मुनाफों पर आंच न आने पाए. डाक्टर लोहिया ने बताया कि चीनी के मिल मालिकों का मुनाफा मोटे तौर पर पन्द्रह करोड़ रुपये सालाना है. वो सारा रुप भारत सरकार ने यह तय किया था कि गन्ने और चीनी दोनों के दाम घटा दिये जावें. गन्ने के दाम घटा दिये गए पर चीनी के दाम न घटाए गए. नतीजा यह हुआ कि मिल मालिकों का मुनाफा और बढ़ गया, गन्ना पैदा करने वाले किसानों को पहले से भी कम पैसे मिले और चीनी वाले वाली जनता को हर सेर चीनी पीछे एक आना साव अधिक देना पड़ा. इस पर किसानों में आन्दोलन हुआ. सरकार ने एक कमेटी बैठाई. फसला हुआ कि मिल मालिकों के मुनाफे में से एक हिस्सा गन्ना पैदा करने वाले किसानों को दिया जाय. पर इसके बाद भी मिल मालिकों के सन 1952-53 के मुनाफे में से किसानों को कुछ नहीं मिला. सन 1953-54 के मुनाफे का हिसाब लगाना अभी बाकी है.

انہیں نے کہا کہ اسے پاس پہنچی گئے میں نے اس دس دیکھا میں نے  
 دیکھا۔ اس کا ہاتھ چمکا حصہ ہوا لیکن وہ ہم دونوں پر انگلیاں  
 ایک دوسرے کی طرف کرتا ہے دوسرا دانت ہوا۔ دونوں پر  
 دوسرے نے انگلیاں اٹھائیں۔ ہر خوشی خوشی اپنے گھر چلے گئے۔  
 کھڑکھڑنے لگے کہ وہ دانت ہوا میں نے دیکھا۔

[ دیو رول ہندی—ہندی آفسی واسیوں کا کیندر—پڑاؤ ہندیا ]

پدارتھا پوچھن کے بعد بستی کے کچھ مسلمان بھائیوں نے بابا سے کچھ بدشعور مسلمان بھائیوں نے بڑی خوش خوشی اُن کی ہانپہ منظور کی۔ نزدیک میں ہی ایک بھائی کا گھر تھا۔ اُن کے صحن میں بابا کو لے جایا گیا۔ وہاں وہ دس منٹ بولے۔ وہاں سے پوٹکر پلاؤ پر آئے تھے۔ رستہ میں سنگھائی بھائی کھڑے تھے۔ اُن میں سے ایک نے ہاتھ اٹھا کر کہا—

ملہا زمین لو ہم زمین دیا کہ .

بابا دو قدم آگے بڑھے کہ دوسرے سنتھالی نے کہا—

زمین او، زمین کو، ہاں زمین کو .

ہاہا نے کہا لاؤ لاؤ۔ سب ملکر زمین ہلات لو۔ ہتھوڑا بند

کرو، ہاتھ شروع کرو۔ ساتھ میں چلنے والے ایک بھائی سے کہا کہ ان کے دلی ہتھ پھروا لے جائیں۔

زمین دو: زمین کو اس سے شروعات ہوتی : زمین لو:

زمین کو آب پہ صورت آگئی۔ اُس سے زیادہ اور کچھ ہوسکتا ہے اب صرف ہمارا اور آب کا کاربیکرناؤں کا کام رہ جاتا ہے۔ کاربیکرناؤں ہم یکے کو کھینچے۔ یکے کو کھینچے۔ ایک بار آٹھ کھڑے ہیں تو دیکھتے دیکھتے یہ یکے سے الگ ہو جاتے۔ سڑے دیس میں زمین کی ملکیت منصف جائید کی۔ ہر زمین ملکیت غنوں کا اور کھیتی کسان کی ہو۔ جب ملکیت غنوں کا اور کھیتی کسان کی ہوگی، اس طرح یوم سے ہوگی، تب تو کچھ ایسا سوال ہے جو ہم یوم کی طاقت ہے، اپنی سوتلتر لوگ کھیتی ہے، اور دیس میں چل نہیں کر سکتے؟ تب ہی



साथ के साथ भूमिदान और राधा के साथ सम्पत्ति दास भूमिदान बहुत ही जंचने वाली बात है, कार्यकर्ताओं ने भी इस भजन को पकड़ लिया और अब यह जगह जगह सुनाई देना है, हमें नहीं मालूम कि देश के किसी और हिस्से में इस का नाम और भूमिदान का काम इस तरह भजन के रूप में बोले जाते हों, बिहार के पूर्निया जिले में जनता जनार्दन की तरफ से ही इस भजन का गाया जाना साफ साफ बताता है कि भूदान का मंत्र किस गहराई तक बिहार की धरती में जा पहुंचा है।

[संथाल परगना जिला-आदिवासियों का इलाका-झाब सोहनडीया-सारीख 27 नवम्बर]

राधेधर के दो बजे के करीब कुछ कार्यकर्ता बाबा से मिले, उन्होंने बताया कि यहाँ आदिवासी भाई ज्यादातर रहते हैं, उनसे जमीन बहुत कम मिल रही है, उनको यह डर है कि हमारी जमीन लेकर पहाड़ियों में या दूसरे लोगों में बांट दी जायगी, बाबा ने कहा कि इसका मतलब है कि आप उन तक हमारा सन्देश ठीक से नहीं पहुंचा सके, हम नहीं समझते कि आदिवासी भाई इस चीज के खिलाफ क्यों जायेंगे, बिचारों को ठीक ठीक समझाने की जरूरत है।

प्राचंना हुई, उसके बाद बाबा ने बताया कि हम एक बीघा, दो बीघा, जमीन नहीं चाहते, बल्कि जमीन की मिलकियत ही मिटाना चाहते हैं, गांव में जितनी जमीन है वह गांव की समझी जाय, जैसे घर के अन्दर की हर चीज किसी एक व्यक्ति की न होकर सारे घर की मानी जाती है और सब घरवाले उसका इस्तेमाल करते हैं, इसी तरह से जमीन किसी एक व्यक्ति की न होकर सारे गांव की मानी जाय और गांव के लोग मिलकर, जैसी जिसकी जरूरत हो, उसी लिहाज से बांट दें, अब जमीन उसे ही मिलेगी जो लेती करेगा, हम यह भी चाहते हैं कि गांव के मगड़े गांव के बाहर नहीं जायें, जैसे घर के मगड़े गांव के बाहर नहीं जाते, अपने गांव के मामले में किसी बाहर वाले का दखल नहीं होना चाहिये।

इस तरह करीब आधे घंटे तक बाबा का प्रबचन हुआ, उसके बाद बाबा अपने दो गई तो बाबा पक्का के स्थान पर लौट आए, इस बीच बीच के पास एक व्योवृद्ध संथाल पहुंचा, बाबा एक कार्यकर्ता कुछ माहिरब बेच रहे थे, उनसे उन वृद्ध ने पूछा कि क्या तुम्हारे पास दानपत्र है ? हम दान लिखाना चाहते हैं, यह कार्यकर्ता दानपत्र भरने लगा, वृद्ध सज्जन ने कहा कि तुम्हारे पास इसी इलाके में 2 बीघा जमीन है, बाबा ने दो बीघा लिए लीजिये, जब यह दानपत्र भर गया तो बाबा ने अपना बगुदा लगाने लगे ता जरा ठंडरे

सिना के साथ धरमन दान और राधा के साथ संपत्ति दास भूमिदान बहुत ही जंचने वाली बात है, कार्यकर्ताओं ने भी इस भजन को पकड़ लिया और अब यह जगह जगह सुनाई देना है, हमें नहीं मालूम कि देश के किसी और हिस्से में इस का नाम और भूमिदान का काम इस तरह भजन के रूप में बोले जाते हों, बिहार के पूर्निया जिले में जनता जनार्दन की तरफ से ही इस भजन का गाया जाना साफ साफ बताता है कि भूदान का मंत्र किस गहराई तक बिहार की धरती में जा पहुंचा है।

[संथाल परगना जिला-आदिवासियों का इलाका-झाब सोहनडीया-सारीख 27 नवम्बर]

राधेधर के दो बजे के करीब कुछ कार्यकर्ता बाबा से मिले, उन्होंने बताया कि यहाँ आदिवासी भाई ज्यादातर रहते हैं, उनसे जमीन बहुत कम मिल रही है, उनको यह डर है कि हमारी जमीन लेकर पहाड़ियों में या दूसरे लोगों में बांट दी जायगी, बाबा ने कहा कि इसका मतलब है कि आप उन तक हमारा सन्देश ठीक से नहीं पहुंचा सके, हम नहीं समझते कि आदिवासी भाई इस चीज के खिलाफ क्यों जायेंगे, बिचारों को ठीक ठीक समझाने की जरूरत है।

प्राचंना हुई, उसके बाद बाबा ने बताया कि हम एक बीघा, दो बीघा, जमीन नहीं चाहते, बल्कि जमीन की मिलकियत ही मिटाना चाहते हैं, गांव में जितनी जमीन है वह गांव की समझी जाय, जैसे घर के अन्दर की हर चीज किसी एक व्यक्ति की न होकर सारे घर की मानी जाती है और सब घरवाले उसका इस्तेमाल करते हैं, इसी तरह से जमीन किसी एक व्यक्ति की न होकर सारे गांव की मानी जाय और गांव के लोग मिलकर, जैसी जिसकी जरूरत हो, उसी लिहाज से बांट दें, अब जमीन उसे ही मिलेगी जो लेती करेगा, हम यह भी चाहते हैं कि गांव के मगड़े गांव के बाहर नहीं जायें, जैसे घर के मगड़े गांव के बाहर नहीं जाते, अपने गांव के मामले में किसी बाहर वाले का दखल नहीं होना चाहिये।

इस तरह करीब आधे घंटे तक बाबा का प्रबचन हुआ, उसके बाद बाबा अपने दो गई तो बाबा पक्का के स्थान पर लौट आए, इस बीच बीच के पास एक व्योवृद्ध संथाल पहुंचा, बाबा एक कार्यकर्ता कुछ माहिरब बेच रहे थे, उनसे उन वृद्ध ने पूछा कि क्या तुम्हारे पास दानपत्र है ? हम दान लिखाना चाहते हैं, यह कार्यकर्ता दानपत्र भरने लगा, वृद्ध सज्जन ने कहा कि तुम्हारे पास इसी इलाके में 2 बीघा जमीन है, बाबा ने दो बीघा लिए लीजिये, जब यह दानपत्र भर गया तो बाबा ने अपना बगुदा लगाने लगे ता जरा ठंडरे

(بسم الله الرحمن الرحيم)

تکبر، جس کی عیوب کمال کے مسلمان بنائی دیا۔  
 اور خدا کے لیے مالک ان کے سامنے دھی

آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کی ایک تصویر منظر کشی کی ہے۔  
 یہ ایک عجیب و غریب چیز ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب چیز ہے۔  
 میں نے اس کی ایک تصویر منظر کشی کی ہے۔

یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں میں بہنوں کا بھائی  
 حق ہے۔ ہم بھی بھائی اور در بہنیں ہیں۔

تم ہم آئیں ہو جائے ہیں اور آپ ہمیں آئیں  
 دیوانہ جیسا کہ آپ کو منظور ہے ۱۵

میں نے اس کے لئے جو کچھ چاہا تھا، اس کے بعد مجھے لگے کہ آپ نے جو کام اٹھایا ہے، میرے اسلام میں تو وہ نہیں ملتا تھا۔ آپ کی صفحہ حق کی صفحہ ہے اور اللہ تعالیٰ جگہ ہے آپ نے جو بات کی ہے وہ سب سچی ہوگی۔

[ تاریخ و تصویر صبح کا موسم ]

بابا پورنیمہ صلح ہی میں پھرا کر رہے تھے۔ ثواب گنج پونہریا  
لوگوں سے کھائی گئی تھی پڑا پر جا رہے تھے۔ رستہ میں جگہ جگہ  
لوگوں والوں نے سرگت کیا۔ ایک جگہ ہارمونم اور قہولک پر  
کچھ بھائی ایک آویجا بیٹوں کا رہے تھے۔

[illegible]

ایسا کہ مجھ سے کہ بہت ہی خوش ہوئے۔ پھر وہ  
 دو کپڑے کے ساتھ اسے کیا گیا کہ ہم جو ملے دم لے کر  
 آئے ہیں ان کو وہی کم کر لیں۔ اس وقت تو بھائی کا نام لیا  
 جائے گا۔ اس کے لئے اسے دیا جائے گا۔ یہ بھی سنت  
 جاؤں رہا تھا۔ یہ بھی سنتے ہی چلا جائے گا۔ سنت  
 رہے ہیں۔ یہ بھی سنتے ہیں۔ یہ بھی سنتے ہیں۔ یہ بھی  
 سنتے ہیں۔ یہ بھی سنتے ہیں۔ یہ بھی سنتے ہیں۔ یہ بھی  
 سنتے ہیں۔ یہ بھی سنتے ہیں۔ یہ بھی سنتے ہیں۔ یہ بھی

مجلس شورای اسلامی  
جمهوری اسلامی ایران

बिहार के जिलों की गहराई में

कह जाई बोले कि बिहार यूनिवर्सिटी वाला गणित ता  
बताया ही नहीं ?

कमिसेरी महोदय कहने लगे कि बाबा के मुख से अब क्या क्या सुनना चाहते हो ? जो देना हो दो.

कबीर साहब ने कहा कि हमारे लक्ष्यों और हमारे हिस्से की जो ज़मीन है उसमें से कुल का छठा हिस्सा आपको देंगे, बह-हम तीनों भाई, जो एक ही खानदान के हैं, अलग अलग होंगे,

बाबा ने मुस्कराते हुए कहा कि हमें तो कुल परिवार का कम से कम झूठा हिस्सा चाहिए, लेकिन आपने यह बिहार यूनिवर्सिटी का गणित लगा ही लिया, बाबू परिवार का झूठा हिस्सा हमें कब मिलेगा ?

कांग्रेसी भाई ने जवाब दिया कि वह तो बाबूजी और चाचा जी सलाह करेंगे, सब घर के लोग बैठेंगे और तब जैसी राय होगी वैसा किया जायेगा. इस वक्त तो हमने अपने अपने हिस्से का छुटा हिस्सा दिया है.

सखी बात है, बाबा ने कहा. हम उम्मीद करेंगे कि जब आपने छुटा दिया है तो अपने बड़े बूढ़ों से बात करके कुल परिवार का छुटा हिस्सा तो जरूर दिलायेंगे. लेकिन यह इस वक़्त जो आप जमीन दे रहे हैं वह सब जोतवाली है न ?

समाजवादी नौजवान ने कहा कि अब तो हमने आपको अपना भाई मान कर आपका हक दिया है, जब हक मिलता है तब तो अच्छी बुरी सब तरह की चीजें लेनी होंगी.

बाबा मुस्कराए और कहने लगे कि चलिये, आपने हमें घर में जगह तो दी. आपने हमारा हक तो मंजूर किया. लेकिन हम इन्साफ चाहते हैं. आप यह तो देखिये कि जिस गरीब भाई को जमीन देते हैं उसको भी आपकी ही तरह अपने पैरों पर खड़ा होना चाहिये. तो जमीन के अलावा घर की दूसरी चीजों में से भी उसे हिस्सा मिलना चाहिये. हम आपके सबसे कमजोर और सबसे छोटे भाई हैं. छोटे भाई का दावा तो और भी ज्यादा होता है.

सुनकर कांग्रेसी भाई कुछ हैरान से नज़र आए,  
कहने लगे कि क्या आप तो धीरे धीरे आगे ही बढ़ते हैं,

आप ही बताइये कि हम क्या कोई अन्याय की बात कह रहे हैं ? आपको क्या यह बरदास्त होगा कि आप जल्दी तरह साते पीते हों और आपका भाई गई गुजरी हालात में रहे ? हम कम से कम यह तो जरूर उम्मीद करेंगे कि आप जो हमें परती जमीन देते हैं वह एक बार तुझ्वा कर देंगे।

भाष्य की यह भांग उन भाइयों ने मंजूर की.

इस तरह करीब सवा घंटे तक यह सत्संग रहा और  
इस के सौर पर बाबा को कुछा हिस्सा जमीन दी गई.

**x**

بہار کے دل کی مچھرائی میں

ایک بھائی بڑا کہ یوں ہو سکتی والا گھرت تو بتایا ہی نہیں ؟  
 پھر پریس مہمند کہنے لگے کہ بابا کے مہم سے تب کیا کیا سنا  
 چکا ہو ؟ جو دینا ہو دو ۔

وکیل صاحب نے کہا کہ ہمارے لوگوں اور ہمارے حصہ کی جو زمین ہے اس میں سے کل کا چھٹا حصہ آپ کو دینگے۔ یہ ہم تمہیں بھائی، جو ایک ہی خاندان کے ہیں، انگ انگ دینگے۔

ہانا نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ہمیں تو کل پریوار کا کم سے کم چھٹا حصہ چاہئے۔ لیکن آپ نے یہ ہمارے یونیورسٹی کا گنرت لگا ہی لیا۔ ہائی پریوار کا چھٹا حصہ ہمیں کب ملے گا ؟

کانگریسی بھائی نے جواب دیا وہ تو بابو جی اور چاچا جی  
 صلح کر چکے، سب گھر کے لوگ بیٹے، بھائی اور تب جیسی رائے  
 ہوگی، بسا کیا جائیگا۔ اس وقت تو ہم نے اپنے اپنے حصہ کا  
 چھٹا حصہ دیا ہے۔

اچھی بات ہے، بابا نے کہا۔ ہم اُمید کریں گے کہ جب آپ نے چھٹا دیا ہے تو اپنے بڑے بڑوں سے بات کر کے کل پرواز کا چھٹا حصہ تم ضرور دلائیے۔ لیکن یہ اُس وقت جو آپ زمین سے دے رہے ہیں وہ سب جوتہ اُلٹی ہے نا ؟

سناج والی نیچوان نے کہا کہ اب تو ہم نے آپ کو ایسا  
بھائی مان کر آپ کا حق دیا ہے۔ جب حق ملتا ہے تب تو  
اچھی بری سب چیزیں لہتی ہوئی۔

ہاہا مسکرائے اور کہنے لگے کہ چائے، آپ نے ہمیں گھر میں جگہ تو دی۔ آپ نے ہمارا حق تو منظور کیا۔ لیکن ہم انصاف چاہتے ہیں۔ آپ یہ تو دیکھئے کہ جس غریب بھائی کو زمین دینے میں بس کو بیوی آپ کی ہی طرح اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہئے۔ تو زمین کے علاوہ گھر کی دوسری چیزوں میں بیوی اُسے حصہ ملنا چاہئے۔ ہم آپ کے سب سے کمزور اور سب سے چھوٹے بھائی ہیں۔ چھوٹے بھائی کا معمول تو اور بھی زیادہ ہونا ہے۔

یہ سنی کر کاتگریسی بھائی کچھ حیران سے نظر آئے۔ کہا  
 کہ ہا ہا آپ تو دھیرے دھیرے آگے ہی بڑھتے جاتے ہیں۔

آپ ہی بتائیے کہ ہم کیا کوئی اثبات کی بات کر رہے ہیں ؟  
 آپ کو کیا یہ برداشت ہوگا کہ آپ اچھی طرح کھاتے پیتے  
 اور آپ کا بھائی مٹی گلی کی حالت میں رہے ؟ ہم کم سے کم یہ  
 تو ضرور آمین کریں گے کہ آپ جو ہمیں پرتی زمین دیتے ہیں وہ  
 ایکسپلوزیو کر دیں گے۔

ہاں کی یہ مانگ اُن بھائیوں نے منظور کی ۔

اس طرح قریب سوا گھنٹہ تک یہ ست سنگ رہا اور حق  
کے طور پر بابا کو چھٹا حصہ زمین دیکھی۔

**X**

بھ سبھی سب آپ ہمیں کبھی نہیں لے دیتے؟ آپکے پاس بےکار پڑی ہے، ہمارے کام آجائیگی، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ریرمچڑھا کلاس، اپنی کول کی کول دے دیجیے اور جوس کے پمپن میں سے چر کے भाई کے नाते हमारा हक दे दीजिये.

कांग्रेसी भाई बोले कि आप उस परती जमीन को लेकर क्या कीजियेगा? कहीं दरिया है, कहीं रेत है, कहीं कुछ.

आप हमें वह सब दे तो दीजिये, जैसा होगा हम संभाल लेंगे.

वह तो नये कानून के मुताबिक अपने हाथ से चली जाने वाली है.

जब चली जाने वाली है, तब भी आप नहीं देते!

धीमी आवाज से बकील सादब बोले कि उसका मुआवजा.....

बाबा ने कहा—यह आपने अब अपना दिल खोला. उसके मुआवजे में रुपया मिलेगा, इसी वजह से उस परती जमीन को भी पकड़े हुये हैं. ऐसा क्यों नहीं करते कि रैर-मचरुआ क्लास का जो मुआवजा आपको मिले वह हमें दे दीजिये, ऐसा कई श्रीमानों ने किया भी है.

कांग्रेसी सज्जन बोले कि वह तो बड़े आदमी हैं. न हमारी उसनी हस्ती है और न चर बालों की ही इजाजत है.

यह आप जानिये, लेकिन रैरमचरुआ क्लास अगर आप दे देते हैं तो इसमें आपका कोई नुकसान नहीं होता.

इसके बाव बाकी देर सभी चुप रहे. वे लोग आपस में कुछ सलाह सी करने लगे. एक भाई बोले कि बाबा इस चारों अपने अपने हिस्से का छठा हिस्सा देने को राजी हैं.

बाबा इस पर हंसे और कहा आपका कौन सा गणित है? पटना यूनिवर्सिटी का या बिहार यूनिवर्सिटी का? यह सुनकर सब को अचरज हुआ और उनमें से एक ने पूछा कि वह दोनों गणित कौन कौन से हैं?

बाबा ने बताया कि पटना यूनिवर्सिटी के पढ़े हुए एक बकील सादब हमें एक जगह मिले. उन्होंने हमें एक बीघा जमीन दान में दी और कहा कि छठे हिस्से से क्यादा होती है. हमने उनसे पूछा कि यह कैसे? तो कहने लगे कि हमारे घर में कुल 100 बीघा जमीन है. हम अपने पिता जी के चार लड़के हैं. हमारे पिता जी अभी जीवित हैं. तो हमारे कुल के हिस्से में 20 बीघा पक्का. अब हमारे छह के तीन लड़के हैं—एक हम और तीन वह. इस तरह हमारे हिस्से के भी चार हिस्से हो गए. हमारे पल्ले बांज बीघा ही जमीन पड़ी. उसमें का छठा हिस्सा न दे कर कुछ क्यादा दी दिया.

यह सुन कर सभी लोग हंस पड़े.

बाबा बोले कि यह है आपका पटना यूनिवर्सिटी का गणित—00 बीघा का छठा हिस्सा एक बीघा. तो बताइये कि आप हमें किस हिसाब से दे रहे हैं?

... وہ جس کی نسبت آپ ہمیں کبھی نہیں لے دیتے؟ آپ کے پاس بے کار پڑی ہے۔ ہمارے کام آجائیگی۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ریرمچڑھا کلاس، اپنی کول کی کول دے دیجیے اور جوس کے پمپن میں سے چر کے भाई کے नाते हमारा हक दे दीजिये.

कांग्रेसी भाई बोले कि आप उस परती जमीन को लेकर क्या कीजियेगा? कहीं दरिया है, कहीं रेत है, कहीं कुछ.

आप हमें वह सब दे तो दीजिये, जैसा होगा हम संभाल लेंगे.

वह तो नये कानून के मुताबिक अपने हाथ से चली जाने वाली है.

जब चली जाने वाली है, तब भी आप नहीं देते!

धीमी आवाज से बकील सादब बोले कि उसका मुआवजा.....

बाबा ने कहा—यह आपने अब अपना दिल खोला. उसके मुआवजे में रुपया मिलेगा, इसी वजह से उस परती जमीन को भी पकड़े हुये हैं. ऐसा क्यों नहीं करते कि रैर-मचरुआ क्लास का जो मुआवजा आपको मिले वह हमें दे दीजिये, ऐसा कई श्रीमानों ने किया भी है.

कांग्रेसी सज्जन बोले कि वह तो बड़े आदमी हैं. न हमारी उसनी हस्ती है और न चर बालों की ही इजाजत है.

यह आप जानिये, लेकिन रैरमचरुआ क्लास अगर आप दे देते हैं तो इसमें आपका कोई नुकसान नहीं होता.

इसके बाव बाकी देर सभी चुप रहे. वे लोग आपस में कुछ सलाह सी करने लगे. एक भाई बोले कि बाबा इस चारों अपने अपने हिस्से का छठा हिस्सा देने को राजी हैं.

बाबा इस पर हंसे और कहा आपका कौन सा गणित है? पटना यूनिवर्सिटी का या बिहार यूनिवर्सिटी का? यह सुनकर सब को अचरज हुआ और उनमें से एक ने पूछा कि वह दोनों गणित कौन कौन से हैं?

बाबा ने बताया कि पटना यूनिवर्सिटी के पढ़े हुए एक बकील सादब हमें एक जगह मिले. उन्होंने हमें एक बीघा जमीन दान में दी और कहा कि छठे हिस्से से क्यादा होती है. हमने उनसे पूछा कि यह कैसे? तो कहने लगे कि हमारे घर में कुल 100 बीघा जमीन है. हम अपने पिता जी के चार लड़के हैं. हमारे पिता जी अभी जीवित हैं. तो हमारे कुल के हिस्से में 20 बीघा पक्का. अब हमारे छह के तीन लड़के हैं—एक हम और तीन वह. इस तरह हमारे हिस्से के भी चार हिस्से हो गए. हमारे पल्ले बांज बीघा ही जमीन पड़ी. उसमें का छठा हिस्सा न दे कर कुछ क्यादा दी दिया.

यह सुन कर सभी लोग हंस पड़े.

बाबा बोले कि यह है आपका पटना यूनिवर्सिटी का गणित—00 बीघा का छठा हिस्सा एक बीघा. तो बताइये कि आप हमें किस हिसाब से दे रहे हैं?

कमिटी के पास आब रहेगी जो खेती खुद करेगा। किसानों के पास रहेगी जो खुद पढ़ेगा। हम जानते हैं कि आप में से सब लोग आज खुद काम करने की इच्छा में नहीं हैं। इस आपको मुहलत देने का तैयार हैं। क्यादा नहीं, चार फीस करके की। इस बीच आप अपने लड़कों को तैयार कीजिये ताकि वह और बढ़ने वाले मजदूरों के लड़के एक साथ मिल कर काम करें। फिर हम आपसे पूछना चाहते हैं कि जब आप बकालत करते हैं तो जमीन रख कर क्या कीजियेगा ?

बाबा की बात को ढालते हुए वकील साहब ने कहा कि जमीन लोग समझे नहीं हैं।

कॉमेसी भाई कहने लगे कि बाबा हम देने को राजी भी हैं, लेकिन घर के जुझुरी कहाँ मानते हैं। अन्ती ऐसी गटी एक करके उन्होंने जमीन हासिल की है। अब उसे कैसे जाने दें ?

बाबा बोले कि हम इस बात में नहीं पड़ेगे कि आपको पास जमीनें किस तरह आयीं ? हम पिछली बातों में नहीं आये। उससे न आपको कायदा है न कसी और को। लेकिन हम आप से ता यह जानना चाहेंगे कि आपकी प्रादेशिक कॉमेस कमिटी ने ४८ लाख एकड़ कालिये एक प्रस्ताव पास किया है, उसे दाहराया, तब आपका क्या फर्क हो जाता है ?

इस पर समाजवादी नौजवान बाले कि या सरकुलर ता आया ही करते हैं।

बाबा ने उनकी तरफ देखकर कहा कि आपके पार्टीवाले ता कहते हैं कि बाबा ने हमारा ही काम उठाया है। ता हम कहते हैं कि हमारे उठाने पर क्या आपने अपना काम बन्द कर दिया ? आप लाग ता बड़े बापत्र हैं। आपके नेता जय प्रकाश बाबू ने इस काम के लिये अपील की। लेकिन आप कैसे अनुयायी हैं कि अपने नेता की बात सुनी अनसुनी कर देते हैं।

मेजुपट भाई बोले कि बाबा यह ता शर्मा ही। क्योंकि आपकी इस मांग से तो पहले अपने पर हा हाब सफ करना पड़ता है।

हाँ, बाबा ने बड़े जोर से कहा। यह बात है। अगर खुद देना नहीं होता तो इनको भी कॉमेस का प्रस्ताव मंजूर था और इनको भी प्रजा पार्टी का प्रस्ताव मंजूर था। यही हमारे काम और दूसरे के कामों में फर्क है।

वकील साहब ने कहा कि अच्छा, आज तो हमारा प्रस्ताव मंजूर कर लीजिये, बड़ा हिस्सा बाव में पूरा करेंगे, जब आप बड़ा हिस्सा देने को राजी हैं तो "शुभस्य भवति" का शीकार आपके गांव में हमारा आना होगा और सब कामसे भैर होगी ?

बाबा ने जमीन बहुतेरी बेकार पड़ी है, न उसका कोई उपयोग है न किया।

मैंने उसी के पास आप रहे की जो खुद खेत करते हैं। आप उसी के पास रहे की जो खुद पढ़ेंगे। हम जानते हैं कि आप में से सब लोग आज खुद काम करने की इच्छा में नहीं हैं। इस आपको मुहलत देने का तैयार हैं। क्यादा नहीं, चार फीस करके की। इस बीच आप अपने लड़कों को तैयार कीजिये ताकि वह और बढ़ने वाले मजदूरों के लड़के एक साथ मिल कर काम करें। फिर हम आपसे पूछना चाहते हैं कि जब आप बकालत करते हैं तो जमीन रख कर क्या कीजियेगा ?

बाबा की बात को ढालते हुए वकील साहब ने कहा कि आप लोग समझे नहीं हैं।

कॉमेस भाई कहने लगे कि बाबा हम देने को राजी भी हैं, लेकिन घर के जुझुरी कहाँ मानते हैं। अन्ती ऐसी गटी एक करके उन्होंने जमीन हासिल की है। अब उसे कैसे जाने दें ?

बाबा बोले कि हम इस बात में नहीं पड़ेंगे कि आपको पास जमीनें किस तरह आयीं ? हम पिछली बातों में नहीं आये। उससे न आपको कायदा है न कसी और को। लेकिन हम आप से ता यह जानना चाहेंगे कि आपकी प्रादेशिक कॉमेस कमिटी ने ४८ लाख एकड़ कालिये एक प्रस्ताव पास किया है, उसे दाहराया, तब आपका क्या फर्क हो जाता है ?

इस पर समाजवादी नौजवान बाले कि या सरकुलर ता आया ही करते हैं।

बाबा ने उन की तरफ देखकर कहा कि आपके पार्टीवाले ता कहते हैं कि बाबा ने हमारा ही काम उठाया है। ता हम कहते हैं कि हमारे उठाने पर क्या आपने अपना काम बन्द कर दिया ? आप लाग ता बड़े बापत्र हैं। आपके नेता जय प्रकाश बाबू ने इस काम के लिये अपील की। लेकिन आप कैसे अनुयायी हैं कि अपने नेता की बात सुनी अनसुनी कर देते हैं।

मेजुपट भाई बोले कि बाबा यह ता शर्मा ही। क्योंकि आपकी इस मांग से तो पहले अपने पर हा हाब सफ करना पड़ता है।

हाँ, बाबा ने बड़े जोर से कहा। यह बात है। अगर खुद देना नहीं होता तो इनको भी कॉमेस का प्रस्ताव मंजूर था और इनको भी प्रजा पार्टी का प्रस्ताव मंजूर था। यही हमारे काम और दूसरे के कामों में फर्क है।

वकील साहब ने कहा कि अच्छा, आज तो हमारा प्रस्ताव मंजूर कर लीजिये, बड़ा हिस्सा बाव में पूरा करेंगे, जब आप बड़ा हिस्सा देने को राजी हैं तो "शुभस्य भवति" का शीकार आपके गांव में हमारा आना होगा और सब कामसे भैर होगी ?

बाबा ने जमीन बहुतेरी बेकार पड़ी है, न उसका कोई उपयोग है न किया।

मैंने उसी के पास आप रहे की जो खुद खेत करते हैं। आप उसी के पास रहे की जो खुद पढ़ेंगे। हम जानते हैं कि आप में से सब लोग आज खुद काम करने की इच्छा में नहीं हैं। इस आपको मुहलत देने का तैयार हैं। क्यादा नहीं, चार फीस करके की। इस बीच आप अपने लड़कों को तैयार कीजिये ताकि वह और बढ़ने वाले मजदूरों के लड़के एक साथ मिल कर काम करें। फिर हम आपसे पूछना चाहते हैं कि जब आप बकालत करते हैं तो जमीन रख कर क्या कीजियेगा ?



यह तो आप हमसे क्यावा बेहतर जानते होंगे, बाबा के समय सुन कर सब इसपर है, फिर बाबा ने कहा कि योगी सभ की अपसक्ति आप समझे नहीं, हम तो जमीन की मिल-कियत ही ढिंढो देना चाहते हैं, जमीन पर मालकी का दावा करना गलत है, ईश्वर के कानून के खिलाफ है, यही बात समझने के लिये हम गांव गांव घूमते हैं, जैसे हवा, पानी और सूरज की रोशनी तो किसी की मिलकियत नहीं, जैसे ही जमीन पर किसी की मिलकियत नहीं वह प्रकृति।

کہ تم کو آپ کے لئے کچھ اور بھی ہے۔ یہ بات نے آپ کو حیرت میں ڈال دیا۔  
 آپ نے کہا: "میں نے آپ کو کچھ نہیں بتایا تھا۔" آپ نے کہا: "میں نے آپ کو  
 کچھ نہیں بتایا تھا۔" آپ نے کہا: "میں نے آپ کو کچھ نہیں بتایا تھا۔"





बड़े भाई ने कहा कि सबा बीबा दे चुके हैं, वेद ले लीजिये.

बाबा मुस्कराये और कहा कि यह तो आपने सब्जी का सा बाजार बना दिया. इस पर सभी हंस पड़े.

कार्यकर्ता भाई ने कहा कि अब यह वेद दो क्या करते हैं ? छठा हिस्सा पूरा कीजिये और जनता जनार्दन का आशीर्वाद हासिल कीजिये.

उन भाई ने कहा कि अच्छा दो बीबा लेकर खतम कीजिये. उन्होंने दानपत्र बाबा के आगे बढ़ाया और उठने लगे.

बाबा ने दानपत्र उन्हीं को लौटाते हुये कहा कि आप कुशल सौदागर दिखाई पड़ते हैं. लेकिन हमें तो यह आपका सत्संग मिला है. हम ऐसी इसमें कोई बात नहीं करना चाहते हैं जो आपकी शान के खिलाफ हो.

कमरे में फिर खामोशी रही. कार्यकर्ता भाई बोले कि आप श्रीमान हैं और अब आये बीबे की बात ही क्या है ? लेकिन वह दोनों टस से मस नहीं हुये. पर उनके चेहरे पर बहुत उदासी थी. दुख से गंजा भरा हुआ था. बाबा भी आंखें मून्व कर मानो समाधिस्थ बैठे हों.

थोड़ी देर बाद बड़े भाई ने कहा कि बाबा आप दानपत्र नहीं लेते हैं, हम घर क्या मुँह लेकर जायेंगे ? और मरी हुई आबाय से कहने लगे कि अब नहीं सदा जाता है. आप यह दो बीबे की भेंट ले ही लीजिये.

बाबा शान्त रहे और कुछ नहीं बोले. कार्यकर्ता भाई ने कहा कि अब जब आप इतने दुखी हैं तो जरा उन दुखियों का ध्यान कीजिये जिनका कोई पूजनहार नहीं.

बड़े भाई ने एक दिवकी सी ली और आंखों के तले कपड़े से मोती की बूंद पोंछते हुए कहा कि अच्छा भगवन छठा हिस्सा आपको समर्पित है.

बाबा ने आंखें खोली और कहा कि ईश्वर आपको बल दे और दीन दुखियों की सेवा की सतत प्रेरना दे.

इस प्रकार बड़े भाई ने, फिर छोटे भाई ने अपने अपने छठे हिस्से का दान कर दिया और बाबा से बिदा ली.



करीब एक महीने बाद बाबा वरभंगा जिले के उत्तरी हिस्से में घूम रहे थे. चालीस एकड़वाले एक श्रीमान ने छै एकड़ का दानपत्र भरा. तीन बजे के करीब बाबा से मिलने आये. कहा कि मैंने आपका गीता प्रवचन पढ़ा है. मुझे उससे बहुत प्रेरणा हुई है. आज मैंने अपने लगभग छठे हिस्से का दानपत्र भरकर आपके कार्यालय में दे दिया है. बाबा ने जब जब कहकर उनके प्रमाण स्वीकार किये. साढ़े तीन बजे प्रार्थना हुई. उसके बाद बाबा का प्रवचन हुआ. बाबा ने उस प्रवचन में बसुराव धर्म की व्याख्या की. उन्होंने कहा

... कि मैंने देखा है कि हमारे जमाने के लोग बहुत ही अंध हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं.

... कि मैंने देखा है कि हमारे जमाने के लोग बहुत ही अंध हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं.

... कि मैंने देखा है कि हमारे जमाने के लोग बहुत ही अंध हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं.

... कि मैंने देखा है कि हमारे जमाने के लोग बहुत ही अंध हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं.

... कि मैंने देखा है कि हमारे जमाने के लोग बहुत ही अंध हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं.

... कि मैंने देखा है कि हमारे जमाने के लोग बहुत ही अंध हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं.

... कि मैंने देखा है कि हमारे जमाने के लोग बहुत ही अंध हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं.

... कि मैंने देखा है कि हमारे जमाने के लोग बहुत ही अंध हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं.

... कि मैंने देखा है कि हमारे जमाने के लोग बहुत ही अंध हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं.

... कि मैंने देखा है कि हमारे जमाने के लोग बहुत ही अंध हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं.

... कि मैंने देखा है कि हमारे जमाने के लोग बहुत ही अंध हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं. वे तो केवल अपने ही धर्म के लिए लड़ते हैं.

हममें नहीं चाहते कि कलाने बाबू साहब ने बाबा को ठग लिया। १० बीका जमीन थी, उसमें से सिर्फ सबा एकड़ दिया। हम नहीं चाहते कि इस तरह आपकी चर्चा हो, आपकी निष्ठा को हमें अंधूर नहीं। हम चाहते हैं कि आप इस पर जोर दें कि आप अपनी हस्ती के मुसाफिक दान दें।

औरी पैर तक कमरे में खामोशी रही, वह दोनों भाई, दूसरे भीमात्मा और कार्यकर्ता सभी चुप थे, तब बाबा ने उन दोनों भाइयों की तरफ देखकर कहा कि पहले यह बताइये कि आप दोनों अलग अलग क्यों हो गये ?

बन साइनों के चेहरे पर मानो हवाई सी चढ़ गई, धीमे धीमे उन्हें एक ने कहा कि घर में नहीं बनती थी.

बाबा बोले कि हम जानते हैं कि आजकल ऐसा बहुत होता है, लेकिन जब बाप-मोनों का दिल एक था तो अपने घर में भी समझा सकते थे, यह कुनबा बाबा से क्या कहा ?

पानों भाइयों की आँखों से बस आँसू गिरने की ही कसूर रह गई, कमरे में सभाटा और भी बढ़ गया.

उस सप्ताह को बेधते हुए बाबा ने बड़े भाई से पूछा कि आप घर में कितने प्राणी हैं ?

मैं, मेरी स्त्री, और एक लड़का जिसकी उम्र 16 बरस की है.

तो हम आपके घर में चौथे हो जाते हैं, इसलिये हमें बीया हिस्सा मिलना चाहिये, क्या आप हमें अपने घर में माई के तौर पर नहीं लेंगे ?

उन आई ने हाथ जोड़कर सिर मुकाया और कहा कि इससे कौन इनकार करेगा ? लेकिन मोह नहीं छूटता, इसलिये इस वस्तु इसना स्वीकार करें, फिर आगे देखा जायेगा,

बाबा बोले कि हमें तो अपना हक चाहिये, अगर आप हमें अपने घर में जगह नहीं देते तो हम जबरदस्ती कैसे कर सकते हैं ?

किर ने दूसरे भाई की तरफ मुखातिब हुये और पूछा  
क्या हमारे घर में बिचने लोग हैं ?

मैं 'अकेला ही हूँ'.

तब जो आप और हम दो भाई हो जाते हैं और हमें  
माया दिखाई मिलना नशिये.

जैसे जहाँ की तरफ इशारा करते हुये छोटे ने जवाब दिया कि जो मैं कहूँ वही हमें देगे.

जलवायु में बहुत बहुत अच्छी बात है, हम चाहते हैं कि जलवायु में एक हो जाये, फिर अपनी छत नीचा जमीन में डाली, पानी का विस्तार है दीजिये,

आप हमारे दोस्तों भाईयों की जानें नीची हो गईं और  
आपकी जानें, आपने मैं कहा कि हमने आपके सामने  
आपकी जानें रख दीं, अब आपको ऐसा मंजूर हो करे.

یہاں کے دل ہی گھرائی میں

لوگ نہیں کہیں گے کہ ملائے رہو صاحب نے ہانا کو لپٹ لیا۔  
15 دنہا زمین تھی، اُس میں سے صرف سو ایکڑ دیا۔  
ہم نہیں چاہتے کہ اِس طرح آپ کی چرچا ہو۔ آپ کی بے عزتی  
ہمیں منظور نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ایس پر سوچیں  
اور پھر اپنی ہستی کے مطابق دُن دیں۔

تھوڑی دیر تک کمرے میں خاموشی رہی۔ وہ دونوں  
بیٹیاں دوسرے شریمان اور کارپہ کرتا سب ہی چپ تھیں۔ تب  
بابا نے اُن دونوں بیٹیوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ پہلے یہ بتائیے  
کہ آپ دونوں الگ الگ کیوں ہو گئے ؟

اُن بھانڈوں کے چہرے پر ہوائی سی اڑ گئی ۔ دھدھے  
سور میں ایک نے کہا کہ گھر میں نہیں بنتی تھی ۔

بابا بولے کہ ہم جانتے ہیں کہ اچکل ایسا بہت ہوتا ہے۔  
 لیکن جب آپ دلوں کا دل ایک تھا تو اپنے گھر میں بھی  
 سمجھا سکتے تھے۔ یہ کذبہ توڑنے سے کیا فائدہ؟

دلوں بھانپیں کی آنکھوں سے پس آنسو گرے گی ہی  
کسر رہے گی . کمرے میں سلنا اور بھی پڑے گا .

اُس سلاٹہ کو بیدار ہوئے بابا نے ہرے بھائی سے پوچھا کہ  
آپ گھر میں کتھ پرانی ہیں ؟

میں، 'مزدی' اُستری اور ایک لوکا جس کی عمر 16 برس کی تھی۔

تو ہم آپ کے گھر میں چرتے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیں چرتا حصہ ملنا چاہئے۔ کیا آپ ہمیں اپنے گھر میں بھائی کے طور پر نہیں لیتے؟

اُن بھائی نے ہاتھ جوڑ کر سر چھکایا اور کہا کہ اِس سے کون  
 انکار کریگا؟ لیکن سوہ نہیں جھٹتا۔ اِس لئے اِس وقت اتنا  
 سوچنا کر کہیں، پھر آگے دیکھا جائیگا۔

بابا بولے کہ ہمیں تو اپنا حق چاہئے۔ اگر آپ ہمیں اپنے گھر میں جکے نہیں دیتے تو ہم زبردستی کھسے کر سکتے ہیں؟

پھر وہ دوسرے بھائی کی طرف مخاطب ہوئے اور پوچھا کہ آپ کے گھر میں کتنے لوگ ہیں ؟

میں اکٹھے ہی رہیں۔

تب تو آپ اور ہم دو بیٹائی ہو جاتے ہیں اور ہمیں اندھا حصہ لانا چاہیے۔

بڑے بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چھوٹے نے جواب دیا کہ  
جو یہ دیکھ رہی ہم دیکھ۔

ہمارے کہا کہ بہت اچھی بات ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ  
دنوں ایک ہو جائیں۔ پھر اپنی تیس بیگیا زمین میں سے ہمیں  
پانچواں حصہ دیدیجئے۔

یہ سبکو دلوں میں پھاڑیں کی آنکھیں نہ کھلی ہو گئیں اور کچھ نہیں بولے۔ بار بار کہا کہ ہم نے آپ کے آگے انصاف کی بات دی۔ آپ آپ کو جیسا منظور ہو کریں۔

ش्रीمان نے ایک نام پورا کیا، دوسری طرف والوں کو  
بھ مقرر یا۔ بھ ماہی می بھی بیٹھے تھے۔ بابا نے  
ان سے کہا کہ جب دونوں پہنچے والے آپ کو پسند کرے  
تو میں کوئی اعتراض نہیں۔ آپ اس معاملے کی  
چالچ کر لیں اور جب یہ فیصلہ آپ دیں گے کہ ان بھائی  
(شریمان) نے اٹھائے نہیں کیا ہے تب ہی ان کا دان پتر  
قبول ہوگا۔ فی الحال ان کا دان پتر آپ اپنے پاس سمیٹ کر  
رکھ لیتے۔

وہ دان پتر ان بھائی نے بیچ کے حوالے کر دیا، مگر سر پر  
دا ہوا نہیں ہوچکا تھا۔

[ سیتلنہر کا مہینہ—موجودہ پورہ ضلع کا ایک گاؤں ]

سورج کے دس بجے کے کڑیہ ایک کارکن نے بڑے بڑے  
بابا کے سامنے پانچ بیچا زمین کا ایک دانپتر رکھا۔  
دااتا کے پاس 100 بیچا زمین تھی۔ اس ماہی نے پوچھا کہ  
اس پر کیا جائیگا؟

پل بھر کے لیے بابا شانت رہے، پھر بھ دانپتر  
لے لیا۔ اپنی کلام بٹھائی۔ اس دانپتر کے پیچھے یہ  
لکھا —

“یہ دان مالک کے پاس جو زمین ہے اس ہساب سے  
بھت دی کم ہے۔ اسلئے بھت کرنا چاہیے۔

—بھینا

یہ لکھ کر بھ دانپتر ان ماہی کے ہاتھ کر دیا۔  
بھ اسے لےکر لوت گئے اور دااتا کے پاس پہنچا دیا۔  
ہمارے کیمپ میں ایک سمنسری سی فیل گئی کہ بابا نے آج  
سے دانپتر باپس کرنا شروع کر دیا۔

دوسرے دن 15-15 بیچا رکھنے والے دو ماہیوں نے  
سب سے سب سے بیچے کے دانپتر بڑے بھ دانپتر بھ دونوں  
ماہی خود ہی لےکر پڑاؤ پر آئے۔ کارکنوں کو شک آئی۔ انہوں نے  
دونوں دانپتر سے کم دیا کہ آپ کے پاس 15-15 بیچا زمین  
ہے۔ ابھی آپ کے اوپر کرنا ہی ہے۔ اس لئے ہم آپ سے زیادہ  
جائداد کی آشا کرتے ہیں۔ چھوٹے حصے سے کم لے لے ہم معذور  
ہیں۔ اور وہ دان پتر واپس کر دیتے۔ اس طرح کے کئی ایک  
اور معاملے تھے۔ ان دانپتر کو بڑی تکلیف ہوئی کہ ان کے دان  
پتر کو واپس کر دیتے تھے۔ ان کی بھینٹ کھوں تھرا ہی  
گئی۔ انہوں نے اچھا ظاہر کیا کہ ہم بابا سے ملنا چاہتے ہیں۔  
دو بھ کے ساتھ ملے ہوئے۔ کئی شرمیلی لوگوں سے بابا ملے۔

ان دو ماہیوں میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے ہم نے  
پہلے ہی آپ کی سوا میں اگست کی تھی۔ لیکن  
میں نے اس کے ساتھ کہا تھا کہ وہ سونکر نہیں کی  
گئی۔ وہاں نے کہا کہ میں آپ سے زیادہ تکلیف ہے۔ ہم آپ  
سے کہا چاہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کی یہ بھینٹ منظور  
کی جائے تو آپ کا یہ بھت کا دانی ہو جائے جس کو

صبح کے دس بجے کے قریب ایک کارکن نے قریب قریب  
بابا کے سامنے پانچ بیچا زمین کا ایک دان پتر رکھا۔ دانہ کے  
پاس سو بیچا زمین تھی۔ اس بھائی نے پوچھا کہ اس پر کیا  
آجائے گا؟

پل بھر کے لئے بابا شانت تھے۔ پھر وہ دان پتر لے لیا۔  
اپنی قلم اٹھائی۔ اس دان پتر کے پیچھے یہ لکھا —

“یہ دان مالک کے پاس جو زمین ہے اس ہساب سے  
بھت دی کم ہے۔ اسلئے بھت کرنا چاہیے۔

—بھینا

یہ لکھ کر وہ دانپتر ان بھائی کے حوالے کر دیا۔ وہ اسے  
لے کر لوٹ گئے اور دااتا کے پاس پہنچا دیا۔ ہمارے کیمپ  
میں ایک سمنسری سی فیل گئی کہ بابا نے آج سے دان پتر  
واپس کرنا شروع کر دیا۔

دوسرے دن 15-15 بیچا رکھنے والے دو ماہیوں نے سب سے سب سے  
بیچے کے دانپتر بڑے بھ دانپتر بھ دونوں ماہی خود  
ہی لے کر پڑاؤ پر آئے تھے۔ کارکنوں کو شک آئی۔ انہوں نے  
دونوں دانپتر سے کم دیا کہ آپ کے پاس 15-15 بیچا زمین  
ہے۔ ابھی آپ کے اوپر کرنا ہی ہے۔ اس لئے ہم آپ سے زیادہ  
جائداد کی آشا کرتے ہیں۔ چھوٹے حصے سے کم لے لے ہم معذور  
ہیں۔ اور وہ دان پتر واپس کر دیتے۔ اس طرح کے کئی ایک  
اور معاملے تھے۔ ان دانپتر کو بڑی تکلیف ہوئی کہ ان کے دان  
پتر کو واپس کر دیتے تھے۔ ان کی بھینٹ کھوں تھرا ہی  
گئی۔ انہوں نے اچھا ظاہر کیا کہ ہم بابا سے ملنا چاہتے ہیں۔  
دو بھ کے ساتھ ملے ہوئے۔ کئی شرمیلی لوگوں سے بابا ملے۔

ان دو ماہیوں میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے ہم نے  
پہلے ہی آپ کی سوا میں اگست کی تھی۔ لیکن  
میں نے اس کے ساتھ کہا تھا کہ وہ سونکر نہیں کی  
گئی۔ وہاں نے کہا کہ میں آپ سے زیادہ تکلیف ہے۔ ہم آپ  
سے کہا چاہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کی یہ بھینٹ منظور  
کی جائے تو آپ کا یہ بھت کا دانی ہو جائے جس کو

صبح کے دس بجے کے قریب ایک کارکن نے قریب قریب  
بابا کے سامنے پانچ بیچا زمین کا ایک دان پتر رکھا۔ دانہ کے  
پاس سو بیچا زمین تھی۔ اس بھائی نے پوچھا کہ اس پر کیا  
آجائے گا؟

پل بھر کے لئے بابا شانت تھے۔ پھر وہ دان پتر لے لیا۔  
اپنی قلم اٹھائی۔ اس دان پتر کے پیچھے یہ لکھا —

“یہ دان مالک کے پاس جو زمین ہے اس ہساب سے  
بھت دی کم ہے۔ اسلئے بھت کرنا چاہیے۔

—بھینا

बिहार के जिलों की गहराई में

और बाबा को दानपत्र पेश करने लगे. बाबा ने कहा कि हमें नाश्रूम बुझा है कि आपने कुछ बेवजहलियाँ की हैं. ऐसी हालत में हम आपसे दानपत्र कैसे लें ? बह करने लगे कि नहीं बुझूर, यह सब रात बात है. आप किसी से भी करिनामा करा सकते हैं. बाबा ने कहा कि अब तो हम पड़ाव पर बल ही रहे हैं, यहां रास्ते में किस से पूछें ? इसलिये पड़ाव पर आकर ही पूछ ताऊ की जायेगी, और उसके बाद ही हम आपका दानपत्र ले सकेंगे.

दस बजे के करीब हम लोग हथौड़ी पहुँचे, नाव से उतरकर बाबा ने खुरकी पर कदम रखा ही था कि वह भाई कहने लगे—सरकार ! मेरा दानपत्र ले लिया जाये, बाबा ने उनके कंधे पर हाथ रखकर कहा कि देखिये हमने आपसे कह दिया कि आप के मामले में जानकारी हासिल करनी होगी, उसके बरौर आपका दानपत्र हम लेने से मजबूर हैं,

तो जब दुःख हो मैं आपके पास अपनी बात बताने  
आ जाऊँ.

हम चाहते हैं कि जिनको आपके खिलाफ शिकायत है वह भी मौजूद रहें, इसलिये आप दोनों करीक शाम को साढ़े छह बजे प्रार्थना के बाद हमसे मिलें.

जिन भाई ने उन श्रीमान के बारे में शिकायत की थी  
उनसे भी यह कह दिया गया.

दिन में कई बार हमने देखा कि वह श्रीमान अपना दानपत्र लिए हुए इधर उधर घूमते थे, हमने उनको समझाया कि आप धीरज से काम लें, घबड़ाने की कोई बात नहीं। शाम को तो बाबा के सामने सब बात चीत हो ही जायेगी।

किसी तरह दिन बीता और शाम को साढ़े छै बजने आये. दोनों तरफ वाले भाई बाबा के पास पहुँच गये. बाबा ने कहा कि यह कोई कानून की अदालत नहीं है जिसमें एक दूसरे के खिलाफ आप शिकायत करें. यह प्रेम की सभा है, प्रेम की अदालत है जिसमें दोनों पक्षों को अपनी अपनी तरफ से जो गलती हुई हो उसे कबूल करना है.

बंद भीमान कहने लगे कि बाबा मेरे खिलाफ आरोप गलत है. बाबा ने उनको टोकते हुए कहा कि हमने आपसे पहले ही कह दिया कि आपको सिर्फ अपनी गलती जो आपने की है वह सच्चे दिल से बतानी है.

लेकिन दोनों तरफ़ वाले एक दूसरे की ही शिकायत करते थे, बाबा ने कहा कि तब तो आप का इन्साफ़ हम नहीं कर सकते, आखिर सभा का रंग बदला और दोनों ने अपनी अपनी करनी बयान की, यह सुनने के बाद बाबा ने कहा कि इसमें दोनों पक्षों की तरफ़ से ही थोड़ी थोड़ी गलती हुई है, हम चाहते हैं कि आप किसी आदमी को पंच मुकर्रर कर दें जो सच सौंठे पर ज़ाकर पूरी तहकीकात कर ले, बाबा कैसात आप दोनों का मान्य शाना चाहिये.

## بہارِ گل کی گہرائی میں

اور بابا کو دان پتر پیش کرنے لگے۔ بابا نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے کچھ بددخلیاں کی ہیں۔ ایسی حالت میں ہم آپ سے دان پتر کسے لیں؟ وہ کہنے لگے کہ نہیں حضور، یہ سب غلط بات ہے۔ آپ کسی سے ہی دریافت کرا سکتے ہیں۔ بابا نے کہا کہ آپ تو ہم پوڑو پر چل ہی رہے ہیں، یہاں راستہ میں کس سے پوچھیں؟ اس لئے پوڑو پر آکر ہی بوجہ تاجہ کی جائے گی، اور اُس کے بعد ہی ہم آپ کا دان پتر لے سکیں گے۔

جس بچے کے قریب ہم لوگ ہتھوڑی پہنچے۔ ناؤ سے اتر کر بابا نے خشکی پر قدم رکھا ہی تھا کہ وہ بھائی کہنے لگے—سرکار! مہرا دان دیکر لے لیا جائے۔ وہاں اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ دیجئے، ہم نے آپ سے کم دیا کہ آپ کے معاملے میں جانتکاری حاصل کرنی ہوگی۔ اُس کے بغیر آپ کا دان بکر ہم لینے سے معذور ہیں۔

تو جب حکم ہو میں آپ کے پاس اپنی بات بتالے آجاؤں۔  
 ہم چلتے ہیں کہ جن کو آپ کے خلف شکایت ہیں وہ  
 بھی موجود رہیں۔ اس لئے آپ دونوں فزوق شام کو ساڑھے چھ  
 بجے درازنہا کے بعد ہم سے ملیں۔

جن ہائی لے اُن شریمان کے بازے میں شکایت کی تھی  
اُن سے بھی یہ کہہ دیا گیا ۔

دن میں ٹکی بارہم لے دیکھا کہ وہ شریمان اپنا دان پتھر لئے ہوئے  
 اُدھر اُدھر گھومتے تھے۔ ہم نے اُن کو سنبھالیا تو آپ دھوڑ سے کام  
 لیں، گھبرائے کی کوئی بات نہیں۔ شام کو تو بابا کے سامنے سب  
 بات چیت ہو رہی تھی۔

کسی طرح دن بیٹا اور شام کو ساڑھے چھ بجنے آئے۔ دونوں طرف والہ ہائی بابا کے بس پہنچ گئے۔ بابا نے کہا کہ یہ کوئی قاتلوں کی عدالت نہیں ہے جس میں ایک دوسرے کے خلاف آپہ شکایت کریں۔ یہ یوزم کی سہا ہے، یوزم کی عدالت ہے جس میں دونوں پکشن کو اپنی اپنی طرف سے جو غلطی ہوئی ہو اسے قبول کرنا ہے۔

وہ شہزادین کہاں لے کہ بابا مہرے خلف آروپ غلط ہے۔  
بابا نے اُن کو قوتکے ہوئے کہا کہ ہم نے آپ سے پہلے ہی کہ  
دیا کہ آپ کو صرف اپنی غلطی جو اپنے کی ہے وہ سچے دل سے  
بتا دیں گی۔

لیکن دونوں طرف والے ایک دوسرے کی ہی شکایت کرتے تھے۔ بابا نے کہا کہ آپ کا اِصاف ہم نہیں کر سکتے۔ آخر سچا کا رنگ بدلا اور دونوں نے اپنی اپنی پہچان کی۔ یہ سلیف کے بعد بابا نے کہا کہ اِس میں دونوں پکڑیوں کی طرف سے ہی تھوڑی تھوڑی غلطی ہوئی ہے۔ ہم چلے گئے ہیں کہ آپ کسی آدمی کو بیچ مقرر کر لیں جو خاص موقع پر جا کر پوری تصدیقات کر لے۔ اُسی کا فیصلہ آپ دونوں کو ماننا ہوگا چاہئے۔

## बिहार के दिल की गहराई में

(लेखक—सुरेश रामभाई)

14 सितम्बर सन 1952 को सन्त विनोबा ने बिहार प्रदेश में भूदान-यज्ञ का मंत्र लेकर प्रवेश किया और आने वाली पहली जनवरी 1955 को वह बिहार से विदा होकर बंगाल में प्रवेश करेंगे, बंगाल में 25 दिन बिताने के बाद उड़ीसा की भूमि पर कदम रखेंगे, इस तरह बिहार में उनका प्रवास दो साल और साढ़े तीन महीने का हो रहा है। शायद ही आधुनिक इतिहास में कोई ऐसी मिसालें मिलें जब किसी भारत वासी ने बिहार में इस तरह पैदल घूम घूम कर युग वर्म का सन्देश सुनाया हो। हमें याद आ रही है कि बुद्ध भगवान की और महावीर स्वामी की जिन्होंने बिहार में दिव्य ज्योति का साक्षात्कार किया था और फिर अपने वर्म का प्रचार किया, उनके बाद जगत गुरु शंकराचार्य सुदूर केरल से आये और अद्वैत ज्ञान का डंका बजाया, लेकिन उनके बाद से अब तक, खासकर विज्ञान की प्रगति के इस चमाने में, इस तरह निरन्तर घूम घूम कर सतत प्रचार करने की दूसरी मिसाल नहीं मिलती, इसका बिहार के मानस पर अजीब तरीक़ा असर पड़ा है, लोक मानस के अन्दर बहुत गहराई तक यह पहुँच गया है, किसी भी आँकड़े से इसकी पैमाइश नहीं की जा सकती, लेकिन कुछ विलवार और अनोखी घटनायें पिछले छे महीने में ऐसी हुई हैं जिससे उसका कुछ अन्दाजा किया जा सकता है, वैसे सच तो यह है कि इसका पूरा प्रभाव तो बरसों के बाद ही मालूम होगा।

अगस्त का महीना था और बाबा जिले के समस्तीपुर सबडिवीजन के बाढ़ पीड़ित क्षेत्र में घूम रहे थे, ऐसे ऐसे इलाकों में जाना हुआ जहाँ कोई भी सरकारी पदाधिकारी या सार्वजनिक कार्यकर्ता नहीं पहुँचा था, कोसी की भयानक बाढ़ ने जो तूफ़ान डाला था उसके मुकाबले की चीख पिछले पचास साठ बरस में नहीं हुई थी, हमारी यात्रा कभी पैदल होती थी, कभी नाव में, अक्सर तो पानी में घूमना पड़ता था, एक दिन सुबह के समय नाव में बैठे हुये बाबा हबीबी नाम के मुक़ाम को जा रहे थे, रास्ते में एक गाँव पड़ा, वहाँ के एक श्रीमान भाई दानपत्र देना चाहते थे, हमारी नाव में एक दूसरे भाई भी बैठे थे, उन्होंने बताया कि इन जमीन्दार ने अपने इलाके में बहुत कबायती की है, कई किसानों को बेवखल किया है, कई किसानों के घर उजाड़ डाले हैं, बाबा यह चुपचाप सुनते रहे, थोड़ी देर बाद अपनी नाव में वह श्रीमान भी हमारी नाव के पास आ पहुँचे, बड़े उतावलेपन के साथ हमारी नाव में आ गये

## बिहार के दिल की गहराई में

(लेखक—सुरेश रामभाई)

14 सितम्बर सन 1952 को सन्त विनोबा ने बिहार प्रदेश में भूदान-यज्ञ का मंत्र लेकर प्रवेश किया और आने वाली पहली जनवरी 1955 को वह बिहार से विदा होकर बंगाल में प्रवेश करेंगे, बंगाल में 25 दिन बिताने के बाद उड़ीसा की भूमि पर कदम रखेंगे, इस तरह बिहार में उनका प्रवास दो साल और साढ़े तीन महीने का हो रहा है। शायद ही आधुनिक इतिहास में कोई ऐसी मिसालें मिलें जब किसी भारत वासी ने बिहार में इस तरह पैदल घूम घूम कर युग वर्म का सन्देश सुनाया हो। हमें याद आ रही है कि बुद्ध भगवान की और महावीर स्वामी की जिन्होंने बिहार में दिव्य ज्योति का साक्षात्कार किया था और फिर अपने वर्म का प्रचार किया, उनके बाद जगत गुरु शंकराचार्य सुदूर केरल से आये और अद्वैत ज्ञान का डंका बजाया, लेकिन उनके बाद से अब तक, खासकर विज्ञान की प्रगति के इस चमाने में, इस तरह निरन्तर घूम घूम कर सतत प्रचार करने की दूसरी मिसाल नहीं मिलती, इसका बिहार के मानस पर अजीब तरीक़ा असर पड़ा है, लोक मानस के अन्दर बहुत गहराई तक यह पहुँच गया है, किसी भी आँकड़े से इसकी पैमाइश नहीं की जा सकती, लेकिन कुछ विलवार और अनोखी घटनायें पिछले छे महीने में ऐसी हुई हैं जिससे उसका कुछ अन्दाजा किया जा सकता है, वैसे सच तो यह है कि इसका पूरा प्रभाव तो बरसों के बाद ही मालूम होगा।

अगस्त का महीना था और बाबा जिले के समस्तीपुर सबडिवीजन के बाढ़ पीड़ित क्षेत्र में घूम रहे थे, ऐसे ऐसे इलाकों में जाना हुआ जहाँ कोई भी सरकारी पदाधिकारी या सार्वजनिक कार्यकर्ता नहीं पहुँचा था, कोसी की भयानक बाढ़ ने जो तूफ़ान डाला था उसके मुकाबले की चीख पिछले पचास साठ बरस में नहीं हुई थी, हमारी यात्रा कभी पैदल होती थी, कभी नाव में, अक्सर तो पानी में घूमना पड़ता था, एक दिन सुबह के समय नाव में बैठे हुये बाबा हबीबी नाम के मुक़ाम को जा रहे थे, रास्ते में एक गाँव पड़ा, वहाँ के एक श्रीमान भाई दानपत्र देना चाहते थे, हमारी नाव में एक दूसरे भाई भी बैठे थे, उन्होंने बताया कि इन जमीन्दार ने अपने इलाके में बहुत कबायती की है, कई किसानों को बेवखल किया है, कई किसानों के घर उजाड़ डाले हैं, बाबा यह चुपचाप सुनते रहे, थोड़ी देर बाद अपनी नाव में वह श्रीमान भी हमारी नाव के पास आ पहुँचे, बड़े उतावलेपन के साथ हमारी नाव में आ गये



کمرہ دھوا بھاں سے نکلنا۔ اس شور شہر کو دیکھ کر وہ  
بہت ہی گھبراہٹ میں کھڑے ہوئے۔

”بھائی! تو اس طرح کا سارا کام بڑی مہارت کا  
ہے۔ کسی خوشامیمن نیکو نے کہا ہے کہ جو دہرا دہرا  
شور مچاتا رہتا ہے وہیں شانتی نہیں رہ سکتی۔ یہ  
یا تو بدیشیوں کی بے جا مداخلت اور شہر ہے اور  
یا دہرا کے اندر جگمگ ہے اور یا کم سے کم چائے  
کے پیالے میں تھکان ہے۔ جو ہو، بہت ہی  
بہت ہی بات ہے!“

”دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے اس طرح  
ایک ساتھ کام کرنے کی یہ عادت بڑی گندی عادت ہے! معلوم  
ہوتا ہے تمہاری سب کی گڑی پڑی سے آگئی ہے۔ سب شانتی  
بھنگ ہو گئی ہے۔ شہر کے سب لوگ باہر ہو گئے ہیں۔ کوئی  
ایسا نہیں ہے جو سب کی نمائندگی کر سکے! میں اسے برداشت  
نہیں کر سکتا۔“

وہ سالپ خود اپنے کو انٹرنیشنل پولیس والا سمجھتا تھا۔  
راج لپٹی کے طور پر سمجھتا تھا کہ دھرم اور انجیل کا پرچار کرنا  
یہی اسی کا فرض ہے۔ وہ فوراً اس درخت پر چڑھ گیا۔ اس  
نے چل کر لیا کہ سب سے پہلے اس چہرے کو تیز دیا جائے جو شہر  
کی مہمیاں بنا رہی تھیں۔

پھر ایک دم وہ سالپ پھر پیچھے کو لوٹا اور گرتا پڑتا، پستلا  
زمین پر آگیا۔ شہر کی مہمیاں وہاں بھی اُس کے پیچھے پڑی  
ہوئی تھیں۔ سالپ کو سمجھو ہو کر جلدی سے ایک گہلی  
کانٹھدار چاروں میں گھس جانا پڑا۔

لوگ عام طور پر کہتے ہیں کہ یہ زمانہ پیروک سامراج  
والی زمانہ کا زمانہ ہے۔ پر وہ زمانہ بھی ہے جب سامراج  
وادیوں کو چاروں طرف اُلتی قابضی کھانی پڑ رہی ہے۔

گرتا ہوا وہاں سے لٹا۔ اس شور و شر کو دیکھ کر بہت ہکا اور  
کھٹا لگا۔

”اول تو اس طرح کا سارا کام بڑی مہارت کا ہے۔ کسی  
بہیمان نیکو نے کہا ہے کہ جو دیش ہمیشہ شور و غل مچاتا  
رہتا ہے اُن میں شانتی نہیں رہ سکتی۔ یہ یا تو بدیشیوں کی  
بے جا مداخلت اور شہر ہے اور یا دہرا کے اندر جگمگ  
ہے اور یا کم سے کم چائے کے پیالے میں تھکان ہے۔ جو ہو، بہت  
بہت ہی بات ہے!“

”دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے اس طرح ایک  
ساتھ کام کرنے کی یہ عادت بڑی گندی عادت ہے! معلوم  
ہوتا ہے تمہاری سب کی گڑی پڑی سے آگئی ہے۔ سب شانتی  
بھنگ ہو گئی ہے۔ شہر کے سب لوگ باہر ہو گئے ہیں۔ کوئی  
ایسا نہیں ہے جو سب کی نمائندگی کر سکے! میں اسے برداشت  
نہیں کر سکتا۔“

وہ سالپ خود اپنے کو انٹرنیشنل پولیس والا سمجھتا تھا۔  
راج لپٹی کے طور پر سمجھتا تھا کہ دھرم اور انجیل کا پرچار کرنا  
یہی اسی کا فرض ہے۔ وہ فوراً اس درخت پر چڑھ گیا۔ اس  
نے چل کر لیا کہ سب سے پہلے اس چہرے کو تیز دیا جائے جو شہر  
کی مہمیاں بنا رہی تھیں۔

پھر ایک دم وہ سالپ پھر پیچھے کو لوٹا اور گرتا پڑتا، پستلا  
زمین پر آگیا۔ شہر کی مہمیاں وہاں بھی اُس کے پیچھے پڑی  
ہوئی تھیں۔ سالپ کو سمجھو ہو کر جلدی سے ایک گہلی  
کانٹھدار چاروں میں گھس جانا پڑا۔

لوگ عام طور پر کہتے ہیں کہ یہ زمانہ پیروک سامراج  
والی زمانہ کا زمانہ ہے۔ پر وہ زمانہ بھی ہے جب سامراج  
وادیوں کو چاروں طرف اُلتی قابضی کھانی پڑ رہی ہے۔

نہتا کو کوئی نیچی مہمیاں کاشا نہیں دکھائی  
چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہے، نہ دھن، نہ لکڑی،  
نہ پدن، نہ بھوک، نہ آبپھوک۔ اور وہ ابھر کر دن  
میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نہتا کو کوئی نیچی مہمیاں کاشا نہیں دکھائی  
چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہے، نہ دھن، نہ لکڑی،  
نہ پدن، نہ بھوک، نہ آبپھوک۔ اور وہ ابھر کر دن  
میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

—ناہی

—ناہی

کی ساری خوشی—وہ لڑکی کی جو سمندر کو پیار کرتی تھی اور جسے سمندر پیار کرتا تھا—اور کسی نے نہیں دیکھا کہ سمندر نے جین لیا۔ ایک دن اپنے اس پیارے مچھلی سے بھارت ہونے کے بعد جب وہ خوش خوش مسکراتی رہی تھی، وہ نوجوان مچھلی اپنی دوستی کے لیے سمندر میں جا رہا تھا اور لڑکی اسے دیکھ رہی تھی، ایک سمندر کی لہروں نے چھٹنگ لگائی اور دیکھتے دیکھتے سمندر کی ایک لہر اس نوجوان مچھلی کو نکل گئی۔

لڑکی اب دھڑلے میں ڈوب گئی، اس کی ساری خوشی مٹی ہو گئی، جس سمندر کو دیکھ کر اسے خوشی ہوتی تھی اس کو دیکھ کر اب اسے دکھ اور رنج ہوئے گا۔ اس کی نظروں میں سمندر کی وہ سب چمک دھمک اور سندریتا اب فکیکی پڑ گئی، سمندر اسے اب انجانا اور دھڑلے دیکھا دینا لگا۔

اس پر بھی عجیب بات یہ تھی کہ اب بھی وہ روز سمندر کو دیکھنے جاتی، اپنے دکھ کے کارن اس نے سمندر کو کبھی سمندر سے اسے نبرد ہوتی ہے یہ بھی وہ سمندر کو چھوڑ نہ سکی۔ سچ یہ ہے کہ جو مصیبت اس پر آئی تھی اس کے کارن سمندر اسے اب اور ہی پیارا لگنے لگا۔

آخر کار ایک دن سمندر کی طرف دیکھتے دیکھتے اس نے کہا—  
”اے سمندر! تم کیسے دیو کی طرح ہو! کتنے وشال ہو! میں تم ہی سے کہوں نہ پڑوں! دیکھو ہم میں کون جیتتا ہے!“  
یہ کہہ کر وہ ایک دوستی کے لیے سمندر میں کود پڑی، یہاں تک کہ کچھ دنوں کے اندر ہی وہ ایک مضبوط، پکے سانپ کے رنگ کی مچھلی بن گئی۔

اب جب وہ جوں لڑکی وہ سارے کام محنت کے ساتھ کرتی تھی جو نوجوان مچھلی کرتا تھا اور کھاری طوفانی سمندر کے اندر پرجنڈ لہروں پر سواری کیلئے لگی تو اسے سمندر کے ساتھ وہ انوکھا پیار محسوس ہونے لگا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اسے اب اپنے اس پیارے نوجوان مچھلی کے لئے بھی جو اس سے چھوٹا تھا، وہ انوکھا پیار محسوس ہونے لگا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

آج کل کی مچھلیوں کا ایک جہاز ایک درخت کے زیرِ رحمہ کے لئے لپٹا ہوا ہوتا تھا۔ درخت کی شاخوں میں مچھلیوں کے لئے آدھار آدھار سے آدھار لڑکی سے لگا رہی تھیں، ان کے لیے آدھار تھا، سب پھینکا رہی تھیں۔ چٹل کی باتی بھٹک ہو رہی تھی۔ ایک سانپ چٹل کا ساتھ

اس پر بھی عجیب بات یہ تھی کہ اب بھی وہ روز سمندر کو دیکھنے جاتی، اپنے دکھ کے کارن اس نے سمندر کو کبھی سمندر سے اسے نبرد ہوتی ہے یہ بھی وہ سمندر کو چھوڑ نہ سکی۔ سچ یہ ہے کہ جو مصیبت اس پر آئی تھی اس کے کارن سمندر اسے اب اور ہی پیارا لگنے لگا۔

اب جب وہ جوں لڑکی وہ سارے کام محنت کے ساتھ کرتی تھی جو نوجوان مچھلی کرتا تھا اور کھاری طوفانی سمندر کے اندر پرجنڈ لہروں پر سواری کیلئے لگی تو اسے سمندر کے ساتھ وہ انوکھا پیار محسوس ہونے لگا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اسے اب اپنے اس پیارے نوجوان مچھلی کے لئے بھی جو اس سے چھوٹا تھا، وہ انوکھا پیار محسوس ہونے لگا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

( 5 )

### شاہد کی مہمیاں اور ساپ

جنگلی شاہد کی مہمیاں کا ایک گھنٹہ ایک درخت کے زمرے رہنے کے لیے اپنا گھنا بنا رہا تھا۔ درخت کی شاخوں میں مہمیاں ہمارے اوپر سے اوپر سے اوپر سے آ ج آ رہی تھیں، کاکھی شور اور جوش تھا، سب بھینک رہی تھیں، جنگل کی شانتی بگ ہو رہی تھی۔ ایک ساپ جنگل کا ساتھ



سائے کے نیچے میں پیلے پیلے سمندر جیسے خلت بھی ایسی طرح کے آگ گئے سنائی دیتے ہیں۔ اُس لڑکی کو اُس گالے میں ہوا آتا تھا۔ اُسے اُس میں کوسلتا آڈارنا اور نشانا تینوں دکھائی دیتی تھیں۔ شام کے سمندر کے اُس گالے کو سکر اُس کی سب چلتا تھا کانور ہو جاتی تھیں۔ جب آسمان 'مٹ' کھا اور شانت ہوتا تو سمندر اتنا سندر لگتا اور اتنا چمکتا کہ اُسے دیکھ اُس لڑکی کو کسی سندر پیارے مکزے کی خوشی بھری مسکراہٹ یاد آجاتی اور وہ سیرم سندر اور خوش دکھائی دینے لگتی۔ اور جب طوفان آئے تو سمندر کے پوچھنے شور سے اُسے ذرا بھی تر نہ لگتا۔ اُس سے وہ اُسی طرح کٹارے پر کھڑی سمندر کے لوپ میں آند لڑکی رہتی۔ معلوم ہوتا تھا کہ سمندری طوفانوں کا اُسے اتنا ہی شوق تھا جتنا بعض لڑکیوں کو ہوائی یوم کا ہوتا ہے۔

سارا اُنہی یہ کہ کوئی بھی سے ہو اور کیسا بھی موسم ہو سمندر کو دیکھ کر اُس لڑکی کو سدا ہوا آند آتا۔

پر اُس کا ایک اور بھی کارن تھا اور وہ کارن قدرتی تھا اور طلوع تھا۔ سب سے آدھک سمندر اُس بات کو سمجھتا تھا کہ لڑکی کے دل میں ایک راز چھپا ہوا تھا۔ وہ لڑکی ایک نوجوان مجھپارے لڑکے سے پیار کرتی تھی۔ وہ لڑکا ایک مضبوط لیجاؤں اور چوڑی چھاتی والا نوجوان تھا جس کا چہرہ سانولا اور جس کے ہونٹ لال رہتے تھے۔ اُس کے بارے بدن سے سمندر کے کھاری پالی اور سمندر کی گورگڑاہٹ کی سنگدہ آتی تھی۔ وہ ایک بکا سمندری مچھ تھا۔ وہ لڑکی اُسے پیار کرتی تھی۔

لڑکا اُسے روز سمندر کے کنارے ملا کرتا تھا۔ وہ دونوں سمندر کی تعریفیں کرتے، بالکل ایسی طرح مانو ایک دوسرے کے ساتھ اپنے پریم کی باتیں کر رہے تھے اور اُسی پریم کی تعریفیں کر رہے تھے۔ وہ بالکل ایسی طرح جس طرح کوئی بڑے راز نیاز کی باتیں آپس میں کر رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے کہتے: "دیکھو دیکھو، سمندر کیسا پیارا لگتا ہے، کس طرح مسکرا رہا ہے، کا رہا ہے اور لا بازیاں کھا رہا ہے!"

بات کا لچوڑ یہ کہ وہ دونوں سمندر سے بھی پیار کرتے تھے اور ایک دوسرے کو بھی پیار کرتے تھے۔ لڑکی بھی وہ نوجوان مجھپارا بھی خوب خوش تھا اور سمندر بھی خوب خوش تھا۔

پر نہ چالے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوش ہوتی ہے وہی اکثر ہماری خوشی کا چور ڈھبت ہو جائے۔ تھوڑے دنوں کے اندر اُس بیوی ایماندار لڑکی

پر نہ چالے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوش ہوتی ہے وہی اکثر ہماری خوشی کا چور ڈھبت ہو جائے۔ تھوڑے دنوں کے اندر اُس بیوی ایماندار لڑکی

پر نہ چالے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوش ہوتی ہے وہی اکثر ہماری خوشی کا چور ڈھبت ہو جائے۔ تھوڑے دنوں کے اندر اُس بیوی ایماندار لڑکی

پر نہ چالے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوش ہوتی ہے وہی اکثر ہماری خوشی کا چور ڈھبت ہو جائے۔ تھوڑے دنوں کے اندر اُس بیوی ایماندار لڑکی

پر نہ چالے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوش ہوتی ہے وہی اکثر ہماری خوشی کا چور ڈھبت ہو جائے۔ تھوڑے دنوں کے اندر اُس بیوی ایماندار لڑکی

پر نہ چالے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوش ہوتی ہے وہی اکثر ہماری خوشی کا چور ڈھبت ہو جائے۔ تھوڑے دنوں کے اندر اُس بیوی ایماندار لڑکی

میں نے اس سے پہلے کہا ہے۔ اب میں آؤں کر دیکھوں۔  
 وہ ایک آدمی تھا جس نے اس سے پورے طاقت نہ آئی  
 اب اس کو نقصان پہنچا دیا۔ اس کا بیٹا مہربان  
 پہلی حالت تھا۔ وہ دیر سے آ کر آ۔ ماں کا یہ حال  
 ہو گیا تھا۔ اور میں نے دیکھ بھال اور رکشائے اس کے  
 دل میں۔ اب یہ ماں کو چھوڑ کر کہیں نہ جاتا۔ عجیب  
 یہ ہوئی کہ بیٹا کو اپنے پاس دیکھ کر میں اور بھی کمزوری  
 سوس کر رہ گئی۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہا۔ "بیٹا! یہ  
 کب ٹھیک نہیں تم جتنا پیار سے میری دیکھ بھال میں آئے  
 ہو اس سے مجھے اور بھی ادھک کمزوری اور ترکان معلوم  
 ہے۔ اب بیٹا! دیر سے آؤنگے آؤنگے دیکھو۔ تم آسمان میں  
 اور خوب آؤنگے ملو۔ میں تمہیں ملتا دیکھوں تو  
 میں ہمت ہوتی ہے۔"

اس پر اس کا بیٹا، وہ جوان عقاب، خوب اڑنے پر آزادی اور  
 ہری کے ساتھ آسمان میں مفلح لے گا۔ ماں کچھ دیر تک  
 کے ساتھ آئے دیکھتی رہی۔ پھر کسی نے کسی طرح وہ آٹھ  
 ب مہنی اور خود اڑنے لگی، اور آٹھ ہی دور سے اڑنے لگی جتنے  
 سے اس کا بیٹا اڑ رہا تھا۔

اگر کوئی بڑھا آدمی چلنا پھرنا بیوقوف گیا ہو تو سب سے  
ن طریقہ یہ ہے کہ نوجوانوں کو چلنے پھرتے دیکھ کر پھر اُس بڑھے  
دروں سے پھر اپنے آپ چلنے لگیں گے۔ اسی طرح جوانوں کی  
بری کے حصہ سنا بھی بڑھے لوگوں کی قدرستی کے لئے بہت  
ا ہوتا ہے۔ نوجوان آپ کے اُس پانس ہوں تو بڑھاپے سے کیا  
بڑھاپے سے کہ تو تب ہی ہے جب آپ نوجوانوں سے  
تے ہوں، انہیں ناپسند کرتے ہوں اور انہوں اپنے سے دور  
ہوں۔

( 4 )

ایک مسیحا بن لو کی اور مسیحا بن

ایک چولہا مسجد میں لڑکی سمندر کے کنارے رہتی تھی۔ وہ  
 در کو بہت دیر گزرتی تھی۔ روز سمندر کے کنارے پہنچی ہو کر  
 تک سمندر کو دیکھتی رہتی۔ کہی بہت سیورے سمندر میں  
 پہلی شروع ہونے سے پہلے وہ کنارے پر پہنچی نہ تھی۔  
 کے ساتھ سوچ کی شروع کی کرلوں میں ہنسنا ہنسنا  
 در اپنی نظروں میں لگتا۔ لڑکی کو سمندر کی یہ جھلس بہت  
 لگتی۔ اسے بالکل ایسا لگتا کہ کوئی حال میں پیدا ہوا  
 سمندر بہت پانی میں اپنی آنکھیں غول رہا ہے۔ کہی  
 کو سمندر اپنی جھلس چھوٹی چھوٹی ہونی سنواری کہوں  
 لگتی۔ میں اس طرح کہ گانا سنائی دیتا جس طرح  
 لڑکی لڑکی کی حالت میں کہ گانا سنائی دیتا۔ کہ بہت  
 در کی حال میں بالکل ایک جیسی تھی کہ وہ اپنی سنواری

## بڑی بھائی کی کہانیاں

بڑی بھائی کے ساتھ اس نے ایک کھیت کو اپنے اوپر سنبھال رکھا جس سے اس کے بہت سے ساتھیوں کی جان بچ گئی۔ پر وہ خود وہیں دب کر مر گیا۔

بڑے باپ کا دل اب بہت ہی بڑھ گیا۔ ایک رات भर کے اندر بڑھ ہوا سے بھاوا کمزور اور نیٹال نیکسائی دینے لگا۔ پر ابھی اس کے ایک بेटا اور تھا۔ اسی سے اسے کچھ تسلی تھی۔ بڑے باپ کے بھائی اب کچھ بڑے۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ ”اب میں اپنے اس سب سے چھوٹے بیٹے کو اس طرح بہادر اور نڈر نہ بننے دوں گا۔ اب اس آخری بیٹے کو کھو بیٹھنے کا رنج مہری برداشت سے بھر کی چیز ہے۔“

اس نے اسی ساںس भरकर कहा—”मेरा यह बेटा कायर और निकम्मा रह जाय तो अच्छा, बजाय इसके कि उसकी बहादुरी और उसके गुणों के कारन मैं उस से भी हाथ धो बैठूँ।“

اس لیے بڑے نے اس آخری بेटے کو اپنے साथ रखकर खुद तालीम देना शुरू किया۔ उसने उसे इस तरह रखा जिस तरह शायद कोई बूढ़ी औरत अपनी छोटीसी पोती को भी न रखती हो। वह लड़का सचमुच बाप का आश्वासनाकारी निकला۔ जैसा बाप चाहता था वैसा ही बह हो गया—डरपोक, स्वार्थी और निकम्मा۔ पर एक अजीब बात यह हुई कि अब ओढे ही दिनों बाद उस बूढ़े बाप को इतना दुख हुआ और इतनी ग्लानि होने लगी जितनी उसे जीवन में पहले कभी नहीं हुई थी۔ अपनी रालती पर वह बार बार पछताता था۔ अपने उस बेटे से उसे नफरत होने लगी और उसे उस पर दया आने लगी۔ बूढ़े ने कहा۔

”इस निकम्मेपन से, इस सक्रियलपन से मुझे हमेशा चिढ़ रही है, पर अब स्वार्थ और मोह के बश में आकर मैंने खुद इस तीसरे बेटे का यह हाल कर डाला ! उसके जीने से क्या फायदा, जिसे न समन्दर बुझा सके न पहाड़ कुचल सके ?“

अब बूढ़े बाप के लिये सचमुच अपने उस बेटे से प्यार करना नामुमकिन हो गया, क्योंकि उसका प्यार केवल जबरदस्त लहरों वाले समन्दर, या ऊँचे अडिग पहाड़ और अपने दोनो बड़े बेटों जैसे साहसी आविधियों की तरफ ही जा सकता था। बूढ़े बाप के दिल में अब रंज और ग्लानि की कोई सीमा न रही। यह उसे आखरी दिनों के अपने उसके निवासों और अपने हाथों अपने सब से छोटे बेटे को विगाड़ देने की सजा थी۔

( 8 )

एक बूढ़ी चिड़िया और उसका बेटा

एक जमाने उदाव पक्षी और उसकी मां एक साथ रहते थे, जो बहुत बूढ़ी हो गई थी। एक दिन कुछ देर तक उड़ने के बाद वह पहाड़ की एक कगार पर बैठ गई और कहने

## एक चली चली कहानी

बड़ी بھادی کے ساتھ اس نے ایک کھیت کو اپنے اوپر سنبھال رکھا جس سے اس کے بہت سے ساتھیوں کی جان بچ گئی۔ پر وہ خود وہیں دب کر مر گیا۔

بڑے باپ کا دل اب بہت ہی بڑھ گیا۔ ایک رات भर کے اندر وہ حد سے زیادہ کمزور اور نڈال دکھائی دینے لگا۔ پر ابھی اس کے ایک بیٹا اور تھا۔ اسی سے اسے کچھ تسلی تھی۔ بڑے باپ کے بچا اب کچھ بڑے۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ ”اب میں اپنے اس سب سے چھوٹے بیٹے کو اس طرح بہادر اور نڈر نہ بننے دوں گا۔ اب اس آخری بیٹے کو کھو بیٹھنے کا رنج مہری برداشت سے بھر کی چیز ہے۔“

اس نے تھلتی سانس بھر کر کہا—”میرا یہ بیٹا کاثر اور نعمانہ جلتے تو اچھا، بجائے اس کے کہ اس کی بھادی اور اس کے گاؤں کے کارن میں اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں۔“

اس لئے بڑے نے اس آخری بیٹے کو اپنے ساتھ رکھ کر خود تعلیم دینا شروع کیا۔ اس نے اسے اس طرح رکھا جس طرح شاید کوئی بڑھی عورت اپنی چوٹی سی پوتی کو بھی نہ رکھتی ہو۔ وہ لڑکا سچ میچ ’باپ کا آگیاں گاری نکلا۔ جیسا باپ چاہتا تھا ویسا ہی ہو گیا۔ ’ڈرپوک‘ سوارتھی اور نکلا۔ پر ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ اب تھڑے ہی دنوں بعد اس بڑے باپ کو اتنا دکھ ہوا اور اتنی گھٹائی ہونے لگی جتنی اسے جیوں میں پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اپنی غلطی پر وہ بار بار چپھٹاتا تھا۔ اپنے اس بیٹے سے اسے اب نفرت ہونے لگی اور اسے اس پر دیا آئے لگی۔ بڑے نے کہا :—

”اس نکمے پن سے، اس سزیل پن سے مجھے ہمیشہ چڑھ رہی ہے۔ پر اب سوارتھ اور موہ کے بس میں آ کر میں نے خود اس تیسرے بیٹے کا یہ حال کر ڈالا ! اس کے جینے سے کیا فائدہ جسے نہ سمندر ڈبو سکے اور نہ پہاڑ کچل سکے ؟“

اب بڑے باپ کے لئے سچ میچ اپنے اس بیٹے سے پیار کرنا ناممکن ہو گیا کہونکہ اس کا پیار کیوں زبردست لہروں والے سمندر یا اونچے اڈک پہاڑ اور اپنے دونوں بڑے بیٹوں جیسے ساہسی آدمیوں کی طرف ہی جاسکتا تھا۔ بڑے باپ کے دل میں اب رنج اور گھٹائی کی کوئی سیما نہ رہی۔ یہ اسے آخری دنوں کے اپنے غلط وچاروں اور اپنے ہاتھوں اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو بگاڑ دینے کی سزا تھی۔

( 3 )

ایک بڑھی چوہا اور اس کا بیٹا

ایک چوہا عقاب پرکشی اور اس کی ماں ایک ساتھ رہتے تھے۔ ماں بہت بڑھی ہو گئی تھی۔ ایک دن کچھ دیر تک اپنے کے بعد وہ پہاڑ کی ایک کگار پر بیٹھ گئی اور کہنے



## کچھ چینی छोटी कहानियाँ

چین کی کہانیاں لکھی۔ سن 19 میں وہ 'وین یی پائو' (Wen Yi Pao) نام کی پत्रیکا کا ایڈیٹر یا 'وین' کا معنی ہے 'ساہتیہ'، 'ی' کا معنی ہے 'کلا' اور 'پائو' کا معنی ہے 'پत्रیکا' یا 'گجڑ'۔ پتریکا کی کتبیاہ، کہانیاں، شاعری، نثر، سنسکرت اور دیگر چینی میں کافی مشہور ہیں۔

یہاں جو پانچ کہانیاں ہم دے رہے ہیں ان میں پہلی "ساپ کی درخت کو ڈھونڈ کر مار ڈالنے کی کوشش" سب سے حال کی لکھی ہوئی ہے۔ امریکا اور کچھ سامراج پریمی طاقتوں کی طرف سے نئے چین کا جو بلائیڈ یعنی تجارتي ویشکار چارو، یہ کہانی اُس بلائیڈ پر لکھی گئی ہے۔ "بڑا آدمی اور اُس کے تین بچے" اور "ایک بڑی چڑیا اور اُس کا بیٹا" دونوں کہانیاں چینی جنگ جتنا دم بھوکے والی اور انہیں چین کے نئے آدرشوں کی طرف لے جانے والی کہانیاں ہیں۔ "ایک بڑی چڑیا اور اُس کا بیٹا" نام کی کہانی میں رجواہوں کو چین کا آدرش بتایا گیا ہے۔ اِس چھوٹی سی کہانی میں رجواہوں کے دلوں کی قدرتی آہٹوں کے ساتھ پروکرتی کے پریم اور چین کی گرفتار کا خاصہ سند بیان ہے۔ شہد کی مکھیاں اور سانپ "بھی آج کی انڈیا واشڈریز راج لیتی سے سمجھ رہی ہے۔ اِن چھوٹی چھوٹی کہانیوں سے نئے چین کی جنگ جتنا کی آہٹوں اور اُن کے آتم وشواس پر خاص روشنی پڑتی ہے۔ اِن کہانیوں کا انورڈ چینی سے انگریزی میں اور انگریزی سے ہندستانی میں کیا گیا ہے۔ [

## کچھ چینی چھوٹی کہانیاں

اور کہانیاں لکھی۔ سن 1953 میں وہ 'وین یی پائو' (Wen Yi Pao) نام کی پتریکا کا ایڈیٹر تھا۔ 'وین' کا آرتھ ہے 'ساہتیہ'، 'ی' کا آرتھ ہے 'کلا' اور 'پائو' کا آرتھ ہے 'پتریکا' یا 'گجڑ'۔ پتریکا کی کتبیاہ، کہانیاں، شاعری، نثر، سنسکرت اور دیگر چینی میں کافی پر مشہور ہیں۔

یہاں جو پانچ کہانیاں ہم دے رہے ہیں ان میں پہلی "ساپ کی درخت کو ڈھونڈ کر مار ڈالنے کی کوشش" سب سے حال کی لکھی ہوئی ہے۔ امریکا اور کچھ سامراج پریمی طاقتوں کی طرف سے نئے چین کا جو بلائیڈ یعنی تجارتي ویشکار چارو، یہ کہانی اُس بلائیڈ پر لکھی گئی ہے۔ "بڑا آدمی اور اُس کے تین بچے" اور "ایک بڑی چڑیا اور اُس کا بیٹا" دونوں کہانیاں چینی جنگ جتنا دم بھوکے والی اور انہیں چین کے نئے آدرشوں کی طرف لے جانے والی کہانیاں ہیں۔ "ایک بڑی چڑیا اور اُس کا بیٹا" نام کی کہانی میں رجواہوں کو چین کا آدرش بتایا گیا ہے۔ اِس چھوٹی سی کہانی میں رجواہوں کے دلوں کی قدرتی آہٹوں کے ساتھ پروکرتی کے پریم اور چین کی گرفتار کا خاصہ سند بیان ہے۔ شہد کی مکھیاں اور سانپ "بھی آج کی انڈیا واشڈریز راج لیتی سے سمجھ رہی ہے۔ اِن چھوٹی چھوٹی کہانیوں سے نئے چین کی جنگ جتنا کی آہٹوں اور اُن کے آتم وشواس پر خاص روشنی پڑتی ہے۔ اِن کہانیوں کا انورڈ چینی سے انگریزی میں اور انگریزی سے ہندستانی میں کیا گیا ہے۔ [

❖

( 1 )

❖

❖

❖

❖

### ساپ کی درخت کو ڈھونڈ کر مار ڈالنے کی کوشش

ایک ساپ ایک درخت کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ خوب سوچ کر اُس نے ایک نئی اور زبردست چال نکال لی۔ سانپ بڑا ودواں تھا۔ اُس کی ودیا اِس معاملے میں اُس کے بڑے کام آئی۔ اُس نے دیکھ رکھا تھا کہ بہت سے درختوں پر جب بھلیں لپٹ جاتی ہیں تو درخت ٹکڑا ہو کر گر جاتا ہے۔

سانپ نے سوچا—"اُن بھلیوں سے میں کہیں ادھک موٹا اور مضبوط ہوں۔ اِس لئے اگر میں اِس درخت پر چاروں طرف سے لپٹ کر اُسے خوب کس لوں تو یہ درخت ایک دم گھٹ کر نہیں مرے گا تو کم سے کم دھیرے دھیرے سوک کر تو مر ہی جائے گا۔"

یہ سوچ کر وہ سانپ اُس درخت پر چڑھا۔ درخت کے تلوں پر چاروں طرف سے لپٹ کر اُس نے اُس کے زوروں سے کس لیا۔ وہ اُسے اور زیادہ سے زیادہ کستا گیا اِس آہٹ میں

### سانپ کی درخت کو ڈھونڈ کر مار ڈالنے کی کوشش

ایک سانپ ایک درخت کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ خوب سوچ کر اُس نے ایک نئی اور زبردست چال نکال لی۔ سانپ بڑا ودواں تھا۔ اُس کی ودیا اِس معاملے میں اُس کے بڑے کام آئی۔ اُس نے دیکھ رکھا تھا کہ بہت سے درختوں پر جب بھلیں لپٹ جاتی ہیں تو درخت ٹکڑا ہو کر گر جاتا ہے۔

سانپ نے سوچا—"اُن بھلیوں سے میں کہیں ادھک موٹا اور مضبوط ہوں۔ اِس لئے اگر میں اِس درخت پر چاروں طرف سے لپٹ کر اُسے خوب کس لوں تو یہ درخت ایک دم گھٹ کر نہیں مرے گا تو کم سے کم دھیرے دھیرے سوک کر تو مر ہی جائے گا۔"

یہ سوچ کر وہ سانپ اُس درخت پر چڑھا۔ درخت کے تلوں پر چاروں طرف سے لپٹ کر اُس نے اُس کے زوروں سے کس لیا۔ وہ اُسے اور زیادہ سے زیادہ کستا گیا اِس آہٹ میں



## कुछ चीनी छोटी कहानियाँ

(लेखक — फ्रेड शुर-फ्रेड; अनुवादक — सुन्दरलाल)

छोटी छोटी कहानियों के जरिये लोगों को शिक्षा देने का ढंग बहुत पुराना ढंग है। हजारों बरस से इस तरह की सैकड़ों ही सुन्दर कहानियाँ एशिया के सब देशों में चली आ रही हैं। चीन में भी यह रिवाज बहुत पुराना रिवाज है। नए चीन की तभीर करने वालों ने इस से पूरा पूरा फायदा उठाया। यहां हम नए चीन के एक चाटी के साहित्यकार फ्रेड शुर-फ्रेड की इस तरह की पांच कहानियाँ दे रहे हैं।

फ्रेड शुर-फ्रेड सन 1903 में चेकिआंग सूबे के यीवू इलाके के एक गांव में पैदा हुआ था। वह अनपढ़ किसान मां बाप का लड़का था। दस बरस को उम्र से सालह बरस की उम्र तक वह गांव के स्कूल में पढ़ता रहा और खाली समय में अपने मां बाप के साथ खेत में काम करता रहा। इसक बाद वह एक टीचर्स ट्रेनिंग स्कूल में पढ़ने लगा। विद्यार्थियों के एक आन्दोलन में भाग लेने के कारन वह ट्रेनिंग स्कूल से निकाल दिया गया। थोड़े दिनों बाद वह फिर हांगचांग के एक नारमल स्कूल में भरती हो गया।

कुछ दिनों वह प्राइमरी स्कूल में पढ़ाता रहा। पर अधिकतर अपने आजाद क्रान्तिकारी विचारों के कारन उसे बेकारी में दिन बिताने पड़े। वह जगह जगह घूमता रहा। उसका गुस्सारा कुछ भिन्नों की सहायता से चलता था। लगभग बीस बरस की उम्र में उसने कुछ कविताएं लिखीं। सन 19 में वह पीकिंग आ गया और प्राइवेट बच्चे पढ़ा कर अपना काम चलाता रहा। यहां उसने जापानी भाषा सीखी और साहित्य कला और साहित्य पर कुछ पुरतकों का जापानी से चीनी में अनुवाद किया।

अब उसका ध्यान कम्युनिस्ट साहित्य की तरफ जाने लगा। लु शून जैसे चीन के बड़े से बड़े लेखकों के साथ मिल कर उसने कई साहित्य संस्थाओं के कायम करने में हिस्सा लिया। धीरे धीरे वह पूरी तरह देश की आजादी की लड़ाई में डूब पड़ा और 'लाल सेना' के इतिहास प्रसिद्ध 'लम्बे कूब' (लांग मार्च) में उस सेना के साथ था। जब वह फिर उस इलाके में आया जो अभी कुओमिनतांग पार्टी के अधीन था तो सन 1941 में पकड़ कर जेल में डाल दिया गया। जेल में भी उसने कई कविताएं लिखीं हैं जिन में उसने कुओमिनतांग के शासकों के अत्याचारों और उनके विदेशियों के हाथों में खेलने की तरफ अपने देशवासियों का ध्यान बिलाया। सन 1942 में वह जेल से छूटा। इसके बाद उसने जनता में अपने विचार फैलाने के लिये बहुत से निबन्ध

## कुछ चीनी चोरी कहानियाँ

(लेखक — फ्रेड शुर-फ्रेड; अनुवादक — सुन्दरलाल)

[चोरी चोरी कहानियों के जरिये लोगों को शिक्षा देने का ढंग बहुत पुराना ढंग है। हजारों बरस से इस तरह की सैकड़ों ही सुन्दर कहानियाँ एशिया के सब देशों में चली आ रही हैं। चीन में भी यह रिवाज बहुत पुराना रिवाज है। नए चीन की तभीर करने वालों ने इस से पूरा पूरा फायदा उठाया। यहां हम नए चीन के एक चाटी के साहित्यकार फ्रेड शुर-फ्रेड की इस तरह की पांच कहानियाँ दे रहे हैं।

फ्रेड शुर-फ्रेड सन 1903 में चेकिआंग सूबे के यीवू इलाके के एक गांव में पैदा हुआ था। वह अनपढ़ किसान मां बाप का लड़का था। दस बरस को उम्र से सालह बरस की उम्र तक वह गांव के स्कूल में पढ़ता रहा और खाली समय में अपने मां बाप के साथ खेत में काम करता रहा। इसक बाद वह एक टीचर्स ट्रेनिंग स्कूल में पढ़ने लगा। विद्यार्थियों के एक आन्दोलन में भाग लेने के कारन वह ट्रेनिंग स्कूल से निकाल दिया गया। थोड़े दिनों बाद वह फिर हांगचांग के एक नारमल स्कूल में भरती हो गया।

कुछ दिनों वह प्राइमरी स्कूल में पढ़ाता रहा। पर अधिकतर अपने आजाद क्रान्तिकारी विचारों के कारन उसे बेकारी में दिन बिताने पड़े। वह जगह जगह घूमता रहा। उसका गुस्सारा कुछ भिन्नों की सहायता से चलता था। लगभग बीस बरस की उम्र में उसने कुछ कविताएं लिखीं। सन 19 में वह पीकिंग आ गया और प्राइवेट बच्चे पढ़ा कर अपना काम चलाता रहा। यहां उसने जापानी भाषा सीखी और साहित्य कला और साहित्य पर कुछ पुरतकों का जापानी से चीनी में अनुवाद किया।

अब उसका ध्यान कम्युनिस्ट साहित्य की तरफ जाने लगा। लु शून जैसे चीन के बड़े से बड़े लेखकों के साथ मिल कर उसने कई साहित्य संस्थाओं के कायम करने में हिस्सा लिया। धीरे धीरे वह पूरी तरह देश की आजादी की लड़ाई में डूब पड़ा और 'लाल सेना' के इतिहास प्रसिद्ध 'लम्बे कूब' (लांग मार्च) में उस सेना के साथ था। जब वह फिर उस इलाके में आया जो अभी कुओमिनतांग पार्टी के अधीन था तो सन 1941 में पकड़ कर जेल में डाल दिया गया। जेल में भी उसने कई कविताएं लिखीं हैं जिन में उसने कुओमिनतांग के शासकों के अत्याचारों और उनके विदेशियों के हाथों में खेलने की तरफ अपने देशवासियों का ध्यान बिलाया। सन 1942 में वह जेल से छूटा। इसके बाद उसने जनता में अपने विचार फैलाने के लिये बहुत से निबन्ध

مہاتما گاندھی کے شاہدوں میں—”دراصل چرایا ہوا نہ ہونے پر ہی بیکار کا سنگہ چھری کا سا مال ہو جاتا ہے۔ پرکھ کا مطلب ہے سلیم یا اچھا کرنا۔ پرماتما پرکھ نہیں کرتا۔ وہ ضروری چیزیں روز کی روز پیدا کرتا ہے۔ روز کے کام بھر کا روز پیدا کرنے کے ایشوری ندم کا ہم پالن نہیں کرتے۔ اسی لئے دنیا میں شمتا اور اُس سے ہونے والے دکھ بھوگتے ہیں۔ لمبیزوں کے یہاں چھڑیں خراب ہوتی، ہتی ہیں، دوسری اور اُن کی فتنی میں نروڑوں انسان بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اگر سب لوگ اپنی ضرورت بھر کو ہی اچھا کریں تو کسی کو فتنی نہ ہو اور سب کو تسلی رہے۔ آج تو کروڑ پتی ارب پتی ہونے کو چاہتے ہیں۔ اُسے تسلی نہیں۔ اگر آج دھنی اپنا بے حد پرکھ چھوڑ دیں تو سماج کا پھد بھاؤ دور ہو جائے۔“

وٹوہا کہتے ہیں کہ ”آج جو دھن کھاتا ہے، وہ اُس کے ساتھ روک اور تکر بھی کھاتا ہے۔ وہ دھن کا کر یاں بچوں، دوستوں اور پڑوسوں کے پریم کو کھو دیتا ہے۔ اسی سے وہ دنگی بھی ہے۔ آج سماج میں شریمان اور غریب دونوں دنگی ہیں۔ اِس لئے یہ سماج رچنا ہمیں بدلتی ہی ہوگی اور اُس کے لئے ہمیں دان اور اپرنگہ کے ٹھوری کو زیادہ سے زیادہ پھیلاتا ہوا۔“

آج تو مائی دان ( مادہ پرستی ) کا اثر ہماری آنکھوں پر پڑا ہے ۔ ساری زندگی دکھ ، رنج و مشہ اور معجزوں سے بھری ہوئی ہے ۔ روٹی کا سوال آج کی سب سے بڑی سسپنیا ہے ۔ دان آج راستہ بھول کر بے جان پڑا ہے ۔ سائینا چارہ نے روٹی کی دہانکھا ( تشویم ) کی ہے ۔

ہو بہو کسمانتہ را دودر رویندتر اوتشتہتہ —

یعنی ہونے لگے گردن کے ہی اڑنا رہیں۔ اُن کی بیوی بچے کے لئے طرح طرح کے فلسفہ اور طرح طرح کے راجنیک اصول بن گئے ہیں۔ طرح طرح کے واں اسی روٹی کی سمسیا کو سلجھانے کے لئے پیکر کے سمان فہششیں کر رہے ہیں۔ سنسار کے دھرموں، آپانندوں اور گیتا نے اِس کا ایک ہی علاج بتایا ہے اور وہ ہے 'ایہورا دینو یوگ'—یعنی سب شرم اور سب دھن ایشور الہ کے نام پر۔ 'و' سب جنتا کے فائدے کے لئے ہو، سچ کے فائدے کے لئے ہو، دیکھتی ذاتی گت یعنی فائدے کے لئے نہیں۔



دینا والوں اور دین والوں کے بیچ صرف دین ہی ایک جوڑنے والا پول رہ گیا ہے۔ آج دین ہلانے کے بت ہی دین سکتے ہو گئے ہیں۔ ایک دارشک کے شخصوں میں—”اگر عربی مصلحت سے نہیں ہے تو دانی کو بھی بڑھایا نہیں دینا ہوگا۔ عربی کو تو دور غور ہے تو دانی کی سسٹما کو بھی ہمیں اتنا پائے تک کرنا ہوگا کہ اُس میں دیا ہوا کے لئے گنجائش نہ رہ جائے۔ یہ دلی کا ایسا سہج اور لڑی دھرم ہو جائے جیسے ادلیوں کا چل دینا۔ آج تو دینہ والا غریب پرور ہے اور لیسہ الا حقیر ہے۔ عربی اور دانی کا یہ تعلق انسان کی شان کو نہیں بڑھاتا۔ اُس سے الجین بڑھتی ہے اور مل بڑھتا ہے۔ اس لئے دانی کو اُس سطح پر پہنچانا ہوگا جہاں دینہ والے کو بے کو دانا ماننے کے غرور سے چھٹکارا ملے۔“

اسی وجہ کو مشہور سہرین دارشک خلیل جدران نے دوسرے شخصوں میں لکھا ہے۔ وہ بھکاری سے کہتے ہیں—”بھکاری! تم دین ہیں بھکاریوں کیوں مانگتے ہو؟ دانی ن آدانا کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہو؟ تمہاری عربی میں ثابت نہیں ہے۔ تم مجبور ہو۔ جس دانی کے دین تم قبول کرتے ہو وہ دینہ والے کا نہیں ہے۔ وہ تو اُس کے اس صرف دھروہ ہے۔ تمہیں ہیک اس لئے مانگنی پڑتی ہے جس میں اُس کے فرض کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ تم یوگنا۔ وگنا ست چادر۔ کو پاتر کی کسوٹی پر اس لئے نہیں کہے جا سکتے کہ تمہارا آہاؤ قدرتی ہے۔ تم دانی لے کر دانی پر ایک کرتے ہو چونکہ تم اُسے کو توبہ کا راستہ دکھاتے ہو۔ اُسے دھروہ ہو پانے سے بچانے کا ایکار تمہارا ہے۔ اس لئے اے بھکاری! تم ہوں شرم کے بوجھ سے دیے جا رہے ہو؟ کیوں اپنے کو دین بن دیتے ہو؟ ایسا کر کے کیا تم دانی کو ایسا مانی ہلانے اور پر اُسے پخت ہونے کا موقع نہیں دیتے؟ اس لئے ہے بھکاری! اسی سے فرض سمجھ کر دانی کو اُسے ہانسنے کے خیال سے مسان دینے ہی غلط کر دو پر ایکار کے بوجھ سے پریشان نہ ہو!“

جس طرح ہم دیکھ میں آ رہی دین سے کہتے ہیں کہ—”اند رانہ اسی نہ ہو“۔ ”تسبہ میرا نہیں ہے“۔ اندر کے لئے ہے۔ اس طرح آپ کو ہم آؤں کرتے ہیں“۔ چاہے وہ کہتی ہیں ”چاہے کہتیں ہیں“۔ اُس کے بارے میں ہمیں کہنا چاہئے—”مدا جائے اندر“۔ ”سستہ اندر“۔ ”لشتر اندر“۔ ”تہ مم“۔ ”یہ ب مہرہ اندر نہیں ہے“۔ ”ساج کے لئے ہے“۔ ”سستی کے لئے ہے“۔ ”شیر کے لئے ہے“۔ ”اپنے تانے جو کچھ ہے وہ سب ساج کے لئے ہے“۔ ”خاکہ چاہئے“۔ ”ساج کی آہ سے اپنی ضرورت کے طریق جو کچھ ملے“۔ ”وہ ثابت ہوگا“۔

**ابھیان**—جगत میں جو کچھ جیون ہے، وہ ایشور کا بسایا ہوا ہے۔ اس لئے اُس کے نام سے تیاگ کر کے، تو یقیناً پراپت ہو گئے گا۔ کسی کے بھی دھرم کی طرف واسنا نہ رہے۔

تولسیदास जी ने इसी को दूसरे शब्दों में कहा है—  
‘सम्पत्ति सब रघुवर की आही’, और सम्पत्ति जब सब रघुवर की ही है अर्थात् समाज के कायदे के लिये है तो सम्पत्ति की मिलकियत सिर्फ एक दूस्ती के रूप में ही रह जाती है और वह सम्पत्ति—“सब जन हिताय, सब जन सुखाय” के लिये ही खर्च की जा सकती है, महान पारसी सम्राट अनुशीरवा ने हिदायत दी थी कि मौत के बाद जब उसकी अर्थी ले जाई जाय तो उसके दोनوں हाथ अर्थी के बाहर निकले रहें ताकि जनता देख ले कि इतना बड़ा सम्राट भी अनन्त यात्रा में खाली हाथ जा रहा है۔

पैदावार सब मेहनत से ही होती है۔ इनसान साधन, सामग्री और श्रम के मेल से जिन्दगी की जरूरतों की तरह तरह की चीजों को पैदा करता है۔ श्रम और पैदावार के मेल के लिये सिक्के का जनम होता है۔ सिक्के को इसलिये लाया जाता है कि वह श्रम का बकादार चाकर होकर रहे, लेकिन हालतों के उलटफेर की वजह से श्रम ही सिक्के का ताबेदार बन जाता है۔ जो बेधुमार कच्चा माल धरती का बेटा अग्नि पसीने के बल खेतों में उपजाता है, खानों से निकालता है, कारखानों में तैयार करता है उस पर बजाय श्रमिक का अधिकार होने के लक्ष्मीपुत्रों का अधिकार हो जाता है۔ नतीजा यह होता है कि समाज अमीरों और गरीबों में बंट जाता है۔ अनाज की खतियों में अनाज पड़े पड़े घुनता रहता है और करोड़ों इन्सान दाने दाने को मोहताज रहते हैं۔ गोदामों में कपड़े की लाखों गांठें पड़ी सड़ती रहती हैं और करोड़ों इन्सान ठन्ड से ठिठुरते रहते हैं۔ दिन बदिन नंगों और भिखमंगों की अनगिनत क्रतारें बढ़ती जाती हैं۔ आज दुनिया में लोभ और परिग्रह का राज है۔ परिग्रह की हिकायत के लिये राज तरह तरह के कानून बनाते हैं۔ उपनिषद् की एक कहानी में राजा कहता है कि “मेरे राज में न तो कोई चोर है और न कंजूस۔ धन संग्रह ही चोरी को उकसावा देता है, दरअसल कंजूस ही चोर का पिता है۔” उपनिषद् का यह राजा बड़े पते की बात कहता है, लेकिन आज क्या हो रहा है ? चोर को तो हम जेल भेजते हैं, लेकिन चोरों के पिता पूजीशह को हम मुक्त रखते हैं۔ बेतहाशीब-बाक्ता शरीफ की शक्ल में समाज में घूमते हैं, उनकी औरतें अपनी दौलत का, अपने जगमग जवाहरातों का बरिद नारायणों के बीच में नंग प्रदर्शन करते हैं ! यह कैसा न्याय है ? गीता में भी परिग्रही ( धनवाले ) को ही चोर कहा है, लेकिन आज समाज गीता को भी नहीं मानते۔

ارتبات، جگت میں جو کچھ جیون ہے، وہ ایشور کا بسایا ہوا ہے۔ اس لئے اُس کے نام سے تیاگ کر کے، تو یقیناً پراپت ہو گئے گا۔ کسی کے بھی دھرم کی طرف واسنا نہ رہے۔

تولسیदास जी ने इसी को दूसरे शब्दों में कहा है—  
‘सम्पत्ति सब रघुवर की आही’, और सम्पत्ति जब सब रघुवर की ही है अर्थात् समाज के कायदे के लिये है तो सम्पत्ति की मिलकियत सिर्फ एक दूस्ती के रूप में ही रह जाती है और वह सम्पत्ति—“सब जन हिताय, सब जन सुखाय” के लिये ही खर्च की जा सकती है, महान पारसी सम्राट अनुशीरवा ने हिदायत दी थी कि मौत के बाद जब उसकी अर्थी ले जाई जाय तो उसके दोनوں हाथ अर्थी के बाहर निकले रहें ताकि जनता देख ले कि इतना बड़ा सम्राट भी अनन्त यात्रा में खाली हाथ जा रहा है۔

پیداوار سب محنت سے ہی ہوتی ہے۔ انسان سادھن، سامگری اور شرم کے میل سے زندگی کی ضرورتوں کی طرح طرح کی چیزوں کو پیدا کرتا ہے۔ شرم اور پیداوار کے میل کے لئے سکے کا جنم ہوتا ہے۔ سکے کو اس لئے لایا جاتا ہے کہ وہ شرم کا وفادار چاکر ہو کر رہے، لیکن حالانکہ کے آٹک پھوڑ کی وجہ سے شرم ہی سکے کا تابعدار بن جاتا ہے۔ جو بے شمار کچا مال دھرتی کا بیٹا اپنے پیسے کے بل کہتوں میں اڑ جاتا، کہاؤں سے نکلتا ہے، کڑھانوں میں تیار کرتا ہے اُس پر بچائے شرمک کا ادھیکار ہونے کے لکشی پتروں کا ادھیکار ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سماج اُمیروں اور غریبوں میں بٹ جاتا ہے۔ اناج کی کیتوں میں اناج بڑے بڑے گھنٹا رہتا ہے اور کروڑوں انسان دالے دالے کو محتاج رہتے ہیں۔ گوداموں میں کپڑے کی لاکھوں گتلیں بڑی سڑتی رہتی ہیں اور کروڑوں انسان ٹھنڈ سے تھپھرتے رہتے ہیں۔ دن بدن نگلوں اور برنگلوں کی آفینٹ قطاریں بڑھتی جاتی ہیں۔ آج دنیا میں لوہے اور پریکڑے کا راج ہے : پریکڑے کی حفاظت کے لئے راج طرح طرح کے قانون بناتے ہیں۔ اپنشد کی ایک کہانی میں راجا کہتا ہے کہ ”میرے راج میں نہ تو کوئی چور ہے اور نہ کنجوس۔ دھن سنگڑے ہی چوری کو اُتسوا دیتا ہے۔ دراصل کنجوس ہی چور کا پتا ہے۔“ اپنشد کا یہ راجا بڑے پتے کی بات کہتا ہے۔ لیکن آج کیا ہو رہا ہے ؟ چور کو تو ہم جیل بھیجتے ہیں، لیکن چوروں کے پتا پونجی شاہ کو ہم محبت رکھتے ہیں۔ وہ تہذیب یافتہ شریف کی شکل میں سماج میں گھومتے ہیں، اُن کی عورتیں اپنے دولت کا اپنے چمک چمکاتوں کا درد نارانیوں کے بیچ میں تنگا پردرشن کرتی ہیں ! یہ کیسا ابلتہ ہے ؟ گیتا نے بھی پریکڑے ( دھن والے ) کو ہی چور کہا ہے، لیکن آج تو لوگ گیتا کو ہی نہیں مانتے۔

تو اسے کھانا دے تا تو مجھے اس کے ساتھ دیکھتا ؟ میرے ایک ہلکے بچے سے پانی مانگا اور تو نے اسے پانی نہیں دیا ! اگر تو اسے پانی دے دیتا تو سچ مجھ سے اس کے پاس پاتا !

قرآن میں لکھا ہے کہ—”ذرم یا نکی इसمیں نہیں ہے کی تومنہ اپنے منہ نماز کے وقت پررب کے طرف کرانے یا بچہ کی طرف۔ ذرم یہ ہے کہ آدمی اللہ کو مانے کرموں کے پھل کو مانے، کرموں کے فکال کو مانے، فرشتوں کو مانے، سب مچھلی کیتاہوں اور سب نکیوں یا رسلوں کو مانے، اٹلاہ کے پرم کے ناٹے یا نی اس کے نام پر اپنے مال اور دوات مہوں سے اپنے ناٹے داروں کو یتیموں کو، ضرورتمندوں کو، راستہ چلتوں کو اور یاچکوں کو دان دے اور غلموں کو آزادی کرائے میں اپنی دولت خرچ کرے، اللہ سے دعا مانگتا رہے، ذکا یعنی اپنے کل مال کا کم سے کم چالیسواں حصہ ہر سال اللہ کے نام پر غریبوں کو خیرات دیتا رہے“ اسی۔

ایک بار محمد صاحب سفر سے لوٹ کر مدینہ آئے وہ سیدھے اپنی بیٹی فاطمہ سے ملنے اس کے گھر گئے۔ مکان میں دو چیزیں نئی تھیں—ایک دروازے پر لٹکا ہوا ریشمی پردہ اور فاطمہ کے ہاتھوں میں چاندی کے کڑے۔ دیکھتے ہی محمد صاحب اٹھ پاؤں لوٹے آئے اور مسجد میں بیٹھ کر روئے آگے۔ فاطمہ نے اپنے ہاتھ حسن کو یہ پوچھنے کے لئے دیکھا کہ ناٹا اتنی جلدی کیوں لوٹ گئے۔ محمد صاحب نے نواسے سے کہا کہ ”میں یہ دیکھ کر شرماتا گیا کہ مسجد میں لوگ بیٹھے ہوتے ہوں اور میری بیٹی چاندی کے کڑے پہننے اور ریشم کے پردے لگائے۔“ حسن نے ماں سے جاکر کہا۔ فاطمہ نے تولت زون کو توڑ کر اسی ریشم کے ٹکڑے میں باندھ کر باپ کے پاس بھیج دیا۔ محمد صاحب نے خوش ہو کر انہیں پیچ کر وہ ٹیلی مانگائیں اور غریبوں میں بانٹ دیں۔ پھر فاطمہ کے پاس جاکر کہا کہ ”اب تو سچ سچ میری بیٹی ہے۔“

پورانوں میں انہوں نے دان ویروں کا ذکر آنا ہے جنہوں نے اپنی ساری دولت دان میں دے کر آئینہ کا روت لیا۔ سرات ہر ہر پانچویں سال پرہاگ آکر توبہ کی تہ پر اپنے شادی خزانے کا ایک ایک پیسہ غریبوں میں بانٹ دیا کرتے تھے۔ آخر میں صرف ایک کوپین رہ جاتی تھی۔ تب اپنی بہن راجمیری سے انگوچھا دان میں لگ کر دے کر دین ہی دان کر دیتے تھے۔ سماج کی سمیٹی اس طرح پھر سماج میں واپس چلی جاتی تھی۔ پڑائے زمانے کے مذہبی لوگ اگر سمیٹی کا بیوک بھی کرتے تھے تو وہ بے لوث ہو کر ایشور پرسان کی طرح۔ ایشورپنشد من اس کی ہلو کو آئینہ دار نے بڑے سفیر قہنگ سے کہا ہے—

ایساویاسمیدہ سب یکتیچ جگاتیا جگات۔  
تین تکتین مونییا ما مین کتھ سبھنم ॥

تو اسے کھانا دے تا تو مجھے اس کے ساتھ دیکھتا ؟ میرے ایک ہلکے بچے سے پانی مانگا اور تو نے اسے پانی نہیں دیا ! اگر تو اسے پانی دے دیتا تو سچ مجھ سے اس کے پاس پاتا !

قرآن میں لکھا ہے کہ—”ذرم یا نکی इसمیں نہیں ہے کی تومنہ اپنے منہ نماز کے وقت پررب کے طرف کرانے یا بچہ کی طرف۔ ذرم یہ ہے کہ آدمی اللہ کو مانے کرموں کے پھل کو مانے، کرموں کے فکال کو مانے، فرشتوں کو مانے، سب مچھلی کیتاہوں اور سب نکیوں یا رسلوں کو مانے، اٹلاہ کے پرم کے ناٹے یا نی اس کے نام پر اپنے مال اور دوات مہوں سے اپنے ناٹے داروں کو یتیموں کو، ضرورتمندوں کو، راستہ چلتوں کو اور یاچکوں کو دان دے اور غلموں کو آزادی کرائے میں اپنی دولت خرچ کرے، اللہ سے دعا مانگتا رہے، ذکا یعنی اپنے کل مال کا کم سے کم چالیسواں حصہ ہر سال اللہ کے نام پر غریبوں کو خیرات دیتا رہے“ اسی۔

ایک بار محمد صاحب سفر سے لوٹ کر مدینہ آئے وہ سیدھے اپنی بیٹی فاطمہ سے ملنے اس کے گھر گئے۔ مکان میں دو چیزیں نئی تھیں—ایک دروازے پر لٹکا ہوا ریشمی پردہ اور فاطمہ کے ہاتھوں میں چاندی کے کڑے۔ دیکھتے ہی محمد صاحب اٹھ پاؤں لوٹے آئے اور مسجد میں بیٹھ کر روئے آگے۔ فاطمہ نے اپنے ہاتھ حسن کو یہ پوچھنے کے لئے دیکھا کہ ناٹا اتنی جلدی کیوں لوٹ گئے۔ محمد صاحب نے نواسے سے کہا کہ ”میں یہ دیکھ کر شرماتا گیا کہ مسجد میں لوگ بیٹھے ہوتے ہوں اور میری بیٹی چاندی کے کڑے پہننے اور ریشم کے پردے لگائے۔“ حسن نے ماں سے جاکر کہا۔ فاطمہ نے تولت زون کو توڑ کر اسی ریشم کے ٹکڑے میں باندھ کر باپ کے پاس بھیج دیا۔ محمد صاحب نے خوش ہو کر انہیں پیچ کر وہ ٹیلی مانگائیں اور غریبوں میں بانٹ دیں۔ پھر فاطمہ کے پاس جاکر کہا کہ ”اب تو سچ سچ میری بیٹی ہے۔“

پورانوں میں انہوں نے دان ویروں کا ذکر آنا ہے جنہوں نے اپنی ساری دولت دان میں دے کر آئینہ کا روت لیا۔ سرات ہر ہر پانچویں سال پرہاگ آکر توبہ کی تہ پر اپنے شادی خزانے کا ایک ایک پیسہ غریبوں میں بانٹ دیا کرتے تھے۔ آخر میں صرف ایک کوپین رہ جاتی تھی۔ تب اپنی بہن راجمیری سے انگوچھا دان میں لگ کر دے کر دین ہی دان کر دیتے تھے۔ سماج کی سمیٹی اس طرح پھر سماج میں واپس چلی جاتی تھی۔ پڑائے زمانے کے مذہبی لوگ اگر سمیٹی کا بیوک بھی کرتے تھے تو وہ بے لوث ہو کر ایشور پرسان کی طرح۔ ایشورپنشد من اس کی ہلو کو آئینہ دار نے بڑے سفیر قہنگ سے کہا ہے—

ایساویاسمیدہ سب یکتیچ جگاتیا جگات۔  
تین تکتین مونییا ما مین کتھ سبھنم ॥

सत्य है पर धनवानों का ईश्वर के राज में दाखिल होना नाश्वर्यमय है।”

मैनों के चौबीसवें-तीर्थङ्कर भगवान महावीर दीक्षित होना चाहते थे, लेकिन उन्हें ऐसा महसूस हुआ कि करोड़ों और घरों की दौलत की उनकी मिलकियत उनकी दीक्षा में लम्बे बड़ी रुकावट है, आचारांग सूत्र के मुताबिक, उन्होंने मुनि-दीक्षा के खयाल को एक साल के लिये मुलतवी कर दिया, उस एक बरस में उन्होंने अपना सब धन और दौलत वरिद्धनारायनों में बांट दिया और तब दीक्षा ली, दीक्षा लेने के बाद भी उनके दिल में दया की धारा बहती रहती थी, एक गरीब ब्राह्मण के दुःख से भरकर वे उसे अपनी एक बची लुकी चादर भी दे डालते हैं,

इसलाम के पैगम्बर हजरत मुहम्मद भी अपरिग्रह की जीसी जागती मिसाल थे. अपनी मौत से एक दिन पहले उन्होंने अपनी बीबी हजरत आयशा से कहा—“अपने पास बिलकुल पैसा न रखो, जो कुछ कहीं बचा कर रख छोड़ा हो तो उसे गरीबों में बांट दो.” आयशा ने कहीं से किसी वस्त्र के लिये छै सोने के दीनार अपने पास चुपके से बचा कर रख छोड़े थे. थोड़ी देर बाद मुहम्मद साहब ने फिर कहा कि जो कुछ हो मुझे दे दो.” आयशा ने वही छै सोने के दीनार मुहम्मद साहब के हाथ पर लाकर गिन दिये. मुहम्मद साहब ने उसी दम हुक्म दिया कि उन्हें कुछ गरीब कुटुम्बों में बांट दिया जाय. ऐसा ही किया गया. इस पर मुहम्मद साहब ने कहा—“अब मुझे शान्ति मिली. सबमुच अच्छा नहीं था कि मैं अपने अस्लाह से मिलने जाऊँ और यह सोना मेरी मिलकियत रहे.”

इस्लाम के मुताबिक मरने के बाद अल्लाह पूछेगा—  
 “ऐ आदमी के बेटे ! मैं बीमार था और तू मुझे देखने नहीं  
 आया ?” आदमी कहेगा—“ऐ मेरे रब्ब ! मैं तुम्हें देखने  
 के लिये कैसे आ सकता था, तू तो सारे जहान का मालिक  
 है.” अल्लाह फिर पूछेगा—“ऐ आदमी के बेटे मैंने तुमसे  
 खाना मांगा था और तूने मुझे खाना नहीं दिया ?” आदमी  
 कहेगा—“ऐ मेरे रब्ब ! तू तो सारे जहान का पालनहार  
 है मैं तुम्हें खाना कैसे दे सकता था ?” अल्लाह पूछेगा—  
 “ऐ आदमी के बेटे ! मैंने तुमसे पानी मांगा और तूने मुझे  
 पानी नहीं दिया ?” आदमी कहेगा—“ऐ मेरे रब्ब ! मैं  
 तुम्हें कैसे पानी दे सकता था तू तो सारी दुनिया का मालिक  
 है.”

और तब अस्ताइ जवाब देगा—“क्या तुम्हें मालूम नहीं था कि मेरा एक बन्दा बीमार था, तू उसे देखने नहीं गया ! क्या तुम्हें यह मालूम नहीं था कि अगर तू उसे देखने जाता तो तबतुब तुम्हें इसके पास पाता ! क्या तुम्हें मालूम नहीं था कि मेरे एक बन्दे ने तुम्हसे खाना मांगा था और तूने उसे खाना नहीं दिया ? क्या तू नहीं जानता था कि अगर

سبج ہے پر دھواؤں کا پشور کے راج میں داخل ہونا  
ناممکن ہے۔“

جہیزوں کے چورہ سوہیں تہ نہنکر بہکوان مہاریز دیکھت ہونا چاہتے تھے۔ لیکن انہیں محسوس ہوا کہ کروڑوں اور لاکھوں کی دولت کی ان کی ملکیت ان کی دیکھا میں سب سے بڑی رکوت ہے۔ اُچارانگ سوتر کے مطابق منی انہوں نے دیکھا کے خیال کو ایک سال کے لئے ملتوی کر دیا۔ اُس ایک برس میں انہوں نے اپنا سب دھن اور دولت دردم فرایلوں میں ہانت دیا اور تب دیکھا لی۔ دیکھا لینے کے بعد بھی ان کے دل میں دیا کی دھارا بہتی رھتی تھی۔ ایک فریب براہمن کے دک سے بہر کر دے اُسے اپنی ایک بچی کھچی چاند ہی دے ڈالتے ہیں۔ اسلام کے پیغمبر حضرت محمد بھی اپریکرہ کی جیتی جاگتی مثال تھے۔ اپنی موت سے ایک دن پہلے انہوں نے اپنی ہی حضرت عائشہ سے کہا—”اپنے پاس بالکل پیسے نہ رکھو جو کچھ کہیں بچا کر رکھ چھڑا ہو تو اُسے غریبوں میں ہانت دو۔“ عائشہ نے کہیں سے کسی وقت کے لئے چھ سولے کے دینار اپنے پاس چھپے سے بچا کر رکھ چھڑے تھے۔ تھوڑی دیر بعد محمد صاحب نے پیر کہا کہ جو کچھ ہو مجھے دے دو۔“ عائشہ نے وہی چھ سولے کے دینار محمد صاحب کے ہاتھ پر لاکر گن دیئے۔ محمد صاحب نے اُس دم حکم دیا کہ انہیں کچھ فریب لکھیں میں ہانت دیا جائے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اُس پر محمد صاحب نے کہا—”اب مجھے شانتی ملی۔ سچ مچ اچھا نہیں تھا کہ میں اپنے اللہ سے ملنے جاؤں اور یہ سونا مہری ملکیت رہے۔“

اسلام کے مطابق مرنے کے بعد اللہ پوچھے گا۔ ”اے آدمی کے بیٹے ! میں بیمار تھا اور تو مجھے دیکھنے نہیں آیا ؟“ آدمی کہے گا۔ ”اے میرے رب ! میں تجھے دیکھنے کے لئے کیسے آسکتا تھا، تو تو سارے جہان کا مالک ہے۔“ اللہ پوچھے گا۔ ”اے آدمی کے بیٹے میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے مجھے کھانا نہیں دیا ؟“ آدمی کہے گا۔ ”اے میرے رب ! تو تو سارے جہان کا پالانہار ہے میں تجھے کھانا کیسے دے سکتا تھا ؟“ اللہ پوچھے گا۔ ”اے آدمی کے بیٹے ! میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے مجھے پانی نہیں دیا ؟“ آدمی کہے گا۔ ”اے میرے رب ! میں تجھے کیسے پانی دے سکتا تھا تو تو سارے دنیا کا مالک ہے۔“

اور تب اللہ جواب دیا: ”کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ  
مروا ایک ہمدہ ہمارا تھا؟ تو اُسے دیکھنے نہیں گیا؟ کیا تجھے یہ  
معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اُسے دیکھنے جاتا تو سچ میں مجھے اُس کے  
پاس پاتا؟ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے ایک ہمدہ نے تجھے بے گناہ  
مانگا تھا اور تو نے اُسے گناہ نہیں دیا؟ کیا تو نہیں جانتا تھا کہ اگر

## दान की अर्थ नीति

( विश्वम्भरनाथ पांडे )

आज दौरा में चारों ओर तरह तरह के दानों की वर्षा सुनाई देती है—आत्मदान, विद्यादान, भ्रमदान, भूदान, सम्पत्तिदान और जीवनदान आदि। जिस समाज में अमीर गरीब का बोलबाला हो, दान की वहाँ एक सास बहमिषत होती है। दौलत के असम बंटवारे को दान के जरिये बराबर करने की कोशिश की जाती है।

धान की यह परम्परा कोई भई नहीं है, हर वर्ष ने उसे शुक्ति (निजात) की जलरी रातें बताया है, पानी की तरह धन भी अगर एक जगह इकट्ठा रहेगा तो वह क्षयान पैदा करेगा—इसानी सदान, धर्म शुक्लों ने उपदेशा दिया कि जिस तरह आसमान सूरज की तपिरा से पृथ्वी का जल इकट्ठा करता है और फिर बादलों के जरिये बारिदा से उस जल को फिर से पृथ्वी को वापस कर देता है उसी तरह समाज में भी अलग अलग आवृत्तियों के जरिये कमर्ष दुई पूंजी को धान द्वारा फिर सब के हित में बांट देना चाहिये, मकहरी पैरान्तों ने इसे बताया है कि आत्मा का परमात्मा में मिलना ही चिन्दागी का सब से बड़ा मकसद है और इस मकसद के हासिल करने में सबसे बड़ी बाधा धन है.

एक बार हृषिकेश ईसा के पास एक नौजवान आती आया और बोला—“सद् गुरु ! निजगत हासिल करने के लिये मुझे किस तरह का व्योहार करना चाहिये ?” हृषिकेश ने जवाब दिया—“तुम मुझे सद् गुरु क्यों कहते हो ? तिम्रें एक ईश्वर ही सत्य है; लेकिन अगर तुम जिनदगी में सत्य का दर्शन करना ही चाहते हो तो ईश्वर की आज्ञाओं का पालन करो ?” इस पर नौजवान ने पूछा—“ईश्वर की वे आज्ञायें कौन सी हैं ?” हृषिकेश ईसा ने जवाब दिया—“कल्ल न करना, व्यभिचार न करना, मां बाप की इज्जत करना, और प्योसी से मुहब्बत करना.” इस पर नौजवान ने कहा—“मैं इन सब नियमों का पालन बचपन से ही करता आया हूँ. अब मुझे किस बात की जरूरी है ?” हृषिकेश ईसा ने जवाब दिया—“अगर तुम वेदात्ता होना चाहते हो तो कल्ल अपनी सारी दीर्घत बेचकर उसी राती में दाज कर दो. ऐसा करने से तुम्हें अस्साह का कपलाना मिलेगा. तब मेरे पास आकर मेरे बैलें बनना.” हृषिकेश ईसा की यह बात सुनकर वह नौजवान नाउम्मीद होकर वहाँ से चला गया. कल्ल सन धन दीर्घत में रमा हुआ था. तब हृषिकेश ईसा ने अपने बैलों से कहा—“मैं कहता हूँ कि बनवालों का कल्ल में हासिल होना मुश्किल है. जंट का मुँह ने जल्ल से निकल सकल

## دعا کی اوتھ نپتی

(一)

اُجّ دھن میں چاروں اُور طرح طرح کے دانوں کو چروا  
جاتی تھی۔ یہ 'آمہدان'، 'دیلدان'، 'شودہدان'، 'بہدان'، 'سہنی دان'  
اور 'چھوٹے دان' تھے۔ جس سماج میں گھم گھم کا میل ہوتا  
تو، 'قانی' کی جتنی ایک شخص اٹھاتا ہوتا ہے۔ دولت کے  
سم ہاتھ لگے تو 'دان' کے ذریعہ برابر کر کے کسی کبھی کی جاتی ہے  
دان کو یہ پڑھوا کوئی نئی نہیں ہے۔ ہر دھرم نے اسے  
یعنی (نجات) کی ضروری شرط بتایا ہے۔ ہاتھی کی طرح دھن  
ہی اگر ایک حکم اٹھا دھکا تو وہ سزاؤں پیدا کرے۔ سوزھاتی  
سزاؤں۔ دھرم گزریں نے اُنہیں دنیا کی جس طرح آسانی سہج  
کی تھی وہ پڑھوی کا چل اٹھا کرتا ہے اور پھر بادلوں کے ذریعہ  
بارش سے اُس چل کو پھر سے پڑھوی کو واپس کر دیتا ہے اُسی  
طرح سماج میں بھی ایک ایک آدمیوں کے ذریعہ کٹائی ہوئی  
پونجی کو دانوں دوارا پھر سب کے ہات میں بانٹ دینا چاہیے۔  
مذہبی پڑھویوں نے ہمیں بتایا ہے کہ آتما کا پرمانہ۔ میں ملن  
کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے اور اُس مقصد کے حامل  
ہونے میں سب سے بڑی بارشا دھن ہے۔

ایک بار حضرت عیسیٰ کے پاس ایک نوجوان دھنی آیا  
 اور ہوا۔ ”سند گرو! نصیحت حاصل کرنے کے لئے مجھے کس طرح  
 سے پہنچا کرنا چاہئے؟“ حضرت عیسیٰ نے جواب دیا، ”مجھے  
 سند گرو کہیں کہہ دو؟“ جواب ایک ایشور ہی سنکر ہوا؛ لیکن  
 کو تم زندگی میں سنکر کا درسی کرنا ہی چاہئے جو تو ایشور کی  
 انگلیوں کا چالنے کرو،“ اس پر نوجوان نے پوچھا۔ ”ایشور کی رہ  
 انگلیوں کوں سے“ حضرت عیسیٰ نے جواب دیا۔ ”تقل  
 نہ کرنا؟“ ”بھلا یہ کہنا؟“ اس بات کی عین کرنا، ”یہ یوسی  
 صحبت کرنا،“ اس پر نوجوان نے کہا۔ ”میں اپنی سب نعمتوں  
 کا مالک نہیں ہوں،“ کو کہا آیا ہوں، اب مجھے میں کس بات کی  
 پس ہے؟“ حضرت عیسیٰ نے جواب دیا۔ ”اگر تم نے مانع ہونا  
 چاہئے تو تم ہمارے اپنی ساری دولتیں بیچ کر آئے تو میں  
 مان کر دوں،“ اس کے لئے کہ تم نے آج کے لئے، اب صرف  
 اس کے لئے چاہئے ہوتا، حضرت عیسیٰ کی یہ بات سن کر وہ  
 نوجوان کا ایک سکہ چھوٹا چھوٹا تھا۔ اس کا من دھن نصیحت  
 میں رہا جو کہ اب حضرت عیسیٰ نے اپنے چنانچہ سے  
 نصیحت کرنا میں نے نصیحتوں کا بیعت میں داخل  
 کرنا ہے،“ اس کے لئے کہ اس کے لئے کہ اس کے لئے



बोली तमिल और मलयालम से क्यावा ब्राह्मी रंग लिये हुए है तो उसके मानी यह जरूरी नहीं निकलते कि हम में ब्राह्मी जून भी क्यावा है. साथ ही यह भी मानना पड़ता है कि जून का थोड़ा बहुत असर बोली पर पड़ ही जाता है. मुझे कोई मद्रासी बोली नहीं आती और न मुझे असल ब्राह्मी जवान का इल्म है. इसलिये मेरे पास एक ही माप रह जाता है जिससे अंदाजा लगाया जा सके कि खड़ी बोली ब्राह्मी क्यावा है या तमिल. यह माप इ है. यह मैं मानता हूँ कि यह माप कुछ बहुत अच्छा नहीं, लेकिन जो है उसे इस्तेमाल तो करना चाहिये. मेरे ज्वाल में जितने लफ्ज आम बरों की खड़ी बोली में इ वाले हैं और किसी बोली में नहीं. पंजाबी, सिंधी, राजस्थानी, ब्रज, अवधी, गुजराती, मराठी, बिहारी, बंगाली की बाबत तो मैं अपने इल्म से कह सकता हूँ. तमिल, कन्नड़, मलयालम वगैरह का इल्म नहीं. उन से मुक्तचित्ता करने के लिये मैंने यह लम्बी फेहरिस्त तैयार की है ताकि वह अपनी जवान की ऐसी फेहरिस्त बनाए और जांच सकें.

बोली तमिल और मलयालम से थोड़ा दरारी रंग लिये हुये हैं जो लस के मेली ये धुरी नहीं निकलते कि हम में दरारी खों भी थोड़ा है. साथ ही ये भी मानना पड़ता है कि खों का थोड़ा बहुत अंतर बोली पर पड़ ही जाता है. मुझे कोई मद्रासी बोली नहीं आती और न मुझे असल दरारी जवान का एल है. इस लिये मेरे पास एक ही माप रह जाता है जिस से अंदाजा लगाया जा सके कि खड़ी बोली दरारी थोड़ा है या तमिल. ये माप इ है. ये मैं मानता हूँ कि ये माप कुछ बहुत अच्छा नहीं, लेकिन जो है उसे इस्तेमाल तो करना चाहिये. मेरे ज्वाल में जितने लफ्ज आम बरों की खड़ी बोली में इ वाले हैं और किसी बोली में नहीं. पंजाबी, सिंधी, राजस्थानी, ब्रज, अवधी, गुजराती, मराठी, बिहारी, बंगाली की बाबत तो मैं अपने इल्म से कह सकता हूँ. तमिल, कन्नड़, मलयालम वगैरह का इल्म नहीं. उन से मुक्तचित्ता करने के लिये मैंने यह लम्बी फेहरिस्त तैयार की है ताकि वह अपनी जवान की ऐसी फेहरिस्त बनाए और जांच सकें.

700 PAGES,  
22 ILLUSTRATIONS  
5 COLOURED MAPS

## "CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws a vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

(آئینہ) کیا جاتا ہے اور اس آئینہ کے توسط سے عمارت و معنی کیا  
ہے کہ عمارت ہوتی آئینہ جلتی ہے۔

گنتی اُن لفظوں کو کہا جاتا ہے جو کسی آواز کی نقل میں بدلے ہیں۔ کہیں پہلی سن یہ ایک انوکھی ہلات ہے کہ چلتے گھومنے لفظ کائنات میں آئے ہیں جہاں اور بہانوں میں آتی وہ ہماری بولی میں آئے گی سب سے پہلے کہیں، پہلا دھڑکا، دھڑکا، دھڑکا، دھڑکا، گل گیا، پورا پوکنا، چار، پورکھا اور ایسے ہی ہوں اور لفظ ہیں سبھی کی کہانیوں میں تو ایسے لفظ بھی ہیں جو بہت پرانے وقتوں میں جیسے ساو سرور، سورسون، ہانتی، ڈھٹی، ٹھری، کیوں، بیسی پیاری آواز کو صرف سنسکرتی ہندت ہی دھرا سکتے ہیں۔ خرابی یہ کہ سنسکرت اس کی آواز سے بچ نہ سکے، لیکن اسے اپنانے کی سنسکرت کو ہمت نہ پڑی کرتی تو چوری پکڑی جاتی۔ سنسکرت بنانے والوں کی یہ کوشش تھی کہ سنسکرت شدہ آراء ہمیشہ سمجھی جائے اور اس لئے وہ سنسکرت کے درآوزی پے کو چھلانگا چاہتے تھے۔ سنسکرتی ہندت اب بھی اسی کوشش میں ہیں۔

جب تک کوئی دربان یہ فیصلہ نہ کرے کہ سلسلہ کون سے کون سے لفظ آریہ پاشا کے ہیں اور کون سے دروزی اور دوسری دہائی بولوں کے ہیں تب تک یہ بھی فیصلہ نہیں ہوتا کہ کھڑی بولی میں کتنے لفظ دروزی اور کتنے آریہ پاشا کے ہیں۔ آواز اور گرامر کے حساب سے تو کھڑی بولی صحت دروزی زبان ہے۔ آریہ پاشا کہا ناداتی ہے۔

مسٹر ہراس (Heras) جو پراچین ہندی ایمپاس کے ماہر سمجھے جاتے ہیں ان کی 17 برس پہلے کولمبیا کے بعد یہ رائے ہے کہ پنجابی اور ہندوستانی بولنے والوں میں دراوڑی خون بہت زیادہ ہے بلکہ تامل، تیلیگو، یا مائلم کے بولنے والوں کے۔ ہمیں یہ بات دہری معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہراس ہوس سے سنسکرت والے ایک زبان ہو کر اس بات پر بڑا زور دیتے ہیں کہ آریہ بہت شکست اور مہاجر لوگ تھے اور ان دنوں کے یہاں کے اصلی بولی چنگلی، کھلی اور کھنڈ تھے۔ یہ سچ ہے کہ ان کتابوں کے لکھے جانے کے بعد مہن جہ تھارو ہی نکلا، ہوتا ہی نکلا اور اس قسم کے بہت سے کھڈرات عربی وغیرہ میں بھی نکلے جن سے صاف ظاہر ہے کہ اسی محلہ میں ہماری سنسکرت کی کتابیں لکھی تھیں۔ لیکن ہم پر تو ان کا کچھ ایسا چاند چڑھا ہے کہ ہم انہیں تھیک ہی سمجھتے ہیں۔

ہمیں جانتا ہوں کہ بولی کا نسل سے سبکدہ ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ کہ جو لوگ جن کا آپس میں بہت سی بات چیت ہوتی ہے، بولی کو یاد دلاتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک بات چیت جو بچوں کی بولی کا کل چارہ ہو، اس سے ان کے دل میں پیدا ہو جائے کہ وہ



इसे कोई लफ्फ़ छुकर नहीं होता लेकिन अगर पहला लफ्फ़ इ हो और आखिरी इ तो पहली र भी इ की आवाज आताकार करने लगती है—जैसे बचक, बचकी, बेबकी, बीद, बीदी, बीरा। कुछ ऐसे लफ्फ़ भी हैं जिनकी बीच की र भी और और इ की आवाज पकड़ने लगी है। यह एक अजीब मामला है क्योंकि दो मेदर आवाजें आपस में नहीं बदलतीं। मेदर उन दो आवाजों को कहते हैं जिनके बदलने से बहुत लफ्फ़ों के जाने बदल जाते हैं—जैसे त और ट आपस में मेदर हैं। तीन, पात, पात की त की जगह अगर हम ट कहेंगे तो टीके, बाट, पाट और ही लफ्फ़ हो जाते हैं। र और इ आपस में बहुत बोड़े लफ्फ़ों में मेद करती है—जैसे सरक और सकक, सर और सक, पर और पक। चूँकि ऐसे लफ्फ़ों की गिनती बहुत कम है इसलिये र और इ आपस में मेदर नहीं हैं। यह ही हाल ड और इ का है। फर्फ़ सिर्फ़ इतना है कि कुछ लफ्फ़ों में पड़े हुए र कहते हैं, अनपड़ इ और कुछ लफ्फ़ों में अनपड़ ड और पड़े हुए इ करते हैं—जैसे मुड़ा, मुड़ा, मुड़ा, मुड़ा। ऐसा मान्य होता है कि पंजाबी का रंग अनपड़ों पर ज्यादा चढ़ा है। मुनन में ल और इ की आवाज में बहुत मेद है लेकिन कुछ जिलों में ल भी इ की आवाज ले लेता है—जैसे होली होदी, बाबला बाबदा, बाबली बाबदी। क्यों? मुझे नहीं मालूम।

لفظ نہیں تو بھی یہ امر کہ ہمارے بولی میں پانچ ایک سو  
لفظ کے عام بازو ہیں جو کہ عام خیال کے لئے کافی ہے۔

د سے کوئی لفظ شروع نہیں ہوتا لیکن اگر پہلے حرف د ہو  
اور آخری ز تو پہلی ر بھی د کی آواز اختیار کرتے لگتی ہے جیسے  
دہڑ، دڑو، دڑوی، دڑوی، دڑو، دڑو، دڑو، دڑو، دڑو، دڑو، دڑو، دڑو،  
تھی میں جن کی بیچ کی د ہی دھیرے دھیرے د کی آواز  
پکڑنے لگی ہے۔ یہ ایک عجیب معاملہ ہے کیونکہ دو بھیدرو  
آوازیں آپس میں نہیں بدلتیں۔ بھیدرو ان دو آوازیں  
کو کہتا ہیں جن کے بدلے سے بہت اداوں کے معنی بدل  
جاتے ہیں۔ جیسے ت اور ث آپس میں بھیدو ہیں۔ تین،  
پانچ، پانس کی ت کی جگہ اگر ہم ث کہیں تو تین، پانچ، پانت  
اور ہی لفظ ہو جاتے ہیں۔ ر اور ز آپس میں بہت تھوڑے لحاظوں  
میں بھید کرتی ہیں۔ جیسے سرک اور سڑک، سر اور سڑ، پر  
او پر۔ چونکہ ایسے اداوں کی گنتی بہت کم ہے اس لئے ر اور ز  
آپس میں بھیدو نہیں۔ یہ ہی حال ق اور ک کا ہے۔ فرق صرف  
اٹنا ہے کہ کچھ نظریں میں پڑھ ہوئے رکھتے ہیں اُتھرے۔ ز اور  
کچھ نظریں میں اُتھرے ق اور پڑھ۔ وہ ز کہتے ہیں۔ جیسے  
بڈھا، بڑھا، مڈھا، مڑھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنجابی کا رنگ  
اُنہوں پر زیادہ چڑھا ہے۔ معاملے میں ل اور ڈ کی آواز میں  
بہت بھید ہے لیکن کچھ ضامیں میں ل بھی ڈ کی آواز لے رہا ہے  
جیسے ہولی ہوڑی، داؤ، ہاؤرا، ہاولی ہاؤڑی، کیوں؟ مجھے نہیں  
معلوم۔

”آجکل کے بولی کے سارے ودوائیں کی یہ رائے ہے کہ جتنی کم  
 آوازیں کسی بولی میں ہوں، ویسی جتنے کم اکثر (حرف)  
 کسی بولی میں ضروری ہوں اتنی ہی وہ اچھی، جتنے حرف  
 زیادہ ہوں اتنی ہی وہ بولی گلی۔ ان ودوائیں کا یہ بھی کہنا  
 ہے کہ اکثر صرف ان ہی آوازیں کے لئے بنائے چاہئیں جو اس  
 بولی میں ضروری ہوں۔ یہ زبہدرو نہیں اس لئے اگر ہم کسی  
 طرح ایسے نکال سکیں تو ہم اپنی بولی کو سدھار سکتے ہیں۔  
 آجکل یہ ہے کہ ان ودوائیں کی یہ بھی رائے ہے کہ کسی بولی  
 میں کوئی ہی سدھار یا آئل بدل اور خاص کر اس کی آوازیں  
 میں سرچ سمجھ جان ہرچہ کر نہیں کیا جاسکتا۔ زبانیں بدلتی  
 ہیں اور ان کی آوازیں بھی تھوری بہت بدلتی ہیں لیکن ان  
 سب تبدیلیوں کی چیز میں ایسی طاقتیں ہوتی ہیں جو بے سدھ  
 آجوت ہوتی ہیں۔ ز کا ہی حال دیکھ لو۔ یہ بڑھ رہی ہے :  
 ایک، دو، بوجھ نہیں لٹا انگریزی سے ہم نے لے لے لیکن انگریزی  
 ”گو ہو آویزی ز سے بدل کر۔ کہیں؟ کوئی نہیں جانتا۔  
 کس نے؟ کوئی جان نہیں سکتا، کیونکہ ایک کا کام نہیں۔  
 کیڑوں نہیں تو لاکھوں کا کام ہے۔ ہا سرچے سمجھے۔ بولی  
 کی آواز ہے۔ سدھ آجوت طاقتوں کو ہی بولی کی **genius**

[illegible]

٥٤

کھڑا، کھیرل \* کھیرا، چھوڑ پڑی یا سڑی \* یا یزوی، کھڑا  
مڑی، پڑی راج پڑی، چھوڑنا، پڑھا، تھڑی، بڑھاؤ، بارجا، بار  
پہلائی، پہلائی، گڑھی یزوسن، نکرو جو شکت نکل میں سے  
نکا ہے۔

५ (5)

گورا، کبھی، متوڑا، متوڑی اورے والی، متوڑی، جالے والی،  
چلبور، چم، چچور، چچور، چچور، چچور، چچور، چچور، چچور، چچور،  
یا لکڑی، بکڑی، بکڑی، بکڑی، بکڑی، بکڑی، بکڑی، بکڑی، بکڑی، بکڑی،

آئے والدہ جانوروں کا علم نام پڑھا، چڑی، چنگار، کوز،  
کرسل یا گوسل کو لٹری بھی کہتے ہیں۔ بھیدارن، بھونچا،  
کھٹ بھٹی، لکڑی، گنگ بھڑ، پالتو جانوروں میں سے بھڑ اور  
گھوڑا۔ گھوڑے کو میں نے جان کر آخری رکھا کیونکہ یہ لفظ  
تواریخی ہے اور جتنا ہے کہ ہم میں اور آریوں میں کئی شروع  
میں چاہے نہیں۔ اور دیسوں میں تو اشو اسپ یا ہارس ہو گیا  
مگر ہندوستان نے اسے بالکل نہیں قبول کیا۔

(6) ہنسپٹی

ہندوستان کے عام نام ہیں۔ مسیتو، جھڑ، جھڑی، جھڑی، فرخت یا درخت کم ہی کہتے ہیں اور درخت کئی بیول کر ہی نہیں کہتا۔ رقم جس کو پیڑ کر سلسلہ والوں نے درخت کہا تھا وہ بھی اب سسکیوں نے رہا ہے۔ جن چھوٹے پوتوں کا نام تھا آتا ہو ان کا عام نام جڑی ہوتی ہے۔ ہندوستان کا سب سے بڑا پتہ بڑا، اور اسی کے ذات پاتی بڑی، گولہڑ، رہڑ اور رتوی، چدل یا چڑا، پانگرا یا چوبوں کا درخت، تھوڑے کو پانچاب والے کہتے اور دلی والے جھڑ فالس کا درخت کہتے ہیں۔ پاتری کو ہی پت پاترا کہتے ہیں یا پت پاترا اور درخت ہے۔ اس کا علم نہیں، پونا یا پونا، لسوا، اموا، آو، پانگرا، کیروا، کورنیا یا کورنڈا، کھنر یا کھنری، ہوا، بونہری، یا جھڑ بھری۔ ہون شہری ہوں اس لئے مجھے پتوں کے نام کم ہی آتے ہیں۔ بہت سے بہت پچیس پتوں کے نام آتے ہیں۔ ان میں سے پندرہ ایک ایسے ہوں گے جن میں زندگی ہے یہ ایک سرچنے والی بات ہے۔ یہی حال چھوٹوں کے نام کا ہے۔

(۴) منق

[illegible]

(२) विद्युत्

(३) खाना पीना

10-10-68

[illegible]

(2) حساب

(3) کہتا ہے

3 (b)

یازد، 'مکمل بنانے کے لئے اور اس میں ضرورت کرنے کے لئے' یوازہ، 'جزوی'، 'مزدی'، 'پرچہ'، 'کھول'،



## क्रिया ( फ़ेल )

अबनाक्ष, अबानाक्ष, अबसना, अबकना, अबदना, अबालना या अबेलना, अबदना या उमेदना ( बदना ), अलादना, बादक्ष, बबक्ष, बब, बदानाक्ष ( दूकान बदाना, चूड़ियां बदाना, दया बदाना ), बिगदनाक्ष, बिगादनाक्ष, बडबडाना, बिड्डना, भिडना, भिडना या भेडना, भडकना और भडकाना, बिसोदना, चिदक्ष, चिदाना, चिडना, बिडाना, चीडनाक्ष, छेडनाक्ष, छेडना ( शुरू करना ) चिथोडना, डिडकना, चपडना, छोडना, छुडाना, वीडना, धडकना, दादना ( जलाना ) दहाडना, गीडनाक्ष, गडना, घडना, घुडकना, गिडगिडाना, गुडगुडाना, गैडना ( बेरना ), मीडना ( कुंआ चलाना ), गोडनाक्ष, मोदना, घुसेडना, हाडना, हडपना, हुडकना, जडनाक्ष, जोडनाक्ष, जुडना, झडना, म्हाडना, म्हाडना, जकडना, मिडकना, मिमाडना, कडकना ( बिजली का ), कडकडाना, काडना ( निकालना, उबालना ) कदवाना या कदलाना, कुडना, कुडाना, ककडना,

یہ جتانے کے لئے کہ وہ ہماری لکھی ہوئی ہندی اور پوری اور  
 ۷ میں نہجے کچھ ایسے لفظوں کو لکھتا ہوں جن میں آئی ہے  
 نکشاری میں تو ایسے اور بھی بہت سے لفظ ہیں لیکن میں  
 صرف ان کو ہی لکھتا ہوں جو مسہولی گھروں کی بول چال میں  
 روز ہوتے جاتے ہیں۔ بہت سے تو ان میں ایسے ہیں کہ جنگا توڑ  
 ہی نہیں۔ مہربانی سے ان لفظوں کی طرف زیادہ دھیان دیں  
 جن پر نشان ہے۔ مہرے وچار میں یہ لفظ ہماری بولی کے  
 بنیادی پتھر ہیں۔ بنیادی انگریزی میں صرف 850 لفظ ہیں۔  
 اگر کبھی ہمیں عقل آتی اور ہم نے بھی اپنی بنیادی بولی بنائی  
 تو اس میں بہت سے بہت 1000 لفظ ہونگے۔ اگر جیسا اس  
 دوست سے دکھائی دیتا ہے سو لفظ ان میں ایسے ہیں جن میں  
 آئی ہے توڑ کا راج صاف ہے۔ اگر آپکی رائے میں ایسے پچاس  
 لفظ ہی زوالہ ہیں توڑ کی پروہانتا میں شک نہیں رہتا۔  
 دیوناگری میں 33 ویںجن ہیں۔ مہرے وچار میں ایسا کوئی  
 ویںجن دیوناگری کا نہیں جو کھڑی بولی کے بنیادی لفظوں  
 میں ز جتنلا آتا ہو۔ اگر مہرا یہ خیال ٹھیک ہے تو سچو  
 تو سہی کہ کتنے لائق ہیں وہ لوگ جو کھڑی بولی کی لہی  
 بنائیں اور اس میں وہ آواز جس کا ہماری بولی میں سب  
 سے ہوا مہرو (مان) ہو اسے وہ اپنی لہی میں جگہ نہ دیں۔  
 یہ ز لفظ کھڑی بولی میں ہے۔ جس دیس میں کھڑی  
 بولی نے جنم لیا اسے ہانگرو کہتے ہیں۔ یہ ہانگرو میں بھی  
 ہراجمان ہے۔ ہندستان کے اور بھی دیسوں کے نام میں پائی  
 جاتی ہے۔ جیسے ٹانگرو، مہراوڑ، مہوار، آریا، راڑھی اور بنگال۔

(۱) کریا (فعل)

میں شروع کیا کے لفظوں سے کرتا ہوں کیونکہ کیا کے لفظوں کو ہر بولی میں زیادہ جان دیا جاتا ہے ۔

اڻا \*، اڻا \*، اڻسڻا، ڳوٺا، اڻڻڻا، اڻاڻا يا اڻڻڻا، اڻڻا  
يا اڻڻڻا ( ڀوٽا )، اڻڻڻا، ڀاڙو، ڀڙو، ڀوٽو، ڀوٽا \*، ( ڀوٽڪن  
ڀوٽائي، ڇوڙين، ڀوٽائي، ڏيا ڀوٽا )، ڀڳوٺا، ڀڳاڙا، ڀوٽوٺا،  
ڀڄوٺا، ڀوٽا، ڀوٽا، يا ڀوٽا، ڀوٽڪا، ڀڙو ڀوٽڪا، ڀوٽوٺا،  
ڇوٽو \*، ڇوٽا، ڇوٽا، ڇوٽا، ڇوٽا \*، ڇوٽوٺا، ڇوٽو  
( شروع ڪرڻ )، ڇوٽوٺا، ڇوٽڪا، ڇوٽا، ڇوٽوٺا، ڇوٽا،  
ڊوٽا، ڊوٽڪا، ڊوٽا ( ڇڏڻ )، ڊوٽوٺا، ڊوٽو، ڊوٽا، ڊوٽا \*،  
ڊوٽڪا، ڊوٽوٺا، ڊوٽوٺا، ڊوٽوٺا، ڊوٽوٺا، ڊوٽوٺا ( ڳوٺي  
ڇاڻا )، ڳوٺا، ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا،  
ڳوٺا، ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا،  
ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا ( ڳوٺي ڪا )، ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا،  
( ڳوٺي ڳوٺا )، ڳوٺوٺا يا ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا، ڳوٺوٺا

( मधुन गोपाल )

इस क से कुछ अजब सवाल पैदा होते हैं जिन पर  
 गार करना शायद नामुनासिब न हो. (1) पहला सवाल  
 यह है कि यह के है या क ? (2) क्या क हमारी बोली  
 अजब है और उसका बदना मुनासिब है ? (3) हमारी  
 तो डावड़ी है या आर्य भारा ? (4) हमारी बोली  
 ली डावड़ी बोली से ज्यादा मिलती है या मद्रास की  
 न्यों से ? (5) क्या हम डावड़ियों की नसल में से हैं या  
 रों की ?

त का मोरघषी है ट और द का मोरघषी है ड. द भी ट और ड की तरह मोरघषी है लेकिन र का बोलने में जो हेर फेर त और ट के कहने में किया जाता है ठीक वही हेर फेर र और द के कहने में. देवनागरी में बिन्दी निरी उन भाषाओं को अज्ञाने के लिये होती है जो हमारे देश की नहीं हैं—जैसे ब्र, छ, रा, क, ख. ड को बिन्दी लगाकर द की भाषा संस्कृति पंडित ही ज्ञात सकते हैं. पंडित हिन्दुस्तान में यह व्यवस्था की बात नहीं कि देवनागरी लिपी सुधारने के लिये बड़े विद्वानों की कमेटियां बनीं लेकिन कभी किसी अज्ञानात्मा को यह नहीं सूझा कि वह द को अपनाले. अपने घर के प्यारे दोस्तों बच्चे को तो बिसराये और दूसरों के बड़े बच्चों को जिनकी हम शकल (भाषा) से वाकिक नहीं उन्हें अपनाये. मसलन ब्र, ख, ल, कुर्बान जाइये इस विचार पर।

;

(مدن کوپال)

اس سے کچھ عجیب سوال پیدا ہوتے ہیں جن پر وچار کرنا شائد مناسب نہ ہو۔ (1) پہلا سوال تو یہ ہے کہ یہ 3 ہے یا 2؟ (2) کیا 3 ہماری بولی کی جڑ ہے اور اس کا بولنا مناسب ہے؟ (3) ہماری بولی درازوی ہے یا آرنہ بھاشا؟ (4) ہماری بولی اصلی درازوی بولی سے زیادہ ملتی ہے یا مدراس کی بولہاڑوں سے؟ (5) کیا ہم دروازیموں کی نسل میں سے ہیں یا آرنہ کی؟

ت کا مورد بھی ہے ت اور د کا مورد بھی ہے ت۔ ۳۔  
بھی ت اور ق کی طرح مورد بھی ہے لیکن ر کا بولنے میں جو  
ہیر پھیر ت اور ت کے کہنے میں کیا جاتا ہے ٹھیک رہی ہیر پھیر  
ر اور ز کے کہنے میں۔ دیوناگری میں بنی نری ان آواز کو  
جتنی کہتے تھے ہوتی ہے جو ہمارے دیس کی نہیں ہیں۔ چنانچہ  
ق، خ، غ، ف، ز۔ ت کو بنی لٹاکو ز کی آواز سنسکرتی بلذت  
ہی جتاسکتے ہیں۔ بلذتی ہندستان میں یہ لچرچ کی بات  
نہیں کہ دیوناگری لپی سہارنے کے لئے بڑے بڑے دھواڑوں  
کی کہ تیل بلوں لیکن کبھی کسی بولے مانس کو یہ نہیں  
سوچھا کہ وہ ز کو اپنالے۔ اپنے گھر کے پیارے ہونہار بچے کو تو ہم  
بسر لٹوں اور دوسروں کے اپنے بچوں کو جن کی ہم شکل (آواز)  
یہ واقف نہیں اُنہیں اپنائیں۔ مثلاً زر، شا، لر، قربان، جانفہ  
اس بلذتی پر!



شوق دیکھتے تھے کہ اگر اس علم میں لگ جائے گا وہ ہر اعلیٰ مقام  
جائے گا۔ اپنے رجحان، اپنی طبیعت اور اپنی قابلیت کے  
انوسار ایک دن سے دوسرے دن میں جتنا سہ کے لئے کام  
ہوگا، جتنوں کی سکڑیں ہوا میں جائیں، آپ جانتیں اور  
ہر آدمی سب سے بڑی شے جانتی ہے اور ہوش کے لئے ختم ہو  
جائیں گی۔ چھوٹی چھوٹی سب سے بڑی شے۔

سارے سماج کی اس طرح کی وابستہ دھرم دھرم بنا کسی نے سام نہرستی گتہ میں ایک ایک دھرم اور سمجھنا نہیں ہے اور انہماک اس ایک مذہب انسانیت، مائو دھرم، پریم دھرم یعنی مذہب عشق کی طرف لے جاوے گی جو سب ایک ایک دھرم کی بنیاد اور سب میں ایک ہوا ہے۔ وہی سچا اسلام ہے، وہی قرآن کا ”ذین القیمہ“ ہے وہی اس دھرم کا سیکھ سیکھ ”دھرم“ ہے۔ یہی سماجی نظام ساری دنیا میں پھیل سکتا ہے اور دنیا کو ایک کر سکتا ہے۔ اسی آبادی اور دیشوں دیشوں کے بیچ کے اندھے سہارے کو ختم کرنے کا یہ ایک آئیڈیہ ہے۔

دین آشرم د عزم اور کمپونزم

نئے چین کے وہاں میں کیوں کسانوں اور مزدوروں کو راج کا ادھاری مانا گیا ہے۔ پر نئے چین کے وہاں کے انہماک اپنے دماغ سے کام کرنے والے لوگ اور دل اور دماغ دونوں کو مل کر کا اور ساتھ ہی سیوا میں تن سے کام لھنے والے پروفیسر، ساتھ کار اور چترکار سب ”ورکر“ یعنی مزدوروں میں شامل ہیں اور سب ایک برابر آدم کے حقدار۔ ایسی صورت میں چینی کمیونسٹ وچار دھارا کے ساتھ اوپر کی دیوسٹھا کا کوئی ورودہ نہیں۔ سب کام کریں، سب اپنا اپنا کام کریں اور سب سب کے ایک برابر حق اور سب کا ایک برابر مان ہو۔

دنہا کو امن کے لئے سلطنت کرنا

اگر سب دشمنوں اور سب قوموں کے کچھ بڑے دل والے اور  
مسجددار آدمی مل کر سب قوموں اور سب دھرموں کی ایک  
سچی لوگ بنا کر بیٹھیں اور گھبرانا کے ساتھ ساری انسانی  
قوم کے لئے نئے نئے طرح کے سماجی منتکوں پر وچار کریں اور  
پھر باقی آئے منظور کریں اور آگے کی نسلوں کو اس کے اصولوں  
کی تعلیم دیں اور یا کوئی ایسے بہتر درسرا ڈھنگ نکالیں  
تب ہی دنیا بہ آدمی آدمی اور قوموں قوموں کے بیچ کی  
آبادی میں صف بندی ہے اور دنیا کے لوگ ہم چین سے  
جسمیں بنا سکتے ہیں اور اس دھرتی پر سرگ لا سکتے ہیں دنیا  
کو جنگ کے خوف ”اس کے لئے“ نکلنا طور پر منکھوت یا  
منکھوت لڑنے کی بجائے ایک طریقہ ہے۔

مصدقہ ملتی ہے۔ اس سنگٹھن میں ملکہ، قوم یا نسل کا کوئی فرق نہیں۔ یہ نظام سب انسانوں کے لئے ایک سا ہے چاہے وہ کسی ملک یا کسی نسل کے کیوں نہ ہوں۔ یہ نظام سائنس کے عین اصول ہے۔ اس میں جب تجربہ کار ادھیڑ یا بوڑھے لوگ روپیہ کھانے کے دھندے کو چھوڑ کر بنا تنخواہ چلتا کی سیوا کرینگے تو بوجھائوں کے لئے میدان کھڑا ہوگا اور انہیں راہ دکھانے اور صبح دینے کے لئے برابر تجربہ کار مسواری جن سیوک ملتے رہیں گے۔ سب کو زندگی میں آند ملے گا اور سب کے دل اور دماغ اُن کے قابو میں رہینگے۔ سب سکری رہینگے۔

سب ذہموں کو ملانے کا طریقہ

انسانی سماج کے اس طرح کے سنگٹھن کا کسی خاص ذہن یا ذہنیکی سے بھی کوئی سبب نہیں۔ ہندوستان اگر اس طرح کے سنگٹھن کو اپنا لے تو وہ کیوں اُن لوگوں کا ہی سنگٹھن نہیں ہوگا جو اپنے ہندو کہتے ہیں۔ اس میں مولانا ابوالکلام آزاد سچے براہمن گئے جائینگے۔ جیست اللہ کے سب مسیحا، سکھوں اور کالجیوں کے سب ادھیڑ اور پروفیسر چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، عیسائی ہوں یا پارسی یا کچھ بھی ہوں، براہمن مانے جائینگے۔ جس کسی کو بھی دنیا پڑھنے پڑھانے کا شوق ہو یا گان دھیان میں آند ملتا ہو وہ براہمن۔ آج پھر لمبی تلخوار یا دنیا کی ٹیپ ٹاپ یا راج شکتی اپنے ہاتھ میں لے کر چلتا نہ ہوگی۔ اُس کا آدھن مشہور انگریزی کہات کے انوسار ”سادہ جیون بتانا اور اونچا سوچنا“ ہوگا۔ اسی طرح جو بھی فوجی سپاہی یا فوجی آفسر کا کم کرنا ہے وہ چاہے کسی بھی دھرم کا ماننے والا ہو چھتری ہے۔ ہم مولانا شوکت علی کو اُن کے سوہاؤ اور بہادری کے کارن ہمیشہ چھتری ماننے تھے۔ بدلتی کے مسلمان بھرے اور پارسی سوداگر سب دیس گئے جاویں گے۔ کسان چاہے کسی بھی دھرم کا ماننے والا ہو دھرتی سے دھن پیدا کرنے کے کارن دیس گئے جاوے گا۔ گھٹا میں کھیتی کا کم ویشوں کا کم بتایا گیا ہے۔ دیس بھر کے کیوں شہر سے کم کرنے والے سب لوگ شوہر گئے جاویں گے۔

پھر اس میں اونچا نیچا کوئی نہیں ہوگا۔ براہمن اونچا اور شہر نیچا۔ پھر پست کھال سواہی لوگوں نے دیس کی گراؤت کے دنوں میں پیدا کر لیا ہے۔ سب سماج کے ایک برابر انگ، سب کے راج کاج آئی میں ایک برابر حق، سب کو برابر کے موٹھے، ایک ہارا براہمن ہو کر بھی جو دنیا میں رہتا ہے چھوڑ دے گا یا کم کر دے گا اور دھن پانے کی فکر میں ادمک رہے گا وہ پھر دیس کہا دے گا۔ تجارت کرنے والا جلم سے چاہے کچھ بھی ہو دیس گئے جاوے گا۔ جو محنت مزدوری کرتے کرتے دنیا سیکھ سکھے گا

سب دھرموں کو ملانے کا طریقہ

انسانی سماج کے اس طرح کے سنگٹھن کا کسی خاص دھرم یا دھرمک وراثت سے بھی کوئی سبب نہیں۔ ہندوستان اگر اس طرح کے سنگٹھن کو اپنا لے تو وہ کیوں اُن لوگوں کا ہی سنگٹھن نہیں ہوگا جو اپنے ہندو کہتے ہیں۔ اس میں مولانا ابوالکلام آزاد سچے براہمن گئے جائینگے۔ جیست اللہ کے سب مسیحا، سکھوں اور کالجیوں کے سب ادھیڑ اور پروفیسر چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، عیسائی ہوں یا پارسی یا کچھ بھی ہوں، براہمن مانے جائینگے۔ جس کسی کو بھی دنیا پڑھنے پڑھانے کا شوق ہو یا گان دھیان میں آند ملتا ہو وہ براہمن۔ آج پھر لمبی تلخوار یا دنیا کی ٹیپ ٹاپ یا راج شکتی اپنے ہاتھ میں لے کر چلتا نہ ہوگی۔ اُس کا آدھن مشہور انگریزی کہات کے انوسار ”سادہ جیون بتانا اور اونچا سوچنا“ ہوگا۔ اسی طرح جو بھی فوجی سپاہی یا فوجی آفسر کا کم کرنا ہے وہ چاہے کسی بھی دھرم کا ماننے والا ہو چھتری ہے۔ ہم مولانا شوکت علی کو اُن کے سوہاؤ اور بہادری کے کارن ہمیشہ چھتری ماننے تھے۔ بدلتی کے مسلمان بھرے اور پارسی سوداگر سب دیس گئے جاویں گے۔ کسان چاہے کسی بھی دھرم کا ماننے والا ہو دھرتی سے دھن پیدا کرنے کے کارن دیس گئے جاوے گا۔ گھٹا میں کھیتی کا کم ویشوں کا کم بتایا گیا ہے۔ دیس بھر کے کیوں شہر سے کم کرنے والے سب لوگ شوہر گئے جاویں گے۔

پھر اس میں اونچا نیچا کوئی نہیں ہوگا۔ براہمن اونچا اور شہر نیچا۔ پھر پست کھال سواہی لوگوں نے دیس کی گراؤت کے دنوں میں پیدا کر لیا ہے۔ سب سماج کے ایک برابر انگ، سب کے راج کاج آئی میں ایک برابر حق، سب کو برابر کے موٹھے، ایک ہارا براہمن ہو کر بھی جو دنیا میں رہتا ہے چھوڑ دے گا یا کم کر دے گا اور دھن پانے کی فکر میں ادمک رہے گا وہ پھر دیس کہا دے گا۔ تجارت کرنے والا جلم سے چاہے کچھ بھی ہو دیس گئے جاوے گا۔ جو محنت مزدوری کرتے کرتے دنیا سیکھ سکھے گا

میں ہشکھا کا )۔ جین لوگوں کی تہذیب اور ان کے کام سب کی طرف جاتے ہیں وہ براہمن کہلاتے ہیں۔ جین کی تہذیب راجس کی طرف جاتی ہے وہ کھتری کہلاتے ہیں۔ جین کی تہذیب کی طرف جاتی ہے وہ دھرم کہلاتے ہیں۔ جین کے اندر تینوں گن سونے ہوئے ہیں وہ "شور" کہلاتے ہیں۔

جب تک آبادی کے اندر سیر، باغ، بک اور ڈالے الگ الگ ہیں اور انہی کے مطابق الگ الگ طبیعتیں دکھائی دیتی ہیں تب تک سب ملکوں اور سب دیشوں میں یہ چار طرح کے لوگ دکھائی دینگے۔ جو سماج اس اصول کے اوپر اپنا ٹھیک ٹھیک سنگٹھن دے اور اسی اصول پر سب کے فرض اور سب کے آدھار طے کر دے اسی سماج کا سنگٹھن "امن" یعنی شانتی کے لئے ہے۔ "وہی سماج خوشحال رہے گا۔ اے کسی دوسرے سے تر نہیں ہوگا۔ وہ دوسروں کے لئے بھی امن کی مثال قائم کرے گا اور انہیں اس میں ہر طرح مدد دے گا۔ دنیا کی سب قوموں کا ملاکر اس طرح سنگٹھن ہو جاوے تو اپنے آپ آدمی آدمی میں بیجا جھڑپا، قاتل، چلن، لوہ، لالچ اور آزادمانی دنیا سے نکل جائیں۔ سب اپنے اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں۔ کسی کو کسی پر حملہ کرنے کا کوئی سبب نہ رہے اور سب سب کے بدلے کے کاموں میں آسانی سے لگ سکیں۔

### جیندگی کے چار حصے

دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر آدمی عمر کے مطابق برہنچریہ کا پالن کرے، اپنے کو روکے، اپنی طبیعت کو اپنے قابو میں رکھے، خرد طبیعت کے قابو میں نہ ہو جاوے۔ اسی لئے ہر آدمی کی عمر کے چار حصے کئے گئے ہیں، چاروں چار اشدھم کہتے ہیں—برہنچریہ، گرہستہ، بان پرستہ اور سنہاس۔ اس منسلک میں اگر لوگوں نے اس طرح اپنی طبیعت کو نہ روکا تو یہ کمزوری اُن کی اور دنیا کی سب سے بڑی دشمن ثابت ہوگی۔ زندگی کے تیسرے اور چوتھے حصوں میں تو آدمی کو اپنے کو بالکل ہی روک کر رکھنا چاہئے۔ کوئی چیز اگر دنیا سے جنگوں کو ختم کرسکتی ہے تو اس طرح کا ٹھیک سنگٹھن یعنی اخلاقی نظم ہی کرسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں قدرت کی طاقتوں کو بھی جہاں تک ہوسکے اپنے قابو میں کرکے اُن سے کام لینا چاہئے۔ سماج کے اندر کی یہ اخلاقی جنگ جتنی کامیاب ہوگی باہر کی جنگیں اتنی ہی کم ہونگی۔

سماج کے اس طرح کے سنگٹھن میں ہر کام کے اندر ایک سنہرا خرم لپکتا رہتا ہے، نہ کسی چیز کی زیادتی نہ کسی چیز کی کمی۔ سب کو اپنی اپنی طرح پر عمل کا موقع ملتا ہے سب کی کمزوریوں کا بھی دھیان رکھا جاتا ہے اور انہیں اپنی کمزوریوں پر قابو حاصل کرنے میں

جب تک آدمی کے اندر سر، بازو، دھڑ اور ٹانگیں الگ الگ ہیں اور انہیں کے مطابق الگ الگ طبیعتیں دکھائی دیتی ہیں تب تک سب ملکوں اور سب دیشوں میں یہ چار طرح کے لوگ دکھائی دینگے۔ جو سماج اس اصول کے اوپر اپنا ٹھیک ٹھیک سنگٹھن دے اور اسی اصول پر سب کے فرض اور سب کے آدھار طے کر دے اسی سماج کا سنگٹھن "امن" یعنی شانتی کے لئے ہے۔ "وہی سماج خوشحال رہے گا۔ اے کسی دوسرے سے تر نہیں ہوگا۔ وہ دوسروں کے لئے بھی امن کی مثال قائم کرے گا اور انہیں اس میں ہر طرح مدد دے گا۔ دنیا کی سب قوموں کا ملاکر اس طرح سنگٹھن ہو جاوے تو اپنے آپ آدمی آدمی میں بیجا جھڑپا، قاتل، چلن، لوہ، لالچ اور آزادمانی دنیا سے نکل جائیں۔ سب اپنے اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں۔ کسی کو کسی پر حملہ کرنے کا کوئی سبب نہ رہے اور سب سب کے بدلے کے کاموں میں آسانی سے لگ سکیں۔

### زندگی کے چار حصے

دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر آدمی عمر کے مطابق برہنچریہ کا پالن کرے، اپنے کو روکے، اپنی طبیعت کو اپنے قابو میں رکھے، خرد طبیعت کے قابو میں نہ ہو جاوے۔ اسی لئے ہر آدمی کی عمر کے چار حصے کئے گئے ہیں، چاروں چار اشدھم کہتے ہیں—برہنچریہ، گرہستہ، بان پرستہ اور سنہاس۔ اس منسلک میں اگر لوگوں نے اس طرح اپنی طبیعت کو نہ روکا تو یہ کمزوری اُن کی اور دنیا کی سب سے بڑی دشمن ثابت ہوگی۔ زندگی کے تیسرے اور چوتھے حصوں میں تو آدمی کو اپنے کو بالکل ہی روک کر رکھنا چاہئے۔ کوئی چیز اگر دنیا سے جنگوں کو ختم کرسکتی ہے تو اس طرح کا ٹھیک سنگٹھن یعنی اخلاقی نظم ہی کرسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں قدرت کی طاقتوں کو بھی جہاں تک ہوسکے اپنے قابو میں کرکے اُن سے کام لینا چاہئے۔ سماج کے اندر کی یہ اخلاقی جنگ جتنی کامیاب ہوگی باہر کی جنگیں اتنی ہی کم ہونگی۔

سماج کے اس طرح کے سنگٹھن میں ہر کام کے اندر ایک سنہرا خرم لپکتا رہتا ہے، نہ کسی چیز کی زیادتی نہ کسی چیز کی کمی۔ سب کو اپنی اپنی طرح پر عمل کا موقع ملتا ہے سب کی کمزوریوں کا بھی دھیان رکھا جاتا ہے اور انہیں اپنی کمزوریوں پر قابو حاصل کرنے میں

جسکے اندر جسامی معانی کی دہرست شکتی ہے، اُسی کو سچا براہمن کہنا چاہئے۔ کبہل جنم سے نہ کوئی براہمن ہوتا ہے اور نہ کوئی شودر ہوتا ہے۔ ہر آدمی اپنے کلموں سے اور اپنے دھن سبھن کے قہلگ سے براہمن یا شودر ہوتا ہے۔ سورج نکلتا ہے تو دن ہو جاتا ہے۔ رات ہوتی ہے تو چاند نکلتا ہے۔ بہاری اور آدارتا سے آدمی چھتری ہوتا ہے۔ بدھتا اور دچار شہلتا ہے براہمن ہوتا ہے۔“

مہانتا بدھ نے ان چار طرح کے لوگوں اور پیشوں کا صاف صاف ذکر کیا ہے، اِس فرق کو ماننا ہے اور سچے دواہمن کی جگہ جگہ خوب تعریف کی ہے۔ لیکن وہ جنم سے جانت کو نہیں مانتے تھے۔ جو لوگ جنم سے جانتی اور اُس کے آدھار پر اپنے کو، اور اپنا نیوچا یا خاص چیزوں کا حقدار مانتے ہیں انہیں بدھ نے ہوا کہا ہے۔ اُن کی رائے ہے کہ ہر آدمی کے گن کرم، اُس کی قابلیت، اُس کے دل اور دماغ کی حالت اور اُس کی طبیعت کے اتسار اُس کا پیشہ طے ہونا چاہئے اور پھر چاروں مہن سے کسی ایک وزن میں اُسے گنا جانا چاہئے۔

چین دھرم اس معاملے میں اس سے بھی زیادہ صاف ہے۔  
چین سے ترون میں لکھا ہے کہ:—

”ماشہمہ جانتی سب ایک ہے۔ لوگوں کی دلتی یعنی اُن کے دھن سہن اور کام کے فرق سے چار جاتیاں دکھائی دیتی ہیں۔ جو لوگ ٹھیک اور پاک زندگی کی پرتگیاں کر کے اُنہیں پورا کرتے ہیں وہ برائمن ہیں۔ جو دوسروں کی رکشا کے لئے ہتھیار بھانن کرتے ہیں وہ چھتری ہیں۔ جو سچا اور اُچھت و بابر کر کے دھن کساتے ہیں وہ دیش ہیں۔ اور جو دوسروں کی سیوا کر کے مزدوری سے گزارا کرتے ہیں وہ شہدر۔ اُسی اپنے کلموں سے برائمن ہوتا ہے، اپنے کلموں سے چھتری، اپنے کلموں سے دیش اور اپنے کلموں سے شہدر۔ کسی کا جنم اُس کے چہرے پر نہیں لکھا رہتا۔ اُس کے کام سب کو دکھائی دیتے ہیں۔“

ہندو دھرم گرتھوں میں بھی یہی اصول بتایا گیا ہے ۔  
 مہابھارت میں لکھا ہے :-

”درا کے سب آدمی بڑھا کی اولاد ہیں، اس لئے سب برہمن نہیں اور ایک باپ کی اولاد ہونے کے ناتے سب بھائی بھائی ہیں۔ شروع میں اُن میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سب کا پیشہ بھی لگ بھگ ایک ہی تھا۔ دھیرے دھیرے الگ الگ پیشے اور الگ الگ کام پیدا ہو گئے جس سے چار وزن بن گئے۔“

گیتا میں شری کرشن نے کہا ہے :—

گھنٹا میں شری کرشن نے کہا ہے :—

ہیں۔ ہر آدمی اپنے کاموں سے اور اپنے سونہاؤ کے گنوں سے اسی درجہ بنا اُس درجہ میں ہوتا ہے۔“

پیشینہ دیا۔ میں نے کہا ہے :—

”تین طرح کے گن ہوتے ہیں۔ سٹو، رجس اور تمس  
(سٹو میں گناں کا زور ہوتا ہے، رجس میں کم کا اور تمس

पादरी सब लोगों को धोका देकर अपनी छोटी कुदरतियों को पूरा करने के चक्कर में पड़ जाते हैं, मजहब को भी नया जामा पहनाने की जरूरत पड़ती है, राजकाजी इन्कलाब और मजहबी इन्कलाब दोनों में गहरा सम्बन्ध है, जब दोनों को नया रूप दिया जाता है तब एक नई सभ्यता जन्म लेती है, आदमी बीमार पड़ता है तो हकीम डाक्टर की जरूरत होती है, जब किसी सारी क्रौम की आत्मा बिगड़ जाती है तो उसमें नई ईश्वरी रुह फूंकने की जरूरत पड़ती है, कोई न कोई 'खुदा का बेटा', 'अबतार', 'मसीह', 'रसूल' या 'तीर्थंकर' उस क्रौम का इलाज करने के लिये आता है, उसे नया जन्म देता है, नया जिस्म देता है, और सारे समाज का नए सिरे से संगठन करता है, जब तक किसी समाज का ठीक तरह से संगठन नहीं होगा अच्छे से अच्छे रुहानी और इखलाक़ी असूल भी बेकार रहेंगे, चाहे राज पादरी पुरोहितों के हाथों में हो, चाहे कौजी सरदारों के, चाहे पूंजीपतियों के और चाहे आम जनता के, देश का इखलाक़ यानी सदाचार तब ही ऊंचा जा सकता है जब आदमी के चारों तरफ़ के इमानों को ठीक ठीक समझा जावे और उनके अनुसार कामों का ठीक ठीक बंटवारा किया जावे.

### असली इलाज

महात्मा बुद्ध ने और जैन धर्म के क्रायम करने वाले महावीर स्वामी ने इस उसूल को अच्छी तरह समझा था, उन्होंने जन्म की जातों को तोड़कर इस कुदरती उसूल पर समाज को चलाने की कोशिश की थी, बहुत दूरजे तक उन्हें काम-याबी भी हुई, इसीलिये जो नई सभ्यता उन्होंने क्रायम की वह लगभग बारह सौ बरस तक खूब चली, उस जमाने में साहित्य और साइन्स दोनों ने खूब तरक्की की, बड़ी बड़ी सल्लनतें क्रायम हुई जो अपने जमाने की रोमी, यूनानी, ईरानी और चीनी सल्लनतों से किसी तरह कम न थीं, बौद्धिस्मती से हमारे अन्दर की अविद्या यानी जहालत और हमारी बुराई की शक्तियाँ फिर ऊपर आ गईं, हमारा सारा शीराया फिर बिखर गया.

बौद्ध ग्रंथ "धम्मपद" में एक पूरा चैप्टर है जिसमें यह बताया गया है कि सच्चा ब्राह्मण कौन है, लिखा है :—

"लम्बी जटाएं रख लेने से, या किसी खास घर में पैदा हो जाने से, या किसी खास की के पेट से पैदा होने के कारण कोई ब्राह्मण नहीं बन जाता, जो कोई सच्चाई पर क्रायम रहता है और अपना धर्म यानी कर्ब पूरा करता है, वही पाक है और वही ब्राह्मण है, जो तन से, मन से और बचन से कोई बुराई नहीं करता, जो अपने किये माल असबाब या पैसा जमा नहीं करता, जो सब और धीरज के साथ दूसरों के कड़वे शब्दों, बदसलूकी और मार तक को बरदाश्त कर लेता है, जो अपने मन में गुस्से को पैदा नहीं होने देता,

पादरी सब लोगों को धोका देकर अपनी छोटी कुदरतियों को पूरा करने के चक्कर में पड़ जाते हैं, मजहब को भी नया जामा पहनाने की जरूरत पड़ती है, राजकाजी इन्कलाब और मजहबी इन्कलाब दोनों में गहरा सम्बन्ध है, जब दोनों को नया रूप दिया जाता है तब एक नई सभ्यता जन्म लेती है, आदमी बीमार पड़ता है तो हकीम डाक्टर की जरूरत होती है, जब किसी सारी क्रौम की आत्मा बिगड़ जाती है तो उसमें नई ईश्वरी रुह फूंकने की जरूरत पड़ती है, कोई न कोई 'खुदा का बेटा', 'अबतार', 'मसीह', 'रसूल' या 'तीर्थंकर' उस क्रौम का इलाज करने के लिये आता है, उसे नया जन्म देता है, नया जिस्म देता है, और सारे समाज का नए सिरे से संगठन करता है, जब तक किसी समाज का ठीक तरह से संगठन नहीं होगा अच्छे से अच्छे रुहानी और इखलाक़ी असूल भी बेकार रहेंगे, चाहे राज पादरी पुरोहितों के हाथों में हो, चाहे कौजी सरदारों के, चाहे पूंजीपतियों के और चाहे आम जनता के, देश का इखलाक़ यानी सदाचार तब ही ऊंचा जा सकता है जब आदमी के चारों तरफ़ के इमानों को ठीक ठीक समझा जावे और उनके अनुसार कामों का ठीक ठीक बंटवारा किया जावे.

### असली चिन्त

महत्मा बुद्ध ने और जैन धर्म के क्रायम करने वाले महावीर स्वामी ने इस उसूल को अच्छी तरह समझा था, उन्होंने जन्म की जातों को तोड़कर इस कुदरती उसूल पर समाज को चलाने की कोशिश की थी, बहुत दूरजे तक उन्हें काम-याबी भी हुई, इसीलिये जो नई सभ्यता उन्होंने क्रायम की वह लगभग बारह सौ बरस तक खूब चली, उस जमाने में साहित्य और साइन्स दोनों ने खूब तरक्की की, बड़ी बड़ी सल्लनतें क्रायम हुई जो अपने जमाने की रोमी, यूनानी, ईरानी और चीनी सल्लनतों से किसी तरह कम न थीं, बौद्धिस्मती से हमारे अन्दर की अविद्या यानी जहालत और हमारी बुराई की शक्तियाँ फिर ऊपर आ गईं, हमारा सारा शीराया फिर बिखर गया.

बौद्ध ग्रंथ "धम्मपद" में एक पूरा चैप्टर है जिसमें यह बताया गया है कि सच्चा ब्राह्मण कौन है, लिखा है :—

"लम्बी जटाएं रख लेने से, या किसी खास घर में पैदा हो जाने से, या किसी खास की के पेट से पैदा होने के कारण कोई ब्राह्मण नहीं बन जाता, जो कोई सच्चाई पर क्रायम रहता है और अपना धर्म यानी कर्ब पूरा करता है, वही पाक है और वही ब्राह्मण है, जो तन से, मन से और बचन से कोई बुराई नहीं करता, जो अपने किये माल असबाब या पैसा जमा नहीं करता, जो सब और धीरज के साथ दूसरों के कड़वे शब्दों, बदसलूकी और मार तक को बरदाश्त कर लेता है, जो अपने मन में गुस्से को पैदा नहीं होने देता,



धर्म यानी मजहबہ انسانیت کی कुछ चिंगاریयां हम में अभी तक बाक़ी हैं.

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ باوجود موروثی بن پر اتنا آدھک زور ہونے کے یہاں جاتوں کا اہل بدل برادر ہوتا رہا ہے۔ اکا دکا لوگ ہی نہیں گروہوں کے گروہ ہمیشہ اپنے کو نیچے کی جاتوں سے اٹھاکر برافمن یا چھتری نام دیتے رہے ہیں اور آج کوئی ان سے وہ نام چھین نہیں سکتا۔ لیکن جو ایک سندھ سائنسی تھنگ سے سب کا آدر مان رکھتے ہوئے شروع کا سنگتوں تھا وہ جاتا رہا۔

### یورپ سے یوگابالا

اس معاملے میں یورپ ہم سے اچھا نہیں رہا۔ ہمارے موروثی بن پر بیجا زور دیا گیا اور یورپ میں اس کے خلاف آدمی آدمی کے سرانہوں کی تکر اور ان کے بیچ بیجا آندھے مقابلے پر زور دیا گیا۔ سچ یہ ہے کہ یورپ میں ابھی تک کوئی ساج سنگتوں ہو ہی نہیں پایا۔ ایک درجے تک موروثی بن ہی سب جگہ چلتا ہے اور قدرتی ہے۔ یورپ میں بھی لاکھوں کروڑوں آدمی اپنے باپ دادا کے ہی پیشوں میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بڑی اچھی نشانی ہے کہ یورپ کے آدھک انت دیشوں میں بچوں کو تعلیم دینے والوں کا دھڑان تیزی سے اس طرف جا رہا ہے کہ چھوٹی عمر سے ہی ہر بچے کے قدرتی رجحان اور اس کی قابلیت کو سمجھنے کی کوشش کی جاوے اور اسی کے انوسار جیہوں میں اُسے کم دھندا دینے کی کوشش کی جاوے۔ کچھ دیشوں میں تو اس دنیا کے خاص ودوان یا ماهر اسکولوں میں رکھے گئے ہیں۔ کہیں بھی اگر ساج کا ٹکا سنگتوں کیا جاوے گا تو موروثی بن اور آزاد اہل بدل دونوں کو دھیان میں رکھنا ہوگا۔ ہاں، بچے کا ہمیشہ طے کرنے میں اس کی آزاد طبیعت اور اچھی پسند کا آدھک لحاظ رکھا جائے گا۔

### سودھار کی ضرورت

جیسے ہماری راج کلجی اور مالی زندگی میں رشک، بھشک بن جاتے ہیں، 'لیڈر' (رہبر)، 'میس لیڈر' یا 'میس لیڈر' یعنی گہرا کرنے والے ہو جاتے ہیں، 'ٹرسٹی' اپنے کو 'بینی فیشیری' بنا بیٹھتے ہیں، دوسروں کو کھانے والے خود ان دوسروں کو نکالنے لگتے ہیں، جتنا کے نوکر جتنا کے مالک اور انسر بن بیٹھتے ہیں، جس سے انکار بلوے، انقلاب اور کرائتیاں ہوتی رہتی ہیں اور پھر جو اصلی 'بینی فیشیری' ہیں یعنی نام جتنا کے لوگ وہ پھر سے اپنے نئے ٹرسٹی مقرر کرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح مذہب کے معاملے میں بھی ہوتا ہے۔ مذہبی گرو دنیوی طاقت چھیننے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور حکومت کی طاقت والے دھارمک گرو بن جاتے کی فکر میں رہتے ہیں۔ 'پروہت'، 'پندے' ملا اور

دھرم یعنی مذہب انسانیت کی کچھ چنگاریاں ہم میں ابھی تک باقی ہیں۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ باوجود موروثی بن پر اتنا آدھک زور ہونے کے یہاں جاتوں کا اہل بدل برادر ہوتا رہا ہے۔ اکا دکا لوگ ہی نہیں گروہوں کے گروہ ہمیشہ اپنے کو نیچے کی جاتوں سے اٹھاکر برافمن یا چھتری نام دیتے رہے ہیں اور آج کوئی ان سے وہ نام چھین نہیں سکتا۔ لیکن جو ایک سندھ سائنسی تھنگ سے سب کا آدر مان رکھتے ہوئے شروع کا سنگتوں تھا وہ جاتا رہا۔

### یورپ سے مقابلہ

اس معاملے میں یورپ ہم سے اچھا نہیں رہا۔ ہمارے موروثی بن پر بیجا زور دیا گیا اور یورپ میں اس کے خلاف آدمی آدمی کے سرانہوں کی تکر اور ان کے بیچ بیجا آندھے مقابلے پر زور دیا گیا۔ سچ یہ ہے کہ یورپ میں ابھی تک کوئی ساج سنگتوں ہو ہی نہیں پایا۔ ایک درجے تک موروثی بن ہی سب جگہ چلتا ہے اور قدرتی ہے۔ یورپ میں بھی لاکھوں کروڑوں آدمی اپنے باپ دادا کے ہی پیشوں میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بڑی اچھی نشانی ہے کہ یورپ کے آدھک انت دیشوں میں بچوں کو تعلیم دینے والوں کا دھڑان تیزی سے اس طرف جا رہا ہے کہ چھوٹی عمر سے ہی ہر بچے کے قدرتی رجحان اور اس کی قابلیت کو سمجھنے کی کوشش کی جاوے اور اسی کے انوسار جیہوں میں اُسے کم دھندا دینے کی کوشش کی جاوے۔ کچھ دیشوں میں تو اس دنیا کے خاص ودوان یا ماهر اسکولوں میں رکھے گئے ہیں۔ کہیں بھی اگر ساج کا ٹکا سنگتوں کیا جاوے گا تو موروثی بن اور آزاد اہل بدل دونوں کو دھیان میں رکھنا ہوگا۔ ہاں، بچے کا ہمیشہ طے کرنے میں اس کی آزاد طبیعت اور اچھی پسند کا آدھک لحاظ رکھا جائے گا۔

### سودھار کی ضرورت

جیسے ہماری راج کلجی اور مالی زندگی میں رشک، بھشک بن جاتے ہیں، 'لیڈر' (رہبر)، 'میس لیڈر' یا 'میس لیڈر' یعنی گہرا کرنے والے ہو جاتے ہیں، 'ٹرسٹی' اپنے کو 'بینی فیشیری' بنا بیٹھتے ہیں، دوسروں کو کھانے والے خود ان دوسروں کو نکالنے لگتے ہیں، جتنا کے نوکر جتنا کے مالک اور انسر بن بیٹھتے ہیں، جس سے انکار بلوے، انقلاب اور کرائتیاں ہوتی رہتی ہیں اور پھر جو اصلی 'بینی فیشیری' ہیں یعنی نام جتنا کے لوگ وہ پھر سے اپنے نئے ٹرسٹی مقرر کرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح مذہب کے معاملے میں بھی ہوتا ہے۔ مذہبی گرو دنیوی طاقت چھیننے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور حکومت کی طاقت والے دھارمک گرو بن جاتے کی فکر میں رہتے ہیں۔ 'پروہت'، 'پندے' ملا اور



ہوتا ہے۔ ہر نئی چیز اپنے سبب کے اندر بیج روپ میں موجود ہوتا ہے۔ سب ہمیشہ اور ہر جگہ ہے، کیونکہ وہ ایک جس اندر یہ سب ہیں ہر جگہ ہے۔

آجکل کی بایولوجی کی سائنس میں اور ہمارے देश کے پورے آریوید میں دونوں میں بستر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ باپ کے دلوں اور دماغوں کی اس وقت کی حالتیں اور اس بات کی ماضی حالتیں سب ماضی کے اس طرح کے اور زوالی ہیں اور اس طرح ایک بچے سے دوسرے بچے میں مختلف فرق پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جب یہ حالات ایک سے آتے ہیں تو بچوں کے روپ رنگ اور دماغ بھی ایک سے ہوتے ہیں۔ یہ بات جوڑوں بچوں میں خوب دکھائی دیتی ہے۔ داستان کی جوتیں دنیا سے بھی ہمیں اس معاملے میں بہت باتوں کا پتہ چلتا ہے، جیسے یہ کہ کس وقت کے اور کیسے ت کے مرد اور عورت کے میل سے کیسی اولاد پیدا ہوئی چاہئے۔ ہر بچہ دو انسانوں سے پیدا ہوتا ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک دو دو سے پیدا ہوا ہے۔ اس طرح اگر ہم پیچھے کو لے رہیں تو اس پے آنت سلسلے میں ہمیں آگے کی ساری رشتگی کے پیچ اور اس کے سبب مل جاویں گے۔ دنیا میں کوئی یزنی نہیں ہے۔ سب ایک مہوں ہیں اور سب میں ایک ہے۔ اس لئے موروثی پن اور اگاتر تبدیلی دونوں ایک ہی سکے کے رخ ہیں۔

ہر بچہ دو انسانوں سے پیدا ہوتا ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک دو دو سے پیدا ہوا ہے۔ اس طرح اگر ہم پیچھے کو چلتے رہیں تو اس بے انت سلسلے میں ہمیں آگے کی ساری رشتگی کے پیچ اور اس کے سبب مل جاویں گے۔ دنیا میں کوئی یزنی نہیں ہے۔ سب ایک مہوں ہیں اور سب میں ایک ہے۔ اس لئے موروثی پن اور اگاتر تبدیلی دونوں ایک ہی سکے کے رخ ہیں۔

دنیا کی لٹی اور پرانی سب تہذیبوں نے کسی نہ کسی وقت ان چار قسم کے آدمیوں اور قوتوں کے ان دونوں قوتوں کو اہ میں رکھ کر ہی سماج کا سنگین کیا ہے۔ اگر ہم دھیان سے کہیں تو جہاں تک ان اصولوں کو نگاہ میں رکھ کر سماج کا سنگین کیا گیا ہے وہاں تک ہی وہ تہذیبیں کامیاب اور خوشحال ہیں۔ ہندوستان کی پرانی تہذیب نے اس اصول کو اچھی طرح سمجھا تھا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید اس لئے ہندوستان کی پرانی تہذیب، ایک چینی تہذیب کو بوز کر، شاید سب سے زیادہ دنوں تک زندہ اور پھلتی پھولتی رہی۔ جب سے ہماری اس تہذیب کے آگے اس کے رکش اور شک آدھک سوار تھی اور خود غرض ہو گئے اور انہوں نے اس فرقوں کو حد سے زیادہ بڑھانا شروع کر دیا، اپنے کو اونچا اور اسیروں کو نیچا کہنے لگے، موروثی پن کے اصول سے غلط فائدہ لے کر اپنے کو سدا اونچا اور نیچے والوں کو سدا نیچا ٹھہرائے اور شخصی آزادی اور بدلتے اصولوں کو زبردستی دبانے کی کوشش کرتے رہے تب ہی سے ہندوستانی سمجھتا نہیں گزرت لگی۔ ہماری سمجھتا ابھی تک بالکل مری نہیں ہے۔ اس کا کارن شاید یہ ہے کہ پرانی روحانیت اور ہندی مانو

دنیا کی لٹی اور پرانی سب تہذیبوں نے کسی نہ کسی وقت ان چار قسم کے آدمیوں اور قوتوں کے ان دونوں قوتوں کو اہ میں رکھ کر ہی سماج کا سنگین کیا ہے۔ اگر ہم دھیان سے کہیں تو جہاں تک ان اصولوں کو نگاہ میں رکھ کر سماج کا سنگین کیا گیا ہے وہاں تک ہی وہ تہذیبیں کامیاب اور خوشحال ہیں۔ ہندوستان کی پرانی تہذیب نے اس اصول کو اچھی طرح سمجھا تھا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید اس لئے ہندوستان کی پرانی تہذیب، ایک چینی تہذیب کو بوز کر، شاید سب سے زیادہ دنوں تک زندہ اور پھلتی پھولتی رہی۔ جب سے ہماری اس تہذیب کے آگے اس کے رکش اور شک آدھک سوار تھی اور خود غرض ہو گئے اور انہوں نے اس فرقوں کو حد سے زیادہ بڑھانا شروع کر دیا، اپنے کو اونچا اور اسیروں کو نیچا کہنے لگے، موروثی پن کے اصول سے غلط فائدہ لے کر اپنے کو سدا اونچا اور نیچے والوں کو سدا نیچا ٹھہرائے اور شخصی آزادی اور بدلتے اصولوں کو زبردستی دبانے کی کوشش کرتے رہے تب ہی سے ہندوستانی سمجھتا نہیں گزرت لگی۔ ہماری سمجھتا ابھی تک بالکل مری نہیں ہے۔ اس کا کارن شاید یہ ہے کہ پرانی روحانیت اور ہندی مانو

دنیا کی لٹی اور پرانی سب تہذیبوں نے کسی نہ کسی وقت ان چار قسم کے آدمیوں اور قوتوں کے ان دونوں قوتوں کو اہ میں رکھ کر ہی سماج کا سنگین کیا ہے۔ اگر ہم دھیان سے کہیں تو جہاں تک ان اصولوں کو نگاہ میں رکھ کر سماج کا سنگین کیا گیا ہے وہاں تک ہی وہ تہذیبیں کامیاب اور خوشحال ہیں۔ ہندوستان کی پرانی تہذیب نے اس اصول کو اچھی طرح سمجھا تھا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید اس لئے ہندوستان کی پرانی تہذیب، ایک چینی تہذیب کو بوز کر، شاید سب سے زیادہ دنوں تک زندہ اور پھلتی پھولتی رہی۔ جب سے ہماری اس تہذیب کے آگے اس کے رکش اور شک آدھک سوار تھی اور خود غرض ہو گئے اور انہوں نے اس فرقوں کو حد سے زیادہ بڑھانا شروع کر دیا، اپنے کو اونچا اور اسیروں کو نیچا کہنے لگے، موروثی پن کے اصول سے غلط فائدہ لے کر اپنے کو سدا اونچا اور نیچے والوں کو سدا نیچا ٹھہرائے اور شخصی آزادی اور بدلتے اصولوں کو زبردستی دبانے کی کوشش کرتے رہے تب ہی سے ہندوستانی سمجھتا نہیں گزرت لگی۔ ہماری سمجھتا ابھی تک بالکل مری نہیں ہے۔ اس کا کارن شاید یہ ہے کہ پرانی روحانیت اور ہندی مانو

دنیا کی لٹی اور پرانی سب تہذیبوں نے کسی نہ کسی وقت ان چار قسم کے آدمیوں اور قوتوں کے ان دونوں قوتوں کو اہ میں رکھ کر ہی سماج کا سنگین کیا ہے۔ اگر ہم دھیان سے کہیں تو جہاں تک ان اصولوں کو نگاہ میں رکھ کر سماج کا سنگین کیا گیا ہے وہاں تک ہی وہ تہذیبیں کامیاب اور خوشحال ہیں۔ ہندوستان کی پرانی تہذیب نے اس اصول کو اچھی طرح سمجھا تھا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید اس لئے ہندوستان کی پرانی تہذیب، ایک چینی تہذیب کو بوز کر، شاید سب سے زیادہ دنوں تک زندہ اور پھلتی پھولتی رہی۔ جب سے ہماری اس تہذیب کے آگے اس کے رکش اور شک آدھک سوار تھی اور خود غرض ہو گئے اور انہوں نے اس فرقوں کو حد سے زیادہ بڑھانا شروع کر دیا، اپنے کو اونچا اور اسیروں کو نیچا کہنے لگے، موروثی پن کے اصول سے غلط فائدہ لے کر اپنے کو سدا اونچا اور نیچے والوں کو سدا نیچا ٹھہرائے اور شخصی آزادی اور بدلتے اصولوں کو زبردستی دبانے کی کوشش کرتے رہے تب ہی سے ہندوستانی سمجھتا نہیں گزرت لگی۔ ہماری سمجھتا ابھی تک بالکل مری نہیں ہے۔ اس کا کارن شاید یہ ہے کہ پرانی روحانیت اور ہندی مانو

دروہوں، گھڑیوں، مہینوں جیسی چیزوں کی پوجا لوگوں کے دماغوں کو گمراہ کر دیتی ہے، ان کی ارادے کی شکی کو کمزور کر دیتی ہے، ان کے اندر سچے کے خلاف اندر وشواس پر دیتی ہے، ان قوموں کو اُنکی کی جگہ اُنکی اور برہمن کی طرف لے جاتی ہے۔

ہندوؤں کے گھر کے دروازوں میں جو "کبھی اور دھاتا" کی پوجا کی جاتی ہے اس سے متعلق کچھ باتیں کرنا چاہیے۔ ہندوؤں کے گھر کے دروازوں میں جو "کبھی اور دھاتا" کی پوجا کی جاتی ہے اس سے متعلق کچھ باتیں کرنا چاہیے۔ ہندوؤں کے گھر کے دروازوں میں جو "کبھی اور دھاتا" کی پوجا کی جاتی ہے اس سے متعلق کچھ باتیں کرنا چاہیے۔ ہندوؤں کے گھر کے دروازوں میں جو "کبھی اور دھاتا" کی پوجا کی جاتی ہے اس سے متعلق کچھ باتیں کرنا چاہیے۔

موروثی پن اور ہر ایک کا اپنا اپنا ڈھانچہ

اس سب کے لیے سماج کو ایک ایسے سنگٹھن یا نیچام کی ضرورت ہے جو مقررہ می ہو اور ساتھ ہی لچلیلا می ہو۔ گھر بچان کیے ہوئے چاروں طرف کے انسان کو گھر کے دو کمانوں کے مابین ہوتے ہیں۔ پہلا موروثی پن کا کمان اور دوسرا ہر ایک کی آزادی کا کمان ہے، اس لیے ہم میں کچھ موروثی پن کا ہونا سواہکار ہے۔ ان کے لیے ہم میں کچھ موروثی پن کا ہونا سواہکار ہے۔ ان کے لیے ہم میں کچھ موروثی پن کا ہونا سواہکار ہے۔

درختوں، پہاڑوں، ندیوں جیسی چیزوں کی پوجا لوگوں کے دماغوں کو گمراہ کر دیتی ہے، ان کی ارادے کی شکی کو کمزور کر دیتی ہے، ان کے اندر سچے کے خلاف اندر وشواس پر دیتی ہے، ان قوموں کو اُنکی کی جگہ اُنکی اور برہمن کی طرف لے جاتی ہے۔

انجیل کے اوپر کے شعبوں میں جو "نئی اور دیوتا" کی چرچا کی گئی ہے اس سے متعلق کچھ باتیں کرنا چاہیے۔ ہندوؤں کے گھر کے دروازوں میں جو "کبھی اور دھاتا" کی پوجا کی جاتی ہے اس سے متعلق کچھ باتیں کرنا چاہیے۔ ہندوؤں کے گھر کے دروازوں میں جو "کبھی اور دھاتا" کی پوجا کی جاتی ہے اس سے متعلق کچھ باتیں کرنا چاہیے۔

موروثی پن اور ہر ایک کا اپنا اپنا ڈھانچہ

اس سب کے لیے سماج کو ایک ایسے سنگٹھن یا نیچام کی ضرورت ہے جو مقررہ می ہو اور ساتھ ہی لچلیلا می ہو۔ گھر بچان کیے ہوئے چاروں طرف کے انسان کو گھر کے دو کمانوں کے مابین ہوتے ہیں۔ پہلا موروثی پن کا کمان اور دوسرا ہر ایک کی آزادی کا کمان ہے، اس لیے ہم میں کچھ موروثی پن کا ہونا سواہکار ہے۔ ان کے لیے ہم میں کچھ موروثی پن کا ہونا سواہکار ہے۔

یہاں پر خالی ہیں یہ سبھی انیسویں کی سوچ ہے۔ یہاں کے لوگ  
اور ان کی طاقت کے کام کرنے کے طریقوں سے کہیں زیادہ  
بے اور مشکل ہیں۔ ان کی طاقتوں کا اثر بہت  
زیادہ اور زیادہ ہے۔

**गीता में लिखा है :-**

”اُسی نے ایک عرصے اور قربانی (بکھری بھلی نفاک) سے  
 ن ہوتی ہے، اُسی سے ناک پیدا ہوتا ہے، ناک سے سب  
 نازوں کو خواہش ملتی ہے... جنسی بدچلتی (ساکر)  
 بدچلتی سے سب بڑھاپا والا سب کو ترک میں ڈھونڈتا  
 ہے۔“

—: ۱۰۰۰ ۱۰۰۰ ۱۰۰۰

**भौलाना रुय ने लिखा है :—**

”جب لوگ رات بتی خیریت دیتا ہند کہہ دیتے ہیں تو اُٹے ہند ہوجاتے ہیں اور جب لوگ شہر کے پیچھے پڑکر بن رہتے ہیں تب مضحکہ اُنہیں چاروں طرف سے ٹھہر رہا ہوتا ہے۔“

انجیل میں بڑے زوردار شہدیں ہیں انہی کو ہدایت کی  
ہے کہ —

”سوآنہ ایک اللہ کے کسی اور کو اپنا دیوتا نہ بنانا، تم کسی ج کی مورتی یا بت بنانے نہ دیکھنا“ چاہے وہ بہت ہوا میں والی کسی چیز کی شکل میں ہو، چاہے دھرتی پر چلنے، کسی جاندار کے روپ میں اور چاہے پانی میں رہنے والے پوانی کی شکل میں۔ تم ایسے کسی بت کے سامنے سر نہ تانا اور نہ اُن کی پوجا سہوا کرنا، کھولتے میں تمہارا ایشور سامنے نہیں بہت قہار کرتے والا ہیں۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں تیسری اور چوتھی دیکھی تک اُن کی اولاد کو، اُن میں کہ جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں، سزا دیتا ہوں اور اُن پر مجھ سے پڑے کرتے ہیں اور میرے حکم ماتقہ میں دیا دیکھنا

(20 Exodus انجیل)

انجیل کی یہ ہدایت دہلیان سے مستحکم کی چیز ہے۔ یہ  
 ہے کہ کبھی نہیں مروتوں کے پوجانے والوں میں سے کسی  
 سبک کی پہری شرمنا آس کا ہر دست و ہولوں آس میں اس  
 ح کے ہوا ہوتا دیتا ہے کہ آس کا دل اور فصاح آس پہر کی  
 بی کے اندر ہاتھ پیر دیکھنے لگتا ہے۔ وہ مروتی آس جاندار  
 لوم ہونے لگی ہے آس سے بڑھنے لگی ہے اور مروتی دیر کے لئے  
 کی انہی دل کی حالت کے آسوار آس کے لئے سچا  
 لکھنا سچا مروتی میں جاتی ہے۔ یہ کوئی انہی بات  
 میں ہے۔ آخر آس سب کے اندر ہے۔ خدا ہر چیز میں  
 ہوتا ہے اندر میں ہے۔ آس کی ہونا ہوتی ہے  
 یا انہی دیکھنے پر جس طرح کی مروتی ہوتا  
 ہوتا ہوتا ہوتا ہے یا آس سے مروتی ہوتی

ट्रेड गिल्ड करती हैं, पर हमारे यहां शोके ही दिनों के अन्दर पेशे या काम से उर्नका कोई सम्बन्ध नहीं रह गया, यहां तक कि आजकल सिवाय एक पुरोहिताई के काम के बाक़ी सब काम सब जातियों के लोग बिना किसी फ़र्क के करते हैं, केवल एक पुरोहिताई का काम अब ऐसा रह गया है जिस पर ब्राह्मण जाति में पैदा हुए लोगों का इजारा चला आता है, वह इजारा भी अब धीरे धीरे ख़त्म हो रहा है.

नई पीढ़ी के लोग नई रोशनी और नई जरूरतों के असर में देश की इस बुराई को समझते जा रहे हैं। देश से बाहर की हवाई भी अपना काम कर रही हैं। पुराने बन्धन टूट रहे हैं, पर अभी बहुत धीरे। इन बन्धनों के तोड़ने में हमारे सामने लक्ष्य या मक़सद, बेलंगाम छूट या केवल भोग विलास नहीं होना चाहिये। हमारे सबके सामने लक्ष्य होना चाहिये समाज की और सब की असली और टिकाऊ भलाई।

इसका यह मतलब नहीं कि हमारा देश दुनिया के और देशों से अधिक गिरा हुआ है। कोई देश किसी एक बात में गिरा हुआ है तो कोई किसी दूसरी बात में। इस मामले में सब जगह सुधार की जरूरत और गुंजाइश है। इन मामलों में टिकाऊ सुधार तब ही हो सकता है जब दुनिया के बच्चों को शिक्षा देने वाले हर लड़के और लड़की के स्वाभाविक 'हममान' उसकी तबियत और क्राबलियत को ठीक ठीक समझ कर उसी के अनुसार हर एक को तालीम दें और उसी के अनुसार शुरू से हर एक का पेशा और काम तय किया जावे और शिक्षा ख़तम होने पर उन्हें वैसा ही काम सौंपा जावे। इसके लिये ख़ास समाजी संगठन की जरूरत है।

## रोटी का सवाल और जिन्सी सवाल

रोटी का सबाल और जिन्सी सबाल इन दो पर ही आधमी की सारी जिन्दगी चलती है. इन्हें ठीक ठीक हल करना और ठीक क्राबू में रखना हर देश के रहने वालों के लिये जरूरी है. इसके लिये मुनासिब नियम और कानून होने चाहियें जिनका तोड़ना सबसे बड़ा जुर्म समझा जावे. मां का दिल और मां का शरीर इन्सानो समाज की सबसे पाक चीज है. यही बिधाता का सबसे बड़ा मन्दिर है. जो देश इस मन्दिर का गन्वा करने की या दुख पहुचाने की अपने लोगों को इजाजत देता है उस पर मनु के शब्दों में— "ईश्वर की तरफ से बिजली गिरती है." यह बिजली या तो दिलों और विमारों के बिगड़ने की शकल में दिखाई देती है या बीमारियों, महामारियों, जंगों, भूचालों, बाढ़ों, आकालों और ज्वालामुखियों के फूटने की शकल में दिखाई देती है. इनमें से कई तरह की आफतों का सम्बन्ध आधमी के कामों से आदिरा दिखाई नहीं देता. लेकिन इस सम्बन्ध से इनकार नहीं किया जा सकता. इस्लामी और ख्रिस्तीनो लहरे जिस तरह काम करती हैं और मादी दुनिया

فریاد گنگ کرتی ہیں۔ پر ہمارے یہاں تھوڑے ہی دنوں کے اندر پتہ  
یا کام سے اُن کا کوئی سہارا نہیں رہ گیا۔ یہاں تک کہ اُن کا  
سوالنامہ ایک پورھتائی کے کام کے ہائی سب کام سب پڑا ہوں  
کے لوگ بقا کسی فرق کے کرتے ہوں۔ کھول ایک پورھتائی  
کا کام اب ایسا رہ گیا ہے جس پر براہین جاتی ہیں پیدا  
ہونے لوگوں کا اِجارا چل آتا ہے۔ وہ اِجارا بھی اب دھڑلے دھڑلے  
ختم ہو رہا ہے۔

نئی پڑھائی کے لوگ تئی روشنی اور نئی ضرورتوں کے اثر  
میں دیہات کی اس ہوائی کو سمجھتے جا رہے ہیں۔ دیہات  
میں پڑھائی کی ہوائیں تھی اپنا کام کر رہی ہیں۔ پرانے ہندو  
توتے رہے ہیں، پر ابھی بہت دھیرے۔ ان ہندوؤں کے توتے  
میں ہمارے سامنے لکھی یا مقصد ہے اقام چھوٹ یا کھول بیوک  
ولاس نہیں ہونا چاہئے۔ ہمارے سب کے سامنے لکھی ہونا  
چاہئے سماج کی اور سب کی اصلی اور نکال بھائی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارا دیس دنیا کے اور دیسوں سے ادھک گرا ہوا ہے۔ کوئی دیس کسی ایک بات میں گرا ہوا ہے تو کوئی کسی دوسری بات میں۔ اس معاملے میں سب جگہ سدھار کی ضرورت اور گنجائش ہے۔ ان معاملوں میں لگاؤ سدھار تب ہی ہو سکتا ہے جب دنیا کے بچوں کو شکشا دینے والے بزرگے اور اڑکی کے سراپاوارک 'رجحان' اس کی طبیعت اور قابلیت کو تھیک تھیک سمجھ کر اسی کے انوسار ہر ایک کو تداہم دیں اور اسی کے انوسار شروع سے ہر ایک کا پیشہ اور کام طے کیا جاوے اور شکشا حتم ہونے پر انہیں ویسا ہی کام سونپا جاوے۔ اس کے لئے خاص سماجی سنگتھوں کی ضرورت ہے۔

دینی کا سوال اور جنسی سوال

روٹی کا سوال اور جنسی سوال ان دو پر ہی آدمی کی ساری زندگی چلتی ہے۔ انہیں تھک تھک حل کرنا اور تھک فابو میں رہنا ہر دہش کے رہنے والوں کے لئے ضروری ہے۔ اس کے لئے مناسب نیم اور دھن ہونے چاہئیں جن کا تھونا سب سے بڑا حرم سمجھا جاوے۔ ماں کا دل اور ماں کا شریہ انسانی سماج کی سب سے پاک چیز ہے۔ یہی دھنفا کا سب سے بڑا مدبر ہے۔ جو دہش اس مندر کو گندا کرنے کی یا دنگ پھونچانے کی اپنے لوگوں کو اجازت دیتا ہے اس پر منو کے شہدوں میں—

”اشہور کی طرف سے بھائی گرتی ہے۔“ یہ بھلی یا تو دلوں اور دماغوں کے بگڑنے کی شکل میں دکھائی دیتی ہے یا ہمارے اہل بیت میں۔ جنہوں نے بھائیوں، باپوں، اکاؤں اور جواں لکھوں کے ساتھ کی شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ ان میں سے شی طرح کی افقوں کا سمندر آدمی کے کمرے سے ظاہر دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن اس سمندر سے نکل نہیں کیا جاسکتا۔ اخلاقی اور روحانی لہریں اس طرح کام کرتی ہیں اور مادی دنیا

रखना है तो पाक साफ खाना खाना चाहिये, शुद्ध जल पीना चाहिये, ऐसे लोगों के साथ बैठकर खाना पीना चाहिये जिन की आदतें अच्छी और जिन से हमारी तबियतें मिलती हों। विवाह भी ऐसे लोगों में ही होना चाहिये जिन के स्वभाव, विचार, शौक और तबियतें मिलती हों। पर यह बात नासमझ और स्वार्थी लोगों के हाथों में उलटी हो जाती है। समय के साथ साथ पुरानी अच्छी से अच्छी चीज भी सब जाती है और नुकसान करने लगती है।

दूसरे देशों में तो लोगों ने केवल अपने एक राजा या एक पुरोहित के बारे में यह विचार बना लिया कि उसे ईश्वरी अधिकार मिला हुआ है। हमने इस देश में लाखों आदमियों की एक पूरी जाति के बारे में यह मान लिया कि भगवान ने जन्म से ही उन्हें दूसरों से ऊंचा और दूसरों पर हुकुम चलाने का हक्कदार बना दिया है। और जब यह लोग जन्म से ऊंचे हो गए तो बाक़ी लाखों करोड़ों लोग जन्म से ही नीच समझे जाने लगे। हमने मान लिया कि उन्हें भगवान ने इन ऊपर वालों की सेवा करने और उनका हुकुम मानने के लिये ही बनाया है। वस्त्रकारों, किसानों, मजदूरों सब की हमने यही दुर्गत कर डाली। यहां तक कि अमरीका के ह्वशी गुलामों की तरह हमने देश के लाखों और करोड़ों मर्द औरतों को और पीढ़ी दर पीढ़ी उनकी औलाद को हमेशा के लिये शूद्र, अछूत और अन्त्यज करारा दे दिया। नतीजा यह हुआ कि साइन्स और समझ की जगह हम कहीं अधिक अन्ध विश्वासों, नासमझी और गन्दगी में फँसते चले गए।

हम गन्दे और बीमार लोगों के हाथों का पका हुआ नापाक खाना खाते हैं केवल इसलिये क्योंकि पकाने वाला उसी जाति का है जिसके हम हैं। हमारे यहां रोज बेमेल और बेतुकी शादियां होती रहती हैं क्योंकि लड़का और लड़की दोनों की जात का नाम एक है। हम इस तरह की शादियों को 'सर्वर्न' कहते हैं जिसका मतलब यह है कि लड़का और लड़की दोनों एक वर्न के हैं। असल में यह सब शादियां अधिकतर 'अवर्न' होती हैं। संस्कृत क्रायदे से 'वर्न' शब्द के तीन मानी हैं :—एक वह चीज जो समाज के अन्दर किसी आदमी की रोजी, उसके पेशे या उसकी जगह को बयान करे, दूसरे वह चीज जिसे कोई आदमी खुद अपने लिये चुने या पसन्द करे। इसमें पेशा भी आ सकता है, तीसरे वह चीज जो किसी आदमी को ढके हो, जैसे उसका रंग बरौत, 'वर्न' शब्द के मानी किसी तरह भी जन्म की जात नहीं होते।

अधिकतर जातों और उम्मातों के नाम, पेशों और वर्गों पर हैं। हो सकता है शुरु में इस तरह की जातों ने बड़ काम किया हो जो आजकल दुनिया में ब्रेड बुनिवर्न का

काम है तो पाक साफ खाना खाना चाहिये, शुद्ध जल पीना चाहिये, ऐसे लोगों के साथ बैठकर खाना पीना चाहिये जिन की आदतें अच्छी और जिन से हमारी तबियतें मिलती हों। विवाह भी ऐसे लोगों में ही होना चाहिये जिन के स्वभाव, विचार, शौक और तबियतें मिलती हों। पर यह बात नासमझ और स्वार्थी लोगों के हाथों में उलटी हो जाती है। समय के साथ साथ पुरानी अच्छी से अच्छी चीज भी सब जाती है और नुकसान करने लगती है।

दूसरे देशों में तो लोगों ने केवल अपने एक राजा या एक पुरोहित के बारे में यह विचार बना लिया कि उसे ईश्वरी अधिकार मिला हुआ है। हमने इस देश में लाखों आदमियों की एक पूरी जाति के बारे में यह मान लिया कि भगवान ने जन्म से ही उन्हें दूसरों से ऊंचा और दूसरों पर हुकुम चलाने का हक्कदार बना दिया है। और जब यह लोग जन्म से ऊंचे हो गए तो बाक़ी लाखों करोड़ों लोग जन्म से ही नीच समझे जाने लगे। हमने मान लिया कि उन्हें भगवान ने इन ऊपर वालों की सेवा करने और उनका हुकुम मानने के लिये ही बनाया है। वस्त्रकारों, किसानों, मजदूरों सब की हमने यही दुर्गत कर डाली। यहां तक कि अमरीका के ह्वशी गुलामों की तरह हमने देश के लाखों और करोड़ों मर्द औरतों को और पीढ़ी दर पीढ़ी उनकी औलाद को हमेशा के लिये शूद्र, अछूत और अन्त्यज करारा दे दिया। नतीजा यह हुआ कि साइन्स और समझ की जगह हम कहीं अधिक अन्ध विश्वासों, नासमझी और गन्दगी में फँसते चले गए।

हम गन्दे और बीमार लोगों के हाथों का पका हुआ नापाक खाना खाते हैं केवल इसलिये क्योंकि पकाने वाला उसी जाति का है जिसके हम हैं। हमारे यहां रोज बेमेल और बेतुकी शादियां होती रहती हैं क्योंकि लड़का और लड़की दोनों की जात का नाम एक है। हम इस तरह की शादियों को 'सर्वर्न' कहते हैं जिसका मतलब यह है कि लड़का और लड़की दोनों एक वर्न के हैं। असल में यह सब शादियां अधिकतर 'अवर्न' होती हैं। संस्कृत क्रायदे से 'वर्न' शब्द के तीन मानी हैं :—एक वह चीज जो समाज के अन्दर किसी आदमी की रोजी, उसके पेशे या उसकी जगह को बयान करे, दूसरे वह चीज जिसे कोई आदमी खुद अपने लिये चुने या पसन्द करे। इसमें पेशा भी आ सकता है, तीसरे वह चीज जो किसी आदमी को ढके हो, जैसे उसका रंग बरौत, 'वर्न' शब्द के मानी किसी तरह भी जन्म की जात नहीं होते।

अधिकतर जातों और उम्मातों के नाम, पेशों और वर्गों पर हैं। हो सकता है शुरु में इस तरह की जातों ने बड़ काम किया हो जो आजकल दुनिया में ब्रेड बुनिवर्न का



ہندوؤں کی اس طرح کے خیالات کی بنیاد پر اور نہ ہی ان کے اندر وہی جتنی جتنی گنتی ہوتی گئی۔ اس طرح دیکھ میں ہزاروں جاتیں بن گئیں۔ سب ایک دوسرے سے الگ، جن میں سے ایک سے دوسری میں روٹی پختی کا سمبندھ ہو سکتا تھا اور نہ کوئی ایک سے دوسری میں آ جا سکتا تھا۔ یہی حال اب تک جاری ہے۔ ان سب کو ایک دور میں ہاندھنے والا کیول ایک شبد 'ہندو' رہ گیا ہے جس کا اب سوائے ہندوستانی یا ہندوؤں کے اور کچھ اُرتہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جات یا آپ جات کے آجکل کیول یہ معنی رہ گئے ہیں کہ کچھ گھرانوں کا ایک گروہ ہے جو کیول ایک دوسرے کے ہاتھ کا کھاتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ہی شادی دوا کرتے ہیں۔ دوسری جات والوں کے ساتھ نہ کھاتے ہیں اور نہ ان کے ساتھ شادی دوا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ دوسری جات یا آپ جات واپس کے ہاتھ کا چھو ہوا ہو جتن بھی، ان کے لئے ناپاک ہے۔ اس چھوچھوت کا کارن شروع میں کچھ ہی رہا ہو—ہوسکتا ہے یہ چھوچھوت اس قدر سے شروع ہوئی ہو کہ کوئی کسی کو دھو نہ دے دے—پر اب اس رواج میں کوئی سنجیدگی یا بھلائی کی بات نہیں رہ گئی ہے۔ ہمارے دیش کے آگے بڑھنے میں اس سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

### ہندو ذات بات

سن 1891 کی مردم شماری کے अनुसार ہندوؤں کے اندر کل جاتیوں اور اپجاتیوں کی تعداد دو ہزار تین سو آٹھ تھی۔ اس کے بعد یہی کچھ جاتیں توت کو اور تکرے ہوتی گئیں اور کچھ ایک دوسرے میں ماتی گئیں۔ سن 1931 کی مردم شماری میں سب جاتیوں اور آپ جاتیوں کی ٹھیک ٹھیک گنتی دیکھ کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ راج لکھی جڈوں تک پر اس کا گہرا اور بہت برا اثر پڑا ہے۔ دیش میں سچی اپنا پیدا نہیں ہو پاتی۔ ایمانداری اور قابلیت کو اوپر آئے کا موقع نہیں ملتا۔ یہ ایمانی اور گنتی گت ہندی ہوتی جا رہی ہے۔ دیش سبوں کا دھیان اس ہرائی کی طرف دالے گا ہے، پر ابھی بہت کم۔ لیکھ لے سن 1936 میں جب وہ ہندستان کی مرکزی قانون سبھا کا ممبر تھا ایک قانون الگ الگ جاتوں میں دواہ شادی جائز قرار دینے جانے کا پتہ کیا تھا۔ اس سب سے وہ پلس نہ ہو سکا۔ پر اس کے بعد اس طرح کے قانون پلس ہو چکے ہیں اور کچھ راستے کیلئے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس جات بات کے بنا مئے دیش اپنا اور اتنی کی راہ پر آئے نہیں بڑھ سکتا۔

سائنس اور سنجیدگی دونوں کی یہ مالک ہے کہ ہم ہر کوئی چھو ہر کسی کے ہاتھ سے نہ کھاویں اور نہ ہر کسی کے ساتھ بیٹھ شادی کریں۔ اس سمبندھ میں سنجیدگی اور روٹک سے ہم لپٹا ہو رہی ہے۔ ہمیں سماج کو تندرست

### آجکل کی جات بات

سن 1891 کی مردم شماری کے अनुसार ہندوؤں کے اندر کل جاتیوں اور آپ جاتیوں کی تعداد دو ہزار تین سو آٹھ تھی۔ اس کے بعد یہی کچھ جاتیں توت کو اور تکرے ہوتی گئیں اور کچھ ایک دوسرے میں ماتی گئیں۔ سن 1931 کی مردم شماری میں سب جاتیوں اور آپ جاتیوں کی ٹھیک ٹھیک گنتی دیکھ کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ راج لکھی جڈوں تک پر اس کا گہرا اور بہت برا اثر پڑا ہے۔ دیش میں سچی اپنا پیدا نہیں ہو پاتی۔ ایمانداری اور قابلیت کو اوپر آئے کا موقع نہیں ملتا۔ یہ ایمانی اور گنتی گت ہندی ہوتی جا رہی ہے۔ دیش سبوں کا دھیان اس ہرائی کی طرف دالے گا ہے، پر ابھی بہت کم۔ لیکھ لے سن 1936 میں جب وہ ہندستان کی مرکزی قانون سبھا کا ممبر تھا ایک قانون الگ الگ جاتوں میں دواہ شادی جائز قرار دینے جانے کا پتہ کیا تھا۔ اس سب سے وہ پلس نہ ہو سکا۔ پر اس کے بعد اس طرح کے قانون پلس ہو چکے ہیں اور کچھ راستے کیلئے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس جات بات کے بنا مئے دیش اپنا اور اتنی کی راہ پر آئے نہیں بڑھ سکتا۔

سائنس اور سنجیدگی دونوں کی یہ مالک ہے کہ ہم ہر کوئی چھو ہر کسی کے ہاتھ سے نہ کھاویں اور نہ ہر کسی کے ساتھ بیٹھ شادی کریں۔ اس سمبندھ میں سنجیدگی اور روٹک سے ہم لپٹا ہو رہی ہے۔ ہمیں سماج کو تندرست



خود غرضی اور

انسانی سماج کی چار طرح کی شکلیوں کی چرچا ہم اوپر کر چکے ہیں۔ سودیا، شکاری، راج شکتی، دھن شکتی اور شرم یعنی مختلف مزدوری کی شکتی۔ انسانی سماج کی ادھک تر شکلیوں میں سے پیدا ہوتی ہیں کہ ہم ان چار طرح کی شکلیوں میں سے کس کو اپنی قوم نہیں رکھ سکتے۔ ودیا یعنی علم کی شکتی ہی اکثر دھرم مذہب کی شکتی ہوتی ہے۔ پر جب ودیائی لوگ جو سب کو راہ دکھانے والے ہوتے ہیں ہمارے میں یہ کو دھرم بتانے یا خود راج ستا ہتھیلانے کی سرچشہ لگتے ہیں یا اٹھاجاریں راجاؤں کے ہاتھ کے سامنے بن جاتے ہیں یا ان کے لئے سامنے تھکر کر لے لگتے ہیں، تو یہ شکاری سماج کے لئے بڑھکھ ہونے کی جگہ لغت بن جاتی ہے۔ آج سائنس اور سائنس دانوں کی بھی درگھ ہو رہی ہے۔ غلط استعمال سے اور مسئول نہ رکھنے سے یہی حال دوسری شکلیوں کا ہونا ہے۔

اد ایک تو دیشوں میں صدیوں سے درِ طارح کے لوگوں میں کھینچا تالی اور لڑائی ہوتی رہی ہے۔ ایک راجا یا دنیاوی حاکم اور دوسرے دھارمک گورو یا پنڈت پرہت۔ یورپ کے بیچ کے زمانے یور میں راج شکتی اور دھارمک شکتی کے بیچ کی یہ کھینچا تالی جاری رہی۔ یہ یورپ کے براہمنوں اور چھتریوں کی لڑائی تھی۔ لیکن آج دنیا میں پیسہ کی شکتی نے دنیا یا دھرم اور راج یا ہتھیار دونوں کو نابو میں کر لیا ہے۔ آج دنیا کے براہمن اور چھتری دونوں دیس کے چنگل میں ہیں۔ سائنس اور راج لیتی دونوں آرم نہتی کی ظلم دیں۔ اور اب ایسے معام ہوتا ہے کہ مزدوری کی طاقت پیسہ کی طاقت کو بھی اپنے ناکو میں کرتی جا رہی ہے۔ آگے کی دنیا میں سب سے بڑی شکتی جو سائنس، بہادری، راج کاج اور پیسہ سب پر ماری ہوگی وہ محنت مزدوری کی شکتی ہے۔

اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِن چار طرح کی شکایات میں ہم ٹھیک ٹھیک بدلتے بدلتے نہیں کر پائے، ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ نہیں دے سکے، پہلی اُن میں مستقل یا توڑوں قائم نہیں رہ سکے۔ دوسرے دیکھ میں بھی سیکڑوں برس سے سولہویں صدیوں اور آجاریں نے آدمی سے اُس کی نجی آزادی چھین کر ایک کلم سے دوسرے کلم یا ایک پدے سے دوسرے پدے میں جانے کے دروازے بالکل بند کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نواہوں، خدشات میں اس طرح موزوں پہلی جام کی جالیں ہو گئیں جس طرح دنیا میں آج کہیں نہیں ہیں۔

ایک اور بڑی بات تھی۔ ندری طور پر فیروز شاہ  
نام کے ساتھ ایک اور شخص میں روگ بھی تھا  
تبھی وہ ایک اور شخص کا بھائی تھا۔

انہی نیاہ سے نہیں دیکھتے۔ یہ بھی ایک خاص بات اور بڑی اڑھی بات ہے کہ چین میں یہ لگ بھگ جماعتیں تباہی پائی جنم سے یعنی بڑترک نہیں سمجھی گئیں۔ اسی وجہ سے بھارت کی سی جات پاس کا برا رواج چین میں نہیں رہا۔

### ہندو میں جاتی ہند کا شروع کا روپ

اب ہم یہ دیکھیں کہ ہندو دھرم میں جاتوں کی تقسیم کا روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہ روپ شروع میں جاتی ہند کا شروع کا روپ تھا۔

یہودیوں میں جنہیں 'برہمن'، 'چتری' اور 'وہی' کہا گیا ہے۔  
 یہودیوں میں انہیں 'اولوالعلم'، 'اولوالعتر' اور 'زراع' کہا گیا ہے۔  
 تینوں نام قرآن میں بھی آئے ہیں۔ چوتھی طرح کے لوگوں  
 عربی اور فارسی میں 'مزدور' کہا جاتا ہے۔ انہیں چاروں  
 نام عامل (یا آموز یا مہر) تاجر اور مزدور ہی کہا جاتا ہے۔  
 یہودیوں میں ان چاروں کو 'ایریما'، 'دیریما'، 'خانیما'،  
 'مہولامہرا' کہتے ہیں۔ ان چاروں پارسی شہدوں کے سنسکرت  
 نام ہیں 'اریما'، 'دیریما'، 'خانیما' اور 'مہولامہرا'۔

پارسی دھرم کی کتابوں میں ان چاروں کے اور نام بھی  
 ہیں۔ پارسی دھرم گرنہ 'گاما' میں ان چاروں کی چرچا کرتے  
 ہوئے لکھا ہے کہ:

"وہی، برہمن اور چتری تینوں دنیا کے سب سے بڑے  
 جاتے ہیں۔ ایشور کوہ ہمارے وہی کہی سست یا کھل نہ  
 ہوں، ہمارے چتری کہی آدھک خوشگوار یا تلہ نہ ہوں،  
 ہمارے برہمن کہی آہرہ اور جھل نہ ہوں، ہمارے شجر جو  
 سب کی سپوا کرتے ہوں کہی ہست نہ ہاویں۔ بڑے وقتوں  
 میں جب دشمنی حملہ کرتا ہے تو ہمارے برہمن یا ہمارے وہی  
 یا کرسمتے ہیں؟ اس سب سے ہمارے چتری ہی بھوکوں کی مدد  
 ہماری رکھا کرسمتے ہیں۔"

انگلیش میں ابھی تھوڑے دن پہلے تک وہاں کے لوگ اپنے  
 دیش کے لوگوں کی تین جماعتیں گنایا کرتے تھے۔ ایک کرجی  
 ملی پادری، دوسرے ٹوبیلیٹی یعنی لڑکے خاندان کے لوگ، تیسرے  
 سس یعنی عام لوگ۔ اب ان میں ایک چوتھی جماعت اور  
 بر گئی ہے وہ ہے پروٹیسٹنٹ یعنی زوروں اور دستاروں  
 کی جماعت۔

یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی آبادی کے ایک بگ  
 کی طرح کے بتوارے ہیں۔

جاپان میں کچھ دنوں پہلے تک چار جماعتیں گنی جاتی  
 تھیں۔ ایک 'کیوگے' یعنی سرراٹ کے خاندان کے لوگ اور درباری  
 میر امرا، دوسرے 'ہوشی' اور 'سہورائی' یعنی چتری اور  
 ہیکری بدھ کے لوگ، تیسرے 'ہی می' یعنی عام لوگ اور  
 چوتھے 'ایٹا' اور 'ہی ٹن' یعنی وہ لوگ جو بالکل عمارت کے  
 دیوتوں کے ساتھ سمجھے جاتے تھے۔

چین میں بھی کچھ دنوں پہلے تک چار جماعتیں گنی  
 جاتی تھیں۔ وہاں سب سے اوپر دیوان لوگ تھے جن میں  
 دیوانی افسر بھی شامل تھے۔ دوسرے درجے پر کسان، تیسرے  
 درجے پر دستکار اور چوتھے درجے پر سوداگر و بازاری۔ یہ ایک عجیب  
 بات تھی کہ ہر گز چینی میں سپاہیوں کی کوئی خاص جگہ نہیں  
 تھی۔ چینی میں سپاہیوں کو ہتھیار لگتے تھے اور 'انچو'،  
 جماعت کی طرح سمجھا گیا تھا۔ چینی جاپانی کی لڑائی کے جو بہت  
 دنوں پہلے چینی دیش سپاہی کی قمر کو مڑھا دیا پھر بھی ہاتھ  
 نہیں دھوئے تھے۔ چینی لوگ سپاہی سے اس پسند میں اور لڑائی کو

چین میں بھی کچھ دنوں پہلے تک چار جماعتیں گنی  
 جاتی تھیں۔ وہاں سب سے اوپر دیوان لوگ تھے جن میں  
 دیوانی افسر بھی شامل تھے۔ دوسرے درجے پر کسان، تیسرے  
 درجے پر دستکار اور چوتھے درجے پر سوداگر و بازاری۔ یہ ایک عجیب  
 بات تھی کہ ہر گز چینی میں سپاہیوں کی کوئی خاص جگہ نہیں  
 تھی۔ چینی میں سپاہیوں کو ہتھیار لگتے تھے اور 'انچو'،  
 جماعت کی طرح سمجھا گیا تھا۔ چینی جاپانی کی لڑائی کے جو بہت  
 دنوں پہلے چینی دیش سپاہی کی قمر کو مڑھا دیا پھر بھی ہاتھ  
 نہیں دھوئے تھے۔ چینی لوگ سپاہی سے اس پسند میں اور لڑائی کو

پارسی دھرم کی کتابوں میں ان چاروں کے اور اور  
 نام بھی آتے ہیں۔ پارسی دھرم ग्रन्थ 'گاما' میں ان چاروں کی  
 چرچا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:—

"وہی، برہمن اور چتری تینوں دنیا کے سب سے بڑے  
 جاتے ہیں۔ ایشور کوہ ہمارے وہی کہی سست یا کھل نہ  
 ہوں، ہمارے چتری کہی آدھک خوشگوار یا تلہ نہ ہوں،  
 ہمارے برہمن کہی آہرہ اور جھل نہ ہوں، ہمارے شجر جو  
 سب کی سپوا کرتے ہوں کہی ہست نہ ہاویں۔ بڑے وقتوں  
 میں جب دشمنی حملہ کرتا ہے تو ہمارے برہمن یا ہمارے وہی  
 یا کرسمتے ہیں؟ اس سب سے ہمارے چتری ہی بھوکوں کی مدد  
 ہماری رکھا کرسمتے ہیں۔"

ہنگلینڈ میں ابھی تھوڑے دن پہلے تک وہاں کے لوگ اپنے  
 دیش کے لوگوں کی تین جماعتیں گنایا کرتے تھے۔ ایک کرجی  
 ملی پادری، دوسرے ٹوبیلیٹی یعنی لڑکے خاندان کے لوگ، تیسرے  
 سس یعنی عام لوگ۔ اب ان میں ایک چوتھی جماعت اور  
 بر گئی ہے وہ ہے پروٹیسٹنٹ یعنی زوروں اور دستاروں  
 کی جماعت۔

یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی آبادی کے ایک بگ  
 کی طرح کے بتوارے ہیں۔

جاپان میں کچھ دنوں پہلے تک چار جماعتیں گنی جاتی  
 تھیں۔ ایک 'کیوگے' یعنی سرراٹ کے خاندان کے لوگ اور درباری  
 میر امرا، دوسرے 'ہوشی' اور 'سہورائی' یعنی چتری اور  
 ہیکری بدھ کے لوگ، تیسرے 'ہی می' یعنی عام لوگ اور  
 چوتھے 'ایٹا' اور 'ہی ٹن' یعنی وہ لوگ جو بالکل عمارت کے  
 دیوتوں کے ساتھ سمجھے جاتے تھے۔

چین میں بھی کچھ دنوں پہلے تک چار جماعتیں گنی  
 جاتی تھیں۔ وہاں سب سے اوپر دیوان لوگ تھے جن میں  
 دیوانی افسر بھی شامل تھے۔ دوسرے درجے پر کسان، تیسرے  
 درجے پر دستکار اور چوتھے درجے پر سوداگر و بازاری۔ یہ ایک عجیب  
 بات تھی کہ ہر گز چینی میں سپاہیوں کی کوئی خاص جگہ نہیں  
 تھی۔ چینی میں سپاہیوں کو ہتھیار لگتے تھے اور 'انچو'،  
 جماعت کی طرح سمجھا گیا تھا۔ چینی جاپانی کی لڑائی کے جو بہت  
 دنوں پہلے چینی دیش سپاہی کی قمر کو مڑھا دیا پھر بھی ہاتھ  
 نہیں دھوئے تھے۔ چینی لوگ سپاہی سے اس پسند میں اور لڑائی کو

کام ہوں، آس پاس کا پانی اور ہوا ساںف رہے، بیماریاں  
کام ہوں، مینا اور گندگی خاؤ کے کام آئے اور اسی طرح  
تارکے کے سب کے بیلانی کے کام، یہی اس زمانے میں دیوتاؤں  
کا قرضہ ادا کرنے کے کام ہیں۔ دوسرا قرضہ ادا کرنے  
کا طریقہ ہے اچھے بچے پیدا کرنا اور انہیں پالنا اور اچھی  
تعلیم دینا۔ تیسرا قرضہ ادا کرنے کے لئے ہمیں عام بات میں  
کا دوسروں کو دان دینا چاہئے اور عالموں کو اس بات میں  
مدد دینی چاہئے کہ وہ دوسروں کو عام سکھائیں۔ ہمارا یہ  
یہی فرض ہے کہ دنیا کے اس وقت تک کے علم اور گناہ کو  
بڑھانے میں مدد دیں۔ چوتھا قرضہ ادا کرنے کے لئے خاص  
عمر آئے کے بعد ہمیں معمولی دھنداری اور کنبہ پروری سے  
اگ ہو کر آتما میں دھیان لگانا چاہئے، سب کی آتما کو  
اپنی آتما سے جھٹکا چاہئے اور پورے دل سے لگاتار سب کا برا  
چھٹکا اور چاہنا چاہئے۔

اوپر جو کئی طرح کی چوکریاں گنائی گئی ہیں۔ ان میں  
سے ہر چار ایک دوسرے سے جڑی ہوئی اور ایک دوسرے پر  
نرمیز ہیں۔ ان میں ایک دوسرے کے ساتھ ویسا ہی سمبندھ  
ہے جیسا ہمارے بدن کے اندر سر، ہاتھ، دھڑ اور ٹانگوں میں۔  
چاروں کو مل کر ایک پورا آدمی بنتا ہے۔ ایسے ہی پورا سماج  
ان سب کو مل کر بنتا ہے۔ اسی طرح ان چاروں میں سے ہر  
ایک کی بہت سی شاخیں ہیں اور بہت ہار تو کسی پدھے  
یا کام کی بابت یہ طے کرنا نہیں مشکل ہو جاتا ہے کہ اُسے  
چاروں میں سے کس کے اندر گنا چاہوے۔ ہم اس طرح کے  
جنگم ہوارے کرتے ہیں وہ سب کیوں اس لئے کر لیتے ہیں تاکہ  
سماج کا کام آسانی سے چل سکے۔

تھوڑے سے شعبوں میں ویدک جاتی پید کی یہی اصلیت  
ہے اور یہی آئن کی بنیاد ہے۔ ویدوں میں اسے وین اشرم دھرم  
کہا گیا ہے، یعنی یہ کہ انسانی سماج میں چار وین ہوتے ہیں  
یعنی چار طرح کے کام اور چار طرح کے کام کرنے والے۔ براہمن،  
چھتری، ویش اور شدر، اور ہر آدمی کے چھترن کے چار حصے  
ہوتے ہیں۔ براہمنچاری یعنی طالب علم، گریستہ یعنی خانہ دار،  
وان پرستہ یعنی بنا تاختواہ کا دنیا کا خادم، اور سنہاسی یا  
تارکہ اندھا یعنی سب کو دلائل خبر اور تھک اپدیش دینے والا۔

#### دوسرے دیشوں میں اس طرح کی تقسیم

دوسرے سب دھرموں اور دیشوں میں بھی اس سے ملے  
جگہ و چار موجود ہیں۔ سب نے اپنے اپنے یہاں کے انسانوں کی  
اسی طرح کی تقسیمیں کی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ کسی نے ایک  
طرح اور کسی نے دوسری طرح۔ کسی نے ایک پدھے والے کو  
ویدک پروری اور ارنچا مانا ہے اور کسی نے دوسرے پدھے والے کو۔  
کسی نے لوگوں کو ایک جماعت یا ایک پدھے سے دوسری جماعت  
یا دوسرے پدھے میں جانے کی کھلی اجازت دی ہے کسی نے  
نہیں دی۔

دوسرے سب دھرموں اور دیشوں میں بھی اس سے ملے  
جگہ و چار موجود ہیں۔ سب نے اپنے اپنے یہاں کے انسانوں کی  
اسی طرح کی تقسیمیں کی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ کسی نے ایک  
طرح اور کسی نے دوسری طرح۔ کسی نے ایک پدھے والے کو  
ویدک پروری اور ارنچا مانا ہے اور کسی نے دوسرے پدھے والے کو۔  
کسی نے لوگوں کو ایک جماعت یا ایک پدھے سے دوسری جماعت  
یا دوسرے پدھے میں جانے کی کھلی اجازت دی ہے کسی نے  
نہیں دی۔

دوسرے سب دھرموں اور دیشوں میں بھی اس سے ملے  
جگہ و چار موجود ہیں۔ سب نے اپنے اپنے یہاں کے انسانوں کی  
اسی طرح کی تقسیمیں کی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ کسی نے ایک  
طرح اور کسی نے دوسری طرح۔ کسی نے ایک پدھے والے کو  
ویدک پروری اور ارنچا مانا ہے اور کسی نے دوسرے پدھے والے کو۔  
کسی نے لوگوں کو ایک جماعت یا ایک پدھے سے دوسری جماعت  
یا دوسرے پدھے میں جانے کی کھلی اجازت دی ہے کسی نے  
نہیں دی۔

دوسرے سب دھرموں اور دیشوں میں بھی اس سے ملے  
جگہ و چار موجود ہیں۔ سب نے اپنے اپنے یہاں کے انسانوں کی  
اسی طرح کی تقسیمیں کی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ کسی نے ایک  
طرح اور کسی نے دوسری طرح۔ کسی نے ایک پدھے والے کو  
ویدک پروری اور ارنچا مانا ہے اور کسی نے دوسرے پدھے والے کو۔  
کسی نے لوگوں کو ایک جماعت یا ایک پدھے سے دوسری جماعت  
یا دوسرے پدھے میں جانے کی کھلی اجازت دی ہے کسی نے  
نہیں دی۔

دوسرے سب دھرموں اور دیشوں میں بھی اس سے ملے  
جگہ و چار موجود ہیں۔ سب نے اپنے اپنے یہاں کے انسانوں کی  
اسی طرح کی تقسیمیں کی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ کسی نے ایک  
طرح اور کسی نے دوسری طرح۔ کسی نے ایک پدھے والے کو  
ویدک پروری اور ارنچا مانا ہے اور کسی نے دوسرے پدھے والے کو۔  
کسی نے لوگوں کو ایک جماعت یا ایک پدھے سے دوسری جماعت  
یا دوسرے پدھے میں جانے کی کھلی اجازت دی ہے کسی نے  
نہیں دی۔

चौथे सब की सेवा और मदद करना और उसके बदले में ठीक ठीक भण्डारी और मनोरंजन और तालीम के मौके पाना।

इन अलग अलग अधिकारों के अलावा कुछ अधिकार ऐसे भी हैं जो सबके एक बराबर अधिकार हैं, सब की जीवन की आवश्यकताएं पूरी होनी चाहिये और सब को अपनी अपनी योग्यता के अनुसार समाज की तरफ अपना कर्ज पूरा करने के लिये साधन मिलने चाहिये। यह अधिकार हर आदमी के जन्म के अधिकार हैं।

(9) बड़े लोगों के छोटी उम्र के लोगों की तरफ और राज की प्रजा की तरफ चार खास कर्ज हैं—पहला कर्ज है सब को तालीम देना, दूसरा सब की हिफाजत यानी रक्षा करना, तीसरा सब का पेट पालना और सब को खाना, कपड़ा और घर देना और चौथा सब तरह से सब की मदद करना। थोड़े से शब्दों में तालीम, हिफाजत, खाना और सेवा इन चारों का सब को हक है।

(10) चार ही तरह के संगठन हर देश या राज के अन्दर जरूरी हैं जिन से मिल कर एक अच्छा राज बनता है। यह चारों एक दूसरे पर भी निर्भर हैं—पहला तालीम का संगठन, दूसरा राजकाजी और कौजी संगठन, तीसरा आर्थिक संगठन और चौथा उद्योग धन्वों का संगठन।

(11) हर आदमी चार तरह का कर्ज अपने ऊपर लेकर पैदा होता है। इन में सब से पहला कर्ज हम पर देवताओं यानी कुदरत की शक्तियों का है। कुदरत की यह शक्तियां ही हमारे सामने उस दुनिया को पेश करती हैं जिन पर हमारी सारी शिन्दगी और हमारा सारा तजुर्बा निर्भर है। दूसरा कर्ज हमारे उन पुरखों का कर्ज है जिन्होंने हमें पैदा किया और यह जिस्म दिया। तीसरा कर्ज पिछले जमाने के उन सब सन्तों, महात्माओं और विद्वानों का कर्ज है जिन्होंने हमारे लिये ज्ञान का वह भन्डार छोड़ा जो हमें दूसरे जानदारों से अलग करता है और हमारे जीवन को रौनक देता है। चौथा कर्ज उस परमात्मा परमेश्वर का कर्ज है जिससे हमें जीवन की वह चिनगारी मिली जिसे हम रुह या आत्मा कहते हैं।

(12) इन चारों कर्जों को अदा करने के चार तरीके हैं—पहला कर्ज अदा होता है सब के भले के इस तरह के काम करने से जैसे वरक लगाना, जमीनों में फिर से जंगल लगाना, कुएँ, तालाब या नहरें खुदवाना, काम के जानवरों और सुन्दर पशु पक्षियों की रक्षा करना और उन्हें बढ़ाना, हवा को साफ रखना, झुआबूंदार चीजें जलाना, पाक और अच्छी अच्छी किताबें पढ़ना। इन सब बातों से कुदरत का वह सब भन्डार फिर से भरता है जिसे हम काम में लाते हैं। हमारी विमारी ताकतें इससे बढ़ती हैं। हमारी तबियत फिर से ताजा होती है। आजकल के हालात में ऐसी तरीकें खोजना जिनसे धुएँ की मुसीबत कम हो, राहों के शोर बर

चढ़ने से सब की सुआ और मदद करना और उस के बदले में ठीक ठीक भण्डारी और मनोरंजन और तालीम के मौके पाना।

इन अलग अलग अधिकारों के अलावा कुछ अधिकार ऐसे भी हैं जो सबके एक बराबर अधिकार हैं, सब की जीवन की आवश्यकताएं पूरी होनी चाहिये और सब को अपनी अपनी योग्यता के अनुसार समाज की तरफ अपना कर्ज पूरा करने के लिये साधन मिलने चाहिये। यह अधिकार हर आदमी के जन्म के अधिकार हैं।

(9) बड़े लोगों के छोटी उम्र के लोगों की तरफ और राज की प्रजा की तरफ चार खास कर्ज हैं—पहला कर्ज है सब को तालीम देना, दूसरा सब की हिफाजत यानी रक्षा करना, तीसरा सब का पेट पालना और सब को खाना, कपड़ा और घर देना और चौथा सब तरह से सब की मदद करना। थोड़े से शब्दों में तालीम, हिफाजत, खाना और सेवा इन चारों का सब को हक है।

(10) चार ही तरह के संगठन हर देश या राज के अन्दर जरूरी हैं जिन से मिल कर एक अच्छा राज बनता है। यह चारों एक दूसरे पर भी निर्भर हैं—पहला तालीम का संगठन, दूसरा राजकाजी और कौजी संगठन, तीसरा आर्थिक संगठन और चौथा उद्योग धन्वों का संगठन।

(11) हर आदमी चार तरह का कर्ज अपने ऊपर ले कर पैदा होता है। इन में सब से पहला कर्ज हम पर देवताओं यानी कुदरत की शक्तियों का है। कुदरत की यह शक्तियां ही हमारे सामने उस दुनिया को पेश करती हैं जिन पर हमारी सारी शिन्दगी और हमारा सारा तजुर्बा निर्भर है। दूसरा कर्ज हमारे उन पुरखों का कर्ज है जिन्होंने हमें पैदा किया और यह जिस्म दिया। तीसरा कर्ज पिछले जमाने के उन सब सन्तों, महात्माओं और विद्वानों का कर्ज है जिन्होंने हमारे लिये ज्ञान का वह भन्डार छोड़ा जो हमें दूसरे जानदारों से अलग करता है और हमारे जीवन को रौनक देता है। चौथा कर्ज उस परमात्मा परमेश्वर का कर्ज है जिससे हमें जीवन की वह चिनगारी मिली जिसे हम रुह या आत्मा कहते हैं।

(12) इन चारों कर्जों को अदा करने के चार तरीके हैं—पहला कर्ज अदा होता है सब के भले के इस तरह के काम करने से जैसे वरक लगाना, जमीनों में फिर से जंगल लगाना, कुएँ, तालाब या नहरें खुदवाना, काम के जानवरों और सुन्दर पशु पक्षियों की रक्षा करना और उन्हें बढ़ाना, हवा को साफ रखना, झुआबूंदार चीजें जलाना, पाक और अच्छी अच्छी किताबें पढ़ना। इन सब बातों से कुदरत का वह सब भन्डार फिर से भरता है जिसे हम काम में लाते हैं। हमारी विमारी ताकतें इससे बढ़ती हैं। हमारी तबियत फिर से ताजा होती है। आजकल के हालात में ऐसी तरीकें खोजना जिनसे धुएँ की मुसीबत कम हो, राहों के शोर बर



( 5 ) हर आदमी में चार तरह की ही भूक होती है—एक मासूली खाने पीने की भूक, दूसरी धन दौलत जमा करने की भूक, तीसरी जिन्सी भूक ( काम वासना ) और चौथी सेवा समझारी और मनोरंजन की भूक.

इन्हीं कारों के मातहत अलग अलग चार तरह की खुराक भी होती है—एक उन लोगों के लिये जो रूढ़ानी, दिमागी या इत्नी काम में या साइन्स की खोजों में लगे हुए हैं, बिना मेकअप की, हलकी, जल्दी हजम होने वाली, अधिकतर फलों और दूध वाली खुराक जो उनके मन को अधिक चञ्चल न होने दे, दूसरी ताकत और जोश विलाने वाली खुराक उन लोगों के लिये जिनमें हकूमत करनी हो, इन्तज़ाम करना हो, जल्दी कैसले और जल्दी अमल करना हो, यहाँ तक कि सिपाहियों के लिये एक हफ्ते के अन्दर गोश्त भी हो सकता है, तीसरे व्यपादियों के लिये पेट में देर तक ठहरने वाले नाज और दूध की चीजें और चौथे मजदूरों के लिये भारी खाने जिनमें काफी नाइट्रोजन हो ताकि आदमी देर तक मेहत्त कर सके।

इन चारों के लिये चार तरह के अलग अलग सामान की भी जरूरत पड़ती है—जैसे पहली तरह के लोगों के लिये कितायें और साइन्सी खोज का सामान, दूसरी तरह के लोगों लिये इन्जियर और उसी तरह का सामान, तीसरी तरह के लोगों के लिये मशीनें, कारखाने और पैदावार और तिजारत के साधन और चौथी तरह के लोगों के लिये मेहनत मजदूरी के औजार.

यूँ तो हर आदमी में यह चारों तरह की भूक होती है लेकिन किसी में एक चीज का जोर होता है, किसी में दूसरी चीज का. इसीलिये एक प्रोफेसर बन जाता है, दूसरा फौजी कप्तान, तीसरा साहूकार और चौथा चरबाहा या भिल मजदूर.

(४) लोगों में चार तरह की ही इच्छाएँ होती हैं—  
 एक दूसरों से आदर मान की इच्छा, हकूमत की शक्ति या  
 अधिकार की इच्छा, तीसरे धन वौलत की इच्छा और चौथे  
 केवल अपने शरीर के लिये सुख की इच्छा।

(7) हर देश में चार तरह की शक्तियां होती हैं—  
 एक साहज्य की शक्ति, दूसरे क्रोध की शक्ति, तीसरे धन की  
 शक्ति और चौथे मेहनत मजदूरी की शक्ति.

8) चार तरह के ही कर्तव्य यानी कर्ष और उनके मुकाबले के चार तरह के अधिकार यानी हक होते हैं— पहला कर्ष बिना इस्तिस्ल करना और बिना पैलाना और उसके मुकाबले का अधिकार, इच्छत और मान पाना, दूसरा कर्ष जब की शिफायत करना, देश में अमन शान्ति कायम रखना और उसके मुकाबले का हक हकूमत का अधिकार पाना, तीसरा चार तरह के मजदूरी की पैदावार और उसके बंटवारे का अधिकार पाना और उसके मुकाबले में देश के कानूनों के अन्दर रहने हुए काम की प्रियत लेना और मुनासिब नफा कमाना,

(5) ہر آدمی میں چار طرح کی ہی ہوگ ہوتی ہے۔ ایک معمولی کھال پہنے کی ہوگ، دوسری نعن دولت جمع کرنے کی ہوگ، تیسری جنسی ہوگ (کلوئسٹا) اور چوتھی کھال تاشہ آور منہرجن کی ہوگ۔

انہیں چاروں کے مہانتت انگ انگ چار طرح کی خوراک بھی ہوتی ہے۔ ایک اُن لوگوں کے لئے جو روحانی، دماغی یا علمی کام میں یا سائنس کی کھوجوں میں لگے ہوئے ہیں، دنا گوشت کی، ہلکی، جلدی مہم ہونے والی، آدھتر پہلوں اور دودھ والی خوراک جو اُن کے من کو ادھک چھیل نہ ہونے دے، دوسری طانت اور جوش دالنے والی خوراک اُن لوگوں کے لئے جنہیں حکمت کرنی ہو، انتظام کرنا ہو، جلدی فیصلے اور جلدی عمل کرنا ہو، یہاں تک کہ سہلہوں کے لئے ایک حد کے اندر گوشت بھی ہو سکتا ہے، تیسرے وہاں اربوں کے لئے پخت میں دیر تک ٹہرنے والے تاج اور دودھ کی چیزیں اور چوتھے مزدوروں کے لئے بھاری کھانے جن میں کئی لائٹروجن ہو تاکہ آدمی دیر تک مہانت کر سکے۔

ان چاروں کے لئے چار طرح کے الگ الگ سہان کی بھی ضرورت پڑتی تھی۔ جیسے پہلی طرح کے لوگوں کے لئے کھانسی اور سانس کی کھج کا سہان، دوسری طرح کے لوگوں کے لئے ہتھکڑ اور اسی طرح کا سہان، تیسری طرح کے لوگوں کے لئے مشینیں، کارخانے اور پیدوار اور تصحارت کے سامنے اور چوتھی طرح کے لوگوں کے لئے محنت مزدوری کے اوزار۔

• ہوں تو ہر آدمی میں یہ چاروں طرح کی بھوک ہوتی ہے لیکن کسی میں ایک چیز کا زور ہوتا ہے، کسی میں دوسری چیز کا، اسی لئے ایک پروفیسر بن جاتا ہے، دوسرا نوجوان کھانا، تیسرا ساغر اور چوتھا چرواہا یا مل مزدور ۔

(6) لوگوں میں چار طرح کی ہی اچائیں ہوتی ہیں۔ ایک درسوں سے آدمی کی اچھا حکومت کی شگفتگی یا اندھکار کی اچھا، تیسرے دھن دولت کی اچھا اور چوتھے کھول اپنے سرور کے لئے سہ کی اچھا۔

(7) ہر دیکھ میں چار طرح کی شکستیاں ہوتی ہیں۔ ایک سائنس کی شکستی، دوسرے فوج کی شکستی، تیسرے دھن کی شکستی اور چوتھے محفلت مزدوری کی شکستی۔

(۵) چار طرح کے ہی کرتوبہ یعنی فرض اور اُن کے مقابلے کے چار طرح کے اندکار یعنی حق ہوتے ہیں۔ پہلا فرض دینا حاصل کرنا اور دینا پہلانا اور اُس کے مقابلے کا اندکار ہوئے اور مان پانا، دوسرا فرض سب کی حفاظت کرنا، نہی میں ایسی شائستگی قائم رکھنا اور اُس کے مقابلے کا حق حکومت کا اظہار پانا، تیسرے سب طرح کے مال کی پیداوار اور اُس کے ہموار کرنے کا پروگرام کرنا اور اُس کے مقابلے میں نہی کے قانونوں کے اہتمام رکھنا ہوئے۔ چوتھے مال کی قسمت لینا اور منسلب نفع کھانا،





वैदिक धर्म समाज के संगठन का एक ऐसा ढंग पेश करता है जो किना धर्म, मजाहब, क़ौम, नसल या किसी तरह के भेद भाव के दुनिया के सब लोगों और सारी मानव जाति पर लग सके, जिसमें सब तरह के आदमी खप सकें, सबकी अपने अपने स्वभाव और अपनी अपनी योग्यता के अनुसार काम मिल सके, सबकी 'ज़रूरतें' पूरी हो सकें, सबको

جیہوں کا مطلب کیا ہے، دنیا کدھر جا رہی ہے اور انسان اور انسانی سماج دونوں کے جیہوں میں "یشور کی اچھا" کیا ہے۔ تب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا میں آدمی کا فرض کیا ہے اور انسانی سماج کو کس طرح سنبھالنا، سنوارنا، روپ دینا اور چلانے چاہئے، اور سماج میں اور الگ الگ ان انسانوں میں کس طرح کا ناتا ہونا چاہئے، کس کس کے کیا کیا فرض ہونے چاہئیں اور کس کس کو کیا کیا اذیتیں ملنے چاہئیں، تاکہ ہر آدمی ہر حالت میں اپنے فرض کو سمجھ سکے اور پورا کر سکے اور سب کو روحانی اور جسمانی خیر رکھیکر کمال مل سکے۔ تب ہی جیہوں کا ادب اور یشور کی اچھا پوری ہو سکتی ہے۔

کوئی آدمی دنیا میں اکلا نہیں ہوتا۔ وہ کسی گھر میں پیدا ہوتا ہے اور اُس کا گھر کسی نہ کسی دیہ یا سماج کے اندر ہوتا ہے جس میں اُس جیسے بہت سے گھر ہوتے ہیں۔ ہر آدمی کے سکھ دیکھ دوسروں کے سکھ دیکھ کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں۔ کوئی آدمی اپنے جیہن میں نہ ایشور کی اچھا پوری کرسکتا ہے، نہ سنہرے اصول پر عمل کرسکتا ہے، اور نہ اپنا فرض پورا کرسکتا ہے، جب تک کہ وہ گھر یا وہ سماج جس میں وہ رہتا سہتا ہے اِس طرح نہ بنا ہو کہ دنیا میں امن رہے اور سب سکھی اور خوشحال رہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر آدمی کی زندگی اِس طرح نہی اور ہنسی ہوئی ہو کہ ہر آدمی اپنے سوہیاؤ، اپنی یوگتا اور اپنی طبیعت کے آئسار اپنا بھلا اور سماج کی سیوا دینوں کرسکے، اُسے ٹھیک ٹھیک تعلیم مل سکے، تعلیم کے بعد اُسے اور اُس کے گھر والوں کو ٹھیک ٹھیک کام اور ٹھیک ٹھیک روزی مل سکے، ایک خاص عمر ہونے پر وہ روزی کمانے کی مکتلت سے چھٹی پاسکے اور سب کے بچے کا کوئی ایسا کام مفت کرسکے جو اُس کی طبیعت اور قابلیت دونوں کے آئسار ہو، اور اِس سب کے بعد اپنی زندگی کے آخیر دنوں میں، گیان دھیان میں، ساری دنیا کا بھلا چیتنے میں اور سب کو سب کے بچے کے کاموں میں لگانے دیکھنے میں اپنے سے کو لٹکے جس سے اُس کی آتما کو شانتی اور دنیا کو اُس سے لاہ ملے۔ دھرم وہی ہے جو اِس دنیا میں اور اِس کے بعد بھی آدمی کو سکھی دھنے میں مدد دے۔ اب ہم یہ دیکھیں کہ ویدک دھرم اِس ضرورت کو کس طرح پورا کرتا ہے۔

ویدک دھرم سماج کے سنگتوں کا ایک ایسا ڈھنگ  
پیش کرتا ہے جو ہذا دھرم، مذہب، قوم، نسل یا کسی طرح  
کے بھونڈ بھاؤ کے دنیا کے سب لوگوں اور ساری مائو جاتی پر  
لگ سکے، جس میں سب طرح کے آدمی کہیں سکیں،  
سب کو اپنے اپنے سونہاؤ اور اپنی اپنی یوگتا کے آئسوار کام  
مل سکے، سب کی ضرورتیں پوری ہو سکیں، سب کو

سوال یہی رہا ہے کہ یہ دونوں طرح کی خوراکیں سب  
میں کو ٹھیک ٹھیک اور ضرورت کے مطابق کیسے  
لیں۔ سب دھرموں نے اس سوال کو حل کرنے کی کوشش  
کی ہے۔ ہر جب کسی دھرم کے ٹھیکہ داروں اور آچاریوں میں  
توفیق پڑ جاتی ہے تو اس دھرم والوں کا عمل اس بارے میں  
از جاتا ہے اور وہ دھرم کرتے لگتا ہے۔ ہر اس چیز میں جو بددعاؤں  
اور بڑھتی ہے چڑھاؤ کے بعد اتار آنا ضروری ہے۔ پھر ایک نہ ایک  
ن اس کی موت بھی آتی ہے، اور اسی کام کو آدھک اچھی  
رح پورا کرنے کے لئے اس چیز کی جگہ کرنی نئی چیز پڑا  
وگی۔ آتما یا وچار یا اصول وہی رہتا ہے، کھول اور کا شریعہ  
مانجھ یا روپ بدل جاتا ہے۔ یہی حالت دھرموں کی ہوتی  
ہے۔ دھرم کی آتما امر ہے۔ ہر سب دھرموں کے دفاعیہ حالات  
انہیں بدلے رہتے ہیں۔ ہمارا یہ زمانہ سائنس اور مشینوں  
زمانہ ہے، لوگ شاہی اور سماج واد کا زمانہ ہے، دلی کے مقالے  
ہیں یہ دماغ کی ترقی کا زمانہ ہے۔ اسی کے انہیں آجکل کا  
دھرم اور آجکل کے سب فائدے فائز ہونے چاہئیں۔

کھول یہ دعا کرنا کافی نہیں ہے کہ 'ایشور کی اچھا پوری ہو'  
میں اس اچھا کے پورا ہونے میں مدد دینے کے لئے یہ جانے  
ر سمجھنے کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے خاص زمانے  
ر خاص حالات میں ایشور کی اچھا کیا ہے۔ ہم دنیا میں اپنا  
ض پورا کر سکیں اس کے لئے کھول ہمارا فرض پورا کرنے کے لئے  
ہا رہنا ہی ضروری نہیں ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم جانیں  
ر سمجھیں کہ ہمارا فرض کیا ہے۔ یہ مشہور "سنہرا اصول" ہے  
'دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ وہ  
ہمارے ساتھ کریں'۔ بات بہت اچھی ہے، پر اس کے لئے یہ جاننا  
ی ضروری ہے کہ وہ سلوک کیا ہونا چاہئے۔ ہمیں یہ سمجھنا  
چاہئے کہ خاص حالت میں ہمیں اپنے لئے اور دوسروں کے لئے  
چاہنا چاہئے اور کیا نہیں چاہنا چاہئے۔ ہم اس طرح سوچ  
متبکر نہیں چلیں گے تو اچھی سے اچھی نیت رکھتے ہوئے بھی  
نہا میں بدآملی اور گہر پیدا کر دیں گے۔

یہ سمجھ پوری پوری ہمیں دو جگہ سے ملتی ہے۔ ایک  
نہا کے آن گوتھوں سے جو سے سے کے نیک، در، درشی،  
بھی مان اور سب کا بولا چلنے والے اور 'رہیں' نہیں  
مولوں اور مہاتماؤں سے ہمیں ملے ہیں، یعنی ان لوگوں سے ملے  
ہیں جن کے اندر ایشوری جوت چک رہی تھی اور جن کے  
در طرح طرح کی آسائیاں شکتیاں موجود تھیں اور دوسرے ان  
باتوں، باتوں اور سائنس دانوں سے ملتی ہے جن کی آسائیاں  
ہی قدرت کے ہرے سے بڑے بڑوں کو پور کر آہیں انہی کی سیوا  
ن لگا دیتی ہے۔ ان دونوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انسانی

وال یہی رہا ہے کہ یہ دونوں طرح کی خوراکیں سب  
میں کو ٹھیک ٹھیک اور ضرورت کے مطابق کیسے  
لیں۔ سب دھرموں نے اس سوال کو حل کرنے کی کوشش  
کی ہے۔ ہر جب کسی دھرم کے ٹھیکہ داروں اور آچاریوں میں  
توفیق پڑ جاتی ہے تو اس دھرم والوں کا عمل اس بارے میں  
از جاتا ہے اور وہ دھرم کرتے لگتا ہے۔ ہر اس چیز میں جو بددعاؤں  
اور بڑھتی ہے چڑھاؤ کے بعد اتار آنا ضروری ہے۔ پھر ایک نہ ایک  
ن اس کی موت بھی آتی ہے، اور اسی کام کو آدھک اچھی  
رح پورا کرنے کے لئے اس چیز کی جگہ کرنی نئی چیز پڑا  
وگی۔ آتما یا وچار یا اصول وہی رہتا ہے، کھول اور کا شریعہ  
مانجھ یا روپ بدل جاتا ہے۔ یہی حالت دھرموں کی ہوتی  
ہے۔ دھرم کی آتما امر ہے۔ ہر سب دھرموں کے دفاعیہ حالات  
انہیں بدلے رہتے ہیں۔ ہمارا یہ زمانہ سائنس اور مشینوں  
زمانہ ہے، لوگ شاہی اور سماج واد کا زمانہ ہے، دلی کے مقالے  
ہیں یہ دماغ کی ترقی کا زمانہ ہے۔ اسی کے انہیں آجکل کا  
دھرم اور آجکل کے سب فائدے فائز ہونے چاہئیں۔

کھول یہ دعا کرنا کافی نہیں ہے کہ 'ایشور کی اچھا پوری ہو'  
میں اس اچھا کے پورا ہونے میں مدد دینے کے لئے یہ جانے  
ر سمجھنے کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے خاص زمانے  
ر خاص حالات میں ایشور کی اچھا کیا ہے۔ ہم دنیا میں اپنا  
ض پورا کر سکیں اس کے لئے کھول ہمارا فرض پورا کرنے کے لئے  
ہا رہنا ہی ضروری نہیں ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم جانیں  
ر سمجھیں کہ ہمارا فرض کیا ہے۔ یہ مشہور "سنہرا اصول" ہے  
'دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ وہ  
ہمارے ساتھ کریں'۔ بات بہت اچھی ہے، پر اس کے لئے یہ جاننا  
ی ضروری ہے کہ وہ سلوک کیا ہونا چاہئے۔ ہمیں یہ سمجھنا  
چاہئے کہ خاص حالت میں ہمیں اپنے لئے اور دوسروں کے لئے  
چاہنا چاہئے اور کیا نہیں چاہنا چاہئے۔ ہم اس طرح سوچ  
متبکر نہیں چلیں گے تو اچھی سے اچھی نیت رکھتے ہوئے بھی  
نہا میں بدآملی اور گہر پیدا کر دیں گے۔

یہ سمجھ پوری پوری ہمیں دو جگہ سے ملتی ہے۔ ایک  
نہا کے آن گوتھوں سے جو سے سے کے نیک، در، درشی،  
بھی مان اور سب کا بولا چلنے والے اور 'رہیں' نہیں  
مولوں اور مہاتماؤں سے ہمیں ملے ہیں، یعنی ان لوگوں سے ملے  
ہیں جن کے اندر ایشوری جوت چک رہی تھی اور جن کے  
در طرح طرح کی آسائیاں شکتیاں موجود تھیں اور دوسرے ان  
باتوں، باتوں اور سائنس دانوں سے ملتی ہے جن کی آسائیاں  
ہی قدرت کے ہرے سے بڑے بڑوں کو پور کر آہیں انہی کی سیوا  
ن لگا دیتی ہے۔ ان دونوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انسانی

19 JAN 1958

# ہندوستان

جلد 18

دسمبر سن '54

نمبر 6

نمبر 6

دسمبر سن '54

جلد 18

آات آادمی، پرم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پہنچے گا گھر-گھر لیے پرم کی بولی.

جات آدمی، پرم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پہنچے گا گھر-گھر لیے پرم کی بولی.

## ہندو جات پات کی اصلیت، اسکا بورا روپ اور علاج

( ڈاکٹر بھگوانداس )

## ہندو جات پات کی اصلیت، اُس کا بورا روپ اور علاج

( ڈاکٹر بھگوانداس )

### جاتی مہد کی بنیاد

جاتی مہد کی بنیاد

ہندوؤں میں ایک خاص رواج جاتی مہد یا جاتی مہد کا ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ کسی دوسرے دھرم میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ بات ایک درجے تک ٹھیک ہے اور ایک درجے تک غلط۔ دنیا کی ہر سہیذا کا کسی نہ کسی دھرم سے سبب رہا ہے اور ہر سہیذا میں جاتی مہد کے بیج اور اُس کی کچھ نہ کچھ علامتیں ملتی ہیں۔ کیونکہ اس طرح کی تقسیم انسان کے سہاڑ میں شامل ہے۔ ہندو دھرم میں اسی چیز نے ایک صاف صاف اور خاص روپ دھار کر لیا۔ لوگوں کے مال آباد کے لئے، گھریلو چیزوں کو ٹھیک ٹھیک چلانے کے لئے، لوگوں کی رکشا کے لئے، آدمی آدمی کے بیچ انصاف کے لئے اور سارے سماج کو ٹھیک راستے پر رکھنے کے لئے سب دھرموں میں کچھ نہ کچھ قاعدے قانون یا نیم رہے ہیں اور ہر دھرم نے اُن پر اپنے لوگوں سے عمل کرایا ہے۔ انہیں سے طرح-طرح کے ریت رواج پیدا ہوئے ہیں۔ اسی کلم کے لئے ویدک دھرم نے سماج کا ایک ایسا ڈھانچہ تیار کر دیا جس میں انسان اور سماج دونوں کی یہ سب ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ یہی ڈھانچہ ہندوؤں کا جاتی مہد ہے۔

ہندوؤں میں ایک خاص رواج جاتی مہد یا جاتی مہد کا ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ کسی دوسرے دھرم میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ بات ایک درجے تک ٹھیک ہے اور ایک درجے تک غلط۔ دنیا کی ہر سہیذا کا کسی نہ کسی دھرم سے سبب رہا ہے اور ہر سہیذا میں جاتی مہد کے بیج اور اُس کی کچھ نہ کچھ علامتیں ملتی ہیں۔ کیونکہ اس طرح کی تقسیم انسان کے سہاڑ میں شامل ہے۔ ہندو دھرم میں اسی چیز نے ایک صاف صاف اور خاص روپ دھار کر لیا۔ لوگوں کے مال آباد کے لئے، گھریلو چیزوں کو ٹھیک ٹھیک چلانے کے لئے، لوگوں کی رکشا کے لئے، آدمی آدمی کے بیچ انصاف کے لئے اور سارے سماج کو ٹھیک راستے پر رکھنے کے لئے سب دھرموں میں کچھ نہ کچھ قاعدے قانون یا نیم رہے ہیں اور ہر دھرم نے اُن پر اپنے لوگوں سے عمل کرایا ہے۔ انہیں سے طرح-طرح کے ریت رواج پیدا ہوئے ہیں۔ اسی کلم کے لئے ویدک دھرم نے سماج کا ایک ایسا ڈھانچہ تیار کر دیا جس میں انسان اور سماج دونوں کی یہ سب ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ یہی ڈھانچہ ہندوؤں کا جاتی مہد ہے۔

یہ مضمون اتنا گہرا ہے کہ اسے ذرا اور ہلکا سے دیکھنا ہوگا۔ انسانی سماج کو شروع سے سب سے بڑی ضرورت خوراک کی ہوتی ہے۔ خوراک دو طرح کی—ایک روحانی یعنی آتما کی خوراک اور دوسری جسمانی یعنی شریک کی خوراک۔ سماج کے ساتھ ہمیشہ سب سے بڑا

ہندوؤں میں ایک خاص رواج جاتی مہد یا جاتی مہد کا ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ کسی دوسرے دھرم میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ بات ایک درجے تک ٹھیک ہے اور ایک درجے تک غلط۔ دنیا کی ہر سہیذا کا کسی نہ کسی دھرم سے سبب رہا ہے اور ہر سہیذا میں جاتی مہد کے بیج اور اُس کی کچھ نہ کچھ علامتیں ملتی ہیں۔ کیونکہ اس طرح کی تقسیم انسان کے سہاڑ میں شامل ہے۔ ہندو دھرم میں اسی چیز نے ایک صاف صاف اور خاص روپ دھار کر لیا۔ لوگوں کے مال آباد کے لئے، گھریلو چیزوں کو ٹھیک ٹھیک چلانے کے لئے، لوگوں کی رکشا کے لئے، آدمی آدمی کے بیچ انصاف کے لئے اور سارے سماج کو ٹھیک راستے پر رکھنے کے لئے سب دھرموں میں کچھ نہ کچھ قاعدے قانون یا نیم رہے ہیں اور ہر دھرم نے اُن پر اپنے لوگوں سے عمل کرایا ہے۔ انہیں سے طرح-طرح کے ریت رواج پیدا ہوئے ہیں۔ اسی کلم کے لئے ویدک دھرم نے سماج کا ایک ایسا ڈھانچہ تیار کر دیا جس میں انسان اور سماج دونوں کی یہ سب ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ یہی ڈھانچہ ہندوؤں کا جاتی مہد ہے۔

## هندستانی کلچر سوسائٹی

## माहवारी परचा

## ماہواری پرچا

دسمبر 1954

सफ़ा ۛۛۛۛۛۛۛ

کیا کس سے

- |   |     |     |     |  |
|---|-----|-----|-----|--|
| 1. हिन्दू जात पात की असलियत, उसका बुरा रूप और<br>इलाज—डाक्टर भगवानदास | ... | 263 | ... | 1. ہندو جات پات کی اصلیت، اُس کا برا روپ اور علاج<br>—ڈاکٹر بھگوان داس |
| 2. इ—मदन गोपाल  | ... | 285 | ... | 2. —مدن گوپال  |
| 3. दान की अर्थ नीति—विश्वम्भरनाथ पांडे                                | ... | 294 | ... | 3. دان کی اर्थ نیٹی—وشومبھर ناتھ پانڈے                                 |
| 4. कुछ चीनी छोटी कहानियां—लेखक कैंग शूए फँग;<br>अनुवादक—सुन्दरलाल     | ... | 300 | ... | 4. کچھ چینی چھوٹی کہانیاں—لیکھک فینگ شوئے<br>—ہینگ؛ انورادک—سندر لال   |
| 5. बिहार के दिल की गहराई में—सुरेशराम भाई                             | ... | 308 | ... | 5. بہار کے دل کی گہرائی میں—سریش رام بھائی                             |
| 6. हमारी राय—<br>डाक्टर राम मनोहर लोहिया का भाशन—सुन्दरलाल            | ... | 321 | ... | 6. ہماری رائے—<br>ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کا भाशन—سندر لال               |
| एक वैज्ञानिक की आह—सुरेशराम भाई                                       | ... | 334 | ... | 7. ایک ویگنیک کی آہ—سریش رام بھائی                                     |
| 7. कुछ कितारें  | ... | 334 | ... | 7. کچھ کتابیں  |

क्रिमत—हिन्दुस्तान में छै रुपया साल, बाहर दस रुपया साल,  
एक परचा—दस आने,

نہد۔ ہندستان میں چھ روپیہ سال، باہر دس روپیہ سال  
ایک پرچہ—دس آنے

## मैनेजर

**میں نے**

## ‘नया हिन्द’

‘نہا ہدیٰ’

146, मुट्ठीगंज, इलाहाबाद-3

145 'مقام گنج'، الباب 3-

# नया हिन्द

# हिमा

एडिटर— ताराचंद, भगवानदीन, सैयद महमूद, विश्वम्भरनाथ पांडे, सुन्दरलाल

अडिटर—ताराचंद, भगवानदीन, सैयद महमूद, विश्वम्भरनाथ पांडे, सुन्दरलाल

नायब एडिटर— सुरेश रामभाई, मुन्ना रिजवी

नائب अडिटर—सुरेश रामभाई, मुन्ना रिजवी

इस नम्बर के ग्राम लेख

इस नम्बर के ग्राम लेख

★ जात पात की असलियत, उसका बुरा रूप और  
इलाज—डाक्टर भगवानदास

★ दान की अर्थ नीति—विश्वम्भरनाथ पांडे

★ कुछ चीनी छोटी कहानियाँ—लेखक कैंग शूए  
कैंग; अनुवादक—सुन्दरलाल

★ बिहार के दिल की गहराई में—सुरेश रामभाई

हमारी राय

★ डाक्टर राम मनोहर लोहिया का भाशन—सुन्दरलाल

★ हندی जात पात की اصلियत, अस का बुरा रूप और  
इलाज—डाक्टर भगवानदास

★ दान की अर्थ नीति—विश्वम्भरनाथ पांडे

★ कुछ चीनी छोटी कहानियाँ—लेखक कैंग शूए  
कैंग; अनुवादक—सुन्दरलाल

★ बिहार के दिल की गहराई में—सुरेश रामभाई

हमारी राय

★ डाक्टर राम मनोहर लोहिया का भाशन—सुन्दरलाल

स्तानी कलचर सोसाइटी, इलाहाबाद



स्तानी कलचर सोसाइटी, इलाहाबाद

दिसम्बर 1954

श्रीमन्त राम आनन्द

श्रीमन्त राम आनन्द



گڈگا سے گومتی تک

..... "محبوب کی کہانیوں کی روشنی میں شہلی  
 رہی ہے۔ مہموائی پڑھا کھا آدمی اُٹھوں پڑا آدمی  
 ہندو نے سمجھ سکتا ہے۔ لکھا ہے سنانو پھنسا سون وینگ  
 اور رنددارو اس طرح ہے جس طرح اونچے پانی نے  
 لکھنؤ میں ملگئی ہے

این که اینها من و عاصه بودیم و دور بودیم. و چون  
 در آن زمان که در آن وقت من بودم و در آن وقت که  
 بودیم و آن وقت که در آن وقت که در آن وقت که  
 در آن وقت که در آن وقت که در آن وقت که در آن وقت که  
 در آن وقت که در آن وقت که در آن وقت که در آن وقت که

1. 2. 3. 4. 5. 6. 7. 8. 9. 10. 11. 12. 13. 14. 15. 16. 17. 18. 19. 20. 21. 22. 23. 24. 25. 26. 27. 28. 29. 30. 31. 32. 33. 34. 35. 36. 37. 38. 39. 40. 41. 42. 43. 44. 45. 46. 47. 48. 49. 50. 51. 52. 53. 54. 55. 56. 57. 58. 59. 60. 61. 62. 63. 64. 65. 66. 67. 68. 69. 70. 71. 72. 73. 74. 75. 76. 77. 78. 79. 80. 81. 82. 83. 84. 85. 86. 87. 88. 89. 90. 91. 92. 93. 94. 95. 96. 97. 98. 99. 100. 101. 102. 103. 104. 105. 106. 107. 108. 109. 110. 111. 112. 113. 114. 115. 116. 117. 118. 119. 120. 121. 122. 123. 124. 125. 126. 127. 128. 129. 130. 131. 132. 133. 134. 135. 136. 137. 138. 139. 140. 141. 142. 143. 144. 145. 146. 147. 148. 149. 150. 151. 152. 153. 154. 155. 156. 157. 158. 159. 160. 161. 162. 163. 164. 165. 166. 167. 168. 169. 170. 171. 172. 173. 174. 175. 176. 177. 178. 179. 180. 181. 182. 183. 184. 185. 186. 187. 188. 189. 190. 191. 192. 193. 194. 195. 196. 197. 198. 199. 200. 201. 202. 203. 204. 205. 206. 207. 208. 209. 210. 211. 212. 213. 214. 215. 216. 217. 218. 219. 220. 221. 222. 223. 224. 225. 226. 227. 228. 229. 230. 231. 232. 233. 234. 235. 236. 237. 238. 239. 240. 241. 242. 243. 244. 245. 246. 247. 248. 249. 250. 251. 252. 253. 254. 255. 256. 257. 258. 259. 260. 261. 262. 263. 264. 265. 266. 267. 268. 269. 270. 271. 272. 273. 274. 275. 276. 277. 278. 279. 280. 281. 282. 283. 284. 285. 286. 287. 288. 289. 290. 291. 292. 293. 294. 295. 296. 297. 298. 299. 300. 301. 302. 303. 304. 305. 306. 307. 308. 309. 310. 311. 312. 313. 314. 315. 316. 317. 318. 319. 320. 321. 322. 323. 324. 325. 326. 327. 328. 329. 330. 331. 332. 333. 334. 335. 336. 337. 338. 339. 340. 341. 342. 343. 344. 345. 346. 347. 348. 349. 350. 351. 352. 353. 354. 355. 356. 357. 358. 359. 360. 361. 362. 363. 364. 365. 366. 367. 368. 369. 370. 371. 372. 373. 374. 375. 376. 377. 378. 379. 380. 381. 382. 383. 384. 385. 386. 387. 388. 389. 390. 391. 392. 393. 394. 395. 396. 397. 398. 399. 400. 401. 402. 403. 404. 405. 406. 407. 408. 409. 410. 411. 412. 413. 414. 415. 416. 417. 418. 419. 420. 421. 422. 423. 424. 425. 426. 427. 428. 429. 430. 431. 432. 433. 434. 435. 436. 437. 438. 439. 440. 441. 442. 443. 444. 445. 446. 447. 448. 449. 450. 451. 452. 453. 454. 455. 456. 457. 458. 459. 460. 461. 462. 463. 464. 465. 466. 467. 468. 469. 470. 471. 472. 473. 474. 475. 476. 477. 478. 479. 480. 481. 482. 483. 484. 485. 486. 487. 488. 489. 490. 491. 492. 493. 494. 495. 496. 497. 498. 499. 500. 501. 502. 503. 504. 505. 506. 507. 508. 509. 510. 511. 512. 513. 514. 515. 516. 517. 518. 519. 520. 521. 522. 523. 524. 525. 526. 527. 528. 529. 530. 531. 532. 533. 534. 535. 536. 537. 538. 539. 540. 541. 542. 543. 544. 545. 546. 547. 548. 549. 550. 551. 552. 553. 554. 555. 556. 557. 558. 559. 560. 561. 562. 563. 564. 565. 566. 567. 568. 569. 570. 571. 572. 573. 574. 575. 576. 577. 578. 579. 580. 581. 582. 583. 584. 585. 586. 587. 588. 589. 590. 591. 592. 593. 594. 595. 596. 597. 598. 599. 600. 601. 602. 603. 604. 605. 606. 607. 608. 609. 610. 611. 612. 613. 614. 615. 616. 617. 618. 619. 620. 621. 622. 623. 624. 625. 626. 627. 628. 629. 630. 631. 632. 633. 634. 635. 636. 637. 638. 639. 640. 641. 642. 643. 644. 645. 646. 647. 648. 649. 650. 651. 652. 653. 654. 655. 656. 657. 658. 659. 660. 661. 662. 663. 664. 665. 666. 667. 668. 669. 670. 671. 672. 673. 674. 675. 676. 677. 678. 679. 680. 681. 682. 683. 684. 685. 686. 687. 688. 689. 690. 691. 692. 693. 694. 695. 696. 697. 698. 699. 700. 701. 702. 703. 704. 705. 706. 707. 708. 709. 710. 711. 712. 713. 714. 715. 716. 717. 718. 719. 720. 721. 722. 723. 724. 725. 726. 727. 728. 729. 730. 731. 732. 733. 734. 735. 736. 737. 738. 739. 740. 741. 742. 743. 744. 745. 746. 747. 748. 749. 750. 751. 752. 753. 754. 755. 756. 757. 758. 759. 760. 761. 762. 763. 764. 765. 766. 767. 768. 769. 770. 771. 772. 773. 774. 775. 776. 777. 778. 779. 780. 781. 782. 783. 784. 785. 786. 787. 788. 789. 790. 791. 792. 793. 794. 795. 796. 797. 798. 799. 800. 801. 802. 803. 804. 805. 806. 807. 808. 809. 810. 811. 812. 813. 814. 815. 816. 817. 818. 819. 820. 821. 822. 823. 824. 825. 826. 827. 828. 829. 830. 831. 832. 833. 834. 835. 836. 837. 838. 839. 840. 84

[illegible]

، ۱۳۵۲ هـ -

مک مک کا مکاری نے سبھی پر ہے ایک کھنڈی کے "کاکا" سے  
 "پو پو" دو جانا ہے۔

”لکھا ہے گوشتی، نک“ میں (18) صفحہ ہے، تم (19) ص ۱۰۰ و ۱۰۱ پر چلے، دم اٹھال دو دو، خاندانی آئینہ

— ۵۸ —

— ۱۲۶ —

[illegible]

# हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

**मक्रमद—**

(1) एक ऐसी हिन्दुस्तानी कलधर का बढाना, फैलाना और प्रचार करना जिसमें सब हिन्दुस्तानी शामिल हों.

(2) ए.ता फैलाने के लिये किताबों, अखबारों, रिसालों और का'छापना.

(3) पढ़ाई, घरों, किताब घरों, सभाओं, कानफरेन्सों, लेखकों से सब धर्मों, जातों, बिरादरियों और फिक्कों में आपस का मेल बढ़ाना.

—: 2 :—

सांसाइटी के प्रेसीडेन्ट—मि० अब्दुल मजीद ख्वाजा;  
 वाइस प्रेसीडेन्ट—डा० भगवानदास और डा० अब्दुल  
 हक. गवर्निंग बाडी के प्रेसीडेन्ट—डा० भगवानदास;  
 सेक्रेटरी—पं० सुन्दरलाल.

### गवर्निंग बाडी के और मेम्बर—

डा० सैयद महमूद, डा० तागचन्द, मौलवी सैयद मुलमान नदवी, मि० मंजर अली सोरुता, श्री बी० जी० त्रि० पं० बिशम्बर नाथ, महात्मा भगवानदीन, सेठ पूनम शर्मा रांका, क्रावी मोहम्मद अब्दुल गफ्फार और श्री आम काश पालीबा .

मेम्बरी के क्रायदों के लिये लिखिये—

**सुन्दरलाल**

सेक्रेटरी, हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी,

145, मुट्ठीगंज, इलाहाबाद.

नोट—सोसाइटी के नए क्रायदे के अनुसार मेम्बरी की फीस सिर्फ एक रुपया कर दी गई है। “नया हिन्दू” के जा गाहक मेम्बर बनना चाहें उनका सिर्फ छै रुपया देना देने पर ही मेम्बर बना लिया जायेगा. अलग से मेम्बरी की फीस देने वाले सोसाइटी की निकली हुई कोई किताब जो एक रुपया दाम की होगी मुफ्त ले सकेंगे या थोड़ा दाम की किताबें लेने पर एक बार एक रुपया कम कर सकेंगे.

## هندستانی کاچر سوسائٹی

— 328 —

(۱) ایک ایسی هندستانی کلچر کا بھانا، پہچانا اور پرچار کرنا جس میں سب هندستانی شامل ہوں۔

(۲) ایکٹا پھیلائے کے لئے کتابوں، اخباروں، رسائل و مضمون کا چھاپنا۔

(۳) پڑھائی گھروں، کتاب گھروں، سبھاؤں، کانفرنسوں، لکچروں سے سب دھرموں، جانوں، پردیروں اور فرقوں میں  
 آپس کا مہل پھانا۔

- 12 -

دوسرائی کے پیرسیدینت — مسٹر عبدالعزیز خاں،  
 وائس پیرسیدینت — ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبدالعزیز،  
 کورنگ ہائی کے پیرسیدینت — ڈاکٹر بھگوان داس،  
 سکریٹری — یحییٰ خان۔

دورِ زندگی بابتی کے اور مسجد —

ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر نارا چند، مہلوی سید  
 سلیمان ندوی، مسٹر مظفر علی سوختہ، شری بی. جی  
 کھنر، پلڈت بشمپھر رائے، مہاتما بھگوان دین، سیتھہ پونم  
 چند رائے، قاضی محمد عبدالغفار اور شری اوم پرکاش  
 پالموال۔

۱۰۰۰ کے قیام دہس کے لئے لکھتے۔

۱۸۰۰

سکریپٹی، ملحدستان کی کلچر سوشلزم،

145. منہی گنج، الہ آباد .

ہوت۔ سوسائٹی نے نئے قاعدے کے انہماک سے یہی کی  
 نہیں صرف ایک روپیہ کر دی گئی ہے۔ ”نہا ہلد“ کے  
 جو گھمک ممبر بننا چاہیں اُن کو صرف چھ روپیہ چندہ  
 دینے پر ہی ممبر بننا لیا جائیگا۔ الگ سے ممبری کی  
 فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو  
 ایک روپیہ دام کی ہوگی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام  
 کی کتابیں لہنے پر ایک ہار ایک روپیہ کم کرا سکیں گے۔

# ہمارے پاس بیکنے والی کچھ اور کتابیں

نوٹ:—یہ کتابیں سب ہندی میں ہیں۔

یہ تمام کتابیں صرف علمی ہوں گی۔

| نام کتاب      | لکھنے والا     | قیمت  | موضوع         | نوع               |
|---------------|----------------|-------|---------------|-------------------|
| 1. ہمارے پاس  | آئی جی ایم ایس | 8 0 0 | ہندی اور اردو | 1. ہندی اور اردو  |
| 2. ہمارے پاس  | "              | 8 0 0 | "             | 2. ہندی اور اردو  |
| 3. ہمارے پاس  | "              | 2 8 0 | "             | 3. ہندی اور اردو  |
| 4. ہمارے پاس  | آئی جی ایم ایس | 8 0 0 | ہندی اور اردو | 4. ہندی اور اردو  |
| 5. ہمارے پاس  | "              | 3 0 0 | "             | 5. ہندی اور اردو  |
| 6. ہمارے پاس  | آئی جی ایم ایس | 3 0 0 | ہندی اور اردو | 6. ہندی اور اردو  |
| 7. ہمارے پاس  | آئی جی ایم ایس | 6 0 0 | ہندی اور اردو | 7. ہندی اور اردو  |
| 8. ہمارے پاس  | آئی جی ایم ایس | 2 0 0 | ہندی اور اردو | 8. ہندی اور اردو  |
| 9. ہمارے پاس  | آئی جی ایم ایس | 2 0 0 | ہندی اور اردو | 9. ہندی اور اردو  |
| 10. ہمارے پاس | آئی جی ایم ایس | 2 0 0 | ہندی اور اردو | 10. ہندی اور اردو |
| 11. ہمارے پاس | آئی جی ایم ایس | 5 0 0 | ہندی اور اردو | 11. ہندی اور اردو |
| 12. ہمارے پاس | آئی جی ایم ایس | 4 0 0 | ہندی اور اردو | 12. ہندی اور اردو |
| 13. ہمارے پاس | آئی جی ایم ایس | 2 8 0 | ہندی اور اردو | 13. ہندی اور اردو |
| 14. ہمارے پاس | آئی جی ایم ایس | 2 8 0 | ہندی اور اردو | 14. ہندی اور اردو |
| 15. ہمارے پاس | آئی جی ایم ایس | 3 0 0 | ہندی اور اردو | 15. ہندی اور اردو |
| 16. ہمارے پاس | آئی جی ایم ایس | 5 0 0 | ہندی اور اردو | 16. ہندی اور اردو |
| 17. ہمارے پاس | "              | 3 0 0 | "             | 17. ہندی اور اردو |
| 18. ہمارے پاس | "              | 2 4 0 | "             | 18. ہندی اور اردو |
| 19. ہمارے پاس | "              | 2 8 0 | "             | 19. ہندی اور اردو |
| 20. ہمارے پاس | "              | 1 4 0 | "             | 20. ہندی اور اردو |
| 21. ہمارے پاس | "              | 1 8 6 | "             | 21. ہندی اور اردو |
| 22. ہمارے پاس | آئی جی ایم ایس | 3 8 0 | ہندی اور اردو | 22. ہندی اور اردو |
| 23. ہمارے پاس | آئی جی ایم ایس | 2 0 0 | ہندی اور اردو | 23. ہندی اور اردو |
| 24. ہمارے پاس | آئی جی ایم ایس | 1 8 0 | ہندی اور اردو | 24. ہندی اور اردو |
| 25. ہمارے پاس | آئی جی ایم ایس | 1 8 0 | ہندی اور اردو | 25. ہندی اور اردو |
| 26. ہمارے پاس | آئی جی ایم ایس | 3 0 0 | ہندی اور اردو | 26. ہندی اور اردو |
| 27. ہمارے پاس | "              | 1 0 0 | "             | 27. ہندی اور اردو |
| 28. ہمارے پاس | "              | 0 8 0 | "             | 28. ہندی اور اردو |
| 29. ہمارے پاس | "              | 1 0 0 | "             | 29. ہندی اور اردو |

میں نے اس کتاب

میں نے اس کتاب

145. ہندی اور اردو

میں نے اس کتاب

146. ہندی اور اردو

## हिन्दुस्तानी कलकत्ता सोसाइटी की कित्तानें

पचास रुपये से कियावा वाम की किताबें खरीदने  
बाँसों को और मुकसेलरों को सास रिआयत दी जायेगी.  
पूरी जानकारी के लिए लिखिये.

**डाक या रेल खर्च हर हालत में ग्राहक के भिन्ने होगा.**

# भारत का विधान

**पूरा हिन्दी अनुवाद**

जो 26 जनवरी सन 1950 से सारे भारत में लागू हुआ,  
'भारत में अंगरेजी राज' के लेखक पंडित मुन्बरलाल  
द्वारा मूल अंगरेजी से अनुवादित.

हर भारतीय का कर्ष है कि जिस विधान के अधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे. भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है.

आसान बामहावर भाशा, रायल अठपेजी बदा साहस.  
 जगभग चार सौ पन्ने, कपडे की सुन्दर जिल्द, क्रीमत केवल  
 साढे सात रुपय.

## फिरकाबन्दी पर बापू

सम्पादक—श्री श्रीकृष्ण दास

इस पुस्तक में 1921 से सन 1948 तक गांधी जी ने साम्प्रदायिकता के सवाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा.

भारत के आजाद होने पर यह और भी जल्द हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के नुस्खानों को समझे और इस तरह को अपने अन्दर से साफ करे.

सुन्दर जिल्द. अच्छा कलाक. दो सौ सके. कीमत  
दो रुपये.

## विनोबा का सन्देश

**लेखक—सुरेश रामभाई**

**एक शब्द—महात्मा महाबानदीन**

विनोबाजी के भूदान-यज्ञ से आज सारा देश बाँकिक है, इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भूदान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका महत्त्व क्या है।

पहला एडीशन हाथों हाथ निकल गया. यह दूसरा एडीशन है. सन्ने 25, दाम केवल दो आने.

**मिशन का पता—**

मैनेजर, 'मया दिग्' 145, सुदीगंज, इलाहाबाद.

## ہندوستانی کلچر سوسائٹی کی کتابیں

پنجاب میں جو کچھ ہے وہاں دلم کی کتابیں خریدنے والوں کو اور ہندوستان میں جو خاص رعایت سی جاہلی . پوری جاہلانی کے لئے لکھی .

ڈاک یا ریل خرچ ہر حالت میں ٹھیک کے لیے ہوتا۔

## بھارت کا ودھان

پہرا ہندسی انہواد

جو 26 جنوری سن 1950 سے عارضہ بھارت میں لگو ہوا .  
'بھارت میں انگریزی راج' کے لکھک پنکھت سندھل  
دواڑا مول انگریزی سے انوادت .

ہر بھارتی وادی کا فرض ہے کہ جس دھان کے اٹھون  
سولہویں بھارت کا شاسن اُس سے چل رہا ہے اُسے اچھی  
طرح سمجھے۔ بھارت کے ہر گھر میں اُس پستک کا دھلا  
نروڑ ہے۔

آسان بامصادر ہوا، دلیل اتم بھی ہوا سائز، لگ  
بھگ چار سو پانچ، کپڑے کی سندر جلد، قیمت کھول  
سارے صحت دینے۔

## فرق بندی پر باور

مہاراجہ—شری شری کرشن داس

اس دستک میں سن 1921 سے سن 1948 تک  
 گندھی جی نے سامہودی ایکٹ کے سوال پر جو کچھ کہا یا  
 لکھا وہ سب آپکو ایک جگہ ملے گا۔

بھارت کے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ  
ہر بھارتیہ ایسی سامہود اپنی کے نقصان کو سمجھے اور  
اس زہر کو اپنے اندر سے صاف کرے ۔

سندھ جلد . اچھا کلام . دو سو صفحے . قیمت  
دو روپے .

## ونوبا کا سندیس

لیکھک—سریس رام پھانی

۶. ایک عید۔ مہاتما پنکولن دین

وڌوڻا جي ڪم ٻه ڏينهن پڪو ٿيڻ بعد آڇ سارا ٽوڪي وٺي هڪ  
اٺس جهڙي مي ڪتاب سٺي آڇو ٻه ڏينهن پڪو ٿيڻ بعد آڇ سارا ٽوڪي وٺي هڪ  
ڪتاب آڇو ٻه ڏينهن پڪو ٿيڻ بعد آڇ سارا ٽوڪي وٺي هڪ

یہاں ایک شخص ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ یہ دوسرا ایک شخص  
 25 نام قبول ہو گیا۔

— 24 —

موتیہ، 'نیا علاقہ'، 145، مکتبہ ملی، ایفٹھو۔

سکائی کو دیکھتے ہوئے اس کتاب کا یہ چلتا ایڈیشن کافی سستا ہے حالانکہ یہ اتنا سستا نہیں جتنے دوسرے ملکوں کی سرکاری اپنے پرکاشن بیچتی ہیں۔

—بی۔ نا۔

مقامی کو دیکھتے ہوئے اس کتاب کا یہ چلتا ایڈیشن کافی سستا ہے حالانکہ یہ اتنا سستا نہیں جتنے دوسرے ملکوں کی سرکاری اپنے پرکاشن بیچتی ہیں۔

—بی۔ نا۔

## پریم گیتا

لکھنے والے—سوامی دیپال آتم درشی، پٹان کوٹ، ہ. پی؛  
نکالنے والے—بھٹی؛ دام—دو روپے؛ صفحے—142.

یہ کتاب اس مہم کو لے کر لکھی گئی ہے کہ ایشور کی حالت کی پریمیتا کو ایشور سے انکار کرنا ہے، مگر وہی پسنگ میں اسی ایشور کے نام اور روپوں کا وزن کیا گیا ہے۔

خپائی کے لحاظ سے کتاب کے دام زیادہ ہیں۔

—بی۔ نا۔

لکھنے والے—سوامی دیپال آتم درشی، پٹان کوٹ، ہ. پی؛  
نکالنے والے—بھٹی؛ دام—دو روپے؛ صفحے—142.

یہ کتاب اس مہم کو لے کر لکھی گئی ہے کہ ایشور کی حالت کی پریمیتا کو ایشور سے انکار کرنا ہے، مگر وہی پسنگ میں اسی ایشور کے نام اور روپوں کا وزن کیا گیا ہے۔

—بی۔ نا۔

## بچوں کی دیکھ بھال

لکھنے والے—جی بھادورملل ام. اے.؛ خپانے والے—  
جی بھادورملل انند پرکاشن، ہوشیارپور؛ دام—140؛  
—ایک روپہ بارہ آنے؛ لکھا—ہندی.

بچوں کے پالنے پوسنے، انکی دیکھ بھال، انکی بیماری اور تیمارداری اور ان کی شغلا دیکھا پر یہ ایک بہت اچھا کتاب ہے۔ اس میں ہر قسم کے بچوں کی دیکھ بھال کرنے والے اس پر اس کتاب میں خاص زور دیا گیا ہے۔ بچوں کے بارے میں اس کتاب کی تعلیم میں یہ کتاب مددگار ہوگی۔

—بی۔ نا۔

لکھنے والے—جی بھادورملل ام. اے.؛ خپانے والے—  
جی بھادورملل انند پرکاشن، ہوشیارپور؛ دام—140؛  
—ایک روپہ بارہ آنے؛ لکھا—ہندی.

بچوں کے پالنے پوسنے، انکی دیکھ بھال، انکی بیماری اور تیمارداری اور ان کی شغلا دیکھا پر یہ ایک بہت اچھا کتاب ہے۔ اس میں ہر قسم کے بچوں کی دیکھ بھال کرنے والے اس پر اس کتاب میں خاص زور دیا گیا ہے۔ بچوں کے بارے میں اس کتاب کی تعلیم میں یہ کتاب مددگار ہوگی۔

—بی۔ نا۔

## بچوں کی دیکھ بھال

# کتابیں



# کتابیں

## ہجرت محمد بنہ اسلام

لکھنے والے—پंडित सुन्दरलाल; निकालने वाले—नवजीवन प्रकाशन मन्दिर, अहमदाबाद; लिखावट—गुजराती; नाम—संघा संघा.

पंडित सुन्दरलाल जी की मराठूर किताब हजरत मुहम्मद और इस्लाम के गुजराती अनुवाद का यह दूसरा एडीशन है. इसका आयुक्त भी किशोरलाल मराठूवाला का लिखा हुआ है. हिन्दुस्तान के सभी आलिमों और विद्वानों ने इस किताब को हिन्दुस्तान में इस किस्म की अब तक की छपी किताबों में सबसे बड़ा माना है. हम हर एक गुजराती पढ़ने वाले भाई इस किताब को खास तौर पर पढ़ने की अपील करते हैं.

—वि० ना०

## حضرت محمد بنہ اسلام

لکھنے والے—پندت سندر لال؛ نکالنے والے—نوجیون پرنٹیشن مندر، احمد آباد؛ لکھاوت—گجراتی؛ نام—سنگھ سنگھ.

پندت سندر لال جی کی مشہور کتاب حضرت محمد اور اسلام کے گجراتی انوواد کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے. اس کا اہم شری کشورلال مشرووڑا کا لکھا ہوا ہے. ہندستان کے سبھی عالموں اور وڈوانوں نے اس کتاب کو ہندستان میں اس قسم کی اب تک کی چھپی کتابوں میں سب سے عمدہ مانا ہے. ہم ہر ایک گجراتی پڑھنے والے بھائی سے اس کتاب کو خاص طور پر پڑھنے کی اپیل کرتے ہیں.

—وی . نا .

## निर्माण

लिखने वाले—नवल भाई शाह; निकालने वाले—लक्ष्मी चंद एडुवरबन्द संघवी, महावीर साहित्य प्रकाशन मन्दिर, हठी भाई नी बाड़ी, अहमदाबाद; लिखावट—गुजराती, सके 212, नाम—एक रुपया बारह आना.

नवल भाई शाह की यह नवल कथा स्वराज्य हासिल करने के बाद हमें अपने देश को किस तरह बनाना और संभारना है इस पर रोशनी डालती है. निर्माण, जैसा कि इस किताब का नाम है, असली बुनियादों पर नया देश गढ़ने के मकसद से लिखी गई है.

—वि० ना०

## نورمان

لکھنے والے—نول بھائی شاہ؛ نکالنے والے—لکشمی چند زور چند سنگھی، مہاویر ساہتیہ پرنٹیشن مندر، ہٹی بھائی نی وادی احمد آباد؛ لکھاوت—گجراتی؛ صفحے 212؛ نام—ایک روپیہ بارہ آنا.

نول بھائی شاہ کی یہ نول کتا سوراجیہ حاصل کرنے کے بعد ہمیں اپنے دیس کو کس طرح بنانا اور سنوارنا ہے اس پر روشنی ڈالتی ہے. نورمان جیسا کہ اس کتاب کا نام ہے علی بنیادوں پر نیا دیس گڑھنے کے مقصد سے لکھی گئی ہے.

—وی . نا .

## पहला पंजसाखा प्लान

लिखने वाले—पहिले करान विवीजन, नई दिल्ली; सके—376, भारत की तस्वीरें और नक्शे, लिखावट—बर्द; कीमत—दो रुपया.

पहिले करान विवीजन की वेदद बदरा है परी की कता इस सरकारी किताब में दिया हुआ है. अपाई

## پہلا پنج سالہ پلان

لکھنے والے—پہلے کران ویویجن، نئی دہلی؛ صفحے—376؛ پہلی سی تصویریں اور نقشے؛ لکھاوت—اردو؛ قیمت—دو روپے.

آجکل جس پنج سال پلاننگ کی بے حد چرچا ہے اسی کا خاکہ اس سرکاری کتاب میں دیا ہوا ہے. چھائی



[illegible]

سرخ ہار سے ہم پرارتہنا کرتے ہیں کہ طاقت جو اعلیٰ جی کو  
ہمارے شائستہوں کے مطابق ہوا سو مال کی پوری عمر دین اور  
پرہیزگاری کی بنا پر ملک کی نئی دہائی کرنے کی طاقت اور  
ہمت دیں۔

30 . 10 . '54

## میسری کا سدا پیش

لیکھک: سید اختر محمد جی، کماروہا۔

آنوارادک مسرتیقن رام بهائی

اس کتاب میں حضرت موسیٰ کے سجدہ کی سندیں کی وضاحت  
اور لاجواب گفتگو کے لیے لکھی ہے کہ پڑھنے والے کو  
آسانی سے یہ سمجھ جاتا کہ موسیٰ دھرم کی خاص  
تعلیم کیا ہے اور حضرت موسیٰ نے انسان انسان کی برابر  
بھائی چارے دھرم اور انسان پر قتل اور دھماکے ۔

سہ ماہی ترجمان [میں کتاب کے بارے میں کیا ہے؟]

”ہر ایک کے لیے چاند و موسیقی ہو یا کسی اور شہرم  
 کا مائیکرو لیمو، میری سڑاں ہے یہ آج کا روزہ...“

مجلس علماء ہندوستان، لاہور، قریب سڑک جامعہ اسلامیہ کی  
کتاب خانہ، لاہور، پاکستان۔

12-11-68

145-10411-1000

آج کل کے ملک کی پہلی مانگ یہ ہے کہ اس کی جو مشیقت کی جائے۔ وہ جو کسی صدارت، سرک یا پیدلوار کے ذریعہ نہیں بلکہ دلی کو نزدیک لائے۔ آپس کے بید ہمارے ملالے اور پریم شکی کو بلند کرے پر ہی ہوگی۔ اور یہ اس ملک کی ہی مانگ نہیں، سارے عالم کی مانگ ہے۔ عرصہ دراز سے دنیا نے تلوار، قاتل اور پیسے کی طاقتوں کے تجربے کرکے دیکھ لے۔ ان سے ہم، ایتھم اور ہائڈروجن ہم ہم تک پہنچے اور انسان کی ہستی ہی خطرہ میں ڈال دی۔ وقت بٹا رہا ہے کہ اب دوسرے تجربے کریں اور پریم شکی کو آزمائیں اور اس کی بنا پر اپنے سماج کی تعمیر کریں جس کے اندر نظام حکومت بھی شامل ہے۔

اس پریم شکی کا ایک پائدار، صحیح اور سچا نمونہ مہاتما گاندھی نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ شکی ہم ہندو والے پوری طرح عمل نہیں لے سکتے۔ لیکن اس کے جو بھی تجربے ہم نے کئے اس کا نتیجہ ساری دنیا آج جانتی ہے اور اسی وجہ سے اس چیز کی قدر کرتی ہے، اس کا لوہا مانتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس شکی کے زیادہ سے زیادہ بڑے اور گہرے پیمانے پر تجربے کئے جائیں۔ اسی روشنی میں ہم پلڈت جواہر لال کے اس سرنام خط کا स्वागत کرتے ہیں۔ جیسا کہ ان کا خیال ہے کہ ان کو اپنی اس دنیا میں بہت کم کرتا ہے، وہ ہم بھی مانتے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہمارا جو علم بردار، پریم شکی کی مدد سے مہاتما گاندھی کی رہنمائی میں انگریزی طانت سے لڑا تھا وہ اب اسی پریم شکی کی مدد سے ہندوستان کی غریبی اور جہالت سے لڑے گا، زمانہ سے لڑے گا اور کیا ہندوستان کو، کیا دنیا کو سچی آزادی کی اور اصلی شانتی کا راستہ دکھائیگا۔

جہاں تک ملک کا کم چلنے کی بات ہے ہم یہی مانتے ہیں کہ پلڈت جی حکومت یا کانگریس کی صدارت سے الگ رہ کر ملک کی جو خدمت انجام دے سکتے ہیں وہ اندر رہ کر نہیں۔ قتل میں پھنس کر آدمی منتروں نہ رہ کر قتلرو بن جاتا ہے اور اس کے دماغ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ جب کسی ملک کے اُنچے سے اُنچے آدمی اپنے کو قتل میں پھنسا لیتے ہیں تو اس ملک کی نجاتی روک نہیں رک سکتی۔ ہماری رائے تو یہ ہے کہ نہ صرف پلڈت جواہر لال جی بلکہ مرکزی اور صوبے کی سرکاروں کے وہ سب منسٹر یا عہدیدار جو چھ سال سے زیادہ اس قتل میں رہ چکے ہیں وہ اب باہر آجائیں، دوسروں کو لپٹی جگہ بھیجیں اور باہر سے ان کو راہ دکھاتے رہیں۔

آخر میں ایک عرض اور ہے۔ ہمارے ملک کا پرانا اور شاندار دستور ہے کہ ایک عمر کے بعد آدمی گھر کی یا راج پات کی سب چھٹیوں سے تھک کر بری ہو کر جن سپرک اور چلتا چلنے کی پختی و سہوا میں لگے۔ پلڈت

آج کل کے ملک کی پہلی مانگ یہ ہے کہ اس کی جو مشیقت کی جائے۔ وہ جو کسی صدارت، سرک یا پیدلوار کے ذریعہ نہیں بلکہ دلی کو نزدیک لائے۔ آپس کے بید ہمارے ملالے اور پریم شکی کو بلند کرے پر ہی ہوگی۔ اور یہ اس ملک کی ہی مانگ نہیں، سارے عالم کی مانگ ہے۔ عرصہ دراز سے دنیا نے تلوار، قاتل اور پیسے کی طاقتوں کے تجربے کرکے دیکھ لے۔ ان سے ہم، ایتھم اور ہائڈروجن ہم ہم تک پہنچے اور انسان کی ہستی ہی خطرہ میں ڈال دی۔ وقت بٹا رہا ہے کہ اب دوسرے تجربے کریں اور پریم شکی کو آزمائیں اور اس کی بنا پر اپنے سماج کی تعمیر کریں جس کے اندر نظام حکومت بھی شامل ہے۔

اس پریم شکی کا ایک پائدار، صحیح اور سچا نمونہ مہاتما گاندھی نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ شکی ہم ہندو والے پوری طرح عمل نہیں لے سکتے۔ لیکن اس کے جو بھی تجربے ہم نے کئے اس کا نتیجہ ساری دنیا آج جانتی ہے اور اسی وجہ سے اس چیز کی قدر کرتی ہے، اس کا لوہا مانتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس شکی کے زیادہ سے زیادہ بڑے اور گہرے پیمانے پر تجربے کئے جائیں۔ اسی روشنی میں ہم پلڈت جواہر لال کے اس سرنام خط کا स्वागत کرتے ہیں۔ جیسا کہ ان کا خیال ہے کہ ان کو اپنی اس دنیا میں بہت کم کرتا ہے، وہ ہم بھی مانتے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہمارا جو علم بردار، پریم شکی کی مدد سے مہاتما گاندھی کی رہنمائی میں انگریزی طانت سے لڑا تھا وہ اب اسی پریم شکی کی مدد سے ہندوستان کی غریبی اور جہالت سے لڑے گا، زمانہ سے لڑے گا اور کیا ہندوستان کو، کیا دنیا کو سچی آزادی کی اور اصلی شانتی کا راستہ دکھائیگا۔

جہاں تک ملک کا کم چلنے کی بات ہے ہم یہی مانتے ہیں کہ پلڈت جی حکومت یا کانگریس کی صدارت سے الگ رہ کر ملک کی جو خدمت انجام دے سکتے ہیں وہ اندر رہ کر نہیں۔ قتل میں پھنس کر آدمی منتروں نہ رہ کر قتلرو بن جاتا ہے اور اس کے دماغ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ جب کسی ملک کے اُنچے سے اُنچے آدمی اپنے کو قتل میں پھنسا لیتے ہیں تو اس ملک کی نجاتی روک نہیں رک سکتی۔ ہماری رائے تو یہ ہے کہ نہ صرف پلڈت جواہر لال جی بلکہ مرکزی اور صوبے کی سرکاروں کے وہ سب منسٹر یا عہدیدار جو چھ سال سے زیادہ اس قتل میں رہ چکے ہیں وہ اب باہر آجائیں، دوسروں کو لپٹی جگہ بھیجیں اور باہر سے ان کو راہ دکھاتے رہیں۔

آخر میں ایک عرض اور ہے۔ ہمارے ملک کا پرانا اور شاندار دستور ہے کہ ایک عمر کے بعد آدمی گھر کی یا راج پات کی سب چھٹیوں سے تھک کر بری ہو کر جن سپرک اور چلتا چلنے کی پختی و سہوا میں لگے۔ پلڈت

کریسمس کا کرسٹلا بند کمرے میں بیٹے بیٹے کر رہی ہے۔  
ہندوستان کے پراہم منیستر کے ناٹے پندت جواہرلال  
آج ہندوستان میں کی تلوار کی طاقت اور قانون کی  
طاقت کے بلکہ کسانوں سے سب سے زیادہ۔ لیکن ان سب  
کے علاوہ ایک طاقت اور بھی ہے۔ یہ ہے کہ ہم کی طاقت  
جسے ٹینک یا اخلاقی طاقت بھی کہہ سکتے ہیں، جس کی  
تعلیم ہر بچے کو جنم سے ہی ملتی ہے اور جس پر یہ دنیا  
نیکی ہے۔ آج حکومتیں اس طاقت کو نظر انداز کر رہی ہیں  
اور تلوار، قانون، پیسہ و دماغ کی طاقتوں کے بل پر چل رہی  
رہی ہیں۔ لیکن زمانہ صاف بتا رہا ہے کہ اگر وہ اپنی روٹی  
کو نہیں بدلتی ہیں اور پریم کی طاقت کی بنا پر سچ کی  
نئی رچنا نہیں ہوتی ہے تو انسان کی ذات کے ہی ختم ہونے  
کا اندیشہ ہے۔ پراہم منسٹری کے شکنجے میں جکڑ جانے کے  
کارن پندت جواہر لال اس طاقت سے اچھوٹے رہ رہے ہیں۔  
دوسرے شعبوں میں جتنا سے اچھوٹے رہ رہے ہیں۔ یہی وجہ  
ہے کہ ان کو ہاسی بن محسوس ہوتا ہے اور پڑھنے یا سوچنے  
کے لئے بنیادی سوالوں پر غور اور صلاح کرنے کے لئے ان میں  
ترپ پیدا ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک مہتمم پرین بلت یہ ہے کہ آج ہمارے  
ملاک میں ایک چیز کی خاص کمی نظر آتی ہے۔ ہم قبول  
کرتے ہیں کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں کھیتی کی پیداوار بڑھی  
ہے۔ یہاں کی ملوں میں زیادہ مال تیار ہو گیا ہے۔ یہاں کی  
لندین پر پل و پلہاں بندھے ہیں، نئی سڑکیں، ریلیں اور آمدنی  
کے راستے کھلے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود ملک میں اس  
طاقت کا احساس نہیں ہوتا جو ایسی حالت میں ہونا چاہئے۔  
وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل ٹوٹ رہے ہیں۔ آپس کا فرق  
بڑھ رہا ہے۔ جات پت اور چھوچھوٹ کا زہر زیادہ گہرا گہس رہا  
ہے۔ انسان کی آبرو کی قدر کم ہو رہی ہے۔ اپنے پھر پر کھڑے  
ہونے کی طاقت کم ہو رہی ہے اور ملک کمزور ہو رہا ہے۔ ایک  
لچاری سی دکھائی پڑتی ہے اور خیر کرنے لگتی کم ہی نہ کرے  
لوگ عام طور سے سرکار کا ملو تاکہ ہیں۔ آزادی کے بعد جو  
ایک جوش اور حرماں سب کو آنا چاہئے تھا وہ غائب ہے۔ مستی  
کی بجائے مستی ہے۔ فرق دکھائی نہیں پڑتا۔ نتیجتاً یہ ہے کہ  
ساج کا جو غریب اور کمزور حصہ ہے وہ دن دگنا رات چوگنا  
غریب اور کمزور ہوتا جا رہا ہے اور اسی کے آدھار پر ہم ہندوستان  
کا عالی شان مصلح ہوا کرتے کے خواب دیکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ  
جس مصلح کی باتیں کمزور ہونگی وہ باہر کی ہوا سے کیا  
انداز کی ہوا کے ہیں جو کہ ہمارے برداشت نہیں کرسکتا۔ ہمارا ماننا  
ہے کہ اگر ملک کی یہی نظر جاری رہی اور تلوار، پیسہ، قانون  
کی طاقتوں کے ساتھ ہی ہم خالی ہاتھ رہے تو ہمارا پیشہ اچھا  
نہیں ہے۔

आज दुनिया में कई तरह की तांत्रिक काम कर रही हैं—  
जैसे जादू की तांत्रिक जिसने आज पेटम और हाइडोजन  
बम की शक्ति ले ली है, ऐसे की तांत्रिक जिसने बड़े बड़े  
बैंकों की शक्तों को ले ली है, विमान की  
तांत्रिक जो आज एक मुलक को दूसरे को पस्त करने में  
चर है और तांत्रिक की तांत्रिक जो बड़ी बड़ी आबादियों की

(iii) ایک چیز اکثر ایک پوچھتے ہیں اور اخبار والے لکھتے ہیں ہیں جس سے مجھے بھی چارہ عرقی ہے۔ یہ کہ ”نہرو کے بعد کیا؟“ ”نہرو کا وارث کون ہوگا؟“ یہ سوال ہی مہرے لئے اور قوم کے لئے ایک چلتی ہو جاتا ہے۔ یہ سوچنا تو بڑی بدنامی بات ہے کہ کوئی بڑی قوم کسی ایک یا دو آدمیوں پر منحصر رہے۔ ایسے سوال کا اثر مجھ پر بھی پڑتا ہے کہ اس چلتی کہ منظور کریں۔ مجھے یقین ہے کہ جو کچھ بھی ہوگا اچھا ہی ہوگا۔“

پختہ جواہر لال کا یہ خطا یہ کہ ہمیں انتہائی خوش  
 ہرئی اور ان پرانے جواہر لال کی یاد ہو آئی جو الہ آباد  
 واسہ ہریلی اور پرتاب گڑھ کے گڑوں میں سن 24-28 میں  
 آزادی اور خود مختاری کا پیغام لے کر گومتے تھے، ان جواہر لال  
 کی یاد ہو آئی جنہوں نے 1929 میں پورن آزادی کا ہکل  
 بچایا تھا، ان جواہر لال کی یاد ہو آئی جنہوں نے سن 1942  
 میں گاندھی جی کی رہنمائی پر انگریزوں کو ہندوستان سے  
 چلے جانے کے لئے لاکڑا تھا۔ یہ خط ان کی انوکھی آن اور  
 اونچی شان کا عالی نمونہ ہے۔ یہ انہیں کی بلند ہستی ہے  
 جو اس طرح سرچ سکتی ہے اور اس طرح اپنے دل کی بات  
 ملک کے سامنے رکھ سکتی ہے۔ اپنے اس عجوبہ خط کے ذریعہ  
 انہوں نے ملک کے آگے ایک نئی مثال پیش کی ہے—ایسی  
 مثال جس کی سخت ضرورت تھی اور ایسی مثال جو ان کے  
 سوا کوئی دوسرا نہیں پیش کر سکتا تھا۔

ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری اس خوشی میں بہت سے لوگ—سستجدار اور اتر دار لوگ—شریک نہ ہونگے۔ اخباروں میں جو بیانات اور مقصود نکلے ہیں ان کی دھن بھی ہے کہ اس وقت تو جواہر لال جی کو کسی حالت میں ملک کی پرانم منسٹری سے الگ نہیں ہونا چاہئے اور اپنی بات زد نہیں کرنا چاہئے۔ ہم ان میں نہیں ہیں۔ ہم اس خیال کے قائل نہیں کہ اگر جواہر لال جی کے علاوہ کوئی دوسرا بھائی یا بہن پرانم منسٹری کے تاج کو سنبھال لے گا تو ملک کی فائز کو قربانہ کا خطرہ ہے اور نہ ہم یہی مانتے ہیں کہ جواہر لال جی یا ان کی جیسی کوئی اور شخصیت ملک اور دنیا کی سب سے بہترین خدمت پرانم منسٹری کے عہدہ پر رہ کر ہی کر سکتی ہے۔

آج دنیا میں کئی طرح کی طاقتیں کلم کر رہی ہیں۔  
جیسے غلوار کی طاقت جس نے آج ایٹم اور ہائیڈروجن بم کی  
شکل لے لی ہے، پیسٹہ کی طاقت جس نے ہڑے ہڑے ہڈیوں  
اور سرسبز پھولوں کی شکل لے لی ہے، دماغ کی طاقت  
جو آج ایک ملک کے آگے دوسرے کو پست کرتے ہیں  
چوڑے اور قاتلوں کی طاقت جو بڑی بڑی آبادیوں کی

## جواہر لال جی اور ہندوستان کا مبیشہ

اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں ہندوستان جواہر لال نہرو کا ایک گشتی خط اخباروں میں چھپا جو انہوں نے ملک پر اس صوبے کی گورنرس کمیٹیوں کے صدر صاحبان کے نام بھیجا ہے۔ اس مہذبوں چٹھی میں انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ جنوری میں پارلیمنٹ کا جو سالانہ جلسہ ہونے جا رہا ہے اس کی صدارت وہ نہ کریں اور ساتھ ہی ساتھ حکومت ہند کی پروگرام ممبروں کے کام سے کچھ عرصہ کے لئے ہٹ جائیں۔ انہوں نے اطمینان دلایا ہے کہ ان کے اس خیال کے پیچھے بھاپا یا محبت کی کمزوری کا کوئی اثر نہیں کر رہا ہے۔

”مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اپنے اس ملک میں مجھے ابھی اور بہت سے کام کرنے ہیں اور میرا نقشہ ہے کہ اس مقصد کے لئے میں اپنے کو تندرست رکھوں گا۔ نہ میں کم از کم داری سے ہی بیگانہ ہوں اور نہ میرا کوئی ارادہ جنگل میں ڈالے جانے یا پہاڑوں کی راہ پکڑنے کا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ مجھے کچھ چیز انجام دینی ہے اور جب تک کسی کو اس طرح محسوس ہوتا ہے تب تک اسے کام کرنے کی اور ترقی دینے کی تمنا ہوتی ہے۔ میرے اندر وہ زوردار تمنا ہے کہ آگے چل کر ان کا کہنا ہے:

”آؤ اسی کے بعد سے پیچھے سات سالوں میں ہم نے جو کچھ کیا ہے اس پر مجھے کوئی ناامیدی یا استغش ہی نہیں ہے۔ بلکہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نہ صرف میں نے ذاتی طور پر بلکہ سارے ملک نے کامیابی حاصل کی ہے اور آگے بڑھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنے کام کاج میں فرق کرنا میں اسی وجہ سے ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ میں سوچتا ہوں کہ ہمارے ملک نے اچھا کام کیا ہے اور اس کی ترقی کے لئے اچھی اور مضبوط بنیاد قائم ہوگئی ہے۔ میں دعا کر رہا ہوں کہ آگے چل کر ان کا کہنا ہے:

لیکن یہ وہ وقت نہیں چاہتے ہیں؟ اسی کی وجہ سے ہیں۔

(۱) بے بسی (Staleness) کا کچھ احساس ہوتا ہے جو مشین کی طرح کام کرنے والے کو لاحق ہوتا ہے۔

(۲) میں کچھ غور سے سوچتا ہوں کہ یہ وہ وقت نہیں چاہتے ہیں؟ اسی کی وجہ سے ہیں۔

## جواہر لال جی اور ہندوستان کا مبیشہ

اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں ہندوستان جواہر لال نہرو کا ایک گشتی خط اخباروں میں چھپا جو انہوں نے ملک پر اس صوبے کی گورنرس کمیٹیوں کے صدر صاحبان کے نام بھیجا ہے۔ اس مہذبوں چٹھی میں انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ جنوری میں پارلیمنٹ کا جو سالانہ جلسہ ہونے جا رہا ہے اس کی صدارت وہ نہ کریں اور ساتھ ہی ساتھ حکومت ہند کی پروگرام ممبروں کے کام سے کچھ عرصہ کے لئے ہٹ جائیں۔ انہوں نے اطمینان دلایا ہے کہ ان کے اس خیال کے پیچھے بھاپا یا محبت کی کمزوری کا کوئی اثر نہیں کر رہا ہے۔

”مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اپنے اس ملک میں مجھے ابھی اور بہت سے کام کرنے ہیں اور میرا نقشہ ہے کہ اس مقصد کے لئے میں اپنے کو تندرست رکھوں گا۔ نہ میں کم از کم داری سے ہی بیگانہ ہوں اور نہ میرا کوئی ارادہ جنگل میں ڈالے جانے یا پہاڑوں کی راہ پکڑنے کا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ مجھے کچھ چیز انجام دینی ہے اور جب تک کسی کو اس طرح محسوس ہوتا ہے تب تک اسے کام کرنے کی اور ترقی دینے کی تمنا ہوتی ہے۔ میرے اندر وہ زوردار تمنا ہے کہ آگے چل کر ان کا کہنا ہے:

”آؤ اسی کے بعد سے پیچھے سات سالوں میں ہم نے جو کچھ کیا ہے اس پر مجھے کوئی ناامیدی یا استغش ہی نہیں ہے۔ بلکہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نہ صرف میں نے ذاتی طور پر بلکہ سارے ملک نے کامیابی حاصل کی ہے اور آگے بڑھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنے کام کاج میں فرق کرنا میں اسی وجہ سے ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ میں سوچتا ہوں کہ ہمارے ملک نے اچھا کام کیا ہے اور اس کی ترقی کے لئے اچھی اور مضبوط بنیاد قائم ہوگئی ہے۔ میں دعا کر رہا ہوں کہ آگے چل کر ان کا کہنا ہے:

لیکن یہ وہ وقت نہیں چاہتے ہیں؟ اسی کی وجہ سے ہیں۔

(۱) بے بسی (Staleness) کا کچھ احساس ہوتا ہے جو مشین کی طرح کام کرنے والے کو لاحق ہوتا ہے۔

(۲) میں کچھ غور سے سوچتا ہوں کہ یہ وہ وقت نہیں چاہتے ہیں؟ اسی کی وجہ سے ہیں۔



یہی ہے اور اس کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ اور اگر حکومتیں ہیں جنکی وجہ سے اس تعلیم کے طور کوئی دوسرا چارہ نہیں ہے تو پھر اس تعلیم کو لاحق کمزوریوں کو کیا جاتا ہے۔ اس کا بہت خراب اثر ان لوگوں پر پڑتا ہے جو آج یہ تعلیم حاصل کرتے ہیں یا کرتے ہیں۔ ہم یہ نہیں مانتے کہ ہلکتے نہرو نے اس طرح کی بات کہل چوبہ یا قصہ میں، اگر کسی ہوگی، کیونکہ وہ بولتے ہیں کہ اس کے چار اور عمل میں جو نفع ہے اسے دور کر لو، چنانچہ اس کے عمل کو اس کے چار کی راہ پر لا دے۔

بہت سوچنے پر ایسا لگتا ہے کہ آج کل کی تالیف ہے تو نیکمپی پر آج جو ملک کا سماجی اور آرٹیک تعاقب ہے اس کا آئینہ ہے۔ آج ہمارے سماج میں ہاتھ سے کم کر کے والے ہی کوئی عزت نہیں، اور نہیں، کم کم کر کے زیادہ تفسوہ والے کامیاب ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ سرکاری محکمہ کو لوجھ، دیپاری دائروں کو دیکھتے، عام جلتا میں دیکھتے، سب میں ہی دیکھتے قائم ہے۔ اور یہی خوبی اس تعلیم کی ہے کہ اس کو حاصل کر کے کم سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے، اور اچھی تفسوہ والے کی تمنا ہوتی لگتی ہے اور بنا کم کئے کہانے کو جی چاہتا ہے۔ اس لئے جب تک سماج کے دیکھتے نہیں دیکھتے اور سرکار کے طریقے میں فرق نہیں آتا تب تک اس تعلیم کو بدلتا ہی طرح ناممکن ہے جیسے بھول ہو کر کتب خانے کی آمد رکھنا۔ اگر تعلیم ناممکن ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تعلیم کو چلنے والی سرکار ناممکن ہے۔ ہونا تو یہی چاہئے تھا کہ پرانے راج کے ساتھ پرانی تعلیم کو بھی دیکھتے کر دینا تھا اور نئے راج کے ساتھ نئی تعلیم لانا تھا۔ لیکن مداخلت میں راجا جی نے اگر کچھ تبدیلی کرنے کی کوشش بھی کی تو نئی سرکار نے اسے ختم کر کے پرانا دھرا پھر جاری کر دیا! نیا راج، پرانی تالیف!

اسلئے ہم اپنے دیر کے راسخوں سے انہیں کرنا چاہتے ہیں کہ انہیں انہیں سب سے آجکل کی تالیف سے نفرت ہے تو اس کے بدلنے کے لئے سرکار کے موزوں سیپاسی اور آئینہ ڈانچے کو بدلتا چاہیے، یہ ڈانچا ہی نیکمپی ہے۔ ہمارے دیکھتے ہونے پر تالیف آپ سے آپ بدلتی ہے۔

اس لئے ہم اپنے دیر کے راسخوں سے انہیں کرنا چاہتے ہیں کہ انہیں انہیں سب سے آجکل کی تالیف سے نفرت ہے تو اس کے بدلنے کے لئے سرکار کے موزوں سیپاسی اور آئینہ ڈانچے کو بدلتا چاہیے، یہ ڈانچا ہی نیکمپی ہے۔ ہمارے دیکھتے ہونے پر تالیف آپ سے آپ بدلتی ہے۔

اس لئے ہم اپنے دیر کے راسخوں سے انہیں کرنا چاہتے ہیں کہ انہیں انہیں سب سے آجکل کی تالیف سے نفرت ہے تو اس کے بدلنے کے لئے سرکار کے موزوں سیپاسی اور آئینہ ڈانچے کو بدلتا چاہیے، یہ ڈانچا ہی نیکمپی ہے۔ ہمارے دیکھتے ہونے پر تالیف آپ سے آپ بدلتی ہے۔



انہ پڑھائی کے درجہ اور علم جتنا ہے اتنے بڑے گروہ بنائے گئے ہیں۔

2. **دستخیزوں کو ملک کی بددلوئی پہنچانی چاہئے۔**  
جب تک دشمن کی بددلوئی نہیں ہوتی اور یہاں مقابلہ کی سہولتیں نہیں ہیں کی جانتی رہے تک لوگوں کو آسٹہ نہیں آئے گا۔ ہم سیکھ رہے ہیں کہ یہاں کی دستخیزیت والے سرکاری بنائے میں لکے جھن جھن میں لوگوں کو آسٹہ نہیں آتا، سو کوئی کا تکیجہ یہی نکلتا ہے کہ شہر والے گاؤں والوں کو جا کر لوٹیں۔

۴۔ پانچویں دن رات کو لڑوں کی ہنگامی ہوائی چلنے لگی جس سے سروراجہ کے لئے وحشی مال کا ہانپناٹ کیا گیا تھا اسی طرح لڑوں میں سروراجہ نے کے لئے شہر سے آنے والے مشہور پرانے مال کا ہانپناٹ کرنا ہوا۔

4. پیدائش کا آثار زمین ہے۔ اس واسطے کل زمین گٹوں والیں کی ہوئی چھانٹ گٹوں کی زمین کا دوبارہ بنتوڑا ہو اور گٹوں میں کوئی بھی آدمی ہے زمین نہ رہے۔

5. گاؤں کی پنچایتوں کی طاقت لوگ شکستہ ہی تھے، گاؤں والوں کی مرضی کے مطابق اور گاؤں والوں کی نگرانی میں پنچایتیں چلی چاہئیں۔ سرکاری مانتیتا ملے یا نہ ملے، اس کی چلتا نہیں۔ لوگ اپنی طاعت سے کلم کریں۔ پور سرکار کی جو مدد ملے سو ملے گی۔

سرکاری حاکم یا کارکن اور سازوجنک کارہ کرتا، ہر ایک سے ہماری عرض ہے کہ رہتا جی کے ان سبھیوں پر گہرائی سے دیکھ کر کے عمل کریں اور ملک کی طاقت کو مضبوط بنائیں۔

**28. 10. '54**

“ایکایم وکمی“

حال ہی میں مرزا باور خانے میں حصار چھپوں کے سامنے تقریر کوئے ہوئے شہزادہ پردھان ملکی بھارت جو ان کے لہرو نے کہا کہ یہ تعلیم جو اچھل دی جا رہی ہے "ایکدم نکسی" ہے۔ مچھل نکھیں یاد دیتا ہے بھارت جی نے اس طرح کی رائے پہلی بار نہیں دی ہے اس کے پیشتر بیسویں صدی میں چیز دوسرے شدیں جن کو چھل میں اور چھل تکھ میں یاد ہے۔ راشیو دی باور راجستھان پر چھل نے ہیں اور ان کے طور دوسرے ذمہ دار لوگوں نے بھی اس طرح کے حوالے طبع کے ہیں۔ سردار بٹلانی بھی یہی کہا کرتے تھے۔ مگر حصار عقل سمجھتا ہے کہ جب آپر ہے لیکن غصہ تک سب ہی اس طرح کی بات کہتے ہیں تو پھر کہی اسی بات ہے کہ جی "ایکدم نکسی" تعلیم میں تک چل رہی ہے۔ یہ

کے لئے پولیس کی امداد لینے کی طاقت مل جائے گی۔ نتیجہ یہ ہونے والا ہے کہ آج جو گاؤں کے اندر بھائی چارہ یا پریم اور بھائی بستی ہے وہ بھی مہم جائے گا اور آج جس طرح لکھنؤ یا دہلی میں لکھنؤ میں رسد کشی چلتی ہے اسی طرح گاؤں گاؤں میں بھی چلنے لگے گی، بلکہ کہیں زیادہ بدتر اور شرمناک صورت میں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ سرکاری یا کانسپسی نظریہ میں کہاں چوک ہے؟ جیسا ہم نے ابھی کہا، این کی نگاہ میں پنجابیت حاکم ہے، نہ کہ سبک۔ دوسرے شعبوں میں، آپ پنجابیت کو سہلس و قانونی آزادی جتنی چاہے دیتے دیکھئے، لیکن اگر اسی درجے تک آرتھک آزادی نہیں دیتے ہیں تو ان کی وہی حالت ہوگی جیسے کہ ہا بنیاد والے مکان کی ہوتی ہے۔ وہ ڈھ جاتا ہے اور اس میں جو رہتا ہے اس کو بھی دبا کر ختم کر دیتا ہے۔

اس لئے ہماری صاف رائے ہے کہ جب تک گاؤں گاؤں کو آرٹھک آزادی نہیں دی جاتی تب تک یہ ساری کوششیں بیکار ہی ثابت ہونے والی ہیں۔ آرٹھک آزادی سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ گاؤں کی بنیادی ضرورت کی چیزیں، جیسے کپڑا، گوشت، تیل، جونا، دوا دارو، تعلیم وغیرہ میں ہر گاؤں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہئے اور گاؤں سبھا کو یہ آزادی حاصل ہو کہ اگر اسی طرح کا مال باہر سے آئے تو اس کو آنے سے روک دے۔ اگر گاؤں میں مل باہر سے آنا چاہتا ہے تو گاؤں میں بے روزگاری بنی رہے گی، چوری دہشتی چلیں گی اور آپسی فرق پڑھیں گے۔ اس کے علاوہ گاؤں کی تعلیم پر بھی کوئی دھیان نہیں دیا جاتا۔ تعلیم سے ہماری منشا کتابی پڑھائی سے نہیں ہے بلکہ سدا چار اور لوگ مربیاد کی تعلیم ہے۔ پڑانے والے تھیں سستوں اور سادھوؤں نے جو گھوم گھوم کر گمان بے لیا اور جیسے گاؤں والوں نے بکن کے ذریعہ حاصل کیا اس سے جو ان کے سامنے کا ملکہ بڑا ہے اس کا مقابلہ شہر والے ابھی بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن ایدھر دو سو سال سے وہ تعلیم ہندو سی ہوئی ہے اور کوئی نیا گمان وہاں نہیں بونج رہا ہے نہ پڑانا ہی تیار آ رہا جا رہا ہے۔ اس طرح آرٹھک اور آرٹھک دونوں باتوں کی طرف جب تک ہماری سرگرمیاں یا پانچاپائیں توجہ نہیں دیں گی تب تک وہ گاؤں کی بہتری آؤد کے اوپر سنبھلی ہو اور رہی نہیں کر سکتیں۔

میں آج رہ رہتا ہوں جس کے ان سببوں کو یہاں دیتے ہیں جو  
انہیں نے جواہر داس کے سکول مقام پر پچھلے جن میں  
پچھلے کے بچوں کے آگے دے دیے۔ ان کا کہنا ہے:—

جی، جہ، آہنس، منزل، یعنی پہنچائی گہر ہونا  
 خاص جس میں اس زمانہ کے لئے وچار ہی بتائے جائیں  
 اور سیرت و اندیشہ اور کچھ دھارمک کتابوں  
 کی تعلیم بھی دی جائے۔ خاص کر چوتھی عمر والوں کے

गांव हैं. यू. पी. पंचायत राज एक्ट 1947 के मुताबिक आज यू० पी० में 36,139 ग्राम पंचायतें और 8,543 अवालग पंचायत हैं. गांव के इन्तजाम में गांव सभा के अधिकारों में से कुछ खास खास यह हैं :—

1. सड़कों की रखवाली और मरम्मत, रोशनी, दवा-दारू, तालीम, सफाई और मेलों का इन्तजाम.
2. पेड़ लगाना, गांव की हिरासत के लिये चौकीदार या दूसरे लोगों का बन्दोबस्त करना, नये पुल और पुलिया बनवाना.
3. अपने काम के लिये कोई भी जमीन हासिल कर लेना.
4. लगान व दूसरे सरकारी टैक्स वसूल करना, गांव के लोगों पर नये तरह से नये टैक्स लगाना.
5. प्रदेश की सरकार से जरूरत पड़ने पर कपया लेना और उसके साथ अपने काम के बढ़ाने के सिलसिले में कोई मुआहिदा करना या ठेका लेना.

इस तरह, कहीं ज्यादा, कहीं कम, दूसरी रियासतों में भी क्रम चलाये गये हैं. लेकिन जैसा हमारे प्रेमी पाठक जानते हैं इन पंचायतों या गांव सभाओं की बजह से न तो गांव के भाड़े कम हुये, न उनमें अमन हुआ न खुशहाली आई. उलटे गांव के रोजगार और भी ठंडे पड़ गये, चोरी बौरा बुरे काम भी ज्यादा होने लगे और सबसे दर्दनाक बात जो हुई वह यह कि दहात के लोगों के दिलों में आपस में द्वारे और ज्यादा पैदा हो गई—

मर्ज बढ़ता गया ज्यों ज्यों दवा की

लेकिन इससे इन्कार नहीं किया जा सकता कि पंचायत नाम की वह अजमत है कि रह रह कर हर सरकार उसकी दुहाई देती है और उसके ऊपर अपने को कुर्बान करने की हाथी भरती है. इस सिलसिले में हिन्दुस्तान के कुल प्रदेशों के उन मिनिस्ट्रों की जिनका पंचायत से बास्ता है, एक कान्फ्रेंस 25, 26, 27 जून को शिमला में हुई. इधर कांग्रेस बरकिंग कमेटी ने भी एक कमेटी पंचायतों की मौजूदा हालत की जांच करने और आगे के लिये सुझाव देने के लिये बनाई. इन तमाम कान्फ्रेंसों और कमेटीवों में इसबे मामूल बातचीत हुई. कमेटी की रिपोर्ट भी निकल चुकी है. लेकिन इन सब में एक ही जजबा काम करता दिखता है या कहना चाहिये एक ही बीज पर ज्यादा जोर दिया गया है. वह यह कि पंचायत किस तरह से गांव की बेहतर से बेहतर हाकिम बने यानी गांव को बचाकर अपने कब्जे में रखे. लेकिन दूसरे पहलू पर कि वह गांव के लोगों की सच्ची से सच्ची खिदमतगार किस तरह बने, कोई ध्यान नहीं दिया जाता. सूरत यह नजर आती है कि जल्द ही हमारे देश की पंचायतों या गांव सभाओं को बन्दूक व हथियार रखने की एक तरफ से और ज्यादा से ज्यादा टैक्स लगाने की और उसे वसूल करने

गों हों. य. पी. पंचायत राज एक्ट 1947 के مطابق आज यू० पी० में 36,139 ग्राम पंचायतें और 8,543 अवालग पंचायत हैं. गांव के इन्तजाम में गांव सभा के अधिकारों में से कुछ खास खास यह हैं :—

1. सड़कों की रखवाली और मरम्मत, रोशनी, दवा-दारू, तालीम, सफाई और मेलों का इन्तजाम.
2. पेड़ लगाना, गांव की हिरासत के लिये चौकीदार या दूसरे लोगों का बन्दोबस्त करना, नये पुल और पुलिया बनवाना.
3. अपने काम के लिये कोई भी जमीन हासिल कर लेना.
4. लगान व दूसरे सरकारी टैक्स वसूल करना, गांव के लोगों पर नये तरह से नये टैक्स लगाना.
5. प्रदेश की सरकार से जरूरत पड़ने पर कपया लेना और उसके साथ अपने काम के बढ़ाने के सिलसिले में कोई मुआहिदा करना या ठेका लेना.

इस तरह, कहीं ज्यादा, कहीं कम, दूसरी रियासतों में भी क्रम चलाये गये हैं. लेकिन जैसा हमारे प्रेमी पाठक जानते हैं इन पंचायतों या गांव सभाओं की बजह से न तो गांव के भाड़े कम हुये, न उनमें अमन हुआ न खुशहाली आई. उलटे गांव के रोजगार और भी ठंडे पड़ गये, चोरी बौरा बुरे काम भी ज्यादा होने लगे और सबसे दर्दनाक बात जो हुई वह यह कि दहात के लोगों के दिलों में आपस में द्वारे और ज्यादा पैदा हो गئिन—

मर्ज बढ़ता गया ज्यों ज्यों दवा की

लेकिन इससे इन्कार नहीं किया जा सकता कि पंचायत नाम की वह अजमत है कि रह रह कर हर सरकार उसकी दुहाई देती है और उसके ऊपर अपने को कुर्बान करने की हाथी भरती है. इस सिलसिले में हिन्दुस्तान के कुल प्रदेशों के उन मिनिस्ट्रों की जिनका पंचायत से बास्ता है, एक कान्फ्रेंस 25, 26, 27 जून को शिमला में हुई. इधर कांग्रेस बरकिंग कमेटी ने भी एक कमेटी पंचायतों की मौजूदा हालत की जांच करने और आगे के लिये सुझाव देने के लिये बनाई. इन तमाम कान्फ्रेंसों और कमेटीवों में इसबे मामूल बातचीत हुई. कमेटी की रिपोर्ट भी निकल चुकी है. लेकिन इन सब में एक ही जजबा काम करता दिखता है या कहना चाहिये एक ही बीज पर ज्यादा जोर दिया गया है. वह यह कि पंचायत किस तरह से गांव की बेहतर से बेहतर हाकिम बने यानी गांव को बचाकर अपने कब्जे में रखे. लेकिन दूसरे पहलू पर कि वह गांव के लोगों की सच्ची से सच्ची खिदमतगार किस तरह बने, कोई ध्यान नहीं दिया जाता. सूरत यह नजर आती है कि जल्द ही हमारे देश की पंचायतों या गांव सभाओं को बन्दूक व हथियार रखने की एक तरफ से और ज्यादा से ज्यादा टैक्स लगाने की और उसे वसूल करने

راستا ہے۔ اور مینے جانس معلوم ہوتا ہے مہاراجا گاंधی کی तरह اپنے دیش کی باہر کے اور اندر کے دونوں तरह کے पापों से छुड़ाना चाहते हैं۔ इसमें सन्देह नहीं मैंने फ्रांस इस समय की दुनिया के बड़े से बड़े आदमियों में से हैं۔

यह सच है कि फ्रांस अभी तक साम्राजशाही के पाप से मुक्त नहीं हुआ है। इस नोट के लिखे जाने के समय तक फ्रांस की तरफ से अफ्रीका के देश मर्छों पर जुल्म हो रहे हैं। फिर भी हम फ्रांस को श्री मैनेवे फ्रांस के सामने आने पर दिल से बधाई देते हैं और उनकी कोशिशों की कामयाबी के लिये शुभा करते हैं।

11. 11. '54

—मुन्दरलाल

## पंचायतों की आजादी

एक जमाना था जब हमारे पुरखे कहा करते थे कि "कोई नुप होय हमें क्या हानी।" इसका मतलब यह था कि राजा कोई भी क्यों न हो, जनता का अपना काम अपने ढंग से चलता था। हर गांव काफी हद तक खुदमुखतार था और बाहर वाले उसकी आजादी में दखल नहीं डाल पाते थे। उस जमाने की खास बात यह थी कि गांव गांव न केवल खेती बल्कि दस्तकारियां भी चलती थीं, गांव की जरूरत का माल—जैसे कपड़ा, तेल, दवा दारु बरौरा—गांव में ही तैयार हो जाता था। दूसरी खास बात यह थी कि गांव के लोगों के मगड़े गांव के अन्दर ही मिल बैठकर तय हो जाते थे, रात को गांव की पंचायत लगती थी और एक मत से जो उसका फैसला होता था वह सब को मंजूर होता था। लेकिन धीरे धीरे पैसों का चलन बढ़ा, गांव में बाहर का माल आना जाना शुरू हुआ और गांव की खुदमुखतारी खतम होने लगी। अंग्रेजों के जमाने में गांव की इन दोनों खासियों को बहुत चोट पहुंची और हमारे गांव तबाह हो गये। उनका बन्वा खतम हो गया, दस्तकारी मानो मिट ही गई और पंचायतों की भी वह शान न रही। गांव वालों के मगड़े शहर की अदालतों में आने लगे और पंच परमेस्वर नाम भर के लिये रह गये। जिन दिनों हम आजादी के लिये अंग्रेजों के खिलाफ लड़ते थे उन दिनों गांव गांव जाकर कहते थे कि आजादी हासिल होने पर गांव की सनअत बढ़ाई जायेगी और वहां की पंचायतों को केवल चलाया ही नहीं जायेगा उन्हें पूरी आजादी भी दी जायेगी ताकि हमारे गांव अपनी तरफ की और अपनी बेहतरी अपनी मर्छों के मुताबिक कर सकें।

अंग्रेजों के जाने के बाद देहली में और सूबों में, सब जगह कांग्रेस की आवाजी बहुत मजबूत हुई तो उसने पंचायत का सवाल भी हमारे सामने रखा। हम वहां शहर प्रदेरा की मिसाल सामने रखेंगे, वहां प्रदेरा में एक गांव से कुछ ऊपर (1,01,500)

राई है। पर महेन्दे फ्रांस में मालूम होता है मेला गन्धी की तरह अपने दिश को बाहर के और अन्दर के दोनों तरह के पापों से छुड़ाना चाहते हैं। इस में सन्देह नहीं मैंने फ्रांस इस समय की दुनिया के बड़े से बड़े आदमियों में से हैं।

यह सच है कि फ्रांस अभी तक साम्राज शाही के पाप से मुक्त नहीं हुआ है। इस नोट के लिखे जाने के से तक फ्रांस की तरफ से अफ्रीका के देश मर्छों पर जुल्म हो रहे हैं। फिर भी हम फ्रांस को श्री मैनेवे फ्रांस के सामने आने पर दिल से बधाई देते हैं और उनकी कोशिशों की कामयाबी के लिये शुभा करते हैं।

—सुन्दर लाल

11. 11. '54

## पंचायतों की आजादी

एक जमाने का जब हमारे पुरखे लोग कहा करते थे कि "कोई नुप होय हमें क्या हानी।" इसका मतलब यह था कि राजा कोई भी क्यों न हो, जनता का अपना काम अपने ढंग से चलता था। हर गांव काफी हद तक खुदमुखतार था और बाहर वाले उसकी आजादी में दखल नहीं डाल पाते थे। उस जमाने की खास बात यह थी कि गांव गांव न केवल खेती बल्कि दस्तकारियां भी चलती थीं, गांव की जरूरत का माल—जैसे कपड़ा, तेल, दवा दारु बरौरा—गांव में ही तैयार हो जाता था। दूसरी खास बात यह थी कि गांव के लोगों के मगड़े गांव के अन्दर ही मिल बैठकर तय हो जाते थे, रात को गांव की पंचायत लगती थी और एक मत से जो उसका फैसला होता था वह सब को मंजूर होता था। लेकिन धीरे धीरे पैसों का चलन बढ़ा, गांव में बाहर का माल आना जाना शुरू हुआ और गांव की खुदमुखतारी खतम होने लगी। अंग्रेजों के जमाने में गांव की इन दोनों खासियों को बहुत चोट पहुंची और हमारे गांव तबाह हो गये। उनका बन्वा खतम हो गया, दस्तकारी मानो मिट ही गई और पंचायतों की भी वह शान न रही। गांव वालों के मगड़े शहर की अदालतों में आने लगे और पंच परमेस्वर नाम भर के लिये रह गये। जिन दिनों हम आजादी के लिये अंग्रेजों के खिलाफ लड़ते थे उन दिनों गांव गांव जाकर कहते थे कि आजादी हासिल होने पर गांव की सनअत बढ़ाई जायेगी और वहां की पंचायतों को केवल चलाया ही नहीं जायेगा उन्हें पूरी आजादी भी दी जायेगी ताकि हमारे गांव अपनी तरफ की और अपनी बेहतरी अपनी मर्छों के मुताबिक कर सकें।

अंग्रेजों के जाने के बाद देहली में और सूबों में, सब जगह कांग्रेस की आवाजी बहुत मजबूत हुई तो उसने पंचायत का सवाल भी हमारे सामने रखा। हम वहां शहर प्रदेरा की मिसाल सामने रखेंगे, वहां प्रदेरा में एक गांव से कुछ ऊपर (1,01,500)

گھر سے کہ پانچ دن کے اندر یا کسی اور طریقہ کے ذریعہ سے رات تک یا اس میں سے کسی ایک طریقہ کے ذریعہ سے استعمالی سے دیکھا گیا کی بجائے بڑی بڑی شکتیوں نے جن کا اصلی معاملہ ہے کوئی مسئلہ ایک نہیں تھا، بڑی بڑی رکاوٹیں ڈالیں۔ دنیا: جیروں: قہی کہ پانچ میں میں کیا ہو سکے گا۔ پر مینڈے فرانس نے سب کے اندر فیصلہ کرا کر ہی چھوڑا اور فیصلہ یہی وہ جو ہم جن کی جنگ کے حق میں اور دنیا کی شانتی کے حق میں تھا۔ بات پرانی ہو چکی۔ پر ہم یہاں اسے اس لئے دہرا رہے ہیں کہ کسی بھی سامراج والی دیکھ کا اور فرانس ابھی تک سامراج والی دیکھوں میں گنا جاتا ہے اور ہے، اس طرح پکے ارادے کے ساتھ اپنے آدھن دیکھوں کو آزاد ہونے میں مدد دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس ٹیک کام کا سہرا سب سے زیادہ مینڈے فرانس ہی کے سر ہے۔

ہمارے دیش کے اندر فرانس کے جو پورے قبضے چلے آ رہے تھے اُن کا ایس شانتی اور سندرنا کے ساتھ آزاد کیا جانا اور بھارت میں ملا جانا بھی اُن ٹیک کھوں میں سے ہے جن کا کافی دیکھ مینڈے فرانس کو ملنا چاہئے۔

حال میں اخباروں میں ایک اور خبر چھپی ہے جو اوزر کی دونوں باتوں سے کسی طرح کم مہتو کی نہیں ہے۔ یورپ کے دیکھوں میں شراب کا عام اور کلا چلن ہے۔ اُن سب دیکھوں میں اُلے گئے شراب نہ پینے والے بھی ہیں، پر کتنی کی نگاہ سے دل میں ٹمک جتکے بی نہیں۔ مینڈے فرانس نے پہلے خود شراب کی جگہ دودھ پینا شروع کیا۔ اُس کے بعد انہوں نے اپنے دیکھ کے اندر شراب پر روک لگائے کا بیڑا اُٹھایا۔

کہتے ہیں پچھلے جنگ کے بعد سے شراب کا بیڑا فرانس میں بہت بڑھ گیا ہے۔ اُس چھوٹے سے دیکھ کے اندر تیس لاکھ سے اوپر شراب کی بوتلیاں ہیں۔ پہلے میں پچھلے سال وہاں پندرہ ہزار آدمی جگر کی ایسی بیماریوں سے مرے جو ایک شراب پینے سے ہوئی ہیں۔ سڑکوں کی درگتوں میں جتنے آدمی اُس سال مرے اُن میں ساٹھ فی صد شراب کے نشہ میں تھے۔ سن 1900 میں جتنی شراب فرانس میں بنی تھی اس سے پچھلے سال پندرہ گنا زیادہ تیار ہوئی۔ مینڈے فرانس کی تجویز ہے کہ شراب کی بوتلیوں کی تعداد بہت کم کر دی جائے، شراب کی بوتلیوں اور بکریوں پر ٹیکس بڑھا دیا جائے، شراب کی بوتلیوں پر مہر لگا دینے جاویں، شراب کی بوتلیوں کم کر دی جاویں، شراب کے کچھ میں ایسے لگے کر دینے جاویں جب دیکھ میں کوئی شراب نہ ہو، کہ شراب ہی کو پورے والوں کو کوئی سواگت نہ جاویں، وغیرہ وغیرہ۔

دیکھ میں مینڈے فرانس کی اُن تجویزوں کا زبردست بیڑا شروع ہو گیا ہے۔ آج تک یورپ کے شانتی کی کسی شانتی کو ایسی طرح کی بات سنی نہیں ہو، اُس کی ہمت کو بھانپ کر ہی یہی بات ہے۔ سہارا کا راستہ بہت کچھ

گئے تھے کہ پانچ دن کے اندر یعنی ایک تاریخ کے بارے میں رات تک یا اس میں سے کسی ایک طریقہ کے ذریعہ سے استعمالی سے دیکھا گیا کی بجائے بڑی بڑی شکتیوں نے جن کا اصلی معاملہ ہے کوئی مسئلہ ایک نہیں تھا، بڑی بڑی رکاوٹیں ڈالیں۔ دنیا: جیروں: قہی کہ پانچ میں میں کیا ہو سکے گا۔ پر مینڈے فرانس نے سب کے اندر فیصلہ کرا کر ہی چھوڑا اور فیصلہ یہی وہ جو ہم جن کی جنگ کے حق میں اور دنیا کی شانتی کے حق میں تھا۔ بات پرانی ہو چکی۔ پر ہم یہاں اسے اس لئے دہرا رہے ہیں کہ کسی بھی سامراج والی دیکھ کا اور فرانس ابھی تک سامراج والی دیکھوں میں گنا جاتا ہے اور ہے، اس طرح پکے ارادے کے ساتھ اپنے آدھن دیکھوں کو آزاد ہونے میں مدد دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس ٹیک کام کا سہرا سب سے زیادہ مینڈے فرانس ہی کے سر ہے۔

ہمارے دیکھ کے اندر فرانس کے جو پورے قبضے چلے آ رہے تھے اُن کا ایس شانتی اور سندرنا کے ساتھ آزاد کیا جانا اور بھارت میں ملا جانا بھی اُن ٹیک کھوں میں سے ہے جن کا کافی دیکھ مینڈے فرانس کو ملنا چاہئے۔

حال میں اخباروں میں ایک اور خبر چھپی ہے جو اوزر کی دونوں باتوں سے کسی طرح کم مہتو کی نہیں ہے۔ یورپ کے دیکھوں میں شراب کا عام اور کلا چلن ہے۔ اُن سب دیکھوں میں اُلے گئے شراب نہ پینے والے بھی ہیں، پر کتنی کی نگاہ سے دل میں ٹمک جتکے بی نہیں۔ مینڈے فرانس نے پہلے خود شراب کی جگہ دودھ پینا شروع کیا۔ اُس کے بعد انہوں نے اپنے دیکھ کے اندر شراب پر روک لگائے کا بیڑا اُٹھایا۔

کہتے ہیں پچھلے جنگ کے بعد سے شراب کا بیڑا فرانس میں بہت بڑھ گیا ہے۔ اُس چھوٹے سے دیکھ کے اندر تیس لاکھ سے اوپر شراب کی بوتلیاں ہیں۔ پہلے میں پچھلے سال وہاں پندرہ ہزار آدمی جگر کی ایسی بیماریوں سے مرے جو ایک شراب پینے سے ہوئی ہیں۔ سڑکوں کی درگتوں میں جتنے آدمی اُس سال مرے اُن میں ساٹھ فی صد شراب کے نشہ میں تھے۔ سن 1900 میں جتنی شراب فرانس میں بنی تھی اس سے پچھلے سال پندرہ گنا زیادہ تیار ہوئی۔ مینڈے فرانس کی تجویز ہے کہ شراب کی بوتلیوں کی تعداد بہت کم کر دی جائے، شراب کی بوتلیوں اور بکریوں پر ٹیکس بڑھا دیا جائے، شراب کی بوتلیوں پر مہر لگا دینے جاویں، شراب کی بوتلیوں کم کر دی جاویں، شراب کے کچھ میں ایسے لگے کر دینے جاویں جب دیکھ میں کوئی شراب نہ ہو، کہ شراب ہی کو پورے والوں کو کوئی سواگت نہ جاویں، وغیرہ وغیرہ۔

دیکھ میں مینڈے فرانس کی اُن تجویزوں کا زبردست بیڑا شروع ہو گیا ہے۔ آج تک یورپ کے شانتی کی کسی شانتی کو ایسی طرح کی بات سنی نہیں ہو، اُس کی ہمت کو بھانپ کر ہی یہی بات ہے۔ سہارا کا راستہ بہت کچھ



کیا جاتا ہے۔ حال میں روس کے ایک بڑے سائنسدان نے کہا ہے کہ یوں پوچھناؤں کے ساتھ دنیا کا ٹھیک ٹھیک پرہیز کیا جاوے تو چھ ارب سے اوپر انسان اس دھرتی پر اچھی طرح اور آرام سے رہ سکتے ہیں۔ اس سے دھرتی کی کل آبادی سوا دو ارب کے لگ بھگ ہے۔ برائی آدھک بچے پیدا کر کے نہیں، برائی ہماری ان 'پرچناؤں' میں ہے جن پر ہمیں بڑا ناز ہے، برائی ہماری آرتھک دیوستھا میں ہے۔

ہماری ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہر آدمی آدھک سے آدھک بچے پیدا کر کے میں لگ جاوے۔ اس معاملے میں مرد یا عورت جو بھی چھٹا لینے کو روک سکے ہم اس کی اتنی ہی تعریف کریں گے۔ پر یہ روک تھام اپنے اندر کی ہونی چاہئے، نیک (اخلاقی) ہونی چاہئے، دلوں، شیشیوں اور کھلی کلم تردی کی نہیں۔ اس دوسری طرح کی روک تھام کو ہم دینی نگاہ سے پاپ اور دنیا کی نگاہ سے جرم مانتے ہیں۔ مہاتما گاندھی نے بچے پیدا ہونے پر دلوں کے ذریعہ اس طرح کی روک تھام کو پاپ بتاتے ہوئے اپنے ایک لکھ میں اسے "مارل بینک ریٹسی" یعنی "اخلاقی دیوالیہ پن" یا "مداچار کا دیوالیہ پن" کہا تھا۔ راج کاماری امرت کور برسوں مہاتما گاندھی کے ساتھ رہ چکی ہیں۔ اب بھی ہمارے دوسرے شامکوں کی طرح وہ مہاتما گاندھی کے نام کی دعائی دیتی رہتی ہیں۔ امریکہ میں بھی انہوں نے مہاتما گاندھی کے اور اپنے سہینہ کی چرچا کی ہے۔ ہم اس سے آدھک کیا کہیں۔ یمنی مسٹر۔ محمد علی کی بات اس طرف کے راج کاجی دیوالیہ پن کا ثبوت ہے تو راج کاماری امرت کور کی بات اس اور کے نیک دیوالیہ پن کو ثابت کرتی ہے۔ بھوکاں ہم دونوں کو اور دونوں جگہ کی عام چٹنا کو ان دونوں طرح کے دیوالیہ پن سے بچا رہے۔

5. 11. '54

—سندھ لال

—سندھ لال

5. 11. '54

## ایک نیک فرانسیسی नेता

آج کل کے فرانس کے بڑے بڑے مائشیر مین نے فرانس اس زمانے میں دنیا کے نیک سے نیک اور بڑے سے بڑے آدمیوں میں سے ہیں۔ انہیں اپنے دیہ کے شامکوں کی ہاگ دور سلہا لے رہی ہے۔ پہلے ہی نہیں ہونے۔ اس تھوڑے سے سے میں انہوں نے اپنی نیکی اور ہمت دونوں سے دنیا کو چمکت کر دیا ہے اور اپنے سے کی راج نیکی پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے۔ ہند چین میں فرانس کی حکومت تھی اور فرانس کی حکومت کے خلاف ہی وہاں کے دھبے بھگتوں نے لڑائی لڑی تھی۔ پر یہی ساری دنیا آج اس بات کو چاہتی ہے کہ جہنم میں ہند چین کے معاملے پر جو انکواراقتربہ کاغذ لکھ رہی ہے اس میں مہینے فرانس یہ قسم کھا کر

## ایک نیک فرانسیسی नेता

آج کل کے فرانس کے بڑے وزیر مرنشیر مہینے فرانس اس سے دنیا کے نیک سے نیک اور بڑے سے بڑے آدمیوں میں سے ہیں۔ انہیں اپنے دیہ کے شامکوں کی ہاگ دور سلہا لے رہی ہے۔ پہلے ہی نہیں ہونے۔ اس تھوڑے سے سے میں انہوں نے اپنی نیکی اور ہمت دونوں سے دنیا کو چمکت کر دیا ہے اور اپنے سے کی راج نیکی پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے۔ ہند چین میں فرانس کی حکومت تھی اور فرانس کی حکومت کے خلاف ہی وہاں کے دھبے بھگتوں نے لڑائی لڑی تھی۔ پر یہی ساری دنیا آج اس بات کو چاہتی ہے کہ جہنم میں ہند چین کے معاملے پر جو انکواراقتربہ کاغذ لکھ رہی ہے اس میں مہینے فرانس یہ قسم کھا کر



کے پہاڑ سنبھال کر لےنا نہ انکے دیش کی مائلی حالات کو  
بھوت بھڑکا ماییت کرتا ہے، نہ ہمیں ماساوات یا برابری  
کی طرف لے جا سکتا ہے اور نہ دوسرے دیشوں کے لئے  
جگہ کھولتا ہے۔ ہر ہم پر ہی کھائے کہ روس اپنی جگہ  
خوش رہے اور ہر ہم پر ہی جگہ خوش رہے اور سب اپنی اپنی جگہ  
خوش رہیں اور کوئی قسم کو مٹانے کی چٹا میں نہ پڑے۔ اس  
طرح کی خوش کوئی ہماروں کی اچھا ہے لہذا ہے اور کسی بھی  
دیش کو کسی طرح ہل نہیں سکتا۔

راجکمار جی نے جو کچھ کہا وہ بھی کوئی نئی بات  
نہیں۔ ہم نے بڑے دم اور لہجے کے ساتھ پڑھا تھا کہ بھارت کے مردم  
شماری کمشنر نے اپنی رپورٹ میں یہ صاف لکھا ہے کہ اگر  
سائنسی طریقوں اور دولوں سے بچوں کے پیدا ہونے کو نہ روکا گیا  
تو بھارت کی آبادی چھوڑے ہی دیش میں اتنی بڑھ جائیگی کہ  
سرکار کے لئے سب کو روزی دینا سہا ناممکن ہوگا۔ انہوں نے  
بھارت سرکار سے سادھن کی تھی کہ وہ ان طریقوں کا ادھک سے  
ادھک پرچار کرے۔ ہماری سرکار اس کا خوب اور کلمے پرچار کر  
ہوئی رہی ہے۔ بہت سی چٹوں کے باہر کے دیشوں سے آئے ہو  
یہاں روک تھام ہے، انہیں باہر سے لائے کے لئے خاص پرمٹ لینے  
پڑتے ہیں، ہر ہم نے ہمیں اپنے واپاری دستوں سے سنا تھا  
کہ بچوں کی پیدائش روکنے کا نامان ان چٹوں میں سے ہے جو  
یہاں باہر کے دیشوں سے فوری جنرل ٹیسٹس یعنی کلمے عام ہو کوئی  
چٹا چاہے بلا کسی روک تھام کے ملتا سکتا ہے، اس اچانک  
دش پر ہم ادھک لہجہ لہنا چاہتے ہیں۔ پیدائش روکنے کے ان  
طریقوں سے کروڑوں روپے کی دوائیں اور کنگھی چٹوں ہر سال  
دیش میں پٹلے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو پہنچانی اور کلم ترقی کا  
بھی کلم پھیلان ملتا ہے، اس معاملے میں ہماری ہماروں سے  
پڑا تھا ہے کہ ہمارے دیش کے لوگ خاصکر ہمارے لوگ کے لوگ  
لے ہم راج کمار کے دیشوں میں آئے مشولس ہمارے دیش  
پر اس نئی تہذیب کے کلمہ چال میں ہمارے اپنے اور اپنی  
نسلوں کے پندہ جان اور ہمارے دیشوں کو پرہاد نہ کریں۔

چین ہم سے بڑا دیش ہے، بھارت کی آبادی اس সময়  
سبحر کر رہی ہے، بھارت کی کمیونسٹ سرکار پیدائش روکنے کا  
اس طرح کا سامان ایک ویسے کا بھی کافی سے لائی جانے دیتی  
اور نہ بھارت دیش میں اس طرح کا سامان پہنچاتا ہے، اس  
طرح بچوں کی پیدائش روکنے کے سامان ان دیشوں کا خاص آدم  
کرتی ہے اور انہیں انعام اور پھیل دیتی ہے جس کے بہت بچے  
ہوں۔ دیش کا طرح دیش کی میں کو دیتی دیش ہر ہم ہم  
آدم کی نگہ سے دیکھتا ہے، دیش میں ہی بہت بچوں والی  
مائیں کا کسی طرح کا آدم ہوتا ہے اور ان کے ساتھ اس طرح کا

کے پہاڑ سنبھال کر لےنا نہ انکے دیش کی مائلی حالات کو  
بھوت بھڑکا ماییت کرتا ہے، نہ ہمیں ماساوات یا برابری  
کی طرف لے جا سکتا ہے اور نہ دوسرے دیشوں کے لئے  
جگہ کھولتا ہے۔ ہر ہم پر ہی کھائے کہ روس اپنی جگہ  
خوش رہے اور ہر ہم پر ہی جگہ خوش رہے اور سب اپنی اپنی جگہ  
خوش رہیں اور کوئی قسم کو مٹانے کی چٹا میں نہ پڑے۔ اس  
طرح کی خوش کوئی ہماروں کی اچھا ہے لہذا ہے اور کسی بھی  
دیش کو کسی طرح ہل نہیں سکتا۔

راج کمار جی نے جو کچھ کہا وہ بھی کوئی نئی بات  
نہیں۔ ہم نے بڑے دم اور لہجے کے ساتھ پڑھا تھا کہ بھارت کے مردم  
شماری کمشنر نے اپنی رپورٹ میں یہ صاف لکھا ہے کہ اگر  
سائنسی طریقوں اور دولوں سے بچوں کے پیدا ہونے کو نہ روکا گیا  
تو بھارت کی آبادی چھوڑے ہی دیش میں اتنی بڑھ جائیگی کہ  
سرکار کے لئے سب کو روزی دینا سہا ناممکن ہوگا۔ انہوں نے  
بھارت سرکار سے سادھن کی تھی کہ وہ ان طریقوں کا ادھک سے  
ادھک پرچار کرے۔ ہماری سرکار اس کا خوب اور کلمے پرچار کر  
ہوئی رہی ہے۔ بہت سی چٹوں کے باہر کے دیشوں سے آئے ہو  
یہاں روک تھام ہے، انہیں باہر سے لائے کے لئے خاص پرمٹ لینے  
پڑتے ہیں، ہر ہم نے ہمیں اپنے واپاری دستوں سے سنا تھا  
کہ بچوں کی پیدائش روکنے کا نامان ان چٹوں میں سے ہے جو  
یہاں باہر کے دیشوں سے فوری جنرل ٹیسٹس یعنی کلمے عام ہو کوئی  
چٹا چاہے بلا کسی روک تھام کے ملتا سکتا ہے، اس اچانک  
دش پر ہم ادھک لہجہ لہنا چاہتے ہیں۔ پیدائش روکنے کے ان  
طریقوں سے کروڑوں روپے کی دوائیں اور کنگھی چٹوں ہر سال  
دیش میں پٹلے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو پہنچانی اور کلم ترقی کا  
بھی کلم پھیلان ملتا ہے، اس معاملے میں ہماری ہماروں سے  
پڑا تھا ہے کہ ہمارے دیش کے لوگ خاصکر ہمارے لوگ کے لوگ  
لے ہم راج کمار کے دیشوں میں آئے مشولس ہمارے دیش  
پر اس نئی تہذیب کے کلمہ چال میں ہمارے اپنے اور اپنی  
نسلوں کے پندہ جان اور ہمارے دیشوں کو پرہاد نہ کریں۔

چین ہم سے بڑا دیش ہے، بھارت کی آبادی اس সময়  
سبحر کر رہی ہے، بھارت کی کمیونسٹ سرکار پیدائش روکنے کا  
اس طرح کا سامان ایک ویسے کا بھی کافی سے لائی جانے دیتی  
اور نہ بھارت دیش میں اس طرح کا سامان پہنچاتا ہے، اس  
طرح بچوں کی پیدائش روکنے کے سامان ان دیشوں کا خاص آدم  
کرتی ہے اور انہیں انعام اور پھیل دیتی ہے جس کے بہت بچے  
ہوں۔ دیش کا طرح دیش کی میں کو دیتی دیش ہر ہم ہم  
آدم کی نگہ سے دیکھتا ہے، دیش میں ہی بہت بچوں والی  
مائیں کا کسی طرح کا آدم ہوتا ہے اور ان کے ساتھ اس طرح کا

## हमारी राय

मुसलमानों को समझे जाने वाले लोगों से उवादा सन्ध्या मुस्लिम  
ग्रीड सन्ध्या सोमिन साधित होंगे.

अब तक मजहबी आत्मा की सवाल है ताराकन्द की एक कड़ी मसजिद में—और उस शहर में बहुत सी सुन्दर मसजिदें हैं—इमाम के ठीक पीछे खड़े होकर हमने खद जुहर की क्याय पढ़ी है। सैकड़ों मुसलमान हमारे पीछे थे, मसजिद का सड़क ठलाठस भरा हुआ था। हमने उनकी अरबी लाकड़ी देखी, स्तूप देखा, मजहबी तात्मी देखी। हम कह सकते हैं कि इस काल अगर कहीं दुनिया में कामिल मजहबी आत्मा है तो सोमियत रुस और कन्पुनिस्ट चीन में है। अंग्रेजों के कायम किये कालिजों से निकले हुए बहुत से मुसलमान काबुलों के इस्लाम के मुक़ाबले में उनका इस्लाम कहीं ज्यादा मुस्तफिम है।

इस वहाँ रुस और अमरीका का मुकाबला करने नहीं बैठे, न हमें इस मुकाबले से कोई मतलब है. हमें चाहते हैं कि रुस अपनी जगह सुरा रहे और अमरीका अपनी जगह सुरा रहे और दुनिया के सब देश अपनी अपनी जगह सुरा रहें, और अपनी अपनी चाल चलें, जो उन्हें पसन्द हो. कोई दूसरे के काम में दखल न दे. कोई किसी के साथ जबरदस्ती न करे. यही सच्ची आजादी का मतलब है. यही इन्सानी बराबरी की बुनियाद हो सकती है. इसी में सब का भला है. इस के खिलाफ जो लोग भारत में या पाकिस्तान में अमरीका की मदद से कम्युनिस्ट देशों को भिडाना चाहते हैं उन्हें यह भी याद रखना चाहिये कि मले दी अमरीका में बहुत से मजदूरों के पास दो-दो मोटरें हों, जबकि रुस में बहुत सों के पास एक भी मोटर नहीं, लेकिन रुस में शायद दु-दुनो से भी कोई बेकार इन्सान न मिल सकेगा और अमरीका में वहाँ की सरकारी रिपोर्टों के अनुसार बेकारों की तादाद जिन्हें सरकारी टुकड़ों पर पालना पड़ता है और जिनके पास कोई काम करने के लिये नहीं है इस समय पचास लाख से ऊपर है. अब अगर हम इन्सादी मसावात यानी आर्थिक या माली बराबरी की निगाह से देखें तो कम्युनिस्ट देश इस समय दुनिया में सब से आगे हैं, रुस में भी शरीर और अभीर का अरका अभी तक है, पर कम, चीन में उससे भी कम, और अमरीका में सब से ज्यादा. कोई शरीर हसी या चीनी अगर अपने अभीर देश माई की तरह देखना चाहे तो उसे अपनी चीनी पीछे भिड जाने का डर नहीं हो सकता, जब कि एक अमरीकी शरीर अमरीकी अभीर की तरह बिना छोपी पीछे गिराने देना ही नहीं सकता. हमारे हिसाब से मोटे तौर पर चीन के आन्दर कम से कम मजदूर और बड़ी से बड़ी मजदूर का औसत एक और सात का है, रुस में एक और सात और अमरीका में एक और कई सौ. अगर अगर का अरका मले दुनिया भर और दुनिया की बाँकियों पर ऋणा अर्क भिड देश के जोर से आदुसियों का अपने वहाँ सोने

1. 3. 4.

مسلطان سب سے جانے والے لوگوں کے والدہ سے مسلمان اور مسیحی  
میں ثابت ہوئے۔

پہلی ایک مضمین آزادی کا سوال ہے تاحق قند کی ایکس  
بڑی مسجد میں مسلم امن شہر میں بہت سی سائبر مسجدیں  
ہوں۔ تمام کے ٹیگ پانچہ کڑے ہو کر ہم نے خون طہر کی تیار  
پڑی ہے۔ سبکوں مسلمان ہارے پانچہ تھ۔ مسجد کا صحن  
تیسرا ہی ہوا ہوا تھا۔ ہم نے اُن کی عربی انگریزی دیگی  
اسکول دیگا۔ مضمین تعلیم دیگی۔ ہم ہم سیکھ دیں کہ اس  
وقت اگر کہیں دیکھا ہوں۔ مضمین آزادی ہے۔ تو مروت روس  
اور کینیڈا کی ہیں مہم ہے۔ انگریزوں کے قائم کئے گئے ہیں سے  
نکلے ہوئے بہت سے مسلمان بابوں کے اسلام کے مقابلے میں اُن  
کا اسلام کہیں زیادہ مستحکم ہے۔

ہم پہلی روس اور امریکہ کا مقابلہ کر کے نہیں بیٹھے، نہ ہمیں اس مقابلے سے کوئی مطلب ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ روس اپنی جگہ خوش رہے اور امریکہ اپنی جگہ خوش رہے اور دنیا کے سب دہش اپنی اپنی جگہ خوش رہیں اور اپنی اپنی چل چلیں جو انہیں پسند ہو۔ کوئی دوسرے کے کام میں دخل نہ ڈالو۔ کوئی کسی کے ساتھ دوستی نہ کرے۔ یہی سچا آزادی کا مطلب ہے۔ یہی انسانی برادری کی بنیاد ہو سکتی ہے۔ اسی میں سب کا بچہ ہے۔ اس کے تحت چار لوگ بھارت میں یا پاکستان میں امریکہ کی مدد سے کمونسٹ نہ ہوں تو مٹا دیا جاتا ہے انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ پہلے ہی امریکہ میں بہت سے مزدوروں کے پاس دو دو موٹر تھیں، لیکن روس میں شاید تھوڑے سے ہی کوئی بیکار انسان نہ مل سکتا تھا اور امریکہ میں بھلی گی سڑکیں، زر زمین کے آبیاری کے آلات کی تعداد انہیں سڑکی، ٹرینوں پر پالنا دینا ہے اور ان کے پاس کوئی کام کرنے کے لئے نہیں ہے اس سے مجلسِ لاہور ہے بچر ہے۔ اب اگر ہم انسانی مساوات یعنی آہٹک یا مائی برادری کی بات سے دیکھیں تو کمونسٹ دہش اس سے دنیا میں سب سے آگے ہیں۔ روس میں ہی غریب اور امیر کا فرق ابھی تک ہے پر کم' چین میں اس سے بھی کم' اور امریکہ میں سب سے زیادہ۔ کوئی غریب روس یا چھٹی اگر اپنے امیر دہش کی بات کی طرف دیکھنا چاہے تو اسے اپنی کوئی پانچھہ کو چاہے اگر نہیں چھوٹا، جب کہ ایک امریکی غریب امریکی امیر کی طرف بنا کر ہی پانچھہ کر لے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ دھارے جنگی دھارے میں ہر چہ کے اندر کم سے کم مزدوری اور روزانہ کی بری حالت کا کھسکا ایک اور سات کا ہے روس میں ایک اور مروت اور امریکہ میں ایک اور لگی سو۔ جگہ جگہ کا کھسکا سال بھر کر اور دنیا کی مغربی برقیہ کر کے کسی دہش کے ہونے سے انہیں کا اپنے نہیں سولے



हर दिसाई दिया हो कि भारत भी कुछ उसी बे-चीनी और ला-मर्यादी की तरह जा रहा है और भारत को इस गलत रास्ते से हट कर फिर से ठीक रास्ते पर लाने के लिये उन्हें जुदा और मर्यादा से इनकार न करने वाली अमरीकी सरकार की मदद कारगर दिसाई देनी हो.

कुछ और मजहब का मामला बड़ा नाजुक मामला है। बोयी देर के लिये इससे दूट कर हम मिस्टर मुहम्मद अली और उनके अयास के लोगों से यह कहना चाहते हैं कि वह दुनिया की अब तक की तारीख और इस समय की हालत को पूरी तरह ध्यान में रखते हुए इस सारे सबाल पर गौर करने की कोशिश करें। यह जमाना एक नए और ऊंचे मानी में इनसानी मसाबहत यानी इनसानी बराबरी का जमाना है। आदमी आदमी के बीच की हथारों बरसों की दीवारें दूट रही हैं। इनसानी दुनिया तेजी के साथ एक होती जा रही है और एक कुनवा बनती जा रही है। हमने कलाम मजीद को बहुत प्रेम और भ्रडा के साथ अनेक बार पढ़ा है। दुनिया उस तरफ बढ़ रही है जिसे कुरान में “अस्ताह का कुनवा” कहा गया है। हथारों बरस से नीचे दबे हुए इनसान ऊपर आ रहे हैं और बहुत दिनों तक ऊपर रहने वालों को इसी बराबरी को कायम करने के लिये कुछ नीचे उतरना पड़ रहा है। यह है दुनिया की आजकल की गति। और यही मरीयते पणबी यानी ईश्वर की इच्छा है। मिस्टर मुहम्मद अली और उनकी तरह सोचने वाले लोगों को, चाहे वह पाकिस्तान में हों या भारत में या कहीं भी, यह मालूम होना चाहिये कि उन कम्युनिस्ट देशों में से जिन्हें वह मिटाना चाह रहे हैं आज सोवियत रूस के अन्दर मुस्लिम देश उजबेकिस्तान में, जिसके शहर समरकन्द, ताराकन्द और बुखारा किसी समय दुनिया की तहजीब के मरकज माने जाते थे और जो आज से सौ बरस पहले दुनिया के गरीब से गरीब और बीरान से बीरान देशों में गिना जाता था, आज रूसी कम्युनिज्म के दौर में एक मामूली किसान को केवल आठ घंटे मेहनत करके शाम को जो मजदूरी मिलती है वह है :— चार सेर आखू, दो सेर फल और सबजी, तीन पाब दूध, पाब भर गोदत और इन सबके अलावा उस या बारह हजुल नक़द एक हजुल बराबर होता है हिन्दुस्तानी एक रुपये दो आने के अगर चार या पांच आदमियों के किसी किसान कुनवे में दो आदमी भी—एक मर्द, एक औरत या दो भाई या बाप बेटे—लेत में काम करते हैं तो वह शाम को हस्त एक दुगुना सामान घर लेकर आते हैं। कलेक्टिव काम यानी मुरतक़ा लेडी की पैदावार की बिक्री से यह मजदूरी, सरकार का हिस्सा और सब खर्च देने के बाद जो एक किसान परिवार को नक़द बचता है वह अलग। इस सबके अलावा हर किसान परिवार की कुछ न कुछ अपनी निजी मिट्टी, नक़द की ज़रूरत भी है जिस पर उस परिवार का

کے دیکھائی دیا ہو کہ بھارت بھی کچھ اُسی بے تعلقی اور  
غرضی کی طرف جا رہا ہے اور بھارت کو اِس کا راستہ  
سے ہٹا کر پھر سے ٹھیک راستے پر لانے کے لئے انھیں خدا اور  
مذہب سے انکار نہ کرنے والی امریکی سرکار کی مدد کر کے دیکھائی  
دینی ہو۔

خدا اور مذہب کا معاملہ ہر نازک معاملہ ہے۔ مہروری  
دن کے لئے اس سے مت کر ہم مسٹر محمد علی اور اُن کے  
خیال کے لوگوں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ دنیا کی اب تک  
کی تاریخ اور اس سہ کی حالت کو پوری طرح دھیان میں  
رکھتے ہوئے اس سارے سوال پر غور کرنے کی کوشش کریں۔  
یہ زمانہ ایک نئے اور اولیٰ معنی میں انسانی مساوات  
یعنی انسانی برابری کا زمانہ ہے۔ آدمی آدمی کے بیچ کی  
ہزاروں برسوں کی دیواروں ٹوٹ رہی ہیں، انسانی دنیا  
تھیلوں کے ساتھ ایک عورتی جا رہی ہے اور ایک کاتب بنتی جا  
رہی ہے۔ ہم نے کلم مسجد کو بہت پریم اور شرمہ کے ساتھ  
اتیک بل دیا ہے۔ دنیا اس طرف بڑھ رہی ہے جیسے قرآن  
میں ”اللہ کا کتبہ“ کہا گیا ہے۔ ہزاروں برس سے نیچے دیے  
ہوئے انسان اوپر آ رہے ہیں اور بہت دنوں تک اوپر رہنے  
والوں کو اسی برابری کو قائم کرنے کے لئے کچھ نیچے اترنا پڑ  
رہا ہے۔ یہ دنیا کی آجکل کی گئی۔ اور یہی مشہد  
ابلی یعنی ایشور کی لچا ہے۔ مسٹر محمد علی اور اُن کی طرح  
سوچنے والے لوگوں کو چاہے وہ پاکستان میں ہیں یا بھارت  
میں یا کہیں بھی، یہ سام ہونا چاہئے کہ اُن کمیونسٹ دیشوں  
میں سے جہاں وہ آنا چاہ رہے ہیں آج سوویت روس کے  
اندر مسلم دیش، ازبکستان میں جس کے شہر سمرقند  
تاجقند اور بخارا کسی سے دنیا کی تہذیب کے مرکز مانے  
جاتے تھے اور جو آج سے سو برس پہلے دنیا کے غریب سے غریب  
اور دیوان سے دیوان دیشوں میں گنا جاتا تھا، آج روسی کمیونزم  
کے دور میں ایک معمولی کسان کو دیول آتھ تھنڈے محفل  
کر کے شام کو جو مہروری ملتی ہے وہ ہے ہسپتار سیر آلو  
دو سہر پل اور سبزی دہن پاؤ ہوتا، آج ہر گشت اور ان  
سب کے علاوہ دس یا بارہ روپل نقد، ایک روپل ہرادر ہوتا  
ہے۔ ہندستانی ایک روپیہ دو آٹھ کے، اگر چار یا پانچ آدمیوں کے  
کسی کسے کتبہ میں دو آدمی بھی ایک مرد ایک عورت  
یا عورت عورتی یا باپ بیٹے سمیت میں کلم کرتے ہیں تو وہ  
شام کو اس کا ٹوٹک ہوگنا ساسن گھر لے کر آتے ہیں۔ کلم  
تیم یعنی ہفتہ کے کھیتی کی پیدوار کی ہنری سے یہ مزدوری، سرکار  
کا جسے اور سب خرچ دھنڈے کے بعد جو ہر کسے پیدوار کو نقد  
چھتا ہے وہ ایک دس سب کے طور پر کسان پیدوار کی کچھ نہ  
کچھ لپٹی بھی ملکر ہرگز زمین میں ہے جس پر اُس پیدوار کا



## امریکا میں مسٹر محمد علی اور راج کاری امرت کور

حال میں سماچار پत्रوں کے اندر دو چوٹی چوٹی خبریں ایک ساتھ چھپی تھیں۔ پاکستان کے بڑے وزیر مسٹر محمد علی اور بھارت کی صنعت وزیر راج کاری امرت کور دونوں ان دنوں امریکہ میں تھے۔ یہی خبر یہ تھی کہ مسٹر محمد علی نے راج کاری پر وقت کیا کہ دنیا کو بچانے کے لئے دنیا بھر کے ممالک ضروری ہے اور اُسے ملانے کے دو ہی سادھن ہیں۔ پہلے اور تلوار، اُس کے لئے امریکہ، پاکستان اور دوسرے ایسی طرح کے دیہیوں کو ملکر کوشش کرنی چاہئے۔ دوسری خبر یہ تھی کہ راج کاری امرت کور نے امریکی جنگل سے کہا کہ بھارت کے لوگ بڑے فکر، جھٹ دھرمی اور اندھے وشناسی ہیں، ایسی لئے وہ بچوں کی پیدائش کو روکنے کے سائنسی طریقوں کو کم میں نہیں لاتے۔ اُس سے بھارت کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے۔ یہی بھارت کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ راج کاری امرت کور نے امریکی جنگل کو یہ بھی سوچنا دی کہ بھارت سرکار ہزاروں لاکھوں کے ذریعہ اور طرح طرح سے یہ کوشش کر رہی ہے کہ لوگ بچوں کی پیدائش روکنے کے ان طریقوں کو جانیں، ان کی فکر کریں اور انہیں کام میں لویں، یہ کوشش ایک بڑے پیمانے پر گاڑ گاڑ میں کی جا رہی ہے تاکہ دیہی بڑھتی ہوئی آبادی کی اس مصیبت سے بچ سکے۔

مسٹر محمد علی کے وچار اس معاملے میں سب کو پہلے سے معلوم تھے۔ راج کاری امرت کور کے وچار پیدائش روکنے کے سبب سے بھی دنیا سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔ پھر بھی ان دونوں کی یہ تقریریں ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتی تھیں کہ پاکستان اور بھارت کدھر جا رہے ہیں۔

مسٹر محمد علی ایک ایسے راج کے بڑے وزیر کے حیثیت سے بول رہے تھے جو اپنے کو اسلامی راج کہتا ہے، اور جسے اپنے اسلامی ہونے کا فخر ہے، خود مسٹر محمد علی اپنے کو مسلمان مانتے اور کہتے ہیں۔ ظاہر ہے انہیں خدا اور مذہب کو نہ مانتے والے کمزور اور کمزورستوں سے ناراضی ہے اور انہیں ان سے دنیا کو خطرہ دیکھتی ہے۔ اُس ناستیک اور بے دینی کو دنیا سے جلا کر دے دے اور خدا اور مذہب کو لوگوں کے دلوں میں بھر دے۔ انہیں پتہ ہے کہ اگر وہ سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کو دیکھیں، یہ بھی سمجھیں گے کہ جن کے بڑے وزیر چار، اسی کے بھارت اٹھ اور جواہر لال نہی کے چمن چائے جیسی گفتگوں سے اور انہیں وقت کے لئے ٹراخانے کی ہاٹ روس اور ہاٹ ٹی کے ساتھ سے مسٹر محمد علی کو یہ

مسٹر محمد علی ایک ایسے راج کے بڑے وزیر کے حیثیت سے بول رہے تھے جو اپنے کو اسلامی راج کہتا ہے، اور جسے اپنے اسلامی ہونے کا فخر ہے، خود مسٹر محمد علی اپنے کو مسلمان مانتے اور کہتے ہیں۔ ظاہر ہے انہیں خدا اور مذہب کو نہ مانتے والے کمزور اور کمزورستوں سے ناراضی ہے اور انہیں ان سے دنیا کو خطرہ دیکھتی ہے۔ اُس ناستیک اور بے دینی کو دنیا سے جلا کر دے دے اور خدا اور مذہب کو لوگوں کے دلوں میں بھر دے۔ انہیں پتہ ہے کہ اگر وہ سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کو دیکھیں، یہ بھی سمجھیں گے کہ جن کے بڑے وزیر چار، اسی کے بھارت اٹھ اور جواہر لال نہی کے چمن چائے جیسی گفتگوں سے اور انہیں وقت کے لئے ٹراخانے کی ہاٹ روس اور ہاٹ ٹی کے ساتھ سے مسٹر محمد علی کو یہ

مسٹر محمد علی ایک ایسے راج کے بڑے وزیر کے حیثیت سے بول رہے تھے جو اپنے کو اسلامی راج کہتا ہے، اور جسے اپنے اسلامی ہونے کا فخر ہے، خود مسٹر محمد علی اپنے کو مسلمان مانتے اور کہتے ہیں۔ ظاہر ہے انہیں خدا اور مذہب کو نہ مانتے والے کمزور اور کمزورستوں سے ناراضی ہے اور انہیں ان سے دنیا کو خطرہ دیکھتی ہے۔ اُس ناستیک اور بے دینی کو دنیا سے جلا کر دے دے اور خدا اور مذہب کو لوگوں کے دلوں میں بھر دے۔ انہیں پتہ ہے کہ اگر وہ سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کو دیکھیں، یہ بھی سمجھیں گے کہ جن کے بڑے وزیر چار، اسی کے بھارت اٹھ اور جواہر لال نہی کے چمن چائے جیسی گفتگوں سے اور انہیں وقت کے لئے ٹراخانے کی ہاٹ روس اور ہاٹ ٹی کے ساتھ سے مسٹر محمد علی کو یہ

مسٹر محمد علی ایک ایسے راج کے بڑے وزیر کے حیثیت سے بول رہے تھے جو اپنے کو اسلامی راج کہتا ہے، اور جسے اپنے اسلامی ہونے کا فخر ہے، خود مسٹر محمد علی اپنے کو مسلمان مانتے اور کہتے ہیں۔ ظاہر ہے انہیں خدا اور مذہب کو نہ مانتے والے کمزور اور کمزورستوں سے ناراضی ہے اور انہیں ان سے دنیا کو خطرہ دیکھتی ہے۔ اُس ناستیک اور بے دینی کو دنیا سے جلا کر دے دے اور خدا اور مذہب کو لوگوں کے دلوں میں بھر دے۔ انہیں پتہ ہے کہ اگر وہ سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کو دیکھیں، یہ بھی سمجھیں گے کہ جن کے بڑے وزیر چار، اسی کے بھارت اٹھ اور جواہر لال نہی کے چمن چائے جیسی گفتگوں سے اور انہیں وقت کے لئے ٹراخانے کی ہاٹ روس اور ہاٹ ٹی کے ساتھ سے مسٹر محمد علی کو یہ

اقتصادی اور سیاسی شکتی سب سے پہلی بات ہے تو اس میں مادی اور معنوی دونوں کا ہر ایک حصہ کا ہر ایک حصہ کی نیچر سے سمجھنا ضروری ہے۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہندوستان میں، پہلی بار، مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔

مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہندوستان میں، پہلی بار، مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔

اقتصادی اور سیاسی شکتی سب سے پہلی بات ہے تو اس میں مادی اور معنوی دونوں کا ہر ایک حصہ کا ہر ایک حصہ کی نیچر سے سمجھنا ضروری ہے۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہندوستان میں، پہلی بار، مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔

مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہندوستان میں، پہلی بار، مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔ نہ یہ کہ مادی اور معنوی دونوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔



तक और दूसरा उसके बाद हाथ करघों को जो बोरी सी खास रियायतें इस समय मिली हुई हैं उन्हें पहले काल में "और अधिक नहीं बढ़ाया जायगा." इसके अलावा कमेटी ने सरकार से सिकारिया की है कि "एक खास एजन्सी इस बात के लिये कायम की जाय कि वह इस बात को देखे कि इस बदलाव में जो खर्च करना पड़ेगा उसे कैसे और किस ढंग से किया जाय." सीपी सादी भाषा में इस सिकारिया का मतलब यह है कि वह धन्दा जिसे हम हाथ करघों का धन्दा कहते हैं देश की आर्थिक व्यवस्था से "दरजे दरजे" (by stages) बिल्कुल खत्म कर दिया जाये. किलाहाल थोड़े से ऐसे करघे रहने दिये जायेंगे जो ऐसा "नकीस और बहुत नकीस माल तैयार करते हैं" जिसे विदेशों में बेच कर बदले में "विदेशी सिक्के" मिल सकते हैं.

यह "बदलाव" का काम पूरी योजना के साथ कुछ दिनों से बराबर चल रहा है. इसी का नतीजा है कि हाथ बुनकरों की बहुत बड़ी तादाद बिल्कुल बेरोजगार हो चुकी है, और जो रह गए हैं उनमें से अधिकांश, जो चन्द साल पहले तक स्वतंत्र कारीगर थे, अब उन थोड़े से लोगों के लिये रोख की मजदूरी करते हैं जिनके पास थोड़ा बहुत पैसा जमा था और जो आसानी से पहले दरजे से निकलकर दूसरे दरजे में पहुँच गए हैं और अब तीसरे दरजे में मिलकर अपना स्वतन्त्र अस्तित्व खत्म कर देने के लिये तैयार बैठे हैं.

इस सारी समस्या में जो सब से बड़ा पहलू बेरोजगारी का है उस पर कमेटी ने ध्यान तक नहीं दिया. मामूम होता है कमेटी को सब से बड़ी चिन्ता इसी बात की थी कि किसी तरह कपड़ा मिलों के रास्ते से हाथ करघों की इस निकम्मी अदृश्य को दूर किया जाये. उसकी निगाह में हाथ करघों की अगर कोई थोड़ी बहुत उपयोगिता है तो वह इतनी ही कि उनके अतिथे कुछ "विदेशी सिक्के" मिल सकें. इसीलिये "बदलाव" के जमाने में हाथ करघों में तैयार हुए "मोटे और दृढियाले माल के मुकाबले में नकीस और बहुत नकीस माल को" और "मामूली खाकी माल के मुकाबले में रंगे छपे बढ़िया माल को" दूसरे दरजे में बने रहने की इजाजत दी जायगी, और सरकार बड़ी दया करके उन्हें इस बीच के जमाने में "खिन्दा रहने का मौसल कर सकती है."

अब उदाहरण, सो उसके बारे में कमेटी की सिकारिया है कि एक और "खास तहकीकात की जानी चाहिये और कार्यों तरफ के मिलने इलाक़ा सहर के धन्दे से सम्बन्ध रखते हैं (या उस पर असर रखते हैं) कन्सुम को निगाह में रखते हुए सहर के धन्दे के बारे में आसानी जैसला होना चाहिये."

जिस देश में आदमियों की कमी हो उसमें यदि हर काम के लिये मशीनों और मिलों पर इस तरह और दिया जाये तो कुछ समझ में आ सकता है. पर जिस देश में आदमी इतने

नक और दूसरा उसी के बाद हाथ करघों को जो बोरी सी खास रियायतें इस समय मिली हुई हैं उन्हें पहले काल में "और अधिक नहीं बढ़ाया जायगा." इसके अलावा कमेटी ने सरकार से सिकारिया की है कि "एक खास एजन्सी इस बात के लिये कायम की जाय कि वह इस बात को देखे कि इस बदलाव में जो खर्च करना पड़ेगा उसे कैसे और किस ढंग से किया जाय." सीपी सादी भाषा में इस सिकारिया का मतलब यह है कि वह धन्दा जिसे हम हाथ करघों का धन्दा कहते हैं देश की आर्थिक व्यवस्था से "दरजे दरजे" (by stages) बिल्कुल खत्म कर दिया जाये. किलाहाल थोड़े से ऐसे करघे रहने दिये जायेंगे जो ऐसा "नकीस और बहुत नकीस माल तैयार करते हैं" जिसे विदेशों में बेच कर बदले में "विदेशी सिक्के" मिल सकते हैं.

यह "बदलाव" का काम पूरी योजना के साथ कुछ दिनों से बराबर चल रहा है. इसी का नतीजा है कि हाथ बुनकरों की बहुत बड़ी तादाद बिल्कुल बेरोजगार हो चुकी है, और जो रह गए हैं उनमें से अधिकांश, जो चन्द साल पहले तक स्वतंत्र कारीगर थे, अब उन थोड़े से लोगों के लिये रोख की मजदूरी करते हैं जिनके पास थोड़ा बहुत पैसा जमा था और जो आसानी से पहले दरजे से निकलकर दूसरे दरजे में पहुँच गए हैं और अब तीसरे दरजे में मिलकर अपना स्वतन्त्र अस्तित्व खत्म कर देने के लिये तैयार बैठे हैं.

इस सारी समस्या में जो सब से बड़ा पहलू बेरोजगारी का है उस पर कमेटी ने ध्यान तक नहीं दिया. मामूम होता है कमेटी को सब से बड़ी चिन्ता इसी बात की थी कि किसी तरह कपड़ा मिलों के रास्ते से हाथ करघों की इस निकम्मी अदृश्य को दूर किया जाये. उसकी निगाह में हाथ करघों की अगर कोई थोड़ी बहुत उपयोगिता है तो वह इतनी ही कि उनके अतिथे कुछ "विदेशी सिक्के" मिल सकें. इसीलिये "बदलाव" के जमाने में हाथ करघों में तैयार हुए "मोटे और दृढियाले माल के मुकाबले में नकीस और बहुत नकीस माल को" और "मामूली खाकी माल के मुकाबले में रंगे छपे बढ़िया माल को" दूसरे दरजे में बने रहने की इजाजत दी जायगी, और सरकार बड़ी दया करके उन्हें इस बीच के जमाने में "खिन्दा रहने का मौसल कर सकती है."

अब उदाहरण, सो उसके बारे में कमेटी की सिकारिया है कि एक और "खास तहकीकात की जानी चाहिये और कार्यों तरफ के मिलने इलाक़ा सहर के धन्दे से सम्बन्ध रखते हैं (या उस पर असर रखते हैं) कन्सुम को निगाह में रखते हुए सहर के धन्दे के बारे में आसानी जैसला होना चाहिये."

जिस देश में आदमियों की कमी हो उसमें यदि हर काम के लिये मशीनों और मिलों पर इस तरह और दिया जाये तो कुछ समझ में आ सकता है. पर जिस देश में आदमी इतने

کر ہوا ہوتا ہے۔ کمپنی سے جو آٹھارہ کلو گرام بھی وہ سب پلاٹ سبیل ہوئے۔

کمپنی کی رپورٹ کے अनुसार اس সময় भारत में कुल एक लाख साठ नवें हजार रुपये हैं जिन में केवल बारह लाख रुपये हैं जो "व्यापारी ढंग से सफलता के साथ चल रहे हैं" रिपोर्ट के यह आंकड़े ठीक नहीं माने जा सकते. कमपनी ने खुद अपनी रिपोर्ट में लिखा है कि उसने "कहीं कहीं जहाँ तहाँ नमूने के तौर पर कुछ करघे गिनवा कर उनके आधार पर सारे भारत के लिये यह आंकड़े तैयार कर लिये." पर यदि इन आंकड़ों को ठीक भी मान लिया जावे तब भी एक बात स्पष्ट है कि कमपनी ने केवल उन करघों को लिया है जो "कमपनी की तहकीकात के समय" चल रहे थे. हमें मालूम है कि इस से कहीं अधिक तादाद उन करघों की है जो कुछ साल पहले तक चल रहे थे और जो अब चीथड़े हुए या जलाले की तीलियां बने हुए कोंनों में पड़े हैं, और जिन पर काम करने वाले कारीगरों के पास अब सिवा इसके कोई चारा नहीं कि या तो कहीं काई और राखी हूँ या भूले मरे. यू० पी० बुनकर फेडरेशन के सदर की हैसियत से दौरा करते हुए उत्तर प्रदेश के कई जिलों के बहुत से गांव में इस तरह के हजारों अमागे बुनकरों, उनके बाल बच्चों और उनके करघों की इस दुवशा को हमने अपनी आंखों से देखा है. इस तरह के करघों की ओर ध्यान न देने में ही कमपनी को अपने काम में सुबिधा विलाई दी. जो करघे कमपनी की तहकीकात के समय तक चल रहे थे उनमें से भी कमपनी ने जो कुछ सुझाव दिये हैं वह केवल उन करघों के बारे में हैं जो उस समय तक कमपनी की निगाह में "व्यापारी ढंग से सफलता के साथ चल रहे थे," यानी जो मिलों के पब्लिक मुकाबले और चारों तरफ की विराधी परिस्थिति के होते हुए भी किसी तरह थोड़ा बहुत मुनाफा कमा रहे हैं. बाकी सब लगभग पिछतर फीसदी करघों के लिये, जो हमारे आजाद होने के दिन तक चल रहे थे और कुछ अब भी चल रहे हैं, कमपनी के अनुसार अब दुनिया में कोई जगह नहीं रही और न रहनी चाहिये.

अब हमें यह देखना है कि जो करघे अभी तक "व्यापारी ढंग से मुनाफा कमा रहे हैं" उनके बारे में कमपनी का क्या सुझाव है. कमपनी ने हमारे सारे कपड़े और बुनाई के घन्वे को तीन हिस्सों या तीन दरजों में बांटा है:—एक हाथ करघे, दूसरे छोटे पैमाने पर बिजली आदि की शक्ति से चलने वाले करघे और तीसरे कपड़ा मिलें. इसके बाद कमपनी का सुझाव है कि "हाथ करघों के घन्वे को दरजे दरजे बढ़ कर पहले छोटे पैमाने पर बिजली आदि की शक्ति से चलने वाले करघों के घन्वे में बदल दिया जाय और फिर कपड़ा मिलों में बदल दिया जाय." इस "बदलाव (Conversion)" के समय को दो कालों में बांटा गया है, पहला सन 1960

कर दिया गया है. कमपनी से जो आंखों की गयी हैं सब कालांतर में.

कमपनी की रपورت के अनुसार اس سیکھ भारत میں کل ایک لاکھ نوے ہزار کرگھ ہیں جن میں کچھ بارہ لاکھ آٹھ ہیں جو "ویااپاری ڈھنگ سے سیکھ کے ساتھ چل رہے ہیں." رپورٹ کے یہ آٹھ کرگھ نہیں مانے جاسکتے. کمپنی نے خود اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ اس نے "کہیں کہیں جہاں نہیں نمونے کے طور پر کچھ کرگھ گنوا کر ان کے آٹھارہ پر سارے भारत کے لیے یہ آٹھ کرگھ تیار کر لئے." پر یہی ان آٹھوں کو ٹھیک ہی مان لیا جاوے تب ہی ایک بات لسٹ ہے کہ کمپنی نے کچھ ان کرگھوں کو لیا ہے جو "کمپنی کی تحقیقات کے سیکھ" چل رہے تھے. ہمیں معلوم ہے کہ اس سے کہیں آٹھ تک تعداد ان کرگھوں کی ہے جو کچھ سال پہلے تک چل رہے تھے اور جو اب چھوٹے ہوئے یا جالے کی تیاریاں بناتے ہوئے کہیں میں پڑے ہیں اور جن پر کام کرنے والے کرگھوں کے پلس اب سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ یا تو کہیں کوئی اور روزی قوتندیں یا بھوکے مریں. یو. پی. ہاگر فیکٹریشن کے صدر کی حیثیت سے دورہ کرتے ہوئے اریڈنہ کے کئی ضلعوں کے بہت سے گاؤں میں اس طرح کے ہزاروں اٹھارے ہزاروں "ان کے بال بچوں اور ان کے کرگھوں کی اس فیکٹری کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے. اس طرح کے کرگھوں کی اور دھیان نہ دینے میں ہی کمپنی کو اپنے کام میں سوکھا دکھائی دی. جو کرگھ کمپنی کی تحقیقات کے سیکھ تک چل رہے تھے ان میں سے بھی کمپنی نے جو کچھ سیکھا دیکھا ہیں وہ کچھ ان کرگھوں کے بارے میں ہیں جو اس سیکھ تک کمپنی کی "ویااپاری ڈھنگ سے سیکھ کے ساتھ چل رہے تھے." یعنی انہوں نے زبردست مقابلے اور چاروں طرف کی وردھی پرستہی کے ہوتے ہوئے ہی کسی طرح تھوڑا بہت منافع کما رہے ہیں. ہائی سب لک ایک پچھتر فیصدی کرگھوں کے لئے جو ہمارے آؤان مارے کے دن تک چل رہے تھے اور کچھ اب بھی چل رہے ہیں، کمپنی کے انیسار اب دنیا میں کوئی جگہ نہیں رہی اور نہ رہنی چاہئے.

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو کرگھ ابھی تک "ویااپاری ڈھنگ سے منافع کما رہے ہیں" ان کے بارے میں کمپنی کا کیا سچاؤ ہے. کمپنی نے ہمارے سارے کپڑے اور بنائی کے دھندے کو تین حصوں یا تین درجوں میں بانٹا ہے:—ایک ہاتھ کرگھ، درمیانے چھوٹے پیمانے پر بجلی آدی کی شکتی سے چلنے والے کرگھ اور تیسرے کپڑا ملوں. اس کے بعد کمپنی کا سچاؤ ہے کہ "بہت کرگھوں کے دھندے کو درجہ درجہ بدل کر پہلے چھوٹے پیمانے پر بجلی آدی کی شکتی سے چلنے والے کرگھوں کے دھندے میں بدل دیا جائے اور پھر کپڑا ملوں میں بدل دیا جائے." اس "بدلاؤ (Conversion)" کے سیکھ کو دو کالوں میں بانٹا گیا ہے، پہلا سन 1960

جناتا نے دہلی میں، لکھنؤ میں، باراتھڑی میں، پور  
بھار میں شری رنج لختہ کے لئے جو گہرا پریم دکھایا اور  
ان کے چلے جانے پر جو شریک بنایا وہ جانتا ہے کہ ان کی چیز  
تھی۔ ایک چھوٹا سا لالہ جی کو چھوڑ کر دہلی میں شاید  
ہی کوئی طبیعت اچھلے عام چلتا ہوئے سب کو پیارا ہو چلتا  
شری رنج لختہ تھے۔ ہمارا ان کا بھی بچپن، بچس، بچس سے اور  
کا گہرا اور گہلا دوست تھا۔ شہزاد ایک معاملہ میں شری  
رنج لختہ آئے تھے باگ ملک اور نے لکھتے تھے جتنا کوئی بھی  
انسان ہو سکتا ہے۔ وہ ادیب، آدمی تھے جنہیں کانگریسی  
اور غیر کانگریسی، ہندوستانی اور چن سبھی سوشلسٹ اور  
کمونیسٹ سب ایک برابر پیار کرتے تھے اور جن پر سب کو ایک  
برابر ہنسنا تھا، کیونکہ ایک باریک بینی کے ہوتے ہوئے بھی  
ان کے ہر دہلے کے اندر سب کے لئے جگہ تھی، وہ کسی کے ساتھ  
غیریت برتنا نہ جانتے تھے، سب کو ضرورت کے وقت مدد دیتے  
تھے، آرمے وقت میں سب کے کلمے آتے تھے۔ جتنا کے سامنے اس  
کی سبکیوں بنائیں ہوں۔ چہ لے سے چھوٹے کلمے کرنے والوں اور  
جتنا کے معمولی سے معمولی (لوگوں) سے وہ جس کلمے دل سے ملتے  
تھے اس سے معلوم ہوتا تھا کہ حکومت کا گھنٹہ انہیں چھو بھی  
نہیں گیا تھا۔ جس طرح سے انہوں نے کنٹرول کو ہٹایا اور  
چھوڑنے کے بعد کم کئے اس سے بڑا چلتا تھا کہ وہ جتنا کے آدمی  
تھے اور جتنا کا ہمت کرنے کی ان میں سرجہ اور سبکیوں  
موجود تھے۔ بڑے درجہ تک وہ ایک آدھی شاگ اور شاگسوں  
کے لئے ایک آدمی تھے۔ پریم، آدرا، سرلتا، تسوارتھا اور سوا  
بھا کی وہ موتی تھے۔ لاکھوں اور کروڑوں ہندوستانیوں کے دلوں  
میں ان کی یاد پر ہوں ہی رہتی، ہماری ہی ایشور سے پرارتھا  
ہے کہ وہ ان کی آتما کو شانتی اور ان کے پیارے گھنٹوں کو دھجج  
دیں۔

28. 10. '54

— سندر لال

— سندر لال

28. 10. '54

## بھارت سرکار اور ہمارے غریب بنگلہ

ہمارا دیش جب سے آزاد ہوا ہے تب سے ہماری  
حکومت کے کپڑے کی دھڑکیاں بڑی سے میٹھی چلی جا رہی  
ہے، جس سے ہمارے لاکھوں بونکروں اور اس سے ملنے والے  
بھائیوں میں ملنے والے دوسرے کاریگروں میں بیکاری بڑھتی جا رہی  
ہے، بھارت سرکار نے حال میں ایک بونکری تھریڈنگ  
کمیٹی (ٹھریڈنگ انڈسٹری کمیٹی) بنی ہوئی ہے۔ لوگوں  
کو آگاہ ہوا ہے کہ یہ کمیٹی سرکار کو کچھ دے گی  
بائے بھائیوں، جن سے ہمارا دیش بڑھنے کا پتہ پڑے  
سکے اور گاؤں اور شہروں دونوں میں بیکاری  
کمیٹی نے اپنی رپورٹ سرکار کو دی۔ رپورٹ کو پڑھ

## بھارت سرکار اور ہمارے غریب بنگلہ

ہمارا دیش جب سے آزاد ہوا ہے تب سے ہماری  
حکومت کے کپڑے کی دھڑکیاں بڑی سے میٹھی چلی جا رہی  
ہے، جس سے ہمارے لاکھوں بونکروں اور اس سے ملنے والے  
بھائیوں میں ملنے والے دوسرے کاریگروں میں بیکاری بڑھتی جا رہی  
ہے، بھارت سرکار نے حال میں ایک بونکری تھریڈنگ  
کمیٹی (ٹھریڈنگ انڈسٹری کمیٹی) بنی ہوئی ہے۔ لوگوں  
کو آگاہ ہوا ہے کہ یہ کمیٹی سرکار کو کچھ دے گی  
بائے بھائیوں، جن سے ہمارا دیش بڑھنے کا پتہ پڑے  
سکے اور گاؤں اور شہروں دونوں میں بیکاری  
کمیٹی نے اپنی رپورٹ سرکار کو دی۔ رپورٹ کو پڑھ

**—सुन्दरलाल**

20 . 10 . '54

42

के पीछे बाथरूम से मिली हुई कीचड़ में पड़ी एक गोदल सी अजीब चीज दिखाई दी। उसे इम्तहान के लिये मेजा गया, पता चला कि कम बहुत खतरनाक था। इत्फाक से रात को फेंकने वाले का निराशा बूक गया। कम कमरे के अंदर गिरने के बाथरूम के पीछे की तरफ मिट्टी में गिरा और वहाँ फँसकर रह गया। कानसाया की पोराक में कमरे के पीछे से उस कम को फेंकने वाला भीजवान बड़ी निर्यानन्द चैटरजी था। पुलिस फेंकने वाले का उसके किसी साथी का सुरमा ब लगा सकी।

इसी तरह की और भी घटनाएँ इस समय हमारी याद के सामने हैं। पर हम यहाँ बाबू नित्यानन्द की जीवनी लिखने नहीं बैठे। श्री अरविन्द घोरा जिस जमाने में कलकत्ते से बैठे हुए देश के क्रांतिकारी आन्दोलन की खजुमाई कर रहे थे उस जमाने में अरविन्द बाबू के और इस प्रान्त के बीच में जो इने गिने लोग सन्देश लाने लेजाने का काम करते थे उनमें से एक बाबू नित्यानन्द चैटरजी थे। लोकमान्य तिलक और लाला लाजपत राव दोनों से उनके गहरे सम्बन्ध थे। वह थी बाबू नित्यानन्द की झुल की खिन्दीगी।

तब से लेकर मौत के दिन तक बाबू नित्यानन्द चैटरजी का सारा जीवन अपनी छोटी सी राफि के अनुसार देश की सेवा में ही बीता। सन 1908 के उस उर्दू अखबार "स्वराज्य" के साथ, जिसने भारत भर में शायद सबसे ज्यादा पढ़िखर जेल और कासे पानी भेजे, बाबू नित्यानन्द का पूरा सम्बन्ध था। हिन्दी अखबार "कर्मयोगी" के जो सन 1909 में निकल कर सन 1910 में बन्द हो गया नित्यानन्द जी मैनेजर थे। प्रयाग पब्लिशिंग कम्पनी के जो 'कर्म योगी' निकालती थी नित्यानन्द जी मैनेजिंग बाइरेक्टर थे। सन 1918 के साप्ताहिक "अभिरय" और सन 1919 के दैनिक "अभिरय" दोनों के वह मैनेजर थे। "नया दिव्य" के वह मैनेजर थे ही। अखबारों, खासकर कौमी अखबारों और प्रेस के काम का उन्हें बहुत गहरा सजुर्बा था।

जन सेवा की भी बाबू नित्यानन्द में गहरी लगन थी। सन 1908 के अवध के भर्बर अकाल से लेकर सन 1934 के बिहार सूकम्प तक जगह जगह उन्होंने जान लगा कर और बट कर दुखियों की सेवा की। सन 1919 में इलाहाबाद होमरूल लीग के वक्ता को वही संभासे हुए थे। सन 1919 के बाद से वह महात्मा गांधी के सच्चे प्रसिद्धों में से थे।

सन 1930 और सन 1932 के सत्याग्रह आन्दोलनों में उनका घर सब देश भर्षों और काम करने वालों के लिये आश्रय की जगह थी। सन 1980 में बहुत दिनों तक भारतीय कांग्रेस का और आन्दोलन का दोनों का वक्ता वहाँ के घर में था।

बाबू नित्यानन्द चैटरजी झुल कमर से लेकर बाथरूम

के बिच्चे बाबू रोम से घुसी हुयी किचर में पड़ी एक गोदल सी अजीब चीज दिखाई दी। उसे इम्तहान के लिये मेजा गया। पता चला कि कम बहुत खतरनाक था। इत्फाक से रात को फेंकने वाले का निराशा बूक गया। कम कमरे के अंदर गिरने के बाथरूम के पीछे की तरफ मिट्टी में गिरा और वहाँ फँसकर रह गया। कानसाया की पोराक में कमरे के पीछे से उस कम को फेंकने वाला भीजवान बड़ी निर्यानन्द चैटरजी था। पुलिस फेंकने वाले का उसके किसी साथी का सुरमा ब लगा सकी।

इसी तरह की और भी घटनाएँ इस समय हमारी याद के सामने हैं। पर हम यहाँ बाबू नित्यानन्द की जीवनी लिखने नहीं बैठे। श्री अरविन्द घोरा जिस जमाने में कलकत्ते से बैठे हुए देश के क्रांतिकारी आन्दोलन की खजुमाई कर रहे थे उस जमाने में अरविन्द बाबू के और इस प्रान्त के बीच में जो इने गिने लोग सन्देश लाने लेजाने का काम करते थे उनमें से एक बाबू नित्यानन्द चैटरजी थे। लोकमान्य तिलक और लाला लाजपत राव दोनों से उनके गहरे सम्बन्ध थे। वह थी बाबू नित्यानन्द की झुल की खिन्दीगी।

तब से लेकर मौत के दिन तक बाबू नित्यानन्द चैटरजी का सारा जीवन अपनी छोटी सी राफि के अनुसार देश की सेवा में ही बीता। सन 1908 के उस उर्दू अखबार "स्वराज्य" के साथ, जिसने भारत भर में शायद सबसे ज्यादा पढ़िखर जेल और कासे पानी भेजे, बाबू नित्यानन्द का पूरा सम्बन्ध था। हिन्दी अखबार "कर्मयोगी" के जो सन 1909 में निकल कर सन 1910 में बन्द हो गया नित्यानन्द जी मैनेजर थे। प्रयाग पब्लिशिंग कम्पनी के जो 'कर्म योगी' निकालती थी नित्यानन्द जी मैनेजिंग बाइरेक्टर थे। सन 1918 के साप्ताहिक "अभिरय" और सन 1919 के दैनिक "अभिरय" दोनों के वह मैनेजर थे। "नया दिव्य" के वह मैनेजर थे ही। अखबारों, खासकर कौमी अखबारों और प्रेस के काम का उन्हें बहुत गहरा सजुर्बा था।

जन सेवा की भी बाबू नित्यानन्द में गहरी लगन थी। सन 1908 के अवध के भर्बर अकाल से लेकर सन 1934 के बिहार सूकम्प तक जगह जगह उन्होंने जान लगा कर और बट कर दुखियों की सेवा की। सन 1919 में इलाहाबाद होमरूल लीग के वक्ता को वही संभासे हुए थे। सन 1919 के बाद से वह महात्मा गांधी के सच्चे प्रसिद्धों में से थे।

सन 1930 और सन 1932 के सत्याग्रह आन्दोलनों में उनका घर सब देश भर्षों और काम करने वालों के लिये आश्रय की जगह थी। सन 1980 में बहुत दिनों तक भारतीय कांग्रेस का और आन्दोलन का दोनों का वक्ता वहाँ के घर में था।



# ہمارا

# پہلے

## بابو نیتھانند چیتڑجی

سولہ اکتوبر سن 1954 کو دین کے دو بج کر بیس منٹ پر "نیا ہند" کے مینیجر بابو نیتھانند چیتڑجی کا ہلاکتا واقعہ میں شریک ہو گیا۔ بابو نیتھانند نیا ہند کے دوسرے لوگ اپنی عمر کے مطابق انہیں "بابو" کہتے تھے۔ ان کی عمر ایک تہتر برس کی تھی۔ وہ بیمار چلے آتے تھے۔ بیماروں کی حالت میں بھی "نیا ہند" پر ہمارے لوگوں کو آئے دن نظر چوتے رہتے۔ کام میں ان سے جو نیک اور قیمتی صلاح ملتی رہتی تھی، اس کا ملنا اب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ ہر آج کل کے زمانے میں ہمارے لئے ان کی موت کو کوئی لہجہ کی بات نہیں تھی۔ ان کے لئے وہ ماسک اوپر شاربک کشتوں سے چھٹکارا تھی۔ ہم انہوں سے پرارتھا کرتے ہیں کہ وہ ان کی آس کو شادی اور ان کے کنبہوں کو دھوچ دیں۔

بابو نیتھانند ان پرانے تھائی دیش کے رہنے والے تھے جنہوں نے سن 1905 میں بنگال کے دو ٹکڑے کیے جانے کے بعد اس دیش کو انگریزی راج کے پنجوں سے آزاد کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا اور جن کا سارا جہنم اسی دیش میں رہتا۔ ان پنکتنوں کے لئے ایک کا بابو نیتھانند کے ساتھ پورے آرتالیس سال کا گہرا سہنہ تھا۔ اسی دیش کی آزادی کے انہیں کے بہت سے بڑے ایسے ہیں جو آگے کی نسلوں کی نگاہ سے ہمیشہ ارجحیل ہی رہیں گے۔ شاید یہی اچھا ہی ہے۔ آگے کی نسلوں پر سب باتوں کو یاد رکھنے کا ہوجہ نہیں ڈالا جائے۔ ہر ہی ایسے آفسر پر ہم بابو نیتھانند کے شروع کے جہنم کی ایک چھوٹی سی ٹھٹھا بیان کرتے ہیں۔

آج سے ایک ہجرتیس برس پہلے ایک دن صبح کو کچھ اخباروں میں یہ خبر چھپی کہ پچھلی رات آٹھ بج کے آٹھ بج کے ایک کمرے میں اس پرانے کے کچھ بڑے بڑے انگریز حاکموں کی ایک بٹھک ہوئی تھی۔ نئے آفسروں کو پہلے کی ترکیبیں سوجی جارہی تھیں، بٹھک شادی سے ہو گئی۔ ہر آگے دن صبح کو بٹھک والے کمرے

سولہ اکتوبر سن 1954 کو دن کے دو بج کر بیس منٹ پر "نیا ہند" کے مینیجر بابو نیتھانند چیتڑجی کا الہ آباد میں سورگ ولس ہو گیا۔ بابو نیتھانند "نیا ہند" پر ہمارے لوگوں کو آئے دن نظر چوتے رہتے۔ کام میں ان سے جو نیک اور قیمتی صلاح ملتی رہتی تھی، اس کا ملنا اب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ ہر آج کل کے زمانے میں ہمارے لئے ان کی موت کو کوئی لہجہ کی بات نہیں تھی۔ ان کے لئے وہ ماسک اوپر شاربک کشتوں سے چھٹکارا تھی۔ ہم انہوں سے پرارتھا کرتے ہیں کہ وہ ان کی آس کو شادی اور ان کے کنبہوں کو دھوچ دیں۔

بابو نیتھانند ان پرانے تھائی دیش کے رہنے والے تھے جنہوں نے سن 1905 میں بنگال کے دو ٹکڑے کیے جانے کے بعد اس دیش کو انگریزی راج کے پنجوں سے آزاد کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا اور جن کا سارا جہنم اسی دیش میں رہتا۔ ان پنکتنوں کے لئے ایک کا بابو نیتھانند کے ساتھ پورے آرتالیس سال کا گہرا سہنہ تھا۔ اسی دیش کی آزادی کے انہیں کے بہت سے بڑے ایسے ہیں جو آگے کی نسلوں کی نگاہ سے ہمیشہ ارجحیل ہی رہیں گے۔ شاید یہی اچھا ہی ہے۔ آگے کی نسلوں پر سب باتوں کو یاد رکھنے کا ہوجہ نہیں ڈالا جائے۔ ہر ہی ایسے آفسر پر ہم بابو نیتھانند کے شروع کے جہنم کی ایک چھوٹی سی ٹھٹھا بیان کرتے ہیں۔

آج سے ایک ہجرتیس برس پہلے ایک دن صبح کو کچھ اخباروں میں یہ خبر چھپی کہ پچھلی رات آٹھ بج کے آٹھ بج کے ایک کمرے میں اس پرانے کے کچھ بڑے بڑے انگریز حاکموں کی ایک بٹھک ہوئی تھی۔ نئے آفسروں کو پہلے کی ترکیبیں سوجی جارہی تھیں، بٹھک شادی سے ہو گئی۔ ہر آگے دن صبح کو بٹھک والے کمرے



شہینک کی گھنٹوں پر مائل ہو کر انہیں نے گرم گرم آنسو  
 ڈھکے لگے۔ وہ گرا ہوا اور دیلوں ہاتھوں میں ہڑھی  
 ماں کو سنبھال لیا۔

وہ ہولناکیوں میں سے ہے، میں تمہارا حق بیٹا ہوں۔

میں یہ تو اتنی باتیں کر رہی تھیں کہ وہ کہیں سے شروع کریں، سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔ مسکھیاں لہکے ہوئے وہ بولی۔  
”میرا من یہ سوچ کر ہی گھبراتا ہے پھر جاتا ہے۔ زمیندار چینگ کا اتنا چار تو اگلی کی ارنچائی اور سلسلہ کی گھرائی سے پی زیادہ تھا۔ اس کی تو بوٹی کٹ کر کڑن کو کھا دینی چاہئے۔ تمہیں سمجھ سے بیس برس تک الگ رکھا گیا۔ سارا پروار ادھر ادھر چلن بن رہا۔ بیدی چورمین ماؤ کا راج نہ آتا تو میں شاید تمہیں دیکھ بھی نہ پاتی۔ تمہارے پتا نہمارے بڑے بھائی تمہاری بہن جیتہ.... جیتہ اتنی پیاری لڑکی ہے۔ بیس سال تک وہ میرے ساتھ تکلیف اُٹھاتی رہی۔“

**Rs. 7.80**

—National Herald, Lucknow.

—Leader, Allahabad.

— **Click, Bombay**

—Bharat Jyoti, Bombay

—Indian Express, Madras

**Abstract**

ہے جہاں جہاں کو پروٹیکشن دیکھنا چاہتی تھی کہ اس کا ہائی

بڑا ہو گیا۔ "ہاں، یہ بیکول سچ ہے، ایک ہزار بار سچ ہے، ایک ہزار بار سچ ہے۔" جس دن تم نے مجھے بتایا تھا اُس کے دوسرے دن میں نے اُس پر زہر - ہنگ سے ہاتھیں کی تھیں - جب وہ فٹ پیرونگ چلا گیا تھا، سے نکال کر وہ شہر پہنچا فیلڈ گول بھی کیا، زہر - ہنگ نے اُسے تھوکتے لگا۔ میں اُن سے گزرنے کے سڑکی دنگر میں ملکر آ رہی ہوں۔ گول کے میٹر انہیں پہلے آئے سے پہلے نشہ کرا رہے ہیں۔

خوشی کے گول میں یہ، کو اپنا شہر ہلکا کر کرنا ہوا معلوم ہونے لگا۔ وہ اُنڈ سے دھڑھڑا رہی تھیں۔ اُنہیں کے سامنے دھڑھڑا چلا گیا اور ساری دنیا ناچتی دکھائی دینے لگی۔ چون یہ گول کے لئے وہ یہ ہی نہیں گول گئیں کہ وہ کہاں بیٹھی ہیں۔ جب تک اُسے ہوش آئے جیت جا چکی تھی۔ ہوش میں اُنہیں مل مل کر دیکھنے لگیں کہ کہیں اب تک سیلا تو نہیں دیکھ رہی تھیں۔ زمین پر کپڑا رکھا تھا، سوئی اور تھوڑا ہی دیر سے ہی رکھا تھا۔ اُسے سامنے کی سڑک پر آدمیوں کی ایک ٹولی اُس کی طرف آئی دکھائی پڑی۔

مل یہ اُنہیں ہزار ہزار کر دیکھنے لگیں۔ جتنا ہی وہ دیکھنے کا پڑھنے کرتیں، اُن کی پریشانی اتنی ہی بڑھ جاتی۔ اُس نے اپنے من میں نشہ کر لیا کہ اُس ٹولی میں اُن کا کوئی لوگ نہیں ہے، وہ ایشیہ ہی کوئی دوسرا دیکھتی ہوگا۔ ٹولی اُس کے گھر کے نزدیک آ گئی تھی، پر اُسے اب بھی صاف نہیں دیکھائی پڑتا تھا۔ اب سب لوگ اُس کے قریب آ گئے تھے۔ ہواؤں میں اس کا شرہ ہلنے لگا۔

جیت دیوڑھی ہوئی اور اُن اور ماں کو سلہاتے ہوئے بولی۔ "مل، یہ دیکھو، بھائی لاشیاں آ گئے!"

دھڑھڑی نظروں سے مل یہ نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک لمبا آدمی سر جھکے کھڑا ہے۔ وہ بولا۔ "ہاں!" اُس کا گھر آیا تھا۔ وہ اُسے بڑھکے اپنے ہاتھوں سے اُس کا منہ اڑھچا تو چلتی تھی لیکن وہ ہل بھی نہ سکی۔ تب تک سب آدمی اکٹھا ہو گئے تھے اور وہ اُن کے پیچھے گھر گئی۔

جیت نے لیمپ چلا کر روشنی کی اور سب لوگوں کو بٹھایا۔ مل یہ دھیرے دھیرے اپنے کو پوری طور سے سنبھال چکی تھیں۔ اب اُن کی سمجھ میں آیا کہ اُن کے سامنے کیا ہو رہا ہے۔ وہ اُنہیں ہونٹیں اور ہاتھ میں لیمپ لہو لہو کے نزدیک لگیں۔ اُس کا سر تھوڑا سا جھکا کر اُس نے اُس کی گردن کے پاس ایک نشان دھڑھڑا کا پڑھنے کیا۔ اس کے لوگ کی پیدائش کی نشانی۔ گردن پر کا نشان۔ اس دھاتی کی گول پر تھا۔

پروٹیکشن... ہم دنگر میں لاشیاں ہی ہوں" وہ بولی۔

کہتا ہے۔ پہلے یہ خود وہاں جا کر دیکھ کر کہتا ہے کہ کیا حال ہے۔ پھر بعد میں یہ لکھتا ہے کہ کیا حال ہے۔

اس نے جہد کو بتا دیا کہ میں نے یہاں سے چل کر آ کر یہاں تک پہنچا ہے۔ اس نے جہد کو بتا دیا کہ میں نے یہاں سے چل کر آ کر یہاں تک پہنچا ہے۔

جس دن میں میں نے یہاں سے چل کر آ کر یہاں تک پہنچا ہے۔ اس نے جہد کو بتا دیا کہ میں نے یہاں سے چل کر آ کر یہاں تک پہنچا ہے۔

ایک کے بعد دوسرا دن گذرتا تھا، گاؤں کی ٹولی واپس آئی اور دوسری بار غلہ دانہ کے لئے پھر واپس چلی گئی۔ جب یہی جہد دوسری طرف کے محل کو جاتی رہ کر رہے۔ شنگ کے لئے کا انتظار کرتی۔ اب وہ آٹا لے ہوئے آکر کھڑی رہتی تھی۔

ماں یہ لے دیکھا کہ آجکل اُس کی لڑکی جیت دیاہ چنتت رہتی ہے، یہی گھر میں جیت کے پاس گم نہیں رہتا تھا تو وہ کہاں کہتے ہی جاک نکلتی تھی۔

ماں یہ ایک دن اُس پر ناراض ہوئیں اور کہے—”تمہارا بیواہ ہونے جا رہا ہے، تمہارا تہا ریاں کون نہیں کرتیں؟ گاؤں کا آؤدک گم پڑ ہی ہو سکتا ہے۔“

ایک دن شام کے وقت کمرے کے کونے میں بیٹھی ہوئی ماں یہ لڑکی کے لئے کچھ اچھے کپڑے سی رہی تھی۔ سرج دھونے لگا ہوا تھا۔ شک کر ماں یہ پھر ہو چکی تھی۔ وہ آٹا کڑی ہوئیں اور آٹا ملنے لگیں۔ سوچا کہ شام کی ٹھنڈک میں غسل کو پانی ہی نہ آئیں۔ گھر سے باہر نکلتے ہی دیکھا کہ گاؤں کے سرکاری دفتر سے جہد دوروزی مرنے چلی آ رہی ہے۔ ہرگز میں یہ کڑی چنتا سے ہری نظروں سے جہد کا ہر کر آنا دیکھتی رہیں۔

ہانہنی ہوئی جہد آئی اور ماں کے گم میں ہاتھ ڈال کر لکھتے ہوئے ہوئی۔ ”ماں! بہت اچھی خبر ہے، بہت بڑی بات سمجھ کر ہے۔“

”کیا بات ہے؟ تم ہمہرا پےسا لے کھتی ہو؟“ ماں بولی۔

جہد نے پہلے ماں پر سے پسینا پونچھا اور بولی—”ماں، کیا میری باتوں پر بھروسہ کرو گی؟ ماں آٹا ہے! کڑی ماں جس کے بارے میں تم اس دن رات سوچ رہی تھیں!“

”کون ماں؟“

”کڑی ماں جس کے بارے میں تم اس دن رات سوچ رہی تھیں!“

”ماں، کیا میری باتوں پر بھروسہ کرو گی؟ ماں آٹا ہے! کڑی ماں جس کے بارے میں تم اس دن رات سوچ رہی تھیں!“

جہد تو خوری سے پاگل ہو رہی تھی۔ ماں کے کمرے کو دھونے والی سے پکڑ کر وہاں سے لے کر وہاں کے شہر

پڑتا ہے۔ یہ وہ کڑی ماں ہے کہ اس نے یہاں سے چل کر آ کر یہاں تک پہنچا ہے۔ اس نے جہد کو بتا دیا کہ میں نے یہاں سے چل کر آ کر یہاں تک پہنچا ہے۔

اس نے جہد کو بتا دیا کہ میں نے یہاں سے چل کر آ کر یہاں تک پہنچا ہے۔ اس نے جہد کو بتا دیا کہ میں نے یہاں سے چل کر آ کر یہاں تک پہنچا ہے۔

جس دن میں میں نے یہاں سے چل کر آ کر یہاں تک پہنچا ہے۔ اس نے جہد کو بتا دیا کہ میں نے یہاں سے چل کر آ کر یہاں تک پہنچا ہے۔

ایک کے بعد دوسرا دن گذرتا تھا، گاؤں کی ٹولی واپس آئی اور دوسری بار غلہ دانہ کے لئے پھر واپس چلی گئی۔ جب یہی جہد دوسری طرف کے محل کو جاتی رہ کر رہے۔ شنگ کے لئے کا انتظار کرتی۔ اب وہ آٹا لے ہوئے آکر کھڑی رہتی تھی۔

ماں یہ لے دیکھا کہ آجکل اُس کی لڑکی جیت دیاہ چنتت رہتی ہے، یہی گھر میں جیت کے پاس گم نہیں رہتا تھا تو وہ کہاں کہتے ہی جاک نکلتی تھی۔

ماں یہ ایک دن اُس پر ناراض ہوئیں اور کہے—”تمہارا بیواہ ہونے جا رہا ہے، تمہارا تہا ریاں کون نہیں کرتیں؟ گاؤں کا آؤدک گم پڑ ہی ہو سکتا ہے۔“

ایک دن شام کے وقت کمرے کے کونے میں بیٹھی ہوئی ماں یہ لڑکی کے لئے کچھ اچھے کپڑے سی رہی تھی۔ سرج دھونے لگا ہوا تھا۔ شک کر ماں یہ پھر ہو چکی تھی۔ وہ آٹا کڑی ہوئیں اور آٹا ملنے لگیں۔ سوچا کہ شام کی ٹھنڈک میں غسل کو پانی ہی نہ آئیں۔ گھر سے باہر نکلتے ہی دیکھا کہ گاؤں کے سرکاری دفتر سے جہد دوروزی مرنے چلی آ رہی ہے۔ ہرگز میں یہ کڑی چنتا سے ہری نظروں سے جہد کا ہر کر آنا دیکھتی رہیں۔

ہانہنی ہوئی جہد آئی اور ماں کے گم میں ہاتھ ڈال کر لکھتے ہوئے ہوئی۔ ”ماں! بہت اچھی خبر ہے، بہت بڑی بات سمجھ کر ہے۔“

”کیا بات ہے؟ تم ہمہرا پےسا لے کھتی ہو؟“ ماں بولی۔

جہد نے پہلے ماں پر سے پسینا پونچھا اور بولی—”ماں، کیا میری باتوں پر بھروسہ کرو گی؟ ماں آٹا ہے! کڑی ماں جس کے بارے میں تم اس دن رات سوچ رہی تھیں!“

”کون ماں؟“

”کڑی ماں جس کے بارے میں تم اس دن رات سوچ رہی تھیں!“

”ماں، کیا میری باتوں پر بھروسہ کرو گی؟ ماں آٹا ہے! کڑی ماں جس کے بارے میں تم اس دن رات سوچ رہی تھیں!“

جہد تو خوری سے پاگل ہو رہی تھی۔ ماں کے کمرے کو دھونے والی سے پکڑ کر وہاں سے لے کر وہاں کے شہر

X X X

X X X

204 李 明

जेठ की आँखें लाल हो रही थीं, पापा वेद की उल्टी  
कुन्नी की याद थी, उसकी याद में पापा के ऊपरी हाँठों पर

جنتی کے لئے جس کی ہر چیز میں اللہ کی رحمت ہے۔



کے پاس سے چلے جانے کے سبب تک کا خرچہ چلنے کے لئے وہ انہیں پانچ پرنٹ چارل دیا۔

اس پروگرام میں یہ کے لڑکا پیدا ہونے کے ایک ماہ کے اندر ہی یہ پروگرام کو شہرچیا نیکو کھیت چھوڑ دینا پڑا۔ بہت دنوں تک وہ انہیں ادھر بیٹھتے رہے اور انت میں زمینداروں کے سیاست سے کھیت کی سیمہ کے قریب دایا کھاتی میں ٹھہر گئے۔ وہاں پایا یہ کوئلہ کھودتے تھے، نیک کی چٹانیں کاٹتے تھے یا پھر چلنے کی لڑکی کاٹ کر بیچتے تھے۔ ان کا جیبوں بہت مشکل سے چل پاتا تھا۔

1936 میں بھنگر اگل پڑا۔

یہ اپنے دونوں بچوں کو لیکر گھر سے نکل پڑے اور یہاں تک گئے۔ یہاں مائیکے مائیکے وہ زمینداروں کے چیلر کے پھر والے گلوں میں پہنچے۔ یہاں زمیندار لیو نے انہیں کچھ کم دیا۔ میں یہ کھانا پکایا کرتی تھی اور پایا یہ کھیت میں کم کرتے تھے۔ پوچنگ، جو اب نو سال کا ہو گیا تھا، زمیندار کی بیوی بکریاں چرانے جایا کرتا تھا، پر اُسے تلخوہ نہیں ملتی تھی۔ ان کو کل اتنا ہی مل پاتا تھا جس میں وہ اپنا اور اپنی چھوٹی بچی کا پیٹ بھرتے تھے۔ زمیندار لیو کا کرتا تھا کہ اس نے یہ کمپنی پر ہڑی دیا کی تی۔ ایسی ہی دیا کی نوکری وہ قریب ایک سال کرتے رہے۔ پھر پایا یہ نے پہاڑ پر تھوڑی زمین صاف کر کھیتی کرنے کی آگاہی مائی۔ لیو نے انہیں تھوڑی زمین دے دی اور اُس کا ٹان ہی ملے ہو گیا، یہ دنی یہ کسی کو بھی پتہ نہیں تھا کہ اُس زمین کا اصلی مالک کون ہے۔

اُس پہاڑی زمین کی مٹی پتھریلی تھی اور اُس کی بہت پتلی تھی۔ وہ کٹائی بھی محنت کرنے پر آناج کی ہالیاں لمبی نہ ہوتی تھیں اور پھلیاں بھی بہت ہی چھوٹی ہوتی تھیں۔ اِس معمولی سے بھی رڈی فصل کی رکشا کرنے کے لئے انہیں جنگلی سوروں، چھوٹے پہاڑی بکریوں آدی سے براہر لہا لیتے رہنا پڑتا تھا۔ اُس کے بعد ہی انہیں زمیندار لیو اور کھیتانگ ادھکاری لی کا اڑبائے سہنا پڑتا تھا اور اُن کی مانگ پوری کرنی پڑتی تھی۔ پایا یہ کو بہت محنت کرنی پڑتی تھی۔ جب وہ تھک کر چڑھو جاتے تھے تو بھوندا چھو کر کہا کرتے تھے کہ میں اپنا سب کچھ کھیتی میں لگا دیتا ہوں پر گھر لے جانے کے لئے آج میں نہیں کے براہر ملتا ہے۔ تھاکے رہی پلس پڑوس کے آٹھ کسان بڑے نلسار تھے۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے میں سدیوتہر رہتے تھے۔ ایک دوسرے کو بڑی آسانی سے آٹھار دے دیا کرتے تھے اور ہر پروگرام سہانتا کرتے تھے۔ ایسی پروگراموں میں دقتوں سے سیکورس کرتے ہوئے یہ دھنپی پھر سے اپنا گھر بساتے میں چھل ہوئے۔

یہ دھنپی آٹھ اُس بچے کے بارے میں سدا چکرتے رہتے تھے جسے انہیں زمیندار چانگ کو دے دینا پڑا تھا۔

یہ اپنے دونوں بچوں کو لیکر گھر سے نکل پڑے اور یہاں تک گئے۔ یہاں مائیکے مائیکے وہ زمینداروں کے چیلر کے پھر والے گلوں میں پہنچے۔ یہاں زمیندار لیو نے انہیں کچھ کم دیا۔ میں یہ کھانا پکایا کرتی تھی اور پایا یہ کھیت میں کم کرتے تھے۔ پوچنگ، جو اب نو سال کا ہو گیا تھا، زمیندار کی بیوی بکریاں چرانے جایا کرتا تھا، پر اُسے تلخوہ نہیں ملتی تھی۔ ان کو کل اتنا ہی مل پاتا تھا جس میں وہ اپنا اور اپنی چھوٹی بچی کا پیٹ بھرتے تھے۔ زمیندار لیو کا کرتا تھا کہ اس نے یہ کمپنی پر ہڑی دیا کی تی۔ ایسی ہی دیا کی نوکری وہ قریب ایک سال کرتے رہے۔ پھر پایا یہ نے پہاڑ پر تھوڑی زمین صاف کر کھیتی کرنے کی آگاہی مائی۔ لیو نے انہیں تھوڑی زمین دے دی اور اُس کا ٹان ہی ملے ہو گیا، یہ دنی یہ کسی کو بھی پتہ نہیں تھا کہ اُس زمین کا اصلی مالک کون ہے۔

اُس پہاڑی زمین کی مٹی پتھریلی تھی اور اُس کی بہت پتلی تھی۔ وہ کٹائی بھی محنت کرنے پر آناج کی ہالیاں لمبی نہ ہوتی تھیں اور پھلیاں بھی بہت ہی چھوٹی ہوتی تھیں۔ اِس معمولی سے بھی رڈی فصل کی رکشا کرنے کے لئے انہیں جنگلی سوروں، چھوٹے پہاڑی بکریوں آدی سے براہر لہا لیتے رہنا پڑتا تھا۔ اُس کے بعد ہی انہیں زمیندار لیو اور کھیتانگ ادھکاری لی کا اڑبائے سہنا پڑتا تھا اور اُن کی مانگ پوری کرنی پڑتی تھی۔ پایا یہ کو بہت محنت کرنی پڑتی تھی۔ جب وہ تھک کر چڑھو جاتے تھے تو بھوندا چھو کر کہا کرتے تھے کہ میں اپنا سب کچھ کھیتی میں لگا دیتا ہوں پر گھر لے جانے کے لئے آج میں نہیں کے براہر ملتا ہے۔ تھاکے رہی پلس پڑوس کے آٹھ کسان بڑے نلسار تھے۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے میں سدیوتہر رہتے تھے۔ ایک دوسرے کو بڑی آسانی سے آٹھار دے دیا کرتے تھے اور ہر پروگرام سہانتا کرتے تھے۔ ایسی پروگراموں میں دقتوں سے سیکورس کرتے ہوئے یہ دھنپی پھر سے اپنا گھر بساتے میں چھل ہوئے۔

یہ دھنپی آٹھ اُس بچے کے بارے میں سدا چکرتے رہتے تھے جسے انہیں زمیندار چانگ کو دے دینا پڑا تھا۔

یہ اپنے دونوں بچوں کو لیکر گھر سے نکل پڑے اور یہاں تک گئے۔ یہاں مائیکے مائیکے وہ زمینداروں کے چیلر کے پھر والے گلوں میں پہنچے۔ یہاں زمیندار لیو نے انہیں کچھ کم دیا۔ میں یہ کھانا پکایا کرتی تھی اور پایا یہ کھیت میں کم کرتے تھے۔ پوچنگ، جو اب نو سال کا ہو گیا تھا، زمیندار کی بیوی بکریاں چرانے جایا کرتا تھا، پر اُسے تلخوہ نہیں ملتی تھی۔ ان کو کل اتنا ہی مل پاتا تھا جس میں وہ اپنا اور اپنی چھوٹی بچی کا پیٹ بھرتے تھے۔ زمیندار لیو کا کرتا تھا کہ اس نے یہ کمپنی پر ہڑی دیا کی تی۔ ایسی ہی دیا کی نوکری وہ قریب ایک سال کرتے رہے۔ پھر پایا یہ نے پہاڑ پر تھوڑی زمین صاف کر کھیتی کرنے کی آگاہی مائی۔ لیو نے انہیں تھوڑی زمین دے دی اور اُس کا ٹان ہی ملے ہو گیا، یہ دنی یہ کسی کو بھی پتہ نہیں تھا کہ اُس زمین کا اصلی مالک کون ہے۔



इसने पति से कहा—“तुम तो समझदार और योग्य व्यक्ति हो, कोई ऐसी तरकीब क्यों नहीं सोचते कि घर में एक पुत्र आ जाय.”

انکس دھن کے مال سے اور اُس کے بھائی کے  
 شینجا کوٹ میں زمیندار جنگ کی زمینداری میں رہکر  
 کہتی کرتے تھے۔ اُس کی کھیتی کے پاس ہی اُن کی بیوی کی  
 ایک مویا تھی۔ چاند کے بارہویں پہلے کی چوبیسویں تاریخ کو رات  
 میں جب چاندنی درخشاں ہوا چل رہی تھی ماں نے دوسرا  
 بچہ ہوا۔ وہ لڑکا تھا۔ تین دن بعد زمیندار کی پتلی کے لڑکی  
 پیدا ہوئی۔ زمیندار جنگ کے پرہوار میں بیچہلی تین بڑھی  
 سے ایک لڑکا برابر ہوتا آیا تھا جس سے اُن کا دلش چلتا رہتا تھا۔  
 زمیندار جنگ بھی یہی چاہتا تھا کہ اسے پتر کی پڑاوتی ہوتا کہ  
 وہ اپنا ونھی چٹکے اور جو اُس کی سوتلی کا اندھیلو ہو سکے۔  
 جب اُس نے یہاں پہلی ہی پیدا ہوئی تو وہ بہت بولہٹایا۔  
 پر وہ اپنا اختلاص پروکٹ کرنے میں گھبراتا تھا کیونکہ اُس کی  
 بھئی دھلی اور پرہار شالی پرہوار کی تھی۔ وہ اہانت سنگھ بھی  
 تھی۔ اس لئے جنگ اسے پیار بھی کرتا تھا اور اُس سے کرتا بھی  
 بہت تھا۔ اُس کی پتلی اُس کی منو دشا سے بھلی دولت  
 پر بیچت تھی۔ یہی وہ چلتی تھی کہ اُس کا بھئی شکرہ ہی  
 کوئی آپ بھتی نہیں لے آئیگا پر اُس کی سمجھان تو ہمیشہ ہی تھی۔  
 اُس نے پتی سے کہا: ”تم تو سمجھدار اور یوگیتہ دیکتی ہو۔  
 کوئی ایسی ترکیب کہیں نہیں سوچے کہ گھر میں ایک پتر آجائے۔“

تھا سال شروع ہونے پر زمیندار جانگ نے اپنے کارندے کو یہ  
 پروار سے پچھلا قرض وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ اس بار انہوں نے  
 یہ پروار کو بہت تنگ کیا اور جب یہ پروار بہت ہی زیادہ  
 لچار ہو گیا تو یہ دوستوں کو کھاتہ دے دی وہ اپنے نجات بالک ششو  
 کو اُن کی لڑکی سے بدلے کو تیار ہو جائیں تو وہ لڑکے کے بارے  
 میں اُن سے کبھی سمجھوتہ کر لیا۔ انہوں نے اُن کا ( یہ پروار  
 والوں کا ) کیا حال بڑا ہی بدتر دیکھا۔ زمیندار کے ہی ہاتھوں  
 میں اُن کی بیٹی کیساتوں کا جبرون رہتا تھا۔ مجبور ہو کر انہوں  
 میں اُسے ہو کر اور میں پر غزالوں میں کا بیڑہ لاد کر یہ دہلی  
 نے اسے منظور کیا۔ البتہ سبک میں ہی زمیندار نے کچھ نئی اور  
 کچھ پرانے چیزیں۔ اُسی رات عورت لے کر گیا اور اُس  
 پر ہسٹلنگ کے نام سے دہلی نے منظور کیا کہ اس سمجھوتہ کو  
 دے ہوئے کوٹ رکھنے زمیندار کی کرنسی سے 50 لی کے چھوٹے  
 کے انور سے انہوں نے کچھ اور یہ پروار کا کوئی دھنکی زمیندار  
 جانگ کی زمین پر کسی قسم نہیں رکھا۔ جانگ نے یہ وعدہ  
 کیا کہ وہ زمین کا کئی سو پتل لالچ کی جگہ ایک پتل لالچ  
 کرنا چاہتا ہے جس سے زمیندار کا پتل لالچ ہو جائے گا۔

میں بولی—”یہ تو ٹیک ہے، پر کیا یہ بھی تو مجھے معلوم ہے کہ تمہارے پیار کا کوئی سہیہ آج بھی ہاں ہے؟“

جس پریشان ہو گئی۔ اسے تو یہی معلوم تھا کہ کچھ لوگوں میں اس کے پیار کے کل چار سہیہ آتے تھے۔ اس کی ماں، پتا اور بوا بھائی۔ جب وہ سات برس کی تھی اس کا پتا ایک بار ڈیچون گیا تھا۔ جب وہ دس برس کی تھی پھر اس کا پتا ڈیچون گیا تھا۔ اس کے بعد ہی انہوں نے سنا کہ اس کی مرتی ہو گئی تھی۔ اس کی ماں کو پورا وشولس تھا کہ اس کے پتی کی مرتی کا کارن کوہپ زمیندار چانگ ہی تھا۔ جب جیت تیار دھڑ کی تھی اس کے بڑے بھائی کو کومتانگ کے لوگ فوج میں کام کرنے کے لئے پکڑ لے گئے تھے۔ اس کے بعد اس کا بھی نام پھر کبھی نہیں سنائی پڑا۔ اس کی ماں نے کئی بار سوچا کہ وہ ڈیچون جانکر زمیندار چانگ سے ملکر دو دو باتیں کر کے اپنا پرانا صاحب چمکا کر لے، پر کچھ لوگوں کے سرکاری انسروں اور پارٹی کارپس کو تلوں نے اسے دیرینہ میں ہی پریشان نہ کرنے کے لئے بہت سنجیدہ کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ڈیچون کے راستے میں آؤدھی پہاڑیاں ہیں اور راستے خراب ہیں اور پھر وہ بڑھی ہو چکی ہے۔ پھر چیٹر میں ماؤ دوارا دی گئی پر پیرا کے بل پر ڈیچون کے کسانوں نے سوچ ہی وہاں کے زمیندار سے سہیہ کسانوں کے لئے پرانے ظاہروں کی قیمت وصول لی ہوگی، بیچ کر تو وہ کہیں جانی نہیں سکتا تھا۔

زمیندار کومتانگ دوارا قیمت کئی گلوں کا شاہک بھی تھا۔ جب گلوں میں اس کا مقصد ہو رہا تھا اس نے کئی بار اپنے بھائی کے بارے میں پرسش بھی کئے تھے۔ وہ بھی کہتی تھی کہ اس کے بھائی کو زمیندار لی۔ ہی نے گیا تھا۔

جیت ہوئی—”میں جانتی ہوں ماں، بھائی بوجاگ کو زمیندار لے گیا ہے۔“

ماں نے کہا—”میری پیاری بچی، تمہارے ایک مائی اور بھی ہے، مینے تمہیں بیس برس تک پال پوس کر بڑا کیا ہے پر تمہیں برابر انبھکار میں رکھا ہے، تم اسی کاراچ کے پولینڈے کو لے کر میرے یہاں آئی ہو۔“ کاراچ کے پولینڈے کی زور ہستارا کرتے ہوئے ماں کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے، پر اس نے کمر باندھ ڈالا۔

جس کو یہ بات سن کر بڑا اچھا ہوا۔ وہ جیسے آتش میں بجھ گئی ہو۔ اس نے پوچھا—”ماں، کیا یہ سچ ہے؟“

”جی ہاں، میں نے بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا—”دھڑان دھڑان میں نے تمہیں دس برس تک دیکھ کر دیکھ کر میں اپنی بھائی کی طرح پالا ہے، پر تم میرے کوہ کی جنسی نہیں ہو۔ زمیندار پاکمار چانگ ہی راستو میں تمہارا باپ ہے؟“

جس پریشان ہو گئی۔ اسے تو یہی معلوم تھا کہ کچھ لوگوں میں اس کے پیار کے کل چار سہیہ آتے تھے۔ اس کی ماں، پتا اور بوا بھائی۔ جب وہ سات برس کی تھی اس کا پتا ایک بار ڈیچون گیا تھا۔ جب وہ دس برس کی تھی پھر اس کا پتا ڈیچون گیا تھا۔ اس کے بعد ہی انہوں نے سنا کہ اس کی مرتی ہو گئی تھی۔ اس کی ماں کو پورا وشولس تھا کہ اس کے پتی کی مرتی کا کارن کوہپ زمیندار چانگ ہی تھا۔ جب جیت تیار دھڑ کی تھی اس کے بڑے بھائی کو کومتانگ کے لوگ فوج میں کام کرنے کے لئے پکڑ لے گئے تھے۔ اس کے بعد اس کا بھی نام پھر کبھی نہیں سنائی پڑا۔ اس کی ماں نے کئی بار سوچا کہ وہ ڈیچون جانکر زمیندار چانگ سے ملکر دو دو باتیں کر کے اپنا پرانا صاحب چمکا کر لے، پر کچھ لوگوں کے سرکاری انسروں اور پارٹی کارپس کو تلوں نے اسے دیرینہ میں ہی پریشان نہ کرنے کے لئے بہت سنجیدہ کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ڈیچون کے راستے میں آؤدھی پہاڑیاں ہیں اور راستے خراب ہیں اور پھر وہ بڑھی ہو چکی ہے۔ پھر چیٹر میں ماؤ دوارا دی گئی پر پیرا کے بل پر ڈیچون کے کسانوں نے سوچ ہی وہاں کے زمیندار سے سہیہ کسانوں کے لئے پرانے ظاہروں کی قیمت وصول لی ہوگی، بیچ کر تو وہ کہیں جانی نہیں سکتا تھا۔

زمیندار کومتانگ دوارا قیمت کئی گلوں کا شاہک بھی تھا۔ جب گلوں میں اس کا مقصد ہو رہا تھا اس نے کئی بار اپنے بھائی کے بارے میں پرسش بھی کئے تھے۔ وہ بھی کہتی تھی کہ اس کے بھائی کو زمیندار لی۔ ہی نے گیا تھا۔

جیت ہوئی—”میں جانتی ہوں ماں، بھائی بوجاگ کو زمیندار لے گیا ہے۔“

ماں نے کہا—”میری پیاری بچی، تمہارے ایک بھائی اور بھی ہے، مینے تمہیں دس برس تک پال پوس کر بڑا کیا ہے پر تمہیں برابر اندکڑ میں رکھا ہے۔ تم اسی کھنڈ کے پولینڈے کو لے کر میرے یہاں آئی ہو۔“ کھنڈ کے پولینڈے کی زور ہستارا کرتے ہوئے ماں کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے، پر اس نے کمر باندھ ڈالا۔

جس کو یہ بات سن کر بڑا اچھا ہوا۔ وہ جیسے آتش میں بجھ گئی ہو۔ اس نے پوچھا—”ماں، کیا یہ سچ ہے؟“

”جی ہاں، میں نے بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا—”دھڑان دھڑان میں نے تمہیں دس برس تک دیکھ کر دیکھ کر میں اپنی بھائی کی طرح پالا ہے، پر تم میرے کوہ کی جنسی نہیں ہو۔ زمیندار پاکمار چانگ ہی راستو میں تمہارا باپ ہے؟“

یہی چیزیں ہمارے دل سے اُٹھنا تو ہمارے لیے  
ایک کنکھا ہی ہے نہ خرید سکتی ۔

جیتا پہلی سالہ لڑکی آج کل دھڑ کی کون چلتا کرتا ہے ؟  
 کہہ ایک دو تین بعد سی لیا جائیگا ۔“

میں نے اُتر دیا۔ ”تم مجھ سے انگ ہی ہونے والی ہو۔ آج رات میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ آج میں تجھ کو یہیں بھی نہ جانے دیتی۔“

جیتو نے سوچا۔ ”آج ماں بہت چنکتی ہیں۔ شاید وہ زہ -  
پنگ کے یہاں جا کر نہیں رہنا چلتیں۔ پرانے لوگوں کا دوستی کون  
ہی کچھ دوسری طرح کا ہوتا ہے۔ لیکن میں بھی کیا کروں؟  
ماں کی گردن میں بیٹھ کر کھیلنے والی عمر تو اب رہی نہیں۔  
ماں کا جیون تو تکلیفوں میں ہی گذرا ہے۔ انہیں کچھ دن تو  
آرام کے، خوشی کے بتانے کو ملے ہی چاہئیں۔“ سمجھ گیا؟ مہروی  
عمر تو ابھی کھول اکھس رہی تھی ہے۔ اتنی چلتی بھی کیا  
ہے؟ کچھ دن بعد ہی شادی ہو جائیگی۔“

اپنی ماں کو سونے کے کمرے میں پہنچاتے ہوئے جیتے سوچا کہ وہ اپنے دوا کو کچھ درشوں کے لئے ٹال دے گی۔

لکھو کے ایک پرانے صندوق سے میں نے کپڑے میں لپکا ہوا  
 کانڈ کا ایک پلندا نکالا۔ وہ ایک پرانے دستاویز کو، جو خوب ورشوں  
 تک بکس میں رکھے رکھے کے کانڈ بیٹا اور جرجر ہو گیا تھا، اپنی  
 بیٹی کو دکھانا چاہتی تھی۔ اس نے دستاویز کو کمرے میں رکھی  
 چکر مہر پر بیٹھا دیا اور جیت کو وہیں بیٹھنے کا آدھیں دیا۔

جہد کو دھیلیا آپا کہ سبھی ہاتھیں اتنی سزل نہیں تھیں جتنی سزلنا سے اُس نے اپنے من میں طے کر دیا تھا۔ کچھ پڑھان، کچھ کھوئی کھوئی سی وہ اپنی ماں کے چہرے پر اپنی نظر جمائے بیٹھی رہی۔ کھنکار کر گا صاب کرنے کے بعد ماں یہ دھیرے سے بولیں۔ ”جہد“ تمہیں معلوم ہے؟ ہم لوگ یہاں کہاں سے آنے ہیں؟“

جیتے آئے دیس۔ ”ہاں“ انہوں نے فر ہٹایا تھا کہ ہم لوگ پہلے  
دکھنی ریجن ان کے شہنشاہی قلعہ میں رکتے تھے۔“

ماں بولیں۔ ”توہک“ پر ہم لوگ جہاں سے کھچاؤ پرانت  
نے اُس پہنچا دے میں کہہں چلے آئے؟“

جیت کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُس کی ماں پر پورے  
کے اُس پر اُنے اُنہیں کہ نہیں دیکھا بھی نہیں۔ پھر بھی وہ  
پر تریک پریشان ؟ اگر اپنی بیوی جانتا کہی کے اُنہیں دیتی تھی ۔  
اُس نے کہا کہ وہ اُنہیں دیکھ رہی تھی ۔ اُنہیں دیکھ رہی تھی ۔

354-442

## पुनर्मिलन !

( लेखक—श्री-कृ. अनुवादक—कामेश्वर अग्रवाल )

सूरज को पच्छिमी पहाड़ों के पीछे छुपे हुए काफ़ी देर हो चुकी थी। जब जेह-येह और जे-पिंग अपने चीक के पेड़ों वाले गांव के नज़दीक पहुंचे अचिरा घना हो चला था। वह अपना बिशाह करने की नोटिस सरकारी ज़िला दफ़्तर में देकर वापस लौट रहे थे। कुछ ही मिनटों में जेह-येह हांपती हुई अपने घर में दाखिल हुईं। इस घर में वह और उसकी मां रहती थीं। घर छोटा सा था जिस पर खपरैल पड़ी हुई थी। इसकी दीवारें भी कच्ची थीं और सरपत और पतले बांसों की मदद से बनाई गई थीं।

झुड़ी माँ खाना पका रही थी, वह ससठ बरस की हो चली थी, अंधेरे में उसे वर्तन भी नहीं सूझ रहे थे, वह बार बार परेशान हो उठती थी, बूल्हे से निकलने वाली आग की लपटें उस अंधेरे में बिजली का काम देती थीं और इनकी छाया रह रह कर दीवारों पर नाच पड़ती थी.

घर में क्रोधमय देखते ही जेठ ने कहा—“माँ, मैं वापस आ गई, अब तुम आराम करो, मैं घर का काम पूरा कर दूँगी।”

जमना उसके हाथ में देते हुए मां ने दुख भरे स्वर में कहा—“तुम लोग धीरे धीरे क्यों नहीं बला करती ? सांस नहीं लेते बन रहा है.”

दियासलाई बुझ कर जेड ने तेल का दिया जलाया। सरकंडे की दीवार से झन झन कर आने वाली शाम की ठंडी हवा उस छोटे से दिये से टकरा रही थी। चूल्हे के नखीक ही, लकड़ी के एक स्टूल पर मां बेह बैठ गई और टिमटिमाती रोशनी में अपनी नखरें जेड पर जमा दीं। लम्बी तनी हुई मौं, गोल गोल काली आंखें, मुंह पर छाई हुई लाली, जेड के अंग अंग से खुशी फूटी पड़ रही थी। अचानक मां के मुंह पर का भाव बदल गया और वह परेशान दिखने लगीं। वह कुछ पूछना चाहती थी, पर शब्द उसके मुंह से निकल नहीं रहे थे।

शान्ति भंग करते हुए जेठ ही बोली—“मां, हम लोगों ने शुभ दिन तय कर लिया है। पिला-नायक का कहना है कि अगले माह की पांचवीं तारीख को वह हमारे गांव में नये प्रमान पत्र देंगे, यह दिन बहुत ही खुरी का होगा। उनका कहना है कि हमारा विवाह भी उसी दिन हो। मैंने जो-पिंग से भी बातें कर ली हैं।”

मां, कुछ चौंक कर बोली—“पांचवीं को !” उनकी आंखों से आंसू छुटक कर उनके चेहरे की झुर्रियों में दिखाई देने लगे. अपना मुँह दोनों हाथों के बीच कर के वह सबकने लगी.

! ۱۰۰

( لاهیانی - فیہ القریۃ کلہا شہور اگر دال )

سورج کو بچھری پہاڑوں کے پانچھے چھہہ ہونے لگی دیر ہو  
 چکی تھی۔ جب چھتہ - سو اور زہ - پلنگ اپنے چھڑ کے بیڑوں والے  
 اُس کے نزدیک پہنچے اُنھیں اُٹھایا کھنا ہوچکا تھا۔ وہ اپنا دواہ کرنے  
 ی نوٹس سرکاری ضلع دفتر میں دینگر واپس لوٹ رہے تھے۔  
 چہہ ہی منظر میں چھتہ - یہ ہانپتی ہوئی اپنے گھر میں داخل  
 ہوئی۔ اُس گھر میں وہ اور اُس کی ماں رہتی تھی۔ گھر چھوٹا  
 تھا جس پر کھوپڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اُس کی دو لڑکیاں بھی  
 چکی تھیں اور سویت اور پتلے ہانسون کی مدد سے پٹائی  
 بناتی تھیں۔

بڑھی ماں کہلاتا دیکھا دھئی تھی۔ وہ ساتھ برس کی بچلی  
ی۔ اندھیرے میں اسے برق بھی نہیں سمجھ رہے تھے۔ وہ  
از بام پوشان ہو اُٹتی تھی۔ چارے سے نکلنے والی آگ کی  
بلیں اس اندھیرے میں بچلی کا کام دیتی تھیں اور اُن کی  
تھپا تھپا دھڑ دھڑاؤں پر ناچ پڑتی تھی۔

گھر میں قدم رکھتے ہی جیتے لے کہا۔ ”اے! میں واپس آئی۔ اب تم آرام کرو۔ میں گھر کا کام پورا کر دوں گی۔“  
چھپکے اُس کے ہاتھ میں دھیرے دھیرے ماس لے دیکھ دھیرے سہرے میں کہا۔ ”تم لوگ دھیرے دھیرے کیوں نہیں چلے کرتیں؟“  
بائس بھی لڑتے نہیں دیکھ رہا ہے۔“

دراستی موقوفہ کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ قیل کا دنا چھوڑا۔ سرکنڈے کی  
نوار سے چھین چھین کر اٹھ والی شام کی ٹھنڈی ہوا اُس چھوٹے  
مے دھبے سے ٹکرا رہی تھی۔ چوڑے کے نزدیک ہی، لکڑی کے  
یک استول پر مٹی پر بیٹھ گئی اور شعلاتی روشنی میں اپنی  
حالیوں چھتے پر جمادیں۔ اسی تلی ہوئی 'جوں' گول گول کالی  
نکبیں، منہ پر چھائی ہوئی 'لاں' چھتے کے اٹک اٹک سے خوشی  
ہوتی پڑ رہی تھی۔ اچانک اس کے منہ پر کا ہوا بدل گیا اور  
'پرباشاں' دیکھنے لگی۔ وہ عجیب پوچھا چلاتی تھی پر شہد  
س کے منہ سے نکل نہیں رہے تھے۔

شانتی بھنگ کرتے ہوئے جیتے ہی بولی۔ "ہاں، ہم لوگوں  
نے شبہ دن طے کر لیا ہے۔ ضلع - نایک کا کہنا ہے کہ اگلے ماہ کی  
انچیس تاریخ کو وہاں کے قریب میں ٹیٹہ پیر میں پٹر دینگ۔ یہ  
من بہت ہی خوشی کا موقع ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارا دوا  
س اسی دن ہو گا۔ میں نے سنا ہے۔ پنگ سے بھی باتیں کر لی  
ہیں۔"

میں کچھ جوتنگ کر رہا تھا۔ ”بالجیوں کو ا“ اُن کی  
 نکھوں سے اُس وقت تک کر کے پھوٹے کی جڑوں میں دکھائی  
 دینے لگے۔ اُن کے دانت جڑوں کے پھوٹے کر کے ہا سیکھ لگے۔



5. کیا ہم اپنی خیراتوں کو برابری کا رجا دینے کے لیے تیار ہیں؟

6. کیا ہم بیکری جاتیوں کو جگانے پر تیار ہیں؟

7. کیا ہم پڑیادی سنہاؤں اور تاملوکیادی کو میدانے کے لیے تیار ہیں؟

8. کیا ہم تیار ہیں کہ ہندوستان میں سوائے فریسیدی سیکولر راج ہو؟

9. کیا ہم تیار ہیں کہ تمام ایسی سنہاؤں جو سامہودانک اور راج نیتک ہیں دونوں میں متادی جائیں؟

10. کیا ہم یہ ماننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں کہ مذہب سماجی نہیں بلکہ شخصی ہے؟

11. کیا ہم تیار ہیں کہ ہمارے پھانے، بول چال، رهن سھن اور ہمارے ناموں سے مذہب اور فیکر کی چاپ میدا دی جائے؟

12. کیا ہم تمام سمرانی سنہاؤں (جیسے سکول، کالج، اسپتال وغیرہ) کو فرقہ واری ادا بنانے سے روکیں گے اور انہیں نام اور کم سے انتہائی سکولو بنانے کی کوشش کریں گے؟

13. کیا ہم مذہبی ادھار کو چورکر سائنک اور ڈیموکریٹک ادھار والے قانون اپنا سکتے ہیں؟

14. کیا ہم خیراتوں اور بھڑتوں کو سرکاری سہاوت دیئے جانے پر راضی ہیں؟

15. کیا ہم تیار ہیں کہ اس دیش کا میدان ان چودہ باتوں کے ادھار پر ہو؟

یہ سوالاں یہ ہیں جنکا حل ہماری سمسیاؤں کا حل ہے۔ اگر ان کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے تو سمجھئے کہ دیش کا کھیل ہو گیا اور اگر نہیں تو ہمارا جواب سن لیجئے:

”نہ سمجھو گے نہ مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو  
تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانیں میں“

5. کیا ہم اپنی خیراتوں کو برابری کا درجہ دینے کے لیے تیار ہیں؟

6. کیا ہم بیکری جاتیوں کو جگانے پر تیار ہیں؟

7. کیا ہم پڑیادی سنہاؤں اور تاملوکیادی کو میدانے کے لیے تیار ہیں؟

8. کیا ہم تیار ہیں کہ ہندوستان میں سوائے فریسیدی سیکولر راج ہو؟

9. کیا ہم تیار ہیں کہ تمام ایسی سنہاؤں جو سامہودانک اور راج نیتک ہیں دونوں میں متادی جائیں؟

10. کیا ہم یہ ماننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں کہ مذہب سماجی نہیں بلکہ شخصی ہے؟

11. کیا ہم تیار ہیں کہ ہمارے پھانے، بول چال، رهن سھن اور ہمارے ناموں سے مذہب اور فرقہ کی چاپ میدا دی جائے؟

12. کیا ہم تمام سماجی سنہاؤں (جیسے سکول، کالج، اسپتال وغیرہ) کو فرقہ واری ادا بنانے سے روکیں گے اور انہیں نام اور کم سے انتہائی سکولو بنانے کی کوشش کریں گے؟

13. کیا ہم مذہبی ادھار کو چورکر سائنک اور ڈیموکریٹک ادھار والے قانون اپنا سکتے ہیں؟

14. کیا ہم خیراتوں اور بھڑتوں کو سرکاری سہاوت دیئے جانے پر راضی ہیں؟

15. کیا ہم تیار ہیں کہ اس دیش کا میدان ان چودہ باتوں کے ادھار پر ہو؟

یہ سوالاں یہ ہیں جن کا حل ہماری سمسیاؤں کا حل ہے۔ اگر ان کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے تو سمجھئے کہ دیش کا کھیل ہو گیا اور اگر نہیں تو ہمارا جواب سن لیجئے:

”نہ سمجھو گے نہ مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو  
تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانیں میں“



میں اس ایک سا ہوا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ عربی دنیا کے پرانے عہد نامے کا عنوان توح اور ماسرستی کا "جل بقرن" ایک سا ہے۔ سکوت و سکون کا رواج بھی بھارت میں عربوں اور مصریوں کی طرح تھا۔ عربوں اور مصریوں کے انہیں میں اور بھارت کے انہیں میں بھارت کے ساتھ تک سکی بہنوں سے بھی شادی کی مثالیں ملتی ہیں جو سائنک اور ملوہنگانگ آدمیوں پر بند ہو گئیں۔

### "ہندوستان کی کلچری समस्या"

بھارتی کلچری समस्या کے حل کو سونجنے سے پہلے ہمیں وہاں کے پینا بننے کا تاہارن کو بدلنا ہوتا۔ ہماری جنس کا بہت بڑے آنگ پر نیک غشی (Moral slavery) چائی ہوئی ہے۔ مذہب کے تہ عہد نامہ—چاہے برہمن میں یا سہد یا شمع یا پادری صاحب، راجہ اور نواب، اور پولیسی دی—تیم بھارتی جنس کو غشی کے چنگل میں جکڑے ہوئے ہیں۔ سچی خودداری، سچی سرائی، سچی ناگرکتا اور بھائی چارہ، آدمی آدمی کے بیچ سچا پیار اور سچا بھائی یہ سب کچھ وہ باتیں ہیں جن کے وشہ میں نہ ستائے ہوئے سرچنے ہیں نہ ستائے والے۔ پڑھنے لکھنے کے بعد اگر کوئی دلالت جاتی کا آدمی ادھر دھیان دیتا ہے تو وہ کیوں بدلنے کی بھارتی اور ستائے والی جاتیوں کی تصویروں کو کچلنے کے لئے نئے جال بچھاتی ہیں۔ بھارتی سماج میں آدمی نہیں پیدا ہوتا بلکہ ہندو، مسلمان، سک، عیسائی وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی کو بھارتی آزادی کا پیدا ہونے کا حق حاصل ہے۔ ہمارے بھائی بڑے نظر کے ساتھ اسے برداشت کرتے ہیں کہ انہیں ان کے بھارتی حق نہ ملیں۔ ہم خوش ہیں ہمیں بھارتی منہیں کلپیں پڑھنے کو نہ ملیں، ہونگے، میں چھوچھوٹ ہو، کوئیں پر پانی نہ لارے دیا جائے، میں چاہا بھاء نہ کر سکیں، میں چاہا روزگار نہ کر سکیں! اس سماج میں گھونا اور غرت نے انسانیت کے گھرے گھرے کردئے ہیں، آزادی اور قوم پرستی کا نام لیکر انسانی سوچ بوجھ کا مذاق نہ اڑائیں۔ کیا ہم سچ سچ ایک انسانیت کے لئے ایک کچھ چاہتے ہیں؟ اگر ہاں تو کیا ہم تیار ہیں —

1. تمام بھارتی جنس کا سنانے پینے، پڑا پاٹ اور شاہی بھاء میں بھارتی کا سنان دینے کے لیے؟

2. آواز پاٹ کو لوکنے والے سرکاری کانوں کو ماننے کے لیے؟

3. آواز پاٹ کا مہد کھلانے والوں کو مجریم قرار دینے کے لیے؟

4. کیا ہم تیار ہیں کہ سرکاری نوکری پانے اور پارلیمنٹ کی ممبری بھان کرنے سے پہلے ہمیں آواز پاٹ کو بھاء دے؟

### "ہندوستان کی کلچری سسٹم"

بھارتی کلچری سسٹم کے حل کو کھوجنے سے پہلے ہمیں یہاں کے گھناؤنے واپاروں کو بدلنا ہوتا۔ ہماری جنس کے بہت بڑے آنگ پر نیک غشی (Moral slavery) چائی ہوئی ہے۔ مذہب کے تہ عہد نامہ—چاہے برہمن میں یا سہد یا شمع یا پادری صاحب، راجہ اور نواب، اور پولیسی دی—تیم بھارتی جنس کو غشی کے چنگل میں جکڑے ہوئے ہیں۔ سچی خودداری، سچی سرائی، سچی ناگرکتا اور بھائی چارہ، آدمی آدمی کے بیچ سچا پیار اور سچا بھائی یہ سب کچھ وہ باتیں ہیں جن کے وشہ میں نہ ستائے ہوئے سرچنے ہیں نہ ستائے والے۔ پڑھنے لکھنے کے بعد اگر کوئی دلالت جاتی کا آدمی ادھر دھیان دیتا ہے تو وہ کیوں بدلنے کی بھارتی اور ستائے والی جاتیوں کی تصویروں کو کچلنے کے لئے نئے جال بچھاتی ہیں۔ بھارتی سماج میں آدمی نہیں پیدا ہوتا بلکہ ہندو، مسلمان، سک، عیسائی وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی کو بھارتی آزادی کا پیدا ہونے کا حق حاصل ہے۔ ہمارے بھائی بڑے نظر کے ساتھ اسے برداشت کرتے ہیں کہ انہیں ان کے بھارتی حق نہ ملیں۔ ہم خوش ہیں ہمیں بھارتی منہیں کلپیں پڑھنے کو نہ ملیں، ہونگے، میں چھوچھوٹ ہو، کوئیں پر پانی نہ لارے دیا جائے، میں چاہا بھاء نہ کر سکیں، میں چاہا روزگار نہ کر سکیں! اس سماج میں گھونا اور غرت نے انسانیت کے گھرے گھرے کردئے ہیں، آزادی اور قوم پرستی کا نام لیکر انسانی سوچ بوجھ کا مذاق نہ اڑائیں۔ کیا ہم سچ سچ ایک انسانیت کے لئے ایک کچھ چاہتے ہیں؟ اگر ہاں تو کیا ہم تیار ہیں —

1. تمام بھارتی جنس کا سنانے پینے، پڑا پاٹ اور شاہی بھاء میں بھارتی کا سنان دینے کے لیے؟

2. آواز پاٹ کو لوکنے والے سرکاری کانوں کو ماننے کے لیے؟

3. آواز پاٹ کا مہد کھلانے والوں کو مجریم قرار دینے کے لیے؟

4. کیا ہم تیار ہیں کہ سرکاری نوکری پانے اور پارلیمنٹ کی ممبری بھان کرنے سے پہلے ہمیں آواز پاٹ کو بھاء دے؟

مسلمانوں کے محل کا لہجہ ہے۔ پورے ہندوستانی۔ ہر  
چیز کو اُبال کر یا بھات بنا کر دینا، دھن، مٹھا یا  
گڑبھت سے کھاتے تھے۔ آج بھی غریب دیہاتی گھروں، جو  
چٹا، مٹر، چار، بانجرا اور دوسرے اناج اُبال کر کھاتے ہیں،  
قرعہ لوز روٹی کا استعمال ہمیں مسلمانوں سے ملتا ہے۔ یہ درجن  
شدید ہی سنسکرت، پراکرت یا انپیرنش کے نہیں ہیں۔  
ہندوؤں کی رسوائی گھر جیسی پتھر جگہ میں ان مسامتی چیزوں  
کا پائیدار نہ ہو سکا۔

دوسروں کے دھرتیا ہی "ہماری سہیتا میں اپنائے گئے ہیں ۔  
ہندوؤں کا بہت بڑا دھرتیا "شبو" درازوں کا دھرتیا تھا ۔ ویدوں  
کا کہنوں کرنے والے بدھ جی یہاں کا اوتار مانے جاتے ہیں ۔  
ہندوستانی جیوتھ اور دیو مالا یونانی جیوتھ اور دیو مالا سے  
ملنے جلتے ہیں ۔ یونانی ہارسکوپ اور ہماری جنم کڈلی کے  
ہوڑا چکر ایک ہی ہیں ۔ یونانیوں کے راس چکر کو آج بھی  
ہندوستانی اپنا کہتے ہیں ۔ ہماری چکر سنہتا کے نسخہ بھی  
یونانی درلوں کے نسخوں سے ملنے جلتے ہیں ۔ آخر یہ تہذیب  
کے مہل چول ہی کے تو نتیجے ہیں ۔

مہینہ چودھرو کی ایک بھگ چار ہزار برس کی یونانی تہذیب کے خاتمہ کے بعد دو ہزار برس تک آریہ سہیتا شلپ کا کے چھتر میں بانجم سی رہی . اس سلسلے میں سب سے پہلے چترکار تیسوی صدی عسوی سے پہلے سریوں کے زمانے میں ہوا . اشوک کی لائیں ، اجلتا کی گہانیں وغیرہ یونانی اور ایرانی تہذیب کے مہل جول کا نتیجہ ہیں . چکنہ کہیں پر نہیں کی مورتیاں آسوی کا کی دین ھے اور سائنوں کی مورتیاں ایرانی کا کا بڑھا ھے جو چھٹی صدی عسوی سے پہلے ایران میں دارا کے ستھ میں اکثر بنائی گئی ھیں . ایس کے علاوہ شالوں پر شامی فرمان کیڈوالے کا رواج بھی ایرانی ھے . اشوک سے پہلے کسی ہندستانی راجا نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی ایسے لات بنوائے ، ہندستانی مورتی کا میں لاندھہ شای ہی یونانوں کی دزن ھے . آج ہزاروں ہی مورتیاں یونانی تھنگ کی افغانستان سے مہرا ایک ملتی ھیں .

ایسی طرح ہندوستانی تھراپوں میں بھی یونانی اثر پڑا ہے۔ پہلی کے نامکوں میں پردہ کا رواج نہ تھا، تھراپ پردہ کے لئے سانسکرت کا شبد یونیکا ظاہر کرنا ہے کہ یہ یونانی زبان ہے، کیونکہ ہندوستانی یونانیوں کو یون کہتے تھے۔

مذہب کے دائرے میں ہی تہذیبیں ایک دوسرے سے میل  
 کھاتی ہیں، یونانی، مصری، پرسی لوہین، پگنزم (Pagnism)  
 ایک سے ہیں اور درمیان میں بھی ایک ہیں۔ سبھی میں پورا  
 پورے پہاڑوں، چھوٹیوں اور ندیوں کے پوجہ کا رواج  
 ایک سے تھا اور سبھی درشوں میں خدا کے تصور کا

## ‘ہندوستان میں تہذیبوں کا میل جول’

میں اس جگہ خاص طور پر اس سرخی کی ضرورت سمجھتی ہوں کہ دو امر گزریں ہیں۔ (1) ہر دین کے کلمہ پر سب سے اہم اور لگاؤ پہلو یہی ہے۔ (2) میں انہیں کے اذکار پر تہذیبوں کے میل جول کا خاکہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ کلمہ میں پہلا اور سادہ کے خاص اہتمام ہوتے ہیں۔ لہذا میں پہلے سے شروع کرتا ہوں۔

آریوں کے یہاں بسنے سے پہلے دو کٹیم کے کپڑے پہنے جاتے تھے—ایک پھٹی اور دوسرا شال یا بادر۔ ان کے آنے پر مہوں کے پہناوے میں پگڑی اور دراپی (ایک طرح کی بٹنی) اور آریوں میں بھولی کا رواج ہوا۔ یہ بھولی اور دراپی کو بڑھ کر بھام جناتا بھام تیر سے بھور سیکے کپڑے پہنتی تھی۔ لیکن سوتی بھام کا ہستہ مال ہوتا تھا، کم سے کم دراپی تو سوتی ہی جاتی تھی۔ آج کے وہ تمام لباس جنہیں ہم ہندوستانی کہتے ہیں بدیسی ہیں۔ آریوں جو لکھو کے نوآریں اور دہلی کے مہلوں کے یہاں بدلتے بدلتے شہزادی بن گئے دراصل پہلی صدی عیسوی میں کشانوں کی دین ہے۔ کشان سپاہیں اور کشک کی مورتیں میں ہی آریوں دکھائی گئے۔ غالباً کشان اسے مدھیہ ایشیا سے لائے تھے۔ کرتا ہندوستانی اور یونانی تہذیب کے میل جول نے پیدا کیا۔ یونانی کرتے کا نام ٹیونک ہے جو ہندوستانی کرتے سے 90 فی صدی ملتا جلتا ہے۔ کرتا کس زبان کا شبد ہے یہ نہیں کہا جا سکتا۔ سنسکرت، پراکرت، پالی یا آریوں کسی سے بھی اس کا تعلق نہیں جرتا۔ پانچواں صدی عیسوی میں کشانوں کی دین ہے جس کو اب مسلمان سبھا جا رہا ہے۔ گندھی ٹیپی، پرتالی ٹیپی کی طرح ہے جو مدھیہ کل میں پرتالیوں اور مصریوں سے یہاں پہنچتی تھی۔ عورتوں کے گہلوں میں تہ اور کل کی بالیاں مسلمانوں کی دین ہیں۔ ٹی کی تو یہاں تک شددی ہوئی کہ یہ بعض بعض ہندو جاتوں میں سہاک کی نشانی بن گئی۔ ان گہلوں کے لیے سنسکرت پھاسا میں شبد نہیں ہیں اور نہ یہ پرائی مورتوں میں ہی نظر آتے ہیں۔

ہمارے بھٹ سے جانے بیوہی ہیں جنہیں آج ہم بھارتی بھارتی کہتے ہیں۔ ہمیں بہت سے کھالے میلمنوں کے سہرکتے میں آئے۔ ملے۔ ہندوستانی میں عام طور سے درجہ کی مہلوں کا رواج تھا۔ مسلمانوں نے انہیں انہی کی مہلوں ہی دین۔ ہم آج بھی غالباً اسی رواج سے بڑے بڑے جہتی دیر میں ہم ہر دین والی مہلوں میں آتے ہیں لیکن انہی نہیں کہتے۔ خطہ قریب قریب ہندی سب کی سب مسلمانوں سے ہی ملی ہیں۔ خود خطہ کا لفظ غریبی ہے پوری کچھ اور روٹی جسے کالے ہی

## ‘ہندوستان میں تہذیبوں کا میل جول’

میں نے اس جگہ خاص طور پر اس سرخی کی ضرورت سمجھتی ہوں کہ دو امر گزریں ہیں۔ (1) ہر دین کے کلمہ پر سب سے اہم اور لگاؤ پہلو یہی ہے۔ (2) میں انہیں کے اذکار پر تہذیبوں کے میل جول کا خاکہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ کلمہ میں پہلا اور سادہ کے خاص اہتمام ہوتے ہیں۔ لہذا میں پہلے سے شروع کرتا ہوں۔

آریوں کے یہاں بسنے سے پہلے دو قسم کے کپڑے پہنے جاتے تھے—ایک پھٹی اور دوسرا شال یا بادر۔ ان کے آنے پر مہوں کے پہناوے میں پگڑی اور دراپی (ایک طرح کی بٹنی) اور آریوں میں بھولی کا رواج ہوا۔ یہ بھولی اور دراپی کو بڑھ کر بھام جناتا بھام تیر سے بھور سیکے کپڑے پہنتی تھی۔ لیکن سوتی بھام کا ہستہ مال ہوتا تھا، کم سے کم دراپی تو سوتی ہی جاتی تھی۔ آج کے وہ تمام لباس جنہیں ہم ہندوستانی کہتے ہیں بدیسی ہیں۔ آریوں جو لکھو کے نوآریں اور دہلی کے مہلوں کے یہاں بدلتے بدلتے شہزادی بن گئے دراصل پہلی صدی عیسوی میں کشانوں کی دین ہے۔ کشان سپاہیں اور کشک کی مورتیں میں ہی آریوں دکھائی گئے۔ غالباً کشان اسے مدھیہ ایشیا سے لائے تھے۔ کرتا ہندوستانی اور یونانی تہذیب کے میل جول نے پیدا کیا۔ یونانی کرتے کا نام ٹیونک ہے جو ہندوستانی کرتے سے 90 فی صدی ملتا جلتا ہے۔ کرتا کس زبان کا شبد ہے یہ نہیں کہا جا سکتا۔ سنسکرت، پراکرت، پالی یا آریوں کسی سے بھی اس کا تعلق نہیں جرتا۔ پانچواں صدی عیسوی میں کشانوں کی دین ہے جس کو اب مسلمان سبھا جا رہا ہے۔ گندھی ٹیپی، پرتالی ٹیپی کی طرح ہے جو مدھیہ کل میں پرتالیوں اور مصریوں سے یہاں پہنچتی تھی۔ عورتوں کے گہلوں میں تہ اور کل کی بالیاں مسلمانوں کی دین ہیں۔ ٹی کی تو یہاں تک شددی ہوئی کہ یہ بعض بعض ہندو جاتوں میں سہاک کی نشانی بن گئی۔ ان گہلوں کے لیے سنسکرت پھاسا میں شبد نہیں ہیں اور نہ یہ پرائی مورتوں میں ہی نظر آتے ہیں۔

ہمارے بھٹ سے جانے بیوہی ہیں جنہیں آج ہم بھارتی بھارتی کہتے ہیں۔ ہمیں بہت سے کھالے میلمنوں کے سہرکتے میں آئے۔ ملے۔ ہندوستانی میں عام طور سے درجہ کی مہلوں کا رواج تھا۔ مسلمانوں نے انہیں انہی کی مہلوں ہی دین۔ ہم آج بھی غالباً اسی رواج سے بڑے بڑے جہتی دیر میں ہم ہر دین والی مہلوں میں آتے ہیں لیکن انہی نہیں کہتے۔ خطہ قریب قریب ہندی سب کی سب مسلمانوں سے ہی ملی ہیں۔ خود خطہ کا لفظ غریبی ہے پوری کچھ اور روٹی جسے کالے ہی

देशी लोगों में डाल दिया गया है, नैतिक अस्तर भी विदेशी प्रभावों से अदृढ़ हो बदलते रहे हैं.

३. हमारा कलचर हमेशा से साइंटिफिक और विकास आत्मिक विज्ञानों का हासिल रहा है उम्माह उनको इसलाक़ी रंग से पेश किया गया हो या धार्मिक (creedal). साइंटिफिक आधार पर किसी चीज़ को ग्रहण करने या छोड़ने से लचर अमर होता है. आज के साइंस और मशीन के जुग में वही पहनावा काम सकता है जो कल पुर्जों से न उलके. चुस्ती और काम की सहूलियत के लिये हमें धोती के बजाय नेकर और पतलून ही पहनना होगा. इसलिये हमें चाहिये कि हम हर सवासी और समाजी कारोबार में साइंटिफिक तरीकों को इस्तेमाल करें. अगर अत्रल से कोई बात सही जंचती है तो उसके अपना छेने में दर्ज ही क्या है, बला से वह राम और कुरन के रहन सहन में न रही हो.

4. हिन्दुस्तानी कलचर जिन्सयाती और कलात्मक (sexual and artistic) बुनियादों पर ही फला फूला है. हमारे नाच गाने, हमारी सुसज्जरी, हमारे साहित्य, हमारे त्योहार और यहां तक कि हमारे रस्मोरिवाज में भी उनकी छाप है. हमारे देवी देवताओं की कहानियां भी दुस्ने इरक की हयों से बाहर नहीं हैं. हमारे मौजूदा लोक गीत, राग रंग और नाच गाने जां त्योहारों पर मन्दिरों और हर देहाती घरों में सुनाई पड़ते हैं इस कथन को और भी स्तार कर देते हैं. हमारे घरों की तस्वीरों, मन्दिर की मूर्तियों और साहित्य में एक ऊंचे दर्जे की जिन्सी मिठास है जो अमरीका और फ्रांस के बालरूम और होटलों को नसीब नहीं. यह जिन्सी मिठास छिछली नहीं इन्तहाई कलात्मक और बुलन्द है जो भरवरी हरी को तबाइफ की दूकान से उठाकर स्वर्ग के रास्ते पर खड़ा कर सकती है. हिन्दुस्तानी कलचर के इस पहलू में कुछ पेसी जिन्दगी है कि उन्हें झांकने के बाद कलचर पर मुर्वनी छा जाती है. मुसलमानों ने भी इसे अपने कलचर में तमाम मजदबी पाबन्दियों को ठुकरा कर अपना लिया. हिन्दुस्तान की ईद, यहां की शम्बरात और यहां के मुसलमानों के शादी ब्याह इस्लामी नहीं हिन्दुस्तानी हैं.

6. हिन्दुस्तानी कलबुर में इन्तहाई सादगी है लेकिन इस सादगी के भी साम्राजी अन्वाष हैं जो पुराने सामन्त-बादी जुग से अमेची साम्राजशाही तक बराबर पनपती रही। मैंने हमेशा सुखा खाना देखा लेकिन सोने के बत्तनों में, मैंने खुरी से भूक सहने वालों को देखा जो भी और अनाज जमाती बाग में झोंक देते हैं, मैंने ऐसे नंगे देखे जो मरने पर देखी कमान पाते हैं, मुझे हिन्दुस्तानी सादगी पसन्द है, इसे कलबुर में खान भिलाना चाहिये, लेकिन साम्राज के और कलबुर के ही इस पर न चलने पायें, मैं खुरकुरी को सादगी नहीं पसन्द करता।

فُتسی سانچوں میں ڈھال لیا گیا ہے : کوئی لکڑی ہی بدیسی  
 پرہاڑی سے اداۃ بدلتے رہے ہیں ۔

3. ہمارا کنچر ہمیشہ ہے سائنٹفک اور وکیس آفک سائنٹس کا حاصل رہا ہے خواہ اُن کو اخلاقی رنگ سے بھی کیا گیا ہو یا دھارمک (creedal) سائنٹفک ادھار پر کسی چیز کو گرہن کرنے یا چھوڑنے کے کچھ امر ہوتا ہے۔ آج کے سائنٹس اور سائنس کے جگ میں وہی پہناوا کام دے سکتا ہے جو کل یزوز سے نہ اچھے۔ چستی اور کلم کی سہولیت کے لئے ہمیں دھونی کے بجائے نڈکر اور پتلون ہی پہننا ہوگا۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے ہر سائنسی اور سماجی کاروبار میں سائنٹفک طریقوں کو استعمال کریں۔ اگر عقل سے کوئی بات سہمی جائیگی ہے تو اُس کے اپنائیت میں ہرچ ہی کیا ہے، بق سے وہ دلم اور کرشن کے رہن سہن میں نہ رہی ہو۔

4. ہندستانی کالج جنسیاتی اور کٹنگ (sexual and artistic) بنیادوں پر ہی چلا پہلا ہے۔ ہمارے ناچ گانے، ہماری مصوری، ہمارے سادھنے، ہمارے تلوکار اور یہاں تک کہ ہمارے رسم و رواج میں بھی اُن کی چاپ ہے۔ ہمارے دیوی دیوتاؤں کی کہانیاں بھی حسن و عشق کی حدوں سے باہر نہیں ہیں۔ ہمارے موجودہ لوک گیت، راک رنگ اور ناچ گانے جو تلوکاروں پر ملندروں اور ہر دیہاتی گھروں میں سنائی پڑتے ہیں اُس گھن کو اور بھی صاف کر دیتے ہیں۔ ہمارے گھروں کی تصویریں، مندر کی مورچوں اور سادھنے میں ایک اُردنچے درجہ کی جنسی مٹھاس ہے جو امریکہ اور فرانس کے ہال روم اور ہراتوں کو نصیب نہیں۔ یہ جنسی مٹھاس چھپیلی نہیں انتہائی کٹنگ اور ہند ہے جو بہتر تو ہری کو طوائف کی درکن سے اُٹھا کر سرورگ کے راستہ پر کھڑا کر سکتی ہے۔ ہندوستانی کالج کے اُس پہلو میں کچھ ایسی زندگی ہے کہ انہیں چھوڑنے کے بعد کالج پر گردنی چھا جاتی ہے۔ مسلمانوں نے بھی ایسے اپنے کالج میں تمام مذہبی پابندیوں کو ٹھکرا کر اپنا لیا۔ ہندستان کی عہد، یہاں کی شہزادت اور یہاں کے مسلمانوں کے شاعری بنیاد اسلامی نہیں ہندستانی ہیں۔

5. هندوستانی کاچر میں انتہائی سادگی ہے لیکن اس سادگی کے ہی سامراجی انداز میں جو پرلے سمیت وادی چنگ سے انگریزوں - سامراج شادی تک برابر پہنتی رہی . میں نے دیکھا سوکھا کھانا دیکھا لیکن سولے کے ہوتلوں میں . میں نے خوشی سے ہرک سب سے واپس کو دیکھا جو گھی اور آٹا چلتی آگ میں جھونک دیتے ہوں . میں نے ایسے ننگے دیکھے جو مرنے پر بھی گن پاتے ہوں . مجھے ہندوستانی سادگی پسند ہے اسے کاچر میں استھان ملنا چاہئے لیکن سامراج کے اور صاحب کے ایسے اس پر نہ چلے پائیں . میں چونکھی ہوئی سادگی نہیں کہہ سکتا .

مسلمان شہنشاہوں کی اس آشوب گردشا کا یہ نتیجہ نکلا کہ  
 اُن میں اُرتھ علاج کی گنتی ہاتھ پیدا ہو گئی۔ یورپ کی  
 جاتیوں نے بھی یہاں کی جھل جھٹکا میں ہندو ہٹاکو اور  
 مضبوط بناکر اپنا آگو سمجھنا کیا۔ دھرمک مشنریوں نے یہی  
 (چاہے مسلمان ہوں یا عیسائی) یہاں کی جہالت  
 کو پرچار کے سامان بنایا اور ہمیشہ ہندو مسلمان اور شونہ  
 برہمن وغیرہ کے اندرونی ہند کو اُتار رہے۔ عیسائی پادری  
 ذات کو عیسائی بناکر اُن میں برہمنوں سے بزرگ ہونے کا  
 جنون پارتے رہے یہاں تک کہ ہسوسین مذہبی کلچری مت  
 پید اس چرم سما پر پہنچ گیا جہاں دھن کلچر کے نام پر  
 دو تگڑے ہو گئے۔

اگر ہم رواندازی سے آج کے کلچر کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہمارے دیہی میں چائی چائی، پرانت پرانت، یہاں تک کہ شہر شہر اور دیہات دیہات کے کلچر اور پشلا میں فرق ہے۔ کوئی ہنگالی، کوئی مدرسی، کوئی پنجابی، کوئی یوپی کا، نواسی دلچسپی اعتبار سے ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتا۔ خوش قسمتی سے پچھلے کچھ دنوں میں انگریزی فلچر اور انگریزی پشلا کے پورے بھارت کے دلچسپی ایکٹا کے سامنے چٹا دیکھ گئے۔ آج یہی اگر پنجابی اور ہنگالی میں روٹی بٹتی کا سنبندہ ہونا ہے تو تبہ کو وہ بے ہی ہندستانیت کے نام پر ہو مگر ایسے کاموں میں انگریزی دلچسپی اور انگریزی اثر آجاکر معلوم ہوتے ہیں، اس کے لئے ہم کو انگریزوں کا احسان ملنا ہونا چاہئے۔ دھوتی اور قمیض میں، کرتے اور اچکن میں، پانچامہ اور شلوار میں، ڈاڑھی جو یہی بھد بھاؤ ہو لیکن سوٹ اور ٹائی کی دنیا میں، کتے بونے چھروں کی دنیا میں تمام فرقوں کے ہندستانی ایک سے نظر آتے ہیں۔ مسخریوں، مسخدریوں، گروڈواڑوں اور گرجا گھروں میں چاہے جتنا بھی بھر بھاؤ ہو لیکن بھولیں، تفریح گاہوں، آرام گاہوں میں سب ایک سے ہیں۔

’مذاہبِ اسلامی کے تکرار پہلو‘

1. لچک (flexibility) — اس وقت پر مبنی بحث ہو چکی ہے، صرف اتنا کہنا ہے کہ 'انتخاب' جو آدمیت کی جان ہے کچھ نہ بڑھ اور نہ لچک اس ہو جائے۔ ہم وقت کے تناقص کے اتسار ادا کرتے ہوئے رہیں، خواہ کچھ ہو یا پشاش یا کڑی اور مصلحہ ہو۔

2. علامہ اعلیٰ کلچر کا آغاز علامہ سے شروع ہوا ہے اور آج بھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی مانتے کہ زبان میں نہ ہندو دھرم کے علم پر غلبہ نہیں ہے جس کے لئے ہم انگریزی (English) پر زور دیتے ہیں۔ علامہ اعلیٰ کلچر میں اس کی پرکھنا ہندو دھرم کی روانداری اور ان ملک چوتھوں پر ہے۔ روانداری کی جو یہ کھتا ہے کہ علامہ کلچر کی جو بات دیکھو گے جس



ہادی رہا، یہ دامن اسے تک چلتا رہا، تب سے لے مہاتما بدھ کو جنم دیا۔ مہاتما بدھ نے آدمی اور انصاف کا مولہ اٹھا، انہوں نے تمام بھارتی جنتا کو بھائی چارہ پریم، محبت اور رحم کا سندیھن دیا جسے دامنوں نے اپنا، جس کا راجہ مہاراجاؤں نے بھی سراکت کیا۔ مگر کچھ ہی عرصہ بعد ہر امن واد نے شکر اچاریہ اور کمارل بھٹ وغیرہ کو جنم دیا، جنہوں نے بددھوں کو روند ڈالا۔ ایک راشٹر، ایک کلچر کی بھاؤنا دب گئی، دھارمک کترین پھر اُبھرا۔ اُس کے بعد آٹھویں صدی عیسوی میں ایک نئی سیہیتا، بھائی چارہ پئی لٹے ہوئے، اسلام کے نام سے ہندستان میں داخل ہوئی۔ یہ اسلام شکر اچاریہ اور کمارل بھٹ کے کترین پر چھتا چلا گیا۔ بھارت واسیوں نے مندر کی جگہ مسجد دیکھ جہاں راجہ رنگ اور فقیر برادر تھے۔ ایسی دشا میں ہر امن وادی سیہیتا سے ایمان کا بدلہ لیتی ہوئی ہندستانیت اسلامی سیہیتا قبول کرنے لگی اور قبول کوئی چلی گئی۔ مگر اسلامی سیہیتا ہی شکر اچاریہ سیہیتا سے اپنا دامن نہ بچاسکی۔ نتیجے کی طور پر اسلام میں بھی اونچ نیچ کا زہر پھیلنے لگ گیا۔ مسلمانوں میں بھی فرقہ واری جماعتیں بن گئیں اور اسلامی تہذیب میں دینے کی شکی مر گئی۔ مسلمان روہی وادی ہو گئے۔ ہٹ دھرمی ایک سیما پر پہنچ گئی۔ اسلام انسانیت کا آخری وکس ہے۔ اس کے آگے وکس کا نام نہ ہو ورنہ بھوشیہ میں ہر امن واد کی طرح اس اسلام کو بھی ہوریا بستر سہیتا پڑے گا۔۔۔۔۔ ان سیہیتاؤں کے ٹکراؤ سے اور لہن دین سے کچھ ترقی پسند سدھارکوں کو سائنکا کا سبق دینے کا موقع ملا۔ اس سلسلے میں کبیر اور نانک کے نام آگے ہیں۔ کبیر نے ہر امن واد اور اسلام کی داخلی سیہیتا کا ناگ روپ غام لوگوں کے سامنے رکھا۔ نانک نے چہرت چہرت کو ٹھکرا کر ایک ایہور کی آپسنا کا گھٹ کیا۔ اُس کے بعد جب دوسری یورپی چاہیلیں ہندستان آئیں تو انہوں نے ہی اپنی بھاشا، رھن سہن اور سہیتہ وغیرہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی ایک کلچر کے خیال کو بڑھاوا دیا اور سارے دیش میں جاگرن کی لہر دے گئی۔

ہندوستان میں سیکڑوں برس کی کوشش پر بھی کلچری عکاسی اب تک قائم نہ ہو سکی، اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ ہندستان کی سدھارن جنتا سمر اچیت اور اونچ نیچ کی آڑ میں جلیں بوجھ کر جمالت کا شکر بٹائی گئی، یہاں تک کہ مسلمان بادشاہوں نے بھی اپنے درباروں میں کیول ہر امنوں، چہترپوں اور اونچی ذات والوں کو بڑھاوا اور مان دیا، روزی اور ملی ہوئی چاہتوں کی طرف کسی کا دھان ہی نہیں گیا، اسلامی سمر اچیت بھی ترقی پسند عناصر (تکڑوں) کو ملتی رہی۔

ہندوستان میں سیکڑوں برس کی کوشش پر بھی کلچری عکاسی اب تک قائم نہ ہو سکی، اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ ہندستان کی سدھارن جنتا سمر اچیت اور اونچ نیچ کی آڑ میں جلیں بوجھ کر جمالت کا شکر بٹائی گئی، یہاں تک کہ مسلمان بادشاہوں نے بھی اپنے درباروں میں کیول ہر امنوں، چہترپوں اور اونچی ذات والوں کو بڑھاوا اور مان دیا، روزی اور ملی ہوئی چاہتوں کی طرف کسی کا دھان ہی نہیں گیا، اسلامی سمر اچیت بھی ترقی پسند عناصر (تکڑوں) کو ملتی رہی۔

ہندوستان میں سیکڑوں برس کی کوشش پر بھی کلچری عکاسی اب تک قائم نہ ہو سکی، اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ ہندستان کی سدھارن جنتا سمر اچیت اور اونچ نیچ کی آڑ میں جلیں بوجھ کر جمالت کا شکر بٹائی گئی، یہاں تک کہ مسلمان بادشاہوں نے بھی اپنے درباروں میں کیول ہر امنوں، چہترپوں اور اونچی ذات والوں کو بڑھاوا اور مان دیا، روزی اور ملی ہوئی چاہتوں کی طرف کسی کا دھان ہی نہیں گیا، اسلامی سمر اچیت بھی ترقی پسند عناصر (تکڑوں) کو ملتی رہی۔



اسکے سامنے چارہ ترہ کے سنانے، چارہ ترہ کی چیخ، جیسے کیتا، دھیار، ترارو، اور گندا برتن رستے جاتے ہیں۔ بچہ جس طرح کے کالے اور جس قسم کی چھڑوں کی طرف لپکتا ہے اس سے اس کے دن کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ یہ رواج دن و رات کی لچک کے دن میں پیدا ہوا تھا۔ بچہ جنم سے تو شوگر ورن کا ہے ہی اس کے پریشہ کے دن کا اکل پتھر معلوم کرنے کے یہی سب طریقہ پیدا تھے گئے تھے۔

سماج میں آئینک سکھوں، دکھوں اور پتھوں کی پیدیدگروں نے دھیرے دھیرے اولج نیچ کی وچار دھارا کو اتنا ابلرا کہ افس میں ایک ورن کا دوسرے ورن سے روٹی بیٹی کا سبندہ بالکل ہی ٹوٹ گیا۔ اس طرح سماج کی آئینک وینوسٹا میں ساننا نہ ہونے کے دن دھارمک کترین کا بھالک بھوت اولج نیچ اور چھوچھوت کے نام پر اتنا آگے بڑھا کہ آج سماج کی پتھالی روپ رکھا ہی بدل گئی، لیکن اس فری دھارمک کترین کی آڑ کے باوجود سماج کی پانچن شکنی اپنا کم کرتی رہی، ہارے ہوئے پتھری شوگر بن گئے، جتھے ہوئے یونانی، شک اور ہن وغیرہ راجپوت بن کر چھتری بن گئے اور ہرلہمنوں نے ان کا خاندانی سلسلہ چند آر سورج سے ملا دیا۔

آخر کار پونجی وادی اور سمرراجی وچار دھارا آگے بڑھی اور ساتھ ہی دھارمک کترین کا جھونا آئینر ہی۔ اڑھتی گئی۔ ہرلہمنوں نے واستوکتا اور سہراہمان کو پونجی واد کے ہاتھ بیچ دیا۔ رر جھوٹے وچاروں کے نئے نئے ہتھیار گڑھ گڑھ کر پونجی واد اور سامنتراد کو۔ سوٹھا۔ اس طرح عوام کے اصلی سکھوں کا چتر کول سمرراجی معطوں، دریلوں اور شہروں تک ہی سیمت ہو کر رہ گیا۔ سماجی فٹائے کا گدا دیا گیا۔ ہراہری، بھائی چاراپن کا ام لینا پاپ ہو گیا۔ غریب چنتا پر چھوچھوت، بنگر وغیرہ دن کے ہتھیار چلے آگے، پسی ہوئی چلتا آندھیری چھوٹھری سے کوئی فالیداس، کوئی رکرماوتیہ، کوئی پتھری ہری اور کوئی چانکیہ نہ پیدا کرسکی۔

### ‘سوار کی چور’

نئی روشنی میں پرکھنے پر پتا لگاتا ہے کہ ہیندوستانی کلچر ہمیشہ سے ہی بھار سی رہی ہے۔ اس پر موا یہ کہ ہارتی رہن سہن پر ہندو سمرراج شامی اور پونجی واد

\* سچے ایس سے نہیں پتا آ رہا ہے۔ غالباً سوسپرتی میں اس کی چرچا ہے کہ جو شیڈوں کا یہی اچارن نہ کرسکے وہ بلیکچہ ہے۔ شوگر ملیکچہ نہیں ہوتے تھے۔ اس دن آدمی جنم سے شوگر ہے۔ پونجی وغیرہ ایسی وجہ سے ملیکچہ کہلاتے کیونکہ وہ سنسکرت نہ جانتے تھے۔ ملیکچہ میں کو اپنالے سے یا دور کردہ سے دن بدل جاتا ہے۔ اس کا بھی ذکر قریب قریب آئینن تینوں میں غالباً سوسپرتی میں ہے۔

اس کے ساتھ چار طرح کے کالے، چار طرح کی چھڑوں، جیسے کیتا، ہتھیار، ترارو، اور گندا برتن رستے جاتے ہیں۔ بچہ جس طرح کے کالے اور جس قسم کی چھڑوں کی طرف لپکتا ہے اس سے اس کے دن کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ یہ رواج دن و رات کی لچک کے دن میں پیدا ہوا تھا۔ بچہ جنم سے تو شوگر ورن کا ہے ہی اس کے پریشہ کے دن کا اکل پتھر معلوم کرنے کے یہی سب طریقہ پیدا تھے گئے تھے۔

سماج میں آئینک سکھوں، دکھوں اور پتھوں کی پیدیدگروں نے دھیرے دھیرے اولج نیچ کی وچار دھارا کو اتنا ابلرا کہ افس میں ایک ورن کا دوسرے ورن سے روٹی بیٹی کا سبندہ بالکل ہی ٹوٹ گیا۔ اس طرح سماج کی آئینک وینوسٹا میں ساننا نہ ہونے کے دن دھارمک کترین کا بھالک بھوت اولج نیچ اور چھوچھوت کے نام پر اتنا آگے بڑھا کہ آج سماج کی پتھالی روپ رکھا ہی بدل گئی، لیکن اس فری دھارمک کترین کی آڑ کے باوجود سماج کی پانچن شکنی اپنا کم کرتی رہی، ہارے ہوئے پتھری شوگر بن گئے، جتھے ہوئے یونانی، شک اور ہن وغیرہ راجپوت بن کر چھتری بن گئے اور ہرلہمنوں نے ان کا خاندانی سلسلہ چند آر سورج سے ملا دیا۔

آخر کار پونجی وادی اور سمرراجی وچار دھارا آگے بڑھی اور ساتھ ہی دھارمک کترین کا جھونا آئینر ہی۔ اڑھتی گئی۔ ہرلہمنوں نے واستوکتا اور سہراہمان کو پونجی واد کے ہاتھ بیچ دیا۔ رر جھوٹے وچاروں کے نئے نئے ہتھیار گڑھ گڑھ کر پونجی واد اور سامنتراد کو۔ سوٹھا۔ اس طرح عوام کے اصلی سکھوں کا چتر کول سمرراجی معطوں، دریلوں اور شہروں تک ہی سیمت ہو کر رہ گیا۔ سماجی فٹائے کا گدا دیا گیا۔ ہراہری، بھائی چاراپن کا ام لینا پاپ ہو گیا۔ غریب چنتا پر چھوچھوت، بنگر وغیرہ دن کے ہتھیار چلے آگے، پسی ہوئی چلتا آندھیری چھوٹھری سے کوئی فالیداس، کوئی رکرماوتیہ، کوئی پتھری ہری اور کوئی چانکیہ نہ پیدا کرسکی۔

### ‘سوار کی اور’

نئی روشنی میں پرکھنے پر پتا لگتا ہے کہ ہندوستانی کلچر ہمیشہ سے ہی بھار سی رہی ہے۔ اس پر موا یہ کہ ہارتی رہن سہن پر ہندو سمرراج شامی اور پونجی واد

\* سچے ایس سے نہیں پتا آ رہا ہے۔ غالباً سوسپرتی میں اس کی چرچا ہے کہ جو شیڈوں کا یہی اچارن نہ کرسکے وہ بلیکچہ ہے۔ شوگر ملیکچہ نہیں ہوتے تھے۔ اس دن آدمی جنم سے شوگر ہے۔ پونجی وغیرہ ایسی وجہ سے ملیکچہ کہلاتے کیونکہ وہ سنسکرت نہ جانتے تھے۔ ملیکچہ میں کو اپنالے سے یا دور کردہ سے دن بدل جاتا ہے۔ اس کا بھی ذکر قریب قریب آئینن تینوں میں غالباً سوسپرتی میں ہے۔

अलग अलग पेशे अलग अलग जातों के बनने का कारन बन गये। नारी, घोषी, लोहार कुम्हार, सुनार बरौरा जातों पेशों की बिना पर आज तक पाई जाती हैं। लेकिन इन पेशेवर जातों में कोई छुट्टाव न थी, रोटी बेटी का सम्बन्ध भी राजा था। धीरे धीरे यही पेशे जातों और खान्दानों के रूप में आए एक ही पेशे के लोग सादा बढने के साथ साथ अलग अलग जगहों पर जाकर बसने लगे। उनमें जान पहिचान और खान्दानी सिलसिला मालूम करने के लिये उस खान्दान या कबीले के पहले बुजुर्ग के नाम पर गोत्रवाद भी चल पड़ा। रालिबन जातों, गोत्रों के क्राइम हो जाने के बाद जिन पेशों ने जैसी जैसी आर्थिक तरक्की की वैसी वैसी उनमें ऊंच नीच और छुआछूत की विचारधारा भी पैदा हो गई जिससे उस जमाने की सामाजिक जिन्दगी में छलभल्ले पड़ने लगीं। पंडित समाज को (जो कि अन्नलमन्दी और लीडरों का समाज था) रोक धाम की सूची। लेकिन वह इस ज़हर को समाज से उतार न सका, अलबत्ता उसने इसे आगे बढ़ने से रोकने के लिये बर्न व्यवस्था का एक अलग रास्ता निकाला। पूरे समाज को चार बड़े वर्नों में बांट दिया गया। वह लोग जो बिधा पढ़ने पढ़ाने और पूजापाठ कराने का काम करते थे ब्राह्मण कहलाए। यही लोग रास्ट्र के दिमागी अंग हुए और रास्ट्र और समाज की हर संस्था पर छाये हुए रहे। वह लोग जो सिपाहीगरी का काम करते थे, कृत्री कहलाए। यह रास्ट्र के रचक होते थे और चूकि उस समय फौजी सरकारें होती थीं इसलिये उन्हीं में से राजा भी होते थे। सिजारत और खेती बाड़ी का धन्दा करने वाले वैश्य कहलाए, लेकिन यह लोग न शिल्पकार होते थे, न दस्तकार और न ही खुद हल बरौरा इस्तेमाल करते थे। वह वर्न जो इन कामों को अंजाम देता था और इन तीनों वर्नों की सेवा करता था, रास्ट्र कहलाया। समाज में बर्न व्यवस्था हो जाने के बाद भी हर वर्न में रोटी बेटी के सम्बन्ध की छूट थी, बल्कि एक वर्न में पैदा होने वाला पेशा सदील करने के बाद दूसरे वर्न को अक्षय्यार कर सकता था। मिसाल के तौर पर वेदव्यास जी पैदाइश के ऐतबार से चिड़ीमार थे। नारद मुनि किसी रास्ट्र दासी से पैदा हुए थे। राबन पैदाइश के ऐतबार से ब्राह्मण था जो अपने कर्म से कुछ के कुछ हो गये। यही बात मनुस्मृति के एक सूत्र से भी साहिर है और यही बात हिन्दुओं के बाह्य कर्म संस्कार की बिगड़ी हुई रूप देखा से भी साबित होती है। जैसे नामकर्म संस्कार की रस्म में ब्राह्मण जहाँ बच्चों का रास का नाम बताता है वहीं वह बच्चों का वर्न भी बताता है कि वह ब्राह्मण वर्न है, वैश्य वर्न है, रास्ट्र वर्न है या राक्षस वर्न है बरौरा बरौरा। अन्न संस्कार में बच्चों को नहला घुला कर धान पकाने पढ़ाने कर एक जगह बिठावा जाता है जहाँ

एक पेशे एक एक जातों के बर्न का कलन बन गये। नारी, घोषी, लोहार, कुम्हार, सुनार, बरौरा, जातों पेशों की बिना पर आज तक पाई जाती हैं। लेकिन इन पेशेवर जातों में कोई छुट्टाव न थी, रोटी बेटी का सम्बन्ध भी राजा था। धीरे धीरे यही पेशे जातों और खान्दानों के रूप में आए एक ही पेशे के लोग सादा बढने के साथ साथ अलग अलग जगहों पर जाकर बसने लगे। उनमें जान पहिचान और खान्दानी सिलसिला मालूम करने के लिये उस खान्दान या कबीले के पहले बुजुर्ग के नाम पर गोत्रवाद भी चल पड़ा। रालिबन जातों, गोत्रों के क्राइम हो जाने के बाद जिन पेशों ने जैसी जैसी आर्थिक तरक्की की वैसी वैसी उनमें ऊंच नीच और छुआछूत की विचारधारा भी पैदा हो गई जिससे उस जमाने की सामाजिक जिन्दगी में छलभल्ले पड़ने लगीं। पंडित समाज को (जो कि अन्नलमन्दी और लीडरों का समाज था) रोक धाम की सूची। लेकिन वह इस ज़हर को समाज से उतार न सका, अलबत्ता उसने इसे आगे बढ़ने से रोकने के लिये बर्न व्यवस्था का एक अलग रास्ता निकाला। पूरे समाज को चार बड़े वर्नों में बांट दिया गया। वह लोग जो बिधा पढ़ने पढ़ाने और पूजापाठ कराने का काम करते थे ब्राह्मण कहलाए। यही लोग रास्ट्र के दिमागी अंग हुए और रास्ट्र और समाज की हर संस्था पर छाये हुए रहे। वह लोग जो सिपाहीगरी का काम करते थे, कृत्री कहलाए। यह रास्ट्र के रचक होते थे और चूकि उस समय फौजी सरकारें होती थीं इसलिये उन्हीं में से राजा भी होते थे। सिजारत और खेती बाड़ी का धन्दा करने वाले वैश्य कहलाए, लेकिन यह लोग न शिल्पकार होते थे, न दस्तकार और न ही खुद हल बरौरा इस्तेमाल करते थे। वह वर्न जो इन कामों को अंजाम देता था और इन तीनों वर्नों की सेवा करता था, रास्ट्र कहलाया। समाज में बर्न व्यवस्था हो जाने के बाद भी हर वर्न में रोटी बेटी के सम्बन्ध की छूट थी, बल्कि एक वर्न में पैदा होने वाला पेशा सदील करने के बाद दूसरे वर्न को अक्षय्यार कर सकता था। मिसाल के तौर पर वेदव्यास जी पैदाइश के ऐतबार से चिड़ीमार थे। नारद मुनि किसी रास्ट्र दासी से पैदा हुए थे। राबन पैदाइश के ऐतबार से ब्राह्मण था जो अपने कर्म से कुछ के कुछ हो गये। यही बात मनुस्मृति के एक सूत्र से भी साहिर है और यही बात हिन्दुओं के बाह्य कर्म संस्कार की बिगड़ी हुई रूप देखा से भी साबित होती है। जैसे नामकर्म संस्कार की रस्म में ब्राह्मण जहाँ बच्चों का रास का नाम बताता है वहीं वह बच्चों का वर्न भी बताता है कि वह ब्राह्मण वर्न है, वैश्य वर्न है, रास्ट्र वर्न है या राक्षस वर्न है बरौरा बरौरा। अन्न संस्कार में बच्चों को नहला घुला कर धान पकाने पढ़ाने कर एक जगह बिठावा जाता है जहाँ

जहाँ जहाँ ब्राह्मण संस्कार दिए जायेंगे:

ہی۔ اس بات کو آگے چل کر اس کتاب سے علم لیا گیا جو دیہی کے لئے لوگ بن گیا اور پورا سماج جو تہذیبیوں اور تنگ نظری مہوں میں گھسا گیا۔

آخر کلچر کا سوال ہی نہیں تھا؟ دیہی کے لئے کوئے میں آج "ہمارا کلچر" ہمارے تہذیب اور ہمارے سہولت کی گنج سنی ہے۔ آخر کہیں؟ اس کا قبول ایک جواب ہے کہ ہندوستانی چلتا کے ساتھ قومی نیتوں نے جو انہیں رکھا اس میں غلط بیانی ہے، تنگ نظری ہے اور جو انہیں رکھا ہے جس کے پروگرام سے چلتا اعلیٰ کی ہوں بھلیاں ہوں پھنس گئی اور اسے کلچر کا استعارہ، مرجعہ کلچر کا روپ اور اس کے بہار کا رخ نہیں دکھائی پڑتا۔ ہمارے چلتا کا ایک انگ وہ ہے جو دیہی اور راشتری پروگرام کے کارن پیچھے کی طرف دیکھ رہا ہے اور پورے اسلامیات کو مد نظر رکھتے ہوئے شہری اور پندرہار (Revivalism) کا حکم ہے اور دوسرا وہ ہے جو پیچھے کی طرف دیکھ رہا ہے اور اپنے کلچر کے تھلچلے کو پیچھے سے دیکھتا ہے۔ رنگ روپ میں بدل دینا چاہتا ہے۔ یہ دونوں ہی رجحان غلط ہیں۔ تیسرا ایک ایسا ہی دل ہے جو انتہائی رواداری سے کم لے رہا ہے جو دیہی اور ویدیسی سہی پروگرام کو قبول کرتے ہوئے اپنے کلچر کو وکاس کی طرف لیجا رہا ہے۔ راستہ میں یہی گروپ دیہی کی اور دیہی کے کلچر کی سیوا اور حفاظت کر رہا ہے۔

بھارتی کلچر کی مہانتا اس کی لچک اور رواداری میں ہے۔ پورہ ایتھنک اگ (Pre-historical age) سے لے کر آج تک یہ لچک اور رواداری قائم ہے۔ یہاں کے کلچر میں شک، ہن اور یونانی طائفوں کے چوتے موئے جھکے اس طرح بچ گئے کہ ہندوستانی ہوا میں ان کی مرجردگی کا کوئی ظہور اثر نہیں معلوم پڑتا بلکہ ہر ویدیسی پروگرام دیہی پروگرام میں دوبارہ از پائی کی طرح ایسا گل مل گیا کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرتا ناممکن ہے۔

ہمارے کلچر میں جانت پات کی درستہ بہت پرائی ہے اور آج تک کسی نے کسی پہلو سے قائم نہیں ہے۔ ظاہر میں اس میں تہذیبیوں کے لیکن راستہ میں یہ درستہ نہیں بہت لچکالی (flexible) رہی ہے جس کے لئے انہیں خرد گواہ ہے۔ اس کے طرز بھارتی کلچر کی پانچون شکلی ہی اس درستہ کے لچکالیوں کو ثابت کرتی ہے۔

ویدیک کال کا ایسا ہی اس بات کا گواہ ہے کہ لوگوں کے ہندوستانی دھرم پر چلتی رہنے والی رہیں لے جی زبانوں کو جنم دیا۔ یہ جب لوگوں کی ہندوستانی دھرموں کے لئے وکاس کا پیرا جبکہ انہیں توہین توہین سے ہی دھرم دھرم کے اعتبار سے بڑھ رہا ہے۔ اس لئے ہمیں ان کے تبدیل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لئے اسے الگ

ہی۔ اس بات کو آگے چل کر اس کتاب سے علم لیا گیا جو دیہی کے لئے لوگ بن گیا اور پورا سماج جو تہذیبیوں اور تنگ نظری مہوں میں گھسا گیا۔

آخر کلچر کا سوال ہی نہیں تھا؟ دیہی کے لئے کوئے میں آج "ہمارا کلچر" ہمارے تہذیب اور ہمارے سہولت کی گنج سنی ہے۔ آخر کہیں؟ اس کا قبول ایک جواب ہے کہ ہندوستانی چلتا کے ساتھ قومی نیتوں نے جو انہیں رکھا اس میں غلط بیانی ہے، تنگ نظری ہے اور جو انہیں رکھا ہے جس کے پروگرام سے چلتا اعلیٰ کی ہوں بھلیاں ہوں پھنس گئی اور اسے کلچر کا استعارہ، مرجعہ کلچر کا روپ اور اس کے بہار کا رخ نہیں دکھائی پڑتا۔ ہمارے چلتا کا ایک انگ وہ ہے جو دیہی اور راشتری پروگرام کے کارن پیچھے کی طرف دیکھ رہا ہے اور پورے اسلامیات کو مد نظر رکھتے ہوئے شہری اور پندرہار (Revivalism) کا حکم ہے اور دوسرا وہ ہے جو پیچھے کی طرف دیکھ رہا ہے اور اپنے کلچر کے تھلچلے کو پیچھے سے دیکھتا ہے۔ رنگ روپ میں بدل دینا چاہتا ہے۔ یہ دونوں ہی رجحان غلط ہیں۔ تیسرا ایک ایسا ہی دل ہے جو انتہائی رواداری سے کم لے رہا ہے جو دیہی اور ویدیسی سہی پروگرام کو قبول کرتے ہوئے اپنے کلچر کو وکاس کی طرف لیجا رہا ہے۔ راستہ میں یہی گروپ دیہی کی اور دیہی کے کلچر کی سیوا اور حفاظت کر رہا ہے۔

بھارتی کلچر کی مہانتا اس کی لچک اور رواداری میں ہے۔ پورہ ایتھنک اگ (Pre-historical age) سے لے کر آج تک یہ لچک اور رواداری قائم ہے۔ یہاں کے کلچر میں شک، ہن اور یونانی طائفوں کے چوتے موئے جھکے اس طرح بچ گئے کہ ہندوستانی ہوا میں ان کی مرجردگی کا کوئی ظہور اثر نہیں معلوم پڑتا بلکہ ہر ویدیسی پروگرام دیہی پروگرام میں دوبارہ از پائی کی طرح ایسا گل مل گیا کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرتا ناممکن ہے۔

ہمارے کلچر میں جانت پات کی درستہ بہت پرائی ہے اور آج تک کسی نے کسی پہلو سے قائم نہیں ہے۔ ظاہر میں اس میں تہذیبیوں کے لیکن راستہ میں یہ درستہ نہیں بہت لچکالی (flexible) رہی ہے جس کے لئے انہیں خرد گواہ ہے۔ اس کے طرز بھارتی کلچر کی پانچون شکلی ہی اس درستہ کے لچکالیوں کو ثابت کرتی ہے۔

ویدیک کال کا ایسا ہی اس بات کا گواہ ہے کہ لوگوں کے ہندوستانی دھرم پر چلتی رہنے والی رہیں لے جی زبانوں کو جنم دیا۔ یہ جب لوگوں کی ہندوستانی دھرموں کے لئے وکاس کا پیرا جبکہ انہیں توہین توہین سے ہی دھرم دھرم کے اعتبار سے بڑھ رہا ہے۔ اس لئے ہمیں ان کے تبدیل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لئے اسے الگ

کو خود بخود دیتی ہے اور مادہ کا گمان روحانی درشتی کو نہیں کو جھکا دیتا ہے اور لٹے روحانی درشتی کوں جو سچ مع بلند ہونے ہیں معلوم ہو جاتے ہیں۔ سائپ کو سائپ نہ سمجھ کر دیتا سمجھنا مائی واد کی توہین ہے سائپ کو سائپ سمجھنے کے بعد کسی بلند مرتبہ دیوتا کی کچھ ادھیاتم واد کی پردھی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی ترقی ایک ساتھ ہوتی ہے اور دونوں کا پتن ہی ایک ساتھ ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ کلچر کا وکس ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری سڑھی پر نہیں ہوا ہے۔ اس میں اکثر رکاوٹیں اور گراؤ بھی پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں سے بچت چلتا ہے کہ جب بھی کوئی نئی وچار دھارا آئی اور روزی وادیوں (conservatives) نے راستہ میں روڑا اٹھایا۔ کہیں کہیں ان روزی وادیوں کی جھٹ بھی ہو گئی اور کلچر کا وکس کچھ عرصہ کے لئے ملد بھی ہو گیا لیکن پورے طور سے کلچر آگے کی طرف ہی بڑھتا رہا۔ جیسے پرہت پر چڑھنے والا کہیں اونچے چڑھتا ہوا دکھائی پڑتا ہے اور کبھی نیچے اترتا ہوا لیکن اٹھ مہن وہ اونچائی پر ہی ہوتا ہے۔ کلچر بھی گراؤ کو سہن کرتے ہوئے اونچا ہی اٹھتا جاتا ہے اور مجموعی حیثیت سے سماج کو فائدہ ہوتا ہے۔

#### ہندوستانی کلچر کی بنیادی روپ رکھنا

#### ہندوستانی کلاچر کی روپ رکھنا

موجودہ کلچر کی بنیادی روپ رکھنے کے لئے ہمیں اپنے گھر سے دھوئے دھوئے کے انہیں کی طرف جانا ہوتا، حالانکہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے پورچوں میں انہیں لکھنے کی پرتھا نہ تھی، پھر بھی ہمیں کچھ گمان اپنے دیش کے ساتھ، دھرم گرتوں، شلپ گرتوں اور اپنے دیش کے چالو رسم رواجوں سے ملتا ہے جو ہمیں اپنے دیش کی پرانی سہیتا کی جھلک دکھا دیتے ہیں۔ اس سے ہم ہندستان کے کلچری وکس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس اندازے سے بھی جو کچھ ہمیں اپنے انہیں کا گمان پڑا ہوتا ہے وہ راج محل، درباروں اور درباروں کی کھیلوں کا انہیں ہے۔ وہ سچا بہارت جو یہاں کے دھرتوں میں پڑا ہوا تھا، جو ہمارے چہرے کا بہارت تھا، اس کا کچھ پتہ نہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے چاکرن کے جگ میں دو وچاروں کے ادھن ہمارے دیش کے انہیں کی ہستیں لپی گئیں۔ پہلی پہاڑا میں انگریزیت پر دھانی ہے جس کے تھلے والے زیادہ تر انگریز ہیں۔ ان انہیں میں انگریزی دھت ہے جس میں ہر طرح سے بہارتی کلچر کو انگریز کلچر سے برا ثابت کرنے کی کوشش ہو گئی ہے تاکہ انگریزوں کے لئے جو میں مضبوط ہیں۔ دوسری پہاڑا نوشاہی ہے جو پچھلی انہیں گروں کو جواب بھی ہے اور چلتی

موجودہ کلچر کی بنیادی روپ رکھنے کے لئے ہمیں اپنے گھر سے دھوئے دھوئے کے انہیں کی طرف جانا ہوتا، حالانکہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے پورچوں میں انہیں لکھنے کی پرتھا نہ تھی، پھر بھی ہمیں کچھ گمان اپنے دیش کے ساتھ، دھرم گرتوں، شلپ گرتوں اور اپنے دیش کے چالو رسم رواجوں سے ملتا ہے جو ہمیں اپنے دیش کی پرانی سہیتا کی جھلک دکھا دیتے ہیں۔ اس سے ہم ہندستان کے کلچری وکس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس اندازے سے بھی جو کچھ ہمیں اپنے انہیں کا گمان پڑا ہوتا ہے وہ راج محل، درباروں اور درباروں کی کھیلوں کا انہیں ہے۔ وہ سچا بہارت جو یہاں کے دھرتوں میں پڑا ہوا تھا، جو ہمارے چہرے کا بہارت تھا، اس کا کچھ پتہ نہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے چاکرن کے جگ میں دو وچاروں کے ادھن ہمارے دیش کے انہیں کی ہستیں لپی گئیں۔ پہلی پہاڑا میں انگریزیت پر دھانی ہے جس کے تھلے والے زیادہ تر انگریز ہیں۔ ان انہیں میں انگریزی دھت ہے جس میں ہر طرح سے بہارتی کلچر کو انگریز کلچر سے برا ثابت کرنے کی کوشش ہو گئی ہے تاکہ انگریزوں کے لئے جو میں مضبوط ہیں۔ دوسری پہاڑا نوشاہی ہے جو پچھلی انہیں گروں کو جواب بھی ہے اور چلتی

موجودہ کلچر کی بنیادی روپ رکھنے کے لئے ہمیں اپنے گھر سے دھوئے دھوئے کے انہیں کی طرف جانا ہوتا، حالانکہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے پورچوں میں انہیں لکھنے کی پرتھا نہ تھی، پھر بھی ہمیں کچھ گمان اپنے دیش کے ساتھ، دھرم گرتوں، شلپ گرتوں اور اپنے دیش کے چالو رسم رواجوں سے ملتا ہے جو ہمیں اپنے دیش کی پرانی سہیتا کی جھلک دکھا دیتے ہیں۔ اس سے ہم ہندستان کے کلچری وکس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس اندازے سے بھی جو کچھ ہمیں اپنے انہیں کا گمان پڑا ہوتا ہے وہ راج محل، درباروں اور درباروں کی کھیلوں کا انہیں ہے۔ وہ سچا بہارت جو یہاں کے دھرتوں میں پڑا ہوا تھا، جو ہمارے چہرے کا بہارت تھا، اس کا کچھ پتہ نہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے چاکرن کے جگ میں دو وچاروں کے ادھن ہمارے دیش کے انہیں کی ہستیں لپی گئیں۔ پہلی پہاڑا میں انگریزیت پر دھانی ہے جس کے تھلے والے زیادہ تر انگریز ہیں۔ ان انہیں میں انگریزی دھت ہے جس میں ہر طرح سے بہارتی کلچر کو انگریز کلچر سے برا ثابت کرنے کی کوشش ہو گئی ہے تاکہ انگریزوں کے لئے جو میں مضبوط ہیں۔ دوسری پہاڑا نوشاہی ہے جو پچھلی انہیں گروں کو جواب بھی ہے اور چلتی

کوشی بھی تھا دھرم بھی گوتھوں میں تھا نہیں ہوتا بلکہ چالو  
دھرم یا چالو کھچور کا رنگ ہوتا ہے ۔

وہاں کے اسی آدمی کے آدھار پر انسان نیچر کی پوجا سے چل کر ایک ایشور کی پوجا تک پہنچا ہے، جب انسان پچاس پہاڑ کے لئے ندی اور تالابوں کا محتاج تھا، جب وہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ یہ کیوں سوکھ جاتے ہیں، ان میں پانی کہاں سے آتا ہے، پانی حاصل کرنے کے دوسرے کیا سامان ہیں، جب وہ سایہ کے لئے گھنہ پھڑوں کا محتاج تھا تو وہ ندی، تالابوں اور گھنہ پھڑوں کی پوجا کرنے لگا تاکہ وہ روتھ کر سوکھ نہ جائیں۔ جب انسان نے کنوؤں کو کھود کر پانی نکال لیا، گھر بنا کر سایہ پیدا کر لیا، آگ جھپٹ کر گرمی پیدا کر لی تو اُس کی کلہا نے پانی کے لئے پانی کا دیوتا، آگ کے لئے آگ کا دیوتا پیدا کیا اور اُن کی پوجا کرنے لگا۔ جسے جسے آگ اور پانی وغیرہ کے ساتھ ایک آدھار معلوم ہوتے گئے، دیوتاؤں اور اُن کے مہتمو میں کسی اتنی گئی اور آج کا انسان ایک ایشور کو ہر چیز کا آدھار ماننے لگا۔ جب انسان نیچر کے ہر پھند کو عقل کی پکڑ میں پائے گا تو وہ یقیناً خدا کی شکستی سے بھی انکار کر دیتا۔

کچھر کے سلجھواؤ اور اُچھاؤ یا ہلندی اور پستی کا سبب بننے  
 دیکھیں سے بہت گہرا ہے۔ کچھر کے دھارمک میدان میں ہر  
 ساج میں شہر میں بہت سے دیوتا مائے گئے ہیں۔ جتنے ہی  
 زیادہ دیوتا تھے، ساج میں اتنی ہی پورائتیاں یا قلعیاں  
 تھیں۔ جسے جسے سائنس نے ایک ایک کٹی کا سلجھواؤ پیش  
 کیا، دیوتا کھتے گئے۔ پہلاؤ، رتن سپن، کھان پان سبھی کچھ  
 سائنس کی کھوپ پر بدلے رہتے ہیں۔

گلچیز دو قسم کا ہوتا ہے ایک کا آندھار آنا ہے اور دوسرے کا پرکرتی، چاندن ہم آندھارم وائی آندھار اور مائی وائی مائی آندھار بھی کہتے ہیں۔ پہلے قسم کے گلچیز میں قائدہ قائم، دھرم، سادھو، وکیل، سچا دیوسھا اور راج نبھتی وغیرہ شامل ہیں۔ کیونکہ یہ سب انسان کے دیوہارک چھو، چڑو اور آتم وکس پر روشنی ڈالتے ہیں جن کا ہنری دنیا ہے کوئی سببہ نہیں ہوتا۔ دوسرے قسم کا گلچیز ہنری دنیا ہے سببہ رکھا ہے۔ جو دنیا آگ، ہوا پانی، دھرتی، دھرتی، دھات، پودوں، جانوروں اور دوسری مادی چیزوں سے بنی ہے۔ اس گلچیز میں کھیتی باڑی کے طریقہ، آگے جانے کے طریقے، عملوں کے یونٹ، ہتھاروں آدمی کے استعمال شامل ہیں۔ دونوں قسم کے گلچیزوں میں حیدر کی تہا کی تہا لکھی گئی ہے جس کا خاص کارن دونوں کا ایک دوسرے سے اگھا ہے۔ راستہ میں آندھار وائی گلچیز مائی وائی گلچیز کی حرکات ہے۔ جہالت مادیت



## ہندوستانی کلاچر

( چرن سرن ناز )

کلاچر کیا ہے ؟

کلاچر کے सम्बंध में कुछ कहने से पहले यह समझ लेना बहुत जरूरी है कि कलाचर क्या है. किसी भी देश का कलाचर समय की बहती हुई धाराओं के आधार पर बनता आया है. कलाचर अपनी प्रकृति से विकासमय ( evolutionary ) है और इसलिये कलाचर के विकास का तारीखी मुताला ( ऐतिहासिक अध्ययन ) सम्भव है. कलाचर के ऐतिहासिक विकास के कुछ अटल उतूल हैं जो हर देश, हर क्रौम के कलाचर पर परखे जा सकते हैं. हम अपने लेख में पहले उन्हीं उतूलों पर प्रकाश डालेंगे.

इन्सानी समाज अपनी इन्तहाई जंगली अवस्था से मनोवैज्ञानिक, साइन्टिफिक और नये नये मालूमात के आधार पर, जिन्हें इन्सानी जरूरतों ने पैदा किया, क्रम क्रम आगे बढ़ता हुआ आज की सुधरी हुई हालत ( जो अब तक भी पूरी नहीं है ) पर पहुँचा है. इस प्रकार समाज उसके कलाचरी विकास की एक सीढ़ी सी है, जिसका ऊपरी सिरा ओभल है. किसी भी समय का कलाचर उस समय के आवृमियों के मनोवैज्ञानिक, दिमागी, रुहानी और साइन्टिफिक जानकारी का मोहताज है. किसी भी समय के कलाचर को बुरा कहना या किसी भी समय के आवृमी को असम्भव बतलाना अन्याय होगा. जिस समय के लोगों के जीवन सम्बन्धी या संसार सम्बन्धी ज्ञान में जितना फैलाव होता है या ओछापन होता है, उस समय के लोगों के कलाचर और धर्म भी उसी सीमा में रहते हैं. शुरू जमाने में सारी दुनिया में आवृमी की कुर्बानी का रिवाज था. उस जमाने में लोगों को खेती बाड़ी के तरीके नहीं मालूम थे और न वह नेचर से ही फायदा उठाना जानते थे, उनमें समाजी तत्व की भी कमी थी. लोग एक दूसरे से काम लेना और एक दूसरे के काम आना भी नहीं जानते थे. ऐसी हालत में उनके देवी देवता अगर नर हत्या से खुरा होते थे तो उसमें ताज्जुब की क्या बात है ? खालिस लड़ाई की प्रवृत्ति ( instinct ) के आधार पर उन लोगों में हारे हुएों का क्रले आम ही लड़ाई का धर्म समझा जाता था. जब धीरे धीरे यह ज्ञान हुआ कि इन्सान इन्सान के काम आ सकता है, वह पैदावार के कामों में, सेवा करने में सहायता दे सकता है तो क्रले आम की जंगल गुलामी ने ले ली और इन्सानी प्रवृत्ति में आहिस्ता आहिस्ता दया और धर्म दाखिल हो गये. कलाचर अब धर्म धर्मने लगा. कोई भी नया कलाचर,

## हन्दستانی क्लचर

( چرن سرن ناز )

کلاچر کیا ہے ؟

کلاچر کے سبب سے پہلے یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ کلاچر کیا ہے. کسی بھی دیس کا کلاچر سمے کی بہتی ہوئی دھاراؤں کے آدھار پر بنتا آیا ہے. کلاچر اپنی پرکرتی سے وکس مٹ ( evolutionary ) ہے اور اس لٹہ کلاچر کے وکس کا تاریخی مطالعہ ( اٹھسک اڈھین ) سمبھ ہے. کلاچر کے اٹھسک وکس کے کچھ اٹل اصول ہیں جو ہر دیس، ہر قوم کے کلاچر پر پرکھ جا سکتے ہیں. ہم اپنے لٹے میں پہلے انہیں اصولوں پر پرکھ دالیں گے.

انسانی سماج اپنی انتہائی جنگلی اوستھا سے منوریکھلک، سائنسک اور نئے نئے معلومات کے آدھار پر، جنہیں انسانی ضرورتوں نے پیدا کیا، قدم قدم آگے بڑھتا ہوا آج کی سدھری ہوئی حالت ( جو اب تک بھی پوری نہیں ہے ) پر پہونچا ہے. اس پرکار سماج اُس کے کلاچری وکس کی ایک سیڑھی سی ہے جس کا اوپری سرا اوچھل ہے. کسی بھی سمے کا کلاچر اُس سمے کے آدمیوں کے منوریکھلک، دماغی، روحانی اور سائنسک جانکاری کا محتاج ہے. کسی بھی سمے کے کلاچر کو برا کہنا یا کسی بھی سمے کے آدمی کو اسبھہ بٹلانا اٹھلے ہوگا. جس سمے کے لوگوں کے جین سمبندھی یا سنسار سمبندھی گیان میں جتنا پھلاو ہوتا ہے یا اوچھا پن ہوتا ہے، اُس سمے کے لوگوں کے کلاچر اور دھرم بھی اُسی سیمہ میں رہتے ہیں. شروع زمانے میں ساری دلیا میں آدمی کی قربانی کا رواج تھا. اُس زمانے میں لوگوں کو کہتی بازی کے طریقہ نہیں معلوم تھے اور نہ وہ نیچر سے اُسی فائدہ اٹھانا جانتے تھے، اُن میں سماجی قوت کی بھی کمی تھی. لوگ ایک دوسرے سے کم لینا اور ایک دوسرے کے کم آنا بھی نہیں جانتے تھے. ایسی حالت میں اُن کے دیوی دیوتا اگر نہرکتیا سے خواہی ہوتے تھے تو اُس میں تعجب کی کیا بات ہے ؟ خاص لڑائی کی پرورتی ( instinct ) کے آدھار پر اُن لوگوں میں ہارے ہوؤں کا نکل عام ہی لڑائی کا دھرم سمجھا جاتا تھا. جب دھرم دھرم یہ گیان ہوا کہ انسان انسان کے کم آ سکتا ہے، وہ پیدارور کے کموں میں، دیوا کرلے میں سمبھہ سکتا ہے تو نکل عام کی جگہ غلامی نے لے لی اور انسانی پرورتی میں آہستہ آہستہ دیا اور دھرم داخل ہوگئے. کلاچر خود بخود سدھرتا ہے. کوئی بھی نیا کلاچر،



चीन के मराहुर महात्मा लाओत्से इजरायल ईसा से 604 वर्ष पहले हुए थे. उनके उपदेशों का चीन पर बड़ा गहरा असर पड़ा. लाओत्से कहते हैं—

“आदमी को चाहिये कि अपना सब काम खुदी को अलग रखकर सरल और सादे ढंग से करे. उसके किसी भी काम में खुदी या धर्म न हो, न अपने पराये और तेरे मेरे का फरक हो. इन्सान की सेवा उसकी पूजा हो. यही आदमी का ‘ताओ’ यांनी धर्म है.”

इजरायल ईसा ने इसी तरह का उपदेश देते हुए कहा था—

“देखो, व्रत के दिन भी तुम खुद तो खूब खाते हो और दूसरों को कस्ट देते हो. तुम सब तरह की बुराई करते रहते हो. क्या ऐसे ही व्रत की आज्ञा दी गई थी ? क्या यह व्रत ईश्वर को मंजूर हो सकता है ? जिस व्रत की आज्ञा दी गई थी वह यह है—जिन बुराइयों ने तुम्हें बांध रखा है उनका बन्धन तोड़ डालो, दुखियों को आजाद करो, भूखे को अपनी रोटी में से रोटी दो, जो बेघर हैं उन्हें अपने घर में जगह दो, जो नंगे हैं उन्हें कपड़े पहनाओ. सब दुखी इन्सानों की सेवा में अपने को खपा डालो, यही सबसे बड़ा व्रत है.”

बुद्ध भगवान जब धर्म प्रचार करते हुए निकले तो जहाँ भी दुखियों और बीमारों का पता पाते वहाँ जरूर ही उनकी सेवा करने ठहर जाते. उन्होंने अपने भक्तों को उपदेश दिया कि—

“मिष्ट्र ओ ! निरकाम सेवा ही परम धर्म है. सेवा का धर्म जात पात व धर्म के भेद भाव को नहीं मानता. मिष्ट्र नर (आदमी) के रूप में नारायण (अल्लाह) को देखता है और जन (इन्सान) के रूप में जर्नादन (खालिक) का दर्शन करता है. वह खुद दुखों और मुसीबतों का स्वागत करता है और अपनी सेवा के जरिये इस धरती में स्वर्ग की रचना करता है.”

सिखों के चौथे गुरु के एक चेले जब संगत में शामिल हुए तो उन्होंने अपने सुपुर्व जूटे बरतन मांजने का काम लिया. सुबह उठते ही बरतन मांजने का काम शुरू करते थे और काम समाप्त करते आधी रात बीत जाती थी. गुरु के चरनों में बैठ कर सतसंग सुनने का भी उन्हें समय नहीं मिलता था, जबकि उनके दूसरे गुरु भाई सुबह से लेकर रात तक भजन और सतसंग में ही अपना समय बिताते थे. जब गुरु जी ने समाधि ली तो जनता समझती थी कि गुरु के जो चले रात दिन भजन गाथा करते थे उन्हीं में से किसी को गुरु अपना वारिस बनाएंगे. लेकिन जब गुरु का हुक्मनामा खोला गया तो उसमें से उस जूटे बरतन मांजने वाले का नाम निकला जिसे एक दिन भी भजन गाने और संगत में बैठने का मौका नहीं मिला था. और यही बरतन मांजने वाले गुरु अर्जुन देव के नाम से सिखों के प्रसिद्ध गुरु हुए.

चीन के महोदय लाओत्से इजरायल ईसा से 604 वर्ष पहले हुए थे. उनके उपदेशों का चीन पर बड़ा गहरा असर पड़ा. लाओत्से कहते हैं—

“आदमी को चाहिये कि अपना सब काम खुदी को अलग रखकर सरल और सादे ढंग से करे. उसके किसी भी काम में खुदी या धर्म न हो, न अपने पराये और तेरे मेरे का फरक हो. इन्सान की सेवा उसकी पूजा हो. यही आदमी का ‘ताओ’ यांनी धर्म है.”

इजरायल ईसा ने इसी तरह का उपदेश देते हुए कहा था—

“देखो, व्रत के दिन भी तुम खुद तो खूब खाते हो और दूसरों को कस्ट देते हो. तुम सब तरह की बुराई करते रहते हो. क्या ऐसे ही व्रत की आज्ञा दी गई थी ? क्या यह व्रत ईश्वर को मंजूर हो सकता है ? जिस व्रत की आज्ञा दी गई थी वह यह है—जिन बुराइयों ने तुम्हें बांध रखा है उनका बन्धन तोड़ डालो, दुखियों को आजाद करो, भूखे को अपनी रोटी में से रोटी दो, जो बेघर हैं उन्हें अपने घर में जगह दो, जो नंगे हैं उन्हें कपड़े पहनाओ. सब दुखी इन्सानों की सेवा में अपने को खपा डालो, यही सबसे बड़ा व्रत है.”

बुद्ध भगवान जब धर्म प्रचार करते हुए निकले तो जहाँ भी दुखियों और बीमारों का पता पाते वहाँ जरूर ही उनकी सेवा करने ठहर जाते. उन्होंने अपने भक्तों को उपदेश दिया कि—

“मिष्ट्र ओ ! निरकाम सेवा ही परम धर्म है. सेवा का धर्म जात पात व धर्म के भेद भाव को नहीं मानता. मिष्ट्र नर (आदमी) के रूप में नारायण (अल्लाह) को देखता है और जन (इन्सान) के रूप में जर्नादन (खालिक) का दर्शन करता है. वह खुद दुखों और मुसीबतों का स्वागत करता है और अपनी सेवा के जरिये इस धरती में स्वर्ग की रचना करता है.”

सिखों के चौथे गुरु के एक चले जब संगत में शामिल हुए तो उन्होंने अपने सुपुर्व जूटे बरतन मांजने का काम लिया. सुबह उठते ही बरतन मांजने का काम शुरू करते थे और काम समाप्त करते आधी रात बीत जाती थी. गुरु के चरनों में बैठ कर सतसंग सुनने का भी उन्हें समय नहीं मिलता था, जबकि उनके दूसरे गुरु भाई सुबह से लेकर रात तक भजन और सतसंग में ही अपना समय बिताते थे. जब गुरु जी ने समाधि ली तो जनता समझती थी कि गुरु के जो चले रात दिन भजन गाथा करते थे उन्हीं में से किसी को गुरु अपना वारिस बनाएंगे. लेकिन जब गुरु का हुक्मनामा खोला गया तो उसमें से उस जूटे बरतन मांजने वाले का नाम निकला जिसे एक दिन भी भजन गाने और संगत में बैठने का मौका नहीं मिला था. और यही बरतन मांजने वाले गुरु अर्जुन देव के नाम से सिखों के प्रसिद्ध गुरु हुए.

[ आल इंडिया रेडियो के सौजन्य से ]

[ آلِ اُنتیا ریتیر کے سرچشمہ سے ]

سیوا فہوم

( مشربہر فاتہ پانڈے )

“सेवा से भीतर की जगह खोजनी होती है.”

سہوا = بہتر کی آتما روشن ہوتی ہے۔“

ارتھات ایک نورِ نجات طوفِ یو دوسرا نیرِ یو سے بنایا  
استغاثہ ۔ ایک گھاتِ اردو کوئی یہ اتنی دیکھو۔

چار تلکے آشیان کے جل گئے تو جل گئے  
پھر بھی ہو سکتی ہیں شاخ گل یہ تعمیریں بہت۔

کئی ادھک پہاڑوں میں سینا ہے۔ اس پہاڑ کی سنانا کو  
چھ ہی آگسٹ نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارے پرگتی شیل  
شومنگل سنگھ 'سمن' کی ایک اگنی بہت پرسدہ ہے۔

میں نہیں آیا تمہارے دوار، پتہ ہی مر گیا تھا۔

پریمی پریمکا نے گھر جان بوجھ کر نہیں گیا، وہ جس  
تے پر چل رہا تھا وہ خود ہی اندھ مر گیا۔ اب ابدو کا ایک  
د لڑ غیر فرما رہے۔

مشکلوں سے لائے تھے سمجھا بھجھا کے دل کو ہم،  
 دل ہمیں سمجھا بھجھا کر کوئی جاننے لے چلا۔

کوہٹا کی گہرائی تک پہنچنے، کلاس میں یہ لٹینیں جتنی ہیں۔

دل میں سمجھا بچھا کر کونہ جانلی ہے چلا ۔

ہندی میں نربندر شرما کی ایک لائن پر وچار کیجئے۔

”پھر ایک بار ساگر بنو میرے یک یک کے آکرشن۔“

اس مقابلہ میں ڈاکٹر اقبال کی بہت مشہور فزول ہے، اس ایک شعر ملاحظہ ہو۔

کہی ام حقیقت منظر، نظر آ بس مجاز میں،  
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں، تڑپ جہین نماز میں۔

ہندی کے کئی کئی نوجوانوں کو نہیں نے اردو کے، اور اردو  
کے کئی شعروں نے ہندی کے کئی کئی سے بڑا مستکب  
لکھا ہے، اگر اُس کی کھج کی چارہ تو اُس کا  
اگشوارہ اٹھ کرنا پڑے گا، ہندی میں اردو کے بھوں سے ہا  
نو میں ہندی کے بھوں سے پرہنا لینا گناہ نہیں۔ کتو اُس  
اپنی اصلاح میں کا قبول نہیں کرنا چاہئے۔

[illegible]

اس پل کو پھڑک کر اترے دیوے نرو کے مہاروے کا ہستہ-  
مال بھار کی اس مہاروے دھول کی باغ دھلاتا ہے—

“نہ کسی کی بزم کا نور ہے،  
نہ کسی کے دل کا قرار ہے۔”

جس کا ایک مصرعہ ہے—

“جو بیگانہ گیا وہ نہ سبب ہے،  
جو بکر گیا وہ نہ خسار ہے۔”

جانباباد کے باغ ہندی میں جو انہی چاروں چلیں، جیسے  
ماہن لال چترودی، بھوئی چرن ورما، ہری کرشن پریسی،  
نوبین دھارائیں، ان میں اردو کی شہشتا لے ہاوں کی پرچورتا  
معلوم پڑتی ہے۔ ساقی، پیالہ، شمع، پندگ ادبی پرتیک تو اب  
نک چلے آ رہے ہیں۔ ‘بچن’ کی ‘مہو شالا’ تو پرستہ  
ہی ہے۔ عمر ختام کے پرہاؤ سے ہندی میں نہ معلوم کتنے ہی اردو،  
فارسی کے روملتک ہاوں کو آسرا ملے ہے۔ اس طرح ہندی اردو  
کے ہاؤں کی براہروی کے انگنت اداہوں دینے جا سکتے ہیں۔

مہادیوی ورما کی یہ اکتی لیجئے—

ایک جوا کے بنا میں رام کا گڑھوں۔

اور اس کی تولنا کیجئے—  
آگ تھ ابتدائے عشق میں ہم،  
اب جو ہے خاک انتہا یہ ہے۔

اور دیگر کی یہ اکتی لیجئے—

جب گیتکار مر گیا باغ روئے آیا،  
چاندنی مچلنے لگی کفن بن جانے کو۔

چاندنی کے کفن بن جانے کی بات ٹیکہ اردو میں بھی  
ہیسی طرح کہی گئی ہے۔ ساتھ استاد ذوق کا ایک شعر ہے—  
افسردہ دل کے واسطے کیا چاندنی کا لطف،  
لپٹا پڑا ہے جس طرح مردہ کفن کے ساتھ۔  
اور بچن نے تو اپنی پرورتا اردو کے مہتاتے سے ہی لی ہے۔  
ان کا ایک واقعہ لیجئے—

بھی نہادی اور نمازی بھول گیا اللہ تعالیٰ  
اور اس کی تولنا کیجئے اس شعر سے اور دیکھئے کون سا  
زیادہ بلند ہے—

نماز کہی کہاں کا روزہ؟  
ابھی تو شیل شراب میں ہوں۔  
خدا کی یاد آئے کس طرح سے،  
بکوں کے قہر حباب میں ہوں۔

یا یہ لیجئے بچن کی ایک کویتا—

“نہو کا نرمالہ پھر پھر”

نہو کا نرمالہ بنانے، نہو کا نیامان کرنے کی بات  
اس وقت سے اردو سے ہی آئی ہے۔ چمن، آشیان، آشیان  
پر بھلی گونا آدی

“نہو کا نرمالہ پھر پھر”

اس پل کو پھڑک کر اترے دیوے نرو کے مہاروے کا ہستہ-  
مال بھار کی اس مہاروے دھول کی یاد دلاتا ہے—

“نہ کسی چشم کا نور ہے،  
نہ کسی کے دل کا قرار ہے۔”

جس کا ایک مصرعہ ہے—

“جو بیگانہ گیا وہ نہ نصیب ہے،  
جو بکر گیا وہ نہ خسار ہے۔”

چاہا واد کے بعد ہندی میں جو انہی دھارائیں چلیں،  
جیسے ماہن لال چترودی، بھوئی چرن ورما، ہری کرشن پریسی،  
نوبین دھارائیں، ان میں اردو کی شہشتا لے ہاوں کی پرچورتا  
معلوم پڑتی ہے۔ ساقی، پیالہ، شمع، پندگ ادبی پرتیک تو اب  
نک چلے آ رہے ہیں۔ ‘بچن’ کی ‘مہو شالا’ تو پرستہ  
ہی ہے۔ عمر ختام کے پرہاؤ سے ہندی میں نہ معلوم کتنے ہی اردو،  
فارسی کے روملتک ہاوں کو آسرا ملے ہے۔ اس طرح ہندی اردو  
کے ہاؤں کی براہروی کے انگنت اداہوں دینے جا سکتے ہیں۔

مہادیوی ورما کی یہ اکتی لیجئے—

ایک جوا کے بنا میں رام کا گڑھوں۔

اور اس کی تولنا کیجئے—

آگ تھ ابتدائے عشق میں ہم،  
اب جو ہے خاک انتہا یہ ہے۔

اور دیگر کی یہ اکتی لیجئے—

جب گیتکار مر گیا چاند روئے آیا،  
چاندنی مچلنے لگی کفن بن جانے کو۔

چاندنی کے کفن بن جانے کی بات ٹیکہ اردو میں بھی  
اسی طرح کہی گئی ہے۔ ساتھ استاد ذوق کا ایک شعر ہے—  
افسردہ دل کے واسطے کیا چاندنی کا لطف،  
لپٹا پڑا ہے جس طرح مردہ کفن کے ساتھ۔  
اور بچن نے تو اپنی پرورتا اردو کے مہتاتے سے ہی لی ہے۔  
ان کا ایک واقعہ لیجئے—

بھی نہادی اور نمازی بھول گیا اللہ تعالیٰ  
اور اس کی تولنا کیجئے اس شعر سے اور دیکھئے کون سا  
زیادہ بلند ہے—

نماز کہی کہاں کا روزہ؟  
ابھی تو شیل شراب میں ہوں۔  
خدا کی یاد آئے کس طرح سے،  
بکوں کے قہر حباب میں ہوں۔

یا یہ لیجئے بچن کی ایک کویتا—

“نہو کا نرمالہ پھر پھر”

نہو کا نرمالہ بنانے، نہو کا نیامان کرنے کی بات  
اس وقت سے اردو سے ہی آئی ہے۔ چمن، آشیان، آشیان  
پر بھلی گونا آدی

“نہو کا نرمالہ پھر پھر”

غالب نے اسی پہلو کو مہیا گھڑ دیکر ایک جہنم دیکھا  
کری ہے۔

عشرت قطره ہے دریا میں فنا ہو جانا،  
درد کا حد سے گزرتا ہے دیوا ہو جانا۔

اس جہنم کی دیکھا کے کرن ہی غالب کا یہ شعر بہت ہی  
اُرنچے درجہ کا ہے۔

گوسوامی تلسی داس کی ایک اُکتی ہے—

جیت دیکھوں تیت توئے،  
کندر پتھر ٹیکری، بھڑ آراسی موئے۔

اُتھات پروہم کی دہکت ستا میں اُس کی اویکت ستا کا  
سوندیہ پروکت ہو رہا ہے۔ اسی بات کو ایک اُردو کوی اس  
طرح کہتا ہے—

نکھہ مہوی حقیقت آشنا معلوم ہوتی ہے،  
نظر جس شہ پہ پڑتی ہے خدا معلوم ہوتی ہے۔

ہندی کے پُرانے پرتیک اُردو شاعروں نے، اور آجکل کے ہندی  
کویوں نے اُردو کی کہن کو بے روک ٹوک اپنا لیا ہے۔

یہ تو کھول پہاڑ پروہا کی بات ہوئی۔ مدھیہ کالہن ہندی  
کاویہ میں چند ہونائی سے لے کر آگے تک فارسی عربی شدت آئے  
میں۔ کسی میں کم، تو کسی میں زیادہ۔ جہل کاویہ ادھک  
شدہ دھارمک۔ دھرائل پر رہا، فارسی عربی کے شبدوں کا پریوک  
کم ہوا، جہل یہ دھارمک دھرائل پیچہ گیا وہاں فارسی عربی  
بے روک ٹوک پریوک ہوئے گا۔ گو سوامی تلسی داس نے خود  
اپنی کوتوالی کے سندر گاتھ میں فارسی شبدوں کا بخوبی استعمال  
کیا ہے۔ یہ اسی بات کا سوچک ہے کہ عام بول چال کی پیشا  
میں اُن دنوں فارسی عربی شبدوں کا بہتایات سے۔ اُپیوک ہوتا  
تھا۔ مسلمان راجاؤں کے سہ میں ایسا ہوتا سواہوک بھی ہے  
کبیر سے لگا کر بہارتیندو ہریشچنن تک ایسی اُنیک نظم گنائی  
جا سکتی ہیں جن میں ہندی کے مشہور دھرمی اُردو  
شبدوں کو بہت غلط اور سلطہ کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

آجکل کی کویا کے چھتر میں ہم پر اُردو کا زبردست اثر  
ہوا ہے۔ چھایا وان کے پیرو گل میں اُپدھیا سنگ اُپدھیا کے چوکھ  
چریدس اُس بات کی مثال ہیں۔ ہندی سلطہ کے دھارمکوں کو  
یہ معلوم ہے کہ 'پرساد' جی کا چھایا وادی کاویہ "آسو"  
اُنیک استہلوں پر اُردو کے پرتیکوں اور ہاؤں کو لے کر چاہے۔

مادکنا سے آئے تم  
سنگا سے چلے گئے تھے  
ہم دھاکل پرچہ بلکھتے تھے  
اُترے ہوئے تھے۔

کے پیرامبر ہجرت مومہند کو جگا رہا ہے کہ اٹھو نماز کا وقت آگیا۔  
خدا کے تران شریف میں محمد صاحب کو ایک جگہ کالی  
کلی والے کہا ہے۔ صاف ہے کہ اوردو کی اردو کہتا میں ہندی کی  
ہاؤشلی تو ہے ہی، ہندی کے آپا دان بھی ہیں۔ اس سلسلے میں  
'جاگیتہ گپال لال' والا بد ایکدم یاد آجاتا ہے۔ ہندی کے لوگ  
گہتر میں کالی کلی کا ذکر آتا ہے۔ بھولن کرشن کو بھی کالی  
کمریا والے کہا گیا ہے۔

جس طرح اردو میں ہندی آبادان، پریٹک اور ہاؤشلی  
پرکٹ ہوئی ہے، تھک اسی طرح ہندی میں اردو کا صوفیانہ  
رنگ بھی نکھرا ہے۔ یہ رنگ خاص اردو رنگ کا ہے۔ ملوک  
داس جی کہتے ہیں—

درد دیوالے باورے المست فقیرا،  
ایک عقیدہ لے رہے ایسے من دھیرا  
پریم پیالہ پھوٹے بسرے سب ساتھی،  
اتھ پیر یوں جھومتے جھومتے ماتا ہاتھی۔

ایک مثال اور لیجئے—

عشق چمن مصیوب کا جہاں نہ جاوے کوئے،  
جاوے سو جاوے نہیں جیتے سو ہوا ہوئے،  
لے طیب اٹھ جاؤ گھر عیث چھوٹکا ہاتھ،  
چوٹی عشق کی کیف یہ اُترے سر کے ساتھ۔

ایسی طرح اردو والوں نے بھی ہندی کے پڑائے ہواؤں کو  
بہت ہارونکا پروک اپنایا ہے۔ اس کے لئے ایک ہی مثال کافی  
ہے۔ گوسوامی تلسی داس کی ایک کہارت ہے—

کھونک کھونک اُسر پائے،  
مورٹھ سدھی دھیانوی کچھ کرن کٹھا سنائے۔

ایسی ہاؤ کو اردو شاعر استاد ذوق نے یوں بیان کیا ہے—

وہ کب سنئے لکے قاصد مگر ہاں یوں سلا دینا،  
ملوک دوسروں کی داستانی میں داستانی مہری۔

چونکہ تلسی داس رام سے اتم نویدن کرنا چاہتے ہیں، اس  
لئے ان کا طرز بیان دوسرا ہی ہے۔ لیکن ہاؤ، جذبہ ایک ہی ہے  
اور اُس جذبے کے اظہار کے لئے دوسروں کے داستان کے استعمال کی  
توجہ بھی بالکل ایک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک چیز ہے جسے ہم  
ہاؤ پر مہرا کہہ سکتے ہیں۔ اسی ہاؤ پر مہرا کے ساتھ کیلے کا  
تھک بھی جڑا ہوا ہے۔ ہندی اردو کی اہمیت پر مہرا کی  
جو نصیحت ہے وہ سرمانیہ ہاؤ پر مہرا ہے جو مہدیہ کال کی  
ہندی اردو کی جڑ ہے۔

سندھ میں ہندو کے سا جالے، جیو کے پرمانم تو میں لہن  
ہو جالے والی ہاؤ پر مہرا ہے جو پرہجت میں، ان کے لئے یہ  
کہتے ہتھی لہی ہاؤ پر مہرا ہے۔

”ہندو ہاؤ پر مہرا ہے، دیرا میں فنا ہو جاتا“

لیکن میں ہندو کے سما جانے، جیو کے پرمانم تھ میں  
لہن ہو جانے والی ہاؤ پر مہرا ہے جو پرہجت میں، ان کے لئے یہ  
کہتے ہتھی لہی ہاؤ پر مہرا ہے۔

”ہندو ہاؤ پر مہرا ہے، دیرا میں فنا ہو جاتا“



بیچارہ دھارا بھی آپس میں ملی چلتی اور ایک رنگ  
گڑبڑ کی یہ لائیں کون نہیں جانتا۔

ہمن ہیں ہرگز مکتبہ

ہمن کو ہوشیاری کیا

رہے آجیاد یا لگے،

ہمن دنیا سے یاری کیا

کبیرا ہرگز کا ماتا،

دُور کو دُور کر دِل سے

جو چلنا راہ لازم ہے،

ہمن سیر بزم ماری کیا

کبیر کی اس وقت سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ  
کبیر بولی کی ایک شیلی اردو کا دُکس آگے چل کر اسی تھرے  
پر ہوئے والا تھا۔

ہندی میں پریم گانہیں مشہور ہی ہیں۔ ملک محمد  
جائسی کی پدمماوت اس کے لئے سب سے ادبک مشہور ہے۔  
اس شیلی کی پریم کہانیاں مسلمانوں دوارا بھی لکھی گئی  
ہیں۔ ان بھاؤ اور اُدار مسلمانوں نے ہندو جنہوں کے ساتھ اپنی  
سہانہ پھرتی ظاہر کی اور فارسی کی مثنوی شیلی کو بہارتیہ درشتی  
سے سچا کر چلتا کی زبان میں پریم کی پیر کا وزن کیا۔ مزید  
بات یہ ہے کہ ان کہانیوں کی ہست لہیاں مسلمانوں کے ہی  
کہروں میں پائی جاتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ مدھہ کال میں  
صہی مت، بھکتی سمواتے، یوگ اور تائکرمت سہانت ایک  
دوسرے میں گل مل گئے تھے۔ گردھر کی اُپسکا مہرا عشق کا  
پہانہ پہنتی تھی اور حال آتے آتے بے سدھ ہو کر ناچ اُٹھتی تھی، تو  
ادھر آپسی پریم کی پیر کے ساتھ ہی، یوگہوں کے اتسار سر پرکروت  
لہنے کی بات بھی کرتے تھے۔ اس وجہ سے ملی چلی وچار دھارا،  
بھاؤ دھارا اور گادہ اُپادان کا وستار اور پرچار ہوتا تھا۔ یہی وہ  
بھمی ہے جس کے سبب پرانے زمانے سے ہندی کے بھاؤ وچار اور اردو  
میں ہندی کے بھاؤ وچار اور شیلیاں مل رہی ہیں۔

اُٹ مہرے کالی کمالی بالے،

رات چلی ہے جوجن بنکر،

آس سے اپنے منہ کو بونکر،

لٹ ڈیٹکایے کلا سببالے۔

اُٹ مہرے کالی—

رو کے ہمارا نام جو لگا،

نالپ دِل سے کام جو لگا،

دُڈ پڑے نہ اُٹ سے تارے۔

اُٹ مہرے کالی—

اُٹ کی یہ ایک شیلی ہے جسکا مطلب یہ  
ہے کہ رات کا وقت گزر رہا ہے اور اس وقت اُٹ اور اسلام

چار دھارا ہیں آپس میں ملی چلتی اور ایک رنگ  
گڑبڑ کی یہ لائیں کون نہیں جانتا۔

ہمن ہیں ہرگز مکتبہ

ہمن کو ہوشیاری کیا

رہے آجیاد یا لگے،

ہمن دنیا سے یاری کیا

کبیرا ہرگز کا ماتا،

دُور کو دُور کر دِل سے

جو چلنا راہ لازم ہے،

ہمن سیر بزم ماری کیا

کبیر کی اس اُکلی سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ  
کبیر بولی کی ایک شیلی اردو کا دُکس آگے چل کر اسی تھرے  
پر ہوئے والا تھا۔

ہندی میں پریم گانہیں مشہور ہی ہیں۔ ملک محمد  
جائسی کی پدمماوت اس کے لئے سب سے ادبک مشہور ہے۔  
اس شیلی کی پریم کہانیاں مسلمانوں دوارا بھی لکھی گئی  
ہیں۔ ان بھاؤ اور اُدار مسلمانوں نے ہندو جنہوں کے ساتھ اپنی  
سہانہ پھرتی ظاہر کی اور فارسی کی مثنوی شیلی کو بہارتیہ درشتی  
سے سچا کر چلتا کی زبان میں پریم کی پیر کا وزن کیا۔ مزید  
بات یہ ہے کہ ان کہانیوں کی ہست لہیاں مسلمانوں کے ہی  
کہروں میں پائی جاتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ مدھہ کال میں  
صہی مت، بھکتی سمواتے، یوگ اور تائکرمت سہانت ایک  
دوسرے میں گل مل گئے تھے۔ گردھر کی اُپسکا مہرا عشق کا  
پہانہ پہنتی تھی اور حال آتے آتے بے سدھ ہو کر ناچ اُٹھتی تھی، تو  
ادھر آپسی پریم کی پیر کے ساتھ ہی، یوگہوں کے اتسار سر پرکروت  
لہنے کی بات بھی کرتے تھے۔ اس وجہ سے ملی چلی وچار دھارا،  
بھاؤ دھارا اور گادہ اُپادان کا وستار اور پرچار ہوتا تھا۔ یہی وہ  
بھمی ہے جس کے سبب پرانے زمانے سے ہندی کے بھاؤ وچار اور اردو  
میں ہندی کے بھاؤ وچار اور شیلیاں مل رہی ہیں۔

اُٹ مہرے کالی کمالی بالے،

رات چلی ہے جوجن بن کر،

اُٹ سے اپنے منہ کو بونکر،

لٹ ڈیٹکایے کلا سببالے۔

اُٹ مہرے کالی—

رو کے ہمارا نام جو لگا،

نالپ دِل سے کام جو لگا،

دُڈ پڑے نہ اُٹ سے تارے۔

اُٹ مہرے کالی—

اُٹ کی یہ ایک مشہور کہانی ہے جس کا مطلب یہ  
ہے کہ رات کا وقت گزر رہا ہے اور اس وقت اُٹ اور اسلام

( स्वामी कुरनानन्द सोखता )

हिन्दी और उर्दू का रिश्ता दो बहनों का सा है, जो अलग अलग घर ब्याही गई हैं। चूंकि वह बहनें हैं, इसलिये उनके रूप गुण समान हैं, सिवाय इसके कि जिस घर वह ब्याही गई हैं, उसका असर उन पर पड़ा है। हमने सजा कर संवार कर भाशा को हिन्दी बनाया, दूसरों ने बाहर से लार्ड हुई सजावट की चीजों से सजा कर उसी भाशा को उर्दू का नाम दे दिया। नामों के इस भेद के बावजूद सांचे ढांचे के शुद्ध स्वदेशीपन को छोट न पड़ूँगे, इस अहतियात को निगाह में रखते हुए उर्दू के मशहूर शायर उस्ताद दादा ने ज़बान की व्याख्या करते हुए राज़ल फही है—

**अब दिल है मुक्तम बेकसी का**

यूँ घर न तबाह हो किसी का  
इतनी ही तो बस कसर है तुम में.

कहना नहीं मानते कम का  
कहते हैं उसे जबाने उर्दू

जिसमें न हो रंग फारसी का

इस बरायनाम भेद के होते हुये भी बनाबट, अदायगी और जोर के लिहाज से उर्दू हिन्दी की न मिटने वाली समानता यानी बराबरी और एकसेपन को अधिक बिस्तार या तकसील से बताने की आवश्यकता नहीं.

इश्ति की व्यापकता ( नज़र की बसबत ) शायर या कवि के स्वभाव का एक गुण है. एक ज़बान के शायर ने दूसरी ज़बान के शायर की खूबियों ( विशेषताओं ) की मूम मूम कर दाद दी है. जिस बोली से उसे वास्ता पड़ा उसके लफ़्ज़ों की माहियत या असलियत को जान कर उन लफ़्ज़ों के इस्तेमाल से उसने अपनी रचनाओं को रचा. हिन्दुस्तान के सांस्कृतिक इतिहास में इस बिचार धारा का ऐलान सबसे पहले मलिक मोहम्मद जायसी ने किया था—

તુરકી, અરબી, હિન્દુષી; માશા જેતીં આહિં

जामें मारग प्रेम का; सबै सराहाह तहि

उर्दू भारा और साहित्य के विकास का इतिहास लिखने वाले विद्वान अमीर खुसरो, कबीर, रहीम खानखाना, तुलसीदास, बिहारी बौरा सबकी गिनती उर्दू के आगे जाने वाले साके की बुनियाद रखने वालों में करते हैं, और यह स्वाभाविक भी है. हमारे इतिहास के बीच के जमाने में हिन्दुओं और मुसलमानों का जो सम्मिलन हुआ उसके तटीने में हमारे यहां सूफी मत, योग, भक्ति बौरा धार्मिक

## ہندی اُردو کاویہ کی سمانتائیں

(سوامی کرشنازند سوخته)

ہندی اور اُردو کا رشتہ دو بہنوں کا سا ہے، جو ایک ایک گھر بیلاہی گئی ہیں۔ چونکہ وہ بہنیں ہیں، اس لئے اُن کے روپ کن سمان ہیں، سوائے اِس کے کہ جس گھر وہ بیلاہی گئی ہیں، اُس کا اثر اُن پر پڑا ہے۔ ہم نے سجاگر سنوار کر بھاشا کو ہندی بنایا، دوسروں نے باہر سے لائی ہوئی سجاگر کی چیزوں سے سجاگر اُسی بھاشا کو اُردو کا نام دے دیا۔ ناموں کے اِس بھد کے باوجود سانچے تھانچے کے شدہ سودیشی پن کو چوت نہ پہنچے، اِس احتیاط کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اُردو کے مشہور شاعر اُستاد داغ نے زبان کی ویاکھا کرتے ہوئے غزل کہی ہے—

اب دل ہے مقام بیکنسی کا  
یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا  
اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں  
کہنا نہیں مانتے کسی کا  
کہتے ہیں اُسے زبانِ اُردو  
جس میں نہ ہو رنگِ فارسی کا

”اس پر اٹھ نام بیود کے ہوتے ہوئے بھی بناوٹ، ادائیگی اور زور کے لحاظ سے اردو ہندی کی نہ ملنے والی سائنات یعنی ہراہری اور ایک سے پن کو ادھک و ستار یا تفصیل سے بتانے کی آڑھینا لہیں۔“

درشنی کی واپاکتا (نظر کی وسعت) شاعر یا کہی کے سر پہلو کا ایک گن ہے۔ ایک زبان کے شاعر نے دوسری زبان کے شاعر کی خوبیوں (وشیشتائوں) کی جھوم جھوم کو داد دی ہے۔ جس ہوا سے اُسے واسطہ پڑا اُس نے لفظوں کی ماہیت یا اہلیت کو جان کر اُن لفظوں کے استعمال سے اُس نے اپنی رچناؤں کو رچا۔ ہندستان کے سانسرتک ایتھس میں اِس مچا دھارا کا اعلان سب سے پہلے ملک محمد جائسی نے کیا تھا۔

ترکی، عربی، ہندی؛ پاشا جیتیں آہیں  
جا میں مارگ پریم کا؛ سبہ سراہنہیں تانہیں

اُردو بھلا اور سادگی کے وکس کا آپاس لکھنے والے دہولان  
 امیر خسرو، کبیر، رحیم خاندان، تلسی داس، بہاری وغیرہ  
 سبکی گنتی اُردو کے آگے آنے والے خاکے کی بنیاد رکھنے والے  
 میں کرتے ہیں اور یہ سواہارک بھی ہے۔ ہمارے آپاس کے  
 بیچ کے زمانے میں ظلوں اور مسلمانوں کا جو ستم ہوا اُس کے  
 نیکوچہ میں ہمارے پہلے صوفی مساع، یوگ، بھکتی وغیرہ دھرمک

اس لیے میرے نزدیک تو زندگی بسر کرنے کا بہترین طریقہ صرف اُسے حاصل ہے جو اِس دنیا میں عقلی زندگی بسر کرتا ہے۔ جو دوسروں کو اور اپنے کو تکلیف پہنچائے بغیر اِس زندگی کو تمام ذہنی و جسمانی لذتوں سے اِس طرح لطف اُٹھاتا ہے جیسے بھگے ہوئے کپڑے کو سختی سے نچرر دیا جاتا ہے۔ اِسا آدمی دوسروں کے بھی کام آتا ہے اور اپنے کام بھی آتا ہے۔ دوسروں کو بھی جہاں تک ممکن ہو سکے خوش رکھتا ہے۔ سوسائٹی کو بھی اُگے بڑھاتا ہے اور خود بھی اُگے بڑھتا ہے۔ خود بھی جیتا ہے اور دوسروں کو بھی جھیلے میں سہارا دیتا ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ نہ خدا سے قرتا ہے اور نہ بندے سے، بلکہ اِس کے نزدیک جو چیز عقلاً درست ہوتی ہے، فتنے کی چوٹ اس کا اعطن کرتا ہے اور پرواہ نہیں کرتا کہ دنیا اس کی دشمن ہو جائیگی۔ بیشک اِسا انسان اِس زمین کی ایسی دولت ہے کہ اُس کے قدموں کی خاک پر آسمان کے ستاروں کو بھی لچھار کیا جاسکتا ہے، اور اُس کے وجود کے دروازے پر چند سورج روشنی کی بھیک مانگنے جاسکتے ہیں۔

لگے ہاتھوں کچھ اپنے متعلق بھی کہیں! یہ صحیح ہے کہ میں بھٹک کر جلد راہ راست پر آجاتا یا جلد آجائے کی کوشش ضرور کرتا ہوں، لیکن تجربہ و عقل کے باوجود اب بھی بار بار بھٹک جاتا ہوں۔

کون کم سکتا ہے کہ اُس قبیلے کے حق میں جس میں کہ میں ایک فرد ہوں شاید یہ بار بار بھٹک جانا ہی مناسب و منہد ہو! کیسے معلوم ہے کہ جب ہم بھٹک جاتے ہیں، اُس وقت راہ راست پر ہوتے ہیں یا جس وقت ہم راہ راست پر ہوتے ہیں اُس وقت بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ہم لوگوں پر بڑے افسوس یا بڑی خوشی کے ساتھ یہ چسپان کیا جاسکتا ہے۔

اب بھی اک عمر پہ چیلے کا نہ انداز آیا  
زندگی چھوڑ دے پیچھا میرا، میں باز آیا

ابھی ابھی ایک عمر پہ چیلے کا نہ انداز آیا  
زندگی چھوڑ دے پیچھا میرا، میں باز آیا

ابھی ابھی ایک عمر پہ چیلے کا نہ انداز آیا  
زندگی چھوڑ دے پیچھا میرا، میں باز آیا

ابھی ابھی ایک عمر پہ چیلے کا نہ انداز آیا  
زندگی چھوڑ دے پیچھا میرا، میں باز آیا

ابھی ابھی ایک عمر پہ چیلے کا نہ انداز آیا  
زندگی چھوڑ دے پیچھا میرا، میں باز آیا

ابھی ابھی ایک عمر پہ چیلے کا نہ انداز آیا  
زندگی چھوڑ دے پیچھا میرا، میں باز آیا

ایک طبقت ہے۔ انسانی (بہت) سے مکمل طور پر منہ پھیر کر سوسائٹی کو مستقبل (بہوش) کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرنا رہتا ہے۔

ایک طبقت ہے فلسفیانہ اور سائنسدانوں کا—یہ طبقت ہر دو کو فکرسے اور سائنس کی عینک سے دیکھتا ہے اور عقلی زندگی بسر کرنے کا شوق کرتا ہے۔

ایک طبقت ہے نزدیک خدا ایک فرضی چیز ہے۔ اخلاق صرف ایک عزائی اور عہد بدلتی ہوئی سوسائٹی کے ساتھ بدلتا اور لپکتی ہدی کے جدید تصورات (آدھونک مانیفیسٹاٹیں) پیدا کرتا ہے۔ اس طبقت کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ انسان ایک مکمل عقلی زندگی بسر کرے ایسی دماغی کیفیت پیدا کر لے جو جسمانی صحت، قلبی راحت، اور ذہنی آسودگی (آرام) کے ساز و سامان پیدا کر دے۔

مختصر یہ کہ علت زندگی (زندگی کا لکھ) مقصد زندگی اور سلیقہ زندگی کا مثلاً اس قدر حیرت ناک طور پر پیچیدہ اور اس قدر بے انت پھیلاؤ رکھتا ہے کہ انسان جو ابھی تک طویل مکتب سے زیادہ حیثیت حاصل نہیں کر سکتا ہے، سرپرست زندگی کی کوئی مکمل شریعت پیش کرنے سے قلعی معذور (اسپاہ) ہے۔

لیکن یہ بھی کوئی عقائد بات نہ ہوگی کہ اپنی اس مجبوری کے سامنے ہم ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر دیں اور خاموش ہو کر بیٹھ جائیں۔

بہرحال مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جسمانی اور ذہنی طور پر تندرست اور قوی (مضبوط) رہے۔ جسمانی صحت کو برقرار بنانے کے جو اصول ہیں ان سے ہر پڑھا لکھا آدمی واقف ہے، لیکن ذہنی تندرستی کے اصول اچھے اچھے تامل پرانے لوگوں کو بھی معلوم نہیں ہیں۔

فلسفہ خیالات، نسلی، مذہبی اور قومی تعصبات اور اس کے ساتھ ہی—خوف، غم اور نفرت انسان کے ذہن کو بیمار کر دیتے ہیں۔ اس لئے ہر صاحب نظر کا فرض ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے اپنے باتن کا جائزہ لے اور دیکھے کہ ان امراض میں سے کوئی مرض اس کے ذہن کو دبائے تو نہیں ہوئے ہیں۔

بیمار جسم آسانی سے درست ہو جاتا ہے لیکن بیمار ذہن کا علاج مشکل ہے اور ذہنی امراض سے صرف وہی لوگ نجات حاصل کرسکتے ہیں جنہیں علم حکمت کی دولت حاصل ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا دل استقدر مسرہوں سے بھر جاتا ہے کہ اس میں غم داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ مرزا غالب نے کہا ہے:—

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بے قرار یک نفس  
ہرگز سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بے قرار یک نفس  
ہرگز سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

## جینے کا سلیقہ

## جینے کا سلیقہ

( جوہن ملہادی )

( جوہن ملہادی )

چیندگی کیونکر بسر کی جائے، یہ اُن لوگوں سے نہیں پوچھا جا سکتا جنہیں جیل کے لالہ پڑے ہوں۔ وہ 'لوگ' ذاتوں سے جن کا جسم ذہل اور جہالت سے جن کی عقل موٹی ہو، زندگی بسر کرنے کے سلیقے سے کیونکر واقف ہو سکتے ہیں۔ البتہ یہ مثلاً اُن لوگوں کا ہے جنہیں معاشی فراغت ( آرٹیک نشینکتا ) اور ذہنی بیداری ( مانسک وکس ) حاصل ہے۔

انسان فورتا، دھوپتا، سرکھاتا اور پسینہ بہاتا ہے، محض اس لئے کہ زندہ رہنے کے واسطے جن چیزوں کی ضرورت ہے انہیں مہیا کرے۔ لیکن کوئی اللہ کا بندہ ایک لمحے کے واسطے بھی اس بات پر غور نہیں کرتا کہ میں یہ جو کچھ خون پسینہ ایک کر رہا ہوں وہ تو محض اس لئے ہے کہ میں زندہ رہ سکوں۔ لیکن زندہ رہنے کا مقصد کیا ہے، کسی کو خواب میں ہی اس کا خیال نہیں آتا۔

انسان دھوپتا، سرکھاتا اور پسینہ بہاتا ہے، محض اس لئے کہ زندہ رہنے کے واسطے جن چیزوں کی ضرورت ہے انہیں مہیا کرے۔ لیکن کوئی اللہ کا بندہ ایک لمحے کے واسطے بھی اس بات پر غور نہیں کرتا کہ میں یہ جو کچھ خون پسینہ ایک کر رہا ہوں وہ تو محض اس لئے ہے کہ میں زندہ رہ سکوں۔ لیکن زندہ رہنے کا مقصد کیا ہے، کسی کو خواب میں ہی اس کا خیال نہیں آتا۔

ایک طبقہ زندگی کے باب ( بارے میں ) اس طرح سوچتا ہے کہ اپنی تمام تملوں، تمام خواہشوں، فرضیتہ اپنی تمام ہستی کو، اپنے پیدا کرنے والے کی مرضی کے سپرد کر دینا ہی زندگی کا واحد مقصد ہے۔

ایک طبقہ زندگی کے باب ( بارے میں ) اس طرح سوچتا ہے کہ اپنی تمام تملوں، تمام خواہشوں، فرضیتہ اپنی تمام ہستی کو، اپنے پیدا کرنے والے کی مرضی کے سپرد کر دینا ہی زندگی کا واحد مقصد ہے۔

لیکن ایک طبقہ ایسا ہے، اور یہ بہت ہی بڑا طبقہ ہے، جو خیال کرتا ہے کہ یہاں میں جائے نہیں بدی اور اچائی برائی، یاروں کو تو اپنے حلوے مائدے سے کلم۔ آپ بیلے تو جگ بھلا جس طرح اور جس ذریعہ سے بن پڑے کماؤ، نوکری کر کے کماؤ، چھوٹی دھنڈی کر کے کماؤ، مہلے اور کارخانے کھول کر کماؤ، امیر بن کر کماؤ، عورت فروش بن کر کماؤ، ٹھیکے لے کر کماؤ، پٹنمبر بن کر کماؤ، انورض ہر طرح اور ہر طریقہ سے کماؤ، خوب جی بھر کر پورے خلوص کے ساتھ کماؤ۔ کمانے کمانے مر جاؤ اور اگر آوا گمن ہو تو پیدا ہو پھر کماؤ، پھر کماؤ۔

لیکن ایک طبقہ ایسا ہے، اور یہ بہت ہی بڑا طبقہ ہے، جو خیال کرتا ہے کہ یہاں میں جائے نہیں بدی اور اچائی برائی، یاروں کو تو اپنے حلوے مائدے سے کلم۔ آپ بیلے تو جگ بھلا جس طرح اور جس ذریعہ سے بن پڑے کماؤ، نوکری کر کے کماؤ، چھوٹی دھنڈی کر کے کماؤ، مہلے اور کارخانے کھول کر کماؤ، امیر بن کر کماؤ، عورت فروش بن کر کماؤ، ٹھیکے لے کر کماؤ، پٹنمبر بن کر کماؤ، انورض ہر طرح اور ہر طریقہ سے کماؤ، خوب جی بھر کر پورے خلوص کے ساتھ کماؤ۔ کمانے کمانے مر جاؤ اور اگر آوا گمن ہو تو پیدا ہو پھر کماؤ، پھر کماؤ۔

یہ طبقہ سمجھتا ہے کہ اس کائنات کی عمر کو دیکھتے ہوئے جو شاید کروڑوں، اربوں سال سے بھی زائد ہو، ہماری یہ ہوند ہر ساٹھ ستر سال کی زندگی بھی کوئی ایسی چیز ہے جس پر نگاہ پڑ سکے۔ اس حقیقت پر بچ اور لچر وادوں پر غور کرنا ایک لامکاہ وقت کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس لئے بس کھاؤ پھاؤ، مڑو آڑو اور مر جاؤ۔

یہ طبقہ سمجھتا ہے کہ اس کائنات کی عمر کو دیکھتے ہوئے جو شاید کروڑوں، اربوں سال سے بھی زائد ہو، ہماری یہ ہوند ہر ساٹھ ستر سال کی زندگی بھی کوئی ایسی چیز ہے جس پر نگاہ پڑ سکے۔ اس حقیقت پر بچ اور لچر وادوں پر غور کرنا ایک لامکاہ وقت کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس لئے بس کھاؤ پھاؤ، مڑو آڑو اور مر جاؤ۔

یہ طبقہ سمجھتا ہے کہ اس کائنات کی عمر کو دیکھتے ہوئے جو شاید کروڑوں، اربوں سال سے بھی زائد ہو، ہماری یہ ہوند ہر ساٹھ ستر سال کی زندگی بھی کوئی ایسی چیز ہے جس پر نگاہ پڑ سکے۔ اس حقیقت پر بچ اور لچر وادوں پر غور کرنا ایک لامکاہ وقت کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس لئے بس کھاؤ پھاؤ، مڑو آڑو اور مر جاؤ۔

इनसे मिलते जलते सब में अलग अलग सन्यासी, यति, ढलेरा, साधू, बैरागी, उदासी, मठाधीश, संत, महन्त, ऋषि, ब्रह्मचरी, बौलिया, सज्जादा नशीन, शेख, पीर, एरिद, तकिबादार, मिस्कीन, भिक्षु, स्थानकवासी, भ्रमन, गिर, महापीर, मांक, नन, बरौदा बरौरा सब धर्मों में होते हैं, जिनकी तावाद् बहुत पर जिनमें सच्चे साधू या तपस्वी कोई थिरके ही मिलते हैं.

सबके अपने अपने मठ, अखाड़े, धर्मशाला, विहार, तामासरी, दरगाह, तकिया, खानकाह बगैरा हैं, जिनमें से प्रधिकतर का इन्तखाम बहुत ही खराब होता है और बहुत से तो पाप के अड़े होते हैं।

मराठूर जर्मन विद्वान मैक्समूलर ने अपनी किताब *Hips from a German Workshop* में बड़ी फसील और सुन्दरता के साथ दिखाया है कि तिब्बत के तीस मठों और योरप के ईसाई रोमन कैथलिक गिरजाओं में एक एक चीज और एक एक रिवाज कितने राजपूत के मिलते मिलते हैं।

सब धर्म वालों ने अपने अपने अनगिनत दुकड़े कर लखे हैं, एक एक की बहुत सी अलग अलग सम्प्रदाय हैं, बहुत से पंथ हैं, बहुत से फिक्के हैं, हिन्दुओं में इनकी तादाद लैकड़ों है, ईसाइयों में भी लैकड़ों है और इस्लाम में कम से कम कोढ़ियों, यह बात यूँ तो बड़े दुःख की बात है पर तसे एक अच्छी बात का पता चलता है कि लोग अपने धर्म के असली रूप को अपनी सूझ बूझ के अनुसार बदल लेते हैं, इसका मतलब यह है कि वह धर्म के मालिक हैं, धर्म उनका मालिक नहीं, इसका यह भी अच्छा सबूत है कि लोग एक मजहब से दूसरे मजहब में भी चले जाते हैं।

हिन्दू धर्म में एक और खास चीज है जो मोटे तौर पर कहा जा सकता है कि दूसरे किसी धर्म में नहीं है, वह है हिन्दुओं की जात पात. पर हिन्दू जात पात का मामला इतना पेचीदा और बड़ा है कि उसके लिये अलग लेख की आवश्यकता है.

لین سے ملاتے چلتے سب میں ایک ایک سلیسی، یعنی،  
 مفذلیہ، سادھو، پیراگی، اداسی، متھا دھیہ، سنت، منہت،  
 فقہر، درویش، اولیا، سجادہ نشین، شہخ، پیر، مرشد، تکیدار،  
 مسکین، بھکشو، آستانک داسی، شرمین، تہیز، ماتھور، ماتک،  
 فن وغیرہ وغیرہ سب دھرموں میں ہوتے ہیں، جن کی تعداد  
 بہت پر جن میں سچے سادھو یا تپسوی کوئی ہرے ہی ملے  
 ہیں۔

سب کے اپنے اپنے متو، اُٹھارے، دھرم شالا، وھار، لا ما سروی، درگاہ، تہیہ، خانقاہ وغیرہ ہیں، جن میں سے اندھکھر کا انتظام بہت ہی خراب ہوتا ہے اور بہت سے توپا کے آتے ہوتے ہیں۔

مشہور جرمن ویدوان میکس مولر نے اپنی کتاب **Chips from a German Workshop** میں بڑی تفصیل اور سادگیا کے ساتھ دکھایا ہے کہ تبت کے بودھ متوں اور یورپ کے عیسائی رومن کیتھولک گرجوں میں ایک ایک چیز اور ایک ایک رولج کتنے مضب کے ملتے جلتے ہیں۔

سب دھرم والوں نے اپنے اپنے آنکنت ٹکڑے کر رکھے ہیں۔ ایک ایک کی بہت سی الگ الگ سمجڑوائیں ہیں۔ بہت سے پنتھ ہیں۔ بہت سے فرقے ہیں۔ ہندوؤں میں ان کی تعداد سینکڑوں ہے۔ عیسائیوں میں بھی سینکڑوں ہے اور اسلام میں کم سے کم کورتوں۔ یہ بات یوں تو بڑے دیکھ کی بات ہے پر اس سے ایک اچھی بات کا پتہ چلتا ہے کہ لوگ اپنے دھرم کے اصلی روپ کو اپنی سوچ و بچ کے آنسو پار بدل لیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دھرم کے مالک نہیں، دھرم ان کا مالک نہیں۔ اس کا یہ بھی اچھا ثبوت ہے کہ لوگ ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں بھی چلے جاتے ہیں۔

ہندو دھرم میں ایک اور خاص چیز ہے جو موقعہ طور پر کہا جاسکتا ہے کہ دوسرے کسی دھرم میں نہیں ہے۔ وہ ہے ہندوؤں کی جات پات۔ ہر ہندو جات پات کا حاملہ اپنا پیچیدہ اور بڑا ہے کہ اُس کے آٹے الگ لیکھ کی اُشیکتا ہے۔



جیون اور ادھک دلچسپ اور خوش کرنے والا ہوتا ہے۔ اس کی جگہ آجکل ادھکتر انہیں دیکھ کر ایک دوسرے سے چوہ اور نفرت بڑھتی ہے۔ کارن یہ ہے کہ ہمارے دھرمک نہتا چوہ دھنائی کرنے کی جگہ لوگوں کو اور گمراہ کرتے ہیں، اپنے لوگوں میں سب سے اور پریم کی جگہ نفرتیں اور غصے آدھک پیدا کرتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے لوگوں کو یہی بتاتے دھتے ہیں کہ جو لوگ ان کی طر چوٹی نہیں دھتے، دآڑھی دھتے ہیں، یا دآڑھی نہیں دھتے، چوٹی دھتے ہیں، یا دوسری طرح کے کپڑے پہنتے ہیں، یا دوسری چیزیں کھاتے دھتے ہیں، یا دوسری بولی بولتے ہیں، یا کسی دوسری بولی میں دعا، پڑاڑھا کرتے ہیں، وہ سب دیر میں جن سے بچنا چاہئے، بلکہ دشمن میں جنہیں دہانا چاہئے۔

سب مذہبوں والے اپنی پوجا کے استھانوں کو الگ الگ ناموں سے پکارتے ہیں۔ ان ناموں کا اثر اکثر ایک سا ہوتا ہے۔ گرجا کو 'خدا کا گھر' بھی کہتے ہیں۔ مندر کو 'دیوالی' بھی کہتے ہیں۔ اُس کے بھی دھی معنی ہیں۔ مسجد کو 'بیت اللہ' کہتے ہیں۔ اِس کے معنی بھی خدا کا گھر ہے۔ گرجا، مسجد یا مندر ہلانے میں سب اُونچے اُونچی آسمان کو چھونے کی کوشش کرتے والی شہر، کھن، گوہر، مہارا، گنبد، دہم، استیبل وغیرہ بتاتے ہیں۔ لوگوں کو پوجا عبادت کے لئے ہلانے کے سب کے کوئی نہ کوئی ڈھنگ ہیں۔ کوئی ازلن دیتے ہیں، کوئی کھتا بجاتے ہیں، کوئی گھوڑیاں۔ مرے دھوں کا کوئی شراڈھ کرتے ہیں، کوئی ڈانکتہ پڑھتے ہیں، کوئی دھانیں پڑھتے ہیں۔ مرنے کے بعد کوئی بھوج کھاتے ہیں، کبھی گندوری اور کوئی اور طرح کی دھونیں دیتے ہیں۔ سب کے کوئی نہ کوئی دھرمک گرو دھتے ہیں۔ دھنر گرو کے شہید ہوتے ہیں، مسلمان پیر کے سرید کھاتے ہیں، اور عیسائی سینٹ کے تسانہل دھتے ہیں۔ کوئی اُس پر بھٹتا ہے، کوئی سجدہ پر۔ کوئی گھٹنے ٹیک کر نماز پڑھتا ہے، کوئی پلوٹھی مارکر ساندھیا کرتا ہے، کوئی ساشتاتگ دانتوت کرتا ہے، کوئی پرکرم یا طواف کرتا ہے۔ کوئی پوجا کرنے میں شریز کے الگ الگ پھاگوں کو بار بار ہاتھ لگاتا ہے اور الگ الگ سنتر پڑھتا جاتا ہے۔ کوئی گھنٹوں کے ہل ہوا دھجاتا ہے، کوئی اپنی آڑیوں کے ہل گھومتا دھتھنگ الگ الگ مطلب سب کا ایک۔

ہندوؤں میں پلندے، پڑھت، پکاری، پاچک، دھرم ادھیکاری اور آچاریہ دھتے ہیں۔ مسلمانوں میں مؤذن، مہجور، متولی، ملا، مفتی، عالم، مہجد، اسلام اور خلیفہ دھتے ہیں۔ پارسیوں میں دستور اور مہوب دھتے ہیں۔ یہودیوں میں اسکوئاس، ندریمی اور دھی دھتے ہیں، بدھوں میں پھنگی، لہ، ہونو دھتے ہیں۔ اِسی طرح کے دہچلوں نام عیسائیوں میں ہیں وغیرہ وغیرہ۔

سب مذہبوں والے اپنی پوجا کے استھانوں کو الگ الگ ناموں سے پکارتے ہیں۔ ان ناموں کا اثر اکثر ایک سا ہوتا ہے۔ گرجا کو 'خدا کا گھر' بھی کہتے ہیں۔ مندر کو 'دیوالی' بھی کہتے ہیں۔ اُس کے بھی دھی معنی ہیں۔ مسجد کو 'بیت اللہ' کہتے ہیں۔ اِس کے معنی بھی خدا کا گھر ہے۔ گرجا، مسجد یا مندر ہلانے میں سب اُونچے اُونچی آسمان کو چھونے کی کوشش کرتے والی شہر، کھن، گوہر، مہارا، گنبد، دہم، استیبل وغیرہ بتاتے ہیں۔ لوگوں کو پوجا عبادت کے لئے ہلانے کے سب کے کوئی نہ کوئی ڈھنگ ہیں۔ کوئی ازلن دیتے ہیں، کوئی کھتا بجاتے ہیں، کوئی گھوڑیاں۔ مرے دھوں کا کوئی شراڈھ کرتے ہیں، کوئی ڈانکتہ پڑھتے ہیں، کوئی دھانیں پڑھتے ہیں۔ مرنے کے بعد کوئی بھوج کھاتے ہیں، کبھی گندوری اور کوئی اور طرح کی دھونیں دیتے ہیں۔ سب کے کوئی نہ کوئی دھرمک گرو دھتے ہیں۔ دھنر گرو کے شہید ہوتے ہیں، مسلمان پیر کے سرید کھاتے ہیں، اور عیسائی سینٹ کے تسانہل دھتے ہیں۔ کوئی اُس پر بھٹتا ہے، کوئی سجدہ پر۔ کوئی گھٹنے ٹیک کر نماز پڑھتا ہے، کوئی پلوٹھی مارکر ساندھیا کرتا ہے، کوئی ساشتاتگ دانتوت کرتا ہے، کوئی پرکرم یا طواف کرتا ہے۔ کوئی پوجا کرنے میں شریز کے الگ الگ پھاگوں کو بار بار ہاتھ لگاتا ہے اور الگ الگ سنتر پڑھتا جاتا ہے۔ کوئی گھنٹوں کے ہل ہوا دھجاتا ہے، کوئی اپنی آڑیوں کے ہل گھومتا دھتھنگ الگ الگ مطلب سب کا ایک۔

اسد بانیِ آتما کی درجے بدرجے तरकारी के लिये हिन्दू 'योग' और सूफी 'सलूक' दोनों में हर तरह के गोشت से परहेज जरूरी बताया गया है। इस्लाम अली जो सबसे पहले सूफी माने जाते हैं कहा करते थे कि:—"अपने पेटों को जानवरों की क़बरों मत बनाओ।"

आदमी की कुदरती स्वाहिशों और कमजोरियों को जहां एक तरफ़ काबू में करना जरूरी है वहां कभी कभी और एक درजे तक उन्हें खुले मौका देना भी जरूरी हो जाता है। इसीलिये सब धर्मों में किसी न किसी रूप में जानवरों की बलि और क़ुरबानी जैसी चीजें रक्खी गई हैं। यह चीजें सब धर्मों में ऐसी ही हैं जैसी हर आदमी के शरीर के अन्दर और सुन्दर से सुन्दर आदमी के अन्दर मैले से भरी हुई अंतर्बियां होती हैं। केवल ईसाइयों, बौद्धों और जैनियों में क़ुरबानी का रिवाज नहीं है। हर मख़हब ने इन चीजों पर रोक थाम भी लगाई है और रोक थाम के रास्ते बताए हैं।

भागवत में लिखा है:—

"लोगों में स्त्री पुरुष का एक दूसरे की तरफ़ मुकाब और गोश्त और शराब की इच्छा हाती ही है। उसे जगाने की आवश्यकता नहीं पड़ती। इन चीजों पर रोक थाम रखने के लिये शादी का रिवाज और यज्ञों का रिवाज डाला गया है। इन से बचे रहना बहुत ज़्यादा अच्छा है।"

इन्जील में लिखा है:—

"जो लोग अपने को रोक नहीं सकते उन्हें चाहिये कि शादी कर लें। क्योंकि अन्दर अन्दर जलते रहने से शादी कर लेना ज़्यादा अच्छा है।"

हर धर्म के मानने वाले किसी न किसी तरह का अपना बाहरी निशान भी रखते हैं। कोई सर पर पीछे की तरफ़ चोटी रखते हैं, कोई दाढ़ी रखते हैं, कोई सब बाल बढ़ाते हैं और कोई कुछ ईसाई पादरियों की तरह कास तरह सर मुंडवाते हैं। कोई बाएं कंधे के ऊपर से जनेऊ डालते हैं, और माथे पर तरह तरह के तिलक लगाते हैं। कोई कमर के चारों तरफ़ जुआर बांधते हैं। कोई टोपियों पर हेलाल और सितारा लगाते हैं, और कोई अपनी गरदन में कास लटकाते हैं। लगभग सब जन्तार मन्तर या गंडे ताबीज़ जैसी चीजों में भी विश्वास रखते हैं और उन्हें पहनते हैं। गहरे विश्वास के कारन इन चीजों का उनके ऊपर असर भी होता है। सब धर्म वालों की खास खास पारार्के हैं। यह पारार्के कहीं कौमी या रास्ती मानी जाती हैं और कहीं धार्मिक। यह सब अलग अलग चीजें अगर केवल कला या सुन्दरता की निगाह से पढ़नी ज़रूरी ताकि एक दूसरे का अच्छी लगें, या अगर इनके साथ थोड़ा बहुत सच्चा भक्ति भाव भी होता, तो इन सब रंग बिरंगी चीजों से आदमी की सुन्दरता बढ़ती, नई नई चीजें सबको अच्छी लगती, और हमारा समाजी

روح یعنی آتما کی صرحہ بدرجہ ترقی کے لئے ہندو 'یوگ' اور صوفی 'سَلُوک' دونوں میں ہر طرح کے گوشت سے پرہیز ضروری بتایا گیا ہے۔ حضرت علی جو سب سے پہلے صوفی مانے جاتے ہیں کہا کرتے تھے کہ:—"اپنے پٹوں کو جانوروں کی قبریں مت بناؤ۔"

آدمی کی قدرتی خواہشوں اور کمزوریوں کو جہاں ایک طرف قابو میں کرنا ضروری ہے وہاں کبھی کبھی اور ایک درجہ تک انہیں کچھ موقع دینا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی لئے سب دھرموں میں کسی نہ کسی روپ میں جانوروں کی بلی اور قربانی جیسی چیزیں رکھی گئی ہیں یہ چیزیں سب دھرموں میں ایسی ہی ہیں جیسی ہر آدمی کے شریع کے اندر اور سندھ سے سندھ آدمی کے اندر میلے سے پھری ہوئی انتہیاں ہوتی ہیں۔ کچھ عیسائیوں، ہندوؤں اور جینوں میں قربانی کا رواج نہیں ہے۔ ہر مذہب نے ان چیزوں پر روک تھام بھی لگائی ہے اور روک تھام کے راستے بتائے ہیں۔

بھاگوت میں لکھا ہے:—

"لوگوں میں استری پورھن کا ایک دوسرے کی طرف جھکاؤ اور گوشت اور شراب کی اچھا ہوتی ہی ہے۔ اسے جگانے کی آرشیمکتا نہیں پڑتی۔ ان چیزوں پر روک تھام رکھنے کے لئے شادی کا رواج اور یگیوں کا رواج ڈالا گیا ہے۔ ان سے بچے رہنا بہت زیادہ اچھا ہے۔"

انجیل میں لکھا ہے:—

"جو لوگ اپنے کو رोक نہیں سکتے انہیں چاہئے کہ شادی کر لیں۔ کیونکہ اندر اندر جلتے رہنے سے شادی کر لینا زیادہ اچھا ہے۔"

ہر دھرم کے ماننے والے کسی نہ کسی طرح کا اپنا باہری نشان بھی رکھتے ہیں۔ کوئی سر پر پیچھے کی طرف چوٹی رکھتے ہیں، کوئی داڑھی رکھتے ہیں، کوئی سب بال بڑھاتے ہیں اور کوئی کچھ عیسائی پادروں کی طرح خاص طرح سرمنڈواتے ہیں۔ کوئی بائیں کندھے کے اوپر سے جینو ڈالتے ہیں، اور ماتھے پر طرح طرح کے تاک لگاتے ہیں۔ کوئی کمز کے چاروں طرف زینار باندھتے ہیں۔ کوئی ٹریڈوں پر ہلال اور ستارا لگاتے ہیں، اور کوئی اپنی گردنوں میں کراس لگاتے ہیں۔ ایک ٹیگ سب جینو منتر یا گنتہ تعویذ جیسی چیزوں میں بھی وشولس رکھتے ہیں اور انہیں پہنتے ہیں۔ گہرے وشولس کے کارن ان چیزوں کا ان کے اوپر اثر بھی ہوتا ہے۔ سب دھرم والوں کی خاص خاص پوشاکیں ہیں۔ یہ پوشاکیں کہیں قرسی یا رشتاری مانی جاتی ہیں اور کہیں دھارمک۔ یہ سب ایک ایک چیزیں اگر کچھ یا سندھ کی نگاہ سے پھنی جاتیں تاکہ ایک دوسرے کو اچھی لگیں، یا اگر ان کے ساتھ تھوڑا بہت سچا ہوتی ہو، تو ان سب رنگ بڑی چیزوں سے آدمی کی سندھ بڑھتی، نئی نئی چیزیں سب کو اچھی لگیں اور ہمارا سماجی

( माइका )

( इसाया )

( साम्प्रत, अध्याय 40 और 68 )

(इन्जील)

**सूफ़ी कहता है :-**

**कबीर साहब ने कहा है :—**

**“जब मैं था तब हरि नहीं, अब हरि हैं मैं नाहिं”**

प्रेम गली अति सांकरि, वा में दो न समाहिं”

इसी खयाल को सूझी ने इन शब्दों में बाहिर किया

100

एक और सूत्री ने कहा है :—

“मेरे जन्मे यानी कुरते के अन्दर सिवा खुदा के कोई

यही सयाल सूफियों ने फ़ारसी और अरबी के शेरों में

**कुरान में लिखा है :—**

( कुरान, 22—३७ )

यानी—“करवानी के जानवरों का खून या गोشت मज्जाह

”اے ایشور تو تم ہم سے قربانی کرنے کے لئے اور چڑھاؤ

(سامعین، ادھیائے 40 اور 69)

یہاں خودی سے مطلب آدمی کا چھوٹا آپا ہے اور اصل

صوفی کہتا ہے :-

کیپر صاحب نے کہا ہے :-

اسے خباہت کی صفائی اور شہیدوں کی ظلمتوں کا ہے۔

ہم ممالک دنیوی باطل نہیں ۔ بلکہ

۱۔ سب سے پہلے کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔

ایک اور صوفی نے کہا ہے :

ہی نہیں۔“

جہ جہ اور طرح طرح کے ظاہر کیا ہے۔

قرآن میں لکھا ہے :-

(قرآن 22-37)

پہلی — سرکاری جے بی آر میں — سرین پور کے قریب ایک گاؤں میں

ہے۔ تو اس شلخت سمجھتے ہو۔ آج کا بڑا بڑا دانا ہے جن میں ابھی بکڑ نہیں پڑے۔ تو انہیں بکڑوں کو نہیں مارنا چاہیے۔ یہ بڑے لوگوں کا دھرم نہیں ہے۔ یہ زمانہ ٹیک کلم کرنے کا زمانہ ہے۔ تمہیں جانوروں کی ہڈیاں بند کر دینی چاہئے۔“

(مہا بھارت شانتی پर्वہ अध्याय 345)

مहात्मा बुद्ध ने इस देश में जो बड़े बड़े धार्मिक सुधार किये उन में एक यह था कि उन्होंने जानवरों की कुरबानी को क़रीब क़रीब बन्द करा दिया। मांस का खाना इस देश में वह पूरी तरह बन्द नहीं कर पाए, पर उन्होंने उसे बहुत कम कर दिया और लाखों के जीवन में से बिलकुल मिटा दिया। राजा बिम्बसार के यहां जाकर उन्होंने जानवरों की कुरबानी को रोक़ा, जैन धर्म के मानने वालों में भी जानवरों की हिंसा से ओर मांस खाने से परहेज़ किया जाता है।

हज़रत ईसा से पहले यहूदियों में भी जानवरों की कुरबानी का रिवाज था। यहूदी ईश्वर के नाम पर आग में आहुतियां दिया करते थे और उसी में जानवरों को मार कर डाला करते थे। इन्जील में बार बार और जगह जगह इस रिवाज को बन्द करने का उपदेश दिया गया है। लिखा है :-

“जाओ और बात का असली मतलब समझो۔ میں (ईश्वर) दया یानी رحم चाहتا हूँ, कुरबानी नहीं۔“ (میسحی)  
“میں चाहتا था तुम्हें ईश्वर का ज्ञान हो। यह नहीं चाहता था कि तुम जानवरों को काट कर आग में उनकी आहुती दो۔“ (होसिया)

“ईश्वर की आज्ञा मानना जानवरों की कुरबानी करने से अच्छा है और सच्चाई पर ध्यान देना मेंढे की चरबी से बेहतर है۔“ (سام)

“अस्ताह कहता है—“अगर मुझे भूक लगती तब भी मैं तुम से न कहता क्योंकि दुनिया और दुनिया की सब चीजें मेरी हैं। क्या मैं बक़रों का मांस खाऊंगा या सांडों का खून पिऊंगा? ईश्वर को धन्यवाद दो और नेक काम करने की अपनी प्रतिज्ञाओं को पूरा करो۔“ (साम्स)

“मैं (अस्ताह) बैलों, मेंढों या बक़रों के खून से खुरा नहीं होता। किबूल के बड़ावे मुझे मत चढ़ाओ। नहीं तो जब तुम मुझसे प्रार्थनाएं कराओ, मैं नहीं सुनूंगा, क्योंकि तुम्हारे हाथ खून में रंगे हुए हैं۔“ (इसाया)

“ईश्वर के सामने अपना दूदा हुआ दिल और अपनी गलतियों के लिये पछतावा से कर जाओ। यही सच्ची कुर्बानी है। जो ऐसा करता है ईश्वर उसी को अपनाता है। (साम्स)

“क्या मैं ईश्वर के सामने जले हुए गोشت की आहुतियां लेकर जाऊंगा? क्या मैं साल भर के छोटे छोटे बछड़ों का गोشت लेकर जाऊंगा? क्या हमारा मालिक सैकड़ों भेड़ों और तेल के दरवाजों से खुरा होगा? उसने हमें नेकी का

ہے۔ تم غلط سمجھتے ہو۔ آج کا بڑا بڑا دانا ہے جن میں ابھی بکڑ نہیں پڑے۔ تو انہیں بکڑوں کو نہیں مارنا چاہیے۔ یہ بڑے لوگوں کا دھرم نہیں ہے۔ یہ زمانہ ٹیک کلم کرنے کا زمانہ ہے۔ تمہیں جانوروں کی ہڈیاں بند کر دینی چاہئے۔“

(مہا بھارت شانتی پर्वہ अध्याय 345)  
مہاتما بدھ نے اس دھرم میں جو بڑے دھرمک سدھار لے ان میں ایک یہ تھا کہ انہوں نے جانوروں کی قربانی کو وہب دویب بند کر دیا۔ مانس کا کھانا اس دھرم میں وہ دویب طرح بند نہیں کر پائے۔ پر انہوں نے اسے بہت کم کر دیا۔ ور لاکھوں کے جیون میں سے بالکل مٹا دیا۔ راجا بھیسار کے یہاں جا کر انہوں نے جانوروں کی قربانی کو روکا۔ جن دھرم کے پائے والوں میں بھی جانوروں کی ہنسا سے اور مانس کھانے سے پرہیز کیا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ سے پہلے یہودیوں میں بھی جانوروں کی قربانی کا رواج تھا۔ یہودی ایشور کے نام پر آگ میں آہوتیاں دیا کرتے تھے اور اسی میں جانوروں کو مار کر ڈالا کرتے تھے۔ انجیل میں بار بار اور جگہ جگہ اس رواج کو بند کرنے کا ایدیش دیا گیا ہے۔ لکھا ہے :-

“جاؤ اور بات کا اصلی مطلب سمجھو۔ میں (ایشور) دیا یعنی رحم چاہتا ہوں، قربانی نہیں۔“ (میسحی)  
“میں چاہتا تھا تمہیں ایشور کا گیان ہو۔ یہ نہیں چاہتا تھا کہ تم جانوروں کو کات کو آگ میں ان کی آہوتی دو۔“ (ہوسیا)

“ایشور کی آگیاں ماننا جانوروں کی قربانی کرنے سے اچھا ہے اور سچائی پر دھیان دینا مہندے کی چربی سے بہتر ہے۔“ (سام)

“الہ کہتا ہے—“اگر مجھے بھوک لگتی تب بھی میں تم سے کہتا کیونکہ دنیا اور دنیا کی سب چیزیں میری ہیں۔ کیا میں بکروں کا گوشت کھاؤں گا یا سانڈوں کا خون پیوں گا? ایشور کو دھنہ واد دو اور ٹیک کلم کرنے کی اپنی پرتگیاؤں کو پورا کرو۔“ (سامس)

“میں (الہ) بیلوں، میںوں یا بکروں کے خون سے خوش نہیں ہوتا۔ فصل کے چڑھارے مجھے بہت چڑھاؤ۔ نہیں تو جب تم مجھے پرارتھنایں کرو گے، میں نہیں سنوں گا، کیونکہ تمہارے ہاتھ خون میں رنگے ہونے ہیں۔“ (ایسایا)

“ایشور کے سامنے اپنا ٹوٹا ہوا دل اور اپنی غلطیوں کے لئے پچھتاوا لیکر جاؤ۔ یہی سچی قربانی ہے۔ جو ایسا کرتا ہے ایشور اسی کو اپناتا ہے۔“ (سامس)

“کیا میں ایشور کے سامنے جلے ہوئے گوشت کی آہوتیاں لے کر جاؤں گا? کیا میں سال بھر کے چھوٹے چھوٹے بکروں کا گوشت لے کر جاؤں گا? کیا ہمارا مالک سیکڑوں بھڑوں اور تیل کے دروازوں سے خوش ہوگا? اس نے ہمیں نیکی کا

کرتے ہیں۔ ہندو چپ کرتے ہیں، مسلمان لڈکر، عیسائی لتائی۔ ہندو آپولس رکھتے ہیں، مسلمان روزہ اور عیسائی فاسٹ۔ ہندو رتجگا یا جاگڑ کرتے ہیں، مسلمان شب بیداری اور عیسائی روجل۔ سب کا مطلب یہی ہے کہ دل اللہ پر چھ اور اللہ دل میں آکر بیٹھے۔

ہندو، مسلمان اور یھووی سب آجکل یہ بھی مانتے ہیں کہ خاص خاص موقعوں پر جانوروں کی بلی دینے یا ان کی قربانی کرنے سے ایشور اللہ کو خوش کیا جا سکتا ہے۔ سب میں جانوروں کی قربانی کا رواج ہے۔ خوش قسمتی سے سب یہ بھی مانتے ہیں کہ مائیں ہانڈا کبھی کبھی چھوڑ دینے سے روحانی ترقی میں مدد ملتی ہے۔ مسلمان صوفی اسے 'ترک چھوٹات' کہتے ہیں اور کبھی کبھی چالیس دن تک اور کوئی کوئی زندگی بھر کے لئے گوشت کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ سب یہ بھی مانتے ہیں کہ اپنی خواہش کو روکنا، نفس کشی یعنی ترشہ تھاک بڑے اہم اصول ہیں۔

جانور کی قربانی کا اصل مطلب یہ ہے کہ ہمارے اندر جو جانور یا درندہ بٹھا ہوا ہے یا تو ہماری خوبی، ہمارا کام، کراہ، لوم، موہ اور اہکار انہیں مار کر ختم کیا جائے۔ بکرا، بھینسا، گھوڑا، اونٹ، گائے اور آدمی تک کی قربانی ان ہی اشیاء میں کرنی چاہیے۔ پر دلالتا ہوتا ہے کہ ہمارے اندر کی وہی خودی اپنے کو بچانے کے لئے قربانی کے اصل مطلب کو بھلا کر شہدوں کو چھٹ جاتی ہے اور اپنی جگہ پر گناہ جانوروں کی بلی چڑھا کر اپنی تسلی کر لیتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ اُس ایشور اللہ کو جو رحمان اور رحیم ہے، جو شہو شکر ہے سوائے آدمی کی خودی کی قربانی کے اور کوئی قربانی قبول نہیں ہوسکتی۔

ہندک دھرم میں جسے 'گو مہد' کہتے تھے اسی کو پارسی دھرم کی کتاب 'وندوستا' میں 'گوسیز' کہا گیا ہے۔ دونوں لوگ ان کے دوسرے دوسرے اور اچھے اچھے اوتے بھی لگاتے ہیں۔ پر جو نقصان گومہد کی کتابوں میں دی ہوئی ہے وہ یکنی دردناک ہے۔ ہندو مندروں میں خاص کر دیوی کی مورتیوں کے سامنے بکرے، بھینسے، مرقے، دیوتے سب کی قربانیاں آج بھی ہوتی ہیں۔ سب دھرم والوں نے ہمیں یہ سنجیدگی کی کوشش کی ہے کہ ہمیں جلدی سے جلدی ان رواجوں سے باہر نکل آنا چاہیے۔

مہا بھارت کے شانتی پर्व میں لکھا ہے کہ ایک بار آریشیوں اور دیوؤں میں اس بات پر بحث ہوئی کہ یکہ میں جانوروں کو مارنا چاہئے یا نہیں۔ آخر میں دیوؤں نے فیصلہ کیا کہ یکہ میں جانوروں کا خون نہیں بہانا چاہئے۔ لکھا ہے کہ:—

"دیوؤں کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں یعنی ناچ کے دائروں سے یکہ کرنا چاہئے۔" اچ، شہد کے معنی یہاں بکرا نہیں

کرتے ہیں۔ ہندو چپ کرتے ہیں، مسلمان لڈکر، عیسائی لتائی۔ ہندو آپولس رکھتے ہیں، مسلمان روزہ اور عیسائی فاسٹ۔ ہندو رتجگا یا جاگڑ کرتے ہیں، مسلمان شب بیداری اور عیسائی روجل۔ سب کا مطلب یہی ہے کہ دل اللہ پر چھ اور اللہ دل میں آکر بیٹھے۔

ہندو، مسلمان اور یھووی سب آجکل یہ بھی مانتے ہیں کہ خاص خاص موقعوں پر جانوروں کی بلی دینے یا ان کی قربانی کرنے سے ایشور اللہ کو خوش کیا جا سکتا ہے۔ سب میں جانوروں کی قربانی کا رواج ہے۔ خوش قسمتی سے سب یہ بھی مانتے ہیں کہ مائیں ہانڈا کبھی کبھی چھوڑ دینے سے روحانی ترقی میں مدد ملتی ہے۔ مسلمان صوفی اسے 'ترک چھوٹات' کہتے ہیں اور کبھی کبھی چالیس دن تک اور کوئی کوئی زندگی بھر کے لئے گوشت کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ سب یہ بھی مانتے ہیں کہ اپنی خواہش کو روکنا، نفس کشی یعنی ترشہ تھاک بڑے اہم اصول ہیں۔

جانور کی قربانی کا اصلی مطلب یہ ہے کہ ہمارے اندر جو جانور یا درندہ بٹھا ہوا ہے یعنی ہماری خودی، ہمارا کام، کراہ، لوم، موہ اور اہکار انہیں مار کر ختم کیا جائے۔ بکرا، بھینسا، گھوڑا، اونٹ، گائے اور آدمی تک کی قربانی ان ہی اشیاء میں کرنی چاہیے۔ پر دلالتا ہوتا ہے کہ ہمارے اندر کی وہی خودی اپنے کو بچانے کے لئے قربانی کے اصل مطلب کو بھلا کر شہدوں کو چھٹ جاتی ہے اور اپنی جگہ پر گناہ جانوروں کی بلی چڑھا کر اپنی تسلی کر لیتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ اُس ایشور اللہ کو جو رحمان اور رحیم ہے، جو شہو شکر ہے سوائے آدمی کی خودی کی قربانی کے اور کوئی قربانی قبول نہیں ہوسکتی۔

ہندک دھرم میں جسے 'گو مہد' کہتے تھے اسی کو پارسی دھرم کی کتاب 'وندوستا' میں 'گوسیز' کہا گیا ہے۔ دونوں لوگ ان کے دوسرے دوسرے اور اچھے اچھے اوتے بھی لگاتے ہیں۔ پر جو نقصان گومہد کی کتابوں میں دی ہوئی ہے وہ یکنی دردناک ہے۔ ہندو مندروں میں خاص کر دیوی کی مورتیوں کے سامنے بکرے، بھینسے، مرقے، دیوتے سب کی قربانیاں آج بھی ہوتی ہیں۔ سب دھرم والوں نے ہمیں یہ سنجیدگی کی کوشش کی ہے کہ ہمیں جلدی سے جلدی ان رواجوں سے باہر نکل آنا چاہیے۔

مہا بھارت کے شانتی پर्व میں لکھا ہے کہ ایک بار آریشیوں اور دیوؤں میں اس بات پر بحث ہوئی کہ یکہ میں جانوروں کو مارنا چاہئے یا نہیں۔ آخر میں دیوؤں نے فیصلہ کیا کہ یکہ میں جانوروں کا خون نہیں بہانا چاہئے۔ لکھا ہے کہ:—

"دیوؤں کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں یعنی ناچ کے دائروں سے یکہ کرنا چاہئے۔" اچ، شہد کے معنی یہاں بکرا نہیں

مسلحہ کو دھونا، چوگنا کر دینے اور سب کو سب کی اچھی اچھی باتوں سے سیکھ سیکھ کر ملنے والی دنیا میں ایک ایک ملک کے شہریوں اور راج گرجیوں کا ملنا جتنا ضروری ہے اتنا ہی دھرمک تہذیب کا ملنا ضروری ہے۔ دنیا ایک ہوتی جا رہی ہے۔ ملنا ہمیں ہے ہی، پھر چاہے دھرموں، مذہبوں اور جنگوں کے لئے ایک ایک سنگتوں، تنظیموں اور پیمت کو کے ایک دوسرے سے تفرائیں اور ایک دوسرے کو مٹائیں اور چاہے پریم، ایکتا، امن اور شائستگی کے نام پر ایک دوسرے کو گتے لگائیں، پہلا راستہ ہر ہادی اور موت کا راستہ ہے اور پانچ، دوسرا راستہ خورشیدی اور زندگی کا راستہ ہے اور یہی سچا دھرم ہے سب کے ہلے کا اور سب کو ہر اور ہر اور جسائی اور روحانی خوراک پہنچانے کا یہی ایک راستہ ہے۔

سب دھرموں میں اپنے اپنے تھنگ سے سنسکار، سنت، دیکشا اور ہیستہ بھی ہوتے ہیں۔ مسلمان انہیں 'تقدیس' کہتے ہیں، ہندو 'آپ نہیں' اور پارسی 'نوجوت'۔ مطلب سب کا ایک ہے، دل کو صاف کرنا اور اونچا لے جانا۔ ہندو دھرم کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سنسکار کے ذریعہ آدمی ایک طرح پھر سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ اسی لئے کہا کرتے تھے—”پھر سے بچوں کی طرح ہو جاؤ۔“ ان میں سے کچھ طریقہ انہی تک بہت اچھے طریقہ ہیں۔ نہانے، دھوئے، وضو اور پانی پر ان میں بہت زور دیا جاتا ہے۔ پانی یا صفائی پر سب سے زیادہ زور شاید پارسی دھرم میں دیا گیا ہے۔ پارسی کتاب ویدیداد میں لکھا ہے—

”زندگی سے آخر کر پاکیزگی آدمی کے لئے سب سے اچھا پہلے کی چیز ہے۔ یہ پاکیزگی اس میں آتی ہے جو اپنے کو پاک و چاروں، پاک شہدوں اور پاک کاموں سے لٹا کر پاک کرتا رہتا ہے۔“

عیسائیوں میں ایک کہوت ہے—”خدا کی اچھائیں کو اپنے اندر لانے کی کوشش سے آخر کر کوئی چیز ہے نہ پاکیزگی یعنی شہد ہے۔“

کہا جاتا ہے کہ کسی نوجوان عیسائی کو پادری بناتے وقت اس سے پوچھا گیا کہ—”پاکیزگی خدا کی اچھائیں کو اپنے اندر لانے کی کوشش کے ٹھیک پہلے آئی چاہئے یا ٹھیک بعد میں؟“ اس نے جواب دیا—”پہلے ہی اور بعد میں ہی۔“

اس کی بات بالکل ٹھیک تھی۔ پاکیزگی یعنی شہد کے اسی اونچے اصول کو پچھلے زمانے کے ہندو اس بری حد تک کھینچ کر لے گئے کہ اس سے اپنے میں ہزاروں جاتیوں اور آپ جاتیوں بنا ڈالیں اور چھو اچھوت جیسی بری چیز چڑ دی۔

پہلوں کو یاد کرتے وقت من کو ایک طرف لٹانے کے لئے سب دھرموں والے ملا یا تسبیح یا روزی استعمال

سب دھرموں میں اپنے اپنے رنگ سے سنسکار، سُننت، دیکشا، اور بپتسمہ بھی ہوتے ہیں۔ مسلمانانہ یہ 'تکذیب' کہتے ہیں، ہندو 'آپ نہیں' اور پارسی 'نوجوت'۔ مطلب سب کا ایک ہے، دل کو صاف کرنا اور اونچا لے جانا۔ ہندو دھرم کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سنسکار کے ذریعہ آدمی ایک طرح پھر سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ اسی لئے کہا کرتے تھے—”پھر سے بچوں کی طرح ہو جاؤ۔“ ان میں سے کچھ طریقہ انہی تک بہت اچھے طریقہ ہیں۔ نہانے، دھوئے، وضو اور پانی پر ان میں بہت زور دیا جاتا ہے۔ پانی یا صفائی پر سب سے زیادہ زور شاید پارسی دھرم میں دیا گیا ہے۔ پارسی کتاب ویدیداد میں لکھا ہے—

”زندگی سے آخر کر پاکیزگی آدمی کے لئے سب سے اچھا پہلے کی چیز ہے۔ یہ پاکیزگی اس میں آتی ہے جو اپنے کو پاک و چاروں، پاک شہدوں اور پاک کاموں سے لٹا کر پاک کرتا رہتا ہے۔“

عیسائیوں میں ایک کہوت ہے—”خدا کی اچھائیں کو اپنے اندر لانے کی کوشش سے آخر کر کوئی چیز ہے نہ پاکیزگی یعنی شہد ہے۔“

کہا جاتا ہے کہ کسی نوجوان عیسائی کو پادری بناتے وقت اس سے پوچھا گیا کہ—”پاکیزگی خدا کی اچھائیں کو اپنے اندر لانے کی کوشش کے ٹھیک پہلے آئی چاہئے یا ٹھیک بعد میں؟“ اس نے جواب دیا—”پہلے ہی اور بعد میں ہی۔“ اس کی بات بالکل ٹھیک تھی۔ پاکیزگی یعنی شہد کے اسی اونچے اصول کو پچھلے زمانے کے ہندو اس بری حد تک کھینچ کر لے گئے کہ اس سے اپنے میں ہزاروں جاتیوں اور آپ جاتیوں بنا ڈالیں اور چھو اچھوت جیسی بری چیز چڑ دی۔

پہلوں کو یاد کرتے وقت من کو ایک طرف لٹانے کے لئے سب دھرموں والے ملا یا تسبیح یا روزی استعمال



بھی کھڑے دُور چلے جاتے ہیں اور پرم اور پریم کی جگہ نکریت اور لہجہ کا کارن بن جاتے ہیں۔ جمانے کے ساتھ ساتھ ان تہواروں کا رنگ روپ بھی کبھی کبھی اتنا بدل جاتا ہے کہ تہوار کی اصلیت میں اور اُس کے آجکل کے منالے کے تھک میں کوئی ناتا ہی نہیں رہ جاتا۔

یہاں ایک اور بات کی طرف تھیان دینا ضروری ہے۔ لگ بھگ ہر جمانے اور ہر دہائی میں شاعری، ناول، ڈراما، ناچنا، گانا، بجانا، چित्रکاری، پٹریکاری، میناکاری، مکان بنانا، باران لگانا، کپڑے بنانا، شہر بسانا، جیسی کلاؤں اور کڑیوں کی جتنی آئینی منہب سے ہوئی ہے اتنی اور کسی چیز سے نہیں ہوئی۔ دنیا کے ہرے ہرے ہنرمندوں اور کھونٹوں نے ادھک تر منہب سے ہی تئی تئی سوچ بوج پائی ہے اور شکتی حاصل کی ہے۔ دنیا بھر میں کلا اور ہنر کے اچھے سے اچھے نمونے منہب کے میدان میں ہی ملتے ہیں۔ یہ بات ہے بھی قدرتی۔ سچا منہب وہی ہے جو آدمی کے اندر کی اونچی سے اونچی بھانواؤں اور اُمنگوں کو جگا دے، اُچاگر کرے اور پورا کرے۔ اچھے سے اچھے ہنر اور کلا انہیں بھانواؤں سے پیدا ہوتی ہیں۔ سب کے ہلے کی بھانواؤں انہیں بھانواؤں میں سے ایک اور شاید سب سے اونچی بھانوا ہے۔ اِس بھانوا نے دنیا کے کھونٹوں کو سب کے ادھک آگے بڑھایا ہے۔ منہب کا بھی یہی نچوڑ ہے۔ اِس طرح منہب لوگوں کو انصریہ سکھ دینے کا بھی بڑا سادھن ہوتا ہے۔ اِسی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جب جب پتقے پر رھتوں، ملا، پادریوں کی فلسفہ یا فالاقی کی وجہ سے منہب میں گراؤ آئی ہے یا لوگوں کی مادپرستی اور بیش پرستی نے دھرم کو تھکے گھسیٹا ہے تب تب کلا اور ہنر میں بھی پیدا پین، غریب، نفرت اور اُنیائے دکھائی دیتے لگتے ہیں۔ جو چیز آدمی کے دل کے اندر جھار دے کر اُسے صاف کرے گی وہی اُس گھر کو روشن کرے گی اور وہی آدمی کی بھانواؤں کا اور دستکاریوں کو اُنچا لے جائے گی۔

آجکل ہمارے اُدیھتار اور اُنکو منانے کے ڈنگ ہم میں ایک دوسرے سے اُدیھدگی اور نکریت پیدا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ تہوار مارا کٹ، خون خرابیوں اور بھلے کی بھانواؤں کی جز بن رہے ہیں۔ تمام پرپ میں پچھلے ہزار برس تک ادھک تر بھی حال رہا ہے۔ ہندستان میں آج بھی بہت درجہ تک یہی حال ہے۔ اگر الگ الگ منہبوں کے اکو اپنے اپنے دماغوں کو صاف کر سکیں اور اپنے دلوں کو اُنچا لے جا سکیں تو اُنہیں چاہئے کہ ایک ساتھ مل بیٹھ کر پریم کے ساتھ سب دھرموں کے تہواروں میں بے خاص خاص کو جن لیں اور ہر اپنے اپنے دھرم کے منالے والوں کو صاف دیکھ کر اُن تہواروں کو سب ملکر منانے۔ اِسی طرح ہر دھرم والے اپنے اپنے دھرموں کے سب کے

ہم میں ایک دوسرے سے اُدیھدگی اور نفرت پیدا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ تہوار مارا کٹ، خون خرابیوں اور بھلے کی بھانواؤں کی جز بن رہے ہیں۔ تمام پرپ میں پچھلے ہزار برس تک ادھک تر بھی حال رہا ہے۔ ہندستان میں آج بھی بہت درجہ تک یہی حال ہے۔ اگر الگ الگ منہبوں کے اکو اپنے اپنے دماغوں کو صاف کر سکیں اور اپنے دلوں کو اُنچا لے جا سکیں تو اُنہیں چاہئے کہ ایک ساتھ مل بیٹھ کر پریم کے ساتھ سب دھرموں کے تہواروں میں بے خاص خاص کو جن لیں اور ہر اپنے اپنے دھرم کے منالے والوں کو صاف دیکھ کر اُن تہواروں کو سب ملکر منانے۔ اِسی طرح ہر دھرم والے اپنے اپنے دھرموں کے سب کے

آجکل ہمارے اُدیھتار اور اُنکو منانے کے ڈنگ ہم میں ایک دوسرے سے اُدیھدگی اور نکریت پیدا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ تہوار مارا کٹ، خون خرابیوں اور بھلے کی بھانواؤں کی جز بن رہے ہیں۔ تمام پرپ میں پچھلے ہزار برس تک ادھک تر بھی حال رہا ہے۔ ہندستان میں آج بھی بہت درجہ تک یہی حال ہے۔ اگر الگ الگ منہبوں کے اکو اپنے اپنے دماغوں کو صاف کر سکیں اور اپنے دلوں کو اُنچا لے جا سکیں تو اُنہیں چاہئے کہ ایک ساتھ مل بیٹھ کر پریم کے ساتھ سب دھرموں کے تہواروں میں بے خاص خاص کو جن لیں اور ہر اپنے اپنے دھرم کے منالے والوں کو صاف دیکھ کر اُن تہواروں کو سب ملکر منانے۔ اِسی طرح ہر دھرم والے اپنے اپنے دھرموں کے سب کے

آجکل ہمارے اُدیھتار اور اُنکو منانے کے ڈنگ ہم میں ایک دوسرے سے اُدیھدگی اور نکریت پیدا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ تہوار مارا کٹ، خون خرابیوں اور بھلے کی بھانواؤں کی جز بن رہے ہیں۔ تمام پرپ میں پچھلے ہزار برس تک ادھک تر بھی حال رہا ہے۔ ہندستان میں آج بھی بہت درجہ تک یہی حال ہے۔ اگر الگ الگ منہبوں کے اکو اپنے اپنے دماغوں کو صاف کر سکیں اور اپنے دلوں کو اُنچا لے جا سکیں تو اُنہیں چاہئے کہ ایک ساتھ مل بیٹھ کر پریم کے ساتھ سب دھرموں کے تہواروں میں بے خاص خاص کو جن لیں اور ہر اپنے اپنے دھرم کے منالے والوں کو صاف دیکھ کر اُن تہواروں کو سب ملکر منانے۔ اِسی طرح ہر دھرم والے اپنے اپنے دھرموں کے سب کے

# نیا ہند

4DE

جلد 18

نومبر سن '54

نمبر 5

نمبر 5

نومبر سن '54

جلد 18

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پہنچے گا گھر-گھر لیتے پریم کی مولا۔

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پہنچے گا گھر-گھر لے پریم کی جھولی۔

## دھرموں کے الگ الگ ریت رواج

( ڈاکٹر مہنگول داس )

دنیا کے سب دھرموں میں جس طرح بنیادی سچائیاں یا سداچار کے نیام ایک سے ہیں اسی طرح اُپر کے ریت رواج، खेल تماशے، خوشی اور رنج کے تھوہار بھی लगभग एक سے होते हैं۔ हिन्दुओं में सत्यनारायन की कथा होती है तो मुसलमानों में मौलूद शरीफ़। मुसलमान मुहर्रम में अपने खास महापुरुषों को याद करते हैं तो हिन्दू पितृपक्ष में अपने पुरखों को याद करते हैं। वह इकाद ी का जत रखते हैं तो यह रमजान में रोके रखते हैं। हिन्दुओं का चांद्रायन जत तो बिलकुल रमजान से मिलता हुआ है। उनका रामलीला का जुलूस निकलता है तो उनके दुलदुल और ताजिया निकलते हैं। ईसाइयों और दूसरे धर्म वालों के भी इसी तरह के खास खास त्योहार हैं। अठवारे के दिनों में भी किसी ने किसी को पाक मान रखा है तो किसी ने किसी को वैदिक धर्म वाले आम तौर पर चांद की हर पहली, आठवीं और ग्यारहवीं तारीख को पाक मानते हैं। यहूदी सनीचर को, मुसलमान जुमा को, ईसाई इतवार को, कहीं कहीं हिन्दू मंगल को खास दिन मानते हैं। यही इनके अलग अलग आराम करने के दिन समझे जाते हैं।

आदमी के दिल की मांग सब जगह कुबर्ती तौर पर एक ही सी होती है। वह कभी खेल तमाशा चाहता है, कभी हंसना, कभी राना और कभी अपने ईश्वर अल्लाह की याद में साने पीने का भी मूल जाना चाहता है। अन्दर की इस मांग को पूरा करने के लिये तरीके अलग अलग हैं, पर बात बही है, अकसोस केवल इतना है कि यह खेल तमाशे और रیت रواج अधिकतर अपने धर्म के बुनियादी असूलों से

## दुनिया के सب दھرموں میں جس طرح بنیادی سچائیاں

( ڈاکٹر مہنگول داس )

دنیا کے سب دھرموں میں جس طرح بنیادی سچائیاں یا سداچار کے نیام ایک سے ہیں اسی طرح اُپر کے ریت رواج، खेल تماशے، خوشی اور رنج کے تھوہار بھی लगभग एक से होते हैं۔ हिन्दुओं में सत्यनारायन की कथा होती है तो मुसलमानों में मौलूद शरीफ़। मुसलमान मुहर्रम में अपने खास महापुरुषों को याद करते हैं तो हिन्दू पितृपक्ष में अपने पुरखों को याद करते हैं। वह इकाद ी का जत रखते हैं तो यह रमजान में रोके रखते हैं। हिन्दुओं का चांद्रायन जत तो बिलकुल रमजान से मिलता हुआ है। उनका रामलीला का जुलूस निकलता है तो उनके दुलदुल और ताजिया निकलते हैं। ईसाइयों और दूसरे धर्म वालों के भी इसी तरह के खास खास त्योहार हैं। अठवारे के दिनों में भी किसी ने किसी को पाक मान रखा है तो किसी ने किसी को वैदिक धर्म वाले आम तौर पर चांद की हर पहली, आठवीं और ग्यारहवीं तारीख को पाक मानते हैं। यहूदी सनीचर को, मुसलमान जुमा को, ईसाई इतवार को, कहीं कहीं हिन्दू मंगल को खास दिन मानते हैं। यही इनके अलग अलग आराम करने के दिन समझे जाते हैं।

آدمی کے دل کی مانگ سب جگہ قدرتی طرز پر ایک ہی سی ہوتی ہے۔ وہ کبھی खेल تماشا چاہتا ہے، کبھی ہنسنے، کبھی رونا اور کبھی اپنے ایشور اللہ کی یاد میں کھانے پینے کو بھی مولا چاہتا ہے۔ اندر کی اس مانگ کو پورا کرنے کے لئے طریقہ الگ الگ ہیں، پر بات وہی ہے۔ افسوس کہ یہ کھیل تماشا اور ریت رواج اکثر اپنے دھرم کے بنیادی اصولوں سے

ماہواری پرچا

ماہواری پرچا

نومبر 1954

کچا کیم سے

صفحہ سکا

کچا کیم سے

|  |     |     |   |
|--|-----|-----|---|
| 1. دھرم کے الگ الگ ریت رواج—ڈاکٹر<br>بھگوان داس  | 193 | ... | دھرم کے الگ الگ ریت رواج—ڈاکٹر<br>بھگوان داس  |
| 2. جینے کا سلیکٹ—جوش ملیح آبادی  | 202 | ..  | جینے کا سلیکٹ—جوش ملیح آبادی  |
| 3. ہندی اردو کاویہ کی سامانائیں—سوامی کوشکا<br>سرخٹا   | 205 | ... | ہندی اردو کاویہ کی سامانائیں—سوامی کوشکا<br>سرخٹا   |
| 4. سبھا دھرم—ویشو بھرناتھ پانڈے  | 211 | ... | سبھا دھرم—ویشو بھرناتھ پانڈے  |
| 5. ہندوستانی کلتور—چرن سرن ناچ   | 213 | ... | ہندوستانی کلتور—چرن سرن ناچ   |
| 6. پونرملین ! ( کہانی ) — لکھک — شی-ک;<br>انوارادک—کامیشور اگروال  | 226 | ... | پونرملین ! ( کہانی ) — لکھک — شی-ک;<br>انوارادک—کامیشور اگروال  |
| 7. ہمارا راج—<br>باجو (نیتیانند چترجی—سندرلال; شری<br>رشی احمد کیدواہ—سندرلال; भारत<br>सरकार और हमारे गरीब बुनकर—सुन्दरलाल;<br>अमरीका में मिस्टर मोहम्मद अली और राज-<br>कुमारी अमृत कौर—सुन्दरलाल; एक नेक<br>फ्रांसीसी नेता—सुन्दरलाल; पंचायतों की<br>आजादी—सुरेशराम भाई; “एकदम निकम्मी”<br>—सुरेशराम भाई; जवाहरलाल जी और हिन्दु-<br>स्तान का भविष्य—सुरेशराम भाई. | 237 | ... | ہمارا راج—<br>باجو (نیتیانند چترجی—سندرلال; شری<br>رشی احمد کیدواہ—سندرلال; भारत<br>सरकार और हमारे गरीब बुनकर—सुन्दरलाल;<br>अमरीका में मिस्टर मोहम्मद अली और राज-<br>कुमारी अमृत कौर—सुन्दरलाल; एक नेक<br>फ्रांसीसी नेता—सुन्दरलाल; पंचायतों की<br>आजादी—सुरेशराम भाई; “एकदम निकम्मी”<br>—सुरेशराम भाई; जवाहरलाल जी और हिन्दु-<br>स्तान का भविष्य—सुरेशराम भाई. |
| 8. کچا کیتاہے  | 261 | ... | کچا کیتاہے  |

کچا کیتاہے—ہندوستان میں چھ روپیہ سال، باہر دس روپیہ سال،  
ایک پرچہ دس آئے۔

مینیجر  
'نیا ہند'  
145، سڈی گنج، ایلہ آباد-3

مینیجر  
'نیا ہند'  
145، مٹی گنج، الہ آباد-3

# सत्याहिन्त

# हिफ

पुस्तकें - नागवैद्य, भगवानदास, मेधा सरस्वती, विजयनर नाथ, सुन्दरनाथ

पुस्तकें - नागवैद्य, भगवानदास, मेधा सरस्वती, विजयनर नाथ, सुन्दरनाथ

नागवैद्य भगवानदास, मेधा सरस्वती, विजयनर नाथ, सुन्दरनाथ

## इस नम्बर के सामान्य ज्ञान

- ★ प्रभा के अन्तर्गत अन्तर्गत गान (गान) - सुन्दरनाथ
- ★ हिन्दी के अन्तर्गत की समानता - सुभाष कृष्णदास
- ★ सेवा नाम - विजयनर नाथ
- ★ हिन्दुत्वान् - भगवानदास - भगवानदास

## इस गीत

- ★ भारत सरकार और हमारे गरीब वृत्त - सुन्दरनाथ
- ★ अमरीका में मिस्टर मोहम्मद अली और राजकुमारी अमृत कौर - सुन्दरनाथ
- ★ पंचायतो की आवाज - सुन्दरनाथ
- ★ जवाहरलाल नेहरू और हिन्दुत्वान् का भविष्य - सुन्दरनाथ

कलचर सोसाइटी, इलाहाबाद



कलचर सोसाइटी, इलाहाबाद

नवम्बर 1954 नुम्बर

कलचर सोसाइटी

## گंगा سے گومتی تک

..... 'موجی' کی کہانیوں کی विशेषیت انکی سہلی بھی ہے۔ عامولی پڑا لکھا آدمی انہیں کسی کی مدد کے سمجھ سکتا ہے۔ سرلہ کے ماٹھ میں بھنگ اور چنڈا دلی اس طرح ہے جس طرح کچے پاؤں کے لکڑیوں میں ملتی ہے۔

ان کہانیوں میں ہنس بھی ہے، کڑھ بھی ہے۔ کھڑے ہنسے ہنسے پٹ میں بھل پڑے، تو کھڑے پڑے-پڑے آپ دھڑ سے ستھبت رھ جائے۔ موجی کی کہانیاں ہمارے کومل بھناؤں جگاتے ہیں، ہمے بھڑا انسان بھنااتے ہیں۔

— ڈاکٹر رام بھلا س شامی

..... 'بھ' (موجی) مارے سار کرنا بھاتے ہیں، سمار کو سبھالنا بھاتے ہیں۔ اسنیکے بھ کلا کو کامکاجی بھاتے ہیں اور اسی نیکلی کی بھار کرنی بھلی جاپ۔ بھ کہانیاں جگھ جگھ ہمارا بھان سمار میں ہونے والے بھنیاؤں اور بھنیاؤں کی ترک سبھتی ہیں۔ سمار کی کہانیاں میں اکر سبھتی بھنیاؤں ہے، جی بھڑی لگتی ہے۔

— جینےند کمار

بھبھ ہندی کے سبھی بھ لکڑیوں نے "گंगा سے گومتی" کو ساراھا ہے۔

"گंगा سے گومتی تک" میں ۱۷۰ سبھے ہیں، تیرگا سندر کھر، بھدیا جیو۔ دام کھل دو بھیا۔ جندی بھڈر بھجیو۔

— مینجر نیا ہندی

میلنے کا پتا—

مینجر 'نیا ہندی' 145، سڈیگنج، اھلاہابھ۔

## گنگا سے گومتی تک

..... "موجی کی کہانوں کی بھبھتی انکی بھلی ہے۔ بھ بھولی بھوا لکھا آدمی انہوں بھ کسی کی مدد کے سمجھ سکتا ہے۔ سارلہ کے ساتھ بھناؤں بھلک بھدلی اس طرح ہے جس طرح کچے پاؤں کے لکڑیوں میں ملتی ہے۔

ان کہانوں میں ہنس بھی ہے، کڑھ بھی ہے۔ کھڑے ہنسے ہنسے پٹ میں بھل پڑے، تو کھڑے پڑے-پڑے آپ دھڑ سے ستھبت رھ جائے۔ موجی کی کہانیاں ہمارے کومل بھناؤں جگاتے ہیں، ہمے بھڑا انسان بھنااتے ہیں۔

— ڈاکٹر رام بھلا س شامی

..... "بھ" (موجی) مارے سار کرنا بھاتے ہیں، سمار کو سبھالنا بھاتے ہیں۔ اسنیکے بھ کلا کو کامکاجی بھاتے ہیں اور اسی نیکلی کی بھار کرنی بھلی جاپ۔ بھ کہانیاں جگھ جگھ ہمارا بھان سمار میں ہونے والے بھنیاؤں اور بھنیاؤں کی ترک سبھتی ہیں۔ سمار کی کہانیاں میں اکر سبھتی بھنیاؤں ہے، جی بھڑی لگتی ہے۔

— جینےند کمار

بھبھ ہندی کے سبھی بھ لکڑیوں نے "گنگا سے گومتی" کو ساراھا ہے۔

"گنگا سے گومتی تک" میں 180 سبھے ہیں، تیرگا سندر کھر، بھدیا جیو۔ دام کھل دو بھیا۔ جندی بھڈر بھجیو۔

— مینجر نیا ہندی

میلنے کا پتا—

مینجر 'نیا ہندی' 145، سڈیگنج، اھلاہابھ۔

## ہندوستانی کلتور سوسائٹی

## ہندستانی کلتور سوسائٹی

مقصد—

مقصد—

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، फैلانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہیں۔

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، फैلانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہیں۔  
(2) ایکٹا پہلانے کے لئے کتابیں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کا چھاپنا۔

(2) एकता फैलाने के लिये किताबों, अखबारों, रिसालों वगैरा का छापना۔

(3) पढ़ाई घरों, किताब घरों, सभाओं, کانفرنسوں, لکچروں سے सब धर्मों, जातों, विरादरियों और कित्तों में आपस का मेल बढ़ाना

(3) پڑھائی گھروں، کتاب گھروں، سبھاؤں، کانفرنسوں، لکچروں سے سب دھرموں، جاتوں، برادریوں اور فرقوں میں آپس کا مेल بڑھانا۔

—:—

—:—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—میر۔ عبداللہ مہدی،  
وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر۔ بھگوان داس اور ڈاکٹر۔ عبداللہ الحق۔  
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر۔ بھگوان داس؛  
سکرٹری—ملکیت سلندر لال۔

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—مسٹر۔ عبداللہ محمد خواجہ؛  
وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر۔ بھگوان داس اور ڈاکٹر۔ عبداللہ الحق۔  
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر۔ بھگوان داس؛  
سکرٹری—ملکیت سلندر لال۔

گورننگ باڈی کے آفیسر—

گورننگ باڈی کے آفیسر—

ڈاکٹر۔ سید محمود، ڈاکٹر۔ تارا چند، مولوی سید  
مہمان ندوی، مسٹر۔ مظہر علی سوختہ، شری بی جی  
کھنڈ، ملکیت بشمبھر ناتھ، مہاتما بھگوان دین سنگھ،  
چند رائے، قاضی محمد عبدالغفار اور شری اوم پرکاش  
پالہوال۔

ڈاکٹر۔ سید محمود، ڈاکٹر۔ تارا چند، مولوی سید  
مہمان ندوی، مسٹر۔ مظہر علی سوختہ، شری بی جی  
کھنڈ، ملکیت بشمبھر ناتھ، مہاتما بھگوان دین سنگھ،  
چند رائے، قاضی محمد عبدالغفار اور شری اوم پرکاش  
پالہوال۔

ممبری کے قاعدوں کے لئے لکھیے—

ممبری کے قاعدوں کے لئے لکھیے—

سلندر لال

سلندر لال

سکرٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی،  
145، سٹریٹنگ، اہلہ آباد۔

سکرٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی،  
145، مٹھی گلی، اہلہ آباد۔

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدوں کے انوسار ممبری کی  
فیس صرف ایک روپیہ کردی گئی ہے۔ ”نیا ہند“ کے  
جو گاہک ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلندہ  
دینے پر ہی ممبر بنا لیا جائیگا۔ الگ سے ممبری کی  
فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو  
ایک روپیہ دام کی ہوئی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام  
کی کتابیں لے کر ایک بار ایک روپیہ کم کر سکیں گے۔

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدوں کے انوسار ممبری کی  
فیس صرف ایک روپیہ کردی گئی ہے۔ ”نیا ہند“ کے  
جو گاہک ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلندہ  
دینے پر ہی ممبر بنا لیا جائیگا۔ الگ سے ممبری کی  
فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو  
ایک روپیہ دام کی ہوئی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام  
کی کتابیں لے کر ایک بار ایک روپیہ کم کر سکیں گے۔



## गीता और कुरान

### लेखक—पंडित सुन्दरलाल

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बातें हैं। गीता का बड़प्पन, गीता के एक एक अध्याय का निचोड़, कुरान का बड़प्पन, लगभग 15 लाख लाख मसमूनों पर कुरान की करीब 500 आयतों का लफ्फी तर्जुमा बरौरा दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफे की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क्रीमत सिर्फ ढाई रुपया, डाक खर्च अलग।

### हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में बह चार लेखर जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कन्सिलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफे की किताब, क्रीमत सिर्फ बारह आने।

### महात्मा गांधी के बलिदान से सबक

साम्प्रदायिकता यानी फिरकापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजदूरी और इतिहासी पहलू से विचार और बसका इलाज इसी ने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया।

क्रीमत बारह आने।

### पंजाब हमें क्या सिखाता है

अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के बटवारे के बाद वहां की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आई उन का दर्दनाक आंखों देखा बनन। इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं। क्रीमत चार आने।

### बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी किताब में 1949-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के फिरकवाराना मलाओं पर रोशनी डाली गई है और ऐसे मलाओं को हमेशा के लिए खत्म करने की तरीकबी भी सुझाई गई है। क्रीमत सिर्फ दो आने।

लिखने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द' 145, सुट्टोगंज, इलाहाबाद।

## किता और कुरान

### लिखक—पंडित सुन्दर लाल

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बातें हैं। गीता का बड़प्पन, गीता के एक एक अध्याय का निचोड़, कुरान का बड़प्पन, लगभग 15 लाख लाख मसमूनों पर कुरान की करीब 500 आयतों का लफ्फी तर्जुमा बरौरा दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफे की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क्रीमत सिर्फ ढाई रुपया, डाक खर्च अलग।

### हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में बह चार लेखर जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कन्सिलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफे की किताब, क्रीमत सिर्फ बारह आने।

### महात्मा गान्धे के बलिदान से سبق

साम्प्रदायिकता यानी फिरकापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजदूरी और इतिहासी पहलू से विचार और बसका इलाज इसी ने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया।

क्रीमत बारह आने।

### पंजाब हमें क्या सिखाता है

अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के बटवारे के बाद वहां की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आई उन का दर्दनाक आंखों देखा बनन। इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं। क्रीमत चार आने।

### बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी किताब में 1949-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के फिरकवाराना मलाओं पर रोशनी डाली गई है और ऐसे मलाओं को हमेशा के लिए खत्म करने की तरीकबी भी सुझाई गई है। क्रीमत सिर्फ दो आने।

लिखने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द' 145, सुट्टोगंज, इलाहाबाद।

# हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी की किताबें

पचास रुपये से प्रियादा दाम की किताबें खरीदने वालों को और बुकसेलरों को खास रिझायत दी जायेगी. पूरी जानकारी के लिए लिखिये.

**बाक या रेल खर्च हर हालत में ग्राहक के जिम्मे होगा.**

# भारत का विधान

पूरा हिन्दी अनुवाद

जो 26 जनवरी सन 1950 से सारे भारत में लागू हुआ.  
'भारत में अंगरेजी राज' के लेखक पंडित सुन्दरलाल  
द्वारा मूल अंगरेजी से अनुवादित.

हर भारतवासी का कर्ष है कि जिस विधान के अधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे. भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है.

आसान बामहावरा भाशा. रायल अठपेजी बडा साइज.  
लगभग चार सौ पन्ने. कपडे की सुन्दर जिल्द. क्रीमत केवल  
साढे सात रुपए.

## फिरकाबन्दी पर बापू

सम्पादक—श्री श्रीकृष्ण दास

इस पुस्तक में 1921 से सन 1948 तक गांधी जी ने साम्प्रदायिता के सवाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा.

भास्त के आघाव होने पर यह और भी जरूरी हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के नुकसानों को समझे और इस ज़हर को अपने अन्दर से साफ़ करे.

सुन्दर जित्वा अच्छा काराग. दो सौ सके. क्रीमत  
रोक्यवा.

## विनोबा का सन्देश

**लेखक—सुरेश रामभाई**

**एक शब्द—महात्मा भगवानदीन**

विनोबाजी के भू-दान-यज्ञ से आज सारा देश वाकित है। इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भू-दान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका महत्त्व क्या है।

प्रकाश परीक्षण हाथों हाथ निकल गया. यह दूसरा परीक्षण है. सप्ते 25, शाम केवल दो आने.

पयः—

संख्या: 'सागर विन्द' 145, मुद्दीगंज, इलाहाबाद.

# ہندوستانی کلچر سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے زیادہ دلم کی کتابیں خریدنے والوں کو اور پچاس روپوں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لئے لکھئے۔

ڈاک یا ریل خرچ ہر حالت میں ٹکٹ کے ذریعے ہوتا۔

## بھارت کا ودھان

پورا ہندسی انوراد

جو 26 جنوری سن 1950 سے جاری بھارت میں لگو ہوا .  
'بھارت میں انگریزی راج' کے لکھک پندت سدل  
دوارا مول انگریزی سے ابودت .

ہر بھارت واحدی کا فرض ہے کہ جس وطن کے ادھن  
 ہوا دھن بھارت کا شائن اس سے چل رہا ہے اُہ اچھی  
 طرح سمجھو، بھارت کے ہر گھر میں اس پسک کا دھنا  
 ضروری ہے۔

آسان ہامدادوہ ہواشا، واپل اٹھ پھچی ہوا سالو، لگ  
بھگ چار سو پٹلہ، کھڑے فی سندر جلد، قیمت کھول  
سازہ سات روپے۔

## فرقہ بندی پر باپو

سمپادى — شری شریکرشن داس

اس دستک میں سن 1921 سے سن 1948 تک  
 فائدہ جی نے سامہودایکتا کے سوال پر جو کچھ کہا یا  
 لکھا وہ سب آپکو ایک جگہ ملے گا .

بھارت نے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ  
ہو بھارت و اسی سامہود ایکٹ کے نقصان کو سمجھے اور  
اس زہر کو اپنے اندر سے صاف کرے ۔

سندھ جلد . اچھا کاغذ . دو سو صفحے . قیمت  
دو روپے .

## ونوبا کا سندیش

لیکھک—سریش دامبھائی

ایک شہد۔۔۔ مہاتما بہکوان دیس

ونہوا جي ڪے بھودان پگھتہ سے آج سارا ديش واقف ہے۔  
 اِس چھوٹی سی کتاب مٺن آڳو ملهتا ڪہ يہ بھودان پگھتہ  
 کسب آوہ کھسہ شروع ہوا اور اِس کا مقصد کوا ہے ۔

پہلے ایک ہی دن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ یہ دوسرا ایک ہی دن  
 25 دھام کھول دو آئے۔



مجله‌های 'نیا هند'، '145' و 'مکتبی کنگره' از آيات

کو بٹانا پڑے گا اور ہمت کے ساتھ میدان میں آنا ہوگا۔ اگر ہم یہ خیال کرلیں کہ ہمارے بزرگ چچا، ٹاٹو، جوسیلی آزادی میں اپنے کو مٹا دئے تھے نئی لڑائی میں بھی آگے بڑھنے کو یہ ریاضتی ہوگی۔ یہ اُمید کرنا کہ وہ ایسا سمرس ساچ بنائے میں مدد دینگے جس میں کوئی کسی کو نوچتا نہ ہو اور جو شاسن مکت بھی ہو تو یہ ناانسانی ہوگی۔ کونکہ اکثر سپاہی دو لڑائیوں میں نہیں لڑتے ہیں۔ ایک لڑائی کے سپاہی دوسری میں کرگو نہیں ہوا کرتے۔ ہم کو اپنے ان بزرگوں کا احسان مند ہونا چاہئے۔ کہ سیاسی غلامی سے ملک کو مکت کر کے آرتھک اور سماجک آزادی کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ اگر ان میں سے کچھ ہمارے ساتھ آتے ہیں تو سر آنتھوں پر۔ اگر نہیں آتے تو کوئی شکایت نہ ہو چاہئے اور ہمیں اکیلے ہی چلنا ہوگا۔ اور جب ایک رہبر سامنے آگیا ہے تب تو ہمیں آگے بڑھنے میں ہچکنا ہی نہیں چاہئے۔ اپنے یہودان، سمپتی دان، شوم دان، بدھی دان اور یریم دان کے پروگراموں کے ذریعہ، سنت ونوبا نے یہودان یگ، مولک گرام اڈیوگ پردھان اہدساتمک کرائتی کے لئے بجا دیا ہے۔ وہ بھائی ہیں جو نئی مائیتناؤں میں، عوام کی طاقت میں، جن شکلی میں، یریم بل میں یقین کرتے ہیں وہ اس لڑائی میں شامل ہونگے۔ اس نئی کرائتی کے لئے ایک دو نہیں، سو پچاس نہیں، ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں، ہر گون، پیچھے پانچ یا چھ لوگوں کی ضرورت ہوگی۔ خوشی کی بات ہے کہ انہوں نے آنا شروع کر دیا۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ اور ادھک تعداد میں آئینگے اور جھنڈا لے کر آگے بڑھیں گے۔ مالک سے دعا ہے کہ نئی لڑائی کے لئے سپاہیوں کو ہمت، قدرتا اور سچائی دے تاکہ وہ قدم بہ قدم آگے بڑھتے چلے جائیں اور ملک کے پرتی اس وقت اپنا فرض ادا کر سکیں!

کو بٹانا پڑے گا اور ہمت کے ساتھ میدان میں آنا ہوگا۔ اگر ہم یہ خیال کرلیں کہ ہمارے بزرگ چچا، ٹاٹو، جوسیلی آزادی میں اپنے کو مٹا دئے تھے نئی لڑائی میں بھی آگے بڑھنے کو یہ ریاضتی ہوگی۔ یہ اُمید کرنا کہ وہ ایسا سمرس ساچ بنائے میں مدد دینگے جس میں کوئی کسی کو نوچتا نہ ہو اور جو شاسن مکت بھی ہو تو یہ ناانسانی ہوگی۔ کونکہ اکثر سپاہی دو لڑائیوں میں نہیں لڑتے ہیں۔ ایک لڑائی کے سپاہی دوسری میں کرگو نہیں ہوا کرتے۔ ہم کو اپنے ان بزرگوں کا احسان مند ہونا چاہئے۔ کہ سیاسی غلامی سے ملک کو مکت کر کے آرتھک اور سماجک آزادی کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ اگر ان میں سے کچھ ہمارے ساتھ آتے ہیں تو سر آنتھوں پر۔ اگر نہیں آتے تو کوئی شکایت نہ ہو چاہئے اور ہمیں اکیلے ہی چلنا ہوگا۔ اور جب ایک رہبر سامنے آگیا ہے تب تو ہمیں آگے بڑھنے میں ہچکنا ہی نہیں چاہئے۔ اپنے یہودان، سمپتی دان، شوم دان، بدھی دان اور یریم دان کے پروگراموں کے ذریعہ، سنت ونوبا نے یہودان یگ، مولک گرام اڈیوگ پردھان اہدساتمک کرائتی کے لئے بجا دیا ہے۔ وہ بھائی ہیں جو نئی مائیتناؤں میں، عوام کی طاقت میں، جن شکلی میں، یریم بل میں یقین کرتے ہیں وہ اس لڑائی میں شامل ہونگے۔ اس نئی کرائتی کے لئے ایک دو نہیں، سو پچاس نہیں، ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں، ہر گون، پیچھے پانچ یا چھ لوگوں کی ضرورت ہوگی۔ خوشی کی بات ہے کہ انہوں نے آنا شروع کر دیا۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ اور ادھک تعداد میں آئینگے اور جھنڈا لے کر آگے بڑھیں گے۔ مالک سے دعا ہے کہ نئی لڑائی کے لئے سپاہیوں کو ہمت، قدرتا اور سچائی دے تاکہ وہ قدم بہ قدم آگے بڑھتے چلے جائیں اور ملک کے پرتی اس وقت اپنا فرض ادا کر سکیں!

ت্যাگ کرے گا؟ کہا جاتا ہے کہ سیواہم اپنی ججیوں کے انکے پاس تیاہ کرنے کو آہر کھڑا ہے ہی نہیں۔ لکین نہیں، ےسا نہیں ہے۔ ےک آہر جیتنی دھلیا یا راریب کے پاس ہے۔ ےتانی ہی بڑے سے بڑے آہمیر یا ااکم یا راجا کے پاس ہے۔ بھ ہے مالکی کا کھال۔ آہر آہمیر کو اپنے چار لاکھ روپے یا چار ہزار اکڑ زمین کی مالکیت کا ہر وقت دھیان رھتا ہے تو راریب کو اپنے چار ہزار روپے یا چار ہزار اکڑ زمین کا ہر دم کھال بنا رھتا ہے۔ دونوں کو اپنی اپنی ملکیت کا احساس رھتا ہے۔ اس طرح کوکہ ایک آہمیر ہے اور دوسرا آہمیر، دونوں ایک ہی درجہ میں آ جاتے ہیں۔ دونوں کو زیادہ پیسے یا زیادہ زمین کی مالکیت کی تمنا رھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے کھانے جانے والے لوگ چھوٹے کھانے جانے والوں کو لوٹتے ہیں یا ایک دہاتی کی پھاس میں کہیں تو ”نوچتے“ ہیں حالانکہ محنت کرنے کی طاقت و لائق بڑوں کے مقابلہ چھوٹوں میں کہیں زیادہ ہونی ہے۔ اس لئے اگر ہم اپنا خاص اور سچا سراج حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مالکی کے خیال کو اپنے اندر سے قطع کرنا ہوگا۔ ہم کو اب یہ قبول کرنا چاہئے کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے اس کا مالک وہی ایک پروردگار، سرجن ہار ہے اور وہ ہمیں محض تھائی کے طور پر استعمال کرنے کی خاطر ملی ہے۔ لہذا غریبوں کو میدان میں آگے بڑھ کر اعلان کرنا ہوگا کہ ہمارے پاس جو زمین ہے وہ کل گلوں کی ہے اور اب آپس میں ’میں۔ میری‘ تو۔ تیری‘ نہیں چلے گی۔ اتنا ہونے ہی گاں کی ہوا میں برق پڑ جائے گا اور غریبوں یا چھوٹوں کے زبردست لوگ مت کے آگے آہمیر یا بڑے پل بھر بھی نہیں ٹک سکیں گے۔ وہ بھی نئی صورت کو دیکھ کر اپنی زمین یا دولت کی مالکی سراج کے سپرد کر دیں گے۔ ایسی حالت پیدا ہو جائے گی کہ زمین گلوں کے لوگ آپس میں مل بیٹھ کر بانٹ لیں گے اور جتنی جس کی ضرورت ہوگی اس کو ملے گی۔ تب مالکی گلوں کی ہوگی اور چھوٹے والا اپنی زمین پر تھائی کے طور پر کھیتی کرے گا۔ تب گلوں میں ہر ایک کے پاس روزگار ہوگا اور گلوں کے لوگ اپنی ضرورت کی چیزیں جیسے کپڑا، گڑ، قیل، چوٹا، دوا دارو وغیرہ اپنے آپ بنا لیں گے۔ تعلیم بھی وہ اپنے تھنک سے اپنے بچوں کو دیں گے اور ان کی اپنی عدالت ہوگی اور اپنا ہی شانتی و ستیاگرہ سہا ہوگی۔ گلوں گلوں نہ کوئی بے زمین رہے گا نہ بے روزگار۔ سب مل کر کلم کریں گے، مل کر آرام کریں گے اور مل کر خوشی منائیں گے۔ اس طرح نئی لڑائی سے سراج کے اندر نئی مانیاتیں قائم ہوں گی اور گرام راج کے لئے راستہ کھلیگا۔

اب سوال یہ ہے کہ نئی لڑائی میں شریک کون ہوگا؟ اس کے لئے پہلی کہاں سے ملینگے؟ یہ کلم نوجوانوں

آہر سوال یہ ہے کہ نئی لڑائی میں شریک کون ہوگا؟ اس کے لئے پہلی کہاں سے ملینگے؟ یہ کلم نوجوانوں

آزادی کی لڑائی ختم ہوئی اور دوسری لڑائی، آرٹھک اور سماجی آزادی کی لڑائی، شروع ہوئی چاہئے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس نئی لڑائی کی بنیاد کیا ہو؟ عام جنتا اس سوال کو پانے کے لئے کس طرح آگے بڑھے؟ ظاہر ہے کہ اگر ہم لوگ ہتھیار یا فتنے کا سہارا لیتے ہیں تو ضرور ہارینگے۔ کیونکہ جن کے ہاتھ میں طاقت آج ہے اور جن کے خلاف ہمیں لڑنا ہے ان کے پاس ایک سے ایک خوفناک ہتھیار ہیں (اور انہیں دوسروں سے مل بھی سکتے ہیں) کہ جن کا ہمیں خواب میں بھی خیال نہیں آسکتا۔ اگر ہم دلوں یا اسمبلی و پارلیمنٹ کا سہارا لیتے ہیں تب بھی ہارینگے۔ کیونکہ جن کے خلاف ہمیں لڑنا ہے قانون آج پوری طرح ان کا تابعدار ہے اور ان کی مرضی پر چلتا ہے۔ اس وجہ سے دکھیا غریبوں کے سامنے بس ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے—بھی ایک راستہ کہ اپنے بل، اپنی قوت سے لڑیں۔ اور مالک ہی انہیں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد کرتے ہیں۔ اس لئے سچا سوال پانے کا ایک ہی ذریعہ ہے—اپنی شکتی یا جن شکتی مہیا کی جائے۔

اس کے بعد سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر جن شکتی کیسے مہیا ہو؟ اس کا سنگتھیں کس طرح کیا جائے؟ کون نہیں جانتا کہ ہندستان کی وہ جنتا جو اپنے سر کا پسینہ ایزی تک پہناتی ہے اس کی مکتھت پر چند دولت مند زندہ ہیں اور جن لاکھوں دیہاتوں میں وہ لوگ راتہ رات ہیں ان کو چوس کر چند شہر جگمگاتے ہیں۔ پھر یہی ہم سب دکھی ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ ذرا غور کرنے پر پتہ چلیگا کہ ہم مکتھت تو کرتے ہیں پر دلوں میں فرق ہے، ایک دوسرے سے زیادہ دور ہوتے چلے جارہے ہیں۔ آپس میں پیار بہت کم ہے اور دن دن کم ہوتا جارہا ہے۔ خاندان ہنٹ رہے ہیں۔ اس پریم کی کمی کی وجہ سے ہمارے زندگی ویسی ہی ٹھہر رہی ہے جیسے وہ نمک چونکین نہ رہ گیا ہو۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے نزدیک آئیں اور دکھ سکھ میں ساتھی بنیں۔ جہاں پریم ہے، وہاں سب کچھ ہے۔ جہاں پریم نہیں وہاں کچھ ہی نہیں۔ لیکن پریم کیسے حاصل ہو؟ پریم کی فصل کیسے اُگنی جائے؟ مگر یہ سوال اتنا ڈرہا نہیں ہے کیونکہ رات دن ہمیں پریم کی مثالیں ملتی ہیں۔ ماں اپنے بچے سے پیار کرتی ہے۔ سو کس طرح کرتی ہے؟ اپنے کو بھول کر، اپنے کو طرح طرح کی تکلیفیں دے کر، اپنے آپ کچھ تباہ کر کے۔ اس کی یہی چاہ رہتی ہے کہ بچے کی خاطر اپنے کو پورا مٹا ہی دیں۔ اس سے ہم یہ سبق سیکھتے ہیں کہ پریم وہیں ہے جہاں تباہی ہے، قربانی ہے۔ اس لئے ہم جتنا زیادہ تباہ ایک دوسرے کے لئے کرینگے اتنا ہی آپس میں پریم بڑھے گا۔

آزادی کی لڑائی ختم ہوئی اور دوسری لڑائی، آرٹھک اور سماجی آزادی کی لڑائی، شروع ہوئی چاہئے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس نئی لڑائی کی بنیاد کیا ہو؟ عام جنتا اس سوال کو پانے کے لئے کس طرح آگے بڑھے؟ ظاہر ہے کہ اگر ہم لوگ ہتھیار یا فتنے کا سہارا لیتے ہیں تو ضرور ہارینگے۔ کیونکہ جن کے ہاتھ میں طاقت آج ہے اور جن کے خلاف ہمیں لڑنا ہے ان کے پاس ایک سے ایک خوفناک ہتھیار ہیں (اور انہیں دوسروں سے مل بھی سکتے ہیں) کہ جن کا ہمیں خواب میں بھی خیال نہیں آسکتا۔ اگر ہم دلوں یا اسمبلی و پارلیمنٹ کا سہارا لیتے ہیں تب بھی ہارینگے۔ کیونکہ جن کے خلاف ہمیں لڑنا ہے قانون آج پوری طرح ان کا تابعدار ہے اور ان کی مرضی پر چلتا ہے۔ اس وجہ سے دکھیا غریبوں کے سامنے بس ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے—بھی ایک راستہ کہ اپنے بل، اپنی قوت سے لڑیں۔ اور مالک ہی انہیں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد کرتے ہیں۔ اس لئے سچا سوال پانے کا ایک ہی ذریعہ ہے—اپنی شکتی یا جن شکتی مہیا کی جائے۔

اس کے بعد سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر جن شکتی کیسے مہیا ہو؟ اس کا سنگتھیں کس طرح کیا جائے؟ کون نہیں جانتا کہ ہندستان کی وہ جنتا جو اپنے سر کا پسینہ ایزی تک پہناتی ہے اس کی مکتھت پر چند دولت مند زندہ ہیں اور جن لاکھوں دیہاتوں میں وہ لوگ راتہ رات ہیں ان کو چوس کر چند شہر جگمگاتے ہیں۔ پھر یہی ہم سب دکھی ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ ذرا غور کرنے پر پتہ چلیگا کہ ہم مکتھت تو کرتے ہیں پر دلوں میں فرق ہے، ایک دوسرے سے زیادہ دور ہوتے چلے جارہے ہیں۔ آپس میں پیار بہت کم ہے اور دن دن کم ہوتا جارہا ہے۔ خاندان ہنٹ رہے ہیں۔ اس پریم کی کمی کی وجہ سے ہمارے زندگی ویسی ہی ٹھہر رہی ہے جیسے وہ نمک چونکین نہ رہ گیا ہو۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے نزدیک آئیں اور دکھ سکھ میں ساتھی بنیں۔ جہاں پریم ہے، وہاں سب کچھ ہے۔ جہاں پریم نہیں وہاں کچھ ہی نہیں۔ لیکن پریم کیسے حاصل ہو؟ پریم کی فصل کیسے اُگنی جائے؟ مگر یہ سوال اتنا ڈرہا نہیں ہے کیونکہ رات دن ہمیں پریم کی مثالیں ملتی ہیں۔ ماں اپنے بچے سے پیار کرتی ہے۔ سو کس طرح کرتی ہے؟ اپنے کو بھول کر، اپنے کو طرح طرح کی تکلیفیں دے کر، اپنے آپ کچھ تباہ کر کے۔ اس کی یہی چاہ رہتی ہے کہ بچے کی خاطر اپنے کو پورا مٹا ہی دیں۔ اس سے ہم یہ سبق سیکھتے ہیں کہ پریم وہیں ہے جہاں تباہی ہے، قربانی ہے۔ اس لئے ہم جتنا زیادہ تباہ ایک دوسرے کے لئے کرینگے اتنا ہی آپس میں پریم بڑھے گا۔

اس پر کوئی پوچھتا کہ فریب کے پاس ہے ہی کیا جو

یہ مہلے ملا ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق، چننا کی خود مختار طاقت کے آدھار پر، اپنے ملک کا نورمان کورسکین۔ لیکن آزادی کے بعد سات سال بیتنے کے باوجود ہندوستان کے عام رہنے والوں کو آزادی کا کوئی خاص مزہ نہیں آیا، زندگی میں کوئی خاص لذت نہیں پیدا ہوئی اور زیادہ تر تو پہلے کے مقابلہ زیادہ دکھی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ آزادی کے ساتھ وہ انقلاب نہیں آیا جو کہ آنا چاہئے تھا۔ کچھ حد تک یہ صحیح ہے کہ ہم نے انفسا کی طاقت سے سوراخ لیا۔ مگر یہ کچھ ہی حد تک صحیح ہے کیونکہ اگر ہمارے سوراخ کے پیچھے سولہ آئے انفسا ہی ہوتی تو آزادی کے بعد جو ہم سب میں سستی اور ہیر پھار وغیرہ دوش ہیں وہ نہ ہوتے۔ اس لئے یہ آزادی محض حکومت کے بدلاؤ کی ہی ایک شکل ہے۔ اس کو انقلاب نہیں کہتے۔ کہیں زیادہ بڑی وجہ یہ ہے کہ آزادی کے پہلے سماج میں جو مائیتیاں تھیں وہیں وہی آج بھی چالو ہیں۔ جسے 'اؤنچا عہد'، 'اؤنچا مکان'، 'اؤنچا محل'، 'اؤنچی ذات'، 'اؤنچی عزت'، 'اؤنچی ڈگری'، 'اؤنچی تلخوہ'، ہاتھ کے کام سے 'اؤنچی ندرت' وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ ناپ ہمارے سماج میں بدستور بنے رہتے ہیں تو شرافت یا انسانیت کے درجہ میں ہم اور ہمارا ملک اور بھی گریئے اور ہندوستان نام کا یہ واقعہ دھڑم سے گرے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم آزادی کی کوئی قیمت نہیں کرتے۔ ہم پھر عرض کریں کہ پچھلے دو ہزار برس کے ہمارے انہاس کے اندر یہ سب سے بڑی چیز ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اپنے ملک میں جو آج اصلیت ہے اس سے آٹھ بیچائی جائے۔ ہمارے سماج میں بھئی کی حالت دیکھئے، ہمیشہ کے جیسا ٹھہچا اور ظلم ہے۔ آج بھی شریجن اور ہراغمن ساتھ ساتھ اکثر نہیں بیٹتے۔ ان شریجنوں کو ہمارے مندر میں جگہ نہیں ہے، پر وہ مندر بھی گندگی کے نمونے ہیں اور ان مندروں کے تھیکیدار پلندوں کو آٹھ گھان کٹنا ہے یا نیک چلن کتنے ہیں یہ تو بھکوان ہی جانتا ہوگا۔ یا پھر ہمارے گھروں میں اپنی بہنوں کی حالت دیکھئے۔ جو ایک زمانہ میں دیوی تھی آج وہ چولے کی داسی بنی ہوئی ہے اور اس طرح ہمارے سماج کا آدھا حصہ پست پڑا ہے۔ یہ چیزیں اگر بنی رہتی ہیں اور دکھیا کا دکھ نہیں دور ہوتا ہے تو ہمارا خیال ہے کہ اپنی آزادی کو بھی ہم زیادہ دن قائم نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے ایک بنیادی انقلاب کی سخت درکار ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہمارے یہاں کے غریب سے غریب اور دکھی سے دکھی آدمی کو آرتھک اور سماجی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ گاؤں گاؤں کو اپنے وکس و ترقی کی آزادی ہونی چاہئے، یعنی گرم راج نام ہونا چاہئے۔ یہ کم جلدی سے جلدی ہونا چاہئے ورنہ ملک خطرہ میں ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک لڑائی یعنی سیاسی

یہ مہلے ملا ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق، چننا کی خود مختار طاقت کے آدھار پر، اپنے ملک کا نورمان کورسکین۔ لیکن آزادی کے بعد سات سال بیتنے کے باوجود ہندوستان کے عام رہنے والوں کو آزادی کا کوئی خاص مزہ نہیں آیا، زندگی میں کوئی خاص لذت نہیں پیدا ہوئی اور زیادہ تر تو پہلے کے مقابلہ زیادہ دکھی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ آزادی کے ساتھ وہ انقلاب نہیں آیا جو کہ آنا چاہئے تھا۔ کچھ حد تک یہ صحیح ہے کہ ہم نے انفسا کی طاقت سے سوراخ لیا۔ مگر یہ کچھ ہی حد تک صحیح ہے کیونکہ اگر ہمارے سوراخ کے پیچھے سولہ آئے انفسا ہی ہوتی تو آزادی کے بعد جو ہم سب میں سستی اور ہیر پھار وغیرہ دوش ہیں وہ نہ ہوتے۔ اس لئے یہ آزادی محض حکومت کے بدلاؤ کی ہی ایک شکل ہے۔ اس کو انقلاب نہیں کہتے۔ کہیں زیادہ بڑی وجہ یہ ہے کہ آزادی کے پہلے سماج میں جو مائیتیاں تھیں وہیں وہی آج بھی چالو ہیں۔ جسے 'اؤنچا عہد'، 'اؤنچا مکان'، 'اؤنچا محل'، 'اؤنچی ذات'، 'اؤنچی عزت'، 'اؤنچی ڈگری'، 'اؤنچی تلخوہ'، ہاتھ کے کام سے 'اؤنچی ندرت' وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ ناپ ہمارے سماج میں بدستور بنے رہتے ہیں تو شرافت یا انسانیت کے درجہ میں ہم اور ہمارا ملک اور بھی گریئے اور ہندوستان نام کا یہ واقعہ دھڑم سے گرے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم آزادی کی کوئی قیمت نہیں کرتے۔ ہم پھر عرض کریں کہ پچھلے دو ہزار برس کے ہمارے انہاس کے اندر یہ سب سے بڑی چیز ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اپنے ملک میں جو آج اصلیت ہے اس سے آٹھ بیچائی جائے۔ ہمارے سماج میں بھئی کی حالت دیکھئے، ہمیشہ کے جیسا ٹھہچا اور ظلم ہے۔ آج بھی شریجن اور ہراغمن ساتھ ساتھ اکثر نہیں بیٹتے۔ ان شریجنوں کو ہمارے مندر میں جگہ نہیں ہے، پر وہ مندر بھی گندگی کے نمونے ہیں اور ان مندروں کے تھیکیدار پلندوں کو آٹھ گھان کٹنا ہے یا نیک چلن کتنے ہیں یہ تو بھکوان ہی جانتا ہوگا۔ یا پھر ہمارے گھروں میں اپنی بہنوں کی حالت دیکھئے۔ جو ایک زمانہ میں دیوی تھی آج وہ چولے کی داسی بنی ہوئی ہے اور اس طرح ہمارے سماج کا آدھا حصہ پست پڑا ہے۔ یہ چیزیں اگر بنی رہتی ہیں اور دکھیا کا دکھ نہیں دور ہوتا ہے تو ہمارا خیال ہے کہ اپنی آزادی کو بھی ہم زیادہ دن قائم نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے ایک بنیادی انقلاب کی سخت درکار ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہمارے یہاں کے غریب سے غریب اور دکھی سے دکھی آدمی کو آرتھک اور سماجی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ گاؤں گاؤں کو اپنے وکس و ترقی کی آزادی ہونی چاہئے، یعنی گرم راج نام ہونا چاہئے۔ یہ کم جلدی سے جلدی ہونا چاہئے ورنہ ملک خطرہ میں ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک لڑائی یعنی سیاسی



بھاری دھڑ ہے، لیکن دھنیں بہار میں سڑنا پڑ رہا ہے۔ پانی کا یہ بندوقا ایک دم رات ہے۔ لیکن یہ رات اس وجہ سے کہ زمین کا بندوقا آپ نے غلط کر رکھا ہے۔ مجھے گاؤں کی کل زمین دان میں دے ڈالنے اور زمین کا دودھا بندوقا کیجئے۔ جس طرح پیرم سے گھر میں رہتے ہیں اس طرح یہ سب کیجئے۔ تب آپ دیکھیں گے کہ پانی کا یہی بندوقا تھیک طرح سے ہو جائیگا۔“ اسی طرح انہوں نے ایک چکر یہ کہا کہ ”ہارے کا جو سنگت آیا ہے اسے بردان میں بدل سکتے ہیں۔ یہ سنگت بھوکاں نے آپ کی جانچ کے لئے بھیجا ہے۔ یہ بتاتے ہیں کہ اپنے پاس جو بھی ہے اسے اس وقت دوسروں کے لئے لٹا کر چاہئے۔“ انہوں نے خاص طور سے اپیل واپاری سماج سے کی اور اس سے کہا کہ چیزوں کے دام نہ بڑھائے۔ ہارے کے بعد جو آنتیں آتی ہیں ان کی طرف نیٹاؤں یا کارڈوں کا دھیان کم جاتا ہے۔ ہر سات کے بعد طرح طرح کی بیماریاں اور دوسری مصیبتیں آگھرتی ہیں۔ اپنے نجی انویسٹ کی روشنی میں بابا نے یہ سبھاؤ پیش کئے:

1. پینے کے لئے ابلے ہوئے پانی کا استعمال کیجئے۔
2. بہت دیکے یا سڑے ہوئے پھل اور خراب ترکاریاں نہ کھائے۔
3. بازار کی مٹھائی اور گندی چیز نہ کھائے۔
4. گاؤں کو صاف ستھرا رکھئے اور گاؤں کے سب لوگ چھوٹے بڑے امیر غریب، ویدیاتھی شکشک، مل کر پھاروا کدالی اور ٹوکری لے کر لگ جائے۔

ایک طرف ہمارے نیٹا یا اخبار میں جو بلند آواز سے کروڑوں روپیہ کی مالک دلی سرکار سے کر رہے تھے، دوسری طرف ونوبا جی ان کا ہی ایک حصہ بن کر گاؤں کے سبھی رہنے والوں سے پیرم سے رہنے اور اپنی مدد خود کرنے کی اپیل کر رہے تھے۔ پہلی بات کے مقابلہ میں دوسری بات پاگل پن جیسی معلوم ہوئی۔ لیکن وقت جلد ہی یہ ثابت کر دینے والا ہے کہ اپنی مدد خود کرے بظہر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ یعنی زمین کی نجی مالکی ختم ہو کر گاؤں کی مالکی ہونی چاہئے اور گاؤں کے تعلقہوں کو جن کا مرکز چرخہ ہے دوبارہ چلانا چاہئے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری ضرورت نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ساروجنک کاروبار کرتا اس چیز پر شانتی کے ساتھ غور کریں اور انسانیت کی طرف قدم بڑھائیں۔

— سریش رام بھائی

28.9.54

## نہ لڑائی نئے سپاہی

آج سے سات سال پہلے ہم نے جو آزادی حاصل کی وہ ہمارے اہلس کی ایک پر مثال گھنٹا ہے۔ شاید دو ہزار برس کے بعد ہم ہندستان والوں کو پہلی بار

آج سے سات سال پہلے ہم نے جو آزادی حاصل کی وہ ہمارے اہلس کی ایک پر مثال گھنٹا ہے۔ شاید دو ہزار برس کے بعد ہم ہندستان والوں کو پہلی بار

کی یہ کامیابی سرکار نیکوئی ہے اور کوئی مدد نہیں کرنا چاہتی۔ اس کے خلاف کانگریس والے ایسی تصویر پیش کرتے تھے مگر سرکار نے اس وقت جو خدمت کی ہے وہ اس سے زیادہ خدمت نہ کہی کسی نے کی اور نہ کی جاسکتی ہے۔ لیکن جب اکیلے بیٹھتے تو سیکھ قبول کرتے تھے۔ ایک کانگریسی بھائی نے قبول کیا کہ یہ چنڈا - پورو مرسوم ہے اور اس کا ہمیں فائدہ اٹھانا چاہئے۔ دوسرے بھائی نے (وہ کانگریسی M.L.A. تھے) کہا کہ مدد کیا ہے اپنی ہستی ثابت کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اتنی بھیتانک بارہ آئے پر بھی ہمارے نیچا یا سیاسی کارکن اپنے ہڈیہاؤ نہیں دور کر سکے اور اپنی عادت سے باز نہ آئے۔ نہیں، نہیں، انہوں نے ملک کا کچھ خیال نہ کر کے اس سے بی بی اپنا نجی فائدہ اٹھانا مناسب سمجھا۔

اس بارہ سے ہم جن نتیجوں پر پہنچے وہ یہ ہیں :

- (1) لوگوں میں ایک دوسرے کے دُخ کا افسوس بہت کم ہے۔
- (2) ان کے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں ہے۔
- (3) انہیں حیرت ہوتی ہے کہ بھلا مل کر بھی اس آفت کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔

سنّت و رنہا کو یہ سب دیکھ کر بہت ہی تکلیف ہوئی۔ لیکن ان کی پرارتھنا سپہاؤں میں جو انتہائی بھیڑ ہوتی تھی پانچ ہزار سے کم نہیں اور کہیں کہیں بیس ہزار تک اس سے پتہ چلتا تھا کہ جانتا ان کا سندیس سننا چلتی ہے۔ ہر جگہ انہوں نے ایک چیز پر زور دیا :

”لوگوں کے اندر سب لوگ ایک خاندان یا کنبہ کی طرح رہتے۔ خالی مت بیٹھتے۔ کم سے کم چرخہ ہی چلائے۔ جن کو کم نقصان ہوا ہے وہ ان کی مدد کریں جن کو زیادہ نقصان ہوا ہے۔“

انہوں نے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کی اپیل کی۔ انہوں نے اس امر سے سچ کی انہیں یاد دلائی کہ ہاتھ پر دھک گھٹنا ہے اور سب بڑھتا ہے۔ ان کے کہنے کا سار یہی تھا—”اپنے سکھ دھم میں ایک ہو جاؤ۔“ اس لیے انہوں نے مانگ کی کہ مجھے اب پورے کے پورے گاؤں دان میں دیکھئے۔ ”بارہ سے یہ صاف پتہ چل جاتا ہے کہ ساری بھڑی گوبال کی ہے۔“ اور ایک دن ایک زمیندار صاحب بابا کے پاس کچھ غصہ میں آکر ہوئے—”بڑے دھم کی بات ہے کہ جب بارہ سے ہم مرے چارے ہیں تبھی آپ دان مانگ رہے ہیں۔“ بابا نے شانتی کے ساتھ جواب دیا—”جی ہاں۔ اس وجہ سے دان مانگ رہا ہوں کہونکہ آپ مرے جارہے ہیں۔ کیا اس دنیا سے بچنے کے پہلے آپ دان کر کے نہیں جانا چاہتے؟“ ایک دوسری جگہ پر بابا نے کہا—”اگر بہار میں بارہ

کی یہ کامیابی سرکار نیکوئی ہے اور کوئی مدد نہیں کرنا چاہتی۔ اس کے خلاف کانگریس والے ایسی تصویر پیش کرتے تھے مگر سرکار نے اس وقت جو خدمت کی ہے وہ اس سے زیادہ خدمت نہ کہی کسی نے کی اور نہ کی جاسکتی ہے۔ لیکن جب اکیلے بیٹھتے تو سیکھ قبول کرتے تھے۔ ایک کانگریسی بھائی نے قبول کیا کہ یہ چنڈا - پورو مرسوم ہے اور اس کا ہمیں فائدہ اٹھانا چاہئے۔ دوسرے بھائی نے (وہ کانگریسی M.L.A. تھے) کہا کہ مدد کیا ہے اپنی ہستی ثابت کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اتنی بھیتانک بارہ آئے پر بھی ہمارے نیچا یا سیاسی کارکن اپنے ہڈیہاؤ نہیں دور کر سکے اور اپنی عادت سے باز نہ آئے۔ نہیں، نہیں، انہوں نے ملک کا کچھ خیال نہ کر کے اس سے بی بی اپنا نجی فائدہ اٹھانا مناسب سمجھا۔

اس بارہ سے ہم جن نتیجوں پر پہنچے وہ یہ ہیں :

- (1) لوگوں میں ایک دوسرے کے دُخ کا افسوس بہت کم ہے۔
- (2) ان کے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں ہے۔
- (3) انہیں حیرت ہوتی ہے کہ بھلا مل کر بھی اس آفت کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔

سنّت و رنہا کو یہ سب دیکھ کر بہت ہی تکلیف ہوئی۔ لیکن ان کی پرارتھنا سپہاؤں میں جو انتہائی بھیڑ ہوتی تھی پانچ ہزار سے کم نہیں اور کہیں کہیں بیس ہزار تک اس سے پتہ چلتا تھا کہ جانتا ان کا سندیس سننا چلتی ہے۔ ہر جگہ انہوں نے ایک چیز پر زور دیا :

”لوگوں کے اندر سب لوگ ایک خاندان یا کنبہ کی طرح رہتے۔ خالی مت بیٹھتے۔ کم سے کم چرخہ ہی چلائے۔ جن کو کم نقصان ہوا ہے وہ ان کی مدد کریں جن کو زیادہ نقصان ہوا ہے۔“

انہوں نے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کی اپیل کی۔ انہوں نے اس امر سے سچ کی انہیں یاد دلائی کہ ہاتھ پر دھک گھٹنا ہے اور سب بڑھتا ہے۔ ان کے کہنے کا سار یہی تھا—”اپنے سکھ دھم میں ایک ہو جاؤ۔“ اس لیے انہوں نے مانگ کی کہ مجھے اب پورے کے پورے گاؤں دان میں دیکھئے۔ ”بارہ سے یہ صاف پتہ چل جاتا ہے کہ ساری بھڑی گوبال کی ہے۔“ اور ایک دن ایک زمیندار صاحب بابا کے پاس کچھ غصہ میں آکر ہوئے—”بڑے دھم کی بات ہے کہ جب بارہ سے ہم مرے چارے ہیں تبھی آپ دان مانگ رہے ہیں۔“ بابا نے شانتی کے ساتھ جواب دیا—”جی ہاں۔ اس وجہ سے دان مانگ رہا ہوں کہونکہ آپ مرے جارہے ہیں۔ کیا اس دنیا سے بچنے کے پہلے آپ دان کر کے نہیں جانا چاہتے؟“ ایک دوسری جگہ پر بابا نے کہا—”اگر بہار میں بارہ

दिये हैं, पर हमारे पास तो कोई ऐसा औजार है नहीं जिसके जरिये से यह नुकसान नापा जा सके. हम तो सिर्फ उन गांव के बारे में कह सकते हैं जो हमने सुद देखे. लिहाजा एक गांव के बारे में नुकसान की तफसील दिखला कर सब करोगे. संजय बुजुर्ग नाम का गांव नरहन रेलवे स्टेशन के नजदीक है. इसका रकबा 1700 बीघा, आबादी करीब 6000, घर या खानदान करीब एक हजार. इस गांव में तकरीबन तीन-चौथाई मकान गिरे थे और आधी फसल बरबाद हुई थी. साधारण हिसाब से, फसल का नुकसान करीब 76,000 रुपये का हुआ. लेकिन इस सब से ज्यादा नुकसान की बात यह थी कि लोग घरों पर एक दम बेकार बैठे थे. औरते तो अपने घरलू काम में लगी थीं, मगर मर्द 100 की सदी ही हाथ पर हाथ धरे खाली वस्त्र गुजार रहे थे. उनको देखकर ऐसा लगता था कि भगवान ने उनके लिये हाथ बिला जरूरत के दिये हैं. उनके पास करने को कतई कोई काम नहीं था. मानो गांव का हर आदमी एक ऐसे मन्दिर का पुजारी था जिसमें तीन देवता थे—सुस्ती, बेकारी और पर-निन्दा (गौर की बुराई). सब से ज्यादा तकलीफदा बात यह थी कि किसी को अपने पड़ोसी के दुख का एहसास नहीं था. अक्सर ऐसा दिखलाई पड़ा कि जो अच्छी तरह खाते पीते, मजा करते थे, उनके ठाठ पहले के जैसे ही जारी थे और गरीब पड़ोसी जिसका मकान गिर गया है, सामान बेकार हो गया है, उसकी तरफ उनका ध्यान जरा भी नहीं जाता था. एक जगह हमने देखा कि एक बुढ़िया जिसका मकान गिर गया है, रो रही थी. पर कोई उसकी मदद को नहीं आता था.

बादबदा लोगों को जो मदद दी गई है उसके बारे में तो जितना कहा जाए थोड़ा है. नेता लोग, एम. एल. ए. और एम. पी. ज्यादातर ऐसे ही गांव तक पहुंच पाते थे जो रेलवे स्टेशन के या मोटर की सड़क के पास हों. सरकारी अक्सर जो इस काम के लिये भेजा जाता है उसे मानो इस काम में कोई दिलचस्पी ही नहीं है. वह गांव के रईस या बड़े बड़े हाथी वाले बाबू साहब के पास पहुंचता है जहां उसको मेज कुर्सी मिल सके. और यह बाबू साहब अपने दरबारियों के कहने के मुताबिक सरकारी इमदाद तकसीम करा देते हैं. नतीजा यह है कि जिन्हें मदद नहीं मिलनी चाहिये, इन्हें मिल जाती है और जो असल में जरूरतमन्द हैं उनकी सुनवाई भी नहीं होती. उन गरीबों की कहीं पहुंच भी नहीं है. इसलिये वह महज सब करके रह जाते हैं और जो देहात ज्यादा अन्दर को हैं वहां तो न कोई मदद गई है और न बाहर से ही कोई पूछने आया. इस इमदाद का एक बड़ा और खतरनाक पहलू यह भी है कि गैर-कामेसी सियासतदारों ने यह सब अस्तयार किया

दिये हैं. पर हमारे पास तो कोई ऐसा औजार है नहीं जिसके जरिये से यह नुकसान नापा जा सके. हम तो सिर्फ उन गांव के बारे में कह सकते हैं जो हमने सुद देखे. लिहाजा एक गांव के बारे में नुकसान की तफसील दिखला कर सब करोगे. संजय बुजुर्ग नाम का गांव नरहन रेलवे स्टेशन के नजदीक है. इसका रकबा 1700 बीघा, आबादी करीब 6000, घर या खानदान करीब एक हजार. इस गांव में तकरीबन तीन-चौथाई मकान गिरे थे और आधी फसल बरबाद हुई थी. साधारण हिसाब से, फसल का नुकसान करीब 76,000 रुपये का हुआ. लेकिन इस सब से ज्यादा नुकसान की बात यह थी कि लोग घरों पर एक दम बेकार बैठे थे. औरते तो अपने घरलू काम में लगी थीं, मगर मर्द 100 की सदी ही हाथ पर हाथ धरे खाली वस्त्र गुजार रहे थे. उनको देखकर ऐसा लगता था कि भगवान ने उनके लिये हाथ बिला जरूरत के दिये हैं. उनके पास करने को कतई कोई काम नहीं था. मानो गांव का हर आदमी एक ऐसे मन्दिर का पुजारी था जिसमें तीन देवता थे—सुस्ती, बेकारी और पर-निन्दा (गौर की बुराई). सब से ज्यादा तकलीफदा बात यह थी कि किसी को अपने पड़ोसी के दुख का एहसास नहीं था. अक्सर ऐसा दिखलाई पड़ा कि जो अच्छी तरह खाते पीते, मजा करते थे, उनके ठाठ पहले के जैसे ही जारी थे और गरीब पड़ोसी जिसका मकान गिर गया है, सामान बेकार हो गया है, उसकी तरफ उनका ध्यान जरा भी नहीं जाता था. एक जगह हमने देखा कि एक बुढ़िया जिसका मकान गिर गया है, रो रही थी. पर कोई उसकी मदद को नहीं आता था.

बादबदा लोगों को जो मदद दी गई है उसके बारे में तो जितना कहा जाए थोड़ा है. नेता लोग, एम. एल. ए. और एम. पी. ज्यादातर ऐसे ही गांव तक पहुंच पाते थे जो रेलवे स्टेशन के या मोटर की सड़क के पास हों. सरकारी अक्सर जो इस काम के लिये भेजा जाता है उसे मानो इस काम में कोई दिलचस्पी ही नहीं है. वह गांव के रईस या बड़े बड़े हाथी वाले बाबू साहब के पास पहुंचता है जहां उसको मेज कुर्सी मिल सके. और यह बाबू साहब अपने दरबारियों के कहने के मुताबिक सरकारी इमदाद तकसीम करा देते हैं. नतीजा यह है कि जिन्हें मदद नहीं मिलनी चाहिये, इन्हें मिल जाती है और जो असल में जरूरतमन्द हैं उनकी सुनवाई भी नहीं होती. उन गरीबों की कहीं पहुंच भी नहीं है. इसलिये वह महज सब करके रह जाते हैं और जो देहात ज्यादा अन्दर को हैं वहां तो न कोई मदद गई है और न बाहर से ही कोई पूछने आया. इस इमदाद का एक बड़ा और खतरनाक पहलू यह भी है कि गैर-कामेसी सियासतदारों ने यह सब अस्तयार किया

کی یہ کامیابی سرکار نیکوئی ہے اور کوئی مدد نہیں کرنا چاہتی۔ اس کے خلاف کانگریس والے ایسی تصویر پیش کرتے تھے مگر نے اس وقت جو خدمت کی ہے وہ یا اس سے زیادہ خدمت نہ کہی کسی نے کی اور نہ کی جاسکتی ہے۔ لیکن جب اگلے بیٹھنے تو سب سے قبول کرتے تھے۔ ایک کانگریسی بھائی نے قبول کیا کہ یہ چناؤ۔ پورے مرسوم ہے اور اس کا ہمیں فائدہ اٹھانا چاہئے۔ دوسرے بھائی نے (وہ کانگریسی M.L.A. تھے) کہا کہ مدد کیا ہے اپنی ہستی ثابت کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہاں کی ایک بات یہ ہے کہ انہی بھیتانک بازہ آنے پر بھی ہمارے نیت یا سیاسی کارکن اپنے ہمدیہاؤ نہیں دور کرسکے اور اپنی عادت سے باز نہ آئے۔ نہیں، نہیں، انہوں نے ملک کا کچھ خیال نہ کرکے اس سے یہی اپنا نجی فائدہ اٹھانا مناسب سمجھا۔

اس بازہ سے ہم جن نتیجوں پر پہنچے وہ یہ ہیں :

- (1) لوگوں میں ایک دوسرے کے دکھ کا احساس بہت کم ہے۔
- (2) ان کے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں ہے۔
- (3) انہیں حیرت ہوتی ہے کہ بھلا مل کر بھی اس آنت کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔
- (4) ان کے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں ہے۔
- (5) انہیں حیرت ہوتی ہے کہ بھلا مل کر بھی اس آنت کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔
- (6) ان کے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں ہے۔
- (7) انہیں حیرت ہوتی ہے کہ بھلا مل کر بھی اس آنت کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔
- (8) انہیں حیرت ہوتی ہے کہ بھلا مل کر بھی اس آنت کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔

سنت ورتہا کو یہ سب دیکھ کر بہت ہی تکلیف ہوئی۔ لیکن ان کی پرانہ سبھاؤں میں جو انتہائی بیڑ ہوتی تھی پانچ ہزار سے کم نہیں اور کہیں کہیں بیس ہزار تک، اس سے پتہ چلتا تھا کہ جانتا ان کا سدیش سننا چاہتی ہے۔ ہر جگہ انہوں نے ایک چیز پر زور دیا :

”گائوں کے اندر سب لوگ ایک سناندان یا کنبہ کی طرح رہتے۔ خالی مت بیٹھتے۔ کم سے کم چرخہ ہی چلائے۔ جن کو کم نقصان ہوا ہے وہ ان کی مدد کریں جن کو زیادہ نقصان ہوا ہے۔“

انہوں نے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کی اپیل کی۔ انہوں نے اس امر سے کی انہیں یاد دلائی کہ ہاتھ پر دھکے لگاتے اور سکہ بڑھتا ہے۔ ان کے کہنے کا سار یہی تھا—”اپنے سکہ دھکے لگاتے اور سکہ بڑھتا ہے۔“ اس لئے انہوں نے مانگ کی کہ مجھے اب پورے کے پورے گلؤں دان میں دیجئے۔ بازہ سے یہ صاف پتہ چل جاتا ہے کہ ساری بیڑی گوبال کی ہے۔ اور ایک دن ایک زمیندار صاحب بابا کے پاس کچھ غصہ میں آکر ہوئے—”بڑے دکھ کی بات ہے کہ جب بازہ سے ہم مرے جارہے ہیں تبھی آپ دان مانگ رہے ہیں۔“ بابا نے شانتی کے ساتھ جواب دیا—”جی ہاں۔ اس وجہ سے دان مانگ رہا ہوں کیونکہ آپ مرے جارہے ہیں۔ کیا اس دنیا سے جانے کے پہلے آپ دان کرکے نہیں جانا چاہتے؟“ ایک دوسری جگہ پر بابا نے کہا—”اگر بہار میں بازہ

کی یہ کامیابی سرکار نیکوئی ہے اور کوئی مدد نہیں کرنا چاہتی۔ اس کے خلاف کانگریس والے ایسی تصویر پیش کرتے تھے مگر نے اس وقت جو خدمت کی ہے وہ یا اس سے زیادہ خدمت نہ کہی کسی نے کی اور نہ کی جاسکتی ہے۔ لیکن جب اگلے بیٹھنے تو سب سے قبول کرتے تھے۔ ایک کانگریسی بھائی نے قبول کیا کہ یہ چناؤ۔ پورے مرسوم ہے اور اس کا ہمیں فائدہ اٹھانا چاہئے۔ دوسرے بھائی نے (وہ کانگریسی M.L.A. تھے) کہا کہ مدد کیا ہے اپنی ہستی ثابت کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہاں کی ایک بات یہ ہے کہ انہی بھیتانک بازہ آنے پر بھی ہمارے نیت یا سیاسی کارکن اپنے ہمدیہاؤ نہیں دور کرسکے اور اپنی عادت سے باز نہ آئے۔ نہیں، نہیں، انہوں نے ملک کا کچھ خیال نہ کرکے اس سے یہی اپنا نجی فائدہ اٹھانا مناسب سمجھا۔

اس بازہ سے ہم جن نتیجوں پر پہنچے وہ یہ ہیں :

- (1) لوگوں میں ایک دوسرے کے دکھ کا احساس بہت کم ہے۔
- (2) ان کے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں ہے۔
- (3) انہیں حیرت ہوتی ہے کہ بھلا مل کر بھی اس آنت کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔
- (4) ان کے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں ہے۔
- (5) انہیں حیرت ہوتی ہے کہ بھلا مل کر بھی اس آنت کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔
- (6) ان کے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں ہے۔
- (7) انہیں حیرت ہوتی ہے کہ بھلا مل کر بھی اس آنت کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔
- (8) انہیں حیرت ہوتی ہے کہ بھلا مل کر بھی اس آنت کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔

سنت ورتہا کو یہ سب دیکھ کر بہت ہی تکلیف ہوئی۔ لیکن ان کی پرانہ سبھاؤں میں جو انتہائی بیڑ ہوتی تھی پانچ ہزار سے کم نہیں اور کہیں کہیں بیس ہزار تک، اس سے پتہ چلتا تھا کہ جانتا ان کا سدیش سننا چاہتی ہے۔ ہر جگہ انہوں نے ایک چیز پر زور دیا :

”گائوں کے اندر سب لوگ ایک سناندان یا کنبہ کی طرح رہتے۔ خالی مت بیٹھتے۔ کم سے کم چرخہ ہی چلائے۔ جن کو کم نقصان ہوا ہے وہ ان کی مدد کریں جن کو زیادہ نقصان ہوا ہے۔“

انہوں نے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کی اپیل کی۔ انہوں نے اس امر سے کی انہیں یاد دلائی کہ ہاتھ پر دھکے لگاتے اور سکہ بڑھتا ہے۔ ان کے کہنے کا سار یہی تھا—”اپنے سکہ دھکے لگاتے اور سکہ بڑھتا ہے۔“ اس لئے انہوں نے مانگ کی کہ مجھے اب پورے کے پورے گلؤں دان میں دیجئے۔ بازہ سے یہ صاف پتہ چل جاتا ہے کہ ساری بیڑی گوبال کی ہے۔ اور ایک دن ایک زمیندار صاحب بابا کے پاس کچھ غصہ میں آکر ہوئے—”بڑے دکھ کی بات ہے کہ جب بازہ سے ہم مرے جارہے ہیں تبھی آپ دان مانگ رہے ہیں۔“ بابا نے شانتی کے ساتھ جواب دیا—”جی ہاں۔ اس وجہ سے دان مانگ رہا ہوں کیونکہ آپ مرے جارہے ہیں۔ کیا اس دنیا سے جانے کے پہلے آپ دان کرکے نہیں جانا چاہتے؟“ ایک دوسری جگہ پر بابا نے کہا—”اگر بہار میں بازہ

दिये हैं। पर हमारे पास तो कोई ऐसा औजार है नहीं जिसके जरिये से यह नुकसान नापा जा सके। हम तो सिर्फ उन गांव के बारे में कह सकते हैं जो हमने खुद देखे। लिहाजा एक गांव के बारे में नुकसान की तकसील दिखला कर सब करेंगे, संजय बुजुर्ग नाम का गांव नरहन रेलवे स्टेशन के नजदीक है। इसका रकबा 1700 बीघा, आबादी करीब 6000, घर या खानदान करीब एक हजार। इस गांव में तकरीबन तीन-चौथाई मकान गिरे थे और आधी फसल बरबाद हुई थी। साधारण हिसाब से, फसल का नुकसान करीब 76,000 रुपये का हुआ। लेकिन इस सब से ज्यादा नुकसान की बात यह थी कि लोग घरों पर एक दम बेकार बैठे थे, और तो अपने घरलू काम में लगी थीं, मगर मर्ब 110 फी सदी ही हाथ पर हाथ धरे खाली वस्त्र गुजार रहे थे। उनको देखकर ऐसा लगता था कि भगवान ने उनके लिये हाथ बिला जरूरत के दिये हैं। उनके पास करने को कतई कोई काम नहीं था। मानो गांव का हर आदमी एक ऐसे मन्दिर का पुजारी था जिसमें तीन देवता थे—सुस्ती, बेकारी और पर-निन्दा (गैर की बुराई)। सब से ज्यादा तकलीफदह बात यह थी कि किसी को अपने पड़ोसी के दुख का एहसास नहीं था। अक्सर ऐसा दिखलाई पड़ा कि जो अच्छी तरह खाते पीते, मजा करते थे, उनके ठाठ पहले के जैसे ही जारी थे और गरीब पड़ोसी जिसका मकान गिर गया है, सामान बेकार हो गया है, उसकी तरफ उनका ध्यान जरा भी नहीं जाता था। एक जगह हमने देखा कि एक बुढ़िया जिसका मकान गिर गया है, रो रही थी। पर कोई उसकी मदद को नहीं आता था।

बाढ़जदा लोगों को जो मदद दी गई है उसके बारे में तो जितना कहा जाए थोड़ा है। नेता लोग, एम. एल. ए. और एम. पी. ज्यादातर ऐसे ही गांव तक पहुंच पाते थे जो रेलवे स्टेशन के या मोटर की सड़क के पास हों। सरकारी अक्सर जो इस काम के लिये भेजा जाता है उसे मानो इस काम में कोई दिलचस्पी ही नहीं है। वह गांव के रईस या बड़े बड़े हाथी वाले बाबू साहब के पास पहुंचता है जहां उसको भेज कुर्सी मिल सके। और यह बाबू साहब अपने दरबारियों के कहने के मुताबिक सरकारी इमदाद तकसीम करा देते हैं। नतीजा यह है कि जिन्हें मदद नहीं मिलनी चाहिये, इन्हें मिल जाती है और जो असल में जरूरतमन्द हैं उनकी सुनवाई भी नहीं होती। उन गरीबों की कहीं पहुंच भी नहीं है। इसलिये वह महज सब करके रह जाते हैं और जो देहात उबादा अन्दर को हैं वहां तो न कोई मदद गई है और न बाहर से ही कोई पूछने आया। इस इमदाद का एक बड़ा और खतरनाक पहलू यह भी है कि गैर-कामेसी सियासतदानों ने यह सब अस्तथार किया

दिये हैं। पर हमारे पास तो कोई ऐसा औजार है नहीं जिसके जरिये से यह नुकसान नापा जा सके। हम तो सिर्फ उन गांव के बारे में कह सकते हैं जो हमने खुद देखे। लिहाजा एक गांव के बारे में नुकसान की तकसील दिखला कर सब करेंगे, संजय बुजुर्ग नाम का गांव नरहन रेलवे स्टेशन के नजदीक है। इसका रकबा 1700 बीघा, आबादी करीब 6000, घर या खानदान करीब एक हजार। इस गांव में तकरीबन तीन-चौथाई मकान गिरे थे और आधी फसल बरबाद हुई थी। साधारण हिसाब से, फसल का नुकसान करीब 76,000 रुपये का हुआ। लेकिन इस सब से ज्यादा नुकसान की बात यह थी कि लोग घरों पर एक दम बेकार बैठे थे, और तो अपने घरलू काम में लगी थीं, मगर मर्ब 110 फी सदी ही हाथ पर हाथ धरे खाली वस्त्र गुजार रहे थे। उनको देखकर ऐसा लगता था कि भगवान ने उनके लिये हाथ बिला जरूरत के दिये हैं। उनके पास करने को कतई कोई काम नहीं था। मानो गांव का हर आदमी एक ऐसे मन्दिर का पुजारी था जिसमें तीन देवता थे—सुस्ती, बेकारी और पर-निन्दा (गैर की बुराई)। सब से ज्यादा तकलीफदह बात यह थी कि किसी को अपने पड़ोसी के दुख का एहसास नहीं था। अक्सर ऐसा दिखलाई पड़ा कि जो अच्छी तरह खाते पीते, मजा करते थे, उनके ठाठ पहले के जैसे ही जारी थे और गरीब पड़ोसी जिसका मकान गिर गया है, सामान बेकार हो गया है, उसकी तरफ उनका ध्यान जरा भी नहीं जाता था। एक जगह हमने देखा कि एक बुढ़िया जिसका मकान गिर गया है, रो रही थी। पर कोई उसकी मदद को नहीं आता था।

बाढ़जदा लोगों को जो मदद दी गई है उसके बारे में तो जितना कहा जाए थोड़ा है। नेता लोग, एम. एल. ए. और एम. पी. ज्यादातर ऐसे ही गांव तक पहुंच पाते थे जो रेलवे स्टेशन के या मोटर की सड़क के पास हों। सरकारी अक्सर जो इस काम के लिये भेजा जाता है उसे मानो इस काम में कोई दिलचस्पी ही नहीं है। वह गांव के रईस या बड़े बड़े हाथी वाले बाबू साहब के पास पहुंचता है जहां उसको भेज कुर्सी मिल सके। और यह बाबू साहब अपने दरबारियों के कहने के मुताबिक सरकारी इमदाद तकसीम करा देते हैं। नतीजा यह है कि जिन्हें मदद नहीं मिलनी चाहिये, इन्हें मिल जाती है और जो असल में जरूरतमन्द हैं उनकी सुनवाई भी नहीं होती। उन गरीबों की कहीं पहुंच भी नहीं है। इसलिये वह महज सब करके रह जाते हैं और जो देहात उबादा अन्दर को हैं वहां तो न कोई मदद गई है और न बाहर से ही कोई पूछने आया। इस इमदाद का एक बड़ा और खतरनाक पहलू यह भी है कि गैर-कामेसी सियासतदानों ने यह सब अस्तथार किया

दिये हैं। पर हमारे पास तो कोई ऐसा औजार है नहीं जिसके जरिये से यह नुकसान नापा जा सके। हम तो सिर्फ उन गांव के बारे में कह सकते हैं जो हमने खुद देखे। लिहाजा एक गांव के बारे में नुकसान की तकसील दिखला कर सब करेंगे, संजय बुजुर्ग नाम का गांव नरहन रेलवे स्टेशन के नजदीक है। इसका रकबा 1700 बीघा, आबादी करीब 6000, घर या खानदान करीब एक हजार। इस गांव में तकरीबन तीन-चौथाई मकान गिरे थे और आधी फसल बरबाद हुई थी। साधारण हिसाब से, फसल का नुकसान करीब 76,000 रुपये का हुआ। लेकिन इस सब से ज्यादा नुकसान की बात यह थी कि लोग घरों पर एक दम बेकार बैठे थे, और तो अपने घरलू काम में लगी थीं, मगर मर्ब 110 फी सदी ही हाथ पर हाथ धरे खाली वस्त्र गुजार रहे थे। उनको देखकर ऐसा लगता था कि भगवान ने उनके लिये हाथ बिला जरूरत के दिये हैं। उनके पास करने को कतई कोई काम नहीं था। मानो गांव का हर आदमी एक ऐसे मन्दिर का पुजारी था जिसमें तीन देवता थे—सुस्ती, बेकारी और पर-निन्दा (गैर की बुराई)। सब से ज्यादा तकलीफदह बात यह थी कि किसी को अपने पड़ोसी के दुख का एहसास नहीं था। अक्सर ऐसा दिखलाई पड़ा कि जो अच्छी तरह खाते पीते, मजा करते थे, उनके ठाठ पहले के जैसे ही जारी थे और गरीब पड़ोसी जिसका मकान गिर गया है, सामान बेकार हो गया है, उसकी तरफ उनका ध्यान जरा भी नहीं जाता था। एक जगह हमने देखा कि एक बुढ़िया जिसका मकान गिर गया है, रो रही थी। पर कोई उसकी मदद को नहीं आता था।

ہم درہنگا ضلع کے سمستیپور سب ڈیویژن کے سات ٹانوں میں گئے۔ تاجپور، مسندی نگر، دلسنگر، مسندی پور، وارنگر، روڈرا اور سنگھ اور صدر سب ڈویژن کے ہیڈا اور برول ٹانوں کے کچھ حصوں میں گئے۔ زیادہ تر سفر پیدل ہی رہا مگر پانی گہرا ہونے پر ناز کا بھی استعمال کیا۔ جگہ جگہ پانی اتنا گہرا تھا کہ ناز والے ملاحوں تک کو کوئی انداز اس کی گہرائی کا نہیں تھا۔ کیا دیر اور کیا کھیت کے چور مل کر ایک ہو گئے تھے اور پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ اور کیونکہ ایسی بارہ پہلے کبھی نہیں آئی تھی اس لئے کوئی کم نہیں سکتا تھا کہ کہاں کتنی گرائی ہوگی۔ نتیجتاً یہ ہوا کہ جن ناصلوں کو طے کرنے میں تین تین گھنٹے لگنے چلنے تھے ان کی جگہ جہ جہ گھنٹے لگے۔ کئی مقام ایسے تھے جیسے سنگھ (نرہن اسٹیشن کے نزدیک) سنگھ تھانہ، پوکھرام اور بندہ جہاں ہم صبح کے ساڑھے چار بجے کے چلے چلنے درپہر کے بارہ بجے یا اس کے بھی بعد پہنچے۔ کبھی کبھی جب آدھرت بہت مہربان ہو جاتی تھی تو اوزر سے گھسکور پانی پڑا کرنا تھا اور ہم لوگ ہاہا (سنت ورتہا کو ہم اسی نام سے پکارتے ہیں) کے پیچھے بنا کسی چھاتے یا ہرسانی کے چلتے چلے جاتے تھے۔ کئی مقام ایسے تھے جیسے پڑالی، ٹھانسا، سمرتھا، سنگھ اور تھڑو جو ایکدم جزیرہ جیسے معلوم پڑتے تھے۔ ان کے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔

اس بارہ سے نقصان کتنا ہوا اس کا ٹھیک تعین نہ تو لگانا ناممکن سا ہی ہے۔ جہاں تک دیکھنے سے پتہ چلتا تھا مکن تو اٹکنٹی گرتے تھے۔ فصلیں کتنی برباد ہوئیں اس کا بھی کوئی حساب نہیں لگایا جاسکتا۔ اور نہ پیسے سے اُسے چکایا ہی جاسکتا ہے۔ جانور بھی بیسیوں کی تعداد میں بہ گئے۔ خوشی کی بات ہے کہ آدمی کی جانیں بہت کم گئیں۔ جتنی بڑی یہ بارہ تھی اس لحاظ سے جانیں بہت ہی تھوڑی نہیں کے برابر، ضائع ہوئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عام جتنا وقت سے جاگ گئی تھی اور بہادری کے ساتھ اس نے اس آفت کا سہارا لیا۔ بڑی خاموشی، ہمت اور جوانمردی کے ساتھ انہوں نے اس کا مقابلہ کیا جس پر ہر کوئی فخر کر سکتا ہے۔ بارہ کا پہلا حملہ جولائی کے تیسرے ہفتے میں ہوا۔ تھانی تین ہفتے کے اندر یہ بارہ گھٹ گئی۔ لیکن اگست کے تیسرے ہفتے میں بارہ پھر تھوڑی پکڑ گئی اور اس مرتبہ پہلے کے مقابلہ زیادہ خوفناک تھی۔ اگست کے آخری ہفتے میں وہ بھی اتر گئی۔ کبھی کبھی وہ پھر بھی دھمکانی ہے، لیکن اب تو وقت نکل گیا اور امید ہے کہ اس سال اب اور نہ آئے گی۔

بہار میں بارہ سے جو نقصان ہوا ہے اس کا انداز لگانے والے ایک تھوڑا سا بیان پریس میں نیتاؤں نے

ہم درہنگا ضلع کے سمستیپور سب ڈیویژن کے سات ٹانوں میں گئے۔ تاجپور، مسندی نگر، دلسنگر، مسندی پور، وارنگر، روڈرا اور سنگھ اور صدر سب ڈویژن کے ہیڈا اور برول ٹانوں کے کچھ حصوں میں گئے۔ زیادہ تر سفر پیدل ہی رہا مگر پانی گہرا ہونے پر ناز کا بھی استعمال کیا۔ جگہ جگہ پانی اتنا گہرا تھا کہ ناز والے ملاحوں تک کو کوئی انداز اس کی گہرائی کا نہیں تھا۔ کیا دیر اور کیا کھیت کے چور مل کر ایک ہو گئے تھے اور پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ اور کیونکہ ایسی بارہ پہلے کبھی نہیں آئی تھی اس لئے کوئی کم نہیں سکتا تھا کہ کہاں کتنی گرائی ہوگی۔ نتیجتاً یہ ہوا کہ جن ناصلوں کو طے کرنے میں تین تین گھنٹے لگنے چلنے تھے ان کی جگہ جہ جہ گھنٹے لگے۔ کئی مقام ایسے تھے جیسے سنگھ (نرہن اسٹیشن کے نزدیک) سنگھ تھانہ، پوکھرام اور بندہ جہاں ہم صبح کے ساڑھے چار بجے کے چلے چلنے درپہر کے بارہ بجے یا اس کے بھی بعد پہنچے۔ کبھی کبھی جب آدھرت بہت مہربان ہو جاتی تھی تو اوزر سے گھسکور پانی پڑا کرنا تھا اور ہم لوگ ہاہا (سنت ورتہا کو ہم اسی نام سے پکارتے ہیں) کے پیچھے بنا کسی چھاتے یا ہرسانی کے چلتے چلے جاتے تھے۔ کئی مقام ایسے تھے جیسے پڑالی، ٹھانسا، سمرتھا، سنگھ اور تھڑو جو ایکدم جزیرہ جیسے معلوم پڑتے تھے۔ ان کے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔

اس بارہ سے نقصان کتنا ہوا اس کا ٹھیک تعین نہ تو لگانا ناممکن سا ہی ہے۔ جہاں تک دیکھنے سے پتہ چلتا تھا مکن تو اٹکنٹی گرتے تھے۔ فصلیں کتنی برباد ہوئیں اس کا بھی کوئی حساب نہیں لگایا جاسکتا۔ اور نہ پیسے سے اُسے چکایا ہی جاسکتا ہے۔ جانور بھی بیسیوں کی تعداد میں بہ گئے۔ خوشی کی بات ہے کہ آدمی کی جانیں بہت کم گئیں۔ جتنی بڑی یہ بارہ تھی اس لحاظ سے جانیں بہت ہی تھوڑی نہیں کے برابر، ضائع ہوئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عام جتنا وقت سے جاگ گئی تھی اور بہادری کے ساتھ اس نے اس آفت کا سہارا لیا۔ بڑی خاموشی، ہمت اور جوانمردی کے ساتھ انہوں نے اس کا مقابلہ کیا جس پر ہر کوئی فخر کر سکتا ہے۔ بارہ کا پہلا حملہ جولائی کے تیسرے ہفتے میں ہوا۔ تھانی تین ہفتے کے اندر یہ بارہ گھٹ گئی۔ لیکن اگست کے تیسرے ہفتے میں بارہ پھر تھوڑی پکڑ گئی اور اس مرتبہ پہلے کے مقابلہ زیادہ خوفناک تھی۔ اگست کے آخری ہفتے میں وہ بھی اتر گئی۔ کبھی کبھی وہ پھر بھی دھمکانی ہے، لیکن اب تو وقت نکل گیا اور امید ہے کہ اس سال اب اور نہ آئے گی۔



مگر پرم کی فصل ہر سال بڑھتی ہی جاوے گی اور لوگ اپنی کھیتی کے لیے ہر دم تیار رہ کر ایک دوسرے کی ہمدردی میں شریک ہو کر سارے ملک کو مضبوط اور تھوس بنالینے جس پر نہ باہر کے حملہ کا اثر ہوگا اور اندر بدامنی پیدا ہونے کا تو سوال ہی نہیں۔ ہم یہ خیالی بات نہیں کہہ رہے ہیں۔ ایسا زمانہ آئے گا، آ رہا ہے اور آنا شروع ہو گیا ہے۔ یوں ان یکہ اندولن کو تھوڑی بہت چڑکچڑہائی اب تک ملی وہ پرم کی طائف کی کھیتی کو خوب ظاہر کرتی ہے۔ لیکن ہاں، ہم قبول کرتے ہیں کہ ویل فیڈر اسٹیٹ کے مقصد کی طرف جہاں کانگریس اور کانگریسی حکومت کا زور لگ رہا ہے، وہاں دوسری سیاسی پارٹیوں، واپاری طبقہ، بڑے لکھے اور نوکر پیشہ بھائی بھائیوں کا بھی۔ دراصل ان کا پلڑا اس وقت بہت بڑا ہے۔ اس کے خلاف گرام راج کی طرف بہت کم ہی طائف اب تک لگی ہے۔ لیکن جو کچھ لگی ہے وہ جتنا کی اپنی طاقت ہے جسے کوئی دوسرا دنیوی سہارا نہیں۔ ان دونوں طاقتوں کا مقابلہ ہے کہ ملک ویل فیڈر اسٹیٹ کی طرف بڑھے یا گرام راج کی طرف۔ آج ملک کے نوجوان بھائی بھائیوں کے آگے سب سے بڑا سوال یہی ہے کہ ان دونوں میں سے وہ کونسی راہ چنتے ہیں اور کس طرف اپنا کندھا لگانا چاہتے ہیں۔

23. 8 '54

—سوریشرام ماہی

—سوریش رام بھائی

23. 8. '54

## بادِ پیڈیت درہنگا میں

اتر بیہار کے لوگ بادِ آبی ہیں۔ مگر اس سال کے جیسی بادِ شایبہ کبھی نہیں آئی۔ شایبہ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس بار کی بادِ آبی اس بڑی بار کا حصہ ہے جو پچھلی یورپ کے کچھ حصوں سے لے کر تھمے یورپ چین تک آئی اور جس نے سب سے زیادہ تباہی چین میں کی۔ پچھم کے طرف کے دیشوں میں اس کی خنکی کم ہوتی چلی گئی ہے۔ ہندستان میں سب سے زیادہ نقصان آسام کو پہونچا، اس کے بعد بنگال اور پھو بہار۔ لیکن اتر بہار میں چھوٹی بڑی بہت سی ندیاں بہتی ہیں جن کی وجہ سے اس بارہ میں سارے اتر بہار نے ایک بڑے بھاری سمندر کا سا روپ لے لیا، ایسا سمندر جس کے یورپ میں کسی ندی ہے، پچھم میں گندک ندی، اتر میں ہمالیہ پہاڑ اور دکن میں گنگا۔ اس وجہ سے اتر بہار کو زبردست نقصان پہونچا۔ گندک، بڑھی گندک، لکھن دئی، باگمتی، کسی اور ان کی آنگنتی چھوٹی بڑی شاخیں ایک دوسرے سے مل گئیں۔ اگست کے دوسرے اور تیسرے ہفتہ میں سنت ونوبا جی کے ساتھ ہمارا اتفاق درہنگا ضلع میں پیدل سفر کرنے کا ہوا جب ہم نے بہت نزدیک سے وہاں کی درد بھری حالت کو دیکھا۔

## بارہ پیرت درہنگا میں

اتر بہار کے لوگ بارہ کے عادی ہیں۔ مگر اس سال کے جیسی بارہ شاید کبھی نہیں آئی۔ شاید اسکی وجہ یہ ہے کہ اس بار کی بارہ اس بڑی بارہ کا حصہ ہے جو پچھلی یورپ کے کچھ حصوں سے لے کر تھمے یورپ چین تک آئی اور جس نے سب سے زیادہ تباہی چین میں کی۔ پچھم کے طرف کے دیشوں میں اس کی خنکی کم ہوتی چلی گئی ہے۔ ہندستان میں سب سے زیادہ نقصان آسام کو پہونچا، اس کے بعد بنگال اور پھو بہار۔ لیکن اتر بہار میں چھوٹی بڑی بہت سی ندیاں بہتی ہیں جن کی وجہ سے اس بارہ میں سارے اتر بہار نے ایک بڑے بھاری سمندر کا سا روپ لے لیا، ایسا سمندر جس کے یورپ میں کسی ندی ہے، پچھم میں گندک ندی، اتر میں ہمالیہ پہاڑ اور دکن میں گنگا۔ اس وجہ سے اتر بہار کو زبردست نقصان پہونچا۔ گندک، بڑھی گندک، لکھن دئی، باگمتی، کسی اور ان کی آنگنتی چھوٹی بڑی شاخیں ایک دوسرے سے مل گئیں۔ اگست کے دوسرے اور تیسرے ہفتہ میں سنت ونوبا جی کے ساتھ ہمارا اتفاق درہنگا ضلع میں پیدل سفر کرنے کا ہوا جب ہم نے بہت نزدیک سے وہاں کی درد بھری حالت کو دیکھا۔

بنتے چلے جاتے ہیں۔ پھر جو اس لوٹ کھسوٹ میں ناکام رہتے ہیں ان کے لئے سرکار پمشن دیتی ہے۔ آج ہندستان میں کئی یویدھیوار اور درجے بنے ہوئے ہیں۔ ویل فیئر اسٹیٹ بنانے کے معنی ہوتے ہیں کہ سماج کے اس تعاون میں اور یہی درمیان پیدا کرنا اور ملک کو کمزور بنانا۔

تیسرا اور سب سے اہم خیال یہ ہے کہ باہر سے اگر کسی ملک کا ہمارے ملک پر حملہ ہوتا ہے تو جو مرکز یا کینٹر سے حکم آئیگا وہی لوگ کریں گے۔ مان لیجئے کہ دشمن کے قہر میں آکر یا کسی اور کمزوری سے مرکز نے ہتھیار ڈالنا چاہے تو اس کے معنی ہونے سارے ملک نے ہار قبول کر لی اور اپنی آزادی ختم۔ یا اسی طرح مرکز نے کسی باہری ملک سے کوئی خاص فوجی سہیوتہ کر لیا جیسے پاکستان نے امریکہ سے کیا۔ تو ہمارا ملک دوسرے کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ جب جنگ سے صلح مشورہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے تو جو ناچ دانی والوں کو ناچنا منظور ہو وہی سارے ملک کو ناچنا ہوگا۔

اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ویل فیئر اسٹیٹ میں ملک کے سارے روزگار و کاروبار مرکز کے ہاتھ میں آجاتے ہیں۔ تو ایسی طور پر ہمارے ہندستان جیسے ملک میں جہاں آج اتنی دردناک بیکاری ہے وہاں وہ اور بھی سنگین ہو جائیگی۔

اس طرح جس پہلو بھی دیکھیں ویل فیئر اسٹیٹ کا خیال و نقشہ ہمارے دیش کے لئے نقصان دہ ہی نہیں تباہ کن ہے۔ ہمیں اس وقت راشنریٹی ڈائریکٹر راجیندر پرشاد کے وہ لفظ یاد آ رہے ہیں جو انہوں نے گت 12 اپریل کو بوندہ گیا میں ایک ظاہر سہیا میں کہہ تھے۔ انہوں نے قبول کیا تھا کہ آزادی کے بعد جنگ کا ہم آزاد ہونے کی طرف قدم بڑھانے کی بجائے اسے لئے نئے قانونوں میں باندھتے جا رہے ہیں جس کا نتیجہ اچھا ہی ہوگا ایسا نہیں کہا جاسکتا۔ حال ہی میں کسی صوبہ کے چیف جسٹس نے بی اس طرح کے خیال ظاہر کیے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ویل فیئر اسٹیٹ کا خیال محض ودشی ہی نہیں اس کا نمونہ بھی ہمارے لئے موزوں نہیں ہے۔ اس کے خلاف ہم کو بظاہر ایک ایسا سماج بنا رہے ہیں جس میں درجہ نہ ہو، جو پالی کی مانند ایک ہرس یا سمرس ہو، جہاں حکومت کا ساتھ کم سے کم ہو، یعنی جو شائیں مکت ہو اور جہاں کوئی کسی کو نوچتا یا لوٹتا نہ ہو یعنی جو شوشنیت ہو۔ اسی کو ہم دوسرے لفظوں میں گرام راج کہہ سکتے ہیں۔ گراموں کو خود مختار ہو اور سب مل کر ہندستان کے اس طرح کے جز یا حصے ہوں جیسے ایک جسم کے جز ہاتھ، ناک، کان، سر وغیرہ ہوتے ہیں۔ ایک کی خوشی میں دوسرے کی خوشی ہو اور ایک کے دھ میں دوسرے کا دھ ہو۔ گرام راج میں کوئی فصل اٹنے

بنتے چلے جاتے ہیں۔ پھر جو اس لوٹ کھسوٹ میں ناکام رہتے ہیں ان کے لئے سرکار پمشن دیتی ہے۔ آج ہندستان میں کئی یویدھیوار اور درجے بنے ہوئے ہیں۔ ویل فیئر اسٹیٹ بنانے کے معنی ہوتے ہیں کہ سماج کے اس تعاون میں اور یہی درمیان پیدا کرنا اور ملک کو کمزور بنانا۔

تیسرا اور سب سے اہم خیال یہ ہے کہ باہر سے اگر کسی ملک کا ہمارے ملک پر حملہ ہوتا ہے تو جو مرکز یا کینٹر سے حکم آئیگا وہی لوگ کریں گے۔ مان لیجئے کہ دشمن کے قہر میں آکر یا کسی اور کمزوری سے مرکز نے ہتھیار ڈالنا چاہے تو اس کے معنی ہونے سارے ملک نے ہار قبول کر لی اور اپنی آزادی ختم۔ یا اسی طرح مرکز نے کسی باہری ملک سے کوئی خاص فوجی سہیوتہ کر لیا جیسے پاکستان نے امریکہ سے کیا۔ تو ہمارا ملک دوسرے کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ جب جنگ سے صلح مشورہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے تو جو ناچ دانی والوں کو ناچنا منظور ہو وہی سارے ملک کو ناچنا ہوگا۔

اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ویل فیئر اسٹیٹ میں ملک کے سارے روزگار و کاروبار مرکز کے ہاتھ میں آجاتے ہیں۔ تو ایسی طور پر ہمارے ہندستان جیسے ملک میں جہاں آج اتنی دردناک بیکاری ہے وہاں وہ اور بھی سنگین ہو جائیگی۔

اس طرح جس پہلو بھی دیکھیں ویل فیئر اسٹیٹ کا خیال و نقشہ ہمارے دیش کے لئے نقصان دہ ہی نہیں تباہ کن ہے۔ ہمیں اس وقت راشنریٹی ڈائریکٹر راجیندر پرشاد کے وہ لفظ یاد آ رہے ہیں جو انہوں نے گت 12 اپریل کو بوندہ گیا میں ایک ظاہر سہیا میں کہہ تھے۔ انہوں نے قبول کیا تھا کہ آزادی کے بعد جنگ کا ہم آزاد ہونے کی طرف قدم بڑھانے کی بجائے اسے لئے نئے قانونوں میں باندھتے جا رہے ہیں جس کا نتیجہ اچھا ہی ہوگا ایسا نہیں کہا جاسکتا۔ حال ہی میں کسی صوبہ کے چیف جسٹس نے بی اس طرح کے خیال ظاہر کیے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ویل فیئر اسٹیٹ کا خیال محض ودشی ہی نہیں اس کا نمونہ بھی ہمارے لئے موزوں نہیں ہے۔ اس کے خلاف ہم کو بظاہر ایک ایسا سماج بنا رہے ہیں جس میں درجہ نہ ہو، جو پالی کی مانند ایک ہرس یا سمرس ہو، جہاں حکومت کا ساتھ کم سے کم ہو، یعنی جو شائیں مکت ہو اور جہاں کوئی کسی کو نوچتا یا لوٹتا نہ ہو یعنی جو شوشنیت ہو۔ اسی کو ہم دوسرے لفظوں میں گرام راج کہہ سکتے ہیں۔ گراموں کو خود مختار ہو اور سب مل کر ہندستان کے اس طرح کے جز یا حصے ہوں جیسے ایک جسم کے جز ہاتھ، ناک، کان، سر وغیرہ ہوتے ہیں۔ ایک کی خوشی میں دوسرے کی خوشی ہو اور ایک کے دھ میں دوسرے کا دھ ہو۔ گرام راج میں کوئی فصل اٹنے

यहां बैलफेअर स्टेट बनाने के मानी होंगे कि हमारा खाना पीना, कपड़ा लत्ता, तालीम, दवा दारू, हर चीज में हम सरकार के मोहताज बन जायें और हमारी हर हरकत या बहलपहल सरकार के कन्ट्रोल में रहे. इसका नतीजा यह होगा कि मान लीजिये, जैसा आज है भी, उत्तर बिहार में बाढ़ आई तो उसके मुआयने के लिये नई दिल्ली से बफद या कमीशन आएगा, वह मौका महल की जांच करेगा, देहली वापिस लौट कर अपनी रिपोर्ट पेश करेगा, तब देहली के दफ्तर से पटना के दफ्तर को हुक्म जारी होंगे, फिर पटना के दफ्तर से कलकत्तों के दफ्तरों में काराज दौड़ेंगे, फिर वहां से सबडिविजन या थानों में और तब कहीं काम का नम्बर आयेगा. इस बीच जो जनता बाढ़ से परेशान हो रही है वह तो तबाह ही हो जायेगी, क्योंकि बैलफेअर स्टेट है, एक दूसरे की मदद कोई करेगा नहीं, जो कुछ करे सरकार करे. और इसके साथ साथ मान लीजिये कि गोदावरी नदी में भी बाढ़ आ गई. तब देहली वाले सोचेंगे कि आंध्र का मसला ज्यादा भयानक है या उत्तर बिहार का और वह किसे मदद करे या न करे या किसको मदद कम करे और किसको ज्यादा. इतना लम्बा चौड़ा मुल्क, और उसकी सारी ताकत देहली में लाकर समेट दी गई तो इधर जनता हाथ हाथ करेगी, उधर देहली के हुक्म तार और फोन की टन टन से घबरा जायेंगे कि कहाँ जायें कहाँ न जायें, क्या करे क्या न करे. यह बात एक दूसरी मिसाल से ज्यादा साफ हो सकेगी. मान लीजिये इस जहान के बनाने वाले ने यहां बैलफेअर स्टेट बनाने का तय किया होता तो वह अपने सब बन्वों के दिल, दिमाग, नाक, कान, आंख सब अपने पास रखले होते और महज थड़ ब हड्डियां आदमी को दे दी होती. अब किसी को कुछ देखने की जरूरत पड़ी तो आंख के लिये तार भेज रहा है, किसी को चलने की जरूरत पड़ी तो टांग की मांग करता. नतीजा यह होता कि वह इतना परेशान हो जाता, इतना परेशान हो जाता कि उसे दम मारने की भी फर्सत नहीं मिलती. लेकिन उसने यह न करके हर आदमी को स्वावलम्बी बनाया, हर एक को सब साधन दे दिये और आजाद छोड़ दिया. उस का फल यह हुआ कि आज वह क्षीर सागर में ऐसे आराम से सोता है कि बहुत से लोग उसकी हस्ती तक को मानने से इन्कार करते हैं !

बैलफेअर स्टेट का दूसरा खतरनाक पहलू यह है इसमें समाज में भेद भाव शिद्दत से होता है. हर एक कोई एक दूसरे को लूटने व नोचने की कोशिश में रहता है. जो इस फन में ज्यादा माहिर हो गया उसने ज्यादा कमाई कर ली, उसे ज्यादा सहूलियत हासिल हो गई और वह उतना ही बड़ा आदमी हो गया, चाहे वह ब्योपार में हो या सरकारी मुलाजिम में. इस तरह ऊपर से नीचे तक दर्जे पर दर्जे

पैल विल फिटर अस्थित बनाने के मनी होंगे कि हमारा पैना, कपड़ा लत्ता, तालीम, दवा दारू, हर चीज में हम सरकार के मोहताज बन जायें और हमारी हर हरकत या बहलपहल सरकार के कन्ट्रोल में रहे. इसका नतीजा यह होगा कि मान लीजिये, जैसा आज है भी, उत्तर बिहार में बाढ़ आई तो उसके मुआयने के लिये नई दिल्ली से बफद या कमीशन आएगा, वह मौका महल की जांच करेगा, देहली वापिस लौट कर अपनी रिपोर्ट पेश करेगा, तब देहली के दफ्तर से पटना के दफ्तर को हुक्म जारी होंगे, फिर पटना के दफ्तर से कलकत्तों के दफ्तरों में काराज दौड़ेंगे, फिर वहां से सबडिविजन या थानों में और तब कहीं काम का नम्बर आयेगा. इस बीच जो जनता बाढ़ से परेशान हो रही है वह तो तबाह ही हो जायेगी, क्योंकि बैलफेअर स्टेट है, एक दूसरे की मदद कोई करेगा नहीं, जो कुछ करे सरकार करे. और इसके साथ साथ मान लीजिये कि गोदावरी नदी में भी बाढ़ आ गई. तब देहली वाले सोचेंगे कि आंध्र का मसला ज्यादा भयानक है या उत्तर बिहार का और वह किसे मदद करे या न करे या किसको मदद कम करे और किसको ज्यादा. इतना लम्बा चौड़ा मुल्क, और उसकी सारी ताकत देहली में लाकर समेट दी गई तो इधर जनता हाथ हाथ करेगी, उधर देहली के हुक्म तार और फोन की टन टन से घबरा जायेंगे कि कहाँ जायें कहाँ न जायें, क्या करे क्या न करे. यह बात एक दूसरी मिसाल से ज्यादा साफ हो सकेगी. मान लीजिये इस जहान के बनाने वाले ने यहां बैलफेअर स्टेट बनाने का तय किया होता तो वह अपने सब बन्वों के दिल, दिमाग, नाक, कान, आंख सब अपने पास रखले होते और महज थड़ ब हड्डियां आदमी को दे दी होती. अब किसी को कुछ देखने की जरूरत पड़ी तो आंख के लिये तार भेज रहा है, किसी को चलने की जरूरत पड़ी तो टांग की मांग करता. नतीजा यह होता कि वह इतना परेशान हो जाता, इतना परेशान हो जाता कि उसे दम मारने की भी फर्सत नहीं मिलती. लेकिन उसने यह न करके हर आदमी को स्वावलम्बी बनाया, हर एक को सब साधन दे दिये और आजाद छोड़ दिया. उस का फल यह हुआ कि आज वह क्षीर सागर में ऐसे आराम से सोता है कि बहुत से लोग उसकी हस्ती तक को मानने से इन्कार करते हैं !

विल फिटर अस्थित का दूसरा खतरनाक पहलू यह है कि इस में समाज में भेद भाव शिद्दत से होता है. हर एक कोई एक दूसरे को लूटने व नोचने की कोशिश में रहता है. जो इस फन में ज्यादा माहिर हो गया उसने ज्यादा कमाई कर ली, उसे ज्यादा सहूलियत हासिल हो गई और वह उतना ही बड़ा आदमी हो गया, चाहे वह ब्योपार में हो या सरकारी मुलाजिम में. इस तरह ऊपर से नीचे तक दर्जे पर दर्जे

یہاں پر تیسرے تہرہ پر وچار کریں گے۔ اس کا نام ہے "Planned development" (پلانڈ ڈیولپمنٹ) یا نی योजना بوند विकास. इस ठेहराव का पहला जुमला यह है—

"The objective of the Congress is the establishment of a co-operative Commonwealth and a Welfare State."

(कांग्रेस का मकसद है कि एक को-ऑपरेटिव कामन-वैल्थ और एक वेलफेअर हुकूमत कायम की जाये)

पाठक देखेंगे कि "को-ऑपरेटिव कामनवैल्थ" और "वेलफेअर" इन दो ख्यालों के लिये हम कोई देसी लफ्ज नहीं दे सके और हमारा ख्याल है कि ऐसा करना नामुमकिन नहीं तो मुश्किल जरूर है क्योंकि उनके पीछे जो विचार है वह क्रतई अंग्रेजी या मराठी है. यों "वेलफेअर" स्टेट की जगह "कल्याण राज" लफ्ज लिखे जाने लगे हैं लेकिन "वेलफेअर" और "कल्याण" में बहुत भारी फर्क है, शायद उसी तरह का फर्क है जैसा "Stateless" और "शासन मुक्त" में. कैसी बदक्रिस्मती की बात है कि हिन्दुस्तान जैसे आजाद मुल्क की कांग्रेस जैसी बड़ी और पुरानी संस्था या पार्टी का मकसद ऐसे लफ्जों में जाहिर किया जाये जिसको बाहर वाले तो समझ सकें पर खुद हिन्दुस्तान के लोग नहीं. इससे इस संस्था की गरीब ख्याली का पता चलता है और यह भी साफ मालूम हो जाता है कि उसके सोचने का ढंग किस क्रदर प्रदेसी है. जहां विचार या ख्याल की मोहताजगी है वहां किस तरह लोगों के अन्दर नई जान फूँकी जा सकती है हम नहीं समझ सकते.

मामूली तौर से "वेलफेअर" के मानी हैं "बेहतरी." कहते भी हैं कि मैं आपका "वेलफेअर" यानी "बेहतरी" चाहता हूँ. इधर बन्द बरसों से ही इंगलैन्ड और अमरीका में "वेलफेअर स्टेट" का ख्याल बुलन्द हुआ है और आम जनता की तरफ से न उठकर हुकूमती दायरों की तरफ से उठा है. उसकी तह में यह जज्बा है कि रिआया की बेहतरी का जिम्मा सरकार का है. चुनावे जिन्दगी के ज्यादा से ज्यादा पहलुओं पर सरकार को हावी होना चाहिये. यही वजह है कि आज इंगलैन्ड और अमरीका में, बूढ़े लोग हों या बेरोजगार जवान हों, उनकी परवरिश हुकूमत करती है और बतौर पैन्शन के उन्हें कुछ देती है. वहां आये दिन हर चीज के लिये कानून बनते चले जा रहे हैं, मानो जनता दिन दिन अपाहिज होती जा रही हो. मगर और इंगलैन्ड और अमरीका के पास दौलत, दूसरे मुल्कों पर उनका गुम या जाहिर असर है और दुनिया के वह साहूकार भी ठेहरे, जिस बजह से वह इस तरह पैन्शन दे सकते और अपना काम चला सकते हैं. लेकिन हमारे देस की तो हालत ही दूसरी है.

یہاں پر تیسرے تہرہ پر وچار کریں گے۔ اس کا نام ہے "Planned development" (پلانڈ ڈیولپمنٹ) یعنی योजना بوند विकास۔ اس تہرہ کا پہلا جملہ یہ ہے—

"The objective of the Congress is the establishment of a co-operative commonwealth and a Welfare State"

(کانگریس کا مقصد ہے کہ ایک کو-آپریٹو کامن ویلتھ اور

ایک ویلفیئر حکومت قائم کی جائے)

پاٹھک دیکھیں گے کہ "کو-آپریٹو کامن ویلتھ" اور "ویلفیئر" ان دو خیالوں کے لئے ہم کوئی دیسی لفظ نہیں دے سکے اور ہمارا خیال ہے کہ ایسا کرنا ناممکن نہیں ہو مشکل ضرور ہے کیونکہ ان کے پیچھے جو وچار ہے وہ قطعی انگریزی یا مغربی ہے. یوں "ویلفیئر اسٹیٹ" کی جگہ "کلیان راج" لفظ لکھے جانے لگے ہیں لیکن "ویلفیئر" اور "کلیان" میں بہت بھاری فرق ہے، شاید اسی طرح کا فرق ہے جیسا "Stateless" اور "شاسن مکت" میں. کیسی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہندستان جیسے آزاد ملک کی کانگریس جیسی بڑی اور پرانی سائنس یا پارٹی کا مقصد ایسے لفظوں میں ظاہر کیا جائے جس کو باہر والے تو سمجھ سکیں پر خود ہندستان کے لوگ نہیں. اس سے اس سنسٹھا کی غریب خیالی کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی صاف ملامت ہو جاتا ہے کہ اس کے سوچنے کا ڈھنگ کس قدر پردہسی ہے. چہاں وچار یا خیال کی محتاجگی ہے وہاں کس طرح لوگوں کے اندر نئی جان بھونکی جا سکتی ہے ہم نہیں سمجھ سکتے.

معمولی طور سے "ویلفیئر" کے معنی ہیں "بہتری." کہتے بھی ہیں کہ میں آپ کا "ویلفیئر" یعنی "بہتری" چاہتا ہوں. ادھر چند برسوں سے ہی انگلینڈ اور امریکہ میں "ویلفیئر اسٹیٹ" کا خیال بلند ہوا ہے اور عام چلتا کی طرف سے نہ آئے کر حکمرانی دانوں کی طرف سے آئے ہیں. اس کی تم میں یہ جذبہ ہے کہ ربایا کہ بہتری کا ذمہ سرکار کا ہے. چنانچہ زندگی کے زیادہ سے زیادہ پہلوؤں پر سرکار کو حاوی ہونا چاہیے. یہی وجہ ہے کہ آج انگلینڈ و امریکہ میں، بڑے لوگ ہوں یا بے روزگار جوان ہوں، ان کی پرورش حکومت کرتی ہے اور بطور پینشن کے انہیں کچھ دیتی ہے. وہاں آئے دن ہر چیز کے لئے قانون بننے چلے جا رہے ہیں، مانو چنتا دن دن ایلیج ہوئی جا رہی ہو. مگر خیر انگلینڈ اور امریکہ کے پلس دولت، دوسرے ملکوں پر ان کا گہر یا ظفر اثر ہے اور دنیا کے وہ ساہوکار بھی تہرے، جس وجہ سے وہ اس طرح پنشن دے سکتے اور اپنا کام چلا سکتے ہیں. لیکن ہمارے دیس کی تو حالت ہی دوسری ہے.

رتن، ”معلیٰ“ ”راج رتن“ اور ”پدم دیپشن“ ”معلیٰ“  
 ”سرکار دیپشن“۔ تو جیسا راج دیسا ان کا رتن  
 اور دیسا ان کا دیپشن۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آدمی  
 کی اصلی قابلیت پائلر کی اتنی قدر نہیں ہوگی جتنی  
 اس بات کی کہ حکومت کی نگاہ میں وہ کہاں تک اور کتنا  
 اُپدیگ ہے اور آج وقت کام آنے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام  
 جنتا کی نگاہ میں میڈل کی عزت نہیں دیتی اور شاید اسی  
 وجہ سے پرانے زمانے میں ہمارے ’رشی‘ منی اور دیوانوں نے  
 میڈل یا خطاب کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

اس سلسلہ میں ایک خیال اور یہی آتا ہے ۔ وہ یہ کہ شہری راجا جی اور ڈاکٹر رادھا کرشنن کو ”ہارت رتن“ کے میڈل سے کیا نئی عزت یا نئی پرویز حاصل ہونے والی ہے ؟ شاید اِس میں پانے والے کی اتنی عزت نہیں جتنی کہ دیانے والے کی ۔ مگر دل میں ایک اور یہی خیال اُٹھتا نہیں رہتا کہ جب ڈاکٹر رادھا کرشنن آپ راشٹر پتی ہیں تو انہیں کو میڈل دینا کہلی تک شوہرا کی بات ہے ۔ ہم ڈاکٹر رادھا کرشنن کو اپنے ملک کی بہت اعلیٰ عسٹریوں میں شمار کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ وہ ہندستان کے اُن چند خدمتگاریں میں سے ہیں جنہوں نے ملک کی عزت کو چار چاند لگائے ہیں اور دنیا میں اُس کی شہانہ بڑھائی ہے ۔ لیکن اُس وقت تو وہ صرف ایک کو ”راشٹر پتی کو چھوڑ کر“ حکومت کے سب سے بڑے عہددار ہیں ۔ راشٹر پتی کی غیر حاضری میں وہی اُن کا سب کالم انجام دیتے ہیں ۔ اِس طرح یہ میڈل اپنے دوارا ہی اپنے کو دنیا جیسا ملکتا ہے ۔ ایشور نہ کرے کہ اُنکے چل کر موجودہ سرکار یا دوسری سرکاریں خود اپنے حاکموں کو اُس طرح میڈل دینا شروع کر دیں۔ تب تو کیا سرکار اور کہا پبلک، دونوں کے لئے شرم کی بات ہوگی ۔

ہم بڑے ادیب کے ساتھ کہنا چاہتے ہیں کہ ان مہذبوں سے کل ملا کر ہمیں خوشی نہیں ہوئی اور سرکار کے اس کارنامے پر نام ایسے مبارکباد نہیں دے سکتے۔ ہم سفارش کریں گے کہ سرکار اس طرح کے ناحق ہرجم اپنے اوپر نہ لے اور جو خطاب یا مہربانی جیسے ملنا ہے وہ جتنا کی طرف سے آپ سے ملنا دے۔ جیسی جس کی خدمت ہوگی جتنا خود ایسے ویسے نام سے پکارے گی، جیسے اس نے تلبک کو لوکمانیہ اور گندھی کو مہاتما کہا اور نہیں رکھے گی۔

22. 8. '54

”ویل فیئر اسٹیت“ بنام گرام راج

جوائی مہینے میں کل ہند کانگریس کمیٹی کی ایک بینک اجلاس میں ہوئی۔ اس میں کل 13 ٹھہراؤ پس ہوئے۔ اس میں سے کئی ممبروں ہیں۔ لیکن ہم اس وقت

## چار مہڈیل !

تاریخ 15 اگست کو نئی دہلی سے राष्ट्रपति کی طرف سے ایک عجیب و غریب اعلان نکلا۔ اس اعلان میں دو طرح کے یا کہنا چاہئے چار طرح کے، میڈیوں کی تقسیم کا اظہار کیا گیا:—“بھارت-رتن” میڈیل اور “پدما-বিভূষণ” میڈیل میں تین درجے یا درجے کیے گئے۔ پہلا درجہ، دوسرا درجہ اور تیسرا درجہ۔ اس اعلان میں یہ بتایا گیا ہے کہ بھارت کے دھان کی دھارا 18 کے مطابق خطاب نہیں ہائے جاسکتے لیکن دیہی کے بڑے بڑے سائنس دان، انجینیر، کلاکار وغیرہ کو ان کے کام کے صلے میں یہ میڈیل دئے جارہے ہیں۔

آرمیچی دستور کے متاثرین میڈیل جاتی پر لڑکاٹ جاتے ہیں اور دربار یا خوشی یا جلسہ کے موقع پر لوگ انہیں لگا کر آتے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ سر، خان بہادر، یا رائے بہادر کی طرح لوگ اپنے نام کے آگے “بھارت رتن” یا “پدما-বিভূষণ” لکھ سکیں، یہ کوئی اہمیت کی چیز نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میڈیوں کی ضرورت کیا پڑی؟ جواب ہوگا کہ سیواؤں کے عیوض میں دئے گئے ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کا بھی اُتسارہ بڑھے۔ تو کیا ہم اس کے یہ معنی لگائیں کہ آزاد ہندوستان میں بڑے یا اونچے کام کی طرف لوگوں کے اندر پروینا پیدا کرنے کے لئے اس وقت تک چاہیں اونچی تنخواہیں دی جاتی ہیں اب (آزادی کے سات سال بعد) میڈیل کی بھی درکار محسوس ہونے لگی۔ کوئی کہیگا کہ یہ انسانی کمزوری (Human weakness) ہے لیکن ہم اسے اپنے ملک کی بدقسمتی سمجھتے ہیں کہ خدمت کرنے یا فیک کی کام کرنے کے لئے سولے یا چاندی کے میڈیوں سے ہمیں بہلا دیا جائے۔ انگریزوں نے اونچی تنخواہ کا قاعدہ جاری کیا کیونکہ انہیں خود اونچی تنخواہیں لینی تھیں اور چاہتیں تھیں یہیں ہیرم نے اس قاعدہ کو جاری رکھا ہے جس کی وجہ سے جسمانی کام کو یا شاتھ سے معذرت کرنے کو جس نفرت کے ساتھ پہلے دیکھا جاتا تھا آج بھی اس طرح دیکھا جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اس دستور کو ختم کرتے، میڈیل ہائے کا سلسلہ اور جاری کر دیا۔ آگے چل کر ان میڈیل والوں یا ان کے چاہنے والوں کی ایک جات ہی کھڑی ہو جائے والی ہے جو حکومت کی خوشنودی کے فن میں اپنے کو ملے کر لیتی ہے۔ کل نتیجہ یہ ہوگا کہ اچھی پروینائیں پیدا ہونے کے بجائے مسلسل پروینائیں پیدا ہونگی اور لوگوں کے آپس کے فرق اور ہی بڑھائے۔

ظاہر ہے کہ ہر سرکار انعام، اکرم یا میڈیل اپنی برہمی کے مطابق تقسیم کرتی ہے۔ یعنی “بھارت

## چار میڈیل !

تاریخ 15 اگست کو نئی دہلی سے राष्ट्रपति کی طرف سے ایک عجیب و غریب اعلان نکلا۔ اس اعلان میں دو طرح کے یا کہنا چاہئے چار طرح کے، میڈیوں کی تقسیم کا اظہار کیا گیا:—“بھارت-رتن” میڈیل اور “پدما-বিভূষণ” میڈیل میں تین درجے یا درجے کیے گئے۔ پہلا درجہ، دوسرا درجہ اور تیسرا درجہ۔ اس اعلان میں یہ بتایا گیا ہے کہ بھارت کے دھان کی دھارا 18 کے مطابق خطاب نہیں ہائے جاسکتے لیکن دیہی کے بڑے بڑے سائنس دان، انجینیر، کلاکار وغیرہ کو ان کے کام کے صلے میں یہ میڈیل دئے جارہے ہیں۔

آرمیچی دستور کے متاثرین میڈیل جاتی پر لڑکاٹ جاتے ہیں اور دربار یا خوشی یا جلسہ کے موقع پر لوگ انہیں لگا کر آتے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ سر، خان بہادر، یا رائے بہادر کی طرح لوگ اپنے نام کے آگے “بھارت رتن” یا “پدما-বিভূষণ” لکھ سکیں، یہ کوئی اہمیت کی چیز نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میڈیوں کی ضرورت کیا پڑی؟ جواب ہوگا کہ سیواؤں کے عیوض میں دئے گئے ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کا بھی اُتسارہ بڑھے۔ تو کیا ہم اس کے یہ معنی لگائیں کہ آزاد ہندوستان میں بڑے یا اونچے کام کی طرف لوگوں کے اندر پروینا پیدا کرنے کے لئے اس وقت تک چاہیں اونچی تنخواہیں دی جاتی ہیں اب (آزادی کے سات سال بعد) میڈیل کی بھی درکار محسوس ہونے لگی۔ کوئی کہیگا کہ یہ انسانی کمزوری (Human weakness) ہے لیکن ہم اسے اپنے ملک کی بدقسمتی سمجھتے ہیں کہ خدمت کرنے یا فیک کی کام کرنے کے لئے سولے یا چاندی کے میڈیوں سے ہمیں بہلا دیا جائے۔ انگریزوں نے اونچی تنخواہ کا قاعدہ جاری کیا کیونکہ انہیں خود اونچی تنخواہیں لینی تھیں اور چاہتیں تھیں یہیں ہیرم نے اس قاعدہ کو جاری رکھا ہے جس کی وجہ سے جسمانی کام کو یا شاتھ سے معذرت کرنے کو جس نفرت کے ساتھ پہلے دیکھا جاتا تھا آج بھی اس طرح دیکھا جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اس دستور کو ختم کرتے، میڈیل ہائے کا سلسلہ اور جاری کر دیا۔ آگے چل کر ان میڈیل والوں یا ان کے چاہنے والوں کی ایک جات ہی کھڑی ہو جائے والی ہے جو حکومت کی خوشنودی کے فن میں اپنے کو ملے کر لیتی ہے۔ کل نتیجہ یہ ہوگا کہ اچھی پروینائیں پیدا ہونے کے بجائے مسلسل پروینائیں پیدا ہونگی اور لوگوں کے آپس کے فرق اور ہی بڑھائے۔

ظاہر ہے کہ ہر سرکار انعام، اکرم یا میڈیل اپنی برہمی کے مطابق تقسیم کرتی ہے۔ یعنی “بھارت



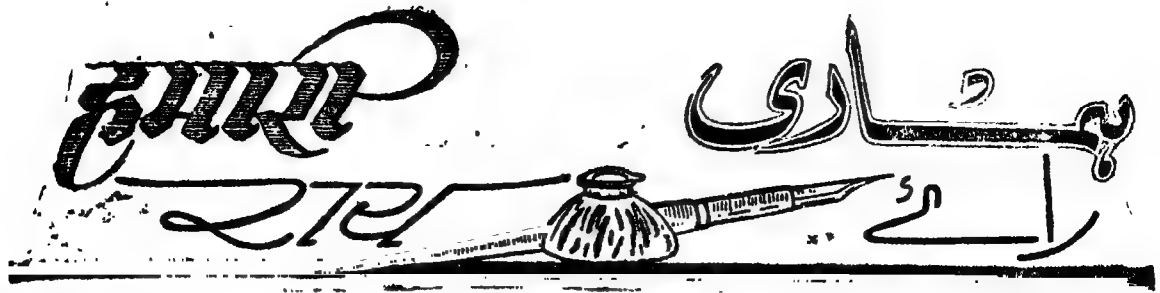
لوگوں کی جان کے مقابلے اپنی شان کو زیادہ اڑنچا سمجھے۔  
 اس ٹھہراؤ سے بھی یہ نہیں صاف صاف پتا چلتا  
 کہ کیا سماج وادی سرکار کسی موقع پر گولی چلانے کی  
 چہوت دیکھی یا نہیں؟ اس طرح کانگریس پردھان کا  
 خط اور پرچا سماج وادی پارٹی کے ٹھہراؤ دونوں اس بات میں  
 چپ ہیں کہ سرکار کی طرف سے گولی چلنی چاہئے یا نہیں۔  
 اور اگر چلے تو کہا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان  
 دونوں کے پیچھے ایک ہی جذبہ کم کر رہا ہے—وہ یہ کہ اپنے  
 گھریلو معاملے میں ہم کو اعلیٰ اور شانتی کے راستے سے ملے کر لینے

چاہئے۔  
 لیکن سب معاملوں میں، خاص کر آرتھک معاملوں میں،  
 دو فریقوں میں سے ایک فریق سرکار ضرور رہتی ہے۔ اس لئے ہمارا  
 خیال ہے کہ ہمارے دیہ میں شانتی یا امن کا راتواروں تب  
 تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک سرکار اپنے پر کچھ پابندی نہ  
 کرے اور پولس یا مہلتی کی گولی کا سہارا نہ لے۔ اس واسطے  
 ہندستان میں لوگ شاہی راجہ کے خوبصورتی اور شانتی کے  
 ساتھ چلنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سرکار کی طرف سے یہ صاف  
 ظاہر ہو جائے کہ دیہ کے بہتری معاملوں میں وہ گولی یا  
 ہنسا کا راستہ نہیں اختیار کرے گی۔

اس سلسلے میں، پانچویں کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ  
 تاریخ 22 جولائی کو، بیوپا (مظفرپور ضلع) گوں میں پرانہ  
 پرچوں میں شری دتھو جی نے کیا کہا تھا؟ ان کی رائے ہے:

ساروچنک کارپورٹا ہیں یوں سوالوں کو لے کر اپنے  
 آندولن یا تحریک چلاتے رہیں۔ لیکن وہ اس بات کا  
 دھیان رکھیں کہ کسی موقع پر بھی ہنسا کا راستہ نہ لیا  
 جائے۔ اسی طرح سے سرکار کو بھی یہ اعلان کر دینا چاہئے  
 کہ دیہ کے معاملوں میں وہ کبھی ہندو کا استعمال  
 نہیں کرے گی۔

یہ مسئلہ ایسا گہرا ہے کہ جس پر کیا سرکاری اہلکار اور  
 کیا راجنک یا سماجک کارپورٹا، سب کو اس پر گہرائی سے  
 غور کرنا چاہئے۔ کیا ہم یہ اہد کریں کہ کانگریس اور پرچا  
 سماج واد پارٹیاں کے لوگ—اپنی نجی ساروچنک حیثیت  
 میں اور سرکاری شاسن کے اہلکار کی حیثیت میں—یہ  
 ظاہر کریں کہ اپنی ذمہ داریوں اور فرض کو نبھانے میں وہ ہنسا  
 کی طاقتوں کا اشتعال اب نہیں لینگے۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو  
 اس سے ملک کو ایک بڑی اچھی رہنمائی حاصل ہوگی۔ اس  
 سے لوگوں کے اندر ایک زبردست اتم وشولس پیدا ہوگا۔ اس  
 سے ہمارے شانتی اور ترقی کا راستہ کھل جائے گا اور ہم دنیا  
 کی نگاہ میں بھی، صحیح معنی میں، اڑنچا اٹھائیں گے۔



## دش کی مانگ

## دیش کی مانگ

حال ہی میں پंडित جवाہر لال نہرو نے प्रदेश कांग्रेस کمیٹیوں کے সভাপتی کے نام ایک چٹھی بھیجی ہے۔ اُس میں انہوں نے اس بات پر بڑا دھکم ڈھکا ظاہر کیا ہے کہ ہمارے ساروجنک جیوں میں لوگوں کا جھگڑا کسی نہ کسی طرح کی ہنساکم کرروائی کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ اس تھنگ کو انہوں نے خطرناک کہا ہے اور لوکشاہی راجیہ کی جز کے خلاف بتایا ہے۔ اُن کا یہ بھی کہنا ہے :

جب ہم اپنی آزادی کی لڑائی لڑ رہے تھے تو ہنساکم کے خلاف تھے۔ ایسی صورت میں آج جب ہم نے آزادی حاصل کر لی ہے، تب ہمیں ہنساکم کے اور بھی خلاف ہونا چاہئے۔ آج کل تو اپنے سرائوں کو حل کرنے کے لئے ہمارے پاس لوکشاہی سائنس اور مشینری ہی موجود ہے۔

کانگریس پر دھنکان کی اس سوچنا کا ہم دل سے سواکت کرتے ہیں۔ اُن کا یہ صلاح دینا کہ اب ہم کو اپنے سوال حل کرنے میں ہندوک یا دندے کی مدد نہیں لیننی چاہئے بہت ہی سہاؤنی صلاح ہے۔ لیکن اُن کی چٹھی سے یہ نہیں پتہ چلتا کہ کیا وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے سبھی پرائیویٹ اور گھنڈریہ سرکاری گھریلو معاملوں میں ہنساکم کا سہارا لینا چیز دیں اور اُن کی پولیسوں آدی کیوں شانتی مٹے طریقوں پر چلتا کی سیوا کریں۔ تھوڑے دن ہوئے ٹراونکٹر-کوچین پردیش میں گولی چلی تھی۔ اُس گھنڈا پر پرچا ساجادی پارٹی نے اپنا بہت افسوس برکت کیا اور تھوڑے دن ہوئے جب دلی میں اُس کی گاریہ سمتی کی پیٹریک ہوئی، تو ایک پرستار یہی پرچا ساجادی پارٹی نے پاس کیا۔ اُس میں کہا گیا ہے کہ جب یہ تر ہو نہ چلتا کی طرف سے اینٹ پتھر پھینکے جائینگے، یا یہ سبھی جگہ کہ ہنساکم کوئی اور خطرناک روپ لے لیگی یا اُس سے شانتی کو خطرہ پیدا ہوگا، تو ایسی حالتوں میں پولس کا کوئی چلانا یا لوگوں کو مارنا انصاف سے دور ہے۔ اور کوئی بھی لوکشاہی سرکار یہ نہیں برداشت کریگی کہ

## سुনিہے کا کا ساہب !

لکھنے والی—رہانا تہیاب جی؛ نیکالنے والے—  
ہندوستانی پرچار سما؛ لکھاوت—ہندی؛ سہ—270؛  
دام—دو روپیا چار آنا۔

تہیاب جی خاندان سے آزادی کے آندولن سے دل-  
چسپی رکھنے والے سبھی واقف ہیں۔ ریکانہ جی اسی باغ کی ایک پھل  
ہیں۔ کا صاحب نے اچھا ظاہر کی کہ ریکانہ جی اپنے خاندان  
کے بارے میں انہیں کچھ سناہیں اور انہوں نے کہا—سہ—  
کا صاحب ! یہ نام ریکانہ جی کی شیلی سے مل گیا ہے۔  
اُن کی قلم ایسی چلتی ہے جیسی اُن کی زبان چلتی ہو۔  
کہیں ہنات نہیں، سیدھی سہات بات ! جیسے دو آدمی باتیں  
کر رہے ہوں۔

ریکانہ جی پارسہ ہیں، انگریزی وادارن میں رہیں،  
کچرائی انگریزی کے بعد اُن کی بھاشا بنی۔ پر ہندی وہ اتنی  
اچھی لکھ لیتی ہوں کہ دیکھ کر آسچریہ ہوتا ہے۔

یہ کتاب ایسے تو ایک بڑے خاندان کا لکھن ہے۔ پر اِس  
کے آگے اِس کتاب کا رستار ہے۔ یہ ایک سہ کا ایک سہ-  
ساجی اہلس ہے۔ اِس میں بڑے اچھے قصوں کا ذکر ہے، اُن  
سے سبق ملتے ہیں، اُنہوں نے ہمارے جیون پر کیا اثر ڈالا، اِس  
کی جھانکی ملتی ہے۔

ایک بار جو اِس پستک کو اُٹھالے گا وہ اِسے بنا پورا کئے نہ  
چھوڑے گا، یہ مجھے وشواس ہے۔ اتنی اچھی پستک اور خراب  
چھپائی، یہ دیکھ کر من کہہ جاتا ہے۔ آشا ہے پرکشک دوبارہ اچھے  
ٹائپ میں اِس آندول رتن کو چھاپیں گے۔  
—مصطفیٰ حیدر نقوی

## بھودان تھریک کا ساہب

لکھنے والے—محمّد حسین انصاری تہاگی؛ نیکالنے  
والے—انصاری منزل بھدرہی (بنارس)؛ لکھاوت—اردو؛ سہ—  
23؛ دام—چار آنہ۔

محمّد حسین انصاری نے گاंधی جی کی بھوت  
سہا کی ہے۔ مہاتما جی نے اپنے خط میں انہیں لکھا ہے—  
”جس طرح تم نے ہماری سہا کی ہے ویسے ہی دس کی کرتے رہو“  
میں تم کو اب بھی اپنا بیٹا ہی مانتا ہوں۔“ انصاری صاحب  
گاندھی بہت ہیں اور گاندھی جی کے اصولوں پر چلتا چمکتے  
ہیں۔ آجکل ونبہاجی کے بھودان پر اپنی ساری طانت لگائے  
ہیں۔ سرورودے سہتہ اردو میں بہت کم ہے۔ انصاری صاحب  
نے یہ کتاب لکھ کر بھودان کا پرچم اردو پریمی جنتا سے  
کرایا ہے۔

اِس کتاب میں بھودان کی تحریک، اُس کی شروعات،  
اُس کے روشن، اُس کی ترقی، سب پر تھوری تھوری روشنی  
پڑتی ہے اور گلاب والے جو شہدوں کے ہوندر میں نہیں پستتا  
اِس کتاب کو پڑھ کر بھودان کو جوئے طور پر اچھی طرح سمجھ  
سکتا ہے۔  
—مصطفیٰ حیدر نقوی

## سہیئے کا کا صاحب !

لکھنے والی—ریکانہ تہیاب جی؛ نکالنے والے—ہندوستانی  
پرچار سما؛ لکھاوت—ہندی؛ سہ—270؛ دام—دو روپیا  
چار آنہ۔

ریکانہ جی خاندان سے آزادی کے آندولن سے دلچسپی  
رکھنے والے سبھی واقف ہیں۔ ریکانہ جی اسی باغ کی ایک پھل  
ہیں۔ کا صاحب نے اچھا ظاہر کی کہ ریکانہ جی اپنے خاندان  
کے بارے میں انہیں کچھ سناہیں اور انہوں نے کہا—سہ—  
کا صاحب ! یہ نام ریکانہ جی کی شیلی سے مل گیا ہے۔  
اُن کی قلم ایسی چلتی ہے جیسی اُن کی زبان چلتی ہو۔  
کہیں ہنات نہیں، سیدھی سہات بات ! جیسے دو آدمی باتیں  
کر رہے ہوں۔

ریکانہ جی پارسہ ہیں، انگریزی وادارن میں رہیں،  
کچرائی انگریزی کے بعد اُن کی بھاشا بنی۔ پر ہندی وہ اتنی  
اچھی لکھ لیتی ہوں کہ دیکھ کر آسچریہ ہوتا ہے۔

یہ کتاب ایسے تو ایک بڑے خاندان کا لکھن ہے۔ پر اِس  
کے آگے اِس کتاب کا رستار ہے۔ یہ ایک سہ کا ایک سہ-  
ساجی اہلس ہے۔ اِس میں بڑے اچھے قصوں کا ذکر ہے، اُن  
سے سبق ملتے ہیں، اُنہوں نے ہمارے جیون پر کیا اثر ڈالا، اِس  
کی جھانکی ملتی ہے۔

ایک بار جو اِس پستک کو اُٹھالے گا وہ اِسے بنا پورا کئے نہ  
چھوڑے گا، یہ مجھے وشواس ہے۔ اتنی اچھی پستک اور خراب  
چھپائی، یہ دیکھ کر من کہہ جاتا ہے۔ آشا ہے پرکشک دوبارہ اچھے  
ٹائپ میں اِس آندول رتن کو چھاپیں گے۔  
—مصطفیٰ حیدر نقوی

## بھودان تحریک کا خاکہ

لکھنے والے—محمّد حسین انصاری تہاگی؛ نکالنے والے—  
انصاری منزل بھدرہی (بنارس)؛ لکھاوت—اردو؛ سہ—  
23؛ دام—چار آنہ۔

محمّد حسین صاحب انصاری نے گاندھی جی کی بہت  
سہا کی ہے۔ مہاتما جی نے اپنے خط میں انہیں لکھا ہے—  
”جس طرح تم نے ہماری سہا کی ہے ویسے ہی دس کی کرتے رہو“  
میں تم کو اب بھی اپنا بیٹا ہی مانتا ہوں۔“ انصاری صاحب  
گاندھی بہت ہیں اور گاندھی جی کے اصولوں پر چلتا چمکتے  
ہیں۔ آجکل ونبہاجی کے بھودان پر اپنی ساری طانت لگائے  
ہیں۔ سرورودے سہتہ اردو میں بہت کم ہے۔ انصاری صاحب  
نے یہ کتاب لکھ کر بھودان کا پرچم اردو پریمی جنتا سے  
کرایا ہے۔

اِس کتاب میں بھودان کی تحریک، اُس کی شروعات،  
اُس کے روشن، اُس کی ترقی، سب پر تھوری تھوری روشنی  
پڑتی ہے اور گلاب والے جو شہدوں کے ہوندر میں نہیں پستتا  
اِس کتاب کو پڑھ کر بھودان کو جوئے طور پر اچھی طرح سمجھ  
سکتا ہے۔  
—مصطفیٰ حیدر نقوی

# کتابچہ کتابیں

## ہندی پاٹا، ولی — دوسری کتاب

سंपादक—गिरिराज किशोर, नरेन्द्र अंजुरिया; निकालने वाले—गुजराती विद्यापीठ, अहमदाबाद; लिखावट—हिन्दी; सके—178; दाम—एक रुपया चार आना.

یہ ہندی پاٹا، ولی نے اپنی تیسری پریکشا کے لئے تیار کی ہے۔ اس میں گدیہ اور پدیہ دونوں ہیں۔ اس سنکڑے میں پڑھنے اور کاویوں کے چننے میں پشاشا کی سولتا اور اس کے بہاؤ کا خیال رکھا گیا ہے۔

یہ ہندی ہمارے پاٹا، ولیوں سے بیکھل اہلگ ہے۔ ہمارے ہندی کے کٹین، ٹس، نیروس اور بے متلےب سی اس کے سکاہیلے میں دیال پکاتی ہے۔ اس ہندی سے ہمیں پیرنا لینی چاہیے۔

ہندی کے ویکاس میں اہندی ہاشیوں نے شاید اہیک سہیوگ دیا ہے، ہم تو کھول روڑے ہی اٹکاٹے رہے ہیں۔ ہمارے ہندی پر سہرا دی ہے کہ ہدی کوئی تھوڑا کرے تو ہم اہیک آہار مانٹے ہیں۔ پر ہم یہ سب کچھ بھول گئے ہیں۔ آج اہندی ہاشی، لیکھوں کی رچنائیں ہمارے کرس میں کہاں ہیں؟ دکھیں میں بہت سے ہندی پرچارک ہندی میں رچنائیں کرتے ہیں، پر ہم اپنے ہمنڈ میں انہیں کوئی استیان نہیں دیتے۔

ہندی پاٹا، ولی نے یہ ہندی تیار کر کے ہمیں راستہ دکھایا ہے۔ اس میں ہندی کے لیکک اور اہندی ہاشی لیککوں کی رچنائیں ایک ساٹ رخی گئی ہیں، اس میں اردو کے ساٹ بھی بھدہاؤ نہیں برتا گیا۔ یہ ہے وہ ہندی جو سب کی ہندی ہوگی، جو راشٹر ہاشا ہوگی۔ ہمارے ہندی کی ہندی اہرگتی شہل اور 'کوب جل' کے سنان ہے، بہتا ہر اس ہندی کی ہندی ہے۔

آہارا ہے ہندی پاٹا، ولی دوسرے سنکڑے بھی شیکھر نکالینی اور سارے دیش میں ان سنکڑوں کا سراکٹ ہوگا۔

—مستفا حیدر نکرہی

## ہندی پاٹا، ولی — دوسری کتاب

سंपादक—गरी राज केशर, नरेंद्र अंजुरिया; निकालने वाले—गुजराती विद्यापीठ, अहमदाबाद; लिखावट—हिन्दी; सके—178; दाम—एक रुपया चार आना.

یہ ہندی ہمارے پاٹا، ولیوں سے بالکل الگ ہے۔ ہمارے ہندی کے کٹین، ٹس، نیروس اور پدیہ دونوں ہیں۔ اس سنکڑے میں پڑھنے اور کاویوں کے چننے میں پشاشا کی سولتا اور اس کے بہاؤ کا خیال رکھا گیا ہے۔

یہ ہندی ہمارے پاٹا، ولیوں سے بالکل الگ ہے۔ ہمارے ہندی کے کٹین، ٹس، نیروس اور پدیہ دونوں ہیں۔ اس سنکڑے میں پڑھنے اور کاویوں کے چننے میں پشاشا کی سولتا اور اس کے بہاؤ کا خیال رکھا گیا ہے۔

ہندی کے وکس میں اہندی ہاشیوں نے شاید اہیک سہیوگ دیا ہے، ہم تو کھول روڑے ہی اٹکاٹے رہے ہیں۔ ہمارے ہندی پر سہرا دی ہے کہ ہدی کوئی تھوڑا کرے تو ہم اہیک آہار مانٹے ہیں۔ پر ہم یہ سب کچھ بھول گئے ہیں۔ آج اہندی ہاشی، لیکھوں کی رچنائیں ہمارے کرس میں کہاں ہیں؟ دکھیں میں بہت سے ہندی پرچارک ہندی میں رچنائیں کرتے ہیں، پر ہم اپنے ہمنڈ میں انہیں کوئی استیان نہیں دیتے۔

ہندی پاٹا، ولی نے یہ ہندی تیار کر کے ہمیں راستہ دکھایا ہے۔ اس میں ہندی کے لیکک اور اہندی ہاشی لیککوں کی رچنائیں ایک ساٹ رخی گئی ہیں، اس میں اردو کے ساٹ بھی بھدہاؤ نہیں برتا گیا۔ یہ ہے وہ ہندی جو سب کی ہندی ہوگی، جو راشٹر ہاشا ہوگی۔ ہمارے ہندی کی ہندی اہرگتی شہل اور 'کوب جل' کے سنان ہے، بہتا ہر اس ہندی کی ہندی ہے۔

آہارا ہے ہندی پاٹا، ولی دوسرے سنکڑے بھی شیکھر نکالینی اور سارے دیش میں ان سنکڑوں کا سراکٹ ہوگا۔

—مستفا حیدر نکرہی

बोली में पचास साठ की सदी द्रावड़ी लफ्ज हैं, चालीस की सदी तुर्की, अरबी, फ़ार्सी, अंग्रेजी वगैरा के। आर्य भाषा के मुश्किल से पांच की सदी लफ्ज होंगे और वह भी ज्यादातर पूजा पाठ के जिनका हमारे जीवन से, हमारे काम धर्मों से, बहुत ही कम वास्ता है।

जो कुछ मैं ऊपर लिख आया हूँ उसका वास्ता बोली से है, लिखी से नहीं। लिखी को पंडित साहित्य भाषा भी कहते हैं जो असल में साहित्य (मरी हुई) ज़बान है। लिखी में आजकल जो धांधली मचाई जा रही है वह सब पर राशन है और ख़ूबी यह कि धांधली मचाने वाले बड़े विद्वान और महावीर गिने जाते हैं, क्योंकि न उन्होंने अपनी बोली कभी पढ़ी और न कोई किताब इल्म बोली की पढ़ी।

तीसरा दृश्य इससे भी अनोखा है। खेती बाड़ी और कपड़ा बुनने को छोड़कर जितने लफ्ज हाथ के काम की बाबत हैं वह लगभग सब तुर्की, फ़ार्सी और दूसरी बिदेसी बोलियों के हैं, रोटी और तवा ही नहीं, पकाना, उबालना, भूना और शायद चलना भी तुर्की है। येही हाल सीने पियरेने का है। सोना पियरेना ही नहीं, तुरपना, बखिया, संजारा, गोड, कुर्ता, पाजामा, कमीज, कांट वगैरा तकरीबन सभी बिदेसी। तुरखान, लांहार, राज, मजदूर के जितने औजार हैं उनका नाम बिदेसी, यहां तक कि मेख, कील, बिरन्जी तीनों लफ्ज तुर्की के। समझ में नहीं आता यह हमारी कोरी भारती सभ्यता जिसपर हम सब नाश करते हैं कितने पानी में थी। और तो और, पढ़ने लिखने में भी कलम, दवात, काराज, स्याही पेसिल वगैरा सब बिदेसी। संस्कृत का भी यही हाल है। लफ्ज लिपि फ़ार्सी में से लिया गया। मेला स्याही और मेला नखिक दवात यूनानी में से।

चौथा दृश्य तो इल्म बोली का एक अनटूट क़ानून है जो सब ज़बानों पर लागू है, लेकिन जो हमारी बोली में आसानी से परखा जा सकता है। क़ानून यह है कि बोली का बोली पर असर पड़ता है, लिखी का नहीं या नहीं के बराबर। इन दो हज़ार बरसों में संस्कृत का हमारी बोली पर बराय नाम ही साया पड़ा। इसी तरह मुसलमानों की लिखी भाषा फ़ार्सी थी या अरबी। लेकिन बोली उन मुसलमानों की जो यहां आये तुर्की थी, इसलिये बिदेसी लफ्जों में अक्सर लफ्ज तुर्की के हैं। उसकी सबसे अच्छी मिसाल शायद तम्बाकू की है। तम्बाकू लफ्ज तो आया अमरीका से जहां से तम्बाकू आया, लेकिन उसके बारे में और जितने लफ्ज हमारी बोली में आए तकरीबन सब तुर्की के हैं—जैसे हुक्का, कलई, कुस्की, नै, नैचा, गद्दा, चिलम, तवा, सुल्का, पेववान, शायद हुक्का पीना भी किसी लफ्ज का तरजुमा हो। साफ़ है कि हमारे हिन्दी वालों को इस क़ानून से अपनी जानकारी बढ़ानी चाहिये

बोली में पचास साठ की सदी द्रावड़ी लफ्ज हैं, चालीस की सदी तुर्की, अरबी, फ़ार्सी, अंग्रेजी वगैरा के। आर्य भाषा के मुश्किल से पांच की सदी लफ्ज होंगे और वह भी ज्यादातर पूजा पाठ के जिनका हमारे जीवन से, हमारे काम धर्मों से, बहुत ही कम वास्ता है।

जो कुछ मैं ऊपर लिख आया हूँ उसका वास्ता बोली से है, लिखी से नहीं। लिखी को पंडित साहित्य भाषा भी कहते हैं जो असल में साहित्य (मरी हुई) ज़बान है। लिखी में आजकल जो धांधली मचाई जा रही है वह सब पर राशन है और ख़ूबी यह कि धांधली मचाने वाले बड़े विद्वान और महावीर गिने जाते हैं, क्योंकि न उन्होंने अपनी बोली कभी पढ़ी और न कोई किताब इल्म बोली की पढ़ी।

तीसरा दृश्य इससे भी अनोखा है। खेती बाड़ी और कपड़ा बुनने को छोड़कर जितने लफ्ज हाथ के काम की बाबत हैं वह लगभग सब तुर्की, फ़ार्सी और दूसरी बिदेसी बोलियों के हैं, रोटी और तवा ही नहीं, पकाना, उबालना, भूना और शायद चलना भी तुर्की है। येही हाल सीने पियरेने का है। सोना पियरेना ही नहीं, तुरपना, बखिया, संजारा, गोड, कुर्ता, पाजामा, कमीज, कांट वगैरा तकरीबन सभी बिदेसी। तुरखान, लांहार, राज, मजदूर के जितने औजार हैं उनका नाम बिदेसी, यहां तक कि मेख, कील, बिरन्जी तीनों लफ्ज तुर्की के। समझ में नहीं आता यह हमारी कोरी भारती सभ्यता जिसपर हम सब नाश करते हैं कितने पानी में थी। और तो और, पढ़ने लिखने में भी कलम, दवात, काराज, स्याही पेसिल वगैरा सब बिदेसी। संस्कृत का भी यही हाल है। लफ्ज लिपि फ़ार्सी में से लिया गया। मेला स्याही और मेला नखिक दवात यूनानी में से।

चौथा दृश्य तो इल्म बोली का एक अनटूट क़ानून है जो सब ज़बानों पर लागू है, लेकिन जो हमारी बोली में आसानी से परखा जा सकता है। क़ानून यह है कि बोली का बोली पर असर पड़ता है, लिखी का नहीं या नहीं के बराबर। इन दो हज़ार बरसों में संस्कृत का हमारी बोली पर बराय नाम ही साया पड़ा। इसी तरह मुसलमानों की लिखी भाषा फ़ार्सी थी या अरबी। लेकिन बोली उन मुसलमानों की जो यहां आये तुर्की थी, इसलिये बिदेसी लफ्जों में अक्सर लफ्ज तुर्की के हैं। उसकी सबसे अच्छी मिसाल शायद तम्बाकू की है। तम्बाकू लफ्ज तो आया अमरीका से जहां से तम्बाकू आया, लेकिन उसके बारे में और जितने लफ्ज हमारी बोली में आए तकरीबन सब तुर्की के हैं—जैसे हुक्का, कलई, कुस्की, नै, नैचा, गद्दा, चिलम, तवा, सुल्का, पेववान, शायद हुक्का पीना भी किसी लफ्ज का तरजुमा हो। साफ़ है कि हमारे हिन्दी वालों को इस क़ानून से अपनी जानकारी बढ़ानी चाहिये

سروں کو وہ کیسے بولتے تھے۔ دراوڑی بولی کی وہ آوازیں جو آریہ بھاشا میں بالکل نہیں تھیں۔ جیسے مردهنه، تھ، تھ، ڈ، تھ، اور آڑاں وغیرہ۔ اس بھاشا اور پراکرت میں زور پکڑ گئیں۔ گرامر بھی بدلی۔ اور اگرچہ کچھ لفظ آریہ بھاشا کے اور خاصکر وہ جن کا واسطہ پرچا پاتے سے تھا اس پراکرت میں لٹے گئے۔ دیسی بھاشا کے لفظ جو پراکرت میں لٹے ستر، اسی فی صدی سے کم نہ تھے۔ فرق صرف اتنا رہا کہ دیسی بھاشا کے لفظ جو پراکرت میں لٹے گئے جیسوں کے تیبوں لٹے گئے اور آریہ بھاشا کے جو لٹے گئے انہیں چھوڑ کر کے اور دیسی گلوں کے سوانح بنا کر لیا گیا۔

اس پراکرت میں سے نکلیں ہماری ساری ہندستان کی بولیاں اور اس پراکرت میں سے ہی گڑھی گئی وہ لکھی بھاشا جسے لوگ سنسکرت کہتے ہیں۔ لکھی اور بولی میں بڑا فرق یہ ہے کہ لکھی کے لفظ لہجہ ہوتے رہتے ہیں اور بولی کے چھوٹے۔ بڑی کششوں سے اس لکھی میں آریہ بھاشا کے کچھ لفظ اور تینوں سے گئے، لیکن پھر بھی بہت سے لفظ دیسی بولی کے ہی اس میں لٹے گئے، لیکن ذرا ان کی شکل بگاڑ کر یعنی لمبی کر کے۔ سنسکرت میں کتے لفظ آریہ بھاشا کے اور کتے دیسی بولی کے، اس کی ابھی تک کسی نے پوری جانچ نہیں کی۔ لیکن میرا انومان یہ ہے کہ اس میں کم سے کم 50 فی صدی لفظ دراوڑی کے، 20 فی صدی توکی، اربھی، برہو کے ہیں جو یہاں کی پراکرت میں رمل گئے تھے۔ ان لفظوں کو آریہ بھاشا کا جتانے کے لئے ان لفظوں کی چھوٹی آریہ دھاتوں (جزیوں) بنائی گئیں اور اس پر ایسا ملمع چڑھایا گیا کہ ہمارے اکثر لوگ، انہوں نے ہی نہیں دوداں بی، سنسکرت کو شدہ آریہ بھاشا سمجھتے ہیں۔ جسے دیکھو وہ یہی کہتا ہے کہ ہندستان کی بولیاں سنسکرت میں سے نکلیں اور تماشہ یہ ہے کہ اس کے ثبوت میں اکثر وہی شبد پیش کرتا ہے جو سنسکرت نے ہماری دیسی بولی سے لٹے۔ چنانچہ حل ہی میں میں نے پنڈت سنہرا لال جیسے آزاد دماغ کا ایک آرٹیکل پڑھا جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کشش کی تھی کہ مدراس کی جو دراوڑی زبانیں کہلاتی ہیں ان میں بہت سے سنسکرت کے لفظ لٹے گئے تھے اور اس لئے مدراس والوں کو ہندی سمجھنے میں مشکل نہیں ہونی چاہئے۔ مجھے اب یاد نہیں کہ مثال کے طور پر کون سے لفظ پنڈت جی نے سنسکرت کے بتائے تھے لیکن وہ سب نیر، پاپ، چور، بیر، چومنا، مالا کی قسم کے تھے جو سنسکرت نے دراوڑی سے لٹے ہیں۔ یہاں اتنا اور جلدیغے کی ضرورت ہے کہ ہماری ہندستانی، پنجابی، راجستھانی، برج وغیرہ پرانی دراوڑی یعنی پراکرت کے بہت زیادہ نزدیک ہیں بنسبت تامل، تیلیگو یا ملیالم کے۔ ڈاکٹر ایچ۔ ہیراس (H. Heras) کی یہ رائے سچی معلوم ہوتی ہے کہ ہندستانی اور پنجابی بولیاں ہی دراوڑی سے نہیں نکلیں، ان کے بولنے والے ہی اصلی دراوڑی ہیں۔ آج ہماری

سروں کو وہ کیسے بولتے تھے۔ دراوڑی بولی کی وہ آوازیں جو آریہ بھاشا میں بالکل نہیں تھیں۔ جیسے مردهنه، تھ، تھ، ڈ، تھ، اور آڑاں وغیرہ۔ اس بھاشا اور پراکرت میں زور پکڑ گئیں۔ گرامر بھی بدلی۔ اور اگرچہ کچھ لفظ آریہ بھاشا کے اور خاصکر وہ جن کا واسطہ پرچا پاتے سے تھا اس پراکرت میں لٹے گئے۔ دیسی بھاشا کے لفظ جو پراکرت میں لٹے ستر، اسی فی صدی سے کم نہ تھے۔ فرق صرف اتنا رہا کہ دیسی بھاشا کے لفظ جو پراکرت میں لٹے گئے جیسوں کے تیبوں لٹے گئے اور آریہ بھاشا کے جو لٹے گئے انہیں چھوڑ کر کے اور دیسی گلوں کے سوانح بنا کر لیا گیا۔

اس پراکرت میں سے نکلیں ہماری ساری ہندستان کی بولیاں اور اس پراکرت میں سے ہی گڑھی گئی وہ لکھی بھاشا جسے لوگ سنسکرت کہتے ہیں۔ لکھی اور بولی میں بڑا فرق یہ ہے کہ لکھی کے لفظ لہجہ ہوتے رہتے ہیں اور بولی کے چھوٹے۔ بڑی کششوں سے اس لکھی میں آریہ بھاشا کے کچھ لفظ اور تینوں سے گئے، لیکن پھر بھی بہت سے لفظ دیسی بولی کے ہی اس میں لٹے گئے، لیکن ذرا ان کی شکل بگاڑ کر یعنی لمبی کر کے۔ سنسکرت میں کتے لفظ آریہ بھاشا کے اور کتے دیسی بولی کے، اس کی ابھی تک کسی نے پوری جانچ نہیں کی۔ لیکن میرا انومان یہ ہے کہ اس میں کم سے کم 50 فی صدی لفظ دراوڑی کے، 20 فی صدی توکی، اربھی، برہو کے ہیں جو یہاں کی پراکرت میں رمل گئے تھے۔ ان لفظوں کو آریہ بھاشا کا جتانے کے لئے ان لفظوں کی چھوٹی آریہ دھاتوں (جزیوں) بنائی گئیں اور اس پر ایسا ملمع چڑھایا گیا کہ ہمارے اکثر لوگ، انہوں نے ہی نہیں دوداں بی، سنسکرت کو شدہ آریہ بھاشا سمجھتے ہیں۔ جسے دیکھو وہ یہی کہتا ہے کہ ہندستان کی بولیاں سنسکرت میں سے نکلیں اور تماشہ یہ ہے کہ اس کے ثبوت میں اکثر وہی شبد پیش کرتا ہے جو سنسکرت نے ہماری دیسی بولی سے لٹے۔ چنانچہ حل ہی میں میں نے پنڈت سنہرا لال جیسے آزاد دماغ کا ایک آرٹیکل پڑھا جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کشش کی تھی کہ مدراس کی جو دراوڑی زبانیں کہلاتی ہیں ان میں بہت سے سنسکرت کے لفظ لٹے گئے تھے اور اس لئے مدراس والوں کو ہندی سمجھنے میں مشکل نہیں ہونی چاہئے۔ مجھے اب یاد نہیں کہ مثال کے طور پر کون سے لفظ پنڈت جی نے سنسکرت کے بتائے تھے لیکن وہ سب نیر، پاپ، چور، بیر، چومنا، مالا کی قسم کے تھے جو سنسکرت نے دراوڑی سے لٹے ہیں۔ یہاں اتنا اور جلدیغے کی ضرورت ہے کہ ہماری ہندستانی، پنجابی، راجستھانی، برج وغیرہ پرانی دراوڑی یعنی پراکرت کے بہت زیادہ نزدیک ہیں بنسبت تامل، تیلیگو یا ملیالم کے۔ ڈاکٹر ایچ۔ ہیراس (H. Heras) کی یہ رائے سچی معلوم ہوتی ہے کہ ہندستانی اور پنجابی بولیاں ہی دراوڑی سے نہیں نکلیں، ان کے بولنے والے ہی اصلی دراوڑی ہیں۔ آج ہماری



چاچی، تاؤ، کافی، بابا، دادا، دایسی، فاما، فانی، ماما، مامی، موسیٰ،  
موسا وغیرہ۔ لیکن شادی بیاہ کی رشتہ داریوں میں اکثر آریہ بھاشا آدمی  
ہسجیے ساس، سسر، فندرتی، فند، سالا، سالی، دیزر، دیورانی،  
جینہ، جتھانی، بہو، ودھوا، سہاگن، وغیرہ۔ یہاں دیسی بولی سے  
مراد ہے اس بولی کی جو آریوں کے آنے سے پہلے یہاں بولی جاتی  
تھی۔ یہ دراوڑی زبان تھی جس میں مصری، ترکی اور دوسری  
پچھلی زبانوں کی کافی پٹ تھی۔ آریہ بھاشا سے مراد ہے اُس  
بولی کی جو آریہ ہندستان میں آنے سے پہلے ہرلتے تھے۔

نہج کی رشتہداریوں اور بیاضہ کی رشتہداریوں میں یہ امتفر کیوں؟ یہ فرق اُس زمانہ کی یادگار ہے جب آریوں نے ہندستان میں آکر یہاں کے آدمیوں کو تو مار بھگایا اور اُن کی عورتوں کو زبردستی گھر میں رکھ لیا۔ باوجود ہمارے پڑاؤں کی کہانئیں کے اِس میں تو آجکل شک کی گنجائش نہیں کہ جب آریہ قوم یہاں آئی تھی وہ چرواہا تھی اور ادھر ادھر گھومتی پھرتی تھی۔ نہ انہیں کھیتی باڑی کا کام اچھی طرح سے آتا تھا، نہ وہ مکان وغیرہ بنانا جانتے تھے۔ اُن سے یہاں کے لوگ بہت زیادہ سیکھے ہوئے تھے۔ جو بچے ہرئے انہوں نے اپنی ماؤں کی بولی سیکھی۔ قدرتی طور پر جو نہجی رشتہداریاں تھیں وہ براہر دیسی بولی کی رہیں اور جو آریوں سے بیاضہ کی سی رشتہداریاں قائم ہوئیں اُن پر آریہ بھاشا کا اثر پڑا۔

دوسرا درشہ یہی اُس سے ملا جٹا ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا تھا  
ہوں، آریہ جب یہاں آئے تو خاصے اُجد تھے۔ یہاں کے دراوڑی  
خاصے سوسنسکرت تھے۔ جب دو قومیں ملتی ہیں، ایک اُجد  
اور ایک سوسنسکرت، تو چاہے ملکی فتح اُجدوں کی ہو، جو  
کلچر پیدا ہوتا ہے وہ سارا نہیں تو بہت کچھ سوسنسکرت فریق  
کا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ آریہ اپنے  
دیوتائوں—اگنی—اندر—مورتیو وغیرہ—کو چھوڑ کر شوجی کے پاؤں  
پڑے اور پہیل کو پُرچنہ لگے جو دونوں دراوڑوں کے دیوتا تھے۔  
چونکہ بولی کلچر کا سب سے بڑا انگ ہے اسلئے یہاں ایک ایسی  
بولی پیدا ہوئی جسے ویدوں کے زمانہ میں یاشا کہتے تھے  
اور جو بعد میں پر اکروت کہلائی گئی۔ اس میں دراوڑی 95  
فیصدی نہیں تو 80 فیصدی گھس گئی اور آریہ یاشا پیچھے رہ  
گئی۔ سب سے زیادہ اثر تو ان کی آوازوں میں ہوا۔ آریہ  
یاشا کی جتنی آوازیں ایسی تھیں جو دیسی بولی میں  
نہیں پائی جاتی تھیں وہ ایسی غائب ہوئیں  
جیسے گدھے کے سر سے سیلنگ، مثلاً آریہ یاشا کی ‘غ’  
‘خ’ ‘ف’ ‘ق’ ز جاتی رہیں اور اگر مسلمان ان آوازوں کو  
پہیل پہل پڑ نہ لاقے تو ہمیں ان کا گیان ہی نہ ہوتا، جیسے ہمیں  
ان کے سروں پر ‘ر’ ‘ری’ ‘ز’ ‘روی’ کا اب تک گیان نہیں کہ ان

## بالی—ایک ایتھاس (تواریخ)

(مدن گوپال)

ہم بالی کے ماہر کہتے ہیں کہ ہر دےس کی بالی اس دےس کی پورانے ساماجک جیون کا سچا ایتھاس ہوتی ہے۔ کتاہیں چھوٹی ہو سکتی ہیں اور اگر وہ ایک تریق کے ڈھنچور چھوٹے لکھی ہوں تو اکثر چھوٹی ہوتی ہیں لیکن بالی کیہی چھوٹ نہیں ہوتی اور نہ بول سکتی ہے۔

بالی کے اس ایتھاسک روپ کی مثال جو عام طور پر ہندستان میں مشہور ہے انگریزی کی ہے۔ جہاں تک میچہ جانکاری ہے ہم نے اپنی کسی بالی کے ایتھاسک روپ کو پرکھا ہی نہیں، اس لئے میں پہلے انگریزی مثال درج کرتا ہوں۔ گیارہویں صدی میں جب ولیم اول نے انگلستان فتح کیا تو انگلستان میں جو بالی بولی جاتی تھی وہ سیکسن (Saxon) کہلاتی تھی۔ ولیم اور اس کے ساتھی نارمن (Norman) ایک قسم کی فرانسیسی بولتے تھے۔ اس زمانہ میں سونا چاندی تو کم ہوتا تھا مگر آدمی کا دھن اس کے ڈنکر (جانور) ہوا کرتے تھے۔ ہمارے اس شہد 'دھن' کے اصلی معنی ہیں ہی ڈنکر۔ جب نارمنوں کی حکومت جم گئی تو وہ سارے ڈنکروں کے مالک بن بیٹھے۔ جیتے ڈنکروں کی دھواالی سیکسن لوگ کرتے تھے، اس لئے جیتے ڈنکروں کا نام بھی سیکسن ہی رہا۔ لیکن چونکہ ان ڈنکروں کا گوشت کھاتے تھے نارمن، اس لئے ان کے گوشت کا نام نارمن ہوا۔ مثلاً Cow (گاو) سیکسن اور اس کا گوشت Beef نارمن لفظ ہے۔ اسی طرح سے Sheep (بھڑ) Pig (سور) اور Deer (ہرن) سیکسن زبان کے لفظ ہیں، لیکن ان کے گوشت کے لئے Pork, Mutton اور Venison تینوں نام نارمن بولی کے ہو گئے۔ جیتے اور مرے ہوئے جانوروں کے نام کا یہ فرق گیارہویں صدی کی دھاندلی کا ایک ایسا سچا نقشہ کھینچتا ہے جو جب تک انگریزی زبان زندہ ہے قائم رہیگا۔

ہماری بالی میں بھی ہمارے پورانے ساماجک جیون کی گئی یادگاریں قائم ہیں، لیکن چونکہ ہمارے دےس میں ہمیں اپنی بالی سکھانے کا دستور عام نہیں اس لئے وہ یادگاریں ہمارے دھیان میں نہیں لائی جاتیں۔ دو چار نمونے اپنی سمجھ کے ایتھاس میں نیچے دے رہا ہوں۔

ہماری بالی میں جتنی بچ کی (پیت کی) رشکداریاں ہیں وہ سب تھیں دےس کی بالی کی ہیں—جیسے ماں، باپ، بیٹا، بہن، بھائی، بھائی یا 'داج'، جیتا، جی جی، چاچا،

ہماری بالی میں بھی ہمارے پورانے ساماجک جیون کی کافی یادگاریں قائم ہیں، لیکن چونکہ ہمارے دےس میں ہمیں اپنی بالی سکھانے کا دستور عام نہیں اس لئے وہ یادگاریں ہمارے دھیان میں نہیں لائی جاتیں۔ دو چار نمونے اپنی سمجھ کے ایتھاس میں نیچے دے رہا ہوں۔

ہماری بالی میں جتنی بچ کی (پیت کی) رشکداریاں ہیں وہ سب تھیں دےس کی بالی کی ہیں—جیسے ماں، باپ، بیٹا، بہن، بھائی، بھائی یا 'داج'، جیتا، جی جی، چاچا،

دے دیا کی سلاہ سے ایسا ہی کیسلا کیا تھا۔ شاید اُس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ نیل ندی مصر میں بھی بہتی ہے۔

ناچتے ناچتے نیا نیا کبھی کے جادوگر ڈاکٹر نے نیل ندی کے دے دیا سے جسکو وہ ہر سال مہنٹ دیا کرتا تھا، سلاہ کرنے کے لیے ندی میں کھد پڑا۔ اسکی اس حرکت کو دیکھ کر چناؤ کے پرتیندہوں نے اُسچرہ کے کرن دانوں تلے اُنکی دہالی۔ ہر وہ بڑے جوش کے ساتھ پانی پر اپنی جادوئی چڑی مارتا ہوا دھارے کی طرف بڑھنے لگا۔ پر ترست ہی اُس نے ایک دہکی لگائی۔ اُپر اُپر اُس کا منہ چناؤ کی چھوڑی کے سامنے تھا۔ اُس کے بعد وہ ندی سے نکل کر دیوتا کی رائے کو پرگت کرنے کے لیے قبیلے کے سردار کی طرف بڑھا۔ چونکہ نیل کے دیوتا نے سوئٹر سہا کے پکھ میں رائے دینے کی صلاح دی تھی، اُس نے سردار نے پورے قبیلے سمیت اُس کو ووت دیا۔

ایسا ہی فیصلہ کیا تھا۔ شاید اُس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ نیل ندی مصر میں بھی بہتی ہے۔

ناچتے ناچتے نیا نیا کبھی کے جادوگر ڈاکٹر نے نیل ندی کے دے دیا سے جسکو وہ ہر سال مہنٹ دیا کرتا تھا، سلاہ کرنے کے لیے ندی میں کھد پڑا۔ اُس کی اس حرکت کو دیکھ کر چناؤ کے پرتیندہوں نے اُسچرہ کے کرن دانوں تلے اُنکی دہالی۔ ہر وہ بڑے جوش کے ساتھ پانی پر اپنی جادوئی چڑی مارتا ہوا دھارے کی طرف بڑھنے لگا۔ پر ترست ہی اُس نے ایک دہکی لگائی۔ اُپر اُپر اُس کا منہ چناؤ کی چھوڑی کے سامنے تھا۔ اُس کے بعد وہ ندی سے نکل کر دیوتا کی رائے کو پرگت کرنے کے لیے قبیلے کے سردار کی طرف بڑھا۔ چونکہ نیل کے دیوتا نے سوئٹر سہا کے پکھ میں رائے دینے کی صلاح دی تھی، اُس نے سردار نے پورے قبیلے سمیت اُس کو ووت دیا۔

اس چناؤ کے نتیجے کی گھوٹنا ہوتے ہی سارے مصر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ مصریوں کو سردار کی سسہا پر برطانیہ ایسے شکستشالی دیش کے مقابلے میں سہلے پراپت ہوگئی۔ اُس کے علاوہ اُس نتیجے نے سوئٹر کیل کی سسہا پر برطانیہ اور مصر کے چھوڑے میں مصر کی پوزیشن پہلے کے نسبت اُچھک مضبوط کر دی۔

اُس وقت میں اُس چناؤ کے نتیجے نے برطانیہ کو گھرے سوچ میں ڈال دیا ہے۔ استہتی کی گھوٹنا کو سمجھتے ہوئے اور سردار میں اپنے متکے ہوئے پریہاؤ کو دوبارہ جدانے کے لیے برطانیہ نے ہاتھ پیر مارتا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ دنیا نے اُس کا پہلا پردرشن سردانی پارلیامنٹ کے ادگھائن کے دن یعنی پہلی مارچ 54ء کو دیکھا جب کہ دکنی قبیلے اور سوئٹر سہا کے ممبروں نے سارے شہر خاترم میں ہلہ کر دیا اور ہوائی آتے پر جنرل نیجیب کے خلف نعرے لگائے جہاں وہ ادگھائن کی رسم میں شامل ہونے کے لیے ڈھوڑے سے ہوائی جہاز سے آئے تھے۔

اُس بارے کے نتیجے میں 35 آدمیوں نے اپنی جان سے ہاتھ دھویا اور سیکڑوں زخمی ہوئے اور پارلیامنٹ کا ادگھائن نہ ہوسکا۔ پر راشتری ساکھن سہا کے نیٹا اور سردار کے نیٹے پردھان منتری اسماعیل اطہری کی سخت کرشش اور سرکچہا کے رشش پر بندھ کرنے پر 15 مارچ 54ء کو سردانی پارلیامنٹ کا ادگھائن وہاں کے گورنر جنرل سر رابرٹ ہو کے ہاتھوں ہوا۔

اطہری کے منتری منقل نے اپنے چناؤ کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی پوری کرشش کرنا شروع کر دیا ہے۔ پر اب دیکھنا یہ ہے کہ برطانیہ کے سوئٹر کا مقابلہ کرنے میں کہاں تک سہلے ہوتی ہے۔

اس چناؤ کے نتیجے کی گھوٹنا ہوتے ہی سارے مصر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ مصریوں کی سڈان کی समस्या پر برتانیہ ایسے شکتیشالی دیش کے مقابلے میں سہلے پراپت ہوگئی۔ اُس کے علاوہ اُس نتیجے نے سوئٹر کیل کی سسہا پر برطانیہ اور مصر کے چھوڑے میں مصر کی پوزیشن پہلے کے نسبت اُچھک مضبوط کر دی۔

اُس وقت میں اُس چناؤ کے نتیجے نے برطانیہ کو گھرے سوچ میں ڈال دیا ہے۔ استہتی کی گھوٹنا کو سمجھتے ہوئے اور سردار میں اپنے متکے ہوئے پریہاؤ کو دوبارہ جدانے کے لیے برطانیہ نے ہاتھ پیر مارتا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ دنیا نے اُس کا پہلا پردرشن سردانی پارلیامنٹ کے ادگھائن کے دن یعنی پہلی مارچ 54ء کو دیکھا جب کہ دکنی قبیلے اور سوئٹر سہا کے ممبروں نے سارے شہر خاترم میں ہلہ کر دیا اور ہوائی آتے پر جنرل نیجیب کے خلف نعرے لگائے جہاں وہ ادگھائن کی رسم میں شامل ہونے کے لیے ڈھوڑے سے ہوائی جہاز سے آئے تھے۔

اُس بارے کے نتیجے میں 35 آدمیوں نے اپنی جان سے ہاتھ دھویا اور سیکڑوں زخمی ہوئے اور پارلیامنٹ کا ادگھائن نہ ہوسکا۔ پر راشتری ساکھن سہا کے نیٹا اور سردار کے نیٹے پردھان منتری اسماعیل اطہری کی سخت کرشش اور سرکچہا کے رشش پر بندھ کرنے پر 15 مارچ 54ء کو سردانی پارلیامنٹ کا ادگھائن وہاں کے گورنر جنرل سر رابرٹ ہو کے ہاتھوں ہوا۔

اطہری کے منتری منقل نے اپنے چناؤ کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی پوری کرشش کرنا شروع کر دیا ہے۔ پر اب دیکھنا یہ ہے کہ برطانیہ کے سوئٹر کا مقابلہ کرنے میں کہاں تک سہلے ہوتی ہے۔

پرتیننڈھیوں کو تھوڑے دیر میں پہنچا دیا۔ امیہ، دلی پتلے، ننگے اور کالے پوروں نے ناچ شروع کیا۔ اپنے پرشوں کے ناچ سے پرتیننڈھیوں کے ناچ سے پرभावیت ہوکر बीच बीच میں سٹیاں جھکی نازے لگاتی تھیں۔ جب سردار نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا تو ناچنے والوں نے جو کہ تھک کر پیسٹھ میں تر ہو چکے تھے، ناچ بند کر دیا۔ پھر نرنت ہی عورتوں نے نقرے بجاتا شروع کیا جن کی آواز سے جنگل اور ریکستان گونجنے لگے۔ کچھ منٹ کے بعد پورا قبیلہ سردار کے سامنے جھک گیا۔ سردار کے دونوں ہاتھ آکٹس کی طرف اٹھائے پھر سب لوگوں نے کھڑے ہو کر بڑے زور کا نعرہ لگایا۔ پھر سردار نے کچھ آسچریہ جنگ شبد کہہ جس کے بعد قبیلے کے سب مردوں نے سردار کا ہاتھ چومنا اور ادب کے ساتھ جادوگر ڈاکٹر کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔

راشتری سنگٹن سبھا اور سواتر سبھا کے پرتیننڈھی الگ الگ بالکل شانتی پوروں کھڑے ہوئے ان کے تھلے والی رسموں کے سمپت ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ حالانکہ دونوں کا کام اپنی اپنی سبھاؤں کے لئے ووت پراپت کرنا تھا پر وہ جانتے تھے کہ جادوگر ڈاکٹر کے فیصلے پر سارا قبیلہ ووت دینا اور اس سلسلے میں ان کی کوئی بھی کوشش بالکل بیکار ثابت ہوگی۔

جادوگر ڈاکٹر نے اپنی ہڈیوں اور پریں کی ٹوپی سمیت زمین کے دےوتاؤں سے سلاہ کرنے کے لیے اپنا سر زمین پر دے کر دیا۔ دےوتاؤں سے سلاہ کرنے میں اسکو پانچ منٹ لگے۔ اس کے بعد وہ یکاریک کھڑا ہوا اور اس نے اپنی جادوئی چھڑی کو آکٹس کی طرف اٹھا دیا۔

دونوں سبھاؤں کے پرتیننڈھیوں نے سمجھ لیا کہ ان کے ہاگیہ کے فیصلے کا سہ سے آگیا۔ ان کی آنکھیں اس پرکار سے چھڑی پر گڑی ہوئی نہیں جیسے کہ وہ گھبرے سے ہل کر نکل جائیں گی۔ یکایک جادوگر ڈاکٹر نے عورتوں کی تالپوں کی آواز پر یہ فریہ شروع کر دیا، پھر تین بار گہرے جھٹکے کے ساتھ چکر کاٹنے کے بعد وہ راشتری سنگٹن سبھا کے پرتیننڈھی کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنی چھڑی اٹھا کر اس کو آسچریہ باد دیا۔ اس نے چھڑی کو بڑے ادب سے چوم کر جادوگر ڈاکٹر کے سامنے اپنا سر جھکا دیا۔

ان دوچک رسموں کے بعد سردار کھڑا ہو گیا اور جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ اس کے لڑاکو پرش شانتی پوروں کے پیچھے ہونے تاکہ جادوگر ڈاکٹر کے فیصلے کے انوسار راشتری سنگٹن سبھا کے پکھ میں ووت دیں۔

پھر نیام نیام نامک ابدھ جنگلی کبیلے نے اس کے بالکل اکتا فیصلہ کیا۔ انہوں نے سوتنتر سبھا کے پکھ میں رائے دی کہونکہ ان کے جادوگر ڈاکٹر نے نیل ندی کے

پرتیننڈھیوں کو نوز دھوپ میں پہنچا دیا۔ امیہ، دلی پتلے، ننگے اور کالے پوروں نے ناچ شروع کیا۔ اپنے پرشوں کے ناچ سے پرتیننڈھیوں کے ناچ سے پرभावیت ہوکر बीच बीच میں سٹیاں جھکی نازے لگاتی تھیں۔ جب سردار نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا تو ناچنے والوں نے جو کہ تھک کر پیسٹھ میں تر ہو چکے تھے، ناچ بند کر دیا۔ پھر نرنت ہی عورتوں نے نقرے بجاتا شروع کیا جن کی آواز سے جنگل اور ریکستان گونجنے لگے۔ کچھ منٹ کے بعد پورا قبیلہ سردار کے سامنے جھک گیا۔ سردار کے دونوں ہاتھ آکٹس کی طرف اٹھائے پھر سب لوگوں نے کھڑے ہو کر بڑے زور کا نعرہ لگایا۔ پھر سردار نے کچھ آسچریہ جنگ شبد کہہ جس کے بعد قبیلے کے سب مردوں نے سردار کا ہاتھ چومنا اور ادب کے ساتھ جادوگر ڈاکٹر کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔

راشتری سنگٹن سبھا کے پرتیننڈھی الگ بالکل شانتی پوروں کھڑے ہوئے ان کے تھلے والی رسموں کے سمپت ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ حالانکہ دونوں کا کام اپنی اپنی سبھاؤں کے لئے ووت پراپت کرنا تھا پر وہ جانتے تھے کہ جادوگر ڈاکٹر کے فیصلے پر سارا قبیلہ ووت دینا اور اس سلسلے میں ان کی کوئی بھی کوشش بالکل بیکار ثابت ہوگی۔

جادوگر ڈاکٹر نے اپنی ہڈیوں اور پریں کی ٹوپی سمیت زمین کے دےوتاؤں سے سلاہ کرنے کے لیے اپنا سر زمین پر دے کر دیا۔ دےوتاؤں سے سلاہ کرنے میں اسکو پانچ منٹ لگے۔ اس کے بعد وہ یکایک کھڑا ہو گیا۔ اس کا سارا بدن اکڑا ہوا تھا اور اس نے اپنی جادوئی چھڑی کو آکٹس کی طرف اٹھا دیا۔

دونوں سبھاؤں کے پرتیننڈھیوں نے سمجھ لیا کہ ان کے ہاگیہ کے فیصلے کا سہ سے آگیا۔ ان کی آنکھیں اس پرکار سے چھڑی پر گڑی ہوئی نہیں جیسے کہ وہ گھبرے سے ہل کر نکل جائیں گی۔ یکایک جادوگر ڈاکٹر نے عورتوں کی تالپوں کی آواز پر یہ فریہ شروع کر دیا، پھر تین بار گہرے جھٹکے کے ساتھ چکر کاٹنے کے بعد وہ راشتری سنگٹن سبھا کے پرتیننڈھی کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنی چھڑی اٹھا کر اس کو آسچریہ باد دیا۔ اس نے چھڑی کو بڑے ادب سے چوم کر جادوگر ڈاکٹر کے سامنے اپنا سر جھکا دیا۔

ان دوچک رسموں کے بعد سردار کھڑا ہو گیا اور جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ اس کے لڑاکو پرش شانتی پوروں کے پیچھے ہونے تاکہ جادوگر ڈاکٹر کے فیصلے کے انوسار راشتری سنگٹن سبھا کے پکھ میں ووت دیں۔

پھر نیام نیام نامک ابدھ جنگلی کبیلے نے اس کے بالکل اکتا فیصلہ کیا۔ انہوں نے سوتنتر سبھا کے پکھ میں رائے دی کہونکہ ان کے جادوگر ڈاکٹر نے نیل ندی کے



بھرہاںل سنسار کا یہ انوکھا چناؤ 6 نومبر 1953 کو شروع ہوا اور 10 دسمبر 1953 تک جا کر ختم ہوا۔ 56 سالہ سلطانی کے بعد سودانیوں کو اپنے ہوشیہ کے متعلق فیصلہ کرنے کا موقع ملا۔

یوں تو چار پارٹیاں—راشتری، سینگٹن سبھا، سوانتر سبھا، سوشلسٹ پارٹی اور دکنیہ راجنئیک سنسٹا—چناؤ کے میدان میں اتریں پر باسٹب میں سیکابلا پہلی دو پارٹیوں میں ہی ہوا۔ راشتری، سینگٹن سبھا 1938 میں سٹاپٹ ہئی یو۔ سوان سے برٹانیا کی प्रधानتا کا انٹ، نیل کی چاٹی کا سینگٹن اور دشا میں سوشلسٹ شاسن کی سٹاپنا، اسکے کلاس ودشہ ہیں۔ 1945 ے میں کھ جاسٹ اور انکلابی ویاار بالے نوجوانوں کے شامل ہو جانے سے اس سبھا نے اور پکڑنا سुरू کیا جسکے کارن سوان میں برٹانیا کو اپنی प्रधानتا سٹارے میں پڑتی دیکھا دی اور اسکی ساااااا سے اس سبھا میں فوٹ پڑ گئی اور وہ اسماااا اور مسمد نورددین کے نطوٹ میں دو ااااا میں بٹ گئی۔ پر نیل ندی کی چاٹی کے سینگٹن اور سوان سے برٹانیا کے نکلنے کی مانگ کرتے رہے۔ مصر میں جنرل نجیب کے ہاتھ میں شاسن آجائے پر دونوں دل پر اظہری کے نیٹرو میں سنگٹھت ہو گئے۔ راشتری سنگٹھت سبھا کے مقابلے میں برٹانیا نے سوانتر سبھا قائم کرائی جس کا ادیش سوان کی پوری آزادی بتایا گیا۔ 1945 میں برٹانیا نے اس سبھا کو شکستہائی بنائے کے لئے سوان کے بہت بڑے دھارمک ٹھٹا سر اباارحمان ال مہدی کو اس کا لیڈر بنایا۔ اس لکس کو حاصل کرنے کے لئے برٹانیا نے دکنی سوان کے کالے ادی واسیوں میں سامہردانک بھاؤنا پودا کر کے، ان کو سوانتر سبھا کی سہائتا کے لئے تیار کیا۔ اسٹو میں سوانتر سبھا کے لیڈروں کا کام سرکاری پدوں کی گدیوں پر راجمان ہونے کے علوہ اور کچھ نہیں رہا اور اس سبھا کا اثر صرف برٹانیا کی سہائتا کے کارن رہا۔ جسے جسے راشتری بھاؤنا ابھرتی گئی اس سبھا کا پریاؤ بھی کم ہوتا گیا۔

راشتری سینگٹن سبھا نے اپنے چناؤ پرچار میں راشتری اور اامیک اااااااا کو امارا۔ اسکی سہائتا میں مسٹ سے آایے ہر لاسٹوں پرچے بانٹے گئے جس میں انکو اک ارم اور اک جات مسٹریوں کا ساٹھ دینے پر آامادا کیا گیا تا۔ سوانتر سبھا نے اپنے چناؤ کے پروگرام میں سوان کی یورن سوانترا اور جنتا کے آرتیک سدھار پر زور دیا تا۔ پر سوان کے 95 فیصدی انڈیہ لوگوں کے لئے یورن سوانترا اور آرتیک سدھار کے شد کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ مگر اسلامی بھائی چارے اور بڑے بھائی کے سنگٹھت کے نعرے اوشہ ان کے دل کو موہنے والے تھے۔

یوں تو چار پارٹیاں—راشتری، سینگٹن سبھا، سوانتر سبھا، سوشلسٹ پارٹی اور دکنیہ راجنئیک سنسٹا—چناؤ کے میدان میں اتریں پر باسٹب میں سیکابلا پہلی دو پارٹیوں میں ہی ہوا۔ راشتری، سینگٹن سبھا 1938 میں سٹاپٹ ہئی یو۔ سوان سے برٹانیا کی प्रधानتا کا انٹ، نیل کی چاٹی کا سینگٹن اور دشا میں سوشلسٹ شاسن کی سٹاپنا، اسکے کلاس ودشہ ہیں۔ 1945 ے میں کھ جاسٹ اور انکلابی ویاار بالے نوجوانوں کے شامل ہو جانے سے اس سبھا نے اور پکڑنا سुरू کیا جسکے کارن سوان میں برٹانیا کو اپنی प्रधानتا سٹارے میں پڑتی دیکھا دی اور اسکی ساااااا سے اس سبھا میں فوٹ پڑ گئی اور وہ اسماااا اور مسمد نورددین کے نطوٹ میں دو ااااا میں بٹ گئی۔ پر نیل ندی کی چاٹی کے سینگٹن اور سوان سے برٹانیا کے نکلنے کی مانگ کرتے رہے۔ مصر میں جنرل نجیب کے ہاتھ میں شاسن آجائے پر دونوں دل پر اظہری کے نیٹرو میں سنگٹھت ہو گئے۔ راشتری سنگٹھت سبھا کے مقابلے میں برٹانیا نے سوانتر سبھا قائم کرائی جس کا ادیش سوان کی پوری آزادی بتایا گیا۔ 1945 میں برٹانیا نے اس سبھا کو شکستہائی بنائے کے لئے سوان کے بہت بڑے دھارمک ٹھٹا سر اباارحمان ال مہدی کو اس کا لیڈر بنایا۔ اس لکس کو حاصل کرنے کے لئے برٹانیا نے دکنی سوان کے کالے ادی واسیوں میں سامہردانک بھاؤنا پودا کر کے، ان کو سوانتر سبھا کی سہائتا کے لئے تیار کیا۔ اسٹو میں سوانتر سبھا کے لیڈروں کا کام سرکاری پدوں کی گدیوں پر راجمان ہونے کے علوہ اور کچھ نہیں رہا اور اس سبھا کا اثر صرف برٹانیا کی سہائتا کے کارن رہا۔ جسے جسے راشتری بھاؤنا ابھرتی گئی اس سبھا کا پریاؤ بھی کم ہوتا گیا۔

راشتری سنگٹھت سبھا نے اپنے چناؤ پرچار میں راشتری اور دھارمک بھاؤناؤں کو ابھارا۔ اس کی سہائتا میں مصر سے آئے ہوئے لاکھوں پرچے بانٹے گئے جس میں ان کو ایک دھرم اور ایک جات مصریوں کا ساٹھ دینے پر آمادہ کیا گیا تا۔ سوانتر سبھا نے اپنے چناؤ کے پروگرام میں سوان کی یورن سوانترا اور جنتا کے آرتیک سدھار پر زور دیا تا۔ پر سوان کے 95 فیصدی انڈیہ لوگوں کے لئے یورن سوانترا اور آرتیک سدھار کے شد کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ مگر اسلامی بھائی چارے اور بڑے بھائی کے سنگٹھت کے نعرے اوشہ ان کے دل کو موہنے والے تھے۔

راشتری سنگٹھت سبھا نے اپنے چناؤ پرچار میں راشتری اور دھارمک بھاؤناؤں کو ابھارا۔ اس کی سہائتا میں مصر سے آئے ہوئے لاکھوں پرچے بانٹے گئے جس میں ان کو ایک دھرم اور ایک جات مصریوں کا ساٹھ دینے پر آمادہ کیا گیا تا۔ سوانتر سبھا نے اپنے چناؤ کے پروگرام میں سوان کی یورن سوانترا اور جنتا کے آرتیک سدھار پر زور دیا تا۔ پر سوان کے 95 فیصدی انڈیہ لوگوں کے لئے یورن سوانترا اور آرتیک سدھار کے شد کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ مگر اسلامی بھائی چارے اور بڑے بھائی کے سنگٹھت کے نعرے اوشہ ان کے دل کو موہنے والے تھے۔



नवीन मिस्र के अरबों ने इस देश का नाम 'सूडान' यानी काली बस्ती रक्खा. नवीन मिस्र के पहले स्वतंत्र महाराजा मुहम्मद अली ने सूडान को अपने शासनाधिकार में ले लिया, पर 1841 ई० में उनकी मौत के बाद उनके उत्तराधिकारियों की कमजोरी के कारन सूडान में चारों तरफ गड़बड़ी फैल गई, जिससे खिन्न होकर हुबेश नामक सांप्रदाय के नेता मुहम्मद अहमद अलमहदी ने मिस्री शासन के विरुद्ध विद्रोह कर दिया और बड़ी घमासान लड़ाइयों के बाद मिस्री और उनकी सहायता पर आई हुई अंग्रेजी सेना का बिलकुल सफाया करके पूर्ण स्वतंत्रता प्राप्त करली. पर कुछ ही साल के बाद अंग्रेजों ने लार्ड किचनर के सेनापतित्व में आधुनिक हथियारों से लैस एक बड़ी सेना के साथ सूडान पर हमला करा दिया. हथियारों की कमी और लड़ाई के तकनीक में निपुण न होने के बावजूद देशभक्त दुरवेशों ने कई स्थानों पर बड़ी धीरता से उसका सामना किया, पर अन्त में घमासान युद्ध के बाद बह 1898 ई० में खारलूम के युद्ध में हार गये और सूडान साम्राज्यवादी ताज का एक अंग बन गया.

चूँकि मिस्र की खिन्दगी नील नदी पर निर्भर है इस लिये मिस्री जनता सदा से इच्छुक रही है कि पूरे नील नदी पर उसकी प्रधानता रहे. इसलिये अंग्रेजी राजनैतिक नेताओं ने मिस्रियों की इस भावना का खयाल रखते हुए और उनको प्रसन्न करने के लिये सूडान में मिस्र और बर्तोनिया के सामे का शासन स्थापित किया, पर असलियत में सूडान पर शासन करने का पूर्ण अधिकार ब्रिटिश गवर्नर जनरल के हाथ में रखा गया.

मगर मिस्री नेता कभी इस तरह के प्रबंध से संतुष्ट नहीं रहे और सूडान की समस्या पर मिस्र में बर्तोनिया के विरुद्ध बराबर आवाज उठती रही और प्रदर्शन होते रहे. 1936 ई० में मिस्र की आजादी के बाद से सूडान को मिस्र के साथ मिलाने की मांग जोर पकड़ती गई, यहां तक कि 1951 ई० में बक्रद पार्टी की सरकार के 1936 ई० के मिस्री अंग्रेजी सम्झौते को तोड़ कर फारुक (मिस्र के भूतपूर्व राजा) को सूडान का भी राजा घोषित कर दिया.

जुलाई सन '52 में मिस्र में फौजी क्रांति के बाद जनरल नजीब के हाथ में देश का शासन आ गया. चूँकि वह पैदाइशी सूडानी हैं इसलिये मिस्रियों की तरह सूडानियों में भी नील की घाटी के संगठन की भावना बहुत उभर गई. मिस्री सरकार के दबाव और सूडान में आये दिन के अपने विरुद्ध आन्दोलनों से असमर्थ होकर बर्तोनिया ने इस समस्या पर आम चुनाव कराने के लिये यू० एन० ओ० के फ़ैसले को स्वीकार कर लिया. अमरीका, बेलजियम, भारत, पाकिस्तान के प्रतिनिधि चुनाव बोर्ड में शामिल थे. भारत के प्रतिनिधि श्री शिवकुमार सेन इस बोर्ड के अध्यक्ष चुने गये.

नवीन मिस्र के अरबों ने इस देश का नाम 'सूडान' यानी काली बस्ती रक्खा. पहले स्वतंत्र महाराजा मुहम्मद अली ने सूडान को अपने शासनाधिकार में ले लिया, पर 1841 ई० में उनकी मौत के बाद उनके उत्तराधिकारियों की कमजोरी के कारन सूडान में चारों तरफ गड़बड़ी फैल गई, जिससे खिन्न होकर हुबेश नामक सांप्रदाय के नेता मुहम्मद अहमद अलमहदी ने मिस्री शासन के विरुद्ध विद्रोह कर दिया और बड़ी घमासान लड़ाइयों के बाद मिस्री और उनकी सहायता पर आई हुई अंग्रेजी सेना का बिलकुल सफाया करके पूर्ण स्वतंत्रता प्राप्त करली. पर कुछ ही साल के बाद अंग्रेजों ने लार्ड किचनर के सेनापतित्व में आधुनिक हथियारों से लैस एक बड़ी सेना के साथ सूडान पर हमला करा दिया. हथियारों की कमी और लड़ाई के तकनीक में निपुण न होने के बावजूद देशभक्त दुरवेशों ने कई स्थानों पर बड़ी धीरता से उसका सामना किया, पर अन्त में घमासान युद्ध के बाद बह 1898 ई० में खारलूम के युद्ध में हार गये और सूडान साम्राज्यवादी ताज का एक अंग बन गया.

चूँकि मिस्र की खिन्दगी नील नदी पर निर्भर है इस लिये मिस्री जनता सदा से इच्छुक रही है कि पूरे नील नदी पर उसकी प्रधानता रहे. इसलिये अंग्रेजी राजनैतिक नेताओं ने मिस्रियों की इस भावना का खयाल रखते हुए और उनको प्रसन्न करने के लिये सूडान में मिस्र और बर्तोनिया के सामे का शासन स्थापित किया, पर असलियत में सूडान पर शासन करने का पूर्ण अधिकार ब्रिटिश गवर्नर जनरल के हाथ में रखा गया.

मगर मिस्री नेता कभी इस तरह के प्रबंध से संतुष्ट नहीं रहे और सूडान की समस्या पर मिस्र में बर्तोनिया के विरुद्ध बराबर आवाज उठती रही और प्रदर्शन होते रहे. 1936 ई० में मिस्र की आजादी के बाद से सूडान को मिस्र के साथ मिलाने की मांग जोर पकड़ती गई, यहां तक कि 1951 ई० में बक्रद पार्टी की सरकार के 1936 ई० के मिस्री अंग्रेजी सम्झौते को तोड़ कर फारुक (मिस्र के भूतपूर्व राजा) को सूडान का भी राजा घोषित कर दिया.

जुलाई सन '52 में मिस्र में फौजी क्रांति के बाद जनरल नजीब के हाथ में देश का शासन आ गया. चूँकि वह पैदाइशी सूडानी हैं इसलिये मिस्रियों की तरह सूडानियों में भी नील की घाटी के संगठन की भावना बहुत उभर गई. मिस्री सरकार के दबाव और सूडान में आये दिन के अपने विरुद्ध आन्दोलनों से असमर्थ होकर बर्तोनिया ने इस समस्या पर आम चुनाव कराने के लिये यू० एन० ओ० के फ़ैसले को स्वीकार कर लिया. अमरीका, बेलजियम, भारत, पाकिस्तान के प्रतिनिधि चुनाव बोर्ड में शामिल थे. भारत के प्रतिनिधि श्री शिवकुमार सेन इस बोर्ड के अध्यक्ष चुने गये.

نہیں سکا کس کس ہوگا یا آگے لے جی کیا ہوگا؟

بے یار نے بیل لاکر منہ دیا۔ اسکا ہونٹل میرے ہونٹل کے دوسری طرف تھا، اسلئے دروازے سے نکلتے ہی ہم لوگ ویریت دشاں میں مڑ گئے۔ راستے میں ٹھنکی ہوئیں اور کرتی ہوئی ہرف منہ پر تھپتہ دے رہی تھیں پر میں پرسن چٹ چٹا جا رہا تھا۔ آسمان کالا ہو چلا تھا اور آسمیں ہرف سے لے ہوئے گھر اور سڑکیں دہا دہا کر چمک رہی تھیں۔

بے یار نے بیل لا کر مجھے دیا۔ اُس کا ہونٹل میرے ہونٹل کے دوسری طرف تھا، اسلئے دروازے سے نکلتے ہی ہم لوگ ویریت دشاں میں مڑ گئے۔ راستے میں ٹھنکی ہوئیں اور کرتی ہوئی ہرف منہ پر تھپتہ دے رہی تھیں پر میں پرسن چٹ چٹا جا رہا تھا۔ آسمان کالا ہو چلا تھا اور آسمیں ہرف سے لے ہوئے گھر اور سڑکیں دہا دہا کر چمک رہی تھیں۔

## “سودان”

( جَمِیرِ حسن کاجِ مِی )

اتر میں مصر، دکن میں برٹش یوگنڈا اور بیلجیئم کانگو، یورپ میں اٹھوہیا، اتر یورپ میں لال ساگر، پچھم میں فرینچ ایکونٹرویل افریقہ اور اتر پچھم میں لیبیا سے سودان گھرا ہے۔ اِس کا رقبہ دس لاکھ ورگ میل ہے اور آبادی اسی لاکھ ہے۔ دیہی کا اہمتر حصہ ریستان اور کم آبجائو ہے۔ دکن بھاگ میں جہاں سال میں دو بار بارش ہوتی ہے، گنجان جنگل ہیں جن میں رہر اور مہوگنی کے پیڑ بھونایت سے اُگتے ہیں۔

نیل ندی اسی دیش سے ہو کر گذرتی ہے۔ سفید نیل گنڈرہ افریقہ کی وکٹوریا نامک کھیل سے نکل کر سودان میں داخل ہوتی ہے۔ خارنوم میں اُس میں اٹھوہیا کے پہاڑوں سے نکلی ہوئی نیلی نیل نامک ندی ملتی ہے۔ نیل ندی کی آبجائو کھائی میں روئی بھونایت سے پیدا ہوتی ہے اور ودیشوں کو پہنچاتی ہے۔ ریستانی چھتروں میں ببول کے لاکھوں پیڑ اُگے ہیں۔ ان سے بہت بڑی ماترا میں گوند پراپت کی جاتی ہے اور سنسار کے بہت سے دیشوں میں بھجی جاتی ہے۔ خارنوم یہاں کی راجدھانی ہے اور دیش کا اکیلا آدھونک دھنگ پر آباد نگر ہے۔ یہ سفید اور نیل کے سنم پر بسا ہوا ہے۔ لال ساگر پر استھت سودان اور سوافین یہاں کے بندرگاہ ہیں جو خارنوم اور دوسرے پوسدہ نگر بربر سے ریلوے دوارا ملے ہوئے ہیں۔

لگ بھگ بارہ سو سال پہلے اسلام دھرم یہاں عربوں کے ذریعہ پہنچا۔ یہاں کے فوالسی بہت کالے تھے، اِس لئے

## “سودان”

( ضمیر حسن کاجِ مِی )

اتر میں مصر، دکن میں برٹش یوگنڈا اور بیلجیئم کانگو، یورپ میں اٹھوہیا، اتر یورپ میں لال ساگر، پچھم میں فرینچ ایکونٹرویل افریقہ اور اتر پچھم میں لیبیا سے سودان گھرا ہے۔ اِس کا رقبہ دس لاکھ ورگ میل ہے اور آبادی اسی لاکھ ہے۔ دیہی کا اہمتر حصہ ریستان اور کم آبجائو ہے۔ دکن بھاگ میں جہاں سال میں دو بار بارش ہوتی ہے، گنجان جنگل ہیں جن میں رہر اور مہوگنی کے پیڑ بھونایت سے اُگتے ہیں۔

نیل ندی اسی دیش سے ہو کر گذرتی ہے۔ سفید نیل گنڈرہ افریقہ کی وکٹوریا نامک کھیل سے نکل کر سودان میں داخل ہوتی ہے۔ خارنوم میں اُس میں اٹھوہیا کے پہاڑوں سے نکلی ہوئی نیلی نیل نامک ندی ملتی ہے۔ نیل ندی کی آبجائو کھائی میں روئی بھونایت سے پیدا ہوتی ہے اور ودیشوں کو پہنچاتی ہے۔ ریستانی چھتروں میں ببول کے لاکھوں پیڑ اُگے ہیں۔ ان سے بہت بڑی ماترا میں گوند پراپت کی جاتی ہے اور سنسار کے بہت سے دیشوں میں بھجی جاتی ہے۔ خارنوم یہاں کی راجدھانی ہے اور دیش کا اکیلا آدھونک دھنگ پر آباد نگر ہے۔ یہ سفید اور نیل کے سنم پر بسا ہوا ہے۔ لال ساگر پر استھت سودان اور سوافین یہاں کے بندرگاہ ہیں جو خارنوم اور دوسرے پوسدہ نگر بربر سے ریلوے دوارا ملے ہوئے ہیں۔

لگ بھگ بارہ سو سال پہلے اسلام دھرم یہاں عربوں کے ذریعہ پہنچا۔ یہاں کے فوالسی بہت کالے تھے، اِس لئے

”اس جانکاری کے بعد اب میرے پاس کوئی کام تو تھا نہیں۔ لیکن یہ لوگوں کے ان گچھوں کا کیا کیا جائے؟ میں نے اس بدھی استری سے کہا کہ انہیں وہ آہ۔ چاؤ کو دے دے۔ آہ۔ چاؤ نہ مجھے دیکھو ایسا بھاگی تھی جیسے میں کوئی بھیڑیا ہوں اور اُسے دبوچ لوں گا۔ مہری لچھا تو نہیں تھی کہ یہ بھول میں اُسے دوں۔ پھر بھی میں نے انہیں اُس کو دے دیا ناکہ میں ماں سے کہ سکوں کہ آہ۔ شن انہیں پاتے ہی بڑی پرسن ہو گئی تھی جس سے ماں کو سنتوہ ہو جائے۔ کون ایسی چھوٹی باتوں کی پرواہ کرتا ہے؟ سب ہی چاہتے ہیں کہ کسی پرکار سر پر سے ہلے۔ نیا سال شروع ہوتے ہی میں ادھیان کر رہے پھر شروع کر دوں گا۔ مجھے کنفرشیس کی وجہ دھارا پڑھانی پڑتی ہے۔“

میں نے آश्चर्य چکیت ہو کر پوچھا—”کیا تمہارا विशय کنفرشیس ہے؟“

”اس نے اُتر دیا۔“ اور کیا؟ تو سمجھتے تھے میں انگریزی پڑھتا ہوں۔ پہلے میرے دو ویدیا تھے۔ ایک اردیسے کی کتاب پڑھتا تھا، دوسرا مینشیس کی۔ حال ہی میں ایک لڑکی نے ”کیلن فار گرلس“ پڑھنا شروع کیا ہے میں حساب یہی نہیں پڑھتا۔ کارن یہ نہیں ہے کہ میں پڑھا نہیں سکتا۔ وہ پڑھنا ہی نہیں چاہتے۔“

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس طرح کی کتابیں پڑھتے ہو گے!“

”اُن کے باپ چاہتے ہیں کہ انہیں یہی پڑھایا جائے۔ میں تو باہر کا رہنے والا ہوں۔ اِس لئے میرے لئے سب ایک ہی جیسا ہے۔ کون ان باتوں کی پرواہ کرے؟“

اُس کا چہرہ لال ہو گیا تھا جیسے اُس نے بہت شراب پی لی ہو، پر آنکھیں میں وہ جھوٹی نہیں تھی۔ میں نے یہی ایک لمبی سانس لی اور کچھ دیر تک گم غم بیٹھا رہا۔ سیدھی پر کھٹ کھٹ کی آواز ہوئی اور کچھ گرلھک اُپر کمرے میں آئے۔ پہلا گرلھک نائے قد کا گول منہ کا تھا، دوسرا لمبا تھا اور اُس کے چہرے پر لمبی سی لال ناک تھی۔ اُس کے پیچھے اور بھی کئی دیکتی تھیں۔ اُن کے ہڈ چپ سے کمرہ ہلنے لگا۔ میں نے نو۔ وی۔ نو کی طرف دیکھا اور پھر پیرا سے ہل لانے کے لئے کہا۔

جائے کے لئے تیار ہوتے ہوئے میں نے پرسن کیا—”کیا تمہیں گنر بسر کرنے بھر کے لئے تختہ مل جاتی ہے؟“

اُس نے اُتر دیا—”مجھے بیس ڈالر پرتی ماہ ملتا ہے اور کم چلا سکے کے لئے اتنا گنی ہے۔“

”اُنکے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“

”نہیں نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟“

”آج تک اپنی لچھا ہنسار کام کر پایا ہے؟ میں تو اب کسی چلو کے بارے میں کنشیت نہیں رہتا، کم

”اس جانکاری کے بعد اب میرے پاس کوئی کام تو تھا نہیں۔ لیکن یہ لوگوں کے ان گچھوں کا کیا کیا جائے؟ میں نے اس بدھی استری سے کہا کہ انہیں وہ آہ۔ چاؤ کو دے دے۔ آہ۔ چاؤ نہ مجھے دیکھو ایسا بھاگی تھی جیسے میں کوئی بھیڑیا ہوں اور اُسے دبوچ لوں گا۔ مہری لچھا تو نہیں تھی کہ یہ بھول میں اُسے دوں۔ پھر بھی میں نے انہیں اُس کو دے دیا ناکہ میں ماں سے کہ سکوں کہ آہ۔ شن انہیں پاتے ہی بڑی پرسن ہو گئی تھی جس سے ماں کو سنتوہ ہو جائے۔ کون ایسی چھوٹی باتوں کی پرواہ کرتا ہے؟ سب ہی چاہتے ہیں کہ کسی پرکار سر پر سے ہلے۔ نیا سال شروع ہوتے ہی میں ادھیان کر رہے پھر شروع کر دوں گا۔ مجھے کنفرشیس کی وجہ دھارا پڑھانی پڑتی ہے۔“

میں نے آश्चर्य چکیت ہو کر پوچھا—”کیا تمہارا विशय کنفرشیس ہے؟“

”اس نے اُتر دیا۔“ اور کیا؟ تم سمجھتے تھے میں انگریزی پڑھتا ہوں۔ پہلے میرے دو ویدیا تھے۔ ایک اردیسے کی کتاب پڑھتا تھا، دوسرا مینشیس کی۔ حال ہی میں ایک لڑکی نے ”کیلن فار گرلس“ پڑھنا شروع کیا ہے میں حساب یہی نہیں پڑھتا۔ کارن یہ نہیں ہے کہ میں پڑھا نہیں سکتا۔ وہ پڑھنا ہی نہیں چاہتے۔“

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس طرح کی کتابیں پڑھتے ہو گے!“

”اُن کے باپ چاہتے ہیں کہ انہیں یہی پڑھایا جائے۔ میں تو باہر کا رہنے والا ہوں۔ اِس لئے میرے لئے سب ایک ہی جیسا ہے۔ کون ان باتوں کی پرواہ کرے؟“

اُس کا چہرہ لال ہو گیا تھا جیسے اُس نے بہت شراب پی لی ہو، پر آنکھیں میں وہ جھوٹی نہیں تھی۔ میں نے یہی ایک لمبی سانس لی اور کچھ دیر تک گم غم رہا۔ سیدھی پر کھٹ کھٹ کی آواز ہوئی اور کچھ گرلھک اُپر کمرے میں آئے۔ پہلا گرلھک نائے قد کا گول منہ کا تھا، دوسرا لمبا تھا اور اُس کے چہرے پر لمبی سی لال ناک تھی۔ اُس کے پیچھے اور بھی کئی دیکتی تھیں۔ اُن کے ہڈ چپ سے کمرہ ہلنے لگا۔ میں نے نو۔ وی۔ نو کی طرف دیکھا اور پھر پیرا سے ہل لانے کے لئے کہا۔

جائے کے لئے تیار ہوتے ہوئے میں نے پرسن کیا—”کیا تمہیں گنر بسر کرنے بھر کے لئے تختہ مل جاتی ہے؟“

اُس نے اُتر دیا—”مجھے بیس ڈالر پرتی ماہ ملتا ہے اور کم چلا سکے کے لئے اتنا گنی ہے۔“

”اُنکے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“

”نہیں نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟“

”آج تک اپنی لچھا ہنسار کام کر پایا ہے؟ میں تو اب کسی چلو کے بارے میں کنشیت نہیں رہتا، کم

ہی تھا۔ اسلئے میں اس بار چاگ-کے کے بار کے سامنے والی لکڑی کی ڈال تھک گیا۔ دکاندار کی ماں دکان میں تھی۔ انہوں نے مجھے پہچان لیا اور دکان میں آنے کے لیے کہا۔ شیشاچار کی باتیں سمجھنے کے بعد میں نے ان سے یہاں آنے کا کارن بتلایا۔ میں نے چاگ-کے کے بارے میں پوچھا۔ مجھے اُمید تھی کہ وہ اتنی لمبی سانس لے کر ہولینگی۔ ”کتنے دھڑکی ہاتھ لگے کہ آہ۔ سن کے ہاتھ میں ان سندر ہولوں کا پہننا نہیں ہوتا تھا۔“

پھر اُس نے مجھے پوری کہانی سنائی۔ اُس نے بتلایا—

”شاید پچھلے بسنت کے بعد سے ہی وہ دبی اور پٹی پڑتی دھائی دینے لگی تھی۔ بعد کے دنوں میں تو وہ رونے لگتی تھی اور کئی کے کارن پچھنے پر اُتر ہی نہیں دیتی تھی۔ کبھی کبھی وہ رات بھر روتی رہتی۔ چاگ-کے کے بارے میں سے بات باہر ہو جاتی تو وہ بکڑ اُٹھتا۔“ اتنی بڑی ہو جانے پر شادی نہ ہو پالے کے کارن ہی وہ پاگل ہو گئی تھی۔ جب ہیمنٹ آیا اُسے دکھ ہو گیا اور اُس نے چارپائی پکڑ لی اور پھر اُسے کبھی نہ چھوڑا۔ کچھ ہی دن پہلے اُس کی موت ہو گئی۔ مرنے کے سمنے اُس نے چاگ-کے کو بتلایا کہ وہ اپنے ماں کے ہی سمان بیمار ہو گئی تھی۔ کھانسنے سے اُسے خون آتا تھا اور رات میں بخار بھی تیز ہو جاتا تھا۔ اُس نے اب تک یہ بات چھپا رکھی تھی تاکہ اُسے پریشانی نہ ہو۔ ایک دن شام کو اُس کا چچا چاگ-کے کینگ اپنا زور پٹہ مانگے آیا۔ جب اُس نے روپے دینے میں اُسرتھتا پرگت کی تو وہ مسکراتے ہوئے بولا—”اتنا کھنڈ مت کرو۔ تمہارا آدمی تو مہرے جیسا ہی نہیں ہے۔“ وہ بڑی پریشان ہو گئی پر لچا کے کارن کچھ بھی پوچھ نہ سکتی تھی، کیوں رو سکتی تھی۔ رو کر من ہلکا کر لیا۔ چاگ-کے نے اُسے بتلایا کہ اُس کا بھائی پتی اُس کے کتنا یوگیہ تھا، پر اب تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ اُسے وشواس نہ ہوا۔ اُس نے بولی—”اچھا ہے کہ میں ایسی ہوں۔ کسی کو مہرے کارن پریشانی تو نہیں ہوتی۔“

”اُس بڑھی عورت نے یہی کہا—”سچ سچ یہی اُس کا پتی چاگ-کے کینگ جیسا ہی نہ ہوتا تو اُسے بہت کشت اُٹھانا پڑتا۔ کیسا آدمی وہ ہوتا؟ جب وہ اُس کی اڑتھی کو اُٹھانے آیا تو میں نے اُسے دیکھا تھا۔ وہ صاف کپڑے پہنے تھا اور سماج میں رہنے یوگیہ تھا۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ ناؤ پر بڑی محنت سے کام کر کے وہ کچھ پیسے بچا سکا تھا تاکہ وہ شادی کر سکے اور اب اُس کی بیوا پتی ہی مر گئی۔ اوشیہ ہی وہ پہلا آدمی رہا تھا۔ چاگ-کے کینگ نے اُس کے بارے میں جو کچھ بولی کہا جھوٹ تھا۔ کتنے دھڑکی ہاتھ لگے کہ آہ۔ سن کے اُسے پیشہور جھوٹے کی باتوں میں وشواس کر لیا اور اکران ہی مر گئی۔ پر کوئی کسی کو کہیں دوش دے جب اپنا بھائیہ ہی کہتا ہو۔“

کے بیچارے میرے سہیل ہی تھے۔ دوسرے ہی دن مجھے اپنے بیچاروں پر بڑی ہنسی آئی اور میں انہیں بھول ہی گیا۔

”مجھے معلوم نہیں تھا کہ اُسے ایک بار نقلی پھولوں کے لئے مار پڑ چکی ہے۔ پھر جب میں نے اس بات کا ذکر کیا، مجھے پھر کھانے والی گھنٹا یاد آگئی۔ میں نے تابیوں کی دوکانوں میں وہ پھول ڈھونڈنا پر وہاں نہ ملا۔ جب میں سینان گیا تب وہاں سے لایا۔“

باہر کیمولیا کے بیڑ پر لہری ہوائی برف کے پھسل کر گرنے سے ہنسی سی آواز ہوئی اور میرا دھیان ہی اُچٹ گیا۔ برف کے پڑنے سے وہ بیڑ جھکا جا رہا تھا۔ اُس کی تہیاں اب پھر سیدھی ہو گئیں اور اُس میں لگے لال پھول اب پہلے سے بھی ادھک چمکنے لگے۔ آکھن کا سلیٹی رنگ بھی گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ دروازوں کی چوڑیوں پر شروع ہو گئی تھی۔ شام ہو چلی تھی۔ میں نے برف سے تھکی ہوئے کے گلن انہیں کھانے کو کچھ بھی نہیں ملا تھا۔ وہ سب جلدی ہی اپنے گھونسلوں میں چلی گئیں اور ہر طرف پھر شانتی چھا گئی۔

کھڑکی کے باہر جھانک کر اُس نے پیالہ خالی کر دیا اور کمریٹ کے کھن کھینچتے ہوئے ہرلا—”سینان میں میں نقلی واپ خرید پایا۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ جن پھولوں کے لئے اُسے مار پڑی تھی وہ ویسے ہی تھے جیسے میں لایا تھا۔ یہ ہی ویلیوٹ (ایک پرکار کا چمکنا مضملی کھڑا) کے بنے تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اُسے گہرا لال رنگ پسند تھا اٹلکا گئی۔ اس لئے دونوں رنگ کے ایک ایک گچھے لینا یا۔“

”آج درپہر کو کھانا کالے کے بعد میں چائگ۔ نو کے گھر گیا۔ اسی کلم کے لئے میں ایک دن زیادہ رک گیا تھا۔ اُس کا ہر ٹھیک اُس جگہ پر پہلے ہی جیسا تھا۔ پڑ گھر میں ایک عجیب اداسی چھائی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ شاید وہ میرے سستش کی کوری کاٹنا ہی رہی ہو۔ اس کا لڑکا اور چھوٹی زکی آہ۔ چاؤ باہر دروازے پر ہی کھڑے تھے۔ آہ۔ چاؤ پہلے سے بہت بڑی ہو گئی تھی پڑ اُس کی بہن سے اُس میں بڑی اسدانتا ہی۔ مجھے آتے دیکھ کر وہ گھر کے اندر چلی گئی۔ لوکے سے چہلے پڑ پتہ لگا کہ چائگ۔ نو گھر پر نہیں تھا۔ ”اور تمہاری بہن؟“ میں نے پوچھا۔ وہ گھر کو موری طرف دیکھنے لگا اور پرشن لیا۔ ”اُس سے کیا کلم ہے؟“ وہ بڑا ہیٹانک دیکھنے لگا جیسے ہمارے اوپر حملہ کرنا چاہتا ہو۔ چپ چاپ میں لوٹ آیا، آجکل میرا بھی حال ہوتا ہے۔“

”تم انداز نہیں لگا سکتے کہ آجکل مجھے کسی کے یہاں جانے میں کتنا قہر لگتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگ میرا آنا نہیں پسند کرتے اور اسی گلن میں سویم اپنے سے گھرنا لڑنے لگ گیا ہوں۔ یہ جان کر اب میں کسی کے یہاں جاتا بھی نہیں ہوں۔ پر میں کا سہیل ہوا کلم تو کرنا

بہر کیمولیا کے بیڑ پر لہری ہوائی برف کے پھسل کر گرنے سے ہنسی سی آواز ہوئی اور میرا دھیان ہی اُچٹ گیا۔ برف کے پڑنے سے وہ بیڑ جھکا جا رہا تھا۔ اُس کی تہیاں اب پھر سیدھی ہو گئیں اور اُس میں لگے لال پھول اب پہلے سے بھی ادھک چمکنے لگے۔ آکھن کا سلیٹی رنگ بھی گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ دروازوں کی چوڑیوں پر شروع ہو گئی تھی۔ شام ہو چلی تھی۔ میں نے برف سے تھکی ہوئے کے گلن انہیں کھانے کو کچھ بھی نہیں ملا تھا۔ وہ سب جلدی ہی اپنے گھونسلوں میں چلی گئیں اور ہر طرف پھر شانتی چھا گئی۔

کھڑکی کے باہر جھانک کر اُس نے پیالہ خالی کر دیا اور کمریٹ کے کھن کھینچتے ہوئے ہرلا—”سینان میں میں نقلی واپ خرید پایا۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ جن پھولوں کے لئے اُسے مار پڑی تھی وہ ویسے ہی تھے جیسے میں لایا تھا۔ یہ ہی ویلیوٹ (ایک پرکار کا چمکنا مضملی کھڑا) کے بنے تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اُسے گہرا لال رنگ پسند تھا اٹلکا گئی۔ اس لئے دونوں رنگ کے ایک ایک گچھے لینا یا۔“

”آج درپہر کو کھانا کالے کے بعد میں چائگ۔ نو کے گھر گیا۔ اسی کلم کے لئے میں ایک دن زیادہ رک گیا تھا۔ اُس کا ہر ٹھیک اُس جگہ پر پہلے ہی جیسا تھا۔ پڑ گھر میں ایک عجیب اداسی چھائی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ شاید وہ میرے سستش کی کوری کاٹنا ہی رہی ہو۔ اس کا لڑکا اور چھوٹی زکی آہ۔ چاؤ باہر دروازے پر ہی کھڑے تھے۔ آہ۔ چاؤ پہلے سے بہت بڑی ہو گئی تھی پڑ اُس کی بہن سے اُس میں بڑی اسدانتا ہی۔ مجھے آتے دیکھ کر وہ گھر کے اندر چلی گئی۔ لوکے سے چہلے پڑ پتہ لگا کہ چائگ۔ نو گھر پر نہیں تھا۔ ”اور تمہاری بہن؟“ میں نے پوچھا۔ وہ گھر کو موری طرف دیکھنے لگا اور پرشن لیا۔ ”اُس سے کیا کلم ہے؟“ وہ بڑا ہیٹانک دیکھنے لگا جیسے ہمارے اوپر حملہ کرنا چاہتا ہو۔ چپ چاپ میں لوٹ آیا، آجکل میرا بھی حال ہوتا ہے۔“

”تم انداز نہیں لگا سکتے کہ آجکل مجھے کسی کے یہاں جانے میں کتنا قہر لگتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگ میرا آنا نہیں پسند کرتے اور اسی گلن میں سویم اپنے سے گھرنا لڑنے لگ گیا ہوں۔ یہ جان کر اب میں کسی کے یہاں جاتا بھی نہیں ہوں۔ پر میں کا سہیل ہوا کلم تو کرنا

بہر کیمولیا کے بیڑ پر لہری ہوائی برف کے پھسل کر گرنے سے ہنسی سی آواز ہوئی اور میرا دھیان ہی اُچٹ گیا۔ برف کے پڑنے سے وہ بیڑ جھکا جا رہا تھا۔ اُس کی تہیاں اب پھر سیدھی ہو گئیں اور اُس میں لگے لال پھول اب پہلے سے بھی ادھک چمکنے لگے۔ آکھن کا سلیٹی رنگ بھی گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ دروازوں کی چوڑیوں پر شروع ہو گئی تھی۔ شام ہو چلی تھی۔ میں نے برف سے تھکی ہوئے کے گلن انہیں کھانے کو کچھ بھی نہیں ملا تھا۔ وہ سب جلدی ہی اپنے گھونسلوں میں چلی گئیں اور ہر طرف پھر شانتی چھا گئی۔

کبھی کسی کو اپنے بالوں میں لال رنگ کے نکلی فूल لگایا۔ اسے بھڑکاتا ہوا دیکھا کہ وہ اس کے لئے مچل اٹھی اور نہ ملنے پر بھر روتی رہی۔ غصے میں اس کے پتے اُسے مارا بھی۔ دو دن تک اس کی آنکھیں سوچی رہیں۔ اس پرکار کے لال دوسرے شہر سے آتے تھے اور "ایس" نگر میں نہیں ملتے تھے۔ لائے اُسے اُن پھولوں کے پالے کی کرنی آشا بھی نہیں تھی۔ ہم میں اس بار ادھر آ رہا تھا۔ میری ماں نے دو پھول خریدے اُس کو دینے کے لئے کہا۔

"اس کام سے پریشان ہونے کے بجائے مجھے خوشی ہی ہونی۔ شبنم کے لئے کچھ کر سکنے کی امید میں میں پرسن ہو اٹھا۔ سال کے پہلے جب میں ماں کو لوانے آیا تھا چانگ۔ نو میں ہی تھا اور میں نے اُس سے گنتوں باتیں ہی کی۔ اُس نے مجھے اپنے گرد گھیرنے کے لئے کی کھیر جس سے وہ چینی ہی ملاتے تھے کھانے کے لئے نمکین کیا۔ یہ تو تم جتنے ہی ہو کہ ملاح کے گھر میں سید چینی ملنے کا مطلب ہے کہ وہ غریب نہیں ہے اور اچھا کھانا پیتا ہے۔ میں نے دن تو سوچا کر کیا پر آکر دیا کہ میں بہت تھوڑا ہی لگا۔ اُس نے میری بات کو منظور کرتے ہوئے آہ۔ شبنم سے ان ردوانوں کو بھوک نہیں لگتی۔ تم تھوڑا سامان لاؤ اُس میں چینی زیادہ ملا دیا۔ پر جب وہ لائی تو میں دیکھا کہ وہ کھانا اتنا بڑا تھا کہ شاید میں دن بھر کھانا رکھتا ہوں۔ میں نے کھانا شروع کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ میرا پیالہ گ۔ نو کے پہلے سے چھوٹا تھا۔ میں نے اُس کے پہلے ایسی نہیں کھائی تھی۔ یہ مہنگی تھی اور بہت سواشت نہ تھی۔ اسی کی کھانے کے بعد میں کھانا بند کرنے کی ہی سوچ رہا تھا، میری خوشگئی آہ۔ شبنم پر پڑی۔ اُسے دیکھ کر میری ہمت ن پڑی کہ میں کھانے کی قلیاں رکھوں۔ میں نے اُس کی ہوں میں آشا اور نورشا دونوں کے ہی بڑے دیکھے۔ نورشا کے لئے کہ شاید اُس نے اچھی نہ پکائی ہو اور آشا کے اُس کہ ہم اور کھیر کھانے کے۔ میں نے سوچا کہ پانی میں پیالے کی کھیر پڑی رہنے دینگا تو اُسے بہت دکھ ہوگا، اُس لئے میں آفتی ہی تیزی سے کھانا شروع کیا جیسے چانگ۔ نو کھا رہا تھا۔ تب میں نے محسوس کیا کہ زبردستی کھانے کا کیا مطلب ہے۔ مجھے یاد ہے جب میرے پیٹ میں کینچوئے پڑ گئے تھے چینی کے ساتھ دوا کھانی پڑی تھی اور میری حالت ی ہی ہو گئی تھی۔ پھر یہی مجھے دکھ نہیں ہوا کہ نہ، ہ وہ خالی پیالے اُٹھائے آئی تو اُس کے ہونٹوں پر زخم کی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اُس دن رات پیٹ خراب رہنے کے کارن یہاں میں مجھے نود نہیں اور کھتی کھتی ڈکڑیں آتی رہیں پر میں ایشور بھی ملاتا رہا کہ آہ۔ شبنم ہمیشہ پریشان رہے۔ اُس پرکار

کبھی کسی کو اپنے بالوں میں لال رنگ کے نکلی فूल لگایا۔ اسے بھڑکاتا ہوا دیکھا کہ وہ اس کے لئے مچل اٹھی اور نہ ملنے پر بھر روتی رہی۔ غصے میں اس کے پتے اُسے مارا بھی۔ دو دن تک اس کی آنکھیں سوچی رہیں۔ اس پرکار کے لال دوسرے شہر سے آتے تھے اور "ایس" نگر میں نہیں ملتے تھے۔ لائے اُسے اُن پھولوں کے پالے کی کرنی آشا بھی نہیں تھی۔ ہم میں اس بار ادھر آ رہا تھا۔ میری ماں نے دو پھول خریدے اُس کو دینے کے لئے کہا۔

"اس کام سے پریشان ہونے کے بجائے مجھے خوشی ہی ہونی۔ شبنم کے لئے کچھ کر سکنے کی امید میں میں پرسن ہو اٹھا۔ سال کے پہلے جب میں ماں کو لوانے آیا تھا چانگ۔ نو میں ہی تھا اور میں نے اُس سے گنتوں باتیں ہی کی۔ اُس نے مجھے اپنے گرد گھیرنے کے لئے کی کھیر جس سے وہ چینی ہی ملاتے تھے کھانے کے لئے نمکین کیا۔ یہ تو تم جتنے ہی ہو کہ ملاح کے گھر میں سید چینی ملنے کا مطلب ہے کہ وہ غریب نہیں ہے اور اچھا کھانا پیتا ہے۔ میں نے دن تو سوچا کر کیا پر آکر دیا کہ میں بہت تھوڑا ہی لگا۔ اُس نے میری بات کو منظور کرتے ہوئے آہ۔ شبنم سے ان ردوانوں کو بھوک نہیں لگتی۔ تم تھوڑا سامان لاؤ اُس میں چینی زیادہ ملا دیا۔ پر جب وہ لائی تو میں دیکھا کہ وہ کھانا اتنا بڑا تھا کہ شاید میں دن بھر کھانا رکھتا ہوں۔ میں نے کھانا شروع کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ میرا پیالہ گ۔ نو کے پہلے سے چھوٹا تھا۔ میں نے اُس کے پہلے ایسی نہیں کھائی تھی۔ یہ مہنگی تھی اور بہت سواشت نہ تھی۔ اسی کی کھانے کے بعد میں کھانا بند کرنے کی ہی سوچ رہا تھا، میری خوشگئی آہ۔ شبنم پر پڑی۔ اُسے دیکھ کر میری ہمت ن پڑی کہ میں کھانے کی قلیاں رکھوں۔ میں نے اُس کی ہوں میں آشا اور نورشا دونوں کے ہی بڑے دیکھے۔ نورشا کے لئے کہ شاید اُس نے اچھی نہ پکائی ہو اور آشا کے اُس کہ ہم اور کھیر کھانے کے۔ میں نے سوچا کہ پانی میں پیالے کی کھیر پڑی رہنے دینگا تو اُسے بہت دکھ ہوگا، اُس لئے میں آفتی ہی تیزی سے کھانا شروع کیا جیسے چانگ۔ نو کھا رہا تھا۔ تب میں نے محسوس کیا کہ زبردستی کھانے کا کیا مطلب ہے۔ مجھے یاد ہے جب میرے پیٹ میں کینچوئے پڑ گئے تھے چینی کے ساتھ دوا کھانی پڑی تھی اور میری حالت ی ہی ہو گئی تھی۔ پھر یہی مجھے دکھ نہیں ہوا کہ نہ، ہ وہ خالی پیالے اُٹھائے آئی تو اُس کے ہونٹوں پر زخم کی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اُس دن رات پیٹ خراب رہنے کے کارن یہاں میں مجھے نود نہیں اور کھتی کھتی ڈکڑیں آتی رہیں پر میں ایشور بھی ملاتا رہا کہ آہ۔ شبنم ہمیشہ پریشان رہے۔ اُس پرکار



है.....पर तुम मेरी तरफ ऐसे क्यों देख रहे हो ?..... क्या मैं सचमुच बहुत बदल गया हूँ ? मुझे आज भी वह दिन याद है जब हम दोनों ट्यूटेलरी के मन्दिर में जाते थे और वहाँ मूर्तियों की दाढ़ी पकड़ कर खींचते थे. दिन दिन भर हम लोग बहस करते थे कि चीन में क्रान्तिकारी परिवर्तन कैसे किये जा सकते हैं और कभी कभी तो बहस करते करते आपस में लड़ भी जाते थे. लेकिन अब तो मैं बहुत शान्त और समझौता करने वाला हूँ. कभी कभी तो मैं सोचता हूँ कि यदि मैं अपने पुराने मित्रों से मिलूँ तो वह शायद ही मुझे अपना मित्र मानने को तैयार होंगे. जो कुछ भी हो, मैं जैसा हूँ तुम्हारे सामने हूँ.”

उसने रुक कर सिगरेट निकाला और मुंह में रख कर उसे जला लिया, फिर बोला—“तुम्हारे चेहरे से तो मुझे आभास होता है कि तुममें मेरे लिये अब भी आशा है. यह सही है कि पहिले के मुकाबले में मैं बहुत ही कुन्दजेहन हो गया हूँ पर कुछ चीजें हैं जिनसे बहुत प्रभावित भी होता हूँ. यही कारन है कि तुम्हारे आगे मैं कृतज्ञ भी हूँ पर परेशानी भी बहुत अनुभव करता हूँ. मुझे दुख इसी बात का है कि मेरे उन तमाम दोस्तों को जिन्हें मेरे बारे में, मेरे भविष्य के बारे में अभी भी कुछ आशा है, उन्हें बाद में कुछ दुख होगा.”

कुछ छन रुक कर उसने सिगरेट के कंदा खींचे और मुंह से धुआँ निकालते हुए फिर बोला—“आज ही यहां आने के कुछ ही पहले मैंने एक बेवकूफी की है पर मैं उस पर खुरा हूँ. मेरा वह पड़ोसी जो पूरब की तरफ रहता था, चांग-कू कहलाता था. वह मल्लाह था. उसके एक लड़की थी जिसका नाम था आइ-शुन. जब तुम मेरे घर आते थे, उसे अवश्य देखा होगा. पर तुमने ध्यान नहीं दिया होगा क्योंकि वह छोटी थी. बड़ी होने पर भी वह सुन्दरी नहीं हुई. साधारण सी लम्बे मुंह की, पीली पड़ कर रह गई. लेकिन उसकी आंखें बहुत बड़ी थीं और बरौनियां भी असाधारण रूप से बड़ी थीं. ऐसी साफ आंखें थीं कि उसकी सफेदी की तुलना उषार के आसमान से की जा सकती थी जब हवा न बह रही हो और बादल का एक भी टुकड़ा न हो. वह बड़ी योग्य लड़की थी. जब वह छोटी थी तभी उसके मां की मृत्यु हो गई. अपने छोटे भाई और बहन की देख भाल करने की जिम्मेदारी उसी पर आ गई. उसे अपने पिता की भी क्रिक करनी पड़ती थी और यह सब वह बड़ी खूबी से कर लेती थी. वह कंजूस भी थी. इसलिये धीरे धीरे उसके परिवार ने उन्नति कर ली. शायद ही कोई ऐसा पड़ोसी रहा हो जो उसकी तारीफ नहीं करता था. चांग-कू भी उसकी कड़ाई करता था. इस बार जब मैं घर से यहां आ रहा था, मां ने उसे याद किया था. बड़े बूढ़ों की याददास्त बहुत अच्छी होती है. मां ने बतलाया कि एक बार आइ-शुन ने

..... पर तम नवोय طرف ऐसे क्यों देख रहे हो ?..... क्या मैं सचमुच बहुत बदल गया हूँ ? मुझे आज भी वह दिन याद है जब हम दोनों ट्यूटेलरी के मन्दिर में जाते थे और वहाँ मूर्तियों की दाढ़ी पकड़ कर खींचते थे. दिन दिन भर हम लोग बहस करते थे कि चीन में क्रान्तिकारी परिवर्तन कैसे किये जा सकते हैं और कभी कभी तो बहस करते करते आपस में लड़ भी जाते थे. लेकिन अब तो मैं बहुत शान्त और समझौता करने वाला हूँ. कभी कभी तो मैं सोचता हूँ कि यदि मैं अपने पुराने मित्रों से मिलूँ तो वह शायद ही मुझे अपना मित्र मानने को तैयार होंगे. जो कुछ भी हो, मैं जैसा हूँ तुम्हारे सामने हूँ.”

उसने रुक कर सिगरेट निकाला और मुंह में रख कर उसे जला लिया, फिर बोला—“तुम्हारे चेहरे से तो मुझे आभास होता है कि तुममें मेरे लिये अब भी आशा है. यह सही है कि पहिले के मुकाबले में मैं बहुत ही कुन्दजेहन हो गया हूँ पर कुछ चीजें हैं जिनसे बहुत प्रभावित भी होता हूँ. यही कारन है कि तुम्हारे आगे मैं कृतज्ञ भी हूँ पर परेशानी भी बहुत अनुभव करता हूँ. मुझे दुख इसी बात का है कि मेरे उन तमाम दोस्तों को जिन्हें मेरे बारे में, मेरे भविष्य के बारे में अभी भी कुछ आशा है, उन्हें बाद में कुछ दुख होगा.”

कुछ छन रुक कर उसने सिगरेट के कंदा खींचे और मुंह से धुआँ निकालते हुए फिर बोला—“आज ही यहां आने के कुछ ही पहले मैंने एक बेवकूफी की है पर मैं उस पर खुरा हूँ. मेरा वह पड़ोसी जो पूरब की तरफ रहता था, चांग-कू कहलाता था. वह मल्लाह था. उसके एक लड़की थी जिसका नाम था आइ-शुन. जब तुम मेरे घर आते थे, उसे अवश्य देखा होगा. पर तुमने ध्यान नहीं दिया होगा क्योंकि वह छोटी थी. बड़ी होने पर भी वह सुन्दरी नहीं हुई. साधारण सी लम्बे मुंह की, पीली पड़ कर रह गई. लेकिन उसकी आंखें बहुत बड़ी थीं और बरौनियां भी असाधारण रूप से बड़ी थीं. ऐसी साफ आंखें थीं कि उसकी सफेदी की तुलना उषार के आसमान से की जा सकती थी जब हवा न बह रही हो और बादल का एक भी टुकड़ा न हो. वह बड़ी योग्य लड़की थी. जब वह छोटी थी तभी उसके मां की मृत्यु हो गई. अपने छोटे भाई और बहन की देख भाल करने की जिम्मेदारी उसी पर आ गई. उसे अपने पिता की भी क्रिक करनी पड़ती थी और यह सब वह बड़ी खूबी से कर लेती थी. वह कंजूस भी थी. इसलिये धीरे धीरे उसके परिवार ने उन्नति कर ली. शायद ही कोई ऐसा पड़ोसी रहा हो जो उसकी तारीफ नहीं करता था. चांग-कू भी उसकी कड़ाई करता था. इस बार जब मैं घर से यहां आ रहा था, मां ने उसे याद किया था. बड़े बूढ़ों की याददास्त बहुत अच्छी होती है. मां ने बतलाया कि एक बार आइ-शुन ने

کو لے کر کراچی میں گیا۔ یہ سوچ کر کہ میں اپنے پیارے بھائی کو یہ دیکھ سکوں گا مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ میرے لئے یہ ایک نیا آنسو تھا۔ قبر کے نزدیک پہنچ کر ہم لوگوں نے دیکھا کہ نئی سچ مچ کنارا کٹ رہی تھی اور پانی کڑھ سے کھل دو فٹ کی دوری پر تھا۔ قریب دو سال سے اس قبر پر نئی مٹی نہیں لگائی گئی تھی۔ میں اسی پرزور زمین پر کھڑا ہو گیا اور مردوروں سے کہہ—”کودائی شروع کرو۔“

میں بہت سادہ زبان آدمی ہوں۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس سے میری آواز بڑی آوازوں کی تھی اور اس سے زیادہ بڑی آوازیں میں نے زندگی میں اور کبھی نہیں دی تھیں۔ پر مردوروں کے لئے اس میں کوئی تباہی نہیں تھا۔ وہ کہہ لے جٹ گئے۔ جب وہ کافی کھود چکے اور تابوت کے گہرے تک پہنچ گئے، میں نے جھانک کر دیکھا اور تابوت کو سچ مچ سزا ہوا پایا۔ تابوت قریب قریب پورا ٹوٹ چکا تھا۔ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہی اندر اندر پڑے تھے۔ میرے ہرے کی دھڑکن بڑھ گئی۔ میں اپنے بھائی کو جو دیکھنے والا تھا۔ پر مجھے گھر آکھڑا ہوا جب میں نے دیکھا کہ بستر، کوزے، لاش سبھی نثار نہیں۔ میں نے سوچا کہ سبھی چیزیں گلی گئی ہوگی۔ پر بال تو سب سے دیر میں اور مشکل سے گل پاتا ہے۔ شاید کچھ بال اب بھی پڑے ہوں۔ اس لئے میں کیچڑ میں اُس استھان پر جہاں تکہ رہی ہوگی اُس کے بال ڈھونڈنے لگا۔ پر کچھ پتہ نہ لگا۔“

میں نے دیکھا کہ اُس کی آنکھیں لال ہوئی جارہی تھیں، پر یہ شراب کا پرہیز تھا۔ اُس نے کہا کچھ بھی نہیں۔ کپڑوں شراب پیتا رہا اور قریب ایک پنٹ پی گیا ہوگا۔ اب اس کی شکل اور چہرے کے ہار بھار ویسے ہی عورت جیسے ہیں اپنے پرانے دوست لو۔ وی۔ فو میں دیکھا کرنا تھا۔ میں نے بھرا سے دو پنٹ شراب اور گرم کرنے کو کہا۔ پھر اُس کی طرف موڑ کر اُس کی بائیں سانس میں لگ گیا۔

”واستو میں اس قبر کو پرانی جگہ سے ہٹانے کی کوئی آوشکتا ہائی نہیں رہ گئی تھی۔ میرے لئے کپڑوں ہی کام ہائی تھا کہ زمین کو پھر برابر کروا دوں اور تابوت کو واپس کر دوں۔ حالانکہ تابوت خرید کر پھر واپس کرنا عجیب بات تھی اور دام بھی کم ملتے پر وہ دکاندار اسے ضرور واپس لے لینا۔ اس پرکار میں اپنے خرچ کے لئے وہ پیسے ضرور بچالیتا۔ میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں نے تابوت میں بستر بچھنا پرانی قبر کی تھوڑی مٹی اُس میں رکھ کر اُس کو اپنے پتا کی قبر کے پتل میں ایک نئی قبر میں رکھ دیا۔ چونکہ قبر کے چاروں طرف مجھے اینٹ کا گھبرا ہوا تھا اس لئے کل دن پھر میں اُسی میں ویسٹ را۔ اس پرکار سے میں نے یہ کام پورا کیا۔ کم سے کم میری ماں کو سنتوش دینے کے لئے کافی

کو لے کر کراچی میں گیا۔ یہ سوچ کر کہ میں اپنے پیارے بھائی کو یہ دیکھ سکوں گا مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ میرے لئے یہ ایک نیا آنسو تھا۔ قبر کے نزدیک پہنچ کر ہم لوگوں نے دیکھا کہ نئی سچ مچ کنارا کٹ رہی تھی اور پانی کڑھ سے کھل دو فٹ کی دوری پر تھا۔ قریب دو سال سے اس قبر پر نئی مٹی نہیں لگائی گئی تھی۔ میں اسی پرزور زمین پر کھڑا ہو گیا اور مردوروں سے کہہ—”کودائی شروع کرو۔“

میں بہت سادہ زبان آدمی ہوں۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس سے میری آواز بڑی آوازوں کی تھی اور اس سے زیادہ بڑی آوازیں میں نے زندگی میں اور کبھی نہیں دی تھیں۔ پر مردوروں کے لئے اس میں کوئی تباہی نہیں تھا۔ وہ کہہ لے جٹ گئے۔ جب وہ کافی کھود چکے اور تابوت کے گہرے تک پہنچ گئے، میں نے جھانک کر دیکھا اور تابوت کو سچ مچ سزا ہوا پایا۔ تابوت قریب قریب پورا ٹوٹ چکا تھا۔ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہی اندر اندر پڑے تھے۔ میرے ہرے کی دھڑکن بڑھ گئی۔ میں اپنے بھائی کو جو دیکھنے والا تھا۔ پر مجھے گھر آکھڑا ہوا جب میں نے دیکھا کہ بستر، کوزے، لاش سبھی نثار نہیں۔ میں نے سوچا کہ سبھی چیزیں گلی گئی ہوگی۔ پر بال تو سب سے دیر میں اور مشکل سے گل پاتا ہے۔ شاید کچھ بال اب بھی پڑے ہوں۔ اس لئے میں کیچڑ میں اُس استھان پر جہاں تکہ رہی ہوگی اُس کے بال ڈھونڈنے لگا۔ پر کچھ پتہ نہ لگا۔“

میں نے دیکھا کہ اُس کی آنکھیں لال ہوئی جارہی تھیں، پر یہ شراب کا پرہیز تھا۔ اُس نے کہا کچھ بھی نہیں۔ کپڑوں شراب پیتا رہا اور قریب ایک پنٹ پی گیا ہوگا۔ اب اس کی شکل اور چہرے کے ہار بھار ویسے ہی عورت جیسے ہیں اپنے پرانے دوست لو۔ وی۔ فو میں دیکھا کرنا تھا۔ میں نے بھرا سے دو پنٹ شراب اور گرم کرنے کو کہا۔ پھر اُس کی طرف موڑ کر اُس کی بائیں سانس میں لگ گیا۔

”واستو میں اس قبر کو پرانی جگہ سے ہٹانے کی کوئی آوشکتا ہائی نہیں رہ گئی تھی۔ میرے لئے کپڑوں ہی کام ہائی تھا کہ زمین کو پھر برابر کروا دوں اور تابوت کو واپس کر دوں۔ حالانکہ تابوت خرید کر پھر واپس کرنا عجیب بات تھی اور دام بھی کم ملتے پر وہ دکاندار اسے ضرور واپس لے لینا۔ اس پرکار میں اپنے خرچ کے لئے وہ پیسے ضرور بچالیتا۔ میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں نے تابوت میں بستر بچھنا پرانی قبر کی تھوڑی مٹی اُس میں رکھ کر اُس کو اپنے پتا کی قبر کے پتل میں ایک نئی قبر میں رکھ دیا۔ چونکہ قبر کے چاروں طرف مجھے اینٹ کا گھبرا ہوا تھا اس لئے کل دن پھر میں اُسی میں ویسٹ را۔ اس پرکار سے میں نے یہ کام پورا کیا۔ کم سے کم میری ماں کو سنتوش دینے کے لئے کافی

مگھایا جاتا۔ آخرت میں بے یار کی پسند سے ہی تین چیخیں اُٹھیں—سُرخ تلی، فلیٹا، ڈنڈا گوشت اور تلی مٹھلیاں۔

ایک ہاتھ میں شراب کا پ्याلا لیے اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے بیچ سیگرت دبا کر وہ مسکراتے ہوئے بولا—  
”جب میں لوٹ کر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ میں کتنا بھوکا ہوں۔ جب میں چھوٹا تھا یہی کہیں کو ایک جگہ اکتھا دیکھتا تھا تو انہیں تر کر آ کر دیا کرتا تھا، پر دوسرے ہی چہن وہ اُسی جگہ پھر آتی تھی۔ حالانکہ یہ کام بھوکوں ہی کا تھا اور میں بھی ایسا ہی سمجھتا تھا پر مجھے اُن پر دینا بھی آ جاتی تھی۔ میں سوچتا تھا کیا وہ آکر سویم نہیں جاسکتی تھیں؟“

میں مسکراتے ہوئے بولا—”اُتر دینا تو مشکل ہے۔ شاید میں بھی اُن مٹھلیوں کے سامنے ایک چھوٹے سے گھیرے میں ہی گھومتا رہا ہوں۔ لیکن تم کیوں آکر یہاں واپس آ گئے؟“

”بیکار ہی!“ وہ بولا اور ایک ہی دھڑکنے میں ہی گھومتا رہا۔  
”بیکار ہی!“ وہ بولا اور ایک ہی گھومتے میں ہی خالی کر دیا۔  
”بیکار ہی!“ وہ بولا اور ایک ہی گھومتے میں ہی خالی کر دیا۔  
”بیکار ہی!“ وہ بولا اور ایک ہی گھومتے میں ہی خالی کر دیا۔

بے یار تیرتے ہوئے تاجی شراب لایا اور ڈیسک پر تشریف سنا دیں۔ تاجی تلی بھوکوں کی سوغند اُپر کے کمرے میں کھل گئی اور اب کمرے کا آواز بھر رہا تھا۔

وہ بولتا رہا—”تم کو شاید پتہ ہی نہ ہو کہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جو تین ہی سال کی عمر میں مر گیا تھا اور میں نے کیا کیا تھا۔ مجھے تو اُس کی شکل کی یاد بھی نہیں تھی۔ پر ماں کہتی ہے وہ بڑا پیارا لڑکا تھا اور مجھے سے بہت ملا ہوا تھا۔ اب بھی اُس کی یاد کر کے ماں رو رہی ہیں۔ اُس بے حسیت ہیں ہمارے ایک چھوٹے بھائی نے لکھا کہ اُس کے قبر کے پاس کی مٹی بہت نرم ہو گئی ہے اور یہی ہم لوگوں نے مرمت نہ کرانی دینی میں گر جائے گی۔ جب ماں کو یہ معلوم ہوا تو وہ مت چاکت ہوئیں اور کئی رات سو نہ پائیں۔ وہ سویم پتر پہ لبتی ہیں۔ لیکن میں کیا کر سکتا تھا؟ نہ میرے پاس پیسہ تھا نہ سے۔ اُس سلسلے میں کچھ بھی کر سکا۔ اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُن سال کی چھٹی کے اوسر کا لایا اُٹھا کر میں یہاں آیا ہوں تاکہ اُس کے قبر کی مرمت کروا دوں۔“

ایک پتالہ شراب اور پی کر وہ پھر بولا—”کیا اُن میں بھی ایسی سستی کا سلیمنا پڑتا ہے؟ وہاں برف کی موتی تھیں اور نہ کے نیچے بھی پھول نہیں جمتے۔ اُس لٹے کل میں نے ایک چوڑا تابوت خریدا۔ میں نے سوچا کہ قبر میں گوا ہوا تابوت اُشیدہ بڑا ہو گیا ہوگا۔ میں نے کپڑے اور ہسٹر خریدے اور چار مزدوروں

میں مسکراتے ہوئے بولا—”اُن دینا تو مشکل ہے۔ شاید میں بھی اُن مٹھلیوں کے سامنے ایک چھوٹے سے گھیرے میں ہی گھومتا رہا ہوں۔ لیکن تم کیوں آکر یہاں واپس آ گئے؟“

”بیکار ہی!“ وہ بولا اور ایک ہی گھومتے میں ہی خالی کر دیا۔  
”بیکار ہی!“ وہ بولا اور ایک ہی گھومتے میں ہی خالی کر دیا۔  
”بیکار ہی!“ وہ بولا اور ایک ہی گھومتے میں ہی خالی کر دیا۔

بے یار تیرتے ہوئے تاجی شراب لایا اور ڈیسک پر تشریف سنا دیں۔ تاجی تلی بھوکوں کی سوغند اُپر کے کمرے میں کھل گئی اور اب کمرے کا آواز بھر رہا تھا۔

وہ بولتا رہا—”تم کو شاید پتہ ہی نہ ہو کہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جو تین ہی سال کی عمر میں مر گیا تھا اور میں نے کیا کیا تھا۔ مجھے تو اُس کی شکل کی یاد بھی نہیں تھی۔ پر ماں کہتی ہے وہ بڑا پیارا لڑکا تھا اور مجھے سے بہت ملا ہوا تھا۔ اب بھی اُس کی یاد کر کے ماں رو رہی ہیں۔ اُس بے حسیت ہیں ہمارے ایک چھوٹے بھائی نے لکھا کہ اُس کے قبر کے پاس کی مٹی بہت نرم ہو گئی ہے اور یہی ہم لوگوں نے مرمت نہ کرانی دینی میں گر جائے گی۔ جب ماں کو یہ معلوم ہوا تو وہ مت چاکت ہوئیں اور کئی رات سو نہ پائیں۔ وہ سویم پتر پہ لبتی ہیں۔ لیکن میں کیا کر سکتا تھا؟ نہ میرے پاس پیسہ تھا نہ سے۔ اُس سلسلے میں کچھ بھی کر سکا۔ اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُن سال کی چھٹی کے اوسر کا لایا اُٹھا کر میں یہاں آیا ہوں تاکہ اُس کے قبر کی مرمت کروا دوں۔“

ایک پتالہ شراب اور پی کر وہ پھر بولا—”کیا اُن میں بھی ایسی سستی کا سلیمنا پڑتا ہے؟ وہاں برف کی موتی تھیں اور نہ کے نیچے بھی پھول نہیں جمتے۔ اُس لٹے کل میں نے ایک چوڑا تابوت خریدا۔ میں نے سوچا کہ قبر میں گوا ہوا تابوت اُشیدہ بڑا ہو گیا ہوگا۔ میں نے کپڑے اور ہسٹر خریدے اور چار مزدوروں

اس بار سیدھی پر کوئی کئی دھیرے دھیرے چڑھ رہا تھا۔ میں نے سوچا یہ کوئی گراہک ہی ہوگا۔ جب آخری سیرھی پر پتروں کی آواز آئی، میں نے اپنا سر اٹھا کر اس طرح دیکھا جیسے آنے والے کے آنے سے مجھے پریشانی نہ ہو اور میں اُٹھ کھڑا ہوں۔ مجھے اُسکی تنک ہی آشنا نہیں تھی کہ یہاں میری اینٹ ایک متر سے بھیٹ ہو جائیگی۔ شاید وہ مجھے اب بھی متنبہ کر رہا ہوگا۔ آنے والا میرا سہیلی تھا اور جب میں ادھیانک تھا وہ بھی میرے ساتھ ہی کام کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ بہت بدل گیا تھا۔ پورے میں اُسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔ پہلے کے سوسٹہ اور پورے لوہے-نو کے مقابلے میں اب وہ تھوڑا سست ہو گیا تھا۔

”ارے! دی-نو! تم یہاں! مجھے دئی بھر امید نہیں تھی کہ تم سے یہاں بھیٹ ہو جائیگی۔“

”اچھا! تم ہو! میں نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا۔۔۔“

میں نے اُس سے ساتھ دینے کے لئے کہا پر کئی چمک کے بعد وہ تیار ہوا۔ مجھے یہ بہت عجیب لگا اور میرے من کو تکلیف ہوئی۔ اُس کے بال آج بھی پہلے کی طرح بکھرے تھے اور چہرہ اب آرا پر دلا تھا۔ وہ اب پہلے سے دبلا تھا۔ وہ بڑا شانت تھا۔ سہو وہ اس کا اُتساہ مچکا ہو۔ گہری ہنسی کے نیچے اُسکی آنکھوں میں اب دلے کی تیز، بینی درشتی نہیں تھی۔ پر جب اُس نے آنکھ کی طرف نظر ڈالی تو مجھے اُسکی آنکھوں میں وہی پرانی چمک دیکھائی دی جو میں اسکول کے دنوں میں دیکھا کرتا تھا۔

میں خرس ہو کر، پر کچھ کرتا ہوا بولا—”کیوں! ہم لوگ قریب دس سال بعد مل رہے ہیں؟ بہت دن پہلے میں نے سنا تھا کہ تم سینان میں ہو پر میں اتنا کہا اور سست ہوں کہ تمہیں پتہ ہی نہ لگ سکا۔“

اُس نے اُتر دیا—”میں تھیک ہی ہوں۔ قریب دس سال سے میں تائیویان میں ہوں۔ میری ماں بھی میرے ساتھ ہے۔ جب میں انہیں واپس لینے آیا تھا تو معلوم ہوا کہ تم یہاں سے جا چکے ہو۔“

میں نے پرسن کیا—”تائیویان میں کیا کر رہے ہو؟“

”پرائیوٹ ادھیانک کے پریوار میں پڑھا رہا ہوں۔“

”اور اُس کے دلے کیا کرتے تھے؟“

لینی جیب سے ایک سگریٹ نکال کر اُس نے چلائی اور منہ سے دھوئیں کے گولے نکالتے ہوئے وہ بولا—”اُس کے پہلے؟۔۔۔ یونہی کچھ نہیں۔۔۔ بیکار ہی تھا۔“

اُس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا۔ میرا کو ہلکا ایک پیالہ اور دلے کے لئے کپڑے میں لے اپنی حالت سنچھپ میں بتادی۔ میں چلتا تھا کہ وہ بھی جلدی ہی دو پیالے منرا ہی کر اپنے کو تھوڑا گرم لے۔ ہم لوگوں نے ساتھ کھانے کے لئے اور چیزیں ہی منگوائیں۔ پہلے تو ہم لوگ آپس میں ششکار کا دھیان نہیں رکھتے تھے پر اُس بار ہم دونوں میں کڑی ہی نشیج نہیں کرپایا کہ کیا

اس بار سیدھی پر کوئی کاہی۔ دیرے دیرے چڑھ رہا تھا۔ میں نے سوچا یہ کوئی گراہک ہی ہوگا۔ جب آخری سیرھی پر پتروں کی آواز آئی، میں نے اپنا سر اٹھا کر اس طرح دیکھا جیسے آنے والے کے آنے سے مجھے پریشانی نہ ہو اور میں اُٹھ کھڑا ہوں۔ مجھے اُسکی تنک ہی آشنا نہیں تھی کہ یہاں میری اینٹ ایک متر سے بھیٹ ہو جائیگی۔ شاید وہ مجھے اب بھی متنبہ کر رہا ہوگا۔ آنے والا میرا سہیلی تھا اور جب میں ادھیانک تھا وہ بھی میرے ساتھ ہی کام کرتا تھا۔ حالانکہ وہ بہت بدل گیا تھا۔ پورے میں اُسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔ پہلے کے سوسٹہ اور پورے لوہے-نو کے مقابلے میں اب وہ تھوڑا سست ہو گیا تھا۔

”ارے! دی-نو! تم یہاں! مجھے دئی بھر امید نہیں تھی کہ تم سے یہاں بھیٹ ہو جائیگی۔“

”اچھا! تم ہو! میں نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا۔۔۔“

میں نے اُس سے ساتھ دینے کے لئے کہا پر کئی چمک کے بعد وہ تیار ہوا۔ مجھے یہ بہت عجیب لگا اور میرے من کو تکلیف ہوئی۔ اُس کے بال آج بھی پہلے کی طرح بکھرے تھے اور چہرہ اب آرا پر دلا تھا۔ وہ اب پہلے سے دبلا تھا۔ وہ بڑا شانت تھا۔ سہو وہ اس کا اُتساہ مچکا ہو۔ گہری ہنسی کے نیچے اُسکی آنکھوں میں اب دلے کی تیز، بینی درشتی نہیں تھی۔ پر جب اُس نے آنکھ کی طرف نظر ڈالی تو مجھے اُسکی آنکھوں میں وہی پرانی چمک دیکھائی دی جو میں اسکول کے دنوں میں دیکھا کرتا تھا۔

میں خوش ہو کر، پر کچھ کرتا ہوا بولا—”کیوں! ہم لوگ قریب دس سال بعد مل رہے ہیں؟ بہت دن پہلے میں نے سنا تھا کہ تم سینان میں ہو پر میں اتنا کہا اور سست ہوں کہ تمہیں پتہ ہی نہ لگ سکا۔“

اُس نے اُتر دیا—”میں تھیک ہی ہوں۔ قریب دس سال سے میں تائیویان میں ہوں۔ میری ماں بھی میرے ساتھ ہے۔ جب میں انہیں واپس لینے آیا تھا تو معلوم ہوا کہ تم یہاں سے جا چکے ہو۔“

میں نے پرسن کیا—”تائیویان میں کیا کر رہے ہو؟“

”پرائیوٹ ادھیانک کے پریوار میں پڑھا رہا ہوں۔“

”اور اُس کے دلے کیا کرتے تھے؟“

لینی جیب سے ایک سگریٹ نکال کر اُس نے چلائی اور منہ سے دھوئیں کے گولے نکالتے ہوئے وہ بولا—”اُس کے پہلے؟۔۔۔ یونہی کچھ نہیں۔۔۔ بیکار ہی تھا۔“

اُس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا۔ میرا کو ہلکا ایک پیالہ اور دلے کے لئے کپڑے میں لے اپنی حالت سنچھپ میں بتادی۔ میں چلتا تھا کہ وہ بھی جلدی ہی دو پیالے منرا ہی کر اپنے کو تھوڑا گرم لے۔ ہم لوگوں نے ساتھ کھانے کے لئے اور چیزیں ہی منگوائیں۔ پہلے تو ہم لوگ آپس میں ششکار کا دھیان نہیں رکھتے تھے پر اُس بار ہم دونوں میں کڑی ہی نشیج نہیں کرپایا کہ کیا

پورانے پانچ ڈیل لگے ہوئے تھے۔ لیکن دیوار کی کھڑکی میں اب شیشے کے دروازے لگا دیئے گئے تھے جہاں پہلے لکڑی کے دروازے تھے۔

”ایک پھانسی پیلی شراب، فلیشوں کے دس ڈکڑے اور کاکڑی ماترا میں چٹنی دو۔“ مینے آرڈر دیا۔

بےیرا کو یہ آرڈر دیتے ہوئے، میں پیچھے جا کر کھڑکی سے لگی میز کے سہارے بیٹھ گیا۔ اوپر کا کمرہ خالی تھا۔ اس لئے میں سب سے اچھی سیٹ پر بیٹھا تاکہ میں نیچے آنکھ کا پورا درشہ دیکھ سکوں۔ وہ آنکھ شاید شراب کی دوکھن کا حصہ نہیں تھا۔ پہلے جب بھی میں یہاں آتا، گھنٹوں ایسے ہی آنکھ کو دیکھتا رہتا۔ برف پڑتی رہنے پر بھی میں اکثر گھنٹوں بیٹھا رہتا تھا۔ پر اب میں اتر میں رہنے لگا تھا، اس لئے یہ درشہ میرے لئے نئے تھے۔ پلم کے پتے برف سے ہوا لے رہے تھے جیسے انہیں برف گرنے سے کوئی پریشانی ہی نہ ہو۔ دالان کے بدل میں بھی اب وہی کیمیل کا ایک پیڑ تھا جس میں سرخ لال پھول کھلے تھے۔ گہری ہری رنگ کی پتیوں میں، جب برف گر رہی ہو، یہ پھول آگ جیسے چمکتے تھے۔ تھیں زمین پر پڑی برف، کچھ پگھلتی محسوس ہوئی۔ اتر کی سوکھی ہریلی ہوا سے جہاں ایک بار وا چلنے سے برف اڑ کر آکھش میں دھند ہوا دیتی تھی، یہاں کا موسم کتنا بہن تھا!

”شراہ آگئی، مہوہنے!“ بےیرا نے لبرولہی سے کہا اور پھانسی کھانا کھانے کی قیادیں، شراب کی کیتلی اور رکابیاں میز پر سجا دیں۔ میز کی طرف مڑ کر بڑبڑاتے ہوئے میں نے ہرٹنوں کو ڈھیک کیا اور پیالے میں شراہ ڈال لی۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ حالانکہ میرا گھر اتر میں نہیں تھا پھر بھی یہاں آئے پر میں اجنبی لگ رہا تھا۔ اتر کی سوکھی برف جو پارٹر کی پھانسی اترتی تھی اور یہاں کی کومل برف جو بدن میں چبک جاتی تھی دونوں ہی مجھے دوسری، بلہری معلوم دے رہی تھیں۔ اُداسی بھری مدر میں ہی میں نے پیالہ منہ سے لگایا۔ شراہ اچھی تھی اور پھلیاں بھی اچھی پکیں تھیں، کیوں چٹنی بڑی پالی تھی، پر کیا کیا جانے، ’اس‘ نگر کے لوگ تیز چٹنی پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

”شراہ آگئی، مہوہنے!“ بےیرا نے لبرولہی سے کہا اور پھانسی کھانا کھانے کی قیادیں، شراب کی کیتلی اور رکابیاں میز پر سجا دیں۔ میز کی طرف مڑ کر بڑبڑاتے ہوئے میں نے ہرٹنوں کو ڈھیک کیا اور پیالے میں شراہ ڈال لی۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ حالانکہ میرا گھر اتر میں نہیں تھا پھر بھی یہاں آئے پر میں اجنبی لگ رہا تھا۔ اتر کی سوکھی برف جو پارٹر کی پھانسی اترتی تھی اور یہاں کی کومل برف جو بدن میں چبک جاتی تھی دونوں ہی مجھے دوسری، بلہری معلوم دے رہی تھیں۔ اُداسی بھری مدر میں ہی میں نے پیالہ منہ سے لگایا۔ شراہ اچھی تھی اور پھلیاں بھی اچھی پکیں تھیں، کیوں چٹنی بڑی پالی تھی، پر کیا کیا جانے، ’اس‘ نگر کے لوگ تیز چٹنی پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

”شراہ آگئی، مہوہنے!“ بےیرا نے لبرولہی سے کہا اور پھانسی کھانا کھانے کی قیادیں، شراب کی کیتلی اور رکابیاں میز پر سجا دیں۔ میز کی طرف مڑ کر بڑبڑاتے ہوئے میں نے ہرٹنوں کو ڈھیک کیا اور پیالے میں شراہ ڈال لی۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ حالانکہ میرا گھر اتر میں نہیں تھا پھر بھی یہاں آئے پر میں اجنبی لگ رہا تھا۔ اتر کی سوکھی برف جو پارٹر کی پھانسی اترتی تھی اور یہاں کی کومل برف جو بدن میں چبک جاتی تھی دونوں ہی مجھے دوسری، بلہری معلوم دے رہی تھیں۔ اُداسی بھری مدر میں ہی میں نے پیالہ منہ سے لگایا۔ شراہ اچھی تھی اور پھلیاں بھی اچھی پکیں تھیں، کیوں چٹنی بڑی پالی تھی، پر کیا کیا جانے، ’اس‘ نگر کے لوگ تیز چٹنی پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

”شراہ آگئی، مہوہنے!“ بےیرا نے لبرولہی سے کہا اور پھانسی کھانا کھانے کی قیادیں، شراب کی کیتلی اور رکابیاں میز پر سجا دیں۔ میز کی طرف مڑ کر بڑبڑاتے ہوئے میں نے ہرٹنوں کو ڈھیک کیا اور پیالے میں شراہ ڈال لی۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ حالانکہ میرا گھر اتر میں نہیں تھا پھر بھی یہاں آئے پر میں اجنبی لگ رہا تھا۔ اتر کی سوکھی برف جو پارٹر کی پھانسی اترتی تھی اور یہاں کی کومل برف جو بدن میں چبک جاتی تھی دونوں ہی مجھے دوسری، بلہری معلوم دے رہی تھیں۔ اُداسی بھری مدر میں ہی میں نے پیالہ منہ سے لگایا۔ شراہ اچھی تھی اور پھلیاں بھی اچھی پکیں تھیں، کیوں چٹنی بڑی پالی تھی، پر کیا کیا جانے، ’اس‘ نگر کے لوگ تیز چٹنی پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

”شراہ آگئی، مہوہنے!“ بےیرا نے لبرولہی سے کہا اور پھانسی کھانا کھانے کی قیادیں، شراب کی کیتلی اور رکابیاں میز پر سجا دیں۔ میز کی طرف مڑ کر بڑبڑاتے ہوئے میں نے ہرٹنوں کو ڈھیک کیا اور پیالے میں شراہ ڈال لی۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ حالانکہ میرا گھر اتر میں نہیں تھا پھر بھی یہاں آئے پر میں اجنبی لگ رہا تھا۔ اتر کی سوکھی برف جو پارٹر کی پھانسی اترتی تھی اور یہاں کی کومل برف جو بدن میں چبک جاتی تھی دونوں ہی مجھے دوسری، بلہری معلوم دے رہی تھیں۔ اُداسی بھری مدر میں ہی میں نے پیالہ منہ سے لگایا۔ شراہ اچھی تھی اور پھلیاں بھی اچھی پکیں تھیں، کیوں چٹنی بڑی پالی تھی، پر کیا کیا جانے، ’اس‘ نگر کے لوگ تیز چٹنی پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

”شراہ آگئی، مہوہنے!“ بےیرا نے لبرولہی سے کہا اور پھانسی کھانا کھانے کی قیادیں، شراب کی کیتلی اور رکابیاں میز پر سجا دیں۔ میز کی طرف مڑ کر بڑبڑاتے ہوئے میں نے ہرٹنوں کو ڈھیک کیا اور پیالے میں شراہ ڈال لی۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ حالانکہ میرا گھر اتر میں نہیں تھا پھر بھی یہاں آئے پر میں اجنبی لگ رہا تھا۔ اتر کی سوکھی برف جو پارٹر کی پھانسی اترتی تھی اور یہاں کی کومل برف جو بدن میں چبک جاتی تھی دونوں ہی مجھے دوسری، بلہری معلوم دے رہی تھیں۔ اُداسی بھری مدر میں ہی میں نے پیالہ منہ سے لگایا۔ شراہ اچھی تھی اور پھلیاں بھی اچھی پکیں تھیں، کیوں چٹنی بڑی پالی تھی، پر کیا کیا جانے، ’اس‘ نگر کے لوگ تیز چٹنی پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

”شراہ آگئی، مہوہنے!“ بےیرا نے لبرولہی سے کہا اور پھانسی کھانا کھانے کی قیادیں، شراب کی کیتلی اور رکابیاں میز پر سجا دیں۔ میز کی طرف مڑ کر بڑبڑاتے ہوئے میں نے ہرٹنوں کو ڈھیک کیا اور پیالے میں شراہ ڈال لی۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ حالانکہ میرا گھر اتر میں نہیں تھا پھر بھی یہاں آئے پر میں اجنبی لگ رہا تھا۔ اتر کی سوکھی برف جو پارٹر کی پھانسی اترتی تھی اور یہاں کی کومل برف جو بدن میں چبک جاتی تھی دونوں ہی مجھے دوسری، بلہری معلوم دے رہی تھیں۔ اُداسی بھری مدر میں ہی میں نے پیالہ منہ سے لگایا۔ شراہ اچھی تھی اور پھلیاں بھی اچھی پکیں تھیں، کیوں چٹنی بڑی پالی تھی، پر کیا کیا جانے، ’اس‘ نگر کے لوگ تیز چٹنی پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

## مدیرالای میں

لکھنؤ—لکھنؤ

انوارادک—کامیابہر اہمواں

## مدیرالے میں

لکھنؤ—لکھنؤ

انوارادک—کامیابہر اہمواں

اتر سے در دکن جاتے سمے میں اپنے گز میں بھی رکا تھا اور وہاں سے "ایس نگر" کو گیا۔ یہ نگر میرے گز سے لگ بھگ 10 میل کی دوری پر ہے اور ناؤ سے آدھے دن میں ہی وہاں کوئی پہونچ سکتا ہے۔ قریب ایک سال تک میں نے یہاں کے ایک اسکول میں پڑھایا ہے۔ آدھا چار بوت چکا تھا ہرف بی گر چکی تھی اور اب ٹھنڈک گئی ہرے گئی تھی۔ گھر کی یاد اور باتوں کی نہک لے مجھے مجبور کر دیا کہ میں لو۔ دو ہرٹل میں رک کر کچھ دن آرام کروں۔ یہ ہوٹل اس سے پہلے یہاں نہیں تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ میں نے سوچا کہ گھر پر در اپنے پڑنے درستوں سے مل لوں۔ پر کسی سے بھی بھینٹ نہ ہرستی۔ وہ سبھی کام دھندوں میں لگ کر باہر چلے گئے تھے۔ جب میں اسکول کے سامنے سے گزرا تو دیکھا اس کا نام اور پوائنٹ دونوں ہی بدل گئے تھے۔ اس شہر کے لئے میں اب پورا اجنبی تھا۔ دو گھنٹے میں ہی میرا سب افسانہ ختم ہو گیا اور یہاں آنے کا مجھے افسوس ہونے لگا۔

جس ہوٹل میں میں رہا تھا وہاں "ہیول" نامی کمرے پر دئے جاتے تھے کھانا نہیں دیا جاتا تھا۔ چاول اور درستی چیزیں باہر سے منگانی پڑتی تھیں اور ان کا سوا بہت حراب ہوتا تھا جیسے مٹی سان کر رک دی گئی ہو۔ کڑکی کے ہلے ایک دیوار تھی جس پر لال پائے دھبے پڑ گئے تھے اور گائی جم گئی تھی۔ اوپر آکھس تھا جو مردے کے سمان سٹینڈ پر رکھا تھا جس کی ساری رنگینیاں ختم ہو چکیں تھیں۔ ہرف بی گرنے لگی تھی۔ معمولی سا کھانا کھانے کو تو ملا پر خالی سمے بتانے کا وہاں کوئی سادھن نہ جٹ سکا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اپنی پرانی پرچت شراب کی چھوٹی سی دوکان پر جا کر سنے بتاؤں۔ یہ دوکان ہوٹل کے پاس ہی تھی اور درل ہارس کے نام سے مشہور تھی۔ کمرے میں نالا ڈال کر میں مدیرالے کے لئے چل دیا۔ شراب پینے کے مجھے انی اچھا نہیں تھی جتنی اس بات کی کہ کسی پرکار سمے بیت جائے۔ بیروں ہارس اب بھی اسی لسمکان پر تھا۔ اس کا سمان بورڈ بھی نہیں بدلا تھا۔ پر بیروں ہارس کے تمام کرمچاری بدل گئے تھے۔ ان میں کوئی میرا پرچت نہیں تھا۔ یہاں بی بی میں اجنبی تھا۔ ایک چانکار کی بھانٹی میں سیڑھی سے ہوتا ہوا دوسری منزل پر جا بیٹھا۔ اوپر کے کمرے میں رہی

جس ہوٹل میں میں رہا تھا وہاں "ہیول" نامی کمرے پر دئے جاتے تھے کھانا نہیں دیا جاتا تھا۔ چاول اور درستی چیزیں باہر سے منگانی پڑتی تھیں اور ان کا سوا بہت حراب ہوتا تھا جیسے مٹی سان کر رک دی گئی ہو۔ کڑکی کے ہلے ایک دیوار تھی جس پر لال پائے دھبے پڑ گئے تھے اور گائی جم گئی تھی۔ اوپر آکھس تھا جو مردے کے سمان سٹینڈ پر رکھا تھا جس کی ساری رنگینیاں ختم ہو چکیں تھیں۔ ہرف بی گرنے لگی تھی۔ معمولی سا کھانا کھانے کو تو ملا پر خالی سمے بتانے کا وہاں کوئی سادھن نہ جٹ سکا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اپنی پرانی پرچت شراب کی چھوٹی سی دوکان پر جا کر سنے بتاؤں۔ یہ دوکان ہوٹل کے پاس ہی تھی اور درل ہارس کے نام سے مشہور تھی۔ کمرے میں نالا ڈال کر میں مدیرالے کے لئے چل دیا۔ شراب پینے کے مجھے انی اچھا نہیں تھی جتنی اس بات کی کہ کسی پرکار سمے بیت جائے۔ بیروں ہارس اب بھی اسی لسمکان پر تھا۔ اس کا سمان بورڈ بھی نہیں بدلا تھا۔ پر بیروں ہارس کے تمام کرمچاری بدل گئے تھے۔ ان میں کوئی میرا پرچت نہیں تھا۔ یہاں بی بی میں اجنبی تھا۔ ایک چانکار کی بھانٹی میں سیڑھی سے ہوتا ہوا دوسری منزل پر جا بیٹھا۔ اوپر کے کمرے میں رہی



جیسا شکار ہوتی ہے، جات پات، کھانا، پانی، آدی کے کٹکٹ کے کارن آپسی کشمکش جیتنی جیسا بدلتی ہے اتنا ہی جیسا پلاننگ کمیशन کو خوشی ہوگی۔

سوی باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ پلاننگ کمیशन نے اپنے سامنے وہی پیمانہ اور آदर्ش رکھ ڈیڈے ہیں جو پच्छिम کے ملکوں کے سامنے ہیں اور جہاں پريم کے مڪراويلے کلائن و ہتھیار کی پناہ بات بات پر لی جاتی ہے، جہاں انسان کو انسان اتنا نہیں جیتنا مشین کا ایک پیرزہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہی حالت بنی تو ہمیں اس میں کئی شک نہیں ہے کہ ہندستان میں اور تباہی تیز رفتار سے بڑھتی اور ہرکنا ہے کہ جلدی ہمیں کسی ویدیشی طاقت کی پڈا لینا پڈے۔ اب جب دوسری یوجنا پر وچار کر رہی ہے تو بڑے ادب کے ساتھ ہم چلتے ہیں کہ اسے ان مدوں پر غور کرنا چلئے اور ان تین کی اصلیت کی روشنی میں آگے کے کلم کی بنیاد پڑتی چلئے، ملک کو اور ملک کے ہر گز کو اپنے پیروں کو کر کے کی کوشش کرنی چلئے اور جنتا کو سیدھے سچے ن۔ پريم اور مڪنت کے راستے پر لانا چلئے۔

سریہ رام پھانی۔

—سریہ رام پھانی۔

700 PAGES,

32 ILLUSTRATIONS

2 COLOURED MAPS

## "CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

رہی تھی۔ مگر ہکومت کی مشینری اور اس کے ریلے سے بھ  
 ہوتا تگ آا گئی کی انڈیون بھ کام آوہ دیا اور  
 آوہ گوی سوا کا کام کرنے کرمری چلی گئی ہیں۔ جاکیر  
 ہے کی اگر سرکاری بندوبست میں ایمان، لگان اور  
 تدمت کی بھ ہوتی تو بھ ایسا ہرگز نہ کرتی۔ ہکومت  
 کے نیکام کے آوہلا ہوتے جانے کا اس سے کیاوا کیا  
 نمونا ہو سکتا ہے؟ پلاننگ کمیशन کے ممبر خود اس  
 مشین کا ہسسا ہیں۔ اسلئے انہیں اندر ہی اندر اس  
 مشین کی اسلئے کی جانکاری نہ ہونے پر ہمیں کوئی  
 تاجب نہیں ہے۔ راہر یا گاں کھیں بھی جاکیر  
 دتروں کی ہالہ پر اور ہکاموں کے رگ، ڈگ پر کوئی  
 بھی دو آس بھایے بنا نہیں رہےگا۔

اور جہاں تک سسارے داوے کی بات ہے کی نیا نکرریا  
 پدا ہو رہا ہے، ہمیں نہیں مالوم کی شری کرناماچاری کی  
 مراد کیا ہے؟ کیا مہج سرکاری نوکریوں میں آکا  
 ہا جانے سے نیا نکرریا پدا ہو جاتا ہے؟ ہم بڑے ادب  
 کے ساہ یہ جاننا چاہتے ہیں کی خود پلاننگ کمیशन کے  
 ممبروں کے بچار، عمل یا کام میں کوئی نیا نکرریا  
 پدا ہوا یا نہیں؟ کھنے کی ضرورت نہیں کی مہج کھ  
 دتروں کے بڈ جانے یا دے را بیدے را سے کچی تانکھاہ پر ماہیروں  
 کے آجانے سے نیا نکرریا نہیں آا جاتا۔ نیا نکرریا  
 ہم تہی مانے گے جب پلاننگ کمیशन اپنے ممبروں یا  
 ملک پر نئے مڈوں کے لئے زور دے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کی  
 آج ہمارے ہکاموں کی وہی نمائیں نہیں ہوں جو پہلے تھیں  
 جیسے زیادہ سے زیادہ تخرار، کم سے کم جسمانی کم، عام جنتا سے  
 اگ رہن سہن، عالیشان عمارتیں اور آمبر، بڑی بڑی فوجیں  
 اور بڑے بڑے ہتھیار وغیرہ؟ کیا آج پیسے کی لالسا اس سے کم ہے جو  
 انگریزی راج کے زمانہ میں تھی؟ کیا آج ہاتھ کے کم کے لئے لغت  
 اس سے کم ہے جو انگریزی دور میں تھی؟ کیا آج کی چواچوت  
 اور دسریے بیدہاؤ کم ہوئے ہیں؟ کیا ملک کے اندر چوری  
 دکتی اور دسری بدامنیوں کم ہوئیں ہیں؟ کیا گاں میں پہلے  
 سے زیادہ شانتی، سکون اور محبت ہے؟ سر سرائ کے جواب  
 میں دیک پرور، کفر ایک کو یہی کہنا ہوگا کہ ”نہیں“ نہیں۔“  
 ایسی حالت میں ہمیں نہیں معلوم کہ کس بنا پر پلاننگ  
 کمیشن کے نائب صدر یہ سمجھ رہے ہیں کہ لوگوں کا نظریہ  
 بدل گیا۔ یا شاید دیہاتوں میں ویشی یا شہرانی مال پہنچانے  
 دیہات میں سنیما کھل جانے، گاں میں موٹرین درزنوں کو انہوں  
 نے ترقی کی نشانی مان لیا۔ اگر ایسا ہے تو بڑی نمرتا کے ساتھ  
 ہم کہنا چلتے ہیں کہ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اگر یہی ترقی  
 ہے تب تو کہنا ہوگا کہ جنتا جتنی زیادہ پیسے پرست بنتی ہے، ہاتھ کا  
 کم ہاتھ سے جنتا کم کرتی ہے، روزانہ ضرورت کے سامان میں دوسروں  
 کا احتیاج بنتی ہے، چوری، دکتی، عیاشی، وغیرہ عیسوں کی جنتی

رہی تھیں۔ مگر حکومت کی مشینری اور اس کے ریلے سے  
 وہ اتنا تنگ آگئیں کہ انہوں نے وہ کم چھوڑ دیا اور  
 اب گرسبوا کا کم کرنے کھمیر چلی گئیں ہیں۔ ظاہر  
 ہے کہ اگر سرکاری بندوبست میں ایمان، لگان اور خدمت  
 کی ہو ہوتی تو وہ ایسا ہرگز نہیں کرتیں۔ حکومت  
 کے نظام کے کھوکھلا ہونے جانے کا اس سے زیادہ کیا نمونہ ہو سکتا  
 ہے؟ پلاننگ کمیشن کے ممبر خود اس مشین کا حصہ ہیں۔  
 اس لئے انہیں اندر ہی اندر اس مشین کی اصلیت کی جانکاری  
 نہ ہونے پر ہمیں کوئی تعجب نہیں ہے۔ شہر یا گاں کہیں  
 بھی چلے جائے سرکاری دتروں کی حالت پر اور ہکاموں کے  
 رنگ تھنگ پر کوئی بڑی دو آسو بھانے بنا نہیں رہے گا۔

اور جہاں تک تیسرے دعوے کی بات ہے کہ نیا نظریہ  
 پیدا ہو رہا ہے، ہمیں نہیں معلوم کہ شری کرناماچاری کی مراد  
 کیا ہے؟ کیا بعض سرکاری نوکریوں میں اضافہ ہوجانے سے نیا  
 نظریہ پیدا ہوجاتا ہے؟ ہم بڑے ادب کے ساتھ یہ جاننا چاہتے  
 ہیں کہ خود پلاننگ کمیشن کے ممبروں کے وچار، عمل یا کم  
 میں کوئی نیا نظریہ پیدا ہوا یا نہیں؟ کھنے کی ضرورت نہیں کہ  
 بعض کچی دتروں کے بڑے جانے یا دیش ویش سے اونچی  
 تخرار پر ماہروں کے آجانے سے نیا نظریہ نہیں آجاتا۔ نیا  
 نظریہ ہم نوی مانینگے جب پلاننگ کمیشن اپنے ممبروں یا  
 ملک پر نئے مڈوں کے لئے زور دے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کی  
 آج ہمارے ہکاموں کی وہی نمائیں نہیں ہوں جو پہلے تھیں  
 جیسے زیادہ سے زیادہ تخرار، کم سے کم جسمانی کم، عام جنتا سے  
 اگ رہن سہن، عالیشان عمارتیں اور آمبر، بڑی بڑی فوجیں  
 اور بڑے بڑے ہتھیار وغیرہ؟ کیا آج پیسے کی لالسا اس سے کم ہے جو  
 انگریزی راج کے زمانہ میں تھی؟ کیا آج ہاتھ کے کم کے لئے لغت  
 اس سے کم ہے جو انگریزی دور میں تھی؟ کیا آج کی چواچوت  
 اور دسریے بیدہاؤ کم ہوئے ہیں؟ کیا ملک کے اندر چوری  
 دکتی اور دسری بدامنیوں کم ہوئیں ہیں؟ کیا گاں میں پہلے  
 سے زیادہ شانتی، سکون اور محبت ہے؟ سر سرائ کے جواب  
 میں دیک پرور، کفر ایک کو یہی کہنا ہوگا کہ ”نہیں“ نہیں۔“  
 ایسی حالت میں ہمیں نہیں معلوم کہ کس بنا پر پلاننگ  
 کمیشن کے نائب صدر یہ سمجھ رہے ہیں کہ لوگوں کا نظریہ  
 بدل گیا۔ یا شاید دیہاتوں میں ویشی یا شہرانی مال پہنچانے  
 دیہات میں سنیما کھل جانے، گاں میں موٹرین درزنوں کو انہوں  
 نے ترقی کی نشانی مان لیا۔ اگر ایسا ہے تو بڑی نمرتا کے ساتھ  
 ہم کہنا چلتے ہیں کہ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اگر یہی ترقی  
 ہے تب تو کہنا ہوگا کہ جنتا جتنی زیادہ پیسے پرست بنتی ہے، ہاتھ کا  
 کم ہاتھ سے جنتا کم کرتی ہے، روزانہ ضرورت کے سامان میں دوسروں  
 کا احتیاج بنتی ہے، چوری، دکتی، عیاشی، وغیرہ عیسوں کی جنتی

(5) पांचवीं हालत में ऊपर के दोनों दर्जों की आमदनी बढ़ती है और नीचे वालों की घटती है लेकिन कुल की आमदनी दुगुनी हो जाती है।

(6) छठी हालत में मालदार की आमदनी पौने तीन बढ़ती है, साईकिल वाले की वैसी ही बनी रहती है और नीचे वालों की आधी रह जाती है।

(7) सातवीं हालत में मालदार की तीन गुनी के करीब बढ़ती है और नीचे वालों की आमदनी घटकर दसवें हिस्से पर आजाती है !

देखने की बात यह है कि प्लानिंग कमीशन की योजना से जो मुल्क की औसत आमदनी दुगुनी होने की कोशिश है सो कौनसी हालत पैदा होने वाली है। जाहिर है कि क्या पढ़े लिखे लोगों के बीच और क्या देहात के दस्तकारों के बीच बेरोजगारी बढ़ रही है, यानी समाज के नीचे वाले दोनों दर्जों की आमदनी घट रही है और ऊपर वालों की आमदनी बढ़ रही है। इसलिये ऊपर वाली सूरतों में से (5), (6) या (7) के जैसी चीज सामने आ रही है, न कि (3) या (4) जैसी और (1) या (2) का तो सवाल उठता ही नहीं। इस लिये हमें इस बात की कोई खुशी महसूस नहीं होती कि इस योजना से मुल्क की आमदनी दुगुनी या इसी तरह आगे के दो वरस में आज से दस बी सदी ज्यादा बढ़ जायेगी। हां मुट्ठी भर लोग जिनके हाथ में रोजगार हैं वह जरूर मालामाल और खुश हो जायेंगे। मगर 85 का दुख बढ़े और 15 का सुख बढ़े तो उसे खुशहाली नहीं बरबादी ही कहा जायेगा। हम तो यहां तक जाने को तैयार हैं कि मुल्क की औसत आमदनी आज के जैसी रहे मगर नीचे वाले 85 का सुख बढ़ जाये और ऊपर के 15 का घट जाये, या अगर ऊपर वालों का न घटे तो कम से कम नीचे वालों का तो न घटे। जब तक हमारे देश की प्लानिंग में यह रंग नहीं आता तब तक हमें डर है कि सारी योजनायें मुल्क को अन्दर से कमजोर करेगी और हमारी आजादी को उनसे जबरदस्त खतरा है।

जहां तक श्री कृष्णामाचारी का दूसरा दावा है कि हुकूमत के निजाम में सुधार हो रहा है उसके बारे में तो कुछ कहने की जरूरत नहीं है। कौन नहीं जानता कि मुल्क में रिखावत-खोरी बढ़ ही रही है, दफ्तर के बाबुओं और चपरासियों को बाहर की आमदनी के बिना अक्सर संतोश ही नहीं होता और पुलिस भी पहले के मुकामविले कहीं ज्यादा पालिम और मनचली होती जा रही है। और इन्तजाम में बढ़ती हुई खराबी का एक ठोस सबूत हमारे पास और भी है। हमारे प्रेमी पाठक शायद जानते हों कि महात्मा गांधी की सरनाम चेली और सेवक श्री मीरा बहन पिला टेहरी गढ़वाल में बड़े पैमाने पर एक विकास योजना चलाने जा

(5) पांचवीं हालत में ऊपर के दोनों दर्जों की आमदनी बढ़ती है और नीचे वालों की घटती है लेकिन कुल की आमदनी दुगुनी हो जाती है।

(6) छठी हालत में मालदार की आमदनी पौने तीन बढ़ती है, साईकिल वाले की वैसी ही बनी रहती है और नीचे वालों की आधी रह जाती है।

(7) सातवीं हालत में मालदार की तीन गुनी के करीब बढ़ती है और नीचे वालों की आमदनी घटकर दसवें हिस्से पर आजाती है !

दिखाने की बात यह है कि प्लानिंग कमीशन की योजना से जो मुल्क की औसत आमदनी दुगुनी होने की कोशिश है सो कौनसी हालत पैदा होने वाली है। जाहिर है कि क्या पढ़े लिखे लोगों के बीच और क्या देहात के दस्तकारों के बीच बेरोजगारी बढ़ रही है, यानी समाज के नीचे वाले दोनों दर्जों की आमदनी घट रही है और ऊपर वालों की आमदनी बढ़ रही है। इसलिये ऊपर वाली सूरतों में से (5), (6) या (7) के जैसी चीज सामने आ रही है, न कि (3) या (4) जैसी और (1) या (2) का तो सवाल उठता ही नहीं। इस लिये हमें इस बात की कोई खुशी महसूस नहीं होती कि इस योजना से मुल्क की आमदनी दुगुनी या इसी तरह आगे के दो वरस में आज से दस बी सदी ज्यादा बढ़ जायेगी। हां मुट्ठी भर लोग जिनके हाथ में रोजगार हैं वह जरूर मालामाल और खुश हो जायेंगे। मगर 85 का दुख बढ़े और 15 का सुख बढ़े तो उसे खुशहाली नहीं बरबादी ही कहा जायेगा। हम तो यहां तक जाने को तैयार हैं कि मुल्क की औसत आमदनी आज के जैसी रहे मगर नीचे वाले 85 का सुख बढ़ जाये और ऊपर के 15 का घट जाये, या अगर ऊपर वालों का न घटे तो कम से कम नीचे वालों का तो न घटे। जब तक हमारे देश की प्लानिंग में यह रंग नहीं आता तब तक हमें डर है कि सारी योजनायें मुल्क को अन्दर से कमजोर करेगी और हमारी आजादी को उनसे जबरदस्त खतरा है।

जहां तक श्री कृष्णामाचारी का दूसरा दावा है कि हुकूमत के निजाम में सुधार हो रहा है उसके बारे में तो कुछ कहने की जरूरत नहीं है। कौन नहीं जानता कि मुल्क में रिखावत-खोरी बढ़ ही रही है, दफ्तर के बाबुओं और चपरासियों को बाहर की आमदनी के बिना अक्सर संतोश ही नहीं होता और पुलिस भी पहले के मुकामविले कहीं ज्यादा पालिम और मनचली होती जा रही है। और इन्तजाम में बढ़ती हुई खराबी का एक ठोस सबूत हमारे पास और भी है। हमारे प्रेमी पाठक शायद जानते हों कि महात्मा गांधी की सरनाम चेली और सेवक श्री मीरा बहन पिला टेहरी गढ़वाल में बड़े पैमाने पर एक विकास योजना चलाने जा

ہوگا جو اس سے من مانا نفع کما لینگے۔ اسی وجہ سے ہمیں شری کرشنا مہاراجی کے اس بیان پر کوئی خوشی نہیں ہوتی کہ دو سال بعد ملک کی اوسط آمدنی دس فیصدی بڑھ جائے گی۔ سوال یہ نہیں ہے کہ آمدنی کتنی بڑھتی ہے بلکہ یہ کہ کتنی بڑھتی ہے۔

آج ہمارے شہر کیا، دیہات کیا، وہاں کی آبادی کا ہم موٹے تौर سے چار دھیسوں میں بانٹ سکتے ہیں: (1) (A) ہاتھی یا موٹر والے یا نی بہت مالدار لوگ، (2) (B) ڈاکا گاڑی یا سائیکل رکھنے والے خوشحال لوگ، (3) (C) ساধারণ غریب، اور (4) (D) بہت غریب جنہیں ایک چرن کپڑے کو ملے، دوسرے کی امید نہیں۔ ہر سو آدمی پر پانچ ہاتھی یا موٹر والے ہیں، 10 خوشحال، 40 غریب اور 40 بہت ہی غریب۔ ان کی آمدنی کا نسبت آج قرب غریب اس طرح کا ہے:

$$120 : 70 : 9 : 1$$

اس نسبت کے آئینوں میں ہمیں کی گنجائش ملتی ہے۔ بہت غریب اور بہت امیر میں آج ایک اور 120 کے متعلقہ کہیں زیادہ کا فرق ہے۔ مگر مرتے طرز پر یہ حساب صحیح مانا جاسکتا ہے۔ اب ہم دیکھیں کہ اوسط آمدنی دگنی ہونے کی کیا صورتیں ہیں۔ ایسے صورتیں تو بہت سی ہیں مگر نیچے والی پر آسانی سے دھیان جانا ہے:

$$120 : 70 : 9 : 1$$

بنیادی صورت وہ ہے جو ہم نے اوپر دی ہے:

$$A + B + C + D = T$$

(جہاں  $A = 120$ ,  $B = 70$ ,  $C = 9$ ,  $D = 1$ ، اور  $T = 220$ )

اب دگنے کی حالات یہ ہیں:

$$A + B + 21(C + D) = 2T \dots (1)$$

$$2A + 2B + 2C + 2D = 2T \dots (2)$$

$$2.6A + B + C + D = 2T \dots (3)$$

$$(2.3)A + (1.5)B + C + D = 2T \dots (4)$$

$$(2.4)A + (1.5)A + 1/2(C + D) = 2T \dots (5)$$

$$(2.7)A + B + 1/4(C + D) = 2T \dots (6)$$

$$(2.3)A + B + 1/10(C + D) = 2T \dots (7)$$

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ:

(1) پہلی حالت میں موٹر یا سائیکل والوں کی آمدنی پہلے جیسی رہتی ہے اور نیچے درجے والوں کی 2 گنی بڑھ جاتی ہیں جس سے کل آمدنی دگنی ہو جاتی ہے۔

(2) دوسری حالت میں اوپر سے نیچے تک ہر ایک کی آمدنی ٹھیک دگنی ہوتی ہے۔

(3) تیسری حالت میں موٹر والے کی آمدنی ڈاکا گاڑی سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور دوسرے سب کی ویسی ہی رہتی ہے۔

(4) چوتھی حالت میں اوپر کے دونوں درجے کی آمدنی بڑھتی ہے۔

ہوگا جو اس سے من مانا نفع کما لینگے۔ اسی وجہ سے ہمیں شری کرشنا مہاراجی کے اس بیان پر کوئی خوشی نہیں ہوتی کہ دو سال بعد ملک کی اوسط آمدنی دس فیصدی بڑھ جائے گی۔ سوال یہ نہیں ہے کہ آمدنی کتنی بڑھتی ہے بلکہ یہ کہ کتنی بڑھتی ہے۔

آج ہمارے شہر کیا، دیہات کیا، وہاں کی آبادی کو ہم موٹے طرز سے چار حصوں میں بانٹ سکتے ہیں: (1) (A) ہاتھی یا موٹر والے یعنی بہت مالدار لوگ، (2) (B) گاڑی یا سائیکل رکھنے والے خوشحال لوگ، (3) (C) ساধারণ غریب اور (4) (D) بہت غریب جنہیں ایک چرن کپڑے کو ملے، دوسرے کی امید نہیں۔ ہر سو آدمی پر پانچ ہاتھی یا موٹر والے ہیں، 10 خوشحال، 40 غریب اور 40 بہت ہی غریب۔ ان کی آمدنی کا نسبت آج قرب غریب اس طرح کا ہے:

$$120 : 70 : 9 : 1$$

اس نسبت کے آئینوں میں ہمیں کی گنجائش ملتی ہے۔ بہت غریب اور بہت امیر میں آج ایک اور 120 کے متعلقہ کہیں زیادہ کا فرق ہے۔ مگر مرتے طرز پر یہ حساب صحیح مانا جاسکتا ہے۔ اب ہم دیکھیں کہ اوسط آمدنی دگنی ہونے کی کیا صورتیں ہیں۔ ایسے صورتیں تو بہت سی ہیں مگر نیچے والی پر آسانی سے دھیان جانا ہے:

بنیادی صورت وہ ہے جو ہم نے اوپر دی ہے:

$$A + B + C + D = T$$

(جہاں  $A = 120$ ,  $B = 70$ ,  $C = 9$ ,  $D = 1$ ، اور  $T = 220$ )

(220 =

اب دگنے کی حالتیں یہ ہیں:

$$A + B + 21(C + D) = 2T \dots (1)$$

$$2A + 2B + 2C + 2D = 2T \dots (2)$$

$$2.6A + B + C + D = 2T \dots (3)$$

$$(2.3)A + (1.5)B + C + D = 2T \dots (4)$$

$$(2.4)A + (1.5)A + 1/2(C + D) = 2T \dots (5)$$

$$(2.7)A + B + 1/4(C + D) = 2T \dots (6)$$

$$(2.3)A + B + 1/10(C + D) = 2T \dots (7)$$

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ:

(1) پہلی حالت میں موٹر یا سائیکل والوں کی آمدنی پہلے جیسی رہتی ہے اور نیچے درجے والوں کی 2 گنی بڑھ جاتی ہیں جس سے کل آمدنی دگنی ہو جاتی ہے۔

(2) دوسری حالت میں اوپر سے نیچے تک ہر ایک کی آمدنی ٹھیک دگنی ہوتی ہے۔

(3) تیسری حالت میں موٹر والے کی آمدنی ڈاکا گاڑی سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور دوسرے سب کی ویسی ہی رہتی ہے۔

(4) چوتھی حالت میں اوپر کے دونوں درجے کی آمدنی بڑھتی ہے۔

(3) جیتنے جیادہ لوگوں کو سرکار اپنی مولاخیمت میں لا سکتے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا نظریہ بدلا اور ان میں نئی عادتیں، نئی زندگی کی تڑپ پیدا ہو گئی۔

شری کرشنا مہاچاری یا پلاننگ کمیशन کی भाषा में ہم ان تین باتوں کو ترقی کی جستجو کر سکتے ہیں۔ آج امریکہ اور انگلینڈ یا یورپ کے دوسرے ملکوں میں ایسا ہو رہا ہے۔ وہاں پر تہذیب یا سہیبت کا ناپ ہی یہی ہے کہ آدمی کتنا زیادہ صابن، تیل، کپڑا، جوتا، موٹر، بجلی وغیرہ خرچ کرتا ہے۔ اپنے ذاتی جسم کی وہ جتنی زیادہ خدمت کرتا ہے اتنا ہی پرتا چڑھا مانا جاتا ہے اور اونچا سمجھا جاتا ہے۔ آج بتایا جاتا ہے کہ امریکہ میں فی آدمی روزانہ 160 پونڈ کھانے خرچ ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتا ہے کہ ہندستان جیسے ملک کے آدمی کے مقابلہ میں صرف ایک پونڈ کھانے خرچ ہوتا ہے امریکہ کا آدمی 160 گنا زیادہ ودران یا تعلیم یافتہ ہے! مگر کون نہیں جانتا کہ یورپ کے ملکوں میں جو اونچے نیچے اور بھید بڑے ہیں، امیر غریب کا جو فرق ہے، سماج کے اندر جو عیاشی، چوری، دیکھتی و دوسرے فعل ہو رہے ہیں ان سے ایشیا کے ملک جتنے دور رہ سکیں اچھا ہے۔ پھر وہ ملک آج کتنے زیادہ بے ہیبت ہیں اور وہاں کی جتنے روپے پیسے کے پیچھے کتنی پاگل ہے اور مشین کی کتنی زیادہ غلام ہو گئی ہے۔ اگر ہم ہندستان والوں کے آگے یہی مغرب کے یہ آدمی اپنے سامنے رکھ دے تو ہم ان کے برابر تو ترقی پر پہنچ سکتے ہیں۔ ان کے عیب اور خرابیاں ضرور ہمارے اندر گھر کر لیں گے۔ اس لئے پیچھے کے پیمانے ہمارے اوپر نہ لاگو ہوسکتے ہیں اور نہ لاگو ہونے چاہئیں۔ ہمارے یہاں تو ایک ہی پیمانہ چل سکتا ہے—انسانیت کا۔ ساری دنیا سے بھائی چارہ اور سب کی بھائی، پیڑوسی کی خدمت اور آپسی مسئلہ یا سوالوں کا حل، قانون یا تلوار و ہم کے زور سے نہیں بلکہ پریم سے۔ یہی ہمارے ملک کے آئینک اور سیاسی نظام کا ادھار ہونا چاہئے۔ اور اسی لحاظ سے ہم شری کرشنا مہاچاری کے بیان پر صاف صاف وچار کرنا چاہتے ہیں۔

شری کرشنا مہاچاری نے پانچ سالہ یوجنا کی تین سال کی کامیابی کا خلاصہ پہلے یہ بتایا ہے کہ ملک میں پیداوار بہت گنی ہوئی ہے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ مگر محض پیداوار بڑھنا کافی نہیں ہوتا۔ ضروری یہ ہے کہ ضرورت مند کو ضرورت کی چیز حاصل ہو یا چیز حاصل کرنے کا ذریعہ اُسے ملے۔ اگر پیداوار بڑھتی رہے مگر لوگوں میں ضرورتیں پورا کرنے کی طاقت نہ ہو جیسی ہی کمزور رہے تو وہ سوچنے کی بات ہے کیونکہ ایسے اضافہ سے محض چند دہپادیں یا دوسرے لوگوں کا ہی فائدہ

شری کرشنا مہاچاری یا پلاننگ کمیशन کی भाषा में ہم ان تین باتوں کو ترقی کی جستجو کر سکتے ہیں۔ آج امریکہ اور انگلینڈ یا یورپ کے دوسرے ملکوں میں ایسا ہو رہا ہے۔ وہاں پر تہذیب یا سہیبت کا ناپ ہی یہی ہے کہ آدمی کتنا زیادہ صابن، تیل، کپڑا، جوتا، موٹر، بجلی وغیرہ خرچ کرتا ہے۔ اپنے ذاتی جسم کی وہ جتنی زیادہ خدمت کرتا ہے اتنا ہی پرتا چڑھا مانا جاتا ہے اور اونچا سمجھا جاتا ہے۔ آج بتایا جاتا ہے کہ امریکہ میں فی آدمی روزانہ 160 پونڈ کھانے خرچ ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتا ہے کہ ہندستان جیسے ملک کے آدمی کے مقابلہ میں صرف ایک پونڈ کھانے خرچ ہوتا ہے امریکہ کا آدمی 160 گنا زیادہ ودران یا تعلیم یافتہ ہے! مگر کون نہیں جانتا کہ یورپ کے ملکوں میں جو اونچے نیچے اور بھید بڑے ہیں، امیر غریب کا جو فرق ہے، سماج کے اندر جو عیاشی، چوری، دیکھتی و دوسرے فعل ہو رہے ہیں ان سے ایشیا کے ملک جتنے دور رہ سکیں اچھا ہے۔ پھر وہ ملک آج کتنے زیادہ بے ہیبت ہیں اور وہاں کی جتنے روپے پیسے کے پیچھے کتنی پاگل ہے اور مشین کی کتنی زیادہ غلام ہو گئی ہے۔ اگر ہم ہندستان والوں کے آگے یہی مغرب کے یہ آدمی اپنے سامنے رکھ دے تو ہم ان کے برابر تو ترقی پر پہنچ سکتے ہیں۔ ان کے عیب اور خرابیاں ضرور ہمارے اندر گھر کر لیں گے۔ اس لئے پیچھے کے پیمانے ہمارے اوپر نہ لاگو ہوسکتے ہیں اور نہ لاگو ہونے چاہئیں۔ ہمارے یہاں تو ایک ہی پیمانہ چل سکتا ہے—انسانیت کا۔ ساری دنیا سے بھائی چارہ اور سب کی بھائی، پیڑوسی کی خدمت اور آپسی مسئلہ یا سوالوں کا حل، قانون یا تلوار و ہم کے زور سے نہیں بلکہ پریم سے۔ یہی ہمارے ملک کے آئینک اور سیاسی نظام کا ادھار ہونا چاہئے۔ اور اسی لحاظ سے ہم شری کرشنا مہاچاری کے بیان پر صاف صاف وچار کرنا چاہتے ہیں۔

شری کرشنا مہاچاری نے پانچ سالہ یوجنا کی تین سال کی کامیابی کا خلاصہ پہلے یہ بتایا ہے کہ ملک میں پیداوار بہت گنی ہوئی ہے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ مگر محض پیداوار بڑھنا کافی نہیں ہوتا۔ ضروری یہ ہے کہ ضرورت مند کو ضرورت کی چیز حاصل ہو یا چیز حاصل کرنے کا ذریعہ اُسے ملے۔ اگر پیداوار بڑھتی رہے مگر لوگوں میں ضرورتیں پورا کرنے کی طاقت نہ ہو جیسی ہی کمزور رہے تو وہ سوچنے کی بات ہے کیونکہ ایسے اضافہ سے محض چند دہپادیں یا دوسرے لوگوں کا ہی فائدہ

شری کرشناమాچاری نے بتایا کہ یोजना جب سے شروع ہوئی تب سے اب تک کے دوران میں ہندوستان کی مالی حالت بہت کچھ سہجہ گئی ہے۔ مثلاً جہاں 1952-53 میں غلہ 44 لاکھ ٹن تھا وہاں 1953-54 میں 89 لاکھ ٹن ہوا۔ اور ملوں میں تیار ہونے والے مال کی 1951 میں جہاں 117 اکتیاں تھیں، 1952 میں 129 اور 1953 میں 135۔ اس سب سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس یोजना کے پورا ہونے سے ملک کی آمدنی دس فیصدی بڑھ جائے گی۔

دوسرے سوال کے جواب میں شری وی۔ ٹی۔ کرشناماچاری کہتے ہیں کہ پچھلے تین سال میں انتظام کے مختلف حصوں کا پورا سے سنگتیں کیا گیا ہے اور ایک ویل فیئر (Welfare) انتظام کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بنیادیں ڈالی جا رہی ہیں۔

تیسرے سوال کے جواب میں ان کا فرمانا ہے کہ ایسی سہولیت کے ساتھ جس کا پتہ بھی نہیں اکتا لوگوں کے اندر کام کرنے اور سوچ وچار کرنے کی پرائی وڈتیں چھوٹ رہی ہیں۔ آخر میں انہوں نے اعلان کیا کہ یोजना کل ملا کر کلیدی کے ساتھ چل رہی ہے اور اس بات کی پوری امید ہے کہ اس کے مقصد پانچ سال والی مدت میں حاصل ہو ہی جائیں گے۔

چوتھے سوال کے جواب میں ان کا فرمانا ہے کہ ایسی سہولیت کے ساتھ جس کا پتہ بھی نہیں اکتا لوگوں کے اندر کام کرنے اور سوچ وچار کرنے کی پرائی وڈتیں چھوٹ رہی ہیں۔ آخر میں انہوں نے اعلان کیا کہ یोजना کل ملا کر کلیدی کے ساتھ چل رہی ہے اور اس بات کی پوری امید ہے کہ اس کے مقصد پانچ سال والی مدت میں حاصل ہو ہی جائیں گے۔

پلاننگ کمیشن کے ناٹ ب صدر کے اس بیان پر ہم پلاننگ کمیشن، کیا عند سرکار اور کیا صوبے کی سوچیں، سب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر کسی انگریز سے کہا جاتا کہ 177 سے لیکر 1947 تک، یعنی 190 سال میں ہندوستان کے وکاس کی ہر پانچ سال کی رپورٹ تیار کرو تو ان 48 بیانیوں سے ایسا لگتا کہ ہندوستان دن دردن کی چوکنی ترقی کر رہا ہے اور اگر اسی طرح حکومت برطانیہ کو موقع ملتا رہے تو 190 سال گواہ ہیں، اگلے کچھ سالوں میں ہندوستان کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا اور انگریزی حکومت سے بہتر برکت ہندوستان کے لئے کوئی دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر انہیں گواہ ہے کہ ان 190 برس میں ہندوستان کی وہ گئی گزری حالت ہو گئی کہ انگریزی حکومت کو ہٹائے بنا چارہ نہیں تھا اور آخر وہ ہٹ ہی گئی۔ تھیک اسی طرح کے خیال ہمارے اندر شری وی۔ ٹی۔ کرشناماچاری کے ریڈیو برانکسٹ کو پڑھ کر پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کے تینوں سوال جواب کا نیچر اگر صاف لفظوں میں کہیں تو یہ ہے:

- (1) جتنا کا جتنا زیادہ پیسہ سرکار خرچ کر دے اتنی ہی زیادہ ملک کی ترقی۔
- (2) ملوں میں جتنا زیادہ مال تیار ہو اتنا ہی ملک خوشحال۔

پلاننگ کمیشن کے ناٹ ب صدر کے اس بیان پر ہم پلاننگ کمیشن، کیا عند سرکار اور کیا صوبے کی سوچیں، سب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر کسی انگریز سے کہا جاتا کہ 177 سے لیکر 1947 تک، یعنی 190 سال میں ہندوستان کے وکاس کی ہر پانچ سال کی رپورٹ تیار کرو تو ان 48 بیانیوں سے ایسا لگتا کہ ہندوستان دن دردن کی چوکنی ترقی کر رہا ہے اور اگر اسی طرح حکومت برطانیہ کو موقع ملتا رہے تو 190 سال گواہ ہیں، اگلے کچھ سالوں میں ہندوستان کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا اور انگریزی حکومت سے بہتر برکت ہندوستان کے لئے کوئی دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر انہیں گواہ ہے کہ ان 190 برس میں ہندوستان کی وہ گئی گزری حالت ہو گئی کہ انگریزی حکومت کو ہٹائے بنا چارہ نہیں تھا اور آخر وہ ہٹ ہی گئی۔ تھیک اسی طرح کے خیال ہمارے اندر شری وی۔ ٹی۔ کرشناماچاری کے ریڈیو برانکسٹ کو پڑھ کر پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کے تینوں سوال جواب کا نیچر اگر صاف لفظوں میں کہیں تو یہ ہے:

- (1) جتنا کا جتنا زیادہ پیسہ سرکار خرچ کر دے اتنی ہی زیادہ ملک کی ترقی۔
- (2) ملوں میں جتنا زیادہ مال تیار ہو اتنا ہی ملک خوشحال۔

پلاننگ کمیشن کے ناٹ ب صدر کے اس بیان پر ہم پلاننگ کمیشن، کیا عند سرکار اور کیا صوبے کی سوچیں، سب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر کسی انگریز سے کہا جاتا کہ 177 سے لیکر 1947 تک، یعنی 190 سال میں ہندوستان کے وکاس کی ہر پانچ سال کی رپورٹ تیار کرو تو ان 48 بیانیوں سے ایسا لگتا کہ ہندوستان دن دردن کی چوکنی ترقی کر رہا ہے اور اگر اسی طرح حکومت برطانیہ کو موقع ملتا رہے تو 190 سال گواہ ہیں، اگلے کچھ سالوں میں ہندوستان کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا اور انگریزی حکومت سے بہتر برکت ہندوستان کے لئے کوئی دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر انہیں گواہ ہے کہ ان 190 برس میں ہندوستان کی وہ گئی گزری حالت ہو گئی کہ انگریزی حکومت کو ہٹائے بنا چارہ نہیں تھا اور آخر وہ ہٹ ہی گئی۔ تھیک اسی طرح کے خیال ہمارے اندر شری وی۔ ٹی۔ کرشناماچاری کے ریڈیو برانکسٹ کو پڑھ کر پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کے تینوں سوال جواب کا نیچر اگر صاف لفظوں میں کہیں تو یہ ہے:

- (1) جتنا کا جتنا زیادہ پیسہ سرکار خرچ کر دے اتنی ہی زیادہ ملک کی ترقی۔
- (2) ملوں میں جتنا زیادہ مال تیار ہو اتنا ہی ملک خوشحال۔

پلاننگ کمیشن کے ناٹ ب صدر کے اس بیان پر ہم پلاننگ کمیشن، کیا عند سرکار اور کیا صوبے کی سوچیں، سب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر کسی انگریز سے کہا جاتا کہ 177 سے لیکر 1947 تک، یعنی 190 سال میں ہندوستان کے وکاس کی ہر پانچ سال کی رپورٹ تیار کرو تو ان 48 بیانیوں سے ایسا لگتا کہ ہندوستان دن دردن کی چوکنی ترقی کر رہا ہے اور اگر اسی طرح حکومت برطانیہ کو موقع ملتا رہے تو 190 سال گواہ ہیں، اگلے کچھ سالوں میں ہندوستان کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا اور انگریزی حکومت سے بہتر برکت ہندوستان کے لئے کوئی دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر انہیں گواہ ہے کہ ان 190 برس میں ہندوستان کی وہ گئی گزری حالت ہو گئی کہ انگریزی حکومت کو ہٹائے بنا چارہ نہیں تھا اور آخر وہ ہٹ ہی گئی۔ تھیک اسی طرح کے خیال ہمارے اندر شری وی۔ ٹی۔ کرشناماچاری کے ریڈیو برانکسٹ کو پڑھ کر پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کے تینوں سوال جواب کا نیچر اگر صاف لفظوں میں کہیں تو یہ ہے:

- (1) جتنا کا جتنا زیادہ پیسہ سرکار خرچ کر دے اتنی ہی زیادہ ملک کی ترقی۔
- (2) ملوں میں جتنا زیادہ مال تیار ہو اتنا ہی ملک خوشحال۔



## یोजना کے تین سال

ہندو سرکار کی طرف سے ملکہ میں پچھ بارسہی یोजना کے نام سے جو ایک یोजना چل رہی ہے اس کا خاکہ تو پارلیمنٹ کے سامنے ہمارے پردھان منتری نے دسمبر سن 1952 میں پیش کیا تھا لیکن اس کا عمل جون 1951 سے شروع کیا گیا بتایا جلتا ہے۔ اس طرح اس یोजना کے تین سال پڑے ہرے اور سن 1954 کی جون سے چوتھا سال شروع ہوا۔ اس موقع پر پلاننگ کمیشن کے نائب صدر شری۔ ی۔ ٹی۔ کرشناماچاری نے ایک برادکاسٹ انکویزی میں کیا جس میں انہوں نے تین سال کے کارناموں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔

انہوں نے کہا کہ یोजना کو محض کچھ پروجیکٹوں یا کاموں کی کڑی نہیں سمجھنی چاہیے بلکہ یہ اس کرشمہ کی نمایاں ہے جو ہندوستان کے لوگ اپنے لئے ایک نئی زندگی پیدا کرنے کی خاطر کر رہے ہوں۔ شری کرشناماچاری کا کہنا ہے کہ ہم نئے نمونے کا سچ بنانا چاہتے ہیں اور لوگوں کے اندر 'نیا نظریہ' نیا گیان اور نئے رهن سہن کے لئے خواہش پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کو دھیان میں رکھتے ہوئے انہوں نے اپنے برادکاسٹ میں بین سوالوں کے جواب دئے:

1. اس یोजना میں جو پروجیکٹ یا کام ہیں وہ کیسی برنی کر رہے ہیں؟

2. وکاس کی سکیوں اور پروگراموں کو سبھی سے انجام دینے کے لیے ہنترجانی اور تکنیکل دایروں میں سوار کی بنیاد ڈالی جا رہی ہے یا نہیں؟

3. کیا خاص مقصد میں یعنی نئے نظریہ اور بہتر زندگی کی خواہش پیدا ہونے میں کہاں تک کامیابی حاصل ہو چکی ہے؟

کہاں کی ضرورت نہیں کہ خود گڑے ہوئے تینوں سوالوں کے جواب میں شری۔ ی۔ ٹی۔ کرشناماچاری نے یہی کیا کہ "خوب ہے! خوب ہے!" پہلے سوال کے جواب میں ان کا کہنا ہے کہ سن 1952 کے شروع میں اس یोजना کا تخمینہ 1800 کروڑ روپے کے قریب تھا، دسمبر 1952 میں اس یोजना کی لاگت 2069 کروڑ روپے کی گئی اور اب اسے ترقی دے کر 2244 کروڑ روپے کر دیا گیا ہے۔ اس میں اب تک جو خرچ ہوا اس کا حساب یہ ہے:

| سال  | رپيا (کروڑ میں) |
|--|-----------------|
| 1951-52                                    | 262             |
| 1952-53                                    | 271             |
| 1953-54                                    | 412             |
| اور آگے دو سال میں اس طرح اور خرچ کرنا ہے: |                 |
| 1954-55                                    | 565             |
| 1955-56                                    | 745             |

ہند سرکار کی طرف سے ملک میں پچھ بارسہی یोजना کے نام سے جو ایک یोजना چل رہی ہے اس کا خاکہ تو پارلیمنٹ کے سامنے ہمارے پردھان منتری نے دسمبر سن 1952 میں پیش کیا تھا لیکن اس کا عمل جون 1951 سے شروع کیا گیا بتایا جلتا ہے۔ اس طرح اس یोजना کے تین سال پڑے ہرے اور سن 1954 کی جون سے چوتھا سال شروع ہوا۔ اس موقع پر پلاننگ کمیشن کے نائب صدر شری۔ ی۔ ٹی۔ کرشناماچاری نے ایک برادکاسٹ انکویزی میں کیا جس میں انہوں نے تین سال کے کارناموں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔

انہوں نے کہا کہ یोजना کو محض کچھ پروجیکٹوں یا کاموں کی کڑی نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یہ اس کرشمہ کی نمایاں ہے جو ہندوستان کے لوگ اپنے لئے ایک نئی زندگی پیدا کرنے کی خاطر کر رہے ہوں۔ شری کرشناماچاری کا کہنا ہے کہ ہم نئے نمونے کا سچ بنانا چاہتے ہیں اور لوگوں کے اندر 'نیا نظریہ' نیا گیان اور نئے رهن سہن کے لئے خواہش پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کو دھیان میں رکھتے ہوئے انہوں نے اپنے برادکاسٹ میں بین سوالوں کے جواب دئے:

1. اس یोजना میں جو پروجیکٹ یا کام ہیں وہ کیسی برنی کر رہے ہیں؟

2. وکاس کی اسکیموں اور پروگراموں کو سبھی سے انجام دینے کے لیے انتظامی اور ٹیکنیکل دائروں میں سدھار کی بنیاد ڈالی جا رہی ہے یا نہیں؟

3. کیا خاص مقصد میں یعنی نئے نظریہ اور بہتر زندگی کی خواہش پیدا ہونے میں کہاں تک کامیابی حاصل ہو چکی ہے؟

کہاں کی ضرورت نہیں کہ خود گڑے ہوئے تینوں سوالوں کے جواب میں شری۔ ی۔ ٹی۔ کرشناماچاری نے یہی کیا کہ "خوب ہے! خوب ہے!" پہلے سوال کے جواب میں ان کا کہنا ہے کہ سن 1952 کے شروع میں اس یोजना کا تخمینہ 1800 کروڑ روپے کے قریب تھا، دسمبر 1952 میں اس یोजना کی لاگت 2069 کروڑ روپے کی گئی اور اب اسے ترقی دے کر 2244 کروڑ روپے کر دیا گیا ہے۔ اس میں اب تک جو خرچ ہوا اس کا حساب یہ ہے:

| سال  | روپے (کروڑ میں) |
|--|-----------------|
| 1951-52                                    | 262             |
| 1952-53                                    | 271             |
| 1953-54                                    | 412             |
| اور آگے دو سال میں اس طرح اور خرچ کرنا ہے: |                 |
| 1954-55                                    | 565             |
| 1955-56                                    | 745             |

ناटक، संगیت، سماج، جیسی کلچری سرسٹھاپن بھی سبھی ہو جاتی ہیں۔ نئے نئے روزگار نکلنے لگتے ہیں اور اچھے سے اچھے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی کام ملنے لگتا ہے۔

گاؤں کے اس نئے جیون کا اسر شہروں پر بھی پڑتا ہے۔ کسانوں اور گاؤں کے لوگوں کا رہن سہن اونچا ہونے لگتا ہے۔ ان میں طرح طرح کی چیزوں کی مانگ بڑھتی ہے۔ شہروں کے طرح طرح کے ہٹے پکے مال کی کھوت بڑھتی ہے۔ ان کے مکمل ہٹنے لگتے ہیں۔ راج مزدوروں اور بڑھتی اربابوں کو کم ملتا ہے۔ اس سب سے گاؤں اور شہر دونوں میں بیکاری گھٹتی اور خوشحالی بڑھتی ہے۔ اسی سے گاؤں کے لوگوں کا کم کی کھوج میں شہر آنا گھٹتا ہے۔ یہ سب باتیں ملکر ایک ایسا آرٹیکل چکر چل جاتا ہے جس سے سب جگہ نئے نئے روزگار کھانے لگتے ہیں۔

میں فیر کھ دینا چاہتا ہوں کہ بھوم کا فیر سے بٹورا ان دنوں سے کاموں میں سے ایک کام ہے جن سے دیش کی بیکاری دور ہر سکتی ہے۔ اور وہ ایک ایسا کام ہے جس سے دیش کی عام جنتا میں اپنے اوپر بھروسہ پیدا ہوتا ہے، سواہیمان بڑھتا ہے اور جنتا اپنی چھٹی ہوئی شکتی کو پھیلانے لگتی ہے۔ گاندھی جی جس رام راج کی بات کرتے تھے وہ ہم کسی طرح بھی اس دیش میں لا سکتے ہیں تو اسی طرح لا سکتے ہیں۔ گاؤں میں ہی بھارت کے اصلی پیراں ہیں۔ وہیں بھارت کی سچی شکتی چھپی ہے۔

ناتک، سنگیت، سماج، جیسی کلچری سرسٹھاپن بھی سبھی ہو جاتی ہیں۔ نئے نئے روزگار نکلتے ہیں اور اچھے سے اچھے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی کام ملنے لگتا ہے۔

گاؤں کے اس نئے جیون کا اثر شہروں پر بھی پڑتا ہے۔ کسانوں اور گاؤں کے لوگوں کا رہن سہن اونچا ہونے لگتا ہے۔ ان میں طرح طرح کی چیزوں کی مانگ بڑھتی ہے۔ شہروں کے طرح طرح کے ہٹے پکے مال کی کھوت بڑھتی ہے۔ ان کے مکمل ہٹنے لگتے ہیں۔ راج مزدوروں اور بڑھتی اربابوں کو کم ملتا ہے۔ اس سب سے گاؤں اور شہر دونوں میں بیکاری گھٹتی اور خوشحالی بڑھتی ہے۔ اسی سے گاؤں کے لوگوں کا کم کی کھوج میں شہر آنا گھٹتا ہے۔ یہ سب باتیں ملکر ایک ایسا آرٹیکل چکر چل جاتا ہے جس سے سب جگہ نئے نئے روزگار کھانے لگتے ہیں۔

میں پھر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ بھوم کا فیر سے بٹورا ان دنوں سے کاموں میں سے ایک کام ہے جن سے دیش کی بیکاری دور ہر سکتی ہے۔ اور وہ ایک ایسا کام ہے جس سے دیش کی عام جنتا میں اپنے اوپر بھروسہ پیدا ہوتا ہے، سواہیمان بڑھتا ہے اور جنتا اپنی چھٹی ہوئی شکتی کو پھیلانے لگتی ہے۔ گاندھی جی جس رام راج کی بات کرتے تھے وہ ہم کسی طرح بھی اس دیش میں لا سکتے ہیں تو اسی طرح لا سکتے ہیں۔ گاؤں میں ہی بھارت کے اصلی پیراں ہیں۔ وہیں بھارت کی سچی شکتی چھپی ہے۔

## ईसा का सन्देश

लेखक—डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा.

अनुवादक—सुरेश रामभाई.

इस किताब में हजरत ईसा के सन्देश की व्याख्या ऐसे लाजवाब ढंग से की गई है कि पढ़ने वाला बड़ी आसानी से यह समझ जायगा कि ईसाई धर्म की खास तालीम क्या है और हजरत ईसा ने इनसान-इनसान की बराबरी, भाई चारे, प्रेम और अहिंसा पर कितना जोर दिया है.

महात्मा गांधी ने इस किताब के बारे में कहा है कि "हर आस्तिक से, चाहे वह ईसाई हो या किसी और धर्म का मानने वाला हो, मेरी सिफारिश है कि इसे पढ़ें..."

सुन्दर जिल्द, बढ़िया काराज, करीब सवा सौ पाने की किताब का दाम सिर्फ एक रुपया.

मिलाने का पता.

जैनगर, 'नया हिन्द', 145 सुटीगंज, इलाहाबाद.

## عیسیٰ کا سندیش

لکھنا — ڈاکٹر جے. سی. کمارپا.

انورادک — سوریس رام بھائی.

اس کتاب میں حضرت عیسیٰ کے سندیش کی ویاکھاہا ہر سے لاجواب قہنگ سے کی گئی ہے کہ پوچھنے والا بڑی آسانی سے یہ سمجھ جائیگا کہ عیسائی دھرم کی خاص اہام کوہا ہے اور حضرت عیسیٰ نے انسان انسان کی برابر ہی بھائی چارے، پریم اور اہلسا پر کتنا زور دیا ہے.

مہاتما گاندھی نے اس کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ "ہر آستک سے، چاہے وہ عیسائی ہو یا کسی اور دھرم کا ماننے والا ہو، مہری سدارش ہے کہ اسے پڑھے..."

سندر جلد، بڑھیا کافڈ، قریب سوا سو صفحے کی کتاب کا دام صرف ایک روپیہ.

میلنے کا پتہ.

میلنگھور، 'نیا ہند' 145 مٹھی کلج، الہ آباد.

कितनी भूमि मिल सकेगी. इस हा ठीक ठीक जबाब 'भूमि बंटवारा कमीशन' ही दे सकेगा. पर जो आंकड़े हमें मिल सकते हैं उनसे मोटे तौर पर हम अन्दाजा लगा सकते हैं. उत्तर प्रदेश जर्मंदारी उन्मूलन और भूमि सुधार कानून ने यह रोक लगा दी है कि आगे के लिए कोई आवामी तीस एकड़ से ज्यादा खेती की जमीन नहीं खरीद सकता. अब अगर तीस एकड़ से ऊपर के खेत उत्तर प्रदेश में बंटवारे के लिए मिल जायें तो हमें पचास लाख एकड़ भूमि मिलेगी. इससे कई लाख परिवारों की बेकारी दूर हो सकेगी और उन्हें रोजी मिल सकेगी. अलग अलग प्रान्तों की अलग अलग हालत है. फिर भी इसी तरह पर हमें बम्बई में 64 लाख एकड़, मध्य प्रदेश में 66 लाख एकड़ और मद्रास में 85 लाख एकड़ भूमि बंटवारे के लिए मिल सकती है. यह कुल दो सौ पंद्रह लाख एकड़ भूमि हुई. इतनी भूमि पर अगर लोगों को सहकारी ढंग से बसाया जाय तो लगभग बीस लाख परिवारों को आसानी से काम दिया जा सकता है और अच्छी तरह खाना, कपड़ा और रहने को घर दिया जा सकता है. करोड़ों लोगों को इस तरह बेकारी और अर्धबेकारी के चंगुल में छुड़ाया जा सकता है. यह ताददाद बहस करने की नहीं है, बल्कि समझदारी और साइन्सी ढंग से जमीन का बंटवारा करने की है.

आचार्य विनोबा भावे को कहा जाता है कि उनके भूमि यज्ञ में कई लाख एकड़ भूमि दान मिल चुकी है. इस तरह कानून की मदद से उन जैसे सच्चे सेवकों का समय बचाया जा सकता है और गरीबों का दुख जल्दी दूर किया जा सकता है. नहीं तो आजकल के हिसाब से तो उनका काम कई सदी में जाकर पूरा होगा. इस तरह के बंटारों में हमें यह भी देख लेना होगा कि जिस किसी को जमीन दी जाये वह उसे अच्छी तरह जोत बो भी सकता है या नहीं.

सरकार की पहली पांच बरसी योजना में यह भी कहा गया है कि हमें सहकारी खेती को बढ़ाना और मदद देना चाहिये. यह बात उन जोतों के लिए ही ठीक बैठती है और चल सकती है जो नई भूमि तोड़ कर या भूमि के नये बंटवारे में बनाये गये हों. जिन लोगों को नये खेत मिलेंगे वह अधिकतर गरीब होंगे. पूँजी की उनके पास कमी रहेगी. सहकारी खेती में, यानी मिलकर खेती करने में, उन्हें साफ लाभ दिखाई देगा. जिन जिन देशों में सहकारी खेती सफल हुई है वहाँ का तजकबा हमें यही बताता है कि भूमि के नये बंटवारे से जिन लोगों को खेत मिलते हैं वही सहकारी खेती में अग्रगण्य होते हैं. उनकी देखा देखी फिर दूसरे लोग शामिल होने लगते हैं. इस तरह पूरे गांव के आर्थिक और सामाजिक जीवन में एक नई लहर दौड़ने लगती है और सारे गांव में एक नई जान आ जाती है. इससे जनता के जीवन में एक

कत्ती बेरोमी मिल सकती है. इस का ठीक ठीक जबाब 'बेरोमी बंटवारे' कमीशन' ही दे सकेगा. पर जो आंकड़े हमें मिल सकते हैं उनसे मोटे तौर पर हम अन्दाजा लगा सकते हैं. उत्तर प्रदेश जर्मंदारी उन्मूलन और भूमि सुधार कानून ने यह रोक लगा दी है कि आगे के लिए कोई आवामी तीस एकड़ से ज्यादा खेती की जमीन नहीं खरीद सकता. अब अगर तीस एकड़ से ऊपर के खेत उत्तर प्रदेश में बंटवारे के लिए मिल जायें तो हमें पचास लाख एकड़ भूमि मिलेगी. इससे कई लाख परिवारों की बेकारी दूर हो सकेगी और उन्हें रोजी मिल सकेगी. अलग अलग प्रान्तों की अलग अलग हालत है. फिर भी इसी तरह पर हमें बम्बई में 64 लाख एकड़, मध्य प्रदेश में 66 लाख एकड़ और मद्रास में 85 लाख एकड़ भूमि बंटवारे के लिए मिल सकती है. यह कुल दो सौ पंद्रह लाख एकड़ भूमि हुई. इतनी भूमि पर अगर लोगों को सहकारी ढंग से बसाया जाय तो लगभग बीस लाख परिवारों को आसानी से काम दिया जा सकता है और अच्छी तरह खाना, कपड़ा और रहने को घर दिया जा सकता है. करोड़ों लोगों को इस तरह बेकारी और अर्धबेकारी के चंगुल में छुड़ाया जा सकता है. यह ताददाद बहस करने की नहीं है, बल्कि समझदारी और साइन्सी ढंग से जमीन का बंटवारा करने की है.

आचार्य विनोबा भावे को कहा जाता है कि उनके भूमि यज्ञ में कई लाख एकड़ भूमि दान मिल चुकी है. इस तरह कानून की मदद से उन जैसे सच्चे सेवकों का समय बचाया जा सकता है और गरीबों का दुख जल्दी दूर किया जा सकता है. नहीं तो आजकल के हिसाब से तो उनका काम कई सदी में जाकर पूरा होगा. इस तरह के बंटारों में हमें यह भी देख लेना होगा कि जिस किसी को जमीन दी जाये वह उसे अच्छी तरह जोत बो भी सकता है या नहीं.

सरकार की पहली पांच बरसी योजना में यह भी कहा गया है कि हमें सहकारी खेती को बढ़ाना और मदद देना चाहिये. यह बात उन जोतों के लिए ही ठीक बैठती है और चल सकती है जो नई भूमि तोड़ कर या भूमि के नये बंटवारे में बनाये गये हों. जिन लोगों को नये खेत मिलेंगे वह अधिकतर गरीब होंगे. पूँजी की उनके पास कमी रहेगी. सहकारी खेती में, यानी मिलकर खेती करने में, उन्हें साफ लाभ दिखाई देगा. जिन जिन देशों में सहकारी खेती सफल हुई है वहाँ का तजकबा हमें यही बताता है कि भूमि के नये बंटवारे से जिन लोगों को खेत मिलते हैं वही सहकारी खेती में अग्रगण्य होते हैं. उनकी देखा देखी फिर दूसरे लोग शामिल होने लगते हैं. इस तरह पूरे गांव के आर्थिक और सामाजिक जीवन में एक नई लहर दौड़ने लगती है और सारे गांव में एक नई जान आ जाती है. इससे जनता के जीवन में एक

لیجے ضروری ہے کہ ہر صوبے یا ہر प्रदेश میں ایک 'بھومی بقوارہ کمیشن' بنایا جائے جس کا کام یہ ہو کہ ہر جگہ کی کھیتی کی حالت دیکھ کر یہ طے کرے کہ ایک ایک ضلعوں اور تحصیلوں میں آرتھک جوت کیا مانی جائے؟ اس آرتھک جوت سے نکلی سے آدھک بھومی کسی کے پاس نہ رہنے دی جائے۔ اس طرح جتنی زمین ملے اسے پر زمین کھیت مزدوروں میں بانٹ دی جائے۔ یہی پھر بھومی کچھ زمین بچے تو اسے ان کسانوں کو دی جائے جن کے پاس بھومی تو ہے پر آرتھک جوت سے کم ہے۔

اس سبب سے ایک سوال یہ اٹھ سکتا ہے کہ بڑی بڑی جوتوں کو توڑ کر چھوٹی کر دینے سے देश کی ناज کی पैداوار کم تو نہیں ہو جائیگی، खासकर जबकि अब भी हमारे देश में नाज की कमी है؟

اس کے جواب میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ ہمارے جیسے देश کی حالت میں آرتھ شاستر کا یہ ایک ماننا ہوا اصول ہے کہ पैداوار کی اکلنی یعنی ایک جوت، اگر ایک خاص ماترا سے کم ہو تب ہی पैداوار کم ہوتی ہے اور اگر ایک خاص ماترا سے آدھک ہو تب ہی سارے देश کی पैداوار کم ہوتی ہے۔ ہمارے देश کے آرتھ شاستر جانکاروں نے چھوٹی چھوٹی جوتوں کے نقصان کو تو سرچا پر اس طرح کی بڑی بڑی جوتوں کے نقصان کی طرف دھیان نہیں دیا۔ اس طرح کی بڑی بڑی جوتوں کی نہ تو ٹھیک جرتائی ہوتی ہے، نہ ٹھیک ٹھیک ہوتی ہے۔ ایسی جوتوں کا سارا کام ایک نہ ایک طرح کے بیگار کے ذریعہ ہوتا ہے۔ پرانے زمانے میں جب بڑے بڑے زمینداروں اور سامنتوں کا ہول بالا تھا ہر آدمی کا مان اتنا ہی آدھک ہوتا تھا جتنی اس کے پاس بھومی ہوتی تھی۔ اسی اصول پر ہمارے یہاں کے زمینداروں اور ٹھاکروں نے بھی بڑی بڑی جوتوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ پر ان بڑی بڑی جوتوں کا ٹھیک پر بندہ بہت ہی کم ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ ایک طرف تو بھومی بیگار بڑی رہتی تھی اور دوسری طرف کام کرنے والوں کا سہم بیگار جاتا تھا۔ اس سبب سے یہی حالت آجکل کی بڑی بڑی جوتوں کی ہے۔ ٹھیک ٹھیک بھومی بقوارہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں طرف کی اس برائی کو دور کریں۔ ہمیں وشولس ہے کہ اس سے بیکاری ہی گہری اور देश میں ناچ کی पैداوار بھی بڑھتی ہے۔

ظاہر ہے کہ بقوارہ کیوں ان بڑی بڑی جوتوں کا ہونا چاہئے جوتی کا پرہلہ، جیسا ہم نے اوپر بتایا، ٹھیک نہیں ہے۔ جن جوتوں سے بڑی جوتوں پر اچھی طرح سے کھیتی کی جا رہی ہے، وہ کھیتی آجکل کے نئے سائنسی دھنگ سے ہوتی ہو اور پرانے ہندستانی دھنگ سے، ایسی بڑی جوتوں کا بقوارہ ہمیں نہیں کرنا ہے۔

اس سبب سے ایک سوال یہ اٹھ سکتا ہے کہ بڑی بڑی جوتوں کو توڑ کر چھوٹی کر دینے سے देश کی ناچ کی کم تو نہیں ہو جائیگی، खासकर जबकि अब भी हमारे देश में नाज की कमी है؟

اس کے جواب میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ ہمارے جیسے देश کی حالت میں آرتھ شاستر کا یہ ایک ماننا ہوا اصول ہے کہ पैداوار کی اکلنی یعنی ایک جوت، اگر ایک خاص ماترا سے کم ہو تب ہی पैداوار کم ہوتی ہے اور اگر ایک خاص ماترا سے آدھک ہو تب ہی سارے देश کی पैداوار کم ہوتی ہے۔ ہمارے देश کے آرتھ شاستر جانکاروں نے چھوٹی چھوٹی جوتوں کے نقصان کو تو سرچا پر اس طرح کی بڑی بڑی جوتوں کے نقصان کی طرف دھیان نہیں دیا۔ اس طرح کی بڑی بڑی جوتوں کی نہ تو ٹھیک جرتائی ہوتی ہے، نہ ٹھیک ٹھیک ہوتی ہے۔ ایسی جوتوں کا سارا کام ایک نہ ایک طرح کے بیگار کے ذریعہ ہوتا ہے۔ پرانے زمانے میں جب بڑے بڑے زمینداروں اور سامنتوں کا ہول بالا تھا ہر آدمی کا مان اتنا ہی آدھک ہوتا تھا جتنی اس کے پاس بھومی ہوتی تھی۔ اسی اصول پر ہمارے یہاں کے زمینداروں اور ٹھاکروں نے بھی بڑی بڑی جوتوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ پر ان بڑی بڑی جوتوں کا ٹھیک پر بندہ بہت ہی کم ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ ایک طرف تو بھومی بیگار بڑی رہتی تھی اور دوسری طرف کام کرنے والوں کا سہم بیگار جاتا تھا۔ اس سبب سے یہی حالت آجکل کی بڑی بڑی جوتوں کی ہے۔ ٹھیک ٹھیک بھومی بقوارہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں طرف کی اس برائی کو دور کریں۔ ہمیں وشولس ہے کہ اس سے بیکاری ہی گہری اور देश میں ناچ کی पैداوار بھی بڑھتی ہے۔

ظاہر ہے کہ بقوارہ کیوں ان بڑی بڑی جوتوں کا ہونا چاہئے جوتی کا پرہلہ، جیسا ہم نے اوپر بتایا، ٹھیک نہیں ہے۔ جن جوتوں سے بڑی جوتوں پر اچھی طرح سے کھیتی کی جا رہی ہے، وہ کھیتی آجکل کے نئے سائنسی دھنگ سے ہوتی ہو اور پرانے ہندستانی دھنگ سے، ایسی بڑی جوتوں کا بقوارہ ہمیں نہیں کرنا ہے۔

اب سوال یہ رہتا ہے کہ اس طرح بقوارہ کے لئے

آجکل کے نئے سائنسی دھنگ سے ہوتی ہو اور پرانے ہندستانی دھنگ سے، ایسی بڑی جوتوں کا بقوارہ ہمیں نہیں کرنا ہے۔

اب سوال یہ رہتا ہے کہ اس طرح بقوارہ کے لئے

पाँच बरसी योजना को तीसरे साल में ही सुधारना और बदलना पड़ा और इससे आगे के पाँच साल की जो दूसरी योजना होगी उसका रूप अभी से मलकने लगा है। बेकारी नाम के इस महारोग से छुटकारा पाने के लिए हमें कई और कदम बढ़ाने होंगे। सरकारी योजना में भी इसकी शुद्ध चर्चा की गयी है। पर अब आवश्यकता इस बात की है कि कम से कम समय में हम अपने आर्थिक ढाँचे को इस तरह बदलें कि बेकारी भी बिलकुल दूर हो जाय और साथ ही साथ देश के हर आदमी की माली हालत और कलचरी जीवन दोनों ऊँचे उठ सकें और हमारा देश और हमारा राज सब के लिए भलाई और कल्याण का राज हो।

सरकारी योजना में भूमि के नये सिरे से बंटवारे की चर्चा भी की गयी है और यह असूल भी मान लिया गया है कि किसी भी एक खेती पेरा आदमी के पास एक खास मात्रा या मिकदार से अधिक भूमि नहीं होनी चाहिये। अब सवाल यह होता है कि यह अधिक से अधिक भूमि एक आदमी के पास कितनी हो ? सरकारी योजना समिति की राय है कि यह अधिक से अधिक भूमि आर्थिक जोत का तिगुना होनी चाहिये। इससे अधिक भूमि किसी के पास नहीं रहने देनी चाहिये। आर्थिक जोतका मतलब उतनी जमीन है जितनी में एक आदमी का गुजारा अच्छी तरह चल सके। सरकारी योजना समिति की राय में चार एकड़ जमीन में एक आदमी का गुजारा अच्छी तरह चल सकता है। इस तरह एक परिवार में अगर हम चार आदमी गिन लें तो एक खेतिहर परिवार के लिए पंद्रह या सोलह एकड़ जमीन 'आर्थिक जोत' कही जा सकती है। पर इस बारे में कोई कड़ा नियम नहीं बनाया जा सकता। क्योंकि देश के अलग अलग प्रान्तों में ही नहीं, एक एक प्रान्त के अलग अलग हिस्सों में भी अलग अलग तरह की भूमि है जिसके कारन आर्थिक जोत भी सब जगह अलग अलग होगी। आज से पाँच साल पहले कांग्रेस खेती सुधार समिति के सामने गवाही देते हुए हमने कहा था कि मांटे तौर पर उत्तर प्रदेश में पंद्रह एकड़ जमीन आर्थिक जोत है। हमने यह भी कहा था कि खेती के काम में आर्थिक जोत हमें उसी तरह तय करनी चाहिये जिस तरह उद्योग धंधों में या बड़े बड़े कल कारखानों में हम एक मजदूर की दिन भर की कम से कम मजदूरी तय करते हैं। दोनों में निगाह ठीक ठीक गुजारा चलने पर रहनी चाहिये। इस तरह जिन लोगों के पास उचित से अधिक भूमि है उनसे भूमि लेकर दूसरे खेतिहरों में बांटना बहुत कठिन काम नहीं होना चाहिये।

हमारे देश में इन सब सुधारों के लिए ठीक ठीक आंकड़ों की भी बहुत ही कमी है। बेकारी दूर करने के लिए सबसे पहले भूमि का ठीक ठीक बंटवारा जरूरी है। इस बंटवारे के

पंच बरसी योजना को तीसरे साल में ही सुधारना और बदलना पड़ा और इससे आगे के पाँच साल की जो दूसरी योजना होगी उसका रूप अभी से मलकने लगा है। बेकारी नाम के इस महारोग से छुटकारा पाने के लिए हमें कई और कदम बढ़ाने होंगे। सरकारी योजना में भी इसकी शुद्ध चर्चा की गयी है। पर अब आवश्यकता इस बात की है कि कम से कम समय में हम अपने आर्थिक ढाँचे को इस तरह बदलें कि बेकारी भी बिलकुल दूर हो जाय और साथ ही साथ देश के हर आदमी की माली हालत और कलचरी जीवन दोनों ऊँचे उठ सकें और हमारा देश और हमारा राज सब के लिए भलाई और कल्याण का राज हो।

सरकारी योजना में भूमि के नये सिरे से बंटवारे की चर्चा भी की गयी है और यह असूल भी मान लिया गया है कि किसी भी एक खेती पेरा आदमी के पास एक खास मात्रा या मिकदार से अधिक भूमि नहीं होनी चाहिये। अब सवाल यह होता है कि यह अधिक से अधिक भूमि एक आदमी के पास कितनी हो ? सरकारी योजना समिति की राय है कि यह अधिक से अधिक भूमि आर्थिक जोत का तिगुना होनी चाहिये। इससे अधिक भूमि किसी के पास नहीं रहने देनी चाहिये। आर्थिक जोतका मतलब उतनी जमीन है जितनी में एक आदमी का गुजारा अच्छी तरह चल सके। सरकारी योजना समिति की राय में चार एकड़ जमीन में एक आदमी का गुजारा अच्छी तरह चल सकता है। इस तरह एक परिवार में अगर हम चार आदमी गिन लें तो एक खेतिहर परिवार के लिए पंद्रह या सोलह एकड़ जमीन 'आर्थिक जोत' कही जा सकती है। पर इस बारे में कोई कड़ा नियम नहीं बनाया जा सकता। क्योंकि देश के अलग अलग प्रान्तों में ही नहीं, एक एक प्रान्त के अलग अलग हिस्सों में भी अलग अलग तरह की भूमि है जिसके कारन आर्थिक जोत भी सब जगह अलग अलग होगी। आज से पाँच साल पहले कांग्रेस खेती सुधार समिति के सामने गवाही देते हुए हमने कहा था कि मांटे तौर पर उत्तर प्रदेश में पंद्रह एकड़ जमीन आर्थिक जोत है। हमने यह भी कहा था कि खेती के काम में आर्थिक जोत हमें उसी तरह तय करनी चाहिये जिस तरह उद्योग धंधों में या बड़े बड़े कल कारखानों में हम एक मजदूर की दिन भर की कम से कम मजदूरी तय करते हैं। दोनों में निगाह ठीक ठीक गुजारा चलने पर रहनी चाहिये। इस तरह जिन लोगों के पास उचित से अधिक भूमि है उनसे भूमि लेकर दूसरे खेतिहरों में बांटना बहुत कठिन काम नहीं होना चाहिये।

हमारे देश में इन सब सुधारों के लिए ठीक ठीक आंकड़ों की भी बहुत ही कमी है। बेकारी दूर करने के लिए सबसे पहले भूमि का ठीक ठीक बंटवारा जरूरी है। इस बंटवारे के

घटे लगभग चार खरब पांच अरब हो जाते हैं, उनका अनुमान है कि सन 1941 में इन चार खरब पांच अरब घंटों में से लगभग आधा समय बेकार गया, यह अनुमान बिल्कुल ठीक हो, या न हो पर इस बात में तो कोई संदेह नहीं हो सकता कि इस तरह की छिपी अर्थ बेकारी हमारे देश में बहुत बड़ी हुई है, इसका केवल यही एक इलाज है कि कुछ लोगों को खेती से हटा कर दूसरे धन्धों में लगाया जाय, या खेती के लिये नई भूमि तोड़ी जाय और उस नई भूमि पर या इस तरह की नयी भूमियों पर इनमें से बहुत से लोगों को ले जाकर लगाया और बसाया जाय, अब हमें यह देखना है कि भूमि के फिर से बंटवारे के जरिये इस मवाल को कहां तक और किस तरह हल किया जा सकता है.

सरकारने पंच बरसी योजना में भी यह सुझाव रखा गया है कि जो ज़मीनें परती पड़ी हुई हैं उन्हें तोड़ कर नये खेत बनाये जायें तो सन 1955-56 तक लगभग 7 लाख एकड़ नई ज़मीन खेती के लिये मिल सकती है, इसमें से अगर हर खेतिहर को 10 एकड़ भूमि दी जाय तो साढ़े सात लाख खेतिहर परिवारों को बेकारी के चंगुल से छुड़ाया जा सकता है—यहाँ तक तो बात ठीक है, पर अब इतने ही से काम नहीं चल सकता, देश में बेकारी इतनी तेजी से बढ़ रही है कि सरकारी

تھانے لگ بیگ چار کھرب پانچ ارب ہو جاتے ہیں۔ اُن کا انومان ہے کہ 1941 میں اُن چار کھرب پانچ ارب گھنٹوں میں سے لگ بیگ اٹھا سیمے بیکار گیا۔ یہ انومان بالکل ٹھیک ہو یا نہ ہو پر اِس بات میں تو کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ اِس طرح کی چھپی اُردھ بیکاری ہمارے دُش میں بہت بڑھی ہوئی ہے۔ اِس کا کیول یہی ایک علاج ہے کہ کچھ لوگوں کو کھیتی سے ہٹا کر دوسرے دھندوں میں لگایا جائے۔ یا کھیتی کے لئے بیومی تیزی جائے اور اُس نئی بیومی پر یا اِس طرح کی نئی بیومیوں پر اُن میں سے بہت سے لوگوں کو لے جا کر لگایا اور بسایا جائے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بیومی کے پہرے سے ہتھوڑے کے ذریعے اُس سوال کو کہاں تک اور کس طرح حل کیا جا سکتا ہے۔

سرکاری پنچ برس یوجنا میں بی بی سجادہ رکھا گیا ہے کہ جو زمینیں پڑتی پڑتی ہیں انہیں تو کر نئے کہتے ہیں چائیں تو سن 56-19 تک ایک ایک 75 لاکھ ایکڑ نئی زمین کھیتی کے لئے مل سکتی ہے۔ اس میں سے اگر ہر کھیت پر 10 ایکڑ بھری دی جائے تو سارے سات لاکھ کھیت پر پوروس کو بیکاری کے چنگل سے چھڑایا جاسکتا ہے۔ یہاں تک تو بات ٹھیک ہے۔ پر اب اتنے ہی سے کام نہیں چل سکتا۔ دیس میں ہر ایک کو اپنی اپنی بڑھ رہی ہے کہ سرکاری



ہوتا، کھسلا ہونے اور کاٹنے کے সময় अधिक काम होता है, पर साल में कुछ महीने ऐसे होते हैं जब किसान अधिकतर बेकार रहता है, इस तरह की मोसमी बेकारी का इलाज एक तो यह है कि उन दिनों सिंचाई बरौदा का अच्छा प्रबन्ध किया जावे और दूसरे यह कि किसानों के अन्दर उनके घरों में और गांव में छोटे छोटे उद्योग धन्दों को बढ़ाया जावे, जिन से वह बेकार भी न रहें और उनकी आमदनी भी बढ़े.

तीसरी—तीसरी तरह की बेकारी कभी कभी आए दिन की जरूरत की चीजों की मांग एकदम कम हो जाने से पैदा हो जाती है. पूँजीवादी व्यवस्था में यानी सरमायादारी के निष्पाम में इस तरह की बेकारी हर आठ दस बरस के बाद एक बार आती ही है. कुछ न कुछ दिनों के बाद या तो लोगों के पास चीजें ज्यादा हो जाती हैं या उनकी खरीदने की ताकत इतनी कम हो जाती है कि इच्छा होते हुए भी वह खरीद नहीं सकते. बाजार में चीजें बढ़ जाती हैं और उन चीजों को पैदा करने वाले मजदूर कम से कम कुछ दिनों के लिये बेकार हो जाते हैं. कारखानों में मजदूरों की छटनी होने लगती है. कारखानों के मालिक कहने लगते हैं कि माल की पैदावार ज्यादा हो गई, उसे कम करने की जरूरत है. इस तरह की बेकारी भी आजकल हमारे देश में काफी है.

इस तरह की बेकारी लगभग हर देश में हर आठ दस बरस के बाद क्यों आती रहती है इस सवाल पर अर्थशास्त्र के बड़े बड़े विद्वानों की अलग अलग राय है. इस समय हम इन अलग अलग मतों की छान بین में नहीं دکنا चाहते. केवल इतना कह देना काफी है कि समय समय पर इस तरह की बेकारी पूँजीवाद यानी सरमायादारी में स्वाभाविक और लाजमी है.

चौथी—चौथी तरह की बेकारी को हम नीम बेकारी या अर्ध बेकारी या छिपी बेकारी भी कह सकते हैं. इसका मतलब यह है कि किसी किसी काम में जितने लोग लगे होते हैं उतनों की उस काम में असल में जरूरत नहीं होती. हम ऊपर कह चुके हैं कि भारतवर्ष अधिकतर गांव में बसा हुआ है. खेती का धन्धा यहां का सबसे बड़ा धन्धा है. जानकार लोगों की राय है कि आज जितने लोग हमारे यहां खेती के काम में लगे हुए हैं उनमें से यदि कुछ खेती से इटा कर दूसरे कामों में लगा दिये जायें तो उससे देश की नाज की पैदावार हरगिज कम नहीं होगी. अर्थशास्त्र के एक विद्वान का कहना है कि यदि हमारे देश में खेती के काम में लगा हुआ हर मजदूर दिन में आठ घंटे भी काम करे तो साल में हर मजदूर क ढाई हजार घंटे हो जाते हैं. इस तरह खेती में लगे हुए कुल आदमियों के साल भर के

हوتا. فصل ہونے اور کاٹنے کے سمے اندھک کام ہوتا ہے . پر سال میں کچھ مہینے ایسے ہوتے ہیں جب کسان اندھک تر بیکار رہتا ہے . اس طرح کی موسمی بیکاری کا علاج ایک تو یہ ہے کہ اُن دنوں سانچائی وغیرہ کا اچھا پر بندہ کیا جاوے اور دوسرے یہ کہ کسانوں کے اندر اُن کے گھروں میں اور گلوں میں چبڑے چبڑے کر دیلو اُدیوگ دھندوں کو بڑھایا جاوے، جن سے وہ بیکار بھی نہ رہیں اور اُن کی آمدنی بھی بڑھے .

تیسری—تیسری طرح کی بیکاری کبھی کبھی آنے دن کی ضرورت کی چیزوں کی مانگ ایک دم کم ہوجانے کے پیدا ہو جاتی ہے . پرنسپی وادی ویسٹیا میں یعنی سرمایہ داری کے نظام میں اس طرح کی بیکاری ہر آٹھ دس برس کے بعد ایک بار آتی ہے. کچھ نہ کچھ دنوں کے بعد یا تو لوگوں کے پاس چیزیں زیادہ ہو جاتی ہیں یا اُن کی خریدنے کی طاقت اتنی کم ہو جاتی ہے کہ اچھا ہوتے ہوئے بھی وہ اور چیزیں نہیں خرید سکتے . بازار میں چیزیں بڑھ جاتی ہیں اور اُن چیزوں کو پیدا کرنے والے مزدور کم سے کم کچھ دنوں کے لئے بیکار ہوجاتے ہیں . کارخانوں میں مزدوروں کی چھٹنی ہونے لگتی ہے . کارخانوں کے مالک کہنے لگتے ہیں کہ مال کی پیداوار زیادہ ہوگئی، اسے کم کرنے کی ضرورت ہے . اس طرح کی بیکاری بھی آجکل ہمارے دیس میں کافی ہے .

اس طرح کی بیکاری لگ بھگ ہر دیس میں ہر آٹھ دس برس کے بعد کبھی آتی رہتی ہے اس سوال پر اُرتھ شاستر کے بڑے بڑے ودوائوں کی الگ الگ رائے ہے . اس سے ہم این الگ الگ مٹروں کی چھان بین میں نہیں پڑنا چاہتے . کہوں اتنا ہی کہ دینا کافی ہے کہ سے سے پر اس طرح کی بیکاری پونسپی وادی یعنی سرمایہ داری میں سواپاواک اور لازمی ہے .

چوتھی—چوتھی طرح کی بیکاری کو ہم نیم بیکاری یا اُردی بیکاری یا چھپی بیکاری بھی کہ سکتے ہیں . اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نہ کسی کام میں جتنے لوگ لگے ہوتے ہیں اُنوں کی اُس کام میں اصل میں ضرورت نہیں ہوتی . ہم اوپر کہ چکے ہیں کہ بھارت ورش اندھکر گلوں میں بسا ہوا ہے . کھیتی کا دھندھا یہاں کا سب سے بڑا دھندھا ہے . جانکار لوگوں کی رائے ہے کہ آج جتنے لوگ ہمارے یہاں کھیتی کے کام میں لگے ہوئے ہیں اُن میں سے بدی کچھ کھیتی سے دکنا کر دوسرے کام میں لگا دئے جائیں تو اُس سے دیس کی ناچ کی پیداوار ہرگز کم نہیں ہوگی. اُرتھ شاستر کے ایک ودوائ کا کہنا ہے کہ بدی ہمارے دیس میں کھیتی کے کام میں لگا ہوا ہر مزدور دن میں آٹھ گھنٹے بھی کام کرے تو سال میں ہر مزدور کے قھائی ہزار گھنٹے ہوجاتے ہیں . اس طرح کھیتی میں لگے ہوئے کل آدمیوں کے سال ہر کے

## بیکاری کا حل

(( ڈاکٹر بی. بی. سنگھ، لکھنؤ ))

### آل انڈیا ریڈیو کے سৌजन्य سے ایک براڈکاسٹ کے आधार پر

ہمارے देश میں بیکاری کا سवाल दिन दिन बढ़ता जा रहा है. आजकल इसकी बहुत चर्चा है. बेकारी शहरों और कस्बों में ही नहीं, गांव में भी फैली हुई है. कहा जाता है कि भारतवर्ष गांव में बसा है. इसका मतलब यह है कि इस मुल्क का सब से बड़ा सवाल गांव का सवाल है. यानी नए भारत की फिर से तामीर गांव से ही शुरू होगी. इसलिये बेकारी का इलाज भी गांव ही से शुरू होना चाहिए. इलाज किसी रोग का होता है. बेकारी भी एक बहुत बड़ा और भयानक सामाजिक रोग है. जिस तरह और रोग कई तरह के होते हैं, जैसे बुखार कई तरह का होता है, उसी तरह बेकारी भी कई तरह की होती है. इन में चार खास तरह की बेकारियां यह हैं:—

**पहली—**वह बेकारी जो बड़ी मशीनों के चालू हो जाने से पैदा हो जाती है. जब मशीनों का इस्तेमाल बढ़ता है तो उसकी वजह से कुछ लोग बेकार हो जाते हैं. ज्यों ज्यों मशीनें ज्यादा बढ़िया आती जाती हैं त्यों त्यों बेकारी और बढ़ती जाती है. आजकल भी हिन्दुस्तान के कल कारखानों में यही बात हो रही है. पहले जिस पुतली घर में एक मजदूर दो मशीनें चला सकता था उस में अब वही एक मजदूर पहले से अच्छी मशीनें लग जाने के कारन चार चला सकता है. इस तरह बाक़ी मजदूर बेकार हो जाते हैं. इस तरह की बेकारी का असर सब उद्योग धंधों और तिजारत में लगे हुए मजदूरों और धीरे धीरे दफ्तर में काम करने वाले लोगों सब पर पड़ता है. एक समय ऐसा आता है जब इस तरह की बेकारी का असर एक देश के जरिये सब देशों पर और सब देशों के रोजगारी हांथों पर पड़ता है.

मशीनों से पैदा होने वाली इस बेकारी का असर गांव पर भी पड़ता है. हमारे गांव में जो बेकारी बढ़ती जा रही है उसकी भी एक वजह यह है. मिसाल के लिये पहले गांव में सौ आदमी अपनी बैलगाड़ियां ले कर शहर आते थे और उससे अपनी रोखी कमाते थे. पर अब एक ट्रक ने सौ बैलगाड़ी वालों को बेकार कर दिया.

**दूसरी—**दूसरी तरह की बेकारी मौसमी बेकारी है. खेतीवर देशों में किसानों के लिये पूरे साल भर का काम नहीं

## بیکاری کا حل

(ڈاکٹر بی. بی. سنگھ، لکھنؤ)

آل انڈیا ریڈیو کے سہجانیہ سے  
ایک براڈکاسٹ کے आधार پر

ہمارے دیش میں بیکاری کا سوال دن دن بڑھتا جا رہا ہے . آجکل اس کی بہت چرچا ہے . بیکاری شہروں اور قصبوں میں ہی نہیں گاؤں میں بھی پھیلی ہوئی ہے . کہا جاتا ہے کہ بہارت ورش گاؤں میں بسا ہے . اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ملک کا سب سے بڑا سوال گاؤں کا سوال ہے . یعنی نئے بہارت کی پیر سے تعمیر گاؤں سے ہی شروع ہوگی . اس لئے بیکاری کا علاج بھی گاؤں سے ہی شروع ہونا چاہئے . علاج کسی روگ کا ہوتا ہے . بیکاری بھی ایک بہت بڑا اور بے انتہا سماجک روگ ہے . جس طرح اور روگ کئی طرح کے ہوتے ہیں ، جیسے بخار کئی طرح کا ہوتا ہے . اسی طرح بیکاری بھی کئی طرح کی ہوتی ہے . ان میں چار خاص طرح کی بیکاریاں یہ ہیں :—

**پہلی—**وہ بیکاری جو بڑی بڑی مشینوں کے چالو ہوجانے سے پیدا ہو جاتی ہے . جب مشینوں کا استعمال بڑھتا ہے تو اس کی وجہ سے کچھ لوگ بیکار ہو جاتے ہیں . جنہیں جنہیں مشینیں زیادہ بڑھیا آتی جاتی ہیں تھیں تھیں بیکاری اور بڑھتی جاتی ہے . آجکل بھی ہندوستان کے کل کارخانوں میں یہی بات ہو رہی ہے . پہلے جس پتائی گھر میں ایک مزدور دو مشینیں چلا سکتا تھا اس میں اب وہی ایک مزدور پہلے سے اچھی مشینیں لگ چکے کے کارن چار چلا سکتا ہے . اس طرح باقی مزدور بیکار ہو جاتے ہیں . اس طرح کی بیکاری کا اثر سب ادیوک دھندوں اور تجارت میں لگے ہوئے مزدوروں اور دھیرے دھیرے دفتر میں کام کرنے والے لوگوں پر پڑتا ہے . ایک سے ایسا آتا ہے جب اس طرح کی بیکاری کا اثر ایک دیش کے ذریعہ سب دیشوں پر اور سب دیشوں کے روزگاری تھانچوں پر پڑتا ہے .

مشینوں سے پیدا ہونے والی اس بیکاری کا اثر گاؤں پر بھی پڑتا ہے . ہمارے گاؤں میں جو بیکاری بڑھتی جا رہی ہے اس کی بھی ایک وجہ یہ ہے . مثال کے لئے پہلے گاؤں میں سو آدمی اپنی ہیل گاڑیاں لے کر شہر آتے تھے اور اس سے اپنی روزی کماٹے تھے . پر اب ایک ٹرک نے سو ہیل گاڑی والوں کو بیکار کر دیا .

**دوسری—**دوسری طرح کی بیکاری موسمی بیکاری ہے . کہیں کہیں دیشوں میں کسانوں کے لئے پورے سال بیکار کا کام نہیں

کی ضرورت نہیں، اس کی جات میں دشواری کافی ہے۔ ایسے درشن سے سپا میں ایک آدمی چمک سکتا ہے، بہت سے نہیں۔ ارباب یہ درشن سلیمت وادی ہے اور ویدوں کے جن وادی درشن کے آتا ہے۔

جو نئی جن وادی سپہیتا اور کلچر آئے گا، وہ ویدوں کے ہمالے کی سپہیتا کی طرح جن وادی ہوگا، لیکن وہ زیادہ خوشحال اور سپہیں ہوگا کیونکہ اب آدمی کے پلس پیداوار کے ساتھ بہت بڑھ گئے ہیں۔ سائنس نے قدرت کے ہارے میں بہت سا لیان حاصل کر لیا ہے۔ سائنس کی ایجادوں کو جتنا اہمک جتنا کے مت کے لئے عمل میں لایا جائے گا، اتنا ہی کل وہ آگے بڑھے گی اتنا ہی لوگوں کو پڑھنے لکھنے، سوچنے، شریک کو سوسہ ویر سندر ہلانے کا موقع ملے گا، اور اتنا ہی سپا میں زیادہ لوگ چمکے گئے۔

ہرزوا سپہیتا اس دشا میں ایک حد تک آگے بڑھتی ہے، ڈارون کے وکس واد، ڈکروٹ کے پھونک واد اور ہیگل کے ہونڈ آتک واد کو تو مان لیتی ہے، لیکن اس کے لئے اس سے بڑھنا مارکس کے ہونڈ آتک واد اور انہاسک وکس ماننا کہیں ہو جاتا ہے کیونکہ ایسا ماننے سے ہرزوا کلچر کے بے استتو پر چوٹ پڑتی ہے کیونکہ اُسے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اب نساہر پونجی واد سے نکل کر اپنے قدرتی وکس کے راستے پر ضرور بڑھوگا اور پونجی وادی زمانے کی ہرزوا کلچر کو نئے جن وادی سامیہ وادی کلچر کو استھان دینا ہوگا۔

ہرزوا سپہیتا اس دشا میں ایک حد تک آگے بڑھتی ہے، ڈارون کے وکس واد، ڈکروٹ کے پھونک واد اور ہیگل کے ہونڈ آتک واد کو تو مان لیتی ہے، لیکن اس کے لئے اس سے بڑھنا مارکس کے ہونڈ آتک واد اور انہاسک وکس ماننا کہیں ہو جاتا ہے کیونکہ ایسا ماننے سے ہرزوا کلچر کے بے استتو پر چوٹ پڑتی ہے کیونکہ اُسے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اب نساہر پونجی واد سے نکل کر اپنے قدرتی وکس کے راستے پر ضرور بڑھوگا اور پونجی وادی زمانے کی ہرزوا کلچر کو نئے جن وادی سامیہ وادی کلچر کو استھان دینا ہوگا۔

ہرزوا سپہیتا اس دشا میں ایک حد تک آگے بڑھتی ہے، ڈارون کے وکس واد، ڈکروٹ کے پھونک واد اور ہیگل کے ہونڈ آتک واد کو تو مان لیتی ہے، لیکن اس کے لئے اس سے بڑھنا مارکس کے ہونڈ آتک واد اور انہاسک وکس ماننا کہیں ہو جاتا ہے کیونکہ ایسا ماننے سے ہرزوا کلچر کے بے استتو پر چوٹ پڑتی ہے کیونکہ اُسے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اب نساہر پونجی واد سے نکل کر اپنے قدرتی وکس کے راستے پر ضرور بڑھوگا اور پونجی وادی زمانے کی ہرزوا کلچر کو نئے جن وادی سامیہ وادی کلچر کو استھان دینا ہوگا۔

انہاسکار یا جیو وگیاں شاستری کے ایہاؤ میں انہیوں جاتوں، 'روس'، ہاشاؤں اور سپہتاؤں کے اوشیہ ہی شیش نہیں مستہیک اسی پرکار کا کے چہتر میں ہی صحیح الہچنا مولیانکن کے ایہاؤ میں کتنے ہی جہوں اور کرتیاں انجانی رہ جاتی ہیں۔

انہاسکار یا جیو وگیاں شاستری کے ایہاؤ میں انہیوں جاتوں، 'روس'، ہاشاؤں اور سپہتاؤں کے اوشیہ ہی شیش نہیں مستہیک اسی پرکار کا کے چہتر میں ہی صحیح الہچنا مولیانکن کے ایہاؤ میں کتنے ہی جہوں اور کرتیاں انجانی رہ جاتی ہیں۔

آزادی کی لڑائی میں کبھی کبھار بھی ایک بہت بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح قومی آزادی آندولن کی ہاک دور ہرزو اور منجیلے مرگ کے ہاتھ میں تھی، ہمارے کلچر کا فیئرتو بھی اسی طرے کے ہاتھ میں تھا۔ جس طرح انگریزوں نے کہا تھا کہ پورو کے پاس کچھ بھی اپنا گرد کے لاتی نہیں ہے، اسی طرح ہمارے راشتریہ آندولن کے نیٹاؤں نے اُن کے جواب میں کہا شروع کیا کہ ہمیں پچیم سے کچھ بھی نہیں سیکھا ہے، ہمارا ائیت (ماضی) بہت ہی شاندار ہے، اسے سے ہمیں ہر طرح کا گیان اور شکشا مل سکتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارا ائیت (ماضی) شاندار ہے، لیکن راجا رام موہن رائے اور گوپال کرشن گوڈلے آئی نیٹاؤں کی اس روایت اور پرمیا کو بھلا دیا کہ ہمیں اپنا اندھ وشواس اور روڑھی واد چھوڑ کر پچیم سے نئے وچار سیکھنے چاہئیں۔ گوڈلے جس طرح پہلے ہندوستانی کلچر یونان، ایران سے نئے وچار لیکر سوسٹہ اور سندھ بنا تھا اسی طرح اب پچیم سے سائنٹیفک وچار لیکر ہی آگے بڑھ سکتا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ ہندوستان میں بیسویں صدی کے شروع تک، جیسا کہ لینن نے سن 1908 میں لکھا تھا، ہندوستان میں کلخالہ داری بڑھنے سے مزدوروں کی تعداد اور جیتنا اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ ہندوستان کے راشتریہ آندولن کو ورگ سنکپرش کے روپ میں آگے بڑھا سکتے تھے اور اُن کے فیئرتو میں مزدور اور صنعت کش جنتا کا جن وادی کلچر آگے بڑھ سکتا تھا۔ لیکن ہمارے راشتریہ آندولن کے منجیلے اور ہرزو ورگ کے نیٹاؤں نے مزدور ورگ اور جن وادی کلچر کو نظرانداز کیا اور ایک ایسے درشن اور کلچر کو پروتسلین دیا جس کا مقصد یہ سکھانا تھا کہ ہم لوگ بھیز بکریوں کی طرح ہوتے ہیں، وہ اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتے، کچھ ایک ٹینا یا خاص آدمی ہماری نوم کی قسمت کو پلٹ سکتے ہیں۔ ایسے درشن سے ظاہر ہے کہ جن وادی نہیں، جن ورودنی کلچر جنم لیتا ہے۔ کسی اور کی بات جانے دیجئے، کانگرس میں پنڈت جوالہ لال کلچر کے سب سے بڑے نیٹا رہے ہیں۔ وہ مارکس وادی اور ترقی پسند کہلاتے رہے ہیں۔ وہ اپنی پسند 'وشو اتھاس کی جھانکیاں' میں لپکتے ہیں۔ "ساندان مرد اور عورتیں عام طور پر سلفسی بیلاؤنا کے نہیں ہوتے۔۔۔ بڑے نیٹاؤں میں کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں، جن سے وہ ساری جاتی میں جان پیدا کر دیتے ہیں اور اُس سے بڑے کام کروا لیتے ہیں۔" (مشکہ چہ)

یہ لوٹار واد کا درشن ہے، جس کا مطلب جنتا کو ایک نیتا کی پوجا کرنا اور اُس میں اندھی شرمدا رکھنا سکھانا ہے۔ اُس کے کلموں اور آدشوں کو دیکھنے اور پرکھنے

یہ ابھارتارباد کا درشن ہے، جس کا مطلب جنتا کو ایک نیتا کی پوجا کرنا اور اُس میں اندھی شرمدا رکھنا سکھانا ہے۔ اُس کے کاموں اور آدشوں کو دیکھنے اور پرکھنے

مکمل سدھندوستان کو ترستی دینا نہیں بلکہ اس کا شوش کرنا تھا۔

یہ ٹیک ہے کہ جس دیہی کا ارتھک شوش ہو، اس دیہی میں کلچر کے سرورٹ بھی سوئے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ سچ ہے کہ برٹش راج میں ہمارا دیہی کلچر کے معاملے میں بہت پیچھے پڑ گیا اور سالوں کے لئے ظلم کلچر تو سارا اویڑ لدا۔ لیکن اس بارے میں اتنا ہی کہنا کافی نہیں ہے۔ انگریز اپنے دیہی میں مسلحہ سامنے کی سامنے سیٹھیا سے آئے جا چکے تھے۔ وہ اپنے ساتھ ایک نئی وچار دھارا اور نئی سیٹھیا لائے تھے جو کافی سائنٹفک تھی۔ ہندستان کی سامنت شاہی اور پرانی سیٹھیا سے اُن کی سہمی ٹکرتی تھی۔ اس لئے انہوں نے سامنت شاہی کے ساتھ ہندستانی سیٹھیا کے پیچھے پن کو بھی در کرنا شروع کیا۔ 'ہندستانی راشٹریتا' کے پکا راجا رام موہن رائے نے بھی اندھ وشواس اور روزی واد کے خلاف آواز بلند کی، برہم ساج کی نیو ڈالی اور پیچھے سے سائنٹفک وچار سیکھنے کی پوری دلی۔

لیکن انگریزی حکمرانوں کا یہ جوش غبر سن 18۹7 کے بعد ختم ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہندستان میں اپنی لوٹ کھسوٹ کی حکومت کو پکا کرنے کے لئے ہماری جنتا کی لوٹ کیسٹ پر پلے والے ورگوں سے لانا چورا۔ ریاستوں میں سامنتوں کو اپنا ظلم بنا کر قائم رکھ دیا، مسنداری کو پکا کیا اور وکٹوریا کے ایسٹم اور سہانہوتی بھرے فرمان کے ذریعہ مذہبی آزادی کے نام پر، اندھ وشواس، روزی واد اور تعصب کو مضبوط کرنے کی چھوٹ دی۔

اب برٹش سرکار کا پرانی سامنت شاہی سے نہیں، جنتا سے وردہ شروع ہوا۔ اس نے 'وروی' جنتا کو ہر طرح دبا اور کچلنا شروع کیا۔ لیکن جنتا کو پرست کرنے اور ذہنی طور پر ظلم بنانے کے لئے ہمارے دیہی کے جن وادی کلچر کو کچلنا اور دبانا بھی ضروری تھا۔ اس لئے ہندستان کے انہیں کو، جو تمام کلچر کا سرورٹ ہونا ہے غلام رنگ سے پیش کیا گیا۔ حالانکہ ہندستانی جنتا جتنی محنت کرتی ہے، اتنی شاید کسی اور دیہی کی جنتا کو کرنی پڑتی ہو، لیکن ہمیں بتایا گیا کہ ہندستان گرم دیہی ہے، اس لئے اُس کے واسی سست ہوتے ہیں، سدا ہارنے اور ظلم رکھنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ یورپ کے پاس کچھ بھی گرد کرنے لگتی نہیں ہے، اگر اُسے برقی کرنی ہے تو بھول جائے کہ وہ یورپ ہے، اُسے سب کچھ پیچھے سے سیکھنا ہوگا۔

انہیں صحت کے انت اور بیسویں صدی کے شروع میں جب بھی آزادی کا اندولن آئے بڑھا تو یہی کلچر کی طرف سے لوگوں کا دھیان گیا، کیونکہ یہی

مقصد ہندستان کو برقی دیہی نہیں بلکہ اس کا شوش کرنا تھا۔

یہ ٹیک ہے کہ جس دیہی کا ارتھک شوش ہو، اس دیہی میں کلچر کے سرورٹ بھی سوئے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ سچ ہے کہ برٹش راج میں ہمارا دیہی کلچر کے معاملے میں بہت پیچھے پڑ گیا اور سالوں کے لئے ظلم کلچر تو سارا اویڑ لدا۔ لیکن اس بارے میں اتنا ہی کہنا کافی نہیں ہے۔ انگریز اپنے دیہی میں مسلحہ سامنے کی سامنے سیٹھیا سے آئے جا چکے تھے۔ وہ اپنے ساتھ ایک نئی وچار دھارا اور نئی سیٹھیا لائے تھے جو کافی سائنٹفک تھی۔ ہندستان کی سامنت شاہی اور پرانی سیٹھیا سے اُن کی سہمی ٹکرتی تھی۔ اس لئے انہوں نے سامنت شاہی کے ساتھ ہندستانی سیٹھیا کے پیچھے پن کو بھی در کرنا شروع کیا۔ 'ہندستانی راشٹریتا' کے پکا راجا رام موہن رائے نے بھی اندھ وشواس اور روزی واد کے خلاف آواز بلند کی، برہم ساج کی نیو ڈالی اور پیچھے سے سائنٹفک وچار سیکھنے کی پوری دلی۔

لیکن انگریزی حکمرانوں کا یہ جوش غبر سن 18۹7 کے بعد ختم ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہندستان میں اپنی لوٹ کھسوٹ کی حکومت کو پکا کرنے کے لئے ہماری جنتا کی لوٹ کیسٹ پر پلے والے ورگوں سے لانا چورا۔ ریاستوں میں سامنتوں کو اپنا ظلم بنا کر قائم رکھ دیا، مسنداری کو پکا کیا اور وکٹوریا کے ایسٹم اور سہانہوتی بھرے فرمان کے ذریعہ مذہبی آزادی کے نام پر، اندھ وشواس، روزی واد اور تعصب کو مضبوط کرنے کی چھوٹ دی۔

اب برٹش سرکار کا پرانی سامنت شاہی سے نہیں، جنتا سے وردہ شروع ہوا۔ اس نے 'وروی' جنتا کو ہر طرح دبا اور کچلنا شروع کیا۔ لیکن جنتا کو پرست کرنے اور ذہنی طور پر ظلم بنانے کے لئے ہمارے دیہی کے جن وادی کلچر کو کچلنا اور دبانا بھی ضروری تھا۔ اس لئے ہندستان کے انہیں کو، جو تمام کلچر کا سرورٹ ہونا ہے غلام رنگ سے پیش کیا گیا۔ حالانکہ ہندستانی جنتا جتنی محنت کرتی ہے، اتنی شاید کسی اور دیہی کی جنتا کو کرنی پڑتی ہو، لیکن ہمیں بتایا گیا کہ ہندستان گرم دیہی ہے، اس لئے اُس کے واسی سست ہوتے ہیں، سدا ہارنے اور ظلم رکھنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ یورپ کے پاس کچھ بھی گرد کرنے لگتی نہیں ہے، اگر اُسے برقی کرنی ہے تو بھول جائے کہ وہ یورپ ہے، اُسے سب کچھ پیچھے سے سیکھنا ہوگا۔

انہیں صحت کے انت اور بیسویں صدی کے شروع میں جب بھی آزادی کا اندولن آئے بڑھا تو یہی کلچر کی طرف سے لوگوں کا دھیان گیا، کیونکہ یہی

آرام जनता पर भी बहुत अच्छा प्रभाव पड़ा और हिन्दू मुसलमानों को मजबूती बराबरी मिली. अकबर ने खुरेजियों और मुसीबतों में दिन काटे थे और अपनी आँखों से सल्तनतों के उलट फेर देखे थे. खिन्दगी के इस तर्जुमे से उसने समझ लिया था कि जब तक हिन्दू मुसलमान एक दूसरे को रौर समझ कर लड़ते रहेंगे, हिन्दुस्तान में कोई भी राज अधिक दिनों कायम नहीं रह सकता. चुनांचे उसने राजपूतों की तरफ दोस्ती का हाथ बढ़ाया और हिन्दू मुसलमानों में मेल कायम किया. इतना ही नहीं, हिन्दुस्तानी राजनीति की परम्परा को लेकर नया राजकाजी ढांचा बनाया जिसके बारे में जादूनाथ सरकार ने अपनी तारीख में लिखा है कि वह ईरानी राजकाजी ढांचे का हिन्दुस्तानी रूप था. देश की प्रम्परा के मुताबिक गांव की खुदमुखतारी और स्वावलम्बन बहाल की गई.

अमन कायम होने से काम धंधे और व्यापार बढ़ा. लोगों में खुराहाली आई. साहित्य और कला की उन्नति हुई. जब आपस का मेल जोल और प्रेम बढ़ता है और जब आदमी अंधविश्वास और तात्सुब को छोड़ कर स्वतंत्र रूप से सोचने लगता है और जब उसका अपनी निर्माण शक्ति में विश्वास बढ़ता है, तो कलाचर और सभ्यता का विकास होता है. ममले जमाने में हिन्दुस्तानी साहित्य, अदब और कला ने बेहद तरक्की की. ताजमहल ममले जमाने के हमारे कलाचर का शाहकार है.

समती ढांचे के अन्दर जितनी तरक्की हो सकती थी उतनी हिन्दुस्तान शाजहां के जमाने तक कर चुका था. अब इस ढांचे के अन्दर रह कर आगे बढ़ना मुमकिन नहीं था. इसलिये यह सामती व्यवस्था औरंगजेब के जमाने में टूटनी शुरू हो गई. पंजाब, महाराष्ट्र और भरतपुर अदि में नई शक्तियां उभरने लगीं. दरअसल सामतवाद ने जिन जातियों को दबाकर रखा था, वह अब उभर रही थीं. सामती व्यवस्था की तरक्की में जो व्यापारी पूंजी लगी थी, वह विकास चाहती थी. इसलिये नई शक्तियों के पीछे व्यापारियों का हाथ था. जिसका मतलब है कि हिन्दुस्तान सामती व्यवस्था से पूंजीवादी व्यवस्था की तरफ बढ़ रहा था.

जब कोई देश एक सामाजिक व्यवस्था से दूसरी सामाजिक व्यवस्था की तरफ जाने लगता है तो उसको वही करट सहना पड़ता है, जो एक मां को बच्चा जनते समय सहना पड़ता है. हमारे देश की अष्टादवीं सदी की खाना जंगी का कारन यह था कि पुराना समाज नये समाज को जन्म दे रहा था. उस समय विदेशी व्यापारियों ने दखलबाजी कर के हमारे देश के ऐतिहासिक विकास को रोक दिया और इस खानाजंगी से फायदा उठा कर अंग्रेजों ने एक देसा दौरेमुखी राज कायम कर लिया जिसका

عالم جنتا پر بھی بہت اچھا پڑھا پڑا اور ہندو مسلمانوں کو مذہبی براہروی ملی. اکبر نے خون ریزیوں اور مصیبتوں میں دن کاٹے تھے اور اپنی آنکھوں سے سلطنتوں کے اُٹ پھو دیکھے تھے. زندگی کے اس تجربے سے اس نے سمجھ لیا تھا کہ جب تک ہندو مسلمان ایک دوسرے کو غیر سمجھ لڑتے رہیں گے، ہندستان میں کوئی بھی راج ادھک دنوں قائم نہیں رہ سکتا. چنانچہ اُس نے راجپوتوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ہندو مسلمانوں میں میل قائم کیا. اتنا ہی نہیں، ہندستانی راج نیکی کی پرمپرا کو لیکر نیا راجکلی ڈھانچہ بنایا جس کے بارے میں جادو ناتھ سرکار نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ ایرانی راجکلی ڈھانچے کا ہندستانی روپ تھا. دیہش کی پرمپرا کے مطابق گڑوں کی خود مختاری اور سواولمبن بحال کی گئی.

امن قائم ہونے سے کام دھندھے اور ویاپار بڑھا. لوگوں میں خوشحالی آئی. ساتھ ہی اور کلا کی آئنتی ہوئی. جب آپس کا میل جول اور پریم بڑھتا ہے اور جب آدمی اندہ وشولس اور تعصب کو چھوڑ کر سوننتو روپ سے سوچنے لگتا ہے اور جب اُسکا اپنی نورمان شکتی میں وشولس بڑھتا ہے، تو کلچر اور سبھیتا کا وکس ہوتا ہے. منجیلے زمانے میں ہندستانی سائتہ ادب اور کلا نے بے حد ترقی کی. تاج محل منجیلے زمانے کے ہناری کلچر کا شافکار ہے.

سامنتی ڈھانچے کے اندر جتنی ترقی ہوسکتی تھی اتنی ہندستان شاہجہاں کے زمانے تک کرچکا تھا. اب اس ڈھانچے کے اندر رہ کر آگے بڑھنا ممکن نہیں تھا. اس لئے یہ سامنتی ویوستھا اورنگزیب کے زمانے میں ٹوٹنی شروع ہوگئی. پانچاب، مہاراشٹر اور بھڑور آدمی میں نئی شکتیاں اُبھرنے لگیں. دراصل سلنت وان نے جن جاتیوں کو دبا کر رکھا تھا، وہ اب اُبھر رہی تھیں. سامنتی ویوستھا کی ترقی میں جو ویاپاری پونجی لگی تھی وہ وکس چاہتی تھی. اس لئے نئی شکتیوں کے پیچھے ویاپاریوں کا ہاتھ تھا. جس کا مطلب ہے کہ ہندستان سامنتی ویوستھا سے پونجی وادی ویوستھا کی طرف بڑھ رہا تھا.

جب کوئی دیہش ایک ساملجک ویوستھا سے دوسری ساملجک ویوستھا کی طرف جانے لگتا ہے تو اُس کو وہی کشت پہنا پڑتا ہے، جو ایک ماں کو بچہ جتنے سے سہلا پڑتا ہے. ہمارے دیہش کی آٹھارہویں صدی کی خانہ جنگی کا کارن یہ تھا کہ پڑا ساج نئے ساج کو جنم دے رہا تھا. اُس سے ویشی ویاپاریوں نے دخل اندازی کر کے ہمارے دیہش کے ایٹلسک وکس کو روک دیا اور اس خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر انگریزوں نے ایک ایسا غیرملکی راج قائم کر لیا جس کا



ماہول اور परम्परा को जरूर अपनाता है. फिर मुसलमान हमलावरों ने हिन्दू औरतों से शायियों की और बहुत से हिन्दुओं ने इस्लाम कबूल किया. इन औरतों और मर्दों के ब्रेहन में हिन्दुस्तानी दर्शन और परम्परा खूब बस चुकी थी. इसलिये उन्होंने इस्लाम को भी नया रंग दिया जो अरब और ईरान के इस्लाम से मुक्तलिफ था. उसे हिन्दुस्तानी इस्लाम कहा जाय तो गलत नहीं होगा.

हिन्दुस्तान में शीया और सुन्नी दोनों आये और हिन्दुस्तान में जो नये मुसलमान बने उनमें से ब्राह्मण और ऊँची जातियों के लोग तो सैयद और शेख कहलाये और दूसरे डोम, मीरासी छोटी जातों में गिने जाने लगे. जब मजहबी जोरा खत्म हुआ तो सुन्नी और शीयों में खूब लड़ाइयाँ होने लगीं. सुन्नी और शीया राजे एक दूसरे को हराने लगे. लोगों ने अपनी आँखों देखा कि लड़ाइयाँ मजहब के नाम पर गहियों के लिये हो रही हैं और हविस को मजहब का नाम देकर नाहक खून बहाया जा रहा है.

मुसलमानों के हमलों से जहाँ बहुत मत मतांतर टूटे थे बहाँ जात पात, धर्म कर्म और पूजा पाठ के बंधन सख्त भी हो गये थे. क्योंकि जिन पंडितों और हिन्दुओं ने इस्लाम कबूल करने से इनकार किया था उन्होंने इस्लामी विचारधारा से अपने आप को और अपने हममजहबों को बचाये रखने के लिये विचार और अधविश्वास की दीवारों को और मजबूत बना दिया था.

चार पाँच सदी के खून खराबे, बदअमनी, तात्सुब और अधविश्वास से हिन्दू मुसलमान दोनों ही तंग आ चुके थे और उन्होंने हिन्दू राजाओं को हिन्दुओं के और मुसलमानों को मुसलमानों के खिलाफ लड़ते देख कर लड़ाई को अकारन समझ लिया और हिन्दू मुस्लिम जनता में आपस का मेलजोल बढ़ने लगा. जिससे भक्ति आन्दोलन ने जन्म लिया और इस आन्दोलन को संत, कवियों और सूफी शायरों और दुरवेशों का सहयोग प्राप्त था. कबीर, नानक, तुलसीदास, मुहम्मद नूर, बाबा फरीद, निजामुद्दीन औलिया, रहमान, रसखान, सुरदास, तुकाराम, बारिसराह और बुलेशराह ने भक्ति और तसव्वफ के दरिया बहाये. आदमी और आदमी में प्रेम बढ़ाया. इस आन्दोलन ने लोगों के पुराने अक्कीदों को बदल दिया और इन साधु संतों ने अगली तीन चार सदी तक कलचर सभ्यता और समाज पर गहरा असर डाला. उन्होंने वेद, कुरान, मुस्ला और ब्राह्मण को चैलेंज किया और आदमी को जात पात और मजहबी तात्सुब के दलदल से निकाल कर सीधी और सच्ची राह दिखाई.

अकबर ने इसी भक्ति आन्दोलन के असर से दीन-इलाही नाम से अपना दरबारी मजहब चलाया. जिसका

मحول اور پرہیز کو غور لیتا ہے . پھر مسلمان حملہ آوروں نے ہندو عزتوں سے شکایاں کیں اور بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا . ان عزتوں اور مردوں کے ذہن میں ہندوستانی دہشن اور پرہیزا خراب ہس چکی تھی . اس آئہ انہوں نے اسلام کو بھی نیا رنگ دیا جو عرب اور ایران کے اسلام سے مختلف تھا . اسے ہندوستانی اسلام کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا .

ہندستان میں شیعہ اور سننی دونوں آئے اور ہندستان میں جو نئے مسلمان آئے ان میں سے براہمن اور اونچی جانبوں کے لوگ تو سید اور شیعہ کہلائے اور دوسرے 'دوم' میراثی چھوٹی جانوں میں گئے جالے گئے . جب مذہبی جوش ختم ہوا تو سننی اور شیعہ میں خوب لڑائیاں ہونے لگیں . سننی اور شیعہ راجے ایک دوسرے کو ہرانے لگے . لوگوں نے اپنی آنکھوں دیکھا کہ لڑائیاں مذہب کے نام پر گدیوں کے لئے ہو رہی ہیں اور ہوس کو مذہب کا نام دیکر ناحق خون بہایا جا رہا ہے .

مسلمانوں کے حملوں سے جہاں بہت سے متاثر ہوئے تھے وہاں جات پات، دھرم کرم اور پوجا پات کے بندھن سخت بھی ہو گئے تھے . کیونکہ جن یلذتوں اور ہندوؤں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تھا انہوں نے اسلامی وچارہدارا سے اپنے آپ کو اور اپنے ہم مذہبوں کو بچانے رکھنے کے لئے وچار اور آئندہ وشواس کی دیواروں کو اور مضبوط بنا دیا تھا .

چار پانچ صدی کے خون خراپے، بدامنی، تعصب اور آئندہ وشواس سے ہندو مسلمان دونوں ہی تنگ آچکے تھے اور انہوں نے ہندو راجاؤں کو ہندوؤں کے اور مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑتے دیکھ کر لڑائی کو اکاڑن سمجھ لیا اور ہندو مسلم چننا میں آپس کا میل جول بڑھنے لگا . جس سے بھکتی آندولن نے جام لیا اور اس آندولن کو سنت، او کوپوں اور صوفی شاعروں اور درویشوں کا سپہرہ پر آپس تھا . کبیر، نانک، تلسی داس، معین الدین چشتی، بابا فرید، نظام الدین اولیا، رحمان، رس کھان، سوردااس، نکرام، وارث شاہ اور بلہ شاہ نے بھکتی اور تعصب کے دریا بہائے . آدمی اور آدمی میں پریم بڑھایا . اس آندولن نے لوگوں کے پرانے عقیدوں کو بدل دیا اور ان سادہ سنتوں نے اگلی تین چار صدی تک کلچر، سبوتا اور ساج پر گہرا اثر ڈالا . انہوں نے وید، قرآن، مہا اور براہمن کو چیلنج کیا اور آدمی کو جات پات اور مذہبی تعصب کے دلدل سے نکال کر سیدھی اور سچی راہ دکھائی .

کبیر نے ایسی بھکتی آندولن کے اثر سے دیں الہی نام سے اپنا درباری مذہب چلایا . جس کا



कला, साहित्य, दर्शन और साईस हर तरह के ज्ञान का स्रोत (चरमा) जनता और उसका अमल है। पैदावार साधनों की तरफ़की रुक जाने से जनता और सरकार का साहसिक टूट जाता है, तब यह स्रोत बंद हो जाता है और कलचर पिछड़ जाता है, कलचर को फिर आगे बढ़ाने के लिये पैदावार के साधनों को आगे बढ़ाना और जनता और कलचर में सम्बन्ध जोड़ना जरूरी होता है, वरना काम नहीं चल सकता।

इस समय हिन्दुस्तानी कलचर और सभ्यता इतनी बड़ी हुई थी कि बाहर से सुंग, कुश, हुन कोई भी जाति आई, उसने इसकी महानता को स्वीकार किया और हमारे समाज में उन्हें अपने अन्दर समो लिया।

लेकिन बाहर के हमले बढ़ते गये और आवा जाई के हकी साधन न होने के कारण बड़े राज्य बन बन कर टूटते रहे और देश फिर छोटी रियासतों में बंट गया। फिर आदमी दुनिया में अपनी जिम्मेदारी को भूल कर दूसरी दुनिया की बातें करने लगा, फिर किताबों और नियमों को आदमी से ज्यादा अहमियत मिलने लगी, जात पात के कगड़े बढ़ गये, शंकराचार्य ने बुद्ध मत के मन्त्राविले में जो नया मत चलाया उसमें भी माही दुनिया को नज़र अंदाज़ किया गया, बुद्ध मत संघों का मत था, लोग गृहस्थ छोड़कर संघों में जा रहे थे जिससे खराबियां पैदा हो रही थीं, लेकिन हिन्दु मत में गृहस्थ धर्म को भी महानता प्राप्त थी, जो आदमी गृहस्थ का पालन अच्छी तरह नहीं करता था, हिन्दु धर्म उसे अच्छा नहीं समझता था, शंकराचार्य ने बौद्ध भिक्षुओं की तरह गृहस्थ छोड़कर साधु और महन्त बनने की रीति चलाई और इन साधुओं और महन्तों के लिये बुद्ध मत के संघों की तरह मठ खोले, इनमें भजन से मुक्ति चाहने वाले बेअमल आदमी भर गये, हमारे समाज की खराबियां दूर होने की जगह बढ़ती ही गई, शंकराचार्य को दूसरा बुद्ध ठीक ही कहा जाता है, दोनों सुधारवादी थे और दोनों ने स्वादिशों को छोड़ कर मुक्ति का मार्ग बताया, बाअमल दुनिया को संघों और मठों में तब्दील किया।

जब दर्शन का अमल से सम्बन्ध नहीं रहता, तो उसका काम बाल की खाल उतारना हो जाता है, विचारधारा आगे बढ़ने के बजाय गोलचक्र में या भूल भलैयों में भटकने लगती है, इससे कलचर का विकास भी रुक जाता है, अब हिन्दू दर्शन अश्यात्मकवाद या रुझानियत की गुलियां सुलझा रहा था और उसमें मत मतांतर की कितनी ही बेकार की शाखें फूट आई थीं, आम आदमी भ्रम और अचरज में पड़ गया था।

इस समय हिन्दुस्तान पर मुसलमानों का हमला हुआ और बेहरकत जिन्दगी में उथल पुथल पैदा हुई, बहुत से पंडित हमले की जद से बचने के लिये दक्षिण में चले गये

का, साहित्य, दर्शन और साईस हर तरह के ज्ञान का स्रोत (चरमा) जनता और उसका अमल है। पैदावार साधनों की तरफ़की रुक जाने से जनता और सरकार का साहसिक टूट जाता है, तब यह स्रोत बंद हो जाता है और कलचर पिछड़ जाता है, कलचर को फिर आगे बढ़ाने के लिये पैदावार के साधनों को आगे बढ़ाना और जनता और कलचर में सम्बन्ध जोड़ना जरूरी होता है, वरना काम नहीं चल सकता।

अस से हस्तक्षेप कलचर और सभ्यता अतनी बड़ी हुई थी कि बाहर से सुंग, कुश, हुन कोई भी जाति आई, उसने इसकी महानता को स्वीकार किया और हमारे समाज में उन्हें अपने अन्दर समो लिया।

लेकिन बाहर के हमले बढ़ते गये और आवा जाई के हकी साधन न होने के कारण बड़े राज्य बन बन कर टूटते रहे और देश फिर छोटी रियासतों में बंट गया। फिर आदमी दुनिया में अपनी जिम्मेदारी को भूल कर दूसरी दुनिया की बातें करने लगा, फिर किताबों और नियमों को आदमी से ज्यादा अहमियत मिलने लगी, जात पात के कगड़े बढ़ गये, शंकराचार्य ने बुद्ध मत के मन्त्राविले में जो नया मत चलाया उसमें भी माही दुनिया को नज़र अंदाज़ किया गया, बुद्ध मत संघों का मत था, लोग गृहस्थ छोड़कर संघों में जा रहे थे जिससे खराबियां पैदा हो रही थीं, लेकिन हिन्दु मत में गृहस्थ धर्म को भी महानता प्राप्त थी, जो आदमी गृहस्थ का पालन अच्छी तरह नहीं करता था, हिन्दु धर्म उसे अच्छा नहीं समझता था, शंकराचार्य ने बौद्ध भिक्षुओं की तरह गृहस्थ छोड़कर साधु और महन्त बनने की रीति चलाई और इन साधुओं और महन्तों के लिये बुद्ध मत के संघों की तरह मठ खोले, इनमें भजन से मुक्ति चाहने वाले बेअमल आदमी भर गये, हमारे समाज की खराबियां दूर होने की जगह बढ़ती ही गई, शंकराचार्य को दूसरा बुद्ध ठीक ही कहा जाता है, दोनों सुधारवादी थे और दोनों ने स्वादिशों को छोड़ कर मुक्ति का मार्ग बताया, बाअमल दुनिया को संघों और मठों में तब्दील किया।

जब दर्शन का अमल से सम्बन्ध नहीं रहता, तो उसका काम बाल की खाल उतारना हो जाता है, विचारधारा आगे बढ़ने के बजाय गोलचक्र में या भूल भलैयों में भटकने लगती है, इससे कलचर का विकास भी रुक जाता है, अब हिन्दू दर्शन अश्यात्मकवाद या रुझानियत की गुलियां सुलझा रहा था और उसमें मत मतांतर की कितनी ही बेकार की शाखें फूट आई थीं, आम आदमी भ्रम और अचरज में पड़ गया था।

इस समय हिन्दुस्तान पर मुसलमानों का हमला हुआ और बेहरकत जिन्दगी में उथल पुथल पैदा हुई, बहुत से पंडित हमले की जद से बचने के लिये दक्षिण में चले गये

میتا دیا گیا ہے۔ کورن ارجن سے کہتے ہیں کہ چھری کا دھرم لڑنا ہے۔ اپنے اس دھرم کا پالن کرو۔ مرے مارے کی چلتا میں نہ پڑو۔ نہ کوئی کسی کو مارتا ہے اور نہ کوئی مارتا ہے۔ اٹنا امر ہے، وہ مر نہیں سکتی۔ جیت جازگے تو ایسی دنیا پر راج کر کے اور مرجازگے تو سورگ میں راج کر کے۔ خواہشوں کے تباہ کی جگہ عمل کا پیغام پھر گونج اٹھا۔

پنچ نفرت، میں لکھا ہے۔ ”نکشی تو سنگ کے سمان با عمل لوگوں کو حاصل ہونی ہے۔“ یہاں دیتا ہے، یہ کمزور لوگ کہا کرتے ہیں۔ اس لئے یہاں کو چھوڑ کر اپنی شکتی سے پرورش کرو۔ اگر یقین کرنے سے ہی کھربانی نہ ہو، تو دیکھنا چاہئے کہ یقین میں کیا خرابی ہے۔“ پھر لکھا ہے۔ ”پچھلے جنم میں کئے ہوئے کام کو ہی تقدیر کہتے ہیں۔ اس لئے آدمی کو آئندہ چھوڑ کر محنت کرنی چاہئے۔“ اس پستک میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس جانی کے عمل اور وچن میں انتہا آ جاتا ہے، وہ ناشی کو پراپت ہوتی ہے۔

عمل کے کارن ہی پھر ایک مضبوط اور بڑا راج قائم کرنے کی ضرورت تھی۔ تبھی کھیتی باڑی، ویپار اور کلا آگے بڑھ سکتی تھی، تبھی آپس کے جھگڑے ختم ہوسکتے تھے، تبھی باہر کے حملوں سے دیہات کی رکشا ہوسکتی تھی۔ اُس سے اُنہل پھول کا زمانہ تھا۔ روم کا مہان راج ٹوٹ رہا تھا۔ سارے دیہات کے ایک مضبوط راج کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہی مہابھارت میں لکھا ہے کہ تمہارا سورگ تمہاری راجنیت ہے۔ اور فلسفینت ایستہ آدمی یورپین ودوانوں نے بھی لکھا ہے کہ مہابھارت کا بنیادی نکتہ ایک مرکزی حکومت قائم کرنا ہے۔ اسی لئے کروچہتر کا مہابھارت پدھ ہوا تھا۔

اس وچاردھارا کو گہت راج میں عملی روپ ملا اور اسی بات کو لیکر مہاکوی کالیداس نے ’رگھونش‘ مہاکاویہ رچا۔ اس میں رامچندر کے پوروج رگھو کو لیکر ایک مہان، پراکرمی اور انصاف پسند راجا کے گن بیان کئے گئے ہیں۔ دراصل یہ سلنتواد کی ترقی کا زمانہ تھا۔ سلنتواد کی ترقی سے زندگی آگے بڑھ رہی تھی۔ راجا کو چنتا کا سپہیگ پراپت تھا۔ وہ اُنکا نیتا تھا اور اپنے عمل سے ساری چنتا کو حرکت میں لانا تھا۔ عمل سے اُنکا لوک اور پرلوک دونوں سہرتے تھے۔ یہاں مادی اور آتک دوشنوں میں ایک پرکار کا منزل اور سمجھوتہ ہوگیا تھا۔ اسی لئے اس زمانے میں مہابھارت اور گیتا کا پرچار خاص طور پر ہوا۔ اسی لئے کچھ کی ترقی ہوسکی۔ کالیداس جیسا مہاکوی پیدا ہوا۔ کمار پت نے زمین کے کھونٹے، چندر گرہن اور سورج گرہن کے نہم معلوم کئے۔

میتا دیا گیا ہے۔ کورن ارجن سے کہتے ہیں کہ چھری کا دھرم لڑنا ہے۔ اپنے اس دھرم کا پالن کرو۔ مرے مارے کی چلتا میں نہ پڑو۔ نہ کوئی کسی کو مارتا ہے اور نہ کوئی مارتا ہے۔ اٹنا امر ہے، وہ مر نہیں سکتی۔ جیت جازگے تو ایسی دنیا پر راج کر کے اور مرجازگے تو سورگ میں راج کر کے۔ خواہشوں کے تباہ کی جگہ عمل کا پیغام پھر گونج اٹھا۔

پنچ نفرت، میں لکھا ہے۔ ”نکشی تو سنگ کے سمان با عمل لوگوں کو حاصل ہونی ہے۔“ یہاں دیتا ہے، یہ کمزور لوگ کہا کرتے ہیں۔ اس لئے یہاں کو چھوڑ کر اپنی شکتی سے پرورش کرو۔ اگر یقین کرنے سے ہی کھربانی نہ ہو، تو دیکھنا چاہئے کہ یقین میں کیا خرابی ہے۔“ پھر لکھا ہے۔ ”پچھلے جنم میں کئے ہوئے کام کو ہی تقدیر کہتے ہیں۔ اس لئے آدمی کو آئندہ چھوڑ کر محنت کرنی چاہئے۔“ اس پستک میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس جانی کے عمل اور وچن میں انتہا آ جاتا ہے، وہ ناشی کو پراپت ہوتی ہے۔

اس وچاردھارا کو گہت راج میں عملی روپ ملا اور اسی بات کو لیکر مہاکوی کالیداس نے ’رگھونش‘ مہاکاویہ رچا۔ اس میں رامچندر کے پوروج رگھو کو لیکر ایک مہان، پراکرمی اور انصاف پسند راجا کے گن بیان کئے گئے ہیں۔ دراصل یہ سلنتواد کی ترقی کا زمانہ تھا۔ سلنتواد کی ترقی سے زندگی آگے بڑھ رہی تھی۔ راجا کو چنتا کا سپہیگ پراپت تھا۔ وہ اُنکا نیتا تھا اور اپنے عمل سے ساری چنتا کو حرکت میں لانا تھا۔ عمل سے اُنکا لوک اور پرلوک دونوں سہرتے تھے۔ یہاں مادی اور آتک دوشنوں میں ایک پرکار کا منزل اور سمجھوتہ ہوگیا تھا۔ اسی لئے اس زمانے میں مہابھارت اور گیتا کا پرچار خاص طور پر ہوا۔ اسی لئے کچھ کی ترقی ہوسکی۔ کالیداس جیسا مہاکوی پیدا ہوا۔ کمار پت نے زمین کے کھونٹے، چندر گرہن اور سورج گرہن کے نہم معلوم کئے۔

کو بڑی تسल्ली دیتا تھا۔ گو اس طرح ایک طبقہ محنت سے بستا رہا، لیکن ایک طبقہ کو سوچنے سمجھنے کا ادھک موقع ملا، درشن اور کلام میں اتنی ہونے اور کلچر آگے بڑھتا رہا۔ اور اس زمانہ کا آدمی مادی کم اور آتک ادھک ہو گیا۔

بودھ کے سوار کے باد میں آکرا اور گولام کا سمبندھ بڑی رہا۔ یہ تو ڈیک ہے کہ اشوک نے کلنگ کی تباہی کے بعد لڑائی سے توبہ کر لی، لیکن اس لڑائی سے وہ جو دو لاکھ آدمی غم بنا کر لائے تھے، انہیں چھوڑ دینے کا کسی اٹھاس کار نے ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ چھوڑے نہیں گئے۔ بودھ نے یکسویں میں پشوں کی بلی بند کرنے کے لئے اٹھاسا کا جو پرچار کیا تھا، اسے ہائی غلوں کو شانت کرنے کے لئے بھی کم میں لیا گیا۔

گولامی کی وبصفا سے بھی کلچر بدلتا آگے بڑھا۔ لیکن اب یہ وبصفا تکلے والی نہیں تھی۔ کھیتی باڑی اور دیار بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ پیدوار کے سادھنوں کے ساتھ نیا راج کلچر قما تھا اور نئی وچار دھارا جنم لے رہی تھی۔ اب سدھار سے نہیں تبدیلی سے بھی کلچر آگے بڑھ سکتا تھا۔ کھولنے کے بعد پانی جب دوبارہ ٹھنڈا ہوتا ہے، تو ملاوت اور گندمی پھر اس میں مل جاتی ہے۔ سنگھوں میں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ ہمیشہ آرام طلب اور نفول میں بال کی کہاں آثارے والے بن گئے۔ خواہشوں کے تراک کے نام پر اس دنیا کی اور زندگی کی ذمہ داریوں کو نظر انداز کیا جانے لگا۔ اٹھاس میں اشوک کو 'سہاس' اور دیوانہ پریہ، کم کر بہت غلط اچھلا گیا ہے۔ اشوک کے زمانے میں ہمارا کلچر اتنا ہی آگے بڑھا ہے کہ اشوک نے پتھر کے مگن بنائے۔ اور غلط درشنوں کا پرچار کر کے آدمی کے وچاروں کے گرد ہی دیوار کھڑی کر دی۔ کہاں ہماری پرہیزا یہ تھی کہ جس سبھا میں کوئی آدمی نہ چمکے، یا صرف ایک آدمی چمکے وہ سبھا، سبھا نہیں ہے، کہاں اشوک کا یہ کہنا کہ جیسے باپ اپنے بیٹے کا پالن کرتا ہے، میں اپنی پرچا کا پالن کروں گا! کسی راجا یا ایک ویکتی کو ساری قوم کا پتا بننے اور اس کے لئے سوچنے کا کوئی ادھکار نہیں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ پرہیز اور پر عمل ہو گئے، اشوک کے بیٹے بلور کے حیلوں کو نہیں روک سکے اور مہریہ راج نشٹ ہو گیا۔

دراصل یہ پچھڑی ہوئی غلی کی وبصفا کا ثلث تھا۔ اس کے بعد گہتر راج، نئی آرٹھک وبصفا اور نئی وچار دھارا پر قائم ہوا۔ مہابھارت اور گیتا کے ماکوت مت میں اس دنیا اور موت کے بعد کی دنیا کو

غلی کی وبصفا سے ہی کلچر بہت آگے بڑھا۔ لیکن اب یہ وبصفا تکلے والی نہیں تھی۔ کھیتی باڑی اور دیار بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ پیدوار کے سادھنوں کے ساتھ نیا راج کلچر قما تھا اور نئی وچار دھارا جنم لے رہی تھی۔ اب سدھار سے نہیں تبدیلی سے بھی کلچر آگے بڑھ سکتا تھا۔ کھولنے کے بعد پانی جب دوبارہ ٹھنڈا ہوتا ہے، تو ملاوت اور گندمی پھر اس میں مل جاتی ہے۔ سنگھوں میں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ ہمیشہ آرام طلب اور نفول میں بال کی کہاں آثارے والے بن گئے۔ خواہشوں کے تراک کے نام پر اس دنیا کی اور زندگی کی ذمہ داریوں کو نظر انداز کیا جانے لگا۔ اٹھاس میں اشوک کو 'سہاس' اور دیوانہ پریہ، کم کر بہت غلط اچھلا گیا ہے۔ اشوک کے زمانے میں ہمارا کلچر اتنا ہی آگے بڑھا ہے کہ اشوک نے پتھر کے مگن بنائے۔ اور غلط درشنوں کا پرچار کر کے آدمی کے وچاروں کے گرد ہی دیوار کھڑی کر دی۔ کہاں ہماری پرہیزا یہ تھی کہ جس سبھا میں کوئی آدمی نہ چمکے، یا صرف ایک آدمی چمکے وہ سبھا، سبھا نہیں ہے، کہاں اشوک کا یہ کہنا کہ جیسے باپ اپنے بیٹے کا پالن کرتا ہے، میں اپنی پرچا کا پالن کروں گا! کسی راجا یا ایک ویکتی کو ساری قوم کا پتا بننے اور اس کے لئے سوچنے کا کوئی ادھکار نہیں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ پرہیز اور پر عمل ہو گئے، اشوک کے بیٹے بلور کے حیلوں کو نہیں روک سکے اور مہریہ راج نشٹ ہو گیا۔

غلی کی وبصفا سے ہی کلچر بہت آگے بڑھا۔ لیکن اب یہ وبصفا تکلے والی نہیں تھی۔ کھیتی باڑی اور دیار بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ پیدوار کے سادھنوں کے ساتھ نیا راج کلچر قما تھا اور نئی وچار دھارا جنم لے رہی تھی۔ اب سدھار سے نہیں تبدیلی سے بھی کلچر آگے بڑھ سکتا تھا۔ کھولنے کے بعد پانی جب دوبارہ ٹھنڈا ہوتا ہے، تو ملاوت اور گندمی پھر اس میں مل جاتی ہے۔ سنگھوں میں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ ہمیشہ آرام طلب اور نفول میں بال کی کہاں آثارے والے بن گئے۔ خواہشوں کے تراک کے نام پر اس دنیا کی اور زندگی کی ذمہ داریوں کو نظر انداز کیا جانے لگا۔ اٹھاس میں اشوک کو 'سہاس' اور دیوانہ پریہ، کم کر بہت غلط اچھلا گیا ہے۔ اشوک کے زمانے میں ہمارا کلچر اتنا ہی آگے بڑھا ہے کہ اشوک نے پتھر کے مگن بنائے۔ اور غلط درشنوں کا پرچار کر کے آدمی کے وچاروں کے گرد ہی دیوار کھڑی کر دی۔ کہاں ہماری پرہیزا یہ تھی کہ جس سبھا میں کوئی آدمی نہ چمکے، یا صرف ایک آدمی چمکے وہ سبھا، سبھا نہیں ہے، کہاں اشوک کا یہ کہنا کہ جیسے باپ اپنے بیٹے کا پالن کرتا ہے، میں اپنی پرچا کا پالن کروں گا! کسی راجا یا ایک ویکتی کو ساری قوم کا پتا بننے اور اس کے لئے سوچنے کا کوئی ادھکار نہیں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ پرہیز اور پر عمل ہو گئے، اشوک کے بیٹے بلور کے حیلوں کو نہیں روک سکے اور مہریہ راج نشٹ ہو گیا۔

دراصل یہ پچھڑی ہوئی غلی کی وبصفا کا ثلث تھا۔ اس کے بعد گہتر راج، نئی آرٹھک وبصفا اور نئی وچار دھارا پر قائم ہوا۔ مہابھارت اور گیتا کے ماکوت مت میں اس دنیا اور موت کے بعد کی دنیا کو

دراصل یہ پچھڑی ہوئی غلی کی وبصفا کا ثلث تھا۔ اس کے بعد گہتر راج، نئی آرٹھک وبصفا اور نئی وچار دھارا پر قائم ہوا۔ مہابھارت اور گیتا کے ماکوت مت میں اس دنیا اور موت کے بعد کی دنیا کو



سے یہ کلاچر بہت بدنام ہو گیا۔ اس سے ایک راجا کے کہ جس بدھ کا جنم ہوا اور انہوں نے اس کلاچر میں بہت کچھ سنہار کیا۔

سندھ اور تبدیلی میں بڑا فرق ہے۔ کلاچر میں تبدیلی تو اس سے آتی ہے، جب پیداوار کے سادھن بدلتے ہیں اور ان پر قائم سماج بدلتا ہے۔ لیکن سماج بدلتا ہے۔ اس میں جو خرابیاں آجاتی ہیں انہیں اسی سماج کی سیما میں رہتے ہوئے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جیسے پانی اُبلانے سے پانی ہی رہتا ہے، لیکن اس میں جو ملوٹ آجاتی ہے، اُبلنے سے وہ نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ سندھار بھی سماج کے لئے ایسا ہی عمل ہے۔ براہمنوں نے ویدوں کے نام پر گناہ اور دیا کی تجارت شروع کر دی تھی اور آتما کی سرکچھا اور مکتی کے لئے دیوتاؤں کو قربانی دینی شروع کر دی تھی۔ بدھ نے براہمنوں کی اجار داری توڑنے کے لئے ویدوں کو مائل سے انکار کیا۔ یکہوں میں قربانی کا وردھ کر کے نیک کلموں اور خواہشوں کے تیاگ کو مکتی یا نروان کا سادھن بتایا۔ بدھ آتما کو نہیں مانتے تھے لیکن کہتے تھے کہ ایک جنم سے دوسرے جنم میں آدمی کے کلموں کے سنسکار اُس کے ساتھ جاتے ہیں۔

اس کا مطلب ہے کہ آتما کو نہ مانتے ہوئے بھی بدھ کا دہش مادی نہیں آتک تھا۔ اور انہوں نے جس سائنٹا کا پرچار کیا وہ ہی مادی نہیں آتک تھی۔ موٹے طور پر اُن کا کہنا تھا کہ آقا اور ظلم دونوں کو موت آتی ہے، دونوں موت کے سلسلے ایک سلسلے ہیں۔ اس لئے آؤ ہم دنیا کی خواہشوں کو چھوڑ کر موت کا حل ڈھونڈیں۔

ہاریل نے اپنے اٹھاس میں لکھا ہے کہ بدھ نے جو سنگھ بھوئے تھے اُن میں غلاموں کو داخل نہیں کیا جاتا تھا اور غلاموں کے غلوہ ایسے لوگ بھی داخل نہیں ہو سکتے تھے، جنہیں دوسروں کا فرض دیا ہوتا تھا، جو اپرا دہی اور ڈاکو تھے یا راجا کے کرمچاری تھے۔

کلمے کا مطلب یہ ہے کہ ویدوں کے زمانے کے بعد کام کی تقسیم کے کلن غلامی کا زمانہ شروع ہوا جس میں نئے دہشوں اور نئے کلاچر نے جنم لیا۔ اس دہش کا نیچوڑ یہ تھا کہ ایک ندی کی طرح زندگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آدمی ایک جنم کے بعد دوسرا جنم لیتا ہے۔ کسی جنم میں آقا غلام اور غلام آقا بن سکتا ہے۔ غلام کو سہوا کا کام ایمانداری سے کرنا چاہئے، اس سہوا کا پھل اُسے آگے جنم میں ملے گا۔ یہ پچار محنت سے پسند والے آدمی

سندھ اور تبدیلی میں بڑا فرق ہے۔ کلاچر میں تبدیلی تو اس سے آتی ہے، جب پیداوار کے سادھن بدلتے ہیں اور ان پر قائم سماج بدلتا ہے۔ لیکن سماج بدلتا ہے۔ اس میں جو خرابیاں آجاتی ہیں انہیں اسی سماج کی سیما میں رہتے ہوئے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جیسے پانی اُبلانے سے پانی ہی رہتا ہے، لیکن اس میں جو ملوٹ آجاتی ہے، اُبلنے سے وہ نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ سندھار بھی سماج کے لئے ایسا ہی عمل ہے۔ براہمنوں نے ویدوں کے نام پر گناہ اور دیا کی تجارت شروع کر دی تھی اور آتما کی سرکچھا اور مکتی کے لئے دیوتاؤں کو قربانی دینی شروع کر دی تھی۔ بدھ نے براہمنوں کی اجار داری توڑنے کے لئے ویدوں کو مائل سے انکار کیا۔ یکہوں میں قربانی کا وردھ کر کے نیک کلموں اور خواہشوں کے تیاگ کو مکتی یا نروان کا سادھن بتایا۔ بدھ آتما کو نہیں مانتے تھے لیکن کہتے تھے کہ ایک جنم سے دوسرے جنم میں آدمی کے کلموں کے سنسکار اُس کے ساتھ جاتے ہیں۔

اس کا مطلب ہے کہ آتما کو نہ مانتے ہوئے بھی بدھ کا دہش مادی نہیں آتک تھا۔ اور انہوں نے جس سائنٹا کا پرچار کیا وہ ہی مادی نہیں آتک تھی۔ موٹے طور پر اُن کا کہنا تھا کہ آقا اور ظلم دونوں کو موت آتی ہے، دونوں موت کے سلسلے ایک سلسلے ہیں۔ اس لئے آؤ ہم دنیا کی خواہشوں کو چھوڑ کر موت کا حل ڈھونڈیں۔

ہاریل نے اپنے اٹھاس میں لکھا ہے کہ بدھ نے جو سنگھ بھوئے تھے اُن میں غلاموں کو داخل نہیں کیا جاتا تھا اور غلاموں کے غلوہ ایسے لوگ بھی داخل نہیں ہو سکتے تھے، جنہیں دوسروں کا فرض دیا ہوتا تھا، جو اپرا دہی اور ڈاکو تھے یا راجا کے کرمچاری تھے۔

کلمے کا مطلب یہ ہے کہ ویدوں کے زمانے کے بعد کام کی تقسیم کے کلن غلامی کا زمانہ شروع ہوا جس میں نئے دہشوں اور نئے کلاچر نے جنم لیا۔ اس دہش کا نیچوڑ یہ تھا کہ ایک ندی کی طرح زندگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آدمی ایک جنم کے بعد دوسرا جنم لیتا ہے۔ کسی جنم میں آقا غلام اور غلام آقا بن سکتا ہے۔ غلام کو سہوا کا کام ایمانداری سے کرنا چاہئے، اس سہوا کا پھل اُسے آگے جنم میں ملے گا۔ یہ پچار محنت سے پسند والے آدمی

کلمے کا مطلب یہ ہے کہ ویدوں کے زمانے کے بعد کام کی تقسیم کے کلن غلامی کا زمانہ شروع ہوا جس میں نئے دہشوں اور نئے کلاچر نے جنم لیا۔ اس دہش کا نیچوڑ یہ تھا کہ ایک ندی کی طرح زندگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آدمی ایک جنم کے بعد دوسرا جنم لیتا ہے۔ کسی جنم میں آقا غلام اور غلام آقا بن سکتا ہے۔ غلام کو سہوا کا کام ایمانداری سے کرنا چاہئے، اس سہوا کا پھل اُسے آگے جنم میں ملے گا۔ یہ پچار محنت سے پسند والے آدمی



کڑا کا فल بتانا شروع کیا۔ اور دےوتاؤں کو پرسن کرنے کے لیے یجھ ہونے لگے اور اسمیں پشوں اور منورہوں تک کی بلی دی جانے لگی۔ براہمنوں نے جھان کی تیارت شروع کر دی۔ چنندگی کے تاجرہ سے وید کی بات کو پھاڈا اہمیت دی جانے لگی۔ آدمی نے جو نیام، اسول اور کرایہ اپنی بہتری کے لیے بنایے تھے، انہیں آدمی سے بہتر سمجھا جانے لگا۔ آدمی کی ہکاکت کی جگہ نیاموں اور اسولوں کی ہکاکت کے لیے خود آدمی کربان ہونے لگا۔

پڈیتوں کے بےامال ہو جانے کے کارن وہ دھرتی پر رھنے کے بجائے ہوا میں اڈنے لگے اور انکا دشن کم سے کم مادی اور اہیک سے اہیک آامیک ہوتا گیا۔ آخیر یجورہد میں ”آتما ہی کو سب چیزوں کا ناں اور کسوتی مان لیا گیا۔“ یجورہد کے ہی اک منتر کا متلاب ہے—

”آتما کا نارا کرنے والا آدمی موت کے باڈ اڈھے میں لپٹے ہونے لگا۔“

آدھر ہے کہ آدمی ان مادی دشنوں سے سبک ہو کر آتما کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اپنے جھان سے سیکرے اس دنییا کو ہی نہیں موت کے باڈ کی دنییا کو بھی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور وہ اس دنییا اور موت کے باڈ کی دنییا میں سبکدہ چولے کی فکر میں تھا۔ دشنوں اور وپنشاہوں میں آدمی اس خوج میں لگا ہوا مالم ہوتا ہے۔ کیونکہ اسکا تاجرہ اور اس تاجرہ سے حاصل کیا ہوا جھان ان سب سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنے آپ کو وچاروں میں تبدیل کیا اور ”آتما“ پرمانا سورگ اور نرک کی سرشتی کر کے اپنے اس سوال کا جواب دیا۔

بچہ جیسے بڑا ہو کر اپنی مصرہیت کہتا ہے، لیکن جھان اور بیدا میں وہ آگے بڑھتا ہے، اسی طرح وید کے زمانہ کے آدمی نے کلم کرنے والوں اور کلم کرنے والوں میں تقسیم ہو کر اپنی سمانتا اور پرسنتا تو کہو دی لیکن وہ گمان اور علم میں آگے بڑھا۔ یکہ اور دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہوئے بھی وہ بنیادی طور پر ایمانداری تھا اور ایمانداری سے زندگی کے نیچے سوالوں کا حل تھونھتا تھا۔ سانکھتہ شاستر میں لکھا ہے کہ استہ سے ستہ کا جلم نہیں ہو سکتا۔ اس وقت کا آدمی بھی پوری ایمانداری سے گمان کی کوج میں لگا ہوا تھا۔ وہ آتما اور ظلم کی تقسیم کو بھی زندگی کی ایک سچائی مانتا تھا۔ اس کا نیا کلچر اس کی نئی وچار دھارا کا نیا روپ تھا۔

نیاموں اور اسولوں کی پھاڈا پابندی اور دےوتاؤں کو کورا کرنے کے لیے آدمیوں اور پشوں کی قربانی

کریا کا پل ”پٹا شروع کیا۔ اور دیوتاؤں کو پرسن کرنے کے لیے پک ہونے لگے اور اس میں پشوں اور منشیوں تک کی بلی دی جانے لگی۔ براہمنوں نے گمان کی تجارت شروع کر دی۔ زندگی کے تجربے سے وید کی بات کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی۔ آدمی نے جو نیام، اصول اور قائدے اپنی بہتری کے لیے بنائے تھے، انہیں آدمی سے بہتر سمجھا جانے لگا۔ آدمی کی حفاظت کی جگہ نہیں اور اصولوں کی حفاظت کے لیے خود آدمی قربان ہونے لگا۔

پڈیتوں کے بے عمل ہو جانے کے کارن وہ دھرتی پر رھنے کے بجائے ہوا میں اڑنے لگے اور ان کا دشن کم سے کم مادی اور اہیک سے اہیک آتمک ہوتا گیا۔ آخر یجورہد میں آتما ہی کو سب چیزوں کا ناں اور کسوتی مان لیا گیا۔ یجورہد کے ہی ایک منتر کا مطلب ہے—

”آتما کا نالی کرنے والا آدمی موت کے بعد اڈھیرے میں لپٹے ہوئے لوگوں میں بھکتا رھتا ہے۔“

ظاہر ہے کہ آدمی ان مادی دشنوں سے منہ موڑ کر آتما کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اپنے گمان سے صرف اس دنییا کو ہی نہیں موت کے باڈ کی دنییا کو بھی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور وہ اس دنییا اور موت کے باڈ کی دنییا میں سبکدہ چولے کی فکر میں تھا۔ دشنوں اور اپنشدوں میں آدمی اس کوج میں لگا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اس کا تجربہ اور اس تجربے سے حاصل کیا ہوا گمان ان سب سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا تھا، اس لیے اس نے اپنے آپ کو وچاروں میں تبدیل کیا اور ”آتما“ پرمانا سورگ اور نرک کی سرشتی کر کے اپنے اس سوال کا جواب دیا۔

بچہ جیسے بڑا ہو کر اپنی مصرہیت کہتا ہے، لیکن گمان اور ویدا میں وہ آگے بڑھتا ہے، اسی طرح وید کے زمانہ کے آدمی نے کلم کرنے والوں اور کلم کرنے والوں میں تقسیم ہو کر اپنی سمانتا اور پرسنتا تو کہو دی لیکن وہ گمان اور علم میں آگے بڑھا۔ یکہ اور دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہوئے بھی وہ بنیادی طور پر ایمانداری تھا اور ایمانداری سے زندگی کے نیچے سوالوں کا حل تھونھتا تھا۔ سانکھتہ شاستر میں لکھا ہے کہ استہ سے ستہ کا جلم نہیں ہو سکتا۔ اس وقت کا آدمی بھی پوری ایمانداری سے گمان کی کوج میں لگا ہوا تھا۔ وہ آتما اور ظلم کی تقسیم کو بھی زندگی کی ایک سچائی مانتا تھا۔ اس کا نیا کلچر اس کی نئی وچار دھارا کا نیا روپ تھا۔

نیاموں اور اصولوں کی زیادہ پابندی اور دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے آدمیوں اور پشوں کی قربانی

وہدوں کے زمانے کا کلچر اُس زمانے کے پیداوار کے سادھنوں اور اُن کی تھانچہ کی وجہ سے ہوا تھا۔ ایک روپ تھا۔ بے شک دیوتاؤں میں اُس سے اُمی کا وشواس تھا۔ لیکن اُس نے قدرت جیسی بہر دست وردہ کی ناقی سے بچنے کے لئے گھر بنائے تھے زمین جوتنا اور ہونا سیکھا تھا۔ اُس کے علاوہ وہ پشو پالتا تھا، گائے کا دودھ پیتا تھا اور اُس سے مکھن نکالتا اور گھوڑے پر چڑھتا تھا۔ اُس نے آگ کو اپنا ساتھی اور مدگار بنایا تھا اور دھات کو تھانچا سیکھ لیا تھا۔ یہ اُمی کی بہت بڑی کامیابی تھی اور اُس سے اپنے آپ میں اُس کا وشواس بڑھا تھا۔ اپنے اُس وشواس کو ظاہر کرنے کے لئے اُس نے ہوا سے بھی تیز تقریر اور خیال کو ایجاد کیا تھا۔

آدمی سماجی محنت سے قدرت کو جیت رہا تھا۔ سب لوگ آپس میں میل جول سے رہتے تھے، سبھی سماج کے فائدے کے لئے کام کرتے تھے۔ سب سুরکشا کے لئے کرایہ کھانوں بناتے تھے۔ انہیں کوئی اُچھ نیچ اور جات پات کا بے حد نہیں تھا۔ لوگ مین مین کام کرتے تھے اور بھی ایک سماج ایک گھر میں رہتے تھے۔ ایک بے حد ملن میں کہا ہے—

”میں شیلی ہوں، میرا پتا بے حد ہے، اور میری ماں اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔“

”میں شیلی ہوں، میرا پتا بے حد ہے، اور میری ماں اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔“

”میں شیلی ہوں، میرا پتا بے حد ہے، اور میری ماں اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔“

وہدوں کے زمانے کا کلچر اُس زمانے کے پیداوار کے سادھنوں اور اُن کی تھانچہ کی وجہ سے ہوا تھا۔ ایک روپ تھا۔ بے شک دیوتاؤں میں اُس سے اُمی کا وشواس تھا۔ لیکن اُس نے قدرت جیسی بہر دست وردہ کی ناقی سے بچنے کے لئے گھر بنائے تھے زمین جوتنا اور ہونا سیکھا تھا۔ اُس کے علاوہ وہ پشو پالتا تھا، گائے کا دودھ پیتا تھا اور اُس سے مکھن نکالتا اور گھوڑے پر چڑھتا تھا۔ اُس نے آگ کو اپنا ساتھی اور مدگار بنایا تھا اور دھات کو تھانچا سیکھ لیا تھا۔ یہ اُمی کی بہت بڑی کامیابی تھی اور اُس سے اپنے آپ میں اُس کا وشواس بڑھا تھا۔ اپنے اُس وشواس کو ظاہر کرنے کے لئے اُس نے ہوا سے بھی تیز تقریر اور خیال کو ایجاد کیا تھا۔

آدمی سماجی محنت سے قدرت کو جیت رہا تھا۔ سب لوگ آپس میں میل جول سے رہتے تھے، سبھی سماج کے فائدے کے لئے کام کرتے تھے۔ سب سورکشا کے لئے کرایہ کھانوں بناتے تھے۔ انہیں کوئی اُچھ نیچ اور جات پات کا بے حد نہیں تھا۔ لوگ مین مین کام کرتے تھے اور بھی ایک سماج ایک گھر میں رہتے تھے۔ ایک بے حد ملن میں کہا ہے—

”میں شیلی ہوں، میرا پتا بے حد ہے، اور میری ماں اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔“

”میں شیلی ہوں، میرا پتا بے حد ہے، اور میری ماں اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔“

”میں شیلی ہوں، میرا پتا بے حد ہے، اور میری ماں اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔ اُپلے پاتھن کا کام کرتی ہے۔“

ایک آدمی چمکے وہ سبھا سبھا نہیں ہوتی۔ سبھا وہ ہوتی ہے جس میں سب مل کر چمکیں اور ہر ایک آدمی دوسرے کو چمکالے میں مدد دے۔“

‘سہیشتا’ جس کا مطلب تہذیب ہے، سبھا شब्द سے بنا ہے۔ تہذیب کا کلچر سے گہرا سمبندھ ہے۔ تہذیب اور اُمنیت سے آدمی جتنا اُچھا اُٹھتا ہے اتنا ہی وہ کلچر یا سنسکرت کہلاتا ہے۔ اور جتنا وہ اُس کلچر کو دیکھتا ہے اتنا ہی تہذیب اُگتی ہے۔ کلچر آدمی کے اندر سے سمبندھ رکھتا ہے جس سے اُس کا من اور شہر سوسم اور مضبوط ہوتا ہے۔ تہذیب یا سہیشتا اِس کلچر کے باہری روپ کا نام ہے۔ جس دیش یا قوم کے لوگوں کا جتنا اُچھا کلچر ہوگا اتنا ہی وہ منزل چلے رہے ہوں گے۔ اُن کا کلچر اُن کے کوائے پہنچے اور رہنے سہنے کویتا اور کل میں ظاہر ہوگی۔

جب کسی دیش یا قوم کے لوگ کلچر میں بچھڑ جائیں یعنی وہ سچائی اور انصاف کا ساتھ چھوڑ دیں، اُن کی کرنے کہنے میں فرق آجائے، لیکن کوائے پہنچنے اور رہنے سہنے میں تو یک ہو کر رہے، یعنی کلچر کے اوپری روپ، تہذیب میں ویسی ہی تو یک ہو کر رہے، تو وہ تہذیب کھو کھلی کہلاتی ہے۔ اُس میں بناوٹ اور پاکھنڈ آجاتا ہے۔ وہ تہذیب زیادہ دنوں تکنے والی نہیں ہوتی۔

اِس کا کارن کیا ہے؟ کلچر اور تہذیب میں تبدیلی کیوں آتی ہے؟ دنیا کے شروع سے اب تک ایک ہی کلچر اور تہذیب کیوں نہ ہوئی؟ تبدیلی کی کیا ضرورت تھی؟ اگر ضرورت تھی تو کیا اُس تبدیلی میں کوئی کرم یا سلسلہ ہے یا وہ تبدیلی اچانک آجاتی ہے؟

اِس کا کارن کیا ہے؟ کلچر اور تہذیب میں تبدیلی کیوں آتی ہے؟ دنیا کے شروع سے اب تک ایک ہی کلچر اور تہذیب کیوں نہ ہوئی؟ تبدیلی کی کیا ضرورت تھی؟ اگر ضرورت تھی تو کیا اُس تبدیلی میں کوئی کرم یا سلسلہ ہے یا وہ تبدیلی اچانک آجاتی ہے؟

کسی زمانے میں پیداوار کے جو سادھن ہوتے ہیں، انہیں کے مطابق اُس زمانے کے سماجک سمبندھ قائم ہوتے ہیں اور ایک راج کلچر تھانچا ہوتا ہے۔ پھر اُن سب کے میل سے اُس زمانے کی کلچر جنم لیتی ہے۔ ہم کلچر کو پیداوار کے سادھنوں اور راج کلچر تھانچے سے الگ نہیں کر سکتے۔ اُن تینوں کا آپس میں گہرا سمبندھ ہے۔ مارتے تنگ لے اپنی پستک ”چین کی نئی جمہوریت“ میں کلچر کی دیکھنا اِس طرح کی ہے—

“A given culture is the ideological reflection of the political economy of a given society.”

(یانی کسی زمانے کا کلچر، اُس زمانے کے سماج کی آর্থیک اور راجنئیکک व्यवस्था کی विचारधारा का انعکاس या रूप होता है۔)

کسی زمانے میں پیداوار کے جو سادھن ہوتے ہیں، انہیں کے مطابق اُس زمانے کے سماجک سمبندھ قائم ہوتے ہیں اور ایک راج کلچر تھانچا ہوتا ہے۔ پھر اُن سب کے میل سے اُس زمانے کی کلچر جنم لیتی ہے۔ ہم کلچر کو پیداوار کے سادھنوں اور راج کلچر تھانچے سے الگ نہیں کر سکتے۔ اُن تینوں کا آپس میں گہرا سمبندھ ہے۔ مارتے تنگ لے اپنی پستک ”چین کی نئی جمہوریت“ میں کلچر کی دیکھنا اِس طرح کی ہے—

کسی زمانے میں پیداوار کے جو سادھن ہوتے ہیں، انہیں کے مطابق اُس زمانے کے سماجک سمبندھ قائم ہوتے ہیں اور ایک راج کلچر تھانچا ہوتا ہے۔ پھر اُن سب کے میل سے اُس زمانے کی کلچر جنم لیتی ہے۔ ہم کلچر کو پیداوار کے سادھنوں اور راج کلچر تھانچے سے الگ نہیں کر سکتے۔ اُن تینوں کا آپس میں گہرا سمبندھ ہے۔ مارتے تنگ لے اپنی پستک ”چین کی نئی جمہوریت“ میں کلچر کی دیکھنا اِس طرح کی ہے—

کسی زمانے میں پیداوار کے جو سادھن ہوتے ہیں، انہیں کے مطابق اُس زمانے کے سماجک سمبندھ قائم ہوتے ہیں اور ایک راج کلچر تھانچا ہوتا ہے۔ پھر اُن سب کے میل سے اُس زمانے کی کلچر جنم لیتی ہے۔ ہم کلچر کو پیداوار کے سادھنوں اور راج کلچر تھانچے سے الگ نہیں کر سکتے۔ اُن تینوں کا آپس میں گہرا سمبندھ ہے۔ مارتے تنگ لے اپنی پستک ”چین کی نئی جمہوریت“ میں کلچر کی دیکھنا اِس طرح کی ہے—

کسی زمانے میں پیداوار کے جو سادھن ہوتے ہیں، انہیں کے مطابق اُس زمانے کے سماجک سمبندھ قائم ہوتے ہیں اور ایک راج کلچر تھانچا ہوتا ہے۔ پھر اُن سب کے میل سے اُس زمانے کی کلچر جنم لیتی ہے۔ ہم کلچر کو پیداوار کے سادھنوں اور راج کلچر تھانچے سے الگ نہیں کر سکتے۔ اُن تینوں کا آپس میں گہرا سمبندھ ہے۔ مارتے تنگ لے اپنی پستک ”چین کی نئی جمہوریت“ میں کلچر کی دیکھنا اِس طرح کی ہے—

کسی زمانے میں پیداوار کے جو سادھن ہوتے ہیں، انہیں کے مطابق اُس زمانے کے سماجک سمبندھ قائم ہوتے ہیں اور ایک راج کلچر تھانچا ہوتا ہے۔ پھر اُن سب کے میل سے اُس زمانے کی کلچر جنم لیتی ہے۔ ہم کلچر کو پیداوار کے سادھنوں اور راج کلچر تھانچے سے الگ نہیں کر سکتے۔ اُن تینوں کا آپس میں گہرا سمبندھ ہے۔ مارتے تنگ لے اپنی پستک ”چین کی نئی جمہوریت“ میں کلچر کی دیکھنا اِس طرح کی ہے—

“A given culture is the ideological reflection of the political economy of a given society.”

(یعنی کسی زمانے کا کلچر، اُس زمانے کے سماج کی آর্থیک اور راجنئیکک व्यवस्था کی विचारधारा का انعکاس या रूप होता है۔)

بجائے انہیں اپنا دوست بناتے ہیں اور سماجی زندگی کے ٹیم بناتے ہیں۔ یہ دنیا کو عمل کے ذریعہ تبدیل کرنے کا ڈھنگ ہے۔

لیکن ایک دوسرا ڈھنگ ہے۔ وہ دنیا کو تبدیل کرنے کے بجائے اپنے آپ کو بہانوں اور وچاروں میں تبدیل کرنے کا ڈھنگ ہے۔ یہاں اسی طریقہ کا نام مذہب اور پھر دھرم پڑا۔

یورپین ویدوانوں نے ویدوں کو دینو مالا کی پستکیں لکھا ہے۔ اس پر آریہ سماجی ویدوانوں کو اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وید دینو مالا کی نہیں دھرم کی پستکیں ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ویدوں کے بارے میں یہ دونوں باتیں سچ ہیں۔ اُس سے منشیہ جو کچھ دیکھتا تھا اُسے اپنی کلپنا سے دیوتا کا نام دے دیتا تھا۔ اِس میں اُس کا تجربہ اور دھرم دونوں شامل رہتے تھے۔ اُس سے مادی اور ادھیاتمک کی بحث میں وہ نہیں پڑا تھا۔ جس طرح بچے روٹی یا پھل کھاتے ہیں اور زندہ سمجھے کہ اُس سے باتیں بھی کرتے ہیں۔ وید کے زمانے کا منشیہ بچے کی طرح معصوم تھا، وہ قدرت کو دیکھتا ہی تھا اور اُسے زندہ سمجھے کہ اُس سے باتیں بھی کرتا تھا۔

ویدوں کا زمانہ ہزاروں سال تک پھیلا ہوا ہے۔ اُس زمانے میں آدمی نے دونوں طرف ترقی کی۔ اُس نے اپنی شکتی اور سمجھ کے مطابق پرکرتی کو بھی تبدیل کیا اور اُس نے اپنے آپ کو بھی وچاروں اور بہانوں میں بدلا۔ وہ سورج سے گرمی حاصل کرتا تھا، اُسے اپنے کھیتوں کو اگلے والا سمجھتا تھا، اور اُسے دیوتا سمجھے کہ ہل اور شکتی مارکتا تھا۔ صبح ہوتی تھی، تو وہ اُرشا کو دیکھ کر ناچ اُٹھتا تھا اور پھر قدرت کو اپنے مطلب کے لئے تبدیل کرنے کو کمر کس لیتا تھا۔

اُس زمانے میں آدمی آدمی میں پیوستہ نہیں تھا۔ گیان اور دھن سب کا ساچھا ہوتا تھا۔ لوگ جگہوں میں مل کر رہتے تھے۔ کسی کام کو کرنے سے پہلے آپس میں صلاح مشورہ کرتے تھے۔ ایک وید منتر کا آرتھ ہے: ”تم سب آپس میں مل کر رہا کریں“ مل کر آپس میں صلاح مشورہ کریں۔ ہم سب کے وچار یا من ایک سماں ہوں۔“

صلاح مشورہ کے لئے سہانہ نہیں ہوتی تھیں۔ لکھا ہے—

”ہے سپا! ہم تیرا نام پہلی ہیانت جانتے ہیں۔ تجھ میں منشیہ لکھتے ہوئے ہیں، تیرے جو بھی سپاہی ہیں، وہ سب سچ بولنے والے ہیں۔“

اِس سپا میں سب لوگوں کو برابر کا درجہ حاصل تھا اور اُنہیں کی جاتی تھی کہ یہی لوگ اُونچی اور سچی بات کہیں گے۔ لکھا ہے—

”جس سپا میں سب آدمی نہ چمکیں اور جس میں صرف

وہ آدمی نے اپنی شکتی اور سمجھ کے مطابق پرکرتی کو بھی تبدیل کیا اور اُس نے اپنے آپ کو بھی وچاروں اور بہانوں میں بدلا۔ وہ سورج سے گرمی حاصل کرتا تھا، اُسے اپنے کھیتوں کو اگلے والا سمجھتا تھا، اور اُسے دیوتا سمجھے کہ ہل اور شکتی مارکتا تھا۔ صبح ہوتی تھی، تو وہ اُرشا کو دیکھ کر ناچ اُٹھتا تھا اور پھر قدرت کو اپنے مطلب کے لئے تبدیل کرنے کو کمر کس لیتا تھا۔

اُس زمانے میں آدمی آدمی میں پیوستہ نہیں تھا۔ گیان اور دھن سب کا ساچھا ہوتا تھا۔ لوگ جگہوں میں مل کر رہتے تھے۔ کسی کام کو کرنے سے پہلے آپس میں صلاح مشورہ کرتے تھے۔ ایک وید منتر کا آرتھ ہے: ”تم سب آپس میں مل کر رہا کریں“ مل کر آپس میں صلاح مشورہ کریں۔ ہم سب کے وچار یا من ایک سماں ہوں۔“

”ہے سپا! ہم تیرا نام پہلی ہیانت جانتے ہیں۔ تجھ میں منشیہ لکھتے ہوئے ہیں، تیرے جو بھی سپاہی ہیں، وہ سب سچ بولنے والے ہیں۔“

اِس سپا میں سب لوگوں کو برابر کا درجہ حاصل تھا اور اُنہیں کی جاتی تھی کہ یہی لوگ اُونچی اور سچی بات کہیں گے۔ لکھا ہے—

”جس سپا میں سب آدمی نہ چمکیں اور جس میں صرف

کا شیک ہے، وہ اسیسیریان کے بھی دیوتا تھے۔ پہلے پہل آدمی نے اپنے جیون کے آئینہ اور گیان کو دیو Mythology میں ہی لکھ کر دیا کیونکہ وہ اُس سے اپنے گیان کے بنیادی اصولوں کو نہیں سمجھتا تھا۔ دنیا کے بارے میں وہ اپنے گیان کو دیوتا کے نام سے لکھ کر دیتا تھا۔ آریہ جب ہندستان میں آئے تو وہ 'اندر' دن اور سوربہ آدمی دیوتاؤں کے روپ میں کچھ گیان اور کلچر اپنے ماتے لائے۔ اُن کے آنے سے پہلے بھی یہاں دراوڑ اور کول بستے تھے۔ ہر ہزاروں سال سے قدرت کے بارے میں جانکاری حاصل رہی ہے اور اُسے عمل میں لائے رہے تھے۔ اُن کا ایک کلچر تھا جو سندھ میں پھیل چلا گیا تھا۔ موہن جودھو اور ہڑپا کے کھنڈروں کی کھدائی سے پتہ چلا ہے کہ اُن کا کلچر بہت ترقی کر چکا تھا۔ روئی آگاتے تھے، کپڑے پہنتے تھے اور اپنے برتنوں اور دوسری چیزوں پر نقش کشی کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ موہن جودھو سے ایک رتکی کی صورتی ملی ہے جو بہت سندر ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اس سے بھی ناچانہ کی کلا بہت آگے بڑھی ہوئی تھی۔ آریوں نے اُن کے تجربے سے فائدہ اُٹھایا۔ انہوں نے اسیسیریان کے اپنے تجربے سے اُن لوگوں کے تجربے سے ملا کر ایک نئے کلچر کو جنم دیا۔ ان لوگوں نے پہلے اُن کے تجربے سے رہنا سہنا اور نئے تھنک سے رہنا سیکھا۔ ہندستان ایک وشال دیسی ہے۔ اُس کے میدانوں، دیوں اور پہاڑوں کا نئے آنے والوں پر اثر پڑنا ضروری تھا۔ نئے دیسی اور نئے حالات میں رہتے ہوئے اُن کی نظر بہت گہری اور بہت اونچلی ہو گئی۔ نظر بدلنے سے اُن کی دیسیا کے پرانے مٹی بدل گئے اور اُس میں نئے دیوتا بھی شامل ہوئے۔ اِس سے میں جن لوگوں نے کھج کی ہے اُن کا کہنا ہے کہ وشنو اور بالکل ہندستانی دیوتا ہیں۔ وشنو ایک ہرے ہرے سندر پہاڑ پر پرتیک ہیں اور شو ہرے سے تھکے گئے نئے پہاڑ کے پرتیک ہیں۔ اُن کے چلنے جب آریہ پہاڑوں سے اُتر کر میدانوں میں پہونچے اُن دیوتاؤں کے معنے اور بدلے۔ وشنو کھریاب اور خوشحال دگی کے اور شو ناکام اور نراش زندگی کے پرتیک بن گئے۔ اب اسی اور اُنک درشن الگ الگ ہونے لگا۔

مادی اور آتمک درشنوں کو شروع ہی سے سمجھ لینا ضروری ہے کیونکہ کلچر کو آگے بڑھانے میں اُن دونوں درشنوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ اور آج مادی درشن اور آتمک درشن میں زبردست تکرار ہو رہی ہے۔ اسی تکرار کا فیصلہ ہونا ہے۔

'ٹیکسٹ بک آف مارکسٹ فیلاسفی' میں لکھا ہے کہ شروع کا آدمی تباہی کی دنیا میں رہتا تھا۔ وہ اپنی سرکچھا تھک سمجھتا تھا۔ ایک تھک جسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں قدرت پر قابو پالنے کا ہے۔ ہم گھر بناتے ہیں، زراعت کرتے ہیں۔ آگ اور بجلی سے دشمنی نہیں کرتے۔

1 ذکر ہے، وہ اسیسیریان کے بھی دیوتا تھے۔ پہلے پہل آدمی نے اپنے جیون کے آئینہ اور گیان کو دیو Mythology میں ہی لکھ کر دیا کیونکہ وہ اُس سے اپنے گیان کے بنیادی اصولوں کو نہیں سمجھتا تھا۔ دنیا کے بارے میں وہ اپنے گیان کو دیوتا کے نام سے لکھ کر دیتا تھا۔ آریہ جب ہندستان میں آئے تو وہ 'اندر' دن اور سوربہ آدمی دیوتاؤں کے روپ میں کچھ گیان اور کلچر اپنے ماتے لائے۔ اُن کے آنے سے پہلے بھی یہاں دراوڑ اور کول بستے تھے۔ ہر ہزاروں سال سے قدرت کے بارے میں جانکاری حاصل رہی ہے اور اُسے عمل میں لائے رہے تھے۔ اُن کا ایک کلچر تھا جو سندھ میں پھیل چلا گیا تھا۔ موہن جودھو اور ہڑپا کے کھنڈروں کی کھدائی سے پتہ چلا ہے کہ اُن کا کلچر بہت ترقی کر چکا تھا۔ روئی آگاتے تھے، کپڑے پہنتے تھے اور اپنے برتنوں اور دوسری چیزوں پر نقش کشی کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ موہن جودھو سے ایک رتکی کی صورتی ملی ہے جو بہت سندر ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اس سے بھی ناچانہ کی کلا بہت آگے بڑھی ہوئی تھی۔ آریوں نے اُن کے تجربے سے فائدہ اُٹھایا۔ انہوں نے اسیسیریان کے اپنے تجربے سے اُن لوگوں کے تجربے سے ملا کر ایک نئے کلچر کو جنم دیا۔ ان لوگوں نے پہلے اُن کے تجربے سے رہنا سہنا اور نئے تھنک سے رہنا سیکھا۔ ہندستان ایک وشال دیسی ہے۔ اُس کے میدانوں، دیوں اور پہاڑوں کا نئے آنے والوں پر اثر پڑنا ضروری تھا۔ نئے دیسی اور نئے حالات میں رہتے ہوئے اُن کی نظر بہت گہری اور بہت اونچلی ہو گئی۔ نظر بدلنے سے اُن کی دیسیا کے پرانے مٹی بدل گئے اور اُس میں نئے دیوتا بھی شامل ہوئے۔ اِس سے میں جن لوگوں نے کھج کی ہے اُن کا کہنا ہے کہ وشنو اور بالکل ہندستانی دیوتا ہیں۔ وشنو ایک ہرے ہرے سندر پہاڑ پر پرتیک ہیں اور شو ہرے سے تھکے گئے نئے پہاڑ کے پرتیک ہیں۔ اُن کے چلنے جب آریہ پہاڑوں سے اُتر کر میدانوں میں پہونچے اُن دیوتاؤں کے معنے اور بدلے۔ وشنو کھریاب اور خوشحال دگی کے اور شو ناکام اور نراش زندگی کے پرتیک بن گئے۔ اب اسی اور اُنک درشن الگ الگ ہونے لگا۔

مادی اور آتمک درشنوں کو شروع ہی سے سمجھ لینا ضروری ہے کیونکہ کلچر کو آگے بڑھانے میں اُن دونوں درشنوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ اور آج مادی درشن اور آتمک درشن میں زبردست تکرار ہو رہی ہے۔ اسی تکرار کا فیصلہ ہونا ہے۔

'ٹیکسٹ بک آف مارکسٹ فیلاسفی' میں لکھا ہے کہ شروع کا آدمی تباہی کی دنیا میں رہتا تھا۔ وہ اپنی سرکچھا تھک سمجھتا تھا۔ ایک تھک جسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں قدرت پر قابو پالنے کا ہے۔ ہم گھر بناتے ہیں، زراعت کرتے ہیں۔ آگ اور بجلی سے دشمنی نہیں کرتے۔

دوسری پستک یجور-وید ہے۔ 'یجور' کا मतलब है—काम में लाना, अमल करना. इसलिये यजुर-वेद का मतलब है जानकारी या ज्ञान को अमल में लाना.

ऋग्वेद और यजुर्वेद के इन अर्थों से हम इन नतीजों पर पहुंचते हैं कि हिन्दुस्तान के शुरू के ब्राह्मणों—हमारे पूर्वजों ने—कुदरत के बारे में अधिक से अधिक जानकारी हासिल करने और उसे अमल में लाने की कोशिश की. इस तरह उन्होंने अपने कलचर को आगे बढ़ाया. ज्ञान के बारे में उनके मन में कोई तास्सुब नहीं था. जिस चीज को वह मुफ़ीद देखते थे उसी को अपना लेते थे और जिसे अपनाते थे, उस पर अमल करते थे. विद्वानों का कहना है कि वेदों के मंत्र ऋषियों ने बनाये या रचे नहीं, बल्कि देखे हैं. इसका भी यही मतलब हुआ कि वेदों के मंत्र कवि के विचार की उड़ान या कल्पना की चीज नहीं, बल्कि मनुष्य के तजुर्बे का निचोड़ है. उसने अपने जीवन में जो कुछ देखा और किया उसे मंत्रों में लिख दिया. जाहिर है कि आदमी जो कुछ देखता और करता है, उसे लिख देना आसान नहीं है. आदमी जो कुछ देखता है और करता है उसके साथ उसका अनजाने ही एक विमारी सम्बन्ध जुड़ जाता है और इस सम्बन्ध के जरिये वह अपने अंदर एक असर कबूल करता रहता है. यह असर जमा होते होते उसकी आत्मा में एक बीज सा बन जाता है. इस बीज में बहुत से बाहरी तत्व मिले होते हैं. जैसे बीज अंकुर फूटने से पहले ज़मीन के अन्दर एक अरसे तक पलता रहता है, यह बीज भी आदमी की आत्मा में परवरिश पाता रहता है, और एक दिन अचानक उसका खोल टूट कर अलग हो जाता है और उसमें से एक सुन्दर और कोमल अंकुर फूटता है—यह आदमी का ज्ञान या कलचर का फल होता है, जिसे वह मंत्र, छंद, शेर, नसर, मूर्ति या चित्र में जाहिर करता है. कलचर अतालबी शब्द Cultus से निकला है, जिसका मतलब है जोतना, अपने अन्दर बीज बोना.

वेदों के बनाने वाले बहुत से ऋषि थे. उनमें मर्द भी थे, औरतें भी. यानी वेद मनुष्य के सामे के ज्ञान का भंडार है. कोई भी मंत्र या शेर किसी भी एक आदमी के तजुर्बे का नतीजा नहीं होता. एक आदमी दूसरों के तजुर्बों से भी सीखता है. वह जो कुछ करते और कहते हैं, उससे असर लेता है. यह तजुर्बा और असर एक पीढ़ी से दूसरी पीढ़ी को विरासत में मिलता है. इसलिये ऋषियों ने जो वेद मन्त्र देखे थे, वह उन सब मनुष्यों के तजुर्बे का निचोड़ थे जो उस समय तक कुदरत की जानकारी हासिल करने और उसे अमल में लाने के लिये जुझते रहे थे.

इतिहासकारों का कहना है कि आर्य लोग असीरिया से आये थे क्योंकि वेदों में जिन इन्द्र और बरुन आदि देवताओं

दوسری پستک یجور-وید ہے. 'یجور' کا مطلب ہے—کام میں لانا, عمل کرنا. اس لئے یجور-وید کا مطلب ہے—جانکاری یا معلومات میں لانا.

مذکورہ وید اور یجور وید کے ان آیتوں سے ہم ان نتیجوں پر پہنچتے ہیں کہ ہندوستان کے شروع کے باشندوں—ہمارے پورچوں کے بارے میں ادب سے ادب جانکاری حاصل کرنے کے لئے عمل میں لانے کی کوشش کی. اس طرح انہوں نے اپنے کچر کو آگے بڑھایا. گیان کے بارے میں ان کے من میں کوئی شبہ نہیں تھا. جس چیز کو وہ منہ نہ دیکھتے تھے اُسی کو مانگتے تھے اور جسے اپناتے تھے اس پر عمل کرتے تھے. وہ انہوں کو کہتا ہے کہ ویدوں کے منتر رشیوں نے بنائے یا رچے نہیں، بلکہ دیکھے ہیں. اس کا یہی یہی مطلب ہوا کہ ویدوں کے منتر کوئی بچہ یا اُڑان یا کلپنا کی چیز نہیں، بلکہ منشیہ کے تجربے کا پتہ ہے. اُس نے اپنے جیوں میں جو کچھ دیکھا اور کیا اُسے منتروں میں لکھ دیا. ظاہر ہے کہ آدمی جو کچھ دیکھتا اور کرتا ہے، اُسے ہم دینا آسان نہیں ہے. آدمی جو کچھ دیکھتا ہے اور کرتا ہے اس کے ساتھ اُس کا انجانے ہی ایک جماعتی سمبندھ جڑ جاتا ہے. یہ اس سمبندھ کے ذریعہ وہ اپنے اندر ایک اثر قبول کرتا رہتا ہے. یہ اثر جمع ہوتے ہوتے آتما میں ایک بیج سا بن جاتا ہے. یہ بیج میں بہت سے باقوی نگو ملے ہوتے ہیں. جیسے بیج بکھر پھوٹنے سے پہلے زمین کے اندر ایک عرصے تک پلٹا رہتا ہے، یہ بیج بھی آدمی کی آتما میں پرورش پاتا رہتا ہے اور ایک دن چانک اُس کا خول ٹوٹ کر الگ ہو جاتا ہے اور اُس میں سے ایک سادہ اور کھل اُنکو پھوٹتا ہے—یہ آدمی کا گیان یا کلچر کا مل ہوتا ہے، جیسے وہ منتر، چھند، شعر، نثر، مورتی یا چتر میں ظاہر کرتا ہے. کلچر اطالوی شبد Cultus سے نکلا ہے، جسکا مطلب ہے جوٹنا، اپنے اندر بیج ہونا.

ویدوں کے بنانے والے بہت سے رشی تھے. انہیں مرد بھی تھے، عورتیں بھی. یعنی وید منشیہ کے ساجے کے گیان کا ہنڈار ہے. کوئی ہی منتر یا شعر کسی بھی ایک آدمی کے تجربے کا نتیجہ نہیں ہوتا. ایک آدمی دوسروں کے تجربوں سے بھی سیکھتا ہے. وہ جو کچھ کرتے اور کہتے ہیں، اُس سے اثر لیتا ہے. یہ تجربہ اور اثر ایک پیڑھی سے دوسری پیڑھی کو وراثت میں ملتا ہے. اس لئے رشیوں نے جو وید منتر دیکھے تھے، وہ ان سب منشیہوں کے تجربے کا نتیجہ تھے جو اُس سے تک قدرت کی جانکاری حاصل کرنے اور اُسے عمل میں لانے کے لئے جوچتے رہے تھے.

اُنہیں لوگوں کا کہنا ہے کہ آریہ لوگ اسیریا سے آئے تھے کیونکہ ویدوں میں جن اندر اور وہ آدمی دیوتاؤں



## ہندوستانی کالچر

(ہنسراج رھبر)

[ پچھلے سال ہندوستانی کالچر سوسائٹی نے ہندوستانی کالچر پر انعامی لیکر لکھائے تھے۔ تیس ورائٹوں نے اس پرتی ہوگتا میں بھاگ لیا تھا۔ دیس کے تین نمندار اور بڑے ورائٹ ان جج بنائے گئے تھے۔ انہوں نے محنت سے سارے لیکروں کو پڑھ کر اپنا نرنے دیا ہے۔ ان لیکروں میں سے کئی کو انعام ملا ہے۔ چاہئے یہ تھا کہ ان لیکروں کو پہلے چھاپا جاتا جن کو انعام ملا ہے۔ لیکن وہ سب لیکر انگریزی میں ہیں اور انوراد کرنے میں سے لگے گا۔ اس لئے ہم پہلے ان لیکروں کو چھاپ رہے ہیں جو ہندی اور اردو میں ہیں۔

ان لیکروں میں جو وچار ظہر کئے گئے ہیں ان کا ’نویا ہند‘ سے کوئی سبندہ نہیں ہے۔ اس پرتی ہوگتا میں ہر وچار دھارا کے لوگوں نے بھاگ لیا ہے اور اسی لئے ان لیکروں میں ہر وچار دھارا پڑھنے کو ملے گی۔ ہم ’نویا ہند‘ کے پاتھروں کے سامنے یہ سامگری اس لئے پیش کر رہے ہیں کہ وہ سب وچاروں کو سامنے رکھ کر اپنا وچار بناسکیں اور صحیح کالچر کی روپ رکھا سامنے آ سके—ایڈیٹر ]

✽

✽

✽

✽

✽

✽

میرا خیال ہے کہ پرکرتی کے بارے میں ادھک سے ادھک جانکاری حاصل کرنا اور اسے عمل میں لانے کا نام کالچر ہے۔

جس دھش یا جاتی نے پرکرتی کے بارے میں جتنی ادھک جانکاری حاصل کی اور اپنے جیون میں اس جانکاری پر جتنا عمل کیا اتنا ہی اس کا کالچر اگے بڑھا اور اس دھش یا جاتی کی ترقی ہوئی۔

ہندستان نے پرکرتی کے بارے میں دھیرے دھیرے جتنا گون حاصل کیا اور اس گیان کو اپنے عملی جیون میں ڈھالا اسی کا نام ہندستانی کالچر ہے۔

وید—ہندستان کے شورو کے بارشیدوں—آریوں کے، جنان کے بڈار ہیں اور وہ دنیا کی سب سے پرانی پستکیں مانی جاتی ہیں۔ وید شبد ’وید‘ دھاتو سے بنا ہے، جسکا मतलब ہے—جاننا۔ ویدوں میں بھی سب سے پہلی پستک رگ وید ہے۔ ’رگ‘ کا मतलब ہے—نےچر یا پرکرتی، اور وید کا मतलब ہم پہلے بتا چکے ہیں—جانکاری۔ اسلئے رگ وید کا मतलब हुआ—कुदरत के बारे में जानकारी۔

وید—ہندستان کے شروع کے باشندوں—آریوں کے، گیان کے بڈار ہیں اور وہ دنیا کی سب سے پرانی پستکیں مانی جاتی ہیں۔ وید شبد ’وید‘ دھاتو سے بنا ہے، جسکا मतलब ہے—جاننا۔ ویدوں میں بھی سب سے پہلی پستک رگ وید ہے۔ ’رگ‘ کا मतलब ہے—نےچر یا پرکرتی، اور وید کا मतलब ہم پہلے بتا چکے ہیں—جانکاری۔ اس لئے رگ وید کا मतलब हुआ—कुदरत के बारे में जानकारी۔

وید—ہندستان کے شروع کے باشندوں—آریوں کے، گیان کے بڈار ہیں اور وہ دنیا کی سب سے پرانی پستکیں مانی جاتی ہیں۔ وید شبد ’وید‘ دھاتو سے بنا ہے، جسکا मतलब ہے—جاننا۔ ویدوں میں بھی سب سے پہلی پستک رگ وید ہے۔ ’رگ‘ کا मतलब ہے—نےچر یا پرکرتی، اور وید کا मतलब ہم پہلے بتا چکے ہیں—جانکاری۔ اس لئے رگ وید کا मतलब हुआ—कुदरत के बारे में जानकारी۔

وید—ہندستان کے شروع کے باشندوں—آریوں کے، گیان کے بڈار ہیں اور وہ دنیا کی سب سے پرانی پستکیں مانی جاتی ہیں۔ وید شبد ’وید‘ دھاتو سے بنا ہے، جسکا मतलब ہے—جاننا۔ ویدوں میں بھی سب سے پہلی پستک رگ وید ہے۔ ’رگ‘ کا मतलब ہے—نےچر یا پرکرتی، اور وید کا मतलब ہم پہلے بتا چکے ہیں—جانکاری۔ اس لئے رگ وید کا मतलब हुआ—कुदरत के बारे में जानकारी۔

وید—ہندستان کے شروع کے باشندوں—آریوں کے، گیان کے بڈار ہیں اور وہ دنیا کی سب سے پرانی پستکیں مانی جاتی ہیں۔ وید شبد ’وید‘ دھاتو سے بنا ہے، جسکا मतलब ہے—جاننا۔ ویدوں میں بھی سب سے پہلی پستک رگ وید ہے۔ ’رگ‘ کا मतलब ہے—نےچر یا پرکرتی، اور وید کا मतलब ہم پہلے بتا چکے ہیں—جانکاری۔ اس لئے رگ وید کا मतलब हुआ—कुदरत के बारे में जानकारी۔

जात आदमी, प्रेम धर्म है, हिन्दुस्तानी बोली,  
'नया हिन्द' पढ़ूँगे घर-घर लिये प्रेम की मोली.

जात آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پڑھیں گے گھر-گھر لیے پریم کی جھولی.

## “किसान राजा”

( जुबैर रिखवी )

मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी  
ऊँचे परबत मेरे हैं यह नीली छतरी मेरी  
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी  
रंग बिरंगे पेड़ों की यह मूमती डारें मेरी  
खलियानों पर मेरा कब्जा धान की बालें मेरी  
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी  
खेत हैं मेरे, सागर मेरा, चंचल लहरे मेरी  
मस्त पवन, घनघोर घटाएँ, ऊदी मीलें मेरी  
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी  
फूल, शगूँके, कच्ची कलियाँ, हरी भरी फुलवारी  
खेल का हर हर पौदा मेरा गुलशन की हर क्यारी  
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी  
धरती के सीने में मैंने अपना खून समोया  
तपसी धूप में नाज उगाने बीज यह मैंने बोया  
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी  
अपने घर में भूक उगाई जग में हुन बरसाया  
महलों को उजियारा बरशा कुटिया को अधियारा  
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी  
दाना दाना आज मगर है एक उपी तलवार  
वेहसा वेगी सारे जग को आज मेरी ललकार  
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी  
ढाली ढाली पत्ती पत्ती पर है मेरा अधिकार  
मुस्कान है आज बरांती फसल खड़ी तैयार  
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी

## “کسان راجہ”

( زبیر رضوی )

میں راجہ ہوں اس نگرے کا ساری دھرتی میری  
اُونچے پریت میرے ہیں یہ نیلی چھتری میری  
میں راجہ ہوں اس نگرے کا ساری دھرتی میری  
رنگ برنگے پہڑوں کی یہ جھمکتی ڈاریں میری  
کھلیانوں پر مہرا قبضہ دھان کی بالیں میری  
میں راجہ ہوں اس نگرے کا ساری دھرتی میری  
کھیت ہیں میرے، ساگر مہرا، چانچل لہریں میری  
مست پون، گھنگھور گھٹائیں، اُردی جھیلیں میری  
میں راجہ ہوں اس نگرے کا ساری دھرتی میری  
پہول، شکوئے، کچی کلیاں، ہری بھری پہلواڑی  
کھیت کا ہر ہر پودا میرا گلشن کی ہر کیاری  
میں راجہ ہوں اس نگرے کا ساری دھرتی میری  
دھرتی کے سینے میں میں نے اپنا خوں سمویا  
تپتی دھوپ میں ناچ اُگلے بیج یہ میں نے بويا  
میں راجہ ہوں اس نگرے کا ساری دھرتی میری  
اپنے گھر میں بھوک اُگتی جگ میں ہن برسایا  
موتلوں کو اُچھارا بغشا کٹیا کو اُتھھارا  
میں راجہ ہوں اس نگرے کا ساری دھرتی میری  
دانہ دانہ آج مگر ہے ایک اُپی تلوار  
دھم دھم کی سارے جگ کو آج میری للکار  
میں راجہ ہوں اس نگرے کا ساری دھرتی میری  
ڈالی ڈالی پتی پتی پر ہے مہرا اُتھھار  
مسکاتے ہیں آج درائتی فصل کھڑی تیار  
میں راجہ ہوں اس نگرے کا ساری دھرتی میری

नया हिन्द  
हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

क

माहवारी परचा

सितम्बर-अक्टूबर 1954

नया हिन्द  
हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

क

माहवारी परचा

सितम्बर-अक्टूबर

क्या किस से

सफा सफा

क्या किस से

1. "किसान राजा" ( कविता )—जुबैर रिजवी ... 123 ...
2. हिन्दुस्तानी कलचर—इंसराज रहवर ... 124 ...
3. बेकारी का हल—डाक्टर बी. बी. सिंह ... 141 ...
4. योजना के तीन साल—सुरेशराम भाई ... 148 ...
5. मदिरालय में ( कहानी )—लेखक लु-शुन—अनु-  
वादक कामेश्वर अम्बवाल ... 155 ...
6. सूडान—जमीर हसन काजिमी ... 165 ...
7. बोली—एक इतिहास ( तबारीख )—मदन गोपाल ... 171 ...
8. कुछ किताबें ... 175 ...
9. हमारी राय— ... 177 ...

1. "किसान राजा" ( कविता )—जुबैर रिजवी
2. हिन्दुस्तानी कलचर—इंसराज रहवर
3. बेकारी का हल—डाक्टर बी. बी. सिंह
4. योजना के तीन साल—सुरेशराम भाई
5. मदिरालय में ( कहानी )—लेखक लु-शुन—अनु-  
वादक कामेश्वर अम्बवाल
6. सूडान—जमीर हसन काजिमी
7. बोली—एक इतिहास ( तबारीख )—मदन गोपाल
8. कुछ किताबें
9. हमारी राय—

देश की मांग—सुरेशराम भाई; चार मैडिल !—  
सुरेशराम भाई; "वैलक्रेअर स्टेट" बनाम  
ग्रामराज—सुरेशराम भाई; बाढ़ पीड़ित दरभंगा  
में—सुरेशराम भाई; नई लड़ाई नये सिपाही—  
सुरेशराम भाई.

देश की मांग—सुरेशराम भाई; चार मैडिल—सुरेशराम  
भाई; "वैलक्रेअर स्टेट" बनाम ग्रामराज—सुरेशराम  
भाई; बाढ़ पीड़ित दरभंगा में—सुरेशराम भाई; नई लड़ाई नये सिपाही—  
सुरेशराम भाई.

कीमत—हिन्दुस्तान में छै रुपया साल, बाहर दस रुपया साल,  
एक परचा—दस आने.

कीमत—हिन्दुस्तान में छै रुपया साल, बाहर दस रुपया साल,  
एक परचा—दस आने.

मैनेजर

'नया हिन्द'

145, मुहरीगंज, इलाहाबाद.

मैनेजर

'नया हिन्द'

145, मुहरीगंज, इलाहाबाद.



नई किताब

## गंगा में गोमती तक

..... 'गोमती की कर्मागिरि का विजय' इत्यादि शैली में है। भाषा तो पढ़ा लिखा आदमी उन्हें बिना किसी का मदद के समझ सकता है। सरस्वती के साथ साथ में जंगल और जंगल-बाढ़ों का भी उल्लेख है। इनमें नए-नए पात्रों के चरित्रों में अनेकता है।

इन कहानियों में राजा भी है, इत्यादि भी है। कहीं हमने हमने पेट में बल पड़े, तो कहीं पढ़ा-लिखा बाप दुःख में मर्त्यमन रह जाय। गोमती की कर्मागिरि राजा का मूल भावनाएँ जगाती है, इसे अन्त में समाप्त कर देता है।

— सैतन नया हिन्द

..... 'गंगा (गोमती) गंगा माक काया' गाने है, समाज की सम्मेलन चाहते हैं, इससे यह गाना की कामना की जाय है और ऐसा सुनाना कि नए करती चली जाय। यह कहानियाँ जगद जगद समाज ध्यान समाज में होने वाले अन्धकारों और अन्धकारों की दूर करती हैं। समाज की कहानियों में एक सीधी अर्थव्यवस्था है, जो अच्छी लगती है।

— सैतन नया हिन्द

जगभग हिन्दू के समाज बड़े जगभगों में 'गंगा में गोमती' की तरफ है।

'गंगा में गोमती तक' में १२० सफेद हैं, जिनका सुन्दर कवर, चढ़िया तिलक दास केवल दो रुपया, जल्दी आइए भोजिये।

— सैतन नया हिन्द

मिलने का पता —

सैतन 'नया हिन्द' 145, मुद्दीगंज, इलाहाबाद.

## गंगा से गोमती तक

..... 'गंगा से गोमती तक' का विषय है। इसमें राजा भी है, इत्यादि भी है। कहीं हमने हमने पेट में बल पड़े, तो कहीं पढ़ा-लिखा बाप दुःख में मर्त्यमन रह जाय। गोमती की कर्मागिरि राजा का मूल भावनाएँ जगाती है, इसे अन्त में समाप्त कर देता है।

इन कहानियों में राजा भी है, इत्यादि भी है। कहीं हमने हमने पेट में बल पड़े, तो कहीं पढ़ा-लिखा बाप दुःख में मर्त्यमन रह जाय। गोमती की कर्मागिरि राजा का मूल भावनाएँ जगाती है, इसे अन्त में समाप्त कर देता है।

— सैतन नया हिन्द

..... 'गंगा (गोमती) गंगा माक काया' गाने है, समाज की सम्मेलन चाहते हैं, इससे यह गाना की कामना की जाय है और ऐसा सुनाना कि नए करती चली जाय। यह कहानियाँ जगद जगद समाज ध्यान समाज में होने वाले अन्धकारों और अन्धकारों की दूर करती हैं। समाज की कहानियों में एक सीधी अर्थव्यवस्था है, जो अच्छी लगती है।

— सैतन नया हिन्द

जगभग हिन्दू के समाज बड़े जगभगों में 'गंगा में गोमती' की तरफ है।

'गंगा में गोमती तक' में १२० सफेद हैं, जिनका सुन्दर कवर, चढ़िया तिलक दास केवल दो रुपया, जल्दी आइए भोजिये।

— सैतन नया हिन्द

मिलने का पता — सैतन 'नया हिन्द' 145, मुद्दीगंज, इलाहाबाद.

## هندستانی کلچر سوسائٹی

**मकमद**

(1) एक ऐसी हिन्दुस्तानी कलचर का बढाना, फैलाना और प्रचार करना जिसमें सब हिन्दुस्तानी शामिल हों.

(८) एकता फैलाने के लिये किताबों, अखबारों, रिसालों वगैरह का छापना.

(५) पढ़ाई घरों, किताब घरों, समाजों, कानफरेन्सों, लेक्चरों से सब धर्मों, जातों, बिरादरियों और फिर्कों में आपस का मेल बढ़ाना.

—: 2 :—

सांसाइटी के प्रेसीडेन्ट—मि० अब्दुल मजीद ख्वाजा;  
वाइस प्रेसीडेन्ट—डा० भगवानदास और डा० अब्दुल  
हक़. गवर्निंग बाडी के प्रेसीडेन्ट—डा० भगवानदास;  
सेक्रेटरी—पं० सुन्दरलाल.

**गवर्निंग बाडी के और मेम्बर—**

डा० सैयद महमूद, डा० तागचन्द, मौलवी सैयद  
मुल्मान नदवी, मि० मंजर अली सोरूता, श्री बी० जी०  
मेर, पं० विशम्भर नाथ, महात्मा भगवानदीन, सेठ पूनम  
चन्द गंका, क्राप्पी मोहम्मद अब्दुल राफ़ार और श्री आंम  
प्रकाश पालीवाल.

संस्थानों के कार्यदों के लिये लिखिये—

**सुन्दरलाल**

सेक्रेटरी, हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

145, मुट्ठीगंज, इलाहाबाद

नोट—सोसाइटी के नए क़ायदे के अनुसार मेम्बरी की फ़ीस सिर्फ़ एक रुपया कर दी गई है, “नया हिन्द” जो ग़ाहक मेम्बर बनना चाहें उनको सिर्फ़ छैं रुपया दाने देने पर ही मेम्बर बना लिया जायेगा, अलग से मेम्बरी की फ़ीस देने वाले सोसाइटी की निकली हुई कोई जाब जो एक रुपया दाम की होगी मुक्त ले सकेंगे या ग़दा दाम की किताबें लेने पर एक बार एक रुपया कम ले सकेंगे.

**Signature**

(1) ایک ایسی ہندستانی کلچر کا بڑھانا، پہچانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندستانی شامل ہوں۔

(2) ایکتا پھیلانے کے لئے کتابوں، اخباروں، رسائل وغیرہ کا چھاپنا۔

(3) پڑھائی گھروں، کتاب گھروں، سبھاؤں، کانفرنسوں، لکچروں سے سب دھڑسوں، جانوں، ہوا دیوں اور فرقوں میں آپس کا مہل پھانا۔

— 100 —

سوسائٹی کے پریہڈنٹ — مسٹر عبدالمجید خواجہ:  
 وائس پریسڈنٹ — ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبدالحق .  
 ٹورلنگ ہائی کے پریسڈنٹ — ڈاکٹر بھگوان داس:  
 سکریٹری — یلخت سنگر لال .

گورننگ باقی کے اور ممبر —

ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر نارا چند، مولوی سید  
 سلیمان ندوی، مسٹر مظہر علی سجڈا، شری بی. جی  
 کھر، یگانہ بشمبہر ناتھ، مہاتما بھگوان دین، سیٹھ یونم  
 چند رائے، قاضی محمد عبدالغفار اور شری اوم پرکاش  
 پالہوال۔

مسبوقہ کے قاعدوں کے لئے لکھئے۔

سید و لال

145۔ منہی گنج، الہ آباد۔

نوٹ—سوسائٹی نے نئے قاعدے کے انوسار ممبری کی فیس صرف ایک روپیہ کر دی گئی ہے۔ ”نہا ہند“ کے جو لاکھ ممبر بننا چاہیں اُن کو صرف چھ روپیہ چلندہ دینے پر ہی ممبر بنا لیا جائیگا۔ الگ سے ممبری کی فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو ایک روپیہ دام کی ہوئی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام کی کتابیں لینے پر ایک بار ایک روپیہ کم کرنا سکیں گے۔



# 

नोट:—यह किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं

नोट:—ये किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं

| नाम किताब                       | लेखक   | राम   | लिकर   | नाम किताब                       |
|---------------------------------|--|-------|--|---------------------------------|
| 1. शेर और शायरी                 | श्री अयोध्या प्रसाद गोयली  | 8 0 0 | श्री अयोध्या प्रसाद गोयली  | 1. शेर और शायरी                 |
| 2. शेर और सुखन                  | "  | 8 0 0 | "  | 2. शेर और सुखन                  |
| 3. गहरे पानी पैठ                | "  | 2 8 0 | "  | 3. गहरे पानी पैठ                |
| 4. हमारे आराध्य                 | श्री बनारसीदास जतुर्वेदी   | 3 0 0 | श्री बनारसीदास जतुर्वेदी   | 4. हमारे आराध्य                 |
| 5. संस्मरण                      | "  | 3 0 0 | "  | 5. संस्मरण                      |
| 6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां | श्री जगदीशचन्द्र जैन   | 3 0 0 | श्री जगदीशचन्द्र जैन   | 6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां |
| 7. ज्ञान गंगा                   | श्री नारायण साद जैन  | 6 0 0 | श्री नारायण साद जैन  | 7. ज्ञान गंगा                   |
| 8. पथ चिन्ह                     | श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी   | 2 0 0 | श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी   | 8. पथ चिन्ह                     |
| 9. पंच प्रदीप                   | शान्ति एम. ए.  | 2 0 0 | शान्ति एम. ए.  | 9. पंच प्रदीप                   |
| 10. आकाश के तारे धरती के फूल    | श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर  | 2 0 0 | श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर  | 10. आकाश के तारे धरती के फूल    |
| 11. मुक्ति दूत                  | श्री बीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.  | 5 0 0 | श्री बीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.  | 11. मुक्ति दूत                  |
| 12. मिलन यामिनी                 | श्री बरचन  | 4 0 0 | श्री बरचन  | 12. मिलन यामिनी                 |
| 13. रजत रश्मि                   | डाक्टर रामकुमार वर्मा  | 2 8 0 | डाक्टर रामकुमार वर्मा  | 13. रजत रश्मि                   |
| 14. मेरे बापू                   | श्री तन्मय बुखारिया  | 2 8 0 | श्री तन्मय बुखारिया  | 14. मेरे बापू                   |
| 15. विश्व संघ की ओर             | पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला  | 3 0 0 | पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला  | 15. विश्व संघ की ओर             |
| 16. भारतीय अर्थशास्त्र          | श्री भगवानदास केला   | 5 0 0 | श्री भगवानदास केला   | 16. भारतीय अर्थशास्त्र          |
| 17. भारतीय शासन                 | "  | 3 0 0 | "  | 17. भारतीय शासन                 |
| 18. नागरिक शास्त्र              | "  | 2 4 0 | "  | 18. नागरिक शास्त्र              |
| 19. साम्राज्य और उनका पतन       | "  | 2 8 0 | "  | 19. साम्राज्य और उनका पतन       |
| 20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन    | "  | 1 4 0 | "  | 20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन    |
| 21. सर्वोच्च अर्थ व्यवस्था      | "  | 1 8 6 | "  | 21. सर्वोच्च अर्थ व्यवस्था      |
| 22. हमारी आदिम जातियां          | श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय                                     | 3 8 0 | श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय                                     | 22. हमारी आदिम जातियां          |
| 23. अर्थशास्त्र शब्दावली        | श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अम्बिष्ट, भगवानदास केला | 2 0 0 | श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अम्बिष्ट, भगवानदास केला | 23. अर्थशास्त्र शब्दावली        |
| 24. नागरिक शिक्षा               | भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे  | 1 8 0 | भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे  | 24. नागरिक शिक्षा               |
| 25. राष्ट्र मंडल शासन           | श्री दयाशंकर दुबे  | 1 8 0 | श्री दयाशंकर दुबे  | 25. राष्ट्र मंडल शासन           |
| 26. जपानी                       | महात्मा भगवानदास   | 3 0 0 | महात्मा भगवानदास   | 26. जपानी                       |
| 27. मारने की हिम्मत !           | "  | 1 0 0 | "  | 27. मारने की हिम्मत !           |
| 28. सखीना सच                    | "  | 0 8 0 | "  | 28. सखीना सच                    |
| 29. मेरे साथी                   | "  | 1 0 0 | "  | 29. मेरे साथी                   |

मिलने का पता—

मैनेजर 'नया हिन्द'

145, इंदिरा, इलाहाबाद-3.

मैनेजर 'नया हिन्द'

145, इंदिरा, इलाहाबाद-3.

## शंकार

सम्पादक—श्री रघुपति सहाय 'फिराक'

पिछले पन्नाह बरस से आज तक की उर्दू की चुनी हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़ कर आप को मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह खयाली दुनिया को छोड़ कर अस्मिता की सचाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है। आज की उर्दू शायरी गुल व गुलबुल और वस्ल व फिराक तक ही सीमित नहीं है, अब आप को उर्दू कविता में किसानों और मजदूरों के दिलों की धड़कनें सुनाई देंगी। गलामी, अन्याय और लूट लसोट के खिलाफ आप ये सी आवाज सुनेंगे जो आपके दिल की गहराइयों को छुएगी।

"इन कविताओं में अन्तराष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों मूलकें मिलती हैं.....सजीव तथा साकार".....वास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उर्दू साहित्य के आधुनिक दौर में अद्वितीय..."

23-2-52 —'रोखाना 'लोकवाणी' जयपुर

"जहाँ तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्च स्तर की हैं."

6. 3. '52 —'विशाल भारत' कलकत्ता

"संसार में प्रकाशित 72 उर्दू की कविताएं आज ही के युग की समस्याओं से ओत प्रोत हैं."

17-2-52 —'नव भारत टाइम्स' दिल्ली

"हिन्दी के पाठक स्नेह और चाव से इस संग्रह का आनन्द लेंगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है."

13-1-52 —'असूत पत्रिका' इलाहाबाद

"हम उन की (कविताओं की) शक्ति, ताजगी और सूत्र के फायदा हैं। यह एक नए युग का सन्देश देती हैं...भाषा अधिकतर सरल और बामहावरा है। कहीं कहीं तो ठेठ हिन्दी है."

8-5-52 —'जीवन साहित्य' दिल्ली

"संसार की रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा विशुद्ध बोल बाल के निकट है"—'नया समाज' कलकत्ता

नागरी लिखावट में ऐसा भरपूर उर्दू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला। सुन्दर लिपि, बढ़िया काराख, उम्दा बर्णन, दाम बिक्री तीन रुपये। इस किताबों की एक साथ सस्ती पर पचास की खरीद कमीशन।

बिजनेस का पता—

शंकार 'नया हिन्द' 145, मुहोबाज, इलाहाबाद.

## जहेनकार

सम्पादक—श्री रघुपति सहाय 'फिराक'

"जहेनकार" पंद्रह बरस से आज तक की उर्दू की चुनी हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़ कर आपको मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह खयाली दुनिया को छोड़ कर अस्मिता की सचाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है। आज की उर्दू शायरी गुल व गुलबुल और वस्ल व फिराक तक ही सीमित नहीं है, अब आप को उर्दू कविता में किसानों और मजदूरों के दिलों की धड़कनें सुनाई देंगी। गलामी, अन्याय और लूट लसोट के खिलाफ आप ये सी आवाज सुनेंगे जो आपके दिल की गहराइयों को छुएगी।

"इन कविताओं में अन्तराष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों मूलकें मिलती हैं.....सजीव तथा साकार".....वास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उर्दू साहित्य के आधुनिक दौर में अद्वितीय..."

23-2-52 —'रोखाना 'लोकवाणी' जयपुर

"जहाँ तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्च स्तर की हैं."

6-3-52 —'विशाल भारत' कलकत्ता

"संसार में प्रकाशित 72 उर्दू की कविताएं आज ही के युग की समस्याओं से ओत प्रोत हैं."

17-2-52 —'नव भारत टाइम्स' दिल्ली

"हिन्दी के पाठक स्नेह और चाव से इस संग्रह का आनन्द लेंगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है."

13-1-52 —'असूत पत्रिका' इलाहाबाद

"हम उन की (कविताओं की) शक्ति, ताजगी और सूत्र के फायदा हैं। यह एक नए युग का सन्देश देती हैं...भाषा अधिकतर सरल और बामहावरा है। कहीं कहीं तो ठेठ हिन्दी है."

8-5-52 —'जीवन साहित्य' दिल्ली

"संसार की रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा विशुद्ध बोल बाल के निकट है"—'नया समाज' कलकत्ता

नागरी लिखावट में ऐसा भरपूर उर्दू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला। सुन्दर लिपि, बढ़िया काराख, उम्दा बर्णन, दाम बिक्री तीन रुपये। इस किताबों की एक साथ सस्ती पर पचास की खरीद कमीशन।

बिजनेस का पता—

शंकार 'नया हिन्द' 145, मुहोबाज, इलाहाबाद.

## गांधी बाबा

लेखक—कुदसिया खैदी

दो शब्द—जवाहरलाल नेहरू

यह अनमोल किताब जन्म से बलिदान तक की गांधी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी। हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माप अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं। इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं। बेगम कुदसिया खैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधीजी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है। हिन्दी में गांधीजी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है। इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी।

पंडित जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

"उन्होंने (कुदसिया खैदी ने) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है। वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझती। उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्व की और प्यारी चीज है...मुझे खुशी है कि यह किताब लिखी गई है।"

मोटे कागज पर, मोटे टाइप में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, आर्ट पेपर पर सुन्दर रंगीन कवर और वफ़्ती की मजबूत जिल्द—दाम केवल दो रुपये

## भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर्दू और हिन्दुस्तानी की तफ़्दार पर एक बे लाग राब इस किताब में आपको मिलेगी। राष्ट्र भाषा के सवाल में बिलचस्प रखने वाले हर आई-वहने को इस किताब के पढ़ने से फायदा होगा—सोचने की राहें सूझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी।

क़रीब सवा सौ सत्रों की सुन्दर किताब, दाम केवल दो रुपये मिलने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द'

## ग़न्धे बाबा

लेखक—लक्ष्मण खैदी

दो शब्द—जवाहर लाल नेहरू

ये अनमोल किताब जन्म से बलिदान तक की ग़न्धे जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी। हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माप अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं। इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं। बेगम कुदसिया खैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में ग़न्धे जी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है। हिन्दी में ग़न्धे जी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है। इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी।

पंडित जवाहर लाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

"अनेहों (लक्ष्मण खैदी) ने यह जीवनी सी

किताब सच्चे दिल से लिखी है। وہ اے صرف ایک

کتاب نہیں سمجھتیں۔ اُن کے لئے گاندھی جی

کی کہانی ایک بہت ہی مہتم کی اور بھاری چیز

ہے.....مجھے خوشی ہے کہ یہ کتاب لکھی گئی ہے۔"

موتے کاغذ پر، موتے ٹائپ میں، بہت سی رنگین

تصویریں، آرت پیپر پر سندھ رنگین کور اور دھاتی کی

مضبوط جلد—دाम केवल दो रुपये

## بھاشا

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर्दू और हिन्दुस्तानी की तफ़्दार पर एक बे लाग राब इस किताब में आपको मिलेगी। राष्ट्र भाषा के सवाल में बिलचस्प रखने वाले हर आई-वहने को इस किताब के पढ़ने से फायदा होगा—सोचने की राहें सूझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी।

क़रीब सवा सौ सत्रों की सुन्दर किताब, दाम केवल दो रुपये

मिलने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द'

## مہاتما گاندھی کی بستییت

لکھک—آری منکر اہلی سوکھا

آپنے دہانت سے کھڑے پھلے مہاتما گاندھی نے کانگریس کو لوک سوا سکر مہن بدل دیلے کے لئے اپنی سچوڑ لکھی تھی۔ یہ دیس کے نام انکی آخری وصیت ہے اور سکی دیاکھا گاندھی جی کے پرم بھکت شری ملطز علی سوکھا نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھنے اور اپنالے والے ہمیں کے لئے کلمے لوگوں مہن سے ایک مہن .

گاندھیواہ کو سمجھنے کے لیلے اسکا پدنا بھٹ پکری ہے۔ 225 سکرے کی سوندر جیلڈ بڈھی کیتااب کی کرمات سیک دو رپپ .

## اھنساکمک انکلااب کا راستا

لکھک—آری منکر اہلی سوکھا

اس آوڈی سی کیتااب کو پڈ کر آپکو پتا چلےگا کي مہاتما گاندھی بکھا چاھتے آے اور کيس तरह उनके راستے پر چل کر اھنساکمک اڈگ سے ديش مے انکلااب لایا جا سکتا ہے .

پئیس پنے کی کیتااب، دام سیرک چار آانے .

## آج کے شہید

سمنپاڈک—آری رتن لال بंसल

آن بھادروں کی کھانیاں جینھنے ویدیشی اھکیموں کی فیلای فوٹ کی آاگ مے انسائیت کو اھسم آوتے آک آن کی آی دیر ن کی اور آسے بومآنے کی کوشیش مے آپنی جان کھربان کر دی . دام سیرک ڈاڑ رپپا .

## مسلم ديش بھکت

لکھک—آری رتن لال بंसल

آن مسلمان ديش بھکتوں کے آھون کا حال آھوں کے اپنی جان آھیلی اور دیکھر اھلستان اور ویدیشوں مہن آچے آوتے بھارت مانا کو غلامی کی رنجھروں سے آزاد کرلے کی ویشی کی . کیتااب آوے دلچسپ ڈھلک سے لکھی گئی ہے . کھمت صرف ایک، دوپہ بارہ آے .

میلنے کا پتہ—

سکسار، 'نکا دینڈ' 45، سڈیگن، اھلاواواہ،

## مہاتما گاندھی کی وصیت

لکھک—شری ملطز علی سوکھا

آپ دپھانت سے کچھ کھلتر پھلے مہاتما گاندھی نے انگریس کو لوک سوا سکر مہن بدل دیلے کے لئے اپنی سچوڑ لکھی تھی۔ یہ دیس کے نام انکی آخری وصیت ہے اور سکی دیاکھا گاندھی جی کے پرم بھکت شری ملطز علی سوکھا نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھنے اور اپنالے والے ہمیں کے لئے کلمے لوگوں مہن سے ایک مہن .

گاندھی واد کو سمجھنے کے لئے اسکا پوھلا بہت ضروری ہے . 225 سکرے کی سندر جلد بلدھی کیتااب کی کھمت صرف دو روپے .

## اھنساکمک انکلااب کا راستہ

لکھک—شری ملطز علی سوکھا

اس آھوڑی سی کیتااب کو پوھکر آپ کو پتہ چلے گا مہاتما گاندھی کھا چاھتے تھے اور کس طرح ان کے راستے پر چل کر اھنساکمک ڈھلک سے دیس مہن انکلااب لایا جا سکتا ہے .

پولٹھس پے کی کیتااب، دام صرف چار آے .

## آج کے شہید

سبادک—شری رتن لال بंसल

آن بھادروں کی کھانیاں آھوں نے ویدیشی آاکوں کے پوھلائی پھوٹ کی آگ مہن انسائیت کو بھسم آوتے دیکھ ایک آھوں کی بھی دیر نہ کی اور آے بچھالے کی ویشی مہن اپنی جان کھربان کر دی . دام صرف ڈھائی روپہ .

## مسلم ديش بھکت

لکھک—شری رتن لال بंसल

آن مسلمان ديش بھکتوں کے آھوں کا حال آھوں کے اپنی جان آھیلی اور دیکھر اھلستان اور ویدیشوں مہن آچے آوتے بھارت مانا کو غلامی کی رنجھروں سے آزاد کرلے کی ویشی کی . کیتااب آوے دلچسپ ڈھلک سے لکھی گئی ہے . کھمت صرف ایک، دوپہ بارہ آے .

لکھ کا پتہ—

سکسار، 'نکا دینڈ' 45، سڈیگن، اھلاواواہ،

# गीता और कुरान

लेखक—पंडित सुन्दरलाल

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बातें हैं। गीता का बड़प्पन, गीता के एक एक अध्याय का निचोड़, कुरान का बड़प्पन, लगभग 15 खास खास मसामनों पर कुरान की क़रीब 500 आयतों का लफ़्फी तर्जुमा बरौरा दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफ़े की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क़ीमत सिर्फ़ ढाई रुपया, डाक खर्च अलग।

## हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में बह चार लेक्चर जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कन्सीलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफ़े की किताब। क़ीमत सिर्फ़ बारह आने।

## महात्मा गांधी के बलिदान से सबक

साम्प्रदायिकता यानी फिरक़ापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजहबी और इतिहासी पहलू से विचार और बसका इलाज। इसी ने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया।

क़ीमत बारह आने।

## पंजाब हमें क्या सिखाता है

अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के बटवारे के बाद वहाँ की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आई उन का दर्दनाक आंखों देखा बनन। इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं। क़ीमत चार आने।

## बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी किताब में 1949-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के फिरक़ेबाराना मग़ाड़ों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे मग़ाड़ों को हमेशा के लिए ख़त्म करने की तरकीब भी सुझाई गई है। क़ीमत सिर्फ़ दो आने।

मिलने का पता—

सैनेजर, 'नया हिन्द' 145, मुद्दीगंज, इलाहाबाद।

# किता और कुरान

लिखक—पंडित सुन्दर लाल

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बातें हैं। कुरान का बड़प्पन, कुरान के एक एक अध्याय का निचोड़, गीता का बड़प्पन, लगभग 15 खास खास मसामनों पर गीता की क़रीब 500 आयतों का लफ़्फी तर्जुमा बरौरा दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफ़े की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क़ीमत सिर्फ़ ढाई रुपया, डाक खर्च अलग।

## हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में बह चार लेक्चर जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कन्सीलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफ़े की किताब। क़ीमत सिर्फ़ बारह आने।

## महात्मा गांधी के बलिदान से सबक

साम्प्रदायिकता यानी फिरक़ापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजहबी और इतिहासी पहलू से विचार और बसका इलाज। इसी ने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया।

क़ीमत बारह आने।

## पंजाब हमें क्या सिखाता है

अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के बटवारे के बाद वहाँ की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आई उन का दर्दनाक आंखों देखा बनन। इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं। क़ीमत चार आने।

## बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी किताब में 1949-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के फिरक़ेबाराना मग़ाड़ों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे मग़ाड़ों को हमेशा के लिए ख़त्म करने की तरकीब भी सुझाई गई है। क़ीमत सिर्फ़ दो आने।

मिलने का पता—

सैनेजर, 'नया हिन्द' 145, मुद्दीगंज, इलाहाबाद।

## हिन्दुस्तानी कलर सोसाइटी की किताबें

पचास रुपये से शिवावा राम की किताबें खरीदने वालों को और बुकसेलरों को खास रिब्यायत दी जायेगी। पूरी जानकारी के लिए लिखिये.

**हाक या रेत खर्च हर हालत में ग्राहक के खिलाफ होगा.**

# भारत का विधान

पूरा हिन्दी अनुवाद

जो 26 जनवरी सन 1950 से सारे भारत में लागू हुआ.  
‘भारत में अंगरेजी राज’ के लेखक पंडित सुन्दरलाल  
द्वारा मूल अंगरेजी से अनुबादित.

हर भारतीय का कर्ष है कि जिस विधान के अधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे. भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है.

आसान बामहाबरा भाशा. रायल अठपेजी बड़ा साइज.  
लगभग चार सौ पन्ने. कपड़े की सुन्दर जिल्द. क्रीमट केवल  
साढ़े सात रुपय.

## प्रकाशवर्ती पर बाष्प

**सम्पादक—श्री श्रीकृष्ण दास**

इस पुस्तक में 1921 से सन 1948 तक गांधी जी ने साम्प्रदायिता के सवाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा।

भारत के आजाद होने पर यह और भी जरूरी हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के नुकसानों को समझे और इस ज़हर को अपने अन्दर से साफ़ करे।

सुन्दर जित्प. अच्छा कायाज. दो सौ सके. क्रीमत  
दोरुपया.

## विनोबा का सन्देश

**लेखक—सुरेश रामभाई**

**एक शब्द—महात्मा भगवानदीन**

बिनीबाजी के भू-दान-यज्ञ से आज सारा देश वाक़्तिक है। इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भू-दान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका मक़सद क्या है।

परीक्षार्थी परीक्षणार्थी हाथ निकल गया. यह दूसरा परीक्षण है. इसे 25, दान केवल हो जाने.

**शिवजी का पत्रा—**

मिशन, 'ममता मिशन' 145, मूलीबाज, इलाहाबाद.

ہندوستانی پچھڑ سوسائٹی  
کی کتابیں

پہلے ہی دیکھ لیں کہ وہاں دامن کی کتابیں خریدنے والے  
کو آواز دیکھنا شروع ہو گیا، خاص رعایت دی جا رہی تھی۔ پوری  
جانکاری کے لئے لکھی۔

قاک پاہل خوجہ در حالت مہیں ٹھک کے فیے ہوتا۔

## یہادت کا ودھان

پورا ہندی انوراد

جو 26 جنوری سن 1950 سے عارے بھارت میں لگو ہوا .  
'بھارت میں انگریزی راج' کے لیکھک پندت سدلال  
بولوا مول انگریزی سے انوادت .

ہو بھارت وادی کا فرض ہے کہ جس وطن کے ادھین  
 عوام ادھین بھارت کا شامن اُس سے چل رہا ہے اُسے اچھی  
 طرح سمجھو۔ بھارت کے ہر گھر میں اُس پستک کا رہنا  
 ضروری ہے۔

آسان ہمسایہ بہاشا۔ دلیل آتہ پہنچی ہوا ساڑ۔ لگ  
بھگ چار سو پنہ۔ کھوے کی سنددر جلد۔ قیمت کھول  
سارہ سات روپے۔

## فرقہ بندی پر باپو

سپہانک—شری شریکرشن داس

اِس ہستک میں سن 1921 سے سن 1948 تک  
 قندھی جی نے سامہود ادا کرتا کے سوال پر جو کچھ کہا یا  
 لکھا وہ سب آپکو ایک جگہ ملےگا .

بھارت کے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ  
ہر بھارتی و اسی سامہود ایکٹا کے نقصان کو سمجھے اور  
اس زہر کو اپنے اندر سے صاف کرے ۔

مستدر جلد. اچھا کاف۔ دو سو صفحہ۔ قیمت  
دو روپے۔

## ونوبا کا سندیوش

لیکھک—سریس رام پھائی

ایک شہد۔۔۔ مہاتما بھگوان دین

وہوہا جی کے ہودان یکہ سے آج سارا دیہی واقف ہے۔  
اس چھوٹی سی کتاب میں آپکو ملےگا کہ یہ ہودان یکہ  
کب اور کھسے شروع ہوا اور اس کا مقصد کیا ہے۔

ہفت لکھن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ یہ دوسرا ایڈیشن  
صفحہ 25، دام کھول دو آئے۔

— ۱۲۸ —

- ونهجه، "نها حد"، 145 مترو كلي' الابهام.



सरکار کے سامنے بیٹھ کر کبھی نہیں گیا۔ کبھی کسی نے نہیں دیکھا کہ گورنر انسر جلتا کے بیچ میں آکر بھاگتے ہیں۔ بلکہ اگر کوئی سامعہ انگریز یا برطانوی سرکار کا مخلصانی انسر بیچ میں آ رہی جاتا تھا تو لوگ نفرت سے ملے سوز لگتے تھے۔ جس دن لوگ یہ سمجھ لیتے تھے کہ کانگریس سرکار جلتا کی سرکار نہیں ہے اس دن کانگریس ملتے ہیں کے ساتھ ہی لوگ بھی وہاں کرپٹکے۔ لیکن آج کانگریس کو جلتا کی سرکار سمجھا جاتا ہے اور اسی لئے دعووں ہے کہ ملتے کو جلتا کے بیچ میں آنا پڑے گا۔ جب ملتے انکار کرتے ہیں تو یہی دعووں ادھیکار کو اُٹھاتا ہے۔ جب ادھیکار کو ہنسک ہتیار دکھائے جاتے ہیں تو دوسری طرف یہی جوش پھٹتا ہے۔ تب ہی یہ وچار پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں اپنی مانگ کے لئے آندولن کرنا چاہئے۔ آندولن کو دہانے کے لئے ملتے کوئی چلوانے کی دھمکی دیتے ہیں۔ اس دھمکی کو ویدارتھی ساموہک روپ سے روپکار کرتے ہیں۔ ایک بات ان کے دل میں رہتی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ سنگتوں طاقت کے آکر سرکار کی فوج اور پولیس بھیجے۔ وہ نڈر ہوکر جاؤں گے چلتے ہیں۔ سرکار ان میں تو پیدا کرنے کے لئے پولیس کے دستے بھیجتی ہے۔ اب یہاں سنگتوں چلتا ہے، ہور لگتی ہے۔ نہ جانے کہیں ویدارتھی ایذا مضبوط ہے کہ وہ پولیس سے نہیں قوت اور یہ بھی ہوتا ہے کہ پولیس کو اپنی ہیلتا کا انہوں کووانے کے لئے وہ کبھی کبھی کچھ ان اچھ قدم بھی اٹھا لیتا ہے۔ کوشائی ہلی ٹھہرا نوچتی ہے۔ سرکار کو جب اپنی ہار دکھائی پڑتی ہے اور جب وہ دیکھتی ہے کہ کسی شکست کو ویدارتھی ہیں مانگتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی بہانے سے گولی چلاتی ہے۔ گویا یہ بتاتی ہے کہ ہم دھمکی نہیں دیتے سچ سچ ہم میں شکست ہے۔

یہی جو ہے جسکی وجہ سے ہار ہار گولی چلتی ہے۔ سوال اس بات کا نہیں ہے کہ گولی پہلے چلی کہ دیارلہوں نے اک پہلے لگائی۔ سوال یہ ہے کہ کانگریس سرکار پولیس فوج کی سرکار ہے یا جلتا کی۔ دونوں صورتوں میں ملتے ہیں کے آچرن میں زمین آسمان کا فرق دھکا۔ اس لئے ضروری ہے کہ کانگریسی ملتے اپنا راستہ طے کرلیں۔ اگر پولیس فوج کے وہ ملتے ہیں تو ان کا موجودہ رج کسی کو نہیں اُٹھائے گا، پور گولی چلانے کی تربت ہیں اُنہیں۔ اگر وہ اپنی کو جلتا کا سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ گولی نہ چلے تو انہیں اپنا موجودہ ہتیار بدلتا ہوگا۔ چلتی چلتی سے چلتی وہ اپنی رخ کا اعلان کرلیں اپنا ہی اچھا ہے۔

یہی جو ہے جسکی وجہ سے ہار ہار گولی چلتی ہے۔ سوال اس بات کا نہیں ہے کہ گولی پہلے چلی کہ دیارلہوں نے اک پہلے لگائی۔ سوال یہ ہے کہ کانگریس سرکار پولیس فوج کی سرکار ہے یا جلتا کی۔ دونوں صورتوں میں ملتے ہیں کے آچرن میں زمین آسمان کا فرق دھکا۔ اس لئے ضروری ہے کہ کانگریسی ملتے اپنا راستہ طے کرلیں۔ اگر پولیس فوج کے وہ ملتے ہیں تو ان کا موجودہ رج کسی کو نہیں اُٹھائے گا، پور گولی چلانے کی تربت ہیں اُنہیں۔ اگر وہ اپنی کو جلتا کا سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ گولی نہ چلے تو انہیں اپنا موجودہ ہتیار بدلتا ہوگا۔ چلتی چلتی سے چلتی وہ اپنی رخ کا اعلان کرلیں اپنا ہی اچھا ہے۔

یہی جو ہے جسکی وجہ سے ہار ہار گولی چلتی ہے۔ سوال اس بات کا نہیں ہے کہ گولی پہلے چلی کہ دیارلہوں نے اک پہلے لگائی۔ سوال یہ ہے کہ کانگریس سرکار پولیس فوج کی سرکار ہے یا جلتا کی۔ دونوں صورتوں میں ملتے ہیں کے آچرن میں زمین آسمان کا فرق دھکا۔ اس لئے ضروری ہے کہ کانگریسی ملتے اپنا راستہ طے کرلیں۔ اگر پولیس فوج کے وہ ملتے ہیں تو ان کا موجودہ رج کسی کو نہیں اُٹھائے گا، پور گولی چلانے کی تربت ہیں اُنہیں۔ اگر وہ اپنی کو جلتا کا سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ گولی نہ چلے تو انہیں اپنا موجودہ ہتیار بدلتا ہوگا۔ چلتی چلتی سے چلتی وہ اپنی رخ کا اعلان کرلیں اپنا ہی اچھا ہے۔

सरकार उन लोगों की है जिनके हाथ में पैसा है और लड़के भी वन्हीं के हैं जिनके हक में पैसा है. लड़का बुरा हो या अच्छा पर मां बाप को प्यारा होता है. वह कभी पसन्द नहीं कर सकते कि उनके बच्चों पर गोली चलाई जाये. अगर उनको यकीन हो जाये कि मजदूर और किसानों की तरह ही यह सरकार हमारे बच्चों पर भी गोली चलाती है तो वह अपना सहयोग सरकार से वापस ले लें. सरकार इस बात को समझती है. जब जब विद्यार्थियों पर गोली चलती है, सरकार कहती है कि गुन्डों ने कानून को खतरे में डाल दिया था इसलिये गोली चलानी पड़ी. इस तरह वह विद्यार्थियों को पीछे डाल देती है और गुन्डों को आगे कर देती है और यह सिद्ध करती है कि नागरिकों को आफत से बचाने के लिये गोली चलाना जरूरी था.

दूसरा सवाल यह भी उठ खड़ा होता है कि विद्यार्थी बार बार सरकार के खिलाफ क्यों खड़े होते हैं. कुछ चीजें तो आम हैं. इन पर बहुत कुछ लिखा जा चुका है. लेकिन एक बात बहुत खास है और आजतक के सारे आन्दोलनों में वह पाई जाती है. वह है मन्त्रियों का अनुचित व्यवहार. जब जब लोग उनसे मिलने जाते हैं और अपनी मांगें उनके सामने रखते हैं तो वह तर्क से नहीं धमकी से जबाब देते हैं. धमकी दूसरे में गुस्सा पैदा करती है. कायर धमकी से दब जाते हैं और हमें, इस बात की खुशी है कि हमारे नौजवान कायर नहीं हैं. इन्दौर की दुर्घटना में भी यह बात साफ दिखाई पड़ती है. एक प्रिन्सिपल का तबादला कर दिया जाता है. उनसे विद्यार्थी अपार अड्डा रखते हैं. विद्यार्थी शिक्षा मन्त्री से मिलना चाहते हैं और प्रार्थना करना चाहते हैं कि वह तबादले को रोक दें. दो एक दिन तबादला रुक सकता था. दावत बाजियों से दो एक दिन की कुरसत मन्त्री जी ले सकते थे. अगर मन्त्री जी प्यार से विद्यार्थियों को समझाते और तर्क से उन्हें जीतने की कोशिश करते तो इन्दौर की दुर्घटना न होती. मैं यह नहीं कहता हूँ कि एक दिन में विद्यार्थी मान जाते लेकिन यह जरूर है कि विद्यार्थी जुलूस न निकालते, जोश में न आते और अगर मन्त्री जी के पक्ष में कुछ जान होती तो वह मान भी जाते. प्राध्यापकों की जान लेने से बेहतर होता कि सरकार के मन्त्री अपना कुछ समय बर्बाद कर लेते.

मध्य भारत की सरकार को दोष क्या दिया जाय ? हर कांग्रेसी सरकार यही करती है. एक तरफ जनता की सरकार होने का दावा है और दूसरी तरफ पुलिस और फौज का हर बात में सहारा लिया जाता है. दोनों विरोधी बातें हैं. पुलिस और फौज के बल पर राज्य करने वालों के पास जनता के प्रतिनिधि मांग लेकर नहीं जाते. अंग्रेजों

सरकार उन लोगों की है जिन के हाथ में पैसा है और लड़के भी वन्हीं के हैं जिनके हक में पैसा है. लड़का बुरा हो या अच्छा पर मां बाप को प्यारा होता है. वह कभी पसन्द नहीं कर सकते कि उनके बच्चों पर गोली चलाई जाये. अगर उनको यकीन हो जाये कि मजदूर और किसानों की तरह ही यह सरकार हमारे बच्चों पर भी गोली चलाती है तो वह अपना सहयोग सरकार से वापस ले लें. सरकार इस बात को समझती है. जब जब विद्यार्थियों पर गोली चलती है, सरकार कहती है कि गुन्डों ने कानून को खतरे में डाल दिया था इसलिये गोली चलानी पड़ी. इस तरह वह विद्यार्थियों को पीछे डाल देती है और गुन्डों को आगे कर देती है और यह सिद्ध करती है कि नागरिकों को आफत से बचाने के लिये गोली चलाना जरूरी था.

दूसरा सवाल यह भी उठ खड़ा होता है कि विद्यार्थी बार बार सरकार के खिलाफ क्यों खड़े होते हैं. कुछ चीजें तो आम हैं. इन पर बहुत कुछ लिखा जा चुका है. लेकिन एक बात बहुत खास है और आजतक के सारे आन्दोलनों में वह पाई जाती है. वह है मन्त्रियों का अनुचित व्यवहार. जब जब लोग उनसे मिलने जाते हैं और अपनी मांगें उनके सामने रखते हैं तो वह तर्क से नहीं धमकी से जबाब देते हैं. धमकी दूसरे में गुस्सा पैदा करती है. कायर धमकी से दब जाते हैं और हमें, इस बात की खुशी है कि हमारे नौजवान कायर नहीं हैं. इन्दौर की दुर्घटना में भी यह बात साफ दिखाई पड़ती है. एक प्रिन्सिपल का तबादला कर दिया जाता है. उनसे विद्यार्थी अपार अड्डा रखते हैं. विद्यार्थी शिक्षा मन्त्री से मिलना चाहते हैं और प्रार्थना करना चाहते हैं कि वह तबादले को रोक दें. दो एक दिन तबादला रुक सकता था. दावत बाजियों से दो एक दिन की कुरसत मन्त्री जी ले सकते थे. अगर मन्त्री जी प्यार से विद्यार्थियों को समझाते और तर्क से उन्हें जीतने की कोशिश करते तो इन्दौर की दुर्घटना न होती. मैं यह नहीं कहता हूँ कि एक दिन में विद्यार्थी मान जाते लेकिन यह जरूर है कि विद्यार्थी जुलूस न निकालते, जोश में न आते और अगर मन्त्री जी के पक्ष में कुछ जान होती तो वह मान भी जाते. प्राध्यापकों की जान लेने से बेहतर होता कि सरकार के मन्त्री अपना कुछ समय बर्बाद कर लेते.

मध्य भारत की सरकार को दोष क्या दिया जाय ? हर कांग्रेसी सरकार यही करती है. एक तरफ जनता की सरकार होने का दावा है और दूसरी तरफ पुलिस और फौज का हर बात में सहारा लिया जाता है. दोनों विरोधी बातें हैं. पुलिस और फौज के बल पर राज्य करने वालों के पास जनता के प्रतिनिधि मांग लेकर नहीं जाते. अंग्रेजों

## इन्दौर की दुर्घटना

अभी हाल में इन्दौर में गोखियां चली हैं। सरकार का कहना है कि विद्यार्थी क्रायू से बाहर हो गये थे। इसलिये यह क्रयम उठाना पड़ा। यह घटना होते ही मन्त्री महोदय ने दुख प्रकट किया और सारी जिम्मेदारी गुन्डों के सर थोपी। उन्होंने अपने क्रयम को ठीक साबित करने के लिये यह भी कहा कि हर सरकार को यही क्रयम उठाना चाहिये जब क्रायून को इस तरह का खतरा पैदा हो जाये। हमारे पास इन्दौर की कोई ऐसी खबर नहीं है जिसके आधार पर हम सब और झूठ के पक्ष में कुछ लिख सकें। हम केवल दुख ही प्रकट कर सकते हैं। हाई कोर्ट का जलाया जाना बहुत दुखदायक घटना है और गोली चलाना उससे भी बड़ी दुर्घटना है।

आज जब इस घटना पर सोचते हैं तो बार बार यह सवाल उठता है यह गुन्डे कौन हैं ? क्या गुन्डों से मतलब उन लोगों से है जो आम तरीक़े से चोरी बंदमाशी करते हैं ? अगर ऐसा है तो हमें यह कहने में कोई शिक्का नहीं है कि यह बात सरासर झूठ है। इस तरह के गुन्डे हाई कोर्ट जलाने नहीं जाते हैं और न उन्हें मन्त्रियों से मिलने में कोई दिलचस्पी होती है हो सकता है कि इस तरह के गुन्डे जुलूस के साथ शामिल हो जायें और दूसरों की जेब काटें। लेकिन यह कभी नहीं हो सकता कि पुलिस की गोली चलाती हो और वह मैदान में बड़े रहें। झूठ बोलना ऐसे भी शोभा नहीं देता और अपने विरोधी के चरित्र पर इलजाम लगाना और भी बुरी बात है। लेकिन मालूम होता है कि सरकार अंग्रेजों की परम्परा को निभाती है। अंग्रेजों के लिये हर कांग्रेसी गुन्डा था और कांग्रेसियों के लिये आज हर विरोधी गुन्डा है। हाई कोर्ट को जलाने वालों को गुन्डा कहे बिना भी परिस्थिति की भयानकता की जानकारी जनता को दी जा सकती थी। शायद उस समय जनता सरकार के पक्ष की तरफ़ पयादा झुकती। पर लगता है कि विरोधियों को गुन्डा कहने के पीछे कोई खास तत्व है। यह तत्व क्या है ?

विद्यार्थी किसी बेजान चीज़ का नाम नहीं है यह संझा है उन लड़के लड़कियों की जो शिक्षा संस्थाओं में पढ़ते हैं। यह किस के लड़के लड़कियां होते हैं ? यह उनके लड़के लड़कियां होते हैं जो खराब हैं, जो बड़े-बड़े ओहदों पर हैं, जो कारखाने दार हैं, जो जमींदार हैं। इन्हीं महा पुढों की संतानों के बीच दो एक फ़ौ सैकड़ा ऐसे भी होते हैं जो बड़े और मझ बरानों से तारलुक्त नहीं रखते हैं। गुन्डे कहने का मेव यहां छिपा हुआ है अपनी औलाद को गाली कैसे दी जाय, उसे दोषी कैसे ठहराया जाय। इसलिये जो घटना होती है उसे गुन्डों के सर मड़ दिया जाता है।

## अन्दर की दुर्घटना

अभी हाल में अन्दर में गोली चल चुकी है। सरकार का कहना है कि विद्यार्थी क्रायू से बाहर निकले थे। इसलिये यह क्रयम उठाना पड़ा। यह घटना होते ही मन्त्री महोदय ने दुख प्रकट किया और सारी जिम्मेदारी गुन्डों के सर थोपी। उन्होंने अपने क्रयम को ठीक साबित करने के लिये यह भी कहा कि हर सरकार को यही क्रयम उठाना चाहिये जब क्रायून को इस तरह का खतरा पैदा हो जाये। हमारे पास अन्दर की कोई ऐसी खबर नहीं है जिसके आधार पर हम सब और झूठ के पक्ष में कुछ लिख सकें। हम केवल दुख ही प्रकट कर सकते हैं। हाई कोर्ट का जलाया जाना बहुत दुखदायक घटना है और गोली चलाना उससे भी बड़ी दुर्घटना है।

अब जब दुर्घटना पर हम सोचते हैं तो बार बार यह सवाल उठता है कि ये फ़िल्द कौन हैं ? क्या फ़िल्दों से मतलब उन लोगों से है जो आम तरीक़े से चोरी बंदमाशी करते हैं ? अगर ऐसा है तो हमें यह कहने में कोई शिक्का नहीं है कि यह बात सरासर झूठ है। इस तरह के फ़िल्द हाई कोर्ट जलाने नहीं जाते हैं और न उन्हें मन्त्रियों से मिलने में कोई दिलचस्पी होती है हो सकता है कि इस तरह के फ़िल्द जुलूस के साथ शामिल हो जायें और दूसरों की जेब काटें। लेकिन यह कभी नहीं हो सकता कि पुलिस की गोली चलाती हो और वह मैदान में बड़े रहें। झूठ बोलना ऐसे भी शोभा नहीं देता और अपने विरोधी के चरित्र पर इलजाम लगाना और भी बुरी बात है। लेकिन मालूम होता है कि सरकार अंग्रेजों की परम्परा को निभाती है। अंग्रेजों के लिये हर कांग्रेसी फ़िल्द था और कांग्रेसियों के लिये आज हर विरोधी फ़िल्द है। हाई कोर्ट को जलाने वालों को फ़िल्द कहे बिना भी परिस्थिति की भयानकता की जानकारी जनता को दी जा सकती थी। शायद उस समय जनता सरकार के पक्ष की तरफ़ पयादा झुकती। पर लगता है कि विरोधियों को फ़िल्द कहने के पीछे कोई खास तत्व है। यह तत्व क्या है ?

विद्यार्थी किसी बेजान चीज़ का नाम नहीं है यह संझा है उन लड़के लड़कियों की जो शिक्षा संस्थाओं में पढ़ते हैं। यह किस के लड़के लड़कियां होते हैं ? यह उनके लड़के लड़कियां होते हैं जो खराब हैं, जो बड़े-बड़े ओहदों पर हैं, जो कारखाने दार हैं, जो जमींदार हैं। इन्हीं महा पुढों की संतानों के बीच दो एक फ़ौ सैकड़ा ऐसे भी होते हैं जो बड़े और मझ बरानों से तारलुक्त नहीं रखते हैं। गुन्डे कहने का मेव यहां छिपा हुआ है अपनी औलाद को गाली कैसे दी जाय, उसे दोषी कैसे ठहराया जाय। इसलिये जो घटना होती है उसे गुन्डों के सर मड़ दिया जाता है।

अमरीका को धिक्कर रहा था क्योंकि बिना अमेरिकी कौजों स्वेज नहर से हटे. मिस्र मीडो के सम्बन्ध में सोचने पर तैयार नहीं था. शायद अमरीका को यह उम्मीद बंधी है कि मिस्र, सुलह के बाद, मीडो में शामिल हो जाएगा.

सुलह की एक शर्त यह है कि यदि तुर्की पर कोई हमला होगा तो नहर स्वेज में अमेरिकी कौजों फिर आजायेंगी. यह बहुत अंतरराष्ट्रीय शर्त है. तुर्की मीडो में है और मीडो रूस के खिलाफ एक कौजी संगठन है जिस के जन्मदाता अमरीकी हैं. अमरीका वाले भूट मूट के हमले का बख्तर खड़ा करने में माहिर हैं. कोरिया की मिसाल सामने है. इस तरह जब भी अमरीका का मन स्वेज पर क़ब्ज़ा कराने का बाड़ेगा वह तुर्की पर हमले की कहानी गढ़ेगा और बरतानी कौजों फिर मिस्र की छाती पर चढ़ बैठेंगी. बात चीत के बीच अमेरिकों ने जोर दिया था कि मिस्र यह बात मान ले कि यदि ईरान पर हमला होगा तो बरतानी कौजों नहर स्वेज में आजायेंगी. पर मिस्र ने इस बात को नहीं माना और अमेरिक इस मांग पर हटे रहे. इस सम्बन्ध में तुर्की और ईरान में केवल इतना अन्तर है कि तुर्की मीडो का मेम्बर है और ईरान होने जा रहा है. अगर कल ईरान पर हमला हुआ तो तुर्की मीडो का मेम्बर होने के नाते मैदान में आएगा. तब बरतानी कौजों स्वेज में आजायेंगी. इस तरह मिस्र की आजादी को हर दम खतरा बना रहता है. इसी खिंचे मिस्र की आजादी की खुशी मनाते समय हम चिन्तित भी हैं.

एक बात का खतरा और दिखाई पड़ रहा है. खटका है कहीं मिस्र मीडो में न शामिल हो जाए. क्योंकि सुलह होते ही अमरीकी राजदूत कौजी और आर्थिक सहायता की पैकियां लेकर सत्ताधीशों के पास पहुँचने लगे हैं. मिस्र के मीडो में न शामिल होने से अभी तक मीडो बन नहीं सका. अमरीका वालों ने मिस्र पर बहुत जोर डाला पर उन्होंने देखा कि जब तक बरतानिया स्वेज नहर नहीं छोड़ता मिस्र क़ाबू में नहीं आने का. मिस्र छोड़ने का कारन श्री बर्चिल ने यह बताया है कि ऐटम बम की लड़ाई में स्वेज का कोई उपयोग नहीं है. लेकिन लगता है इस तुरन्त सुलह के पीछे कोई दूसरा मेव है. बार्शिंगटन में आइफानहावर ने बर्चिल पर जोर दिया कि वह मिस्र से समझौता कर लें. बर्चिल को झुकना पड़ा. खुलासा यह है कि जिन परिस्थितियों में यह समझौता हुआ है वह खतरे की सूचक हैं.

हम आशा करते हैं कि मिस्र सतर्क रहेगा और न तो अपनी आजादी को दोबारा खतरे में पड़ने देगा और न दुरी से दुरी परिस्थिति में भी मीडो में शामिल होकर पाँचवा के दूसरे देशों की आजादी को खतरे में नहीं डालेगा.

80.7.54

—मुजीब रिफवी

अमेरिकी क़ब्ज़े को रूढ़ा था क्योंकि यहाँ अंगरेज़ों फ़ौजों के सुलह नहर से हटे. मिस्र मीडो के सम्बन्ध में सोचने पर तैयार नहीं था. शायद अमरीका को यह उम्मीद बंधी है कि मिस्र, सुलह के बाद, मीडो में शामिल हो जाएगा.

सुलह की एक शर्त यह है कि यदि तुर्की पर कोई हमला होगा तो नहर स्वेज में अमेरिकी कौजों फिर आजायेंगी. यह बहुत अंतरराष्ट्रीय शर्त है. तुर्की मीडो में है और मीडो रूस के खिलाफ एक कौजी संगठन है जिस के जन्मदाता अमरीकी हैं. अमरीका वाले भूट मूट के हमले का बख्तर खड़ा करने में माहिर हैं. कोरिया की मिसाल सामने है. इस तरह जब भी अमरीका का मन स्वेज पर क़ब्ज़ा कराने का बाड़ेगा वह तुर्की पर हमले की कहानी गढ़ेगा और बरतानी कौजों फिर मिस्र की छाती पर चढ़ बैठेंगी. बात चीत के बीच अमेरिकों ने जोर दिया था कि मिस्र यह बात मान ले कि यदि ईरान पर हमला होगा तो बरतानी कौजों नहर स्वेज में आजायेंगी. पर मिस्र ने इस बात को नहीं माना और अमेरिक इस मांग पर हटे रहे. इस सम्बन्ध में तुर्की और ईरान में केवल इतना अन्तर है कि तुर्की मीडो का मेम्बर है और ईरान होने जा रहा है. अगर कल ईरान पर हमला हुआ तो तुर्की मीडो का मेम्बर होने के नाते मैदान में आएगा. तब बरतानी कौजों स्वेज में आजायेंगी. इस तरह मिस्र की आजादी को हर दम खतरा बना रहता है. इसी खिंचे मिस्र की आजादी की खुशी मनाते समय हम चिन्तित भी हैं.

एक बात का खतरा और दिखाई पड़ रहा है. खटका है कहीं मिस्र मीडो में न शामिल हो जाए. क्योंकि सुलह होते ही अमरीकी राजदूत कौजी और आर्थिक सहायता की पैकियां लेकर सत्ताधीशों के पास पहुँचने लगे हैं. मिस्र के मीडो में न शामिल होने से अभी तक मीडो बन नहीं सका. अमरीका वालों ने मिस्र पर बहुत जोर डाला पर उन्होंने देखा कि जब तक बरतानिया स्वेज नहर नहीं छोड़ता मिस्र क़ाबू में नहीं आने का. मिस्र छोड़ने का कारन श्री बर्चिल ने यह बताया है कि ऐटम बम की लड़ाई में स्वेज का कोई उपयोग नहीं है. लेकिन लगता है इस तुरन्त सुलह के पीछे कोई दूसरा मेव है. बार्शिंगटन में आइफानहावर ने बर्चिल पर जोर दिया कि वह मिस्र से समझौता कर लें. बर्चिल को झुकना पड़ा. खुलासा यह है कि जिन परिस्थितियों में यह समझौता हुआ है वह खतरे की सूचक हैं.

—मुजीब रिफवी

80.7.54

ہر دے دینی پرفی۔ میں کو جگجگولپاشا سے مہمان پورک  
میں گپ اور ونکی شکیت کے سامنے ائمہوں کو اذیک  
کوکنا پکا۔ 1922 میں میں کا اپنا راجا ہو گیا  
اور وکسی اپنی پالیسیامینٹ بن گئی۔ اسکا مینک  
یہ نہیں یا کی میں آفاہ ہو گیا یا، گولامی نے  
کےکل رپ بدلا لیا یا۔ ائمہوں اب می پوری ترہ سے  
ہاکی ہے، کارک کے سمی تک یہ میں کے ماملوں  
میں ہاکی رہے۔ لیکن ائمہوں کا ویروب می لگاتار  
بڈھا رہا۔ میں میں بڈے بڈے پاشا ہیں، یہ لوگ ازمیادار  
ہوتے ہیں۔ ازمیاداروں کے کھن میں ساخیش ہوتی ہے۔ اس  
یہاں بڈھت سی سرکار بنتی بیگڈتی رہی۔ لیکن جو  
می سرکار آئی اسنے ائمہوں کے میں ڈوڈنے پر  
پور دیا۔

ائمہوں کے پور پر کبکا رکھنا چاہتے ہے  
کئیوں کی پور پور کے دیشوں پر یہ وکسی سرت میں راج  
کر سکتے ہے۔ لیکن میں والے ائمہوں کو می واپسی  
کی مانگ کر رہے ہے۔ ائمہوں میںیوں کو بڈھانا چاہتے  
ہے اور اس مانگ کو دبانے کے لیے کارک ساہب کو  
ہستمال کرتے ہے۔ لیکن جنتا میں جوش بڈھت یا اور  
کسیا کارک کے گدی سے ہٹا پ جانے میں نیکلا۔

ائمہوں کو شایر وکمیڈ می کی نکیب سرکار  
بڈھت دین نہیں چل سکتی، یہ اپنی ساخیشوں پر می  
نیکر کرتے ہے۔ لیکن ونکی وکمیڈ کے کیکاف نکیب  
سرکار کتتم ہونے کے بجا پ مچکوت ہوتی گئی اور  
ساہ ہی لوگوں میں ائمہوں کا ویروب می بڈھتا گیا۔  
ائمہوں نے سولہ کی بات بیت گری کی۔ پر وکسی ورمیامان  
میں کورنل ناسیر اور پرسیڈینٹ نکیب کے کنگے کڈے  
ہو گپ۔ ائمہوں کو یک بار کیر وکمیڈ وکمیڈ کی یہ  
سرکار کتتم ہو جاپگی۔ لیکن اس بار می ونکی  
آفا پوری ن ڈی۔ کئی بار سولہ ہونے لگی لیکن ائمہوں  
نے وکسی وکمیڈ پر سولہ ن کی۔ اس گڈبڈ میں کنکر-  
وٹیک پارٹی کے نیکاموں کا می ہا یا۔ یہ لوگ اپنی  
سرکار کو سولہ ن کرنے پر مچکوت کرتے ہے۔ لیکر  
پارٹی کا می یک ازم کنکر وٹیک نیکاموں سے میں گپا  
یا۔ کہا جاتا ہے کی ڈین ساہب ہمشا سولہ کے ہک  
میں ہے، اور جب جب وکیش ساہب کو یہ تیار کرتے  
ہے، پارٹی والے ویروبی وکیش ساہب کو ککا لیتے ہے۔

لیکن اس بار ڈین ساہب نے وکیش ساہب کو سولہ  
کرنے پر تیار کر ہی لیا۔ اسکا مچ کیکو ہے؟  
اس مچن پر بڈھت سے لوگ اکتے ہیں۔ ایسا لکنا  
ہے کہ جہاں اکتین صاحب ہار گئے تھے وہاں کیکس  
صاحب جیت گئے تھے۔ انہوں نے چرچل پر زور کلا کہ  
وہ صلی کیکین اور انہوں نے ککی۔ ہا ہ ہے کہ اس صلی کی

انہوں دینی ہیں۔ مصر کو فلی لول پاشا  
مہمان پور می گئے اور ان کی شکیت کے سامنے  
انگریزوں کو ادھک جھکا پڑا۔ 1928 میں مصر کا  
ایہا راجا ہوکا اور اسکی اپنی پارلیمنٹ بن گئی۔  
اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ مصر آزاد ہوکا تھا، فلی  
نے کول روپ بدل لیا تھا۔ انگریز اب ہی پوری طرح  
حاری تھے، فاروق کے سم تک وہ مصر کے معاملوں میں  
حاری تھے۔ لیکن انگریزوں کا وروہ ہی لکاتار ہوتا رہا۔  
مصر میں بڈے بڈے پاشا تھے۔ یہ لوگ وکمیڈار ہوتے  
تھے۔ وکمیڈاروں کے کھن میں ساخیش ہوتی ہے۔ اس  
لکے یہاں بہت سی سرکاریں ہکتی پکوتی تھیں۔ لیکن  
جو ہی سرکار آئی اس نے انگریزوں کے مصر چھوڑنے پر  
زور دیا۔

انگریز سولہ نہر پر کیکہ رکھنا چاہتے تھے کہونکہ  
پوری ایشیا کے دیشوں پر وہ اسی صورت میں راج کر سکتے  
تھے۔ لیکن مصر والے انگریز فوجوں کی واپسی کی مانگ کر رہے  
تھے۔ انگریز مصر میں کو بھانا چاہتے تھے اور اس مانگ کو  
دبانے کے لیے فاروق صاحب کو استعمال کرتے تھے۔ لیکن  
چلتا میں جڑھ بہت لیا اور نکھہ فاروق کے ککی سے  
ہٹائے جانے میں نکلا۔

انگریزوں کو شاید اہد تھی کہ نجیب سرکار بہت  
دن نہیں چل سکتے گی۔ وہ اپنی سارکوں پر ہی برہر  
کرتے تھے۔ لیکن ان کی اہد کے خلاف نجیب سرکار ختم  
ہونے کے بجائے مضبوط ہوتی گئی اور ساتھ ہی لوگوں میں  
انگریزوں کا وروہ ہی ہوتا رہا۔ انگریزوں صلی کی ہا جیت  
شروع کی۔ پر اسی درمیان میں کول ناصر اور وکمیڈ  
نجیب کے جھکے ہوئے ہو گئے۔ انگریزوں کو ایک بار پور  
اہد ہڈھی کہ یہ سرکار ختم ہو جائے گی۔ لیکن اس  
بار ہی ان کی آفا پوری نہ ہوئی۔ ککی بار صلی ہونے لگی  
لیکن انگریزوں نے اسی اہد پر صلی نہ کی۔ اس کوہ  
میں ککر ویکر پارٹی کے نیکاموں کا ہی ہا تھا۔ یہ لوگ  
اپنی سرکار کو صلی نہ کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ لیکر پارٹی  
کا ہی ایک انگ ککر ویکر نیکاموں سے مل گیا تھا۔ کہا  
جاتا ہے کہ اکتین صاحب ہمشہ صلی کے حق میں تھے  
اور جب جب چرچل صاحب کو وہ تیار کرتے تھے، پارٹی  
والے وروہی چرچل صاحب کو جھکا لیتے تھے۔

لیکن اس بار اکتین صاحب نے چرچل صاحب کو  
صلی کرنے پر تیار کر ہی لیا۔ اس کا مچ کس کو ہے؟  
اس پور میں بہت سے لوگ اکتے ہیں۔ ایسا لکنا  
ہے کہ جہاں اکتین صاحب ہار گئے تھے وہاں کیکس  
صاحب جیت گئے تھے۔ انہوں نے چرچل پر زور کلا کہ  
وہ صلی کیکین اور انہوں نے ککی۔ ہا ہ ہے کہ اس صلی کی



حالات میں ہمیں اس بات پر توجہ دینا چاہیے کہ ہمارے ویکھانک مسائل پر ہمیں دیکھانکوں کے نقطوں کی نقل اٹارنا چاہیے اور خود کوئی کام ہی نہیں کر سکتے۔

یہ ایک بہت سی سختی دانت ہے۔ ہم خود اس دائرے سے نہ اتفاقی کرتے ہیں اور نہ دانا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر دیکھانک کو رنگنے کے لئے جو سرکاری حکم ہے اسے وہ پورا نہیں کر سکتے ہیں تو اس کے علاوہ کسی دوسرے نقطہ پر نہیں پہنچا جاسکتا۔ لیکن ہمارے ویکھانکوں کی ناکامیابی کی ایک وجہ ضرور ہمارے سمجھ میں آئی ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے ویکھانکوں نے دہراؤ ڈالا ہو۔ اسے کون نہیں جانتا کہ دیکھانک کے رنگ دینے والے ہر اس کی پہچان آسانی سے کی جا سکتی ہے اور پھر دیکھانک کی لارٹ ایکدم بلند ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ دیکھانکوں کے کاروبار پر بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح ہمیں ہو سکتا ہے کہ دیکھانک کے کارخانہ والوں نے ہمارے ویکھانکوں کے آگے دے ڈال دیئے ہوں۔ لیکن اگر یہ موضوع ہمارے دیکھانکوں کا فرض ہے کہ اس بات کو کھلم کھلا کر دیں اور اپنی آواز پر مانی نہ پڑے دیں۔ اگر سرکار کی جانکاری یا فور جانکاری میں دیکھانک کی مل والے ہمارے ویکھانکوں کی مصلحت کو ہیکڑ بھا رہے ہیں تو دیکھانک کے نام پر ان کو چاہئے کہ دنیا کو بتا دیں کہ یہ اصلیت ہے جو دیکھانک کو رنگنے سے روک رہی ہے۔ اگر ہمارے ویکھانک ایسا نہیں کرتے ہیں تو ایک طرف سے سرکار انہیں بدنام کر دیتی جس طرح فرانکھنس مینسٹر نے پارلیمانٹ میں کہا اور دوسری طرف سے وہ چلتا کا دھواں کھولیں گے۔ آزاد اور نوجوان ہندوستان کے ویکھانکوں کا ایک فرض سب فرضوں سے اوپر ہے اور وہ ہے اپنے اپنے کون یا ایمان کے پرتی سچا اور وفادار ہونا۔

14. 6. '54

—سوریشرام رائے

—سوریش رام رائے

14. 6. '54

## میں اور برتانیہ کا سمجھوتہ

میں اور برتانیہ کا سمجھوتہ 1882 سے شروع ہوا ہے جب برتانیہ نے فرانس کے ساتھ مل کر مصر پر حملہ کیا تھا۔ کچھ دنوں انگریز اور فرانسیسی ساتھ رہے اور بعد میں سمجھوتہ کر کے مصر پر انگریزوں نے قبضہ جما لیا اور مراکو اور الجزائر پر فرانسیسی راج کرنے لگے۔ یہ دونوں ویکھانک طاقتیں تھیں، وہی ان دنوں کی چلتا کا دل نہیں جوت پالتی۔ چلتا کے ڈیڑھوں سے سمجھوتہ ہو کر سمجھوتہ اور دیکھانک

## مصر اور برتانیہ کا سمجھوتہ

میں اور برتانیہ کا سمجھوتہ 1882 سے شروع ہوا ہے جب برتانیہ نے فرانس کے ساتھ مل کر مصر پر حملہ کیا تھا۔ کچھ دنوں انگریز اور فرانسیسی ساتھ رہے اور بعد میں سمجھوتہ کر کے مصر پر انگریزوں نے قبضہ جما لیا اور مراکو اور الجزائر پر فرانسیسی راج کرنے لگے۔ یہ دونوں ویکھانک طاقتیں تھیں، وہی ان دنوں کی چلتا کا دل نہیں جوت پالتی۔ چلتا کے ڈیڑھوں سے سمجھوتہ ہو کر سمجھوتہ اور دیکھانک



ہم لوگوں کی سہت گرنے کے بجائے سبھی کی کا  
کاروبار بے سہت ہو رہے ہیں۔ اپنے جواب میں ہمارے  
کانگریس مینسٹر نے کہا کہ "بنسپت کو رنگ دینے  
کی بات سرکار نے مان لی ہے۔ مگر دیکھتے یہی ہے کہ  
کوئی ایسی ماسب چھوڑ اب تک نہیں ملی ہے جو  
بنسپت کو رنگ بھی دے اور خود اسکا رنگ کسی کو  
مٹا نہ سکے۔"

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ملک بھاپی بنسپت کے  
بارے میں مانگ کو ہماری سرکار نے قبول کر لیا ہے۔  
مگر اس پر یقین مشکل ہے کہ بنسپت کو رنگ  
دینے کے لئے مناسب چھوڑ اب تک نہیں مل سکی۔ آسانی  
بے دیا جا سکے والا اور ہنگامہ بھلا رنگ بھلا کسی دھواہی  
کے ہلدی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں معلوم  
ہوا ہے کہ ہنگال کے مشہور سائنس دان اور پرائے ٹرام  
سپورٹ ڈاکٹر سٹیف چندر داس کوٹا نے چھوٹی کے ساتھ  
امان کیا ہے کہ بنسپت کو رنگ دینے کی چھوڑ نہ  
مل سکے کی بات غلط ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ کام  
بغیر ہی انجام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن نقارخانہ میں طوطی  
کی کون سلگتا ہے۔ سرکار نے انکی بات آن سڈی کر دی  
اور بنسپت دن دینی رات چوکنی رفتار سے ہمارے  
کھڑے شہروں اور قصبوں کو لہا کر رہا ہے۔

اگر سرکار کو سچے سچ اس بات کی فکر ہے کہ بنسپت  
کو رنگ دینے کا کام سبھی ہاتھ کے سپرد کر سکتی  
ہے اور پھر ان کے کام کی جانچ اپنے ایکسپروٹوں اور ماحوروں  
سے کر سکتی ہے۔ یا وہ اپنی مصلحتوں آف سائنٹیفک  
ریسورسز (Ministry of Scientific Resources) کو  
حکم دے سکتی ہے کہ فن مدد کے اندر یہ کام کر  
ڈالنا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ سرکار یہ کام مزے میں  
کر سکتی ہے کیونکہ اس کے ماتحت ہمارے ملک میں بھی  
کھوج اور رسرچ کرنے کی لہریاں ہیں جہاں پر یہ تک سوچا  
جا رہا ہے کہ ایٹم کی طاقت کو فائنٹی کے کام میں کس  
طرح لیا جائے۔ انہی بڑے کام کے سامنے بنسپت کو رنگ  
کا کام تو بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر سرکاری  
لہریاں یہ کام نہیں کر پاتی ہیں تو پھر کون یقین  
کرے کہ وہ کوئی اور بڑا کام تھک طرح سے کر  
سکیں گی۔ اگر واقعی ہمارے دیہی کے ریکھانک اور  
لوہا ہار لوگ بنسپت کے رنگ کے کام میں فتح نہیں  
پا سکتے ہیں تب تو ہمیں ان کی عقل و  
تالیف و جفاہی کے بارے میں دوبارہ سوچنا پڑے گا  
اور ہمارا خیال ہے کہ پھر ایڈیٹورنگ و فوجی و فوری  
مصلحتوں میں تو یہ اور بھی ڈاکٹر ڈاکٹر ہونگے۔ ایسی

میں لوگوں کی سہت گرنے کے بجائے سبھی کی کا  
کاروبار بے سہت ہو رہے ہیں۔ اپنے جواب میں ہمارے  
کانگریس مینسٹر نے کہا کہ "بنسپت کو رنگ دینے  
کی بات سرکار نے مان لی ہے۔ مگر دیکھتے یہی ہے کہ  
کوئی ایسی ماسب چھوڑ اب تک نہیں ملی ہے جو  
بنسپت کو رنگ بھی دے اور خود اسکا رنگ کسی کو  
مٹا نہ سکے۔"

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ملک بھاپی بنسپت کے  
بارے میں مانگ کو ہماری سرکار نے قبول کر لیا ہے۔  
مگر اس پر یقین مشکل ہے کہ بنسپت کو رنگ  
دینے کے لئے مناسب چھوڑ اب تک نہیں مل سکی۔ آسانی  
بے دیا جا سکے والا اور ہنگامہ بھلا رنگ بھلا کسی دھواہی  
کے ہلدی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں معلوم  
ہوا ہے کہ ہنگال کے مشہور سائنس دان اور پرائے ٹرام  
سپورٹ ڈاکٹر سٹیف چندر داس کوٹا نے چھوٹی کے ساتھ  
امان کیا ہے کہ بنسپت کو رنگ دینے کی چھوڑ نہ  
مل سکے کی بات غلط ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ کام  
بغیر ہی انجام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن نقارخانہ میں طوطی  
کی کون سلگتا ہے۔ سرکار نے انکی بات آن سڈی کر دی  
اور بنسپت دن دینی رات چوکنی رفتار سے ہمارے  
کھڑے شہروں اور قصبوں کو لہا کر رہا ہے۔

اگر سرکار کو سچے سچ اس بات کی فکر ہے کہ بنسپت  
کو رنگ دینے کا کام سبھی ہاتھ کے سپرد کر سکتی  
ہے اور پھر ان کے کام کی جانچ اپنے ایکسپروٹوں اور ماحوروں  
سے کر سکتی ہے۔ یا وہ اپنی مصلحتوں آف سائنٹیفک  
ریسورسز (Ministry of Scientific Resources) کو  
حکم دے سکتی ہے کہ فن مدد کے اندر یہ کام کر  
ڈالنا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ سرکار یہ کام مزے میں  
کر سکتی ہے کیونکہ اس کے ماتحت ہمارے ملک میں بھی  
کھوج اور رسرچ کرنے کی لہریاں ہیں جہاں پر یہ تک سوچا  
جا رہا ہے کہ ایٹم کی طاقت کو فائنٹی کے کام میں کس  
طرح لیا جائے۔ انہی بڑے کام کے سامنے بنسپت کو رنگ  
کا کام تو بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر سرکاری  
لہریاں یہ کام نہیں کر پاتی ہیں تو پھر کون یقین  
کرے کہ وہ کوئی اور بڑا کام تھک طرح سے کر  
سکیں گی۔ اگر واقعی ہمارے دیہی کے ریکھانک اور  
لوہا ہار لوگ بنسپت کے رنگ کے کام میں فتح نہیں  
پا سکتے ہیں تب تو ہمیں ان کی عقل و  
تالیف و جفاہی کے بارے میں دوبارہ سوچنا پڑے گا  
اور ہمارا خیال ہے کہ پھر ایڈیٹورنگ و فوجی و فوری  
مصلحتوں میں تو یہ اور بھی ڈاکٹر ڈاکٹر ہونگے۔ ایسی

पर कोई समझदार आदमी कैसे झुंघ सकता है कि जिसको जितना रास्ता चाहिये उतना मिलने लगा. आज भी हिन्दुस्तान में हजारों लाखों को मर पेट भोजन क्या एक जून भी ठीक से खाना नहीं मिलता. और अगर इसका सबूत ही चाहिये तो नई दिल्ली स्टेशन से दिल्ली स्टेशन तक पैदल चल कर मछों में हासिल किया जा सकता है. दूर की बात झोक दें, रेल की पटरी के पास वह तकलीफ़रह नज़्ज़ारे देखने को मिलेंगे जिन से साफ पता चल जायेगा कि फ़ाइनेन्स मिनिस्टर साहब कहां तक सब बोल रहे हैं. या फिर दिल्ली, बम्बई, कलकत्ता या मद्रास के होटलों के आगे जूठन के ढेरों को देखिये जहां इन्सान की औलाद, कुत्ता और कौय अपने अपने हिस्से के लिये लड़ते वीखते हैं. या उनको जाने दें. अपने पदे लिखे नौजवानों को हैं. उनके बारे में तो सरकारी रिपोर्टें खूद ही बताती हैं कि वह बेरोज़गारी के शिकार हैं और कोई सूत उनके काम से लगने की नहीं पैदा हो रही है.

इसके अलावा हर आदमी यह जानता है कि अनाज या कोई चीज पैदा करना एक बात है मगर उसका तत्कालीन हो जाना, और ठीक तत्कालीन हो जाना, शिल्कुल दूसरी बात है. पैदा होने पर ही यह नहीं कहा जा सकता कि जिसको जितना भिल्लना चाहिये उतना भिल्ल गया. अगर ऐसा हुआ करता तो शायद इस दुनिया की शकल ही कुछ दूसरी होती और गरीब अमीर में या मासिक मजदूर में आज अमीन आसमान जैसे फर्क न होते.

हमें अफसोस है कि फ्राइनेन्स मिनिस्टर जैसी जिम्मेदार हस्ती इस तरह का प्रचार करे। हम बड़े अर्थ के साथ यह कहना चाहते हैं कि हिन्दुस्तान के सब मिनिस्टर मिल कर भी अगर असलियत छुपा कर सतत बात के प्रचार में लग जायें तो भी उनकी मेहनत उसी तरह बेकार साबित होगी जैसे बहते पानी के आगे बालू की दीवार खड़ी करना। इसके जिलाफ अगर हालत असलियत में अच्छी है तो मुरक की तरह उसका असर खुद बखुद फैलेगा और कोई प्रचार की खास जरूरत नहीं पड़ेगी। आकाश व नये हिन्दुस्तान की बुनियाद भूटे प्रचार के बजाय सच्ची असलियत पर खड़ी करना हर इन्सान का फर्ज है, पर अगर वह मिनिस्टर है तब तो और भी ज्यादा।

**28. 6. '54**

--सुरेशराम भाई

ہر گزنی سمجھدار اُسی گھسے پہنچ سکتا ہے کہ  
 جس کو چھٹا ملے چاہئے اتنا ملے گا۔ آج ہی  
 ملکستان میں ہزاروں لاکھوں کو ہر وقت بھونچ  
 کھا لیک جہن بھی ٹھیک سے کہتا نہیں ملتا۔  
 اور اگر اس کا ثبوت ہی چاہئے تو نئی دلی اسمبلی  
 سے دلی اسمبلی تک پودل چل کر مزے میں حاصل کیا  
 جا سکتا ہے۔ دور کی بات چھوڑ دیں، ریل کی پٹری کے  
 پاس وہ تکلف نہ نظارے دیکھنے کو ملے کہ جن سے صاف  
 پتہ چل جائے گا کہ فالٹس مسٹر صاحب کہاں تک  
 سچ بول رہے ہیں۔ یا پھر دلی، ممبئی، کلکتہ یا مدراس  
 کے ہوٹلوں کے آگے جوٹھن کے قہروں کو دیکھئے جہاں  
 انسان کی اولاد، گنا اور کوٹہ اچے اچے حصے کے لئے لوتے دیکھتے  
 ہیں۔ یا ان کو جانے دیں۔ اچے پڑھ لکھے نوجوانوں کو  
 لہوں۔ ان کے بارے میں تو سرکاری رپورٹوں خود ہی بتاتی  
 ہیں کہ وہ پوروزگاری کے شکار ہیں اور کوئی صورت ان کے  
 کام سے لگنے کی نہیں پیدا ہو رہی ہے۔

اس کے علاوہ ہر آدمی یہ جانتا ہے کہ اناج یا کوئی چھو پھوٹا کرنا ایک بات ہے مگر اس کا تقسیم ہو جانا اور تھوہک تقسیم ہو جانا بالکل دوسری بات ہے۔ پھوٹا ہونے پر ہی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جسکو چھٹا ملنا چاہئے اٹنا مل گیا۔ اگر ایسا ہوا کرتا تو شاید اس دنیا کی شکل ہی کچھ دوسری ہوتی اور فریب اس میں یا مالک مزدور میں آج زمین آسمان کے چودہ لڑکے نہ ہوتے۔

میں افسوس ہے کہ فالٹھنس منسٹر جیسی ذمہ دار  
ہستی اسی طرح کا پرچار کرے۔ ہم بڑے ادب کے ساتھ یہ  
کہنا چاہتے ہیں کہ هندوستان کے سب منسٹر مل کر  
بھی اگر اصلیت چھپا کر غلط بات بے پرچار میں لگ  
جائیں تو بھی ان کی مصلحت اسی طرح بھڑک ثابت ہوگی  
جیسے بہتے پانی کے اگے بالو کی دیوار کھڑی کرنا۔ اس کے  
خلاف اگر حالت اصلیت میں آجی ہے تو مہک کی  
طرح اس کا اثر خود بخود پھیلے گا اور کوئی پرچار کی  
خاص ضرورت نہیں ہوگی۔ آزاد و نئے هندوستان کی بلحاظ  
جہت پرچار کے بجائے سچی اصلیت پر کھڑی کرنا ہر انسان  
کا فرض ہے، پر اگر وہ منسٹر ہے تب تو اور بھی زیادہ۔

— سریش و امپہائی

28. 6. '54

## वनस्पति और हमारे वैज्ञानिक

पालियामेन्ट के पिछले बजट इजलास में वनस्पति की परम्पी कुछ बर्षा बर्षी. पीछीसीत की रानी चम्पावती वनस्पति के उसे सुखानवह बताया और कहा कि उससे

## ونسپتی اور ہمارے ویگیانگ

ہارلیماسٹ کے پچھلے بھرت اجلاس میں وضاحتی  
گہی پر بھی کچھ چرچا چلی۔ پہلی بھرت کی والی  
چٹھراپتی لکھنوال نے اسے تصدیق دے بتایا اور کہا کہ اس سے

ई इकरात से खाना और कपड़ा होता था. मगर बाक्या है कि अंग्रेजी अमलदारी के अन्दर हिन्दुस्तान में जितने अकाल, और एक से एक भयानक अकाल, पड़े इतने हमारे मुल्क के इतिहास में कभी नहीं पड़े. और मांकड़ों के लिहाज से यह भी आसानी से साबित किया जा सकता है कि हिन्दुस्तान के बाशिन्दों को रहने सहने के लिये मकान का बन्दोबस्त है.

मगर असलियत कुछ और ही है. मार्च 1953 में पार्जियामेन्ट के सामने एक बयान देते हुए मरकजी फूड मिनिस्टर श्री रफी अहमद क़िदवाई ने कहा था कि इस साल 2 करोड़ 76 लाख से ज्यादा आनी तीन करोड़ के लगभग आदमियों को खुराक की तंगी का शिकार होना पड़ा. उन्होंने तफ़्सील देते हुए बतलाया था:

| सूबा         | खास में तादाद |
|--------------|---------------|
| मद्रास       | 85            |
| बम्बई        | 60            |
| मैसूर        | 43            |
| राजस्थान     | 26            |
| विध्य प्रदेश | 22            |
| मध्य प्रदेश  | 15            |
| हैद्राबाद    | 14            |
| मध्य भारत    | 8             |
| छोराष्ट्र    | 3             |

उन्होंने यह भी कहा कि बिहार, पच्छिम बंगाल और उत्तर प्रदेश में गये साल अकाल की हालतों से ज्यादा परेशानी थी, मगर इस साल नहीं.

यह इतना रफ़ी साहब ने 12 मार्च 1953 को दी थी. इत्फ़ाक़ की बात है कि उसी दिन बीकानेर शहर में राजस्थान कैमीन कमिशनर (Famine Commissioner) ने प्रेस नुमाइश्वों के सामने एक बयान में कहा कि इस साल बीकानेर विविजन के दो तिहाई हिस्से की हालत बहुत खराब है और चार लाख से ऊपर आदमी अकाल की गिरफ्त में हैं. उन्होंने यह भी बताया कि इसी तरह जोधपुर और उदयपुर विविजनों की हालत है जहां 18 लाख आदमी इस महामारी के शिकार हुए हैं.

अब कौन मान लेगा कि 1952-54 में हालत इतनी बदल गई कि हर एक को भर पेट खाना मिलने लगा. हमें यह भी नहीं भूलना है कि पंचासाला योजना जिसे कहा जाता है वह 1951 में शुरू हुई और यह अकाल उसके दूसरे साल में ही पड़ गये. यह हो सकता है कि फ़ाइनेन्स और फूड मिनिस्ट्रियों को सूबों से खबर आ गई हो कि फ़ाकी साल 1953-54 में पैदा हो गया है. मगर इस से इस नतीजे

में हिन्दुस्तान में अकाल से कहाँ और कहाँ होता था. मगर आगे है कि अंगरेज़ी अमलदारी के अन्दर हिन्दुस्तान में जितने अकाल, और एक से एक भयानक अकाल, पड़े हमारे मुल्क के इतिहास में कभी नहीं पड़े. और मांकड़ों के लिहाज से यह भी आसानी से साबित किया जा सकता है कि हिन्दुस्तान के बाशिन्दों को रहने सहने के लिये मकान का बन्दोबस्त है.

मगर असलियत कुछ और ही है. मार्च 1953 में पार्जियामेन्ट के सामने एक बयान देते हुए मरकजी फूड मिनिस्टर श्री रफी अहमद क़िदवाई ने कहा था कि इस साल 2 करोड़ 76 लाख से ज्यादा आनी तीन करोड़ के लगभग आदमियों को खुराक की तंगी का शिकार होना पड़ा. उन्होंने तफ़्सील देते हुए बतलाया था:

| सूबा         | खास में तादाद |
|--------------|---------------|
| मद्रास       | 85            |
| बम्बई        | 60            |
| मैसूर        | 43            |
| राजस्थान     | 26            |
| विध्य प्रदेश | 22            |
| मध्य प्रदेश  | 15            |
| हैद्राबाद    | 14            |
| मध्य भारत    | 8             |
| छोराष्ट्र    | 3             |

अब कौन मान लेगा कि 1952-54 में हालत इतनी बदल गई कि हर एक को भर पेट खाना मिलने लगा. हमें यह भी नहीं भूलना है कि पंचासाला योजना जिसे कहा जाता है वह 1951 में शुरू हुई और यह अकाल उसके दूसरे साल में ही पड़ गये. यह हो सकता है कि फ़ाइनेन्स और फूड मिनिस्ट्रियों को सूबों से खबर आ गई हो कि फ़ाकी साल 1953-54 में पैदा हो गया है. मगर इस से इस नतीजे

में हिन्दुस्तान में अकाल से कहाँ और कहाँ होता था. मगर आगे है कि अंगरेज़ी अमलदारी के अन्दर हिन्दुस्तान में जितने अकाल, और एक से एक भयानक अकाल, पड़े हमारे मुल्क के इतिहास में कभी नहीं पड़े. और मांकड़ों के लिहाज से यह भी आसानी से साबित किया जा सकता है कि हिन्दुस्तान के बाशिन्दों को रहने सहने के लिये मकान का बन्दोबस्त है.

मगर असलियत कुछ और ही है. मार्च 1953 में पार्जियामेन्ट के सामने एक बयान देते हुए मरकजी फूड मिनिस्टर श्री रफी अहमद क़िदवाई ने कहा था कि इस साल 2 करोड़ 76 लाख से ज्यादा आनी तीन करोड़ के लगभग आदमियों को खुराक की तंगी का शिकार होना पड़ा. उन्होंने तफ़्सील देते हुए बतलाया था:

نیکل پڑتے ہیں۔ اس تقریب میں جو اس وقتوں وہ جگہ جگہ دیتے ہیں ان میں اصل میں کی جگہ پرچار کی زیادہ مہک آتی ہے۔ اکثر تقریبوں میں ایک خطرناک سبتوں دھماکے اور بعض میں عجیب و غریب فخر جاتکاری ہوتی ہوتی ہے۔ یہ سب خصوصیتیں ہندو کلدی فائٹلس فلسفہ کی ایک اہمیت میں ہیں جسکی طرف ہم آج پریمی پاتھوں کا دھیان کھینچنا چاہتے ہیں۔

یہ بھاشن شری چلتا میں دھمکے نے 25 مئی کو دیا جب وہ بدھنی میں ریزرو بولڈک آف انڈیا کے ملازموں کے رہنے کے لئے دو کروڑ روپے کے خرچ سے بنی ایک بستی کا افتتاح کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر کے دوران میں جو لفظ کہہ اس کے کچھ حصہ کا انبواہ ہم نہایت دے رہے ہیں :

”لوگوں کی دو بلحاظی ضرورتوں—خانا اور کپڑے—کا یونانیسیہ و واجیہ ہمتیہام ہماری پہلی پंचसाला योजना में हो गया۔ मेरा ख्याल है कि अब दूसरी पंचसाला योजना में जरूरत इस बात की है कि रहाइश या मकान बनाने के काम पर ज्यादा जोर दिया जाये। इसमें शहरों के अन्दर मकानों पर ज्यादा तबज्जद दी जाये ताकि शहरों में जो खीचा-तानी है उसमें कमी आये और नये सलम (Slum) या गन्दी बस्तियां बज्जू में न आ सकें। (स्टेट्समैन मई 27)

یہ بھاشن شری چلتا میں دھمکے نے 25 مئی کو دیا جب وہ بدھنی میں ریزرو بولڈک آف انڈیا کے ملازموں کے رہنے کے لئے دو کروڑ روپے کے خرچ سے بنی ایک بستی کا افتتاح کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر کے دوران میں جو لفظ کہہ اس کے کچھ حصہ کا انبواہ ہم نہایت دے رہے ہیں :

”لوگوں کی دو بلحاظی ضرورتوں—خانا اور کپڑے—کا یونانیسیہ و واجیہ ہمتیہام ہماری پہلی پंचसाला योजना में हो गया۔ मेरा ख्याल है कि अब दूसरी पंचसाला योजना में जरूरत इस बात की है कि रहाइश या मकान बनाने के काम पर ज्यादा जोर दिया जाये। इसमें शहरों के अन्दर मकानों पर ज्यादा तबज्जद दी जाये ताकि शहरों में जो खीचा-तानी है उसमें कमी आये और नये सलम (Slum) या गन्दी बस्तियां बज्जू में न आ सकें। (स्टेट्समैन मई 27)

یہ بھاشن شری چلتا میں دھمکے نے 25 مئی کو دیا جب وہ بدھنی میں ریزرو بولڈک آف انڈیا کے ملازموں کے رہنے کے لئے دو کروڑ روپے کے خرچ سے بنی ایک بستی کا افتتاح کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر کے دوران میں جو لفظ کہہ اس کے کچھ حصہ کا انبواہ ہم نہایت دے رہے ہیں :

یہ بھاشن شری چلتا میں دھمکے نے 25 مئی کو دیا جب وہ بدھنی میں ریزرو بولڈک آف انڈیا کے ملازموں کے رہنے کے لئے دو کروڑ روپے کے خرچ سے بنی ایک بستی کا افتتاح کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر کے دوران میں جو لفظ کہہ اس کے کچھ حصہ کا انبواہ ہم نہایت دے رہے ہیں :

یہ بھاشن شری چلتا میں دھمکے نے 25 مئی کو دیا جب وہ بدھنی میں ریزرو بولڈک آف انڈیا کے ملازموں کے رہنے کے لئے دو کروڑ روپے کے خرچ سے بنی ایک بستی کا افتتاح کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر کے دوران میں جو لفظ کہہ اس کے کچھ حصہ کا انبواہ ہم نہایت دے رہے ہیں :

یہ بھاشن شری چلتا میں دھمکے نے 25 مئی کو دیا جب وہ بدھنی میں ریزرو بولڈک آف انڈیا کے ملازموں کے رہنے کے لئے دو کروڑ روپے کے خرچ سے بنی ایک بستی کا افتتاح کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر کے دوران میں جو لفظ کہہ اس کے کچھ حصہ کا انبواہ ہم نہایت دے رہے ہیں :

یہ بھاشن شری چلتا میں دھمکے نے 25 مئی کو دیا جب وہ بدھنی میں ریزرو بولڈک آف انڈیا کے ملازموں کے رہنے کے لئے دو کروڑ روپے کے خرچ سے بنی ایک بستی کا افتتاح کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر کے دوران میں جو لفظ کہہ اس کے کچھ حصہ کا انبواہ ہم نہایت دے رہے ہیں :

کے بیٹھوں کا نام کہول کانگریس کو جس طرح ہو پتھلی دینا ہی وہ کیا ہے ؟ کیا اس سے وہ ہندوں کو بچالینگے ؟ کیا ہندوں کو اس ہندو آئندہ دھواؤں اور ان سے گلیہ دھت رواجوں میں سے نکالنا یا کم سے نکالنے کی کوشش کرنا ان کا دھرم نہیں ہے ؟ کانگریس کے نہتاؤں اور کانگریسی افسروں کے بارے میں تو اس سمجھدہ میں ہم اپنی لکھلی کو روک کر ہی رکھیں تو اچھا ہے ۔ انہوں نے راج ستا ہاتھ میں لے لی ، بہت بڑا کام کیا ۔ اب ان کا کام وہ کیا ہے کہول جس طرح ہو سکے راج ہندی سنبھالے رکھنا ! ہم اس کہتلا سے کہول کو ہی نکال کر نکال سکتے ہیں :-

پہلے یہ کہ ان باتوں میں لوگوں کے ساتھ کسی طرح کی زبردستی نہیں کرنی چاہئے۔ اُن کے یہاں روز جانو دھونا دینا جیسے ہم لوگ 'ستھاکرہ' کہتے ہیں، وہ بھی خاصی حالتوں میں، زبردستی ہو جاتی ہے۔ لوگوں کو بچ بچ میں خود سوچنے کا موقع بھی دینا چاہئے۔ ہاں، انہیں جانکر پرہیز سے سمجھانا چاہئے، پر وہ بھی جب وہ سننے کو تیار ہوں۔ مہموں وغیرہ میں کہ لوگوں کو سوچنے سمجھنے کا موقع ملے تو وہ عام طور پر کارہ کرتاؤں سے اور نہمتاؤں سے زیادہ مسجھدار ہوتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ ان الگ الگ دھرموں کا زمانہ اب دنیا سے مٹھنے کے لئے آئے چکا ۔ اب سائب لکل چکا، کوئل ہم لکڑیوں پھٹ رہے ہیں ۔ دنیا بھٹ آئے بڑھ چکی ۔ اب دنیا کو سڑی ملی روز دھوں میں پھنسے ہوئے ان الگ الگ دھرموں کی جگہ جگہ ایک ایسے دھرم کی ضرورت ہے جس میں کوئی پوجا پالہ ہو یا نہ ہو، ایشور پر وشواس بھی ہو یا نہ ہو، لیکن انسانی برابری ہو، مصمت ہو، نہکی، ایمانداری ہو، سچائی ہو اور انسانیت ہو ۔ انسانی قوم کی آگ کی چوھائی بھٹا ٹوہی اور کتنی پہاڑ کی چوٹائی ہے ۔ صدیوں کا کھڑا کمر پر پاندھکر ہم اس چوھائی کو طے نہیں کر سکتے ۔ اس چوھائی کو طے کرنے کے لئے ہمیں آگے بڑھ کر ہلکا کرنا ہوا اور ہمت اور اصولوں کی لٹا سے اپنی کمر کو سیدھا رکھنا ہوا ۔

**20. 7. '54**

## اصلیت اور پرچار

نئی ملی کی پارلیمینٹ یا لوک سبھا کے لئے  
اجلاس کی نوکان مقامات کے لئے ہمارے زیادہ تر مسکن  
آرام کی خاطر یا تو انگریزوں کی طرح پہاڑی علاقوں  
پر چلے جاتے ہیں یا ملک میں مہر سہائم کے لئے

## لڑائی جھڑپ

## چھوڑا چھوڑا

ناگپور سے جے مینڈر بھادورا نام کا ایک گاؤں ہے۔ آبادی سب ہندوؤں کی ہے، جن میں پچاس ساٹھ ہزار کچی جات کے ہندوؤں کے ہیں اور دس ہزار کچر ہریجن یعنی اچھوت سمیت جات والے ہندوؤں کے۔ گاؤں میں دو کلوں ہیں۔ اونچی جات والے اپنے پانی کے لئے ان کلوں سے پانی بہرتے ہیں اور ہریجن کھانے والے گاؤں سے آدھ مہل دور کسی نالے سے پانی بہر کر لاتے ہیں۔ انہیں گاؤں کے کلوں سے پانی نہیں بہرتے دیا جاتا۔

سن 1948 میں بھارت کا ودھان پاس ہو گیا۔ اس میں کم سے کم کلاس کے اوپر چھوڑا چھوڑا سارے ہندوستان سے متعلق لکھی۔ بھادورا کے ایک نیک ہندو لکھنوی راؤ اسناد نے چاہا کہ ان کے ہریجنوں کو بھی گاؤں کے کلوں سے پانی بہرتے دیا جائے۔ لوگوں کو سمجھایا۔ اونچی جات والوں نے نہ سنا۔ آندولن شروع ہو گیا۔ چھ برس سے یہ آندولن جاری ہے۔ ہر ہفتے بڑے بڑے مدھارک، نچا، گندھی بھکت، یہاں تک کہ سرکاری افسر اور مسٹر تک بھادورا جا چکے ہیں۔ ہفتوں وہاں بڑے بڑے ٹیمپ رہے ہیں بڑی سمجھانیں ہوئیں۔ آندولن جاری ہے۔ ہم بھی ایک دن بھادورا جا چکے ہیں۔ ونوبا بھادورے، راجندر بابو، اور جواہر لال جی کے اشرافوں تک بھادورا کے آندولن کو مل چکے ہیں۔ ہر آج تک بھادورا گاؤں کے ہریجنوں کو گاؤں کے کلوں سے پانی لینے کی اجازت نہیں مل سکی۔

اس سارے آندولن کی ایک رپورٹ لکھا ہوا ہے جس کی چھپی ہوئی ”نیا ہند“ میں رپورٹ کے لئے ہمارے پاس آئی ہے اور ہم سے صلاح بھی مانگی گئی۔ ہم حیران ہیں اور شرمندہ ہیں کہ کیا نہیں۔ جو دھرم اتنا کر کیا ہوا کہ کیا سچ سے زندہ رہنے کا حقدار ہے؟ اور کیا دنیا آج زندہ رہنے دے سکتی ہے؟ ہماری باتیں جن کو کوئی نہ سنے گا۔ ہر ہم حیران ہیں کہ کیا ہمارے ہندو دنیا اور رشتہ کی سب سے بڑی بات

سن 1948 میں بھارت کا بیڈان پاس ہو گیا۔ اس میں کم سے کم کلاس کے اوپر لڑائی جھڑپ سارے ہندوستان سے میٹا دی گئی۔ بھادورا کے ایک نیک ہندو لکھنوی راؤ نے چاہا کہ ان کے ہریجنوں کو بھی گاؤں کے کلوں سے پانی بہرتے دیا جائے۔ لوگوں کو سمجھایا۔ اونچی جات والوں نے نہ سنا۔ آندولن شروع ہو گیا۔ چھ برس سے یہ آندولن جاری ہے۔ ہر ہفتے بڑے بڑے مدھارک، نچا، گندھی بھکت، یہاں تک کہ سرکاری افسر اور مسٹر تک بھادورا جا چکے ہیں۔ ہفتوں وہاں بڑے بڑے ٹیمپ رہے، بڑی بڑی سمیٹیں ہوئی۔ آندولن جاری ہے۔ ہم بھی ایک دن بھادورا جا چکے ہیں۔ ونوبا بھادورے، راجندر بابو اور جواہر لال جی کے اشرافوں تک بھادورا کے آندولن کو مل چکے ہیں۔ ہر آج تک بھادورا گاؤں کے ہریجنوں کو گاؤں کے کلوں سے پانی لینے کی اجازت نہیں مل سکی۔

اس سارے آندولن کی ایک رپورٹ گیارہ پانچوں کی لپی ہے ”نیا ہند“ میں ریکورڈ کے لیے ہمارے پاس آئی ہے، اور ہم سے صلاح بھی مانگی گئی۔ ہم حیران ہیں اور شرمندہ ہیں کہ کیا نہیں۔ جو دھرم اتنا کر کیا ہوا کہ کیا سچ سے زندہ رہنے کا حقدار ہے؟ اور کیا دنیا آج زندہ رہنے دے سکتی ہے؟ ہماری باتیں جن کو کوئی نہ سنے گا۔ ہر ہم حیران ہیں کہ کیا ہمارے ہندو دنیا اور رشتہ کی سب سے بڑی بات



## آج کے کवि

لکھنے والے — لکھتے موہن ابھری، نیکالنے والے — کرنٹ پبلشرس، سی مال، کانپور، لکھاوت — ہندی، صفحہ — 205، دام — تین روپے۔

کلا کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کلاکار کو سمجھا جائے۔ دنیا کے بڑے بڑے کلاکار اس بات پر سمجھتے ہیں کہ کلاکار اپنے ارد گرد کو سمجھتا ہے، اس سمجھ کو نظم کرنا ہے اور تب جو چیز لکھتا ہے وہ کامیاب ہوتی ہے۔ بہت سی رچناؤں کی کامیابی اور ناکامی کی جو لکھک کے جہوں میں ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ لکھک کو ہر پہلو سے جانا جائے اور تب اس کی کلا کا صحیح اندازہ کیا جائے گا۔ اسی درستی کوں سے ”آج کے کوی“ لکھی گئی ہے۔

اس ہستک میں چودہ کویوں کا ذکر ہے۔ سب کے سب نئے ہیں، نوجوان ہیں۔ کچھ پرگتی شہل ہیں، کچھ اچے کو پرگتی شہل نہیں کہتے۔ اس طرح ایک ساتھ بہت سے روپ اور بہت سے وجار سامنے آتے ہیں اور سندر، کم سندر طے کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس ہستک میں چودہ کویوں کے چتر دئے گئے ہیں اور چٹا کے نمونے دینے سے پہلے کویوں پر ہندوئی سے بھرے آلوچانک نوٹ دئے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اوستھی جی نے معرے کی سادھتہ سہوا کی ہے اور انہیں بدعائی ملنی چاہئے۔ اس سلسلے میں دوسری کتابوں اوستھی جی لکھ رہے ہیں، جو کوی اس کتاب میں نہیں ہیں، وہ اس میں جائے پائیں گے۔ آئے والی کتابیں جلدی ہوں گی، یہی ہر سادھتہ سہوی کی اہل ہو سکتی ہے۔ — محبوب دھوی

اس ہستک میں چودہ کویوں کا ذکر ہے۔ سب کے سب نئے ہیں، نوجوان ہیں۔ کچھ پرگتی شہل ہیں، کچھ اچے کو پرگتی شہل نہیں کہتے۔ اس طرح ایک ساتھ بہت سے روپ اور بہت سے وجار سامنے آتے ہیں اور سندر، کم سندر طے کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس ہستک میں چودہ کویوں کے چتر دئے گئے ہیں اور چٹا کے نمونے دینے سے پہلے کویوں پر ہندوئی سے بھرے آلوچانک نوٹ دئے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اوستھی جی نے معرے کی سادھتہ سہوا کی ہے اور انہیں بدعائی ملنی چاہئے۔ اس سلسلے میں دوسری کتابوں اوستھی جی لکھ رہے ہیں، جو کوی اس کتاب میں نہیں ہیں، وہ اس میں جائے پائیں گے۔ آئے والی کتابیں جلدی ہوں گی، یہی ہر سادھتہ سہوی کی اہل ہو سکتی ہے۔ — محبوب دھوی

اس میں کوئی شک نہیں کہ اوستھی جی نے معرے کی سادھتہ سہوا کی ہے اور انہیں بدعائی ملنی چاہئے۔ اس سلسلے میں دوسری کتابوں اوستھی جی لکھ رہے ہیں، جو کوی اس کتاب میں نہیں ہیں، وہ اس میں جائے پائیں گے۔ آئے والی کتابیں جلدی ہوں گی، یہی ہر سادھتہ سہوی کی اہل ہو سکتی ہے۔ — محبوب دھوی

## پروانے کی ڈائری

لکھنے والے — سٹیڈیون ہرکان، نیکالنے والے — مکتبا مکار، चौक (मक़ाबिल कोतवाली) इलाहाबाद; लिखावट — उर्दू، सफ़हा — 154, دام — दो रुपये चार आने.

اس کتاب کا نام ”پروانے کی ڈائری“ ہے لیکن اس نے خطوں کا لے لیا ہے۔ ڈائری اور خط کے لکھنے میں فرق ہے۔ جو شہلی اور جو وجار دمارا اس کتاب میں ابتدائی لکھی ہے وہ قاضی محمد عبدالغفار کی ہے۔ لیکن قاضی صاحب کی کتابوں اونچی ہیں، ان تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔ پریم کتھا خود بہت دلچسپ نہیں ہوتی، اسے اپنے نازے انوہوں اور سندر سچھلی بھاغا سے دلچسپ بنایا جاتا ہے۔ بھاغا کے نام پر اس کتاب میں اردو کی چکی پلائی نثر ملتی ہے اور انوہو کے نام پر کچھ بھی نہیں دیکھ پوتا۔

ادب کی دنیا میں اس کتاب کا کوئی مول نہیں ہے۔ لیکن یہی پہلو کے لئے اچھی ہے۔ — مصطفیٰ حیدر

## آج کے کوی

لکھنے والے — لکھتے موہن ابھری، نیکالنے والے — کرنٹ پبلشرس، سی مال، کانپور، لکھاوت — ہندی، صفحہ — 205، دام — تین روپے۔

کلا کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کلاکار کو سمجھا جائے۔ دنیا کے بڑے بڑے کلاکار اس بات پر سمجھتے ہیں کہ کلاکار اپنے ارد گرد کو سمجھتا ہے، اس سمجھ کو نظم کرنا ہے اور تب جو چیز لکھتا ہے وہ کامیاب ہوتی ہے۔ بہت سی رچناؤں کی کامیابی اور ناکامی کی جو لکھک کے جہوں میں ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ لکھک کو ہر پہلو سے جانا جائے اور تب اس کی کلا کا صحیح اندازہ کیا جائے گا۔ اسی درستی کوں سے ”آج کے کوی“ لکھی گئی ہے۔

اس ہستک میں چودہ کویوں کا ذکر ہے۔ سب کے سب نئے ہیں، نوجوان ہیں۔ کچھ پرگتی شہل ہیں، کچھ اچے کو پرگتی شہل نہیں کہتے۔ اس طرح ایک ساتھ بہت سے روپ اور بہت سے وجار سامنے آتے ہیں اور سندر، کم سندر طے کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس ہستک میں چودہ کویوں کے چتر دئے گئے ہیں اور چٹا کے نمونے دینے سے پہلے کویوں پر ہندوئی سے بھرے آلوچانک نوٹ دئے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اوستھی جی نے معرے کی سادھتہ سہوا کی ہے اور انہیں بدعائی ملنی چاہئے۔ اس سلسلے میں دوسری کتابوں اوستھی جی لکھ رہے ہیں، جو کوی اس کتاب میں نہیں ہیں، وہ اس میں جائے پائیں گے۔ آئے والی کتابیں جلدی ہوں گی، یہی ہر سادھتہ سہوی کی اہل ہو سکتی ہے۔ — محبوب دھوی

## پروانے کی ڈائری

لکھنے والے — مصی الدین، نیکالنے والے — مکتبہ چھلکار، चौक (कोतवाली), الہ آباد, لکھاوت — اردو, صفحہ — 154, دام — دو روپے چار آنے :

اس کتاب کا نام ”پروانے کی ڈائری“ ہے لیکن اس نے خطوں کا لے لیا ہے۔ ڈائری اور خط کے لکھنے میں فرق ہے۔ جو شہلی اور جو وجار دمارا اس کتاب میں ابتدائی لکھی ہے وہ قاضی محمد عبدالغفار کی ہے۔ لیکن قاضی صاحب کی کتابوں اونچی ہیں، ان تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔ پریم کتھا خود بہت دلچسپ نہیں ہوتی، اسے اپنے نازے انوہوں اور سندر سچھلی بھاغا سے دلچسپ بنایا جاتا ہے۔ بھاغا کے نام پر اس کتاب میں اردو کی چکی پلائی نثر ملتی ہے اور انوہو کے نام پر کچھ بھی نہیں دیکھ پوتا۔

ادب کی دنیا میں اس کتاب کا کوئی مول نہیں ہے۔ لیکن یہی پہلو کے لئے اچھی ہے۔ — مصطفیٰ حیدر

# کتابیں

## جیندگی مسکرائے

لکھنے والے — کھنڈیا لال مہر پرہیاکر؛ نکلنے والے — بہارنہ کھان پھتہ؛ کاش؛ لکھاؤت ملدی؛ صفحہ — 296؛ دام چار روپے۔

”جیندگی مسکرائے“ کو پڑھ کر سب سے پہلے جیندگی مسکرائے پڑھتی ہے۔ پڑھتے جا رہے، کبھی آپ کا راس ختم نہیں ہوگا۔ جس پڑھنے کو خولیں گے اس پر جیندگی کا سہارا ملے گا۔ اگر کوئی کتاب چار روپے نو سو روپے کر سکتی ہے اور نوجوانوں کو نئی نئی چیزیں پڑھانے سکتی ہے تو وہ ”جیندگی مسکرائے“ ہے۔ شہلی انڈیا روچک ہے کہ ایک دفعہ کتاب اٹھا کر پڑھ کر دیکھنے کا دل نہیں چاہتا۔ ہر مہر ایک نکتہ ہے جو دل میں گونا گونا ہے۔ کاش ہر نوجوان تک یہ کتاب پڑھ سکتے۔

اس ہفتے میں پرہیاکر جی کے 43 اسکچ اور نکتہ ہیں۔ ان دھڑاؤں کی پڑھ کر پرہیاکر جی کے کمرے انہوں اور تھپس کا حال ہے۔ ہر دھڑاؤں میں نئی نئی چیزیں پڑھنا ہے۔ پرہیاکر جی کے بہت سے چاروں سے کوئی سمجھتے نہ ہو، یہ سمجھو۔ لیکن ”جیندگی مسکرائے“ کی مہارت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ابھی تک ملدی میں اگر کوئی دھڑاؤ ہے اور نوجوانوں کو ہلوانے دھڑاؤ کر سکتی ہے تو وہ ”جیندگی مسکرائے“ کے علاوہ کوئی دوسری دھڑاؤ نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی شہد اور سندر پڑھا لکھتا چاہتا ہے تو پرہیاکر جی کو آہ کر ماننا پڑے گا۔ اس کتاب کی پڑھاؤں میں سب کو چیلنج کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ بول چال کی پڑھاؤ اور ہوتی ہے اور سادہ کی پڑھاؤ اور ہوتی ہے۔ ملدی کو سوارنے کا شہد پرہیاکر جی کو ہے اور اس اصول دین کے لئے میں ہمتی سے ان کے سامنے سر جھکاؤں۔

یہ وہ کتاب ہے جسکو پڑھ کر سب کو ہلوانے دھڑاؤ پڑھاؤ اور لکھنا پڑھنا میں تو اسے پڑھنا ہی چاہئے۔

—جونیور ریڈیو

—مہر پرہیاکر

## زندگی مسکرائی

لکھنے والے — کھنڈیا لال مہر پرہیاکر؛ نکلنے والے — بہارنہ کھان پھتہ؛ کاش؛ لکھاؤت ملدی؛ صفحہ — 296؛ دام چار روپے۔

”زندگی مسکرائی“ کو پڑھ کر سب سے پہلے زندگی مسکرائی پڑھتی ہے۔ پڑھتے جا رہے، کبھی آپ کا راس ختم نہیں ہوگا۔ جس پڑھنے کو خولیں گے اس پر زندگی کا سہارا ملے گا۔ اگر کوئی کتاب چار روپے نو سو روپے کر سکتی ہے اور نوجوانوں کو نئی نئی چیزیں پڑھانے سکتی ہے تو وہ ”زندگی مسکرائی“ ہے۔ شہلی انڈیا روچک ہے کہ ایک دفعہ کتاب اٹھا کر پڑھ کر دیکھنے کا دل نہیں چاہتا۔ ہر مہر ایک نکتہ ہے جو دل میں گونا گونا ہے۔ کاش ہر نوجوان تک یہ کتاب پڑھ سکتے۔

اس ہفتے میں پرہیاکر جی کے 43 اسکچ اور نکتہ ہیں۔ ان دھڑاؤں کی پڑھ کر پرہیاکر جی کے کمرے انہوں اور تھپس کا حال ہے۔ ہر دھڑاؤں میں نئی نئی چیزیں پڑھنا ہے۔ پرہیاکر جی کے بہت سے چاروں سے کوئی سمجھتے نہ ہو، یہ سمجھو۔ لیکن ”زندگی مسکرائی“ کی مہارت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ابھی تک ملدی میں اگر کوئی دھڑاؤ ہے اور نوجوانوں کو ہلوانے دھڑاؤ کر سکتی ہے تو وہ ”زندگی مسکرائی“ کے علاوہ کوئی دوسری دھڑاؤ نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی شہد اور سندر پڑھا لکھتا چاہتا ہے تو پرہیاکر جی کو آہ کر ماننا پڑے گا۔ اس کتاب کی پڑھاؤں میں سب کو چیلنج کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ بول چال کی پڑھاؤ اور ہوتی ہے اور سادہ کی پڑھاؤ اور ہوتی ہے۔ ملدی کو سوارنے کا شہد پرہیاکر جی کو ہے اور اس اصول دین کے لئے میں ہمتی سے ان کے سامنے سر جھکاؤں۔

یہ وہ کتاب ہے جسکو پڑھ کر سب کو ہلوانے دھڑاؤ پڑھاؤ اور لکھنا پڑھنا میں تو اسے پڑھنا ہی چاہئے۔

आये थे. आज फिर इन्सान खतरे में घिरा है. बच्चे बूढ़े, औरत मर्द सब चीख रहे हैं. डैन्यूब का गुस्सा ठन्डा नहीं हो रहा, उसकी भूख नहीं मिट रही. इन्सानियत ने फिर पुकारा. आज यह सिपाही फिर एक साथ मैदान में आ गये.

जब खतरा होता है तो एका बढ़ता है. जब एका होता तो, विश्वास बढ़ता है. जब विश्वास होता तो हथियार की फरकत नहीं होती. बन्दूकें दूर पड़ी हैं—बहुत दूर, आदमियों से बहुत दूर. रूसी बन्दूकें आख फाड़े अमरीकी बन्दूकों को देख रही हैं. अमरीकी बन्दूकें ताजुब से रूसी बन्दूकों को देख रही हैं, लेकिन खामोश हैं.

सिपाही सब भूल गये हैं—इन्सान हो गये हैं, केवल इन्सान—आदमियों को बचा रहे हैं, बूढ़ों को किनारे पर पड़चा रहे हैं, बच्चों के सहारे बन रहे हैं. यह सब भूल गये हैं. केवल उन्हें खतरा याद है और खतरे से मानवता को बचाने का कर्ज!

डैन्यूब का खतरा मामूली है, बहुत साधारण. इस से भी बड़े खतरे हैं, हिटलर से भी बड़ा खतरा सामने है. पेटम बम का खतरा, हाईड्रोजन बम का खतरा, निपाम बम का खतरा. एक-दो, दस-बास, हजार दस हजार, लाख दस लाख को ही खतरा नहीं है, सारी खिन्दगी खतरे में है, सारी मानवता खतरे में है. आज इन्सानियत फिर बुला रही है—अमरीकियों को, रूसियों को—सब को—मेज के लिये. आज रूसी और अमरीकी डैन्यूब के खतरे के कारन मिले हैं. एक क्रदम और आगे, मानवता को बचा लो, बन्दूकें फेंक दो, एक दूसरे को गले लगा लो....लेकिन घायद....ऐसा न हो सके.....शायद हो सके! इन सिपाहियों की आखें यही कह रही हैं. परा इनमें देखो, परा इनको पढ़ो. दूर नील गगन में आंघुओं की स्क्रीन पर क्या लिखा है—“हम जरूर मिलेंगे, दुनिया की जनता एक है, हम जरूर मिलेंगे.....

—मुजीब रिजवी

आने. आज फिर इन्सान खतरे में पड़ा है. बच्चे बूढ़े, औरत मर्द सब चीख रहे हैं. डैन्यूब का गुस्सा ठन्डा नहीं हो रहा, उसकी भूख नहीं मिट रही. इन्सानियत ने फिर पुकारा. आज यह सिपाही फिर एक साथ मैदान में आ गये.

जब खतरा होता है तो एका बढ़ता है. जब एका होता है तो विश्वास बढ़ता है. जब विश्वास होता है तो हथियार की फरकत नहीं होती. बन्दूकें दूर पड़ी हैं—बहुत दूर, आदमियों से बहुत दूर. रूसी बन्दूकें आख फाड़े अमरीकी बन्दूकों को देख रही हैं. अमरीकी बन्दूकें ताजुब से रूसी बन्दूकों को देख रही हैं, लेकिन खामोश हैं.

सिपाही सब भूल गये हैं—इन्सान हो गये हैं, केवल इन्सान—आदमियों को बचा रहे हैं, बूढ़ों को किनारे पर पड़चा रहे हैं, बच्चों के सहारे बन रहे हैं. यह सब भूल गये हैं. केवल उन्हें खतरा याद है और खतरे से मानवता को बचाने का कर्ज!

डैन्यूब का खतरा मामूली है, बहुत साधारण. इस से भी बड़े खतरे हैं, हिटलर से भी बड़ा खतरा सामने है. पेटम बम का खतरा, हाईड्रोजन बम का खतरा, निपाम बम का खतरा. एक-दो, दस-बास, हजार दस हजार, लाख दस लाख को ही खतरा नहीं है, सारी खिन्दगी खतरे में है, सारी मानवता खतरे में है. आज इन्सानियत फिर बुला रही है—अमरीकियों को, रूसियों को—सब को—मेज के लिये. आज रूसी और अमरीकी डैन्यूब के खतरे के कारन मिले हैं. एक क्रदम और आगे, मानवता को बचा लो, बन्दूकें फेंक दो, एक दूसरे को गले लगा लो....लेकिन घायद....ऐसा न हो सके.....शायद हो सके! इन सिपाहियों की आखें यही कह रही हैं. परा इनमें देखो, परा इनको पढ़ो. दूर नील गगन में आंघुओं की स्क्रीन पर क्या लिखा है—“हम जरूर मिलेंगे, दुनिया की जनता एक है, हम जरूर मिलेंगे.....

—सज्जद रज्जवी

بہت دیر کی بات کہوں ہے۔ یہ سہاوی گیلبرٹ کے گھارے آئے تھے۔ ایک طرف ہے امریکی، دوسری طرف ہے روسی۔ چوسنی بھاگ رہے تھے، جا رہے تھے، اچھے اُنصاف کی طرف بڑھ رہے تھے۔ گولی چلتا ہلتا ہو گیا تھا۔ ایک نعرہ گونجنا، اعلان ہوا کہ ہماری جہت ہوئی..... اور سب سہاوی سامنے آ گئے۔ امریکی سہاوی، روسی سہاوی۔ سب نے ہمدردی دکھ دی۔ کلمے مل گئے، ایک دوسرے کو اُٹھا لیا، لپچے لپچے۔

لہکن یہ کہ ہوا؟ جب خطرہ تھا، جب انسائٹ پر  
راکھوں نے حملہ کیا تھا، جب زندگی موت کے پلنگے  
میں جکڑ گئی تھی، جب اچالے کو اندھیرا کہا رہا تھا،  
جب زندگی کی ہر چھڑ موت سے توڑ دی تھی۔ اس  
سب سے' اس رنگ میں امریکی آئے تھے' روسی آئے تھے' ایک  
ایک ہو کر آئے تھے..... قیلوب اس کی گواہ ہے ۔ جس  
لفارے بہتھر روسیوں نے امریکہوں کو ووٹکا دیا تھا اور  
امریکہوں نے روسیوں کو سگریٹ ملاتے تھے' جہاں انہوں نے  
جوڑنے کے کھنکے لگائے تھے' جہاں انہوں نے ایک دوسرے کو  
پوشیدگی کی زندگی کا رخاؤ بتایا تھا' جہاں بہتھر وہ  
سب بھول گئے تھے' دل کھل گئے تھے' باتیں ہو رہی  
تھیں' وہ آنند و بہور ہو رہے تھے ۔ زمین کا وہ بھاگ جو  
قیلوب کی لہروں کو ٹھہرے ہوئے تھا اگر پانی میں ڈوبا  
لہو ہے تو ضرور گواہی دیتا ۔

اُس وقت بھی قہرلوپ میں لہریں اُٹھی تھیں اور  
اُچ بھی اُٹھ رہی تھی۔ لیکن دونوں کی نعمت میں فرق  
ہے۔ پہلے کی لہروں نے سواگت کیا تھا۔ اُج کی لہریں  
قصہ تھیں، شہسناک تھیں۔

سہاوی ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں۔ روسی سہاوی  
آگے بڑھے۔ وقتاً کی ہولن میں انہوں نے آگ بھادیں۔ انہوں  
نے نعرے لگائے۔ 'دنیا کی جلتا ایک ہے'۔ امریکی آگے بڑھے۔  
ایک قدم، دو قدم، سترہ پر مسکراہٹ چھا گئی۔ تب ہی  
کسی نے یاد دلایا کہ آگے موت ہے۔ روسی سہاویوں سے ملے  
نہیں کہ میکانیکی تمہیں پھانسی کے تختے پر لٹکا دیں گے۔  
امریکی سہاوی پریشان ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں  
آتا تھا کہ کیا کریں؟ پیچھے ہٹ جائیں یا آگے بڑھ کر گئے  
لگ جائیں۔ امریکی سہاویوں نے سترہ پر دنگ کی دیکھا  
روسوں نے دیکھی۔ انہوں نے جیسے پوچھا کہ بھائی مجھ پر  
ہیں، کیا کریں۔ اسی سون بھاشا میں روسوں نے آگے دیا۔  
گڑگڑ بات نہیں ہے۔ تم نے ہماری شہد کاملا سوکھ کر  
لی ہے، اسکا ہمیں دھواں ہے۔ تم ہمیں اپنا دھواں نہ  
سمجھو، پس آگے ہی ہمیں چاہئے۔

آج یہ سہ ماہی قیصر کے گیارہویں سال کے ہیں۔ ہمیں  
 جتنی یاد ہے کہ آج کے دن ایک خطرہ رہ گیا تھا، اسے مٹانے

आजादी है झूठ बोलने की, आजादी है खूद मार करने की, हर उस चीज की आजादी है जिसकी आजादी नहीं होनी चाहिये. केवल एक बात की ही आजादी नहीं है सब बोलना सबसे बड़ा पाप है और उसकी सजा ? मालूम है क्या है ? — मोत ! यही नहीं कि अपनी जमीन पर अमरीकी सब नहीं बोल सकते. यदि उन्होंने दूसरे देश में भी सब बोलने की कांशिश की तो उन्हें पकड़ लिया जायेगा, दूतावास के कमरों में ठूस दिया जायेगा, हवाई जहाज में बन्द कर के बूचड़खाने में भेज दिया जायेगा. वहाँ..... वहाँ सदा के लिये सब की आवाज शान्त कर दी जायेगी.

येही आजादी को कोई क्या कहे !

× × ×  
पानी है कि उमड़ा ही आता है. लहरें किनारे से टकरा रही हैं. जमीन पीछे हटती जाती है. हार रही है या पानी जमीन को निगले जा रहा है ! एक भयानक फुफकार सुनाई देती है, उसमें चीख भी मिली हैं. कहते हैं कि पानी पीछे हटता है, सारांश है और फिर पूरी ताकत से किनारे पर हमला करता है. यह भी हो सकता है कि किनारा जानता हो कि उसकी हार निश्चित है. पर आसानी से हार मानना वह नहीं चाहता. बमकी हर लड़ाई में आखरी हथियार होता है. शायद कटता हुआ किनारा इसलिये फुफकार रहा हो !

बला का तूफान है. डैन्यूब ने जैसे क्रसम खा ली है, पुराना जमाना होता, तो पूजा होती, डैन्यूब देवी को भेंट चढ़ाई जाती. लेकिन इस युग का इन्सान ! कुछ अपने ऊपर अधिक विश्वास करने लगा है. किनारे पर पुरोहित नहीं हैं, इन्जीनियर हैं, विरोधक हैं. योजनायें बन रही हैं कि बाढ़ कैसे रोक दी जाये. डैन्यूब रुक जाये यह उसकी ध्यान के खिलाफ है. रोकने की भितनी कांशिश होती है, उसका गुस्सा और बढ़ता है, वह और अधिक जोश में आती है.

जलतरा बढ़ रहा है. आस्ट्रिया वाले क्या करें. हाथ पैर भारते हैं, लेकिन कामयाबी नहीं होती.

यह क्या ? फौज आ रही है. लेकिन यह फौज एक देश की नहीं है. दोस्त नहीं है, एक तरफ अमरीकी हैं, दूसरी तरफ रूसी हैं. दोनों तरफ से पचास पचास सिपाही आ रहे हैं. यह सिपाही एक दूसरे से अपरिचित हों ऐसी बात नहीं. यह एक दूसरे को अच्छी तरह जानते हैं, खूब पहचानते हैं. इससे पहले भी डैन्यूब के किनारों पर बंध मिल चुके हैं. तब डैन्यूब ने उनका स्वागत किया था. लेकिन आज नाराज है. क्यों का जवाब बहुत सीखा है. पर इस जवाब में बहुत से भेद छिपे हैं, इतिहास के पन्ने ही इस पर रोशनी डाल सकते हैं.

आजादी है. जेम्स बोल्लर की 'आजादी है. लोत मार करने की' मर अस चहज की आजादी है. जिस की आजादी नहीं होती. चाहते. कहल एक बात की ही आजादी नहीं है. सच बोलना सब से बड़ा पाप है. और अस की सजा ? मालूम है क्या है ? — मोत ! यही नहीं कि अपनी जमीन पर अमरीकी सब नहीं बोल सकते. यदि उन्होंने दूसरे देश में भी सब बोलने की कांशिश की तो उन्हें पकड़ लिया जायेगा, दूतावास के कमरों में ठूस दिया जायेगा, हवाई जहाज में बन्द कर के बूचड़खाने में भेज दिया जायेगा. वहाँ..... वहाँ सदा के लिये सब की आवाज शान्त कर दी जायेगी.

येही आजादी को कौनी कहा कहे !

+ × ×  
पानी है कि उमड़ा ही आता है. लहरें किनारे से टकरा रही हैं. जमीन पीछे हटती जाती है. हार रही है या पानी जमीन को निगले जा रहा है ! एक भयानक फुफकार सुनाई देती है, उसमें चीख भी मिली हैं. कहते हैं कि पानी पीछे हटता है, सारांश है और फिर पूरी ताकत से किनारे पर हमला करता है. यह भी हो सकता है कि किनारा जानता हो कि उसकी हार निश्चित है. पर आसानी से हार मानना वह नहीं चाहता. बमकी हर लड़ाई में आखरी हथियार होता है. शायद कटता हुआ किनारा इसलिये फुफकार रहा हो !

बला का तूफान है. डैन्यूब ने जैसे क्रसम खा ली है, पुराना जमाना होता, तो पूजा होती, डैन्यूब देवी को भेंट चढ़ाई जाती. लेकिन इस युग का इन्सान ! कुछ अपने ऊपर अधिक विश्वास करने लगा है. किनारे पर पुरोहित नहीं हैं, इन्जीनियर हैं, विरोधक हैं. योजनायें बन रही हैं कि बाढ़ कैसे रोक दी जाये. डैन्यूब रुक जाये यह उसकी ध्यान के खिलाफ है. रोकने की भितनी कांशिश होती है, उसका गुस्सा और बढ़ता है, वह और अधिक जोश में आती है.

जलतरा बढ़ रहा है. आस्ट्रिया वाले क्या करें. हाथ पैर भारते हैं, लेकिन कामयाबी नहीं होती.

यह क्या ? फौज आ रही है. लेकिन यह फौज एक देश की नहीं है. दोस्त नहीं है, एक तरफ अमरीकी हैं, दूसरी तरफ रूसी हैं. दोनों तरफ से पचास पचास सिपाही आ रहे हैं. यह सिपाही एक दूसरे से अपरिचित हों ऐसी बात नहीं. यह एक दूसरे को अच्छी तरह जानते हैं, खूब पहचानते हैं. इससे पहले भी डैन्यूब के किनारों पर बंध मिल चुके हैं. तब डैन्यूब ने उनका स्वागत किया था. लेकिन आज नाराज है. क्यों का जवाब बहुत सीखा है. पर इस जवाब में बहुत से भेद छिपे हैं, इतिहास के पन्ने ही इस पर रोशनी डाल सकते हैं.

خط: ”میں نے اُسے چھوڑ دیا“ لیکن دوسری خبر تھوڑی دیر پہلے  
چونکے تھے اُس پر نظر جا پڑی۔ سوچا، ”یہ وہ ہی ہیں۔ اُس صورت  
لگتا ہے: “”میں سہیلین سے امریکہ کہوں لائی گئی ہوں“  
برا کیا دوش ہے،“ مہرے پتی سے مجھے کہوں الگ کر دیا گیا  
“، مہرے پاس پوسے نہیں ہوں“ میں یہاں گزر کھسے کر دوں  
؟..... میں اپنے پتی کو بہت پیار کرتی ہوں.....  
میں اُس سے الگ نہیں رہ سکتی۔“

میں نے آگے بڑھنا ہوکار سمجھا۔ سوچا شاید بوجھادی  
و اس لئے واپس ہوج گیا تھا ہو کوئنگہ اُس نے لیک  
مٹاؤنی سے شادی کرلی ہے۔ شادی۔ اور ایک گوری امریکن  
ی کالے سہلوانی کے ساتھ ! لیکن آگے کی خمر اور مزیدار  
ہے۔ میں دور سے پوچھ لگا۔ کچھ ایسا لگنے لگا کہ مجھ  
پہ سوال کا جواب مل رہا ہے۔ اُس عورت سے پریم آوا  
سہلوانی بڑھی ! لیکن پھر خیال ہوا کہ وہ نہ ہو اُس  
بیوت نے کوئی خطرناک کام کیا ہے۔ نہیں تو امریکی سوکار  
باگل نہیں ہے۔ کسی عورت کو اُس کے پتی سے چھوڑ کر  
معمولی پرستہ پتی میں سمجھ میں نہیں آسکتا۔

میں نے اُنہی پر ہوا۔ پتہ چلا کہ یہ بیوی جی ہری جوزف کی سوا کی بیوی تھیں۔ جوزف صاحب نے سہ ماہی پور میں درخواست دی کہ امریکی دو تاروں والے ان کی بیوی کو زبردستی امریکہ بھیج رہے ہیں۔ کورٹ مہلونی سرکار کو آپہنیں دے کہ وہ اسے امریکہ نہ جانے دے۔

کورت کے فیصلے سے پہلے مسسز سلوا واشلیکٹین میں ہیں۔

ہاید سہلونی سرکار کے ہاتھ بندھے ہیں ! ایک نالارک  
ای اسٹری کو دوسرے دیس والے پکو کر لے گئے . سرکار  
خاموش ہے ، کچھ نہیں بولتی ہے ، پورب میں عورت کو ٹبر  
لی عزت کہا جاتا ہے ، پکوں سے یہ پرہیز چلی آئی ہے . جس  
نے اسٹری پر ہاتھ ڈالا ، اُس نے عزت پر ہاتھ ڈالا . ایک نالارک  
کی عزت دیس کی عزت ہوتی ہے . جان چلی جائے ، لیکن  
عزت نہ جائے . پر یہ بیتی باتیں ہیں . لوگ کہہ سکتے کہ  
بھارک لوگ ایسی باتوں کو سمجھتے دیتے ہوں . جو بھی  
ہو . لیکن میں سوچتا ہوں ، سوچنے پر مضبور ہوں کہ  
سہلونی کی عزت دن دھارے امریکی لوٹ کر لے گئے اور  
سہلونی سرکار خاموش ہے !

مسز سلوا کا دوشی کہا ہے ؟ بہت بھانک دوشی  
 ہے : اس پر کسی سرکار کو وہ اُسی دینا چاہتی تھیں ؟ انہوں نے  
 آئین ہاور کو قتل کرانے کی سازش کی تھی ؟ نہیں  
 بالکل نہیں ۔ ابھی کوئی بات نہیں ۔ کدول الٹا دوشی  
 ہے کہ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے ۔ اس کتاب کا نام ہے  
 — ” بڑی ہرگ — آئین کا دوشی ؟ “



مہاراجا لود پر شاہ پرماتے دھار سے گھڑے اور  
وہوں نے کہا — “یہ سب بھٹ ہے۔ کون ہے بڑا بیڈیان۔ جیسے  
بکھر کے باد سٹھا پڑا ہی نہیں؟”

سب نے سون لیا، کوئی جواب نہیں دیا۔

کسان نے پھر کہا — “بنییا نے پانی گاڑ رکھا ہے۔  
بہا، ان لوگوں کو اپنے منافع سے متعلقہ.....!”

بیرباں نہ کرتے تھے دوسروں نے گردن دیا۔ کسان  
بھڑا بننے کو تیار نہیں ہے۔ اسنے پورا جوش میں آکر  
کہا — “تین سال پہلے تو ہمارے گاؤں میں ہی ایک بنییا  
پکڑا گیا تھا۔ بھڑو کی لڑائی پٹائی تھی۔ آنگن میں پانی  
گاڑ رکھا تھا۔ گاؤں والوں نے مل کر پڑا کر پڑا کر اور پانی  
پکڑا۔ دوسرے کہتے تھے ارا توڑ پانی ہوتا۔”

بیرباں اور ابیرباں کے بیچ سب نے کسان کی  
بات مان لی۔ سب چپ ہو گئے۔

اسی سہ کوکڑاٹھ ہوئی اور تھانپ بوندیں پڑنے  
لگیں۔ سب چلتے ہوئے بھانے “برسو دیو، بربسو، دل کھول  
کر بربسو۔”

لیکن دوسرے چار دھوپ نکلی ہوئی تھی۔

× × ×

کل ایک مٹر سے بات ہو رہی تھی۔ وہ امریکہ ہو  
آئے تھے۔ انہیں امریکی جہاز بہت اچھا لگتا ہے۔  
بولے — “امریکہ میں ہر طرح کی آزادی ہے۔”

میں چپ رہا۔

وہوں نے بھانپا کہ میں ان کی بات پر یقین نہیں  
کر رہا ہوں۔ شہر اہل بولے — “اور کوئی آزادی ہو یا نہ  
ہو لیکن جلسی آزادی بے حد ہے۔ بے حد ہے۔”

مجھے جلسی اٹکی۔ ملے دیا کر جلسے کو کون کہہ  
میں پوری طاقت لگا کر جلس پڑا۔

وہ کچھ جھپٹ سے لگے۔

ان مٹر کا ہی کیا۔ بہت سے آئے تھے، امریکہ کی  
آزادی کو سراہتے تھے۔ لیکن جب جب ان سے پرشی  
کئے جاتے تھے وہ جلسی آزادی اور یہ آزادی اور وہ آزادی  
کا نام لگاتے لگتے تھے۔ وہ چھوٹ بولتے تھے “کہہ نہیں؟  
وہ بہم میں تھے؟ ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ بہم میں تھے  
کہ میں بہم میں تھے؟ پرشی آٹھا اور پھر شانتی ہوئے  
کا اس نے نام نہ لیا۔ نہتہ غالب ہوئی۔ پرمات کی بات  
میں سترے ہی نہیں تھے کہ سترے لگتا۔ کھر میں  
مچھو بہت تھے۔ اندھوڑے میں انہیں ہی مارتا رہا۔  
کوئی مچھو مرا یا نہیں؟ لیکن ٹکی جگہ مہرے بدن میں  
دور ضرور ہوئے تھے۔ جب کچھ سمجھو نہ ہو تو میں  
اخبار پڑھتا ہوں۔ جلدستان تالمس کا پڑانا نمبر  
آٹھا تھا۔ پڑھتا رہا۔ ایک گولے میں خبر چھپی  
تھی۔ “امریکی عورت کا ایک

مہاراجا لود پر شاہ پرماتے دھار سے گھڑے اور  
وہوں نے کہا — “یہ سب بھٹ ہے۔ کون ہے بڑا بیڈیان۔ جیسے  
بکھر کے باد سٹھا پڑا ہی نہیں؟”

سب نے سون لیا، کوئی جواب نہیں دیا۔

کسان نے پھر کہا — “بنییا نے پانی گاڑ رکھا ہے۔  
بہا، ان لوگوں کو اپنے منافع سے متعلقہ.....!”

بیرباں نہ کرتے تھے دوسروں نے گردن دیا۔ کسان  
بھڑا بننے کو تیار نہیں ہے۔ اسنے پورا جوش میں آکر  
کہا — “تین سال پہلے تو ہمارے گاؤں میں ہی ایک بنییا  
پکڑا گیا تھا۔ بھڑو کی لڑائی پٹائی تھی۔ آنگن میں پانی  
گاڑ رکھا تھا۔ گاؤں والوں نے مل کر پڑا کر پڑا کر اور پانی  
پکڑا۔ دوسرے کہتے تھے ارا توڑ پانی ہوتا۔”

بیرباں اور ابیرباں کے بیچ سب نے کسان کی  
بات مان لی۔ سب چپ ہو گئے۔

اسی سہ کوکڑاٹھ ہوئی اور تھانپ بوندیں پڑنے  
لگیں۔ سب چلتے ہوئے بھانے “برسو دیو، بربسو، دل کھول  
کر بربسو۔”

لیکن دوسرے چار دھوپ نکلی ہوئی تھی۔

× × ×

کل ایک مٹر سے بات ہو رہی تھی۔ وہ امریکہ ہو  
آئے تھے۔ انہیں امریکی جہاز بہت اچھا لگتا ہے۔  
بولے — “امریکہ میں ہر طرح کی آزادی ہے۔”

میں چپ رہا۔

وہوں نے بھانپا کہ میں ان کی بات پر یقین نہیں  
کر رہا ہوں۔ شہر اہل بولے — “اور کوئی آزادی ہو یا نہ  
ہو لیکن جلسی آزادی بے حد ہے۔ بے حد ہے۔”

مجھے جلسی اٹکی۔ ملے دیا کر جلسے کو کون کہہ  
میں پوری طاقت لگا کر جلس پڑا۔

وہ کچھ جھپٹ سے لگے۔

ان مٹر کا ہی کیا۔ بہت سے آئے تھے، امریکہ کی  
آزادی کو سراہتے تھے۔ لیکن جب جب ان سے پرشی  
کئے جاتے تھے وہ جلسی آزادی اور یہ آزادی اور وہ آزادی  
کا نام لگاتے لگتے تھے۔ وہ چھوٹ بولتے تھے “کہہ نہیں؟  
وہ بہم میں تھے؟ ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ بہم میں تھے  
کہ میں بہم میں تھے؟ پرشی آٹھا اور پھر شانتی ہوئے  
کا اس نے نام نہ لیا۔ نہتہ غالب ہوئی۔ پرمات کی بات  
میں سترے ہی نہیں تھے کہ سترے لگتا۔ کھر میں  
مچھو بہت تھے۔ اندھوڑے میں انہیں ہی مارتا رہا۔  
کوئی مچھو مرا یا نہیں؟ لیکن ٹکی جگہ مہرے بدن میں  
دور ضرور ہوئے تھے۔ جب کچھ سمجھو نہ ہو تو میں  
اخبار پڑھتا ہوں۔ جلدستان تالمس کا پڑانا نمبر  
آٹھا تھا۔ پڑھتا رہا۔ ایک گولے میں خبر چھپی  
تھی۔ “امریکی عورت کا ایک

مہاراج بیگانہ کر دیے۔ ”ہاں پانی پونا بامقوت ہو گئی ہے۔ ابھیان بارس رہے ہیں۔ پورے لگا کے پی لینا۔ بارس کرنا بھی کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ ایک پے سے ہی سوار کر لیا ہے۔ پر اتنا بھی پورا نہیں ملے پاتا ہے۔ اب تو کھول سات دھت لوتا مانجھتا ہوں.....“

مہاراج نے پوچھا۔ ”مہاراج پہلے کتنی بار لوتا مانجھتے تھے؟“

مہاراج نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ”چودھ دھت، ستمہ..... لےکین کیا کرے، اب پورے بارس دینے لگے ہیں.....“

مہاراج چلے گئے، سب نے جلدی مچائی، دونوں نے پیاس بھاری اور اپنے اپنے مقاموں کے لیے آگے۔

سب نے کہا کہ آج پانی بارس کر رہے گا۔ بارش چیرے رہے۔ لےکین پانی نہیں بارسا۔

بارش میں ڈھک مہینے اور باکلی ہیں۔ پانی نہیں بارسا۔ دو چار جڑی کو پانی بارسنا نہیں کہتے۔ ہر دھت میں یہ دھت باری ہے کہ پانی نہ بارسے گا تو کیا ہوگا؟ ہر ایک سوچ رہا ہے کہ پانی کب نہیں بارسے گا؟ جلدی ملے آگے ہاتھوں۔ جس کو جس چوڑی میں دھتیں ہیں وہ اسی کا رونا روتا ہے۔ لےکین ایک رونا۔ سب کو ہے۔ وہ رونا پھٹکا ہے۔ پانی نہیں بارسے گا تو روتی نہیں ملے گی!

وہی بڑے پر فیر لگا دکھتا ہے۔ بارس پانی پر چل رہی ہے۔

پیس کے مہاراج نے کہا۔ ”پانی بارسے کہاں سے! پیتام بام، ہائیڈروجن بام بڑا بڑا کر بارش سوتا دیے ہیں.....“

تو ہی کسی نے جیسے اسکا سوار کیا۔ ”بارش کہا سولہ سکتے ہیں؟ پانی نہ ہو تو بارش بنے ہی کیوں؟ بارسات بات یہ ہے کہ پیتام بام اور ہائیڈروجن بام کے جڑنے سے جو گڑے بڑی ہے، وہ گڑے آسمان پر بڑا گڑے ہے۔ ہسی کارن پانی نہیں بارساتا ہے۔“

”کہتے ہیں کہ پانی، بڑبڑا ہے نہیں بارساتا۔ نہیں تو آسمان سے پیتام کے کن گیلے اور بھاری پھل جائے گی۔“

دوسرے آدمی نے دھت کہا۔ ”بھوکوں مرے، چاہے روتی ہو کر مرے، مرنا تو ہے ہی۔ جو چاہے تو بھوکاں!“

پاس ہی ایک کسان بڑا تھا۔ اسنے سر دھتایا۔ کھنے کا مصلحت یہ تھا کہ اس کا کسانیک ہے۔ اسکی بات یہ سمجھتا ہے۔ تو ہی مہاراج نے اسے بھانپ لیا اور بولا۔ ”گاؤں میں تو تھیں تھیں مچھی ہوگی۔“

کسان بولا۔ ”بارسات میں بٹاؤں۔ اب راجا کی نیات بارسا ہوتی ہے تو سوتا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بکھر بارش کے سمجھ کسی مچھی لے لکان بڑا دیا تھا اور کسانوں سے بھرتی لکان وصول تھا۔ اس سے بھی سوتا ہوا تھا۔“

مہاراج بڑے بڑے۔ ”ہاں ہاں دھت آگے ہوگی۔“

”مہاراج نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ”چودھ دھت، ستمہ..... لےکین کیا کرے، اب پورے بارس دینے لگے ہیں.....“

مہاراج چلے گئے، سب نے جلدی مچائی، دونوں نے پیاس بھاری اور اپنے اپنے مقاموں کے لیے آگے۔

سب نے کہا کہ آج پانی بارس کر رہے گا۔ بارش چیرے رہے۔ لےکین پانی نہیں بارسا۔

بارش میں ڈھک مہینے اور باکلی ہیں۔ پانی نہیں بارسا۔ دو چار جڑی کو پانی بارسنا نہیں کہتے۔ ہر دھت میں یہ دھت باری ہے کہ پانی نہ بارسے گا تو کیا ہوگا؟ ہر ایک سوچ رہا ہے کہ پانی کب نہیں بارسے گا؟ جلدی ملے آگے ہاتھوں۔ جس کو جس چوڑی میں دھتیں ہیں وہ اسی کا رونا روتا ہے۔ لےکین ایک رونا۔ سب کو ہے۔ وہ رونا پھٹکا ہے۔ پانی نہیں بارسے گا تو روتی نہیں ملے گی!

وہی بڑے پر فیر لگا دکھتا ہے۔ بارس پانی پر چل رہی ہے۔

پیس کے مہاراج نے کہا۔ ”پانی بارسے کہاں سے! پیتام بام، ہائیڈروجن بام بڑا بڑا کر بارش سوتا دیے ہیں.....“

تو ہی کسی نے جیسے اس کا سوار کیا۔ ”بارش کہا سولہ سکتے ہیں؟ پانی نہ ہو تو بارش بنے ہی کیوں؟ بارسات بات یہ ہے کہ پیتام بام اور ہائیڈروجن بام کے جڑنے سے جو گڑے بڑی ہے، وہ گڑے آسمان پر بڑا گڑے ہے۔ ہسی کارن پانی نہیں بارساتا ہے۔“

”کہتے ہیں کہ پانی، بڑبڑا ہے نہیں بارساتا۔ نہیں تو آسمان سے پیتام کے کن گیلے اور بھاری پھل جائے گی۔“

دوسرے آدمی نے دھت کہا۔ ”بھوکوں مرے، چاہے روتی ہو کر مرے، مرنا تو ہے ہی۔ جو چاہے تو بھوکاں!“

پاس ہی ایک کسان بڑا تھا۔ اسنے سر دھتایا۔ کھنے کا مصلحت یہ تھا کہ اس کا کسانیک ہے۔ اسکی بات یہ سمجھتا ہے۔ تو ہی مہاراج نے اسے بھانپ لیا اور بولا۔ ”گاؤں میں تو تھیں تھیں مچھی ہوگی۔“

کسان بولا۔ ”بارسات میں بٹاؤں۔ اب راجا کی نیات بارسا ہوتی ہے تو سوتا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بکھر بارش کے سمجھ کسی مچھی لے لکان بڑا دیا تھا اور کسانوں سے بھرتی لکان وصول تھا۔ اس سے بھی سوتا ہوا تھا۔“

## پراسا کی ڈاڑھی

## پراسا کی ڈاڑھی

بادل آتے ہیں جیگ آسماں کو دیکھتے ہیں، چیرتی  
بداہوں کو دیکھ کر ان کے دل لگد لگد ہو جاتے ہیں۔

لیکن بادل بیجا برسے چلے جاتے ہیں۔

ایک فائل دہائے بے فکر نوجوان کہتا ہے—”کچا  
جڑا ہے..... برسوں بادل بھوم کے! کچا مچا آتا ہے۔  
ریم فیم فوہار اور خلیج کی پر لکھے ہوئے سبک پر  
میں نے والوں کا دھڑلہ!

وہی সময় لکڑی چیرنے والا مچھر دروازے پر  
آکر لکڑا ہوتا ہے، آواز اُپر اُٹھاتا ہے اور کہتا  
ہے، سانس لیں کر، من بھاس کر کے—برسوں بے، کاہے  
ساریوں کے پیچھے پکے ہو!

کوڑ کاہو میں مچن، کوڑ کاہو میں مچن۔

ایک سوا ایک کا تھکا کھلچہ، پختہ مہاراج، جلدی  
کو کان سے باندھتے ہیں پر لکڑا دھو دھو دھو دھو دھو  
کی لے پھوٹ دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو  
لکھتے ہیں۔

پاس کے پریس سے ایک مزدور آتا ہے۔ ”مہاراج خرا  
جلدی کرو، پانی پی لوں، کام پر جانا ہے۔“

”کچا مچا ہے! لٹ مچا۔ کہاں کام پر چلا ہے؟  
کچا کالی بٹا جھائی ہے“ مہاراج آند دھو دھو دھو دھو دھو  
کر بولے۔

مزدور نے کہا—”اس جلدی فرصت ہو تو پھر کہا ہے!  
کام نہیں کروں گا تو کہاؤں گا کیا؟“

”چلتے ہیں بھو دھو کا نام لے کر بھنگ چھانٹیں۔  
مندر کے ہوا میں بھنگ کر دس کہاں کا پاتہ کریں گے  
..... کہا آند آتا ہے۔“

”مہاراج جلدی کرو۔“

”کچا بک بک کرتا ہے، خرا دھو دھو، کچا ن لکنا۔“  
مزدور نے پھر پراپتھی کی۔

تب ہی ہو چار بولندیں تھکیں۔ مہاراج نے بھنگ کے  
بھنگ پھر دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو  
چلند کی ہے!

بھنگ پر دوسرا آدمی بھی آکھا۔ اُس نے کہا—”مہاراج  
جلدی کرو۔“

بادل آتے ہیں، لوگ آسمان کو دیکھتے ہیں، کھرتی  
کہتاؤں کو دیکھ کر ان کے دل لگد لگد ہو جاتے ہیں۔  
لیکن بادل ہی پر سے چلے جاتے ہیں۔

ایک فائل دہائے بے فکر نوجوان کہتا ہے—”کچا  
جڑا ہے..... برسوں بادل بھوم کے! کچا مچا آتا ہے۔  
ریم فیم فوہار اور خلیج کی پر لکھے ہوئے سبک پر  
میں نے والوں کا دھڑلہ! اور کہتا ہے—”سانس لیں کر،  
من بھاس کر کے—برسوں بے، کاہے ساریوں کے پیچھے  
پکے ہو۔“

ایک سوا ایک کا تھکا کھلچہ، پختہ مہاراج، جلدی  
کو کان سے باندھتے ہیں پر لکڑا دھو دھو دھو دھو دھو  
کی لے پھوٹ دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو  
لکھتے ہیں۔

پاس کے پریس سے ایک مزدور آتا ہے۔ ”مہاراج خرا  
جلدی کرو، پانی پی لوں، کام پر جانا ہے۔“

”کچا مچا ہے! لٹ مچا۔ کہاں کام پر چلا ہے؟  
کچا کالی بٹا جھائی ہے“ مہاراج آند دھو دھو دھو دھو دھو  
کر بولے۔

مزدور نے کہا—”اس جلدی فرصت ہو تو پھر کہا ہے!  
کام نہیں کروں گا تو کہاؤں گا کیا؟“

”چلتے ہیں بھو دھو کا نام لے کر بھنگ چھانٹیں۔  
مندر کے ہوا میں بھنگ کر دس کہاں کا پاتہ کریں گے  
..... کہا آند آتا ہے۔“

”مہاراج جلدی کرو۔“

”کچا بک بک کرتا ہے، خرا دھو دھو، کچا ن لکنا۔“  
مزدور نے پھر پراپتھی کی۔

تب ہی ہو چار بولندیں تھکیں۔ مہاراج نے بھنگ کے  
بھنگ پھر دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو دھو  
چلند کی ہے!

بھنگ پر دوسرا آدمی بھی آکھا۔ اُس نے کہا—”مہاراج  
جلدی کرو۔“

मुझे दिये, मैंने देखा उसके हाथ मिट्टी में खने हुए थे, वह जख्म घुटनों के बल चल कर दूकान तक आया होगा, जल्दी जल्दी शराब पी कर दूसरों की हंसी और तानाबाजी की परवाह न करते हुए वह फिर घुटनों के बल ही खिसक खिसक कर वापस चला गया।

उसके बाद फिर काफी दिनों तक कुंग का पिक नहीं आया, साल के आखिर में सालिक फिर जब हिसाब बनाने लगा तो उसने कहा—“कुंग पर अभी भी 19 इकबियां बाकी हैं।” शैतानी नाव वाले त्योहार में भी उसने यही कहा, पर उसके बाद हेमन्त के त्योहार के मौके पर हिसाब मिलाने समय उसने यह बात नहीं दुहराई, अगले साल भी कुंग नहीं दिखलाई पड़ा।

तब से आज तक कुंग नहीं दिखलाई पड़ा, शायद वह मर चुका हो, पर उसकी याद हमारे दिल में सदा जियन्दा रहेगी।

बड़े मज्जेदार आदमी हैं मंसाराम शास्त्री।

वे कई भाषाओं के विद्वान हैं और उनका जीवन एक इन्द्र धनुषी जीवन है, जिसमें अनेक रंग एक साथ समाये हुए हैं।

यों वे सदा अपनी पंखिताऊ हिन्दी में बोलते हैं, जिसमें फारसी अरबी का बहिरकार और संस्कृत का गृंगार होता है, हां, बोलते बोलते भारतीय संस्कृति पर बात आ जाये, तो भक्ति की धारा में बहने लगते हैं और उनकी हिन्दी शुद्ध संस्कृत में इस तरह बदल जाती है, जैसे लहर में लहर !

उनका जीवन एक इन्द्र धनुषी जीवन है, जिसमें अनेक रंग एक साथ समाये हुए हैं, भारतीय संस्कृति की शान्त धारा में तैरते तैरते वे अन्तर्राष्ट्रीय राजनीति के प्रचंड प्रवाह में कब आ जायें, इसे कोई नहीं जानता, हां, यह भ्रमसर देखा है कि वह शान्त से उत्साह में आजायें, तो उनकी शुद्ध संस्कृत अंग्रेजी में इस तरह बदल जाती है, जैसे कांटे पर रेल !

उनकी बातें आगे बढ़ती रहती हैं और जाने कब अन्तर्राष्ट्रीय राजनीति से घरेलू जीवन पर आ जाती हैं, कमाख यह है कि हम उनकी बातें न समझ रहे हों, तब भी यह समझ सकते हैं, क्योंकि अब वे साधारण हिन्दी में बोल रहे होते हैं।

बड़े मज्जेदार आदमी हैं मंसाराम शास्त्री।

—कन्हैयालाल 'प्रभाकर'

मेरे दोस्त, मैंने देखा कि उस के हाथ में एक सफेद कपड़ा था, वह कपड़ा उसके हाथों के बल चल कर दूकान तक आया होगा, जल्दी जल्दी शराब पी कर दूसरों की हंसी और तानाबाजी की परवाह न करते हुए वह फिर घुटनों के बल ही खिसक खिसक कर वापस चला गया।

उसके बाद फिर काफी दिनों तक कुंग का पिक नहीं आया, साल के आखिर में सालिक फिर जब हिसाब बनाने लगा तो उसने कहा—“कुंग पर अभी भी 19 इकबियां बाकी हैं।” शैतानी नाव वाले त्योहार में भी उसने यही कहा, पर उसके बाद हेमन्त के त्योहार के मौके पर हिसाब मिलाने समय उसने यह बात नहीं दुहराई, अगले साल भी कुंग नहीं दिखलाई पड़ा।

तब से आज तक कुंग नहीं दिखलाई पड़ा, शायद वह मर चुका हो, पर उसकी याद हमारे दिल में सदा जियन्दा रहेगी।

बड़े मज्जेदार आदमी हैं मंसाराम शास्त्री।

वे नई भाषाओं के विद्वान हैं और उनका जीवन एक इन्द्र धनुषी जीवन है, जिसमें अनेक रंग एक साथ समाये हुए हैं।

यों वे सदा अपनी पंखिताऊ हिन्दी में बोलते हैं, जिसमें फारसी अरबी का बहिरकार और संस्कृत का गृंगार होता है, हां, बोलते बोलते भारतीय संस्कृति पर बात आ जाये, तो भक्ति की धारा में बहने लगते हैं और उनकी हिन्दी शुद्ध संस्कृत में इस तरह बदल जाती है, जैसे लहर में लहर !

उनका जीवन एक इन्द्र धनुषी जीवन है, जिसमें अनेक रंग एक साथ समाये हुए हैं, भारतीय संस्कृति की शान्त धारा में तैरते तैरते वे अन्तर्राष्ट्रीय राजनीति के प्रचंड प्रवाह में कब आ जायें, इसे कोई नहीं जानता, हां, यह भ्रमसर देखा है कि वह शान्त से उत्साह में आजायें, तो उनकी शुद्ध संस्कृत अंग्रेजी में इस तरह बदल जाती है, जैसे कांटे पर रेल !

उनकी बातें आगे बढ़ती रहती हैं और जाने कब अन्तर्राष्ट्रीय राजनीति से घरेलू जीवन पर आ जाती हैं, कमाख यह है कि हम उनकी बातें न समझ रहे हों, तब भी यह समझ सकते हैं, क्योंकि अब वे साधारण हिन्दी में बोल रहे होते हैं।

बड़े मज्जेदार आदमी हैं मंसाराम शास्त्री।

—कन्हैयालाल 'प्रभाकर'

“क्यों ?—“क्या हुआ था ?”

“वह फिर चोरी कर रहा था. इस बार वह मिस्टर तेंग के यहाँ चोरी करने गया था. कितना बुद्धि था वह ! गन्त भर में प्रतिष्ठित विद्वान-के घर चोरी करने गया था.”

“फिर क्या हुआ ?”

“होता क्या ! पहिले उसने कागज पर लिखा कि उसने चोरी की है. फिर उसे मार पड़ी. क़रीब क़रीब रात भर वह पिटता रहा. उसके पैर टूट गये.”

“फिर उसके बाद ?”

“मालूम नहीं, फिर उसका क्या हुआ. शायद मर गया हो.”

दूकान का मालिक फिर आगे प्रश्न करना बन्द कर अपने काम में लग गया.

हेमन्त के त्योहार के बाद, जैसे जैसे जाड़ा बढ़ता गया, ठंडी हवाएं बहने लगीं. मैं अपना अधिकांश समय चूल्हे के नज़दीक ही बैठा रहता. अपना रुई का कोट बराबर रहिने रहता. एक दिन दोपहर के समय जब दूकान में कोई भी ग्राहक नहीं था मैं बैठा बैठा ऊंच रहा था तभी किसी ने पुकारा और एक प्याला शराब मांगी.

आश्चर्य हालांकि बहुत ही धीमी थी पर परिचित सी थी. जब मैंने आखें खोलीं तो सामने कोई भी नहीं दिखाई पड़ा. जब मैंने खड़े होकर दरवाजे की तरफ झुक कर झाँका तो मेज के क़रीब कुंग-ई-ची को बैठा देखा. वह चट्टाई पर पलथी मारे बैठा था और फटी पुरानी एक बंडी पहने था. मुझे देखते ही उसने दुहराया—“एक प्याला गरम शराब दो.”

अब मेरे मालिक का ध्यान भी उचट गया और उसने पूछा—“क्या कुंग-ई-ची आया है ? उस पर 19 इकबियाँ बाकी हैं.”

कुंग ने उत्तर दिया—“वह मैं अदा कर दूंगा. आज तो मैं नज़्द ले रहा हूँ. हाँ, शराब अच्छी होनी चाहिये.”

मालिक ने पहिले की ही तरह पूछा—“कुंग-ई-ची आजकल फिर चोरी करने लगे ?”

पर इस बार बिगड़ कर जवाब देने के बजाय कुंग बोला—“अपना मज़ाक़ अपने ही पास रखो.”

“अच्छा ! यह मज़ाक़ है ? बताओ तुम्हारे पैर कैसे टूट गये ?”

कुंग ने दबी आवाज़ में उत्तर दिया—“गिर पड़ा था.” उसकी आखें क़द रही थीं कि इस बात को यहीं पर ख़तम कर दिया जाय. अब तक काफी लोग इकट्ठा हो गये थे और सभी हँस रहे थे. शराब गरम कर मैंने उसकी तरफ बढ़ाई और उसने अपनी बंडी के जेब से पैसे निकाल कर

“क्यों ? क्या हुआ था ?”

“उह पहर चोरी कर रहा था. इस बार वह मिस्टर तेंग के यहाँ चोरी करने गया था. कितना बुद्धि था वह ! गन्त भर में प्रतिष्ठित विद्वान-के घर चोरी करने गया था.”

“फिर क्या हुआ ?”

“होता क्या ! पहिले उसने काग़ज़ पर लिखा कि उसने चोरी की है. फिर उसे मार पड़ी. क़रीब क़रीब रात भर वह पिटता रहा. उसके पैर टूट गये.”

“फिर उसके बाद ?”

“मालूम नहीं, फिर उसका क्या हुआ. शायद मर गया हो.”

हेमन्त के त्योहार के बाद, जैसे जैसे जाड़ा बढ़ता गया, ठंडी हवाएं बहने लगीं. मैं अपना अधिकांश समय चूल्हे के नज़दीक ही बैठा रहता. अपना रुई का कोट बराबर रहिने रहता. एक दिन दोपहर के समय जब दूकान में कोई भी ग्राहक नहीं था मैं बैठा बैठा ऊंच रहा था तभी किसी ने पुकारा और एक प्याला शराब मांगी.

आश्चर्य हालांकि बहुत ही धीमी थी पर परिचित सी थी. जब मैंने आखें खोलीं तो सामने कोई भी नहीं दिखाई पड़ा. जब मैंने खड़े होकर दरवाजे की तरफ झुक कर झाँका तो मेज के क़रीब कुंग-ई-ची को बैठा देखा. वह चट्टाई पर पलथी मारे बैठा था और फटी पुरानी एक बंडी पहने था. मुझे देखते ही उसने दुहराया—“एक प्याला गरम शराब दो.”

अब मेरे मालिक का ध्यान भी उचट गया और उसने पूछा—“क्या कुंग-ई-ची आया है ? उस पर 19 इकबियाँ बाकी हैं.”

कुंग ने उत्तर दिया—“उह मेरा अदा कर दूंगा. आज तो मैं नज़्द ले रहा हूँ. हाँ, शराब अच्छी होनी चाहिये.”

मालिक ने पहिले की ही तरह पूछा—“कुंग-ई-ची आजकल फिर चोरी करने लगे ?”

पर इस बार बिगड़ कर जवाब देने के बजाय कुंग बोला—“अपना मज़ाक़ अपने ही पास रखो.”

“अच्छा ! यह मज़ाक़ है ? बताओ तुम्हारे पैर कैसे टूट गये ?”

कुंग ने दबी आवाज़ में उत्तर दिया—“गिर पड़ा था.” उसकी आखें क़द रही थीं कि इस बात को यहीं पर ख़तम कर दिया जाय. अब तक काफी लोग इकट्ठा हो गये थे और सभी हँस रहे थे. शराब गरम कर मैंने उसकी तरफ बढ़ाई और उसने अपनी बंडी के जेब से पैसे निकाल कर

کے باوجود بھی آجیابی کے خلاف وہ کبھی نہیں ہوتا۔ "تو میں نہیں لکھ سکتے؟" دیکھو! میں نے تمہیں بتاتا ہوں۔ آجیابی سے بچنا رکھنا۔ تو مجھے یہ لکھنا جاننا چاہیے کیونکہ آجیابی جب تو اپنی دکان کھولے تو تو مجھے آجیابی کا حساب لکھنا ہی پڑے گا۔"

مجھے وہ دن تو قریب نہیں نظر آ رہا تھا جب میں اپنی دکان کھولتا اور یہ میرا مالک بھی ایسا حساب لکھتا تھا اس انداز کا استعمال کبھی بھی نہیں کرتا تھا۔ کچھ پریشان ہو کر اور کچھ مسکراتے ہوئے میں نے کہا۔ "پر تم سے کون کہتا ہے کہ مجھے پورا کھا کر دے؟" کھانے کے کچھ دن کی طرح نہیں لکھا جاتا۔

کونگ خوش ہو گیا اور میرے ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔ "تھک، تھک! لیکن انڈر ہونے" تو چار پرواز سے لکھا جاتا ہے۔ کھا نہیں معلوم ہے؟" میں آپ لکھا تھا۔ یہ ایک ملکی سی ڈانٹ ہے تو میں دوسرے کاموں میں لگا ہوا تھا۔ کونگ ہر ایک میں انگلی ڈال کر میرے پر ان انہوں نے لکھ کر مجھے سمجھانے کا کہا تھا۔ یہ میرا اس پرواز پر پورا دیکھ کر وہ ہنسی ہوئی۔ اس نے میری سانس پر اور چپ ہو کر ہنسی لکھا۔

انڈر ایسا ہونا تھا کہ سوائے میں ہنسی اور گلہ باز ہو کر پاس دوسرے کے ہنسی لکھتا ہوتا تھا۔ کونگ۔ ی۔ جی کو گھر لکھتا تھا۔ کونگ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ دار پہنچاتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ بعد میں آج اور پانچ ہی آج میں آج کو گھر لکھتا تھا۔ جب اس کے پاس پہنچا ختم ہو جاتی تھیں تو ہنسی کو الٹ کر وہ ہنسی لکھتا تھا۔ "اب آج ختم ہو گئی۔ یہ دوسرے دن ملے گی۔" ہنسی کو جیسے ہنسی نہیں ہوتا تھا۔ وہ آجک آجک کر ہنسی دیکھنے کا ہنسی کرتے اور اس میں کچھ نہ پانچ لکھتا ہوتا تھا اور یہ دھڑلے دھڑلے ہنسی میں لگ جاتے۔

کونگ۔ ی۔ جی بہت ہی مزیدار دیکھتی تھا یہ اس کے ہنسی ہی ہماری دکان چلتی ہی دھتی تھی۔

ہمیں نے کونگ کے ہنسی کے کچھ دن پہلے جب ہماری دکان کا مالک سالانہ حساب کتاب لکھ کر دیا تھا، حساب لکھتے لکھتے بولا۔ کونگ۔ ی۔ جی بہت دنوں سے ادھر نہیں آیا۔ ابھی بھی اس پر 19 لکھا ہوا ہے۔ تب مجھے بھی ایسا خیال ہوا کہ ادھر بہت دنوں سے کونگ۔ ی۔ جی دکان پر نہیں آیا۔

ایک دن گراہکوں میں سے ایک بولا۔ "وہ آج بھی کونگ؟" پچھلی بار جب وہ تھا تو اس کے دونوں ہنسی ہنسی ہو گئے تھے۔

میرے ہنسی کے ساتھ وہ ہنسی بولا۔ "تم نہیں لکھ سکتے؟" یہو میں نہیں بتاتا ہوں۔ آج سے دھیان رکھنا۔ تم کو لکھنا چاہیے کیونکہ آج جب تم اپنی دکان کھولے تو تم کو گراہکوں کا حساب لکھنا ہی پڑے گا۔"

مجھے وہ دن تو قریب نہیں نظر آ رہا تھا جب میں اپنی دکان کھولتا اور یہ میرا مالک بھی ایسا حساب لکھتا تھا اس انداز کا استعمال کبھی بھی نہیں کرتا تھا۔ کچھ پریشان ہو کر اور کچھ مسکراتے ہوئے میں نے کہا۔ "پر تم سے کون کہتا ہے کہ مجھے پورا کھا کر دے؟" کھانے کے کچھ دن کی طرح نہیں لکھا جاتا۔

کونگ خوش ہو گیا اور میرے ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔ "تھک، تھک! لیکن انڈر ہونے" تو چار پرواز سے لکھا جاتا ہے۔ کھا نہیں معلوم ہے؟" میں آپ لکھا تھا۔ یہ ایک ملکی سی ڈانٹ ہے تو میں دوسرے کاموں میں لگا ہوا تھا۔ کونگ ہر ایک میں انگلی ڈال کر میرے پر ان انہوں نے لکھ کر مجھے سمجھانے کا کہا تھا۔ یہ میرا اس پرواز پر پورا دیکھ کر وہ ہنسی ہوئی۔ اس نے میری سانس پر اور چپ ہو کر ہنسی لکھا۔

انڈر ایسا ہونا تھا کہ سوائے میں ہنسی اور گلہ باز ہو کر پاس دوسرے کے ہنسی لکھتا ہوتا تھا۔ کونگ۔ ی۔ جی کو گھر لکھتا تھا۔ کونگ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ دار پہنچاتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ بعد میں آج اور پانچ ہی آج میں آج کو گھر لکھتا تھا۔ جب اس کے پاس پہنچا ختم ہو جاتی تھیں تو ہنسی کو الٹ کر وہ ہنسی لکھتا تھا۔ "اب آج ختم ہو گئی۔ یہ دوسرے دن ملے گی۔" ہنسی کو جیسے ہنسی نہیں ہوتا تھا۔ وہ آجک آجک کر ہنسی دیکھنے کا ہنسی کرتے اور اس میں کچھ نہ پانچ لکھتا ہوتا تھا اور یہ دھڑلے دھڑلے ہنسی میں لگ جاتے۔

کونگ۔ ی۔ جی بہت ہی مزیدار دیکھتی تھا یہ اس کے ہنسی ہی ہماری دکان چلتی ہی دھتی تھی۔

ہمیں نے کونگ کے ہنسی کے کچھ دن پہلے جب ہماری دکان کا مالک سالانہ حساب کتاب لکھ کر دیا تھا، حساب لکھتے لکھتے بولا۔ کونگ۔ ی۔ جی بہت دنوں سے ادھر نہیں آیا۔ ابھی بھی اس پر 19 لکھا ہوا ہے۔ تب مجھے بھی ایسا خیال ہوا کہ ادھر بہت دنوں سے کونگ۔ ی۔ جی دکان پر نہیں آیا۔

ایک دن گراہکوں میں سے ایک بولا۔ "وہ آج بھی کونگ؟" پچھلی بار جب وہ تھا تو اس کے دونوں ہنسی ہنسی ہو گئے تھے۔



कोई निश्चित साधन नहीं था, धीरे धीरे वह बहुत गरीब हो गया और भीक मांगने के लिये मजबूर होने लगा, उसकी लिखावट बड़ी सुन्दर थी, इसलिये उसे नक़ल करने का, दस्तावेज़ लिखने का काम अकसर मिल जाता था, पर उसमें कमजोरियाँ भी कम नहीं थीं, वह शराब पीने का आदी था और आलसी भी था, कुछ दिन काम करने के बाद वह अकसर काग़ज़ कलम लेकर ग़ायब हो जाता था, उसके बाद फिर कोई रास्ता नहीं रह जाता था, उसे छोटी मोटी चोरियाँ करनी ही पड़ती थीं, जब कई बार ऐसा हुआ तो उसे सबों ने नक़ल करने के लिये काम देना भी बन्द कर दिया, पर उस सराय में उसका व्यवहार आदर्श व्यक्ति का हुआ करता था, वह अपना क़र्ज़ हमेशा चुका दिया करता था, ऐसा भी होता था कि जब उसके पास नक़द पैसे नहीं होते थे तो उसका नाम उधार के प्राहकों की सूची पर आ जाता था पर महीना ख़तम होने के पहिले ही अपना नाम कटवा भी लेता था,

आधा प्याला शराब पीने के बाद कुंग अपनी स्वस्थ प्रकृति को वापस पा जाता था, लेकिन उसी समय कोई प्रश्न कर बैठता—“कुंग-ई-बी, क्या तुम सबकुछ पढ़ना जानते हो ?”

कुंग उसकी तरफ घुना भरी नजरों से देखता, जैसे यह सवाल उसकी इच्छा उत्तारने के लिये किया गया हो। पर दूसरे प्राइड अपना सवाल पूछते—“यह क्या बात है कि तुमने कोई परीक्षा नहीं पास की ?”

तब कुंग परेशान और दुखी दिखने लगता था, उसका चेहरा पीला पड़ जाता था और हॉट बोलने के लिये हिलने लगते थे, पर भीमे स्वर में कही गई उसकी बातें शायद ही किसी की समझ में आती थीं, फिर सब लोग क्रुद्धक्रुहा मार कर हंसने लगते थे और सराय के बातावरन में खिन्वगी और ताज़गी आ जाती थी.

ऐसे मौकों पर मैं भी प्राहकों को हंसी खुशी में साथ दे देता था और माझिक की तरफ से मुझे डाँट भी नहीं पड़ती थी। दर असल वह खुद भी कुंग से ऐसे बहते सीधे खवाल पूछा करता था। यह साब कर कि दूसरे प्राहकों से बातें करने में कोई लाभ नहीं है, कुंग दुकान पर बच्चों के बीच खो जाता था एक बार उसने मुझसे पूछा—“क्या हमने कभी स्कूल में पढ़ा है?”

जब मैंने हाथी भरते हुए खिर दिखाया, उसने कहा—  
“अच्छा, तब मैं एक सवाल करूंगा ? तुम ‘हूई’ अक्षर जो  
‘हूई-सियांग’ में जाता है कैसे लिखते हो ?”

मैं सोचने लगा कि क्या अब एक भिकसंगा मेरी परीक्षा लेगा ! मैंने उसकी बातों पर ध्यान नहीं दिया और अपना मुँह दूसरी तरफ मोड़ लिया. कुछ देर चुप रहने

کرنی نہ صرف مادہ ہی نہیں تھا۔ دھوپ دھوپ  
وہ پہن کر پیپ ہو گیا اور بھوک مانگنے کے لئے مجبور  
ہوئے گا۔ اسکی لکھاوت بڑی سندر تھی، اس لئے  
اُسے نقل کرنے کا، دستاویز لکھنے کا کام اکثر مل جاتا تھا  
تھا۔ پر اس میں کمزوریاں بھی کم نہیں تھیں۔ وہ شراب  
پینے کا عادی تھا اور اُلسی بھی تھا۔ کچھ دن کام کرنے کے  
بعد وہ اکثر کافہ قلم لے کر غائب ہو جاتا تھا۔ اس کے  
بعد پھر کوئی راستہ نہیں رہ جاتا تھا۔ اُسے چھوٹی - موٹی  
چوریاں کرنی ہی پڑتی تھیں۔ جب کئی بار ایسا ہوا تو  
اُسے سمجھوں نے نقل کرنے کے لئے کام دینا بھی بند کر دیا۔  
پر اس سرائے میں اسکا بھوہار آدھی ویسٹی کا ہوا کرتا  
تھا۔ وہ اپنا قرض ہمیشہ چکا دیتا کرتا تھا۔ ایسا ہی ہوتا  
تھا کہ جب اس کے پاس نقد پوسے نہیں ہوتے تھے تو اسکا  
نام آدھار کے گراہکوں کی سوچی پر آجاتا تھا پر وہ سہیلہ  
ختم ہونے کے پہلے ہی اپنا نام کٹوا بھی لیتا تھا۔

’آدھا پھالہ شراب پونے کے بعد کونگ اپنی سوستہ پرکرتی کو واپس پا جاتا تھا‘ لیکن اسی سے کونگ پریشان کر بیٹھتا تھا۔ ”کونگ - ای - چو“ کہا تم سچ سچ پوچھا جانتے ہو؟“

کونگ اس کی طرف ٹھوٹا پھری نظروں سے دیکھتا، چارے یہ سوال اسکی عزت اٹانے کے لئے کیا کیا ہو، دوسرے گراہک اپنا سوال پوچھتے—”یہ کیا بات ہے کہ تم نے کوئی ہریکھا نہیں پاس کی؟“

نپ کونگ پریشان اور دکھی دیکھنے لگا تھا۔ اُسکا چہرہ پگھلا جاتا تھا اور ہونٹ ہولنے کے لئے ہلنے لگتے تھے۔ پر دھڑکے سے وہ مہن کھین اُٹکی ہاتھں اُٹا دیا۔ کسی نے سمجھا مہن اُٹی تھیں۔ پھر سب لوگ قہقہے مار کر ہلستے لگتے تھے اور سرائے کے وائورن مہن زندگی اور تازگی آجاتی تھی۔

ایسے موقعوں پر میں بھی گراہکوں کی مجلسی خورفی  
میں ساتھ رہے دیتا تھا اور مالک کی طرف سے مجھے  
قائنات بھی نہیں ہوتی تھی۔ دراصل وہ خود بھی گینگ  
سے ایسے اچھے سہارے سوال پوچھا کرتا تھا۔ یہ سوچ کر کہ  
دوسرے گراہکوں سے ہاتھوں کرنے میں کوئی 'بہ نہیں ہے'  
گینگ دوکان پر بچوں کے بیچ کھوجانا تھا۔ ایک بار  
اس نے مجھ سے پوچھا۔ "کیا تم نے کبھی اسکول میں  
پوچھا ہے؟"

—'اچھا' تب میں ایک سوال کرونگے؟ تم 'ہوئی' اظہار جو 'ہوئی'۔ مہالنگ میں آنا ہے کہسے لکھتے ہو؟'

میں سوچتا تھا کہ اب ایک بھگوان کا مہر پرکھا  
 لگا ! میں نے اُنکی باتوں پر دھیان نہیں دیا اور اپنا  
 منہ دوسری طرف کر دیا تھا۔ کچھ دیر چپ رہا۔

पर मुझे खुद वह काम पुरा लगता था और मैं असंतुष्ट रहता था। मेरा मासिक बराबरी शक्ल का व्यक्ति था और प्रादिक सुस्त और धके हुये, कुन्द बुद्धि वाले होते थे। इसलिये किसी का प्रसन्न भित्त होकर उस दूकान में रहना असम्भव ही था। दूकान में इसी तभी सुनाई पड़ती थी जब कुंग-ई-ची आता था। यही कारन है कि मुझे आज भी उसकी याद है।

ऊँची जेणी के प्रादिकों की आदत के विपरीत लम्बे गाउन वाला कुंग ही अकेला ऐसा प्रादिक था जो मेज के पास खड़ा होकर मदिरा पान करता था। वह ऊँचे कद का हठा कटा आदमी था, फिर भी उसके चेहरे पर पीलापन छाया रहता था और चेहरे की भुर्रियों के बीच अकसर चोट के निशान भी दिखाई पड़ने लगते थे। उसकी लम्बी दाढ़ी, हमेशा बिना कंबी की हुई रहती थी। दाढ़ी में भी सफेद बालों की धारियाँ दीख जाती थीं। हालाँकि उसका गाउन लम्बा था पर वह इतना गंदा और पेवंदवार था कि यह साफ पता लग जाता था कि कम से कम 10 बरस से तो धोया न गया होगा। वह बोलता इस तरह था कि आधी बात ही समझ में आती थी। जब भी वह सराय में आता था हर व्यक्ति उसकी तरफ देख कर मुस्कराने लगता और उन में से एक अवसर कह बैठता — “कुंग-ई-ची, आज तो तुम्हारे चेहरे पर नये धाव के निशान दिखाई पड़ रहे हैं।”

इन बातों की परबाह न करते हुये कुंग-ई-ची मेज के पास आकर दो प्याले शराब और एक प्लेट फलियों का आर्डर देता था और नौ इकभियाँ निकाल कर रख देता था। औरन ही कोई फिर बोल पड़ता — “तुमने फिर चोरी की होगी।”

चूर कर उस व्यक्ति को देखते हुये वह उत्तर देता — “बेकार ही किसी भले आदमी को क्यों बदनाम करते हो?”

“क्या भले आदमी को बदनाम करता हूँ? अभी परसों ही तो अपनी आखों के सामने तुम्हें पिटते हुये देखा है। तुमने ‘हो’ परिवार की किताबें चुराई थीं।”

तब कुंग का चेहरा लाल हो जाता था और अपना विरोध प्रगट करते हुए वह उत्तर देता था — “किताबों का चुराना, चोरी नहीं..... किताबें ले लेना तो विद्वानों की आदत है, इसे चोरी नहीं कहते।” फिर वह प्राचीन ग्रन्थों में से मिसालें देने लगता — “बड़ा आदमी वह है जो गरीबी में, अभाव में भी सन्तुष्ट रहता हो।” और फिर उसका भारा प्रवाह भाशन चल निकलता। उस को शायद ही कोई समझ पाता। और तब तक भाशन चलता रहता जब तक सराय का हर प्रादिक इसी से छोट पोट न हो जाता था।

गांव वालों के ही मुँह सुनने को मिला था कि कुंग-ई-ची को प्राचीन ग्रन्थों का अच्छा ज्ञान था। हालाँकि उसने कोई परीक्षा कभी भी नहीं पास की थी। जीवन यापन का भी उसका

पर कोई धर्म, कोई काम ब्रा लगेता था और उसमें अलगाव रहता था। मेरा माँक क्राउन्सि शकल का विकृति था और क्राउन्सि संभवतः और तेज होत, कद बढ़ी वाले होते थे। इस तर्क किसी का प्रसन्न हो कर उस दूकान में रहना असम्भव ही था। दूकान में उसकी हलसी तेही सलानी पड़ती ली जब कौनक - ई - जी आता था। यही कारन है कि मुझे आज भी उसकी याद है।

अन्ही शरीली के क्राउन्सि की आदत के विपरीत लम्बे लों वाला कौनक ही अकेला प्रादिक था जो मेज के पास खड़ा हो कर मदिरा पान करता था। वह ऊँचे कद का हठा कटा आदमी था, फिर भी उसके चेहरे पर पीलापन छाया रहता था और चेहरे की भुर्रियों के बीच अकसर चोट के निशान भी दिखाई पड़ने लगते थे। उसकी लम्बी दाढ़ी, हमेशा बिना कंबी की हुई रहती थी। दाढ़ी में भी सफेद बालों की धारियाँ दीख जाती थीं। हालाँकि उसका गाउन लम्बा था पर वह इतना गंदा और पेवंदवार था कि यह साफ पता लग जाता था कि कम से कम 10 बरस से तो धोया न गया होगा। वह बोलता इस तरह था कि आधी बात ही समझ में आती थी। जब भी वह सराय में आता था हर व्यक्ति उसकी तरफ देख कर मुस्कराने लगता और उन में से एक अवसर कह बैठता — “कुंग-ई-ची, आज तो तुम्हारे चेहरे पर नये धाव के निशान दिखाई पड़ रहे हैं।”

इन बातों की परबाह न करते हुये कुंग-ई-ची मेज के पास आकर दो प्याले शराब और एक प्लेट फलियों का आर्डर देता था और नौ इकभियाँ निकाल कर रख देता था। औरन ही कोई फिर बोल पड़ता — “तुमने फिर चोरी की होगी।”

चूर कर उस व्यक्ति को देखते हुये वह उत्तर देता — “बेकार ही किसी भले आदमी को क्यों बदनाम करते हो?”

“क्या भले आदमी को बदनाम करता हूँ? अभी परसों ही तो अपनी आखों के सामने तुम्हें पिटते हुये देखा है। तुमने ‘हो’ परिवार की किताबें चुराई थीं।”

तब कुंग का चेहरा लाल हो जाता था और अपना विरोध प्रगट करते हुये वह उत्तर देता था — “किताबों का चुराना, चोरी नहीं..... किताबें ले लेना तो विद्वानों की आदत है, इसे चोरी नहीं कहते।” फिर वह प्राचीन ग्रन्थों में से मिसालें देने लगता — “बड़ा आदमी वह है जो गरीबी में, अभाव में भी सन्तुष्ट रहता हो।” और फिर उसका भारा प्रवाह भाशन चल निकलता। उस को शायद ही कोई समझ पाता। और तब तक भाशन चलता रहता जब तक सराय का हर प्रादिक इसी से छोट पोट न हो जाता था।

गांव वालों के ही मुँह सुनने को मिला था कि कुंग-ई-ची को प्राचीन ग्रन्थों का अच्छा ज्ञान था। हालाँकि उसने कोई परीक्षा कभी भी नहीं पास की थी। जीवन यापन का भी उसका

کونک ای۔ پی۔

انجمن اہل کتب - کامیاب روز انکروال

لوچھو میں شراب کی بوتلیں چھپی کے دوسرے  
شہروں کی طرح نہیں ہیں۔ لوچھو کی سڑکیوں میں لپک  
چوڑی لکڑی کی طرف آگے بڑھ کر رکھا دھکا ہے۔ اس پر  
گرم پانی کی گھٹلی رکھی رہتی ہے۔ یہ پانی شراب گرم کرنے  
کے کام آتا ہے۔ دوپہر میں یا پھر شام کو کلم ختم کرنے کے  
بعد لوگ ایک پیالہ شراب پیتے آتے ہیں۔ بعض برس  
پہلے ایک پیالے کا دام چار آنے کے قریب ہوتا تھا پر اب  
دس آنے لگتے ہیں۔ مہر کے پاس کچھ ہو کر لوگ  
مخدرا پانی کرتے ہیں اور شہر کو آرام دیتے ہیں۔ ساتھ  
میں لوگ انکی میں مسالے دار پھلن یا پائس کی مقام  
پتھوں کی نمکون پھلچھا لوتے ہیں۔ گوشت خریدنے  
میں بارہ انکیاں لگ جاتی ہیں۔ اس دکان میں آنے  
والے زیادہ تر گراہک چھوٹا کپڑا پہنتے ہیں؟ ان کے پاس  
کبھی بھی پیسہ زیادہ نہیں ہوتے ہیں۔ لہذا گڑن پہنچتے  
ہوئے گراہک ہی اندر جا کر کمرے میں بیٹھتے ہیں اور آرام  
سے شراب پیتے ہیں، پوچھا نمکون اور گوشت کھاتے ہیں۔  
بارہ برس کی عمر ہی سے میں میں ہنگ سرائے میں  
ویتر کا کام کرنے لگا تھا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی یہ ہونٹا  
ملتا ہے۔ سرائے کے مالک کا کہنا تھا کہ میں شکل سے  
اتنا بوندو دکھائی دیتا ہوں کہ لہجہ گڑن پہننے والے  
اُنچھی شہری کی گراہکوں کے سامنے مجھے نہیں  
بھیجا جا سکتا۔ اس لئے مجھے باہر کے کمرے میں ہی  
کام کرنا ہوتا تھا۔ اگرچہ اُنچھی شہری کے گراہک عام طریقہ  
سے میرے کلم سے پرسنی دیتے تھے، لیکن مجھے پریشان کر  
دینے والوں کی سلکھیا کم نہ تھی۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے  
کہ کہیں مخدرا کے پیالے میں پانی تو نہیں ہے۔ پیالے  
میں پانی شراب کا قہقہا اور پھر پیالے کا گرم پانی میں  
رکھا جانا وہ پیسہ دھیان سے دیکھتے تھے لیکن تو نظروں کے  
خاستہ شراب میں ملوث کر دینا سمجھتا تھا۔ اس لئے  
کچھ ہی دنوں میں مالک نے یہ طے کر دیا کہ میں اس  
کلم کے ہوگئے نہیں ہوں۔ میری سفارشی اتنے پورے پورے  
دیکھنے کے کی تھی کہ سڑکی کا مالک مجھے نکال دینے کی  
سجی بھی نہیں سکتا تھا، اس لئے میرا تھاندہ شراب گرم  
کرنے کے کام میں کر دیا گیا۔

اسی کے بعد میں نے اپنا ہاتھ کیسے دھو کر دیکھا  
کہ وہ میرے ہاتھ کیسے گرم ہوئے۔ گم میں لگا رہتا تھا۔  
اگرچہ اس کے بعد میں نے ہاتھوں کو صاف کر دیا تھا

इसके बाद से मैं बराबर बाहर की सेवा के करीब गया।  
हीकर साराथ गरम करने के काम में लगा रहता था।  
अगरचे इस काम में मैं दूसरों को संलग्न कर देता था।

—इन्दीव रिपनी

... ..

हे से बाहर उसकी कमर पर हाथ रखता और बोले कि क्या इसका आवाज बहुत ही छोटा है, क्या इससे दिये कि बाहिर से कुछ बड़ा, उसने कहा—“हलो, क्या रना देर हो गई, तुम्हें प्रतीक्षा करनी पड़ी।”

“मैं ही क्या, न जाने कितने बिबेका मैं जला करते हैं, न हो भी तो कुछ बेसी” साथी सबके ने मरगद होकर बाक किया।

“हरी” कहते कहते वह हंस पड़ी. न वह हंसी बीसी। और न बहुत ऊंची. मुरीली, मधुर मनमनाहत के बीच गीत फैला देने वाली.

वह क्या, आनन्द और गोपाल एक दूसरे के सासने में हैं. आनन्द ने गोपाल को देखा और गोपाल ने आनन्द को.

दोनों की आंखें मुक गई. वह सबकी अब अपने टेबिल पर बैठ गई है. टेबिल मेने में है. आनन्द की टेबिल से दो टेबिल और आगे.

सबका सबके साथ है. बैरा आर्डर ले रहा है. वह दोनों ब खुद कर रहे हैं. केवल मुस्कान भरे चेहरे दीख पड़ते. तीन भाषा का अर्थ लगाने में समय कौन बर्बाद करे!

“आओ गोपाल, काफी पिओ” आनन्द ने निमन्त्रित किया.

आनन्द के मुँह पर लज्जा है और गोपाल सायद किसी लड़ोनी से बिड़ कर ओठ बना रहा है. गोपाल आनन्द के टेबिल पर बैठ गया. दोनों की आंखें फिर मिली और ल गई. बैरा ने तभी पूछा—“सर, काफी?”

“हो काफी, हो मदन कटलेट.” गोपाल ने पूछा—“आनन्द, तुम्हारी माँ बीमार थी, तुम हा लेने आये थे!”

आनन्द ने कहा—“तुम्हारे भी तो बाप बीमार हैं, तुम जेकसन देने जा रहे थे.”

दोनों की आंखें फिर मिली और एक दूसरे से जसा गिरी मुक गई.

दोनों जेपि से और बैरा काफी ‘सर्ब’ कर रहा था. काफी की चुस्की लेते हुये आनन्द ने कहा—“गोपाल, सबकी को जानते हो?”

गोपाल ने जैसे कुछ कहते कहते अपने को रोका और कहा—“नहीं, क्यों?”

“सर अब तुमसे क्या सुपार. तुमसे बदकर मेरा कोई लत नहीं है. मैं तुम्हें अपना आई समझता हूँ. लेकिन जानते हो, आज मैंने तुमकी टाकना पाया. जानते हो क्यों?”

गोपाल ने कुछ कहने के लिये मुँह खोला लेकिन आनन्द ने जवबद नहीं दिया.

आनन्द ने आगे कहा—“इस सबकी का नाम कान्ता मेरे साथ पढ़ती है. तुमसे बहुत कुछ निकलकर पारि करती

होगी. मैं तो अनेक कठिन कालों में लगी थी. मैंने तुम्हें बहुत ही जल्दी में लगी थी. मैंने तुम्हें बहुत ही जल्दी में लगी थी. मैंने तुम्हें बहुत ही जल्दी में लगी थी.

“मैं ही क्या, न जाने कितने बिबेका मैं जला करते हैं, न हो भी तो कुछ बेसी” साथी सबके ने मरगद होकर बाक किया.

“हरी” कहते कहते वह हंस पड़ी. न वह हंसी बीसी। और न बहुत ऊंची. मुरीली, मधुर मनमनाहत के बीच गीत फैला देने वाली.

वह क्या, आनन्द और गोपाल एक दूसरे के सासने में हैं. आनन्द ने गोपाल को देखा और गोपाल ने आनन्द को.

दोनों की आंखें मुक गई. वह सबकी अब अपने टेबिल पर बैठ गई है. टेबिल मेने में है. आनन्द की टेबिल से दो टेबिल और आगे.

सबका सबके साथ है. बैरा आर्डर ले रहा है. वह दोनों ब खुद कर रहे हैं. केवल मुस्कान भरे चेहरे दीख पड़ते. तीन भाषा का अर्थ लगाने में समय कौन बर्बाद करे!

“आओ गोपाल, काफी पिओ” आनन्द ने निमन्त्रित किया.

आनन्द के मुँह पर लज्जा है और गोपाल सायद किसी लड़ोनी से बिड़ कर ओठ बना रहा है. गोपाल आनन्द के टेबिल पर बैठ गया. दोनों की आंखें फिर मिली और ल गई. बैरा ने तभी पूछा—“सर, काफी?”

“हो काफी, हो मदन कटलेट.” गोपाल ने पूछा—“आनन्द, तुम्हारी माँ बीमार थी, तुम हा लेने आये थे!”

आनन्द ने कहा—“तुम्हारे भी तो बाप बीमार हैं, तुम जेकसन देने जा रहे थे.”

दोनों की आंखें फिर मिली और एक दूसरे से जसा गिरी मुक गई.

दोनों जेपि से और बैरा काफी ‘सर्ब’ कर रहा था. काफी की चुस्की लेते हुये आनन्द ने कहा—“गोपाल, सबकी को जानते हो?”

गोपाल ने जैसे कुछ कहते कहते अपने को रोका और कहा—“नहीं, क्यों?”

“सर अब तुमसे क्या सुपार. तुमसे बदकर मेरा कोई लत नहीं है. मैं तुम्हें अपना आई समझता हूँ. लेकिन जानते हो, आज मैंने तुमकी टाकना पाया. जानते हो क्यों?”

गोपाल ने कुछ कहने के लिये मुँह खोला लेकिन आनन्द ने जवबद नहीं दिया.

आनन्द ने आगे कहा—“इस सबकी का नाम कान्ता मेरे साथ पढ़ती है. तुमसे बहुत कुछ निकलकर पारि करती



वैसा गोपाक के पास जाता है, हाथ बांध कर लड़ा होता है, गोपाक कहीं खोया है, लेकिन एक चीज अवश्य है जो उसे इस दुनिया में जीवित लाती है, यह है उसकी पत्नी, गोपाक ने हाथ उठा कर पत्नी देखी, सभी उसकी नज़र वैसे पर पड़ी, कुछ हकबकाहट में उससे कहा—“ठहर जाओ, अभी बताता हूँ।”

“भाई, बानी दे जाओ” आनन्द ने बिना उसकी तरफ देखे आग्रह किया.

“सिप्रेट दे जाओ” गोपाल ने हाँट कर कहा और वह बात साफ कर दी कि उसका इस तरह बार बार पूछना गोपाल को अच्छा नहीं लगता.

दूसरे मिनट आन्ध्र बानी का गिलास मुँह से लगाये था और गोपबल जल की ओर धुंआँ उड़ा रहा था और आँसू गिराये तक रहा था जैसे कोई तलबीर उसके सामने खड़ी हो रही हो।

काफी हावस की जनमल जैसे बकस बन्द हो गई  
ही, सबकी नजरें बरबाब की तरफ उठी हुई है, हर एक  
नेत्र पर से जैसे कह रहा है—ताबने वाले क्रयमत की नजर  
रखते हैं लेकिन कोई है जो बिना देखे बता आ रहा है,  
ऐसा तो नहीं कि उसे इसकी इच्छा नहीं कि लोग उसे न देखें  
और न कह ही कि वह लोगों को नहीं देख रहा है, शायद  
वह जानता है कि किसी तरफ न देखने से सब तरफ से लोग  
उसे देखते हैं, उसे अनुभव है और अनुभव आनन्द देने के  
लिसे काफी है, बरबाब पर आकर उसने चंपल की ज़रा  
गहना, पंखा तो पैर की लेकिन पूरे बदन में जाने किसी  
तरफ बैठा हो गई, वह सबक जैसे एक बिजली हो  
और सबकी चमक में लोगों ने देखा कि वह पीछी  
पानी और सुलेब आउज रहने है, उसने ऊपरी बदन  
में जल के रिखावा और आगे बड़ी, सभी एक व्यक्ति ने

میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہاں آگے کے پاس آگے۔ آگے  
 آگے گھومنا ہے اور کہتا ہے۔ ”تھر جاؤ“ کہی جاتا ہوں۔“

یہاں گھومنا کے پاس جاتا ہے۔ ساتھ ساتھ کر کہتا ہوں  
 ہے۔ گھومنا کہیں کہیں ہے۔ لیکن ایک چوڑا آگے ہے جو آگے  
 اس دنیا میں گھومنا ہے۔ وہ ہے اسکی گھومنا۔ گھومنا  
 کے ساتھ آگے گھومنا ہے۔ جب ہی اسکی نظر پڑے  
 پر ہی۔ کچھ عجیب و غریب میں اس نے کہا۔ ”تھر جاؤ“  
 کہی جاتا ہوں۔“

بدوں کا تو کام ہی ہے کہ وہ کہوں کہوں کو تھلیلں پر ہانپو  
 لیکن کا آرڈر لیں۔ کہیں کسی کو دوچار ملت سے زیادہ  
 بھگتا ہو گیا اور اس نے ملہجور سے شکایت کر دی تو  
 چوٹی کا دردمیاد ہو جائیگا۔ ایسے بھی کچھ لوگ ہوتے  
 ہونگے جو بدوے کے آلے کی دیری کو ٹھوک سمجھتے ہوں،  
 لیکن ان کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے۔ بدوے کو نظم  
 چائے گا اسے اپنا ہی ٹھا مطلب۔ دوسرے بدوے نے آنند  
 کے سامنے جھک کر پھر پوچھا—”سر، کالی؟“

”نہیں، ہمتی دے جاو“ آئندے بے اُس کی طرف  
نیکوہ آؤر دیا۔

اسی سہ پہر کہ لائے جانے والے کسی جفتو نے گویا  
کہ میں چھوڑا ۔

”سنگریٹ دے جاو“ گویاں نے قابض کر رکھا اور یہ  
نہایت ساف کر دی کہ آگے اس طرح ہار ہار پوچھنا گویاں  
کو اچھا نہیں لگتا۔

موجودہ ملحد آئینہ پانی کا ٹکڑا ملکہ سے لٹائے تھا اور  
گہوال چھت کی اوپر دھواں اڑا رہا تھا اور آنکھ کواٹے تک  
رہا تھا جیسے کوئی تصویر اُس کے سامنے کھڑی ہو رہی ہو ۔

کافی ہاوس کی بھی بھی جیسے ایکدم بلند ہو گئی۔  
سب کی نظروں دروازے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ ہر  
ایک اپنی سیڑ پر سے جیسے کہ رہا ہے۔ سڑارے والے تھامنا  
کی نظر دھکتے تھیں۔ لیکن کوئی بے جو ہلا دیکھ چلا  
اڑھا ہے۔ ایسا تو نہیں کہ آئے اسکی اچھا نہیں کہ لوگ  
آئے نہ دیکھیں اور نہ یہ ہی کہ وہ لوگوں کو نہیں دیکھ رہا  
ہے۔ ہمارے رہ جاتے ہیں کہ کسی طرف نہ دیکھتے ہیں۔ سب  
طرف سے لوگ آئے دیکھتے تھیں۔ آئے لوگوں نے اور انہوں  
آہستہ آہستہ کے لئے کافی ہے۔ دروازے پر آکر اس نے چہل  
پر چلا چکا۔ چکا تو پھر تو لیکن پورے ہتھی سب سے  
چلائے گئی۔ لچک پودا ہو گئی۔ یہ لچک جیسے لچک  
چلائی ہو تو اس کی چمک سب لوگوں نے دیکھا کہ وہ  
چلائی سب سے اور سب سے بڑا پتہ ہے۔ اس نے اپنی ہتھی  
کو کھلے سے چلا کر آکر پڑا۔ تب ہی ایک چمکے



लेकर बैठ गये हैं उन्हें किसी काम करने से मतलब ही नहीं। माता जी हैं कि उन्हें गोपाल के सिवाय कोई दूसरा नाम ही था नहीं। मैं तो दबा ही होते होते मरा जा रहा हूँ। दर्जनों बच्चे हैं, दिन में कोई न कोई बीमारी ही पड़ा करता है। अपने राम को तो सिविल लाइन के चार पांच बच्चे लगाने ही पड़ते हैं। और जो कुछ था तो बा ही बाप जान छुट्टी लेकर आ बमके हैं। घंटों से उनका इन्जेक्शन दे रहा हूँ.....”

तभी आनन्द ने प्रश्न किया—“इन्जेक्शन मिल गये?” गोपाल ने जेब में हाथ डाला, जैसे इन्जेक्शन निकाल कर दिखाने जा रहा हो। लेकिन उसने दिखाया नहीं और कहा—“हां”

आनन्द बोला—“बलें मित्र, बुढ़िया चिल्ला चिल्ला के घर सर पर उठाये होगी। बीमारी में आदमी, ऐसे भी बिड़-बिड़ा हो जाता है और वह ऐसे भी मरकर है। अब तक न जाने कितनी बार मेरा नाम ले चुकी होगी। लेकिन यार अम्मा चाहती मुझे बहुत हैं।”

गोपाल ने फिर चढ़ी देखी। पैडल पर पैर रक्खा और जाना-निश्चय करके बोला—“अच्छा, आनन्द फिर कब मिलोगे? यार, तुम्हारी अम्मा को देखने चलते, लेकिन बाबू जी का इन्जेक्शन पड़वाना है, कम्पाउन्डर आता होगा। अच्छा हो जायेंगे।

x

x

x

काफी हाउस का भी एक समाज है। इस समाज का मेम्बर होने के लिये कुछ विशेष गुणों का होना जरूरी है। या तो बाप ने पैसे खूब भेजे हों और या फिर खुद ने कहीं कमा लिये हों। पैसा तो होना ही चाहिये, साथ में अवकाश भी, और एक बात और। बात करने के लिये रोमांस और जीली जागती एक लकड़ी भी ताकि मित्र दूसरी टेबिल पर बैठे सिसकियां भर सकें और कहने को अपनी भी कोई हो सके। इस काफी हाउस में बहुत लोग आते हैं। बैठते हैं, गप्पें मारते हैं, चले जाते हैं।

मोला की दुकान जोड़े अभी पांच ही एक मिनट हुए हैं। काफी हाउस लगातार मरा है। किसी को किसी की फिक्र नहीं है। सिमेट के धुएँ उड़ रहे हैं और धुआँ ऊपर उठ उठ कर औरतों की तस्वीरें बनाता जाता है—असीर कपड़े की निराला, कागज में पड़ती अनगिनत लड़कियां बीच-बीच में पंगली इन्डियन लड़कियों की बात भी आ जाती है। दूर किसी कोने में एक बेसी मोरदी भी बैठी होती है जिसे रति के साथ साथ राजनीति से भी दिव्यदरी है इस समय काफी हाउस लगातार मरा है और इसी बीच में हमारे गोपाल और आनन्द भी बैठे हैं। लेकिन एक दुकान से बहुत दूर, आनन्द हाथ में है और गोपाल हाथ

ले कर बैठे हैं। दोनों किसी काम में नहीं। माता जी हैं कि उन्हें गोपाल के सिवाय कोई दूसरा नाम ही था नहीं। मैं तो दबा ही होते होते मरा जा रहा हूँ। दर्जनों बच्चे हैं, दिन में कोई न कोई बीमारी ही पड़ा करता है। अपने राम को तो सिविल लाइन के चार पांच बच्चे लगाने ही पड़ते हैं। और जो कुछ था तो बा ही बाप जान छुट्टी लेकर आ बमके हैं। घंटों से उनका इन्जेक्शन दे रहा हूँ.....”

तभी आनन्द ने प्रश्न किया—“इन्जेक्शन मिल गये?” गोपाल ने जेब में हाथ डाला, जैसे इन्जेक्शन निकाल कर दिखाने जा रहा हो। लेकिन उसने दिखाया नहीं और कहा—“हां”

आनन्द बोला—“बलें मित्र, बुढ़िया चिल्ला चिल्ला के घर सर पर उठाये होगी। बीमारी में आदमी, ऐसे भी बिड़-बिड़ा हो जाता है और वह ऐसे भी मरकर है। अब तक न जाने कितनी बार मेरा नाम ले चुकी होगी। लेकिन यार अम्मा चाहती मुझे बहुत हैं।”

गोपाल ने फिर चढ़ी देखी। पैडल पर पैर रक्खा और जाना-निश्चय करके बोला—“अच्छा, आनन्द फिर कब मिलोगे? यार, तुम्हारी अम्मा को देखने चलते, लेकिन बाबू जी का इन्जेक्शन पड़वाना है, कम्पाउन्डर आता होगा। अच्छा हो जायेंगे।

x

x

x

काफी हाउस का भी एक समाज है। इस समाज का मेम्बर होने के लिये कुछ विशेष गुणों का होना जरूरी है। या तो बाप ने पैसे खूब भेजे हों और या फिर खुद ने कहीं कमा लिये हों। पैसा तो होना ही चाहिये, साथ में अवकाश भी, और एक बात और। बात करने के लिये रोमांस और जीली जागती एक लकड़ी भी ताकि मित्र दूसरी टेबिल पर बैठे सिसकियां भर सकें और कहने को अपनी भी कोई हो सके। इस काफी हाउस में बहुत लोग आते हैं। बैठते हैं, गप्पें मारते हैं, चले जाते हैं।

मोला की दुकान जोड़े अभी पांच ही एक मिनट हुए हैं। काफी हाउस लगातार मरा है। किसी को किसी की फिक्र नहीं है। सिमेट के धुएँ उड़ रहे हैं और धुआँ ऊपर उठ उठ कर औरतों की तस्वीरें बनाता जाता है—असीर कपड़े की निराला, कागज में पड़ती अनगिनत लड़कियां बीच-बीच में पंगली इन्डियन लड़कियों की बात भी आ जाती है। दूर किसी कोने में एक बेसी मोरदी भी बैठी होती है जिसे रति के साथ साथ राजनीति से भी दिव्यदरी है इस समय काफी हाउस लगातार मरा है और इसी बीच में हमारे गोपाल और आनन्द भी बैठे हैं। लेकिन एक दुकान से बहुत दूर, आनन्द हाथ में है और गोपाल हाथ

जोशनी ने इसी घर का नींद भूँ को नींद कर दिया था।

गोपाल भयभीत रहा। वह अपनी बड़ी में सन था। जोशनी ने बाथ रूम में पानी डूबी कर भीठा बनाते हुये गोपाल को बसाया और कहा—“किसका इन्तजार है...?”

“नहीं जी... कदा...?” गोपाल मुँह बनाने लगे। शायद बाथरूम में नहीं जाया कि बाथरूम क्या है। जोशनी से बाथरूम पर चरमा चढ़ा दिया और जोशनी को हुकूम दिया “एक मैकोपोल”.

वह केन देन हो ही रही थी कि पीछे से आनन्द ने ‘हलो गोपाल’ का शोर मचाया और साइकिल रोकने के लिये गोपाल के घर का सहारा लिया.

“हलो, पान खाओ आनन्द.....”

“नहीं बाबू मैं-पान तो खाता ही नहीं.”

गोपाल ने फिर बड़ी देखी और ऐसा अभिव्यक्त किया कि जैसे उसने ठीक समय पर जरूरी काम के लिये जाना है.

“जाओ जाओ. फिर कब मिलोगे? तुमसे तो मिलना ही नहीं होता.” आनन्द ने कहा.

गोपाल ने उत्तर दिया—“नहीं, जल्दी नहीं है” और जैसे किसी बात को छिपाने के लिये उसने क्षिप्रेत जलाने का सहारा लिया.

“मैं तो बस गोपाल.”

“देखी जी क्या जल्दी है?” गोपाल कह तो गया लेकिन शीघ्र ही चला. जाने का आनन्दने उसकी आँख फिर बड़ी पर पहुँच गई.”

आनन्द ने कहा—“बाबू, तुम्हारे साथ घूमने की तबियत बाहरी है, दिख बाहरी है कि. काफ़ी हावस चलें. लेकिन क्या बतायें (एक मोटी सी गाड़ी उसने दी, जिसमें दूसरे को नहीं स्वयं अपनी बहन को). अम्मा को खटिया पकड़ना था तो आनन्द ही कल. बुद्धिवा भी समय से बीमार पड़ती है. अब जब मैं अकेला घर पर रहता हूँ उसे कोई रोग था बताया है.....”.

तुम्हारी अम्मा कब से बीमार हैं?” गोपाल ने सहानुभूति प्रकट की.

“दो महीने से आई. नाक में दम आ गया है. अजीब सुखीन है. नौकर क्या चाहे वह उन्हें पसन्द नहीं है बाहरी है कि हर समय मैं उनकी पट्टी पकड़े बैठा रहूँ”.

जैसे कुछ सोच कर आनन्द ने आगे कहा—“शुरू तुम्हीं मधे में हो, कोई फिक न चिन्ता, मस्त राम घूमते हो, बाहरी तुम्हें देर हो रही है”

“कहाँ? बाबू अस्ती कुछ गई. मयवान न करे दिखने में कोई बाहरी हो. नाक में दम हो गया है. सब ठीक नहीं है. मैं ही बाहरी बाहरी है. अम्मा का इन्तजार

अम्मा को भयभीत कर दिया. वह अपनी बड़ी में सन था। जोशनी ने बाथ रूम में पानी डूबी कर भीठा बनाते हुये गोपाल को बसाया और कहा—“किसका इन्तजार है...?”

“नहीं जी... कदा...?” गोपाल मुँह बनाने लगे। शायद बाथरूम में नहीं जाया कि बाथरूम क्या है। जोशनी से बाथरूम पर चरमा चढ़ा दिया और जोशनी को हुकूम दिया “एक मैकोपोल”.

वह केन देन हो ही रही थी कि पीछे से आनन्द ने ‘हलो गोपाल’ का शोर मचाया और साइकिल रोकने के लिये गोपाल के घर का सहारा लिया.

“हलो, पान खाओ आनन्द.....”

“नहीं बाबू मैं-पान तो खाता ही नहीं.”

गोपाल ने फिर बड़ी देखी और ऐसा अभिव्यक्त किया कि जैसे उसने ठीक समय पर जरूरी काम के लिये जाना है.

“जाओ जाओ. फिर कब मिलोगे? तुमसे तो मिलना ही नहीं होता.” आनन्द ने कहा.

गोपाल ने उत्तर दिया—“नहीं, जल्दी नहीं है” और जैसे किसी बात को छिपाने के लिये उसने क्षिप्रेत जलाने का सहारा लिया.

“मैं तो बस गोपाल.”

“देखी जी क्या जल्दी है?” गोपाल कह तो गया लेकिन शीघ्र ही चला. जाने का आनन्दने उसकी आँख फिर बड़ी पर पहुँच गई.”

आनन्द ने कहा—“बाबू, तुम्हारे साथ घूमने की तबियत बाहरी है, दिख बाहरी है कि. काफ़ी हावस चलें. लेकिन क्या बतायें (एक मोटी सी गाड़ी उसने दी, जिसमें दूसरे को नहीं स्वयं अपनी बहन को). अम्मा को खटिया पकड़ना था तो आनन्द ही कल. बुद्धिवा भी समय से बीमार पड़ती है. अब जब मैं अकेला घर पर रहता हूँ उसे कोई रोग था बताया है.....”.

तुम्हारी अम्मा कब से बीमार हैं?” गोपाल ने सहानुभूति प्रकट की.

“दो महीने से आई. नाक में दम आ गया है. अजीब सुखीन है. नौकर क्या चाहे वह उन्हें पसन्द नहीं है बाहरी है कि हर समय मैं उनकी पट्टी पकड़े बैठा रहूँ”.

जैसे कुछ सोच कर आनन्द ने आगे कहा—“शुरू तुम्हीं मधे में हो, कोई फिक न चिन्ता, मस्त राम घूमते हो, बाहरी तुम्हें देर हो रही है”

“कहाँ? बाबू अस्ती कुछ गई. मयवान न करे दिखने में कोई बाहरी हो. नाक में दम हो गया है. सब ठीक नहीं है. मैं ही बाहरी बाहरी है. अम्मा का इन्तजार

## चुना हो गया

## चुना हो गया

भोला की दुकान पर पान, बीड़ी, सिगरेट, बरफ का पानी, कोककोला तो मिश्रता ही है, और भी कई चीजें मिलती हैं, उनका व्योपार जरा छुप के होता है, कुछ लोग वहां छुप कर आते हैं और बहुत से खुल्ला इस दुकान पर भीड़ लगाये रहते हैं, वहां चीजें ही नहीं मिलती आदमियों का मिशन भी होता है, यदि आप बाहर से आये हों और मित्रों का हाल-पाक माखम करना हो तो भोला की दुकान पर चले जाइये, सिविल लाइन घूमने वाले लगभग सभी व्यक्तियों का हाल भोला को माखम है, वह बता सकते हैं कि आपके मित्र कल सिविल लाइन आये थे या नहीं, वह कितनी देर सिविल लाइन में रहे और कौन कौन उनके साथ था, भोला की जानकारी से हमें कुछ लेना देना नहीं, अपना मतलब केवल दुकान से है, इसी दुकान पर गोपाल ने सायकिल रोकी और धूप का चरमा बड़ी नज़ाकत से उतार कर बोला—“भोला, राजू तो नहीं आया?”

“राजू?” भोला कुछ सोचने लगे, फिर गोपाल की तरफ देखा और वैसे ही पान लगाते हुये बोला—“नहीं वह तो नहीं आये, कल तो ये, अच्छा साब चुना है।”

कहा नहीं जा सकता कि गोपाल ने भोला की बात सुनी या नहीं, चेहरे से कुछ ऐसा जरूर लगा कि राजू को पूछना तो सिर्फ नमस्ते के रूप में था, आगे कुछ बात नहीं थी, आगे बात बढ़ाये बिना गोपाल ने कहा—“एक पान देना।”

“मीठा?”

“कट्टा में कब काता है?”

भोला बरफ की चिल्ली से एक लगा लगाया पान कटाकर भावहीन मुद्रा से बीड़ा बनाने लगे, तभी उन्होंने देखा कि गोपाल बार बार बड़ी देर रहे हैं, भोला बहुत काफ है, लोंडों की रंग रंग पहचानते हैं, वह जानते हैं कि बलाबली से लड़के हो ही कारन से चड़ी देखते हैं, या तो किसी खास समय पर किसी लड़की ने सिविल लाइन में खिलने का वादा किया हो और वा नई नई चड़ी खरीदी हो और बार बार दिखाकर मित्रों को निमन्त्रित करना हो कि वह पूर्ण—“कब खरीदी?” जवाब कीड़न दिया आवेगा, लेकिन इस मुद्रा में कि जैसे वह बात पूछी नहीं चाहिये की, जवाब भी सुन लीजिये—“मेरी आंखों की बहन ने उपहार दिया है।” और भी जवाब होते हैं, पर सब जवाबों का सारांश एक है—एक लड़की है, सुन्दर है वसने इतनी नकलीकी है कि उसने चड़ी जैट की है।

भोला की दुकान पर पान, बीड़ी, सिगरेट, बरफ का पानी, कोककोला तो मिश्रता ही है, और भी कई चीजें मिलती हैं, उनका व्योपार जरा छुप के होता है, कुछ लोग वहां छुप कर आते हैं और बहुत से खुल्ला इस दुकान पर भीड़ लगाये रहते हैं, वहां चीजें ही नहीं मिलती आदमियों का मिशन भी होता है, यदि आप बाहर से आये हों और मित्रों का हाल-पाक माखम करना हो तो भोला की दुकान पर चले जाइये, सिविल लाइन घूमने वाले लगभग सभी व्यक्तियों का हाल भोला को माखम है, वह बता सकते हैं कि आपके मित्र कल सिविल लाइन आये थे या नहीं, वह कितनी देर सिविल लाइन में रहे और कौन कौन उनके साथ था, भोला की जानकारी से हमें कुछ लेना देना नहीं, अपना मतलब केवल दुकान से है, इसी दुकान पर गोपाल ने सायकिल रोकी और धूप का चरमा बड़ी नज़ाकत से उतार कर बोला—“भोला, राजू तो नहीं आया?”

“राजू?” भोला कुछ सोचने लगे, फिर गोपाल की तरफ देखा और वैसे ही पान लगाते हुये बोला—“नहीं वह तो नहीं आये, कल तो ये, अच्छा साब चुना है।”

कहा नहीं जा सकता कि गोपाल ने भोला की बात सुनी या नहीं, चेहरे से कुछ ऐसा जरूर लगा कि राजू को पूछना तो सिर्फ नमस्ते के रूप में था, आगे कुछ बात नहीं थी, आगे बात बढ़ाये बिना गोपाल ने कहा—“एक पान देना।”

“मीठा?”

“कट्टा में कब काता है?”

भोला बरफ की चिल्ली से एक लगा लगाया पान कटाकर भावहीन मुद्रा से बीड़ा बनाने लगे, तभी उन्होंने देखा कि गोपाल बार बार बड़ी देर रहे हैं, भोला बहुत काफ है, लोंडों की रंग रंग पहचानते हैं, वह जानते हैं कि बलाबली से लड़के हो ही कारन से चड़ी देखते हैं, या तो किसी खास समय पर किसी लड़की ने सिविल लाइन में खिलने का वादा किया हो और वा नई नई चड़ी खरीदी हो और बार बार दिखाकर मित्रों को निमन्त्रित करना हो कि वह पूर्ण—“कब खरीदी?” जवाब कीड़न दिया आवेगा, लेकिन इस मुद्रा में कि जैसे वह बात पूछी नहीं चाहिये की, जवाब भी सुन लीजिये—“मेरी आंखों की बहन ने उपहार दिया है।” और भी जवाब होते हैं, पर सब जवाबों का सारांश एक है—एक लड़की है, सुन्दर है वसने इतनी नकलीकी है कि उसने चड़ी जैट की है।



میں دیتے ہیں۔ یہاں ایک بڑا Amphi-theatre ہے جس میں 20 ہزار بچے ایک ساتھ بیٹھ کر کھیل سکتے ہیں۔ دونوں طرف کے جرمنی جرمنی کو یہاں سے ایک اور یورپی طرح آزاد کرنے کو بھی تیار اور خواہشمند ہیں۔ یورپی جرمنی میں امریکہ کا رویہ بہت لگا ہوا ہے۔ یورپی جرمنی میں ایسی کوئی بات نہیں۔ عام جلسہ میں مہدی تقریر سب جرمنوں کو بہت پسند آتی۔ برلین سے ماسکو آتے ہوئے راستہ میں بریستک Brest ہوا۔ وہاں کے روسوں نے اسٹیشن پر ہی ہم سب کا خوب سواگت کیا۔ روسی گاڑی میں چٹنی، جاپانی، روسی نام والے، لٹکا والے، روسی وغیرہ بھی تھے۔ کوموجو بھی تھے۔ خوب لطف رہا۔ پانچ گھنٹہ وہاں ٹہرے۔ ایک اوپر دیکھا۔ وہاں کا لٹکا، بچانا، ناچنا سب دیکھا۔ پلٹتے لوٹکر ناتھ نے انہیں ہلکے سہانے لٹکا بھی ملایا۔ سب کو اچھا لگا۔ خوب وقت گذرا۔

ماسکو میں ہم سارے شہر کا بھنگر بھی لگا چکے۔ تقریب 50 سال کی آبادی ہے۔ 82 مینٹل تک کئی عمارتیں، بنگلے اور کھانسی سے کھڑی چوڑی چوڑی سڑکیں۔ سب کچھ مالاخام ہوتے ہیں۔ سب کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہینڈوستان سے سب کو بہت محبت آتا ہے۔ گاندھی جی کا نام سب جانتے ہیں۔ بہت بڑا آدمی مانتے ہیں۔ جواہر لال جی کی مائی سب کے دل میں بڑھ چکی ہے۔ جمن کا پرچار یہاں بھی ہے۔ جمن کا پرچار کرنا جانتی جمن ہے، جس پر کڑی کی سزا دی جاتی ہے۔ ہمن نے یہاں کی جمن کے نیچے جانے والی ریل دیکھی۔ برلین میں بھی ایسی ریل ہے، پر ماسکو سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ تقریب 60 میل لمبی یہ ریل کے نیچے لپٹے جاتی ہے۔ لپٹے لپٹے سکی بھی چار منزلوں میں۔ پہلی کی سڑکیوں سے ایک منزل سے دوسری منزل جاتے ہیں اور اسی طرح پھر اوپر آتے ہیں۔ 23 واہ آدھی روزانہ اس سے سفر کرتے ہیں، ماسکو دیرپا ماسکو شہر کے بچے سے بچتا ہے۔ یہ دل ماسکو لڈی سے بھائی سو لپٹ لپٹ جاتی ہے۔ اسٹیشن بھی بہت بڑے بڑے اور خوبصورت ہیں۔ ہزاروں چترگاہیں ہیں۔ جی کریموں نے کام کیا ہے انکی تصویریں جگہ جگہ ملی ہیں۔ ان کے نام کھدے ہیں۔ سب جگہ دیواروں پر چلتا کے نام، چلتا کے گارڈس، چلتا کی لپٹا، چلتا کی زندگی، یہی سب دکھایا گیا ہے۔ چور دیکھتے ہیں۔ چور دیکھتے ہیں۔ سائنس کی ترقی ہے۔ ہاں تو اس سے زیادہ اور جگہ بھی ہوگی، یہ وہاں آکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر سچ میں چلتا کا راج اور چلتا کا پیل ہلا ہے تو دوس میں ہے۔ سچ کی باتیں میں لپٹتی آدھی کے خیال سے چلی زیادہ پسند ہے۔ چلی چارہ گھوڑوں کے چلتا نوٹیک ہے۔ لپٹی سائنس

ماسکو میں ہم سارے شہر کا چکر بھی لگا چکے۔ تقریب 50 واہ کی آبادی ہے۔ 82 منزل تک کی عمارتیں، سبکی اور کھانسی سے کھڑی چوڑی چوڑی سڑکیں۔ سب کچھ معلوم ہوتے ہیں۔ سب کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہینڈوستان سے سب کو بہت محبت آتا ہے۔ گاندھی جی کا نام سب جانتے ہیں۔ بہت بڑا آدمی مانتے ہیں۔ جواہر لال جی کی مائی سب کے دل میں بڑھ چکی ہے۔ جمن کا پرچار یہاں بھی ہے۔ جمن کا پرچار کرنا جانتی جمن ہے، جس پر کڑی کی سزا دی جاتی ہے۔ ہمن نے یہاں کی جمن کے نیچے جانے والی ریل دیکھی۔ برلین میں بھی ایسی ریل ہے، پر ماسکو سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ تقریب 60 میل لمبی یہ ریل کے نیچے لپٹے جاتی ہے۔ لپٹے لپٹے سکی بھی چار منزلوں میں۔ پہلی کی سڑکیوں سے ایک منزل سے دوسری منزل جاتے ہیں اور اسی طرح پھر اوپر آتے ہیں۔ 23 واہ آدھی روزانہ اس سے سفر کرتے ہیں، ماسکو دیرپا ماسکو شہر کے بچے سے بچتا ہے۔ یہ دل ماسکو لڈی سے بھائی سو لپٹ لپٹ جاتی ہے۔ اسٹیشن بھی بہت بڑے بڑے اور خوبصورت ہیں۔ ہزاروں چترگاہیں ہیں۔ جی کریموں نے کام کیا ہے انکی تصویریں جگہ جگہ ملی ہیں۔ ان کے نام کھدے ہیں۔ سب جگہ دیواروں پر چلتا کے نام، چلتا کے گارڈس، چلتا کی لپٹا، چلتا کی زندگی، یہی سب دکھایا گیا ہے۔ چور دیکھتے ہیں۔ چور دیکھتے ہیں۔ سائنس کی ترقی ہے۔ ہاں تو اس سے زیادہ اور جگہ بھی ہوگی، یہ وہاں آکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر سچ میں چلتا کا راج اور چلتا کا پیل ہلا ہے تو دوس میں ہے۔ سچ کی باتیں میں لپٹتی آدھی کے خیال سے چلی زیادہ پسند ہے۔ چلی چارہ گھوڑوں کے چلتا نوٹیک ہے۔ لپٹی سائنس

ماسکو میں ہم سارے شہر کا چکر بھی لگا چکے۔ تقریب 50 واہ کی آبادی ہے۔ 82 منزل تک کی عمارتیں، سبکی اور کھانسی سے کھڑی چوڑی چوڑی سڑکیں۔ سب کچھ معلوم ہوتے ہیں۔ سب کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہینڈوستان سے سب کو بہت محبت آتا ہے۔ گاندھی جی کا نام سب جانتے ہیں۔ بہت بڑا آدمی مانتے ہیں۔ جواہر لال جی کی مائی سب کے دل میں بڑھ چکی ہے۔ جمن کا پرچار یہاں بھی ہے۔ جمن کا پرچار کرنا جانتی جمن ہے، جس پر کڑی کی سزا دی جاتی ہے۔ ہمن نے یہاں کی جمن کے نیچے جانے والی ریل دیکھی۔ برلین میں بھی ایسی ریل ہے، پر ماسکو سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ تقریب 60 میل لمبی یہ ریل کے نیچے لپٹے جاتی ہے۔ لپٹے لپٹے سکی بھی چار منزلوں میں۔ پہلی کی سڑکیوں سے ایک منزل سے دوسری منزل جاتے ہیں اور اسی طرح پھر اوپر آتے ہیں۔ 23 واہ آدھی روزانہ اس سے سفر کرتے ہیں، ماسکو دیرپا ماسکو شہر کے بچے سے بچتا ہے۔ یہ دل ماسکو لڈی سے بھائی سو لپٹ لپٹ جاتی ہے۔ اسٹیشن بھی بہت بڑے بڑے اور خوبصورت ہیں۔ ہزاروں چترگاہیں ہیں۔ جی کریموں نے کام کیا ہے انکی تصویریں جگہ جگہ ملی ہیں۔ ان کے نام کھدے ہیں۔ سب جگہ دیواروں پر چلتا کے نام، چلتا کے گارڈس، چلتا کی لپٹا، چلتا کی زندگی، یہی سب دکھایا گیا ہے۔ چور دیکھتے ہیں۔ چور دیکھتے ہیں۔ سائنس کی ترقی ہے۔ ہاں تو اس سے زیادہ اور جگہ بھی ہوگی، یہ وہاں آکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر سچ میں چلتا کا راج اور چلتا کا پیل ہلا ہے تو دوس میں ہے۔ سچ کی باتیں میں لپٹتی آدھی کے خیال سے چلی زیادہ پسند ہے۔ چلی چارہ گھوڑوں کے چلتا نوٹیک ہے۔ لپٹی سائنس



नागरी लेखक

बन्धुमातरम्

Freiheits-Kämpfer  
fur Indian

Surendranath Kar  
1889-1923

Nripendra Nath Das Gupta  
1897-1925

Nilay K. Das Gupta  
1934-1938

Ashit Ranjan Sen Gupta  
1902-1924

नागरी लेखक

बन्धु मातरम्

Freiheit-Kämpfer  
fur Indian

Surendranath Kar  
1889-1923

Nripendra Nath Das Gupta  
1897-1925

Nilay K. Das Gupta  
1934-1938

Ashit Ranjan Sen Gupta  
1902-1924

बन्धुमातरम् नागरी हर्कों में खुदा है, बाक्री रोमन हर्कों में, जो दो सतरें जर्मन भाषा में हैं उनके सानी हैं :—  
“Fighter for the freedom of India यानी हिन्दुस्तान की आजादी के लिये लड़ने वाले.” चार नामों में पहला, दूसरा और चौथा हिन्दुस्तानी क्रांतिकारी हैं जो अपनी किसी धुन में बर्लिन में आकर मरे और तीसरा एक और क्रांतिकारी का लड़का है जो बर्लिन में ही पैदा हुआ और यहां ही मर गया. पत्थर के चारों तरफ फूल लगे हुए हैं. एक बूढ़ी जर्मन औरत इन फूलों को देखती रहती है और कभी कभी आकर पानी देती रहती है.

हमें यह भी मालूम हुआ कि पच्छिमी बर्लिन में ही कहीं पर हिन्दुस्तान के एक सुखसमान क्रांतिकारी की भी कब्र है. पर हमें उसका पता लगाने और वहां जाने का वक्त न मिल सका. पच्छिमी बर्लिन होने की वजह से और भी मुश्किल हो गया. हम पूर्वी बर्लिन में ठहरे थे और बीरेन्द्र बाबू अगले ही दिन किसी जरूरी काम से लन्दन चले गये. उस क्रम को देखने की हसरत दिल की दिल ही में रह गई.

बर्लिन की बमबारी और बर्बादी के निशान चारों तरफ फैले हुए हैं. चारों तरफ बड़ी बड़ी शानदार इमारतों के खंडर देखकर दुख भी होता है और इबरत भी. फिर भी पूर्वी बर्लिन वाले बहुत कुछ संभाल रहे हैं. उनका मजदूरों और किसानों के लड़कों लड़कियों के लिये एक खास स्कूल देख कर बड़ी तबियत खुश हुई. आइमरी पास लोग लिये जाते हैं. तीन साल का कोर्स है. वहां से सीधे यूनिवर्सिटी जा सकते हैं. बहुत अच्छा बोर्डिंग स्कूल है. 800 लड़के लड़कियां रहते हैं. हमने उनसे बातें कीं, उनका रहना खाना देखा. बहुत पसन्द आया. एक Young Pioneers' Republic देखी. कई मीच में बहुत खूबसूरत बाग, इमारतें और मीच. 7 से 14 साल तक के लड़के लड़कियों के लिये. अपना सब इन्तजाम वह खुद करते हैं. कुछ लड़के 15 से 25 तक के उन्हें मदद

“बन्धु मातरम्” नागरी हर्कों में खुदा है, बाक्री रोमन हर्कों में, जो दो सतरें जर्मन भाषा में हैं उनके सानी हैं :—  
Fighter for the freedom of India, यानी हिन्दुस्तान की आजादी के लिये लड़ने वाले.” चार नामों में पहला, दूसरा और चौथा हिन्दुस्तानी क्रांतिकारी हैं जो अपनी किसी धुन में बर्लिन में आकर मरे और तीसरा एक और क्रांतिकारी का लड़का है जो बर्लिन में ही पैदा हुआ और यहां ही मर गया. पत्थर के चारों तरफ फूल लगे हुए हैं. एक बूढ़ी जर्मन औरत इन फूलों को देखती रहती है और कभी कभी आकर पानी देती रहती है.

हमें यह भी मालूम हुआ कि पच्छिमी बर्लिन में ही कहीं पर हिन्दुस्तान के एक सुखसमान क्रांतिकारी की भी कब्र है. पर हमें उसका पता लगाने और वहां जाने का वक्त न मिल सका. पच्छिमी बर्लिन होने की वजह से और भी मुश्किल हो गया. हम पूर्वी बर्लिन में ठहरे थे और बीरेन्द्र बाबू अगले ही दिन किसी जरूरी काम से लन्दन चले गये. उस क्रम को देखने की हसरत दिल की दिल ही में रह गई.

बर्लिन की बमबारी और बर्बादी के निशान चारों तरफ फैले हुए हैं. चारों तरफ बड़ी बड़ी शानदार इमारतों के खंडर देखकर दुख भी होता है और इबरत भी. फिर भी पूर्वी बर्लिन वाले बहुत कुछ संभाल रहे हैं. उनका मजदूरों और किसानों के लड़कों लड़कियों के लिये एक खास स्कूल देख कर बड़ी तबियत खुश हुई. आइमरी पास लोग लिये जाते हैं. तीन साल का कोर्स है. वहां से सीधे यूनिवर्सिटी जा सकते हैं. बहुत अच्छा बोर्डिंग स्कूल है. 800 लड़के लड़कियां रहते हैं. हमने उनसे बातें कीं, उनका रहना खाना देखा. बहुत पसन्द आया. एक Young Pioneers' Republic देखी. कई मीच में बहुत खूबसूरत बाग, इमारतें और मीच. 7 से 14 साल तक के लड़के लड़कियों के लिये. अपना सब इन्तजाम वह खुद करते हैं. कुछ लड़के 15 से 25 तक के उन्हें मदद



करीब वैसी ही है वैसी इलाहाबाद में जनवरी में, फिर भी बर्लिन में और यहाँ भी मैं सब जगह बराबर धोती पहनता रहा। आजकल भी धोती ही पहनता हूँ, जब से देहली से चला हूँ सिर्फ एक दिन बर्लिन में शाम को दो घण्टे के लिये मोछा और पाजामा पहन लिया था, वह वाकिया भी खासा दिक्कतपूर्ण है।

हुआ यह कि एक दिन बर्लिन में अचानक एक सज्जन श्रीरेग्ननाथ दास गुप्ता ने कहीं से मुझे फोन किया कि वह मुझसे मिलने आना चाहते हैं, मैंने उसी वक़्त बुला लिया। आध घण्टे में एक साहब, ब्रिगासठ बरस की उम्र के, लेकिन मध्यम, अंग्रेजी पोशाक में हिन्दुस्तानी, मेरे कमरे में दिखाई दिये और बड़ी मोहब्बत से मिले। पुराने बंग बंग के समय के हिन्दुस्तानी देश भक्त और क्रान्तिकारी थे, अब किसी कर्म में इनजीनियर हैं और ज्यादातर योरूप में ही रहते हैं, आते जाते रहते हैं, खूब बातें हुईं, वह मुझे पच्छिमी बर्लिन (West Berlin) सैर को ले गये, वह बात 22 मई की है, चलते वक़्त कहने लगे कि शाम को सर्दी ज्यादा हो जायेगी, मोछा और गरम पाजामा जरूर पहन लीजिये, मैं धोती पहने ही जाना चाहता था, कुछ देर बहस होकर मैं उनकी बातों में आ गया, गरम पाजामा और मोछा निकाल कर पहन लिया, बाद में मालूम हुआ कि सर्दी का इतना डर नहीं था जितना वह मुझे धोती पहने साथ ले जाते हुए समझाते थे, खासकर पच्छिमी बर्लिन में, और उनकी यह सलाहिश भी आधी पूरी हुई, क्योंकि जब हम चलने लगे तो कुमारप्पा भी तैयार हो गये और कुमारप्पा बही धोती पहने और नंगे पांव रहे, सैर बहुत अच्छी रही, अन्तर प्राण्ड रेस से गये और आये, यहाँ हमारी धोतियाँ और कपड़ों को देखकर सब जगह लोग खूब जमा हो जाते हैं, बीसियों पीछे पीछे चलने लगते हैं, लेकिन मोहब्बत के साथ, हिन्दुस्तान का हाल पूछते हैं और खूब हाथ मिलाते हैं, बच्चों से तो इस असें में सैकड़ों ही से हाथ मिलाना पड़ा है, हर जगह यही हालत होती है, लोगों की आँखों में जो मोहब्बत और हमदर्दी होती है, उससे मालूम होता कि रंग का अभिमान (Colour Pride) अब दुनिया से जा रहा है और तेजी से जा रहा है इसका ज़ेय हमें कन्वन्शियम को और रूस को देना ही होगा।

उस दिन की पच्छिमी बर्लिन की सैर में एक बात और भी बहुत ही खास हुई, श्री बी. एन. दास गुप्ता हमें बर्लिन के एक मीमेटोरियम में ले गये, वहाँ उन्होंने एक जगह दिखाई जहाँ चार हिन्दुस्तानियों की राख दफन है, यह चारों बर्लिन में मरे, यहाँ ही फुँके और राख एक खूबसूरत जगह दफन कर दी गई—चारों की एक ही जगह अलग अलग लेकिन पास पास, ऊपर एक पत्थर लगा है, उसके ऊपर जो शब्द खुदे हैं वह ज्यों के त्यों नीचे नज़र करता है :

लुईस वॉसी ही है जेम्सी आल्लोह में जलुरी में .  
पेर भी बर्ली में भी और यहाँ भी में सब जगह  
बराबर धोती पहनता रहा . अजकल भी धोती ही पहनता हूँ .  
जब से देहली से चला हूँ सिर्फ एक दिन बर्ली में शाम को दो घण्टे के लिये मोछा और पाजामा पहन लिया था . वह वाकिया भी खासा दिक्कतपूर्ण है .

मोया कि एक दिन बर्ली में अचानक एक सज्जन श्रीरेग्ननाथ दास गुप्ता ने कहीं से मुझे फोन किया कि वह मुझसे मिलने आना चाहते हैं, मैंने उसी वक़्त बुला लिया. आध घण्टे में एक साहब, ब्रिगासठ बरस की उम्र के, लेकिन मध्यम, अंग्रेजी पोशाक में हिन्दुस्तानी, मेरे कमरे में दिखाई दिये और बड़ी मोहब्बत से मिले. पुराने बंग बंग के समय के हिन्दुस्तानी देश भक्त और क्रान्तिकारी थे, अब किसी कर्म में इनजीनियर हैं और ज्यादातर योरूप में ही रहते हैं, आते जाते रहते हैं, खूब बातें हुईं, वह मुझे पच्छिमी बर्ली (West Berlin) सैर को ले गये, वह बात 22 मई की है, चलते वक़्त कहने लगे कि शाम को सर्दी ज्यादा हो जायेगी, मोछा और गरम पाजामा जरूर पहन लीजिये, मैं धोती पहने ही जाना चाहता था, कुछ देर बहस होकर मैं उनकी बातों में आ गया, गरम पाजामा और मोछा निकाल कर पहन लिया, बाद में मालूम हुआ कि सर्दी का इतना डर नहीं था जितना वह मुझे धोती पहने साथ ले जाते हुए समझाते थे, खासकर पच्छिमी बर्ली में, और उनकी यह सलाहिश भी आधी पूरी हुई, क्योंकि जब हम चलने लगे तो कुमारप्पा भी तैयार हो गये और कुमारप्पा बही धोती पहने और नंगे पांव रहे, सैर बहुत अच्छी रही, अन्तर प्राण्ड रेस से गये और आये, यहाँ हमारी धोतियाँ और कपड़ों को देखकर सब जगह लोग खूब जमा हो जाते हैं, बीसियों पीछे पीछे चलने लगते हैं, लेकिन मोहब्बत के साथ, हिन्दुस्तान का हाल पूछते हैं और खूब हाथ मिलाते हैं, बच्चों से तो इस असें में सैकड़ों ही से हाथ मिलाना पड़ा है, हर जगह यही हालत होती है, लोगों की आँखों में जो मोहब्बत और हमदर्दी होती है, उससे मालूम होता कि रंग का अभिमान (Colour Pride) अब दुनिया से जा रहा है और तेजी से जा रहा है इसका ज़ेय हमें कन्वन्शियम को और रूस को देना ही होगा.

उस दिन की पच्छिमी बर्ली की सैर में एक बात और भी बहुत ही खास हुई, श्री बी. एन. दास गुप्ता हमें बर्ली के एक मीमेटोरियम में ले गये, वहाँ उन्होंने एक जगह दिखाई जहाँ चार हिन्दुस्तानियों की राख दफन है, यह चारों बर्ली में मरे, यहाँ ही फुँके और राख एक खूबसूरत जगह दफन कर दी गई—चारों की एक ही जगह अलग अलग लेकिन पास पास, ऊपर एक पत्थर लगा है, उसके ऊपर जो शब्द खुदे हैं वह ज्यों के त्यों नीचे नज़र करता है :

## ماسکو سے خط

[ پروفیسر پینٹ جی نے اس خط سے پہلے ایک خط مغربی برلن سے لکھا تھا۔ ایک ہفتے کے بعد یہ دوسرا خط ہے۔ پہلے آئندہ مہل سے آیا اور جون کے پہلے ہفتے میں مل گیا۔ یہ خط معمولی ڈاک سے آیا اور جولائی کے تیسرے ہفتے میں ملا۔ پہلے یہی ہفتہ دلچسپ تھا اور انٹر ریڈیو جانب پر کافی روشنی ڈالنا تھا۔ مہربی نالائق سے وہ خط کھو گیا۔ اس ناسامی گدا کے لئے تھا ہند کے پاتھکوں سے چوما چاہتا ہوں۔ دوسرا خط سہوا میں حاضر ہے۔ مسجوب۔ ]



Room No. 214  
Soviet Hotel  
Moscow.  
6. 6. '54  
Sunday.  
7. 6. '54.  
Monday.

دیکھو مسجوب،

ایک خط تمہیں برلن سے لکھا تھا۔ اب تک مل گیا ہوا۔ 29، 30 برلن کی سیر کرنے کے بعد 31 مئی کو ہم آرمی برلن سے نکلیے ریل ماسکو کے لیے رہنا ہوا اور 2 جون کی شام کو ماسکو پہنچے۔ سفر میں ہر طرح کا آرام رہا۔ ہمارے دوستوں خاصہ مہمان نواز ہیں اور کافی مصدقہ۔ معلوم ہوتا ہے دوسرے مچے یورپ اور ایشیا کے مچے 4 ہلے اور دونوں طرف کے انسانوں اور دلوں کو ملنے کا کام سب سے اچھا شاید دوسرے ہی کوسکتا ہے۔ راستہ میں ایک کھلیکھن دوست سے جو یہاں بھی ہمارے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں کھلیکھن کی آج کی حالت پر خوب کھنگو ہوئی۔ میں نے کچھ نوٹ کر لیا ہے۔

برلن میں سورج رات کو 9 بجے ڈھپتا ہے اور سورج 3 بجے پھر نکل آتا ہے۔ بعدی رات صرف 6 گھنٹے کی ہوتی ہے۔ یہاں تو دوسرے بھی زیادہ مسجوب حالت ہے۔ رات میں رات کو 10 بجے کے بعد ہم بچے کے ایک اسٹوڈنٹ پر لپڑے تھے۔ بالکل ایسا صماں تھا جیسا انڈیا میں جون میں شام کو 7 بجے۔ دن کی روشنی اتنی کافی نہیں کہ لکھن پڑھی جا سکے۔ سردی یہاں سب جگہ قریب

## ماسکو سے خط

[ پروفیسر پینٹ جی نے اس خط سے پہلے ایک خط مغربی برلن سے لکھا تھا۔ ایک ہفتے کے بعد یہ دوسرا خط ہے۔ پہلے آئندہ مہل سے آیا اور جون کے پہلے ہفتے میں مل گیا۔ یہ خط معمولی ڈاک سے آیا اور جولائی کے تیسرے ہفتے میں ملا۔ پہلے یہی ہفتہ دلچسپ تھا اور انٹر ریڈیو جانب پر کافی روشنی ڈالنا تھا۔ مہربی نالائق سے وہ خط کھو گیا۔ اس ناسامی گدا کے لئے تھا ہند کے پاتھکوں سے چوما چاہتا ہوں۔ دوسرا خط سہوا میں حاضر ہے۔ مسجوب۔ ]



Room No. 214  
Soviet Hotel  
Moscow  
6. 6. 54.  
Sunday  
7. 6. 54.  
Monday.

دیکھو مسجوب،

ایک خط تمہیں برلن سے لکھا تھا۔ اب تک مل گیا ہوا۔ 29، 30 برلن کی سیر کرنے کے بعد 31 مئی کو ہم آرمی برلن سے نکلیے ریل ماسکو کے لیے رہنا ہوا اور 2 جون کی شام کو ماسکو پہنچے۔ سفر میں ہر طرح کا آرام رہا۔ ہمارے دوستوں خاصہ مہمان نواز ہیں اور کافی مصدقہ۔ معلوم ہوتا ہے دوسرے مچے یورپ اور ایشیا کے مچے 4 ہلے اور دونوں طرف کے انسانوں اور دلوں کو ملنے کا کام سب سے اچھا شاید دوسرے ہی کوسکتا ہے۔ راستہ میں ایک کھلیکھن دوست سے جو یہاں بھی ہمارے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں کھلیکھن کی آج کی حالت پر خوب کھنگو ہوئی۔ میں نے کچھ نوٹ کر لیا ہے۔

برلن میں سورج رات کو 9 بجے ڈھپتا ہے اور سورج 3 بجے پھر نکل آتا ہے۔ بعدی رات صرف 6 گھنٹے کی ہوتی ہے۔ یہاں تو دوسرے بھی زیادہ مسجوب حالت ہے۔ رات میں رات کو 10 بجے کے بعد ہم بچے کے ایک اسٹوڈنٹ پر لپڑے تھے۔ بالکل ایسا صماں تھا جیسا انڈیا میں جون میں شام کو 7 بجے۔ دن کی روشنی اتنی کافی نہیں کہ لکھن پڑھی جا سکے۔ سردی یہاں سب جگہ قریب

बिना सरकारी सहायता के टिक नहीं पाता। 12 अप्रैल सन 1954 के हरिजन में विनोबा जी का मनी बहन पटेल के नाम एक पत्र छपा है। उसमें लिखा है: "कोशिश की जा रही है कि दस्तावेजी कार्रवाई और वास्तविक खारिज बिना टिकट और रजिस्ट्री खर्चों के पूरी हो सके। सरकारों से प्रार्थना की जायगी कि वह इस सम्बन्ध में जरूरी कानून और नियम बना दें।" यही नहीं, उसी पत्र में आगे लिखा है: "हैदराबाद में सरकार के सहयोग से जमीन के बटवारे का काम शुरू कर दिया गया है। इसका नतीजा यह है कि भूदान वाले जब जिन जिन गांवों में जाते हैं वहां और अधिक जमीन दान में मिलती है।" इस जगह यह बात समझ में नहीं आती कि दान में बढ़ती का श्रेय सरकार के सहयोग को है या जमीन के बटवारे को? काहिरा है भूदान को सरकार की मदद जरूरी है, न सिर्फ बसर बालने के लिये बल्कि कानून बना कर भूदान को क्रियम करने के लिये भी। फिर यह "हृदय परिवर्तन" कैसा है?

यहां एक सवाल और लड़ा हो जाता है। वह यह है कि क्या बिना राजसत्ता को हाथ में लिये दूसरे आर्थिक और सामाजिक संस्थाओं का सुधार किया जा सकता है? इस पर भी बहुत सोचना है। सर्वोदय के नेता राजसत्ता के बिना दूसरी संस्थाओं का सुधार सम्भव समझते हैं। उनका कहना है कि दूसरी संस्थाओं के सुधार के बाद राजकाजी ताकतें खुद सुधार जायेंगी। लेकिन ज्योहार में हम दूसरी बात देखते हैं। सर्वोदय ने भूदान से जमीन की समस्या हल करनी चाही, लेकिन सारे ज्योहों से पता चलता है कि भूदान की जो कुछ भी सफलता है वह सरकारी सहयोग के कारन है। अगर यह बात न होती और राजसत्ता के बगैर जमीन सुधार हो सकता तो विनोबा जी सरकार से कानून और नियम बनाने की प्रार्थना क्यों करते? होना तो यह चाहिये था कि सुधार हो जाता और सरकार मजबूरन उसे मान लेती। भूदान में मिली जमीन के आंकड़ों से भी उलटी बात सिद्ध होती है। जहां जहां कांग्रेस सरकारें बहुत मजबूत हैं वहीं वहीं भूदान में जमीन ज्यादा मिली है और वहीं भूदान ज्यादा मजबूत है। यह भी ध्यान देने की बात है।

भूदान के आंकड़े निकलते रहते हैं। सब में मिली जमीन और दूसरे साधनों का खिन्न होता है लेकिन सर्वोदय की सब से बड़ी पूंजी "हृदय परिवर्तन" के आंकड़े कभी नहीं निकलते हैं। अगर उन लोगों का नाम भालूम हो जाये तो 'हृदय परिवर्तन' की हम जांच कर सकेंगे। जब दिल बदल जाता है तो रहन सहन, आचार विचार, सब बदल जाते हैं। हमें यह देखना पड़ेगा कि जमीन के सम्बन्ध में जिनका दिल बदल जाता है कहीं दूसरे मामलों में उनका दिल काला का काला तो नहीं रहता? आशा है 'हृदय परिवर्तन' करने वाले मुझे इस तजुबे में सहयोग देंगे।

बड़ा सरकारी सहायता के तक नहीं पाता। 12 अप्रैल 1954 के हरिजन में लिखा जा चुका है। मुझे भी पटेल के नाम एक पत्र चढ़ा है। उसमें लिखा है: "कोशिश की जा रही है कि दस्तावेजी कार्रवाई और वास्तविक खारिज बिना टिकट और रजिस्ट्री खर्चों के पूरी हो सके। सरकारों से प्रार्थना की जायगी कि वह इस सम्बन्ध में जरूरी कानून और नियम बना दें।" यही नहीं, उसी पत्र में आगे लिखा है: "हैदराबाद में सरकार के सहयोग से जमीन के बटवारे का काम शुरू कर दिया गया है। इसका नतीजा यह है कि भूदान वाले जब जिन जिन गांवों में जाते हैं वहां और अधिक जमीन दान में मिलती है।" इस जगह यह बात समझ में नहीं आती कि दान में बढ़ती का श्रेय सरकार के सहयोग को है या जमीन के बटवारे को? काहिरा है भूदान को सरकार की मदद जरूरी है, न सिर्फ बसर बालने के लिये बल्कि कानून बना कर भूदान को क्रियम करने के लिये भी। फिर यह "हृदय परिवर्तन" कैसा है?

यहां एक सवाल और लड़ा हो जाता है। वह यह है कि क्या बिना राजसत्ता को हाथ में लिये दूसरे आर्थिक और सामाजिक संस्थाओं का सुधार किया जा सकता है? इस पर भी बहुत सोचना है। सर्वोदय के नेता राजसत्ता के बिना दूसरी संस्थाओं का सुधार सम्भव समझते हैं। उनका कहना है कि दूसरी संस्थाओं के सुधार के बाद राजकाजी ताकतें खुद सुधार जायेंगी। लेकिन ज्योहार में हम दूसरी बात देखते हैं। सर्वोदय ने भूदान से जमीन की समस्या हल करनी चाही, लेकिन सारे ज्योहों से पता चलता है कि भूदान की जो कुछ भी सफलता है वह सरकारी सहयोग के कारन है। अगर यह बात न होती और राजसत्ता के बगैर जमीन सुधार हो सकता तो विनोबा जी सरकार से कानून और नियम बनाने की प्रार्थना क्यों करते? होना तो यह चाहिये था कि सुधार हो जाता और सरकार मजबूरन उसे मान लेती। भूदान में मिली जमीन के आंकड़ों से भी उलटी बात सिद्ध होती है। जहां जहां कांग्रेस सरकारें बहुत मजबूत हैं वहीं वहीं भूदान में जमीन ज्यादा मिली है और वहीं भूदान ज्यादा मजबूत है। यह भी ध्यान देने की बात है।

”ہر دے پرورتن“ کے بعد اُپر کی کٹرول کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن اُسچہرہ ہے کہ بہر دانی ہر دے پرورتن

सहन हो सका, बाद में बिप्टी साहब ने उन्हें सजा किया, लेकिन वह नहीं माने. यहां तक कि गाली गलौज की नौबत पड़ चुकी गई. जमींदार साहब फिर भी नहीं माने. बिप्टी साहब गाली दे दे कर हार गये. अन्त में उन्होंने जमींदार से पूछा कि मैं इतनी गाली देता हूं, आपकी बेइज्जती करता हूं, फिर आप क्यों आते हैं. उन्होंने कहा जनाब आप गाली आपके लिए देते हैं और गाली मुझे लगती नहीं. लेकिन आपके दर्शन से मुझे बहुत फायदा होता है. जब आपकी गाली स्नाकर मैं वापस जाता हूं तो गांव के भोले लोग वह नहीं समझते कि आप मुझे गाली देते हैं. वह मुझे और आपको गहरा दोस्त समझते हैं और इसलिये मेरा रोब मानते हैं. सब पूछिये तो इसी गाली के बबूलत मैं अपने इलाक़े में राज करता हूं.

यही क्रिस्ता विनोबाजी के साथ भी है। वह कांग्रेस के खिलाफ बोलते रहें, मन्त्रियों को गाली देते रहें, लेकिन मन्त्री और अफसरों को जब लोग विनोबा जी के साथ देखते हैं तो राजसत्ता के असर को स्वीकार करते हैं और राजपुरोहित समझकर विनोबा जी की भक्ति करते हैं। इस तरह हम देखते हैं कि “हृदय परिवर्तन” का असर कम और राजसत्ता का असर ज्यादा भूशान के पीछे काम करता है।

भूवान् वासों का कहना है कि वह “हृदय परिवर्तन” से जमीन लेते हैं, यह “हृदय परिवर्तन” है क्या ? कुछ लोग यह मानते हैं कि यह एक जादू है, एक चमत्कार है, कुछ लोग यह मानते हैं कि आवनाओं पर हमला करके मनुष्य को अपनी इच्छा के खिलौने काम करने पर मजबूर किया जाता है, लेकिन मैं मानती हूँ कि हृदय परिवर्तन एक प्रक्रिया है और उसका एक विज्ञान भी है मैं यह भी मानती हूँ कि कोई भी आदर्श बिना “हृदय परिवर्तन” के हासिल नहीं किया जा सकता, नाम चाहे जो वे स्त्रीजिये लेकिन काम बही रहता है, सर्वोदयी हृदय परिवर्तन करता है, कम्युनिस्ट ऐजुकेट करता है, पर प्रक्रिया दोनों एक हैं, जो भी साधन चाहे अक्षितयार किया जाय, आखीर में इस साधन का तो सहारा लेना ही पड़ता है.

• जब यह विज्ञान है तो हमें यह जानना चाहिये कि वह विज्ञान क्या है ? वह विज्ञान यह है : हृदय परिवर्तन के लिये व्यक्ति, समय और परिस्थिति का होना जरूरी है. अनशन से हृदय परिवर्तन होता है, लेकिन हर एक के अनशन से नहीं. यह क्यों ? क्योंकि व्यक्ति व्यक्ति की जरूरत है. व्यक्ति व्यक्ति मिल जाने पर भी व्यक्ति समय का होना भी जरूरी है. गांधी जी अनशन के लिये व्यक्ति थे. अनशन करके कलकत्ता के मुंगे उन्होंने खतम करा दिया. लेकिन बड़ी गांधी की दूसरे समय दिल्ली के

سہیں ہوسکا۔ لیکن وہ نہیں مالا۔ یہاں تک کہ گلی گلوچ کی نوہت پہنچ گئی۔ زمیندار صاحب پور بھی نہیں مالا۔ قبیلی صاحب گلی دے دے کر ہار لگے اُنکا میں انہوں نے زمیندار سے پوچھا کہ میں اٹنی گلی دیتا ہوں، آپ کی بے عزتی کرتا ہوں، پور آپ نہیں آتے ہیں؟ انہوں نے کہا۔ جلد آپ گلی اکیلے میں دیتے ہیں اور گلی مجھے لگتی نہیں۔ لیکن آپ کے دشمن سے مجھے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ جب آپ کی گلی، کھاکر میں واپس جاتا ہوں تو گاؤں کے بھولے لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ آپ مجھے گلی دیتے ہیں۔ وہ مجھے اور آپ کو کھرا دوست سمجھتے ہیں اور اس لئے میرا رعب مانتے ہیں۔ سچ پوچھتے تو اسی گلی کی بدولت میں آپ علاقہ میں راج کرتا ہوں۔

یہی قصہ ونوبا جی کے ساتھ بھی ہے۔ وہ کانگریس کے خلاف بولتے رہیں، 'ملتمزیوں کو گالی دیتے رہیں' لیکن ملتوی اور افسروں کو جب لوگ ونوبا جی کے ساتھ دیکھتے ہوں تو راج ستا کے اثر کو سو بکار کرتے ہوں اور راج پروہت سمجھ کر ونوبا جی کی بھگتی کرتے ہوں۔ اُس طرح ہم دیکھتے ہوں کہ "مردے پروہتوں" کا اثر کم اور راج ستا کا اثر زیادہ ہودان کے ہر جگہ کام کرتا ہے۔

یہودیوں والیں کا کہنا ہے کہ وہ "ہردے پرورتنی" سے ذہنی  
مانعہ ہیں۔ یہ "ہردے پرورتنی" ہے کیا؟ کچھ لوگ یہ مانعہ  
ہیں کہ یہ ایک جانور ہے، ایک چمٹکار ہے۔ کچھ لوگ یہ  
مانعہ ہیں کہ ہواؤناؤں پر حملہ کر کے منہ کو اپنی لچھا  
کے خلاف کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ لیکن میں  
مانتی ہوں کہ "ہردے پرورتنی" ایک پرکریا ہے اور اسکا ایک  
بھان بھی ہے۔ میں یہ بھی مانتی ہوں کہ کوئی بھی  
آدرش یا "ہردے پرورتنی" کے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔  
نام چاہے جو دے لیجئے لیکن کام وہی رہتا ہے۔ سرورتنی  
ہردے پرورتنی کرتا ہے، کیمونسٹ ایجوکٹ (Educate)  
کرتا ہے۔ پرکریا دونوں ایک ہیں۔ جو بھی سادھن چاہے  
اختیار کیا جائے، آخر میں اس سادھن کا سہارا تو لینا  
ہی پڑتا ہے۔

جب یہ وہاں ہے تو ہمیں یہ جاننا چاہئے کہ وہ  
وہاں کہا ہے ؟ وہ وہاں یہ ہے : ہر دے پرورتن کے لئے  
دیکھتی : سہ اور پرستہتی کا ہونا ضروری ہے . اُنہی سے  
ہر دے پرورتن ہوتا ہے ، لیکن ہر ایک کے اُنہی سے نہیں !  
یہ کہوں ؟ کونکہ اُچھ دیکھتی کی ضرورت ہے . اُچھ  
دیکھتی مل جانے پر بھی اُچھ سہ کا ہونا بھی  
ضروری ہے . گندھی جی اُنہی کے لئے اُچھ دیکھتی  
تھ . اُنہی کر کے لکھنے کے دنکہ انہوں نے ختم کرا  
دئے . لیکن وہی گندھی جی دوسرے سہ دلی کے



فہمے اُسرود کیسے کہ چہ پرکاش جی ونہا جی کے سالیہ  
 قلم وچلے؟ چرتہ قسم کے کچھ ایسے بھی لوگ ہیں  
 جنہوں نے ہودان کو ہودار کا سادھن بنا لیا ہے۔ اس  
 میں بڑے جی کی کچھ پرکاشن مستحکم آنی ہیں اور  
 کچھ لومک آنے میں جن کی کتابیں ہودان مستحکم  
 ہوتی ہیں۔ بڑے ہوداریوں سے مستحکم کے سہ کہا  
 اُسرود کی جاسکتی ہے؟

جب وہی کوئی ہودان پر اعتراض کرتا ہے تو اسے انگریزوں  
 پوجا لکھا اور پچھلی چار دھاراؤں کا مانتہ والا کہا جاتا  
 ہے۔ یہ خود بہت ہی کمزوری ہے۔ دلیل کی کسی شوشہ  
 ان ہاتھوں پر اُتر آئے پر مسطور کوئی ہے۔ پورے لکھے لوگ ہر  
 چور کو سمجھکر سمجھتی کرتے ہیں۔ جب ہودان کی  
 کمزوریوں کو وہ دیکھتے ہیں اور تھک جواب نہیں پاتے  
 ہیں تو اسے اپنا سہوگ نہیں دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے  
 بدھی چوری ہودان سے الگ ہیں۔ یہی نہیں جانتے  
 پرکھ گاندھی دانی نہتا بھی اس سے الگ ہیں۔ ان میں  
 فائر جی۔ سی۔ کراپٹا، مہرا بہن ایسے ویسے بھی  
 شامل ہیں۔

ہر کام کرنے کے سادھن بھی شدہ ہونے چاہئیں ۔  
 بہودان کے سہوگوں کی شدھتا پر ہمیں شک ہے ۔ آچار یہ  
 نور بددینوں نے توہک کہا ہے کہ بہودان میں وہی قر اور دھارک  
 ہواؤناں کو استعمال کر کے لی گئی ہے ۔ ونوبا جی کا جو  
 پرچار سرکار کرتی ہے کہا وہ اس لئے کرتی ہے کہ ونوبا جی  
 اُسکو اگھار پھیلے گی ؟ ہرگز نہیں ۔ پرچار کا یہ سادھن  
 بہودان کے لئے شدہ نہیں ہو سکتا ۔ یہ کہا جا سکتا ہے  
 کہ سرکار پرچار کرتی ہے ، اُسے ونوبا جی کسے روک سکے  
 ہیں ؟ وہ روکیں ، یا نہ روکیں لیکن یہ وہ سادھن ہے جس  
 سے اتر پودا کہا جاتا ہے اور اُسی اثر سے قر پودا ہوتا ہے اور قر  
 سے ونوبا جی کو زمین ملتی ہے ۔ مہرے وچار میں اس  
 سادھن کا اُپہوک اچھ نہیں ہے ۔

وہوہا جی کے ساتھ ملکر ہی چلتے ہیں۔ سنا اڑے وہ  
 زمین داتے ہیں۔ انہوں نے آدھیں سے سرکاری افسر  
 وہوہا جی کی نوکری بھاتے ہیں۔ اُن کی نوکری بھانا  
 بھاتے ہیں لوگوں کا "ہردے پر پورتن" کرنے کے لئے کافی ہے۔  
 اُس ہات کو صاف کرنے کے لئے ضروری ہے کہ میں وہ قصہ  
 لکھ دوں جو ایک متر نے مجھے بتایا۔ وہ معرقہ پائی کلمہ  
 ہے۔ اُس علاقے میں دورے پر جایا کرتے تھے۔ جب  
 وہ دورے پر چلتے تھے تو ایک کالے ہڈ شل زمیندار  
 بھی اُن کے ساتھ چلتے تھے۔ دونوں کے خیمے آسمان  
 پہنچتے ہوئے تھے، لیکن پوچھ کا قافلہ قریب دو تین  
 میل تک ہوتا تھا۔ روز صبح زمیندار پہلے قہقی  
 چاہتے تھے اور پھر آتے تھے۔ دو ایک دفعہ اُن کا آنا



[illegible]

وہوہا جی انقلاب لانا چاہتے ہیں، اس سے کہیں انتظار کر سکتا ہے۔ ہر وہوہا جی قبول کرنا نہیں۔ ان کے اچھے بہت سے لکھنویوں میں ہیں۔ وہی لوگ چلتا کے ہوجا رہے ہیں۔ لکھنوی کہہ کر کہ وہ وہوہا جی کے نام پر کام کرتے ہیں۔ لکھنوی کل اگر چلتا تو غلط سمت بالوں وہوہا جی کے نام پر بٹائی جائے لکھنوی تو اسے وہ بھائی کہہ کر۔ کسانوں والیوں سے مل کرنا ہے اور حکم دیتا ہے، ہر اس حکم اور والیوں پر عمل لکھنوی کرتے ہیں۔ کہا وہوہا جی کے آجکل کے لکھنویوں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ کہا اس بات کا دھواں ہے کہ یہ لکھنوی اپنی سہلا اسی قدر پر چلتا ہے جس پر چلتا کے لکھنوی وہوہا جی انہیں آدھی دیکھ کر؟ مہرا وچار ہے کہ اگر کسی کو اس بات کا دھواں ہے تو اسے ان دیکھوں کے بارے میں کچھ کم جانکاری ہے۔ یہ لوگ وہوہا جی کا ساتھ نہیں دیکھ کر اور وہوہا جی کو بس یہی لکھنوی قسلی کر رہے گی کہ کہا کروں، انہیں لوگوں سے تو کام لیتا ہے! اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ساہی روپ میں بھی ہونٹاں کا مہاب نہیں ہوتا۔

[illegible]



के ऊपर चेहरा खींच देता है, व्यक्ति को ठीक करके ही वह सर्वोदय खाना चाहता है। इस तरह व्यक्ति प्रबल हुआ। यही बात मेरी समझ में नहीं आती कि व्यक्ति प्रबल है या मगवान ?

इस दार्शनिक बहस को हम छोड़कर सर्वोदय के अमली रूप पर आते हैं। इसका अमली रूप भूदान है। इसके इतिहास में हम बाव में जायेंगे। पहले यह तय कर लें कि भूदान है क्या ? शुरू शुरू में भूदान का मतलब था भारत की भूमि समस्या का हल। अब कहा जाता है कि सर्वोदय खाने का साधन। पहले इस पर विचार कर लें कि भूदान भारत की भूमि समस्या को हल कर सकता है या नहीं। इस पर क्या-सा सोच विचार करने की जरूरत नहीं है, क्योंकि भूदान के नेता भी आज यह मानने लगे हैं कि भूदान से भूमि समस्या का हल नहीं होने का। आचार्य नरेन्द्र देव और मीरा बहन के बहुत से पत्रराज यहां खस हो जाते हैं। भूदान अपना दावा छोड़ देता है और अपने को साम्य के बजाय साधन करार देता है।

अब भूदान को साधन रूप में देखना होगा। भूदान के नेताओं का कहना है कि जनता में जागरण पैदा करके नया समाज बनाना है। उनका कहना यह भी है कि भूदान से सिर्फ बड़ी लोग हमदर्दी दिखा सकते हैं जो आजकल के शासन को सुधार के नाकाबिल मानते हैं और जिन पर यह बात अच्छी तरह जाहिर हो गई हो कि यह सरकार आने वाले कमाले का कामयाबी के साथ सामना नहीं कर सकती और इसका हटाया जाना ही निहायत जरूरी है। हमें देखना यह पड़ेगा कि भूदान ने अब तक किस हद तक जनता को जगाया है और भूदान के समर्थक कौन हैं ? पहले भूदान के समर्थकों को ले लें। भूदान के समर्थक कांग्रेसी मंत्री और उनके नीचे काम करने वाले सरकारी अफसर हैं। तो क्या कांग्रेस खुद अपने को मिटा देना चाहती है और नया समाज बनाना चाहती है, नया शासन पैदा करना चाहती है ? क्योंकि समर्थक की कसौटी यही है मेरा विचार है कि इस बात को कोई सुरु शुरू बाबा आदमी कभी स्वीकार नहीं करेगा। कांग्रेस ने विनोबा जी का यह पहली बार साथ नहीं दिया। बात पुरानी हो गई है, पर इसे दोहरा देना यहां उचित मानस होता है। गांधी जी के बाद विनोबा जी बड़ी आबमगत से दिल्ली बुलाये गये। यह कहना बेजा न होगा कि वह राजपुरोहित के रूप में वहां आये थे। यह नहीं कह सकती हूँ कि विनोबा जी को अपनी नई गरी का कुछ ज्ञान था यह नहीं, लेकिन दिल्ली के सत्तावीशों के विमर्श में यह बात साफ थी। जनता कांग्रेस से इट रही थी और उसको अपने में मिखाये रखने की जरूरत थी। साफ बुझावकों ने राजपुरोहित पर का अधिरकार किया और

के ऊपर चेहरा खींच देता है, व्यक्ति को ठीक करके ही वह सर्वोदय खाना चाहता है। इस तरह व्यक्ति प्रबल हुआ। यही बात मेरी समझ में नहीं आती कि व्यक्ति प्रबल है या मगवान ?

इस दार्शनिक बहस को हम छोड़कर सर्वोदय के अमली रूप पर आते हैं। इसका अमली रूप भूदान है। इसके इतिहास में हम बाव में जायेंगे। पहले यह तय कर लें कि भूदान है क्या ? शुरू शुरू में भूदान का मतलब था भारत की भूमि समस्या का हल। अब कहा जाता है कि सर्वोदय खाने का साधन। पहले इस पर विचार कर लें कि भूदान भारत की भूमि समस्या को हल कर सकता है या नहीं। इस पर क्या-सा सोच विचार करने की जरूरत नहीं है, क्योंकि भूदान के नेता भी आज यह मानने लगे हैं कि भूदान से भूमि समस्या का हल नहीं होने का। आचार्य नरेन्द्र देव और मीरा बहन के बहुत से पत्रराज यहां खस हो जाते हैं। भूदान अपना दावा छोड़ देता है और अपने को साम्य के बजाय साधन करार देता है।

अब भूदान को साधन रूप में देखना होगा। भूदान के नेताओं का कहना है कि जनता में जागरण पैदा करके नया समाज बनाना है। उनका कहना यह भी है कि भूदान से सिर्फ बड़ी लोग हमदर्दी दिखा सकते हैं जो आजकल के शासन को सुधार के नाकाबिल मानते हैं और जिन पर यह बात अच्छी तरह जाहिर हो गई हो कि यह सरकार आने वाले कमाले का कामयाबी के साथ सामना नहीं कर सकती और इसका हटाया जाना ही निहायत जरूरी है। हमें देखना यह पड़ेगा कि भूदान ने अब तक किस हद तक जनता को जगाया है और भूदान के समर्थक कौन हैं ? पहले भूदान के समर्थकों को ले लें। भूदान के समर्थक कांग्रेसी मंत्री और उनके नीचे काम करने वाले सरकारी अफसर हैं। तो क्या कांग्रेस खुद अपने को मिटा देना चाहती है और नया समाज बनाना चाहती है, नया शासन पैदा करना चाहती है ? क्योंकि समर्थक की कसौटी यही है मेरा विचार है कि इस बात को कोई सुरु शुरू बाबा आदमी कभी स्वीकार नहीं करेगा। कांग्रेस ने विनोबा जी का यह पहली बार साथ नहीं दिया। बात पुरानी हो गई है, पर इसे दोहरा देना यहां उचित मानस होता है। गांधी जी के बाद विनोबा जी बड़ी आबमगत से दिल्ली बुलाये गये। यह कहना बेजा न होगा कि वह राजपुरोहित के रूप में वहां आये थे। यह नहीं कह सकती हूँ कि विनोबा जी को अपनी नई गरी का कुछ ज्ञान था यह नहीं, लेकिन दिल्ली के सत्तावीशों के विमर्श में यह बात साफ थी। जनता कांग्रेस से इट रही थी और उसको अपने में मिखाये रखने की जरूरत थी। साफ बुझावकों ने राजपुरोहित पर का अधिरकार किया और

तरीकों के माध्यम को हाथ में किया जाता है वही सामन कहते हैं। सर्वोदय जगत् सामन है जो वर्गहीन समाज साधन होगा। यह बात और साफ हो जाती है जगर कम्युनिज्म पर इस रोशनी डालें। कम्युनिज्म एक आदर्श है और मकदूर वर्ग एक सामन है, पहले मकदूर वर्ग दूसरे वर्गों से संघर्ष करेगा, वर्ग बनाने वाले आर्थिक ढांचों को अपने कब्जे में करेगा, दूसरे वर्गों को मकदूर बना लेगा, फिर राज करेगा और तब कम्युनिज्म के आदर्श तक पहुंचेगा, जहां शासन नहीं होगा, यदि सर्वोदय ठीक ढंग से चले तो पहले वर्ग हीन समाज बनाये और तब सर्वोदय को प्राप्त करे, जब समाज वर्गहीन हो जायेगा तो उस एक वर्ग का उदय होगा, सब वर्गों का नहीं। इस तरह फिर पूरा घुमाकर इसी एक लुप्तते पर पहुंचते हैं कि या सर्वोदय नामी आदर्श का नाम ही राखत है और या फिर सर्वोदय की जो रूप रेखा बताई जाती है वह राखत है, और इससे वह भी नतीजा निकलता है कि एक खास दर्शन को मानने वाले समाज की जोरदार मांग के सामने घुटने टेक देते हैं। आज के समाज की मांग है वर्गहीन समाज, सर्वोदय के नेता इस मांग को अपने दर्शन के साथ जोड़ लेते हैं। बीच का अन्तर-विरोध या तो उन्हें दिखाई नहीं पड़ता या वह उसे देखना नहीं चाहते।

لہجوں کے ساتھ ہر شکل کا جاتا ہے اسے سادھی کہتے  
 ہیں۔ سرووڑے اکثر ادرہں کے نو ورگ ہونے سبب سادھی  
 ہوگا۔ یہ بات اور سادھا ہو جاتی ہے اگر کمہونڈم پر ہم روشنی  
 لگیں۔ کمہونڈم ایک ادرہں ہے اور مزدور ورگ ایک  
 مادہ ہے۔ پہلے مزدور ورگ دوسرے ورگوں کے ساتھ ہی  
 ہوگا۔ ورگ بنانے والے آرٹھک تھانہوں کو اپنے تھم  
 میں کرے گا۔ دوسرے ورگوں کو مزدور بنائے گا۔ پھر راج کرے گا  
 دو تپ کمہونڈم کے ادرہں تک پہنچے گا۔ جہاں شاسن  
 چلے گا۔ یہی سرووڑے تھمک تھلک کے چلے تو پہلے  
 ورگ ہونے سبب بنائے اور تپ سرووڑے کو پرہایت کرے۔  
 تپ سبب ورگ ہونے ہو جائیگا تو اس ایک ورگ کا  
 پورے ہوگا۔ سب ورگوں کا نہیں۔ اس طرح پھر ہم کہہ  
 گئے کہ پھر اسی ایک لفظ پر پہنچتے ہیں کہ یا  
 سرووڑے نامی ادرہں کا نام ہی غلط ہے اور یا پھر سرووڑے  
 کی جو روپ دیکھا یعنی جاتی ہے وہ غلط ہے۔ اور اس  
 سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک خاص درجن کو  
 ماننے والے سبب کی زوردار مانگ کے ساتھ کہتے تھم  
 کہتے ہیں۔ آج کے سبب کی مانگ ہے ورگ۔ ہونے سبب۔  
 سرووڑے کے لہجے اس مانگ کو اپنے درجن کے ساتھ جوڑ  
 لیتے ہیں۔ لیجے کا اندرورودہ یا تو انہیں دکھائی نہیں  
 پڑتا یا وہ اسے دیکھتا نہیں جانتے۔



खुद अपने ऊपर लागू करेगा, जब वर्ग नहीं होगा तो मतलब यह हुआ कि सब एक वर्ग के हो जायेंगे, जब सब एक वर्ग के हो जायेंगे तो 'सर्व' के 'उदय' की गुंजाइश कहाँ रहेगी ? क्या उस समय दूसरे मानी भी शामिल कर लिये जायेंगे ? और अगर नहीं तो सब के उदय का कोई मतलब नहीं है, सारे वर्ग खत्म होकर एक वर्ग बन जायेंगे और उसी वर्ग का उदय होगा, कम्युनिस्ट इस वर्ग की मजदूर कहते हैं, सर्वोदयों ने अभी तक इसे कोई नाम नहीं दिया, ज्योहार और दर्शन में यही विरोध देख पड़ता है, दर्शन के नाम से ही पता चलता है कि इस आचार पर बने समाज में बहुत से वर्ग होंगे और सब का उदय होगा, पर ज्योहार इस बात से इन्कार करता है, सम्यक में नहीं आता कि दर्शन को मानूँ या व्यवहार को ?

यदि सर्वोदय में बहुत से वर्ग होंगे और सब का उदय होगा तो कोई न कोई कानून भी होगा और जब कानून होगा तो शासक भी होंगे, और जब शासक होंगे तो सर्वोदय के शासन हीन समाज का सपना झूटा निकलेगा,

सर्वोदयों का कहना है कि आध्यात्मिक शासन होगा जिसे व्यक्ति अपने ऊपर खुद लागू करेगा, लेकिन प्रश्न है कि क्या यह आध्यात्मिक शासन कोई नई चीज है ? जवाब साफ है, यह चीज नई नहीं है, कब से इसका रिवाज पड़ा इसकी खोज बेकार है, लेकिन यह बात साफ है कि आज से नहीं बल्कि हजारों बरस से इस शासन पर जोर दिया जाता रहा है, जितने अवतार आये, पैगम्बर आये, रिशी मुनी और बली आये, सब ने इस पर जोर दिया, और यह बात भी साफ है कि इन लोगों के पैरोकारों की तादाद सर्वोदय के नेताओं के अनुयाइयों की तादाद से बहुत ज्यादा है, अज्ञा भी अपार है, यही नहीं, सर्वोदय के नेता भी इनमें से किसी न किसी के पैरोकार हैं, सोचना यह पड़ेगा कि जहाँ खुद हार गये क्या वहाँ चले जायेंगे ? इतिहास बताता है कि आध्यात्मिक शासन समाज पर राज नहीं कर सका, जब आध्यात्मिक शासन ने राज शासन की जगह लेनी चाही तो वह कुलुन हो गया, फिर क्या उम्मीद की जाय कि आध्यात्मिक शासन इस युग में काम देगा जबकि जनसमूह उससे वैराग ले रहे हैं,

एक मित्र का यह भी कहना है कि सर्वोदय और वर्ग-हीन समाज में कोई विरोध नहीं है, पहले सर्वोदय होगा फिर वर्गहीन समाज, मतलब यह कि आजकल का जो समाज है उसमें वर्ग हैं, इन सब वर्गों का उदय होता रहेगा और फिर यह वर्ग गायब हो जायेंगे, यहाँ यह बात समझ में नहीं आती कि सर्वोदय साधन है या साध्य, सर्वोदय दर्शन है और दर्शन आदर्श को जन्म देता है, इसलिये आदर्श भी सर्वोदय है, आदर्श सदा साध्य होता है और भिन्न

खुद ही नहीं, जो दूसरे को भी चाहिए, जब वर्ग नहीं होगा तो मतलब यह होगा कि सब एक वर्ग के हो जायेंगे, जब सब एक वर्ग के हो जायेंगे तो 'सर्व' के 'उदय' की गुंजाइश कहाँ रहेगी ? क्या उस समय दूसरे मानी भी शामिल कर लिये जायेंगे ? और अगर नहीं तो सब के उदय का कोई मतलब नहीं है, सारे वर्ग खत्म होकर एक वर्ग बन जायेंगे और उसी वर्ग का उदय होगा, कम्युनिस्ट इस वर्ग की मजदूर कहते हैं, सर्वोदयों ने अभी तक इसे कोई नाम नहीं दिया, ज्योहार और दर्शन में यही विरोध देख पड़ता है, दर्शन के नाम से ही पता चलता है कि इस आचार पर बने समाज में बहुत से वर्ग होंगे और सब का उदय होगा, पर ज्योहार इस बात से इन्कार करता है, सम्यक में नहीं आता कि दर्शन को मानूँ या व्यवहार को ?

यदि सर्वोदय में बहुत से वर्ग होंगे और सब का उदय होगा तो कोई न कोई कानून भी होगा और जब कानून होगा तो शासक भी होंगे, और जब शासक होंगे तो सर्वोदय के शासन हीन समाज का सपना झूटा निकलेगा, सर्वोदयों का कहना है कि आध्यात्मिक शासन होगा जिसे व्यक्ति अपने ऊपर खुद लागू करेगा, लेकिन प्रश्न है कि क्या यह आध्यात्मिक शासन कोई नई चीज है ? जवाब साफ है, यह चीज नई नहीं है, कब से इसका रिवाज पड़ा इसकी खोज बेकार है, लेकिन यह बात साफ है कि आज से नहीं बल्कि हजारों बरस से इस शासन पर जोर दिया जाता रहा है, जितने अवतार आये, पैगम्बर आये, रिशी मुनी और बली आये, सब ने इस पर जोर दिया, और यह बात भी साफ है कि इन लोगों के पैरोकारों की तादाद सर्वोदय के नेताओं के अनुयाइयों की तादाद से बहुत ज्यादा है, अज्ञा भी अपार है, यही नहीं, सर्वोदय के नेता भी इनमें से किसी न किसी के पैरोकार हैं, सोचना यह पड़ेगा कि जहाँ खुद हार गये क्या वहाँ चले जायेंगे ? इतिहास बताता है कि आध्यात्मिक शासन समाज पर राज नहीं कर सका, जब आध्यात्मिक शासन ने राज शासन की जगह लेनी चाही तो वह कुलुन हो गया, फिर क्या उम्मीद की जाय कि आध्यात्मिक शासन इस युग में काम देगा जबकि जनसमूह उससे वैराग ले रहे हैं,

एक मित्र का यह भी कहना है कि सर्वोदय और वर्ग-हीन समाज में कोई विरोध नहीं है, पहले सर्वोदय होगा फिर वर्गहीन समाज, मतलब यह कि आजकल का जो समाज है उसमें वर्ग हैं, इन सब वर्गों का उदय होता रहेगा और फिर यह वर्ग गायब हो जायेंगे, यहाँ यह बात समझ में नहीं आती कि सर्वोदय साधन है या साध्य, सर्वोदय दर्शन है और दर्शन आदर्श को जन्म देता है, इसलिये आदर्श भी सर्वोदय है, आदर्श सदा साध्य होता है और भिन्न

## سर्वوہم، مودان اور ہمدردی

( کھاری سروج ابرو )

بیشب بھڑت گمبیر ہے اور ہم انکسوں کا بیشب سے سمجھنا ہے کہ وہ بھی آدرنیہ اور پوہنیہ ہیں . پر آپ دیکھیں کہ حد تک پہنچ کر ہمیں جہاں انہیں آپ آدرنیہ اور پوہنیہ دیکھیں کے سامنے رکھ دینا ہی چاہیے . وہاں کو دہانے سے دو ہی نکتہ نکلتے ہیں . یا آگے جاننے کی ہٹکٹا سب کے لیے مر جاتی ہے یا سوچنے کی چارہ بکھر کر میں فکس جاتی ہے اور من اور مہترک کی پانٹی کو بنگ کرتی ہے . اسلئے آپ دیکھیں کے سامنے رکھ رہی ہوں تاکہ گرو جوں کی کرہا سے آپ کو بہتر سے بچاؤں اور ہوسکتے ہو جو کچھ میں نے اس سمجھ میں رکھا ہے وہاں اور سدا ہے اس کا کچھ انہی دوسروں کو دے سکوں .

کئی بار دیکھ کر ہوا کہ سروہم ' بھودان اور ہمدردی پر لکھیں . ہذا سمجھ میں نہ تھی کرنا مہرہ مہرہ نہیں اور ہذا سمجھ میں نہ تھی کرنا مہرہ مہرہ نہیں . ہمدردی اس سمجھ کا حل کھسے ہوتا ؟ جب قدم اٹھاتی تو ایسا لگتا کہ اس وقت پر ابھی پوہنیہ بہت کچھ ہاتی ہے . جب آپ پوہنیہ تو سروہم دیکھ کر ہولے لگتے . آج ہی میں چورہہ پر ہوں . سروہم پوری جاؤں یا اس کے ورجہ اس کا ترے نہیں کر پا رہی ہوں . وہی ہو کر چورہہ سے لکھ رہی ہوں . اس لکھ ہاتھوں ہی چوسکھی ہونگی ' وچہرہ سیکھتے نہیں ہونگے ' انکی ایک لکھی ہوں ہوگی . یہو بھی وہ وچہرہ مہرہ ایسے بہت سے نوجوانوں کے ہمدردی میں لکھتے ہوں اور ان لکھوں کا سداہم سروہم کے لکھوں کو طاعت ہی دے گا .

میں نے 'سروہم' پر بہت سوچا . سروہم ایک آدرنیہ ہے ، ایک درشن ہے . اسکی درشن رپ میں بھی پوہنیہ اور درشن کے آدرنیہ پر جو پوہنیہ کی مہرہ کی لکھی ہے اسکو بھی خوب دیکھا . دونوں کا مہرہ کرنے پر کچھ وروہی ہاتھوں دکھائی ہیں . سروہم میں تو مہرہ میں 'سرو' اور 'وہ' اس طرح سروہم درشن کا مطلب ہے سب کا گھر . سب میں راجا اور رنگ سب شامل ہیں . یہ سب کھلا نہیں ہے . سروہم شاہجہاں آپ سادہ میں راجا اور رنگ دہن کے ساتھ ساتھ لکھی پر بہت زور ہوتا ہے . لکھی سروہم کو جب روپ دیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ سروہم سب میں کوئی رنگ نہیں ہوتا اور نہ لکھی ہوتی ہے . جو لکھی ہوتا وہ آدرنیہ ہوتا اور ویکتی آپ

## سروہم ' بھودان اور ہمدردی

( کھاری سروج ابرو )

کئی بار دیکھ کر ہوا کہ سروہم ' بھودان اور ہمدردی پر لکھیں . ہذا سمجھ میں نہ تھی کرنا مہرہ مہرہ نہیں اور ہذا سمجھ میں نہ تھی کرنا مہرہ مہرہ نہیں . ہمدردی اس سمجھ کا حل کھسے ہوتا ؟ جب قدم اٹھاتی تو ایسا لگتا کہ اس وقت پر ابھی پوہنیہ بہت کچھ ہاتی ہے . جب آپ پوہنیہ تو سروہم دیکھ کر ہولے لگتے . آج ہی میں چورہہ پر ہوں . سروہم پوری جاؤں یا اس کے ورجہ اس کا ترے نہیں کر پا رہی ہوں . وہی ہو کر چورہہ سے لکھ رہی ہوں . اس لکھ ہاتھوں ہی چوسکھی ہونگی ' وچہرہ سیکھتے نہیں ہونگے ' انکی ایک لکھی ہوں ہوگی . یہو بھی وہ وچہرہ مہرہ ایسے بہت سے نوجوانوں کے ہمدردی میں لکھتے ہوں اور ان لکھوں کا سداہم سروہم کے لکھوں کو طاعت ہی دے گا .

میں نے 'سروہم' پر بہت سوچا . سروہم ایک آدرنیہ ہے ، ایک درشن ہے . اسکی درشن رپ میں بھی پوہنیہ اور درشن کے آدرنیہ پر جو پوہنیہ کی مہرہ کی لکھی ہے اسکو بھی خوب دیکھا . دونوں کا مہرہ کرنے پر کچھ وروہی ہاتھوں دکھائی ہیں . سروہم میں تو مہرہ میں 'سرو' اور 'وہ' اس طرح سروہم درشن کا مطلب ہے سب کا گھر . سب میں راجا اور رنگ سب شامل ہیں . یہ سب کھلا نہیں ہے . سروہم شاہجہاں آپ سادہ میں راجا اور رنگ دہن کے ساتھ ساتھ لکھی پر بہت زور ہوتا ہے . لکھی سروہم کو جب روپ دیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ سروہم سب میں کوئی رنگ نہیں ہوتا اور نہ لکھی ہوتی ہے . جو لکھی ہوتا وہ آدرنیہ ہوتا اور ویکتی آپ

میں نے 'سروہم' پر بہت سوچا . سروہم ایک آدرنیہ ہے ، ایک درشن ہے . اسکی درشن رپ میں بھی پوہنیہ اور درشن کے آدرنیہ پر جو پوہنیہ کی مہرہ کی لکھی ہے اسکو بھی خوب دیکھا . دونوں کا مہرہ کرنے پر کچھ وروہی ہاتھوں دکھائی ہیں . سروہم میں تو مہرہ میں 'سرو' اور 'وہ' اس طرح سروہم درشن کا مطلب ہے سب کا گھر . سب میں راجا اور رنگ سب شامل ہیں . یہ سب کھلا نہیں ہے . سروہم شاہجہاں آپ سادہ میں راجا اور رنگ دہن کے ساتھ ساتھ لکھی پر بہت زور ہوتا ہے . لکھی سروہم کو جب روپ دیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ سروہم سب میں کوئی رنگ نہیں ہوتا اور نہ لکھی ہوتی ہے . جو لکھی ہوتا وہ آدرنیہ ہوتا اور ویکتی آپ



کے آواز ماری پر رکتا۔ اسلئے یہ ہمارے کی بکواس کے بہت سے پھلشک مانے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ ہمیں بتا دیا وہ یہ ہیں :—

1. نئی دنیا انہوں کے پاس ہے، وہ ہمیں لینی چاہیے۔

2. انکی دنیا کو سیکھنے کے لیے ہمیں انکی زبان بھی سیکھنی چاہیے۔

3. یہاں کرنے میں نوکری دیا کا باریک کام بھی ہے، جو اس میں پرانا روپ ہے۔

4. نیا دنیا پرانے کرنے میں دھرم دھرم اور مورتی پوجا دیا کا باریک کام پر انہوں نے دعوائ ہے۔ ہر کام کی لکھنا ہے۔

5. یہ سب اپنا دنیا کی رشتہ کرتے ہوئے کرنا چاہیے۔ وہ دیا نہیں بنے۔ پھر بھی دیا دھرم کا انہوں نے پورا پورا اہمیت ہے اور اس میں عوامی کاموں سے بھی آگے نکل گئے۔

6. وہ ہمیں فرانس اور امریکی کرائی کا ہے۔ اس کی قدر انہوں نے کی ہے۔ لیکن ہمارے بارے میں ان کی شرم ہے کہ انگریزی راج ہے اور اس سے آگے آگے نکل گئے۔

انگریزوں نے اپنا راج کس دگر سے اور کس حد تک دوسرے ملکوں میں پھیلایا ہے۔ اس کا صاف پتہ دیکھنے کے لیے ہمیں پانچویں کو اپنی ”ہندوستان انگریزی دہلی راج“ نام کی کتاب کو سوجھ کر کے اس بات کو ادھک نہیں دھڑکا چاہتا۔ ہمارے دہلی راج پر بھی اس کا اثر ہونے لگا ہے اس کتاب میں مل سکے گا۔

یہ سب باتیں سب سے پہلے بنگال میں صاف صاف دکھائی دیں۔ یہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہونکہ اپنا راج سب سے پہلے قائم ہوا اور اسی دھارے کے انوار سے دیکھی میں ہے۔

کو ہمیں بتا دیا۔ اس کے وہ ہمارے کی لکھنا کے بہت سے پھلشک مانے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ ہمیں بتا دیا وہ یہ ہیں :—

1. نئی دنیا انگریزوں کے پاس ہے، وہ ہمیں لینی چاہیے۔

2. ان کی دنیا کو سیکھنے کے لیے ہمیں ان کی زبان بھی سیکھنی چاہیے۔

3. یہاں کرنے میں نوکری دیا کا باریک کام بھی ہے، جو اس میں پرانا روپ ہے۔

4. نیا دنیا پرانے کرنے میں دھرم دھرم اور مورتی پوجا دیا کا باریک کام پر انہوں نے دعوائ ہے۔ ہر کام کی لکھنا ہے۔

5. یہ سب اپنا دنیا کی رشتہ کرتے ہوئے کرنا چاہیے۔ وہ دیا نہیں بنے۔ پھر بھی دیا دھرم کا انہوں نے پورا پورا اہمیت ہے اور اس میں عوامی کاموں سے بھی آگے نکل گئے۔

6. وہ ہمیں فرانس اور امریکی کرائی کا ہے۔ اس کی قدر انہوں نے کی ہے۔ لیکن ہمارے بارے میں ان کی شرم ہے کہ انگریزی راج ہے اور اس سے آگے آگے نکل گئے۔

انگریزوں نے اپنا راج کس دگر سے اور کس حد تک دوسرے ملکوں میں پھیلایا ہے۔ اس کا صاف پتہ دیکھنے کے لیے ہمیں پانچویں کو اپنی ”ہندوستان انگریزی دہلی راج“ نام کی کتاب کو سوجھ کر کے اس بات کو ادھک نہیں دھڑکا چاہتا۔ ہمارے دہلی راج پر بھی اس کا اثر ہونے لگا ہے اس کتاب میں مل سکے گا۔

یہ سب باتیں سب سے پہلے بنگال میں صاف صاف دکھائی دیں۔ یہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہونکہ اپنا راج سب سے پہلے قائم ہوا اور اسی دھارے کے انوار سے دیکھی میں ہے۔

मुद्रिकाओं को काट कर कागज के टुकड़े बनाकर और वैसे-वैसे प्राप्त करके, कम मुद्रिकाओं को बड़े कागज में या स्वरूप दे रहा था। लेकिन तब इस बात का किसी को ख्यास यावाल न था। यह क्या प्रभाव प्रगतिशील था, ऐसा आज हम कह सकते हैं।

پہلی دہائی کا تھا۔ اس دور میں کے حالات یہاں تو کسی حد  
 پر ایسے تھے کہ ان حالات کو اس حد تک دیکھ کر وہ  
 تھا کہ کوئی شب اس وقت کا کسی کو خاص خیال  
 نہ تھا۔ یہ تھا کہ وہاں پر کسی شہل تھا، ابھی آج ہم کو  
 سکتے ہیں۔



ہمارا کام ہے کہ دنیاوی کامیابی کی طرف سے  
بھروسہ کی بجائے اس کے لئے ایک اور پتہ دکھائیں۔ اسی طرح گونگہ  
گواہی کی ضرورت ہے اور اس کے لئے ونہا ہو رہے ہیں۔  
سوائس گواہی کی طرح آرٹھک آزادی بھی آکر رہیگی۔

—مہریش رامبائی

—مہریش رامبائی

## راجا رام موہن رائے کا یگ

لکھک—مہریش رامبائی

مترجم—راجا رامبائی

راجا رام موہن رائے کی پیدائش کا زمانہ 1774ء  
سہی کا مہینہ تھا۔ اس سے پہلے مہینے انگریزوں کے لئے  
وہاں کا کاروبار ٹھیک تھا۔ جم چکا تھا، جہاں تک  
پہلے کا سوال ہے سن 1757ء کے بعد کے دس سال میں  
وہاں راج گوانتی سمیت ہو چکی تھی اور اس کے بعد  
وہاں راج کا کاروبار دوبارہ شروع کرنے کے لئے ہو سکتا ہے اور  
گوانتیس چارے چارے انگریزوں نے کام کیا تھا۔ پہلے کے  
نوابی راج اور مغل راج میں جو بدانتظامی تھی اس کے  
مقابلے میں یہ تھا زمانہ کسی حد تک اچھا اور دستور  
معلوم ہوتا تھا۔ چلتا ہے کرنا دھرتا انگریزوں سے ملکر  
پہلے مہینوں سے فائدہ اٹھا سکتے تھے اور جمع ہندی  
کے سلسلے میں گوانتیس نے دھرتا روگ کی وجہ  
سبب کر لی تھی۔

مغل سمراتوں میں اورنگزیب نے ہماری ہرجا کے  
دھرم اور سلسلے میں دخل دے کر غلطی کی تھی۔  
اس سلسلے میں ہماری ہرجا جاگروک ہے، یہاں تک کہ  
فرا زیادہ نازک ہو گئی کی بھی نہیں جاسکتی ہے۔ اس  
سے ہم نے اس راج کو جہاں یہاں سے توڑ ڈالا۔ نئی دھرتا  
ہو گئی۔ دھرتی میں اس سے اگر کسی کی بھی نہیں تو وہ  
سمراتوں کی نہیں جاسکتی ہے۔ لہذا اس دھرتی کو  
اٹھائے میں وہ ناکامیاب رہے۔ 1800ء میں جب  
ہو اس راج کا انعام سے نظر آئے۔ راجہ جی فرحتی ہے  
اس سے دھرتی چلی بھی تھی۔ انیسویں صدی کے پہلے  
وہاں مہینوں تک تو ہمارے دھرتی کوہم کوہم ختم  
ہو گئی تھی۔ اور انگریزوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔

## راجا رام موہن رائے کا یگ

لکھک—مہریش رامبائی

انوارک—کالو بھائی ناتا لال پٹیل

راجا رام موہن رائے کی پیدائش کا زمانہ 1774ء  
سہی کا مہینہ تھا۔ اس سے پہلے مہینے انگریزوں کے لئے  
وہاں کا کاروبار ٹھیک تھا۔ جم چکا تھا، جہاں تک  
پہلے کا سوال ہے سن 1757ء کے بعد کے دس سال میں  
وہاں راج گوانتی سمیت ہو چکی تھی اور اس کے بعد  
وہاں راج کا کاروبار دوبارہ شروع کرنے کے لئے ہو سکتا ہے اور  
گوانتیس چارے چارے انگریزوں نے کام کیا تھا۔ پہلے کے  
نوابی راج اور مغل راج میں جو بدانتظامی تھی اس کے  
مقابلے میں یہ تھا زمانہ کسی حد تک اچھا اور دستور  
معلوم ہوتا تھا۔ چلتا ہے کرنا دھرتا انگریزوں سے ملکر  
پہلے مہینوں سے فائدہ اٹھا سکتے تھے اور جمع ہندی  
کے سلسلے میں گوانتیس نے دھرتا روگ کی وجہ  
سبب کر لی تھی۔

مغل سمراتوں میں اورنگزیب نے ہماری ہرجا کے  
دھرم اور سلسلے میں دخل دے کر غلطی کی تھی۔  
اس سلسلے میں ہماری ہرجا جاگروک ہے، یہاں تک کہ  
فرا زیادہ نازک ہو گئی کی بھی نہیں جاسکتی ہے۔ اس  
سے ہم نے اس راج کو جہاں یہاں سے توڑ ڈالا۔ نئی دھرتا  
ہو گئی۔ دھرتی میں اس سے اگر کسی کی بھی نہیں تو وہ  
سمراتوں کی نہیں جاسکتی ہے۔ لہذا اس دھرتی کو  
اٹھائے میں وہ ناکامیاب رہے۔ 1800ء میں جب  
ہو اس راج کا انعام سے نظر آئے۔ راجہ جی فرحتی ہے  
اس سے دھرتی چلی بھی تھی۔ انیسویں صدی کے پہلے  
وہاں مہینوں تک تو ہمارے دھرتی کوہم کوہم ختم  
ہو گئی تھی۔ اور انگریزوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔

یہ ماننا ہے کہ یہ ساری ساری ہے۔ یہ پورا ہے کہ یہی سورت میں لپکا دیا جائے۔ ہم اس سے کہیں کرتے ہیں :

آپ اس گمبھیر سواکھ پر بیچارہ ہیں، ہمارا خیال ہے کہ اب اس دیش میں بھرتی کی ساری بیکری نہیں ہونی چاہیے، آپ کو جیتنی ضرورت ہو کہیں مگر کہیں پر مائیں اپنی نہ رکھ کر گاؤں کی کر دیتے۔ کہیں گاؤں کا، کہیں آپ کی۔ اگر آپ کو یہ بات منظور ہو تو اپنی زمین کا کچھ حصہ دان دیجئے۔

وہ اس پر فور کرتا ہے اور پھر بھوشی دلیں دیتا ہے۔ اب یہ کیا ہے ؟ ”مردے پر دھرتی لگنے یا نہ لگنے دیا“ ہے یا ”سمجھ بوجھ کا کام“ ہے ؟ ہاں، اس میں مردے پر دھرتی ضرور ہے۔ مگر اصل میں تو یہ کسان سے کھر کی طرح اس کا ہمدرد بن کر اس کے سکھ دیکھ میں شریک ہوتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اگر ”کہیں گاؤں کا کہیں آپ کی“ والی چوڑ میں مان لیتا ہوں اور میری طرح دوسرے سبھی شریک یا دھرتی کسان مان لیتے ہوں تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ گاؤں کے شریک اسی بھوشی لپک لے مان لگے۔ پھر، آجکل لوگھامی یا دھرتی کا زمانہ ہے۔ اسی کے آگے ہمیں کی نہیں چلنے کی۔ اس طرح گاؤں کے اندر کی کل زمین گاؤں کی ہو جائے گی اور جسے جسے ضرورت ہوگی مل کر اس میں ہائٹ لیتے۔ اس طرح شریک کا دان ”کہیں گاؤں کا کہیں آپ کی“ والے خیال کے لئے سمجھنے کا دان ہے۔

یہی کارن ہے کہ شریکوں نے زیادہ تعداد میں دان دیا۔ انہیں دینا ہی چاہئے۔ اس وقت ضرورت ہے ملک کو نچھ سے بھلائی سے تعمیر کرنے کی۔ اس کام میں ہل والے یا پڑھوں کسانوں کا جتنا زیادہ ہاتھ لگے اتنا ہی اچھا ہے۔ اگر ہاتھ لگے گاؤں والے یا امیر لوگ لپکا سہوگ نہیں دیتے تو نہ ہیں۔ کب تک نہیں دیتے؟ اگر وہ بالکل ہی الگ دھرتی ہوں تو نچھ والے ان کے یہاں کام کرنے سے انکار کر سکتے ہیں، ان کے چمکے چوڑا سکتے ہیں، کیونکہ نچھ والوں کے ہل پر ہی ان کے کھدے پر ہی ان کے سہارے سے ہی وہ چمکتے ہیں۔ اس لئے یہ بھوشی کی بات ہے کہ یہودان آندوانی نے فریڈم کو موقع دیا اور وہ آگے بڑھ کر نئے بھارت کی نئی دھرتی کے کام میں حصہ لے رہے ہیں۔ اس سے سماج کے پورے ساتھ بھلائی کے لئے بھلائی قائم ہوئے گی۔ جس طرح انگریزوں، برطانویوں، سر یا خان بہادر یا راجہ بہادر کے بھوشی ہونے کی سہاسی آزادی کی نوا نہیں تھی، اسی طرح آجکل بڑے زمینداروں یا بھوشی زمین کے بھوشی ہونے کی نوا نہیں تھی۔

یہی کارن ہے کہ شریکوں نے زیادہ تعداد میں دان دیا۔ انہیں دینا ہی چاہئے۔ اس وقت ضرورت ہے ملک کو نچھ سے بھلائی سے تعمیر کرنے کی۔ اس کام میں ہل والے یا پڑھوں کسانوں کا جتنا زیادہ ہاتھ لگے اتنا ہی اچھا ہے۔ اگر ہاتھ لگے گاؤں والے یا امیر لوگ لپکا سہوگ نہیں دیتے تو نہ ہیں۔ کب تک نہیں دیتے؟ اگر وہ بالکل ہی الگ دھرتی ہوں تو نچھ والے ان کے یہاں کام کرنے سے انکار کر سکتے ہیں، ان کے چمکے چوڑا سکتے ہیں، کیونکہ نچھ والوں کے ہل پر ہی ان کے کھدے پر ہی ان کے سہارے سے ہی وہ چمکتے ہیں۔ اس لئے یہ بھوشی کی بات ہے کہ یہودان آندوانی نے فریڈم کو موقع دیا اور وہ آگے بڑھ کر نئے بھارت کی نئی دھرتی کے کام میں حصہ لے رہے ہیں۔ اس سے سماج کے پورے ساتھ بھلائی کے لئے بھلائی قائم ہوئے گی۔ جس طرح انگریزوں، برطانویوں، سر یا خان بہادر یا راجہ بہادر کے بھوشی ہونے کی سہاسی آزادی کی نوا نہیں تھی، اسی طرح آجکل بڑے زمینداروں یا بھوشی زمین کے بھوشی ہونے کی نوا نہیں تھی۔

یہی کارن ہے کہ شریکوں نے زیادہ تعداد میں دان دیا۔ انہیں دینا ہی چاہئے۔ اس وقت ضرورت ہے ملک کو نچھ سے بھلائی سے تعمیر کرنے کی۔ اس کام میں ہل والے یا پڑھوں کسانوں کا جتنا زیادہ ہاتھ لگے اتنا ہی اچھا ہے۔ اگر ہاتھ لگے گاؤں والے یا امیر لوگ لپکا سہوگ نہیں دیتے تو نہ ہیں۔ کب تک نہیں دیتے؟ اگر وہ بالکل ہی الگ دھرتی ہوں تو نچھ والے ان کے یہاں کام کرنے سے انکار کر سکتے ہیں، ان کے چمکے چوڑا سکتے ہیں، کیونکہ نچھ والوں کے ہل پر ہی ان کے کھدے پر ہی ان کے سہارے سے ہی وہ چمکتے ہیں۔ اس لئے یہ بھوشی کی بات ہے کہ یہودان آندوانی نے فریڈم کو موقع دیا اور وہ آگے بڑھ کر نئے بھارت کی نئی دھرتی کے کام میں حصہ لے رہے ہیں۔ اس سے سماج کے پورے ساتھ بھلائی کے لئے بھلائی قائم ہوئے گی۔ جس طرح انگریزوں، برطانویوں، سر یا خان بہادر یا راجہ بہادر کے بھوشی ہونے کی سہاسی آزادی کی نوا نہیں تھی، اسی طرح آجکل بڑے زمینداروں یا بھوشی زمین کے بھوشی ہونے کی نوا نہیں تھی۔

یہی کارن ہے کہ شریکوں نے زیادہ تعداد میں دان دیا۔ انہیں دینا ہی چاہئے۔ اس وقت ضرورت ہے ملک کو نچھ سے بھلائی سے تعمیر کرنے کی۔ اس کام میں ہل والے یا پڑھوں کسانوں کا جتنا زیادہ ہاتھ لگے اتنا ہی اچھا ہے۔ اگر ہاتھ لگے گاؤں والے یا امیر لوگ لپکا سہوگ نہیں دیتے تو نہ ہیں۔ کب تک نہیں دیتے؟ اگر وہ بالکل ہی الگ دھرتی ہوں تو نچھ والے ان کے یہاں کام کرنے سے انکار کر سکتے ہیں، ان کے چمکے چوڑا سکتے ہیں، کیونکہ نچھ والوں کے ہل پر ہی ان کے کھدے پر ہی ان کے سہارے سے ہی وہ چمکتے ہیں۔ اس لئے یہ بھوشی کی بات ہے کہ یہودان آندوانی نے فریڈم کو موقع دیا اور وہ آگے بڑھ کر نئے بھارت کی نئی دھرتی کے کام میں حصہ لے رہے ہیں۔ اس سے سماج کے پورے ساتھ بھلائی کے لئے بھلائی قائم ہوئے گی۔ جس طرح انگریزوں، برطانویوں، سر یا خان بہادر یا راجہ بہادر کے بھوشی ہونے کی سہاسی آزادی کی نوا نہیں تھی، اسی طرح آجکل بڑے زمینداروں یا بھوشی زمین کے بھوشی ہونے کی نوا نہیں تھی۔







یہ کتاب مسلمانوں کو سنیہ تعلیم کی اہمیت اور اس کی طرف توجہ دینے کے لیے لکھی گئی ہے۔

لہذا ہم ہر مذہب پروردگار کے سوال پر آتے ہیں۔ شروع  
میں ہی یہ بتا دیتا ہوں کہ یہودان یگنہ کی تصویر  
ایک ٹیویڈ (سانپن) ہے، نہ کہ مقصد۔ پچھلے ہونہ کیا  
سمٹلی کے موقع پر دیکھا جی نے خود ہی کہا تھا کہ  
میری زندگی "یہودان یگنہ مولک اور گرام آنیوگ پرودان  
اھلسامک کوانتی" کے لہئے سرور ہے۔ اسی کوانتی  
کا مقصد انسانی یا سرورے سماج یا "سوس" فنڈ  
(سوا) سے الگ اور خاصی مکھ سماج قائم کرنا ہے۔  
کون نہیں جانتا کہ سرورے وچار دھارا کا اپنا دھرم  
ہے، اپنا شاستر ہے۔ یہ سرورے کہ وہ شاستر پچھوی  
مارکس وائی، "سماج وائی یا لوک وائی یا لوک وائی  
(Welfare) نظاموں کے شاستر وغیرہ سے مختلف ہے  
اور ابھی اس سمجھدہ میں زیادہ سمجھدہ یا ادب تیار  
نہیں ہے۔ لیکن دوسری طرف" سچ یہ بھی ہے کہ وہیں  
سے لے کر گراؤں ہریف تک، پرمیڈروں نے جو کچھ کہا یا ان  
کے عقارے سنتوں کی جو باتیں ہیں وہ انسانی سماج یا سرورے  
سماج کا ہی سمجھدہ ہے۔

موسم یہ بھی نہیں بھولنا چاہو گے کہ یہودان  
 آندولنی کا مقصد زمین آدمی کو زمین دیکر پورا نہیں  
 ہو جاتا۔ وہ تو اس کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے۔ آج ساری  
 دنیا میں زمین خریدی بیچی جاتی ہے۔ یہی تجارت  
 کی چیز بن گئی ہے۔ ملکستان میں اس مرض نے  
 انگریزوں کے آنے کے بعد ہی زور پکڑا۔ انگریزوں نے پچھلے  
 پرانے کوٹھک بلدیہست قائم کرکے ہم بھارت مانا کی  
 سلطان کو بھارت مانا کا ہی بھوپازی بنا دیا ! یہودان  
 آندولنی اس گمراہی کو بیکار دھرتی مانا کو 'مانا' یا  
 بلج مہابھوت کی گدلی پر پود سے بٹھانا چاہتا ہے۔  
 کہنے کی ضرورت نہیں کہ اگر دھرتی بھوپار دیہی میں  
 کچھ عرصے تک آج کی طرح اور جاری رہا تو دیہی تھکا  
 ہو کر بن جائیں گے۔ آگے بڑھ کر یہودان آندولنی کا مقصد  
 ہے کہ ہر ایسی مصلحت کرے اور پھنداوار کرنے کا سامان  
 اسے حاصل ہو، ملک کا ہر گونہ اچے بھروں پر کھوا ہو، پرم  
 سے ملک کے سب سوال حل ہوتے ہیں، کیا بھوکری اور  
 کیا باہی، ہمارے ہر سوال پرم اور تھاک کی بنا پر  
 حل ہو گئے چلتیں اور سارا ملک حکومت نام کی چیز سے  
 بھرتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر فرد انسانی راہ پر چلے۔

ہوستان میں طرف ہوجانے کا یہاں قدم ہے۔ کوئٹہ  
آجکل کی دنیا میں "ایڈا" اور "ڈو" ہی رہا ہے تو چلتا  
ہے۔ انکو ہوجانے میں "ایڈا" اور "ڈو" کا ہی کیا

ساہیاب نے بیان کیا ہے۔ مگر اسکی بات درست ہے۔ آریہوں کے زمانے میں ہر ہندوستانی کا کھد کا، یا وہ تالیمنیامی ہو یا اچھوت، کہ مصلحت کی بنیاد پر، ہر مذہب کے ساتھ ہمدردی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ مگر آزاد ہونے کے بعد یہ صورت بدل گئی۔ 14 اگست 1947 تک جہاں ہر سرکاری ملازم ہندو یا دیہی ضروری سمجھا جاتا تھا 15 اگست 1947 سے وہ دیہی ہو گیا اور قومی خدمتگار سمجھا جانے لگا۔ اس لئے آجکل ہمارے ہمسے سے تعلیم یافتہ بھائی اسی میں سلعوں اور گرو معسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنی طاقت و خوبیوں سرکاری مدد میں اور موجودہ نظام قائم رکھنے میں لگائیں۔ ان کا ایسا کرنا فقط یہی نہیں ہے۔ ایمان کے ساتھ ان کا یہ خیال ہے کہ سرکار کے ساتھ کلمہ سے کلمہ لگا کر چلنے پر ملک کی ترقی دلی۔ ان کا دھیان اس طرف نہیں جاتا کہ موجودہ سرکار سماج کے انہیں ہتوں کے سواروں کی خوشامدوں میں ہے جن میں وہ چھٹی سرکار تھی۔ اس لئے کم لوگ ایسے دھتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہندوستان میں سچا سکھ اور شانتی قائم کرنا ہے تو ہمیں فوراً ہتوں کی طرف مضطرب ہونا پڑے گا۔ اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہندوؤں جیسی تحریک کی طرف ان تعلیم یافتہ لوگوں میں سے کم کا ہی دھیان جاتا ہے۔ ایسی تحریک جس کا سرکاری اسکیموں سے کوئی واسطہ نہیں ہے جو موجودہ نظام کا کوئی سہارا نہیں دیتی اور جو اسے بدل کر ایک نیا سماج بنانے کا بھی دھویں کوئی ہے۔ اس لئے کسی بھی سرکاری کام میں جو نئے طریقوں سے ہمارے سیاسی، آرٹیک اور سماجی مسائل کا حل دے دیتا ہو، صرف وہی ہمدردی دہنے کے لئے ہوں جو موجودہ نظام کو ناقابل سدھار سمجھتے ہیں اور جن پر یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوگئی ہو کہ یہ سرکار آلے والے زمانے کا کامیابی کے ساتھ سامنا نہیں کر سکتی اور اس کا بدلہ لیا جانا ہی نہایت ضروری ہے۔ لیکن اس طرح کے ہتوں والوں میں بھی لگی خیال کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ کچھ کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آہستہ آہستہ بدل جائے کچھ سوچتے ہیں کہ جیسے بھی ہو جلدی سے جلدی سے بدل جائے اور کچھ کا یہ اصرار ہو سکتا ہے کہ تبدیلی تو کرنا ہے اور فوراً کرنا ہے مگر کچھ بدعنوانی اصول نہیں چھوڑنا ہوں۔ یہ ایک وجہ ہے کہ ہندوؤں پر وہ لکھ بھائی بھائی کی توجہ ہندوؤں کی طرف کم لگی ہے۔ لیکن اگر ہندوؤں والوں کا یہ دھویں ہے کہ اس سے نیا سماج قائم ہوگا اور نیا انسان بنے گا۔ اس لئے آلے کا تب آج نہیں تو کل وہ لکھ بھائی

ہندوستان میں مذہبی آزادی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ آریہوں کے زمانے میں ہر ہندوستانی کا کھد کا، یا وہ تالیمنیامی ہو یا اچھوت، کہ مصلحت کی بنیاد پر، ہر مذہب کے ساتھ ہمدردی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ مگر آزاد ہونے کے بعد یہ صورت بدل گئی۔ 14 اگست 1947 تک جہاں ہر سرکاری ملازم ہندو یا دیہی ضروری سمجھا جاتا تھا 15 اگست 1947 سے وہ دیہی ہو گیا اور قومی خدمتگار سمجھا جانے لگا۔ اس لئے آجکل ہمارے ہمسے سے تعلیم یافتہ بھائی اسی میں سلعوں اور گرو معسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنی طاقت و خوبیوں سرکاری مدد میں اور موجودہ نظام قائم رکھنے میں لگائیں۔ ان کا ایسا کرنا فقط یہی نہیں ہے۔ ایمان کے ساتھ ان کا یہ خیال ہے کہ سرکار کے ساتھ کلمہ سے کلمہ لگا کر چلنے پر ملک کی ترقی دلی۔ ان کا دھیان اس طرف نہیں جاتا کہ موجودہ سرکار سماج کے انہیں ہتوں کے سواروں کی خوشامدوں میں ہے جن میں وہ چھٹی سرکار تھی۔ اس لئے کم لوگ ایسے دھتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہندوستان میں سچا سکھ اور شانتی قائم کرنا ہے تو ہمیں فوراً ہتوں کی طرف مضطرب ہونا پڑے گا۔ اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہندوؤں جیسی تحریک کی طرف ان تعلیم یافتہ لوگوں میں سے کم کا ہی دھیان جاتا ہے۔ ایسی تحریک جس کا سرکاری اسکیموں سے کوئی واسطہ نہیں ہے جو موجودہ نظام کا کوئی سہارا نہیں دیتی اور جو اسے بدل کر ایک نیا سماج بنانے کا بھی دھویں کوئی ہے۔ اس لئے کسی بھی سرکاری کام میں جو نئے طریقوں سے ہمارے سیاسی، آرٹیک اور سماجی مسائل کا حل دے دیتا ہو، صرف وہی ہمدردی دہنے کے لئے ہوں جو موجودہ نظام کو ناقابل سدھار سمجھتے ہیں اور جن پر یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوگئی ہو کہ یہ سرکار آلے والے زمانے کا کامیابی کے ساتھ سامنا نہیں کر سکتی اور اس کا بدلہ لیا جانا ہی نہایت ضروری ہے۔ لیکن اس طرح کے ہتوں والوں میں بھی لگی خیال کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ کچھ کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آہستہ آہستہ بدل جائے کچھ سوچتے ہیں کہ جیسے بھی ہو جلدی سے جلدی سے بدل جائے اور کچھ کا یہ اصرار ہو سکتا ہے کہ تبدیلی تو کرنا ہے اور فوراً کرنا ہے مگر کچھ بدعنوانی اصول نہیں چھوڑنا ہوں۔ یہ ایک وجہ ہے کہ ہندوؤں پر وہ لکھ بھائی بھائی کی توجہ ہندوؤں کی طرف کم لگی ہے۔ لیکن اگر ہندوؤں والوں کا یہ دھویں ہے کہ اس سے نیا سماج قائم ہوگا اور نیا انسان بنے گا۔ اس لئے آلے کا تب آج نہیں تو کل وہ لکھ بھائی

## ہمدیہ ٲریررتن اور ہمدان

ہمارے ملک کی تاریک کے ریدانوں کے آگے وہ یک دیکھنے سب سبال بنا رہےگا—آمریوں نے جو اپنا راج یہاں یہاں سے ہٹایا تو ”ہمدیہ ٲریررتن“ کی راجہ سے یا سوچ سمجھکر کایہہ کی نیراھ سے یا دیش کال کی ہاکت سے مآبور ہوکر؟ ہسی ترہ یک نیا سبال آب اور دیش ہوتا آا رہا ہے کی ہمدان آاندولن میں تاریک اور آمریہ لور جو آمریہ دے رہے ہیں وہ ”ہمدیہ ٲریررتن“ کی راجہ سے یا سمجھوری سے یا کسی اور راجہ سے۔ حال ہی میں ہمارے دیش کے تہہ ہونے نیرا اور ہڑک‘ آچاریہ نریندر دیو جی نے اس طرح کا شک ظاہر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے۔ کہونکہ ہمدان ریریک کا آہار ”ہمدیہ ٲریررتن“ ہے اس لور اس کا دائرہ ہندما ہوا ہے اور وہ کونی نہا جہوں درشن ( فلسفہ زندگی ) نہیں دے سکتا۔ ان کا یہ بھی سب ہے کہ اس میں زمین آہروں کے مقابلہ فریہوں نے زیادہ دی ہے اور آہروں نے جو دی ہے سو موقع مسئل کی راجہ سے اور کچھ ناخوشی کے ساتھ دی ہے۔ ہمدان ریریک کے اس اصولی یا ریرک ہلہو ہر روشنی رائے اور چرچا چہولے کے لہئے ہم آچاریہ نریندر دیو کے بہت احسان مند ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس چرچا سے ہمارے ملک کے دسانی کام کرنے والوں یا ہدیہ جہوں کے بھی شک کچھ دور ہو جائیگی اور ماک کے پڑھ لکھ اور لکچھ درجہ کے لوگوں کا سہوگ ہمدان آندولی کو ملیگا۔

آج ہمدان آندولی کو تری سال سے اور ہوچکر ہیں اس کا ہمدان ملک کے پانچ لاکھ میں سے ایک لاکھ گاؤں تک پہنچ چکا ہے‘ ریرک تری لاکھ لوگ دان دے چکر ہیں اور 34 لاکھ لاکھ لاکھ ( یعنی ملک کی جوت کی زمین کا ایک لاکھ لاکھ ) زمین مل چکی ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اگر اس آندولی کو آچاریہ نریندر دیو جہوں ہمتی اور ملک کے ریرم ہالہہ دساف دار لوگوں کی مدد مل لگی ہونی تو اس نے کہوں زیادہ رقی کی ہونی۔ ان کا شک رہنا جہاں ایک دن کی وات ہے وہاں ہمدان والوں کے لہئے ایک سوچنے اور سمجھنے کی بھی بات ہے کہ ایسا کہوں ہو رہا ہے؟ اس لہئے ہم ذرا ریررل کے ساتھ اس سوال میں جانا چاہتے ہیں۔

سب سے پہلے تو ہم یہ ریرل کرتے ہیں کی آب تک اس میں لکچھ ریرم ہالہہ ہوئے یا جہوں آندولیکھول ( Intellectual ) کیا جانا ہے۔ ایسے لوگ بہت کم

## ہمدیہ ٲریررتن اور ہمدان

ہمارے ملک کی تاریک کے ریدانوں کے آگے یہ ایک دلچسپ سوال ہلہہ گا۔ آندولوں نے جو اپنا راج یہاں سے ہٹایا تو ”ہمدیہ ٲریررتن“ کی راجہ سے یا سمجھکر کایہہ کی نیراھ سے یا دیش کال کی ہاکت سے مآبور ہوکر؟ ہسی ترہ یک نیا سبال آب اور دیش ہوتا آا رہا ہے کی ہمدان آاندولن میں تاریک اور آمریہ لور جو آمریہ دے رہے ہیں وہ ”ہمدیہ ٲریررتن“ کی راجہ سے یا سمجھوری سے یا کسی اور راجہ سے۔ حال ہی میں ہمارے دیش کے تہہ ہونے نیرا اور ہڑک‘ آچاریہ نریندر دیو جی نے اس طرح کا شک ظاہر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے۔ کہونکہ ہمدان ریریک کا آہار ”ہمدیہ ٲریررتن“ ہے اس لور اس کا دائرہ ہندما ہوا ہے اور وہ کونی نہا جہوں درشن ( فلسفہ زندگی ) نہیں دے سکتا۔ ان کا یہ بھی سب ہے کہ اس میں زمین آہروں کے مقابلہ فریہوں نے زیادہ دی ہے اور آہروں نے جو دی ہے سو موقع مسئل کی راجہ سے اور کچھ ناخوشی کے ساتھ دی ہے۔ ہمدان ریریک کے اس اصولی یا ریرک ہلہو ہر روشنی رائے اور چرچا چہولے کے لہئے ہم آچاریہ نریندر دیو کے بہت احسان مند ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس چرچا سے ہمارے ملک کے دسانی کام کرنے والوں یا ہدیہ جہوں کے بھی شک کچھ دور ہو جائیگی اور ماک کے پڑھ لکھ اور لکچھ درجہ کے لوگوں کا سہوگ ہمدان آندولی کو ملیگا۔

آج ہمدان آندولی کو تری سال سے اور ہوچکر ہیں اس کا ہمدان ملک کے پانچ لاکھ میں سے ایک لاکھ گاؤں تک پہنچ چکا ہے‘ ریرک تری لاکھ لوگ دان دے چکر ہیں اور 34 لاکھ لاکھ لاکھ ( یعنی ملک کی جوت کی زمین کا ایک لاکھ لاکھ ) زمین مل چکی ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اگر اس آندولی کو آچاریہ نریندر دیو جہوں ہمتی اور ملک کے ریرم ہالہہ دساف دار لوگوں کی مدد مل لگی ہونی تو اس نے کہوں زیادہ رقی کی ہونی۔ ان کا شک رہنا جہاں ایک دن کی وات ہے وہاں ہمدان والوں کے لہئے ایک سوچنے اور سمجھنے کی بھی بات ہے کہ ایسا کہوں ہو رہا ہے؟ اس لہئے ہم ذرا ریررل کے ساتھ اس سوال میں جانا چاہتے ہیں۔

سب سے پہلے تو ہم یہ ریرل کرتے ہیں کہ اب تک اس میں لکچھ ریرم ہالہہ ہوئے یا جہوں آندولیکھول ( Intellectual ) کیا جانا ہے۔ ایسے لوگ بہت کم

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا دنیا' پہلے گا گھر گھر لئے پریم کی جھولی۔

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا دنیا' پہلے گا گھر گھر لئے پریم کی جھولی۔

## اب سکھ کے زمانے آتے ہیں

( باکریک رقصاگنی )

ہم جیون جوت جلاتے ہیں  
وہ اندھارا پھلاتے ہیں

ہم آسمن کے نारे لگاتے ہیں  
وہ پتھر بزم بربساتے ہیں !

ہم رولی سولی لگاتے ہیں  
وہ مکھن کوس بڑھاتے ہیں

ہم غم کے مارے روتے ہیں  
وہ گیت لکھی کے گاتے ہیں

ہم دین بھر مہنہ کرتے ہیں  
وہ بے-مہنہ کمال لگاتے ہیں

وہ کہتے ہیں بس کام کرو  
پر کام کہاں ہم پاتے ہیں

جو ہونا ہے سو ہو جائے  
ہم آگے قدم بڑھاتے ہیں

ہم ان کو چکا کر چھوڑیں گے  
دن غفلت میں جو گدواتے ہیں

ہم آج کل مٹا کر دیکھ تو لو  
ہر شے پہ آج کل چھاتے ہیں

آج کل یہ ہمارا گھر کر  
دھرتی پہ گھر بربساتے ہیں

ہم جیتنے ہیں کمال لگاتے ہیں  
کھوکھلے کے موشم جاتے ہیں

ہم دیکھ کے 'والس' ہنس گئے  
اب سکھ کے زمانے آتے ہیں

## اب سکھ کے زمانے آتے ہیں

( والف راقی )

ہم جیون جوت جلاتے ہیں  
وہ اندھارا پھلاتے ہیں

ہم آسمن کے نಾರೆ لگاتے ہیں  
وہ پتھر بزم بربساتے ہیں !

ہم رولی سولی لگاتے ہیں  
وہ مکھن کوس بڑھاتے ہیں

ہم غم کے مارے روتے ہیں  
وہ گیت لکھی کے گاتے ہیں

ہم دین بھر مہنہ کرتے ہیں  
وہ بے-مہنہ کمال لگاتے ہیں

وہ کہتے ہیں بس کام کرو  
پر کام کہاں ہم پاتے ہیں

جو ہونا ہے سو ہو جائے  
ہم آگے قدم بڑھاتے ہیں

ہم ان کو چکا کر چھوڑیں گے  
دن غفلت میں جو گدواتے ہیں

ہم آج کل مٹا کر دیکھ تو لو  
ہر شے پہ آج کل چھاتے ہیں

آج کل یہ ہمارا گھر کر  
دھرتی پہ گھر بربساتے ہیں

ہم جیتنے ہیں کمال لگاتے ہیں  
کھوکھلے کے موشم جاتے ہیں

ہم دیکھ کے 'والس' ہنس گئے  
اب سکھ کے زمانے آتے ہیں

“नया हिन्द”

## हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

का

### माहवारी परचा

अगस्त 1954 अगस्त

“نہا ہند”

## ہندوستانی کلچر سوسائٹی

کا

### ماہواری پرچا

ک्या کس سے

صفحہ نمبر

کس سے

|   |  |
|---|--|
| 1. अब सुख के जमाने आते हैं ( कविता )—वाकिक रज्जाकरी ... 65 ...  | 1. اب سکھ کے زمانے آتے ہیں (ک.ریکا) — ( ) والف (والفی)   |
| 2. हृदय परिवर्तन और भूदान—सुरेशराम भाई ... 66 ...   | 2. ہر دے پر ور تن اور بھو دان—سریش رام بھائی   |
| 3. राजा राम मोहन राय का युग—लेखक—मगन भाई देसाई; अनुवादक—कानू भाई नानालाल पटेल ... 71 ...  | 3. راجا رام موہن رائے کا یگ—لکھک—مگن بھائی دیسائی—انور ادک—کانو بھائی نانالال پٹیل   |
| 4. सर्वोदय, भूदान और हृदय परिवर्तन—कुमारा सरोज अमवाल ... 75 ...   | 4. سروودے، بھو دان اور ہر دے پر ور تن—کمار سرج اکوال   |
| 5. मास्को से जत—सुन्दरलाल ... 85 ...  | 5. ماسکو سے جت—سندر لال  |
| 6. चूना हो गया ( कहानी )—मुजीब रिजवी ... 90 ...   | 6. چونا ہو گیا ( کہانی )—محبوب رحوی  |
| 7. कुंग-ई-ची — ( कहानी )—लेखक—ल. सुन; अनुवादक—कामेश्वर अमवाल ... 96 ...   | 7. کونگ-ای-چی ( کہانی )—لکھک—ل. سن؛ انور ادک—کامشور اکوال  |
| 8. प्रवासी की डायरी—मुजीब रिजवी ... 102 ...   | 8. پرواسی کی ڈائری—محبوب رحوی  |
| 9. कुछ कितारें ... 109 ...  | 9. کچھ کیتارے  |
| 10. हमारी राय— ... 111 ...  | 10. ہماری رائے   |
| छुआ झूत—सुन्दरलाल; असनियत और प्रचार—सुरेशराम भाई; वनस्पती और हमारे वैज्ञानिक—सुरेशराम भाई; भिक्ष और बरतानिया का समझौता—मुजीब रिजवी; इन्दौर की दुर्घटना—मुजीब रिजवी. | چھوا چھوت—سندر لال؛ اسنیت اور پرچار—سریش رام بھائی؛ ونسپتی اور ہمارے وکھانک—سریش رام بھائی؛ بصر اور برطانویہ کا سمجھوتہ—محبوب رحوی؛ اندور کی درگھٹنا—محبوب رحوی. |

कीमत—हिन्दुस्तान में छै रुपया साल, बाहर दस रुपया साल, एक परचा—दस आने.

मेनेजर

“नया हिन्द”

145, मुद्रांगम, इलाहाबाद-3

ہندوستان میں چھ روپیہ سال، باہر دس روپیہ سال، ایک پرچہ—دس آنے.

مینیجر

“نہا ہند”

145، مٹھی کالج، الہ آباد-3

# प्राज्ञ

# جمعيات

पंडित - नारायण, भगवानजी, विद्यापीठ, विद्यापीठ, सुन्दरलाल

अध्यक्ष - राजाजी, विद्यापीठ, विद्यापीठ, सुन्दरलाल

नायक पंडित - सुरेश रामभाई मुन्शी, विद्यापीठ, विद्यापीठ, सुन्दरलाल

इस नम्बर के खास लेख

اس نمبر کے خاص لیکے

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

हमारा गाय :-

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

हमारा गाय :-

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

★ देश के प्रति जनता की भावना - सुन्दरलाल

श्री कलचर सोसाइटी, इलाहाबाद



— رستاقی کچرسوسائٹی الابلو

अगस्त 1954

श्रीमान दस आना

दस आना



## گنگا سے گومتی تک

..... ”محبوب فی کہانوں کی شہوشتا انکی شہولی  
ہے۔ معمولی پڑھا لکھا آدمی انہوں ہما کسی کی  
کے سمجھ سکتا ہے۔ سارے کے ساتھ بھاشا میں ویلک  
زندہ دلی اس طرح ہے جس طرح اونچے پائے کے  
میں ملتی ہے۔

ان کہانوں میں ہاسٹ ہوئے، کرونا ہوئے۔ کس  
ستے ہاسٹ ہوئے میں ہل پڑے، تو کہیں ہوئے  
میں آپ دیکھ سے اسٹہت رہ جائے۔ مجھ کی  
بائیں ہاسٹ کوسل ہوائیوں جگانی ہیں، میں اچھا  
سان پڑائی ہوں۔“

—دائتور رام بھاس شرما

... ” وہ (محبوب) سارگ صاف کرنا چاہتے ہیں،  
 ساج کو سلہاندا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ فلا کو کام کاجی  
 ماہتے ہیں۔ اور ایسی نوکھلی کہ دھار کرتی چلی جائے  
 ... کہانیاں جگہ جگہ ہمارا دہان ساج مہر ہونے والے  
 ہایوں اور آلتا چاروں کی طرف کھینچتی ہیں... سنگرہ  
 کہانیوں میں ایک سیدھی آدھی ترستا ہے، جو اچھی  
 لکھی ہے۔“

—جهت یادگار

لگ بھگ ہندی کے سبھی بڑے لوگوں نے "گنگا سے  
معین" کو سراہا ہے۔

”گلتا ہے گوشتی نگ“ مہوں 180 صفحے ہوں‘ نرنگا  
 ہندو کور‘ بڑھیا جلد‘ دام کھول دو دوہے۔ جلدی آرہی  
 ہے۔

—مجلسه چهارم، نهماد

لئے کا بعد —

مجله هجر، 'نیا هند' 145، منتهی کتب الی آباد.

## ہندوستانی کلتور سوسائٹی

## ہندوستانی کلتور سوسائٹی

### مقصد

مقصد:

- (1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، फैلانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔
- (2) एकता फैلانے کے لیے کتابوں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کا جھانڈا۔
- (3) پھاڑے گروں، کتاب گروں، سماجیوں، کانفرنسیوں، لکچروں سے سب دھرموں، جانوں، برادریوں اور فرقوں میں آپس کا میل بڑھانا۔

- (1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، फैلانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔
- (2) ایکتا بڑھانے کے لیے کتابوں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کا جھانڈا۔
- (3) پوہانی گروں، کتاب گروں، سماجیوں، کانفرنسیوں، لکچروں سے سب دھرموں، جانوں، برادریوں اور فرقوں میں آپس کا میل بڑھانا۔

— : : —

— : : —

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—می<sup>0</sup> عبداللہ مہدی، سیکرٹری—مسٹر عبداللہ مجتہد حواجنہ: وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبداللہ حق۔ گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس: سکریٹری—فلڈت سندھو لال۔

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—مسٹر عبداللہ مجتہد حواجنہ: وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبداللہ حق۔ گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس: سکریٹری—فلڈت سندھو لال۔

### گورننگ باڈی کے اراکین—

### گورننگ باڈی کے اراکین—

ڈاکٹر سید محمد، ڈاکٹر نارا چند، مولوی سید سلیمان ندوی، مسٹر منظور علی، شی<sup>0</sup> بی بی جی کھر، فلڈت بشمبھار، مہاتما بھگوان دین، سہتہ پونم چند، رانکا، قاضی محمد عبدالغفار اور شی<sup>0</sup> اوم پرکاش بالہوال۔

ڈاکٹر سید محمد، ڈاکٹر نارا چند، مولوی سید سلیمان ندوی، مسٹر منظور علی، شی<sup>0</sup> بی بی جی کھر، فلڈت بشمبھار، مہاتما بھگوان دین، سہتہ پونم چند، رانکا، قاضی محمد عبدالغفار اور شی<sup>0</sup> اوم پرکاش بالہوال۔

ممبری کے قاعدوں کے لئے لکھئے —

ممبری کے قاعدوں کے لئے لکھئے —

سندھو لال

سندھو لال

سکریٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

سکریٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

145، مٹریگنج، ایلاہاباد

145، مٹریگنج، ایلاہاباد

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدے کے انوسار ممبری کی فیس صرف ایک روپیہ کردی گئی ہے۔ ”نیا ہند“ کے جو لاکھ ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلندہ دینے پر ہی ممبر بننا پڑے گا۔ الگ سے ممبری کی فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو ایک روپیہ دام کی ہوگی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام کی کتابیں لے کر ایک بار ایک روپیہ کم کر سکیں گے۔

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدے کے انوسار ممبری کی فیس صرف ایک روپیہ کردی گئی ہے۔ ”نیا ہند“ کے جو لاکھ ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلندہ دینے پر ہی ممبر بننا پڑے گا۔ الگ سے ممبری کی فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو ایک روپیہ دام کی ہوگی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام کی کتابیں لے کر ایک بار ایک روپیہ کم کر سکیں گے۔

نوٹ:—یہ کتابیں سیرک ہینڈی میں ہیں

| نام کتاب                           | لکھک                       | قیمت  | تاریخ | ملاحظات                        |
|------------------------------------|----------------------------|-------|-------|--------------------------------|
| 1. شہر اور شاہری                   | آئی اے ایچ پراساد<br>گوپال | 8 0 0 | 8 0 0 | شہر اور شاہری                  |
| 2. شہر اور سڑک                     | "                          | 8 0 0 | 8 0 0 | شہر اور سڑک                    |
| 3. گھر کی پانی پیت                 | "                          | 2 8 0 | 2 8 0 | گھر کی پانی پیت                |
| 4. ہمارے آب و ہوا                  | آئی اے ایچ پراساد          | 3 0 0 | 3 0 0 | ہمارے آب و ہوا                 |
| 5. سنسکرت                          | "                          | 3 0 0 | 3 0 0 | سنسکرت                         |
| 6. دو ہزار سال پرانی<br>کہانیاں    | آئی اے ایچ پراساد          | 3 0 0 | 3 0 0 | دو ہزار سال پرانی<br>کہانیاں   |
| 7. جہان گنگا                       | آئی اے ایچ پراساد          | 6 0 0 | 6 0 0 | جہان گنگا                      |
| 8. پنج پندرہ                       | آئی اے ایچ پراساد          | 2 0 0 | 2 0 0 | پنج پندرہ                      |
| 9. پنج پندرہ                       | آئی اے ایچ پراساد          | 2 0 0 | 2 0 0 | پنج پندرہ                      |
| 10. آکاش کے تارے<br>کے پھل         | آئی اے ایچ پراساد          | 2 0 0 | 2 0 0 | آکاش کے تارے<br>کے پھل         |
| 11. سڑک دھڑ                        | آئی اے ایچ پراساد          | 5 0 0 | 5 0 0 | سڑک دھڑ                        |
| 12. میلان پامینی                   | آئی اے ایچ پراساد          | 4 0 0 | 4 0 0 | میلان پامینی                   |
| 13. راجت راج                       | آئی اے ایچ پراساد          | 2 8 0 | 2 8 0 | راجت راج                       |
| 14. میرے باپ                       | آئی اے ایچ پراساد          | 2 8 0 | 2 8 0 | میرے باپ                       |
| 15. شہر و شہر کی اور               | آئی اے ایچ پراساد          | 3 0 0 | 3 0 0 | شہر و شہر کی اور               |
| 16. भारतीय अर्थशास्त्र             | آئی اے ایچ پراساد          | 5 0 0 | 5 0 0 | भारतीय अर्थशास्त्र             |
| 17. भारतीय शासन                    | "                          | 3 0 0 | 3 0 0 | भारतीय शासन                    |
| 18. नागरिक शास्त्र                 | "                          | 2 4 0 | 2 4 0 | नागरिक शास्त्र                 |
| 19. साम्राज्य और वनका<br>पतन       | "                          | 2 8 0 | 2 8 0 | साम्राज्य और वनका<br>पतन       |
| 20. भारतीय स्वाधीनता<br>अभ्युत्थान | "                          | 1 4 0 | 1 4 0 | भारतीय स्वाधीनता<br>अभ्युत्थान |
| 21. सर्वोच्च अर्थ व्यवस्था         | "                          | 1 8 0 | 1 8 0 | सर्वोच्च अर्थ व्यवस्था         |
| 22. हमारी आदिम जातियां             | आئی اے ایچ پراساد          | 3 8 0 | 3 8 0 | हमारी आदिम जातियां             |
| 23. अर्थशास्त्र शब्दावली           | आئی اے ایچ पुरी            | 2 0 0 | 2 0 0 | अर्थशास्त्र शब्दावली           |
| 24. नागरिक शिक्षा                  | आئی اے ایچ पुरी            | 1 8 0 | 1 8 0 | नागरिक शिक्षा                  |
| 25. राष्ट्र मंडल शासन              | आئی اے ایچ पुरी            | 1 8 0 | 1 8 0 | राष्ट्र मंडल शासन              |
| 26. जमानی                          | आئی اے ایچ पुरी            | 3 0 0 | 3 0 0 | जमानی                          |
| 27. भारते की हिम्मत !              | "                          | 1 0 0 | 1 0 0 | भारते की हिम्मत !              |
| 28. खलौष सच                        | "                          | 0 8 0 | 0 8 0 | खलौष सच                        |
| 29. मेरे साथी                      | "                          | 1 0 0 | 1 0 0 | मेरे साथी                      |

मिशन کا پتہ—

مینیجر 'نیا ہینڈ'  
145، سٹیٹ بینک، لاہور۔

مینیجر 'نیا ہینڈ'  
145، سٹیٹ بینک، لاہور۔

عربی کی تعلیم کے لیے جو مسکروں کے یہ کہنے پر کہ  
پڑھیں انہی سے تمہیں بلکہ فارسی کی پودا کی ہو۔

سچ ہے کہ عقل حمدان ہے کہ اگر لوگ انگریزوں کے  
 صوبہ ہلا رکھا تھا تو اب بھی وہ الگ پردیسی کہیں  
 ؟ یا لگو گوالہر اور اندور کو مدد سے بھارت میں ملایا  
 اسکتا ہے تو پھر ہال کو کہیں نہ ملایا جائے ؟ یا پھر  
 پور کو اگر پردیسی میں ملانے کی وجہ انگ ہے (C)  
 بھی کہیں نہ قرار دیا جائے ؟ یا کئی ریاستیں مل کر  
 مابین مدد سے پردیسی تھا کہوا کیا تھا تو اب احمدیہ وغیرہ کا  
 جہ دیکھنے کی بجائے سوراخ اور راجستھان کی طرح  
 (B) درجہ میں کہیں نہ رکھا گیا ؟ یہ توہم اسی  
 وجہ کا ہے تاکہ کام نظر آتا ہے جیسا انگریز لوگ مسطوراً  
 مصلحتاً کرتے تھے۔ لیکن آج ان میں کوئی وزن نہیں  
 بکرم ہوتا۔

منگ کر جھسا ہم نے اور کہا (C) پردیہوں کے چوٹ  
مستوروں کو ہم بدھائی دیتے ہیں جو انہیں نے اس  
بہودھوں کے ساتھ اپنی دلالت کی ہے۔ ان کے خواہ کی  
م قدر کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ نئے صوبے یا پورے  
وہ چاہتے والی جو جماعتیں ہیں وہ اس مہمورندم  
سبق حاصل کریں کہ کس سطح پر وہ کی اور خواہ مزاجی  
ساتھ کوئی بات کہی جاتی ہے۔ اس کام میں دست  
تھانڈا رکھنے کی جتنی ضرورت ہے اتنی کسی اور چیز  
نہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہاں وار کے بھی کے ساتھ  
بھی مہمورندم (C) پردیہوں والوں کی طرح سے پڑھیں  
وہ تو اس کا آدھا ہوجہ ہلکا ہو جائے اور ملک کی شان  
بھی بڑھ۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ کہیں پورے ملکستان  
نقدہ کو سامنے رکھتے ہوئے (C) پردیہوں کے بہودھ  
بارے میں بھی مناسب رائے قائم کریں۔

9. 6. '54

۱۔ سید علی حسینی کی ریاضتوں نے عرصہ بڑے بڑے پرمیشور کے  
ملائے آپ ایک کچھوں پرانے لڑکی کی یہ حالانکہ حلقہ سرکار  
یہ حالت کی منظوری وغیرہ ملنے میں اکثر عہد  
ہوئی تھی۔

ہم (O) پردیسیوں کے چوٹ منسکروں کی دانہ بیجے  
 ہیں۔ جس خوبی کے ساتھ انہوں نے اپنا مہدورنقم نیا  
 کھا اس کے لئے ہمارا عالی مبارک باد۔ لیکن ایک کسر  
 باقی رہ گئی، وہ یہ کہ جب چہ (O) پردیسیوں نے اس  
 بہترین قندک سے کام کیا اور وہاں کی حکومت نے چلتا  
 میں چڑھ پیدا کر دکھایا تو یہ چوٹ منسکر منگ  
 کریں کہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ (A) اور (B) پردیسیوں  
 میں سے چوڑے چوڑے حصہ نکال کر (O) کی تعداد  
 بڑھا دی جائے تاکہ سارا ملک زیادہ چڑھ سے آگے بڑھے !  
 ہم یہ بھی سبب دیکھ کر ضرور کرتے مگر دیکھتے کیا ہیں کہ  
 دہلی پردیس میں آگے دن چمکے اور تو تو میں میں  
 چل رہی ہے۔ ادھر ادھر میں کہیں منگنیں حالت ہے  
 اور اسمبلی کہا ہے دائرہ پہنچ کی شہرینج بن گئی ہے۔ ہر  
 رندہ پردیس میں بھی ویسا ہی نظارہ ہے۔ اس کے علاوہ  
 وہاں کے گورنر صاحب کو ایک نیا شوق پیدا ہوا ہے—ایک  
 قوم کی راجدھانی بنی کرنا۔ اس کے لئے انہوں نے  
 اس وقت تک کا مقام پسند کیا ہے۔ کچھ دن وہ اور ان کے  
 منسکر وہاں جا کر رہ رہے ہیں۔ ہمیں تو ہے کہ چلتی ہی  
 لکھیں روہتہ کی اسکیم سے وہاں لکھنؤ کے محل چلتا  
 شروع ہو جائیگا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو ہمداریاں  
 (A) اور (B) پردیس کے حکاموں یا اسمبلی والوں کو  
 ہیں اس کے شکار (O) والے بھی بہت زیادہ ہیں۔  
 شاید فیصلہ میں شمار کیئے جانے کی وجہ سے وہاں ایسا  
 ہوتا ہو۔ مگر یہ صاف ہے کہ (O) پردیسیوں نے کوئی  
 ایسا ٹھوس قدم نہیں اٹھایا جس سے وہاں کی چلتا کو  
 کوئی کارگر فائدہ پہنچتا ہو۔ ہمیں بڑے افسوس کے  
 ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ (O) پردیس میں حاصل ہونے  
 کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوا اور چھا، حکم کرہ اور توری گودوار،  
 رفرہ میں اب رکتی گئی گرت سے پہنچنے لگا اور کیا دورہ  
 کیا گئی، سبھی اچھی چھڑوں کو ناہند کر رہا ہے۔ اس طرح  
 چھڑوں (O) پردیس میں دیہاتی دستکاروں میں صف رہی  
 ہیں اور ہیکڑی بڑھ رہی ہے۔

اس کے منظرہ میں پردیہوں کے مستقروں نے اس جامگی  
کا نمونہ پہن لیا تھا جو ان سے آمیزہ کی جا  
سکتی تھی۔ یہ وہاں کے فوجیہ سرکاری خراجوں میں  
تھی۔ اسی کی نمونگی ہوتی تھی جس کی وجہ سے یہ  
مستحق بن گیا کہ وہ انعام کے مستحق ہو جائے۔

(6) उन प्रदेशों में लोकसाक्षी या प्रजातन्त्र का महत्व कम रहा है। इसकी वजह से लोगों में एक जीश पैदा हुआ है। इसका नतीजा है कि पंचसाला योजना में जिस इलाके में बांटे धिरकव कर सकते हैं उस हद तक अपने प्रदेश को नहीं कर सकते। यही कारण है कि विकास

(6) اسی پردیسیوں میں لوگ شاہی یا چرچانے کا عہدہ چل رہا ہے۔ اسکی وجہ ہے لوگوں میں ایک جوش پیدا ہوا ہے۔ اسکا نتیجہ ہے کہ پانچ سالہ پوچھا میں بھی صرختے پہاڑ والے شریف کر سکتے ہیں اس حد تک جس پر پردیسی والے لڑ رہے کر سکتے۔ یہی گڑبگڑ ہے کہ



جو پورچینکس چاہتی ہے ان میں ہے۔ مہاش کھیتی کی  
پودوں پر جانے سے کھیتی خالی نہیں ہوتی والا ہے جب تک  
ٹاؤں کی ضرورت کی دیکھ چھوٹی ہوئی ٹاؤں میں نہیں  
آتا ہوگا۔ یعنی کھیتی اور ٹرام انڈسٹری ایک ہی چیز  
کے دو پہلو ہیں۔ یا میں نہیں کہ ٹاؤں کی ایک آنکھ  
کھیتی ہے تو دوسری ٹرام انڈسٹری ہے۔ ان میں سے ایک  
کے ہیں بگڑنے پر ساری شکل بگڑ جاتی ہے۔

ہم چاہتے تھے کہ کیا بلاننگ کمپن والے آؤر کیا  
 سرکاری کیا وجہ کی سب سرکاریوں سے ہی اس پہلو پر  
 ڈوا ضرور کریں اور سوچیں کہ نپلو کھڑی کا سارا کام ایک  
 پہل چھڑی جیسا ہو کہ کہیں رہ گیا ؟ ہمارا بیروسہ ہے  
 کہ اگر نپلو کھڑی سے سرکار نے ٹھیک سبق صحیح طریقہ  
 پر سیکھ لیا اور اس کے مطابق ساری اسکیموں اور  
 پوجنوں میں تبدیلی کر دی تو آپ تک کی کئی مصیبت  
 فزول نہ کہی جائے گی' تھوڑے صبح کا پہلا اکر شام  
 کو کھڑ لوٹ آئے تو پہلا تھیں کیا جاتا ۔

9. 6. '54

## سی۔ پریشوں کا بھوشیہ

بھارت کے ودھان میں تین طرح کی اسٹوٹ یا پرندیں منظر کشی گئے ہیں : (A) ، (B) اور (C) درجہ (A) میں زیادہ تر وہ بڑے پرندے ہیں جو انگریزوں کے زمانے میں گورنروں کے صوبے کہلاتے تھے جسے 'پمپنی' منبراس وغیرہ۔ درجہ (B) میں وہ علاقے ہیں جو انگریزوں کے زمانے میں چھوٹی بڑی 600 سے اوپر ریاستوں تھیں اور چلیں سردار پھول کے علاقے میں ملاکر بڑی شکل دی تھی 'جیسے سوراشٹر'۔ 'دھند' بھارت' تھرو کوچ وغیرہ۔ درجہ (C) میں وہ علاقے ہیں جو پہلے چھوٹے منظر کے صوبے کہے جاتے تھے یا ریاستوں کی شکل میں تھے۔ درجہ (C) میں چھ پرندے ہیں : 'دھلی' 'اجمیر' 'کریک' 'پہرپال' 'شماچل' اور 'دھند' پرندے۔

تھیں یہ (۱) پر دیکھیں ہمارے لب سے ہی یہ سوال  
اٹھ کر لوگوں کے سامنے پیدا ہوتا ہے کہ آخر انکی ضرورت  
کیا ہے؟ کیا اسحور کو راجستھان میں یا پونہال کو سدھوہ  
پہاڑوں میں نہیں شامل کیا جاسکتا؟ پھر یہ بھی سائل  
پیش کیا کہ چھپ پرائے و جواڑوں کو ملایا جا رہا تھا اس  
وقت بھی (۲) راجستھان کو الگ نہ رکھتے کا سوچا جا رہا  
تھا مگر کچھ اعلیٰ شخصیتوں کی تھپی پسندانی اور  
توسلکاری سے ان کے سائل کا ٹیک ہارنا ہی لگی۔ پھر حال  
کی سب سے کم نہ تھو ہوئی کیا؟ (۳) شرجہ میں چھ

किस कमीनी का मुँह का कपड़ा बंधने लगा लम्बे हाथिल  
क्रिया. हम जानते हैं कि इस तरह की बस्तियाँ बसाने का  
उन्हें लक्ष्मी नहीं का और वह अपने हाँक की बहती कोशिश  
की. जिसका कुछ न कुछ कमी रह जाना तो झुवरती  
बात की. लेकिन हमारा उयास है कि चाहे कितनी भी खूबी  
व होमिथारी से नीलोखेड़ी का काम क्यों न किया गया  
होता महीना यही या इससे भिलता सुखता होने वाला  
था. बजह यह है कि गाँव या किसी बस्ती की तामीर का  
जो खाँचा हमारी दक़मत या सानिग कमीशन के पास है  
उस खाँचे में उस मूलक के गाँव या बस्तियों को नहीं डाला  
जा सकता. हमारा अपना उयास है कि नीलोखेड़ी की  
नाकामवाबी की बुनियादी बजह धिक्क एक है. वह वह कि  
उस बस्ती को जाने, कपड़े और दूसरी बुनियादी जरूरतों  
में अपने पाँच पर लड़े करने की कोशिश ही नहीं की गई.  
कपड़ा और जरूरी सामान बाहर से ला ला कर तनउबाह  
या पैसे के और पर गाँव नहीं बसाये जा सकते.

बीबीसवीं को जब मुकामात खसका मैं नहीं खड़ा  
 किन्तु आज मैंने कि खसका नी. कही कभी हमारी खसकाद

ایک آدمی نے اس مکمل شکل میں نہیں دیا تھا  
 کیا جیسی کہ ضرورت تھی وہ بھی کسی عجیبی صورت

[illegible]

یہ تقریب ۱۹۴۸ء کے ۱۹۵۳ء تک کی گئی سرکاری تقریبات کا۔ چار سال کی گزری گئی! اہلکاروں کے ہمارے ہم اندازہ کیا کرتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں کی کیا دردناک تھی اور وہ کیا کہتے ہونگے۔ سرکاری اور اخباری حلقوں کا یہاں یہ ہے کہ پنجاب سرکار نے جو اب وہاں کا کام چلایا ہے تو پہلی چیز یہ ہے کہ کر لیا جا رہی ہے کہ یہاں جو ملی جلی یا (Collective) حکومت پر زور دیا جاتا تھا اس کی بجائے اب نجی حکومت پر زور دیا جائے گا۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ وہاں کے لوگ جو آرٹیکل جانتے ہیں اور وہاں پر مسلم والے زیادہ تر لوگوں کا جو "بہت زیادہ نجی پسند کی طبیعت" ہے اسکی وجہ سے یہ تبدیلی کرنا ضروری ہے۔ وہاں پر جو انجمنیں رنگ کا کارخانہ اور پیمیں وغیرہ چلتے ہیں انہیں پنجاب سرکار نے لے لیا ہے۔ ہمارے پاس ہے کہ سرکاری کام کی بدولت اور دوسرے سرکاری محکموں کی مالک کی وجہ سے نھلو کہوئی کے یہ کارخانے دوبارہ چلنے لگ جائیں گے مگر اس سے کوئی انکار کرے گا کہ نھلو کہوئی ہمالے کا نہ یہ مقصد تھا اور نہ ہو سکتا ہے۔

جیسا ہم نے اوپر کہا ہم نیکو کہہ دی تھیں کہ نہیں جا سکتے۔ لوہی وہاں سے اُٹے والی روڑوں کے پھوسے پر اُلٹا سمجھ رہی آ جاتا ہے کہ سرکار کی مڈھا یہ تھی کہ نیکو کہہ دی ایک اچھا خاصہ شہر بن جائے جہاں طرح طرح کے کارخانے اور موجودہ طرح کے کارخانے چلتے ہوں اور سبھی لوگ روزی سے لنگر رھیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہاں جو کو اُپر لگو چالو کیسے لگئے وہ کتنی حد تک سمجھ کر اُپر لگو تھے اور کتنی حد تک ان میں سرکاری لوگوں یا اس ہستی کے ہی مالدار اور اگر دلو لوگوں کا زیادہ ہاتھ تھا۔ مگر جب وہاں کے کارخانے ختم ہو گئے تو ان سے اُلٹا صاف پتہ چلتا ہے کہ ان میں جو چاہیں تیار ہوئی تھیں وہ ایسی نہیں تھیں جو وہاں کے لوگوں کے لیے بہت ضروری ہوں اور نہ ایسی تھیں جو دھنی یا عسزے بڑے بازاروں میں ودھی نہ آتے۔ بلکہ یہاں پر وہی سبھی میں بڑے مکان کا مقابلہ کر سکتی۔ ان کی کھیت نہ نیکو کہہ دی میں ہوئی اور نہ بڑے بازار میں۔ لہذا وہ بڑے لکھن۔ اس وجہ سے نیکو کہہ دی کا سارا علم لٹکا ہوا تھا اور عسزوں کا ہوجانا تعجب نہ رہتا تھا۔

پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا کرتے ہوئے

कोलम विज्ञानों चीन मशीनों में नीहोलोली के बारे में एक के बाद एक कवरें आना शुरू हुई जिनसे हम सोचने लगे कि कबसे कोई न कोई बकराहट की बात है और फिर हमें "स्टेड्समैन" के मुमाहम्मे की रिपोर्ट की बात हो आई. माकूम यह हुआ कि पछी जनवरी 1954 को नीहोलोली का इन्तकाम रजिस्ट्रार सरकार के सिपुर्दे कर दिया गया. वहां पर एक के बाद एक दुश्वाहियां लड़ी होने लगी और तार्मिन् कमीशन का सेम्पल कम्युनिटी प्रोजेक्ट ऐडमिनिस्ट्रेशन इनका सामना न कर सका और आखिर वहां की विन्मेवारी तक वह न संभाल सका. यह हो पता चला कि वहां का काम हांवाडोल देखकर नई दिल्ली सरकार ने दिल्ली यूनिवर्सिटी के अर्थशास्त्र महकमे की शाख देहली स्कूल ऑफ एकोनामिक्स (Delhi School of Economics) से इरकबास्त की कि वहां के काम भास पर एक रिपोर्ट तैयार करे. यह रिपोर्ट तो हमारे देखने में नहीं आई अगर 27 अगस्त 1954 के "स्टेड्समैन" के पहीटर के किले मकमून में इसके कुछ जुमले किये गये हैं जो हम यहां देते हैं.

اور شک توہیں ہو سکتا ہے۔ مگر ہمیں یہ خیال کرنا ہے  
 "اسٹوڈنٹس" تو ایک گروہی اتحاد ہے اور ہوسکتا  
 ہے کہ اسکا نمائندہ دیہاتی کام کا تجربہ نہ رکھتا  
 ہو اور اسلئے وہ توہیں ٹھیک نہ سمجھ سکا ہو کہ  
 دیہاتوں کی اسٹوڈنٹس کیا ہے۔ اسلئے ہم اہل دیہات  
 خیال پر جسے وہ کہہ پلاننگ کمیٹی جب وہی کی  
 باغیہ قرار دیتے ہوئے ہے اور دیہاتی شکایت کی کٹنگ آف ہو ہی  
 نہیں سکتی۔

دوروت تیار کرنے کے لئے 1917 میں سے 150 خاندانوں کی حالت کو غور سے دیکھا گیا۔ یہ 150 خاندان یونہی یہ کسی خاص لحاظ کے چن لئے گئے۔ 1952 تک ہمارے کام کو کافی حد تک ہوجکا تھا پھر وہی بہتر کرنے کو باقی تھا۔ خاص بات یہ کہ جہی لوگوں کو ملازمہ پر لگایا گیا ان میں 45 فیصدی تو غور مستقل کام پر تھے اور 35 فیصدی کو اپنا نام بہت ہی زیادہ ناپسند تھا۔ مئی 1952 میں اگر آزادک حالت خراب ہونا شروع ہوگئی۔ سوچا یہ کیا کیا نہ لہو لہوئی بلحاظی فیروزی کے معاملہ میں سواو امی ہوئی اور جہاں تک ہوا سرکاری یا کو آپریٹو قلمک پر اسے چلایا جائیگا۔ لیکن دہلی اسکول والوں نے جب 1953 میں وہاں کی جانچ دوبارہ کی تو پتہ چلا کہ "1947 اور 1951 کے درمیان جو ہمارے کام تھا کیا تھا وہ سب ختم و نہت ہوگیا اور حالت پورہ ہو گئی جو 1947 کی ایک ہی سے سمجھ تک یعنی لہو لہوئی کی ضرورت کے وقت تھی۔ دوروزگاری کا فیصدی

## نیلوسلیدی کی فوٹو

دو برس پہلے کی بات ہے۔ "نیاں" کے پریس پاٹھ جاننے والے ہیں کہ برفا کے پروفیسر ڈاکٹر داس بنگ اور کئی ساتھیوں کے ساتھ ہم اٹارہ گئے تھے جہاں ہم نے ایک امریکی ماہر کی نگرانی میں چلنے والی گولیں سدھار بیچنا کو خوب احتیاط سے دیکھا سمجھا تھا۔ ہم اس تجربے پر پہنچے تھے کہ اٹارہ بیچنا ایک کڑی پھونک ٹھانہ ہے جو ہماری دیہاتی چلتا تو اور بھی زیادہ ٹھانہ و ہر باد کرے گی۔ وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ ہمارا خیال صحیح تھا۔ انہیں دنوں ہمارا ارادہ تھا کہ آگے بڑھ کر دعویٰ تک جائیں اور وہاں سے تھوڑے سے فاصلہ پر پھنک کے صوبہ کی حد میں نہلوں گے نام کا جو مقام ہے اسے بھی دیکھ آئیں، مگر وقت کی تلکی کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا اور ہم اب تک نہلوں گے نہیں جاسکتے۔

نیلوسلیدی ایک شہراتی بستی (Township) ہے جسے سن 1947 کے بعد سے بसाया गया है۔ اس کے سبھی باشندے شہرانی ہیں جو پاکستان سے آئے ہیں۔ سن 1952 تک وہاں پر 1519 خاندان بسائے گئے تھے۔ یہاں انتظام مرکزی سڑک کی دیکھ دیکھ میں تھا اور سن 1962 کے شروع میں اس کی ساری ذمہ داری پلاننگ کمیشن کی طرف سے سینٹرل کمیونٹی پروجیکٹس ایڈمنسٹریشن (Central Community Projects Administration) نے لے لی۔ اٹارہ کی طرح نہلوں گے کی بھی بڑی چرچا ہوئی اور کہا جاتا تھا کہ یہاں شہرانی و دیہاتی دونوں طرح کی اسکیم یا کمیونٹی پروجیکٹ چلایا جائے گا اور سارے ملک کے لئے مثال بنے گا۔ کام کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعوے تھے کہ کاشتکاری بڑھے، آگے جانے کے ذریعہ پھولے، اور اسکول، اسپتال وغیرہ کوئلے کے علاقہ خاص زور "انسان بسائے" پر دیا جائے گا۔ ہم امید کرتے تھے کہ چونکہ پلاننگ کمیشن خود نہلوں گے کی کھتی کو کہہ رہا ہے اسلئے والی زوردار تجربے نکالے اور ملک کی نئی تعمیر کا نقشہ ہمارے سامنے آئے گا۔

ہمارا خیال تھا کہ نہلوں گے میں ملک سے کام چل رہا ہے۔ مگر 1953 کے شروع میں دلی کے "اسٹوڈیو" اخبار کے خاص نمائندہ کی ایک عہدہ انکوارڈرورٹ 1949ء میں لکھا تھا کہ کوآپریٹو کے مرکزی طریقہ پر جو بیچنا وہاں چل رہی ہے وہ ناکام ثابت ہوئی ہے اور پورے علاقے میں شہد سے بڑھ رہی ہے۔ ذمہ دار اخبار کی طرف سے رپورٹ ہونے کی وجہ سے ہم اس

## نیلوسلیدی کی فوٹو

نیلوسلیدی ایک شہراتی بستی (Township) ہے جسے 1947 کے بعد سے بسایا گیا ہے۔ اس کے سبھی باشندے شہرانی ہیں جو پاکستان سے آئے ہیں۔ سن 1952 تک وہاں پر 1519 خاندان بسائے گئے تھے۔ یہاں کا سارا انتظام مرکزی سڑک کی دیکھ دیکھ میں تھا اور سن 1962 کے شروع میں اس کی ساری ذمہ داری پلاننگ کمیشن کی طرف سے سینٹرل کمیونٹی پروجیکٹس ایڈمنسٹریشن (Central Community Projects Administration) نے لے لی۔ اٹارہ کی طرح نہلوں گے کی بھی بڑی چرچا ہوئی اور کہا جاتا تھا کہ یہاں شہرانی و دیہاتی دونوں طرح کی اسکیم یا کمیونٹی پروجیکٹ چلایا جائے گا اور سارے ملک کے لئے مثال بنے گا۔ کام کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعوے تھے کہ کاشتکاری بڑھے، آگے جانے کے ذریعہ پھولے، اور اسکول، اسپتال وغیرہ کوئلے کے علاقہ خاص زور "انسان بسائے" پر دیا جائے گا۔ ہم امید کرتے تھے کہ چونکہ پلاننگ کمیشن خود نہلوں گے کی کھتی کو کہہ رہا ہے اسلئے والی زوردار تجربے نکالے اور ملک کی نئی تعمیر کا نقشہ ہمارے سامنے آئے گا۔

ہمارا خیال تھا کہ نہلوں گے میں ملک سے کام چل رہا ہے۔ مگر 1953 کے شروع میں دلی کے "اسٹوڈیو" اخبار کے خاص نمائندہ کی ایک عہدہ انکوارڈرورٹ 1949ء میں لکھا تھا کہ کوآپریٹو کے مرکزی طریقہ پر جو بیچنا وہاں چل رہی ہے وہ ناکام ثابت ہوئی ہے اور پورے علاقے میں شہد سے بڑھ رہی ہے۔ ذمہ دار اخبار کی طرف سے رپورٹ ہونے کی وجہ سے ہم اس







(iii) مائیکھا دستور کے متاثریتک مہم کا نتیجہ  
رہا تو یہ تھا۔

کانگریس کی طرف سے آنے والی نئی توجہ کی  
میں نے اس کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔ اس کی طرف سے  
پارٹی کے نائب لیڈر پرولیسر مکرچے نے بھی۔ مکرچے  
کانگریس پر سارے فیصلے ہوتے ہیں وہاں کم تعداد والوں  
کی طرف سے اکثر کوئی اچھی سے اچھی بات ہو رہی  
کی جائے تو وہ بھلا کر ہی ثابت ہوئی ہے۔ تعجب اس بات  
کا ہے کہ جو کئی توجہ پرولیسر مکرچے نے پارلیامنت  
میں بھی کی وہ کانگریس کی طرف سے اس کمیٹی  
میں نہیں بھیجی گئی جس کے حوالے یہ کام کیا گیا  
تھا۔ ہندوستان کی کبھی بدقسمتی ہے کہ اس کی سب  
سے اعلیٰ کمیٹی کے والے پارلیامنت نام کی کمیٹی کے  
ممبر اچھے کہانے دیتے اور دھم دھم کے سوالوں پر ایک  
دائے نہیں ہوتے۔ اس میں ہم کانگریس پارٹی کو سب  
میں زیادہ قصور وار ٹھہرائے ہیں وہاں رہ سکتے۔

ایسی حالت میں جب دیکھی گئی کانگریس  
پارٹی کے لوگ نجی سوالوں پر مل جلکر عمل نہیں  
کرسکتے تو یہ ملک کی عام جگہ ہے واسطہ دیکھنے والے  
اور ایک سے ایک پچھلے سوالوں پر کس طرح ایک دائے  
ہوسکتے ہیں۔ شاید یہ دیکھی گئی کانگریس پارٹی کا انداز نہیں  
چلتا پارلیامنتی نظام کا ہے۔ جس انگریزی پارلیامنت  
کی یہ نقل ہے اس پارلیامنت کے بارے میں سلیجمنٹ  
انگریزوں نے "کہنا بہر کی شب کا لڈا" "بچہ" اور  
"دوٹی سچا مہاسائی ان کا ممبر نہیں ہوسکتا" وغیرہ  
لفظ استعمال کیے ہیں اور مہاتما گاندھی نے پارلیامنت  
کی مثال "ایک بانجھ عورت اور بچہ" سے دی ہے۔  
مہاتما گاندھی نے یہ بھی کہا تھا کہ پارلیامنت کے "ممبروں  
میں "نہ سچی ایمانداری ہوتی ہے اور نہ جاندار انتہ  
کرن یا ضمیر۔" ہندوستان کی پارلیامنت نے ثابت کر  
دیا کہ مہاتما گاندھی جی کے دونوں ایمان سونے آئے  
صحيح و واجب ہیں۔

اس کے علاوہ معمولی انسانی لحاظ سے بھی دیکھیں  
تو ماننا ہوگا کہ پارلیامنت والوں نے یہ بل پاس کر کے  
زیادتی کی ہے۔ جس وقت انہوں نے اوپر والے بل کو پاس  
کیا اس وقت انہوں نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھا ہوتا  
کہ کیا انہوں نے اپنی اپنی کاسٹیجوہلسی کے ان فریڈوں  
کی یاد ہے جنہوں نے ہفت دہشتہ یہ بھی نہیں جانا کہ  
پھر وہی کیا کس چوہا کا نام ہے۔ جن کو ملک کی ہر  
فرقی تباہی ایک سے ایک گہرے سار میں قیو دیتی ہے اور  
جن کی آنکھوں کے آنے راج ہلے کوئی آجائے آجائے نظر نہیں  
آتا۔ یا جائے میں ان فریڈوں کو۔ کیا ہمارے حکمران

(iii) موجودہ دستور کے مطابق مسکن چالوس

روز بہتہ .



## انکے من کی موج

نہیں دیکھی ہے جو ہماری پارلیامینٹ (یا لوک سبھا) ہے اس کے ممبروں کو اب تک کوئی تعلقواہ نہیں ملتی ہے۔ جس دن وہ پارلیامینٹ کی بھٹک میں حاضر ہوں اس دن کا وہ چالیس روپے ہتھ لگتے تھے۔ مگر پارلیامینٹ کے پچھلے اجلاس میں 14 مئی کو ایک نیا ل انہوں نے پاس کیا جس کے مطابق انہیں آئندہ یہ بھت ملے گا :

- ( i ) تعلقواہ چار سو روپے ماہوار .
- ( ii ) پارلیامینٹ کی بھٹک میں داخل ہونے پر ہرکس ( Rs. 21/- ) روپے روپ .
- ( iii ) ہندوستان بھر میں کبھی بھی ریل سے آنے جانے کے لیے دوسرے ریل کے دو مفت پاس .
- ( iv ) انکو اور انکے خاندان والوں کو ہماری میں مفت دوا وغیرہ .
- ( v ) مکان ، ٹیلیفون و ڈاک کی سہولیتیں .
- ( vi ) کبھی سرکاری کمپنیوں کے اگر وہ ممبر ہوں تو سرکاری قاعدہ کے مطابق روز لیا ہتھ لگے سفر خرچ ہوتا .

پارلیامینٹ کے ممبر خود ہی کانون بنانے والے ہیں، جو چاہے وہ کر سکتے ہیں۔ سناہ یا سرفہ جو بھی کریں انکے من کی موج ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس بل کے پاس ہوتے وقت جو روٹ لگے تھے اس میں ہفت گھنٹہ تک کانگریس پارٹی کے ایک ممبر کی تقریر کے مطابق ہی حاصل ہوئی۔ اسلئے یہ ماننا پڑے گا کہ کانگریس ممبروں کے کانگریس پارٹی کی ہوری صلاح سے یہ کام کیا گیا . جسے اس بل کا مسودہ بنانے کا کام جس کمیٹی کے سرورڈ ل تھا اس نے تو صرف یہ سدا رہیں کی تھیں :

- ( i ) تعلقواہ تین سو روپے ماہوار .
- ( ii ) پارلیامینٹ کی بھٹک میں داخل ہونے پر ہرکس روپے روپ یا ان دونوں کی بجائے

نئی دہلی میں جو ہماری پارلیامینٹ (یا لوک سبھا) ہے اس کے ممبروں کو اب تک کوئی تعلقواہ نہیں ملتی ہے۔ جس دن وہ پارلیامینٹ کی بھٹک میں حاضر ہوں اس دن کا وہ چالیس روپے ہتھ لگتے تھے۔ مگر پارلیامینٹ کے پچھلے اجلاس میں 14 مئی کو ایک نیا ل انہوں نے پاس کیا جس کے مطابق انہیں آئندہ یہ بھت ملے گا :

- ( i ) تعلقواہ چار سو روپے ماہوار .
- ( ii ) پارلیامینٹ کی بھٹک میں حاضر ہونے پر ہرکس ( Rs. 21/- ) روپے روپ .
- ( iii ) ہندوستان بھر میں کبھی بھی ریل سے آنے جانے کے لیے دوسرے ریل کے دو مفت پاس .
- ( iv ) انکو اور انکے خاندان والوں کو ہماری میں مفت دوا وغیرہ .
- ( v ) مکان ، ٹیلیفون و ڈاک کی سہولیتیں .
- ( vi ) کبھی سرکاری کمپنیوں کے اگر وہ ممبر ہوں تو سرکاری قاعدہ کے مطابق روز لیا ہتھ لگے سفر خرچ ہوتا .

پارلیامینٹ کے ممبر خود ہی قانون بنانے والے ہیں، جو چاہے وہ کر سکتے ہیں۔ سناہ یا سرفہ جو بھی کریں انکے من کی موج ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس بل کے پاس ہوتے وقت جو روٹ لگے تھے اس میں ہفت گھنٹہ تک کانگریس پارٹی کے ایک ممبر کی تقریر کے مطابق ہی حاصل ہوئی۔ اسلئے یہ ماننا پڑے گا کہ کانگریس ممبروں کے کانگریس پارٹی کی ہوری صلاح سے یہ کام کیا گیا . جسے اس بل کا مسودہ بنانے کا کام جس کمیٹی کے سرورڈ ل تھا اس نے تو صرف یہ سدا رہیں کی تھیں :

- ( i ) تعلقواہ تین سو روپے ماہوار .
- ( ii ) پارلیامینٹ کی بھٹک میں حاضر ہونے پر ہرکس روپے روپ یا ان دونوں کی بجائے

”باپ بچے“ کا ہیرو بھاروس ہے۔ وہ ایک نوجوان باورچی ہے اور ڈاکٹری کا بیچارہ ہے، لیکن اس سے انکار ہے اور کسی چیز پر یقین نہیں کرتا۔ اس نوجوان کے چاروں طرف پورا ناول لکھتا ہے۔ جب یہ ناول پہلے پہل نکلتا تھا تو نوجوانوں نے اس کی خوب لے دے۔ چنانچہ وہ ایک نوجوانوں پر حملہ سمجھتے تھے۔ لیکن یہ بھارتیہ وادی ناول ہے اور اس سے نوجوانوں کی جو اصلی حالت تھی اس کا چکر اس میں ملتا ہے۔

یہ ناول دنیا کے سامنے اس ایک نئی پیمائش کے ساتھ ہے۔ چاروں کو پیمائش سمجھنے اور سننے کے لیے اس ناول سے ملتا ہے۔

جاما میللیا یرڈ اور ہندی کے ادبیات کے انمول رتن ہیں۔ وہاں ٹورنگٹن کے ”باپ بچے“ کو پڑھ کر اس نے اپنی پیمائش کو سمجھا لیا ہے۔ لیکن وہ اس لکھتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ انوار کا اسٹرکٹا دیا گیا ہے۔ جاما میللیا نے بہت سے انوار چھاپے ہیں اور وہ اسے اس کے پڑھنے پر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ انوار ہیں لیکن ”باپ بچے“ کا انوار انوار ہی معلوم ہوتا ہے۔ چھاپائی کے حد خراب ہے۔ اس سے پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے اور لطف میں کمی آ جاتی ہے۔ دام بھی زیادہ دیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں یہ نقصان دوری کر لی جائے گی۔

—موسیٰ ریاضی

—موسیٰ ریاضی

## شکر

دو ماہی رسالہ، ایڈیٹر—ایس۔ پی۔ ڈیو، مینجنگ ایڈیٹر—سربہ بھٹا، میلنے کا پتہ—شکر پبلیکیشنز، 699 ہسٹن پورہ، حیدرآباد دکن، ساکھانا بھندہ—دو روپے، سفا 112. 20×30 میں یہ رسالہ نکالتا

16

ہے۔ ایک ماہی کا نام ہے۔ کھر پر خوبصورت کلاسیک ہے۔ اس رسالے کا مقصد جنوری اور ترقی پسند ادب کی सेवा کرنا ہے۔

اس رسالے میں کئی اچھے چتر دیے گئے ہیں۔ ان کے اچھے لکھنے والوں کا اس کو सहयोग حاصل ہے۔ کہانیاں، نظمیں، اُپنی اور چترنگ پر لکھے، سب اچھے ہیں۔ اُمید ہے کہ دو چار نمبر نکل کر یہ رسالہ بلند نہ ہو جائے گا۔

—موسیٰ ریاضی

—موسیٰ ریاضی

## شکر

دو ماہی رسالہ، ایڈیٹر—ایس۔ پی۔ ڈیو، مینجنگ ایڈیٹر—سربہ بھٹا، میلنے کا پتہ—شکر پبلیکیشنز، 699 ہسٹن پورہ، حیدرآباد دکن، ساکھانا بھندہ—دو روپے، سفا 112. 20×30 میں یہ رسالہ نکالتا

16

ہے۔ ایک ماہی کا نام ہے۔ کھر پر خوبصورت کلاسیک ہے۔ اس رسالے کا مقصد جنوری اور ترقی پسند ادب کی सेवा کرنا ہے۔

اس رسالے میں کئی اچھے چتر دیے گئے ہیں۔ ان کے اچھے لکھنے والوں کا اس کو सहयोग حاصل ہے۔ کہانیاں، نظمیں، اُپنی اور چترنگ پر لکھے، سب اچھے ہیں۔ اُمید ہے کہ دو چار نمبر نکل کر یہ رسالہ بلند نہ ہو جائے گا۔

में अनुभव हासिल किया और अब "सेवा ग्राम" नाम का एक हिन्दी साप्ताहिक निकाल रहे हैं। इस अवसर का लक्ष्य है—“ग्राम सेवा ही, देश सेवा है।”

इस अखबार में किसानों की मतलब की बातें होती हैं। उन के हित की सूचनाएँ होती हैं और अपने भाग्य की बदलने के लिये उन्हें नई नई बातें बताई जाती हैं। सच मुच इस अखबार से किसानों को बहुत फायदा होगा। गांव वालों के लिये बहुत अखबार निकले हैं लेकिन इस टक्कर का कोई भी मेरी नजर से नहीं गुजरा।

इस अखबार की छपाई बहुत ही सुन्दर होती है और इस की सजावट मन मोहक होती है. यूपी सरकार ने इस अखबार को मंजूरी दी है. अगर जनता भी सहायता दे तो यह अखबार तरक्की कर सकता है और देश की कुछ न कुछ सेवा कर सकता है.

—मुजीब रिजवी

## मरब्रदूम के सौ शेर

संकलन करने वाले—वामिक्र जौनपुरी, बक्रार खन्तीब,  
हकीफ इक़्बाल; निकालने वाले—अद्वारा मतनुभात  
मलज्जन, 235 मुगलपुरा, हैद्राबाद दकन; लिखावट—  
हर्द; दाम चार आना.

मखदूम का परिचय देना बेकार है। उर्दू के दो चार शायरों का नाम जब भी लिया जाता है मखदूम उस में जरूर आ जाते हैं। उन के बहुत से दीवान हैं। लेकिन इस छोटे से पैम्फलेट में संकलन करताओं ने कुल सौ शेर छांट कर रखे हैं। शुरू में क़ाज़ी अब्दुल ग़फ़ार ने “मखदूम पर एक नज़र” की सुर्खी से दो शब्द लिखे हैं। क़ाज़ी साहब ने मखदूम की शायरी पर काफ़ी रोशनी डाली है। यह पैम्फलेट मखदूम की शायरी को नमूने के तौर पर पेश करता है और इसे पढ़ कर मुझे यक़ीन है लोग मखदूम की रचनाओं को ढूँढ़ कर पढ़ने की कोशिश करेंगे।

—मुजीब रिफ़ावी

## बाप बेटे

लिखने वाले—तुरगनेफ, अनुवाद करने वाले—  
 अनवर अशीम, निकालने वाले—मकतबा जामा लिमिटेड  
 देली, लिखावट—एवर्, सफा 399, दाम—पांच रुपये.

तुर्गनेफ की गिन्ती रूस के महान साहित्यकारों में होती है। यह अपनी रचनाओं में उन्नीसवीं सदी के बीच के युग का चित्रण करते हैं। उस समय की बाहरी घटनाओं और आविषियों के अन्दरूनी भावों को वह अच्छी तरह जानते हैं और उस का चित्रण भी इस तरह करते हैं मानो फोटो सामने रख दें।

میں انچھو حاصل کیا اور آپ "سودا گرام" نام کا ایک  
 جلدی ساپتاک تک نکال رہے ہیں۔ اس اخبار کا لکھی  
 ہے۔ "گرام سودا ہی" دیکھی سودا ہے۔"

اس اخبار میں کسانوں کی مطالب کی باتیں ہوتی  
 تھیں۔ ان کے صحت کی سوجھناؤں ہوتی تھیں اور اچھے  
 بہانے کو بدلنے کے لئے انہوں نے نئی نئی باتیں بتائی  
 جاتی تھیں۔ سچے سچے اس اخبار سے کسانوں کو بہت  
 فائدہ ہوا۔ گاؤں والوں کے لئے بہت سے اخبار تبدیلے میں  
 لائے اس لئے کہ کوئی بھی دھڑی نظر سے نہیں گزرا۔

اس اخبار کی چھپائی بہت ہی سستار ہوئی ہے اور اسکی محتاجات میں موہک ہوئی ہے۔ یہی سرکار نے اس اخبار کو منظور دی ہے۔ اگر حلقہ بھی سہانجا ہے تو یہ اخبار ترقی کر سکتا ہے اور یہیں کی کچھ نہ کچھ سہارا کر سکتا ہے۔

—مذہب و فہمی

مظلوم کے سو شعر

سکھن کولے والے-وا-ق جونہوی، وقار خلیل  
 حیدرہ العالی، نکاح والے-ادارہ مطبعہ عارف، مکتبہ 225  
 -مکتبہ رو، حیدرآباد دکن، لکھاؤ-آرڈو؛ دام-چار آنے۔

مخدوم کا پرہیز دینا بھار ہے۔ اُردو کے دو چار شاعروں کا نام جب بھی لیا جاتا ہے مخدوم اُس میں ضرور آ جاتے ہوں۔ اُن کے بہت سے دیوان ہوں۔ لیکن اُس چھوٹے سے مملکت میں سائنس کڑاؤں نے کل سو شعر چھانٹ کر رکھے ہوں۔ شروع میں لکھی مہذبت نے "مخدوم پر ایک نظر" کی سرخی سے دو شہد لکھے ہوں۔ قاضی صاحب نے مخدوم کی شاعری پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ یہ مملکت مخدوم کی شاعری کو نونو کے طور پر پڑھی کرتا ہے اور اسے پڑھکر مجھے یقین ہے لوگ مخدوم کی دچھاؤں کو قہرندہ کر پڑھنے کی کوشش کریں گے۔

—محبوب رفیعی

## باب بیٹے

لکھنے والے سرورگلاف؛ انوارِ کرنے والے — انور و عظیم  
نکاحیہ والے — منکحہ جا۔ مع۔ سمکھ دھلی؛ لکھاوت — اُردو؛  
صفحہ 399؛ دام — ہانچ روپے ۔

دورِ اٹلانٹک کی کشتی روس کے مہمان ساتھ کاروں میں  
 ہوتی ہے۔ یہ اپنی چمکناز میں اٹلانٹک میں صدی کے پہلے  
 کے رنگ کا چتر کرتی ہیں۔ اُس سے کی باہری کپتاناں  
 اور آدمیوں کے اندرونی ہماؤں کو وہ اچھی طرح جانتی  
 ہیں اور اُس کا چتر بھی اس طرح کرتی ہیں مانو قوتو  
 سامنے دیکھیں۔

ڈاکٹر جگدیش نے اپنی پستک میں لکھا ہے کہ  
 ویڈیو کی آپسی سہیوگ کمیتیاں بنی ہرے ہیں۔  
 تہا ویڈیو، کمپوٹر ویڈیو کی پوری سہایتا کرتے  
 ہیں۔ آپیپاک اور ویڈیو میں بہت سہیوگ ہے۔

ہوڈاکی کے سمیٹوں کوں آئے یہ بات کسے  
 لہو لہکن چین نے جو ہرے آپناہا ہے، وہ ہی تالیاں  
 کو آئے ہڈانے میں اور آئے کرنے میں مدد دے سکتا  
 ہے۔ ہوڈاکی کی جگہ پر آپسی سہایتا کا ماب پڑا  
 کیا جاتا ہے۔

جب تک آپیپاک پریشان حال میں تب تک  
 کو سہی شہا نہیں دی جاسکتی ہے۔ چین میں  
 ہیک کی موت نے حد بڑھ گئی ہے۔ مرکز "آپ  
 ہیکوں کی سہ سودماؤں کا سہاؤ دہتی ہے۔ انہیں  
 کو آئے پر سہا ملے میں اور ہمارے ہو جانے پر ان کی  
 سہ چکتا (علاج) کا پر بندہ ہے۔" سہ آپیپاکوں  
 رچہ کل کی آئے سہا کی چوٹی ملتی ہے۔ یہ چوٹی  
 سہا سہا ہوتی ہے۔

اس پستک میں چوٹی آپیپاک سہاؤ پر ہی  
 لہی ڈالی گئی ہے۔ وہاں کے بڑے بڑے لہیکوں کی  
 ہوتی ہی ڈاکٹر جگدیش نے سہی اور سہا میں چوٹی  
 سہا کا سہا سہا ہی دے دیا ہے۔

ابھی تک کسی پستک میں نہ چین کے چہلوں  
 حال پر ہی کو نہیں ملے تھا۔ ڈاکٹر جگدیش چہلوں  
 س پر ہی دہلی ڈالی ہے۔

چکہ چکہ پر آپیپاک کا سہا ملتا ہے جو پستک کو  
 لہی سہا ہوتا ہے۔ آخیر میں ڈاکٹر صاحب نے کچھ  
 دہلی شہروں کے آچارن ہی دہے ہیں۔

اس پستک میں چین کے بڑے بڑے شہروں کا  
 سہا سہا آپیپاک ملتا ہے۔ سہا میں ان شہروں کی  
 سہا سہاؤں کا ہی آپیپاک دیا گیا ہے۔ یہ پستک چین  
 کو سہا سہا میں بہت حد تک سہاؤ دہتی ہے۔

کتاب ہر ایک کے ہومے کی ہے لہکن دام آتا ہے کہ  
 بہت کم لوگ ہومے ہاتھوں کے۔ اگر پرکھک سہی دام  
 کا لہی سہا نکال دیں تو آچھا ہوگا۔

—سجیوب ریکی

—سجیوب ریکی

## سہا ماب

پہلیڈر—آپانہڈر پراساڈ آئن، لکھاوت—ہندی،  
 میننے کا پتا—دہلی، سالاہا پتا—پانچ  
 دہلی، پک کا پی کا دام—دو آنا۔

آپیپاک پراساڈ آئن ہاں میں آپیپاک سے آپیپاک  
 کی لکھا لہکر پانچ آئے ہیں۔ آپیپاک نے مارت

## سہا گرام

آپیپاک—آپیپاک پراساڈ آئن، لکھاوت—ہندی،  
 کا پتا—1 دہلی، سالاہ—چندہ—پانچ (دو)  
 ایک کا دام—دو آئے۔

آپیپاک پراساڈ آئن ہاں میں آپیپاک سے آپیپاک  
 کی لکھا لہکر آئے ہیں۔ کچھ دن آپیپاک نے مارت

# کتابیں



# کتابیں

## چینی جنٹا کے بچے

## چینی جنٹا کے بچے

لکھنے والے—ڈاکٹر جگدیش چندر جین، نیکالنے والے—پیپلس پبلیشنگ ہاؤس لمیٹید بامبئی 4، لکھاوت—ہندی، صفحہ—256، دام—چار روپے۔

بھارتی لکھنے والے نے نئے چین پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ کچھ نے بھارت میں بھگت کرنا کی مدد سے اور کچھ نے وہاں جا کر چھوڑ کر۔ لیکن ڈاکٹر جگدیش چندر کی کتاب کا مولیہ ادھک ہے کیونکہ وہ بھگت کرنا کیوں نہیں کرتے۔ اس میں سالوں میں لکھی ہوئی دوسری کتابوں اور دیکھی گئی اور پڑھی پر لکھی گئی ہیں تو جگدیش جی کی ہستک انہوں پر لکھی گئی ہے۔ انہوں نے اس کتاب کو دلچسپ بنا دیا ہے۔ جہاں جہاں انہوں نے اپنے انہوں پر لکھی گئی ہیں وہاں وہاں کتاب دل کو چھوئی ہے، نیا چین کے لئے دل میں ہر دم پیدا ہوتا ہے اور جہاں جہاں انہوں نے آنکھ کھائی ہیں اسے وہاں پر لکھا ہے جن پر پڑھنے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے وہاں وہاں ہستک لکھی گئی ہے۔

اگر ہستک کا نام ”چینی و دیارتوں کے بچے“ ہوتا تو اچھا ہوتا۔ اصل میں انہوں نے دیارتوں اور دیارتوں کے سبب میں ہی لکھا چاہئے تھا۔ دو انہوں نے انہوں نے اس سبب میں لکھے ہیں۔ ان کو پڑھ کر انکھ کھل جاتی ہے۔ چینی و دیارتوں کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:—

”میں نے کافی نکلدی کہ سے چین کے بھارتوں کا بھارت کرنے کا بھارت (کویش) کیا اور انہیں سرس، سبھا، پریشمی (مہناتی) اور بھارت (بھارت) سبھا (رہاوار) پایا۔ پریشمی اور نریش (بھارت) بھارت (بھارت) میں اپنا بھارت بھارت کرتے ہیں انہیں کبھی نہیں دیکھا۔ بھارت کی اور ان کی دھنی نہیں ہے۔ بھارتوں کی بھارت (بھارت) بھارتوں کے بھارت پر لکھا گئی جان پڑی۔ بھارتی واک کے بھارت پر بھارت کی بھارت بھارت بھارتوں میں دن پر دن بھارت رہی ہے۔“

لکھنے والے—ڈاکٹر جگدیش چندر جین، نیکالنے والے—پیپلس پبلیشنگ ہاؤس لمیٹید بامبئی 4، لکھاوت—ہندی، صفحہ—256، دام—چار روپے۔

بھارتی لکھنے والے نے نئے چین پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ کچھ نے بھارت میں بھگت کرنا کی مدد سے اور کچھ نے وہاں جا کر چھوڑ کر۔ لیکن ڈاکٹر جگدیش چندر کی کتاب کا مولیہ ادھک ہے کیونکہ وہ بھگت کرنا کیوں نہیں کرتے۔ اس میں سالوں میں لکھی ہوئی دوسری کتابوں اور دیکھی گئی اور پڑھی پر لکھی گئی ہیں تو جگدیش جی کی ہستک انہوں پر لکھی گئی ہے۔ انہوں نے اس کتاب کو دلچسپ بنا دیا ہے۔ جہاں جہاں انہوں نے اپنے انہوں پر لکھی گئی ہیں وہاں وہاں کتاب دل کو چھوئی ہے، نیا چین کے لئے دل میں ہر دم پیدا ہوتا ہے اور جہاں جہاں انہوں نے آنکھ کھائی ہیں اسے وہاں پر لکھا ہے جن پر پڑھنے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے وہاں وہاں ہستک لکھی گئی ہے۔

اگر ہستک کا نام ”چینی و دیارتوں کے بچے“ ہوتا تو اچھا ہوتا۔ اصل میں انہوں نے دیارتوں اور دیارتوں کے سبب میں ہی لکھا چاہئے تھا۔ دو انہوں نے انہوں نے اس سبب میں لکھے ہیں۔ ان کو پڑھ کر انکھ کھل جاتی ہے۔ چینی و دیارتوں کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:—

”میں نے کافی نزدیک سے چین کے دیارتوں کا اندھون کرنے کا بھارت (کویش) کیا اور انہیں سرس، سبھا، پریشمی (مہناتی) اور بھارت (بھارت) میں اپنا بھارت بھارت کرتے ہیں انہیں کبھی نہیں دیکھا۔ بھارت کی اور ان کی دھنی نہیں ہے۔ بھارتوں کی بھارت (بھارت) بھارتوں کے بھارت پر لکھا گئی جان پڑی۔ بھارتی واک کے بھارت پر بھارت کی بھارت بھارتوں میں دن پر دن بھارت رہی ہے۔“



हासिल करने के लिये बहुत भयबूत इरादे और बहुत बड़ी हिम्मत की जरूरत है। अगर सारे पिछड़े देश इस बात को समझ लेते हैं और एक साथ खड़े हो जाते हैं तो शान्ति बहुत जल्दी कायम हो जायेगी। इस काम के लिये हम सबको एक हो जाना चाहिये और हमें यह मन करना चाहिये कि मरेंगे तो विश्व शान्ति के लिये और जियेंगे तो विश्व शान्ति के लिये !

حاصل کرنے کے لئے بہت ہی بڑے ارادے اور بہت ہی ہمت کی ضرورت ہے۔ اگر سارے پیچھے رہے ملک اس بات کو سمجھ لیں تو شانتی جلدی قائم ہو جائے گی۔ اس کام کے لئے ہم سب کو ایک ہو جانا چاہیئے اور ہمیں یہ من کرنا چاہیئے کہ مرینگے تو وہ شانتی کے لئے اور جینگے تو وہ شانتی کے لئے !

नन्दा कई दिनों से भूखा था—पेट की क्वाला से पीड़ित और रोग से दुखी। उसने देखा—सेठ राम गोपाल मीठे पुरों का थाल मरे, देवी कुंड पर बन्दरों को खिलाने जा रहे हैं। गिड़गिड़ा कर नन्दा ने कहा—“सेठ जी ! मैं कई दिनों से भूखा हूँ, जान निकली जा रही है। कुछ पूरे मुझे भी दीजिये।

“अब भूखा है, तो शहर में जा कर मांग ?”

“शहर जाने की हिम्मत नहीं है सेठ जी ! बीमारी ने मुझे चर खिया है भूके की जान बचा ने से तो हनुमान जी आप पर प्रसन्न हो होंगे।”

“अच्छा रहने दे, तुम्हें तेरे उपदेश की जरूरत नहीं है।”

बड़े प्रेम से बन्दरों को खिला कर सेठ जी झींटे तो देखा नन्दा रास्ते पर पड़ा है। घृना के स्वर में आप ही आप बोले—“अभी तो बद्धमाश भूकों मर रहा था, इतने में सो भी गया !”

यह सुन कर भी नन्दा नहीं जगा। जागने को बह सोया ही न था !

نندا کئی دنوں سے بھوکا تھا—پेट کی کوا سے پیڈیت اور روج سے دخی۔ اس نے دیکھا—سٹھ رام گوپال میٹھے پوروں کا تھال مریے، دہوی کوند پر بندروں کو کھلانے جا رہے ہیں۔ گونوا گونوا کر نندا نے کہا—“سٹھ جی ! میں کئی دنوں سے بھوکا ہوں جان نکلی جا رہی ہے۔ کچھ پورے مجھے بھی دیجئے۔”

“ابہ بھوکا ہے، تو شہر میں جاکر مانگ؟”

“شہر جانے کی ہمت نہیں ہے سٹھ جی ! بیماری نے مجھے چر لیا ہے۔ بھوکے کی جان بچانے سے تو ہنومان جی آپ پر رخصت ہی ہونگے !”

“اچھا رہنے دے، تجھے تیرے اُپدھ کی ضرورت نہیں ہے۔”

بڑے پرم سے بندروں کو کھلا کر سٹھ جی لوتے تو دیکھا نندا راستے پر پڑا ہے۔ گھرونا کے سور میں آپ ہی آپ بولے—“ابھی تو بدسماں بھوکوں مر رہا تھا، اٹنے میں سو رہی گیا !”

یہ سن کر بھی نندا نہیں جگا۔ چالنے کو وہ سوچا ہی نہ تھا !

آج کل مصوب کہتا ہو رہی ہے . آدمی وہاں سہانے سے زیادہ سے زیادہ ہمدوار بولنے پر جتا ہوا . لیکن پھر بھی اس کوشش کا نتیجہ بہت سے دیشوں میں نہیں دور کر پایا . اب بھی وہاں لوگ ہموں رتے ہیں . اور ہر طرح سے دشمنی ہیں . حد یہ ہوگئی ہے زندہ رہنا بھی بہت مشکل ہوگیا ہے . زندگی کی فکر رو پریشانی ہوتی چلی جا رہی ہے . آندھونک ہتھیار لکھتے جاتی کا خاتمہ کر سکتے ہیں . سارے دیشوں کی جلتا ان ہتھیاروں کی ہمدانکتا سے تر رہی ہے .

1 لڑائی کے آندھونک طریقوں کی جتنی بھی نلدا کی جائے کم ہے . سوائے نہکتا کا ہی سوال نہیں ہے . سماجی اور آرٹھک درشتی کوں سے بھی یہ لڑائیاں بہت ہی بھلکر ہیں . سامراجی جو لڑائیاں چھوڑتے ہیں اس میں بہت سی چھی چھوڑیں تباہ ہو جاتی ہیں اور ان ٹھوڑے سے لوگوں کو بھی بہت زیادہ فائدہ نہیں ہوتا . عام جلتا کو پرہادی نے سوا اور کچھ نہیں ملتا . یہی نہیں کہ گھر بار تباہ ہوتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ آدمیوں کا آچار گر جاتا ہے اور وہ جان سے مارے جاتے ہیں . لڑائیوں کی نلدا کرنے کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے .

### آرٹھک لکھ

آرٹھک لکھ

میں نے جو باتیں زپر کہی ہیں انکا मतलब एक है दुनिया की सरकारों को चाहिये कि वह ऐसा रास्ता अखितयार करें कि वह आम जनता की जुनियादी जरूरतों को पूरा कर सकें और उन्हें जनता को सुख पहुंचाने और उसकी भलाई करने का हर वक़्त ध्यान रहे . दौलत किस तरह से इकट्ठा की जाये इसकी चिन्ता उन्हें नहीं होनी चाहिये . जब तक हम अपना दृष्टिकोन नहीं बदलते हैं , जब तक हम जनता की जरूरतों को पूरा नहीं करते हैं , जब तक हम अपने माली ढांचे को नए सिरे से खड़ा नहीं करते हैं जब तक हम अपनी कोशिशों से जनता की जरूरत का सामान नहीं पैदा करते , जब तक हम अन्तर्राष्ट्रीय व्यापार से फायदा उठाने का मोह नहीं छोड़ते हैं . तब तक हम दुनिया में शान्ति नहीं क़ायम कर सकते हैं . साम्राज्यी सरकारों से कायशी समझौते चाहे जितनी अच्छी नीयत से किये जायें वह शान्ति को स्थाई नहीं बना सकते . सच्ची और स्थाई शान्ति केवल उसी वक़्त क़ायम हो सकती है जब हम संगठित हों और उसके लिये अमली कोशिश करें . आज की लड़ाई यकीनन आर्थिक गड़बड़ी का नतीजा है . अगर हम अपने आर्थिक ढांचे को बदल दें तो हम हमेशा के लिये शान्तिमय जीवन बिता सकते हैं . इसको

میں نے جو باتیں اوپر کہی ہیں ان کا مطلب ایک ہے . دنیا کی सरकारوں کو چاہئے کہ وہ ایسا راستہ اختیار کریں کہ وہ عام جلتا کی بلہادی ضرورتوں کو پورا کر سکیں اور انہوں جلتا کو سکھ پہونچانے اور اس کی بھلائی کرنے کا ہر وقت دھیان رہے . دولت کس طرح سے اکتھا کی جائے اسکی جلتا انہوں نہیں ہونی چاہئے . جب تک ہم ایسا درشتی کوں نہیں بدلتے ہیں ، جب تک ہم جلتا کی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتے ہیں ، جب تک ہم اپنے مالی ڈھانچے کو نئے سرے سے کھوا نہیں کرتے ہیں ، جب تک ہم اپنی کوششوں سے جلتا کی ضرورت کے سامان پیدا نہیں کرتے ہیں ، جب تک ہم انتر راشتری بیویار سے فائدہ اٹھانے کا موہ نہیں چھوڑتے ہیں ، تب تک ہم دنیا میں شانتی قائم نہیں کر سکتے ہیں . سامراجی سرکاروں سے کافی سمجھوتے چاہئے جتنی اچھی نہت سے کہئے جائیں وہ شانتی کو استھائی نہیں بنا سکتے . سچی اور استھائی شانتی کوں اسی وقت قائم ہو سکتی ہے جب ہم سکھتہ ہیں اور اس کے لئے عملی کوشش کریں . آج کی لڑائی ہتھدا آرٹھک کوہی کا نتیجہ ہے . اگر ہم اپنے آرٹھک ڈھانچے کو بدل دیں تو ہم ہمیشہ کے لئے شانتی سے جہوں بنا سکتے ہیں . اسکو

جائیں اور ایسے لوگوں کو صحیح طور پر سمجھا جانا چاہئے۔

### بازار

جو چیزیں ہم بٹائیں ان کے لئے بازار موجود ہونا چاہئے اور یہ سارا سامان اس کی منڈیوں میں بیک جانا چاہئے۔ منڈیوں پر کھڑا کرنے کی وجہ سے لڑائیاں ہوتی ہیں۔ برطانیہ، جرمنی اور جاپان میں منڈیوں پر اثر چمانے کی عادت تھی۔ اسی لئے پچھلی پیمائش لڑائی ہوئی تھی۔ جو دیہی وکست نہیں ہوں وہ اندرونی من میں بڑھ دیہوں کو کچا مال مہیا کرتے ہیں اور اس کچے مال سے جو استعمال کا سامان بنتا ہے اس کو خریدتے ہیں۔ اگر فرانس ملک چھن میں چھا رہا تھا تو اس کا کارن یہی ہے۔ ہر دیہی کو اپنے ملک پر وکست ہونے کا موقع ملنا چاہئے۔ باہر سے کوئی دخل اندازی نہیں ہونی چاہئے۔ دیہی دخل اندازی واکٹر کی سوتھرتا کو ختم کرتی ہے اور لڑائی چھوڑے ہوئے ہو جاتے ہیں۔

### خپت میں مینڈتا

اگر ہم سب مل کر ویدیہ دخل اندازی کو نہیں روک سکتے تو ہمیں پھلنے والی چیزوں کی قلت کو سمجھنا چاہئے اور ان میں ایسی عادت پیدا کرنی چاہئے تاکہ خریدتے وقت دوسرے देशوں کے سامان کو اپنے देश کے سامان کے مقابلے میں نہ خریدیں۔ یہ بہت مشکل سوال ہے۔ اس پر عمل بہت ہی مشکل ہے۔ سب کو لالچ ہوتا ہے کہ ویدیہ سامان سستا ملے گا اور ویدیہ سامان سے اچھا ملے گا۔ لیکن ویدیہ مال کو نہ خریدنے کی عادت پیدا کرنا ضروری ہے۔ اسی سے شانتی استقامت ہوگی۔ آرٹھک سوداگران میں ہمیں کچھوے کی نقل کرنی پڑے گی۔ اپنی رکھا کے لئے کچھوے کے سارے انگ کھڑی میں سکھ لیتا ہے۔ ہم کو اپنے واکٹر کو کچھوے کی کھڑی ملنا چاہئے اور جب کوئی دوسرا واکٹر ہم سے ناچائز فائدہ لہانا چاہئے تو ہمیں کھڑی میں کھس جانا چاہئے۔

بہت سے لوگ "ویدیہ مینڈ" کی چرچا سے موہیت ہوتے ہیں۔ لیکن اس سوال پر انہوں نے فور نہیں کیا۔ آجکل اس طرح کی چرچا پونجی پتی کرتے ہیں۔ ان سب سمجندھوں میں سوویت یونین نے اچھی مثال قائم کی ہے۔ وہاں ویدیہ سوداگران کی اجاراداری راجہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ لوگ باہری سوداگران کو ویدیہ ملکوں میں کھسے نہیں دیتے اور انہوں نے کاروں سے دوس میں چھی مزدوری ملتی ہے اور کم کرنے والے سکھ جاتے ہیں۔

### کھیت میں بہلنا

اگر ہم سب مل کر ویدیہ دخل اندازی کو نہیں روک سکتے تو ہمیں پچھوے دیہوں کی قلت کو سمجھنا چاہئے اور ان میں ایسی عادت پیدا کرنی چاہئے تاکہ خریدتے وقت دوسرے देशوں کے سامان کو اپنے دیہی کے مقابلے میں نہ خریدیں۔ یہ بہت مشکل سوال ہے۔ اس پر عمل بہت ہی مشکل ہے۔ سب کو لالچ ہوتا ہے کہ ویدیہ سامان سستا ملے گا اور ویدیہ سامان سے اچھا ملے گا۔ لیکن ویدیہ مال کو نہ خریدنے کی عادت پیدا کرنا ضروری ہے۔ اسی سے شانتی استقامت ہوگی۔ آرٹھک سوداگران میں ہمیں کچھوے کی نقل کرنی پڑے گی۔ اپنی رکھا کے لئے کچھوے کے سارے انگ کھڑی میں سکھ لیتا ہے۔ ہم کو اپنے واکٹر کو کچھوے کی کھڑی ملنا چاہئے اور جب کوئی دوسرا واکٹر ہم سے ناچائز فائدہ لہانا چاہئے تو ہمیں کھڑی میں کھس جانا چاہئے۔

بہت سے لوگ "ویدیہ مینڈ" کی چرچا سے موہیت ہوتے ہیں۔ لیکن اس سوال پر انہوں نے فور نہیں کیا۔ آجکل اس طرح کی چرچا پونجی پتی کرتے ہیں۔ ان سب سمجندھوں میں سوویت یونین نے اچھی مثال قائم کی ہے۔ وہاں ویدیہ سوداگران کی اجاراداری راجہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ لوگ باہری سوداگران کو ویدیہ ملکوں میں کھسے نہیں دیتے اور انہوں نے کاروں سے دوس میں چھی مزدوری ملتی ہے اور کم کرنے والے سکھ جاتے ہیں۔

शक्ति का कोई उपयोग नहीं होता, अगर होता भी है तो पूरा पूरा नहीं होता, इससे बाहिर है कि जहां तक मुमकिन हो हमें इस शक्ति से काम लेना चाहिये, ऐसा करने पर कुछ बातों का हमें ध्यान रखना पड़ेगा, पहली बात तो यह है कि जब इन्सानी शक्ति का इस्तेमाल करना है तो 'मेहनत बचाव' तरीकों पर ध्यान नहीं देना है, इसके बजाय पैदावार के ऐसे तरीके अपनाने हैं जिसमें बहुत ज्यादा लोग हाथ बटा सकें, जनता का जो उपेक्षित भाग है इस तरह हम उसको सुख दे सकते हैं।

## मज़दूरी

मजदूरी का आधार एक है, काम के बदले में मजदूर को इतनी रकम मिल जानी चाहिये कि उस खरूरत को अनुसार खाना मिल सके और खाना ऐसा हो जो उसके जिस्म को मजबूत रख सके. मजदूर को ऐसी सुविधा होनी चाहिये जिससे वह उचित स्तर का जीवन बिता सके. लेकिन आजकल चाँचों के दाम मजदूरी तय करते हैं. इस तरह की प्रथा पूँजीवादी देशों में चालू है. ज्यादातर हालतों में मजदूरी रबड़ के समान है. बाजार भाव बढ़ गया है और पशुधन मुनाफा हुआ तो मजदूरी बढ़ जायगी, और अगर नहीं तो मजदूरी घटेगा और छटना हागा. लेकिन ऐसा नहीं होना चाहिये. मजदूरी का एक स्तर मुकर्रर होना चाहिये जिससे कम मजदूरी नहीं मिलेगी. जब फायदा होता है तो मजदूरी बढ़ती है और इसलिये जब बाटा हो तो मजदूरी घटे यह बात उचित नहीं है. मजदूर को इतना तो मिलना ही चाहिये जिससे वह साल भर तक अपनी खरूरतें पूरी कर सके.

हिन्दुस्तान में बहुत से लोग ऐसे हैं जिनके पास खेत नहीं हैं और वह लोग दूसरों के खेतों पर काम करते हैं, यह लोग बरसात के दिनों में हा काम कर पाते हैं और तब भी इन्हें पेट भरने के लिये राटों नहीं मिल पाती, उन्हें इतना मिलना चाहिये कि वह साल भर तक एक उचितत स्तर पर जीवन बिता सकें, इससे खेत की पैदावार का दाम औरन बढ़ जायेगा और पूंजा का बटवारा उचित ढंग से होगा और ज्यादा लोगों को सुख मिल सकेगा.

लोगों का दुखी होना, तनाव को बढ़ाता है. यह वह बीज है जिससे लड़ाई भगवें पैदा होते हैं.

## खेती का स्थान

खेती का उद्योग का दर्जा नहीं मिलना चाहिये।  
 उन सब बुराइयों को हम सांग जानत हैं जिनकी वजह  
 से गेहूँ का भूखड़ी फसल जला दा गईं। फसलें इसालये  
 जलाई गईं ताकि स्ट्राक कम हो जाये धार गेहूँ का दाम  
 बढ़ जाये। इस तरह की हरकतें समाज विरोधी समझी

شکستی کا کوئی اہدہ نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا ہو تو پورا پورا نہیں ہوتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مومن اس شکستی سے کام لیتا چاہئے۔ ایسا کرنے میں کچھ باتوں کا عموماً دھیان دینا پڑے گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب انسانی شکستی کا استعمال کرنا ہے تو ”مصلحت پسندی“ طریقوں پر دھیان نہیں دینا ہے۔ اس نے بھارتی پھدار نے ایسے طریقے اہلخانے میں جس میں بہت زیادہ لوگ ہاتھ بٹا سکیں۔ چلتا کا جو اہلکچھ بہت ہوگا ہے اس طرح ہم اُس پر سکہ دے سکتے ہیں۔

مؤلف

مؤدوری کا آندھاڑ ایک ہے۔ کام کے بدلے میں مؤدور کو اتنی رقم مل جاتی چاہئے کہ اسے ضرورت کے انوشاز لھانا مل سکے اور لھانا ایسا ہو جو اس کے جسم کو مضبوط رہ سکے۔ مؤدور کو ایسی جگہ دینا ہونی چاہئے جس سے وہ اچھا اسکر کا جھون بھا سکے۔ لیکن آج کل چھوڑوں کے نام مؤدوری طے کرتے ہیں۔ اس طرح کی پرہیزا ہو سکتی وائی دیکھوں میں چالو ہے۔ زیادہ تر جانکوں میں مؤدوری، روڑے کے سان ہے۔ ہمارا بھڑ بھڑ کیا اور زیادہ مدافع ہوا تو مؤدوری ہوا جائے گی اور اگر نہیں تو مؤدوری کہتے ہی اور چھٹکتی ہوئی۔ لیکن ایسا نہیں ہونا چھٹنے۔ مؤدوری کا ایک اسد سقرر ہونا چاہئے جس سے تم مؤدوری نہیں ملے گی۔ جب فائدہ ہوتا ہے تو مؤدوری بڑھتی ہے اور اسی لئے جب کھاتا ہو تو مؤدوری کہتے یہ بات اچھا نہیں ہے۔ مؤدور کو انکی تو ملنا ہی چاہئے جس سے وہ سال بھر تک اپنی ضرورتوں پوری کر سکے۔

مملدستان مهن بهت سے لوگ ايسے مهن جن نے  
 ماس بهت مهن اور وہ لوگ درصروں نے مهنوں  
 پر کام کرتے مهن . یہ لوگ بهت نے دنوں مهن هي کام  
 کو پاتے مهن اور تب هي انهن بهت بهرے نے لهنے روتی  
 مهن مل پانی . انهن الما مینا چاههنے كه وه سال بهر  
 تك ايك اچت استر پر چرون بتا سكهوں . اس سے بهت  
 کی مهادار کا دام نردا موه جائه كا اور پونجی كا مهادار  
 اچت قملك سے موه اور زياده لوگوں كو سه مل كيه كا .

لوگوں کا سامنے ہونا تھا تو ہوا آتا ہے۔ یہ رہے بیچ ہے جس سے لوگ چھوڑے پیدا ہوئے ہوں۔

## گہری کا استہوان

فہم کی نو اندیوگ کا درجہ نہیں ملتا چاہئے۔ اُن  
 سب ہر انہوں نو ہم سب جانتے ہوں جن کی وجہ سے  
 انہوں کی اچھی فصلوں چنے دی گئیں۔ فصلوں اس  
 لہئے چنے گئیں قائد اعظم تم ہو جائے اور کہیں کا دام  
 بڑھ جائے۔ اس طرح کی حرکتیں سماج و رومی سمجھی

### धातु रूपी साधन

## पैदावार के ढग

کم پوری کردے ہو سہوں کی ضرورت پڑا نہیں کرے گا۔ دوسروں  
 کی ضرورت کو وہ پورا کرے گا کیونکہ وہ مجبور ہے۔ گھر  
 جانے پر آئے کھانا اور کھڑا نہیں سہر ہوگا کیونکہ  
 بلوائی ضرورتوں کو وہ دیکھوں سے ملتا کم پوری کرتا ہے۔  
 لکنا بھوپار سے جو دولت ملتی ہے وہ باہر مال  
 بھرجانے والے اور اندر مال لانے والے ہاتھوں میں  
 پہنچتی ہے۔ اس سے دیکھ میں بداسنی پہنچتی ہے۔  
 چاروں طرف سے گھر جانے پر لوگ نہ تو رہو کھا سکتے ہیں  
 اور نہ چائے کی پتلیاں پین سکتے ہیں۔ اسلئے لکنا کی  
 سہولت ہر ایک طریقے سے ہو سکتی ہے۔ انہیں اپنے  
 آرٹھک جہوں کو دوسری طرح ڈھالنا ہوگا جادہ راجہ  
 کی بلوائی ضرورتوں پوری ہو سکیں۔

دعائے رزق و روزی

کسی قلم کے گھر میں اگر دولت رکھی ہو تو وہ چلتے  
 آدمی کو لے کر لگتی ہے ۔ اگر ہم نہیں چاہتے ہیں کہ  
 چور ہمارے گھر آئیں تو ہمیں اپنا گھر بند رکھنا چاہیے۔  
 ہمارے پڑاؤ تک مددگار ہمارے وراثت میں ۔ ملحدوں پر  
 کوئی بے مالا مال ہے ۔ اسی کوئی نے جاپان کو ملحدوں پر  
 ہر قبضہ کرنے کے لئے اُڑھت دیا ۔ ہمیں اپنے گھر میں ہی  
 ضرورت کے اشیاء رکھنی ہوتی چاہیے اور اپنی دولت  
 گھون گھون کر دیکھیں تو نہیں بے چارے چاہیے ۔ جب  
 ہماری زمین کے نیچے چھوٹی دولت ہم ہو جاتی ہے تب  
 چھوٹے شروع ہوتے ہیں کہ ہم دوسرے کی دولت پر  
 ماتہ مارنا چاہتے ہیں ۔ جہاں تک سمجھو ہو ہمیں  
 اپنے ہی سامعوں کے اوپر ترہور کرنا چاہیے اور ان  
 سامعوں کو اس طرح استعمال کرنا چاہیے جس سے کہ  
 ان سامعوں کو اپنی سسٹم بھی استعمال کر سکیں ۔  
 امریکہ میں پٹرول بے حد خرچ ہوتا ہے ۔ اس کا استعمال  
 ہر چہڑے میں لگا ہے اسی لئے امریکہ 'ٹرانس جورین'  
 برقی اور پورے کے لہلے کے گاڑیوں پر 'پلم' زبانتی اور  
 چال بازی ہر طرح سے قبضہ کرنا چاہتا ہے ۔ اس قدر  
 ہی وہ ایک نو نو دانشور بن گیا ہے ۔ اس چہڑے کو ختم  
 کرنے کے لئے ہمیں ایک ایسی پوجنا پناہ پڑیگی ۔

یہودی اور عیسائی

ابھی تک ہم نے اس بات پر وچار کیا ہے کہ ہمیں  
 اپنے پرائیفل سافٹویئر کو کسی استعمال کرنا چاہئے۔  
 اب ہمیں اس بات پر دھیان دینا چاہئے کہ کچھ سال  
 کو اپنے ضروری سامان بنائے۔ میں ہمیں دن بے طریقہ  
 بنائے چاہئیں۔ اس بات پر دھیان ہمیں ان چیزوں  
 میں خاصکر دینا چاہئے جو ابھی ہوتے ہیں۔ ایسے  
 کے زیادہ تر دیہی پوری طرح دست ہیں۔ ان  
 چیزوں میں بے حد اُردی ہیں۔ ان اُنہوں ہی اندر

تو ہم سب کو جیوڑ دے سکتے ہیں اور سب ہی شامیت سے لایا رہ سکتے ہیں۔ لیکن شامیتا کی ریاست ان سادھنوں کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے اشتراک کے بچے نڈا ہوتا ہے اور پوری زمین ہو جاتے ہیں۔

### آئندہ یोजना

کم سے کم جو ایک ریاست جو کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اپنی اپنی جنمنا کو وہ سانا، کپڑا اور مکان مہیا کرے۔ یہ اسکا لکھ ہونا چاہیے۔ اس کے باوجود اگر زمین، پانی اور ہوا جیسے سادھن مایہ ہو تو ان سے بچواری کی طرف جھٹکا چاہیے اور زمین پرستی کے سامان مہیا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے اور تب ہی باہری سامانوں سے اپنے سامانوں کا بدلاوا کرنا چاہیے۔ جب بھی زمین کی کھدائی ہو تو اس کا بدلہ کرنا چاہیے۔ جب بھی زمین کی کھدائی ہو تو اس کا بدلہ کرنا چاہیے اور یہ غلط فہمی ہو کہ کام ہوتا ہے تو فوراً مصیبت ہوئی ہو جائے گی۔

مثال کے لئے ملک چین کو لے لیتے ہیں۔ وہو کی چینی حکومت ہے اس کا پچاسی پرتھمت رہو ملک چین میں پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ہم کہتا بھی نہیں کہ سکتے کہ ملک چین اپنے اپنے رہو کا استعمال کر سکتا ہے۔ جو دیہی آدمیوں میں آگے بڑھے ہیں اور چلکا وکس بہت ہو چکا ہے انہیں کچھ مال کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کی یہ بلحاظ ضرورت کھسے پوری ہو سکتی ہے؟ اس ضرورت کو پورا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے اشتراک کچھ مال کی پیداوار پر کنٹرول رکھیں اور اس کے پودار کو اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ یہی کرنے کے لئے دیہی دوسرے اشتراک پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دنیا میں جو کچھ اشتراک دوسرے اشتراک کے اندھین ہیں اور تمام مائیں ہیں اس کا بلحاظی کارن یہی ہے۔ ملک چین کی چلکا کو ان کی مائیں میں رہو نہیں پیدا کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے ایسی چیزوں کی پیداوار پر انہیں زور دینا چاہیے جن سے انہیں کھانا مل سکے۔ انہیں کھانا مہیا ہو سکے اور ان کے مکان کی دھند دور ہو سکے۔ انہیں ایسے بلحاظی آدمیوں کے لئے کھانے کی ضرورت ہو کہ اس طرح کا مالی قہانچہ تیار ہو سکے۔ اگر آپ آئندہ چھوٹے کو وہ اس راستے پر چل سکیں تو دیہی آدمیوں کا جن صوبہ سکھ کی سانس لے سکے گا۔

اسی طرح لنگا میں چائے اور رہو خوب پیدا ہوتی ہے۔ جس دیہی کی آئندہ دیہہ ایسی ہو اس کا بھوکوان ہی مالک ہے۔ لنگا ایک دیہہ ہے۔ ایسا اشتراک جس کی سہولت ہو سکتی ہے وہ آسانی سے لنگا کو کھیر سکتا ہے اور دیہی آدمیوں کے لئے کی ضرورت کو پورا کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ لنگا اپنی ضرورتوں

کو ہم سب کو جیوڑ دے سکتے ہیں اور سب ہی شامیت سے لایا رہ سکتے ہیں۔ لیکن شامیتا کی ریاست ان سادھنوں کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے اشتراک کے بچے نڈا ہوتا ہے اور پوری زمین ہو جاتے ہیں۔

### آئندہ یोजना

کم سے کم ایک ریاست جو کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اپنی اپنی جنمنا کو وہ سانا، کپڑا اور مکان مہیا کرے۔ یہ اس کا لکھ ہونا چاہیے۔ اس کے باوجود اگر زمین، پانی اور ہوا جیسے سادھن مایہ ہو تو ان سے بچواری کی طرف جھٹکا چاہیے اور زمین پرستی کے سامان مہیا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے اور تب ہی باہری سامانوں سے اپنے سامانوں کا بدلاوا کرنا چاہیے۔ جب بھی زمین کی کھدائی ہو تو اس کا بدلہ کرنا چاہیے۔ جب بھی زمین کی کھدائی ہو تو اس کا بدلہ کرنا چاہیے اور یہ غلط فہمی ہو کہ کام ہوتا ہے تو فوراً مصیبت ہوئی ہو جائے گی۔

مثال کے لئے ملک چین کو لے لیتے ہیں۔ وہو کی چینی حکومت ہے اس کا پچاسی پرتھمت رہو ملک چین میں پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ہم کہتا بھی نہیں کہ سکتے کہ ملک چین اپنے اپنے رہو کا استعمال کر سکتا ہے۔ جو دیہی آدمیوں میں آگے بڑھے ہیں اور چلکا وکس بہت ہو چکا ہے انہیں کچھ مال کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کی یہ بلحاظی ضرورت کھسے پوری ہو سکتی ہے؟ اس ضرورت کو پورا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے اشتراک کچھ مال کی پیداوار پر کنٹرول رکھیں اور اس کے پودار کو اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ یہی کرنے کے لئے دیہی دوسرے اشتراک پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دنیا میں جو کچھ اشتراک دوسرے اشتراک کے اندھین ہیں اور تمام مائیں ہیں اس کا بلحاظی کارن یہی ہے۔ ملک چین کی چلکا کو ان کی مائیں میں رہو نہیں پیدا کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے ایسی چیزوں کی پیداوار پر انہیں زور دینا چاہیے جن سے انہیں کھانا مل سکے۔ انہیں کھانا مہیا ہو سکے اور ان کے مکان کی دھند دور ہو سکے۔ انہیں ایسے بلحاظی آدمیوں کے لئے کھانے کی ضرورت ہو کہ اس طرح کا مالی قہانچہ تیار ہو سکے۔ اگر آپ آئندہ چھوٹے کو وہ اس راستے پر چل سکیں تو دیہی آدمیوں کا جن صوبہ سکھ کی سانس لے سکے گا۔

اسی طرح لنگا میں چائے اور رہو خوب پیدا ہوتی ہے۔ جس دیہی کی آئندہ دیہہ ایسی ہو اس کا بھوکوان ہی مالک ہے۔ لنگا ایک دیہہ ہے۔ ایسا اشتراک جس کی سہولت ہو سکتی ہے وہ آسانی سے لنگا کو کھیر سکتا ہے اور دیہی آدمیوں کے لئے کی ضرورت کو پورا کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ لنگا اپنی ضرورتوں



کاموں سے ٹھٹھی پا گیا۔ اس کے بعد امام صاحب سے ملنا تھا لیکن بھارت کی کمی کے کارن نہ مل سکا۔ مگر کو ساڈے بارہ بجے یونیورسٹی پہنچنا تھا۔ ہم لوگ یونیورسٹی واپس آ گئے۔

دوسرے دن مینے چین کے انگریزی اخبار 'ڈیلی نیوز ریلیف' میں پڑا کہ صرف پینچلک شہر میں ساڈے ساڈے مسجدیں ہیں جن میں ہزاروں مسلمانوں نے بد کی نماز ادا کی۔

میں نے چھٹی پا گیا۔ اس کے بعد امام صاحب سے ملنا تھا لیکن وقت کی کمی کے کارن نہ مل سکا۔ مگر کو ساڈے بارہ بجے یونیورسٹی پہنچنا تھا۔ ہم لوگ یونیورسٹی واپس آ گئے۔

دوسرے دن میں نے چین کے انگریزی اخبار 'ڈیلی نیوز ریلیف' میں پڑا کہ صرف پینچلک شہر میں ساڈے ساڈے مسجدیں ہیں جن میں ہزاروں مسلمانوں نے بد کی نماز ادا کی۔

## انتر راشٹریہ بد امنی—اُس کے کارن اور علاج

( ڈاکٹر جے. سی. کمارپا )

[ مہ کے تیسرے بجے ہفتے میں بیرب شانتی کونسل کی बैठک برلین میں ہوئی ہے۔ پینچلک شہر میں سے ایک پرتی ندھی ملکل برلین گیا ہے۔ ڈاکٹر کمارپا بھی ملکل کے ساتھ ہیں۔ یہ ملکل آج کل روس کا دورہ کر رہا ہے۔ ڈاکٹر کمارپا نے شانتی کونسل کی बैठک میں 27 مہ کو نیچے دیا بیان دیا ہے۔ ہم اسے انگریزی سے انوراد کرتے پراکشت کر رہے ہیں—ایڈیٹر۔ ]

✽

✽

✽

✽

✽

✽

آج یہاں اس بات پر وچار کرنے کے لئے اکٹھا ہوئے ہیں کہ دنیا کی آجکل جو حالت ہے اس میں ہم سے سرکچھت وہ جکھن اور کس طرح شانتی رکھ سکیں۔ دھرم ہی نظر آتھتی ہے ہمیں بد امنی دکھائی پرتی ہے۔ ہمارے صاجک جہوں ہو، چاہے آرٹھک ہو، چاہے راج کا جی و اور چاہے 'نچو معاملے میں' سب جگہ کوہو ہے۔ اسی جگہ سے راکشروں کے ہجے ہوئے کہلچاڑ ہے۔ ہمارا سے سے اسلئے میں بد امنی کے آرٹھک کارنوں کا خاکہ میں کوونتا اور اپنی بدھی کے انوراد ان کا علاج بتانے میں کوہش کوونتا۔

پرکرتی نے دنیا کے زیادتر دیہوں کو کھدان اور دوسرے ادھنوں سے مالا مال کیا ہے۔ اگر ہم ملکل سے کام لیں تو ان سامانوں کو آجکھت قملک سے استعمال کریں

آج یہاں اس بات پر وچار کرنے کے لئے اکٹھا ہوئے ہیں کہ دنیا کی آجکل جو حالت ہے اس میں ہم سے سرکچھت وہ جکھن اور کس طرح شانتی رکھ سکیں۔ دھرم ہی نظر آتھتی ہے ہمیں بد امنی دکھائی پرتی ہے۔ ہمارے صاجک جہوں ہو، چاہے آرٹھک ہو، چاہے راج کا جی و اور چاہے 'نچو معاملے میں' سب جگہ کوہو ہے۔ اسی جگہ سے راکشروں کے ہجے ہوئے کہلچاڑ ہے۔ ہمارا سے سے اسلئے میں بد امنی کے آرٹھک کارنوں کا خاکہ میں کوونتا اور اپنی بدھی کے انوراد ان کا علاج بتانے میں کوہش کوونتا۔

پرکرتی نے دنیا کے زیادتر دیہوں کو کھدان اور دوسرے ادھنوں سے مالا مال کیا ہے۔ اگر ہم ملکل سے کام لیں تو ان سامانوں کو آجکھت قملک سے استعمال کریں

उसके बाद मैं सेहन में आया जहां फंग साहब और राजेश मेरा इन्तजार कर रहे थे। लगभग एक हजार से ज्यादा नमाजी इधर उधर खुश खुश टहल रहे थे। मैंने अपने कैमरे से मस्जिद की और नमाजियों की तस्वीरें खींची और अपनी तस्वीर भी इमाम साहब के साथ खिचवाई, दूसरे लोगों के साथ भी मेरी तस्वीर खींची गई, इस सबसे करसत पा कर मैंने फांसे से बाकलेट और लेमनहाउस निकाले और बच्चों को बांटना शुरू किया, वह होकर खूश खुश ला रहे थे, उनके साथी बुजुर्ग उनको बता रहे थे कि “यासिजनी ता इन्कू की को” ( बानी यह तुम्हारे हिन्दुस्तानी बड़े भाई हैं ) “रो रो” कहो रो रो को चीनी भाषा में श्रद्धा को कहते हैं, जादे ग्वारा बने मैं इन सब

اُس کے بعد میں صبحی مہر آیا جہاں ملک صاحب  
 اور راجہ صاحب مہرا انتظار کر رہے تھے۔ لگ بھگ ایک ہزار  
 سے زیادہ نمازیں اندر اندر بخوش خوش تہل رہے تھے۔  
 میں نے اُس گھر سے مسجد کی اور نمازیں کی تصویریں  
 کھینچیں اور اپنی تصویر بھی امام صاحب کے ساتھ  
 کھینچوائی۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی میری تصویر  
 کھینچوائی گئی۔ اس سب سے فرصت باقی رہی ہے جو وہ  
 سے چٹوٹ اور امن و اطمینان کے اور بچوں کو بانگلا شروع  
 کیا وہ لہجہ خوش خوش تھا وہ نے اُن کے ساتھ بزرگ  
 اُن کو ہٹا دیا تھا "بھائی! لا، لا، لا، لا، لا" (یعنی یہ تمہارے  
 ہندوستانی بچے ہو، نہ ہوں) "نہ نہ" تھا۔ میں نے تو چلتی  
 بانگلا میں شکر ہے تو ہنستے ہوں۔ سارے بارے میں میں ان سب

کون ساہب آ گئے۔ کورن کپڑے بدل کر پور نارنا کر کے ان کے ساتھ ڈیپارٹمنٹ تک آیا۔ اتنے میں مہرے ساتھی دلچسپی سے آگے جو ہمارے ساتھ چل کر دیکھتا چاہتے تھے کہ یہاں کے مسلمان عورتوں سے ملاتے ہیں۔ ابھی آگے بڑھے میں جس سمت ہائی تھی۔ ہم لوگ اندر آدھ کی باتیں کرتے لگے۔ ٹھیک آگے بڑھے کار آگئی اور ہم اس پر ہتھکڑی مسجد روانہ ہو گئے۔ راستے میں میں نے دیکھا کہ ہم سے مسلمان مرد عورتوں، بچے، مرد پر سفید روپی لٹاکے صاف صاف کھڑے پہلے مسجدوں کی طرف جا رہے تھے۔ تو ہم نے لگ بھگ ہم لوگ مسجد پہنچ گئے۔ یہاں کالی بھڑی تھی۔ لوگ اندر بھاڑ آ جا رہے تھے۔ پھاٹک کو طرح طرح کے رنگ کے بڑے چھتوں سے خوب سجایا گیا تھا۔ لوگ ہم لوگوں کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ ہم لوگ مسجد کے اندر آ گئے۔ یہ حصہ بھی چھوٹی چھوٹی، قل پہلی، دھوپ، پہلی چھتوں سے خوب سجایا ہوا تھا۔ اور جن کے پورے ہوا میں لہرا لہرا کر اٹھتی تھیں۔ عشاء کے بعد کو ظہر آ رہے تھے اور مومن ہوا میں نمازیوں کو 'عید مبارک' پڑھتی کر رہے تھے۔

مسٹر کنگ نے بتایا کہ یہ پوکنگ شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے اور اس کا نام Tung Sze Pailou ہے۔ انہوں نے یہ بتایا کہ یہ مسجد مذہب خاندان کے رسم میں بنی ہے۔ آج بھی یہ بہت اچھی حالت میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل کی چھٹی سرکار اس معاملہ میں بہت دلچسپی لیتی ہے اور دھارمک امتحانوں اور پرانی یادگاروں کو اچھی حالت میں رکھنے کے لئے مالی سہائتا دیتی ہے۔ انہیں میں مسجد کے امام آ گئے۔ کنگ صاحب نے ہم لوگوں کو ان سے ملایا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے ہم لوگوں کو ایک کمرے میں بٹھایا۔ یہ کمرہ پوکنگ روم کے قسم کا تھا اور مسجد کے ایک کدوے پر تھا۔ اس میں بٹھائے کے لئے بہت سی بٹھکیاں تھیں۔ انہوں نے ہماری دیر کے بعد امام صاحب چلے گئے۔ میں بھی کدوے سے اٹھ کر صحن میں چلا آیا۔ وہاں مرد، عورتوں، بچے، بڑے سب جمع تھے۔ ایک طرف عورتوں کا کمرہ تھا جس کے اندر بہت سی بڑھی عورتوں مردوں پر سفید کلتوب پہنے بٹھتی تھیں۔ مرد مردوں پر سفید کول توبی پہنے تھے۔ لوگ بھی وہی زیادہ تر مردوں کی طرح سفید توبیاں پہنے تھے۔ یہ بات سمجھ کر عجیب لگی۔ ہندوستان میں عورتوں مردوں کے ساتھ مسجد میں نہیں آتیں۔ مرد عورت سب لہجے رنگ کی پتلیوں اور لسی رنگ کا کاردار کٹتے پہنے ہوئے تھے۔

سارے نو بجے دھوپ کے میں مسجد کے اندر ہوا آمد میں گیا۔ وہاں امام صاحب مائیکرو فون پر چھٹی ہوا میں کھڑے ہوئے تھے اور کبھی کبھی عربی آیتیں پڑھتے جاتے

مسٹر کنگ نے بتایا کہ یہ پوکنگ شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے اور اس کا نام Tung Sze Pailou ہے۔ انہوں نے یہ بتایا کہ یہ مسجد مذہب خاندان کے رسم میں بنی ہے۔ آج بھی یہ بہت اچھی حالت میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل کی چھٹی سرکار اس معاملہ میں بہت دلچسپی لیتی ہے اور دھارمک امتحانوں اور پرانی یادگاروں کو اچھی حالت میں رکھنے کے لئے مالی سہائتا دیتی ہے۔ انہیں میں مسجد کے امام آ گئے۔ کنگ صاحب نے ہم لوگوں کو ان سے ملایا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے ہم لوگوں کو ایک کمرے میں بٹھایا۔ یہ کمرہ پوکنگ روم کے قسم کا تھا اور مسجد کے ایک کدوے پر تھا۔ اس میں بٹھائے کے لئے بہت سی بٹھکیاں تھیں۔ انہوں نے ہماری دیر کے بعد امام صاحب چلے گئے۔ میں بھی کدوے سے اٹھ کر صحن میں چلا آیا۔ وہاں مرد، عورتوں، بچے، بڑے سب جمع تھے۔ ایک طرف عورتوں کا کمرہ تھا جس کے اندر بہت سی بڑھی عورتوں مردوں پر سفید کلتوب پہنے بٹھتی تھیں۔ مرد مردوں پر سفید کول توبی پہنے تھے۔ لوگ بھی وہی زیادہ تر مردوں کی طرح سفید توبیاں پہنے تھے۔ یہ بات سمجھ کر عجیب لگی۔ ہندوستان میں عورتوں مردوں کے ساتھ مسجد میں نہیں آتیں۔ مرد عورت سب لہجے رنگ کی پتلیوں اور لسی رنگ کا کاردار کٹتے پہنے ہوئے تھے۔

سارے نو بجے دھوپ کے میں مسجد کے اندر ہوا آمد میں گیا۔ وہاں امام صاحب مائیکرو فون پر چھٹی ہوا میں کھڑے ہوئے تھے اور کبھی کبھی عربی آیتیں پڑھتے جاتے

سادے نئے بڑے کپڑے کے میں مسجد کے اندر برآمد ہو گیا، وہاں امام صاحب مائیکرو فون پر چھٹی ہوا میں کھڑے ہوئے تھے اور کبھی کبھی عربی آیتیں پڑھتے جاتے

کچھ وقت سا خاکہ لکھ رہا تھیں تاکہ میرے فیضی و اسدوں  
سچائی سمجھانے میں مدد ملے۔

عہد کے در دن پہلے مہرے ایک چھلی لکچرر دوست  
سکو بن مہرے پاس آئے اور پہلے لکے کہ برسوں عہد ہے  
چارک ملت نے نماز پڑھنے کے لئے آپ کو پھینک دیا  
یہ سب سے بڑی مسجد میں پوجھنے کا انتظام کیا ہے  
اس پوجھ صبح نماز ہوگی آپ اتنے پچھے تیار ہو جائیگا  
ہیں اے ان سے کہا۔ ”لوگوں پریشان تو مہرے کلاس ہے“  
یہ کا کیا ہوا؟“ انہوں نے جواب دیا کہ عہد کے دن  
اسے چھلی میں تمام مسلمانوں کی چھتی ہوئی ہے آپ  
فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو پچھ ہو مسجد سے  
لئے۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور میں اپنے کمرے  
س چلا آیا۔ دوسرے دن میں شام کو ٹیبل پر اپنے کمرے  
س آیا تو معلوم ہوا کہ مہرے دوسرے چھلی  
سے مسٹر فلنگ جو ہندی قبھارت ملت میں لکچرر  
س مسجد سے ملتے آئے تھے۔ مسجد کو نہ پا کر مہرے پوچھ  
س گئے تھے۔ یہ سنی کر میں فوراً ان کی ناگھ میں  
لا پڑا۔ انہوں میں تھوڑی سی دور چلا تھا کہ مسٹر  
فلنگ نے سلام دیا ہے بعد انہوں نے بتایا کہ ہمارے  
بارک ملت نے مسٹر فلنگ کو مہرے کو بہانہ چلا ہے  
یہ کہ وہ مہارے ساتھ مسجد میں جا چکے تھے وہ  
پچھ ہو چھڑ مسجد کے چائوں اور ضرورت کے وقت مہرے  
د نہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں مسجد کے امام  
ہوں ملنا چاہتا ہوں اور ان سے آج کے چھلی میں  
لمٹوں کی حالت، ملت میں آزادی، سزا کی سہانگ  
سی جماعتوں اور ان کا کام، ان کا چٹاؤ، عام مسلمانوں  
ان کا اثر، سوز اور شراب کے استعمال کے بارے میں عام  
لمٹوں کا خیال مسلمانوں میں کی حالت ان سب کے  
میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے امام کا نام مسجد  
بتایا اور کہا کہ مسٹر فلنگ آپ کے ساتھ رہیں گے  
وہ آپ کی مدد کریں گے۔ انہوں میں مسٹر فلنگ بھی آئے  
پچھ، دھڑکتے دھڑکتے ادھر نکل آئے تھے۔ انہوں نے مسجد  
کہا کہ کل آئے پچھ صبح آپ داخل تیار رہنے گا۔ میں  
نے ساتھ چلے گا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ جس  
سے ہم لوگ پھینک دیے جانے لگے (پھر سے ہماری  
پرستش ایک ہوگ دس سال کے فاصلے پر ہے) وہ  
پچھ چھڑتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ قبھارت ملت کے  
پرستش کا پڑ، ملنے کا ہے، ہم لوگ اسی سے چائیں  
کار اتنے پچھ قبھارت ملت کے سامنے تھوڑی دھڑکی  
پچھ ادھر ادھر کی باتوں کر نے وہ لوگ چلے گئے اور  
یہ سوچتا ہوا کمرے میں لوٹ آیا کہ اگر میں اپنے  
لکھوں کہ یہاں مسجد کو اتنا آرام ہے تو کیا لوگ پھینک  
کھیں گے؟  
دوسرے دن صبح نہا دھو کر کپڑے بدل ہی رہا تھا کہ

अब पीकिंग की ईद का हाल सुनिये. पीकिंग आये अभी मुझे दो महीने भी न हुए थे. हिन्दुस्तान के ज्यादातर लोगों की तरह चीन की जनता की मजहब की आजादी के बारे में मुझको भी कुछ शक ही सा था, मगर यहां पर जो कुछ मुझको अनुभव हुआ उससे न केवल मेरा शक ही दूर हुआ बल्कि पूरा यक़ीन हो गया कि यहां के मुसलमानों को अपने मजहब की मामलों में उतनी ही आजादी है जितनी कि किसी भी देश के मुसलमान अपने लिये सोच सकते हैं. शुरू शुरू में मैं सोचता था कि इस नये वातावरण में नये नये आदमियों के हमियान पता नहीं मेरी ईद कैसे गुज़रे ? मगर अब गर्व से यह कह सकता हूँ कि जितनी सहूलियतों के साथ 1000 मुसलमानों के साथ मिल कर पीकिंग शहर की सब से बड़ी मसजिद में मैंने नमाज़ पढ़ी बहुत से लोग उसकी कल्पना तक नहीं कर सकते. इसीलिये

آپ پوکنگ کی عود کا حال معلوم ہے۔ پوکنگ آئی  
 مسجد ابور دو - پہلے بھی نہ ہوئے تھے۔ ہندستان کے  
 زیادہ تر لوگوں کی طرح چھوٹی چھوٹی جگہوں کی مدد سے آزادی  
 کے بارے میں سمجھتے ہیں کچھ شک ہی سائے، مگر  
 یہاں پر جو کچھ سمجھتے ہیں، اندر ہی اندر اس سے نہ نکل سکتا  
 شک ہی دور ہوا، بلکہ پورا یقین ہو گیا کہ یہاں کے مسلمانوں  
 کو اپنے ملحد معاشرے میں آنٹی ہی آزادی ہے چھٹی  
 کہ کسی دھڑے کے مسلمان اپنے لئے سوچ سکتے ہیں۔  
 شروع شروع میں میں سوچتا تھا کہ اس نئے دناؤں میں  
 نئے نئے آدمیوں کے درمیان پتہ نہیں ہوئی عود کیسے  
 گھڑے؟ مگر اب گورو سے یہ نہ سمجھتا ہوں کہ چھٹی  
 سہولتوں کے ساتھ 1000 مسلمانوں کے ساتھ ملکر پوکنگ  
 گھر ہی سب بڑی مسجد میں میں نے تیار ہوئی ہے  
 یہ لوگ اس نئی گلیاں تک نہیں تو سکتے۔ اسی لئے

**पीकिंग में मेरी पहली ईद !**

के उस चरित्र को देखते हैं जो रोक्सपिटर ने निर्माण किया है.

चरित्रों को जन्म देना लेखक का सब से महत्वपूर्ण और सब से मुश्किल काम है। इस का तरीका बहुत पेचीदा है, चरित्र निर्माण उस तरह नहीं हो सकता जिस तरह मशीन सामान पैदा करती है। इसलिये मशीन की पैदावार और लेखक की पैदावार का अनुमूलन करते समय दो अलग दृष्टिकोनों का सहारा लेना पड़ेगा।

(सित्तसिले के लिये अगला अंक देखिये)

## ہنگامہ کی پہلی جلد

کے اس چہرے کو دیکھتے ہیں جو شہکسپیر نے نورمان  
کہا ہے۔

چند روزوں کو جنم دینا لکھک کا سب سے بہتر اور  
 اور سب سے مشکل کام ہے۔ اس کا طریقہ بہت پیچیدہ  
 ہے۔ چوترو نرسان اس طرح نہیں ہو سکتا جس طرح  
 مشہور سائمان پیدا کرتی ہے۔ اس لئے مشہور کی پوداوار  
 اور لکھک کی پوداوار کا اندازن کرتے سمہ دو الگ درختی  
 کونوں کا سہارا لینا ہوتا ہے۔

(سلسلہ کے لئے اٹلا انک دیپکھوٹے)

## पीकिंग में मेरी पहली ईद !

(लेखक—मुख्तार अहमद, १)

[ श्री मुख्तार अहमद अभी हाल में पीकिंग गये हैं। पीकिंग यूनीवर्सिटी में वह उर्दू पढ़ाते हैं। ऐसे वह 23 अग्रेष्ठ सन 1955 ई० को पीकिंग पहुँच गये थे लेकिन चानियों की मेहमानदारी ने अवकाश नहीं दिया कि इससे पहले वह कोई पत्र लिख सकें। बक्रौल उनके चाँन का बातावरन कुछ इतना पसन्द आया कि वह उसी में रुक कर रह गये। पर अब एकबारगी चौंके हैं तो खत लिखने का विचार आया है। आशा है मशान चीन का आगों देखा हाल 'नया हिन्दू' के पाठकों का आगे भी पढ़ने को मिलता रहेगा और हिन्दुस्तान से चीन में जा कर हिन्दी, उर्दू पढ़ाने वाले साथी खत के रूप में ही वहाँ की जनता, उनकी मेहमानदारी, उनकी चेतना से हमें परिचित कराते रहेंगे—पबीटर. ]

इस साल पीकिंग में मैंने ईव मनाई। उसका बर्नन बाव में कहूंगा। पहले अपने बारे में और अपने चीनी दोस्तों के बारे में कह लूं।

यहाँ के लोग बहुत ही अच्छे हैं, हम लोगों की ज़रा सी तकलीफ़ पर बेचैन हो जाते हैं, हम लोगों को सबसे अच्छा होस्टल दिया गया है, इसमें केवल हिन्दुस्तानी ही रहते हैं, हम लोगों का रसोई घर अलग है, इसमें शुद्ध हिन्दुस्तानी खाना पकता है, रसोई घर की मालिक प्रभा मांझी हैं, सब शाकाहारी भोजन करते हैं और मैं भी साग सब्जी का आनन्द लेता हूँ।

## پیکنگ میں میری پہلی عید!

( لنگرہوک — مظہار احمد )

[ شری مستعار احمد ابھی جال میں پھنک گئے  
 ہیں۔ پھنک رہے ہو سستی میں وہ اُردو پڑھاتے ہیں۔ اسے  
 وہ 23 اپریل سن 1954ء کو پھنک پہنچ گئے تھے  
 لیکن چھپڑوں کی مہمانداری نے اڑکھ نہیں دیا کہ  
 اس سے پہلے وہ کوئی پتہ لکھ سکیں۔ بقول ان کے  
 چھپڑ کا انارون لچہ اتنا پسند آیا کہ وہ اسی میں قوی  
 کر رہ گئے۔ اب یکبارگی چونکہ میں تو خط لکھنے  
 کا وچار آیا ہے۔ اٹھا ہے مہان چھپڑ کا آنکھیں دیکھا  
 حال ’نہا مہد‘ کے پانچویں کو آئے ہیں پوچھنے کو ملتا  
 رہا اور مہدستان سے چھپڑ میں جانکر ملتی‘ اُردو  
 پڑھانے والے ساتھی خط کے روپ میں ہی وہاں کی  
 چھپڑا‘ ان کی مہمانداری‘ انکی چھپڑا سے ہمیں پرچت  
 کرانے دھون کر۔۔۔ ایک پیر۔ ]

اس سال ہولمڈگ میں میں نے عہد مقدس . اُس کا  
دوئی بعد میں کروا . پہلے اچے بارے میں اور اچے چھٹی  
دوستوں کے بارے میں کہ لوں .

یہاں کے لوگ بہت سی اچھے ہیں۔ ہم لوگوں کی  
 ٹراسی تکلیف پر بے چاروں ہوجاتے ہیں۔ ہم لوگوں کو  
 سب سے اچھا ہسپتال دینے کو دیا گیا ہے۔ اس میں  
 کھول ہندستانی ہی رہتے ہیں۔ ہم لوگوں کا دسویں گھر  
 الگ ہے۔ اس میں شدہ ہندستانی کھانا پکاتا ہے۔ دسویں  
 گھر کی مالک پرہیا بھابی ہیں۔ سب شاگاماری ہو جاتی  
 کرتے ہیں اور میں بھی ساگ سبزی کا آئندہ لیتا ہوں۔



پیسے پیسے انجمنوں کا سہارا لیا جاتا ہے جو نیراچار ہیں۔ ہمیں ان انجمنوں میں اپنی ہی جینس سے کام لینا پڑتا ہے۔ انجمن کرنے والے کو دیکھتی ملتے ہیں جو ایک دوسرے سے جلتے ہیں، ہمیں یہی ملتی ہے جو اپنے بچوں سے پیار نہیں کر سکتی، پیسے بھاری دیکھتے ہیں جو بیٹا کسی کارن کے آسمان پر کرتے ہیں۔

آکسمات پटना جو عام طریقے سے نہیں لگتی ہے لکھک کو آشوب کر سکتی ہے، لیکن وہ اس کو دھکے دے یا کچھ دنوں کے بعد چھوڑے گا تو نہیں لگے گا۔ ایک آدمی یا ایک لکھک دوسروں کی طرح لکھک کو بھی آشوبہ میں ڈال سکتی ہے لیکن اگر ملکہ کی لکھک مانتے ہیں اس میں نہیں ہے تو وہ آدمی یا لکھک لکھک کو یاد نہیں دے سکتی۔ ایلماس کے چتر نہ تو تصویروں کا الہم ہوتے ہیں اور نہ تو دھنوں کی ایسی قائل ہوتے ہیں جو دیکھوں کے بارے میں جانکاری رکھنے والے دھماکے کے طور پر دھتے ہیں۔ یہ چتر کا لکھک ہوتے ہوئے ہی استوک ہوتے ہیں۔ لکھک کو چھوڑ دو دیکھتے اور اس کو اتر دیکھتے اور وہاں ہوتے۔ اسی وردان سے وہ اپنی دھماکے کے چتروں میں جان بھدا کرتے ہیں۔

اپنی بھدا دھماکے ہوتے چتروں سے لکھک دنیا کو آباد کرتا ہے۔ کئی ہوائی قوت کے ”وٹ ورس او“ لکھا۔ کیا اس دھماکے سے پہلے دوس میں کوئی چالسکی جیسا آدمی تھا؟ لکھک ایسے لوگ تھے لکھک ان کو خود پتہ نہیں تھا کہ وہ دنیا میں اور ان کے ارد گرد کے لوگ بھی اچھی طرح سے نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا ہیں۔ اس دستک کے بعد لوگوں کے بارے میں پتہ چلے گا کہ ”یہ ایک چالسکی ہیں۔“ کوکول نے بہت سے دیکھوں کو پھوڑوں تک زندہ رکھا۔ آج بھی جب لوگ کسی چھوٹے یا لکھک کی دھماکے میں جلتے ہیں تو اُسے چالسکیوں کا نام دیتے ہیں۔ نوجوان لوگ لکھک اسکا اور جیسا نامی لوگوں سے ایسے دھم کرتے ہیں جو وہ ”سچ“ ہی دنیا میں موجود ہیں۔ گورکی کی ایلماس ”ماں“ کی لکھک ہم کو انہاسی دیکھتی معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے لکھک وہ ایسا چتر نہیں ہے جس کا گورکی نے لکھا تھا کہ بلکہ وہ چھتی چالسکی صورت معلوم ہوتی ہے۔

پانچویں صدی میں جیمز لکھک میں ہولمٹ نامی لکھک کوئی شہزادہ تھا؟ یا قمارک کے انہاس کوئلے والوں نے اس نام کے شہزادے کا لکھک کیا ہے؟ آج اس انہاس کی کسی کو کوئی مطلب نہیں ہے۔ قمارک میں ہولمٹ کی لکھک دیکھائی جاتی ہے۔ وہاں جانے والے لوگ اس کا لکھک لکھ کو فور سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے اس میں کوئی بھی شک نہیں ہے کہ ہولمٹ ہاؤس کے لکھک کا پتہ تھا اور وہ چتر اس دنیا میں موجود تھا کہ لکھک وہ ایسا لکھک

پانچویں صدی میں جیمز لکھک میں ہولمٹ نامی لکھک کوئی شہزادہ تھا؟ یا قمارک کے انہاس کوئلے والوں نے اس نام کے شہزادے کا لکھک کیا ہے؟ آج اس انہاس کی کسی کو کوئی مطلب نہیں ہے۔ قمارک میں ہولمٹ کی لکھک دیکھائی جاتی ہے۔ وہاں جانے والے لوگ اس کا لکھک لکھ کو فور سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے اس میں کوئی بھی شک نہیں ہے کہ ہولمٹ ہاؤس کے لکھک کا پتہ تھا اور وہ چتر اس دنیا میں موجود تھا کہ لکھک وہ ایسا لکھک

پانچویں صدی میں جیمز لکھک میں ہولمٹ نامی لکھک کوئی شہزادہ تھا؟ یا قمارک کے انہاس کوئلے والوں نے اس نام کے شہزادے کا لکھک کیا ہے؟ آج اس انہاس کی کسی کو کوئی مطلب نہیں ہے۔ قمارک میں ہولمٹ کی لکھک دیکھائی جاتی ہے۔ وہاں جانے والے لوگ اس کا لکھک لکھ کو فور سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے اس میں کوئی بھی شک نہیں ہے کہ ہولمٹ ہاؤس کے لکھک کا پتہ تھا اور وہ چتر اس دنیا میں موجود تھا کہ لکھک وہ ایسا لکھک

پانچویں صدی میں جیمز لکھک میں ہولمٹ نامی لکھک کوئی شہزادہ تھا؟ یا قمارک کے انہاس کوئلے والوں نے اس نام کے شہزادے کا لکھک کیا ہے؟ آج اس انہاس کی کسی کو کوئی مطلب نہیں ہے۔ قمارک میں ہولمٹ کی لکھک دیکھائی جاتی ہے۔ وہاں جانے والے لوگ اس کا لکھک لکھ کو فور سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے اس میں کوئی بھی شک نہیں ہے کہ ہولمٹ ہاؤس کے لکھک کا پتہ تھا اور وہ چتر اس دنیا میں موجود تھا کہ لکھک وہ ایسا لکھک

پانچویں صدی میں جیمز لکھک میں ہولمٹ نامی لکھک کوئی شہزادہ تھا؟ یا قمارک کے انہاس کوئلے والوں نے اس نام کے شہزادے کا لکھک کیا ہے؟ آج اس انہاس کی کسی کو کوئی مطلب نہیں ہے۔ قمارک میں ہولمٹ کی لکھک دیکھائی جاتی ہے۔ وہاں جانے والے لوگ اس کا لکھک لکھ کو فور سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے اس میں کوئی بھی شک نہیں ہے کہ ہولمٹ ہاؤس کے لکھک کا پتہ تھا اور وہ چتر اس دنیا میں موجود تھا کہ لکھک وہ ایسا لکھک

लिये कलाकार की ऊपरी दृष्टि को उस अनुभव से मिलाना पड़ता है जो दूसरों का है और जो बातें उन भावों के बारे में दूसरों ने कही हैं उन्हें भी उसे समझना होता है। नब ही उसके चरित्रों में समाज की भांकी मिलती है और यह चरित्र एक नमूना होते हैं। नमूने के बारे में जो आम तर्क से समझा जाता है वह सत्य है। गिन्ती से नमूने का कोई सम्बन्ध नहीं है। अगर उपन्यास के चरित्र की तरह तीस लाख आदमी हैं तो यह कहना नामुमकिन है कि एक नमूने का चरित्र पेश करने में लेखक सफल रहा है और अगर उस चरित्र से मेल खाने वाले तीन हजार ही आदमी हैं तो यह कहना भी असम्भव है कि लेखक विफल रहा है। जैसा समाज होता है वैसा ही लेखक का जीवन होता है और जीवन के पदों पर जो घटनाएँ हो रही हैं उन्हीं को लेखक दिखाता है। जीवन के घेरे से बाहर की कोई चीज़ वह पेश नहीं करता, वह आदमियों और राष्ट्रों का अमली जीवन चित्रित करता है। जहाँ तक गिन्ती का सर्वाल है वहाँ तक वास्तविकी के चरित्र नमूने के चरित्र नहीं हैं। लेकिन फिर भी अपने समय के रूमी प्रगतिशील दल की धुंधली आशा और गुस्से का उन्होंने अपनी रचनाओं में पेश किया है। गांधीजी ने आबाकीमोफ के चरित्र का निर्माण इसलिये नहीं किया कि उनमें अनोखापन है बल्कि इसलिये कि उन जैसे लोगों के लिये समाज ने ऐसी परिस्थिति पैदा कर दी है जिसमें वह हमेशा दुखी रहते हैं। 'अन्नाकेना' का प्रेम बेमिसाल है, उसमें बहुत गहराई है, लेकिन फिर भी सब लोग उसे समझ लेते हैं। हमारे समय के बुजबार्ड लेखक आज इतने बाँक क्यों हैं? कारन यह है कि वह जीवन से भागते हैं और अपनी रचनाओं में ऐसे लोगों का चित्रन करते हैं जो किसी रूप में भी दूसरे से नहीं मिलते इसमें कोई शक नहीं कि ऐसे लोग मौजूद हैं और यह भी हो सकता है कि उन लोगों की तादाद हमारे अनुमान से ज्यादा हो। लेकिन ऐसे लोगों का चित्रन पाठक के हृदय को नहीं छूता, क्योंकि उपन्यास में वह अपने और अपने युग की भांकी को ढँढता है। मैं नहीं मानता हूँ कि स्टैन्डहल के समय में फ्रांस के हर गली कूचे में जूलियन सारिल या लुथियन लेविन मिल सकते थे। मेरा ख्याल है ऐसे चरित्र युरिफिल से मिलते हैं, लेकिन यह चरित्र भावों और झुकावों को इस तरह से पेश करते हैं जिस से समय की परिस्थिति का पता चलता है और यही भाव और रुझान आज भी मौजूद हैं, केवल उनका रूप बदल गया है। इसी कारन स्टैन्डहल आज तक पढ़े जाते हैं और भविष्य में भी बहुत दिनों तक पढ़े जाते रहेंगे।

आधुनिक बुजबार्ड उपन्यास के चरित्रों में मानसिक भाव नहीं है बल्कि उनका आधार अजूबेपन पर है और

लुकी क्लार्क को अप्रिय शहर को उस नमूने से मिला होता है जो दूसरों का है और जो बातें उन भावों के बारे में दूसरों ने कही हैं उन्हें भी उसे समझना होता है। नब ही उसके चरित्रों में समाज की भांकी मिलती है और यह चरित्र एक नमूना होते हैं। नमूने के बारे में जो आम तर्क से समझा जाता है वह सत्य है। गिन्ती से नमूने का कोई सम्बन्ध नहीं है। अगर उपन्यास के चरित्र की तरह तीस लाख आदमी हैं तो यह कहना नामुमकिन है कि एक नमूने का चरित्र पेश करने में लेखक सफल रहा है और अगर उस चरित्र से मेल खाने वाले तीन हजार ही आदमी हैं तो यह कहना भी असम्भव है कि लेखक विफल रहा है। जैसा समाज होता है वैसा ही लेखक का जीवन होता है और जीवन के पदों पर जो घटनाएँ हो रही हैं उन्हीं को लेखक दिखाता है। जीवन के घेरे से बाहर की कोई चीज़ वह पेश नहीं करता, वह आदमियों और राष्ट्रों का अमली जीवन चित्रित करता है। जहाँ तक गिन्ती का सर्वाल है वहाँ तक वास्तविकी के चरित्र नमूने के चरित्र नहीं हैं। लेकिन फिर भी अपने समय के रूमी प्रगतिशील दल की धुंधली आशा और गुस्से का उन्होंने अपनी रचनाओं में पेश किया है। गांधीजी ने आबाकीमोफ के चरित्र का निर्माण इसलिये नहीं किया कि उनमें अनोखापन है बल्कि इसलिये कि उन जैसे लोगों के लिये समाज ने ऐसी परिस्थिति पैदा कर दी है जिसमें वह हमेशा दुखी रहते हैं। 'अन्नाकेना' का प्रेम बेमिसाल है, उसमें बहुत गहराई है, लेकिन फिर भी सब लोग उसे समझ लेते हैं। हमारे समय के बुजबार्ड लेखक आज इतने बाँक क्यों हैं? कारन यह है कि वह जीवन से भागते हैं और अपनी रचनाओं में ऐसे लोगों का चित्रन करते हैं जो किसी रूप में भी दूसरे से नहीं मिलते इसमें कोई शक नहीं कि ऐसे लोग मौजूद हैं और यह भी हो सकता है कि उन लोगों की तादाद हमारे अनुमान से ज्यादा हो। लेकिन ऐसे लोगों का चित्रन पाठक के हृदय को नहीं छूता, क्योंकि उपन्यास में वह अपने और अपने युग की भांकी को ढँढता है। मैं नहीं मानता हूँ कि स्टैन्डहल के समय में फ्रांस के हर गली कूचे में जूलियन सारिल या लुथियन लेविन मिल सकते थे। मेरा ख्याल है ऐसे चरित्र युरिफिल से मिलते हैं, लेकिन यह चरित्र भावों और झुकावों को इस तरह से पेश करते हैं जिस से समय की परिस्थिति का पता चलता है और यही भाव और रुझान आज भी मौजूद हैं, केवल उनका रूप बदल गया है। इसी कारन स्टैन्डहल आज तक पढ़े जाते हैं और भविष्य में भी बहुत दिनों तक पढ़े जाते रहेंगे।

نیا لکھنا  
 چرित्रों का निर्माण करते समय उन तर्कों के हिस्सों को लेखक बदल देता है जिन से कि वह व्यक्ति बना है उस व्यक्ति की आगे बढ़ने और पीछे हटने की सम्भावना को भी वह बदल देता है.

एक चरित्र में बहुत से व्यक्ति छुपे होते हैं

जब 'गोया' ने लड़ाई के भयानक दृश्यों का चित्रन किया तो इन्सानि जिस्म के चीर फाड़ के से निकलने वाले नलीजों की उसने काई परवाह नहीं की, लेकिन डेढ़ सौ बरस बाद इसकी रचना ने हमें ताज्जुब में डाल दिया. जिस तरह का चित्रन उस ने उस समय किया है वह बिल्कुल सच है. लड़ाई की जो तस्वीर उसने खींची है वह उन चित्रों के मुकामिले में सचवाई के बहुत नमूनाक है जो कि कैनाबस पर लड़ाई का दृश्य खींचने वालों ने हर देश और हर युग में खींचा है.

आम तर्कों से नाबिल के चरित्र एक व्यक्ति के चरित्र की नक़ल नहीं हाते बल्कि वह बहुत स व्यक्तिओं के चरित्र की मिली जुला तस्वीर होत हैं. इन की बनान में लेखक बहुत स व्यक्तियों से मिलता है. अपने निर्मित चरित्र में लेखक अपने जीवन का अनुभव भर देता है. लेखक के उपन्यास और कहानी का पढ़ कर नजदीकी दोस्तों को ताज्जुब होता है क्योंकि उन्हें पता चलता है कि जाना पहचाना घटना का रूप बदल गया है, क्योंकि उन्हें अपने शब्द दूसरे के मुँह से सुनने को मिलते हैं, क्योंकि उन्हें दिखाई पड़ता है कि लेखक ने अपने एक पुराने दोस्त का ऊपरी हाँचा एक ऐसे व्यक्त का उड़ा दिया है जिसकी जीवन कथा उस दास्त से बिल्कुल अलग है.

आधुनिक लेखक के दिमाग में तरह तरह के विचार उठते रहते हैं और वह उन का प्रयोग किया करता है. इन विचारों की जानकारी हासिल करना बुरा मुश्किल है. हालांकि वह बिल्कुल हमारे बगल में रहता है लेकिन उसक चरित्र और उसकी जीवन कथा से हम पूरी तरह वाक़फ़ नहीं होते. लेकिन अगर हम इस भेद का मालूम करना चाहते हैं कि प्रमानित उपन्यासों के चरित्र कैसे पैदा हुए हैं तो हमें लेखक के पत्रों का सहारा लेना पड़ेगा, उसका डायरी और नोटबुक को पढ़ना पड़ेगा और उस समय के दूसरे लेखकों के सख़्तमन से मदद लेना पड़ेगा. इस तरह हम देखते हैं कि आम तरीक़े से उपन्यास के चरित्र का निर्माण उस व्यक्ति पर आधारित नहीं है जिस के व्यक्तित्व ने लेखक को आकर्षित किया है. लेखक बहुत से लोगों के व्यक्तित्व पर विचार करता है और तब जाकर अपने उपन्यास का चरित्र निर्माण करता है.

ऊपरी नज़र से देख कर रचना के चरित्र नहीं पैदा किये जा सकते. पक्का वास्तविक चरित्र पैदा करने के

चरित्रों का निर्माण करते हैं. उन दृश्यों के حصों को लेखक बदल देता है जो से कि वह व्यक्ति बना है उस व्यक्ति की आगे बढ़ने और पीछे हटने की सम्भावना को भी वह बदल देता है.

एक चरित्र में बहुत से व्यक्ति छुपे होते हैं

जब 'गोया' ने लड़ाई के भयानक दृश्यों का चित्रन किया तो इन्सानि जिस्म के चीर फाड़ के से निकलने वाले नलीजों की उसने काई परवाह नहीं की, लेकिन डेढ़ सौ बरस बाद इसकी रचना ने हमें ताज्जुब में डाल दिया. जिस तरह का चित्रन उस ने उस समय किया है वह बिल्कुल सच है. लड़ाई की जो तस्वीर उसने खींची है वह उन चित्रों के मुकामिले में सचवाई के बहुत नमूनाक है जो कि कैनाबस पर लड़ाई का दृश्य खींचने वालों ने हर देश और हर युग में खींचा है.

आम तर्कों से नाबिल के चरित्र एक व्यक्ति के चरित्र की नक़ल नहीं हाते बल्कि वह बहुत स व्यक्तिओं के चरित्र की मिली जुला तस्वीर होत हैं. इन की बनान में लेखक बहुत स व्यक्तियों से मिलता है. अपने निर्मित चरित्र में लेखक अपने जीवन का अनुभव भर देता है. लेखक के उपन्यास और कहानी का पढ़ कर नजदीकी दोस्तों को ताज्जुब होता है क्योंकि उन्हें पता चलता है कि जाना पहचाना घटना का रूप बदल गया है, क्योंकि उन्हें अपने शब्द दूसरे के मुँह से सुनने को मिलते हैं, क्योंकि उन्हें दिखाई पड़ता है कि लेखक ने अपने एक पुराने दोस्त का ऊपरी हाँचा एक ऐसे व्यक्त का उड़ा दिया है जिसकी जीवन कथा उस दास्त से बिल्कुल अलग है.

आधुनिक लेखक के दिमाग में तरह तरह के विचार उठते रहते हैं और वह उन का प्रयोग किया करता है. इन विचारों की जानकारी हासिल करना बुरा मुश्किल है. हालांकि वह बिल्कुल हमारे बगल में रहता है लेकिन उसक चरित्र और उसकी जीवन कथा से हम पूरी तरह वाक़फ़ नहीं होते. लेकिन अगर हम इस भेद का मालूम करना चाहते हैं कि प्रमानित उपन्यासों के चरित्र कैसे पैदा हुए हैं तो हमें लेखक के पत्रों का सहारा लेना पड़ेगा, उसका डायरी और नोटबुक को पढ़ना पड़ेगा और उस समय के दूसरे लेखकों के सख़्तमन से मदद लेना पड़ेगा. इस तरह हम देखते हैं कि आम तरीक़े से उपन्यास के चरित्र का निर्माण उस व्यक्ति पर आधारित नहीं है जिस के व्यक्तित्व ने लेखक को आकर्षित किया है. लेखक बहुत से लोगों के व्यक्तित्व पर विचार करता है और तब जाकर अपने उपन्यास का चरित्र निर्माण करता है.

ऊपरी नज़र से देख कर रचना के चरित्र नहीं पैदा किये जा सकते. पक्का वास्तविक चरित्र पैदा करने के

एक कलाकार प्रकृति की नक़्क़त नासमझी से नहीं करता. प्रकृति को वह बदलता है और इस बदलाव से ऐसा रूप पैदा करता है जो असली बन जाता है. वां प्रेमियों की बात चीत अगर कोई शार्टहेन्ड में लिख ले तो उनका महत्व बहुत नहीं होगा और वह अधिक बनावटी दिखाई पड़ेगी. इसके मुक़ाबिले में ऐसी बात चीत का चित्रन जब एक महान लेखक करता है तो उसका बड़ा महत्व होता है और वह बातें सचची माख़ूम होती हैं. लेखक इस बात चीत को सचवाई से मिलाता है, कुछ चीखों का छोड़ देता है और कुछ का स्थान बदल देता है और साथ में वह बातें भी जोड़ देता है जो प्रेमियों ने सोची अवश्य हैं लेकिन जो उनके मुँह से नहीं निकली हैं. रंगीन फ़ोटोग्राफी ( जैसे पेन्टिंग, जो फ़ोटोग्राफी का तरह होता है ) क्याण्ड को कुरूप दिखाती है क्योंकि यह उसके ऊपरी बनाव का चित्रन करती है और वा क्यादा से क्यादा काहिरी भावों को दिखा पाती है. असली कलाकार क्याण्ड के अन्दरूनी और बाहरी जीवन के मेल को दिखाता है और अपने हीरो के क्याण्ड को उभारता है.

ایک کلاڑ پروکرتی کی نقل ناسمجھی سے نہیں کرتا۔ پروکرتی کو وہ بدلتا ہے اور اس بدلاؤ سے ایسا روپ پیدا کرتا ہے جو اصلی ہی جاتا ہے۔ دو پریموں کی بات چیت اگر کوئی شادت ہوگئی تھی لکھ لے تو اُن کا بہتو بہت نہیں ہوا اور وہ ادھک ہمداننی دکھائی پڑتی تھی۔ اُس کے مقابلے میں ایسی بات چیت کا چترن جب ایک مہان لکھک کرتا ہے تو اُس کا ہوا بہتو ہوتا ہے اور وہ ہاتھ سجی معلوم ہوتی ہیں۔ لکھک اِس بات چیت کو سچائی سے ملاتا ہے، کچھ چہروں کو چہرہ دیتا ہے کچھ کا استہان بدل دیتا ہے اور ساتھ میں وہ ہاتھ بھی چرور دیتا ہے جو پریموں نے سوچی آؤتہ ہیں لکھن جو اُن نے منہ سے نہیں نکالی ہیں۔ رنگین فوٹو گرافی ( جوہر ہولنگنگ جو فوٹو گرافی کی طرح ہوتی ہے ) دیکھتی تو کوہر دہائی ہے کیونکہ یہ اُس نے اوہری بدلاؤ کا چترن کرتی ہے اور یہاں سے زیادہ ظاہری ہواؤں کو دہا پاتی ہے۔ اصلی نگار دیکھتی کے اندر دہائی اور باہری چہروں کے مہل کو دہاتا ہے اور اچھ ہوروں کے دیکھتو کو اُہارتا ہے۔

بیکوف کے یوں میں روس میں چور کائناتکاری موجد ہے۔ یہ لوگ بدعنوان تھے اور ان کے ارادے مضبوط تھے۔ لیکن چھوٹے نے اُن مرد اور عورتوں کا چکر لگایا جو کہ چھوٹے میں ناکام تھے، ہر وقت پہلوں کی دنیا میں رہتے تھے، بہت ہی ٹھیک آدمی تھے لیکن زندگی کے بھولتے ہیں اور نہجنگ کے حالات پریشان تھے۔ چھوٹے کے فلسفوں اور پتہ جب ہم پڑتے تو ہمیں چھوٹے کا یہ روپ دکھائی پڑتا ہے: وہ بہت ہی سچے پڑھے ہیں، دلوں میں قویہ دھمکے ہیں، کسی کے زور سے بولنے پر جب ہو جاتے ہیں، چھوٹے چھوٹے کی ہوسختیوں سے دور بھاگتے ہیں اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کی وہمگاہوں اور گمراہیوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اُن کا یہی روپ چھوٹے تھیں سادہ سادہ میں بھی موجود ہے۔ وہ اپنے اسی روپ کے انداز پر چہرہ کو چلتے تھے اور اسی سے چہرہ کے سمندر میں ان کے رخ کا پتہ چلتا ہے۔

”پورٹوک“ دوستوئیسکی نے اپنی جوانی میں لکھا ہے۔ ”فی پروڈوس کو۔ آؤف“ انہوں نے بعد میں لکھی۔ لیکن پہلی ہفتک سے لے کر آنت تک انہوں نے عورتوں کے اندر کی دنیا کا گہرا چکر لگایا تھا۔ انہوں نے عورتوں کو کھول بھاگنے کا روپ دیا ہے اور وہ رجحان میں ہورو کا بھانپنے پتہ کے لئے آتی ہیں۔ اُن کے اہلیاسوں میں نہ ایسی پریم ہے اور نہ دوستی۔ اِس بات کا سمندر خود ان کے چہرے سے ہے۔ یہ چہرے ان کے بھاؤ، ان کے اکہلے پن اور ان کی سخت زندگی میں چھوٹی ہے۔

جب کوئی لکھک ایسے لوگوں کا چکر لگاتا ہے چاہوں وہ نہیں جانتا یا چاہوں وہ نہیں سمجھتا تو ہمیشہ اسے ناکامی ہوتی ہے۔ لکھک چاہے جس کارن سے ایسا کرے اسے کامیابی کبھی نہیں ہو سکتی۔

پورٹوکائی ویکٹی واد کے چہرہ کو اِوام لگاتے ہیں کہ ویکٹی کو سماج واد میں ختم کر دیا جاتا ہے۔ لیکن واستوکتا اِس کے خلاف ہے۔ ویکٹی کے پہلے پہلوں میں سماج واد مدد دیتا ہے۔ امریکہ ایسا دیہی ہے جہاں پوداوار کے سادہ ویکٹیوں کے حالات میں ہوتے ہیں، جہاں اِس قہنگ کے آرہک قہانچے کی پوجا ہوتی ہے، جہاں پونچھی واد کو دھرم کا روپ دے دیا گیا ہے، وہاں ہر روز سب کو ایک طرح کے قہانچے میں قہلا جا رہا ہے، اِس کی آندا کو ایک چوسا بنایا جا رہا ہے اور یہ کام خوب تیزی سے ہو رہا ہے۔ دوسری طرف ہم اِس واستوکتا کی قدر کرتے ہیں کہ دوسری مرد اور عورت ایک آدھی دھمکے ہوئے ہیں ایک دوسرے سے ہیں۔ وہ ایک ہیں پر ایک ہی بناوٹ الگ الگ ہے۔ کسی لکھک سے یہ مانگ کر ہے کہ وہ ہر چیز و ہر مشیہ کا چکر لگے۔ ہم ایسا کہہ کر سکتے ہیں اور ہمیں ایسا کرنا بھی

بیکوف کے یوں میں روس میں چور کائناتکاری موجد ہے۔ یہ لوگ بدعنوان تھے اور ان کے ارادے مضبوط تھے۔ لیکن چھوٹے نے اُن مرد اور عورتوں کا چکر لگایا جو کہ چھوٹے میں ناکام تھے، ہر وقت پہلوں کی دنیا میں رہتے تھے، بہت ہی ٹھیک آدمی تھے لیکن زندگی کے بھولتے ہیں اور نہجنگ کے حالات پریشان تھے۔ چھوٹے کے فلسفوں اور پتہ جب ہم پڑتے تو ہمیں چھوٹے کا یہ روپ دکھائی پڑتا ہے: وہ بہت ہی سچے پڑھے ہیں، دلوں میں قویہ دھمکے ہیں، کسی کے زور سے بولنے پر جب ہو جاتے ہیں، چھوٹے چھوٹے کی ہوسختیوں سے دور بھاگتے ہیں اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کی وہمگاہوں اور گمراہیوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اُن کا یہی روپ چھوٹے تھیں سادہ سادہ میں بھی موجود ہے۔ وہ اپنے اسی روپ کے انداز پر چہرہ کو چلتے تھے اور اسی سے چہرہ کے سمندر میں ان کے رخ کا پتہ چلتا ہے۔

”پورٹوک“ دوستوئیسکی نے اپنی جوانی میں لکھا ہے۔ ”فی پروڈوس کو۔ آؤف“ انہوں نے بعد میں لکھی۔ لیکن پہلی ہفتک سے لے کر آنت تک انہوں نے عورتوں کے اندر کی دنیا کا گہرا چکر لگایا تھا۔ انہوں نے عورتوں کو کھول بھاگنے کا روپ دیا ہے اور وہ رجحان میں ہورو کا بھانپنے پتہ کے لئے آتی ہیں۔ اُن کے اہلیاسوں میں نہ ایسی پریم ہے اور نہ دوستی۔ اِس بات کا سمندر خود ان کے چہرے سے ہے۔ یہ چہرے ان کے بھاؤ، ان کے اکہلے پن اور ان کی سخت زندگی میں چھوٹی ہے۔

جب کوئی لکھک ایسے لوگوں کا چکر لگاتا ہے چاہوں وہ نہیں جانتا یا چاہوں وہ نہیں سمجھتا تو ہمیشہ اسے ناکامی ہوتی ہے۔ لکھک چاہے جس کارن سے ایسا کرے اسے کامیابی کبھی نہیں ہو سکتی۔

پورٹوکائی ویکٹی واد کے چہرہ کو اِوام لگاتے ہیں کہ ویکٹی کو سماج واد میں ختم کر دیا جاتا ہے۔ لیکن واستوکتا اِس کے خلاف ہے۔ ویکٹی کے پہلے پہلوں میں سماج واد مدد دیتا ہے۔ امریکہ ایسا دیہی ہے جہاں پوداوار کے سادہ ویکٹیوں کے حالات میں ہوتے ہیں، جہاں اِس قہنگ کے آرہک قہانچے کی پوجا ہوتی ہے، جہاں پونچھی واد کو دھرم کا روپ دے دیا گیا ہے، وہاں ہر روز سب کو ایک طرح کے قہانچے میں قہلا جا رہا ہے، اِس کی آندا کو ایک چوسا بنایا جا رہا ہے اور یہ کام خوب تیزی سے ہو رہا ہے۔ دوسری طرف ہم اِس واستوکتا کی قدر کرتے ہیں کہ دوسری مرد اور عورت ایک آدھی دھمکے ہوئے ہیں ایک دوسرے سے ہیں۔ وہ ایک ہیں پر ایک ہی بناوٹ الگ الگ ہے۔ کسی لکھک سے یہ مانگ کر ہے کہ وہ ہر چیز و ہر مشیہ کا چکر لگے۔ ہم ایسا کہہ کر سکتے ہیں اور ہمیں ایسا کرنا بھی

یہی بات لوہک کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔ کسی چیز کی جاپ اس کے دماغ پر پڑتی ہے اور دوسری چیز سے وہ کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔ اس کا کارن یہ نہیں ہے کہ لوہک بولنے پر ہی بہت مہم ہے یا وہ بہت ہوشیار ہے۔ اس کا کارن یہ ہے کہ لوہکوں کی پرکری اور جنوں کی وہوشی ہے۔ ہر لوہک کسی سمجھا کی ہے۔ وہ بولنے جاتا ہے، کسی کے ہرے میں اتر جاتا ہے اور کسی کو بالکل نہیں سمجھ پاتا ہے اور اگر سمجھتا بھی ہے تو اس کی جانکاری اوہی ہوتی ہے۔ دلوں کی کلفتی لوہکوں کے پاس ہوتی ہے۔ کسی کے پاس کم دلوں کی کلفتی ہوتی ہے اور کسی کے پاس زیادہ دلوں کی۔ لیکن آج تک کوئی ایسا لوہک نہیں ہوا جو سارے دلوں کی کلفتی رکھتا ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ لوہک اپنی دجلاؤں میں گھوم پھر کر وہی کے وہی چترن نرمان کرتے ہیں۔ جب ہم پرانے سامعہ کی بات کرتے ہیں تو اسی انداز پر ہم "ٹرگلو کی سندریاں" اور "چے کونے کے چترن" کی چرچا کرتے ہیں۔ اس قسم کے چترنوں کے نرمان کا سہلہہ یک سے نہیں ہے۔ لوہکوں کی وہوشیاں نے انہیں خود چلا ہے۔ کہا ٹرگلو کے یک میں مسئلہ اور شکتی پوشک استریاں نہیں تھیں؟ کہا اس یک میں ہووگ ولس سے لوگ آئندہ نہیں ہوتے تھے؟ کہا وہ انرمان نہیں کرتے تھے اور ہوشیہ ہائی نہیں کیا کرتے تھے؟ کہا اس سے کوئی پریم سہلہہ سکھ دایک ثابت نہیں ہوا؟ ٹرگلو نے مسئلہ اور شکتی آپسک استریوں کا چترن کیا ہے؟ سکھ دیلم والے پریم سہلہہوں کا بھی ورنی انہوں نے کیا ہے۔ لیکن ان ہورولن کا جو "ٹرگلوں کی سندریاں" کہلاتی ہیں ان کا چترن انہوں نے خاص پرہاؤ سے کیا ہے اور ان کو نہا ارنہ پھلایا ہے۔

اس بات کو ٹرگلو کے ساتھ لوہک اور دارشلک ہوتوں کے انداز پر نہیں ہمان کیا جا سکتا۔ یہ بہت اس بات میں ہوتی ہے کہ ٹرگلو کوئلہ یا شہلنگ سے پریم کرتے تھے۔ اصل میں ٹرگلو کو ابھائی اور پرتز سندریوں کے عکس کی ضرورت تھی جس کی مدد سے وہ "ہوکر لوگوں" کے سماج کا چترن کر سکیں اور کلن لوگوں کے قہقہے ہونے سماج کی تصویر پیش کر سکیں۔ اس پر بھی آپ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ ان چترنوں کے نرمان میں ٹرگلو کے انہورولن کا ہاتھ ہے۔ ٹرگلو شاید ہی کسی ایسے چترن سے بہترارتہ جنوں میں ملے ہوں۔ لیکن ان کا خود کا چترن اور جنوں "ٹرگلو سندریوں" میں سے کسی ایک چترن اور اس کے ہمانیہ کی اثر یاد دلانا ہے۔



ان کی پوری دستہاں ہیں گھٹیں ۔ کورولنگو کو بھی لگا  
 ۴۰۔ یہ لوگ ساتھ ہی کے مہمان ہوں جب الہیہ تو ان کے  
 ہاں درجنوں کتاہوں کا مواد تھا، ان کے آٹک کپان کا  
 ہنگامہ بھرا پڑا تھا ۔

”قیود کو پر لہلہا“ ”اولہر ترست“ اور ”لقل قودت“  
 لکھنے سے پہلے قاس نے ہمانک پرستہ جہوں کا انہوں  
 کہا تھا۔ انہوں میں مہکوں کے پہاڑ تو تھے انہوں  
 سختہاں جہوں کی تھی انہوں ایک لوہار کے کوہ نام کرنا  
 ہوا تھا۔ ہانوک نے ایک دفتر میں کام کیا۔ کچھ دنوں  
 پہلے ہار کرتے رہ جس میں کبھی سہل نہ ہوئے۔ انہوں  
 نے فرانسیسی ہڑوائی ساج کے قم قصوں، دکھ سکھ، جوش  
 نراشا کا انہوں کہا اور بعد میں ان سب کا وزن اپنی  
 دجلاؤں میں کیا۔

پونجی وادی دیشوں میں لکھکر چھوڑا کرتا بہت ہی مشکل ہے۔ پوشہ روز لکھکر بلانے سے پہلے پچھمی یورپ اور خاص کر کے امریکہ کے بہت سے مشہور لکھکر یا مزدوری کرتے تھے یا ڈاک بانٹتے تھے یا جہازوں پر مال لادنے آتے تھے۔ ان میں سے کوئی کوئی سوکوں کے کبارے فریو کھینچتے تھے۔ کچھ بال بلانے کا پوشہ کرتے تھے اور کچھ سولے کی کانوں کی کھوپڑیوں میں سارے سارے پونجی تھے۔ ان لوگوں کی بہت سے انسانوں سے ملاقات ہوئی۔ ان کو بہت سے اٹھل پھل سے گزرنا پڑا۔ ان انہیں سے اگلا ساس لکھنے میں ان لکھکوں کو سہایتا ملی۔ انہیں نے پونجی وادی سماج کے کالہ دیں کو خود انہیں کیا اور اس سماج کے اس پہلو کا اپنی دھناؤں میں پورا وزن کیا۔

ادعوں دجنا کی سہمی ہے

دھنیا کرنے کے لئے آدھین ضروری سمجھی ہے۔ لکھنک  
 لکھنکو جو کام کرتا ہے پائٹک وہی کام پوہ کر کرتا ہے۔  
 کہانی میں جو تفصیل اشاروں میں دی جاتی ہے اسے  
 پائٹک کی کہانی کہتی پوری کہلاتی ہے۔ یہ کام وہ اپنے  
 انوپہو کے گھر کے اندر ہی کرتا ہے۔ انگ انگ  
 پائٹک اٹھاس کے انگ انگ چتروں کو اپنے رنگ  
 میں رنگ دیتی ہے یا اسے بے رنگ بنا دیتی ہے، چتر  
 کو اوپر اٹھا دیتی ہے یا اس کی اہمیت کو بہت ہی کم  
 کر دیتی ہے۔ بہت سی پائٹک گاندنرسوں میں سے  
 اس بات کا انوپہو ہوا ہے۔ ان گاندنرسوں میں جب  
 سہرے اٹھاسوں پر چرچا چلی ہے تو یہ اچھا ہی سہرا  
 دھنیا اپنی بہت سی ساتھ یک غلطیوں کی طرف لگا  
 ہے اور اس بات کا بھی انوپہو ہوا ہے کہ ساتو پر کرتی ایک  
 دوسرے سے کشی رہی ہے۔ پائٹک ایک چتر کے ہر  
 میں اگر جانا ہے لکھن دوسرے کے پرتی وہ آدھین دھنیا ہے۔

وہ نے دوسروں سے सम्बन्ध स्थापित किये हों, उनकी समझ हो, उन सम्बन्धों के दुख सुख को खुद भोगा हो।

ऊपर जो बात मैंने कही है उससे मेरा मतलब यह नहीं है कि लेखक केवल उन्हीं चीजों का वर्नन करता है जिनका उसे अनुभव है। यही नहीं कि लेखक अपने खुद के अनुभवों को बदल देता है बल्कि वह अपने सुशाह्रों को भी बदल देता है। लेकिन वह हमेशा उन लोगों का ही वर्नन करता है जिनके विचारों और भावों को वह समझ सकता है। साहित्य का यह बहुत ही जरूरी तत्व है। चरित्रों के कारनामों को समझने के लिए लेखक के लिए इतना अनुभव जरूरी है जो इस बात को जाहिर कर सके कि वह परिस्थितियां कौन सी थीं और क्यों थीं जिन में चरित्र मरते जीते और काम करते हैं।

बारम्बार हमें यह दिखाई पड़ता है कि एक नौजवान लेखक उमरता है और पूरी तरह चमकने से पहले ही साहित्य का यह सितारा डूब जाता है। पहली पुस्तक निकलती है। उनमें लेखक की प्रतिभा दिखाई पड़ती है, लोगों का ध्यान वह अपनी तरफ खींचती है। लेकिन दूसरी पुस्तक के निकलने की नौबत नहीं आती। इस तरह के कुछ ऐसे भी लेखक हैं जिन की दूसरी पुस्तक भी निकलती है और उसके बाद तीसरी भी पढ़ने को मिलती है। लेकिन इन किताबों को पढ़कर पाठक का भ्रम दूर हो जाता है। इस तरह की दुखद घटना का सम्बन्ध उन लेखकों की जीवन कथा से होता है। एक नौजवान जीवन के संघर्ष में असली हिस्सा लेता है। वह एक इंजीनियर है, एक भूमि शस्त्री है, एक विद्यार्थी है, एक मजदूर है। उसे अनुभव होता रहता है और लिखने के लिए उसके पास कुछ जमा होता रहता है। अगर उसके पास रचना करने का प्रतिभा है तो वह पुस्तक के रूप में अपने अनुभव लिखता है। यह पुस्तक कामियाब होती है। लेकिन जब यही नौजवान पेशेवर लेखक बन जाता है तो वह अपने पिछले जीवन से बिल्कुल अलग हो जाता है। उस समय वह नए नए अनुभव नहीं कर पाता, नई नई समस्याएं वह देख नहीं पाता। उस नौजवान लेखक की दूसरी और तीसरी किताबें विफल रहती हैं क्योंकि वह अनुभव के आधार पर नहीं लिखी जातीं। ऐसी रचनाओं का आधार अटकल पर होता है, इनकी लिखने में लेखक साहित्यिक स्थितियों पर निर्भर करता है, इन पुस्तकों का बांचा पिटा पिटाया होता है।

याद कीजिए कि पुराने लेखकों का जीवन कितना पेचीदा और टेढ़ा मेढ़ा था। याद कीजिए कि साल्टी कोफ-संघर्ष को बहुत से शहरों में सरकारी नौकरी करनी पड़ी। वहां वह ऊंचे मोहरे पर रहे। दोस्तों वसकी को गुलामी की सजा मिली। मोर्ची जगह जगह मारे मारे फिरे। यही जगहें

میں نے دوسروں سے सम्बन्ध استعابیت کو کر لیا ہوں۔ ان سے سمجھا ہوا، ان سے سمجھنے کے دھم کو خود بہو ہوا ہو۔  
لوہر جو بات میں نے کہی ہے اس سے مورا مطلب نہیں ہے کہ لکھک ہول انہوں چہڑوں کا وزن کرنا، جن کا اے انہو ہے۔ یہی نہیں کہ لکھک اپنے خود انہوہوں کو بدل دیتا ہے بلکہ وہ اپنے مشاعروں کو بھی دل دیتا ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ ان لوگوں کا ہی وزن کرتا جن کے دھاروں اور بہاؤں کو وہ سمجھ سکتا ہے۔  
ماہکے کا یہ بہت ہی ضروری تھو ہے۔ چوتروں کے کارناموں کو سمجھنے کے لئے لکھک کے لئے اتنا انہوہ ضروری ہے جو اس بات کو ظاہر کر سکے کہ وہ درستہماں کونسی تھوں اور کبوں تھوں جن میں چوتروں مرنے جاتے اور کام کرتے تھوں۔

بارمبار ہمیں یہ دکھائی پوتا ہے کہ ایک نوجوان لکھک ابھرتا ہے اور پوری طرح چمکے سے پہلے ہی سامنے آ رہے ستارے قریب جاتا ہے۔ پہلی ہستک نکلتی ہے۔ اس میں لکھک کی پریتہما دکھائی پوتی ہے، لوگوں کا دھیان وہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔ لیکن دوسرے ہستک کے نکلتے ہی جوابت نہیں آتی۔ اس طرح کے کچھ ایسے بھی لکھک تھوں جن کی دوسری ہستک بھی نکلتی ہے اور اُس کے بعد تیسری بھی پڑھنے کو ملتی ہے۔ لیکن ان کتابوں کو پوکر پالک کا بہرہ دور ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی دھند لہٹا کا سمجھدہ ان لکھکوں کی جھوں کتا ہے ہوتا ہے۔  
ایک نوجوان جھوں کے شکرہش میں مٹی حصہ لہٹا ہے۔ وہ ایک انجیلہر ہے، ایک ہوسی شاستری ہے، ایک دیہاتہی ہے، ایک مزدور ہے۔ اے انہو ہوتا دھتا ہے اور لکھک کے لئے اس نے پاس کچھ جمع ہونا دھتا ہے۔ اگر اُس کے پاس دھتا کرنے کی پریتہما ہے تو وہ ہستک کے روپ میں اپنے انہو لکھتا ہے۔ یہ ہستک کا صاحب ہوتی ہے۔  
لیکن جب یہی نوجوان ہمیشہ وہ لکھک ہی جاتا ہے تو وہ اپنے چھوٹے جھوں سے بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ اس سے وہ نئے نئے انہو نہیں کر پاتا، نئی نئی سمجھاٹوں وہ دیکھ نہیں پاتا۔ اس نوجوان لکھک کی دوسری اور تیسری کتابوں وہل دھتی تھوں کونکہ وہ انہو کے آدھار لٹکل پر ہوتا ہے، ان کو لکھنے میں لکھک ساتھک آمدتوں پر نہرہ کرتا ہے، ان ہستکوں کا دھانچہ ہتاہتا ہوتا ہے۔

یاد کیجئے کہ پرانے لکھکوں کا جھوں کتلا چھوٹہ اور گھوٹا ہوتا تھا۔ یاد کیجئے کہ سالٹی کوپ مچدروں کو بہت سے شہروں میں سرکاری نوکری کرنی پڑی۔ وہاں وہ اونچے عہدے پر رہے۔ دوستو وکی کو قلامی کی سزا ملی۔ گوری جگہ جگہ مارے مارے ۱۹۴۷ء کی جگہوں

सेवा" जैसे शब्दों का उपयोग साहित्य चर्चा के सम्बन्ध में लगभग अब हमारे यहाँ नहीं होता। लेकिन संक्षेप ही यह शब्दार्थ से खाली नहीं हैं, मझाक उड़ाने की बीज नहीं हैं। इन शब्दों में लेखक के कर्तव्य की उचित समझ छिपी हुई है। लेखक वह आदमी है जो छोटे से जीवन में बहुत से जन्म लेता है, जिसका कर्षण है कि वह जनता के दिल में गरमी पैदा करे, जो जनता में जोश पैदा करने के लिये अपने को साधन के रूप में इस्तेमाल करे, जिसका कर्तव्य है कि वह आदमी के अन्तरात्मा को रोशन करे, जिसे चाहिये कि वह अपने पाठकों के दिमागी जालों और नज़र की धुंधलाहट को साफ करे ताकि वह जीवन को अधिक अच्छी तरह देख सकें और ज़्यादा जीवन का आनन्द ले सकें, अधिक ज्ञान से चिन्तनी बिता सकें।

लेखक में सीखने की शक्ति होती है। वह अपनी जनता से प्रेम करता है और उसकी समस्याओं में दिलचस्पी लेता है। लेकिन यह सोचना महत्व भोलापन है कि लेखक हर तरह के आदमियों को समझ सकता है। सब लोग एक दूसरे के भावों को समझते हैं। इन "सब" में लेखक भी शामिल हैं। लेकिन भावों को समझने की एक सीमा है। अपने अनुभवों के घेरे से बाहर कोई किसी की भावनाओं को नहीं समझ सकता। एक ऐसा भाव जिस का अनुभव लेखक को नहीं है, जिसका लेखक के मानसिक ढाँचे से कोई सम्बन्ध नहीं है, उस भाव को लेखक नहीं समझ सकता। अगर लेखक उस भाव का वर्णन करता है तो उसे उन किताबों का सहारा लेना पड़ेगा जिन में उस खास भाव का वर्णन किया गया है। इस भाव का वर्णन तो हो जायेगा लेकिन इस वर्णन में मार्मिकता नहीं होगी, सत्य भी नहीं होगा। जिस तरह तर्क शास्त्री बहस में अटकल लगाया करते हैं उसी तरह लेखक अटकल लगाएगा। जिन किताबों या उपन्यास के पन्नों में इस तरह का वर्णन होता है वह नीरस होते हैं और उनकी कोई छाप पाठक के दिल पर नहीं पड़ती।

पच्छिम वालों का विचार है कि जीवन में जो ड्रामे होते हैं उनको लेखक केवल देखा करता है, उनमें हिस्सा नहीं लेता। यह विचार सचार्थ के विरुद्ध है। लेखक तमाशाई मात्र नहीं है, वह जीवन के मंच पर खेले जाने वाले ड्रामों में भाग लेता है। उपन्यास के पहले अध्याय को लिखने से पहले महीनों या सालों तैयारी होनी चाहिए। योजना बनाई जाए, नोट तैयार किये जाएं। लेखक सालों जीवन की समस्याओं के बीज रक्खा हो, उसने जीवन के सुख दुख खुद केले हों, कभी उसका दिल जोश से भर गया हो, कर्मों जाग उठी हों और कभी वह निराश हो गया हो,

जैसे शब्दों का उपयोग साहित्य चर्चा के सम्बन्ध में लगभग अब हमारे यहाँ नहीं होता। लेकिन संक्षेप ही यह शब्दार्थ से खाली नहीं हैं, मझाक उड़ाने की बीज नहीं हैं। इन शब्दों में लेखक के कर्तव्य की उचित समझ छिपी हुई है। लेखक वह आदमी है जो छोटे से जीवन में बहुत से जन्म लेता है, जिसका कर्षण है कि वह जनता के दिल में गरमी पैदा करे, जो जनता में जोश पैदा करने के लिये अपने को साधन के रूप में इस्तेमाल करे, जिसका कर्तव्य है कि वह आदमी के अन्तरात्मा को रोशन करे, जिसे चाहिये कि वह अपने पाठकों के दिमागी जालों और नज़र की धुंधलाहट को साफ करे ताकि वह जीवन को अधिक अच्छी तरह देख सकें और ज़्यादा जीवन का आनन्द ले सकें, अधिक ज्ञान से चिन्तनी बिता सकें।

लेखक में सीखने की शक्ति होती है। वह अपनी जनता से प्रेम करता है और उसकी समस्याओं में दिलचस्पी लेता है। लेकिन यह सोचना महत्व भोलापन है कि लेखक हर तरह के आदमियों को समझ सकता है। सब लोग एक दूसरे के भावों को समझते हैं। इन "सब" में लेखक भी शामिल हैं। लेकिन भावों को समझने की एक सीमा है। अपने अनुभवों के घेरे से बाहर कोई किसी की भावनाओं को नहीं समझ सकता। एक ऐसा भाव जिस का अनुभव लेखक को नहीं है, जिसका लेखक के मानसिक ढाँचे से कोई सम्बन्ध नहीं है, उस भाव को लेखक नहीं समझ सकता। अगर लेखक उस भाव का वर्णन करता है तो उसे उन किताबों का सहारा लेना पड़ेगा जिन में उस खास भाव का वर्णन किया गया है। इस भाव का वर्णन तो हो जायेगा लेकिन इस वर्णन में मार्मिकता नहीं होगी, सत्य भी नहीं होगा। जिस तरह तर्क शास्त्री बहस में अटकल लगाया करते हैं उसी तरह लेखक अटकल लगाएगा। जिन किताबों या उपन्यास के पन्नों में इस तरह का वर्णन होता है वह नीरस होते हैं और उनकी कोई छाप पाठक के दिल पर नहीं पड़ती।

लेखक में सीखने की शक्ति होती है। वह अपनी जनता से प्रेम करता है और उसकी समस्याओं में दिलचस्पी लेता है। लेकिन यह सोचना महत्व भोलापन है कि लेखक हर तरह के आदमियों को समझ सकता है। सब लोग एक दूसरे के भावों को समझते हैं। इन "सब" में लेखक भी शामिल हैं। लेकिन भावों को समझने की एक सीमा है। अपने अनुभवों के घेरे से बाहर कोई किसी की भावनाओं को नहीं समझ सकता। एक ऐसा भाव जिस का अनुभव लेखक को नहीं है, जिसका लेखक के मानसिक ढाँचे से कोई सम्बन्ध नहीं है, उस भाव को लेखक नहीं समझ सकता। अगर लेखक उस भाव का वर्णन करता है तो उसे उन किताबों का सहारा लेना पड़ेगा जिन में उस खास भाव का वर्णन किया गया है। इस भाव का वर्णन तो हो जायेगा लेकिन इस वर्णन में मार्मिकता नहीं होगी, सत्य भी नहीं होगा। जिस तरह तर्क शास्त्री बहस में अटकल लगाया करते हैं उसी तरह लेखक अटकल लगाएगा। जिन किताबों या उपन्यास के पन्नों में इस तरह का वर्णन होता है वह नीरस होते हैं और उनकी कोई छाप पाठक के दिल पर नहीं पड़ती।

انسان اور انسانی کمیت کی طرف ہوجاتا ہے۔ یہ  
 ہوسنی بات ہے کہ اچے چھوٹے کو، افسانہ ٹھیک بات کا  
 قہانچہ، دھرم اور دیس بھگتی کا نام دے دے۔

پچھلی صدی کے مہمان روسی لہکھک اس بات سے  
نہیں قائل تھے جسے اُنکھنل اُنکھنل تھا جانا ہے ۔ جب  
قاسکائیے سن 1812 کی لڑائی کی چرچا کرتے تھے تو کیا یہ  
بات صاف نہیں ہو جاتی کہ اُن کی سہتاوہوتی کدھر ہے ؟  
تھا اِس میں کسی کو شک ہے کہ "اسہورتس مہکس  
اسکھچو" کے لہکھک کو کون سی چوڑ پھاڑی اور  
کس چوڑ سے اُسے نرسا ہے ۔ روسی سماج کے اُونچے  
طبقے والے بے لہتاوں' بے رحمیوں اور روسی جلتا کے بچ  
ہونے والے کدواؤ کا وزن کرتے سے کیا حالتی کوف  
سہچدہوں نے نرسا ہونے کی کوشش کی ہے ؟

لوہکوک میں کسی کے پرتی ہمدردی ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بھرتے ہیں اور لچاری سے پکھولت کرے۔ لوہکوک لالچ، جعل سازی اور پائپلے سے نفرت کر سکتا ہے لیکن وہ ایک کلبجوس، جعل ساز اور پائپلے کی کو آسانی ہمدردی سے رنجیت نہیں کر سکتا۔ دنیا کو کالے اور سفید دو ہی رنگ میں نہ رنگنا چاہیے۔ پریم کی طرح نفرت کا ہوا سبھلہ چھوٹ اور چلتے پھرتے آدمیوں سے ہوتا ہے، نفرت کوئی وجہ مانو نہیں ہے۔

ہالہ کوٹ پہنچ پائی تھ۔ اُن نے آپہٹاس ”حائل  
اپ ٹرائڈ“ کا ایک لکھ لکھ ھ۔ وہ جانتے تھے کہ کسانوں  
کی دستکھی میں تبدیلی آنے کا مطلب ھ سماج کی  
ترقی۔ چونکہ اُن کی دچھا کا لکھ طے تھا اس لئے وہ  
کلنوں کی آٹا میں گھس گھس کر باہر ہی نہیں دے گئے۔  
اسی لئے اُن کی دچھا -طرح کے اوپر ہی اوپر نہیں دے  
گئی ایک اشتہار نہیں بن گئی جس میں ہولے والی  
گھٹاناں چھوں کی تھیں لکھ سی گئی ھوں۔ اُن کی  
دچھاؤں میں مشورہ گھٹناں سچائی پائی جانی ھ۔ سماج  
کی سطح کے اندر جو کچھ تھا ھ اُس کا ورثی ملتا ھ۔

مہرا وچار ہے کہ آج تک کوئی کلا ایسی نہیں ہوئی  
 ہے جیسے شدہ کہا جامکے اور اس میں کسی طرح کا  
 ولولہ نہ ہو۔ جوش نہ ہو۔ میں یہ ہی مانتا ہوں کہ  
 پھر بہار کتا کے پورے میں ہی کوئی شدہ کلا نہیں  
 ہو سکتی۔

پہلی کے ہنگاموں، دھن کی کمزوریوں اور دوسری  
 ساتھ تک فریبوں سے آسانی سے چھٹکارا حاصل کیا جا  
 سکتا ہے۔ لیکن جہاں ٹھنڈک ہو، کوئی اسٹاک نہ ہو،  
 کوئی چرخی نہ ہو وہاں چرخی پیدا کرنا، بھاؤں میں  
 آگ لگانا بہت مشکل ہے۔ "آنا کی پکڑ" پورنا اور

میں کام بن کر۔ اس جادو کا کوئی علاج نہیں ہے.....“  
 چاند بڑھ سونے لگا، کچھ چمکتا سا دھوا اور پھر اسی پریشانی میں  
 وہی پریشانی میں بولا—”پر ایک علاج ہے، بڑا کارگر علاج...“

جہ بیچ گئے تھے، اہل لکھنؤ میں ملنے کو آئے چار ہائی  
 پر پڑے تھے۔ کلن، سواد، لکھنؤ، دام پرشاد اور درجنوں مؤدروں  
 کو لے کر آئے تھے۔ سب کے سب اہل کی طرف بڑھے۔  
 دیکھتی جیسے قمر کو بہاگ لیا۔ کلن نے کہا—”بہاگ جی“

اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ایک دفعہ انکے منی اور سب  
 کی شکل دیکھ کر مسکرا دیے۔ بولے—”یار، رات بھر بڑے  
 بڑے سہارے دیکھتے رہے، اس لئے اٹھنے میں دیر ہوگئی۔  
 ملنے ہاتھ دھو لیں، بس چمکتے ہیں کام میں۔“

اوپر کے اندھمارے میں جو اہل سر گئے تھے سب گھر  
 کے اچھالے میں وہ پھر جی آئے۔

## لکھنؤ اور اُس کی کلا

( لکھنؤ—پلیٹیا پھر ن بگا، انوسا دیک—سوجی ن ریکھی )

( گاتاں سے آگے )

پراگاتیہی ل سہی ت آو ر اُس کا مکر س د

پورچہا وچار دھارا کے انوسا دیک سوجی ن لکھنؤ  
 اور پکھنم کے پراگاتیہی ل لکھنؤ پر ہلکا م لگاتے  
 ہیں کہ انکی رچنا آو کا آدھار اپنی آس وچار  
 دھارا کو کھانا ہوتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ پراگاتیہی ل  
 لکھنؤ کی رچنا آو ”پراگاتیہی ل“ ہوتا ہے۔ پراگاتیہی ل  
 لکھنؤ کے اس لکھنؤ کا مکر س د ہے:—کسی لکھنؤ کی  
 طرف مکر س د۔ یہ بالکل لکھنؤ ہوتا ہے کہ دوسرے لکھنؤ کی  
 طرف۔ لکھنؤ ہی کسی لکھنؤ سے پڑھ کرے اور کسی لکھنؤ سے  
 لکھنؤ۔ لکھنؤ اور عام لکھنؤ کے پراگاتیہی ل میں اتنے  
 فرق ہے۔ لکھنؤ لکھنؤ اس بات کا نہیں ہے کہ لکھنؤ  
 دوسرے کی طرف پڑھ کرے اور لکھنؤ نہیں کرتا۔ بلکہ لکھنؤ  
 اس بات میں ہے کہ لکھنؤ کی اندریاں عام لکھنؤ کی  
 اندریاں سے لکھنؤ چلتی ہیں۔ لکھنؤ جلد ہی لکھنؤ  
 لکھنؤ کو پھاڑ کر نہ میں پھونچ جاتا ہے۔ ایک  
 لکھنؤ کا لکھنؤ لکھنؤ بدھی اور پھاڑی چارے کی  
 طرف ہو سکتا ہے، دوسرے کا لکھنؤ لکھنؤ لکھنؤ

پاکستان کا ہوت ہے۔ جب پتھر یا پتھر گھر... ..جب  
میں کچھ نہیں بیگناہ، اپنے بارے میں سوچو، جب میں سب مل  
جائی...۔۔۔۔۔

انسان میں شادی سب سے پہلی بات نہیں رہ گئی تھی یا  
ہم سبھی نے ان کو مہم جو کر دیا تھا۔ وہ اس وقت  
لیپٹا رہا اور پھٹ پھٹ کر رو دیے۔ اس شخص نے ان پر  
پاؤں کرنا شروع کیا اور پھر مہم جو کا ان پر ہوا  
پر پڑا۔ اس وقت نے کہا اپنے بارے میں سوچو اور  
انہی کے بارے میں سوچو لکھ۔

”کہا میں نوکری نہیں کر سکتا تھا؟ ضرور کر سکتا تھا۔  
میں وہاں ہو سکتا تھا، بہت اچھا وہاں۔ میں... میں  
پولیس اسٹیشن ہو سکتا تھا۔ میرے پاس پیسے ہوتے... دیکھا  
ہوئی... ایک سٹور کھول دیا... دو ایک... دیکھا... دیکھا  
میرے پاس ہوتی... لیکن آج میری کیا حالت ہے...؟  
یہ پتھر کرتے، یہ لو، دیکھا، مانا کہ سچ تو کچھ میں  
نے دیا لیکن مجھے کیا ملا، مجھے کیا ملا؟

انہی کا دیکھتی سچ کی قدر پہاڑ کو نکل آیا تھا۔  
ان کی نس نس پر اس نے اپنا جال کس لیا تھا۔ کبھی  
کبھی اس سہلے سے جالنے کی وہ کوشش کرتے تو وہ انہیں  
تھکی دے کر پھر سٹ دیتا۔ وہ سوچتے تھے۔ جو جھوٹ آج  
اک ان کا آدھ تھا، اسی سے انہیں نذرت ہونے لگی۔ آج  
تک جس پتھر پر وہ چلے تھے اسے وہ ہتھکڑی سمجھتے تھے۔  
پتھر پتھر میں مہم جوؤں کے مقدمے، ان کی دیکھا،  
سنگھڑی، ان کی دردناک، اپنے کٹے وعدے انہی کو ملے  
لیکن راستے کا پتھر سمجھتے وہ انہیں پتھر کے تھے۔ اب  
راستہ صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ جھوٹ کے چورخانے  
میں موز کر وہ دھان کے پتھر پر چل رہے تھے اور تھکے  
جا رہے تھے۔ اسی آستھی میں انہوں نے پتا چلی سے  
پتھر کی۔

”پتا چلی، میں لوٹ آیا۔“  
”میں جانتا تھا بھئی، کوئی لو جب تک تمہارے  
پتھر میں ہوتا ہے، جب ابال ختم ہوا، خون میں  
تھک آئے گی، تو آجائے... اب کیا ارادے ہیں...؟“  
”جو آپ کہیں پتا چلی... میں نوکری کروں گا“  
”کہاؤں؟ آپ کی سوا کروں گا۔“  
”اچھا“ پتا چلی نے ایسے کہا جیسے ان کی مانگی  
مراہ مل گئی ہو۔

اندر والا اطمینان سے یہ سب دیکھتا رہا اور کہیں  
انہی کی نوبت اچھ نہ جائے وہ انہیں پتھر ہٹاتا رہا۔  
پتا چلی کی ”اچھا“ کے ساتھ اس نے کہا— ”چلے تھے مجھ  
سے لوٹے! تم کیا ہو؟ بڑی بڑی سے میں نے تکر لی ہے۔  
وہ تپا تھا میں نے تم پر پتھر! کہ زندگی بھر اب  
میں نہیں آسکتے... پتھر دھو رہی ہیں“ میرے

پتھر کے گھر ہے، جب چوبیس چک لکھیں کہیں...  
اب بھی کچھ نہیں بگڑا، اپنے بارے میں سوچو، اب بھی  
سب مل جائے...۔۔۔۔۔

انہی میں شاید سنگھڑی کی طاقت نہیں رہ گئی  
تھی یا ہمدردی نے ان کو مہم جو کر دیا تھا۔ وہ اس وقت  
لیپٹا رہا اور پھٹ پھٹ کر رو دیے۔ اس شخص نے ان پر  
پاؤں کرنا شروع کیا اور پھر مہم جو کا ان پر ہوا  
پر پڑا۔ اس وقت نے کہا اپنے بارے میں سوچو اور  
انہی کے بارے میں سوچو لکھ۔

”کہا میں نوکری نہیں کر سکتا تھا؟ ضرور کر سکتا تھا۔  
میں وہاں ہو سکتا تھا، بہت اچھا وہاں۔ میں... میں  
پولیس اسٹیشن ہو سکتا تھا۔ میرے پاس پیسے ہوتے... دیکھا  
ہوئی... ایک سٹور کھول دیا... دو ایک... دیکھا... دیکھا  
میرے پاس ہوتی... لیکن آج میری کیا حالت ہے...؟  
یہ پتھر کرتے، یہ لو، دیکھا، مانا کہ سچ تو کچھ میں  
نے دیا لیکن مجھے کیا ملا، مجھے کیا ملا؟

انہی کا دیکھتی سچ کی قدر پہاڑ کو نکل آیا تھا۔  
ان کی نس نس پر اس نے اپنا جال کس لیا تھا۔ کبھی  
کبھی اس سہلے سے جالنے کی وہ کوشش کرتے تو وہ انہیں  
تھکی دے کر پھر سٹ دیتا۔ وہ سوچتے تھے۔ جو جھوٹ آج  
اک ان کا آدھ تھا، اسی سے انہیں نذرت ہونے لگی۔ آج  
تک جس پتھر پر وہ چلے تھے اسے وہ ہتھکڑی سمجھتے تھے۔  
پتھر پتھر میں مہم جوؤں کے مقدمے، ان کی دیکھا،  
سنگھڑی، ان کی دردناک، اپنے کٹے وعدے انہی کو ملے  
لیکن راستے کا پتھر سمجھتے وہ انہیں پتھر کے تھے۔ اب  
راستہ صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ جھوٹ کے چورخانے  
میں موز کر وہ دھان کے پتھر پر چل رہے تھے اور تھکے  
جا رہے تھے۔ اسی آستھی میں انہوں نے پتا چلی سے  
پتھر کی۔

”پتا چلی، میں لوٹ آیا۔“  
”میں جانتا تھا بھئی، کوئی لو جب تک تمہارے  
پتھر میں ہوتا ہے، جب ابال ختم ہوا، خون میں  
تھک آئے گی، تو آجائے... اب کیا ارادے ہیں...؟“  
”جو آپ کہیں پتا چلی... میں نوکری کروں گا“  
”کہاؤں؟ آپ کی سوا کروں گا۔“  
”اچھا“ پتا چلی نے ایسے کہا جیسے ان کی مانگی  
مراہ مل گئی ہو۔

اندر والا اطمینان سے یہ سب دیکھتا رہا اور کہیں  
انہی کی نوبت اچھ نہ جائے وہ انہیں پتھر ہٹاتا رہا۔  
پتا چلی کی ”اچھا“ کے ساتھ اس نے کہا— ”چلے تھے مجھ  
سے لوٹے! تم کیا ہو؟ بڑی بڑی سے میں نے تکر لی ہے۔  
وہ تپا تھا میں نے تم پر پتھر! کہ زندگی بھر اب  
میں نہیں آسکتے... پتھر دھو رہی ہیں“ میرے





आत्मند का आत्मवाद करता हूँ, जब इनकी भीत होती है तो मुझमें आगे बढ़ने का उत्साह पैदा होता है.....  
तुम क्या समझो इन सब बातों की....."

"भूट, बकवास, अपने को थोका देते हो.....  
बनिता की बात करो थार, बिन्ता की. अक्सर पर पाले क्यों पड़े हैं?"

"बनिता!" अनिल ने इस तरह कहा जैसे उसे सम्बोधित कर रहे हों. तुरन्त ही उन्होंने काँट फिर उठा लिया. काँट एक आईना बन गया जिस में केवल बनिता का चेहरा दिखाई पड़ रहा था और सब कुछ छुप्त हो गया था. अनिल ने बनिता को भगाने की कोशिश नहीं की और उस काँट पर नजर जमाए रहे. उन्होंने देखा—

बनिता के घर अनिल जाते हैं. वह पाउडर लगा रही है, अनिल ने पानी का गिलास उस पर उड़ेल दिया है. वह खरब है. लेकिन गुस्से में भी मुस्कान ने पीछा नहीं छोड़ा.....फिर बानिता की माँ आ जाती हैं. वह प्यार से अनिल की बकवास लेती हैं, एक लम्बा बिट्टा खाल कर बैठ जाती हैं और बातें करते करते कहती हैं—

"अनिल, अब शादी कर डालो, क्या मुझाई में व्याह रचाओगे?"

"हाँ, बाबन बरस में, तेजस्वी बच्चे होंगे." अनिल जवाब देते हैं.

अम्बर के व्यक्ति ने इतमीनान की जैसे सांस ली और सराहना के स्वर में बोला—"हाँ, अब ठीक है. सोचो, कुछ अपने बारे में सोचो....."

अनिल जैसे फिर व्यतीत से वामन छुड़ा कर भागे और अम्बर वाले व्यक्ति के पीछे दौड़े और जैसे उसे चेतावनी दी—"बकबू! अगर फिर दिखाई पड़े तो कचरा चबा जाऊँगा." अनिल ने काँट उठा कर कुर्सी पर रख दिया. कुछ देर आँख बन्द किये लेटे रहे. शायद सो जाते लेकिन बनिता कब मानती है? आधमकी. बोली—"अनिल क्या तुम मुझसे व्याह नहीं कर सकते?"

अनिल ने कहा—"सफेद हाथी बांधने का सामर्थ नहीं है.....मेरा जीवन तुम्हारा जीवन दो अलग राहें हैं जो कभी नहीं मिल सकती."

"मैं तुम्हारा जीवन अपनाऊँगी, मुझसे इतने निराश क्यों हो?"

"निराश नहीं हूँ.....तुम मुझसे कुछ माँगोगी, मैं तुम्हें क्या दूँगा? सब तो तो मजदूरों को दे चुका हूँ....."

"मैं तुम से कुछ नहीं माँगूंगी."

"वह तो तुम आज ही माँगती हो. देख लो न, तुम अपनी माँ दिखाने को मुखाती हो, मैं मजदूरों की जरूरती

आँख का आँसू करता हूँ, जब इन की जूँक होती है तो मुझे मेरी लई बूँदों का आँसू पैदा होता है.....  
तुम क्या समझो इन सब बातों को....."

"जोड़क, बकवास, अरे तो देहका दिते हो.....  
कौन बातें करो थार, बिन्ता की, कौन पर पाले क्यों पड़े हैं?"

"बनिता!" अनिल ने इस तरह कहा जैसे उसे सम्बोधित कर रहे हों. तुरन्त ही उन्होंने काँट फिर उठा लिया. काँट एक आईना बन गया जिस में केवल बनिता का चेहरा दिखाई पड़ रहा था और सब कुछ छुप्त हो गया था. अनिल ने बनिता को भगाने की कोशिश नहीं की और उस काँट पर नजर जमाए रहे. उन्होंने देखा—

बनिता के घर अनिल जाते हैं. वह पाउडर लगा रही है, अनिल ने पानी का गिलास उस पर उड़ेल दिया है. वह खरब है. लेकिन गुस्से में भी मुस्कान ने पीछा नहीं छोड़ा.....फिर बनिता की माँ आ जाती हैं. वह प्यार से अनिल की बकवास लेती हैं, एक लम्बा बिट्टा खाल कर बैठ जाती हैं और बातें करते करते कहती हैं—

"अनिल, अब शादी कर डालो, क्या मुझाई में व्याह रचाओगे?"

"हाँ, बाबन बरस में, तेजस्वी बच्चे होंगे." अनिल जवाब देते हैं.

अम्बर के व्यक्ति ने इतमीनान की जैसे सांस ली और सराहना के स्वर में बोला—"हाँ, अब ठीक है. सोचो, कुछ अपने बारे में सोचो....."

अनिल जैसे फिर व्यतीत से वामन छुड़ा कर भागे और अम्बर वाले व्यक्ति के पीछे दौड़े और जैसे उसे चेतावनी दी—"बकबू! अगर फिर दिखाई पड़े तो कचरा चबा जाऊँगा." अनिल ने काँट उठा कर कुर्सी पर रख दिया. कुछ देर आँख बन्द किये लेटे रहे. शायद सो जाते लेकिन बनिता कब मानती है? आधमकी. बोली—"अनिल क्या तुम मुझसे व्याह नहीं कर सकते?"

अनिल ने कहा—"सफेद हाथी बांधने का सामर्थ नहीं है.....मेरा जीवन तुम्हारा जीवन दो अलग राहें हैं जो कभी नहीं मिल सकती."

"मैं तुम्हारा जीवन अपनाऊँगी, मुझसे इतने निराश क्यों हो?"

"निराश नहीं हूँ.....तुम मुझसे कुछ माँगोगी, मैं तुम्हें क्या दूँगा? सब तो तो मजदूरों को दे चुका हूँ....."

"मैं तुम से कुछ नहीं माँगूंगी."

"वह तो तुम आज ही माँगती हो. देख लो न, तुम अपनी माँ दिखाने को मुखाती हो, मैं मजदूरों की जरूरती

میں وقتِ حیاتِ فانی : قاتلوں کی کتابِ قتل ہے میری  
 پر اگلی کی آواز آسمانِ فانی ہے ۔ اے اے  
 کی دنیا سے دور کسی آنکھ میں انہوں نے اپنا رخسار  
 دیکھا۔

وہنا فائل دہائی چھوڑتی آتی ہے۔ اٹل اس کے آگے جا رہے ہیں۔ وہ دور سے پکارتی ہے۔ ”اٹل اٹل“۔ اٹل کہول مسکرا دیتے ہیں اور تھمک جاتے ہیں۔ وہ قریب آتی ہے۔ ساری کا ہلکا تھمک کرتی ہے اور گردن کو ایک چھٹکا دیتی ہے تا کہ بال تھمک ہو جائوں۔ پھر کہتی ہے۔

”اٹل“ سہا نام بیمار ہو گئے تھے، راتیں تنہا ہی طبعیت  
خواب ہو گئی تھی، سہوں تو دھک سے رہ گئی..... وہ.....  
..... کہا نام ہے جی اس کا..... وہ تنہا درجہ  
کہتا تھا.....“ اٹل ارنہ پورن ہنسے ہلکتے ہیں اور  
ہندہ سجھا اہلی نکلتی اس کو تھما دیتے ہیں اور کہتے  
ہیں۔

”دیکھ لو‘ تھک گئے ہیں۔“

انٹل جھٹ سے لگے . چاہائی سے اُٹھ . ہمارے نے نہ بچ  
مذہ دھوپا اور آ کر قانون کی کتاب پوچھنے لگے . ریتا نے  
پھر پڑھیں کہا لیکن اس بار انٹل سترک رہے اور جھٹ سے  
اُٹھوں نے کچھ کر حکم دیا کہ اُنکا ریتا کوئی اس سے  
نہیں آ سکتا‘ اسی وقت مہی مراد سے ضروری باتوں کو  
دے رہے ہیں . ریتا نہیں آئی اور ضروری مراد پوچھنا دے .  
پوچھتے پوچھتے انٹل کے مانس پتل پر مراد کا چہرہ کھنچا .  
چنگی ڈاڑھی کا ساٹنی بورڈ لگایا‘ ایک شہزادی اُڑھ رہی  
آدمکے . کچھ دیر اچھے مقدس کی باتوں کرتے رہے . انٹل  
میں ہی سن اُن کو جواب دیتے رہے . دونوں نے پریں کہا  
کہ سالک کو ہوا کر دھوں گے‘ مزدور کی جھٹ ہوئی‘  
اس میں تو انہوں کہیں شکا ہی نہیں ہے . مراد شہرے سے  
لکھتے ہیں . انٹل ٹالپ لڑنے لگتے ہیں . مراد باہر نکل  
کر دوسرے مزدوروں سے ملے رہے ہیں۔

”کھا دماغ پایا ہے اہل ہاہو نے..... سچ‘ آج تک  
ایسا قابل آدمی تو میں نے دیکھا ہی نہیں..... ہرے  
ہرے دیکھے ہیں..... لہکنی ان جھوٹا نہیں ملے.....  
ہمالیکے ہرے چہر چہر قالب مہین پر قالب کر لوتے  
ہیں! دماغ ہے کہ مہین.....!“ اہل فلسفی نہیں روک  
سکے لہو ہولے—

”کتلے ہوئے ہیں یہ لوگ!“  
”کیا ملتا ہے تمہیں ہتھاری کو کے“ انور کے  
دوستی نے پھر چٹک کیا۔ اُنہاس ہمارے سرور سے  
اُبل گئے تھے۔ ”جسوں ملتا ہے“ نریشا دور ہو جاتی  
ہے۔ ”میں اُن کے بھی جا کر آؤں اور ہو جاتا ہوں“ جب  
انور کے چہرے نے کوڑھوں پر چلتا ہوں تو میں اُنک

अनिल ने कारे खालों की सीने से लडा कर कुर्सी पर फेंक दिया। लेकिन वह कांडे खों का खों हाथ में लिप रहे। आखिर उनकी कार्ड पर नहीं थी लेकिन ऐसा लग रहा था जैसे उसी के सम्बन्ध में वह सोच रहें हैं। अकस्मात् बीरे स्वर में उन्होंने कहा—“बनिता !” फिर कांडे को भी कुर्सी पर रख दिया।

“बनिता भी गई” अन्दर के व्यक्ति ने कहा।

“गई तो क्या हुआ, उसका ब्याह हो रहा है, अच्छा है।”

“तुम्हें दुख नहीं ?”

“मुझे दुख क्यों ? मुझे खुशी है”

“भूट मत बोलो, दाई से पेट मत छिपाओ, समझे। तुम कहते हो कि तुम्हें दुख नहीं है.....”

“मुझे दुख क्यों हो ? वह मेरी कौन थी ? मेरा उसका कोई सम्बन्ध नहीं था।”

“वह तुम्हारी थी, बुद्धू राम वह तुम्हारी थी।”

जैसे इस कथन का सुवृत चाहते हों, जैसे वह चाहते हों कि कोई कहता रहे कि “वह तुम्हारा है, सदा से तुम्हारी है” उनके मन पुलकन हुई। वस इतना कहा जा सकता है कि उन्हें आनन्द आया। लेकिन फिर वह गुम गुम हो गर कुछ देर आसमान पर टकटकी बांधे देखते रहे, फिर उस कांडे को उठा लिया। दो बार बार पढ़ा और पुलकित स्वर में बोले—  
“बनिता !”

अन्दर के व्यक्ति ने एक फौर का ठहाका लगाया, हँसता ही बसा गया।

जैसे सेंच पर चौर पकड़ जाए, अनिल ताल हो गए, कांडे उठा कर फौर से कुर्सी पर उन्होंने फेंक दिया। क्रान्त की किताब पठाली। नखीरें बँडने लगे। कल मुराद का मुक़बला है, बेचारे की अट्टाईस साख की नौकरी थी। मालिक ने खजानी नोटिस दे कर निकाल दिया है। बजह मालिक ही जानता है और शायद अब उसका बकील भी जानकारी रखता हो !

अनिल पढ़ते जाते थे लेकिन केवल आँखों से। मन कहीं और था। एक दो लाइन पढ़ते पढ़ते किताब राखच हो जाती और बनिता सामने खड़ी हो जाती। वह झुंझला कर किताब के पन्ने को हाथ से साफ कर देते। जैसे किताब कोई आईना हो और उस पर बनिता की प्रतिबिम्ब आ रही हो। लेकिन फिर वही बनिता। बनिता हठली है तो मुराद सामने आता है, नखीरें, मुक़बले, संघर्ष सब सामने आते हैं और आँख मूकते वह सब साबक हो जाते हैं और बनिता सामने मुक़ुराने लगती है। बनिता और मुराद में वह संघर्ष चलता रहा। अन्त

अन्त के सारे खपन को सहे से आँखा को रूँकी पर  
पूछक दिया। लेकिन वह कांडे जेबों का दोनों हाथ में लगे  
वह। अँकड़ों आँ की कड़ा पर नहीं लगे लेकिन ऐसा लगे  
रहा था जैसे असी के सहेदों में वह सहेदों में  
आसमात देहरे सूर में अँकड़ों ने कहा—“रुँका !” पर  
कांडे को भी कुर्सी पर रूँका दिया।

“रुँका भी लगी” अन्दर के व्यक्ति ने कहा।

“लगी तो कहा हूँ” अँस का ब्याह हो रहा है, अँचा है।

“तुम दले नहीं ?”

“मजह दले क्यों ? मजह खुशी है।”

“जो मजह मजह बोलो, दाली से मजह मजह जेबों”

मजह, लगे लगे हूँ का तमहें दले नहीं.....”

“मजह दले क्यों हूँ ? मजह दले क्यों ? मजह दले क्यों ?

का कौली सहेदों में नहीं था।”

“वह तुम्हारी थी” बद्धू राम वह तुम्हारी थी।

जैसे इस कथन का सुवृत चाहते हों, जैसे वह चाहते हों कि कोई कहता रहे कि “वह तुम्हारा है, सदा से तुम्हारी है” उनके मन पुलकन हुई। वस इतना कहा जा सकता है कि उन्हें आनन्द आया। लेकिन फिर वह गुम गुम हो गर कुछ देर आसमान पर टकटकी बांधे देखते रहे, फिर उस कांडे को उठा लिया। दो बार बार पढ़ा और पुलकित स्वर में बोले—  
“बनिता !”

अन्दर के व्यक्ति ने एक फौर का ठहाका लगाया, हँसता ही बसा गया।

जैसे सेंच पर चौर पकड़ जाए, अनिल ताल हो गए, कांडे उठा कर फौर से कुर्सी पर उन्होंने फेंक दिया। क्रान्त की किताब पठाली। नखीरें बँडने लगे। कल मुराद का मुक़बला है, बेचारे की अट्टाईस साख की नौकरी थी। मालिक ने खजानी नोटिस दे कर निकाल दिया है। बजह मालिक ही जानता है और शायद अब उसका बकील भी जानकारी रखता हो !

अनिल पढ़ते जाते थे लेकिन केवल आँखों से। मन कहीं और था। एक दो लाइन पढ़ते पढ़ते किताब राखच हो जाती और बनिता सामने खड़ी हो जाती। वह झुंझला कर किताब के पन्ने को हाथ से साफ कर देते। जैसे किताब कोई आईना हो और उस पर बनिता की प्रतिबिम्ब आ रही हो। लेकिन फिर वही बनिता। बनिता हठली है तो मुराद सामने आता है, नखीरें, मुक़बले, संघर्ष सब सामने आते हैं और आँख मूकते वह सब साबक हो जाते हैं और बनिता सामने मुक़ुराने लगती है। बनिता और मुराद में वह संघर्ष चलता रहा। अन्त

पड़े, उसी समय वह "कोई" ओर से ईसा, वह कहता जाता था और ईसता जाता था—

"बुद्ध हो..... मैं व्यक्ति हूँ, बहुत सकल जान हूँ, मुझे समाज की क्रूरता में दफन कर देना चाहते हो ..... मैं आसानी से मिटने वाला नहीं हूँ..... मैं आखरी दम तक तुमसे लड़ूंगा..... समझे..... मैं पूछता हूँ कि तुम क्या हो? इस समय भूके हो, किसी ने तुम्हें पूछा? इस समय अकेले हो, किसी ने तुम्हारा साथ दिया.....? मेरी राय मानो, मुझे फलने फूलने दो..... तुम्हारे पास सब कुछ होगा, माना कि मुझे मिटाना तुम्हारा आदर्श है, लेकिन हर आदर्श के पूरा होने का समय होता है, तुम क्यों कटीले तारों से खेल रहे हो.....? तुम्हें विश्वास है कि माली बाँचा ठीक हो जाने पर मैं खुद मर जाऊँगा, फिर मुझे क्यों इस तरह मार रहे हो.....? मैं खुद ही मर जाऊँगा....."

अनिल ने एक मोटी कानूनी किताब उठाई, टेबुल-लैम्प लिया और सोने के लिए आंगन की तरफ चल पड़े. जैसे ही झुके, दीवार पर कपड़े का पोस्ट बाक्स दिखाई पड़ा. एक नाले कपड़े का टुकड़ा और उसमें बहुत सी थैलियाँ. हर थैली पर किसी न किसी कार्यकर्ता का नाम लिखा है. अनिल ने अपने नाम वाली थैली में से सारी डाक निकाल ली. सारा सामान चारपाई पर रक्खा और दूसरे कमरे से कुर्सी उठा लाए. टेबुल-लैम्प जला कर कुर्सी पर रक्खा और तकिये का सहारा लेकर चारपाई पर चारों खाने चित लेट गए.

"मेरे प्रश्नों का तुम ने उत्तर नहीं दिया" अन्दर का व्यक्ति फिर बोला.

अनिल ने उसकी बात सुनी अनसुनी कर दी. एक जमाही ली. जाँघ पर हाथ मारा, एक तेष अनिल सुनसान कोठे के घेरे को चीरती शायद दूसरे सोने वालों के कानों तक भी पहुँची. ऊपर वाले कोठे से दूसरे साथी ने कहा— "क्या नींद नहीं आ रही?"

"नहीं, कल मुकदमे हैं, नशीरें बेख रहना हूँ....." अनिल ने किताब उठा ली थी और उसी पर नज़र गड़ाए यह सब कह गए.

पढ़ते पढ़ते उन्होंने घड़ी देखी, एक बज गए थे. बदन थकान से चूर था लेकिन नींद शायब थी. कानून के रुखे विशय से तबीयत उब गई. अपने खतों को उन्होंने खोलना शुरू किया. एक पार्टी सफुल्ल था, एक मिल की चिट्ठी थी, दो तीन मजदूरों की अजियाँ थी और आखरी एक छपा काई था. पता चला कि बनिता का न्याय हो रहा है. उसी काई पर लिखा था— "आना जरूर, आकर मुझ से मिलना भी, चोरों की तरह आकर भाग मत जाना, समझे!—बनिता."

लाले - "किसी समर वा "कोई" ओर से हमला. वह कहता जाता था और हमलता जाता था—

"बुद्धो हो..... मैं व्यक्ति हूँ, बहुत सकल जान हूँ, मुझे समाज की क्रूरता में दफन कर देना चाहते हो ..... मैं आसानी से मिटने वाला नहीं हूँ..... मैं आखरी दम तक तुमसे लड़ूंगा..... समझे..... मैं पूछता हूँ कि तुम क्या हो? इस समय भूके हो, किसी ने तुम्हें पूछा? इस समय अकेले हो, किसी ने तुम्हारा साथ दिया.....? मेरी राय मानो, मुझे फलने फूलने दो..... तुम्हारे पास सब कुछ होगा, माना कि मुझे मिटाना तुम्हारा आदर्श है, लेकिन हर आदर्श के पूरा होने का समय होता है, तुम क्यों कटीले तारों से खेल रहे हो.....? तुम्हें विश्वास है कि माली बाँचा ठीक हो जाने पर मैं खुद मर जाऊँगा, फिर मुझे क्यों इस तरह मार रहे हो.....? मैं खुद ही मर जाऊँगा....."

लाल ने एक मोटी कानूनी किताब उठाई, टेबुल-लैम्प लिया और सोने के लिए आंगन की तरफ चल पड़े. जैसे ही झुके, दीवार पर कपड़े का पोस्ट बाक्स दिखाई पड़ा. एक नाले कपड़े का टुकड़ा और उसमें बहुत सी थैलियाँ. हर थैली पर किसी न किसी कार्यकर्ता का नाम लिखा है. लाल ने अपने नाम वाली थैली में से सारा सामान चारपाई पर रक्खा और दूसरे कमरे से कुर्सी उठा लाए. टेबुल-लैम्प जला कर कुर्सी पर रक्खा और तकिये का सहारा लेकर चारपाई पर चारों खाने चित लेट गए.

"मेरे प्रश्नों का तुम ने उत्तर नहीं दिया" अन्दर का व्यक्ति फिर बोला.

लाल ने उसकी बात सुनी अनसुनी कर दी. एक जमाही ली. जाँघ पर हाथ मारा, एक तेष लाल सुनसान कोठे के घेरे को चीरती शायद दूसरे सोने वालों के कानों तक भी पहुँची. ऊपर वाले कोठे से दूसरे साथी ने कहा— "क्या नींद नहीं आ रही?"

"नहीं, कल मुकदमे हैं, नशीरें बेख रहना हूँ....." लाल ने किताब उठा ली थी और उसी पर नज़र गड़ाए यह सब कह गए.









“देखने की जवान. मूने की पानी ! एक लुगाई तक तो है नहीं, बाँते बनाता है. चुप रह यार, कान न ला.”

अनिल रिकशा यूनिन में भी काम करते हैं. सारे रिकशे वालों से सम्पर्क है. सब उनका आदर करते हैं. वह हैं भी तो आदर के योग्य रिकशे वाले कहते हैं—  
“अनिल मसुरय नहीं हैं—वह अपने लिये क्या करते हैं ? वह मसुरय ही क्या जो अपने लिये कुछ न करे ? वह चाहते तो साट गवरनर हो सकते थे, नहीं तो चार पाँच सौ की नौकरी तो कहीं गई ही नहीं थी लेकिन नहीं, वह तो हम लोगों के पीछे अपने को बर्बाद किये हैं. मसुरयों के हित के आगे उन्हें कोई सुधि ही नहीं है.” रिकशे वाले जानते हैं कि उनके पास खाने की भी पैसे नहीं हैं. इसी कारण जहाँ किसी के घर के आगे अनिल मिल जाएंगे तो उन्हें वह खबरदस्ती खाने के लिये पकड़ ले जायगा. जिसके पास खाने का न पैसा हो न खाने समय पर खुराक का अधिकार हो वह किसमें कैसे देख सकता है, अपना मनोरंजन कैसे कर सकता है ? लेकिन और वस्तुओं की तरह मनोरंजन भी जरूरी है. अनिल मनोरंजन भी करते हैं. लेकिन इनका मनोरंजन अनोखा है—न फिल्म, न ड्रामा, न रेडियो, न संगीत सभा, न नाच, न गाना. मसुरयों की किसी टोली में बैठ जाते हैं और किसी को पकड़ कर उसकी जीवन कथा सुनने लगते हैं. वह पहले नहीं बताता. उसे वह बताते हैं, छेड़ते हैं. सभी हँसते हैं. वह फिर नहीं बताता. तब अनिल पीठ ठोक कर कहते हैं—“बताओ यार, कुछ त्राकत मिले. हमी की एक खराक तन्दरुस्ती बढ़ाती है, तुम तो ऐसे कजूस हो कि मुरदे के मुँह में पानी भी न चुवाओ.” अनिल की बात अब नहीं टाली जा सकती. वह बर्बाद अपनी राम कथा ले कर बैठ जाता है. इस गोश्ती में दूसरे पात्रों से सब की हमदर्दी होती है. लेकिन सब पात्रों में एक अलग पात्र ऐसा है जिसकी सब इसी उड़ाते हैं. वह पत्नी है. जिसके जो मुँह में आता है कहता है. हर आदमी तक में रहता है कि शब्द बूके और वह आवाजों फेंके. काश बेचारी पत्नी यह सब सुन सकती ! लेकिन कहां गांव में पिया की राह जोखती हुई वह और कहां हज़ारों लाखों खेतों के पार यह शहर ! वह कहानी कहीं खत्म नहीं होती है, बढ़ती ही जाती है. इसकी खत्म करना पड़ता है. जब अनिल को नींद आने लगती है या समय क्यादा हो जाता है तो गोश्ती खत्म हो जाती है. हो सकता है फिर कभी इस कहानी की बारी न आए, यह भी हो सकता है कि फिर किसी दिन आरम्भ हो जाए. यह भी कोई मनोरंजन है ? न इसका कुछ नियम न वसूल. अजीब लंगड़ा, लूला मनोरंजन है ! लेकिन मनोरंजन है. अनिल गर्व से कहते हैं—“क्या सनीमा

“हमकहने को जवान मूने को पानी ! एक लुगाई तक तो है नहीं, बाँते बनाता है. चुप रह यार, कान न ला.”  
अनिल रिकशा यूनिन में भी काम करते हैं. सारे रिकशे वालों से सम्पर्क है. सब उनका आदर करते हैं. वह हैं भी तो आदर के योग्य रिकशे वाले कहते हैं—  
“अनिल मसुरय नहीं हैं—वह अपने लिये क्या करते हैं ? वह मसुरय ही क्या जो अपने लिये कुछ न करे ? वह चाहते तो साट गवरनर हो सकते थे, नहीं तो चार पाँच सौ की नौकरी तो कहीं गई ही नहीं थी लेकिन नहीं, वह तो हम लोगों के पीछे अपने को बर्बाद किये हैं. मसुरयों के हित के आगे उन्हें कोई सुधि ही नहीं है.” रिकशे वाले जानते हैं कि उनके पास खाने की भी पैसे नहीं हैं. इसी कारण जहाँ किसी के घर के आगे अनिल मिल जाएंगे तो उन्हें वह खबरदस्ती खाने के लिये पकड़ ले जायगा. जिसके पास खाने का न पैसा हो न खाने समय पर खुराक का अधिकार हो वह किसमें कैसे देख सकता है, अपना मनोरंजन कैसे कर सकता है ? लेकिन और वस्तुओं की तरह मनोरंजन भी जरूरी है. अनिल मनोरंजन भी करते हैं. लेकिन इनका मनोरंजन अनोखा है—न फिल्म, न ड्रामा, न रेडियो, न संगीत सभा, न नाच, न गाना. मसुरयों की किसी टोली में बैठ जाते हैं और किसी को पकड़ कर उसकी जीवन कथा सुनने लगते हैं. वह पहले नहीं बताता. उसे वह बताते हैं, छेड़ते हैं. सभी हँसते हैं. वह फिर नहीं बताता. तब अनिल पीठ ठोक कर कहते हैं—“बताओ यार, कुछ त्राकत मिले. हमी की एक खराक तन्दरुस्ती बढ़ाती है, तुम तो ऐसे कजूस हो कि मुरदे के मुँह में पानी भी न चुवाओ.” अनिल की बात अब नहीं टाली जा सकती. वह बर्बाद अपनी राम कथा ले कर बैठ जाता है. इस गोश्ती में दूसरे पात्रों से सब की हमदर्दी होती है. लेकिन सब पात्रों में एक अलग पात्र ऐसा है जिसकी सब इसी उड़ाते हैं. वह पत्नी है. जिसके जो मुँह में आता है कहता है. हर आदमी तक में रहता है कि शब्द बूके और वह आवाजों फेंके. काश बेचारी पत्नी यह सब सुन सकती ! लेकिन कहां गांव में पिया की राह जोखती हुई वह और कहां हज़ारों लाखों खेतों के पार यह शहर ! वह कहानी कहीं खत्म नहीं होती है, बढ़ती ही जाती है. इसकी खत्म करना पड़ता है. जब अनिल को नींद आने लगती है या समय क्यादा हो जाता है तो गोश्ती खत्म हो जाती है. हो सकता है फिर कभी इस कहानी की बारी न आए, यह भी हो सकता है कि फिर किसी दिन आरम्भ हो जाए. यह भी कोई मनोरंजन है ? न इसका कुछ नियम न वसूल. अजीब लंगड़ा, लूला मनोरंजन है ! लेकिन मनोरंजन है. अनिल गर्व से कहते हैं—“क्या सनीमा



وہ جانتے لگا۔ کئی لاکھ لاکھ۔ راستے چلتے لوگ لہتا دکھوا لے لکھ کر دے جاتے ہیں۔ وہ چھب میں قال لہتا ہے۔ اور پھر اوکاش کے سے سب کی قائل بنا لہتا ہے۔ مگر کئی اس کے چھب کو اسی سے چلتا پھرنا واکوہ دم کہتے ہیں! جو چوڑ اس کو چاہیئے وہ نہیں مل رہی ہے۔

”بابو جی، آپ کے پاس آئے ہیں۔ دو پتے سے راہ جوں رہے ہیں“ اس کے کان میں آواہا گئی۔ وہ بولا کہ نہیں۔ بوی بوی دھمکی آنکھوں میں اس کی لی گئی۔ اس نے نظر پھر کر اس دھمکی کی طرف دیکھا۔ وہ دروازے کے باہر پھوٹا تھا اور اس سے کچھ کہتا چھٹا تھا۔

اسے چھٹا چھٹا ہوئی۔ کچھ کے دونوں چھب اس نے اس کی دیکھی۔ کچھ چھٹوں میں اس نے اس میں پھنسا ہوا کچھ پوسے۔ کل ایک پوسے اور ایک انگلی۔ اس نے سنا کہ میں اگلی اور پوسے نے ملکر شور نہیں کیا کہوں کہ کالٹوں سے اس کی دوستی ہوگئی تھی۔ دوست دوست کے کام نہ آئے تو دوستی کیا؟ پوسوں کو چوٹ نہ آجائے اس لکھ لاکھ پہلے ہی فرش پر پڑے گئے۔ پوسے اس نے اٹھا لکھ۔ دائیں مائے کی ہتھیلی پر رکھ کر انہیں دیکھا۔ شاید کئی دھا تھا۔ پھر اپنی سر دھتتا پر مسکرایا اور انگلی اور پوسے کو چھب میں ٹھونس لیا۔

”انل بابو، آپ سے ذرا کام رہا۔۔۔۔۔“ وہی آواز اس کے کان میں گئی۔ اس نے سنا۔ شاید انر دھتا چھا۔ لہکن مہلے تک ہاتھ اتر رہے گئی۔ اس کی اگلی گردن پھر چرک گئی۔ اس نے لہجہ کرے کالٹوں کو چھا چھا کر پھر چھب کے تہ خانے میں تہوں سے شروع کر دیا۔ وہیں سے ایک گرنچ ہوئی اور اوہ کی ایک چابی فرش پر چھٹتی ہوئی دکھائی پڑی۔ اس نے اسے اٹھا لیا۔ اس کی کھوج میں تو وہ ابھی تک چھک مار رہا تھا۔ کئی جاندار دھتو ہوئی تو وہ اس سے ضرور مار پھٹتا، اگر نہ مارتا تو پگرتا ضرور ہی۔ لیکن کیا کرے۔ بے وقوف تو ہے نہیں جو پھٹس کے آگے بھی بچائے۔ کالٹوں کو چھب میں ٹھونس کر وہ آگے بڑھ گیا۔

تب پھر آواز آئی۔ ”انل بابو، آپ سے کام رہا۔“ اس نے اس سے اٹھ لیا۔ ”کیا ہے؟“ اس کی آواز تھو تھی۔ اس آواز کا ارتعاش تھا کہ مجھ سے چھوڑو۔ میں اس سے کچھ سلسلے کو تیار نہیں ہوں۔ ”کیا ہے؟“ کہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ آگے والے کمرے میں روشنی جلائی اور آگے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھولتے کھولتے وہ بدل گیا تھا۔ وہ دکھائی تھا۔ ”کیا ہے؟“ اس نے مٹی مٹی دھرایا۔ کئی روپ میں ”کیا ہے؟“ اس کے سامنے آیا۔ اس کی مسجھ میں لکھا کہ اس دو شخصوں سے بدلہ واپس کا اہمک اس نے اچھا

”بابو جی، آپ کے پاس آئے ہیں۔ دو پتے سے راہ جوں رہے ہیں“ اس کے کان میں آواہا گئی۔ وہ بولا کہ نہیں۔ بوی بوی دھمکی آنکھوں میں اس کی لی گئی۔ اس نے نظر پھر کر اس دھمکی کی طرف دیکھا۔ وہ دروازے کے باہر پھوٹا تھا اور اس سے کچھ کہتا چھٹا تھا۔

اسے چھٹا چھٹا ہوئی۔ کچھ کے دونوں چھب اس نے اس کی دیکھی۔ کچھ چھٹوں میں اس نے اس میں پھنسا ہوا کچھ پوسے۔ کل ایک پوسے اور ایک انگلی۔ اس نے سنا کہ میں اگلی اور پوسے نے ملکر شور نہیں کیا کہوں کہ کالٹوں سے اس کی دوستی ہوگئی تھی۔ دوست دوست کے کام نہ آئے تو دوستی کیا؟ پوسوں کو چوٹ نہ آجائے اس لکھ لاکھ پہلے ہی فرش پر پڑے گئے۔ پوسے اس نے اٹھا لکھ۔ دائیں مائے کی ہتھیلی پر رکھ کر انہیں دیکھا۔ شاید کئی دھا تھا۔ پھر اپنی سر دھتتا پر مسکرایا اور انگلی اور پوسے کو چھب میں ٹھونس لیا۔

”انل بابو، آپ سے ذرا کام رہا۔۔۔۔۔“ وہی آواز اس کے کان میں گئی۔ اس نے سنا۔ شاید انر دھتا چھا۔ لہکن مہلے تک ہاتھ اتر رہے گئی۔ اس کی اگلی گردن پھر چرک گئی۔ اس نے لہجہ کرے کالٹوں کو چھا چھا کر پھر چھب کے تہ خانے میں تہوں سے شروع کر دیا۔ وہیں سے ایک گرنچ ہوئی اور اوہ کی ایک چابی فرش پر چھٹتی ہوئی دکھائی پڑی۔ اس نے اسے اٹھا لیا۔ اس کی کھوج میں تو وہ ابھی تک چھک مار رہا تھا۔ کئی جاندار دھتو ہوئی تو وہ اس سے ضرور مار پھٹتا، اگر نہ مارتا تو پگرتا ضرور ہی۔ لیکن کیا کرے۔ بے وقوف تو ہے نہیں جو پھٹس کے آگے بھی بچائے۔ کالٹوں کو چھب میں ٹھونس کر وہ آگے بڑھ گیا۔

تب پھر آواز آئی۔ ”انل بابو، آپ سے کام رہا۔“ اس نے اس سے اٹھ لیا۔ ”کیا ہے؟“ اس کی آواز تھو تھی۔ اس آواز کا ارتعاش تھا کہ مجھ سے چھوڑو۔ میں اس سے کچھ سلسلے کو تیار نہیں ہوں۔ ”کیا ہے؟“ کہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ آگے والے کمرے میں روشنی جلائی اور آگے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھولتے کھولتے وہ بدل گیا تھا۔ وہ دکھائی تھا۔ ”کیا ہے؟“ اس نے مٹی مٹی دھرایا۔ کئی روپ میں ”کیا ہے؟“ اس کے سامنے آیا۔ اس کی مسجھ میں لکھا کہ اس دو شخصوں سے بدلہ واپس کا اہمک اس نے اچھا

”بابو جی، آپ کے پاس آئے ہیں۔ دو پتے سے راہ جوں رہے ہیں“ اس کے کان میں آواہا گئی۔ وہ بولا کہ نہیں۔ بوی بوی دھمکی آنکھوں میں اس کی لی گئی۔ اس نے نظر پھر کر اس دھمکی کی طرف دیکھا۔ وہ دروازے کے باہر پھوٹا تھا اور اس سے کچھ کہتا چھٹا تھا۔

## एक रात

(मुजीब रिक्वी)

‘आच्छा, सबेरे जै बजे मिला लेना, यही मिलंगा’ कहना हुआ वह एक बीना बड़ गया। एक साथ कई आवाजें आई—‘नमस्ते’। जैसे उत्तर देने की वैसे इच्छा न हो या उसने नमस्ते के इस शोर को सुना ही न हो, वह वो चार बीने और ऊपर चढ़ गया। तब शायद नीचे खड़े व्यक्तियों की आवाज परदे फाड़ती हुई उस केन्द्र पर पहुंची जहां से बटन दबते ही कान में घंटी बजने लगती है। वह कुछ बेता एक सीढ़ी और चढ़ते चढ़ते मरियल, धीमी आवाज में बोला—‘नमस्ते’। फिर पीछे मुड़ कर देखा। लोग जा चुके थे। उसने खम्बी सांस ली बाएं हाथ से बीने की बाबार का सहारा लिया और दायां हाथ मुंह पर केरा। झंगुली बाईं आंख पर रक्खी और झंगूठा दाईं आंख पर और ऊपर की पलक की पुतली पर दबाने लगा। झंगूठा और झंगुली नाक रुपी बीनीं बीवार के नाचे आ कर ब 6 गईं। इन बिन्दुओं पर उसने करा शक्ति का इस्तेमाल किया। फिर पूरा हाथ मुंह पर मला और पीछे गुरदों पर मलता हुआ बीने पर हाथ रोक लिया। ऐसा लगा जैसे कुछ पोंछ रहा हो, लेकिन क्या पोंछ रहा है? दिन की अकाल?—हो सकता है। दिन भर खटता रहा है। नींद? यह भी सम्भव है। ग्यारह बज रहे हैं, नींद आ ही रही होगी। लेकिन शायद वह कुछ और पोंछ रहा है। मुंह देखिये, आंख देखिये, बाल देखिये। सब कलई खाल रहे हैं। क्या वह आंसू पोंछ रहा है? हो सकता है। लेकिन नहीं। उसकी आंखें भीगी नहीं हैं, आंसू गालों पर नहीं बलके हैं वह बीने पर चढ़ता जाता है और ठंडी सांठें भरता जाता है। करा पलकें देखिये वह स्थिर क्यों हैं? क्या उनके पीछे कोई तुफान छिपा है!

वह आखरी सीढ़ी पर पहुँच गया वहीं ठिठका। सारे कोठे पर एक विहंगम दृष्टि डाली। फिर आंखें मपकासीं। ऊपर वाले दांतों की पंक्ति से नीचे वाले दाँट का दाहना कोना दबा लिया और बीने से मिले हुए बरबाजे में दाहना पैर रक दिया। उसी समय किसी को आवाज आई। ‘आ गप’ उसने सुना और बस इतना बोल सका—‘हाँ.....!’ फिर वह एक क्रदम आगे बढ़ा। बाएं हाथ की तरफ स्थिर बी. रोशनी कर दी। उसी कमरे के बाह्य एक कमरा है और उसी कमरे में उसके कमरे का दरवाजा है। उसने खेब में हाथ डाला और कुछ पीक डूबने लगा। लेकिन शायद नहीं मिली। कुरते के दांतों खेब

## एक रात

(सहोब रसूँ)

‘अच्छा’ सोचते-सोचते जो अच्छे में अच्छा ‘मिलंगा’ कहता हुआ वह एक रिले चढ़े लगा। एक साने नक्र आवाजें आँ—‘नमस्ते’। जैसे उत्तर देने की वैसे इच्छा न हो या उसने नमस्ते के इस शोर को सुना ही न हो, वह वो चार बीने और ऊपर चढ़ गया। तब शायद नीचे खड़े व्यक्तियों की आवाज परदे फाड़ती हुई उस केन्द्र पर पहुंची जहां से बटन दबते ही कान में घंटी बजने लगती है। वह कुछ बेता एक सीढ़ी और चढ़ते चढ़ते मरियल, धीमी आवाज में बोला—‘नमस्ते’। फिर पीछे मुड़ कर देखा। लोग जा चुके थे। उसने खम्बी सांस ली बाएं हाथ से बीने की बाबार का सहारा लिया और दायां हाथ मुंह पर केरा। झंगुली बाईं आंख पर रक्खी और झंगूठा दाईं आंख पर और ऊपर की पलक की पुतली पर दबाने लगा। झंगूठा और झंगुली नाक रुपी बीनीं बीवार के नाचे आ कर ब 6 गईं। इन बिन्दुओं पर उसने करा शक्ति का इस्तेमाल किया। फिर पूरा हाथ मुंह पर मला और पीछे गुरदों पर मलता हुआ बीने पर हाथ रोक लिया। ऐसा लगा जैसे कुछ पोंछ रहा हो, लेकिन क्या पोंछ रहा है? दिन की अकाल?—हो सकता है। दिन भर खटता रहा है। नींद? यह भी सम्भव है। ग्यारह बज रहे हैं, नींद आ ही रही होगी। लेकिन शायद वह कुछ और पोंछ रहा है। मुंह देखिये, आंख देखिये, बाल देखिये। सब कलई खाल रहे हैं। क्या वह आंसू पोंछ रहा है? हो सकता है। लेकिन नहीं। उसकी आंखें भीगी नहीं हैं, आंसू गालों पर नहीं बलके हैं वह बीने पर चढ़ता जाता है और ठंडी सांठें भरता जाता है। करा पलकें देखिये वह स्थिर क्यों हैं? क्या उनके पीछे कोई तुफान छिपा है!

वह आखरी सीढ़ी पर पहुँच गया वहीं ठिठका। सारे कोठे पर एक विहंगम दृष्टि डाली। फिर आंखें मपकासीं। ऊपर वाले दांतों की पंक्ति से नीचे वाले दाँट का दाहना कोना दबा लिया और बीने से मिले हुए बरबाजे में दाहना पैर रक दिया। उसी समय किसी को आवाज आई। ‘आ गप’ उसने सुना और बस इतना बोल सका—‘हाँ.....!’ फिर वह एक क्रदम आगे बढ़ा। बाएं हाथ की तरफ स्थिर बी. रोशनी कर दी। उसी कमरे के बाह्य एक कमरा है और उसी कमरे में उसके कमरे का दरवाजा है। उसने खेब में हाथ डाला और कुछ पीक डूबने लगा। लेकिन शायद नहीं मिली। कुरते के दांतों खेब



تیار ہوا اور اس طرح تین یا چار دھڑوں کے بعد—  
گیارہویں صدی کے آخر تک—ہمارے لوگوں کو محسوس  
ہوا کہ صرف سوراچہ ہونا ہی کافی نہیں ہے؛ ایسا ہونے کے  
لیئے سوراچ ہونا چاہئے اور پھر واجہہ چلا جانا چاہئے؛  
کیونکہ ہم بھی ایک راجہ ہوں۔ اس پر کار کی دھڑھی  
راشٹر کی نابرابری کا اُدے پڑھلی صدی کا ایک مہان اور  
نیا لکھن ہے۔

اس انویسٹمنٹ سے جانا گیا کہ بھارت کو سولتھریٹ  
پر اپنا کرنی چاہئے۔ راجہ کی خدمت سے آئے ایک  
سولتھریٹ واجہہ بلدا چاہئے اور نہ اسکا واس نہیں ہو  
سکتا۔ یہ راجا رام سوہنی رائے کے ایک بے انگ ہونا ہوا  
ہوگا۔

اس وجہ کے کارن ایک ایسا سر آیا کہ انگریز بھی  
اچھا یا ان اچھا سے سمجھ لکے کہ بھارت چھوڑنے میں  
ہی ان کا حمت چھوڑا ہے؛ ورنہ بھارت تو جالیکا ہی؛ لیکن  
اس نے ساتھ بھارت کی دوستی سے بھی ہاتھ دھو ہٹا دی  
تھی۔ نتیجہ یہ کہ دونوں دھڑوں دوستی کے ساتھ الگ ہوئے اور  
اس طرح ایک مہان کرائی ہوئی ہوئی۔ ملک نے راجہ کے طور  
پر اور 'پولٹیکل اسٹریٹ' کی خدمت سے نیا جڈم لیا۔  
ملک کے سانسکرتک واکس میں یورپ کی بے سنی بات  
شامل ہو چکی اور ہماری سانسکرتی اسی درسان میں  
زواہد و نسیست ہو کر پورے اس یک ہوں اپنی پوراچہن  
پاترا آکر ہونے لگی ہوئی۔

اس نو پاترا کے سہ ہمارے پرجا کی انسا کو آگے بڑھنے  
کا ملتھر گاندھی جی نے دیا۔ ٹیکور کے ٹپہ اڈوسار ایسا  
ہی ملتھر گیارہویں صدی میں راجا رام سوہنی رائے نے  
اس کال کے لئے دیا تھا جسے ہم آج تک چکے ہیں۔

اس پاترا کا انہاس ہماری سولتھریٹ کا انہاس ہے۔  
وہ ایک سانسکرتک چڈو ہے—نہاؤں راجا جی نہیں۔ اس  
انہاس کو ان کے مکھہ مکھہ سولتھریٹوں کے ٹریمہ دیکھنے کا  
ہم نے سوچ رکھا ہے جس کے دواوا ان کی ہوتی ہوئی ہانچ  
پہنچاں کٹائی جا سکیں۔ ان ہونہوں کو حلسہ وار  
اسکر بعد دیکھو۔

( باکری فیر )

( ہالی پور )

انگریزی میں 'کلاچل اسٹیمک' کہا جائے۔ جسے  
'پرنٹنگل اسٹیمک' یا 'نوشن اسٹیمک' کہا جائے  
وہاں آگ، اشتعال، ہوا کا خمال ہمیں نہ تھا۔ کچھ  
انگریزوں، فریجی انہاسی ہرجا اس ہوشیہ پرگو کے خمال کی  
تھی۔ ہرپ میں اس خمال کا آدے ہوا تھا اور وہاں کی  
ہرجا ایسے لوگوں دنیا میں نکل رہی تھی۔

واجہدہ سلسلہ کے بارے میں ایسی بھاؤنا اس صدمہ بھارت میں ایک نئی چوڑی تھی۔ اس سے انگریزوں کے سمہرگ میں آئے پر واجہہ دام مومن واقعہ نے اس کا سانس کرکٹ مولیہ اٹکا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس نئی پرجا کے پاس جو زکی ویاہ، اُسے بھارت کو اُن کی بھانجا کے ذریعہ پر ایست کرنا چاہئے۔ عربی، فارسی اور سانس کرکٹ کے اس صہا بلقہ نے لیک نئی بھاؤ نے ذریعہ جو نہا خوانہ پر ایست ہر سکتا تھا اُسے دیکھا اور بھارت کی سانس کرکٹ سمہتر کے اور پرجاؤہ وکس کے ہکھ میں اُسے اہلایے کا آہری دیا۔ اس میں انہوں نے بھارت اور انگلستان کے سہارہ صہ کو دیکھا۔

اپنی 'پولٹیکل اسکیم' کی پہاڑیوں کے کنارے قائم  
 ہوئے ملک اور مہلوے کو اُس میں اپنے راجہ کی حکومت کا  
 صحت نظر آیا اور راجا رام موہن رائے کو اُس میں اپنے لوگوں  
 کی سلسلہ کی کا اور وہیں کا واپس نظر آیا۔ اس پر وہ بال  
 میں دل کی گئی۔ پہلے سرورپ بھارت میں انگریزی  
 راجہ کی استبداد کے اُپائے کو کھنڈ کر دیا۔ راجا رام موہن  
 رائے کو اس میں قیامی کا اندیشہ نہیں ہوا۔ انگریزی  
 راجہ کی نئی رائے وہ نہ دیکھ سکا اُس سے یہ بات  
 سمجھ میں ہو گئی تھی یہی نہیں۔ بھارت کے دیہی  
 راجہ بھی انہیں اسکیم 'راشتریہ راجہ' کے پہاڑ کو  
 صاف جانور سے نہیں سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے وہ اندر ہی  
 اندر لوٹے رہے اور انگریزوں کے ساتھ بھی نہیں لے ایک  
 غم دیکھی راجہ کی طرح ہی ہوتا تھا۔

اے، سہ کی دیسی راجہ دیوستھا کے مقابلہ میں،  
انہ پرکار سے ہی انگریزی راجہ دیوستھا ہمارے کچھ  
لہجوں کو اچھی لگی اور ہندو ہوتے ہوئے ہی وہ انہیں  
انہی نہیں؟ ایک کارن یہ ہے کہ 'سہی' لیکن اے ہم نے  
قلبی نہیں مٹا کر، نہ ہمارا مکھوہ وچار سانسکرت  
سوراجہ کے آدھس کا تھا۔

لوہکی دھوے دھوے انہوں نے وہ چار پلٹا لیا ۔  
چھوٹے چھوٹے انگریزی راجہ آئے ہوا ویسے ویسے اُس  
ہفت کا خیال نہیں آتا تھا ۔ نئی رجا کے اور اُسکی  
واہگو دھوئی کے چار دھوئے ، جاننے اور پوچھے تو ملے ۔  
اِس ہوتا ہے ہم اچے تھے اور اُس کے ہمت کے بہتی  
دھوئے تھے اور اُس کے مطابق آئے ہوئے کے لئے

اس प्रकार کے یوں परिवर्तन का अन्त भी उसी के अनुरूप हुआ। भारत की पञ्चमगी से ही स्वतंत्र भारत का प्रथम गवर्नर जनरल अंग्रेज बना। इन दो महापुरुषों की दृष्टि में जो विश्व एकता की भावना और विश्व विजयी प्रेम भाव था, उसने इस डेढ़ सौ, दो सौ साल के भारत के इतिहास को गढ़ने का मुख्य काम किया है। इस लम्बे युग का प्रधान सुर यही रहा है, और उसे आगे लेकर विश्व संगीत को जन्म देने का काम हिन्दू के इतिहास पर निरन्तर रूप से आ पड़ा है।

अंग्रेज राज्यकाल की इस सदी का इतिहास कुछ निरन्तर रहा है, इस समय उसका एक और अति महत्व का लक्षण भी देखने लायक है, क्योंकि वह इन दो युग पुरुषों के नवविधान का हृष्ट निर्देशक भी है।

इस लक्षण का हमने सरल भाषा में ऊपर देखा। राजा राममोहन राय ने अंग्रेज राज्यकाल की स्थापना का मंत्र दिया, गांधी जो उसकी वस्थापना का मंत्र दिया। इस बीच की चरा गहराई में जा कर देखने का जरूरत है। इन दोनों समय पर भारत और इंग्लैन्ड के नेताओं ने एक मत से बर्ताव किया। वह ध्यान रखने योग्य बीच हमने ऊपर देखा। ऊपर से देखने पर यह क्या विचित्र लगे ऐसा नहीं है? बीसवीं सदी में अंग्रेज राज्य त्याग के लिये तैयार हो और भारतवासी उससे पहले की सदी में पर राज्य स्वीकार करने के लिये तैयार हो यह घटना समझने लायक है। दूमरे ढंग से कहें तो राजा राम मोहन राय जैसे उदारमतवादी व्यक्ति भारत की गुजामा में सहयोग दें, यह आज की दृष्टि से विचित्र नजर आता है। वैसे दो गांधी जैसे 'बसुधैव कुटुम्बकम्' के आदर्श में प्रस्थापित वाले व्यक्ति अंग्रेजों को जाने को कहें यह भावना ही विचित्र कहा जायगा।

एक दृष्टि से देखें तो यह विचित्रता दूर हो जाती है और इस पूरे युग के इतिहास के क्रमिक विकास का एक भाग में पिराया जा सकता है। यह दृष्टि हमारी प्रजा के विकास की है जिस के द्वारा इस युग में राज्य संस्था के विधाय में हमारे प्रजा के विचारों में नवपूर्ण और नववर्धन हुआ है। यह बड़ी दृष्टि है, उसे संक्षेप में देखें करना वास्तव में यह घटना ऐसी गम्भीर बात है कि उसका पूरा विवेचन करने के लिये एक ग्रंथ लिखा जा सकता है।

राजा राम मोहन राय और उनके पहले के समय में राज्य संस्था के बारे में हमारे विचार एक ऐसे प्रकार के थे जो उस समय के यूरप के विचारों से भिन्न थे। हमारा दृष्टि नीति धर्म या सस्कृत परावन समान व्यवस्था की थी जिसके आधार पर राजा और राज्य उसके प्रमुख अंग की हैदियत से रहते थे। हमारे विचार ऐसे थे जिसे

अस प्रकार के एक परिवर्तन का अन्त भी उसी के अनुरूप हुआ। भारत की पञ्चमगी से ही स्वतंत्र भारत का प्रथम गवर्नर जनरल अंग्रेज बना। इन दो महापुरुषों की दृष्टि में जो विश्व एकता की भावना और विश्व विजयी प्रेम भाव था, उसने इस डेढ़ सौ, दो सौ साल के भारत के इतिहास को गढ़ने का मुख्य काम किया है। इस लम्बे युग का प्रधान सुर यही रहा है, और उसे आगे लेकर विश्व संगीत को जन्म देने का काम हिन्दू के इतिहास पर निरन्तर रूप से आ पड़ा है।

अंग्रेज राज्यकाल की इस सदी का इतिहास कुछ निरन्तर रहा है, इस समय उसका एक और अति महत्व का लक्षण भी देखने लायक है, क्योंकि वह इन दो युग पुरुषों के नवविधान का हृष्ट निर्देशक भी है।

इस लक्षण का हमने सरल भाषा में ऊपर देखा। राजा राममोहन राय ने अंग्रेज राज्यकाल की स्थापना का मंत्र दिया, गांधी जो उसकी वस्थापना का मंत्र दिया। इस बीच की चरा गहराई में जा कर देखने का जरूरत है। इन दोनों समय पर भारत और इंग्लैन्ड के नेताओं ने एक मत से बर्ताव किया। वह ध्यान रखने योग्य बीच हमने ऊपर देखा। ऊपर से देखने पर यह क्या विचित्र लगे ऐसा नहीं है? बीसवीं सदी में अंग्रेज राज्य त्याग के लिये तैयार हो और भारतवासी उससे पहले की सदी में पर राज्य स्वीकार करने के लिये तैयार हो यह घटना समझने लायक है। दूमरे ढंग से कहें तो राजा राम मोहन राय जैसे उदारमतवादी व्यक्ति भारत की गुजामा में सहयोग दें, यह आज की दृष्टि से विचित्र नजर आता है। वैसे दो गांधी जैसे 'बसुधैव कुटुम्बकम्' के आदर्श में प्रस्थापित वाले व्यक्ति अंग्रेजों को जाने को कहें यह भावना ही विचित्र कहा जायगा।

एक दृष्टि से देखें तो यह विचित्रता दूर हो जाती है और इस पूरे युग के इतिहास के क्रमिक विकास का एक भाग में पिराया जा सकता है। यह दृष्टि हमारी प्रजा के विकास की है जिस के द्वारा इस युग में राज्य संस्था के विधाय में हमारे प्रजा के विचारों में नवपूर्ण और नववर्धन हुआ है। यह बड़ी दृष्टि है, उसे संक्षेप में देखें करना वास्तव में यह घटना ऐसी गम्भीर बात है कि उसका पूरा विवेचन करने के लिये एक ग्रंथ लिखा जा सकता है।

विकास काया में कम कम पर काया रूप होने वाली  
हकायों को दूर किया और आज के नवयुग के जगत  
हकायी मानव प्रेम की हमें शिक्षा दी.

राजा राम मोहन राय ने भारत के आधुनिक युग  
की नींव डाली और इस समय एक ऐसी राष्ट्रीय हल-  
चल उन्होंने शुरू की जिसके धोर पर उस समय की  
गिरावट से उन्नति के मार्ग पर भारत अग्रसर हुआ.

वैसी ही से देखने हुए भारत में जो दूसरा नया  
युग शुरू हुआ वह अंग्रेजों के राज्य के करीब 100  
साल बाद भारत की जो परिस्थिति हमारे सामने आने लगी  
हममें से पैदा हुआ. राजा राम मोहन राय के आदेश-  
नुसार चलने हुए भारत को जो दूसरा अनभव हुआ वह  
आ पर राष्ट्र की मुलामी का, हमके अग्रमान का, राष्ट्रीय  
आस्था के ह्रास का, हतक-हृषती और प्रजा के अपनत्व की  
अवनति होने के डर का.

वह नया नतीजा भी उतना ही मर्म भेदी और बानक  
था. उस समय भी नवपथ प्रदर्शक की जरूरत थी क्योंकि  
पुराने युग की शिक्षा काफ़ी न थी. उसकी शक्ति कम साबित  
होती थी. उस समय वैसी ही प्रचंड प्रतिभा वाले भारत  
के मशहूर पुद्गल गांधी जी हमें मिले. टैगोर ने जिन शब्दों  
का उपयोग राजा के लिये किया था, हम इन नये युग का  
मार्ग दिखाने वाले के लिये भी उन्हीं शब्दों का उपयोग कर  
सकते हैं.

इस दृष्टि से देखें तो भारत के इन दोनों महापुरुषों  
की प्रतिभा में काफी समानता थी. दोनों धर्म पुद्गल थे,  
देश भक्त थे, मानवता के प्रेमी थे और महान हिन्दू थे.

आस विशेषता यह कि दोनों अंग्रेज प्रजा के दोस्त  
थे और हिन्दी तथा अंग्रेज दोनों के इकट्ठे कहानान में  
अड्डा रखने वाली एक मिली जुली नीति में विश्वास रखते  
थे. लेकिन समय का खेल ऐसा था कि एक ने भारत में  
अंग्रेजी राज्य की स्थापना में योग दिया, दूसरे ने उसे  
उखाड़ने में. दोनों के काम प्रजाओं के हित में थे.  
बाहरी दृष्टि से देखने पर वह बाह्य विचित्र और विरोधी  
प्रतीत होते हैं, परन्तु ठीक और गौर से देखने पर  
एक ही प्रकार का काम इन दोनों महापुरुषों ने किया है.  
दोनों के समकालीन गवर्नर जनरलों को यह करने  
से एक सुन्दर उदाहरण देखने को मिलता है. दोनों उनके  
मित्र थे और आपस में मदद करने के लिये उत्सुक थे.  
वैदिक और राम मोहन राय ने और माउन्टबेटन और  
गांधी जी ने मित्रों की तरह बर्ताव किया. दोनों ने आपस  
में मदद की और ही और इस तरह अपने अपने देशों का  
काम किया.

राजा राम मोहन राय ने भारत में नया युग  
की नींव डाली और इस समय एक ऐसी राष्ट्रीय हल-  
चल उन्होंने शुरू की जिसके धोर पर उस समय की  
गिरावट से उन्नति के मार्ग पर भारत अग्रसर हुआ.

वैसी ही से देखने हुए भारत में जो दूसरा नया  
युग शुरू हुआ वह अंग्रेजों के राज्य के करीब 100  
साल बाद भारत की जो परिस्थिति हमारे सामने आने लगी  
हममें से पैदा हुआ. राजा राम मोहन राय के आदेश-  
नुसार चलने हुए भारत को जो दूसरा अनभव हुआ वह  
आ पर राष्ट्र की मुलामी का, हमके अग्रमान का, राष्ट्रीय  
आस्था के ह्रास का, हतक-हृषती और प्रजा के अपनत्व की  
अवनति होने के डर का.

वह नया नतीजा भी उतना ही मर्म भेदी और बानक  
था. उस समय भी नवपथ प्रदर्शक की जरूरत थी क्योंकि  
पुराने युग की शिक्षा काफ़ी न थी. उसकी शक्ति कम साबित  
होती थी. उस समय वैसी ही प्रचंड प्रतिभा वाले भारत  
के मशहूर पुद्गल गांधी जी हमें मिले. टैगोर ने जिन शब्दों  
का उपयोग राजा के लिये किया था, हम इन नये युग का  
मार्ग दिखाने वाले के लिये भी उन्हीं शब्दों का उपयोग कर  
सकते हैं.

इस दृष्टि से देखें तो भारत के इन दोनों महापुरुषों  
की प्रतिभा में काफी समानता थी. दोनों धर्म पुद्गल थे,  
देश भक्त थे, मानवता के प्रेमी थे और महान हिन्दू थे.

आस विशेषता यह कि दोनों अंग्रेज प्रजा के दोस्त  
थे और हिन्दी तथा अंग्रेज दोनों के इकट्ठे कहानान में  
अड्डा रखने वाली एक मिली जुली नीति में विश्वास रखते  
थे. लेकिन समय का खेल ऐसा था कि एक ने भारत में  
अंग्रेजी राज्य की स्थापना में योग दिया, दूसरे ने उसे  
उखाड़ने में. दोनों के काम प्रजाओं के हित में थे.

बाहरी दृष्टि से देखने पर वह बाह्य विचित्र और विरोधी  
प्रतीत होते हैं, परन्तु ठीक और गौर से देखने पर  
एक ही प्रकार का काम इन दोनों महापुरुषों ने किया है.  
दोनों के समकालीन गवर्नर जनरलों को यह करने  
से एक सुन्दर उदाहरण देखने को मिलता है. दोनों उनके  
मित्र थे और आपस में मदद करने के लिये उत्सुक थे.  
वैदिक और राम मोहन राय ने और माउन्टबेटन और  
गांधी जी ने मित्रों की तरह बर्ताव किया. दोनों ने आपस  
में मदद की और ही और इस तरह अपने अपने देशों का  
काम किया.

## राजा राम मोहन राय से गांधी जी

लेखक—भगनभाई देसाई  
अनुवादक—कानुभाई नानासाहब पटेल  
हिन्द की स्वतंत्रता का इतिहास

राज राममोहन राय का युग यानी ईसवी सन 1772 से 1838 तक रहा है। उस समय में अंग्रेजों का राज्य बंगाल में स्थिर हो चुका था और उसकी योग्य स्थापना स्थिर ढंग से करने के बारे में अंग्रेज राज्यकर्ता सोच रहे थे। वह समय अंग्रेजों के राज्य का स्थापना युग था।

गांधी जी का समय ई० सन 1869 से 1948 तक रहा। इस समय में अंग्रेजों का राज्य पूरी तरह से जमकर बाढ़ में डूबने लगा। जिस तरह बूल पर की गई सिपाई की पक्की रखने से पहले डंची नीची होती है वैसे ही कुछ इस समय हुआ। वह समय अंग्रेजों का राज्य के रखने का युग था।

स्थापना युग के हिन्द का नेतृत्व राम मोहन राय ने किया। वह जो मैं कहता हूँ वह भारतवर्ष के उस महान पुत्र की किसी प्रकार की निंदा या बुराई के तौर पर नहीं कहता। बल्कि इसमें मैं उनकी पूरी प्रशंसा करता हूँ। उस युग में भारत ने कुछ नया ही अनुभव किया। इतिहास होते हुए, धर्म होते हुए, ताकत होते हुए और पूरी सूक्ष्म समझ होते हुए भी सैकड़ों मील दूरी से आये हुए बंद अंग्रेजों के सामने भारत परास्त होकर उनके लोभ और व्यापार का घास हुआ और हिन्द का कोई राजा उसे इस प्रकार गुलाम होने से बचा नहीं सका। वह ठीक है वैसे कि अंग्रेज इतिहासकार सिली ने कहा है कि अंग्रेजों ने हमें अपने ही हाथों से, अपने ही घन से और अपने ही सशस्त्र से परास्त किया और अपना काम निकाला। लेकिन ऐसा होना तो और विचित्र बात है। इस विचित्रता से हमारी प्रजा सहम गई; फिर भी नये राज्यकर्ताओं ने रखने कुछ निरिच्छता और झूठी सच्ची व्यवस्था की मलाक देखी।

इतिहास यह जरूर कहता है जिस प्रकार के विचित्र परिवर्तन के उस को पहचान कर देश को मार्ग दिखाने की बड़ी जिम्मेदारी राजा राम मोहन राय ने पूरी की। कवि भी टैगोर के शब्दों में कहें तो—

अपनी प्रतिभा और अडिग आत्मबल के कारण उन्होंने वह समझ किया कि हमारी राष्ट्रआत्मा को अपने विकास के किन्ने सर्वनात्मक पुनर्जागरण शुरू करने की कौरन जरूरत है। इस सदी के वह महान पंचप्रयत्नक थे। उन्होंने हमारी

## राजा राम मोहन राय से गान्धे जी

लेखक—मदन भैरवी देसाई  
अनुवादक—कानुभाई नाना साहब पटेल  
हिन्द की स्वतंत्रता का इतिहास

राजा राम मोहन राय का एक मधुसूतनी 1772 से 1838 रहा है। उस समय में अंग्रेजों का राज्य बंगाल में स्थिर हो चुका था और उसकी योग्य स्थापना स्थिर ढंग से करने के बारे में अंग्रेज राज्यकर्ता सोच रहे थे। वह समय अंग्रेजों के राज्य का स्थापना युग था।

गान्धे जी का समय ई० सन 1869 से 1948 तक रहा। इस समय में अंग्रेजों का राज्य पूरी तरह से जमकर बाढ़ में डूबने लगा। जिस तरह बूल पर की गई सिपाई की पक्की रखने से पहले डंची नीची होती है वैसे ही कुछ इस समय हुआ। वह समय अंग्रेजों का राज्य के रखने का युग था।

स्थापना युग के हिन्द का नेतृत्व राम मोहन राय ने किया। वह जो मैं कहता हूँ वह भारतवर्ष के उस महान पुत्र की किसी प्रकार की निंदा या बुराई के तौर पर नहीं कहता। बल्कि इसमें मैं उनकी पूरी प्रशंसा करता हूँ। उस युग में भारत ने कुछ नया ही अनुभव किया। इतिहास होते हुए, धर्म होते हुए, ताकत होते हुए और पूरी सूक्ष्म समझ होते हुए भी सैकड़ों मील दूरी से आये हुए बंद अंग्रेजों के सामने भारत परास्त होकर उनके लोभ और व्यापार का घास हुआ और हिन्द का कोई राजा उसे इस प्रकार गुलाम होने से बचा नहीं सका। वह ठीक है वैसे कि अंग्रेज इतिहासकार सिली ने कहा है कि अंग्रेजों ने हमें अपने ही हाथों से, अपने ही घन से और अपने ही सशस्त्र से परास्त किया और अपना काम निकाला। लेकिन ऐसा होना तो और विचित्र बात है। इस विचित्रता से हमारी प्रजा सहम गई; फिर भी नये राज्यकर्ताओं ने रखने कुछ निरिच्छता और झूठी सच्ची व्यवस्था की मलाक देखी।

इतिहास यह जरूर कहता है जिस प्रकार के विचित्र परिवर्तन के उस को पहचान कर देश को मार्ग दिखाने की बड़ी जिम्मेदारी राजा राम मोहन राय ने पूरी की। कवि भी टैगोर के शब्दों में कहें तो—

अपनी प्रतिभा और अडिग आत्मबल के कारण उन्होंने वह समझ किया कि हमारी राष्ट्रआत्मा को अपने विकास के किन्ने सर्वनात्मक पुनर्जागरण शुरू करने की कौरन जरूरत है। इस सदी के वह महान पंचप्रयत्नक थे। उन्होंने हमारी

آزاد ہونے کو اپیل کرنے کا افسسک طریقہ نام میں لکھا  
 ہے۔ اس طرح کئی برس کے بعد، زمستانوں نے  
 ہزاروں میں ہاتھ کے لئے 30 لاکھ ایکڑ سے زیادہ زمین  
 دلی میں ہے۔ سن 1957 تک ہوا کے سارے یہ  
 زمین کسانوں میں مفت ہاتھ کے لئے کافی زمین  
 فراہم کرنے کی اور اس طرح کھیتی کے میدان میں  
 نئے افسسک طریقوں سے کرائی کرنے کی آغا رکھی جاتی  
 ہے۔ جب یہ کام ہو جائیگا تب آغا ہے کہ زمستان اور  
 کسان ساتھ ساتھ نام کریٹر اور ان میں سے ہر ایک اپنی  
 بددی اور شکلی کا اپنا حصہ کے ہونے کو آگے بڑھانے  
 میں لیتا۔

اس سے زیادہ اس سمیلہ میں آپ سے کہنے کا  
مہرے پاس سے نہیں ہے۔ لیکن آپ دیکھ سکتے ہیں  
کہ گاندھی جی کے نظریوں میں بھارتی شانتی آندولن  
صرف ہندوؤں کی نفاذ کرنے سے آگے بڑھا ہے اور  
اس نے سنگھوں کے سارے کاروبار کا جو سے انت کرنے کے  
لیکن دیکھنے اور سماج کے جہوں میں کھلم کی کوشش  
کی ہے۔ اس طرح گاندھی جی نے شانتی کے لئے بھارت  
کی عورت کی ایک اہم دشا پران کی ہے۔ میں آگے کرنا  
ہوں کہ یہاں اکتے ہوئے والے ہم لوگ اس بھارتی آندولن  
کا انداز میں کریمے جو گاندھی جی نے شروع کیا ہے  
کونکے میں لگتا ہے کہ مانو سمیلہ میں وہ سارے  
سہ ہرے کو دور کرنے کے لئے ایسے چاروں پران ہرے  
بھا رہے ہیں نندا کرنے والی پرہدیں ہرے سے کچھ نہیں  
ہوگا۔ جب تک ویکنک، ساچاک، راجدھک اور ادھک  
جہوں سے اہلسا کم نہ ہو، تب تک انٹر راجدھری شانتی  
کی آگے دیکھا ہے کہ۔ یہی گاندھی جی کی خاص دین  
ہے اور بھارت میں اہلسا اور شانتی کے لئے جو کام ہو  
رہا ہے اس میں یہی سندیہ میں آپ کے پاس لیا  
ہوں۔

کچھ نیک کہی جب بدھ کو کافی گلےاں دے چکے  
 لب بدھ ہلستے ہوئے بولے—

"بھدر! یہ تو بھلا" ہدی کوئی دانا دانا کرے اور  
 بھگتی نہ لے تو وہ دستم کسم نے پاس رکھ لی؟"

”دیوتا کے پاس“

”کیسی بات ہے تو جو تم اللہ کی طرف سے ہے  
 ہو نہیں سکتی لیکن چاہتا ہے“



54 李 敏

ہندوستان میں شانتی کے لیے آزادی کا حق

ہندوستان میں شانتی کے لیے آزادی کا حق

ہندوستان میں شانتی کے لیے آزادی کا حق

ہندوستان میں شانتی کے لیے آزادی کا حق

### 8. آرٹیکل 37 میں

#### (i) مزدور-کے

ہندوستان میں شانتی کے لیے آزادی کا حق

ہندوستان میں شانتی کے لیے آزادی کا حق

ہندوستان میں شانتی کے لیے آزادی کا حق

ہندوستان میں شانتی کے لیے آزادی کا حق

ہندوستان میں شانتی کے لیے آزادی کا حق

### 3۔ آرٹیکل 37 میں

#### (i) مزدور-کے

ہندوستان میں شانتی کے لیے آزادی کا حق

की स्थापना और प्रचार किया गया। भारत में प्रतिदिन के जीवन में अहिंसा का प्रयोग करने और दुःख का अनुभव कर सकने वाले प्राणियों को कष्ट न पहुंचाने या उनकी हत्या न करने की सीख देने की दिशा में यह पहला अमली कदम था। गांधी जी बेशक शाकाहारी थे और भारत के हम लोगों को यह देखकर थोड़ा ताज्जुब होता है कि यहां इकट्ठे होने वाले हम में से बहुत से लोगों ने, जो शांतिवाद में विश्वास रखते हैं, अभी तक भोजन के बारे में अहिंसा का पहला अमली प्रयोग भी शुरू नहीं किया है। हमें जगता है कि जब तक हम रोजाना प्लिन्डगी में—भोजन में भी—अहिंसा की शुरूआत नहीं करते, तब तक पब्लिक जीवन में उसे दाखिल करना बहुत कठिन है।

(ii) जो अहिंसा का पालन करे उसमें भारतीय विचार के अनुसार खुद पर भरोसा करने का या आत्म त्याग का भी बड़ा गुण होना ही चाहिये. भोगी मनुष्य वह है जो अपने ही सुख और आनन्द की चिन्ता करता है; ऐसा मनुष्य लाजिमी तौर पर दूसरों के संघर्ष में आता है. लेकिन जो मनुष्य अपने आप पर संयम रख सकता है, वह दूसरों के साथ होने वाले झगड़े से अपने को बचा सकता है, उसकी अकूरतें थोड़ी और सारी होती हैं और जब उसे पता चलता है कि उन अकूरतों की पूर्ति में दूसरों से उसका झगड़ा होता है, तब वह उनके लिये कोशिश करना छोड़ सकता है. इसलिए ऐसी हर चीज से, जो मनुष्य को अपनी इच्छा पर चलने वाला और भोग विलास का दास बनाती है—जैसे शराब या बनावटी साधनों के अरिये बेदोक टोक भोग—इन से बचना चाहिये.

भारत में सदियों से जो सिखाया गया है और गांधी जी ने जिसे बार बार दोहराया है आत्म संयम का यह पाठ अभी हममें से बहुतसे लोगों को सीखना बाक़ी है 'जो तरह तरह के माल असबाब, धन दौलत वगैरह परिग्रह से अपने को घिरा रखना चाहते हैं और ज़रूरतें बढ़ाने में विश्वास रखते हैं, परिग्रह का यह कभी न शान्त होने वाला लोभ और स्वेच्छाचार संघर्ष और हिंसा को जन्म देने के सिवा और कुछ कर ही नहीं सकते. इसलिए शान्ति और अहिंसा के प्रेमी के लिए गांधी जी ने अपने बुझुगों की परम्परा के अनुसार ऊंचे से ऊंचे क्रमों के रूप में संक्षेप में यह बता दिया है कि जीवन के हर मैदान में—खान पान, विधाय भोग वगैरह हर बात में—ब्रह्मचर्य या कठोर आत्म संयम का पालन किया जाये.

## 2. राजकाजी जीवन में

लड़ाई भगदे और युद्ध का एक कारण है लोगों के एक दल के परिये दूसरे दल को दबाना. जैसा कि आप सब जानते हैं, इस सम्बन्ध में हमें गांधी जी की जो बड़ी

کی استقامت اور پرچار کھا گیا۔ بھارت میں پرتی دن کے چور  
میں املسا گڑبگڑ کرتے اور دکانے انہوں کو سکنے والے ہر انہوں  
کو کھیت نہ پہنچانے یا ان کی ہمتا نہ کرنے کی سکت  
دینے کی دھا میں یہ پہا عملی قدم تھا۔ گندمی  
جی بے شک شاکا ہادی تھے اور بھارت کے ہم لوگوں کو  
یہ دیکھکر ٹھوڑا تعجب ہوتا ہے کہ یہاں ایتھے ہونے والے  
ہم میں سے بہت سے لوگوں نے جو شانتی واد میں شواس  
دکھتے ہیں، ابھی تک ہرجون کے بارے میں املسا کا  
پہا عملی ہرجوگ بھی شروع نہیں کیا ہے۔ ہمنوں لکنا  
ہے کہ جب تک ہم روزانہ زندگی میں—ہرجون میں بھی  
—املسا کی شروعات نہیں کرتے، تب تک پبلک چورن  
میں آئے داخل کرنا بہت لگھن ہے۔

( 11 ) جو اہلسا کا پانی کرے اُسہیں بہارتہ و چار کے انوسار خود پر بہروسہ کرنے کا یا آنم تھاگ کا، ہر ہوا ئی ہونا ہی چاہئے۔ بہوئی مشدہ دے ہے جو اچے ہی سکھ اور اُنک کی چلتا کرتا ہے، ایسا مشدہ قزسی طور پر دوسروں کے سکھوں میں اُڑا ہے۔ لیکن جو مشدہ اچے آپ پر صلہم دے سکتا ہے، وہ دوسروں کے ساتھ ہونے والے چھوکرے سے اچے کو بچا سکتا ہے، اُسکی ضرورتیں پوری اور سادی ہوئی میں اور جب اُسے ہتھ چلتا ہے نہ اُن ضرورتوں کی پوری میں دوسروں سے اُسکا چھوکوا ہوتا ہے، تب وہ اُن کے لئے نڈھیں کرنا چھوڑ سکتا ہے۔ اِس لئے ایسی ہر چوڑ سے، جو مشدہ کو اپنی اچھا پر چلتے والا اور بہوگ ولاس کا داس بناتی ہے۔ جسے شراب یا ہمارتی سادھوں کے ذریعہ بے روگ ٹوک بہوگ۔ اِن سے بچنا چاہئے۔

بھارت میں صدیوں سے جو سکھایا گیا ہے اور گاندھی  
جی نے جسے بار بار دہرایا ہے اُنم معلوم کا یہ پائہ اہی  
ہم میں سے بہتر ہے لوگوں کو سکھانا باقی ہے جو طرح  
طرح کے سال اسمبلی، مہینے، دنوں، گھنٹوں، منٹوں، سیکنڈوں  
کھرا کرنا چاہتے ہیں اور ضرورتوں پر جانے میں دشواری  
رکھتے ہیں۔ ہرگز کا یہ نہیں نہ شانتی کے لیے۔ والا تو یہ  
اور سوچنا چار سنگھری اور اعلیٰ کو جہلم دیکھنے کے سوا اور  
کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ اس لیے شانتی اور اعلیٰ کے  
ہر قسم کے لئے گاندھی جی نے اچھے بزرگوں کی ہر قسم کے  
انوسار اونچے سے اونچے فرض کے روپ میں سچے سچے  
میں یہ بتا دیا ہے کہ جہلم کے ہر میدان میں—کہاں پانی  
وہی ہوگا وہی ہے ہر پاس میں—ہر قسم کے یا شہر اُنم معلوم  
کا پائہ کیا جائے۔

2۔۔۔ راجکاجی جیون میں

نوائی چنگیز اور بدھ کا ایک گونہ لوگوں کے ایک  
 دلی کے فریضہ سے دل کو دہانا۔ چوسا کہ آپ سب جانتے  
 ہیں اسی سہلہ میں ہمیں زندگی ملی جو ابھی

## भारत में शान्ति के लिये आन्दोलन

( डाक्टर भारतन कुमारप्पा )

[ इस साल अग्रेल महीने में दुनिया भर के पैसिफिस्ट जापान में जमा हुए थे. डाक्टर कुमारप्पा भारत के सुमात्रा द्वीप के रूप में वहाँ गए थे. उनके भाशन की हम 'हरिजन' से नक़ल करके पाठकों के सामने पेश कर रहे हैं—एडीटर. ]

❖ ❖ ❖

हम में से क्यादातर लोगों को ऐसा लगता है कि शान्ति आन्दोलनों का हाल में ही जन्म हुआ है. लेकिन भारत में शान्ति और अहिंसा का आन्दोलन लगभग दो हजार बरस पहले शुरू हुआ था. हमारे देश के अच्छे से अच्छे अशि मुनिवों, पैगम्बरों और साधु संतों की पीढ़ियों ने उसके पीछे अपना गम्भीर विचार और शक्ति लगाई है. इसलिये दस मिनट के समय में भारत के इस आन्दोलन के बारे में कुछ कहने की कोशिश करना बड़ा कठिन है. गांधी जी ने शान्ति के लिये भारत की इस खोज को और आगे बढ़ाया और उसका विकास किया. यहाँ मुझे शान्ति के लिये गांधी जी ने जो काम किया उसके कुछ बुनियादी उसूलों की चर्चा तक ही क्यादातर सीमित रहना पड़ेगा.

गांधी जी के नेतृत्व में भारत में जो शान्ति आन्दोलन हुआ, वह सिर्फ युद्ध का विरोध करने और मार काट के अत्यन्त हिंसाचारों की निन्दा करने से कहीं आगे बढ़ा हुआ था. लड़ाई से नज़रत शान्ति की खोज में केवल पहला क़दम है. इस परिपक्ष में मैंने जो भाशन सुने हैं, उससे मुझे यह लगता रहा है कि गांधी जी ने शान्ति के मक़सद को आगे बढ़ाने में जो भारी मद्द पड़वाई है, उसे हम में से बहुत से अभी तक भी शायद नहीं समझ पाये हैं.

गांधी जी जानते थे कि केवल युद्ध की निन्दा करने से ही युद्ध बन्द नहीं होंगे. हमें युद्ध के कारनों का ज़रूर खत करना चाहिये. यह कारन क्या हैं ?

### 1. व्यक्ति के जीवन में

(1) मानव भावना की कठोरता:—मगवान युद्ध के समय से यानी 2500 बरस से भी क्यादातर से भारत में हमें सिखाया गया है कि किसी को बरत न पड़ुवाया जाये. लेकिन लोगों को रोष रोष के जीवन में अहिंसा का ज़रूरत करने की आवस्यता मिले बिना ऐसी शिक्षा अपने आप से बिकर शकित होती. इसलिये भारत में शाकाहारवाद

## भारत में शान्ति के लिये आन्दोलन

( डाक्टर भारतन कुमारप्पा )

[ इस साल अप्रैल महीने में दुनिया भर के पैसिफिस्ट जापान में जमा हुए थे. डाक्टर कुमारप्पा भारत के सुमात्रा द्वीप के रूप में वहाँ गए थे. उनके भाशन को हम 'हरिजन' से नक़ल करके पाठकों के सामने पेश कर रहे हैं—एडीटर. ]

❖ ❖ ❖

हम में से अधिकतर लोग को ऐसा लगता है कि शान्ति आन्दोलनों का हाल में ही जन्म हुआ है. लेकिन भारत में शान्ति और अहिंसा का आन्दोलन लगभग दो हजार बरस पहले शुरू हुआ था. हमारे देश के अच्छे से अच्छे अशि मुनिवों, पैगम्बरों और साधु संतों की पीढ़ियों ने उसके पीछे अपना गम्भीर विचार और शक्ति लगाई है. इसलिये दस मिनट के समय में भारत के इस आन्दोलन के बारे में कुछ कहने की कोशिश करना बड़ा कठिन है. गांधी जी ने शान्ति के लिये भारत की इस खोज को और आगे बढ़ाया और उसका विकास किया. यहाँ मुझे शान्ति के लिये गांधी जी ने जो काम किया उसके कुछ बुनियादी उसूलों की चर्चा तक ही क्यादातर सीमित रहना पड़ेगा.

गांधी जी के नेतृत्व में भारत में जो शान्ति आन्दोलन हुआ, वह सिर्फ युद्ध का विरोध करने और मार काट के अत्यन्त हिंसाचारों की निन्दा करने से कहीं आगे बढ़ा हुआ था. लड़ाई से नज़रत शान्ति की खोज में केवल पहला क़दम है. इस परिपक्ष में मैंने जो भाशन सुने हैं, उससे मुझे यह लगता रहा है कि गांधी जी ने शान्ति के मक़सद को आगे बढ़ाने में जो भारी मद्द पड़वाई है, उसे हम में से बहुत से अभी तक भी शायद नहीं समझ पाये हैं.

गांधी जी जानते थे कि केवल युद्ध की निन्दा करने से ही युद्ध बन्द नहीं होंगे. हमें युद्ध के कारनों का ज़रूर खत करना चाहिये. यह कारन क्या हैं ?

### 1. व्यक्ति के जीवन में

(1) मानव भावना की कठोरता:—मगवान युद्ध के समय से यानी 2500 बरस से भी क्यादातर से भारत में हमें सिखाया गया है कि किसी को बरत न पड़ुवाया जाये. लेकिन लोगों को रोष रोष के जीवन में अहिंसा का ज़रूरत करने की आवस्यता मिले बिना ऐसी शिक्षा अपने आप से बिकर शकित होती. इसलिये भारत में शाकाहारवाद

رین خویہانی نیل گانن پر تاروں کی دیباچی  
کلیاں پٹکے خوشی کئے بھونے والی والی  
سونا وگلے بھونتا بھونے سوتوں کی ہریالی  
پرچم کھول دے

آؤ مूर्خ انسان، समय पहचान، तराने बोल दे

❖

जंग हुई तो मच जायगी घर घर हाहाकार  
दूद दूद कर रह जायेंगे मन बीना के तार  
शोर में खो कर रह जायगी पायल की मंकार  
परचम खोल दे

आؤ مूर्خ انسان، समय पहचान، तराने बोल दे

❖

नगरी नगरी लूट मचेगी जब होगी बमबारी  
गली गली आवाज फिरेगी, मौत, भूक, बेकारी  
जल जायेंगे चाँद सितारे, खेत, चमन, फुलबारी  
परचम खोल दे

आؤ مूर्خ انسان، समय पहचान، तराने बोल दे

❖

हो जायेंगे आशाओं के शीशमइल बीरान  
संगीनों की नोक पे तौले जायेंगे इन्सान  
दूद गिरेंगे मन्दिर मस्जिद चुप होगा भगवान  
परचम खोल दे

आؤ مूर्خ انسان، समय पहचान، तराने बोल दे

❖

बोल, कि हम संसार में अब जंग न होने देंगे  
सो ग में सुन्दर लालों के ममता को न रोजे देंगे  
धरती के सीने में जंग के बीज न बोने देंगे  
परचम खोल दे

आؤ مूर्خ انسان، समय पहचान، तराने बोल दे

جنگی لعل گئی پر تاروں کی دیباچی  
کلیاں پٹکے خوشی کئے بھونے والی والی  
سونا وگلے بھونتا بھونے سوتوں کی ہریالی  
پرچم کھول دے

آؤ موروک انسان، سے پہچان، ترانے کھول دے

❖

جنگ ہوئی تو مچ جائیگی گھر گھر ہاھاکار  
ٹوٹ ٹوٹ کر رہ جائیں گے من بھنا کے تار  
شور میں کھو کر رہ جائیں گی پائل کی جھنکار  
پرچم کھول دے

آؤ موروک انسان، سے پہچان، ترانے کھول دے

❖

نگری نگری ٹوٹ مچے گی جب ہوگی بھاری  
گلی گلی آزاد ہونے کی صوت، ہوک، بے ڈی  
جل جائیں گے چاند ستارے، کھیت، چمن، پھولباری  
پرچم کھول دے

آؤ موروک انسان، سے پہچان، ترانے کھول دے

❖

ہو جائیں گے آقاؤں کے شہس متصل ویران  
سنگھڑوں کی نوک پر تولے جائیں گے انسان  
ٹوٹ گریں گے مندر مسجد چپ ہوگا بھگوان  
پرچم کھول دے

آؤ موروک انسان، سے پہچان، ترانے کھول دے

❖

بول، کہ ہم صلزار میں اب جنگ نہ ہونے دیں گے  
سوگ میں سندر لالوں کے ممتا کو نہ رولے دیں گے  
دھرتی کے سہلے میں جنگ کے بیج نہ ہونے دیں گے  
پرچم کھول دے

آؤ موروک انسان، سے پہچان، ترانے کھول دے

# نیا ہند

# ہندوستان

جلد 17

نمبر 1

نمبر 1

جلد 17

جلد 17

جلد 17

جاتا آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پہنچے گا کھر کھر لئے پریم کی جھولی۔

جاتا آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پہنچے گا کھر کھر لئے پریم کی جھولی۔

پرچم کھول دے  
(بھیر ریاضی)

34971

پرچم کھول دے  
(بھیر ریاضی)

پرچم کھول دے

آپو مूर्ख इन्सान, समय पहचान, तराने घोळ दे  
जंग न होने पाए, फ़िज़ा में नीला परचम खोल दे  
पूरब की जानिब से बड़ा है खून का एक व्योपारी  
जग में चारों ओर है उसके नाम से एक बेचारी  
जाग करा दुरबार बगरना बाध पड़ेंगे कारी

परचम खोल दे

आपो मूर्ख इन्सान, समय पहचान, तराने घोळ दे

❖

तेरे देस, तेरी धरती पर पैर न रखने पाए  
बागों, खेतों, खलियानों में आग न लगने पाए  
शोलों की आगोश में तेरा नाज न जलने पाए

परचम खोल दे

आपो मूर्ख इन्सान, समय पहचान, तराने घोळ दे

❖

तेरे देस, यों ही लहराए रंग बिरंगे झंडल  
गगन मर भर लाए यूँ ही यह काले काले बादल  
बिन्दिया चमके नैन कटोरोँ में सुसकाए काजल

परचम खोल दे

आपो मूर्ख इन्सान, समय पहचान, तराने घोळ दे

❖

پرچم کھول دے

او سرورک انسان، سمہ پھچان، ترانے کھول دے

جنگ نہ ہونے پائے، فضا میں نیلا پرچم کھول دے

پورب کی جانب سے بڑا ہے خون کا ایک بیوپاری

جگ میں چاروں اور ہے اسکے نام سے ایک بیچاری

جاگ ذرا ہوشیار دگرے کھاؤ پوئیں کے کاری

پرچم کھول دے

او سرورک انسان، سمہ پھچان، ترانے کھول دے

❖

تیرے دیس، تیری دھرتی پر پیر نہ رکھنے پائے

باغوں، کھیتوں، کھلیاؤں میں آگ نہ لگنے پائے

شولوں کی آغوش میں تیرا ناچ نہ چلنے پائے

پرچم کھول دے

او سرورک انسان، سمہ پھچان، ترانے کھول دے

❖

تیرے دیس، یوں ہی لہرائیں رنگ بونگے آنکھل

گگن پر ہر لاکھوں پوئیں یہ کالے کالے باطل

بلندیا چمکے نون کٹوروں میں مسکائے کاجل

پرچم کھول دے

او سرورک انسان، سمہ پھچان، ترانے کھول دے

❖



نیا ہند

## ہندوستانی کالچر سوسائٹی

کا

### ماہواری پرچا

جولائی 1954

نیا ہند

## ہندوستانی کلچر سوسائٹی

### ماہواری پرچا

کتاب کا نام

صفحہ نمبر

کس سے

|  |    |     |  |
|--|----|-----|--|
| 1—پرچم بھول دے ( کہانی )—سربہر ریڈی ...  | 1  | ... | —پرچم بھول دے ( کہانی )—سربہر ریڈی   |
| 2—بھارت میں شانتی کے لیے آندولن—ڈاکٹر<br>بھارتن کمارپا ...                                   | 3  | ... | —بھارت میں شانتی کے لیے آندولن—ڈاکٹر<br>بھارتن کمارپا                                      |
| 3—راجا رام موہن رائے سے گاندھی جی—لکھن<br>بائی دےسائی: انوادی—کانو بائی نانا لال<br>پٹیل ... | 8  | ... | —راجا رام موہن رائے سے گاندھی جی—لکھن<br>بائی دےسائی: انوادی—کانو بائی نانا لال<br>پٹیل    |
| 4—ایک رات ( کہانی )—سربہر ریڈی ...   | 11 | ... | —ایک رات ( کہانی )—سربہر ریڈی  |
| 5—لکھن اور اس کے ایلہا ایلہا ایلہا ایلہا<br>انوادی—سربہر ریڈی ...                            | 26 | ... | —لکھن اور اس کے ایلہا ایلہا ایلہا ایلہا<br>انوادی—سربہر ریڈی                               |
| 6—پیکنگ میں میری پہلی ہند—لکھن<br>انوادی—سربہر ریڈی ...                                      | 37 | ... | —پیکنگ میں میری پہلی ہند—لکھن<br>انوادی—سربہر ریڈی   |
| 7—اندر راجہ بھائی—اس کے دن اور<br>ایلا—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا ...                              | 42 | ... | —اندر راجہ بھائی—اس کے دن اور<br>ایلا—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا                                 |
| 8—کچھ کہانیاں ...  | 49 | ... | —کچھ کہانیاں   |
| 9—ہماری رات ...  | 53 | ... | —ہماری رات   |
| ان کے من کی مین—سربہر ریڈی<br>نیلو پٹیل کی کولہادی—سربہر ریڈی<br>پردیش کا بھوشہ—سربہر ریڈی   |    |     | ان کے من کی مین—سربہر ریڈی<br>نیلو پٹیل کی کولہادی—سربہر ریڈی<br>پردیش کا بھوشہ—سربہر ریڈی |

قیمت—ہندوستان میں 1 روپیہ سال، باہر 2 روپیہ  
سال، ایک پرچہ—دس آنے

میں

نیا ہند

145، سربہر ریڈی، لاہور

—ہندوستان میں 1 روپیہ سال، باہر 2 روپیہ  
سال، ایک پرچہ—دس آنے

میں

نیا ہند

145، سربہر ریڈی، لاہور

## सुधार

जुलाई के अंक में सफेद एक से शुरू होते हैं. लेकिन गलती से इस बार सफेद का नम्बर नहीं बदला जा सका. पाठकों से निवेदन है कि 417 सफेद को सफेद नम्बर एक समझा जाए. चार क्रमों के बाद गलती सुधार ली गई है.

इस गलती के लिये हम पाठकों से क्षमा चाहते हैं.

—मैनजर

## सुधार

417 नंबर के एक से शुरू होते हैं. लेकिन गलती से इस बार सफेद का नम्बर नहीं बदला जा सका. पाठकों से निवेदन है कि 417 सफेद को सफेद नम्बर एक समझा जाए. चार क्रमों के बाद गलती सुधार ली गई है.

—मैनजर

# ہندوستانی کلتور سوسائٹی

کا

## ماہواری پرچا

جولائی 1954

# ہندوستانی کلتور سوسائٹی

## ماہواری پرچا

کتاب کی قیمت

صفحہ نمبر

کتاب کی قیمت

|  |    |  |
|--|----|--|
| 1—پرچم خال دے ( کविता )—————                   | 1  | 1—پرچم خال دے ( کविता )—————                   |
| 2—بھارت میں شانتی کے لیے آندولن—————           | 3  | 2—بھارت میں شانتی کے لیے آندولن—————           |
| 3—راجا رام موہن رائے سے گاندھی جی—————         | 8  | 3—راجا رام موہن رائے سے گاندھی جی—————         |
| 4—ایک رات ( کہانی )—————                       | 13 | 4—ایک رات ( کہانی )—————                       |
| 5—لکھنؤ اور اس کے اہم ترین لوگوں کی زندگی————— | 26 | 5—لکھنؤ اور اس کے اہم ترین لوگوں کی زندگی————— |
| 6—پیکنگ میں میری پہلی زندگی—————               | 37 | 6—پیکنگ میں میری پہلی زندگی—————               |
| 7—اندر رائے کے بارے میں—————                   | 42 | 7—اندر رائے کے بارے میں—————                   |
| 8—کچھ کتابیں—————                              | 49 | 8—کچھ کتابیں—————                              |
| 9—ہماری رائے—————                              | 53 | 9—ہماری رائے—————                              |

قیمت—ہندوستان میں دس روپیہ سال، باہر دس روپیہ سال، ایک پرچہ—دس آنے

مینیجر

’نہا ہند‘

145، سڈی گانج، دہلی-3

قیمت—ہندوستان میں دس روپیہ سال، باہر دس روپیہ سال، ایک پرچہ—دس آنے

مینیجر

’نہا ہند‘

145، سڈی گانج، دہلی-3

# ہفت روزہ



# جمعہ

پبلیشر—تاراچند، بھگواندین، سیّد महमूّد، विशम्भर नाथ, सुन्दरलाल

अधिकृत—ताराचंद 'बेकवान दीन'—'सुंदरलाल' 'बेकवान दीन' 'सुंदरलाल'

नायब एडیटर—सुरेश रामभाई, मुजीब रिजवी

4  
14

- परचम खोल दे ( कविता )—जुबैर रिजवी
- एक रात ( कहानी )—मुजीब रिजवी
- पीकिंग में मेरी पहली ईद—लेखक मुख्तार अहमद;
- अन्तर राष्ट्रीय बदलमनी—उसके कारन ओ। इलाज—डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा
- प्रथम कबूल दे ( कविता )—जुबैर रिजवी
- एक रात ( कहानी )—मुजीब रिजवी
- पीकिंग में मेरी पहली ईद—लेखक मुख्तार अहमद;
- अन्तर राष्ट्रीय बदलमनी—उसके कारन ओ। इलाज—डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा

हमारी राय

- उनके मन की मौज—सुरेशराम भाई
- नीलोखेड़ी की फुनफुड़ी—सुरेशराम भाई

हमारी राय

- उनके मन की मौज—सुरेशराम भाई
- नीलोखेड़ी की फुनफुड़ी—सुरेशराम भाई

जुलाई 1954

